فتح الرحمن في إثبات مذهب النعمان

(الشیخ عبدالحق محدث دہلوی)

تخریج و تحقیق

مقالہ

برائے پی ایچ ڈی

مقالہ نگار

محمد حماد

toobaa-elibrary.blogspot.com

ڈاکٹر محمد حبیب اللہ قاسمی

اسوسی ایٹ پروفیسر

شعبۂ دینیات (سنی)

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

علی گڑھ (انڈیا) ۲۰۲۰۰۲

۲۰۲۰ء

toobaa-elibrary.blogspot.com

FATH-UR-RAHMAN FI ISBATI MAZHAB-IN-NOMAN (LI SHAIKH ABDUL HAQ MUHADDIS DEHLAVI) TAKHREEJ WA TAHQEEQ

Thesis

SUBMITTED FOR THE AWARD OF THE DEGREE

OF

Doctor of Philosophy

In

Sunni Theology

By

MOHAMMAD HAMMAD

Under the Supervision of

DR. MOHAMMAD HABIBULLAH QASIMI

Associate Professor

DEPARTMENT OF SUNNI THEOLOGY

ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY

ALIGARH (INDIA) - 202002

2020

toobaa-elibrary.blogspot.com

Dr. Mohammad Habibullah Qasimi
(Associate Professor)

ڈاکٹر محمد حبیب اللہ قاسمی
(ایسوسی ایٹ پروفیسر)

Dated: ____________________

Certificate

This is to certify that Mr. Mohammad Hammad, research scholar Department of Sunni Theology, En.No: GG 9700, has completed his Ph.D. Thesis entitled: "فتح الرحمن في إثبات مذهب النعمان" (للشيخ عبد الحق محدث دهلوي) تخريج وتحقيق **"Fath-ur-Rahman Fi Isbati Mazhab-in-Noman (Li Shaikh Abdul Haq Muhaddis Dehlavi) Takhreej Wa Tahqeeq"**.

This is his original work done under my supervision. This is completed in all respects and now is being submitted for the award of the degree of Doctor of Philosophy in Sunni Theology.

M. Habibullah

(Dr. Mohammad Habibullah Qasimi)
Supervisor

Department of Sunni Theology, Faculty of Theology, Aligarh Muslim University, Aligarh - 202002, U.P. INDIA
Mobile: +91-9719268153, Email: mohammadhabibullah12@gmail.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

مقدمه

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

مقدمہ

تخلیق انسانی کا اصل مقصد خود خالق کائنات نے اس طرح بیان کیا ہے "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ" [1] [اور ہم نے جنات اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا تاکہ وہ ہماری عبادت کریں۔] اسی مقصد کی تکمیل کے لئے ہر دور میں اللہ رب العزت نے اپنے مخصوص بندوں کو انبیاء و رسل بنا کر مبعوث فرمایا؛ تاکہ وہ انسانوں کو معبود حقیقی کی بتائی ہوئی صراط مستقیم کی جانب رہنمائی کریں، اور تخلیق کے مقصد اصلیہ کو بحسن وخوبی انجام دینے کا طریقہ سکھائیں۔ انبیاء کے اس سلسلہ کی آخری کڑی امام الانبیاء خاتم الرسل محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں جو رہتی دنیا تک تمام انسانوں کے واسطے ہادی ورہبر بنا کر بھیجے گئے۔ آپ ﷺ اپنے ساتھ جو شریعت لائے اس کو شریعت اسلامیہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ شریعت اسلامیہ کے مصادر میں دوسرا مصدر آپ ﷺ کے اقوال وافعال اور تقریرات واحوال ہیں جن کو محدثین عظام نے احادیث کے نام سے موسوم کیا ہے۔

احادیث نبویہ کی ضرورت واہمیت کے پیش نظر مسلمانوں نے ہر دور میں اس کی تبلیغ واشاعت میں غیر معمولی جدوجہد کا مظاہرہ کیا۔ اس کی حفاظت کی غرض سے ایسے مہتم بالشان علوم ایجاد کئے جن کو دیکھ کر آج بھی عقلیں حیران وششدر رہ جاتی ہیں۔ علماء اسلام نے سندِ حدیث کی چھان پھٹک کے لئے 'علم مصطلح الحدیث' کو مدون کیا، تو سند میں پائے جانے والے رجال کے حالات سے بحث کرنے کے لئے 'علم اسماء الرجال' کی داغ بیل ڈالی۔ متن حدیث کو پرکھنے کی خاطر 'درایت حدیث' کو ایجاد کیا، تو سند ومتن میں پائی جانے والی علتوں کو حل کرنے کے لئے 'علم علل الحدیث' سے دنیا کو متعارف کرایا۔ صرف یہی نہیں بلکہ حدیث کے متابعات وشواہد کو تلاش کرنے یا مصادرِ اصلیہ سے حدیث کے صحیح الفاظ تک رسائی کی غرض سے 'علم تخریج الحدیث' کو ایک مستقل فن کی حیثیت بخشی، تو احادیثِ نبویہ سے مسائل کے استنباط کی خاطر 'فقہ الحدیث' جیسے علم کو ایجاد کیا۔ الغرض دنیا کے تمام مفکرین ومؤرخین یہ بات کہنے اور سوچنے پر مجبور ہوگئے کہ مسلمانوں نے اپنے پیغمبر محمد مصطفیٰ ﷺ کے اقوال وافعال کی جس طرح حفاظت کی ہے، اس کی معمولی سی مثال پیش کرنے سے بھی دیگر مذاہب کے پیروکار قاصر ہیں۔

سرزمین ہند پر جن علماء کرام کو ان کی حدیثی خدمات کی وجہ سے تاریخ کے اوراق میں سنہری الفاظ سے لکھا جاتا ہے، ان میں "شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ" کا نام سرفہرست آتا ہے۔ شیخ صاحبؒ نے اپنی تقریبا ۹۴ سالہ زندگی میں درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کے ذریعہ تبلیغ اسلام کی جو خدمت انجام دی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ آپؒ نے

---

[1] الذاریات: ۵۶۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

جہاں ایک طرف حدیث کے قدیم مصادر کی تشریح و توضیح اور اس دور کی عوامی زبان فارسی میں تراجم کر کے ان کو عام فہم بنایا، وہیں دوسری جانب بہت سی ایسی علمی و تحقیقی کتابوں کا ذخیرہ بطور یادگار چھوڑا، جو آج تک علماء کے درمیان شریعت اسلامیہ کی غرض وغایت اور مقصد اصلیہ کو سمجھنے کے لئے رائے ثاقب کی حیثیت رکھتا ہے۔ بطور خاص علم حدیث کے میدان میں "شیخ عبد الحق" نے جو خدمات انجام دیں ان کی مثال ہندوستان کی تاریخ میں کم ہی نظر آتی ہے۔

شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے اپنے بعد جو علمی سرمایہ چھوڑا اس میں ایک انتہائی اہم کتاب "فتح الرحمن في إثبات مذهب النعمان" ہے۔ یہ کتاب حدیث کا ایسا انوکھا مجموعہ ہے جس میں آپ نے "مشكاة المصابيح" کی طرز پر ان احادیث کو جمع کیا ہے جو فقہ حنفی کے مستدلات ہیں۔ اس کی بے شمار خصوصیات میں سے ایک بڑی خاصیت یہ ہے کہ یہ احادیث کی جمع وترتیب کے ساتھ ائمہ اربعہ کے درمیان مختلف فیہ مسائل سے بخوبی بحث کرتی ہے، اور ان مسائل کے مستدلات کو بھی تفصیل سے بیان کرتی ہے۔ جس کی وجہ سے ایک ہی وقت میں اس کو حدیث اور تقابل فقہ دونوں علوم کے زمرے میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

اس جیسی دیگر خصوصیات کی وجہ سے احقر نے اپنے نگراں ڈاکٹر محمد حبیب اللہ قاسمی اور بورڈ آف اسٹڈیز شعبہ دینیات (سنی)، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کے مشورے سے اس کو اپنے پی ایچ۔ ڈی۔ کے مقالہ کے لئے منتخب کیا۔ یہ مقالہ ایک مقدمہ اور پانچ ابواب پر مشتمل ہے، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

مقدمہ: میں "علم تخریج حدیث" کا تعارف، "فتح الرحمن في إثبات مذهب النعمان" کا تعارف اور "منہج تخریج و تحقیق" جیسے امور سے بحث کی گئی ہے۔

باب اول: شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ سے قبل ہندوستان میں علم حدیث کی نشرواشاعت ہے۔ یہ باب تین فصلوں پر مشتمل ہے، پہلی فصل "برصغیر میں صحابہ وتابعین کا ورود" کے نام موسوم ہے، جس میں ۲۵ را یسے صحابہ وتابعین رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کو ذکر کیا ہے جو "عہد فاروقی" سے "یزید" کے عہد خلافت تک برصغیر میں تشریف لائے۔ دوسری فصل میں "ابتدائی مشہور محدثین" کا مختصر تذکرہ ہے۔ جن میں ربیع بن صبیح، ابو معشر نجیح سندھی، رجاء سندھی، خلف بن سالم اور شیخ اسماعیل لاہوری رحمۃ اللہ علیہم اجمعین جیسے بزرگ شامل ہیں۔ تیسری فصل میں ہندوستان کے "ممتاز کثیر التصانیف محدثین" امام حسن صغانی، شیخ علی متقی اور محمد بن طاہر پٹنی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے حالات قدرِ تفصیلی انداز میں بیان کرتے ہوئے خصوصی طور پر ان تینوں محدثین کی تصنیفات وتالیفات کا مختصر تعارف کرایا گیا ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب دوم: شیخ عبد الحقؒ (خاندانی پس منظر، ذاتی حالات اور علمی خدمات) کے عنوان سے معنون ہے۔ یہ بھی تین فصلوں پر منقسم ہے، پہلی فصل میں شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کا "خاندانی پس منظر"، دوسری فصل میں آپؒ کے "ذاتی حالات" اور تیسری فصل میں "علمی خدمات" کو بیان کیا گیا ہے۔ اس فصل میں مذکور کتابوں کی تقسیم فن و موضوع کے اعتبار سے ہے۔ جس کے تحت عقائد، تفسیر، تجوید، نحو، تصوف، فقہ، سیر و تذکرہ اور تاریخ جیسے اہم موضوعات پر آپؒ کے ذریعہ لکھی گئی کتابوں کا تفصیلی تذکرہ ہے۔

باب سوم: شیخ عبد الحقؒ اور خدمات علم حدیث کے نام سے ہے، جس میں فصل اول کے تحت "شیخ عبد الحقؒ اور اشاعت علم حدیث" کو بیان کیا گیا ہے۔ جب کہ فصل دوم میں آپؒ کی "تالیفات حدیث" کا تفصیلی تذکرہ کیا گیا ہے۔ نیز یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ وہ کتاب شائع ہو چکی ہے یا نہیں؟ اگر مخطوطہ شکل میں ہے، تو کس کتب خانہ میں ہے؟ حتی الامکان اس کی جگہ کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔

باب چہارم: شیخ عبد الحقؒ اور ان کے معاصرین کے نام سے موسوم ہے، اس باب میں آپؒ کے ہم عصر دس ایسے علماء و امراء کے مختصر حالات اور شیخ صاحبؒ سے ان کے تعلقات کی نوعیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ جن سے آپؒ کا ایک طویل عرصہ تک خط و کتابت وغیرہ کے ذریعہ معاصرانہ ربط رہا ہے۔ ان میں شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ، شاہ ابو المعالیؒ، شیخ عبد اللہ نیازیؒ، محمد غوثی شطاریؒ، مرزا نظام الدین احمد بخشیؒ، نواب مرتضی خان شیخ فریدؒ، ملا عبد القادر بدایونیؒ، میر سید طیب بلگرامیؒ، ابو الفیض فیضی اور عبد الرحیم خان خاناںؒ شامل ہیں۔

باب پنجم: فتح الرحمن في إثبات مذهب النعمان کی تخریج و تحقیق میں ہے۔ اس باب میں مذکورہ کتاب کی تخریج و تحقیق کو پیش کیا گیا ہے۔ اس طور پر کہ اولاً ان کتابوں کے ذریعہ عبارت کی تصحیح کی گئی ہے جن کو شیخ صاحبؒ نے مصادر کے طور پر استعمال کیا ہے۔ مثلاً ابن اثیرؒ کی "جامع الأصول" اور شیخ متقیؒ کی "کنز العمال" وغیرہ سے عبارت کی تصحیح کرنے کے بعد حواشی میں اس حدیث کی مصادرِ اصلیہ کے ذریعہ تخریج کی گئی ہے۔ فقہی عبارتوں کے لئے "فتح القدير لابن الهمام" کو پیش نظر رکھا ہے؛ کیوں کہ مصنفؒ نے اختلافاتِ فقہیہ میں اکثر اسی سے عبارتیں نقل کی ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی دیگر کتابوں سے مدد لی گئی ہے، مثلاً شیخ محدث دہلویؒ کی ہی "لمعات التنقيح في شرح مشكاة المصابيح" سے کافی استفادہ کیا ہے۔ الغرض ان تمام مصادر کے ذریعہ تصحیح و تحقیق کی کوشش کی ہے جن کا ذکر آپؒ نے مقدمۃ الکتاب میں کیا ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

علم تخریج حدیث: ایک تعارف

تعریفِ تخریج [لغۃ]:

تخریج باب تفعیل کا مصدر ہے۔ جس کے حروف اصلیہ ہیں "خ ر ج"۔ یہ مادہ لغت میں اصلا دو معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے: (۱) النفاذ عن الشئ: [کسی چیز سے نکلنا] (۲) اختلاف لونین [دو رنگوں کا اختلاف]۔[1]

پہلے معنی میں استعمال کے وقت کہا جاتا ہے: خرج (ن) خروجا ومخرجا من موضعہ: برز، نکلنا، باہر آنا، نمودار ہونا، ابھرنا۔ اور دوسرے معنی میں استعمال کے وقت التخرج: ایسے دو رنگوں کو کہا جاتا ہے جو سواد اور بیاض کے درمیان ہوں۔[2]

جب اس کو باب تفعیل میں لاتے ہیں تو اس کے لغوی معنی ہوتے ہیں: دو متضاد امر کا ایک جگہ جمع ہونا، جیسا کہ القاموس المحیط میں مذکور ہے:

"أرض مخرجة، كمنقشة: نبتها في مكان دون مكان، وعام فيه تخريج: خصب وجدب."[3]

---

[1] ابن فارس، أبو الحسين أحمد بن فارس بن زكرياء القزويني الرازي، **معجم مقاييس اللغة**: ۱۷۵/۲، تحقيق: عبد السلام محمد هارون، دار الفكر، ۱۳۹۹هـ=۱۹۷۹م.

[2] الزبيدي، أبو الفيض محمد بن محمد الحسيني، الملقب بمرتضى، **تاج العروس من جواهر القاموس**: ۵۰۸/۵، تحقيق: مجموعة من المحققين، دار الهداية. الفراهيدي، أبو عبد الرحمن الخليل بن أحمد البصري، **كتاب العين**: ۱۵۸/۴، تحقيق: مهدي المخزومي، د إبراهيم السامرائي، دار ومكتبة الهلال. ابن سيده، أبو الحسن علي بن إسماعيل المرسي، **المحكم والمحيط الأعظم**: ۲/۵، تحقيق: عبد الحميد هنداوي، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۲۱ هـ=۲۰۰۰ م. الجوهري، أبو نصر إسماعيل بن حماد الفارابي، **الصحاح تاج اللغة وصحاح العربية**: ۳۰۹/۱، تحقيق: أحمد عبد الغفور عطار، دار العلم للملايين، بيروت، الطبعة الرابعة ۱۴۰۷ هـ=۱۹۸۷ م. الرازي، أبو عبد الله محمد بن أبي بكر بن عبد القادر الحنفي، **مختار الصحاح**: ۸۹، تحقيق: يوسف الشيخ محمد، المكتبة العصرية، الدار النموذجية، بيروت، الطبعة الخامسة ۱۴۲۰هـ=۱۹۹۹م. **المنجد في اللغة والأدب والعلوم**: ۱۷۲، المكتبة الكاثوليكية، بيروت، الطبعة التاسعة عشرة. کیرانوی، وحید الزمان، **القاموس الوحید**: ۴۲۱/۱، کتب خانہ حسینیہ، دیوبند، ۲۰۰۱ء۔

[3] الفيروزآبادى، مجد الدين أبو طاهر محمد بن يعقوب، **القاموس المحيط**: ۱۸۵، تحقيق: محمد نعيم العرقسوسي، مؤسسة الرسالة للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت، لبنان، الطبعة الثامنة، ۱۴۲۶هـ=۲۰۰۵م.

toobaa-elibrary.blogspot.com

تخریج الحدیث میں مصدر پہلے معنی (النفاذ عن الشئ) میں استعمال ہوا ہے؛ لیکن تخریج چوں کہ بابِ تفعیل کا مصدر ہے اور اس باب کی ۱۵ر خصوصیات میں سے ایک خاصیت "تعدیہ" بھی ہے، یعنی مجرد میں جو فعل لازم ہوتا ہے وہ باب تفعیل میں آنے کے بعد متعدی ہو جاتا ہے۔[1] تو تخریج کے معنی ہوں گے:

خرجه من المكان: جعله يخرج منه[2] خرّج المسئلة: بين لها وجها[3] مسئلہ کی وجہ بیان کرنا، توجیہہ کرنا۔[4]

مذکورہ تحقیق کے اعتبار سے "تخریج" کو چند معانی کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے:

ا- الاستنباط: کسی چیز کو دریافت کرنا، ایجاد کرنا، جیسا کہ القاموس میں مذکور ہے: "الاستخراج والاختراج: الاستنباط".[5]

ب- التدریب: مشق کرنا، تربیت دینا، سند فضیلت عطا کرنا، جیسا کہ ابن منظور لکھتے ہیں: "خريجه -بالتشديد- مثل عنين بمعنى مفعول، إذا دربه وعلمه".[6]

ت- التوجیه: وجہ بیان کرنا، سبب بیان کرنا، توجیہہ کرنا، کہا جاتا ہے: خرج المسألة وجهها أي بين لها وجها.

اصطلاحاً:

مذکورہ معانی کو پیش نظر رکھتے ہوئے محدثین صیغہ تخریج کو مصادرِ اصلیہ میں حدیث کی جگہ بیان کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ اسی لئے "ڈاکٹر محمود الطحان" نے حدیث کی اصطلاحی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

التخريج: هو الدلالة على موضع الحديث في مصادره الأصلية التي أخرجته بسنده، ثم بيان مرتبته عند الحاجة.[7]

[تخریج: حدیث کے ان مصادرِ اصلیہ میں حدیث کی جگہ کو بتانے کا نام ہے جنہوں نے اس کو سند کے ساتھ ذکر کیا ہو، پھر ضرورت کے وقت اس کے مرتبہ کو بیان کرنا۔]

---

[1] الكاكوري، عنايت أحمد، علم الصيغة (معرب): ۲۷۸، تعريب: ولي خان المظفر، مكتبة البشرى كراتشي، باكستان، الطبعة الثانية ۱٤۳۲هـ=۲۰۱۱ء.

[2] المنجد: ۱۷۲.

[3] المنجد: ۱۷۲.

[4] القاموس الوحيد: ۱/٤۲۲.

[5] القاموس المحيط: ۱۸٦.

[6] لسان العرب: ۲/۲٥۰.

[7] الطحان، محمود، أصول التخريج ودراسة الأسانيد: ۱۰، مكتبة المعارف للنشر والتوزيع، الرياض، الطبعة الثالثة ۱٤۱۷هـ=۱۹۹٦ء.

toobaa-elibrary.blogspot.com

مصادرِ حدیث:

مذکورہ تعریف میں حدیث کے مصادرِ اصلیہ کا لفظ وارد ہوا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ حدیث کے مصادر کی قسمیں بیان کر دی جائیں؛ چناں چہ مصادرِ حدیث کی تین قسمیں ہیں: (أ) مصدر اصلی (ب) مصدر شبہ اصلی (ت) مصدر غیر اصلی۔

أ- مصدر اصلی: ان کتب کو کہا جاتا ہے جن کے مصنفین اپنی سند سے حدیث بیان کرتے ہیں۔ پھر چاہے وہ کتب حدیث ہوں، جیسے: الصحاح الستة، الموطأ لإمام مالك اور المسند لإمام أحمد وغیرہ۔ یا کسی دوسرے فن کی کتابیں ہوں، جیسے: کتاب الإیمان لابن منده، جامع البیان في تأویل آي القرآن لطبري، کتاب الأم لإمام الشافعي، اور خطیب بغدادیؒ کی "تاریخ بغداد" وغیرہ۔

ب- مصدر شبہ اصلی: ان کتابوں کو کہا جاتا ہے جن کے مصنفین دوسرے مصادر اصلیہ سے حوالہ اور سند کے ساتھ احادیث نقل کرنے کا اہتمام کرتے ہیں، جیسے ابن کثیرؒ کی "تفسیر القرآن العظیم"، جمال الدین مزیؒ کی "تحفة الأشراف بمعرفة الأطراف"، اور زیلعی کی "نصب الرایة لأحادیث الهدایة" وغیرہ۔

ت- مصدر غیر اصلی: ان کتابوں کو کہا جاتا ہے جن کے مصنفین دوسرے مصادر اصلیہ سے حدیث کا اخراج کرتے ہیں لیکن سند نقل نہیں کرتے؛ بلکہ صرف متن کو ذکر کرنے اور منقول عنہ کتاب یا مصنف کے حوالہ دینے پر اکتفاء کرتے ہیں۔ جیسے امام نوویؒ کی "ریاض الصالحین" ابن حجرؒ کی "بلوغ المرام" اور امام سیوطیؒ کی "الجامع الصغیر" وغیرہ۔[1]

تاریخ علم تخریج حدیث:

حدیث کے ابتدائی ایام سے لیکر دورِ حاضر تک "علم تخریج حدیث" نے جو تاریخی سفر طے کیا، اور جن منازل سے گذر کر ایک مستقل فن کی حیثیت حاصل کی ہے، اس کو چار ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱. ابتدائی چار صدیوں میں محدثینِ عظام کو ذخیرۂ حدیث پر سنداً اور متناً مکمل عبور حاصل تھا۔ اس طور پر کہ اگر کوئی شخص ان سے حدیث کی سند اور متن کے بارے میں دریافت کرتا، یا علوم شرعیہ کی کسی کتاب میں ان

[1] معروفی، عبد اللہ، حدیث اور فہم حدیث (بالاختصار): ۲۸۶-۲۸۷، مکتبہ حقانیہ، دیوبند سہارنپور، طبع پنجم ۱۴۲۹ھ = ۲۰۰۸ء۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

کو حدیث کا کوئی جز نظر آتا، تو ان کے ذہن میں فی البدیہہ اس کی سند اور مکمل متن آجاتا۔ اس لئے ان صدیوں میں تخریج حدیث کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

۲. پانچویں صدی ہجری آتے آتے علماء کی استعداد میں تنزلی پیدا ہونے لگی، جس کی وجہ سے علوم شرعیہ مثلاً فقہ اور تفسیر کی کتابوں میں مصنفینؒ نے جن احادیث سے استشہاد کیا تھا ان کے مصادرِ اصلیہ تک رسائی دشوار ہوگئی۔ اس دشواری کو ختم کرنے کے لئے بہت سے علماء کرام نے کتب حدیث کے علاوہ دیگر فنون کی کتابوں میں وارد احادیث کی تخریج اور ان کی سندوں پر کلام کرنا شروع کیا۔ جس کے نتیجہ میں ایسی کتابیں وجود میں آئیں جن کو "کتب تخریج" کہا جاتا ہے۔ ان مصنفین میں جنہوں نے کسی کتاب میں وارد احادیث کی تخریج کی ہے اولیت "خطیب بغدادیؒ" کو حاصل ہے۔

۳. پانچویں صدی سے چودھویں صدی کے آخر تک ایسی بے شمار کتابیں منظر عام پر آئیں جن میں کسی کتاب میں واقع احادیث وآثار کی تخریج کی گئی تھی۔ مذکورہ کتابوں میں: زیلعیؒ کی "نصب الراية لأحاديث الهداية"، ابن حجرؒ کی "الدراية في تخريج أحاديث الهداية" اور ابن حجرؒ کی ہی "التخليص الحبير في تخريج أحاديث شرح الوجيز الكبير" وغیرہ کو خاص طور پر شمار کیا جاتا ہے۔

۴. چودھویں صدی آتے آتے استعداد میں اتنی تنزلی واقع ہوگئی کہ اکثر محققین ومصنفین اس سے بھی قاصر ہوگئے کہ اگر وہ کسی کتاب میں کوئی حدیث پڑھیں اور اس میں مختصراً اس کے مصدر کی جانب اشارہ کردیا گیا ہو، تو بآسانی اس مصدرِ اصلیہ میں واقع نص تک پہونچ سکیں۔ اس تنزلی کو دور کرنے اور مصادرِ اصلیہ میں موجود احادیث تک رسائی کو آسان بنانے کے لئے، علماء اسلام نے ایسے قواعد تیار کئے، جن کے ذریعہ آسانی کے ساتھ مطلوبہ حدیث تک پہونچا جاسکے۔ انہیں قواعد وضوابط کے مجموعہ کا نام "علم تخریج حدیث" ہے۔ اس فن کو مرتب ومدون کرنے میں "دکتور محمود الطحان" کا نام سرفہرست آتا ہے۔ جنہوں نے "أصول التخريج ودراسة الأسانيد" نامی کتاب کی شکل میں علم تخریج حدیث کو پیش کیا۔ [1]

فوائد تخریج حدیث:

تخریج حدیث ایک ایسا علم ہے جس کے بے شمار فوائد ہیں۔ ان میں سے کچھ کا تعلق سندِ حدیث سے ہے، مثلاً راویٔ مبہم کی پہچان وغیرہ۔ کچھ کا تعلق متنِ حدیث سے، مثلاً کسی مجمل لفظ کی تشریح وغیرہ، اور کچھ ایسے بھی ہیں جن کا تعلق سند ومتن دونوں سے ہے۔ ان فوائد کو مندرجہ ذیل نکات کی شکل میں بیان کیا جاسکتا ہے۔

---

[1] أصول التخريج ودراسة الأسانيد: ۱۲-۱٤ [بالاختصار].

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱. مصدرِ اصلیہ تک رسائی: اس فن کی بدولت کسی بھی حدیث کے مصدرِ اصلی تک آسانی سے پہونچا جاسکتا ہے۔

۲. حدیث کی اسانید وطرق کی معرفت: یعنی تخریج حدیث کے ذریعہ ایک متن کے مختلف طرق واسانید کی واقفیت حاصل ہوسکتی ہے۔

۳. تقویتِ سند: تخریج حدیث کے ذریعہ بسااوقات ضعیف حدیث کی کسی ایسی سند کا پتہ چل جاتا ہے، جو مذکورہ سند سے قوی ہوتی ہے، اور اس کی وجہ سے ضعیف کا درجہ حسن لغیرہ ہوجاتا ہے۔

۴. درجۂ حدیث کی معرفت: تخریج حدیث کی وجہ سے کسی حدیث کا مصدرِ اصلی معلوم ہوجاتا ہے، کہ وہ کس کتاب میں موجود ہے۔ جس بنا پر اس کا درجہ متعین کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ مثلاً کوئی روایت اگر صحیحین میں موجود ہے تو وہ دیگر روایتوں سے قوی ہوگی۔

۵. مہمل اور مبہم راوی کی پہچان: حدیث کی تخریج سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ اگر ایک سند میں کوئی راوی مہمل ہے، تو دوسری سند میں ہوسکتا ہے وہ راوی نسب، نسبت یا کنیت وغیرہ کے ساتھ موجود ہو۔ اسی طرح اگر حدیث کی ایک سند میں کوئی مبہم راوی ہو، مثلاً سند میں "عن رجل" یا "عن شیخ" وغیرہ کے الفاظ ہیں، تو تخریج کے بعد بسااوقات دوسری سند میں اس "رجل" یا "شیخ" کی پہچان ہوجاتی ہے۔

۶. مقصدِ حدیث کی وضاحت: تخریج حدیث کے ذریعہ انسان کو متن کے ایسے دوسرے مصادر معلوم ہوجاتے ہیں، جن میں کبھی متن حدیث کے اندر ایسا اضافہ یا تشریح موجود ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس کو بیان کرنے کا مقصدِ اصلیہ معلوم ہوجاتا ہے۔

۷. سببِ ورود کی معرفت: اگرچہ عام طور پر حدیث کا سببِ ورود نہیں ہوتا؛ لیکن تخریج کے ذریعہ بعض اوقات ایسے متن تک رہنمائی ہوجاتی ہے، جس میں اس حدیث کا سببِ ورود موجود ہوتا ہے۔ جس وجہ سے حدیث کی مراد متعین کرنے میں اور شکوک وشبہات کے ازالہ میں غیر معمولی مدد ملتی ہے۔

ان کے علاوہ تخریج حدیث کے اور بھی بہت سے فوائد ہیں، مثلاً سند یا متن میں موجود کسی علت کا پتہ چل جاتا ہے، یا سند ومتن میں تحریف وتصحیف کا علم ہوجاتا ہے۔[1]

---

[1] المنیر آبادي، محمد أبو الليث القاسمي، تخريج الحديث: نشأته ومنهجيته: ٢٠-٢٥ [بالاختصار]، اتحاد بكدبو ديو بند، الطبعة الثالثة ١٤٢٥هـ=٢٠٠٤م.

toobaa-elibrary.blogspot.com

طرق تخریج حدیث:

کسی بھی حدیث کی تخریج سے پہلے ضروری ہے کہ اس کی سند اور متن میں غور کیا جائے۔ اس طور پر کہ سند کا راوئ اعلی (صحابیؓ) موجود ہے یا نہیں؟ متن میں کسی خاص موضوع کو بیان کیا گیا ہو، جیسے: نماز، روزہ وغیرہ۔ حدیث کا پہلا جز، یا کوئی جز موجود ہو۔ یا پھر اس حدیث کی سند یا متن میں کوئی خاص صفت پائی جاتی ہو۔

مذکورہ غور و فکر کے نتیجہ میں استقرائی طور پر جو طریقے سامنے آتے ہیں: وہ پانچ ہوتے ہیں، جن میں سے ایک کا تعلق سند سے ہے، یعنی راوئ اعلی کے ذریعہ تخریج۔ تین کا تعلق متن سے ہے، یعنی حدیث کے پہلے جز کے ذریعہ تخریج، حدیث کے کسی ایسے لفظ کے ذریعہ تخریج جو قلیل الاستعمال ہو، یا حدیث کے موضوع کے ذریعہ تخریج۔ جب کہ ایک طریقہ ایسا ہے جس کا تعلق سند اور متن دونوں سے ہے، یعنی سند یا متن میں پائی جانے والی کسی خاص صفت کے ذریعہ تخریج۔ انہیں پانچ طریقوں کی مختصر تفصیل آئندہ صفحات میں مذکور ہے۔[1]

الطريقة الأولى: التخريج عن طريق معرفة راوي الحديث من الصحابة.

یعنی اگر حدیث، راوی اول (صحابیؓ) کے ساتھ موجود ہو تو ان کے نام کے ذریعہ حدیث کی تخریج کی جاسکتی ہے۔ اور اس میں درج ذیل کتابیں مددگار ثابت ہوتی ہیں۔

۱. المسانيد: یہ وہ کتابیں ہیں جن میں ہر صحابیؓ کی حدیثیں الگ الگ جمع کر دی گئی ہیں۔ ان کی ترتیب کبھی تو حروف تہجی کے اعتبار سے ہوتی ہے، کبھی سبقت فی الاسلام کے اعتبار سے، کبھی قبائل کے اعتبار سے اور کبھی شہروں کے اعتبار سے[2]۔ چند مشہور مسانید یہ ہیں:

أ- مسند أبي داود، سليمان بن داود الطيالسي البصري (المتوفى: ٢٠٤هـ).

ب- مسند الإمام أحمد، أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل (المتوفى: ٢٤١هـ).

ت- مسند أبي يعلى، أحمد بن علي بن المثنى الموصلي (المتوفى: ٣٠٧هـ).

۲. المعاجم: ایسی کتابیں جن میں صحابہ، شیوخ یا بلدان وغیرہ کی ترتیب پر احادیث کو جمع کیا گیا ہو۔ ان میں زیادہ تر حروفِ ہجا کی ترتیب پر ہیں[3]، جیسے:

---

[1] تخریج کے مذکورہ پانچوں طریقے مختصر طور پر 'محمود الطحان' کی کتاب "أصول التخريج ودراسة الأسانيد" سے مستفاد ہیں، تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں، أصول التخريج ودراسة الأسانيد: ٣٩-١٣٣.

[2] الكتاني، محمد بن جعفر، السيد الشريف، الرسالة المستطرفة لبيان مشهور كتب السنة المشرفة: ٦٠، تحقيق: محمد المنتصر، دار البشائر الإسلامية بيروت، لبنان، الطبعة الخامسة ١٤١٤هـ=١٩٩٣م.

[3] الرسالة المستطرفة: ١٣٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

أ- المعجم الكبير: لأبي القاسم سليمان بن أحمد الطبراني (المتوفى: ٣٦٠هـ)، یہ صحابہ کی ترتیب پر ہے۔

ب- المعجم الأوسط: للطبراني.

ت- المعجم الصغير: للطبراني (یہ دونوں شیوخ کی ترتیب پر ہیں)۔

ث- معجم الصحابة: لأبي يعلى أحمد بن علي بن المثنى الموصلي (المتوفى: ٣٠٧هـ).

٣۔ کتب اطراف: حدیث کی ایسی کتابیں جن میں مولفین نے حدیث کے ایک ایسے ٹکڑے کو ذکر کیا ہو جو پوری حدیث پر دلالت کرتا ہو، پھر اس حدیث کی تمام سندوں کو ذکر کیا گیا ہو، یہ کتابیں یا تو استیعاب کے طریقے پر لکھی گئی ہیں یا کسی مخصوص کتاب پر،[1] جیسے:

أ- أطراف الصحيحين: لأبي مسعود إبراهيم بن محمد الدمشقي (المتوفى: ٤٠١هـ).

ب- تحفة الأشراف بمعرفة الأطراف: لأبي الحجاج يوسف بن عبد الرحمان المزي (المتوفى: ٧٤٢هـ).

ت- الأشراف على معرفة الأطراف: لابن عساكر، أبي القاسم علي بن الحسن (المتوفى: ٥٧١هـ).

الطريقة الثانية: التخريج عن طريق معرفة أول لفظ من متن الحديث.

اگر حدیث کی سند بالکل نہ ہو؛ بلکہ صرف متن ہو، اس طرح کہ اس کا پہلا ٹکڑا مذکور ہو۔ تو پہلے ٹکڑے کی مدد سے ہی تخریج کی جاسکتی ہے۔ اس طریقہ میں یہ کتابیں معاون ہوسکتی ہیں۔

١۔ وہ کتابیں جو لوگوں کے درمیان زبان زد عام احادیث کی تحقیق و تخریج کے لئے تصنیف کی گئی ہیں۔ ان میں سے چند یہ ہیں:

أ- اللآلي المنثورة في الأحاديث المشهورة: لابن حجر العسقلاني (المتوفى: ٨٥٢هـ).

ب- المقاصد الحسنة في بيان كثير من الأحاديث المشتهرة على الألسنة: لمحمد بن عبد الرحمن السخاوي (المتوفى: ٩٠٢هـ).

ت- الدرر المنتثرة في الأحاديث المشتهرة: لجلال الدين، عبد الرحمن السيوطي (المتوفى: ٩١١هـ).

٢۔ وہ کتابیں جن میں مختلف مصادر اصلیہ کی احادیث کو حروف ہجاء کی ترتیب پر مرتب کردیا گیا ہو اور اسانید کو حذف کردیا گیا ہو۔ مثلاً:

---

[1] الرسالة المستطرفة: ١٦٨۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

أ- الجامع الکبیر: یہ سیوطی کی ایک ضخیم کتاب ہے، اس کی پہلی قسم جو احادیث قولیہ پر مشتمل ہے وہ حروف تہجی کے اعتبار سے ہے اور دوسری قسم جو احادیث فعلیہ پر مشتمل ہے وہ مسانید صحابہ کے اعتبار سے ہے۔

ب- الجامع الصغیر من حدیث البشیر النذیر: للسیوطي.

ت- الفتح الکبیر في ضم الزیادة إلی الجامع الصغیر: للنبهاني، یوسف بن إسماعیل النبهاني (المتوفی: ١٣٥٠ھ)

٣. وہ کتابیں جن میں خاص مصادر اصلیہ کی احادیث کو حروف ہجاء کی ترتیب پر مرتب کیا گیا ہو، جیسے:

أ- مفتاح الصحیحین: لمحمد الشریف بن مصطفی التوقادي.

ب- مفتاح الترتیب لأحادیث تاریخ الخطیب: لأحمد الغماري.

ت- فهرس ترتیب أحادیث صحیح مسلم: لمحمد فؤاد عبد الباقي.

ث- المفتاح لأحادیث موطا مالك: لمحمد فؤاد عبد الباقي.

الطریقة الثالثة: التخریج عن طریق معرفة کلمة یقل دورانها علی الألسنة.

یعنی اگر حدیث کا متن یا بعض اہم الفاظ موجود ہوں تو تخریج کا طریقہ یہ ہے کہ کچھ اہم الفاظ منتخب کر لئے جائیں پھر ان کے مادوں کی مدد سے لغوی معاجم کی جانب رجوع کیا جائے، جیسے:

المعجم المفهرس لألفاظ الحدیث النبوي ﷺ: یہ ایک عظیم فہرست ہے جو نو (٩) مصادر اصلیہ یعنی کتب ستہ، موطا مالکؒ، مسند احمدؒ، اور سنن دارمیؒ کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اسے مستشرقین کی ایک جماعت نے آرینت جان ونسنک (ARENT JAN WENSINK) کی رہنمائی میں تیار کیا ہے۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ علمی دنیا پر ایک احسان ہے جس کے ذریعہ ذخیرہ حدیث کے ایک بڑے حصہ سے استفادہ آسان ہو گیا ہے۔[1]

اس سے استفادہ کی صورت یہ ہے کہ جس حدیث کو تلاش کرنا ہے پہلے اس کے اہم الفاظ کا مادہ (حروف اصلیہ) نکالا جائے، پھر مذکورہ فہرست میں ان کو لغت کی طرح حروف ہجاء کے اعتبار سے تلاش کیا جائے۔

اس مفہرس میں پہلے ثلاثی مجرد سے فعل ماضی کے صیغے دیئے گئے ہیں، پھر فعل مضارع کے، پھر فعل امر کے، پھر اسم فاعل، پھر اسم مفعول، پھر مجرد کی طرح مزید کے افعال اور ان کے صیغے اور پھر اس مادہ سے دیگر اسماء، معانی و مشتقات وغیرہ کے صیغے دیئے گئے ہیں۔

---

[1] حدیث اور فہم حدیث: ٢٩٣-٢٩٤۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

الطريقة الرابعة: التخريج عن طريق معرفة موضوع الحديث.

یعنی اگر حدیث کی نہ تو سند موجود ہو اور نہ متن؛ بلکہ موضوع ذہن میں ہو۔ تو ان کتابوں سے مدد لینی پڑے گی جن کی بنیادی ترتیب ابواب علمیہ پر ہوتی ہے۔ اس میں مندرجہ ذیل انواع کتب مددگار ثابت ہوتی ہیں۔

۱۔ وہ کتابیں جو جمیع ابواب دین پر مشتمل ہیں، جیسے: جوامع، مستخرجات جوامع، مستدرکات جوامع، زوائد، مجامیع اور کتاب "مفتاح کنوز السنۃ"۔

۲۔ وہ کتابیں جو اکثر ابواب دین کو شامل ہیں اور ان کو فقہی ابواب کی ترتیب پر مرتب کیا گیا ہے۔ جیسے: سنن، مستخرجات سنن، مصنفات اور موطات۔

۳۔ وہ کتابیں جو کسی خاص موضوع یا باب سے تعلق رکھتی ہوں۔ جیسے: اجزاء، ترغیب وترہیب، احکام، کتب تخریج اور شروحات وغیرہ۔

فائدة مفتاح كنوز السنة : ایک جلد میں ایسی فہرست ہے جو "دریا بہ کوزہ" کی صحیح مصداق بننے کے لائق ہے۔ یہ بھی ان ہی مستشرقین کی تیار کردہ ہے جنہوں نے "المعجم المفهرس لألفاظ الحديث النبوی ﷺ" تیار کی ہے۔ ان دونوں کتابوں کی تیاری میں مشہور محقق دکتور فواد عبد الباقی بھی شامل تھے۔ کتاب کی ترتیب موضوعات علمیہ پر ہے اور اس میں ۱۴ کتابوں کا احاطہ کیا گیا ہے۔[۱]

الطريقة الخامسة: التخريج عن طريق النظر في حال الحديث سندا ومتنا

مذکورہ چاروں طریقے اختیار کرنے کے بعد بھی مطلوبہ حدیث تک رسائی نہ ہوسکے، تو چاہیئے کہ حدیث کے سند و متن میں غور کریں اور کوئی ایسا وصف تلاش کریں جس کو پیش نظر رکھ کر محدثین کرامؒ نے کتابیں تصنیف کی ہیں۔ پھر ان کی جانب رجوع کریں، مثلاً:

۱۔ اگر حدیث قدسی ہے، تو ان کتابوں میں تلاش کریں جو احادیث قدسیہ کے لئے مخصوص ہیں۔ جیسے: الإتحافات السنية في الأحاديث القدسية للشيخ محمد بن محمود مدني.

۲۔ سند کے سارے رجال کسی ایک وصف میں مشترک ہیں۔ مثلاً: سب فقہاء ہیں، یا مدنی ہیں، یا سب نے کسی خاص عمل یا نوعیت کا التزام کیا ہے۔ تو اس صورت میں کتب مسلسلات کی جانب رجوع کیا جاسکتا ہے۔

۳۔ حدیث کا متن قرآن کے کسی صریح نص کے مخالف ہے، یا عقل سلیم اس کی مخالفت کرتی ہے، یا پھر سنت مشہورہ کے خلاف ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید حدیث موضوع ہے۔ لہذا ان خاص کتابوں کی مدد

---

[۱] حدیث اور فہم حدیث: ۲۹۷۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

لے سکتے ہیں جو موضوع احادیث کے لئے تصنیف کی گئی ہیں۔ جیسے: الموضوعات الكبرى: لابن الجوزي (ت ٥٩٧هـ) اور اللآلي المصنوعة للحافظ السيوطي (٩١١هـ).

الطريقة السادسة: التخريج عن طريق الحاسوب. [١]

یعنی کمپیوٹرز (Computers)، لیپ ٹاپ (Laptop) اور انٹرنیٹ (Internet) وغیرہ کے ذریعہ تخریج کرنا۔ موجودہ دور میں ایسے بہت سے سوفٹ ویئر (Software) موجود ہیں جن میں ہزارہا ہزار کتابیں ہیں۔ ان میں "البحث" (Search) کے نام سے ایک کالم دیا ہوتا ہے، آپ اس میں احادیث وغیرہ کو لکھئے اور وہ نیچے اس کے تمام مصادر ظاہر کر دے گا جن میں وہ حدیث یا اس کے مشابہ کوئی جزء ہے۔

نوٹ: اس طریقہ سے تخریج کرنے میں کیوں کہ غلطی کا امکان باقی رہتا ہے؛ اس لئے ضروری ہے کہ اس طریقہ کو اپنانے کے بعد طبع شدہ اور کتابی شکل میں موجود مواد کی جانب بھی رجوع کر لیا جائے۔

---

[١] جمعة، عماد علي، أصول التخريج ودراسة الأسانيد الميسرة: ٥: دار النفائس والتوزيع، الأردن، الطبعة الأولى ١٤٢٥هـ-٢٠٠٤م.

toobaa-elibrary.blogspot.com

فتح الرحمن فی اثبات مذہب النعمان: ایک تعارف

یہ شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کی آخری کتابوں میں سے ہے۔ اس میں آپؒ نے ان احادیث نبویہ ﷺ کو جمع کیا ہے جو فقہ حنفی کے مستدلات ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کے علاوہ ائمہ ثلاثہ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے مذاہب پر بھی قدرے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ 'تنبیہات' کے عنوان کے تحت ائمہ اربعہ کے اختلافات کو مدلل ذکر کیا ہے اور آخر میں مذہب احناف کے دلائل کی قوت کو ثابت کیا ہے۔ جس وجہ سے یہ کتاب ایک ہی وقت میں حدیث اور تقابلِ فقہ دو اہم علوم سے انتہائی عمدہ طریقے سے بحث کرتی ہے۔

نام و نسبتِ کتاب:

شیخ محدث دہلویؒ کے قدیم و جدید تقریبا تمام تذکرہ نگاروں نے آپؒ کی تصنیفات و تالیفات کے تحت اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔ وہ تمام اس بات پر بھی متفق ہیں کہ اس کا نام "فتح المنان في تأييد مذهب النعمان" ہے۔ آپؒ نے یہ کتاب "فہرست التوالیف" مرتب کرنے کے بعد تحریر فرمائی تھی؛ جس وجہ سے اس کا ذکر "فہرست التوالیف" میں نہیں ہے۔ لیکن شیخ صاحبؒ کے قدیم ترین تذکرہ نگار 'منشی برکت علی' نے 'مرآۃ الحقائق' میں تین جگہ "فتح المنان في تأييد مذهب النعمان" کے نام سے ہی اس کا ذکر کیا ہے۔[1]

منشی صاحب کے علاوہ حکیم عبد الحی[2]، پروفیسر نظامی[3] اور دیگر محققین[4] و مصنفین[5] نے اس کا یہی نام ذکر کیا ہے۔ نیز اس کے جو مخطوطات پائے جاتے ہیں وہ بھی مذکورہ نام سے ہی موجود ہیں۔ مولانا حبیب الرحمن اعظمیؒ نے اس کے ایک مخطوطے کا ذکر اسی نام سے کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

---

1) منشی برکت علی، مرآۃ الحقائق: ۴۷، ۴۱، ۵۸، مطبع عزیزی، رام پور۔

2) عبد الحي بن فخر الدين الحسني، نزهة الخواطر: ٥/٥٥٧، دار ابن حزم بيروت لبنان، الطبعة الأولى ١٤٢٠هـ=١٩٩٩م.

3) نظامی، خلیق احمد، حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۲۰۰، ادارہ علوم القرآن، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، ۲۰۱۵ء/۱۴۳۳ھ۔

4) محدث دہلوی، شیخ عبد الحق بن سیف الدین، اخبار الاخیار: مقدمہ، بیست وہشت، تحقیق: علیم اشرف خان، انجمن آثار ومفاخر فرہنگی، ایران، ۱۳۸۳ھ۔

5) اللكنوي، أبو الحسنات محمد عبد الحي بن محمد عبد الحليم، ظفر الأماني بشرح مختصر السيد الشريف الجرجاني: ٣٣٠، تحقيق: عبد الفتاح أبو غدة، مكتب المطبوعات الإسلامية، حلب، الطبعة الثالثة،

toobaa-elibrary.blogspot.com

"فتح المنان في تأييد مذهب النعمان: یہ حضرت شیخ کی ایک ضخیم کتاب ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ اس وقت میرے پیش نظر ہے۔"[۱]

اس نسخہ کے ناقل کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:

"میرے سامنے جو نسخہ ہے وہ ہمارے دیار کے جید عالم مولانا محمد طاہر رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔"[۲]

مفتی نظام الدین اعظمیؒ نے مولانا محمد طاہر معروفی کے مذکورہ مخطوطہ کی تحقیق کے بعد ۱۴۰۱ھ میں، دیوبند کے مکتبہ حسامیہ سے اس کو شائع کیا تھا۔ لیکن انہوں نے اس کو "فتح الرحمن في إثبات مذهب النعمان" کے نام سے شائع کیا ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ مفتی صاحبؒ کے پیش نظر مولانا طاہرؒ کے علاوہ "جامعہ ملیہ اسلامیہ" کے کتب خانہ میں موجود اس کا ایک اور مخطوطہ تھا۔ جس پر "فتح الرحمن في تأييد مذهب النعمان" درج تھا۔ جیسا کہ آپ نے اس کتاب کے آخر میں صراحتاً ذکر کیا ہے:

"وقد وجد في الهند نسختان فقط، أحدهما: هذه النسخة، نسخة الطاهرة المعروفي الأعظمي، المذكور سابقا اللتي نقلته هنا؛ والثانية: التي كانت في المدرسة الرحمانية بقرول باغ في دهلي، وقد انتقلت إلى الجامعة الملية بدهلي حين خرجت المدرسة المذكورة في فتنة ١٩٤٧ من العيسوية، وهي إلى الآن موجودة فيها، كما وجدتها حين المتقابل لها في شهر جمادي الأولى من ١٣٨٧هجـ سبعة وثمانين وثلث مائة بعد الألف من الهجرية، بعد ما فرغت عن نقل هذا الكتاب للمستطاب وكتابته، فوجدت هذا الكتاب مطابقا بتلك النسخة حرفا بحرف، إلا في مقامات قليلة تغير حرف أو كلمة فقط، ومنه تغير الاسم، فاسم هذا الكتاب في هذه النسخة بـ"فتح الرحمن في تائيد مذهب النعمان" وفي تلك النسخة "فتح المنان في تائيد مذهب النعمان".[۳]

١٤١٦هـ. اللكنوي، عبد العلي محمد بن نظام الدين محمد السهالوي، **فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت**: ٢/ ١١٠، تصحيح: عبد الله محمود محمد عمر، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، الطبعة الأولى، ١٤٢٣هـ=٢٠٠٢م.

۱) الاعظمی، حبیب الرحمن، ابو المآثر، **مقالات ابو المآثر**: ۳/ ۲۲۴، مرتب: مسعود احمد اعظمی، دار الثقافۃ الاسلامیہ مئو، یوپی، طبع اول ۱۴۳۵ھ=۲۰۱۴ء۔

۲) **مقالات ابو المآثر**: ۳/ ۲۲۴۔

۳) المحدث الدهلوي، الشيخ عبد الحق بن سيف الدين، **فتح الرحمن في إثبات مذهب النعمان**: ٣/ ٣٩٠. تحقيق: نظام الدين الأعظمي، المكتبة الحسامية، ديوبند، سهارنفور، الطبعة الأولى ١٤٠١هـ.

toobaa-elibrary.blogspot.com

[ہندوستان میں اس کے صرف دو نسخے پائے جاتے ہیں[1]۔ ان میں سے ایک طاہر معروفی اعظمی کا یہ مذکورہ نسخہ ہے، جس کو یہاں نقل کیا گیا ہے۔ اور دوسرا قرول باغ (دہلی) کے مدرسہ رحمانیہ میں موجود تھا، جس کو ۱۹۴۷ء کے فتنہ میں جامعہ ملیہ اسلامیہ (دہلی) منتقل کر دیا گیا، جہاں وہ اب تک موجود ہے[2]۔ جیسا کہ میں نے جمادی الاول ۱۳۸۷ھ میں تقابل کے وقت اس کو وہاں پایا۔ اس مفید کتاب کی نقل و کتابت کے بعد میں نے اس کو حرف بحرف مطابق پایا، سوائے چند مقامات کے، جہاں کسی حرف یا کلمہ میں اختلاف تھا۔ اور اسی میں سے ایک نام کا اختلاف ہے، تو اس کتاب کا نام اس نسخہ میں "فتح الرحمن في تأييد مذهب النعمان" ہے۔ اور اُس نسخہ میں "فتح المنان في تأييد مذهب النعمان" ہے۔]

میں نے جس وقت مقالہ کا خاکہ شعبۂ دینیات (سنی)، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ میں جمع کیا، اور اس کتاب کی تخریج و تحقیق پر مقالہ لکھنے کی اجازت طلب کی تو میرے پیش نظر یہی مطبوعہ نسخہ تھا، جس کا نام "فتح الرحمن في إثبات مذهب النعمان" ہے۔ اسی نام سے میرے پی ایچ۔ ڈی۔ کے مقالہ کا عنوان بورڈ آف اسٹڈیز سے منظور ہوا۔ لہٰذا میں اسی امر کا پابند تھا کہ اپنا مقالہ اسی عنوان سے تحریر کروں۔ جب کہ کثرت دلائل کی بنا پر اس کا نام "فتح المنان في تأييد مذهب النعمان" ہونا چاہیے۔

منہج مصنف:

مصنفؒ نے کتاب کی تصنیف میں دو منہج اختیار کیے ہیں، جو کہ حسب ذیل ہیں:

۱. **منہج محدثین عظامؒ:**

کتاب کے نصف اول یعنی "کتاب الإيمان" سے "کتاب الجنائز" تک شیخ صاحب محدثینؒ کے نقش قدم پر چلے ہیں۔ بطور خاص "صاحب مشکاۃ امام تبریزیؒ" کی طرح ابواب و فصول قائم کیے، اور پھر ان کے تحت احادیث کو ذکر کیا ہے۔ ساتھ ہی ائمہ اربعہ کے درمیان اختلافات کو بھی بیان کیا ہے۔

۱۔ اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ، حیدر آباد میں پایا جاتا ہے۔ جس کا نمبر ہے: ۱۳۲۰، فن کلام نمبری ۷۶۔ [جلد و فتح عبد الحق محدث، ق: ۲۰۰۔]

۲۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ کی ذاکر حسین لائبریری میں اس کا مخطوطہ موجود ہے۔ جس کا اندراج نمبر ہے: MS118/ 297.14 ABD.

toobaa-elibrary.blogspot.com

۴. منہجِ فقہاءِ کرام:

کتاب کے نصفِ ثانی یعنی "کتاب الزکاۃ" سے آخر تک فقہاءِ کرام کا طرز اختیار کیا ہے۔ اس طور پر کہ اولاً ائمہ اربعہ کے درمیان مختلف فیہ مسائل کو ذکر کیا ہے اور پھر ہر ایک کے دلائل کو بیان کیا ہے۔

اپنے اسی اندازِ تحریر کو بیان کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

"ثم إنه قد اتفق تأليف هذا الكتاب على طريقتين: أحدهما إني اقتفيت أثر صاحب المشكاة في سرد الأبواب والفصول، وأوردت فيها من غيرها من الأحاديث من سائر الأصول، ونبهت في كل فصل على مواضع الإختلافات على ما شرطت من ذكر الاستدلالات، والمتمسكات، فتم على هذا النمط إلى كتاب الجنائز اخر كتاب الصلاة. ومن ههنا إلى كتاب البيوع أخذت المسائل الإختلافية من الكتب الفقهية للائمة، ونقلت دلائلها ومباحثها المذكورة ثمه، فتم القسم الأول على نمط كتب الحديث والثاني مثل كتب الفقه، ومقصودنا من هذا الكتاب وهو تائيد مذهب الحنفية حاصل في الوجهين." (١)

[پھر میں نے اس کتاب کی تالیف میں دو طریقوں پر اتفاق کیا ہے: ان دونوں میں سے ایک یہ ہے کہ میں ابواب وفصول کو بیان کرنے میں صاحب مشکاۃؒ کے نقشِ قدم پر چلا ہوں۔ اور اس میں، میں نے تمام کتبِ اصول سے احادیث وغیرہ کو ذکر کیا ہے۔ اور ہر فصل میں استدلالات اور متمسکات کے ذکر کی شرائط کے ساتھ مواضعِ اختلافات پر متنبہ کیا ہے۔ یہ طریقہ کتاب الصلاۃ کی آخری کتاب، کتاب الجنائز تک مکمل ہوا ہے۔ اور یہاں سے کتاب البیوع تک ائمہ کرام کی کتبِ فقہیہ سے اختلافی مسائل کو ذکر کیا ہے، اور ان کے دلائل ومباحث کو نقل کیا ہے۔ لہٰذا پہلی قسم کتبِ حدیث کے طرز پر ہے اور دوسری قسم کتبِ فقہ کی طرح ہے۔ اور اس کتاب سے ہمارا مقصد مذہبِ حنفی کی تائید ہے؛ جو دونوں طرح حاصل ہے۔]

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ صاحبؒ نے اس کتاب کے نصفِ اول میں امام تبریزیؒ کا منہج اختیار کیا ہے؛ لیکن جو چیز اس کو مشکاۃ اور دیگر کتبِ حدیث سے ممتاز کرتی ہے وہ احادیثِ نبویہ ﷺ کی وہ تشریحات وتوضیحات اور ائمہ اربعہ کی آراء واقوال ہیں جن کو "تنبیہات" کے عنوان کے تحت ذکر کیا گیا ہے۔ یہی تنبیہات ہیں جو کتاب کو ماقبل ومابعد کی تصنیفات حدیث سے ممتاز کرتی ہیں؛ کیوں کہ ان کی وجہ سے مذکورہ کتاب اپنے قاری کو ایک ہی وقت میں حدیث اور فقہ دونوں سے استفادہ کا موقع فراہم کرتی ہے۔

(١) فتح الرحمن في إثبات مذهب النعمان: ١/١٤-١٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

احادیث کو نقل کرنے میں آپ نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ "صحاح ستہ" کی احادیث کو ابن اثیرؒ کی "جامع الاصول" سے نقل کیا ہے، اور اس کے لئے "اخرجہ" کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ جب کہ وہ احادیث جو صحاح ستہ کے علاوہ دیگر کتب حدیث سے لی گئی ہیں ان کو شیخ متقیؒ کی "کنز العمال" سے نقل کیا ہے، اور اس کے لئے "رواہ" کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ جیسا کہ وہ تحریر فرماتے ہیں:

"وما ذكرت الحديث في كتاب بصيغة التخريج فمن الجامع الأصول، وما أوردت بلفظة الرواية فمن جامع الكبير." (1)

[اور جو احادیث میں نے کتاب میں "تخریج" کے صیغے کے ساتھ ذکر کی ہیں وہ "جامع الاصول" سے ہیں۔ اور جن کو "رواہ" کے لفظ کے ساتھ ذکر کیا ہے وہ "جامع الکبیر (2)" سے لیا۔]

کتاب کا نصف آخر، جس کو فقہاء کے طریقے پر تصنیف کیا گیا ہے، اس میں مصنفؒ اولاً "ہدایہ" کی عبارت نقل کرتے ہیں اور پھر اس کی تشریح اکثر ابن الہمامؒ کی "فتح القدیر" سے کرتے ہیں۔ ابن الہمام کے علاوہ ان تشریحات کے ضمن میں وہ علمی و تحقیقی نکات بھی ہیں جو آپ نے بذات خود بیان کئے ہیں۔ ان نکات کی خاصیت یہ ہے کہ ان میں "ہدایہ" کی بہت سی شروحات کا عطر پیش کیا گیا ہے۔ کئی صفحات پر پھیلی ہوئی بحثوں کو انتہائی عام فہم اور مختصر انداز میں چند سطروں کے اندر پیش کر دیا گیا ہے۔ ان تشریحات کے لئے آپ نے "كما في بعض شروح الهداية" کی اصطلاح استعمال کی ہے۔

فتح الرحمن فی اثبات مذہب النعمان میں آپ نے احادیث کی سندوں پر بھی قدیم محدثینؒ اور ائمہ جرح وتعدیل کے حوالہ سے مکمل بحث کی ہے۔ فقہ حنفی کے دلائل کے اثبات میں جابجا "فتح القدیر لابن الہمام" سے عبارتیں نقل کی ہیں اور بوقتِ ضرورت خود بھی ان کی تشریح وتوضیح فرمائی ہے۔

شیخ صاحبؒ کا یہ خاص انداز ہے کہ وہ قدیم محدثین وفقہاء کی تفصیلی بحثوں کو بھی اپنے خاص اور مختصر انداز میں انتہائی خوبصورتی کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ یہی انداز انہوں نے اپنی اس کتاب میں بھی اختیار کیا ہے؛ لیکن بسا اوقات "فتح القدیر" کے اہم اور ضروری مباحث کو ان کی طوالت سے قطع نظر کرتے ہوئی من وعن مکمل نقل کر دیا ہے۔

(1) فتح الرحمن في إثبات مذهب النعمان: ١/١٥.

(2) اس پوری کتاب میں شیخ صاحبؒ نے "کنز العمال" کو "جامع الکبیر" کے نام سے ذکر کیا ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

رموز و اشارات:

ا. أخرجه: جہاں یہ صیغہ استعمال ہوا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ، مذکورہ حدیث ابن الاثیرؒ کی "جامع الاصول" سے نقل کی گئی ہے۔

۲. رواه: یہ صیغہ ان احادیث کے لئے استعمال کیا گیا ہے جو شیخ علی متقیؒ کی "کنز العمال" سے لی گئی ہیں۔

۳. الجامع الکبیر: کتاب میں جہاں مصنفؒ نے "الجامع الکبیر" کا لفظ استعمال کیا ہے، اس سے مراد "کنز العمال" ہے۔

۴. قال الشیخ: اکثر مواقع میں ان جیسے صیغوں سے "شیخ ابن الہمام" اور ان کی شرح "فتح القدیر" مراد ہے۔

۵. ابن حجرؒ: اگر کہیں مطلق ابن حجرؒ استعمال ہوا ہے، تو اس سے ابن حجر ہیثمیؒ اور ان کی شرح "فتح الالہ شرح مشکاۃ المصابیح" مراد ہے۔ اور اگر امام عسقلانیؒ کا قول ذکر کیا ہے، تو اس کے لئے "العسقلانی" یا "فی شرح البخاری" جیسی قیود لگائی ہیں۔

۶. کتاب الزکاۃ سے آخر تک مطلق "قال" کے بعد جو عبارت نقل کی ہے وہ "ہدایہ" سے لی گئی ہے۔

۷. بسا اوقات شیخ صاحبؒ عبارت کے درمیان میں ہی الفاظ کی تشریح و توضیح بیان کرتے ہیں۔ اور اس کے لئے "یعنی" اور "مثلاً" وغیرہ الفاظ کا استعمال کرتے ہیں۔

مصادرِ کتاب:

مصادر کتاب کے سلسلہ میں شیخ صاحبؒ کا طرز قدیم مصنفینؒ کی طرح ہے۔ آپؒ نے کتاب کے مقدمہ میں ہی ان مصادر کے ناموں کو ذکر کر دیا ہے، جن کو پیشِ نظر رکھ کر یہ کتاب تحریر فرمائی گئی ہے۔ جن مصادر سے شیخ صاحبؒ نے استفادہ کیا ہے وہ جامع الاصول، کنز العمال، موطا امام محمد، سنن دارمی، الحاوی الصغیر، رسالۃ ابن ابی زید اور کتاب الخرقی وغیرہ ہیں، [1] انہیں کی مختصر تفصیل مندرجہ ذیل صفحات میں مذکور ہے۔

ا. جامع الاصول:

یہ امام مجد الدین ابو السعادات المبارک بن محمد الاثیر الجزری (متوفی ۶۰۶ھ) کی کتاب ہے۔ جس میں مصنفؒ نے صحاح ستہ کی احادیث کو جمع کیا ہے۔ ابنِ اثیرؒ کے نزدیک 'موطا مالک' صحاح ستہ میں داخل ہے۔ جیسا کہ جامع الاصول کے محقق عبد القادر الارناؤوط لکھتے ہیں:

---

[1] فتح الرحمن في إثبات مذهب النعمان: ۱/۱۵۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

"قد عمد فيه المؤلف إلى الأحاديث التي وعتها الأصول الستة المعتمدة عند الفقهاء والمحدثين: الموطأ، والبخاري، ومسلم، وأبو داوود، والترمذي، والنسائي." (1)

[اس کتاب میں مصنف نے ان احادیث پر اعتماد کیا ہے، جو فقہاء اور محدثین کے نزدیک معتبر اصول ستہ میں موجود ہیں، یعنی موطا، بخاری، مسلم، ابوداود، ترمذی اور نسائی۔]

اس کتاب میں مصنف کا طریقہ کار یہ ہے کہ انہوں نے اولا سند حدیث کو حذف کر دیا ہے اور صرف راوی اعلی کا نام ذکر کیا ہے۔ لیکن اگر وہ اثر ہے تو اس راوی کا نام بھی ذکر کیا ہے جس نے صحابی سے روایت کیا ہے۔ پھر مصنف نے احادیث کو کتب و ابواب پر مرتب کیا ہے۔ لیکن کتب و ابواب کی ترتیب جوامع و سنن کے مانند فقہی نہیں ہے؛ بلکہ حروف تہجی پر ہے۔ مثلا سب سے پہلے حرف الھمزہ ہے اور اس میں "کتاب الإیمان والإسلام" وغیرہ ہیں۔ حرف الباء کے تحت "کتاب البر" اور "کتاب البیع" وغیرہ ہیں۔

اختصار کے پیش نظر ابن الاثیرؒ نے صحاح ستہ کے مکمل نام نہیں دیئے؛ بلکہ رموز و اشارات پر اکتفاء کیا ہے۔ چناں چہ صحیح بخاری کے لئے "خ" صحیح مسلم کے لئے "م" موطا مالک کے لئے "ط" جامع ترمذی "ت" اور ابوداود کے لئے "د" کے رموز کا استعمال کیا ہے۔

یہ کتاب عبدالقادر الارناووط کی تحقیق و تخریج اور تعلیق کے ساتھ دمشق کے مکتبہ حلوانی سے مطبعۃ الملاح اور مکتبہ دارالبیان کے اشتراک کے ساتھ ۱۳۸۹ھ میں شائع ہوئی ہے۔ کتاب ۱۲ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے، جس کی آخری جلد میں حروف تہجی کے اعتبار سے اجزاء حدیث کی فہرست اور کتاب کے راویان کا تذکرہ ہے۔ اولا حضور ﷺ کا پھر خلفاء راشدین اور عشرہ مبشرین کا اور پھر حروف تہجی کے اعتبار سے تمام راویان کے حالات مختصرا بیان کیا گیا ہے۔ اس تذکرہ کے بعد جامع الاصول کے کتب و ابواب اور فصول و انواع کی فہرست ہے۔ محقق کے مطابق اس میں کل ۹۵۲۳ر احادیث ہیں۔

۲۔ کنزالعمال:

یہ شیخ علی متقی کی عظیم الشان کتاب ہے۔ جس کو علامہ متقی نے "جمع الجوامع للسیوطی" کی ترتیب و تنقیح اور "جامع الصغیر" سے اخذ کر کے تیار کیا ہے۔ مصنفؒ نے اس کو ابواب فقہیہ پر مرتب کیا ہے؛ جس وجہ سے یہ علامہ سیوطی کی "جمع الجوامع" کے بالمقابل زیادہ مفید ہے۔ کتاب پہلی بار ۱۳۱۲ھ تا ۱۳۱۵ھ میں حیدرآباد کے دائرۃ المعارف النظامیہ سے شائع ہوئی ہے۔ اس کی ترتیب کے بارے میں مصنف بذات خود مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

---

(1) ابن الأثير، أبو السعادات المبارك بن محمد بن محمد الشيباني الجزري، جامع الأصول في أحاديث الرسول: ۱/ب، تحقيق: عبد القادر الأرناؤوط وبشير عيون، مكتبة الحلواني، مطبعة الملاح، مكتبة دار البيان، الطبعة الأولى، ۱۹٦۹م – ۱۹۷۲م

toobaa-elibrary.blogspot.com

"ثم جمعت بينهما بحيث كتبت كتاب الإيمان مثلا من غاية العمال، ثم كتبت كتاب الإيمان من مستدرك الأقوال، وهكذا إلى آخر التأليف، وسميته كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال، فصار كتابا حافلا في أربعة مجلدات، جامعا لمصادر الحديث." (۱)

[پھر میں نے ان دونوں (غایۃ العمال اور مستدرک الاقوال) کے درمیان جمع کر دیا، اس طور پر کہ مثلاً میں نے کتاب الایمان لکھا "غایۃ العمال" سے، پھر کتاب الایمان لکھا "مستدرک الاقوال" سے، آخری کتاب تک یہی طریقہ رہا۔ اور میں نے اس کا نام "کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال" رکھا۔ لہٰذا یہ چار جلدوں میں ایک ایسی مکمل کتاب ہو گئی، جو مصادرِ حدیث کو جامع ہے۔]

۳۔ موطا امام محمد:

دراصل یہ امام مالک کی ہی موطا ہے، جس کو امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ نے روایت کیا ہے۔ اس میں آپؒ نے امام مالک سے روایت نقل کرنے کے بعد اپنے اجتہادات کو بھی ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ التعلیق الممجد میں مذکور ہے:

"أنه يذكر بعد ذكر الحديث أو الأحاديث مشيرا إلى ما افادته، وبهذا نأخذ أو به نأخذ، ويذكر بعده تفصيلا ما، ومثل هذا دال على اختياره والإفتاء به." (۲)

[(امام محمد نے) ایک یا چند احادیث ذکر کرنے کے بعد اشارہ کے طور پر اپنے فوائد کو ذکر کیا ہے۔ اس طور پر کہ ہم نے اس سے یہ اخذ کیا ہے، یا اس سے ہم یہ اخذ کرتے ہیں۔ اس کے بعد کچھ تفصیلات بیان کی ہیں۔ اور اس طرح کے اشارات اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ امام محمد کا مذہب مختار یا مفتی بہ قول ہے۔]

یہ مشہور زمانہ کتاب متعدد بار الگ الگ محققین کی تحقیق کے ساتھ شائع ہو چکی ہے۔ مولانا عبد الحی لکھنویؒ نے اس پر "التعلیق الممجد" کے نام سے انتہائی جامع حاشیہ بھی تحریر فرمایا ہے۔ یہ حاشیہ اولاً موطا امام محمد کے ساتھ ہی شائع ہوا تھا؛ لیکن اب دکتور تقی الدین الندوی کی تحقیق وتعلیق کے ساتھ دار القلم دمشق اور دار السنۃ والسیرۃ بمبئی سے ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۹۹۱ء میں مستقل طور پر تین ضخیم مجلدات کی شکل میں طبع ہو چکا ہے۔

---

(۱) المتقي، علي بن حسام الدين الهندي، كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال: ۱/۵، تحقيق: بكري حياني، صفوة السقا، مؤسسة الرسالة، الطبعة الخامسة، ۱۴۰۱هـ=۱۹۸۱م.

(۲) اللكنوي، أبو الحسنات محمد عبد الحي بن محمد عبد الحليم، التعليق الممجد على موطا محمد: ۱/۱۴۲، تحقيق: تقي الدين الندوي، دار القلم، دمشق، الطبعة الرابعة ۱۴۲۶ هـ=۲۰۰۵ م.

toobaa-elibrary.blogspot.com

۴. سنن دارمی:

یہ امام محمد عبد اللہ بن عبد الرحمن بن الفضل الدارمی التمیمی السمرقندیؒ کی کتاب ہے۔ اس کے بارے میں سید عبد الماجد غوری لکھتے ہیں:

"وقد اشتهر هذه السنن عند المحدثين بالمسند على اختلاف الاصطلاح، لأنها ليست على ترتيب المسند، وذلك أن الكتاب مقسم إلى كتب وإلى أبواب فقهية، ويشتمل كل باب على الأحاديث المتصلة به، ويمتاز بقلة الرجال الضعفاء، وليس فيه أحاديث منكرة ولا شاذة، وإن كان فيه أحاديث مرسلة وموقوفة." (۱)

[یہ سنن محدثین کے درمیان اختلاف اصطلاح کی وجہ سے مسند کے نام سے مشہور ہے۔ حالاں کہ یہ مسند کی ترتیب پر نہیں ہے، اور وہ اس لئے کہ یہ کتاب، کتب اور ابواب فقہیہ پر منقسم ہے، اور ہر باب خود سے متصل احادیث پر مشتمل ہے۔ اور اس کی وجہ امتیاز یہ ہے کہ اس میں ضعیف راوی بہت کم ہیں۔ اور اس میں منکر اور شاذ احادیث نہیں ہیں؛ اگرچہ مرسل اور موقوف احادیث ہیں۔]

یہ کتاب سب سے پہلے ۱۲۹۳ھ مطابق ۱۸۷۶ء میں کانپور سے، ایک جلد میں شائع ہوئی تھی، جس میں ۴۶۷ صفحات تھے۔ پھر استاد محمد احمد دہمان کی تحقیق کے ساتھ ۱۳۴۹ھ مطابق ۱۹۳۰ء میں قاہرہ کے مطبعۃ الاعتدال سے دو جلدوں میں شائع ہوئی۔ اور پھر ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۹۹۲ء میں ڈاکٹر مصطفی البغا کی تحقیق کے ساتھ دار القلم دمشق سے شائع ہوئی، جو دو جلدوں پر مشتمل تھی۔ اب سن ۱۴۲۱ھ مطابق ۲۰۰۰ء میں حسین سلیم اسد الدارانی کی تحقیق کے ساتھ، دار المغنی للنشر والتوزیع، سعودیہ عربیہ سے چار ضخیم جلدوں میں شائع ہوئی ہے، جو ۲۳۴۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

۵. الحاوی الصغیر:

یہ شیخ نجم الدین عبد الغفار بن عبد الکریم القزوینی کی کتاب ہے۔ جس کا مکمل نام "الحاوی الصغیر فی الفروع" ہے۔ یہ شوافع کے درمیان مشہور و معروف اور انتہائی معتبر کتاب ہے۔ اس کے بارے میں حاجی خلیفہ لکھتے ہیں:

"الحاوي الصغير في الفروع: للشيخ نجم الدين عبد الغفار ابن عبد الكريم بن القزويني الشافعي المتوفى سنة ٦٦٥ خمس وستين وستمائة. هو من الكتب المعتبرة بين الشافعية." (۲)

---

۱) الغوري، عبد الماجد، سيد، الوجيز في تعريف كتب الحديث: ۲۲، دار ابن كثير دمشق، بيروت، الطبعة الأولى ۱٤۳۰هـ=۲۰۰۹م.

۲) حاجي خليفة، مصطفى بن عبد الله، كاتب چلبي، كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون: ۱/۶۲۵، تحقيق وتعليق: محمد شرف الدين ورفعت بيلكه، دار احياء التراث العربي بيروت، لبنان ۱۳۶۰هـ=۱۹٤۱م.

toobaa-elibrary.blogspot.com

[الحاوی الصغیر فی الفروع: شیخ نجم الدین عبد الغفار ابن عبد الکریم بن القزوینی الشافعی التوفی ۵۶۶ھ کی کتاب ہے۔ یہ ان کتابوں میں سے ہے جو شوافع کے درمیان انتہائی معتبر مانی جاتی ہیں۔]

مذکورہ کتاب سعودیہ عربیہ سے ۱۴۳۰ھ میں شائع ہوئی ہے، جو کہ ۷۴۷ صفحات کی ایک ضخیم جلد پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب بھی دیگر فقہی کتابوں کی طرح 'باب الطہارۃ' سے شروع ہوتی ہے، اور 'باب امہات الاولاد' پر مکمل ہو جاتی ہے۔

۶۔ رسالۃ ابن ابی زید:

یہ فقہ مالکی کا ایک انتہائی قابل اعتبار رسالہ ہے، جس کے مصنف ابو محمد عبد اللہ بن ابی زید المالکیؒ ہیں۔ اس رسالہ کی کئی ایک شروحات بھی متداول ہیں۔ ان تمام کی جانب اشارہ کرتے ہوئے حاجی خلیفہ لکھتے ہیں:

"رسالة ابن أبي زيد: في فقه المالكي، للشيخ الإمام أبي محمد عبد الله بن أبي زيد المالكي القيرواني، المتوفى: سنة ٣٨٩ تسع وثمانين وثلثمائة، وشرحها عبد الله بن طلحة؛ المتوفى: سنة ٥١٨ ثمان عشرة وخمسمائة، وشرحها أيضا جلال الدين التباني؛ وشرحها الشيخ الإمام أبو حفص عمر بن علي بن سالم الشهير بابن الفاكهاني المالكي."[1]

[رسالہ ابن ابی زید فقہ مالکی میں ہے۔ یہ شیخ امام ابو محمد عبد اللہ بن ابی زید مالکی قیروانی التوفی ۳۸۹ھ کی تصنیف ہے۔ اس کی شرح کی ہے عبد اللہ بن طلحہ متوفی ۵۱۸ھ نے اور جلال الدین التبانی نے۔ نیز شیخ امام ابو حفص عمر بن علی بن سالم نے بھی اس کی شرح لکھی ہے، جو کہ ابن الفاکہانی مالکی سے مشہور ہیں۔]

مذکورہ رسالہ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان سے شیخ عبد الوارث کی تصحیح و تعلیق کے ساتھ شائع ہوا ہے، جو کہ ۱۴۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ حمد و صلوۃ کے بعد پہلا باب ہے "باب ما تنطق به الألسنة وتعتقده الأفئدة من واجب أمور الديانات"۔[2]

۷۔ کتاب الخرقی:

یہ شیخ ابو قاسم عمر بن الحسین الخرقیؒ کی کتاب ہے۔ جس کا مکمل نام "متن الخرقی علی مذہب ابی عبد اللہ احمد بن حنبل الشیبانی" ہے۔ اس کتاب کے بارے میں صاحب کشف الظنون رقم طراز ہیں:

---

[1] کشف الظنون. ١/٨٤١.

[2] کشف الظنون: ١/٦٢٥

toobaa-elibrary.blogspot.com

"مختصر الخرقي في فروع الحنبلية: للشيخ أبي القاسم عمر بن الحسين الحنبلي، المتوفى ٣٣٤ أربع وثلاثين وثلاثمائة." (١)

[مختصر الخرقی جو کہ مذہب حنبلی کے فروعی مسائل میں ہے، شیخ ابو القاسم عمر بن الحسین الحنبلی کی کتاب ہے۔ جن کا انتقال ۳۳۴ھ میں ہوا ہے۔]

مذکورہ کتاب ابو حذیفہ ابراہیم بن محمد کے حواشی اور تعلیقات کے ساتھ دار الصحابہ للتراث طنطا سے ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۹۹۳ء میں شائع ہوئی ہے، جو کہ ۱۷۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ کتاب کی ابتدا "کتاب الطہارۃ" سے ہوتی ہے، اور آخری کتاب "عتق امہات الاولاد" ہے۔ صاحب کتاب مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"اختصرت هذا الكتاب على مذهب الإمام أبي عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل الشيباني رضي الله عنه، ليقرب على متعلمه، مؤملا من الله عز وجل الثواب، وإياه أسأل التوفيق للصواب." (٢)

[میں نے اس کتاب کا اختصار کیا ہے امام ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی رضی اللہ عنہ کے مذہب کے مطابق، تاکہ اس کے متعلم سے قربت حاصل ہو سکے۔ اللہ تعالی سے ثواب کی امید کے ساتھ۔ اور میں اسی سے درستگی کی توفیق کا سوال کرتا ہوں]

مذکورہ مصادر کی جانب شیخ صاحبؒ نے مقدمہ میں خود اشارہ کیا ہے؛ لیکن ان کے علاوہ اور بھی مصادر ہیں جن کی جانب مصنفؒ نے بوقت ضرورت رجوع کیا، اور بارہا استفادہ کیا ہے۔ بطور خاص فقہ حنفی کو دلائل و براہین سے مزین کرنے کے لئے ہدایہ، فتح القدیر اور دیگر مشہور و معروف مصادر سے مکمل عبارتیں نقل کیں اور مذکورہ کتاب کو تحقیق و تدوین کے اعلی سے اعلی معیار پر لے جانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی؛ لیکن احناف کی دیگر کتابوں کی طرح اس کتاب کو بھی وہ شہرت و مقبولیت حاصل نہ ہو سکی جو دوسرے مذاہب و مسالک کی کتابوں کو ہوئی۔

احقر کا منہج تخریج و تحقیق:

مذکورہ کتاب صرف ایک مرتبہ مفتی حبیب الرحمن اعظمیؒ کے مشورے خیر اور دار العلوم دیوبند کے سابق صدر مفتی، مفتی نظام الدین اعظمیؒ کی محنت و کاوش کی وجہ سے ۱۴۰۱ھ میں مخطوطات کے پردۂ خفا سے نکل کر مطبوعہ شکل میں منظر عام پر آئی۔ محققؒ نے اس کو دو مخطوطات کے تقابل کے بعد شائع کیا؛ لیکن کاتبین و ناشرین اور اصل

---

(١) كشف الظنون: ٢/١٦٢٦.

(٢) الخرقي، أبو القاسم عمر بن الحسين، مختصر الخرقي: ١٠، دار الصحابة للتراث، الطبعة ١٤١٣هـ=١٩٩٣م.

toobaa-elibrary.blogspot.com

مصادر سے عدم تقابل کی وجہ سے یہ غیر معمولی کتاب تحقیق کے اس معیار کو نہ پہنچ سکی جس کی یہ حقدار تھی۔ احقر نے اس قیمتی سرمایہ کی تخریج و تحقیق میں جو منہج اختیار کیا ہے، اس کو درج ذیل نکات میں بیان کیا جا سکتا ہے۔

۱. آیات کریمہ کی تخریج: آیات قرآنیہ کو با اعراب لکھا ہے، اور تحت الصفحہ سورۃ کا نام و آیت نمبر درج کر دیا ہے۔

۲. احادیث و آثار کی تخریج: مصنف نے حدیث کے دو مصادر کو بنیادی طور پر استعمال کیا ہے، 'جامع الاصول لابن اثیر' اور 'کنز العمال للشیخ متقی'۔ میں نے اولا نصوص کی تصحیح ان دونوں کتابوں کے ذریعہ کی ہے اور پھر ان میں موجود مصادر اصلیہ کے ذریعہ تخریج حدیث کی کوشش کی ہے۔ اگر کسی حدیث میں مصادر اصلیہ تک رسائی نہ ہو سکی، تو 'کمافی کنز العمال' کہہ کر کنز العمال سے اس کی تخریج کی گئی ہے۔

۳. نصوص کتاب کی تحقیق و تصحیح: شیخ صاحب نے جن تفاسیر، تواریخ، کتب فقہ اور کتب سیر وغیرہ کو بنیاد بنا کر توضیحات و تشریحات اور فقہی اختلافات کو ذکر کیا ہے ان کی جانب رجوع کر کے نحوی اور لغوی تسامحات کی تصحیح کی ہے۔ اور آپ کی دیگر کتب مثلا "لمعات التنقیح فی شرح مشکاۃ المصابیح"، "سفر السعادۃ" اور "ما ثبت من السنۃ فی ایام السنۃ" وغیرہ سے بھی تصحیح میں مکمل استفادہ کیا ہے، اور ان مصادر کی نشاندہی حواشی میں جلد و صفحہ کی تعیین کے ساتھ کر دی ہے۔

۴. متن کتاب کے درمیان اگر کوئی اضافہ کیا ہے تو اس کو مستطیر قوسین [ ] کے درمیان ذکر کیا ہے، اور حواشی میں اس مصدر کی جانب اشارہ کر دیا ہے جس سے مدد لی گئی ہے۔

۵. تحکیم حدیث: شیخ صاحب نے ضروری مقامات پر بذات خود حدیث کی تصحیح و تضعیف کا حکم محدثین عظام امام ترمذی، امام ابو داؤد، امام حاکم، امام بیہقی، امام زیلعی اور شیخ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے اقوال کے ذریعہ لگایا ہے۔ اس لئے احقر نے انہیں اقوال کو اصل مراجع سے نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے۔

۶. اسماء الرجال: کو ذکر کرنے میں حافظ ابن حجر کی "تقریب التہذیب"، "تہذیب التہذیب" امام ذہبی کی "تذکرۃ الحفاظ" "سیر اعلام النبلاء" اور زرکلی کی "الاعلام" وغیرہ کو استعمال کیا ہے۔

۷. مفتی نظام الدین اعظمی نے فائدہ کی غرض سے "مقدمة في أصول الحديث للشيخ عبد الحق المحدث الدهلوي" کو کتاب کی ابتداء میں شامل کیا تھا، اس کو دیگر مطبوعہ مقدمہ سے تصحیح کر کے ابتدائے کتاب میں ہی شامل کر دیا ہے۔

۸. کتاب کے محقق اول مفتی نظام الدین کے ذریعہ لکھے گئے حواشی کو بھی باقی رکھا ہے اور ان کے آگے بین القوسین [الأعظمی] لکھ دیا ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

سب سے پہلے میں شکر ادا کرتا ہوں اس مالک حقیقی کا جس نے تمام تر کوتاہیوں اور سیاہ کاریوں کے باوجود مجھے اس مقالہ کے ذریعہ دین اسلام کی ادنیٰ سی خدمت کرنے کا موقع فراہم کیا، اور اپنے نبی محمد مصطفی ﷺ کے اقوال وافعال کے ساتھ شغل کے ذریعہ میرے تاریک اوقات کو منور کیا۔

احقر کے پاس وہ الفاظ و تعبیرات نہیں جن کے ذریعہ اس شخصیت کی منت شناسی کی جا سکے، جس نے نہ صرف نگرانی کے فرائض انجام دیے؛ بلکہ ایک مشفق باپ کی طرح ہمہ وقت مفید مشوروں سے میری حوصلہ افزائی فرمائی۔ ان سے مراد میرے نگران ڈاکٹر محمد حبیب اللہ قاسمی (ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ سنی دینیات) ہیں۔

شعبۂ دینیات (سنی)، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کے تمام اساتذۂ کرام، بطورِ خاص پروفیسر محمد سلیم قاسمی (ڈین وچیئرمین شعبۂ دینیات سنی وشیعہ)، پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی، پروفیسر توقیر عالم فلاحی (سابق ڈین وچیئرمین شعبہ ہذا)، ڈاکٹر مفتی زاہد علی خان، ڈاکٹر محمد راشد، ڈاکٹر محمد محبوب الرحمن، ڈاکٹر ندیم اشرف اور ڈاکٹر ریحان اختر کا بھی میں شکر گذار ہوں، کہ آپ سب نے اپنی عالمانہ فکر اور انداز تحقیق کی بدولت مشکل راہوں میں میری راہنمائی فرمائی، نیز دیگر علمی صلاحیتوں کو جلا بخشنے میں اہم کردار ادا کیا۔

علاوہ ازیں میرے شکریہ کے مستحق وہ حضرات بھی ہیں جن کا تعلق مذکورہ شعبہ کے غیر تدریسی عملہ سے ہے، کہ ان تمام صاحبان نے خندہ پیشانی کے ساتھ مکمل تعاون فرمایا جس بنا پر کتابوں کی فراہمی سے لیکر دفتری دیگر کاروائیوں تک، تمام امور بآسانی پایۂ تکمیل کو پہنچ سکے۔

میں اپنے والدین اور دیگر اہل خانہ کا بھی بے حد ممنون ومشکور ہوں، کہ انہوں نے دنیاوی مصروفیات سے فارغ رہ کر حصولِ تعلیم کا موقع دیا اور میری نااہلیوں سے قطع نظر کرتے ہوئے تعلیمی وغیر تعلیمی تمام ضروریات زندگی فراہم کیے۔ ساتھ ہی ان تمام احباب ورفقاء کا بھی بے حد ممنون ومشکور ہوں جنہوں نے اپنی مصروفیات کے باوجود میری علمی واخلاقی معاونت فرمائی۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد المرسلين وعلى آله وصحبه أجمعين.

محمد حماد

toobaa-elibrary.blogspot.com

فتح الرحمن في إثبات مذهب النعمان

(للشیخ عبدالحق محدث دہلوی)

تخریج و تحقیق

تلخیص

برائے پی ایچ۔ ڈی

مقالہ نگار

محمد حماد

نگراں

ڈاکٹر محمد حبیب اللہ قاسمی

ایسوسی ایٹ پروفیسر

شعبۂ دینیات (سنی)

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

علی گڑھ (انڈیا) ۲۰۲۰۰۲

[illegible]

toobaa-elibrary.blogspot.com

تلخیص

الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده. أما بعد، فقد قال الله تعالى:

"وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا" [الحشر: ٧].

عن رسول الله ﷺ أنه قال: ألا إني أوتيت الكتاب، ومثله معه، الحديث. [سنن أبي داود، كتاب السنة، باب في لزوم السنة (٤/ ٢٠٠) رقم الحديث: ٤٦٠٤].

شریعت اسلامیہ کے بنیادی مصادر میں حدیثِ نبوی ﷺ کو ثانوی حیثیت حاصل ہے۔ اسلامی تعلیمات کو سمجھنے اور ان پر عمل پیرا ہونے کیلئے ذخیرۂ حدیث کو پیش نظر رکھنا از حد ضروری ہے۔ اسلامی احکام و مسائل کا انحصار نبی ﷺ کے انہیں فرمودات و معمولات پر ہے۔ اسی وجہ سے علماء اسلام نے حدیث سے شغل اور اس کی خدمت کو ہمیشہ باعث فخر اور حقیقی سعادت کی شاہ کلید کے طور پر سمجھا ہے۔

حدیثِ نبوی ﷺ کی غیر معمولی ضرورت واہمیت کے پیش نظر مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت مستقل اس کے درس و تدریس اور تالیف و تدوین میں مشغول رہی۔ وہ عرب سے نکل کر جہاں بھی گئے ان کی اول کوشش یہی رہی کہ وہاں کے باشندوں کو تبلیغ اسلام کے ساتھ ساتھ قرآن وحدیث کی روشن تعلیمات سے بھی آراستہ کریں۔ اسی لئے وہ ذخیرۂ حدیث کو اپنے سینوں سے لگائے ہوئے اپنے ساتھ لے گئے۔

ہندوستان کا شمار ان ممالک میں ہوتا ہے جہاں کی سرزمین کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسی عظیم المرتبت جماعت کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہے۔ سرزمینِ ہند پر اس مقدس جماعت کا ورود حضرت عمر فاروق رضي الله عنه کے عہد میں بحری راستہ سے ہوا تھا۔ اس کے بعد سے جن علماءِ کرام کی جد وجہد اور محنت وکاوش کی وجہ سے یہاں علم حدیث پروان چڑھا ان میں "شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ" کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ شیخ صاحبؒ نے اپنے بعدیوں تو کئی مشہور و معروف کتابیں بطور یادگار چھوڑیں؛ لیکن ان میں ایک انتہائی اہم کتاب "فتح الرحمن في إثبات مذهب النعمان"

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہے۔ جو علمی و تحقیقی اور ایک انوکھے اندازِ تحریر کی وجہ سے اپنی مثال آپ ہے۔ احقر کا مذکورہ مقالہ اسی کتاب کی تخریج و تحقیق سے متعلق ہے۔ جو کہ پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ جن کا مختصر خلاصہ حسب ذیل ہے:

۱) **باب اول: شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ سے قبل ہندوستان میں علم حدیث کی نشر و اشاعت:**

اس باب کے تحت تین فصلیں ہیں۔

أ- **فصل اول:** برصغیر میں صحابہ و تابعین کا ورود:

برصغیر میں مسلمانوں کی آمد عہد فاروقی میں اس وقت ہوئی، جب کہ حضرت عثمان بن ابی العاصؓ نے ایک فوجی مہم تھانہ کی جانب روانہ کی۔ حضرت عثمانؓ اس وقت بحرین و عمان کے عامل تھے۔ آپؓ نے اپنے ایک بھائی حکم بن ابی العاصؓ کو بھڑوچ اور دوسرے بھائی مغیرہؓ کو دیبل کی جانب روانہ کیا جہاں دونوں کو فتح و کامرانی حاصل ہوئی۔

اس کے بعد ربیع بن زیاد الحارثی، حکم بن عمرو بن مجدع، عبد اللہ بن عبد اللہ بن عتبان، سہل بن مالک، شہاب بن المخارق، صحار بن عباس العبدی، عاصم بن عمیر الاشجعی، النسیر بن دیسم، حکیم بن جبلہ العبدی، عبید اللہ بن معمر، عمیر بن عثمان، مجاشع بن مسعود، عبد الرحمن بن سمرہ، خریت بن راشد، عبد اللہ بن سوید تمیمی، کلیب ابو وائل، المہلب بن ابی صفرہ، عبد اللہ بن سوار العبدی، یاسر بن سوار، سنان بن سلمہ اور منذر بن جارود رضی اللہ عنہم اجمعین جیسے جلیل القدر صحابہ و تابعین نے برصغیر کا رخ کیا اور یہاں اسلامی سلطنت کو پروان چڑھایا۔

ب- **فصل دوم:** ابتدائی مشہور محدثین:

مذکورہ بالا حضرات کی کاوشوں سے برصغیر میں ایک مستقل اسلامی حکومت کا قیام شروع ہو گیا، اور عرب نو آبادکاروں نے یہاں اپنی بستیاں بسانی شروع کر دیں؛ جن کی وجہ سے قرآن و حدیث کی تعلیم و تدریس اور نشر و اشاعت کا ایک غیر متناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس دور کے مشہور محدثین میں ربیع بن صبیح، ابو معشر نجیح السندی، رجاء بن السندی، خلف بن سالم، اور آخری ایام میں شیخ اسماعیل لاہوری کو شمار کیا جاتا ہے۔

ت۔ فصل سوم: ممتاز کثیر التصانیف محدثین:

پانچویں صدی ہجری کے بعد ہندوستان میں جن محدثین نے گراں قدر خدماتِ حدیث انجام دیں اور جن کا شہرہ پورے عالم میں ہوا ان میں امام حسن صغانیؒ، شیخ علی متقیؒ اور علامہ طاہر پٹنیؒ کے نام سر فہرست آتے ہیں۔

امام صغانیؒ (۵۷۷ھ تا ۶۵۰ھ) کا پیدائشی تعلق اگرچہ موجودہ پاکستان کے مشہور شہر لاہور سے تھا؛ لیکن آپؒ نے اپنی تمام تر خدمات عربی ممالک میں سرانجام دیں۔ آپؒ نے درسی خدمات کے ساتھ ایسی بہت سی علمی و تحقیقی کتابیں تصنیف فرمائیں جو اپنے موضوع میں آج بھی مصدرِ اول کی حیثیت سے مشہور و مقبول ہیں۔ امام صغانیؒ لغت کے علاوہ حدیث کے بھی ماہرین علماء میں شمار کئے جاتے ہیں۔ آپؒ کی جس کتاب کو سب سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی وہ "مشارق الأنوار" ہے، جس میں صحیحین کی احادیث کو حروفِ تہجی کے اعتبار سے جمع کیا گیا ہے۔ یہ کتاب شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کے زمانہ تک بر صغیر میں حدیث کی انتہائی کتابوں میں شمار کی جاتی تھی۔

شیخ علی متقیؒ (۸۸۸ھ تا ۹۷۵ھ) کی پیدائش ہندوستان کے شہر برہان پور میں ہوئی تھی۔ آپؒ نے بھی بیرون ہند ہی اپنے فیوض جاری فرمائے اور ایک طویل عرصہ تک مکۃ المکرمہ میں درس و تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ شیخ متقیؒ کو ان کی جس تصنیف نے پورے عالم میں متعارف کرایا وہ "کنز العمال في سنن الأقوال والأفعال" ہے۔ اس میں آپؒ نے امام سیوطیؒ کی "الجامع الکبیر" اور "الجامع الصغیر" کی احادیث کو ابوابِ فقہیہ پر مرتب کیا ہے۔ اور پھر ان ابواب کو حروفِ تہجی کے اعتبار سے ترتیب دیا ہے۔ جس بنا پر اس کتاب سے استفادہ انتہائی آسان ہو گیا ہے؛ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ "پوری دنیا پر امام سیوطیؒ کا احسان ہے اور امام سیوطیؒ پر امام متقیؒ کا"۔ [اخبار الاخیار: ۵۱۸۔]

toobaa-elibrary.blogspot.com

ان دونوں حضرات کے بر خلاف علامہ طاہر پٹنیؒ (۹۱۳ھ تا ۹۸۶ھ) نے اپنے مادرِ وطن کو ہی تمام تر علمی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ آپؒ کی ولادت گجرات کے مشہور شہر پٹن میں ۹۱۳ھ میں ہوئی، اور یہیں آپؒ نے تمام عمر درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ علامہ پٹنیؒ جن کتابوں کی وجہ سے آج تک حلقۂ محدثین میں عظمت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں وہ 'مجمع بحار الأنوار'، "المغني في ضبط الأسماء لرواة الأنباء"، "تذكرة الموضوعات" اور "قانون الموضوعات" وغیرہ ہیں۔

۲) باب دوم: شیخ عبد الحق (خاندانی پس منظر، ذاتی حالات اور علمی خدمات)۔

أ- فصل اول: خاندانی پس منظر:

شیخ صاحبؒ کا نسبی تعلق ماوراء النہر کے مشہور و معروف شہر بخارا سے تھا۔ آپ کے آباؤ اجداد میں سب سے پہلے ہندوستان تشریف لانے والے آغا محمد ترک ہیں، جو سلطان محمد علاؤ الدین خلجی کے دورِ حکومت (۶۹۶ھ تا ۱۳۱۶ء) میں ہندوستان تشریف لائے تھے۔ آغا محمد چوں کہ اپنے علاقہ کے سربر آوردہ اور خاندان کے سردار تھے: اس لیے ان کے ساتھ بہت سے ترک بھی اپنا وطن اصلی چھوڑ کر دہلی چلے آئے۔ آپؒ کی صلاحیتوں سے متأثر ہو کر بادشاہِ وقت سلطان علاؤ الدین نے ان کو بہت سے بلند مراتب پر فائز کیا۔

انہی آغا محمد کی چوتھی پشت میں شیخ محدث دہلویؒ کے والد بزرگوار شیخ سیف الدین کی ولادت ہوئی جو کہ ۹۳۰ھ کا واقعہ ہے۔ والد کی وفات کے وقت شیخ سیف الدینؒ کی عمر آٹھ برس تھی۔ جب والد ماجد شیخ سعد اللہ کے انتقال کا وقت قریب آیا تو وہ اپنے بیٹے کو لے کر بالا خانے پر گئے، تہجد کی نماز سے فارغ ہو کر انہیں قبلہ رو کھڑا کیا اور اللہ سے ان کے حق میں دعا کرتے ہوئے کہا: "خداوند قدوس! ـــــ میں اس لڑکے کو بے کس اور یتیم چھوڑ رہا ہوں، اس کے حقوق میرے ذمہ ہیں، میں اس کو تیرے سپرد کرتا ہوں۔" [اخبار الاخیار: ۵۹۹۔]

اس دعا کے اثرات سے ان میں روز بروز رشد و ترقی کے آثار نمایاں ہونے شروع ہو گئے اور کبھی علم و فضل کی تحصیل میں کوئی پریشانی لاحق نہیں ہوئی۔ شیخ سیف الدینؒ کا انتقال ۹۹۰ھ میں ہوا۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ب- فصل دوم: ذاتی حالات:

شیخ صاحبؒ کی پیدائش ماہِ محرم ۹۵۸ھ مطابق جنوری ۱۵۵۱ء کو بعہد سلیم شاہ، دہلی میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اس دور کے ماحول کے مطابق اپنے گھر میں ہی والد ماجد کے زیر سایہ حاصل کی۔ صرف دو یا تین مہینے کی مختصر مدت میں ناظرہ قرآن پاک مکمل کر لیا۔ بعد ازاں علوم عقلیہ و نقلیہ کی جانب متوجہ ہوئے اور پندرہ برس کی عمر میں مختصر و مطول سے فارغ ہو گئے۔ اس کے بعد ایک سال سے کچھ زائد عرصہ میں حفظ کلام پاک کی دولت سے سرفراز ہوئے۔

حفظ کلام پاک کے بعد شیخ محدثؒ مزید استفادہ کی غرض سے ماوراء النہر کے علماء و فضلا کے درس میں شریک ہوئے۔ پھر واپس دہلی آکر درس و تدریس کا آغاز کیا۔ اس آغاز و ابتداء کو ابھی کچھ ہی عرصہ ہوا تھا کہ ۹۹۰ھ میں آپؒ کے والد شیخ سیف الدین کا انتقال ہو گیا۔ چناں چہ بعض اہل حقوق کے اصرار کی بنا پر آپؒ کو دہلی چھوڑ کر فتح پور جانا پڑا، جہاں پر بادشاہ وقت جلال الدین اکبر نے ان کی جانب خاص توجہ کی اور بلند مقام عطاء کیا۔

دربارِ اکبری میں قیام کو ابھی مختصر عرصہ ہی گذرا تھا کہ آپؒ کو یہ محسوس ہو گیا کہ ان تمام اعزازات کا مقصد ان کی شخصیت کو استعمال کر کے اپنی قوت کو مزید استحکام دینے کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ اس احساس نے چوں کہ آپؒ کے سامنے دربار کی حقیقت کو عیاں کر دیا؛ لہٰذا آپؒ دنیاوی جاہ و جلال کو خیر آباد کہہ کر حرمین شریفین کی زیارت اور وہاں کے محدثین عظام و علماء کرام سے استفادہ کی غرض سے کسی زادِ راہ کے بغیر سفر پر نکل کھڑے ہوئے۔

حرمین میں چار سال کی طویل مدت کے دوران آپؒ نے وہاں کے کبار محدثین، قاضی علی بن جار اللہ مکی، شیخ احمد بن محمد مدنی، شیخ حمید الدین سندی اور شیخ عبد الوہاب متقی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے علمی استفادہ کیا۔ بطور خاص آخر الذکر شیخ متقی سے روحانی اور باطنی استفادہ کے علاوہ 'مشکاۃ المصابیح' اور "الصحیح لإمام مسلم" کا درس بھی لیا۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

زیارت حرمین اور وہاں کے علماء سے علمی استفادہ کے بعد شیخ صاحب ۱۰۰۰ھ میں ہندوستان واپس آئے اور آخر عمر تک ۵۲ سال دہلی میں ہی درس و تدریس کی خدمات انجام دیں۔ بالآخر ۲۱ ربیع الآخر ۱۰۵۲ھ کو چورانوے سال کی عمر میں آسمان علم و فن کا یہ ماہتاب ہمیشہ کیلئے غروب ہو گیا۔

اخلاف:

شیخ صاحبؒ نے تین صاحبزادے اپنے بعد بطور یادگار چھوڑے جو کہ شیخ نور الحق، شیخ علی محمد اور شیخ محمد ہاشم ہیں۔ انہوں نے آپ کے بعد صدیوں تک درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رکھا۔

شیوخ:

شیخ عبد الحقؒ نے اپنے شیوخ و اساتذہ کے تراجم میں زاد المتقین، اجازت الحدیث فی القدیم والحدیث اور اسماء الاساتذہ جیسی کتب تحریر فرمائی تھیں۔ ان کتابوں کی نایابی کی وجہ سے آپ کے تمام اساتذہ و شیوخ کو ذکر کرنا تو مشکل ہے؛ لیکن ان میں سے چند یہ ہیں۔

شیخ سیف الدینؒ، محمد مقیمؒ، شیخ عبد الوہاب متقیؒ، قاضی علی بن جار اللہؒ، شیخ احمد بن محمدؒ اور شیخ حمید الدینؒ، وغیرہ۔

تلامذہ:

شیخ عبد الحقؒ کی محنت و مشقت، شوق و ذوق اور اخلاص و للہیت کی وجہ سے آپ کے درس کو غیر معمولی شہرت و مقبولیت حاصل تھی اور دور دراز علاقوں سے تشنگانِ علم اپنی علمی پیاس بجھانے کے لئے آپ کے درس میں شریک ہوتے تھے۔ اس وجہ سے ان تمام حضرات کا احاطہ کرنا جنہوں نے آپ سے کسب فیض کیا ہے انتہائی دشوار امر ہے؛ لیکن جن طلبہ تک رسائی ہو سکی ان کے اسماءِ گرامی درجِ ذیل ہیں:

شیخ نور الحقؒ، شیخ محمد علیؒ، شیخ محمد ہاشمؒ، شیخ ابو الرضا بابا رتنؒ، مولانا عبد الحکیمؒ، خواجہ خاوند معین الدینؒ، خواجہ حیدر بن خواجہ فیروز کشمیریؒ، شاہ طیب ظفر مراد آبادیؒ، مخدوم دیوانؒ، شیخ ابو احمد سلیمان الکرویؒ، مولانا عبد الجلیل الہ آبادیؒ، شیخ عنایت اللہ بلگرامیؒ اور شیخ شاکر محمد دہلویؒ۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ت۔ **فصل سوم: علمی خدمات:**

شیخ صاحبؒ نے ۹۴ سال کی عمر پائی، جس کا نصف سے زائد عرصہ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے ذریعہ دین اسلام کی بے مثال خدمات انجام دینے میں صرف ہوا۔ آپؒ نے اپنے بعد جو قابل قدر اور علمی و تحقیقی سرمایہ چھوڑا اس کی تعداد ۶۰ سے زائد ہے۔ موصوفؒ نے جن موضوعات پر خامہ فرسائی فرمائی ان کو مندرجہ ذیل اقسام پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

عقائد، تفسیر، حدیث، تجوید، نحو، تصوف، فقہ، سیر و تذکرہ، اخلاق، اعمال و اوراد، تاریخ، ذاتی حالات، مکاتیب و رسائل، خطبات، اشعار اور فلسفہ و منطق۔

شیخ صاحبؒ کی مشہور و معروف کتابوں میں "لمعات التنقیح في شرح مشكاة المصابيح"، "اشعة اللمعات في شرح المشكاة"، "زبدة الآثار"، "ماثبت من السنة في أيام السنة"، "شرح سفر السعادت"، "مدارج النبوۃ" اور "اخبار الاخیار" کو شمار کیا جاتا ہے۔

۴) **باب سوم: شیخ عبدالحق اور خدمات علم حدیث:**

شیخ عبدالحقؒ کا شہرہ پورے عالم میں جس بنا پر ہے وہ میدان حدیث میں ان کی بے مثال خدمات ہیں۔ آپؒ نے نصف صدی سے زائد عرصہ تک علم حدیث کی جس طریقے سے نشر و اشاعت کی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ شیخ موصوفؒ نے درس و تدریس کے ساتھ تصنیف و تالیف کے ذریعہ بھی ہندوستانی عوام کو علوم حدیث سے متعارف کرایا۔ آپؒ کی ان خدمات عالیہ کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے جو کہ حسب ذیل ہے۔

أ۔ **فصل اول: شیخ عبدالحق اور اشاعت علم حدیث:**

شیخ صاحبؒ نے جو دور پایا تھا وہ عقلیت پسندی کا دور تھا۔ اس میں کسی کے علمی کمالات اور فضیلت و تکریم کی معراج اس کی علوم عقلیہ میں مہارت کو سمجھا جاتا تھا۔ باطل خیالات اور فاسد افکار عوام ہی نہیں، خواص کے دلوں میں بھی جڑ پکڑ گئے تھے۔ اس تاریک ماحول میں شیخ صاحبؒ نے نصف صدی سے زائد عرصہ تک احادیث نبویہ ﷺ کے ذریعہ ماحول کو پر نور بنانے کی کامیاب کوشش کی۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

آپؒ سے قبل بھی ہندوستان میں علم حدیث موجود تھا؛ لیکن اس علم کو اتنی شہرت و مقبولیت حاصل نہ تھی، جو شیخ صاحب کی محنتوں کے ذریعہ حاصل ہوئی۔ آپؒ سے پہلے عوام ہی نہیں؛ بلکہ علماء وفضلاء کی رسائی بھی امام صغانی کی "مشارق الأنوار" تک تھی، اور اگر کوئی امام بغویؒ کی 'مصابیح السنة" پڑھ لیتا تو اہل علم حضرات کے حلقوں میں اس کو محدث شمار کیا جاتا تھا۔

شیخ صاحبؒ نے علم حدیث سے اس اجنبیت کو ختم کرنے اور عوام کی رسائی کو اس تک آسان بنانے کے لئے کتب حدیث کو نصاب تعلیم کا لازمی جز قرار دیا۔ ساتھ ہی اس دور کی عوامی زبان (فارسی) میں اس لئے کتابوں کے ترجمے کئے تاکہ عوام بھی ان سے استفادہ کرسکے۔ شیخ صاحبؒ کو "مشکاة المصابیح" سے ایک خاص لگاؤ تھا، جس بناپر آپؒ نے "لمعات التنقیح" اور "اشعة اللمعات" نامی مشکاة کی دو شرحیں لکھیں، جو کہ اپنی بے شمار خصوصیات کی وجہ سے آج تک علمائے کرام کا مرجع بنی ہوئی ہیں۔

ب۔ فصل دوم: شیخ عبد الحقؒ اور آپ کی تالیفات حدیث:

علم حدیث میں شیخ صاحب کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ لوگ دور دراز کا سفر کرکے آپؒ سے حدیث سننے اور سمجھنے کیلئے آتے تھے۔ آپؒ نے علم حدیث کی اشاعت کے لئے درس وتدریس کے علاوہ تصنیف و تالیف کو بھی ذریعہ بنایا؛ کیوں کہ تدریسی ذریعہ کے بالمقابل تحریری سرمایہ زیادہ دیرپا ہوتا ہے۔ اس کے ذریعہ ان حضرات کی بھی علمی مباحث تک رسائی ممکن ہوتی ہے جو زمان ومکان کے بعد کی وجہ سے براہ راست استفادہ نہیں کرسکتے۔

شیخ صاحب نے علم حدیث میں جو تصانیف تحریر فرمائیں ان میں "مشکاة" کی عربی وفارسی شرح "لمعات التنقیح في شرح مشكاة المصابيح" اور "اشعة اللمعات" کے علاوہ "المقدمة في أصول الحديث" نامی رسالہ کو سب سے زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی۔

مذکورہ بالا تینوں کتابوں کے علاوہ آپؒ کی تصانیف میں سے جن کتابوں کو حدیث کے موضوع کے تحت شمار کیا جاسکتا ہے وہ اس طرح ہیں: "فتح الرحمن في إثبات مذهب النعمان" "جامع

toobaa-elibrary.blogspot.com

البرکات منتخب شرح المشکاۃ"، "أسماء الرجال والرواۃ المذکورین فی کتاب المشکاۃ" (جو کہ "إکمال أسماء رجال مشکاۃ المصابیح" کے نام سے بھی جانی جاتی ہے)، "فارسی رسالہ اقسام الحدیث"، "طریق الافادہ فی شرح سفر السعادہ"، "ما ثبت بالسنۃ فی أیام السنۃ"، "تحقیق الإشارۃ إلی تعمیم البشارۃ"، "جمع الأحادیث الأربعین"، "ترجمہ الاحادیث الاربعین فی نصیحۃ الملوک والسلاطین"، اور "إجازت الحدیث فی القدیم والحدیث"۔

۴) **باب چہارم: شیخ عبد الحقؒ اور ان کے معاصرین:**

شیخ صاحبؒ کی طبیعت عزلت پسند واقع ہوئی تھی۔ آپؒ نے پیدائش سے وفات تک اگرچند سال کو مستثنیٰ کر دیا جائے تو مکمل زندگی مشہور شہر دہلی میں گوشہ نشیں کے طور پر گزاری اور دنیاوی جاہ وجلال کے مالک حضرات سے ہمیشہ دوری اختیار کئے رہے۔ لیکن آپؒ کی شہرت و مقبولیت اور علمی جاہ وجلال کی وجہ سے اس دور کے تمام علماء و فضلاء اور امراء و سلاطین نے آپؒ سے تعلق کو اپنے لئے باعث افتخار سمجھا۔

جلال الدین محمد اکبر (جب تک اس کے نظریات میں تبدیلی واقع نہیں ہوئی تھی)، نور الدین جہاں گیر اور شاہ جہاں جیسے بادشاہوں سے آپؒ کے اچھے مراسم تھے اور آپؒ اللہ سے یہ امید کرتے تھے کہ وہ ان کے ذریعہ اپنے دین کی تائید و نصرت فرمائے گا۔ ان کے علاوہ شیخ صاحب کے جن علماء یا امراء سے زیادہ طویل عرصہ تک روابط رہے یا خط و کتابت کے ذریعہ آپؒ کا ان سے تعلق رہا وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) شیخ احمد بن عبد الاحد سرہندی (۲) حضرت ابو المعالی (۳) شیخ عبد اللہ نیازی (۴) مرزا نظام الدین احمد بخشی (۵) نواب مرتضیٰ خاں شیخ فرید (۶) ملا عبد القادر بدایونی (۷) میر سید طیب بلگرامی (۸) ابو الفیض فیضی (۹) عبد الرحیم خان خاناں (۱۰) محمد غوثی شطاری۔

۵) **باب پنجم: فتح الرحمن فی إثبات مذھب النعمان: تخریج و تحقیق:**

"فتح الرحمن فی إثبات مذھب النعمان" حدیث نبوی ﷺ کا ایک ایسا انوکھا مجموعہ ہے جس کو مصنفؒ نے "مشکاۃ المصابیح" کے انداز پر مرتب فرمایا ہے۔ جیسے امام تبریزی نے اپنی

toobaa-elibrary.blogspot.com

کتاب "مشکاۃ المصابیح" میں ان احادیث کو جمع کیا ہے جو شوافع کے مستدلات ہیں۔ اسی طرح شیخ عبد الحق نے "فتح الرحمن فی إثبات مذھب النعمان" میں ان احادیث کا انتخاب کیا ہے جو فقہ حنفی کے دلائل ہیں۔

اس کتاب کی ایک غیر معمولی خاصیت یہ ہے کہ اس میں مصنف نے حدیث کے ساتھ مسائل فقہیہ سے بھی بحث کی ہے۔ نیز "تنبیہ" کے عنوان کے تحت ان مسائل کو بحسن وخوبی ذکر کیا ہے جو ائمہ اربعہ امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، اور امام احمد بن حنبلؒ کے درمیان مختلف فیہ ہیں۔

مذکورہ خصوصیت کی وجہ سے اس کتاب کی اہمیت دیگر کتب حدیث سے اس وجہ سے بڑھ جاتی ہے؛ کیوں کہ یہ اپنے قاری کو ایک ہی وقت میں احادیث نبویہ ﷺ اور مسائل فقہیہ دونوں سے استفادہ کا موقع فراہم کرتی ہے۔

"فتح الرحمن في إثبات مذھب النعمان" کیوں کہ حدیث اور فقہ دونوں کا مجموعہ ہے اس لئے مصنف نے اس کی تالیف میں دو طریقے اختیار کئے ہیں: اول ابتدائے کتاب "کتاب الإیمان" سے "کتاب الجنائز" تک "مشکاۃ" کے طرز پر ابواب وفصول قائم کئے ہیں اور ہر فصل کے تحت احادیث نبویہ اور ائمہ اربعہؒ کے درمیان مختلف فیہ مسائل کو ذکر کیا ہے۔

دوم: "کتاب الجنائز" سے آخر کتاب تک پہلے مختلف فیہ مسائل کو ذکر کیا ہے اور پھر ان سے متعلق احادیث کو دلائل کے طور پر پیش کیا ہے۔ اس وجہ سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ مذکورہ کتاب کا نصف اول کتب حدیث کے طرز پر ہے اور نصف ثانی کتب فقہ کے۔

ان جیسی اور بہت سی خصوصیات کی وجہ سے ضروری تھا کہ یہ کتاب جدید تحقیق وتخریج کے ساتھ منظر عام پر آئے اور علماء وطلبہ کو اس سے استفادہ کا موقع ملے۔ اسی وجہ سے احقر نے اپنی تمام تر علمی کوتاہیوں کے باوجود اس غیر معمولی کتاب کی حتی المقدور مصادر اصلیہ کے ذریعہ تحقیق وتخریج کی ایک معمولی سی کوشش کی ہے۔ اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ اس حقیر سے عمل کو قبول فرمائے۔ آمین۔

وما توفیقي إلا باللہ.

toobaa-elibrary.blogspot.com

فہرست

مقدمہ	i
علم تخریج حدیث: ایک تعارف	iv
فتح الرحمن فی اثبات مذہب النعمان: ایک تعارف	xiv

بابِ اول: شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ سے قبل ہندوستان میں علم حدیث کی نشر و اشاعت

فصل اول: برِ صغیر میں صحابہؓ و تابعینؒ کا ورود	۳
عثمان بن ابی العاصؓ	۴
حکم بن ابی العاصؓ	۷
مغیرہ بن ابی العاصؓ	۹
ربیع بن زیاد الحارثیؓ	۱۱
حکم بن عمرو بن مجدعؓ	۱۴
عبد اللہ بن عبد اللہ بن عتبانؓ	۱۶
سہل بن عدی بن مالکؓ	۱۸
شہاب بن المخارق بن شہابؓ	۲۰
صحار بن عباس العبدیؓ	۲۱
عاصم بن عمرو التمیمیؓ	۲۳
عبد اللہ بن عمیر الاشجعیؓ	۲۵
النسیر بن دیسمؓ	۲۶
حکیم بن جبلہ العبدیؓ	۲۸
عبید اللہ بن معمرؓ	۳۰
عمیر بن عثمانؓ	۳۲
مجاشع بن مسعودؓ	۳۳

toobaa-elibrary.blogspot.com

۳۵	عبدالرحمٰن بن سمرۃؓ
۳۶	خریت بن راشدؓ
۳۸	عبداللہ بن سوید تمیمیؒ
۳۹	کلیب ابو وائلؒ
۴۰	المہلب بن ابی صفرۃؓ
۴۲	عبداللہ بن سوار العبدیؒ
۴۵	یاسر بن سوار العبدیؒ
۴۶	سنان بن سلمہ الہذلیؒ
۴۷	منذر بن جارودؓ
۴۸	**فصل دوم: ابتدائی مشہور محدثین**
۴۹	ربیع بن صبیحؒ
۵۵	ابو معشر نجیح السندیؒ
۶۳	رجاء بن السندیؒ
۶۷	خلف بن سالمؒ
۷۱	شیخ اسماعیل لاہوریؒ
۷۳	**فصل سوم: ممتاز کثیر التصانیف محدثین**
۷۴	امام حسن الصغانیؒ
۹۵	شیخ علی متقیؒ
۱۰۹	محمد بن طاہر پٹنیؒ

باب دوم: شیخ عبدالحقؒ (خاندانی پس منظر، ذاتی حالات اور علمی خدمات)

۱۲۲	**فصل اول: خاندانی پس منظر**
۱۲۳	آغا محمد ترک
۱۲۵	ملک معزالدین

toobaa-elibrary.blogspot.com

ملک موسیٰ	۱۲۵
شیخ فیروز شہید	۱۲۶
شیخ سعد اللہ	۱۲۷
شیخ سیف الدین	۱۲۸
فصل دوم: ذاتی حالات	۱۳۱
نسب	۱۳۱
ولادت	۱۳۱
تعلیم و تربیت	۱۳۱
دانشمندانِ ماوراء النہر سے استفادہ	۱۳۳
ابتداءِ درس و تدریس	۱۳۳
دربار اکبری میں	۱۳۵
سفر حجاز	۱۳۷
ہندوستان واپسی	۱۴۰
وفات	۱۴۱
اخلاق	۱۴۱
شیوخ	۱۴۳
تلامذہ	۱۴۴
فصل سوم: علمی خدمات	۱۴۹
عقائد	۱۵۱
تفسیر	۱۵۵
تجوید	۱۵۸
نحو	۱۶۰
تصوف	۱۶۲

toobaa-elibrary.blogspot.com

فقہ	۱۷۳
سیر و تذکرہ	۱۷۵
اخلاق	۱۸۳
اعمال و اوراد	۱۸۷
تاریخ	۱۹۱
ذاتی حالات	۱۹۸
مکاتیب و رسائل	۲۰۲
خطبات	۲۰۸
اشعار	۲۰۹
فلسفہ و منطق	۲۱۲

باب سوم: شیخ عبد الحق اور خدمات علم حدیث

فصل اول: شیخ عبد الحق اور اشاعت علم حدیث	۲۱۵
شیخ محدث اہل علم کی نظر میں	۲۱۸
اسانید شیخ عبد الحق محدث دہلوی	۲۲۰
فصل دوم: شیخ عبد الحق اور آپ کی تالیفات حدیث	۲۲۳
اشعۃ اللمعات	۲۲۳
لمعات التنقیح	۲۲۷
جامع البرکات منتخب شرح المشکوٰۃ	۲۳۰
اسماء الرجال والرواۃ المذکورین فی کتاب المشکوٰۃ	۲۳۱
مقدمہ فی اصول الحدیث	۲۳۱
رسالہ اقسام الحدیث (فارسی)	۲۳۲
طریق الافادۃ فی شرح سفر السعادۃ	۲۳۳
ماثبت بالسنۃ من ایام السنۃ	۲۳۶

toobaa-elibrary.blogspot.com

تحقیق الاشارۃ الی تعمیم البشارۃ	۲۳۷
ترجمہ مکتوب النبی الامی صلی اللہ علیہ وسلم فی تعزیہ ولد معاذ بن جبل	۲۳۷
جمع الاحادیث الاربعین فی ابواب علوم الدین	۲۳۷
ترجمۃ الاحادیث الاربعین فی نصیحۃ الملوک والسلاطین	۲۳۸
رسالہ شب براۃ	۲۳۸
اجازت الحدیث فی القدیم والحدیث	۲۳۸
فتح الرحمن فی اثبات مذہب النعمان	۲۳۹

باب چہارم: شیخ عبدالحقؒ اور ان کے معاصرین

شیخ احمد بن عبد الاحد السرہندیؒ	۲۴۳
حضرت شاہ ابو المعالیؒ	۲۵۵
شیخ عبد اللہ نیازیؒ	۲۵۹
محمد غوثی شطاریؒ	۲۶۲
مرزا نظام الدین احمد بخشیؒ	۲۶۳
نواب مرتضی خاں شیخ فریدؒ	۲۶۶
ملا عبد القادر بدایونیؒ	۲۶۹
میر سید طیب بلگرامی	۲۷۱
فیضی	۲۷۴
عبد الرحیم خان خاناں	۲۷۸

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب نجم: فتح الرحمن في إثبات مذهب النعمان

تخريج وتحقيق

أقسام الحديث في أصول التحديث	٢٨٣
مقدمة الكتاب	٢٩٥
كتاب الإيمان	٣٠٥
الفصل الأول	٣٠٥
الفصل الثاني	٣٢٧
الفصل الثالث	٣٣٨
باب الكبائر وعلامات النفاق	٣٤٦
باب في الوسوسة	٣٥٠
باب الإيمان بالقدر	٣٥٥
باب إثبات عذاب القبر	٣٦٦
باب الاعتصام بالكتاب والسنة	٣٧٢
كتاب العلم	٣٨٩
فصل في آفات العلم ووعيد من لم يعمل بعلمه	٤٠٠
فصل في علم النجوم والأنساب والعربية	٤٠٥
فصل في كتابة الحديث	٤٠٨
كتاب الطهارة	٤١٣
الباب الأول في فضائل الطهارة	٤١٣
الفصل الأول في فضائل الطهارة والنظافة مطلقا	٤١٣
الفصل الثاني في فضائل الوضوء	٤١٥
الفصل الثالث في وجوب الوضوء	٤١٧
التنبيهات	٤٢٥

toobaa-elibrary.blogspot.com

الفصل الرابع في آداب التخلي والاستنجاء	٣٣٦
تنبيه الكلام في هذا الفصل	٣٣٦
الفصل الخامس في السواك	٣٥١
تنبيه	٣٥٧
كتاب في آداب متفرقة للوضوء قولا وفعلا	٣٥٩
الفصل السادس في نواقض الوضوء	٣٦٣
تنبيه	٣٨٣
باب الغسل	٣٩١
الفصل الأول في غسل الجنابة	٣٩١
الفصل الثاني في كيفية الغسل	٣٩٣
تنبيه	٥٠٠
فصل في أحكام الجنب	٥٠٣
باب أحكام للمياه	٥٠٦
تنبيه الكلام في الآثار	٥١٥
باب تطهير النجاسات	٥٢٣
الفصل الأول في الكلب وغيره من الحيوان	٥٢٣
تنبيه	٥٢٣
الفصل الثاني في البول على الأرض	٥٢٥
تنبيه	٥٢٦
الفصل الثالث في بول الطفل	٥٢٧
تنبيه	٥٢٨
الفصل الرابع في دم الحيض	٥٢٩
تنبيه	٥٣٠
الفصل الخامس في الجلود	٥٣١

toobaa-elibrary.blogspot.com

تنبيه	٥٣٢
الفصل السادس في النجاسة تكون في الطريق	٥٣٣
تنبيه	٥٣٤
باب في المسح على الخفين	٥٣٥
الفصل الأول في جواز المسح	٥٣٥
الفصل الثاني في موضع المسح من الخف	٥٣٩
الفصل الثالث في مدة المسح	٥٤٠
تنبيه	٥٤٢
باب التيمم	٥٤٣
تنبيه	٥٤٩
باب الغسل المسنون	٥٥٦
الفصل الأول في غسل الجمعة	٥٥٦
تنبيه	٥٥٨
الفصل الثاني في الغسل عن غسل الميت	٥٥٩
تنبيه	٥٦١
باب الحيض	٥٦٣
تنبيه	٥٦٨
تنبيه	٥٧٣
كتاب الصلاة	٥٧٧
الفصل الأول في وجوب الصلاة	٥٧٧
الفصل الثاني في فضائل الصلاة	٥٨١
تنبيه	٥٨٧
باب المواقيت	٥٨٩
الفصل الأول في الأحاديث الواردة في تعجيل الصلاة	٥٩٣

toobaa-elibrary.blogspot.com

الفصل الثاني في الأحاديث الواردة في تأخير الصلاة	٥٩٧
تنبيه	٦٠٢
تنبيه في تحقيق صلاة الوسطى	٦١٨
باب في فضائل الصلوات	٦٢٠
باب الأذان	٦٢٥
فصل في كيفية ابتداء الأذان	٦٢٥
تنبيه في الخلاف في هذا الباب	٦٢٩
باب فضل الأذان وأحكامه وإجابة الأذان	٦٣٣
تنبيه أن الفائتة هل يؤذن، أم لا يؤذن لها	٦٤٣
باب المساجد وفضلها وأحكامها وآدابها	٦٤٧
فصل في بعض أحكام يتعلق بالمساجد	٦٥٦
تنبيه	٦٥٩
باب الستر	٦٦٥
تنبيه في حد العورة	٦٧١
باب السترة	٦٧٣
تنبيه	٦٧٨
باب صفة الصلاة	٦٨٣
تنبيه	٦٨٩
باب ما يقرأ بعد التكبير المذكور	٧٠٣
باب القراءة في الصلاة	٧٠٨
باب الركوع والسجود	٧٢٥
تنبيه	٧٣٣
باب التشهد والإشارة	٧٣٥
الفصل الأول في التشهد	٧٣٥

toobaa-elibrary.blogspot.com

الفصل الثاني في الإشارة	٧٣٩
تنبيه	٧٥١
باب الصلاة على النبي وفضائلها	٧٥٧
تنبيه	٧٦٢
باب الدعاء في التشهد	٧٦٣
تنبيه	٧٦٥
باب الذكر بعد الصلاة	٧٧١
باب ما لا يجوز من العمل في الصلاة وما يباح منه	٧٧٣
الفصل الثامن لمن يؤمر بإعادة الصلاة	٧٨١
تنبيه	٧٨٥
باب سجود السهو	٧٩٢
تنبيه	٧٩٣
باب سجود القرآن	٨٠١
تنبيه	٨٠٥
باب أوقات النهي	٨١٢
تنبيه	٨١٣
باب الجماعة وفضائلها	٨٢٣
تنبيه	٨٣١
باب تسوية الصف	٨٣٥
تنبيه	٨٣٨
باب الموقف للإمام	٨٤١
باب الإمامة	٨٤٥
تنبيه	٨٤٩
ذكر أدب الإمام والمأموم وما عليهما الحقوق وتخفيف الصلاة ونحوه	٨٥٣

toobaa-elibrary.blogspot.com

فصل ذكر أدب الإمام والمأموم	٨٥٣
تنبيه	٨٦٢
باب من صلى صلاة مرتين	٨٦٥
تنبيه	٨٦٦
باب السنن وفضائلها	٨٦٩
الفصل الأول في فضل النوافل والترغيب فيها	٨٦٩
الفصل الثاني في السنن الرواتب للصلوات الخمس	٨٧١
الفصل الثالث في فضل سنة الفجر	٨٧٣
تنبيه	٨٧٦
فصل في راتبة الظهر	٨٧٧
باب صلاة الليل	٨٨٣
تنبيه	٨٨٦
فائدة	٩٠١
باب قيام شهر رمضان	٩٠٣
تنبيه	٩٠٦
فصل صلاة الضحى	٩١٠
تنبيه	٩١٣
باب التطوع	٩١٨
باب صلاة السفر	٩٢٣
تنبيه	٩٢٨
باب الجمعة	٩٥٣
فصل في فضل الجمعة	٩٥٣
تنبيه	٩٦٣
باب صلاة العيدين	٩٧٣

toobaa-elibrary.blogspot.com

تنبيه	٩٤٤
باب الأضحية	٩٩٣
باب صلاة الخوف	٩٩٦
باب صلاة الكسوف	٩٩٨
باب صلاة الاستسقاء	١٠٠٢
كتاب الجنائز	١٠٠٣
تنبيه	١٠٣٣
كتاب الزكاة	١٠٣١
كتاب الصوم	١٠٨٣
كتاب الحج	١١٣٤
تذنيل في بيان حرم المدينة	١١٤٩
المصادر والمراجع	١١٨٣

toobaa-elibrary.blogspot.com

بابِ اول

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ سے قبل

ہندوستان میں علمِ حدیث کی نشر و اشاعت

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب اول

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ سے قبل

ہندوستان میں علم حدیث کی نشر و اشاعت

ہندوستان کرۂ ارض کے ان خوش بخت خطوں میں سے ہے جہاں کی سرزمین کو اسلام کے اولین جانشین اور ان سعادت مندوں کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہے جن کو صحابہؓ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مہتم بالشان اور غیر معمولی طبقہ کے ساتھ وابستہ کیا جاتا ہے اور جن کے اوصاف عالیہ کی نشان دہی کرتے ہوئے خود پیغمبر اسلام محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"أصحابي كالنجوم بأيهم اقتديتم اهتديتم."[1]

[میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں، تم ان میں سے جس کی چاہے اقتدا کرو، ہدایت پا جاؤ گے۔]

یوں تو اہل عرب کا دعویٰ ہے کہ " ہندوستان سے ان کا تعلق صرف چند ہزار برس کا نہیں؛ بلکہ پیدائش کے شروع سے یہ ملک ان کا پدری وطن ہے۔[2] لیکن عربوں کی وہ جماعت جس کو سب سے زیادہ عزت و تکریم کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور جس کے بارے میں تمام محدثین عظام و مؤرخین کرام کا دعویٰ ہے کہ 'الصحابة كلهم عدول.'[3] اس مقدس جماعت یعنی صحابہؓ کرام کا ورود ہندوستان میں عہد فاروقی کے ابتدائی ایام میں بحری راستہ سے اس وقت ہوا جب آپؓ نے اپنے ایک "ثقفی بھائی" حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو ۱۵ھ میں بحرین اور عمان کا عامل مقرر کیا۔

صحابہؓ کرام نے مذہب اسلام کی تبلیغ اور قانونِ الٰہی کے نفاذ کی خاطر ہندوستان کی جانب جو مہمیں روانہ کیں وہ بحری اور بری دونوں راستوں سے تھیں، جس میں اولاً بحری پیش قدمیاں تھیں جو حضرت عثمان الثقفیؓ نے اپنے بھائی الحکم الثقفیؓ اور مغیرہ الثقفیؓ کی قیادت میں تھانہ، بھروچ اور دیبل کی جانب روانہ فرمائیں۔

---

۱) أخرجه الآجري في "الشريعة" كتاب الإيمان والتصديق، باب ذكر فضل جميع الصحابة (١٦٩٠/٤) رقم الحديث: ١١٦٦. وابن عبد البر في "جامع بيان العلم وفضله" باب ذكر الدليل من أقاويل السلف (٩٢٥/٢) رقم الحديث: ١٧٦٠.

۲) ندوی، سید سلیمان، عرب و ہند کے تعلقات: ۱، دار المصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۲۰۱۰ء۔

۳) ابن حجر، أحمد بن علي العسقلاني، فتح الباري شرح صحيح البخاري: ٦٣٣/٩، دار المعرفة بيروت ١٣٧٩هـ.

toobaa-elibrary.blogspot.com

ان بحری کاروائیوں کے علاوہ بری راستہ سے بھی مسلم فاتحین نے ہند کی جانب پیش قدمی کی اور ان کے لشکر بصرہ سے شیراز، کرمان اور مکران میں فتح و کامرانی کے جھنڈے گاڑتے ہوئے خلافت فاروقی کے اواخر ۲۳ھ میں لب ساحل سندھ تک پہونچ گئے۔

دریائے سندھ کے کنارے پہونچ کر مسلم فاتحین کو چند مصالح کے پیش نظر امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حکم سے اپنی پیش قدمی کو روکنا پڑا، اس کے بعد تقریباً ۷۰ سال تک مسلمانوں نے کوئی کاروائی نہیں کی؛ لیکن تھوڑی ہی مدت کے بعد ولید بن عبد الملک کے دورِ خلافت ۹۳ھ میں حجاج بن یوسف نے اپنے بھتیجے محمد بن قاسم کو صوبۂ سندھ پر حملہ کے لئے بھیجا اور ان کو فتح نصیب ہوئی۔

محمد بن قاسم کے سندھ فتح کر لینے کے بعد دوسرے مسلم حکمران صدیوں تک دنیا کے دیگر خطوں کی مانند سندھ و ہند کے علاقوں میں بھی فتح و کامرانی کے پرچم لہراتے اور سلطنتِ اسلامیہ کی حدود کو وسیع سے وسیع تر کرتے رہے۔ ان تمام فوجی کاروائیوں میں وہ افراد بھی جہاد کی غرض سے شریک ہوتے تھے جو ایک غیر معمولی مجاہد کے ساتھ میدانِ حدیث کے بھی بے مثل شہسوار تھے اور اصل مقصد تعلیماتِ نبوی ﷺ کو چہار دانگ عالم میں پھیلانا تھا۔

دورِ صحابہ سے لیکر شیخ عبد الحق محدث دہلوی تک ہندوستان کے اس ہزار سالہ عہد میں اس سرزمین پر جن برگزیدہ ہستیوں نے علم حدیث کی نشر و اشاعت، جمع و تدوین اور توضیح و تشریح کے فرائض انجام دیئے؛ چہ جائے کہ وہ بیرونِ ہند سے تشریف لائے ہوں، ہندی نژاد ہوں لیکن بیرونِ ہند خدمات انجام دیں ہوں یا ہندی الاصل ہوں اور سرزمینِ ہند کو ہی اپنی تمام تر توجہات کا مرکز بنایا ہو۔ ان تمام کو قلم بند کرنا اور تفصیل سے ان سب کے حالات سپردِ قلم کرنا انتہائی دشوار کام ہے۔

اس لئے پہلے باب میں صرف انہیں اشخاص کو موضوعِ بحث بنایا گیا ہے جو زیادہ مشہور و معروف تھے اور ان کا خاص میدان علم حدیث کی نشر و اشاعت رہا ہے۔ یہ باب تین فصلوں پر مشتمل ہے:

۱) فصلِ اول: برصغیر میں صحابہؓ و تابعین کا ورود۔

۲) فصلِ دوم: ابتدائی مشہور محدثین۔

۳) فصلِ سوم: ممتاز کثیر التصانیف محدثین۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

فصل اول: برصغیر میں صحابہؓ و تابعینؒ کا ورود

جدید جغرافیائی اعتبار سے ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش اور سری لنکا وغیرہ کو برصغیر کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ وہ قطعۂ ارضی ہے جس پر تاریخی ادوار سے قبل انسانی آبادی کی موجودگی کے نشانات ملتے ہیں۔ اور اگر بعض کمزور روایات کو پیش نظر رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے زمین کے جس حصہ پر اتارا گیا وہ سری لنکا میں واقع ہے، جو کہ برصغیر کا ہی ایک حصہ ہے۔

ابتدا سے لیکر آج تک اس بری حصہ پر نہ جانے کتنی قوموں نے جنم لیا یا باہر سے آکر آباد ہوئیں اور ترقی و تنزلی کی منازل کو طے کرنے کے بعد مستقل طور پر یہیں بود و باش اختیار کر لیا۔ انہی اقوام میں سے ایک قوم مسلمان ہیں، مسلم قوم کے پہلے اور دوسرے طبقے یعنی صحابہ اور تابعین کی جماعت نے سب سے پہلے عہد فاروقی میں اس خطہ کی جانب رخ کیا۔

وہ تمام اصحاب رسول ﷺ اور تابعین جو برصغیر تشریف لائے ان سب کے نام اور تفصیلات تو کتب تاریخ میں موجود نہیں: البتہ جن چند مشہور شخصیات کا ذکر ملتا ہے ان کی تفصیل اس فصل میں بیان کی جائے گی۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

عثمان بن ابی العاصؓ

نام و نسب:

عثمان بن أبي العاص بن بشر بن عبيد بن دهمان بن عبد الله بن همام بن أبان بن يسار بن مالك بن حطيط بن جشم بن قسي بن منبه بن بكر بن هوازن بن منصور بن عكرمه بن خصفة بن قيس بن غيلان بن مضر[1]

مختصر حالاتِ زندگی:

آپ کی کنیت ابو عبد اللہ ثقفی، ۹ھ میں طائف کے وفد کے ساتھ مدینہ تشریف لائے اور مشرف باسلام ہوئے، دوران قیام ہی قرآن کا کچھ حصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تبرکاً پڑھا، مکمل قرآن کی تعلیم مشہور صحابیٔ رسول ابی بن کعب سے اور دیگر علوم دینیہ کی تعلیم حضرت ابو بکر صدیق رضي الله عنہ سے حاصل کی۔

چند ایام قیام کرنے کے بعد ارکان وفد مسلمان ہو کر طائف کو واپس ہونے لگے تو انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ کسی ایک کو ہمارا امیر بنا دیجیے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کی دین اسلام کے تئیں تڑپ اور حصول تعلیم کی حرص کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کو قبیلہ ثقیف کا امیر مقرر کر دیا، حالانکہ اس وفد میں عبد یالیل اور ان جیسے دوسرے عمر رسیدہ اور تجربہ کار اشخاص بھی موجود تھے۔

حضرت عثمان بن ابی العاص کی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے حضرت صدیق اکبر رضي الله عنہ نے بھی امارت کی سفارش کرتے ہوئے فرمایا:

"يا رسول الله، إني قد رأيت هذا الغلام أحرصهم على التفقه في الإسلام وتعلم القرآن"[2]

---

1) أبو نعيم، أحمد بن عبد الله بن أحمد الأصبهاني، معرفة الصحابة: ۱۹۶۲/٤ [رقم الترجمة: ۲۰۱۸]، تحقيق: عادل بن يوسف العزازي، دار الوطن للنشر رياض، الطبعة الأولى ۱٤۱۹هـ-۱۹۹۸م. ابن حزم الأندلسي، أبو محمد علي بن أحمد بن سعيد، جمهرة أنساب العرب: ۲٦٦، تحقيق وتعليق: عبد السلام محمد هارون، دار المعارف قاهرة، الطبعة الخامسة. ابن السائب الكلبي، أبو المنذر هشام بن محمد بن السائب الكلبي، جمهرة النسب: ۳۹۲، تحقيق: الدكتور ناجي حسن، عالم الكتب مكتبة النهضية العربية، الطبعة الأولى ۱٤۰۷هـ-۱۹۸٦م. ابن دريد، أبو بكر محمد بن الحسن بن دريد، الإشتقاق: ۳۰۲، تحقيق وشرح: عبد السلام محمد هارون، دار الجبل، بيروت، الطبعة الأولى ۱٤۱۱هـ-۱۹۹۱م.

2) ابن هشام، عبد الملك بن هشام بن أيوب الحميري، سيرت ابن هشام: ۵٤۰/۲. ابن أثير، عز الدين أبي الحسن علي بن محمد، أسد الغابة" باب العين والفاء [رقم الترجمة: ۳۵۷۵] دار ابن حزم، بيروت لبنان، الطبعة الأولى ۱٤۳۳هـ-۲۰۱۲م.

toobaa-elibrary.blogspot.com

[اے رسول ﷺ میں نے اس بچہ کے اندر تفقہ فی الاسلام اور تعلیم قرآن کی ان سب سے زیادہ حرص دیکھی ہے۔]

حضرت عثمان بن ابی العاص کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے (امیر بنا کر) ثقیف کی جانب روانہ کیا تو ان کی آخری وصیت یہ تھی:

"یا عثمان تجاوز في الصلاة، واقدر الناس بأضعفهم، فإن فيهم الكبير، والصغير، والسقيم، والبعيد، وذا الحاجة" (۱)

[اے عثمان نماز میں آسانی برتو؛ اور لوگوں میں جو سب سے کمزور ہو اس کا اعتبار کرو؛ کیوں کہ ان میں عمر رسیدہ بھی ہیں اور بچے بھی، ان میں بیمار بھی ہیں، دور دراز علاقوں کے بھی اور ضرورت مند بھی۔]

اس کے بعد حضرت عثمان، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ، خلافت ابو بکر صدیق رضي الله عنه اور خلافت عمر فاروق رضي الله عنه میں ابتدائی دو سالوں تک طائف کی امارت و امامت کے فرائض کو بحسن و خوبی انجام دیتے رہے۔

حضرت عمر رضي الله عنه نے ۱۵ھ میں آپ کو بحرین اور عمان کا عامل مقرر کیا تو آپ نے اپنے بھائی حکمؓ کو بحرین روانہ کیا اور خود عمان پہونچ کر ایک فوجی مہم تھانہ کی طرف بھیجی جب یہ لشکر واپس آیا تو انہوں نے اس کی اطلاع خلیفۃ المسلمین حضرت عمر رضي الله عنه کو دی، اس کے جواب میں حضرت عمر رضي الله عنه نے حضرت عثمان بن ابی العاص کو لکھا کہ:

"يا أخا ثقيف حملت دودا على عود، وإني أحلف بالله لو أصيبوا لأخذت من قومك مثلهم" (۲)

[اے ثقفی بھائی! تم نے کیڑے کو لکڑی پر سوار کر دیا ہے، اور میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ اگر ان کو کچھ ہوا تو میں ان جیسے افراد تمہاری قوم سے لے لوں گا۔]

اس کے علاوہ انہوں نے اپنے ایک بھائی حکم کو بروص (بھڑوچ) اور دوسرے بھائی مغیرہ کو دیبل (کراچی کے قریب) کی جانب روانہ کیا، جہاں ان دونوں کو فتح و کامرانی حاصل ہوئی۔

---

۱) اخرجه ابن ماجه في "سننه"، كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب من أم قوما فليخفف (۱/۳۱۶) رقم الحديث: ۹۸۷

۲) البلاذري، أبو العباس أحمد بن يحيى بن جابر، فتوح البلدان، باب: فتوح السند: ۶۰۷، حققه وشرحه: عبد الله أنيس الطباع، مؤسسة المعارف بيروت، لبنان ۱۴۰۷هـ=۱۹۸۷م.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وفات:

الغرض آپؓ نے اپنی چھ سالہ مدت امارت میں انتہائی شاندار خدمات انجام دیں اور بالآخر ۴۹ھ میں معزولی کے بعد اپنے اہل و عیال کے ساتھ بصرہ میں مقیم ہوگئے۔ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں سن ۵۱ھ یا ۵۵ھ ہجری میں وفات پائی۔ (۱)

تلامذہ:

آپ سے جن حضرات نے روایت کیا ہے ان میں سے چند مشہور نام یہ ہیں: حسن بصریؒ، سعید ابن المسیبؒ، محمد بن سیرینؒ، نافع بن جبیرؒ اور آپؓ کے بھتیجے یزید بن الحکم بن العاص وغیرہ۔ (۲)

---

۱) ابن حجر، أبو الفضل شهاب الدين أحمد بن علي بن حجر العسقلاني، **تهذيب التهذيب:۷/۱۲۸-۱۲۹**، دائرة المعارف حيدر آباد، دكن الهند، الطبعة الأولى ۱۳۲۵هـ. الذهبي، شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان، **سير أعلام النبلاء: ۲/۳۷۵**، مؤسسة الرسالة بيروت، لبنان، الطبعة الحادية عشرة ۱۴۱۷هـ-۱۹۹۶م. **معرفة الصحابة: ۴/۱۹۶۲**. الذهبي، شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان، **تاريخ الإسلام ووفيات المشاهير والأعلام: ۴/۲۷۰**، تحقيق: عمر عبد السلام تدمري، دار الكتاب العربي، بيروت، الطبعة الثانية ۱۴۱۰هـ-۱۹۹۰م. البخاري، أبو عبد الله محمد بن إسماعيل، **التاريخ الكبير: ۶/۲۱۲ [رقم الترجمة: ۲۱۹۵]**، ابن حبان، أبو حاتم محمد بن حبان بن أحمد البستي، **كتاب الثقات: ۳/۲۶۱**، دائرة المعارف العثمانية، حيدر آباد، الهند، الطبعة الأولى: ۱۳۹۳هـ-۱۹۷۳م، ابن عبد البر، أبو عمر يوسف بن عبد البر القرطبي، **الإستيعاب في أسماء الأصحاب: ۵۵۴-۵۵۵**، دار الفكر بيروت، لبنان ۱۴۲۶-۱۴۲۷هـ-۱۹۸۴م، العجلي، أبو الحسن أحمد بن عبد الله بن صالح، **تاريخ الثقات: ۳۲۸ [رقم الترجمة ۱۱۰۶]**، دار الكتب العلمية بيروت، لبنان، الطبعة الأولى ۱۴۰۵هـ-۱۹۸۴م. ابن حجر، أبو الفضل شهاب الدين أحمد بن علي بن حجر العسقلاني، تقريب التهذيب: **۴۱۹ [رقم الترجمة: ۴۴۸۵]**، ابن حجر، أبو الفضل شهاب الدين أحمد بن علي بن حجر العسقلاني، **الإصابة في تمييز الصحابة: ۴/۳۷۳-۳۷۴**، تحقيق وتعليق: عادل أحمد عبد الموجود وعلي محمد معوض، دار الكتب العلمية، بيروت لبنان، الطبعة الأولى ۱۴۱۵هـ-۱۹۹۵م. ندوی، شاہ معین الدین، سیر الصحابہ: ۳/ ۳۸۰، دار الاشاعت، اردو بازار کراچی، پاکستان ۲۰۰۴ء، اسلام الحق مظاہری، تذکرہ مشائخ ہند: ۱/ ۶۱-۶۲، ادارہ اسلامی دار المطالعہ، سہارن پور، سال طباعت: ۱۳۹۸ھ

۲) تهذيب التهذيب:۷/۱۲۸-۱۲۹.

toobaa-elibrary.blogspot.com

حکم بن ابی العاصؓ

نام ونسب:

الحکم بن أبي العاص بن بشیر بن دہمان الثقفي[1]، معرفۃ الصحابۃ[2] اور جمہرۃ انساب العرب[3] میں "بشیر" کی جگہ "بشر" اور "دہمان" سے پہلے "عبید" کا اضافہ ہے۔

مختصر حالات زندگی:

آپ کا نام حکم، کنیت ابو عثمان یا ابو عبد الملک ہے۔ حضرت عثمان ثقفیؓ کے حقیقی بھائی ہیں اور تمام مہموں میں ان کے برابر کے شریک رہے ہیں، ابن اثیر رقم طراز ہیں کہ آپ کو صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا شرف حاصل ہے:

"له صحبة." [4] [ان کے لئے (رسول اللہ ﷺ کی) صحبت ثابت ہے۔]

آپ کے اسلام قبول کرنے کا متعین وقت معلوم نہیں ہے؛ کیوں کہ جس وفد کے ساتھ آپؓ کے بھائی حضرت عثمان ثقفیؓ سنہ ۹ھ میں مدینہ آئے تھے اس میں آپؓ کا شامل ہونا ثابت نہیں ہے۔

بہر حال جب سنہ ۱۵ھ میں حضرت عمر رضي اللہ عنہ نے آپ کے بھائی حضرت عثمان کو بحرین اور عمان کا امیر مقرر کیا تو حضرت عثمان ثقفیؓ نے حضرت حکمؓ کو اپنے نائب کی حیثیت سے طائف کی امارت سپرد کی، اور پھر کچھ عرصہ بعد اپنے پاس عمان بلالیا اور بحرین کا امیر بنا کر روانہ کیا؛ جیسا کہ علامہ بلاذری تحریر فرماتے ہیں:

"ولى عمر بن الخطاب ﷺ عثمان بن أبي العاص الثقفي البحرين وعمان ١٥ هجرى، فوجه أخاه الحكم إلى البحرين ومضى إلى عمان." [5]

---

١) أسد الغابة: ٢٩٠، باب الحاء والكاف [رقم الترجمة: ١٢١٨].

٢) معرفة الصحابة: ٧١٢/٢ [رقم الترجمة: ٥٨٣].

٣) جمهرة أنساب العرب: ٢٦٦.

٤) أسد الغابة: ٢٩٠ [رقم الترجمة: ١٢١٨].

٥) فتوح البلدان، باب: فتوح السند: ٦٠٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

[حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عثمان بن ابی العاص کو ۱۵ھ میں بحرین اور عمان کا والی مقرر کیا تو انہوں نے اپنے بھائی الحکم کو بحرین کی جانب روانہ کیا اور وہ خود عمان چلے گئے۔]

بحرین کی امارت کے وقت آپ نے بہت سی فتوحات حاصل کیں، جیسا کہ صاحب اسد الغابہ تحریر فرماتے ہیں:

"افتتح الحكم فتوحا كثيرة بالعراق سنة تسع عشرة أو سنة عشرين." (۱)

[سنہ ۱۹ھ یا سنہ ۲۰ھ میں حضرت حکم نے عراق کے اندر بہت سی فتوحات حاصل کیں۔]

حضرت حکم ایک فاتح، امیر اور حاکم ہونے کے ساتھ ساتھ شیوخ حدیث میں بھی بلند مرتبہ رکھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ امام بخاریؒ نے آپ کو بصرہ کے علماء و محدثین میں شمار کرایا ہے۔ التاریخ الکبیر میں مرقوم ہے:

"الحكم بن أبي العاص الثقفي، أخو عثمان، يعد في البصريين." (۲)

[الحکم بن ابی العاص الثقفی، برادر عثمان کا شمار بصریین میں ہوتا ہے۔]

وفات:

سنہ ۴۴ھ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے آپ کو معزول کر دیا اور بصرہ میں علاقہ شط عثمان سے ایک جاگیر عطاء کی، آپ نے وہیں اپنی رہائش گاہ بنائی اور سنہ ۵۹ھ میں اسی جگہ وفات پائی۔ (۳)

---

۱) أسد الغابة: ۲۹۰.

۲) التاريخ الكبير: ۲/۳۳۱، [رقم الترجمة: ۲۶۵۱].

۳) الحسني، عبد الحي بن فخر الدين، الأعلام بمن في تاريخ الهند من الأعلام المسمى بـ نزهة الخواطر: ۳۱/۱، دار ابن حزم بيروت، لبنان، الطبعة الأولى ۱۴۲۰هـ-۱۹۹۹م. للمباركفوري، القاضي أبو المعالي أطهر، العقد الثمين في فتوح الهند ومن ورد فيها من الصحابة والتابعين: ۵۶، دار الأنصار. الإصابة في تمييز الصحابة ۲/۹۰ [رقم الترجمة: ۱۷۸۰]. جمهرة أنساب العرب: ۲۶۶. جمهرة النسب: ۳۹۲. الاشتقاق: ۳۰۲. تذکرہ مشائخ ہند: ۱/ ۲۲۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

مغیرہ بن ابی العاصؓ

نام ونسب:

مغیرہ بن ابی العاص بن بشیر بن دہمان بن عبداللہ بن ہمام الثقفی [1]

مختصر حالات زندگی:

حضرت مغیرہ، حضرت عثمان اور حضرت حکم رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بھائی ہیں، ان کا مستقل تذکرہ تو شاید کہیں موجود نہیں ہے، اور نہ ہی یہ بات پایہ ثبوت کو پہونچ پائی ہے کہ وہ صحابی رسول ﷺ ہیں یا نہیں؟

لیکن محدثین عظام نے ثبوت صحابیت کے لئے جن اصول وضوابط کو مقرر کیا ہے، ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت مغیرہ رضي اللہ عنہ کا صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونا یقینی ہو جاتا ہے، مثلاً حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے صحابیت کو معلوم کرنے کے لئے تین اصول ذکر کئے ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

١. كانوا لا يؤمرون إلا الصحابة.

٢. كان لا يولد لأحد مولود، إلا اتي به النبي ﷺ، فدعا له.

٣. لم يبق بمكة والطائف (أحد في سنة عشرة) إلا أسلم وشهد حجة الوداع. [2]

[۱۔ وہ صرف صحابہؓ کو ہی امیر بناتے تھے۔

۲۔ ان میں سے جس کے گھر بھی ولادت ہوتی وہ اس کو حضور ﷺ کے پاس لاتے اور اس کے لئے دعا کراتے۔

۳۔ ۱۰ھ تک مکہ اور طائف میں کوئی شخص ایسا نہیں تھا جو اسلام نہ لایا ہو اور جس نے حجۃ الوداع میں شرکت نہ کی ہو۔]

پہلے اصول کے مطابق اگر غور کیا جائے تو انہوں نے حضرت عمر رضي اللہ عنہ کے دور خلافت میں بہت سی جنگوں میں امارت کے فرائض انجام دیے ہیں، اور یہ بات تو یقینی ہے کہ جب حضرت عثمان ثقفی رضي اللہ عنہ اور ان کے بھائی حضرت حکم رضي اللہ عنہ بلاد فارس کو فتح کرنے کے لئے گئے تو حضرت مغیرہ رضي اللہ عنہ کو بحرین اور عمان میں اپنا نائب بنا کر گئے، جیسا کہ علامہ بلاذری کا بیان ہے:

---

١) العقد الثمين: ٥٦.

٢) الإصابة: ١/١٦١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

"ووجه أخاه المغيرة بن أبي العاص إلى خور الديبل فلقي العدو، فظفر." [1]

[اور انہوں نے اپنے بھائی مغیرہ بن ابی العاصؓ کو دیبل کی کھاڑی کی جانب بھیجا جہاں ان کا مقابلہ دشمنوں کے مقابلہ میں فتح و کامرانی حاصل کی۔]

رہا دوسرا اصول تو چوں کہ حضرت کی پیدائش طائف میں ہوئی ہوگی اس وجہ سے ان کو دعا کے لئے شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ لایا گیا ہو، اور پھر یہ بات تو یقینی ہے کہ ثقیف کا وفد حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں سنہ ۹ھ میں آیا ہے، ہو سکتا ہے اس وقت سے کافی پہلے حضرت مغیرہ کی پیدائش ہوئی ہو اور اس وقت ان کے والدین میں سے کوئی اسلام کی دولت سے مشرف نہ ہوا ہو، اس وجہ سے ان کو بچپن میں حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں بغرض دعا نہ لایا گیا ہو۔

تیسرا اصول یہ ہے کہ مکہ اور طائف کے اندر ۱۰ھ تک کوئی بھی شخص ایسا نہ تھا جس نے اسلام نہ قبول کیا ہو، اور حجۃ الوداع میں شریک نہ ہوا ہو، اس سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مغیرہ صحابی رسول ﷺ تھے، کیوں کہ وہ بنی ثقیف سے تھے جو کہ طائف کا ایک مشہور و معروف قبیلہ تھا۔

بہر حال حضرت مغیرہ کا صحابی ہونا اور ان کا برصغیر میں آنا ثابت ہے جیسا کہ بلاذری نے اس کی تصریح کی ہے کہ حضرت عثمان ثقفی نے ان کو دیبل (قریب کراچی) کی کھاڑی کی جانب روانہ کیا جہاں ان کو دشمنوں کے مقابلہ میں کامیابی حاصل ہوئی۔ [2]

حضرت مغیرہ اور حکم کے علاوہ حضرت عثمان بن ابی العاص کے اور بھی بھائی تھے جن کے نام حفص بن ابی العاص، ابو امیہ بن ابی العاص اور عمر بن ابی العاص ہیں، ان کی ایک بہن بابہ بنت ابی العاص بھی تھیں، یہ تمام کے تمام عزت و احترام کے ساتھ بصرہ میں رہتے تھے۔ [3]

---

۱) فتوح البلدان: ۶۰۷.

۲) فتوح البلدان: ۶۰۷. نزهة الخواطر: ۳۷/۱ [رقم الترجمة: ۱۶].

۳) الإشتقاق: ۳۰۲. جمهرة النسب: ۳۹۲. جمهرة أنساب العرب: ۲۶۶.

toobaa-elibrary.blogspot.com

ربیع بن زیاد الحارثی

نام ونسب:

نام ربیع بن زیاد اور کنیت ابو فراس یا ابو احمد ہے، لیکن ابن حجر نے ابو احمد کو خطاء قرار دیا ہے[1]، جب کہ امام امام ذہبیؒ نے ان کی کنیت ابو عبد الرحمن لکھی ہے۔[2] آپ کا نسب یہ ہے:

"ربیع بن زیاد بن انس بن دیان (اسم الدیان یزید) بن قطن بن زیاد بن الحارث بن مالک بن کعب ابن الحارث بن کعب بن عمرو بن علة ابن جلد بن مالک بن ادو۔"[3]

مختصر حالات زندگی:

حضرت ربیع بن زیاد انتہائی خوبصورت، گورے چٹے اور ہلکے پھلکے جسم والے تھے، جیسا کہ ابو بریدہ ارشاد فرماتے ہیں:

"كان الربيع بن زياد الحارثي رجل أبيض، خفيف اللحم وخفيف الجسم."[4]

[ربیع بن زیاد حارثی سفید رنگ اور ہلکے پھلکے جسم والے تھے۔]

اس کے ساتھ ساتھ آپ انتہائی متواضع اور منکسر المزاج شخصیت کے مالک تھے، اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے جس کو ابن اثیر نے اس طرح بیان کیا ہے:

"وهو الذي قال فيه عمر: دلوني على رجل إذا كان في القوم أميرا فكأنه ليس بأمير، وإذا كان في القوم وليس بأمير فإنه أمير بعينه؟ فقالوا: ما نعرف إلا الربيع بن زياد الحارثي. قال: صدقتم."[5]

[اور یہ وہی ہیں جن کے بارے میں حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا: مجھے کوئی ایسا انسان بتلاؤ کہ جب وہ کسی قوم کا امیر ہو تو اس طرح رہے گویا امیر نہیں ہے، اور جب امیر نہ ہو تو ایسے رہے جیسے ایک

---

۱) تهذيب التهذيب: ۲۴۳/۳.

۲) الذهبي، شمس الدين أبو عبد الله محمد بن أحمد بن عثمان، تذهيب تهذيب الكمال في أسماء الرجال: ۲۱۵/۳، تحقيق: غُنيم عباس غُنيم، ومجدي السيد أمين، الفاروق الحديثة للطباعة والنشر ۱۴۲۵هـ = ۲۰۰۴م.

۳) جمهرة أنساب العرب: ۴۱۷.

۴) العقد الثمين: ۵۷.

۵) أسد الغابة: ۳۸۳ [رقم الترجمة: ۱۶۲۵]. الإصابة: ۳۸۱/۲.

toobaa-elibrary.blogspot.com

امیر رہتا ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ ہم صرف ربیع بن زیاد الحارثی کو جانتے ہیں (کہ وہ اس طرح رہتے ہیں) تو حضرت عمرؓ نے کہا تم سچ کہہ رہے ہو۔]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے مزاج میں عاجزی، انکساری اور خدمت گذاری جیسی صفات عالیہ بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں، یہی وجہ تھی کہ آپ ہمیشہ تبلیغ اسلام کے لئے کوشاں رہتے تھے۔ اسی بنا پر آپ خراسان و مکران کی اکثر مہموں میں بحیثیت امیر شریک رہے اور فتح و کامرانی کے ساتھ اسلام کے قدموں کو آگے بڑھایا۔

انہی خصوصیات کی وجہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو سجستان کا امیر بنایا جو کہ ۵۰ھ کے بعد کا واقعہ ہے[1] آپ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی وفات تک وہاں کے امیر رہے۔ پھر جب حضرت معاویہ نے زیاد بن ابیہ کو کوفہ اور بصرہ کا والی مقرر کیا تو زیاد نے ربیع الحارثی کو معزول کر دیا اور ان کو خراسان کا والی بنایا جو کہ ۵۱ھ کے اوائل کا واقعہ ہے۔[2]

خراسان کی ولایت پر آپ تقریباً ڈھائی سال مامور رہے، اس دوران کئی علاقوں کو فتح کیا اور حکومت اسلامیہ کی سرحدوں میں اضافہ کیا اسی وجہ سے آپ مؤرخین و محدثین کے درمیان "والی خراسان" کے نام سے مشہور ہیں۔[3]

وفات:

حضرت ربیع بن زیاد کو جب حجر اور ان کے ساتھیوں کی خبر ملی تو انہوں نے کہا:

"اللهم إن كان للربيع عندك خير فاقبضه، فلم يبرح في مجلسه حتى مات." [4]

[اے اللہ! اگر ربیع کے لئے تیرے پاس کوئی بھلائی ہے تو اس کی روح کو قبض فرمالے، وہ اسی مجلس میں رہے؛ حتی کہ ان کی وفات ہو گئی۔]

اس واقعہ کو ابن حجر نے ۵۱ھ کا قرار دیا ہے، جیسا کہ وہ لکھتے ہیں:

"وكان قتل حجر أصحابه سنة ٥١." [5]

[حجر نے ان کے ساتھیوں کو ۵۱ھ میں قتل کیا تھا۔]

---

۱) فتوح البلدان: ٥٥٣.

۲) الطبري، أبو جعفر محمد بن جرير، تاريخ الرسل والملوك: ٢٨٦/٥، تحقيق: محمد أبو الفضل إبراهيم، دار المعارف، مصر، الطبعة الثانية. فتوح البلدان: ٥٧٧.

۳) ابن خياط، أبو عمرو خليفة بن خياط، تاريخ خليفة: ٢١١، تحقيق: أكرم ضياء العمري، دار الطيبة، رياض، الطبعة الثانية ١٤٠٥هـ=١٩٨٥م. تهذيب تهذيب الكمال: ٢١٥/٣. التاريخ الكبير: ٢٦٨/٣ [رقم الترجمة: ٩١٥].

٤) أسد الغابة: ٣٨٤ [رقم الترجمة: ١٦٢٥].

٥) تهذيب التهذيب: ٢٤٣/٣

toobaa-elibrary.blogspot.com

امام طبری نے اس کو ۵۳ھ کے واقعات کے ضمن میں نقل کیا ہے جو کہ زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ ۵۱ھ میں ربیع بن زیاد کو خراسان کا امیر بنایا گیا تھا: اس وجہ سے اگر ان کی ڈھائی سال مدت امارت رہی تو یہ واقعہ ۵۳ھ کے اواخر کا ہونا چاہئے، جیسا کہ تاریخ طبری میں اس کو ۵۳ھ کے تحت مستقل "ذكر الخبر عن وفاة الربيع بن الحارثي." [1] کے نام سے ذکر کیا گیا ہے، اور علامہ بلاذری تو صراحت کے ساتھ ذکر کرتے ہیں کہ "فمات وذالك سنة ۵۳ھ." [2]

[انہوں نے وفات پائی اور یہ ۵۳ھ کی بات ہے]

---

۱) تاریخ الرسل والملوك: ۵/۲۹۱.

۲) فتوح البلدان: ۵۷۷.

toobaa-elibrary.blogspot.com

حکم بن عمرو بن مجدع

نام و نسب:

الحکم بن عمرو بن مجدع بن حذیم بن الحارث بن نُعَیلہ ابن مُلَیل بن ضمرہ بن بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ[1]

مختصر حالاتِ زندگی:

حضرت حکمؓ کب حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے اس کی تعیین تو کسی کتاب میں نہیں مل سکی؛ البتہ اکثر مصنفین نے ان کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ:

"صحب النبي ﷺ، حتى قبض."[2]

[وہ وفات کے وقت تک نبی ﷺ کی صحبت میں رہے۔]

حضور ﷺ کی وفات کے بعد آپ نے بصرہ میں سکونت اختیار کرلی، اسی دوران جنگ صفین کا واقعہ پیش آیا تو حضرت علیؓ نے چاہا کہ حضرت حکمؓ ہماری جانب رہیں، لیکن انہوں نے جو جواب دیا اس کو امام حاکم نے یوں نقل کیا ہے:

"عن أبي حاجب قال: كنت عند الحكم الغفاري، إذ جاءه رسول علي ﷺ، فقال: إن أمير المؤمنين يقول: إنك أحق من أعاننا. قال: إني سمعت خليلي ﷺ يقول: إذا كان لأمر هكذا إتخذ سيفا من خشب."[3]

[ابی حاجبؓ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں: میں حضرت حکم الغفاریؓ کے پاس تھا کہ حضرت علیؓ کا پیغامبر آیا اور کہا کہ: امیر المؤمنین فرماتے ہیں کہ: ہم اس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ تم ہماری مدد کرو۔ تو انہوں (حکم) نے کہا کہ: میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ، جب اس طرح کا معاملہ پیش آئے تو تم لکڑی کی تلوار اٹھالینا۔ (یعنی کنارہ کشی اختیار کرلینا)]

پھر جب زیاد کو بصرہ اور کوفہ کا والی بنایا گیا تو اس نے ۴۵ھ میں حضرت حکم کو خراسان کا والی بنادیا[1]۔ خراسان میں قیام کے دوران حضرت حکم نے بہت سی فتوحات حاصل کیں اور بے شمار مال غنیمت حاصل کیا لیکن خدا

---

۱) جمهرة أنساب العرب: ۱۸۶.

۲) معرفة الصحابة: ۷۰۸/۲ [رقم الترجمة: ۵۸۰]. أسد الغابة: ۳۹۱ [رقم الترجمة: ۱۲۲۳]. تهذيب التهذيب ۴۳۶/۲ [رقم الترجمة: ۷۵۹]. الإصابة: ۹۳/۲ [رقم الترجمة: ۱۷۸۹].

۳) أخرجه الحاكم في "المستدرك على الصحيحين" ذكر مناقب الحكم بن عمرو الغفاري (۴۴۲/۴) رقم الحديث: ۵۸۶۷.

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور رسولِ خدا ﷺ کے حکم کے خلاف اگر کوئی بات ہوئی تو کبھی اس کے آگے سر تسلیم خم نہ کیا اور ہمیشہ "لا طاعة في معصية الله، إنما الطاعة في المعروف." (٢) پر عمل پیرا رہے۔

[اللہ تعالیٰ کی معصیت میں کسی کی اطاعت ضروری نہیں، اطاعت تو صرف بھلائی میں ضروری ہے]

انہی غزوات میں سے "جبل الاشل" نامی ایک غزوہ میں مسلمانوں کو بہت سامال غنیمت ہاتھ آیا، جب اس کی خبر زیاد کو ہوئی تو اس نے حضرت حکم کو لکھا کہ سونا چاندی (بعض روایات میں درہم و دنانیر کا ذکر ہے) امیر المؤمنین کے لئے جمع کرلینا۔ یہ حکم چوں کہ تعلیمات اسلام کے خلاف تھا اس لئے حضرت حکم نے اس کا یہ جواب دیا:

"فكتب إليه الحكم: أقسم بالله ، لو كانت السماوات و الأرض رتقا على عبد ، فاتقى الله ، يجعل له من بينهما مخرجا . و السلام ." (٣)

[حضرت حکم نے اس کو لکھا: خدا کی قسم اگر آسمان و زمین کسی بندے پر گر جائیں، پھر وہ اللہ سے ڈرے تو اللہ ان دونوں کے درمیان سے اس کے لئے راستہ نکال دیتا ہے۔ والسلام۔]

وفات:

اس واقعہ کے بعد وہ یہ دعا کیا کرتے تھے: "اللهم إن كان لي عندك خير فاقبضني إليك"

[اے اللہ! اگر تیرے پاس میرے لئے کوئی بھی بھلائی ہے؛ تو مجھے اپنے پاس بلالے]

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کی اس دعا کو شرفِ قبولیت سے نوازا اور ۵۰ھ میں خراسان میں ان کی وفات ہوگئی، آپؓ کی قبر مرو میں حضرت بریدہ اسلمیؓ کے برابر میں ہے۔ (٤)

روایتِ حدیث:

شاگردان: ابو حاجب سوادۃ بن عاصم، ابو الشعثاء جابر بن زید، عبد اللہ ابن الصامت، الحسن (البصری) اور ابن سیرینؒ۔ (١)

---

١) تاريخ الرسل و الملوك: ٥/٢٢٥.

٢) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية، وتحريمها في المعصية (١٤٦٩/٣) رقم الحديث: ١٨٤٠.

٣) سير أعلام النبلاء: ٤٧٥/٢ [رقم الترجمة: ٩٣]. العقد الثمين: ٥٩.

٤) ابن أثير، أبو الحسن علي بن أبي الكرم محمد بن محمد بن عبد الكريم الجزري، الكامل في التاريخ: ٦٦/٣-٦٧، تحقيق: أبو الفداء عبد الله القاضي، دار الكتب العلمية بيروت، لبنان الطبعة الأولى ١٤٠٧هـ=١٩٨٧م. تاريخ الإسلام: ٤١/٤. تاريخ خليفة: ٢١١. أسد الغابة: ٢٩١. تاريخ الرسل والملوك: ٢٥٢/٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

عبد اللہ بن عبد اللہ بن عتبانؓ

نام و نسب:

آپ کا نسب کتابوں میں صرف اتنا ہی ملتا ہے، عبد اللہ بن عبد اللہ بن عتبان، الانصاری، الاموی۔[2]

مختصر حالات زندگی:

علامہ ابن اثیرؒ حضرت ابو موسیٰؒ کے حوالہ سے فرماتے ہیں:

"قال أهل التاريخ: عبد الله بن عبد الله بن عتبان كان من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم." [3]

[مؤرخین کا قول ہے کہ: عبد اللہ بن عبد اللہ بن عتبانؓ اصحاب نبی ﷺ میں سے تھے۔]

اس سے آپ کا صحابی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور حافظ ابن حجرؒ تو آپ کے اوصاف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"كان شجاعا بطلا من أشراف الصحابة، ووجوه الأنصار." [4]

[وہ اشراف صحابہ اور عظماء انصار میں سے ایک بہادر اور طاقتور انسان تھے۔]

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی مدت خلافت میں بہت سی جنگوں میں شرکت کی، اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو کوفہ سے معزول کیا تو وہ حضرت عبد اللہ کو اپنا نائب بنا کر کوفہ میں چھوڑ آئے۔[5] اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد کو معزول کر دیا اور ان کی جگہ حضرت عبد اللہ کو وہاں کا امیر مقرر کیا، لیکن کچھ دن بعد ہی حضرت حنظلہ رضی اللہ کو کوفہ کا امیر بنا دیا گیا۔

---

۱) تذهيب تهذيب الكمال: ٢/٤١٥. تقريب التهذيب: ١٦٠ [رقم الترجمة: ١٤٥٦]. الإصابة: ٢/٩٣ [رقم الترجمة: ١٧٨٩]. تهذيب التهذيب: ٢/٤٣٦–٤٣٧ [رقم الترجمة: ٧٥٩]. أسد الغابة: ٢/٣٦ [جديدة: ١٢٩١، رقم الترجمة: ١٢٢٣]. الاستيعاب: ١/٢١٣ [رقم الترجمة: ٥٤٣]. سير أعلام النبلاء: ٢/٤٧٤ [رقم الترجمة: ٩٣]. تاريخ الإسلام للذهبي: ٤/٤١. معرفة الصحابة: ٢/٧٠٨ [رقم الترجمة: ٥٨٠].

۲) أسد الغابة في معرفة الصحابة: ٦٩٦ [رقم الترجمة: ٣٠٤٤]. الإصابة في تمييز الصحابة: ٤/١٣٥ [رقم الترجمة: ٤٨٠٦].

۳) أسد الغابة: ٦٩٦.

۴) الإصابة: ٤/١٣٥.

۵) تاريخ الرسل والملوك: ٤/١٢٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

سنہ ۲۱ھ میں حضرت عمرؓ نے عبد اللہ بن عبد اللہؓ کو اصبہان کی جانب بھیجا؛ جہاں انہوں نے فتح حاصل کی اور پیش قدمی کرتے ہوئے اصبہان کے شہر "جی" تک پہونچ گئے؛ جس کو آپ نے صلح کے ذریعہ حاصل کیا۔[1] یہی وجہ ہے کہ اسماء الرجال کی کتابوں میں حضرت عبد اللہؓ کے تذکرہ میں لکھا جاتا ہے:

"وهو الذي كتب الصلح بين المسلمين وبين أهل الجي" [2]

[اور وہ وہی ہیں جنہوں نے مسلمانوں اور جی کے باشندوں کے درمیان صلح نامہ تحریر فرمایا۔]

سنہ ۲۳ھ میں حضرت حکم بن عمرو التغلبیؓ نے مکران کا ارادہ کیا تو آپ کے ساتھ جہاد کرنے والوں میں حضرت عبد اللہ بن عبد اللہ بن عتبان بھی شامل تھے۔[3]

---

۱) الكامل في التاريخ: ٢/٤٠١.

۲) أسد الغابة: ٣/٦٩٦. الإصابة: ٢/١٣٥.

۳) محمود شاكر، التاريخ الإسلامي: ١٣/١٩، المكتب الإسلامي بيروت، لبنان، الطبعة الثامنة ١٤٢١هـ=٢٠٠٠م. تاريخ الرسل والملوك: ٤/١٨١، الكامل في التاريخ: ٢/ ٤٢٣. العقد الثمين: ٦١. محمد اسحاق، علم حدیث میں برصغیر پاک وہند کا حصہ: ۴۶، مترجم: شاہد حسین رزاقی، اریب پبلیکیشنز دریا گنج، نئی دہلی، سنہ اشاعت: ۲۰۱۴ء۔ تذکرہ مشائخ ہند: ۱/ ۷۰۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

سہل بن عدی بن مالکؓ

نام و نسب:

سہل بن عدی بن مالک بن حرام بن خدیج بن معاویہ بن عوف بن خزرج۔ (۱)

مختصر حالات زندگی:

حضرت سہل رضی اللہ عنہ کے بارے میں اکثر مؤرخین اور تذکرہ نگار اس بات پر متفق ہیں کہ آپ نے اپنے دو بھائیوں حضرت ثابت بن عدی رضي الله عنہ اور حضرت عبد الرحمن بن عدی رضي الله عنہ کے ساتھ غزوۂ احد میں شرکت کی؛ جیسا کہ ابن اثیرؒ آپ کے بھائی ثابت بن عدیؓ کے ذکر کے تحت رقم طراز ہیں:

"ثابت بن عدي...... أخو عبد الرحمن وسهل، والحارث، شهدوا جميعا أحدا." (۲)

[ثابت بن عدیؓ اور ان کے بھائی عبد الرحمنؓ، سہلؓ اور حارثؓ ان سب نے غزوۂ احد میں شرکت فرمائی۔]

خود حضرت سہلؓ کا ذکر کرتے ہوئے حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

"وانه شهد أحدا." (۳)

[اور وہ غزوۂ احد میں شریک ہوئے۔]

ان تمام شہادتوں سے آپ کی جلالت شان اور رتبہ کا معمولی سا اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت سہلؓ کتنے بلند پایہ صحابی تھے، اور اس بات کا علم ہوتا ہے کہ آپ کا شمار ان جاں بازوں میں ہوتا ہے جنہوں نے شرک و بت پرستی کے خلاف ایسے وقت میں اپنی جان و مال کو پیش کیا تھا جب اسلام کو اس کی سب سے زیادہ ضرورت تھی۔

حضرت سہلؓ کی ان ہی صلاحیتوں اور بہادری کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت عمر فاروقؓ نے ۲۳ھ میں آپ کو اس فوج کی کمک کے لئے حکم دیا جو حضرت حکم بن عمروؓ کی سرپرستی میں مکران کو فتح کرنے کی غرض سے روانہ ہوئی تھی؛ جیسا کہ مؤرخین لکھتے ہیں:

---

۱) أسد الغابة: ٥٢٨ [رقم الترجمة: ٢٣٠٣]

۲) أسد الغابة: ١٤٤-١٤٥ [رقم الترجمة: ٥٦٥].

۳) الإصابة: ٣/١٦٩ [رقم الترجمة: ٣٥٥٤].

toobaa-elibrary.blogspot.com

"وقصد الحكم بن عمر التغلبي لمكران، حتى إنتهى إليها ولحق به شهاب ابن المخارق بن شهاب، فانضم إليه وأمده سهل بن عدي وعبد الله بن عبد الله بن عتبان."(1)

[اور حکم بن عمر التغلبی نے مکران کا ارادہ کیا، وہ وہاں تک پہونچ گئے تو ان کے بعد شہاب ابن المخارق بن شہاب بھی گئے اور انہی کے ساتھ جاملے، پھر ان کو کمک پہونچانے سہل بن عدی اور عبداللہ بن عبد اللہ بن عتبان گئے۔]

1) ابن كثير، أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير، **البداية والنهاية**: ١٣٢/٧، مكتبة المعارف بيروت، لبنان، ١٤١٠هـ-١٩٩٠م. تاريخ الرسل والملوك: ١٨١/٤. الكامل في التاريخ: ٤٢٤/٢. التاريخ الإسلامي: ١٣/١٩. العقد الثمين: ٦٢. علم حدیث میں برعظیم پاک وہند کا حصہ: ٢٧۔ تذکرہ مشائخ ہند: ١/ ٧١۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

شہاب بن المخارق بن شہاب

مختصر حالاتِ زندگی:

امام طبری اور علامہ ابن کثیر کے بیان کے مطابق آپ اس فوج میں شامل تھے جس نے حضرت حکم بن عمرو التغلبی کی زیرِ قیادت مکران کو فتح کیا تھا؛ چناں چہ امام طبری لکھتے ہیں:

"وقصد الحکم بن عمرو التغلبي لمکران، حتی إنتهی إلیها ولحق به شهاب بن المخارق بن شهاب، فانضم إلیه." (۱)

[اور حکم بن عمرو التغلبی نے مکران (فتح کرنے) کا ارادہ کیا حتی کہ وہ وہاں تک پہونچ گئے، تو ان کے بعد شہاب بن المخارق بن شہاب گئے اور انہی کے ساتھ شریک ہو گئے۔]

تاریخ کی کتابوں میں آپ کا ذکر بالتفصیل نہیں ملتا؛ البتہ قاضی اطہر مبارک پوریؒ علامہ ابن حجرؒ کے قول:

"الذین شهدوا الفتوح في عهد عمر، لهم إدراك ولکن منهم من لهم صحبة ومنهم من لم یصحب." (۲)

[جنہوں نے حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں فتوحات کے اندر شرکت کی ان کے لئے ادراک ثابت ہے؛ لیکن ان میں سے کچھ کے لئے صحبت بھی ثابت ہے اور بعض وہ ہیں جن کو صحبت نصیب نہیں ہوئی۔]

سے یہ قیاس کرتے تھے کہ شہاب بن مخارق مدرک صحابی ہیں؛ یعنی انہوں نے حضور ﷺ کا زمانہ پایا تو ہے؛ لیکن حضور ﷺ کو بحالتِ ایمان دیکھا نہیں۔ (۳)

لیکن تاریخ، اسماء الرجال اور طبقات و تراجم کی کتابوں میں صراحتاً کوئی ایسی دلیل نہیں ملتی جو اس بات پر دلالت کرے کہ حضرت شہاب بن مخارقؓ نے حضور ﷺ کی صحبت پائی ہو یا انہوں نے حضور ﷺ کو دیکھا ہو یا ان سے کوئی روایت مروی ہو؛ جیسا کہ قاضی اطہر مبارک پوریؒ اس بات کی جانب اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"و لم نجد ما یدل علی أن له صحبة أو رؤیة أو روایة." (۴)

[اور ہم کو کوئی ایسی دلیل نہیں ملتی جو اس بات پر دلالت کرے کہ ان کے لئے صحبت، رؤیت یا روایت کوئی ایک ثابت ہے۔]

---

۱) تاریخ الرسل والملوك: ۱۸۱/٤. البدایة والنهایة: ۱۳۲/۷.

۲) الإصابة: ۵۳۱/۱.

۳) العقد الثمین: ٦٣.

٤) العقد الثمین: ٦٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

صحار بن عباس العبدیؓ

نام و نسب:

نام صحار (بضم الصاد و فتح الحاء)، کنیت ابو عبد الرحمن اور نسب یہ ہے: صُحار بن عیاش (وقیل: عباس، وقیل: صحار بن صخر) بن شراحیل بن منقذ بن حارثہ (من بنی ظفر) بن الدیل بن عمرو بن[1] ودیعہ بن لکیز بن افصی بن عبد القیس، العبدی، الدیلی۔[2]

مختصر حالات زندگی:

حضرت صحار رضی اللہ عنہ وفد عبد القیس کے ساتھ خدمتِ اقدس محمد مصطفی ﷺ میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے: اور اس کے بعد سے آخری عمر تک خدمتِ اسلام میں مشغول رہے۔ پھر جب اسلامی لشکر نے حضرت حکم بن عمروؓ کی زیر قیادت مکران کی جانب پیش قدمی کی تو اس لشکر میں حضرت صحارؓ بھی شامل تھے۔

سنہ ۲۳ھ میں اسلامی فوج نے مکران کو فتح کر لیا اور فوج کے سپہ سالار حضرت حکمؓ نے مال غنیمت کا خمس اور فتح و کامرانی کا مژدہ سنانے کے لئے حضرت صحارؓ کو امیر المؤمنین حضرت فاروق اعظمؓ کی خدمت میں بھیجا: خلیفۃ المسلمین نے ان سے مکران کی حالت کے بارے میں سوال کیا اور جو جواب حضرت صحارؓ نے دیا وہ آج تک تاریخ کے اوراق میں موجود ہے، اس کو پڑھ کر اس بات کا بخوبی اندازا ہوتا ہے کہ حضرت صحارؓ ایک فصیح و بلیغ اور ادیب ہونے کے ساتھ ساتھ علاقہ کے جغرافیائی حالات کی بھی بخوبی خبر رکھتے تھے: اسلامی تاریخ کے تمام مصادر اصلیہ میں حضرت صحارؓ کے ان جملوں کو کچھ اس طرح نقل کیا گیا ہے:

"فقال (صحار): يا أمير المؤمنين! أرض سهلها جبل، وماؤها وشل (الماء القليل)، وتمرها دقل، وعدوها بطل، وخيرها قليل، وشرها طويل، والكثير بها قليل والقليل بها ضائع وما وراها شر منها. فقال عمر ﷺ: أ سجاع أنت أم مخبر؟ قال: لا بل مخبر."[3]

---

۱) الاصابہ میں "عمرو بن مرۃ" ہے۔

۲) ابن سعد، محمد بن سعد بن منيع الزهري، الطبقات لابن سعد: ۱۲۲/۸ [رقم الترجمة: ۲۶۲۶]، تحقيق: الدكتور علي محمد عمر، مكتبة الخانجي، القاهرة، الطبعة الأولى ۱٤۲۱هـ-۲۰۰۱م. أسد الغابة: ٥٦۰ [رقم الترجمة: ۲٤۸٤]. الإصابة: ۳/۳۲۸-۳۲۹ [رقم الترجمة: ٤۰٦۱]. معرفة الصحابة: ۳/۳۹۰ [۱٥۲۱، رقم الترجمة: ۱٤۷۸]

۳) تاريخ الرسل والملوك: ۱۸۲/٤. الكامل في التاريخ: ٤۲٥/۲. الإصابة في تمييز الصحابة: ۲۲۱/۳. البداية والنهاية: ۱۳۲/۷. العقد الثمين: ٦٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

[تو حضرت صحارؓ نے فرمایا: اے امیر المومنین! اس کی ہموار زمین پہاڑ ہیں، پانی کم ہے، اس کی کھجور ردی ہیں، اس کے دشمن بہادر ہیں، وہاں بھلائی کم اور برائی زیادہ ہے، اگر وہاں زیادہ ہوں تو کم پڑ جائیں اور اگر کم ہوں تو ضائع ہو جائیں، اور جو اس کے دوسری جانب ہے وہ اس سے زیادہ خطرناک ہے۔ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: تم قافیہ بندی کر رہے ہو یا خبر دے رہے ہو؟ حضرت صحارؓ نے کہا: نہیں: بلکہ خبر دے رہا ہوں۔]

حضرت صحارؓ مجاہدِ اسلام کے علاوہ ایک خطیب و بلیغ کی حیثیت سے بھی مشہور ہیں، عہدِ امیر معاویہؓ میں ان کا شمار اس دور کے مشہور خطباء میں ہوتا تھا؛ جیسا کہ جاحظ نے اپنی کتاب " البیان " میں ان کے اور امیر معاویہ کے درمیان ایک مکالمہ نقل کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت صحارؓ سے معلوم کیا:

"ما البلاغة ؟ قال: الإيجاز. قال: ما الإيجاز؟ قال: لا تبطئ و لا تخطئ." (1)

[بلاغت کیا ہے؟ کہا: ایجاز۔ کہا ایجاز کیا ہے؟ کہا: نہ تاخیر ہو اور نہ غلطی۔]

حضرت صحارؓ نے بصرہ میں سکونت اختیار کر لی تھی؛ اسی وجہ سے ان کا شمار علماء بصرہ میں ہوتا ہے۔ وہیں انہوں نے وفات پائی۔ ان سے حدیث روایت کرنے والے درج ذیل ہیں:

1) عبدالرحمن بن صحار العبدی۔

2) جعفر بن صحار العبدی۔

3) منصور بن ابی منصور۔

4) جیفر بن الحکم۔

5) مصعب ابن المثنی۔ (2)

---

1) الإصابة في تمييز الصحابة: ٣/٣٣٠.

2) الإصابة في تمييز الصحابة: ٣/٣٣٠. أسد الغابة: ٥٦٠. معرفة الصحابة: ٣/١٥٢١ [رقم الترجمة: ١١٧٨]. تذکرہ مشائخ ہند: ١/ ١١ ـ علم حدیث میں برصغیر پاک وہند کا حصہ: ٤٧۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

عاصم بن عمرو التمیمیؓ

نام ونسب:

حضرت عاصم بن عمروؓ کے نام ونسب کے بارے میں صرف اتنا ہی ملتا ہے کہ وہ حضرت قعقاع بن عمروؓ کے بھائی اور قبیلہ تمیم سے تعلق رکھتے تھے۔[1]

مختصر حالاتِ زندگی:

حضرت عاصم بن عمروؓ کو ایک عمدہ سپہ سالار ہونے کے ساتھ ساتھ شعر وشاعری میں بھی مکمل دسترس حاصل تھی، اور فتح عراق کے موقع پر انہوں نے بہت سے اشعار کہے تھے؛ جیسا کہ یاقوت حموی نے "الہواقی" کے ضمن میں ان کا یہ شعر نقل کیا ہے:

"قتلناهم ما بين مرج مسلح: وبين الهواقي من طريق البذارق"[2]

[اور ہم نے ان سے (عراق کے علاقہ) مرج مسلح اور بذارق کے راستہ میں واقع ہواقی نامی علاقہ کے درمیان جنگ کی تھی۔]

حضرت عاصمؓ نے اپنے بھائی قعقاعؓ کے ساتھ جنگ قادسیہ میں شرکت کرتے ہوئے بہت سے کارہائے نمایاں انجام دیئے، اور ۲۳ھ میں ایک دستہ کے سپہ سالار کی حیثیت سے سجستان کی جانب متوجہ ہوئے جہاں ان کا مقامی فوج کے ساتھ سخت مقابلہ ہوا اور بالآخر سجستان کے "زرنج" نامی علاقہ پر صلح ہونا قرار پائی؛ جس پر اہل سجستان امیر معاویہؓ کے زمانہ تک قائم رہے۔[3]

---

۱) الإستيعاب: ۴۷۲/۱ [رقم الترجمة ۱۳۱۱]. الإصابة: ۴۶۵/۳ [رقم الترجمة: ۴۳۷۴].

۲) ياقوت الحموي، شهاب الدين أبو عبد الله ياقوت بن عبد الله، معجم البلدان: ۴۱۹/۵ [باب الهاء والواو وما يليهما]، دار صادر، بيروت ۱۳۹۷هـ-۱۹۷۷م.

۳) ابن أعثم، أبو محمد أحمد بن أعثم الكوفي، كتاب الفتوح: ۱۵۸/۱، تحقيق: علي شيري: دار الأضواء بيروت، لبنان، الطبعة الأولى ۱۴۱۱هـ=۱۹۹۱م. طقوش، محمد سهيل، تاريخ الخلفاء الراشدين الفتوحات والإنجازات السياسية: ۲۳۰، دار النفائس بيروت، لبنان، الطبعة الثانية ۱۴۳۲هـ-۲۰۱۱م. تاريخ الرسل والملوك: ۱۸۰/۴. الكامل في التاريخ: ۴۲۳/۲-۴۲۴. البداية والنهاية: ۱۳۲/۷. العقد الثمين: ۶۵. علم حدیث میں برعظیم پاک وہند کا حصہ: ۲۷۔ تذکرہ مشائخ ہند: ۱/ ۴۲.

toobaa-elibrary.blogspot.com

ان تمام کارناموں کے باوجود اس بات میں اختلاف ہے کہ حضرت عاصم بن عمرو التمیمیؓ صحابیِ رسول ﷺ تھے یا نہیں؟ حضرت سیف بن عمروؓ کے مطابق انہوں نے نبی ﷺ کو پایا ہے اور ابن عبد البرؒ نے بھی ان کو صحابہؓ کے زمرے میں ذکر کیا ہے؛ لیکن علماءِ حدیث کے نزدیک ان کی صحبت، لقاء اور روایت ثابت نہیں۔ (1)

---

۱) الاستیعاب: ۱/۴۷۲ [رقم الترجمة: ۱۳۱۱]. الإصابة: ۳/۴۶۵ [رقم الترجمة: ۴۳۷۴].

toobaa-elibrary.blogspot.com

عبد اللہ بن عمیر الاشجعیؓ

نام ونسب:

آپ کے نسب کے بارے میں کتبِ اسماء الرجال میں صرف اتنا ہی مرقوم ہے: عبد اللہ بن عمیر الاشجعی۔ (۱)

مختصر حالاتِ زندگی:

حضرت عبد اللہ بن عمیرؓ کو صحابیِ رسول ﷺ ہونے کا شرف حاصل ہے جیسا کہ ابن اثیرؒ تحریر فرماتے ہیں:

"له صحبة." (۱)

[ان کے لئے صحبت ثابت ہے۔]

عہد فاروقی میں جب لشکرِ اسلام عجمی ممالک میں اپنی فتح وکامرانی کو جھنڈے گاڑ رہا تھا: تو اس وقت جن صحابہ کرامؓ کی تشریف آوری سرزمینِ برِ صغیر پر ہوئی ان میں ایک مشہور نام حضرت عبد اللہ بن عمیر الاشجعیؓ کا بھی ہے۔

چناں چہ ۲۳ھ میں جب حضرت عاصم بن عمروؓ نے ملک سجستان کو فتح کیا تو اسلامی فوج کے ایک دستہ کی سپہ سالاری پر حضرت عبد اللہ بن عمیرؓ مامور تھے؛ جس کی شہادت تاریخ اسلام کے تمام مصادرِ اصلیہ میں موجود ہے، اسی واقعہ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے علامہ طبری اور دیگر مؤرخین اسلام لکھتے ہیں:

"وقصد عاصم بن عمرو لسجستان، ولحق عبد الله بن عمير." (۲)

[اور عاصم بن عمروؓ نے سجستان (کی فتح) کا قصد کیا اور عبد اللہ بن عمیر بھی ان سے جا ملے۔]

---

۱) أسد الغابة: ۷۲۳ [رقم الترجمة: ۳۱۰۲]. الإستيعاب: ۵۷۶/۱ [رقم الترجمة: ۱۶۳۳]. أبو حاتم الرازي، أبو محمد عبد الرحمن بن أبي محمد بن إدريس بن المنذر التميمي، الجرح و التعديل: ۱۲۳/۵ [رقم الترجمة: ۵۶۵]، دائرة المعارف العثمانية حيدر آباد، الهند، الطبعة الأولى ۱۳۷۲هـ-۱۹۵۳م. معرفة الصحابة: ۱۷۳۵/۳ [رقم الترجمة: ۱۷۱۴]. الاصابة: ۱۷۱/٤ [رقم الترجمة: ٤۸۸۲].

۲) أسد الغابة: ۷۲۳.

۳) تاريخ الرسل والملوك: ۱۸۰/٤. الكامل في التاريخ: ٤٤۳/۲. البداية والنهاية: ۱۳۲/۷. العقد الثمين: ٦٦.

toobaa-elibrary.blogspot.com

النسیر بن دیسمؓ

نام و نسب:

النسیر بن دیسم بن ثور بن عریجہ بن محلم ابن ہلال بن ربیعہ بن ضبیعہ بن عجل، صاحب قلعہ نسیر۔ [1]

مختصر حالات زندگی:

حضرت نسیرؓ کو امام ابن حجرؒ نے مدرکین میں شمار کیا ہے؛ جیسا کہ وہ الاصابہ میں ان کے ترجمے کے تحت لکھتے ہیں:

"له إدراك." [2]

[ان کے لئے ادراک ثابت ہے۔]

حضرت نسیرؓ نے خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروقؓ کے زمانۂ خلافت میں بہت سی جنگوں میں ایک جاں نثار مجاہد اسلام کے طور پر شرکت کی؛ جن میں سب سے زیادہ مشہور جنگ، جنگ قادسیہ ہے، [3] اس کے علاوہ بھی حضرت نسیرؓ نے فتح ہمدان کے موقع پر اپنی مجاہدانہ صلاحیتوں کا غیر معمولی مظاہرہ کیا جن کی وجہ سے ہمدان میں لشکر اسلام کو فتح و کامرانی نصیب ہوئی۔ [4]

آپ کی ان ہی قابلیتوں اور جاں نثاری کو دیکھتے ہوئے ۲۳ھ میں فتح قمص کے موقع پر حضرت سہل بن عدیؓ نے ان کو مقدمۃ الجیش میں شامل کیا تھا، اس کے علاوہ فتح کامران کے موقع پر بھی وہ حضرت سہلؓ کے ہراول میں شامل تھے؛ ابن جریر اور ابن اثیر لکھتے ہیں:

"وقصد سهيل بن عدي إلى كرمان، ولحقه عبد الله بن عبد الله بن عتبان، وعلى مقدمة سهيل بن عدي النسير بن عمرو العجلي." [5]

[اور سہیل بن عدیؓ نے کرمان کی فتح کا ارادہ کیا اور حضرت عبد اللہ بن عبد اللہ بن عتبان بھی ان کے ساتھ شریک ہو گئے، سہیل بن عدی کے مقدمۃ الجیش میں النسیر بن عمرو العجلی تھے۔]

---

۱) جمهرة أنساب العرب: ۳۱۳—۳۱٤.

۲) الإصابة: ٦/ ۳۹۰ [رقم الترجمة: ۸۸۸۱].

۳) الإصابة: ٦/ ۳۹۰.

٤) تاريخ الرسل والملوك: ٤/ ١٤٦—١٤٧.

٥) تاريخ الرسل والملوك: ٤/ ١٨٠. الكامل في التاريخ: ٢/ ٤٤٦.

toobaa-elibrary.blogspot.com

حضرت نسیر کی ولدیت میں مؤرخین کے درمیان معمولی سا اختلاف ہے، امام طبری اور ابن حجر نے "النسیر بن ثور" لکھا ہے[1]، اور امام طبری نے ہی دوسری جگہ "النسیر بن عمرو" تحریر کیا ہے[2] اور ابن حزم نے "نسیر بن دیسم بن ثور" لکھا ہے[3]۔ اس اختلاف کو دور کرتے ہوئے قاضی اطہر مبارک پوری لکھتے ہیں:

"فأما ابن عمرو فتصحيف، وأما ابن ثور فلعله مشهور بجده.[4]

[ابنِ عمرو، تو وہ تصحیف ہے، اور رہا ابنِ ثور تو شاید کہ وہ اپنے دادا سے مشہور ہیں۔]

---

۱) الإصابة: ٦/٣٩٠۔ تاريخ الرسل والملوك: ٤/١٨٠.

۲) تاريخ الرسل والملوك: ٤/١٨٠.

۳) جمهرة أنساب العرب: ٣١٣.

٤) العقد الثمين: ٦٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

حکیم بن جبلہ العبدیؓ

نام و نسب:

حکیم (بالتصغیر) بن جبلہ بن حصین ابن آسود بن کعب بن عامر بن الحارث بن الدیل بن عمرو بن غنم بن ودیعہ بن لکیز (بالتصغیر)۔[1]

مختصر حالات زندگی:

حضرت حکیم بن جبلہؓ نے نبی کریم ﷺ کا زمانہ مبارک پایا تھا؛ لیکن آپ سے کوئی روایت ثابت نہیں ہے، جیسا کہ ابو عمر بیان کرتے ہیں:

"أدرك النبي ﷺ، ولا أعلم له عنه رواية ولا خبرا يدل على سماعه منه ولا رؤية له." [2]

[انہوں نے نبی ﷺ کو پایا تھا؛ لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ ان سے کوئی روایت یا خبر ایسی ثابت ہو جو ان کے سماع پر دلالت کرے یا ان سے رؤیت ثابت ہو۔]

حضرت حکیمؓ کا شمار اپنی قوم کے پیشواؤں میں ہوتا تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ انتہائی دیندار اور نیک شخصیت کے مالک تھے۔ آپ کی ان ہی فطری صلاحیتوں کے پیش نظر خلیفۂ ثالث حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے آپ کو سندھ کی جانب وہاں کے احوال و آثار معلوم کرنے کی غرض سے بھیجا تھا؛ یعنی یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ حضرت حکیمؓ وہ پہلے صحابی ہیں جو بغرض سیاحت خطۂ برصغیر میں تشریف لائے اور واپس جاکر دربارِ خلافت میں بحسن و خوبی یہاں کے حالات بیان کئے، جس کا تذکرہ تمام قدیم مصنفین نے کیا ہے؛ چنانچہ ابن اثیر رقم طراز ہیں:

"ثم قدم على عثمان فسأله عنها، فقال: ماؤها وشل، ولصها بطل، وسهلها جبل، إن كثر الجند بها جاعوا، وإن قلوا بها ضاعوا." [3]

[پھر وہ حضرت عثمانؓ کے پاس آئے، تو آپؓ نے ان سے وہاں کے بارے میں معلوم کیا، انہوں نے جواباً کہا کہ: وہاں پانی کم ہے، چور طاقتور ہیں، وہاں کی ہموار زمین پہاڑ ہیں، اگر وہاں لشکر زیادہ ہو تو بھوکا مر جائے اور اگر کم ہو تو ضائع ہو جائے۔]

---

١) جمهرة أنساب العرب: ٢٩٨

٢) الاستيعاب في معرفة الأصحاب: ٢١٨/١ [رقم الترجمة: ٥٥٨].

٣) الاستيعاب: ٢١٩/١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

خلیفۂ ثالث حضرت عثمانؓ کو حکیم بن جبلہؓ کے صلاح و تقوی اور راست گوئی پر چوں کہ پہلے ہی مکمل یقین تھا اس لئے انہوں نے جب یہ جواب سنا تو پھر اپنی وفات تک سندھ کی جانب متوجہ نہیں ہوئے۔[1]

حضرت حکیم بن جبلہ کی وفات جنگِ جمل میں ہوئی، آپ جنگ میں حضرت زبیر اور حضرت عائشہؓ کے خلاف تھے، اور ان کے خلاف اس زور سے لڑے کہ آپ کا ایک پیر کٹ گیا؛ لیکن اس کے بعد بھی آپ آخری دم تک لڑتے رہے۔ حضرت حکیمؓ کی اسی بہادری کا نقشہ کھینچتے ہوئے امام ذہبیؒ رقم طراز ہیں:

"لم يزل يقاتل يوم الجمل حتى قطعت رجله، فأخذها، وضرب بها الذي قطعها، فقتله بها، وبقي يقاتل على رجل واحدة ويرتجز، ويقول: يا ساق لن تراعي: إن معي ذراعي: أحمي بها كراعي." [2]

[جنگِ جمل کے دن وہ لڑتے رہے یہاں تک کہ ان کا پیر کٹ گیا، انہوں نے اس کو پکڑ لیا اور جس نے پیر کاٹا تھا اس سے ایسا لڑے کہ اس کو مار ہی دیا اور بقیہ لڑائی ایک ہی پیر پر لڑی، اور اس کو کھینچے پھر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ: اے پنڈلی تو زیادہ خیال مت کر، میرے پاس میری ذراع ہے، میں اس کے ذریعہ اپنی پنڈلی کی حفاظت کرلوں گا۔]

---

۱) أسد الغابة: ۲۹۳—۲۹٤ [رقم الترجمة: ۱۲۲۳].

۲) سير أعلام النبلاء: ۳/۵۳۱—۵۳۲ [رقم الترجمة: ۱۳٦]. الإصابة في تمييز الصحابة: ۲/۱۵۲ [رقم الترجمة: ۱۹۹۹]. العقد الثمين: ۷۲—۷۳. فتوح البلدان: ٦۰۹. معجم البلدان: ۵/۱۷۹ (بضمن مكران).

toobaa-elibrary.blogspot.com

عبید اللہ بن معمرؓ

نام و نسب:

عبید اللہ بن معمر بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی، القرشی، التیمی۔ (۱)

مختصر حالاتِ زندگی:

حضرت عبید اللہؓ نے عہدِ نبوی پایا ہے، لیکن اس وقت وہ صغیر السن تھے؛ اس لئے ان کے بارے میں محدثین کی رائے یہ ہے کہ:

"ولا يطلق على مثله صحب النبي ﷺ لصغره، رآه، ومات رسول الله ﷺ وهو غلام." (۲)

[اور ان جیسے پر اس بات کا اطلاق نہیں ہوتا کہ انہوں نے نبی ﷺ کی صحبت پائی ہے، کم عمری کی وجہ سے، انہوں نے آپ ﷺ کو دیکھا ہے اور حضور ﷺ اس دنیا سے رخصت ہو گئے، جبکہ اس وقت وہ لڑکپن میں ہی تھے۔]

لیکن حضرت عبید اللہؓ نے حضور ﷺ سے روایات نقل کی ہیں، اور آپ سے حدیث روایت کرنے والوں میں؛ حضرت عروہ بن زبیرؓ اور محمد بن سیرینؒ کا نام قابلِ ذکر ہے جیسا کہ ابن اثیرؒ نے نقل کیا ہے:

"روى عنه عروة بن زبير ومحمد بن سيرين." (۳)

[اور ان سے عروہ بن زبیر اور محمد بن سیرین نے روایات نقل کی ہیں۔]

حضرت عبید اللہ ۲۹ھ میں خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں مکران تشریف لائے تھے: جس کی وجہ یہ ہوئی کہ جب عثمان بن ابی العاصؓ اس علاقے کو فتح کرکے واپس لوٹ گئے تو یہاں کے وحشی اور جنگ جو قبائل نے خراج دینے سے انکار کر دیا، اس وجہ سے خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنیؓ نے ان کی سرکوبی کے لئے حضرت عبید اللہ بن معمرؓ کو روانہ کیا۔

---

۱) جمهرة أنساب العرب: ۱٤۰. الاستيعاب: ۱/۶۰۸ [رقم الترجمة: ۱۷۲۳]. الإصابة: ٤/۳۲۵ [رقم الترجمة: ۵۳۳۳].

۲) الاستيعاب: ۱/۶۰۸.

۳) أسد الغابة: ۸۰۲ [رقم الترجمة: ۳٤۸۱]. معرفة الصحابة: ۳/۱۸۷۶ [رقم الترجمة: ۱۹۱۰].

toobaa-elibrary.blogspot.com

یہاں آکر حضرت عبید اللہؓ نے بہت سی فتوحات حاصل کیں اور ممالکِ اسلامیہ کی حدود کو نہر سندھ تک ملا دیا؛ لیکن پھر سنہ ۲۹ھ میں خلیفۃ المسلمین نے آپ کا یہاں سے تبادلہ کر کے فارس بھیج دیا اور مکران کی امارت حضرت عمیر بن عثمانؓ کے تحت آگئی۔ (۱)

وفات:

حضرت عبید اللہؓ کی وفات سنہ ۲۹ھ میں اصطخر میں ہوئی؛ جیسا کہ خلیفہ بن خیاط نقل کرتے ہیں:

"أن ابن عامر سار إلى إصطخر وعلى مقدمته عبيد بن معمر التيمي، فقتل عبيد الله وفتحها ابن عامر عنوة." (۲)

[ابنِ عامر اصطخر کی جانب روانہ ہوئے تو ان کے مقدمۃ الجیش پر عبید اللہ بن معمر التیمی تھے، جب حضرت عبید اللہ قتل کر دیئے گئے تو ابنِ عامر نے بزور اصطخر فتح کیا۔]

---

۱) تاریخ الرسل والملوك: ٤/٢٦٤–٢٦٦. الكامل في التاريخ: ٢/٤٩١–٤٩٢. فتوح البلدان: ٥٥١. العقد الثمين: ٧٣–٧٦. تذکرہ مشائخ ہند: ۱/ ۷۵۔ علم حدیث میں برِ عظیم پاک و ہند کا حصہ: ۲۸۔

۲) تاريخ خليفة: ١٦١–١٦٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

عمیر بن عثمانؓ

نام و نسب:

حضرت عمیر بن عثمان کا نسب صرف اتنا ہی ملتا ہے: "عمیر بن عثمان بن سعد"

مختصر حالات زندگی:

جب حضرت عثمان غنیؓ نے ۲۹ھ میں خراسان کی ولایت سے حضرت عبید اللہؓ کا تبادلہ کر دیا تو خراسان کی ولایت حضرت عمیر بن عثمانؓ کی ماتحتی میں آئی، حضرت عثمانؓ نے خراسان آنے کے بعد یہاں دیگر علاقے بھی فتح کئے اور اسلامی خلافت کی حدود کو فرغانہ تک پہونچا دیا۔

فتوحات کے علاوہ آپ نے ان علاقوں میں بہت سی اصلاحات بھی کیں، جیسا کہ ابن اثیر اور دیگر مؤرخین لکھتے ہیں:

"واستعمل على خراسان عمير بن عثمان بن سعد ..... وأثخن عمير في خراسان حتى بلغ فرغانة، لم يدع دونها كورة إلا أصلحها." (۱)

[اور انہوں نے خراسان پر حضرت عمیر بن سعد بن عثمان کو عامل مقرر کیا۔۔۔۔ اور حضرت عمیر نے فتوحات میں اس قدر مبالغہ کیا کہ فرغانہ تک پہونچ گئے، وہاں زمین کا کوئی حصہ ایسا نہیں چھوڑا جس کو درست نہ کر دیا ہو۔]

۱) ابن الجوزي، أبو الفرج عبد الرحمن بن علي بن محمد، المنتظم في تاريخ الملوك والأمم: ۳/۵، تحقيق محمد عبد القادر عطا ومصطفى عبد القادر عطا، دار الكتب العلمية بيروت، لبنان، الطبعة الثانية ۱۴۱۵ھ-۱۹۹۵م؛ الكامل في التاريخ: ۲/۴۹۱— ۴۹۲. تاريخ الرسل والملوك: ۴/۲۶۴— ۲۶۵. العقد الثمين: ۷۶.

toobaa-elibrary.blogspot.com

مجاشع بن مسعودؓ

نام ونسب:

مجاشع بن مسعود بن عائذ بن وہب بن ربیعہ بن یربوع بن سماک بن عوف بن امرا القیس ابن بہثہ بن سُلیم بن منصور بن عکرمہ خصفہ بن قیس عیلان بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان، السلمی۔[1]

مختصر حالاتِ زندگی:

حضرت مجاشعؓ کا صحابیِ رسول ﷺ ہونا امر مسلم ہے؛ کیوں کہ وہ خود بیان کرتے ہیں:

"أتيت النبي ﷺ، أنا وأخي لنبايعه على الهجرة فقال: إن الهجرة قد مضت. فقلنا: علام تبايعك؟ فقال: على الإسلام والجهاد في سبيل الله، قال: فبايعناه."[2]

[میں اور میرا بھائی نبی ﷺ کے پاس آئے تاکہ ان سے ہجرت پر بیعت کرسکیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ہجرت تو گذر گئی۔ ہم نے کہا کہ: ہم آپ سے کس چیز پر بیعت کریں؟ تو نبی ﷺ نے کہا کہ: اسلام اور جہاد فی سبیل اللہ پر۔]

حضرت مجاشع سے روایت کرنے والوں میں ابو عثمان النہدی، کلیب بن شہاب، ابو ساسان الرقاشی اور عبد الملک بن عمیر وغیرہ راویانِ حدیث کے نام قابلِ ذکر ہیں، حضرت مجاشعؓ ایک صحابی اور محدث ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی جنگی صلاحیتوں کی وجہ سے بھی مشہور ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ بلادِ عجم کی جانب آنے والی اسلامی فوج میں ہمیشہ کسی نہ کسی دستہ کے امیر رہے اور ان کی نگرانی میں مسلمانوں نے بہت سی فتوحات حاصل کیں؛ چناں چہ جب مسلمانوں نے کابل کو فتح کیا تو حضرت مجاشعؓ بھی لشکر اسلامی میں شامل تھے، ان کے اسی وقت کا قصہ بیان کرتے ہوئے حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

"إنه غزا كابل من بلاد هند، فصالحه الاصبهبذ، فدخل مجاشع بيت الأصنام، فأخذ جوهرة من عين الصنم، وقال: لم آخذها إلا لتعلموا أنه لا يضر ولا ينفع."[1]

---

1) المزي، جمال الدين أبو الحجاج يوسف، تهذيب الكمال في اسماء الرجال: ٢١٤/٢٧ [رقم الترجمة: ٥٧٧٨]، تحقيق: بشار عواد معروف، مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة الثانية ١٤٠٣هـ=١٩٨٣م. جمهرة أنساب العرب: ٢٦٢.

2) طبقات ابن سعد: ١٨٧/٦ [رقم الترجمة: ١١٧١]

toobaa-elibrary.blogspot.com

[انہوں نے بلاد ہند میں سے کابل میں جنگ کی اور اصبہبد نے مصالحت کر لی، حضرت مجاشع بت خانہ میں داخل ہوئے اور بت کی آنکھ سے ایک ہیرا نکال لیا اور کہا: میں نے یہ صرف اس لئے نکالا ہے تاکہ وہ یہ جان لیں کہ (یہ بت) نہ نقصان پہونچا سکتا ہے اور نہ نفع۔]

اس کے بعد انہوں نے بصرہ میں سکونت اختیار کر لی اور اسی دوران وہ واقعہ پیش آیا جو کتب تواریخ میں جنگ جمل کے نام سے مشہور ہے، جنگ جمل میں حضرت مجاشع حضرت عائشہؓ کے ساتھ تھے؛ جب حضرت زبیرؓ حضرت طلحہؓ اور حضرت عائشہؓ بصرہ پہونچے تو وہاں کے والی حضرت عثمان بن احنفؓ نے حکیم بن جبلہؓ کو ان حضرات کو روکنے کے لئے بھیجا، اسی مڈ بھیڑ میں حضرت مجاشع کی شہادت کا واقعہ پیش آیا اور ان کو ان کے گھر بصرہ کے بنی سدوس میں ہی دفن کیا گیا۔ (۲)

۱) الإصابة: ٥/٥٧٠ [رقم الترجمة: ٧٧٢٧].

۲) تاریخ خلیفة: ١٨١. تهذیب التهذیب: ١٠/٣٨ [رقم الترجمة: ٦٣]. الثقات لابن حبان: ٣/٤٠٠. أسد الغابة: ١٠٨٢ [رقم الترجمة: ٤٦٧١]. تقریب التهذیب: ٥٧٩ [رقم الترجمة: ٦٤٧٦]. تذهیب تهذیب الكمال: ٨/٢٧٦-٢٧٧ [رقم الترجمة: ٦٥٢٣]. العقد الثمین: ٧٦-٧٧. تذکرہ مشائخ ہند: ۱/ ۷۷۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

عبد الرحمن بن سمرہؓ

نام و نسب:

عبد الرحمن بن سمرہ بن حبیب بن عبد الشمس بن عبد مناف بن قصی بن کلاب، ابو سعید، القرشی۔ [1]

مختصر حالاتِ زندگی:

حضرت عبد الرحمن بن سمرہ فتح مکہ کے موقع پر مشرف بہ اسلام ہوئے، اسلام قبول کرنے سے پہلے آپ کا نام عبد الکعبہ، عبد کلال یا عبد کلول تھا؛ جو حضور ﷺ نے بدل کر عبد الرحمن کر دیا، آپ سے ابن عباس، سعید ابن المسیب، عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ، حیان بن عمیر، محمد بن سیرین، حمید بن ہلال اور حسن بصری رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسے ائمہ حدیث روایت کرتے ہیں۔ [2]

حضرت عبد الرحمنؓ نے حضور ﷺ کے ساتھ غزوۂ تبوک میں شرکت فرمائی تھی اور اس کے بعد وہ عراق کی تقریباً تمام فتوحات میں شریک رہے۔ انہی خدمات اور حوصلہ مندی کو دیکھتے ہوئے ۳۱ھ میں آپ کو سجستان کا عامل مقرر کیا گیا، جہاں رہتے ہوئے آپ نے "زرنج" کی جانب پیش قدمی کی اور اس کو صلحاً فتح کیا۔ اس کے بعد زرنج، دوان، زور، کابل اور غزنہ کے مشہور قصبہ زابلستان تک اسلامی سلطنت کی حدود کو ملا دیا۔ [3]

ان تمام کامیابیوں اور فتوحات کے بعد حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت تک زرنج میں ہی مقیم رہے لیکن جب آپ کی جگہ زرنج اور اس کے گرد و نواح پر امیر بن احمد الیشکری کو عامل مقرر کر دیا گیا؛ تو حضرت عبد الرحمن بصرہ لوٹ آئے اور وہیں پر مستقل سکونت اختیار کر لی، بصرہ میں سکونت کے دوران ہی ۵۰ھ یا ۵۱ھ میں آپ نے اس دارِ فانی سے کوچ کیا اور زیاد بن ابی سفیان نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ [4]

---

١) جمهرة أنساب العرب: ٧٤.

٢) تاريخ الإسلام: ٧٨/٤.

٣) الكامل في التاريخ: ٢٣/٣، تاريخ الإسلام: ٤١٥/٣.

٤) البخاري، أبو عبد الله محمد بن إسماعيل، التاريخ الصغير: ١٢٧، تحقيق: محمد إبراهيم زايد، دار المعرفة بيروت، لبنان، الطبعة الأولى ١٤٠٦هـ=١٩٦٧م. ابن خياط، أبو عمرو خليفة بن خياط، شباب العصفري، كتاب الطبقات: ١١، ١٧٤، تحقيق: أكرم ضياء العمري، مطبعة العاني، بغداد، الطبعة الأولى ١٣٨٧هـ=١٩٦٧م. البسوي، أبو يوسف يعقوب بن سفيان، كتاب المعرفة والتاريخ: ٢٨٣/١، تحقيق: أكرم ضياء العمري، مكتبة الدار، المدينة المنورة، الطبعة الأولى ١٤١٠هـ. الذهبي، شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان، العبر في

toobaa-elibrary.blogspot.com

خریت بن راشدؓ

نام ونسب:

الخریت بن راشد، الناجی، السامی۔ (۱)

مختصر حالات زندگی:

حضرت خریت صحابیٔ رسول ﷺ ہیں۔ آپ کی ملاقات حضور ﷺ سے مکہ اور مدینہ کے درمیان وفد بنی سامہ بن لوی کے ساتھ ہوئی، حضرت خریتؓ نے عہد صدیقی میں مرتدین کے خلاف لڑی جانے والی اکثر جنگوں میں حصہ لیا اور بطورِ خاص عمان و مہرہ کے مرتدین کے خلاف لڑی جانے والی جنگ میں جس وقت مسلمان انتہائی پریشانی کی حالت سے دوچار تھے تو بنی ناجیہ نے میدان جنگ میں بروقت پہونچ کر مسلمانوں کی مدد کی۔

بنی ناجیہ کے اس امدادی دستہ کی امارت حضرت خریتؓ کے سپرد تھی؛ جیسا کہ ابن اثیر لکھتے ہیں:

"رأى المسلمون الخلل ورأى المشركون الظفر، فبينما هم كذالك، جاءت المسلمون موادهم العظمى من بني ناجية، وعليهم الخريت بن راشد." (۲)

خبر من غبر: ۳۹/۱. تحقيق: أبو هاجر محمد السعيد بن بسيوني زغلول، دار الكتب العلمية بيروت، لبنان. ابن العماد، شهاب الدين أبو الفلاح عبد الحي بن أحمد بن محمد الحنبلي، شذرات الذهب في أخبار من ذهب: ۲۴۴/۱، تحقيق: محمود الأرناؤوط، دار ابن كثير، دمشق، الطبعة الأولى ۱۴۰۶هـ=۱۹۸۶م. تهذيب الكمال: ۱۵۷/۱۷–۱۶۰ [رقم الترجمة: ۳۸۴۱]. الطبقات لابن سعد: ۴۰/۶ [رقم الترجمة: ۱۰۳۶]. تاريخ خليفة: ۱۸۰، ۲۰۵، ۲۰۸، ۲۱۱. التاريخ الكبير: ۲۴۲/۵–۲۴۳ [رقم الترجمة: ۷۹۶]. ابن أبي حاتم الرازي، أبو محمد عبد الرحمن بن أبي حاتم محمد بن إدريس التميمي، الجرح والتعديل: ۲۳۸/۵ [رقم الترجمة ۱۱۲۶]. دائرة المعارف العثمانية حيدر آباد، الهند، الطبعة الأولى، ۱۳۷۲هـ-۱۹۵۳م. الثقات لابن حبان ۲۴۹/۳. الاستيعاب: ۵۰۲/۱ [رقم الترجمة: ۱۴۲۱]. الكامل في التاريخ: ۲۲۴/۲. سير أعلام النبلاء ۲۷۲/۲. تاريخ الإسلام للذهبي: ۷۷/۴–۷۸. تهذيب التهذيب: ۱۹۰/۶–۱۹۱ [رقم الترجمة: ۳۸۳]. تذهيب تهذيب الكمال: ۲۴۲/۵ [رقم الترجمة: ۳۹۱۰]. الإصابة في تمييز الصحابة: ۲۶۲/۴–۲۶۳ [رقم الترجمة: ۵۱۴۹]. تقريب التهذيب: ۳۶۴ [رقم الترجمة: ۳۸۸۹]. العقد الثمين: ۷۸-۷۹. علم حدیث میں برِ عظیم پاک وہند کا حصہ: ۲۹۔ تذکرہ مشائخ ہند: ۲۷۔

۱) جمهرة أنساب العرب: ۱۷۳. الاشتقاق: ۱۰۹.

۲) الكامل في التاريخ: ۲۲۶/۲.

toobaa-elibrary.blogspot.com

[مسلمانوں نے بگاڑ اور مشرکین نے کامیابی دیکھی تو اسی دوران بنی ناجیہ سے مسلمانوں کا ایک بڑا امدادی دستہ آپہونچا جس پر خریت بن راشد امیر تھے۔]

حضرت خریتؓ خلیفۂ رابع حضرت علیؓ کے دورِ خلافت یعنی ۳۷ھ میں مکران تشریف لائے تھے۔ یہاں سے واپس جانے کے بعد جنگ جمل اور جنگ صفین میں ایک امیر کی حیثیت سے شرکت کی؛ لیکن واقعۂ تحکیم کے بعد دیگر حضرات کی طرح آپ بھی حضرت علیؓ کے خلاف ہوگئے اور بلادِ فارس کی جانب نکل گئے۔

حضرت علیؓ نے معقل بن قیسؓ کی ماتحتی میں حضرت خریتؓ کے مقابلے کے لئے ایک دستہ روانہ کیا، رامہرمز کے قریب ایک پہاڑی علاقہ میں فریقین کے درمیان جنگ ہوئی، جس میں حضرت خریتؓ کو شکست کا سامنا کرنا پڑا اور ان کو قتل کر دیا گیا۔ یہ واقعہ ۳۸ھ میں پیش آیا۔[1]

۱) الکامل في التاریخ: ۲/۷۱٤– ۷۱۹. المنتظم في تاریخ الملوك والأمم: ٥/١٥٣. تاریخ الرسل والملوك: ٥/١١٣. تاریخ خلفاء الراشدین: ٤٧١. الإستیعاب: ١/٢٧٤–٢٧٥ [رقم الترجمة: ٦٩٠]. أسد الغابة: ٣٤٤ [رقم الترجمة: ١٤٣٧]. الإصابة: ٢/٢٣٥ [رقم الترجمة: ٢٢٤٩]. العقد الثمین: ٨٤–٨٥. تاریخ مشائخ ہند: ۱/۷۷- ۷۸۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

عبد اللہ بن سوید تمیمیؓ

نام ونسب:

عبد اللہ بن سوید (ابن شداد بھی کہا گیا ہے) التمیمی، القشری۔

مختصر حالات زندگی:

حضرت عبد اللہؓ کے بارے میں صرف اتنا ہی ملتا ہے کہ آپ مشہور قبیلہ بنو تمیم سے تعلق رکھتے تھے، علامہ ابن حجرؒ نے آپ کو مخضرم لکھا ہے، حضرت عبد اللہ سندھ کے کسی غزوہ میں شریک ہوئے تھے۔ وہ ایک مجاہد وسپاہی کے ساتھ ساتھ ادیب وشاعر کی حیثیت سے بھی مشہور تھے۔ اصابہ میں ان کا ایک شعر مذکور ہے، جو درج ذیل ہے:

"الا هل أتى الفتيان بالسند مقدمي : على بطل قد هزه القوم مقدم." (۱)

[خبردار! کیا سندھ سے کوئی نوجوان میرے سامنے آئے گا؟ کہ اس شہسوار سے سبقت لے جانا قوم کو جھنجوڑ کر رکھ دے۔]

---

۱) الإصابة: ۵/۷۲ [رقم الترجمة: ٦٣٤٦]. العقد الثمين: ٨٦. تذکرہ مشائخ سندھ: ۱/ ۸۸۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

کلیب ابو وائلؓ

نام و نسب:

آپ کے نسب کے بارے میں صرف اتنا ہی معلوم ہو سکا کہ آپ کا نام کلیب اور کنیت ابو وائل تھی۔

مختصر حالات زندگی:

حضرت کلیب کا صحابی ہونا تو یقینی طور پر ثابت نہیں؛ البتہ قاضی اطہر مبارکپوری لکھتے ہیں:

"وهو إن لم يكن من الصحابة فكان من المدركين أو التابعين أو من معاصريهم." (۱)

[اور وہ صحابہ میں سے نہیں ہیں، تو مدرکین، تابعین یا ان کے معاصرین میں سے ہیں۔]

حضرت کلیب بلا تعیین زمانہ کسی غزوہ میں ہندوستان تشریف لائے تھے، اور یہاں انہوں نے ایک ایسا گلاب دیکھا تھا جس کی پتی پر سفید رنگ سے " محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم " لکھا ہوا تھا؛ جیسا کہ ابن حجرؒ اور امام ذہبیؒ لکھتے ہیں:

"عن كليب أنه رأى بالهند وردا في الوردة مكتوب ببياض: محمد رسول الله" (۲)

[کلیب سے مروی ہے کہ انہوں نے ہندوستان میں ایک ایسا گلاب دیکھا تھا جس کی پتی پر سفید رنگ سے "محمد رسول اللہ" لکھا ہوا تھا۔]

---

۱) العقد الثمين: ۸۷.

۲) الذهبي، أبو عبد الله محمد بن أحمد بن عثمان، ميزان الاعتدال في نقد الرجال: ۴۱۴/۳ [رقم الترجمة: ۶۹۷۷]، تحقيق: علي محمد البجاوي، دار المعرفة بيروت، لبنان. ابن حجر، أحمد بن علي بن حجر العسقلاني، لسان الميزان: ۴۲۵/۶ [رقم الترجمة: ۶۲۳۷]، تحقيق: عبد الفتاح أبو غدة، دار البشائر الإسلامية بيروت، لبنان، الطبعة الأولى ۱۴۲۳هـ=۲۰۰۲م. الذهبي، شمس الدين أبو عبد الله محمد بن أحمد بن عثمان، المغني في الضعفاء: ۱۳۳/۲ [رقم الترجمة: ۵۱۰۸]، تحقيق: نور الدين عتر، ادارة إحياء التراث الإسلامي، قطر. تذکرہ مشائخ ہند: ۱/ ۸۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

المہلب بن ابی صفرہؒ

نام ونسب:

المہلب بن ابی صفرہ(ابی صفرہ کا نام ظالم) بن سراق بن صبح ابن کندی بن عمرو بن عدی بن وائل بن الحارث بن العتیک بن الازد بن عمران۔(۱)

مختصر حالات زندگی:

حضرت مہلبؒ فتح مکہ کے سال پیدا ہوئے، اور اسی سال ان کے والد ابو صفرہؓ حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے: لیکن حضور ﷺ کی وفات کے بعد دیگر مسلمانوں کی طرح انہوں نے بھی زکاۃ دینے سے انکار کر دیا، جس کی وجہ سے حضرت ابو بکرؓ کے عہد خلافت میں حضرت عکرمہؓ نے ان سے جنگ کی اور فتح حاصل کرنے کے بعد وہاں کے بہت سے لوگوں کو غلام بنالیا، ان ہی غلاموں میں ابو صفرہ بھی تھے۔

حضرت ابو بکرؓ کے بعد جب حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے ان غلاموں کو آزاد کر دیا؛ جیسا کہ امام مزیؒ رقم طراز ہیں:

"فولي عمر بن الخطاب فدعاهم، فقال: قد أفضي إلي هذا الأمر فانطلقوا إلى أي البلاد شئتم، فأنتم قوم أحرار." (۲)

[اور حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے ان کو بلایا اور کہا: یہ معاملہ میرے سپرد کیا گیا ہے تو تم جس ملک میں چاہو چلے جاؤ، تم آزاد ہو۔]

حضرت عمرؓ کے اس فرمان کے بعد یہ تمام حضرات بصرہ میں آباد ہو گئے، اس واقعہ کے بعد ابو صفرہؓ حضرت عمر فاروقؓ کے پاس آئے؛ اس موقع پر حضرت عمرؓ نے حضرت مہلبؒ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ لڑکا ان سب کا سردار ہے۔ اسی واقعہ کو حافظ ابن حجرؒ نے اصابہ میں ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے:

"وفد أبو صفرة على عمر في عشرة من ولده أصغرهم المهلب، فقال له عمر: هذا سيد ولدك." (۳)

---

۱) جمهرة أنساب العرب: ۳٦۷.

۲) تهذيب الكمال: ۲۹/۹ [رقم الترجمة: ٦۲۲۹].

۳) الإصابة: ٦/۳۰٤.

toobaa-elibrary.blogspot.com

[ابو صفرہ اپنے دس لڑکوں کے ساتھ عمر کے پاس آئے، ان لڑکوں میں سب سے چھوٹے مہلب تھے۔ تو ان سے حضرت عمرؓ نے فرمایا: یہ تمہارے لڑکوں کا سردار ہے۔]

حضرت مہلب میں فطری طور پر وہ تمام صلاحیتیں موجود تھیں جو ایک امیر کے لئے ضروری ہیں، اور ان صلاحیتوں کو فاروق اعظمؓ نے بچپن میں ہی بھانپ لیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت مہلب نے عہد فاروقی سے لیکر اپنی وفات تک تقریباً اکثر جنگوں میں بحیثیت امیر شرکت کی اور کارہائے نمایاں انجام دیئے۔

حضرت مہلب بن ابی صفرہ ۴۴ھ میں ہندوستان تشریف لائے اور قندابیل تک کا علاقہ فتح کر لیا؛ جیسا کہ ابن خیاط تحریر فرماتے ہیں:

"وفيها (سنة أربع وأربعين) غزا المهلب بن أبي صفرة أرض الهند فسارا إلى قندابيل." (۱)

[اور اس میں (۴۴ھ) مہلب بن ابی صفرہ نے ارض ہند پر جنگ کی اور وہ قندابیل تک پہونچ گئے۔]

قندابیل کی فتح کے بعد آپ بنہ، اہوار (لاہور) تک پہونچ گئے اور ملتان و کابل کے درمیانی علاقہ کو بھی تاخت و تاراج کر ڈالا، پھر ۷۶ھ میں حجاج نے مہلب کو خراسان کا والی مقرر کیا، پانچ سال ولایت کے فرائض کو بحسن و خوبی انجام دینے کے بعد مرو میں آپ نے انتقال فرمایا۔ سن وفات بعض نے ۸۲ھ اور بعض نے ذی الحجہ ۸۳ھ تحریر فرمایا ہے۔ (۲)

---

۱) تاريخ خليفة: ٢٠٦.

۲) طبقات ابن سعد: ١٢٩/٩ [رقم الترجمة: ٣٨٤٢]. الإصابة: ٣٠٥/٦ [رقم الترجمة: ٨٦٥٤]. تهذيب الكمال: ١١/٢٩ [رقم الترجمة: ٦٢٢٩]. طبقات خليفة: ٢٠١. تاريخ خليفة: ٢٨٨. التاريخ الكبير: ٢٥/٨ [رقم الترجمة: ٢٠٢٤]. تاريخ الرسل والملوك: ٣٥٤/٦. الجرح والتعديل: ٣٦٩/٨ [رقم الترجمة: ١٦٨٧]. كتاب الثقات لابن حبان: ٤٥١/٥—٤٥٢. سير أعلام النبلاء: ٣٨٥/٤—٣٨٧ [رقم الترجمة: ١٥٥]. تذهيب تهذيب الكمال: ١٢٣/٩—١٢٤ [رقم الترجمة: ٦٩٧٩]. تاريخ الإسلام ٢٠٥/٦—٢٠٨ [رقم الترجمة: ١٥٠] تهذيب التهذيب: ٣٢٩/١٠—٣٣٠ [رقم الترجمة: ٥٧٧]. تقريب التهذيب: ٦١٤ [رقم الترجمة: ٦٩٣٧]. شذرات الذهب: ٣٣٤/١. العقد الثمين: ١٠٠—١٠١. علم حدیث میں برعظیم پاک و ہند کا حصہ: ۳۱.

toobaa-elibrary.blogspot.com

عبد اللہ بن سوار العبدیؓ

نام و نسب:

عبد اللہ بن سوار بن ہمام ابن ثعلبہ بن عبد اللہ بن زید بن عامر بن الحارث ، العبدی (۱)

مختصر حالات زندگی:

حضرت عبد اللہ بن سوار مدرک صحابہ میں سے ہیں: جو کہ بحرین کے عمال میں سے تھے۔ ان کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

"من عمال النبي ﷺ على البحرين." (۲)

[یہ بحرین پر نبی ﷺ کے عمال میں سے ہیں۔]

آپ کی انتظامی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے حضرت امیر معاویہؓ نے ۴۵ھ میں ان کو بلاد مکران کا والی مقرر کیا؛ جہاں سے انہوں نے ۴۵ھ میں ابن عامر کے حکم سے قیقان وغیرہ فتح کیے اور بہت سامال غنیمت حاصل کیا جس میں مخصوص نسل کے گھوڑے بھی تھے؛ جیسا کہ ابن خیاط رقم طراز ہیں:

"وقاد منها خيلا فأصل البراذين القيقانية من نسل تلك الخيل." (۳)

[اور وہاں سے وہ کچھ خاص قسم کے گھوڑے لائے ، براذین قیقانیہ کی اصل انہی گھوڑوں کی نسل سے تھی۔]

حضرت عبد اللہ انتہائی سخی اور بہادر شخصیت کے مالک تھے ان کی سخاوت کا معمولی سا اندازا اس بات سے ہو سکتا ہے کہ جب وہ چار ہزار فوج کے ساتھ بلاد سند کی جانب روانہ ہوئے تو انہوں نے تمام لشکر کو حکم دیا کہ جب تک ہم منزل مقصود پر نہ پہونچ جائیں کوئی کھانا نہیں پکائے گا؛ پھر ایک دن انہوں نے فوج میں آگ جلتی ہوئی دیکھی تو

---

۱) ابن عساكر، أبو القاسم علي بن الحسن بن هبة الله، تاريخ دمشق، ٩٦/٢٩ [رقم الترجمة: ٣٣٣٣]، تحقيق: عمر بن غرامة العمروي، دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع، ١٤١٥هـ=١٩٩٥م. ابن منظور، محمد بن مكرم بن علي، مختصر تاريخ دمشق: ٢٤٦/١٢ [رقم الترجمة: ١٣٦]، تحقيق: روحية النحاس، مطيع الحافظ، رياض عبد الحميد مراد، دار الفكر، دمشق، الطبعة الأولى ١٤٠٨هـ=١٩٨٧م.

۲) الإصابة: ٧١/٥ [رقم الترجمة: ٦٣٤٥].

۳) تاريخ خليفة: ٢٠٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ کسی عورت کے یہاں ولادت ہوئی ہے اس وجہ سے خبیص (حریرہ)[1] بنایا جارہا ہے، یہ سن کر حضرت عبد اللہ نے جو حکم دیا اس کو بلاذریؒ نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

"فأمر أن يطعم أهل العسكر كلهم الخبيص ثلاثة أيام."[2]

[تو انہوں نے یہ حکم دیا کہ تمام فوجی تین دن تک خبیص کھائیں گے۔]

حضرت عبد اللہؓ جب قیقان میں معروف جہاد تھے تو ان کو وہاں سے بہت سی نادر و نایاب چیزیں دستیاب ہوئیں؛ جن میں ایک آئینہ کا ٹکڑا تھا جو بادشاہ قیقان نے ان کو بطور ہدیہ پیش کیا تھا، اس قطعہ آئینہ کے بارے میں اہل علم کے درمیان یہ بات مشہور تھی کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد بہت زیادہ ہوئی اور تمام دنیا میں دور دراز علاقوں تک پھیل گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک آئینہ عطاء کیا جس کی بدولت وہ ان میں سے جس کو چاہتے دیکھ سکتے تھے؛ جیسا کہ قاضی الرشید بن زبیر اس واقعہ کو اس طرح نقل کرتے ہیں:

"وكان في الهدية قطعة من مرآة، يذكر أهل العلم أن الله عز وجل أنزلها على آدم لما كثر ولده وانتشروا في الأرض، وكان ينظر فيها فيرى من يريده منهم على الحال التي هو عليها من خير وشر، فأنفذها عبد الله بن سوار إلى معاوية، فلم تزل عنده مدة حياته، ثم صارت إلى ملوك بني أمية وكانت في خزائنهم إلى أيام بني العباس، فأخذوها فيما أخذوا من أموالهم."[3]

[اور تحفہ میں آئینہ کا ایک ٹکڑا تھا، جس کے بارے میں اہل علم کے درمیان یہ بات مشہور تھی کہ اللہ عز وجل نے یہ حضرت آدمؑ کو اس وقت عطا کیا تھا جب ان کی اولاد زیادہ ہوگئی اور دنیا میں پھیل گئی تو وہ اس میں ان میں سے جس کو چاہتے ہر حال میں یعنی خیر و شر میں دیکھ سکتے تھے، پھر حضرت عبد اللہ بن سوار نے وہ آئینہ حضرت معاویہؓ کو دیدیا، وہ پوری زندگی ان کے پاس رہا، پھر وہ امراء بنی امیہ کے پاس چلا گیا، اور بنی عباس کے دور تک ان کے خزانوں میں رہا، پھر جس نے ان کے اموال کو لیا اس نے وہ بھی لے لیا۔]

---

۱) الخبيص: الحلواء المطبوخة من التمر والسمن [الكامل في التاريخ : ۳/ ۲۹٦].

۲) البلاذري، أحمد بن يحيى بن جابر، جمل من أنساب الأشراف: ۱۳۱/۵، تحقيق: سهيل زكار ورياض زركلي، دار الفكر بيروت، لبنان، الطبعة الأولى ۱٤۱۷هـ-۱۹۹٦م.

۳) القاضي الرشيد، أبو الحسن أحمد بن الرشيد بن القاضي الزبير، كتاب الذخائر والتحف: ۱٦٦-۱٦۷، تحقيق: محمد حميد الله، التراث العربي دائرة المطبوعات والنشر، الكويت، ۱۹۵۹م.

toobaa-elibrary.blogspot.com

حضرت عبد اللہ بن سوارؓ نے ہندوستان میں دو جنگیں لڑی ہیں؛ پہلی جنگ میں انہوں نے قیقان کو فتح کر لیا تھا،[1] اور بہت سے تحائف وہدایہ امیر معاویہؓ کی خدمت میں ارسال فرمائے تھے۔ اس کے بعد امیر معاویہؓ نے ان کو واپس بلا لیا تو قیقان کے باشندوں نے بغاوت کر دی، اس وجہ سے ۴۷ھ میں امیرؓ نے ان کو پھر قیقان کی جانب روانہ کیا؛ لیکن اس بار قیقان کے ترک باشندوں سے مقابلہ میں حضرت عبد اللہ بن سوار شہید ہو گئے۔[2]

---

۱) الطبقات لابن سعد: ۲/۵۰۔

۲) ابن خلدون، عبد الرحمن بن خلدون، تاريخ ابن خلدون المسمى ب ديوان المبتداء والخبر في تاريخ العرب والبربر من عاصرهم من ذوي الشان الأكبر: ۳/۱۶۹، تحقيق: خليل شحادة، وسهيل زكار، دار الفكر بيروت، لبنان، ۱۴۲۱ھ=۲۰۰۰م. الأتابكي، جمال الدين أبو المحاسن يوسف بن تغري بردي، النجوم الزاهرة في ملوك مصر والقاهرة: ۱/۱۳۲، وزارة الثقافة والإرشاد القومي، دار الكتب، مصر ۱۳۸۳ھ=۱۹۶۳م. الذهبي، شمس الدين أبو عبد الله محمد بن أحمد بن عثمان، دول الإسلام: ۱/۳۸، تحقيق: حسن إسماعيل مروة، دار صادر بيروت، لبنان، الطبعة الأولى ۱۹۹۹م. شذرات الذهب: ۱/۲۴۰. تاريخ مدينة الدمشق: ۲۹/۹۶. تاريخ الإسلام: ۴/۱۷. تاريخ خليفة: ۲۰۸. المنتظم في تاريخ الملوك والأمم: ۶/۳۱ [رقم الترجمة ۳۲۵]. الكامل في التاريخ: ۳/۲۹۶. العبر في خبر من غبر: ۱/۳۸ [رقم الترجمة: ۴۷]. العقد الثمين: ۲/۱۰۲.

toobaa-elibrary.blogspot.com

یاسر بن سوّار العبدیؓ

نام ونسب:

آپ حضرت عبد اللہ بن سوار کے بھائی ہیں، نام یاسر بن سوار العبدی۔

مختصر حالات زندگی:

حضرت یاسرؓ اپنے بھائی حضرت عبد اللہ کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے اور غزوۂ قیقان میں انتہائی جوش وخروش کے ساتھ شرکت فرمائی، آپ کی بہادری اور دلیری کا پتہ اس واقعہ سے چلتا ہے جس کو قاضی اطہر مبارک پوریؒ نے اس طرح بیان کیا ہے:

"وخرج رجل من عبد القيس وياسر بن سوار العبدي معا فنادا يا العدو، فخرج كبيرهم فقاتلاه حتى قاتلاه." (۱)

[بنی عبد القیس سے ایک شخص اور یاسر بن سوار العبدی ایک ساتھ نکلے اور دشمن کو مقابلہ کے لئے بلایا، تو ان میں سے جو سب سے زیادہ طاقتور تھا وہ نکلا، ان دونوں نے اس سے جنگ کی یہاں تک کہ اس کو قتل کر دیا۔]

---

۱) العقد الثمین: ۱۰۲۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

سنان بن سلمہ الہذلیؓ

نام ونسب:

سنان بن سلمہ المحبق (اسم المحبق صخر) بن عبید اللہ ابن الحارث بن حصین بن الحارث بن عبد العزی بن دائل بن وائلہ بن لحیان بن ہذیل۔ [1]

مختصر حالات زندگی:

حضرت سنان بن سلمہ کی ولادت فتح مکہ [2] یا جنگ حنین کے موقع پر ہوئی [3] تو آپ کے والد حضرت سلمہؓ آپ کو لیکر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے حضرت سنانؓ کے حق میں دعا کی اور ان کا نام سنان رکھا۔ [4]

حضور ﷺ کی دعا کا ہی نتیجہ تھا کہ حضرت سنانؓ بچپن سے انتہائی قابل اور قوی شخصیت کے حامل تھے، آپؓ نے خلفاء راشدین کے عہد میں ہونے والی اکثر جنگوں میں حصہ لیا اور اپنی لیاقت سے بہت سے علاقوں پر فتح وکامرانی کے پرچم لہرائے۔ آپؓ کی ان ہی غیر معمولی صلاحیتوں کے پیش نظر ۵۰ھ میں حضرت راشد بن عمروؓ کی شہادت کے بعد حضرت زیادؓ نے آپ کو ہند کا والی مقرر کیا۔ [5]

ہند میں رہتے ہوئے حضرت سنان نے بہت سی اعلیٰ خدمات انجام دیں، یہاں کچھ نئے علاقوں کو آباد کیا، آپ سے پہلے انتظامی امور میں جو گراوٹ آئی تھی اس کی اصلاح کی، اور باغیوں کی سرکوبی کے لئے بہت سی جنگی کاروائیاں کیں۔

حضرت سنانؓ کا انتقال کب ہوا؟ اس کی تعیین تو کسی کتاب میں موجود نہیں، البتہ اتنا ضرور لکھا ہوا ملتا ہے کہ آپ نے حجاج کے آخری دورِ امارت میں وفات پائی۔ [6]

---

١) طبقات خليفة: ١٩٢.

٢) أسد الغابة: ٥٢١، [رقم الترجمة: ٢٢٦٢].

٣) الثقات لابن حبان: ١٧٨/٣.

٤) الإستيعاب: ٣٩٥/١ [رقم الترجمة: ١٠٧٠].

٥) تاريخ خليفة: ٢١٢.

٦) تهذيب الكمال: ١٥١/١٢ [رقم الترجمة: ٢٥٩٤]. تقريب التهذيب: ٢٥٨ [رقم الترجمة: ٢٦٤٠]. تهذيب التهذيب: ٢٤٠/٤ [رقم الترجمة: ٤١٢]. تاريخ الإسلام: ١٨/٤. الطبقات لابن سعد: ١٢٣/٩ [رقم الترجمة:

toobaa-elibrary.blogspot.com

منذر بن جارودؓ

نام و نسب:

المنذر بن ابو غیاث (اسمہ الجارود) ابن حنش بن المعلی (اسم المعلی، الحارث) بن یزید بن حارثہ بن معاویہ بن ثعلبہ بن خذیمہ بن عوف بن انمار ابن عمرو بن ودیعہ بن لکیز بن افصی بن عبد القیس۔ (۱)

حافظ ابن حجرؒ نے المنذر کا نسب اس طرح بیان کیا ہے:

"المنذر بن جارود (اسمہ بشر) بن عمرو بن حبیش بن المعلی بن یزید ابن حارثہ بن معاویہ، العبدی۔" (۲)

مختصر حالات زندگی:

حضرت منذر کی ولادت عہد نبوی ﷺ میں ہوئی (آپ کے والد بزرگوار کو شرف صحابیت حاصل تھا) ، حضرت منذرؓ جنگ جمل میں حضرت علی کی جانب سے شریک تھے اور انہوں نے اس جنگ میں کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔

اس جنگ کے بعد حضرت علیؓ نے آپ کو اصطخر کا والی مقرر کیا پھر یزید بن معاویہؓ کے عہد خلافت میں عبید اللہ ابن زیاد نے ہند کے علاقوں قندابیل وغیرہ کی امارت ان کے سپرد کر دی، وہاں رہتے ہوئے آپؓ نے بوقان، قصدار اور قیقان وغیرہ کو فتح کیا، اور وہیں ۶۱ھ میں ان کی وفات پائی۔ وفات کے وقت آپ کی عمر ۶۰/ سال کی تھی۔ (۳)

۳۸۲۶]. طبقات خلیفۃ: ۱۹۲. تاریخ خلیفۃ: ۲۱۲. التاریخ الکبیر: ۴/۱۶۲ [رقم الترجمۃ: ۲۳۳۷]. کتاب المعرفۃ والتاریخ: ۱/۳۳۳، ۳/۷۰. الجرح والتعدیل: ۴/۲۵۰ [رقم الترجمۃ: ۱۰۷۹]. کتاب الثقات لابن حبان: ۲/۱۷۸. أسد الغابۃ: ۵۲۱. العبر في خبر من غبر: ۱/۳۹. الإصابۃ في تمییز الصحابۃ: ۳/۱۵۵ [رقم الترجمۃ: ۳۵۱۱]. شذرات الذھب: ۱/۲۴۱. دول الاسلام: ۱/۳۸. جمھرۃ أنساب العرب: ۱۹۷.

۱) جمھرۃ أنساب العرب: ۲۹۶.

۲) الإصابۃ: ۶/ ۲۰۹ [رقم الترجمۃ: ۸۲۵۳].

۳) تاریخ خلیفۃ: ۲۳۶. تاریخ الإسلام: ۵/۲۵۶ [رقم الترجمۃ: ۱۱۱]. المعرفۃ والتاریخ: ۳/۴۰۲. الطبقات لابن سعد: ۸/۱۲۲، ۹/۸۵. فتوح البلدان: ۶۱۰. العقد الثمین: ۱۱۲.

toobaa-elibrary.blogspot.com

فصل دوم: ابتدائی مشہور محدثین

تابعین و تبع تابعین کے بعد ہندوستان میں مستقل طور پر مسلم حکومت قائم ہو گئی تھی۔ مسلم حکمرانوں نے عربوں کو یہاں آباد کرنا شروع کر دیا تھا، خصوصی طور پر محمد بن قاسمؒ نے مفتوحہ علاقوں میں عربوں کو آباد کرنے میں بہت دلچسپی لی تھی۔ ان نو آباد کاروں اور فوج میں شامل محدثین کی وجہ سے ہندوستان کی سرزمین پر باقاعدہ اسلامی شریعت کے اولین مصادر قرآن و حدیث کی تعلیم و تدریس اور نشر و اشاعت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

اس طبقہ میں جن محدثین کو شمار کیا جاتا ہے ان کو تین اقسام پر تقسیم کیا جا سکتا ہے: ایک وہ جو بیرون ملک سے تشریف لائے اور آخر عمر تک یا ایک طویل مدت تک یہاں حدیث کی نشر و اشاعت میں مشغول رہے۔ دوسرے وہ جو اپنی اصل اور نسب کے اعتبار سے ہندی نژاد تھے؛ لیکن انہوں نے بیرون ہند اپنی خدمات کو انجام دیا۔ اور تیسرے وہ جو اصلاً ہندی ہی تھے اور اپنی تمام تر علمی کاوشوں کا مرکز و محور بھی ہندوستان کی سرزمین کو ہی بنایا۔

وہ تمام محدثین اور علمائے کرام جنہوں نے باہر سے آ کر ہندوستان میں حدیث کی نشر و اشاعت کے فرائض انجام دیئے، یا اصلاً ہندوستانی ہونے کے باوجود کسی دوسرے ملک میں خدمات حدیث میں مشغول رہے، ان میں سے مختصر طور پر چند ایسے محدثین کا تذکرہ مندرجہ ذیل صفحات میں بیان کیا ہے جنہوں نے میدانِ حدیث میں شہرت حاصل کی۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ربیع بن صبیح

نام ونسب:

ربیع بن صبیح، السعدی، البصری، ابو بکر؛[1] لیکن ابن سعد کے مطابق ان کی کنیت ابو حفص ہے۔[2]

مختصر حالات زندگی:

حضرت ربیعؒ، بنو سعد بن زید بن مناۃ بن تمیم کے موالی میں سے تھے، اور مہدی کے عہدِ خلافت میں جو بحری فوج عبد الملک بن شہاب المسمعی کے زیر قیادت ۱۵۹ھ میں ہندوستان آئی تھی اس کے ساتھ ربیع بن صبیح بھی ایک مجاہد کی حیثیت سے ہندوستان تشریف لائے تھے۔ اس فوج نے "باربد" پر حملہ کیا اور فتح وکامرانی حاصل کی، باربد (بربد) اس زمانہ میں ایک خوش حال بندرگاہ تھی؛ جس کو اب بھار بھٹ کہا جاتا ہے اور یہ بھروچ کے قرب وجوار میں واقع ہے۔

باربد کو فتح کرنے کے بعد جب لشکر اسلام نے واپسی کا ارادہ کیا تو سمندر میں طغیانی آگئی اور مسلمانوں کو وہیں قیام کرنا پڑا، دوران قیام ہی علاقہ میں طاعون پھیل گئی؛ جس کی وجہ سے تقریباً ۱۰۰۰ انسانوں کی موت واقع ہوئی، ان ہی میں حضرت ربیع بن صبیح بھی تھے۔[3]

لیکن ابن سعد کا بیان ہے:

"خرج غازيا إلى الهند في البحر فمات فدفن في جزيرة من جزائر البحر."[4]

[وہ مجاہد کی حیثیت سے بحری راستہ سے ہند کی جانب نکلے تو ان کی وفات ہوگئی اور ان کو سمندری جزیروں میں سے کسی جزیرے پر دفن کردیا گیا۔]

---

۱) الزركلي، خير الدين بن محمود بن محمد بن علي الدمشقي، الأعلام (قاموس تراجم الأشهر الرجال والنساء من العرب والمستعربين والمستشرقين): ۱۵/۳، دار العلم للملايين بيروت، لبنان، الطبعة الخامسة عشرة، ۲۰۰۲م. سير أعلام النبلاء: ۲۸۷/۷.

۲) الطبقات لابن سعد: ۲۷۷/۷.

۳) الكامل في التاريخ: ۲۱۸/۵. شذرات الذهب: ۲۶۹/۲. الطبقات لابن سعد: ۲۷۷/۷. البداية والنهاية: ۱۳۲/۱۰. التاريخ الكبير: ۲۷۹/۳. تاريخ الإسلام للذهبي: ۳۶۹/۹. تاريخ الرسل والملوك: ۱۲۸/۸. التاريخ الصغير: ۱۲۵/۲.

۴) الطبقات لابن سعد: ۲۷۷/۷.

toobaa-elibrary.blogspot.com

ابن سعد کے بیان کے مطابق ان کی وفات سمندر میں ہوئی، اور وہیں ان کو کسی جزیرہ پر دفن کر دیا گیا۔

ربیع بن صبیح کا شمار ان خوش بخت شخصیات میں ہوتا ہے؛ جنہوں نے ہر طرح سے اسلام کی خدمت کی، وہ ایک طرف جانباز مجاہد تھے تو دوسری جانب تصنیف وتالیف کے میدان میں بھی ان کا شمار ان شخصیات میں ہوتا ہے جنہوں نے ابتدائی دور میں کتابیں لکھیں۔ جیسا کہ رامہرمزی اپنی مشہور ومعروف کتاب "المحدث الفاصل" میں رقم طراز ہیں:

"أول من صنف وبوب فيما أعلم الربيع بن صبيح بالبصرة." (۱)

[سب سے پہلے جنہوں نے تصنیف وتبویب کی میرے علم کے مطابق وہ بصرہ میں ربیع بن صبیح ہیں۔]

اقوال علماءِ جرح وتعدیل (جرح):

۱) عفان بن مسلم فرماتے ہیں: "أحاديثه كلها مقلوبة." (۲)

۲) ابوداؤد، ابوالولید سے نقل کرتے ہیں: "ما تكلم أحد فيه إلا والربيع فوقه." (۳)

۳) ابن ابی خیثمہ، ابن معین سے نقل کرتے ہیں: "ضعيف الحديث." (۴)

۴) ابن ابی شیبہ، ابن المدینیؒ سے نقل کرتے ہیں: "هو عندنا صالح وليس بالقوي." (۵)

۵) ابن سعد اور نسائی کا قول ہے: "ضعيف." (۶)

۶) عجلی فرماتے ہیں: "لا بأس به." (۷)

۷) ابن الفلاس کا کہنا ہے: "ليس بالقوي." (۱)

---

۱) الرامهرمزي، أبو محمد الحسن بن عبد الرحمن بن خلاد، المحدث الفاصل بين الراوي والواعي، ۶۱۱، تحقيق: محمد عجاج الخطيب، دار الفكر، الطبعة الثالثة ۱۴۰۴هـ-۱۹۸۴م.

۲) تهذيب التهذيب: ۳/۲۴۷.

۳) تهذيب التهذيب: ۳/۲۴۸.

۴) تهذيب التهذيب: ۳/۲۴۸.

۵) تهذيب التهذيب: ۳/۲۴۸.

۶) الطبقات لابن سعد: ۹/۲۷۷. ابن عدي، أبو أحمد عبد الله بن عدي الجرجاني، الكامل في ضعفاء الرجال: ۴/۳۸، الكتب العلمية بيروت، لبنان، الطبعة الأولى ۱۴۱۸هـ-۱۹۹۷م.

۷) تهذيب التهذيب: ۳/۲۴۸

toobaa-elibrary.blogspot.com

ابن حبانؒ کا کہنا ہے کہ: ربیع بن صبیح عابدین و زاہدین میں سے تھے اور وہ اس کثرت سے تہجد پڑھتے تھے کہ ان کا گھر نخلستان کے مانند نظر آتا تھا، مگر حدیث ان کے پیشہ میں نہیں تھی؛ جس کی وجہ سے وہ اپنی ہی مرویات میں وہم کا شکار ہو جاتے تھے، یہاں تک کہ مناکیر ان کی احادیث میں غیر شعوری طور پر داخل ہو جاتے تھے۔ (۲)

تعدیل:

۱) حضرت عبداللہ بن امام احمد اپنے والد سے نقل کرتے ہیں: "لا بأس به، رجل صالح." (۳)

۲) عثمان الدارمی فرماتے ہیں کہ میں نے ابن معین سے ان کے بارے میں معلوم کیا تو ابن معین نے فرمایا: "لیس به بأس." (۴)

۳) ابو زرعہ فرماتے ہیں: "شیخ صالح، صدوق." (۵)

۴) ابو حاتم کا قول ہے: "رجل صالح." (۶)

۵) مسلم بن ابراہیم حضرت شعبہؒ سے نقل کرتے ہیں: "الربیع من سادات المسلمین." (۷)

۶) یعقوب بن شعبہ فرماتے ہیں: "رجل صالح، صدوق، ثقة." (۸)

۷) ابن عدی کی رائے ہے: "له أحادیث صالحة، مستقیمة ولم أر له حدیثا منكرا جدا." (۹)

---

۱) تهذيب التهذيب: ۲۴۸/۳.

۲) ابن حبان، أبو حاتم محمد بن حبان بن أحمد البستي، كتاب المجروحين من المحدثين: ۳۶۵/۱ [رقم الترجمة: ۹۵۲].

۳) تهذيب التهذيب: ۲۴۷/۳. تذهيب تهذيب الكمال: ۲۱۸/۳.

۴) تهذيب التهذيب: ۲۴۷/۳.

۵) تهذيب التهذيب: ۲۴۸/۳. تذهيب تهذيب الكمال: ۲۱۸/۳.

۶) تهذيب التهذيب: ۲۴۸/۳.

۷) تهذيب التهذيب: ۲۴۸/۳. تذهيب تهذيب الكمال: ۲۱۸/۳. الكامل في ضعفاء الرجال: ۹۹۲/۳.

۸) تهذيب التهذيب: ۲۴۸/۳.

۹) البخاري، محمد بن إسماعيل، الضعفاء الصغير: باب الراء، ۴۷، تحقيق: محمد إبراهيم زايد. دار المعرفة بيروت، لبنان، الطبعة الأولى، ۱۴۰۶هـ=۱۹۸۶م. تهذيب التهذيب: ۲۴۷/۳-۲۴۸. تقريب التهذيب: ۱۹۳، [رقم الترجمة: ۱۸۹۵]. تذهيب تهذيب الكمال: ۲۱۸/۳، [رقم الترجمة: ۱۸۹۲]. الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي: ۱۱۶/۳. الطبقات لابن سعد: ۲۷۷/۹. التاريخ الكبير: ۲۷۸/۳-۲۷۹.

toobaa-elibrary.blogspot.com

اولاد:

حضرت ربیعؒ کی جسمانی اولاد میں دو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی کا ذکر ملتا ہے، لڑکوں کے نام عبدہ بن ربیع اور سلیمان بن ربیع ہندی ہیں؛ جو علم و فضل میں ایک بلند مرتبہ و مقام پر فائز تھے۔[1] صاحبزادی کا نام تو معلوم نہ ہو سکا؛ البتہ ابو حاتم الرازی نے اپنی مشہور کتاب "الجرح والتعدیل" میں آپ کے ایک نواسہ کا ذکر کیا ہے؛ چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں:

"إسحاق بن عباد ابن ابنة الربيع بن صبيح." [2]

[اسحاق بن عباد، ربیع بن صبیح کی لڑکی کے لڑکے (نواسہ) ہیں۔]

شیوخ:

۱) حسن البصری : الحسن بن ابی الحسن یسار، ابو سعید، مولی زید بن ثابت، الانصاریؒ۔

ولادت : ۲۱ھ، بعہد خلافت حضرت عمر بن الخطابؓ۔

وفات : ابن علیہ فرماتے ہیں: حسن نے رجب ۱۱۰ھ میں وفات پائی۔[3]

۲) حمید الطویل : حمید بن ابی حمید تیرویہ، الطویل، ابو عبیدہ، البصریؒ۔

ولادت : ۶۸ھ، در سال وفات حضرت عبد اللہ بن عباسؓ۔

وفات : ۱۴۲ یا ۱۴۳ھ۔[4]

۳) یزید الرقاشی : یزید بن ابان الرقاشی، ابو عمرو، البصریؒ۔

وفات : قبل ۱۲۰ھ[5]

---

۱) السمعاني، عبد الكريم بن محمد بن منصور، كتاب الأنساب: باب العين والباء (العباداني): ۹/۱۷۲، تحقيق: عبد
الرحمن بن يحيى، دائرة المعارف العثمانية حيدر آباد، الهند، الطبعة الأولى ۱۳۸٦هـ-۱۹٦٦م. سیر الصحابہ: ۹/ ۱۳۱.

۲) الجرح والتعديل. ۲/۲۳۰ [رقم الترجمة: ۸۰٤].

۳) الذهبي، أبو عبد الله شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان، تذكرة الحفاظ: ۱/۷۱ [رقم الترجمة: ٦٦]، دار
الكتب العلمية بيروت، لبنان ۱۳۷٤هـ. تقريب التهذيب: ۱٤۰ [رقم الترجمة: ۱۲۲۷].

٤) تقريب التهذيب: ۱٦٦ [رقم الترجمة: ۱٥٤٤]. تذكرة الحفاظ: ۱/۱٥۲ [رقم الترجمة: ۱٤٦].

٥) تقريب التهذيب: ٦۷۰ [رقم الترجمة: ۷٦۸۳].

toobaa-elibrary.blogspot.com

۴) ابوزبیر : محمد بن مسلم بن تدرس (بفتح المثناة و سکون الدال المہملہ و ضم الراء) ، ابو الزبیر ، الاسدی، المکیؒ۔

وفات : ۱۲۶ھ[1] یا ۱۲۸ھ۔[2]

۵) ابوغالب : صاحب ابی امامہ، بصریؒ۔ ان کے نام کے بارے میں اختلاف ہے کسی نے حزور، کسی نے سعد بن الحزور اور کسی نے نافع کہا ہے۔[3]

۶) ثابت البنانی : ثابت بن اسلم البنانی، ابو محمد، البصریؒ۔

وفات : ۱۲۳ھ۔[4]

۷) مجاہد بن جبر : مجاہد بن جبر، ابو الحجاج، المخزومیؒ۔

وفات : ۱۰۱ھ، ۱۰۲ھ، ۱۰۳ھ یا ۱۰۴ھ۔[5]

تلامذہ :

۱) سفیان الثوری : سفیان بن سعید بن مسروق الثوری، ابو عبد اللہ الکوفیؒ۔

ولادت : ۹۷ھ۔ وفات : شعبان ۱۶۱ھ۔[6]

۲) عبد اللہ ابن مبارک : عبد اللہ بن المبارک بن واضح، ابو عبد الرحمن، الحنظلی، المروزیؒ۔

ولادت : ۱۱۸ھ۔ وفات : رمضان المبارک ۱۸۱ھ۔[7]

۳) ابن مہدی : عبد الرحمن بن مہدی بن حسان العنبری، ابو سعید البصریؒ۔

ولادت : ۱۳۵ھ۔ وفات : جمادی الآخر، ۱۹۸ھ۔[8]

---

۱) تقریب التہذیب : ٥٦٤ [رقم الترجمة: ٦٢٩١].
۲) تذکرة الحفاظ: ١٢٨/١ [رقم الترجمة : ١١٣].
۳) تقریب التہذیب: ٧١٩ [رقم الترجمة: ٨٢٩٨].
٤) تقریب التہذیب: ١٠٧ [رقم الترجمة: ٨١٠]. تذکرة الحفاظ: ١٢٥/١ [رقم الترجمة: ١١٠].
٥) تقریب التہذیب. ٥٧٩ [رقم الترجمة: ٦٤٨١]. تذکرة الحفاظ: ٩٢/١ [رقم الترجمة: ٨٣].
٦) تقریب التہذیب : ٢٣٩ [رقم الترجمة: ٢٤٤٥]. تذکرة الحفاظ: ٢٠٣/١-٢٠٧ [رقم الترجمة: ١٩٨].
٧) تقریب التہذیب: ٣٢٨ [رقم الترجمة: ٣٥٧٠]. تذکرة الحفاظ: ١/ ٢٧٤-٢٧٩ [رقم الترجمة: ٢٦٠].
٨) تقریب التہذیب: ٣٧٩ [رقم الترجمة: ٤٠١٨]. تذکرة الحفاظ: ٣٢٩/١-٣٣٢ [رقم الترجمة: ٣١٣].

toobaa-elibrary.blogspot.com

۴) وکیع : وکیع بن الجراح بن ملیح الرؤاسی (بضم الراء و ہمزہ ثم مہملہ)، ابوسفیان الکوفیؒ۔

ولادت : ۱۲۸ھ یا ۱۲۹ھ۔ وفات : یوم عاشوراء، ۱۹۷ھ۔(۱)

۵) ابوداؤد الطیالسی : سلیمان بن داؤد بن الجارود، ابوداؤد الطیالسی، البصریؒ۔

وفات : ۲۰۴ھ۔(۲)

۶) ابوالولید الطیالسی : ہشام بن عبدالملک، ابوالولید الطیالسی، البصریؒ۔

ولادت : ۱۳۳ھ۔ وفات : ربیع الآخر، ۲۲۷ھ۔(۳)

۷) آدم بن ابی ایاس : آدم بن ابی ایاس عبدالرحمن، الخراسانی، المروزی، العسقلانیؒ۔

ولادت : ۱۳۲ھ۔ وفات : جمادی الآخر، ۲۲۰ھ۔(۴)

۸) عاصم بن علی : عاصم بن علی بن عاصم بن صہیب، الواسطی، ابوالحسن التیمیؒ۔

وفات : رجب، ۲۲۱ھ۔(۵)

---

١) تقريب التهذيب: ٦٥٠ [رقم الترجمة: ٧٤١٤]. تذكرة الحفاظ: ١/٣٠٦-٣٠٩ [رقم الترجمة: ٢٨٤].

٢) تقريب التهذيب: ٢٤٧-٢٤٨ [رقم الترجمة: ٢٥٥٠]. تذكرة الحفاظ: ١/٣٥١-٣٥٢ [رقم الترجمة: ٣٤٠].

٣) تقريب التهذيب: ٦٤٠ [رقم الترجمة: ٧٣٠١]. تذكرة الحفاظ: ١/٣٨٢ [رقم الترجمة: ٣٨٠].

٤) تقريب التهذيب: ٥٦ [رقم الترجمة: ١٣٢]. تذكرة الحفاظ: ١/٤٠٩ [رقم الترجمة: ٤١٤].

٥) تقريب التهذيب: ٢٩٥ [رقم الترجمة: ٣٠٦٧]. تذكرة الحفاظ: ١/٢٩٧-٢٩٨ [رقم الترجمة: ٣٩٧].

toobaa-elibrary.blogspot.com

ابو معشر نجیح السندیؒ

T-11818

نام و نسب:

نجیح (بفتح النون و کسر الجیم، بروزن کلیم) بن عبد الرحمن، ابو معشر، السندی، المدنی ہے۔[1]

ابو معشر کا نسب تقریباً تمام محدثین نے یہی بیان کیا ہے؛ لیکن علامہ خطیب بغدادیؒ ان کے نام کے متعلق ایک روایت نقل کرتے ہیں:

"حدثنا أبو بكر الحسين بن محمد بن ابي معشر، حدثني أبي، قال: كان إسم أبي معشر قبل أن يسرق عبد الرحمن بن الوليد بن هلال، فسرق فبيع في المدينة، فاشتراه قوم من بني أسد فسموه نجيحا." [2]

[ابو بکر الحسین بن محمد بن ابو معشر بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد نے بیان کیا کہ: ابو معشر کا نام ان کے اغوا ہونے سے پہلے عبد الرحمن بن الولید بن ہلال تھا، ان کو اغوا کر لیا، پھر مدینہ میں بیچ دیا گیا تو بنی اسد کی ایک جماعت نے ان کو خرید لیا اور ان کا نام نجیح رکھا۔]

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نجیح کا نام ان کے اغوا کئے جانے سے قبل عبد الرحمن تھا پھر جب ان کو مدینہ میں بنی اسد نے خرید ا تو انہوں نے ابو معشر کا نام نجیح رکھا۔ اور علامہ بغدادیؒ نے ان کا سلسلہ نسب کچھ اس طرح بیان کیا ہے: "عبد الرحمن بن ولید بن ہلال"[3] لیکن دوسرے تمام محدثین نے ان کو نجیح بن عبد الرحمن لکھا ہے۔

---

۱) ابن حجر، أبو الفضل أحمد بن علي بن حجر العسقلاني، **تبصرة المنتبه بتحرير المشتبه: ١٤١١/٤**، تحقيق: محمد علي النجار، للمؤسسة المصرية العامة. السيوطي، جلال الدين عبد الرحمن بن أبي بكر، **طبقات الحفاظ: ١٠٦** [رقم الترجمة: ٢١٠]، دار الكتب العلمية بيروت، لبنان، الطبعة الأولى ١٤٠٣هـ=١٩٨٣م. ابن ناصر الدين، شمس الدين محمد بن عبد الله بن محمد القيسي الدمشقي، **توضيح المشتبه في ضبط أسماء الرواة وأنسابهم وألقابهم وكناهم: ١٨٧/٥**، تحقيق: محمد نعيم العرقسوسي، مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة الأولى ١٩٩٣م. الخزرجي، صفي الدين أحمد بن عبد الله الأنصاري، **خلاصة تذهيب تهذيب الكمال: ٤٠٦**، المطبعة الكبرى المنيرية، مصر، الطبعة الأولى ١٣٠١هـ. تقريب التهذيب: ٦٢٧ [رقم الترجمة: ٧١٠٠]. تهذيب الكمال: ٣٢٢/٢٩ [رقم الترجمة: ٦٣٨٦]. تذهيب تهذيب الكمال: ١٩٣/٩ [رقم الترجمة: ٧١٤٠]. سير أعلام النبلاء: ٤٣٥/٧ [رقم الترجمة: ١٦٥]. تذكرة الحفاظ: ٢٣٤/١ [رقم الترجمة: ٢٢١]. شذرات الذهب: ٣٢٦/٢.

۲) الخطيب البغدادي، أبو بكر احمد بن علي بن ثابت، تاريخ مدينة السلام وأخبار محدثيها وذكر قطانها العلماء من غير أهلها ووارديها المعروف بـ **تاريخ بغداد: ٥٩٢/١٥**، تحقيق: بشار عواد معروف، دار الغرب الإسلامي، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٢٢هـ=٢٠٠١م.

۳) تاريخ بغداد: ٥٩٢/١٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

اب اگر دونوں سلسلوں پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ خطیب بغدادی اور دیگر مصنفین کے درمیان اختلاف ہے، خطیب کے نزدیک نجیح ہی عبد الرحمن ہیں، جب کہ دیگر حضرات کے نزدیک نجیح کے والد کا نام عبد الرحمن ہے، لہٰذا اگر وہی شخص عبد الرحمن ہے جس کا نام اغوا کے بعد نجیح رکھا گیا تو پھر خطیب بغدادی کا قول درست ہے، لیکن اگر نجیح کے باپ کا نام عبد الرحمن ہے تو یہ ہو سکتا ہے کہ باپ اور بیٹے دونوں کا نام عبد الرحمن ہی ہو، اور یہ کوئی امر بعید نہیں ہے۔

لیکن برصغیر میں یہ رواج و عادت نہیں رہی کہ باپ و بیٹے دونوں کے نام یکساں ہوں؛ جب کہ عربوں میں یہ بات ممکن ہے اور تاریخ و اسماء الرجال کی کتابوں میں ایسا بہت سی جگہ مل جائے گا کہ باپ اور بیٹے دونوں محمد، احمد یا عبداللہ وغیرہ ایک ہی نام سے موسوم ہوں۔

مختصر حالاتِ زندگی:

حضرت نجیح بن عبد الرحمن کو سندھ کی ایک جنگ میں اغوا کر لیا گیا تھا اور پھر مدینہ میں بنی مخزوم کے ہاتھوں فروخت کر دیا گیا، امام ذہبی فرماتے ہیں کہ:

"كان مكاتبا لامرأة مخزومية، فأدى، فعتق، فاشترت بنت المنصور ولاءه، وهذا لا يجوز، وقيل: بل اشترته واعتقته." (۱)

[وہ بنی مخزوم کی ایک عورت کے مکاتب تھے، تو انہوں نے بدل کتابت ادا کر دیا اور آزاد ہو گئے، اور ان کا ولا منصور کی بیٹی نے خرید لیا، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، اور کہا گیا ہے کہ: اس نے ان کو خریدا اور آزاد کر دیا۔]

لیکن ان کے اغوا کے بارے میں خطیب بغدادیؒ کا قول ہے کہ:

"وكان سبي في وقعة يزيد ابن المهلب باليمامة والبحرين." (۲)

[اور ان کو یزید ابن المہلب کی یمامہ اور بحرین میں لڑی گئی جنگ کے موقع پر غلام بنایا گیا تھا۔]

بہر حال یہ بات تو ثابت ہے کہ آپ نسلی اعتبار سے سندھی تھے: پھر چاہے آپ کو بذاتِ خود سندھ سے اغوا کیا گیا ہو یا آپ کے آباؤ اجداد یمن میں آکر آباد ہو گئے ہوں اور وہیں وہ واقعہ پیش آیا ہو جس کا ذکر خطیب بغدادیؒ نے کیا ہے۔

---

۱) سير أعلام النبلاء: ۷/۴۳۵۔

۲) تاريخ بغداد: ۱۵/۶۹۲۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ابو معشرؒ کی یہ خوش بختی تھی کہ آپ کو ایک ایسا ماحول ملا جہاں ہر طرف علم و دانش کا بازار گرم تھا، اور وہ ایسے انسانوں کی نگرانی میں رہے جنہوں نے ابو معشر کو حصول علم کے پورے مواقع بہم پہونچائے، اس بات کا اندازا ان کے اس قول سے ہوسکتا ہے جو انہوں نے اس سوال کے جواب میں کہا تھا کہ آپ نے مغازی کیسے یاد کئے؟ تو حضرت ابو معشرؒ نے جوابا کہا:

"كان التابعون يجلسون إلى أستاذه، فكانوا يتذاكرون المغازي، فحفظ." [1]

[تابعین اپنے اساتذہ (صحابہؓ) کے پاس بیٹھے رہتے تھے، اور مغازی کا ذکر کرتے تھے (تو اس مذاکرہ کی وجہ سے) مغازی یاد ہوگئے۔]

اسی ماحول کا اثر تھا کہ ایک سندھی غلام چند ہی سالوں میں صاحب المغازی اور فقیہہ جیسے القاب سے پہچانا جانے لگا۔

ابو معشر کو چوں کہ خلیفہ مہدی کی ماں نے آزاد کیا تھا، اس لئے مہدی کو ان سے ایک خاص انسیت اور لگاؤ تھا اور پھر خلیفہ مہدی بھی تمام خلفاء کی طرح علماء کی توقیر و عزت کرتا تھا: لہٰذا جب مہدی سنہ ۱۶۰ھ میں مدینہ آیا تو وہ ابو معشرؒ کو اپنے ساتھ عراق لے گیا، اور ان کو ایک ہزار دینار بطور ہدیہ دیکر فرمایا:

"تكون بحضرتنا، فتفقه من حولنا." [2]

[تم ہمارے ساتھ رہو اور جو ہمارے مقربین ہیں ان کو تفقہ فی الدین سکھاؤ]

ابو معشرؒ کی زبان میں لکنت تھی جس کی وجہ سے وہ کاف کو قاف سے بدل کر پڑھتے تھے، مثلاً وہ سند بیان کرتے ہوئے کہتے: "حدثنا محمد بن قعب" [3] اور اس سے ان کی مراد محمد بن کعب ہوتی۔

وفات:

سنہ ۱۶۱ھ میں ابو معشرؒ بغداد پہونچے [4] اور اس کے بعد اپنی وفات یعنی سنہ ۱۷۰ھ تک وہیں رہے، اور جب سنہ ۱۷۰ھ میں ہارون رشید تخت خلافت پر متمکن ہوا تو اسی سال ماہ رمضان میں آپؒ کا انتقال ہوگیا، خود خلیفۂ وقت ہارون رشیدؒ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور بغداد کے المقبرة الكبيرة میں دفن کئے گئے۔ [5]

۱) تاريخ بغداد: ۵۹۳/۱۵.
۲) تاريخ بغداد: ۵۹۳/۱۵، سير أعلام النبلاء: ۴۴۰/۷.
۳) الكامل في ضعفاء الرجال: ۲۵۱۶/۷، ميزان الاعتدال: ۲۴۶/۴ [رقم الترجمة ۹۰۱۷].
۴) تاريخ بغداد: ۵۹۳/۱۵.

toobaa-elibrary.blogspot.com

اقوال علماءِ جرح و تعدیل:

۱) حضرت عمرو بن عون الواسطی، حضرت ہشیم سے روایت کرتے ہیں کہ: ما رأيت مدنيا أكيس من أبي معشر، وما رأيت مدنيا يشبهه [۱]

۲) محمد بن سعد کا قول ہے: وكان كثير الحديث ضعيفا. [۲]

۳) یزید بن ہارون کا قول نقل کرتے ہوئے امام ذہبی تحریر فرماتے ہیں: ثبت حديث أبي معشر. [۳]

۴) امام بخاریؒ کا قول ہے: منكر الحديث. [۴]

۵) ابن حبان کتاب المجروحین میں حضرت عبد الرحمن کا قول نقل کرتے ہیں: كان أبو معشر المدني تعرف منه وتنكر. [۶]

۶) امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: يكتب من حديث أبي معشر أحاديثه عن محمد بن كعب القرظي في التفسير. [۷]

۷) ابو زرعہؒ فرماتے ہیں: صدوق. [۸]

---

۱) الربعي، أبو سليمان محمد بن عبد الله بن أحمد بن ربيع الدمشقي، تاريخ مولد العلماء ووفياتهم: ۳۹۲، تحقيق: عبد الله بن أحمد بن سليمان، دار العاصمة رياض، المملكة العربية السعودية، الطبعة الأولى ۱٤۱۰هـ. تاريخ بغداد: ۵۹۷/۱۵. سير أعلام النبلاء: ٤٤۰/۷. الطبقات لابن سعد: ۵۹۷/۷ [رقم الترجمة: ۲۲۵۱]. كتاب المجروحين من المحدثين لابن حبان: ٤۰٤/۲ [رقم الترجمة: ۱۱۲۲]. تذكرة الحفاظ: ۲۳۵/۱ [رقم الترجمة: ۲۲۱]. خلاصة تذهيب تهذيب الكمال: ٤۰٦. تقريب التهذيب: ٦۲۷. تهذيب الكمال: ۳۳۰/۲۹. تذهيب تهذيب الكمال: ۱۹٤/۹. تهذيب التهذيب: ٤۱۹/۱۰-٤۲۰ [رقم الترجمة: ۷۵۸]. طبقات الحفاظ: ۱٦۰ [رقم الترجمة: ۲۱۰]. توضيح المشتبه في ضبط أسماء الرواة: ۱۸۷/۵. شذرات الذهب: ۳۲٦/۲. نزهة الخواطر: ۵۰/۱ [رقم الترجمة: ۲۷].

۲) تهذيب الكمال. ۳۲٤/۲۹.

۳) الطبقات الكبرى: ۵۹۷/۷.

٤) سير أعلام النبلاء: ٤۳٦/۷.

۵) التاريخ الكبير: ۱۱٤/۸ [رقم الترجمة: ۲۳۹۷]. الضعفاء الصغير: ۱۱۹ [رقم الترجمة: ۳۸۰].

٦) كتاب المجروحين من المحدثين: ٤۰۵/۲ [رقم الترجمة: ۱۱۲۳].

۷) الكامل في ضعفاء الرجال: ۲۵۱٦/۷.

۸) تذكرة الحفاظ: ۲۳۵/۱.

toobaa-elibrary.blogspot.com

۸) امام نسائیؒ ان کے بارے میں رقم طراز ہیں: ضعیف.[۱]

۹) ابن عدیؒ تحریر فرماتے ہیں: وهو مع ضعفه يكتب حديثه.[۲]

۱۰) ابن ندیم ان کے بارے میں لکھتے ہیں: عارف بالأحاديث والسير وأحد المحدثين.....وله من الكتب: كتاب المغازي.[۳]

حضرت ابو معشرؒ پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا شبلی نعمانیؒ اپنی کتاب "سیرۃ النبی ﷺ" میں لکھتے ہیں:

"ابو معشر المدنی (۱۷۰ھ) ہشام بن عروہ کے شاگرد تھے، ثوری اور واقدی نے ان سے روایت کی ہے، گو محدثین نے روایت حدیث میں تضعیف کی ہے لیکن سیرت و مغازی میں ان کی جلالتِ شان کا اعتراف کیا ہے۔"[۴]

شیوخ:

۱) سعید بن المسیب[۵]: سعید بن المسیب بن حزن بن ابی وہب بن عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم، القرشی، المخزومیؒ۔

ولادت: حضرت عمر فاروقؓ کے خلیفہ ہونے کے دو سال بعد۔ وفات: ۹۴ھ۔[۶]

۲) سعید المقبری: سعید بن ابی سعید کیسان المقبری، ابو سعد المدنیؒ۔

وفات: ۱۲۵ھ۔[۷]

---

۱) النسائي، أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب، كتاب الضعفاء و المتروكين: ۲۳۵ [رقم الترجمة: ۶۱۸]، تحقيق: بوران الضناوي وكمال يوسف الحوت، مؤسسة الكتب الثقافية بيروت، لبنان، الطبعة الأولى ۱۴۰۵ھ=۱۹۸۵م.

۲) الكامل في ضعفاء الرجال: ۲۵۱۹/۷.

۳) ابن نديم، أبو الفرج محمد بن إسحاق بن محمد المعروف بالوراق، الفهرست لابن نديم: ۱۳۶ [للمقالة الثالثة في أخبار الأخباريين والنسابين وأصحاب الأحداث]، دار المعرفة، بيروت، لبنان.

۴) شبلی نعمانی، سیرۃ النبی ﷺ: ۳۵/۱، مکتبہ مدینہ، اردو بازار، لاہور، ۱۴۰۸ھ۔

۵) حضرت سعید بن المسیب، ابو معشر کے اساتذہ میں ہیں یا نہیں اس میں اختلاف ہے: لیکن اکثر حضرات نے ان کو حضرت ابو معشر کا استاذ نہیں مانا ہے، اور امام ذہبی کی رائے یہ ہے کہ یہاں سعید سے مراد سعید المقبری ہیں۔ [سیر اعلام النبلاء: ۴۳۶/۷]

۶) تقريب التهذيب: ۲۳۵ [رقم الترجمة: ۲۳۹۶]. تذكرة الحفاظ: ۵۶-۵۴/۱ [رقم الترجمة: ۳۸].

۷) تقريب التهذيب: ۲۳۶ [رقم الترجمة: ۲۳۲۱]. تذكرة الحفاظ: ۱۱۷-۱۱۶/۱ [رقم الترجمة: ۱۰۱].

toobaa-elibrary.blogspot.com

۳) محمد بن کعب : محمد بن کعب بن سُلیم بن اسد، ابو حمزہ، القرظی، المدنیؒ۔

ولادت : سنہ ۴۰ھ۔ وفات : سنہ ۱۰۸ھ اور سنہ ۱۱۶ھ بھی کہا گیا ہے۔ (۱)

۴) ابو بردہ : ابو بردہ بن ابو موسیٰ، الاشعریؒ۔

وفات : سنہ ۱۰۴ھ۔ (۲)

۵) ہشام بن عروہ : ہشام بن عروہ بن الزبیر بن العوام، الاسدیؒ۔

وفات : سنہ ۱۴۶ھ۔ (۳)

۶) موسیٰ بن یسار : موسیٰ بن یسار، المطلبی مولاہم، المدنیؒ۔ (۴)

تلامذہ:

۱) محمد بن ابی معشر : محمد بن نجیح، السندیؒ۔

وفات : سنہ ۲۴۷ھ۔ (۵)

۲) سفیان الثوری : سفیان بن سعید بن مسروق الثوری، ابو عبداللہ الکوفیؒ۔

ولادت : سنہ ۹۷ھ۔ وفات : شعبان، سنہ ۱۶۱ھ۔ (۶)

۳) لیث بن سعد : اللیث بن سعد بن عبدالرحمن الفہمی، ابو الحارث المصریؒ۔

وفات : شب جمعہ، نصف شعبان، سنہ ۱۷۵ھ۔ (۷)

۴) عبداللہ بن ادریس : عبداللہ بن ادریس بن یزید بن عبدالرحمن الاودی (بسکون الواو) ابو محمد الکوفیؒ۔

ولادت : سنہ ۱۲۰ھ۔ وفات : ذی الحجہ، سنہ ۱۹۲ھ۔ (۱)

---

۱) تقريب التهذيب: ٦١٦ [رقم الترجمة: ٦٢٥٧].
۲) تقريب التهذيب: ٦٩١ [رقم الترجمة: ٧٩٥٢]. سير أعلام النبلاء: ٦٥/٥ [رقم الترجمة: ٢٣].
۳) تقريب التهذيب: ٦٤٠ [رقم الترجمة: ٧٣٠٢]. تذكرة الحفاظ: ٩٥/١ [رقم الترجمة: ٨٦].
٤) تقريب التهذيب: ٦٢٠ [رقم الترجمة: ٧٠٢٤]. تذكرة الحفاظ: ١٤٤/١ [رقم الترجمة: ١٣٨].
٥) تقريب التهذيب: ٥٧٠ [رقم الترجمة: ٦٣٤٩].
٦) تقريب التهذيب: ٢٣٩ [رقم الترجمة: ٢٤٤٥]. سير أعلام النبلاء: ٦٠٨/١٢ [رقم الترجمة: ٢٣٣].
٧) تقريب التهذيب: ٥١٩ [رقم الترجمة: ٥٦٨٤]. تذكرة الحفاظ: ٢٠٣/١-٢٠٧ [رقم الترجمة: ١٩٨].
تذكرة الحفاظ: ٢٢٤/١-٢٢٦ [رقم الترجمة: ٢١٠].

toobaa-elibrary.blogspot.com

۵) ہشیم : ہشیم (بالتصغیر) ابن بشیر ابن القاسم بن دینار السلمی، ابو معاویہ بن ابی خازم (بمعجمتین) الواسطی۔

ولادت : ۱۰۴ھ۔ وفات : شعبان ۱۸۳ھ۔ (۲)

۶) ابن مہدی : عبد الرحمن بن مہدی بن حسان العنبری مولاہم، ابو سعید البصریؒ۔

ولادت : ۱۳۵ھ۔ وفات : جمادی الآخر، ۱۹۸ھ۔ (۳)

۷) ابو النضر ہاشم بن القاسم : ہاشم بن القاسم بن مسلم اللیثی مولاہم، البغدادی، ابو النضرؒ۔

ولادت : ۱۳۴ھ۔ وفات : ذی القعدہ، ۲۰۷ھ۔ (۴)

۸) وکیع : وکیع بن الجراح بن ملیح الرؤاسی (بضم الراء و ہمزہ ثم مہملہ)، ابو سفیان الکوفیؒ۔

ولادت : ۱۲۸ھ یا ۱۲۹ھ۔ وفات : یوم عاشوراء، ۱۹۷ھ۔ (۵)

۹) ہوزہ بن الخلیفہ : ہوزہ (بفتح الہاء و زیادۃ ہاء فی آخرہ) ابن خلیفہ بن عبد اللہ بن عبد الرحمن بن ابی بکرہ الثقفی، البکراوی، ابو الاشہب البصریؒ۔

ولادت : تقریباً ۱۲۰ھ۔ وفات : ۱۰ر شوال، ۲۱۶ھ۔ (۶)

۱۰) عثمان بن عمر : عثمان بن عمر بن فارس العبدی، بصریؒ اصلہ من بخاری۔

وفات : ربیع الاول، ۲۰۹ھ۔ (۷)

۱۱) واقدی : محمد بن عمر بن واقد الاسلمی، الواقدی، المدنی، القاضیؒ۔

ولادت : ۱۲۰ھ کے بعد۔ وفات : ۲۰۷ھ۔ (۱)

---

۱) تقریب التہذیب: ۳۰۷ [رقم الترجمة: ۳۲۰۷]. تذکرة الحفاظ: ۱/۲۸۲–۲۸۴ [رقم الترجمة: ۲۶۳].
۲) تقریب التہذیب: ٦٤٢ [رقم الترجمة: ۷۳۱۲]. تذکرة الحفاظ: ۱/۲٤۸–۲٤۹ [رقم الترجمة: ۲۳۵].
۳) تقریب التہذیب: ۳۷۹ [رقم الترجمة: ٤۰۱۸]. تذکرة الحفاظ: ۱/۳۲۹–۳۳۲ [رقم الترجمة: ۳۱۳].
٤) تقریب التہذیب: ٦۳۷ [رقم الترجمة: ۷۲٥٦]. تذکرة الحفاظ: ۱/۳٥۹ [رقم الترجمة: ۳٥۰].
٥) تقریب التہذیب: ٦٥۰ [رقم الترجمة: ۷٤۱٤]. تذکرة الحفاظ: ۱/۳۰٦–۳۰۹ [رقم الترجمة: ۲۸٤].
٦) تقریب التہذیب: ٦٤٤ [رقم الترجمة: ۷۳۲۷]. تہذیب التہذیب: ۱۱/۷٤ [رقم الترجمة: ۱۱٦].
۷) تقریب التہذیب: ٤۲۱ [رقم الترجمة: ٤٥۰٤]. تذکرة الحفاظ: ۱/ ۳۷۸ [رقم الترجمة: ۳۷٦].

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱۲) ابو ضمرہ : انس بن عیاض بن ضمرہ (عبد الرحمن)، اللیثی، ابو ضمرہ المدنیؒ۔

ولادت : ۱۰۴ھ۔ وفات : ۲۰۰ھ۔ (۲)

۱۳) محمد بن بکار : محمد بن بکار بن الریان الہاشمی مولاہم، ابو عبد اللہ البغدادی، الرصافیؒ۔

وفات : ربیع الآخر، ۲۳۸ھ۔ (۳)

---

۱) تقریب التهذيب: ٥٥٥-٥٥٦ [رقم الترجمة: ٦١٧٥]. تذكرة الحفاظ: ٣٤٨/١ [رقم الترجمة: ٣٣٤].

۲) تقريب التهذيب: ٨٢ [رقم الترجمة: ٥٦٤]. تذكرة الحفاظ: ٣٢٣/١-٣٢٤ [رقم الترجمة: ٣٠٤].

۳) تقريب التهذيب: ٥٢٦ [رقم الترجمة: ٥٧٥٩]. سير أعلام النبلاء: ١١٢/١١ [رقم الترجمة: ٣٧].

toobaa-elibrary.blogspot.com

رجاء بن السندیؒ

نام ونسب:

ابو محمد، رجاء بن السندی، النیساپوری، آپ خراسان کے مشہور شہر اسفرائین سے تعلق رکھنے کی وجہ سے اسفرائینی بھی کہلاتے ہیں۔[1]

مختصر حالات زندگی:

حضرت رجاءؒ کے ابتدائی حالات تو معلوم نہیں؛ لیکن علم حدیث میں آپ کے مقام ومرتبہ کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کے اساتذہ میں حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ کے علاوہ ابن عیینہؒ ابو بکر بن عیاشؒ اور ابن ادریس جیسے اساطین حدیث شامل ہیں۔

ان مذکورہ محدثین سے استفادہ کے بعد حضرت رجاءؒ نے اپنے آبائی وطن میں علم حدیث کی خدمات انجام دیں، اور سب سے پہلے خود اپنے اہل وعیال کو تعلیم دینا شروع کیا، آپ کی اسی محنت اور جانفشانی کا نتیجہ تھا کہ کئی پشتوں تک آپ کی اولاد میں میدانِ حدیث کے شہ سوار جنم لیتے رہے، جن میں آپ کے بیٹے محمد بن رجاء اور پوتے محمد بن محمد بن رجاء نے غیر معمولی شہرت حاصل کی۔

حضرت رجاءؒ ایک محدث ہونے کے ساتھ ساتھ عربی زبان وادب پر بھی کافی عبور رکھتے تھے، اسی وصف کی جانب اشارہ کرتے ہوئے حافظ ابن حجرؒ نے بکر بن خلف کا یہ قول نقل کیا ہے:

"ما رأيت أفصح منه."[2]

[میں نے ان سے زیادہ فصیح شخص نہیں دیکھا۔]

ابن حبانؒ نے حضرت رجاء کو ثقات میں ذکر کیا ہے،[3] اور ابو حاتم فرماتے ہیں:

"صدوق، كتبت عنه."[1]

---

1) ابن حبان، أبو حاتم محمد بن حبان بن احمد البستي، تقريب الثقات: ٤٥٧ [رقم الترجمة: ٤٥٠٥]، تحقيق: خليل بن مأمون، دار المعرفة بيروت، لبنان، الطبعة الأولى ١٤٢٨هـ-٢٠٠٧م، الأنساب، باب السين والنون (السندي): ٢٢١/٧، تهذيب التهذيب: ٢٦٧/٣ [رقم الترجمة: ٥٠٥].

2) تهذيب التهذيب: ٢٦٨/٣.

3) كتاب الثقات لابن حبان: ٢٤٧/٨ [باب الراء].

toobaa-elibrary.blogspot.com

ان ہی اوصاف و کمالات کی وجہ سے آپ کے معاصرین میں سے حضرت امام بخاریؒ اور امام احمد بن حنبلؒ جیسے ائمہ حدیث نے آپ سے روایت کی ہے۔

وفات:

حضرت رجاء بن السندیؒ نے ۲۲۱ھ میں وفات پائی۔ (۲)

شیوخ:

۱) ابو بکر بن عیاش : ابو بکر بن عیاش (بتحتانیہ و معجمہ) ابن سالم الاسدی، الکوفی، المقری الحناط۔ (۳)

ولادت : ۹۵ھ۔ وفات : جمادی الاولیٰ، ۱۹۳ھ۔ (۴)

۲) ابن المبارک : عبد اللہ بن المبارک ابن الواضح، ابو عبد الرحمن، المروزی الحنظلیؒ۔

ولادت : ۱۱۸ھ۔ وفات : رمضان، ۱۸۱ھ۔ (۵)

۳) ابن عیینہ : سفیان بن عیینہ بن ابی عمران میمون الہلالی، ابو محمد الکوفی، المکی۔

ولادت : ۱۰۷ھ۔ وفات : رجب، ۱۹۸ھ۔ (۶)

۴) ابن ادریس : محمد بن ادریس بن العباس بن عثمان بن شافع بن سائب بن عبید بن عبد یزید بن ہاشم بن المطلب المطلبی، ابو عبد اللہ الشافعی، المکیؒ۔

ولادت : ۱۵۰ھ۔ وفات : اول شعبان، ۲۰۴ھ۔ (۷)

---

۱) الجرح و التعدیل: ۵۰۳/۳ [رقم الترجمة: ۲۲۷۵].
۲) تھذیب التھذیب: ۲٦۸/۳. تقریب التھذیب: ۱۹٦ [رقم الترجمة: ۱۹۲۵].
۳) ان کے سلسلہ نسب میں اختلاف ہے حافظ ابن حجرؒ تحریر فرماتے ہیں: "مشہور بکنیتہ، والأصح أنھا إسمہ" [تقریب التھذیب: ٦۹۳] اور تذکرۃ الحفاظ میں مذکور ہے: "فی إسمہ أقوال، أصحھا کنیتہ أو شعبة" اور ان کا نام شعبہ ہونے کی دلیل یہ ہے: "قال حسین بن عبد الأول وأبو ھشام الرفاعي سألناہ، فقال: إسمي شعبة" [تذکرۃ الحفاظ: ۲٦۵/۱].
۴) تقریب التھذیب: ٦۹۳—٦۹٤ [رقم الترجمة: ۷۹۸۵]. تذکرۃ الحفاظ: ۲٦۵/۱—۲٦٦ [رقم الترجمة: ۲۵۰].
۵) تقریب التھذیب: ۳۲۸ [رقم الترجمة: ۳۵۷۰]. تذکرۃ الحفاظ: ۲۷٤/۱—۲۷۹ [رقم الترجمة: ۲٦۰].
٦) تقریب التھذیب: ۲٤۰ [رقم الترجمة: ۲٤۵۱]. تذکرۃ الحفاظ: ۲٦۲/۱—۲٦۵ [رقم الترجمة: ۲٤۹].
۷) تقریب التھذیب: ۵۲۲ [رقم الترجمة: ۵۷۱۷]. تذکرۃ الحفاظ: ۳٦۱/۱—۳٦۳ [رقم الترجمة: ۳۵٤].

toobaa-elibrary.blogspot.com

۵) حفص بن غیاث : حفص بن غیاث (بمعجمۃ مکسورۃ) ابن طلق بن معاویہ النخعی، ابو عمر الکوفی، القاضیؒ۔

ولادت : ۱۱۷ھ۔ وفات : ۱۹۴ھ۔[۱]

۶) وکیع : وکیع بن الجراح بن ملیح الرؤاسی (بضم الراء و ہمزہ ثم مہملہ)، ابو سفیان الکوفیؒ۔

ولادت : ۱۲۸ھ یا ۱۲۹ھ۔ وفات : یوم عاشوراء، ۱۹۷ھ۔[۲]

تلامذہ:

۱) البخاری : محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن المغیرہ الجعفی، ابو عبد اللہ البخاریؒ۔

ولادت : شوال، ۱۹۴ھ۔ وفات : شب عید الفطر، ۲۵۶ھ۔[۳]

۲) ابو بکر محمد بن محمد : محمد بن محمد بن رجاء ابن السندی، ابو بکر اسفرائنیؒ۔

وفات : ۲۸۶ھ۔[۴]

۳) ابن ابی الدنیا : عبد اللہ بن محمد بن عبید بن سفیان القرشی مولاہم، ابو بکر بن ابی الدنیا، البغدادیؒ۔

ولادت : ۲۰۸ھ۔ وفات : جمادی الاولی، ۲۸۱ھ۔[۵]

۴) جعفر بن محمد الصائغ : جعفر بن محمد بن شاکر الصائغ، ابو محمد البغدادیؒ۔

ولادت : ۱۹۰ھ سے قبل۔ وفات : ذی الحجہ، ۲۷۹ھ۔[۶]

۵) احمد بن حنبل : احمد بن حنبل بن ہلال بن اسد الشیبانی، المروزیؒ۔

ولادت : ۱۶۴ھ۔ وفات : یوم الجمعہ، ۱۲ ربیع الاول، ۲۴۱ھ۔[۷]

---

۱) تقریب التہذیب: ۱۵۷ [رقم الترجمۃ: ۱۴۳۰]. تذکرۃ الحفاظ: ۱/ ۲۹۷—۲۹۸ [رقم الترجمۃ: ۲۷۹].

۲) تقریب التہذیب: ۶۵۰ [رقم الترجمۃ: ۷۴۱۴]. تذکرۃ الحفاظ: ۱/۳۰۶—۳۰۹ [رقم الترجمۃ: ۲۸۴].

۳) تقریب التہذیب: ۵۲۴ [رقم الترجمۃ: ۵۷۲۷]. تذکرۃ الحفاظ: ۲/۵۵۵—۵۵۷ [رقم الترجمۃ: ۵۷۸].

۴) تذکرۃ الحفاظ: ۲/۶۸۶ [رقم الترجمۃ: ۷۰۶]. سیر أعلام النبلاء: ۱۳/ ۴۹۲—۴۹۳ [رقم الترجمۃ: ۲۴۰].

۵) تقریب التہذیب: ۳۲۰ [رقم الترجمۃ: ۳۵۹۱]. تذکرۃ الحفاظ: ۲/۶۷۷—۶۷۹ [رقم الترجمۃ: ۶۹۹].

۶) تہذیب التہذیب: ۲/۱۰۲ [رقم الترجمۃ: ۱۵۵]. سیر أعلام النبلاء: ۱۳/۱۹۷—۱۹۸ [رقم الترجمۃ: ۱۱۲].

۷) تقریب التہذیب: ۵۳ [رقم الترجمۃ: ۹۶]. تذکرۃ الحفاظ: ۲/۴۳۱-۴۳۲ [رقم الترجمۃ: ۴۳۸].

toobaa-elibrary.blogspot.com

۶) ابراہیم بن موسیٰ الرازی: ابراہیم بن موسیٰ بن یزید التمیمی، ابو اسحاق الفراء، الرازیؒ۔

وفات : ۲۲۰ھ کے بعد۔[1]

۷) ابو حاتم الرازی : محمد بن ادریس المنذر، الحنظلی، ابو حاتم الرازیؒ۔

ولادت : ۱۹۵ھ۔ وفات : شعبان، ۲۷۷ھ۔[2]

۸) الجوزجانی : احمد بن علی بن العلاء الجوزجانی، ابو عبد اللہ البغدادیؒ۔

ولادت : ۲۳۵ھ۔ وفات : ربیع الاول، ۳۲۸ھ۔[3]

---

۱) تقریب التهذيب: ٦٥ [رقم الترجمة: ٢٥٩]. تذكرة الحفاظ: ٤٤٩/٢ [رقم الترجمة: ٤٥٦].

۲) تقريب التهذيب: ٥٢٣ [رقم الترجمة: ٥٧١٨]. تذكرة الحفاظ: ٥٦٧/٢–٥٦٩ [رقم الترجمة: ٥٩٢].

۳) سير أعلام النبلاء: ٢٤٨/١٥ [رقم الترجمة: ١٠٢].

toobaa-elibrary.blogspot.com

خلف بن سالمؒ

نام و نسب:

آپ کے نسب کے بارے میں صرف اتنا ہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ سالم کے لڑکے تھے، اس سے زیادہ کسی مصنف نے نہیں بیان کیا۔

آپ کی کنیت ابو محمد تھی اور سندھ کی طرف نسبت کرتے ہوئے سندھی کہلاتے ہیں، بغداد میں سکونت اختیار کرنے کی بنا پر بغدادی اور آلِ مہلب سے رشتہ مولات کی وجہ سے مہلبی کہلاتے ہیں۔

مختصر حالاتِ زندگی:

حضرت خلفؒ کی پیدائش تقریباً ۱۶۰ھ میں ہوئی۔[۱] آپ کے اساتذہ اور تلامذہ کی تعداد دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ خلفؒ فن حدیث میں غیر معمولی مہارت رکھتے تھے۔ آپ کو اس علم میں ید طولیٰ حاصل تھا اور حدیث کی تحصیل کے لئے انہوں نے حجاز، شام اور عراق جیسے نہ جانے کتنے دور دراز علاقوں کا سفر کیا تھا۔ ان کے بارے میں طبقات ابن سعد کے مصنف لکھتے ہیں:

"وقد صنف المسند عن رسول الله ﷺ."[۲]

[انہوں نے رسول ﷺ سے ایک مسند تیار کی تھی۔]

وفات:

آپ کی تاریخ وفات کے بارے میں اختلاف ہے حضرت علی بن احمد بن نصرؒ فرماتے ہیں: "مات سنة ۳۲ (۲۳۲)."[۳]

لیکن زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ حضرت خلف بن سالمؒ کی وفات ۲۲ یا ۲۳ رمضان المبارک ۲۳۱ھ میں ہوئی۔[۴]

---

۱) سير أعلام النبلاء: ۱۱/۱٤۹.

۲) الطبقات لابن سعد: ۹/۳۵۸ [رقم الترجمة: ٤٤۰۱].

۳) تهذيب التهذيب: ۳/۱۵۳ [رقم الترجمة: ۲۹۱].

٤) سير أعلام النبلاء: ۱۱/۱٤۹ [رقم الترجمة: ٥٦]. تهذيب التهذيب: ۳/۱۵۳ [رقم الترجمة: ۲۹۱]. تهذيب الكمال: ۸/۲۹۲ [رقم الترجمة: ۱۷۰۸]. تذهيب تهذيب الكمال: ۳/۱۳۲ [رقم الترجمة: ۱۷۲۸]. تقريب التهذيب: ۱۸۱ [رقم الترجمة: ۱۷۳۲]. ميزان الاعتدال: ۱/٦٦۱ [رقم الترجمة: ۲٥٤۰]. طبقات الحفاظ:

toobaa-elibrary.blogspot.com

اقوال علماء جرح و تعدیل:

۱) ابن حبانؒ نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے، اور ان کے بارے میں فرماتے ہیں: "وكان من الحفاظ المتقين." (۱)

۲) ابن سعدؒ ان کے بارے میں رقم طراز ہیں: "وكان كثير الحديث، وقد كتب الناس عنه." (۲)

۳) یحییٰ بن معینؒ کی رائے ہے: "صدوق." (۳)

۴) یعقوب بن شیبہؒ فرماتے ہیں: "كان ثقة ثبتا، أثبت من مسدد والحميدي." (۴)

۵) ابو عبد اللہ امام احمدؒ سے جب ابو بکر المروزیؒ نے ان کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا: "ما أعرفه بكذب، نقموا عليه لتعبه هذه الأحاديث." (۵)

۶) امام ذہبیؒ نے حضرت خلف کو ان القاب سے نوازا ہے: "الإمام، الحافظ، المجود من كبار الحفاظ، وكان موصوفا بالحفظ ومعرفة الرجال." (۶)

شیوخ:

۱) ہشیم : ہشیم (بالتصغیر) ابن بشیر ابن (ابی حازم) القاسم بن دینار السلمی، الواسطیؒ۔
ولادت : ۱۰۴ھ۔ وفات : ۱۸۳ھ۔ (۷)

۲) ابن علیہ : اسماعیل بن ابراہیم بن مقسم الاسدی مولاہم، ابو بشر البصری، المعروف بابن علیہؒ۔ (۸)
ولادت : ۱۱۰ھ۔ وفات : ذی قعدہ، ۱۹۳ھ (۱)

---

۲۱۱ [رقم الترجمة: ٤٦٧]. تذكرة الحفاظ: ٤٨١/٢ [رقم الترجمة: ٤٩٥]. كتاب الثقات لابن حبان: ٢٢٨/٨ التاريخ الكبير: ١٩٦/٣ [رقم الترجمة: ٦٦٥]. التاريخ الصغير: ٣٢٠/٢. تاريخ الإسلام للذهبي: ١٥٠/١٧ [رقم الترجمة: ١٢٤].

۱) كتاب الثقات لابن حبان: ٢٢٨/٨.

۲) الطبقات لابن سعد: ٣٥٨/٩.

۳) ميزان الإعتدال: ٦٦٠/١ [رقم الترجمة: ٢٥٤٠].

۴) تذكرة الحفاظ: ٤٨١/٢ [رقم الترجمة: ٤٩٥].

۵) تذكرة الحفاظ: ٤٨١/٢.

۶) سير أعلام النبلاء: ١٤٩/١١ [رقم الترجمة: ٥٦].

۷) تقريب التهذيب: ٦٤٢ [رقم الترجمة: ٧٣١٢]. تذكرة الحفاظ: ٢٤٨/١-٢٤٩ [رقم الترجمة: ٢٣٥].

۸) علیہ ان کی والدہ محترمہ کا نام تھا۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۳) عبد الرزاق : عبد الرزاق بن ہمام بن نافع الحمیری مولاہم، ابو بکر الصنعانیؒ۔

ولادت : ۱۲۶ھ۔ وفات : نصف شوال، ۲۱۱ھ۔ (۲)

۴) ابن نمیر : محمد بن عبد اللہ بن نمیر الہمدانی، ابو عبد الرحمن الکوفیؒ۔

ولادت : تقریباً ۱۶۰ھ۔ وفات : شعبان یا رمضان ۲۳۴ھ۔ (۳)

۵) غندر : محمد بن جعفر الہذلی، البصری، ابو عبد اللہ، المعروف بغندرؒ۔

وفات : اول ذی قعدہ ۱۹۳ھ۔ (۴)

۶) ابو احمد الزبیری : محمد بن عبد اللہ بن الزبیر بن عمر بن درہم الاسدی، ابو احمد الزبیریؒ۔

وفات : ۲۰۲ھ یا ۲۰۳ھ۔ (۵)

۷) معن بن عیسی : معن بن عیسی بن یحیی الاشجعی مولاہم، ابو یحیی المدنی، القزازؒ۔

وفات : شوال، ۱۹۸ھ۔ (۶)

۸) یحیی القطان : یحیی بن سعید بن فروخ (بفتح الفاء وتشدید الراء المضمومہ وسکون الواو ثم المعجمہ) التمیمی، ابو سعید البصریؒ۔

ولادت : ۱۲۰ھ۔ وفات : صفر، ۱۹۸ھ۔ (۷)

۹) یعقوب بن ابراہیم : یعقوب بن ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبد الرحمن بن عوف الزہری، ابو یوسف المدنی البغدادیؒ۔

وفات : شوال، ۲۰۸ھ۔ (۸)

۱۰) سعد بن ابراہیم : سعد بن ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبد الرحمن بن عوف الزہری، ابو اسحاق البغدادیؒ

وفات : ۲۰۱ھ۔ (۱)

---

۱) تقریب التهذیب: ۷۷ [رقم الترجمة: ٤١٦]. تذکرة الحفاظ: ۳۲۲/۱—۳۲۳ [رقم الترجمة: ۳۰۳].

۲) تقریب التهذیب: ۳۸۳—۳۸٤ [رقم الترجمة: ٤٠٦٤]. تذکرة الحفاظ: ۳٦٤/۱ [رقم الترجمة: ۳۵۷].

۳) تقریب التهذیب: ٥٤٦ [رقم الترجمة: ٦٠٥٢]. تذکرة الحفاظ: ٤٣٩/٢—٤٤٠ [رقم الترجمة: ٤٤٦].

٤) تقریب التهذیب: ٥٢٨ [رقم الترجمة: ٥٧٨٧]. تذکرة الحفاظ: ٣٠٠/١—٣٠٢ [رقم الترجمة: ٢٨١].

٥) تقریب التهذیب: ٥٤٤ [رقم الترجمة: ٦٠١٧]. تذکرة الحفاظ: ٣٥٧/١ [رقم الترجمة: ٣٤٧].

٦) تقریب التهذیب: ٦٠٥ [رقم الترجمة: ٦٨٢٠]. تذکرة الحفاظ: ٣٣٢/١ [رقم الترجمة: ٣١٤].

٧) تقریب التهذیب: ٦٦١ [رقم الترجمة: ٧٥٥٧]. تذکرة الحفاظ: ٢٩٨/١—٣٠٠ [رقم الترجمة: ٢٨٠].

٨) تقریب التهذیب: ٦٨٠ [رقم الترجمة: ٧٨٩١]. تذکرة الحفاظ: ٣٣٥/١—٣٣٦ [رقم الترجمة: ٣١٧].

toobaa-elibrary.blogspot.com

تلامذہ:

۱) ابو بکر احمد بن علی : احمد بن علی بن سعید بن ابراہیم المروزی، ابو بکر القاضیؒ۔
ولادت : سنہ ۲۰۰ھ۔
وفات : نصف ذی الحجہ، سنہ ۲۹۲ھ۔ (۲)

۲) احمد بن علی ابن الابار: احمد بن علی بن مسلم بن الابارؒ۔
وفات : نصف شعبان، سنہ ۲۹۰ھ۔ (۳)

۳) عباس الدوری : عباس بن محمد بن حاتم الدوری، ابو الفضل البغدادی، خوارزمی الاصلؒ۔
ولادت : سنہ ۱۸۵ھ۔
وفات : صفر، سنہ ۲۷۱ھ۔ (۴)

۴) عثمان الدارمی : عثمان بن سعید بن خالد بن سعید التمیمی، ابو سعید الدارمیؒ۔
وفات : ذی الحجہ، سنہ ۲۸۰ھ۔ (۵)

۵) یعقوب بن شیبہ : یعقوب بن شیبہ ابن الصلت بن عصفور، ابو یوسف السدوسی البصری، البغدادیؒ۔
وفات : ربیع الاول، سنہ ۲۶۲ھ۔ (۶)

۶) احمد بن حسن الصوفی: احمد بن الحسن بن عبد الجبار بن راشد، ابو عبد اللہ البغدادی الصوفی الکبیرؒ۔ (۷)
وفات : رجب، سنہ ۳۰۶ھ۔ (۸)

۷) ابو القاسم البغوی : عبد اللہ بن محمد بن عبد العزیز بن المرزبان بن سابور بن شاہنشاہ، ابو القاسم البغوی البغدادیؒ۔
ولادت : رمضان، سنہ ۲۱۴ھ۔
وفات : شب عید الفطر، سنہ ۳۱۷ھ۔ (۱)

---

۱) تقریب التهذیب: ۲۱۹ [رقم الترجمة: ۲۲۲۶]. تذكرة الحفاظ: ۱/۱۳۶ [رقم الترجمة: ۱۲٤].
۲) تقریب التهذیب: ۵۲ [رقم الترجمة: ۸۱]. تذكرة الحفاظ: ۲/۶۶۳ [رقم الترجمة: ٦٨٣].
۳) تذكرة الحفاظ: ۲/٦۳۹-٦٤٠ [رقم الترجمة: ٦٦۲].
٤) تقریب التهذیب: ۳۰۵ [رقم الترجمة: ۳۱۸۹]. تذكرة الحفاظ: ۲/۵۷۹ [رقم الترجمة: ٦٠٢].
۵) تذكرة الحفاظ: ۲/٦۲۱-٦۲۲ [رقم الترجمة: ٦٤٨].
٦) تذكرة الحفاظ: ۲/۵۷۷-۵۷۸ [رقم الترجمة: ٦٠١].
۷) ان کو صوفی کبیر کہا جاتا ہے احمد بن الحسین سے احتراز کرنے کی وجہ سے، اور احمد بن الحسین کو صوفی صغیر کہا جاتا ہے۔
۸) لسان المیزان: ۱/٤۲۹ [رقم الترجمة: ٤٤٦].

toobaa-elibrary.blogspot.com

شیخ اسماعیل لاہوریؒ

مختصر حالاتِ زندگی:

شیخ اسماعیل لاہوری کا شمار پانچویں صدی ہجری کی ان مشہور و معروف شخصیات میں ہوتا ہے؛ جن کی جد وجہد کی بنا پر ایک بڑی تعداد حلقۂ اسلام میں داخل ہوئی۔ آپ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے موجودہ پاکستان کے شہر لاہور میں تفسیر و حدیث کا درس دینا شروع کیا؛ جیسا کہ رحمان علی لکھتے ہیں:

"واز عظمائے محدثین و مفسرین بود اول کسی است کہ علم حدیث و تفسیر بہ لاہور آوردہ۔"(۲)

[وہ کبار محدثین و مفسرین میں سے ہیں، وہ پہلے شخص ہیں جو لاہور میں علم حدیث اور تفسیر لائے۔]

شیخ اسماعیل لاہوریؒ ۳۹۶ھ مطابق ۱۰۰۵ء میں لاہور تشریف لائے وہ ایک بے نظیر محدث و مفسر کے ساتھ ساتھ بلند پایہ مبلغ بھی تھے، جتنا عبور ان کو علوم ظاہریہ پر حاصل تھا اتنا ہی کمال علوم باطنیہ میں بھی تھا، اسی وجہ سے ان کے وعظ و تبلیغ کا عالم یہ تھا کہ ایک ہی مجلس میں ہزاروں افراد اپنے گناہوں سے توبہ کر کے اسلام کی نعمت عظمیٰ سے سرفراز ہوتے۔ ان کی تبلیغ کے بارے میں غلام سرور لکھتے ہیں:

"جب شیخ اسماعیل لاہور میں تشریف لائے تو دوسرے جمعہ کو پانچ سو پچاس آدمی اور تیسرے جمعہ کو ایک ہزار آدمی ان کی تبلیغ سے داخل اسلام ہوئے۔"(۳)

شیخ اسماعیل لاہوریؒ کی شان و عظمت کا پتہ اس سے بھی چلتا ہے کہ اس دور کے ایک غیر معمولی مقام و مرتبہ کے حامل بزرگ شیخ علی ہجویریؒ نے ان کو "پیر محتشم" کے لقب سے نوازا ہے اور لکھا ہے کہ وہ اپنی صلاحیتوں پر پردہ ڈالے رکھتے تھے اور ایسی حالت میں رہتے تھے کہ لوگ ان پر ملامت کریں تاکہ نفس کے اندر غرور و تکبر نہ

---

۱) تذکرۃ الحفاظ: ۲/۷۳۷-۷۴۰ [رقم الترجمۃ: ۷۳۸].

۲) رحمان علی، تذکرہ علمائے ہند: ۳۳، مطبع نامی منشی نول کشور، واقع لکھنؤ۔

۳) خزینۃ الاصفیاء: ۲/ ۲۳۰، بحوالہ اعجاز الحق قدوسی، تذکرہ صوفیائے پنجاب: ۳۰-۳۱، سلمان اکیڈمی، نیو کراچی، مطبوعہ: ایجوکیشنل پریس کراچی، پاکستان، مئی ۱۹۶۲ء۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

پیدا ہو سکے۔ [1] ان کی اسی صفت کو بیان کرتے ہوئے شیخ علی ہجویری اپنی عالمی شہرت یافتہ کتاب "کشف المحجوب" میں رقم طراز ہیں:

"و شیخ مجرد از خلائق مفرد اسماعیل الشاشی، پیر محتشم بود و بر طریق ملامت رفتے" [2]

[اور دنیا سے الگ تھلگ اور تنہا رہنے والے شیخ اسماعیل الشاشی، باحیا بزرگ تھے جو ملامت کے راستہ پر چلتے تھے۔]

وفات:

شیخ اسماعیل لاہوری کی وفات ۴۴۸ھ مطابق ۵۷-۱۰۵۶ء میں ہوئی [3]۔ آپ کا سن وفات لفظ مہتاب سے نکلتا ہے، اور خزینۃ الاصفیاء میں بھی درج ذیل قطعہ کے ذریعہ تاریخ وفات بیان کی گئی ہے:

"شیخ دنیا و دیں امام زماں : سید دیں فقیہ اسماعیل
سال وصلش "فقیر محبوب" است : نیز "میر وجیہہ اسماعیل" [4]

[دنیا و دین کے شیخ، امام زمانہ، دین کے سردار فقیہ اسماعیل، ان کے وصال کا سال "فقیر محبوب" ہے۔ نیز "میر وجیہہ اسماعیل" بھی ہے۔]

---

۱) سید ہاشمی فرید آبادی، ماثر لاہور: ۲/ ۱۰، ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ لاہور، پاکستان، طبع اول ۱۹۵۶ء۔
(لیکن ان شیخ اسماعیل لاہوری کو محمد اقبال مجددی نے الگ شمار کیا ہے، اور لکھا ہے کہ ان کے لاہور آنے کا کوئی معاصر ثبوت موجود نہیں۔) [تذکرہ علماء و مشائخ پاکستان و ہند: ۱/۱۹]

۲) ہجویری، علی بن عثمان معروف بہ داتا گنج بخش، کشف المحجوب: ۱۸۱، دار النوادر لاہور، پاکستان، طباعت اول ۱۴۳۵ھ = ۲۰۱۴ء۔

۳) غلام سرور لاہوری، حدیقۃ الاولیاء: ۱۷۹، تحقیق و تعلیق: محمد اقبال مجددی، اسلامک بک فاؤنڈیشن سمن آباد، لاہور، پاکستان، سن اشاعت جدید: ۱۳۹۶ھ = ۱۹۷۶ء۔ محمد وارث کامل، تذکرہ اولیائے لاہور: ۶۹ - ۷۰، مکتبہ ماحول بہادر شاہ مارکیٹ، بندر روڈ کراچی، پاکستان، طبع اول، جون ۱۹۶۳ء۔ قاضی اطہر مبارک پوری، ہندوستان میں علم حدیث کی اشاعت: ۳۹، ترتیب: محمد صادق مبارک پوری، مکتبہ الفہیم مئوناتھ بھنجن، اشاعت اول: نومبر ۲۰۰۶ء۔ تذکرہ صوفیائے پنجاب: ۳۰ - ۳۱۔ مقالات سلیمان: ۲/ ۵۔ ماثر لاہور: ۲/ ۹ - ۱۱۔ محمد اقبال مجددی، تذکرہ علماء و مشائخ پاکستان و ہند: ۱/ ۱۸، لاہور، پروگریسو بکس ۲۰۱۳ء۔ برصغیر ہند و پاک میں علم حدیث: ۳۳۔

۴) خزینۃ الاصفیاء: ۲/ ۲۳۰۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

فصل سوم: ممتاز کثیر التصانیف محدثین

پانچویں صدی ہجری کے اوائل میں جبکہ خلافت عباسیہ میں کمزوری واقع ہونے کی وجہ سے پایۂ تخت بغداد سے دور دراز علاقوں کے حاکم خود مختار ہو گئے تو غزنوی بادشاہوں نے ہندوستان کا رخ کیا اور ان کے بعد غوری سلاطین جو کہ حدودِ کابل میں غزنہ سے قریب غور نامی ایک پہاڑی کے ارد گرد آباد تھے، غزنوی خاندان کمزور ہونے کے بعد ہندوستان کے تخت پر جلوہ افروز ہوئے۔

اس دور میں جن محدثین کرام نے علم حدیث کو مشغلۂ حیات بنایا ان کی ایک طویل فہرست ہے؛ جن میں امام حسن صغانیؒ، شیخ علی متقیؒ اور طاہر پٹنیؒ کو اس وجہ سے بطورِ خاص ذکر کیا جاتا ہے کیوں کہ ان حضرات کو حدیث کی نشر و اشاعت اور درس و تدریس میں جو مقام حاصل ہوا وہ ان سے قبل کسی اور کے حصہ میں نہ آسکا۔

امام حسن صغانیؒ کا پیدائشی تعلق اگرچہ موجودہ پاکستان کے مشہور شہر لاہور سے تھا؛ لیکن انہوں نے اپنی تمام تر خدمات ہندوستان سے باہر عربی ممالک میں سر انجام دیں۔ آپؒ نے محدث کی حیثیت سے ہی نہیں؛ بلکہ ایک لغوی کی حیثیت سے بھی ہندوستان کا نام روشن کیا۔

شیخ علی متقیؒ کا پیدائشی تعلق بھی ہندوستان کے ایک مشہور شہر برہان پور سے تھا۔ لیکن آپ نے بھی امام صغانیؒ کی طرح بیرونِ ہند میں ہی اپنے فیوض جاری فرمائے اور ایک طویل عرصہ تک بلدِ حرام مکۃ المکرمہ میں رہ کر درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔

مذکورہ بالا دونوں حضرات کے بر خلاف محدث طاہر پٹنیؒ نے ہندوستان میں ہی صوبہ گجرات کے مشہور شہر پٹن کو اپنی علمی توجہات کا مرکز بنایا اور ہندوستانی عوام کو ہی بدعات کے قلع قمع اور سنتِ نبوی ﷺ کے اتباع کی تلقین کرتے رہے۔

ان کے علاوہ جن دیگر حضرات نے اس دور میں حدیثی خدمات انجام دیں ان کو وہ شہرت و مقبولیت حاصل نہ ہو سکی جو ان تینوں کے حصہ میں آئی۔ اس لئے ان ہی حضرات کا ذکر قدرِ تفصیل کے ساتھ آئندہ صفحات میں مذکور ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

امام حسن الصغانیؒ

نام ونسب:

شیخ، علامہ، محدث، امام اللغۃ، رضی الدین، ابو الفضائل الحسن بن محمد بن الحسن بن حیدر بن علی بن اسماعیل القرشی، العدوی، الصغانی۔ (۱)

مختصر حالات زندگی:

امام صغانیؒ کی پیدائش ملک خسرو شاہ غزنوی کے دور حکومت میں بروز جمعرات، ۱۰ یا ۱۵ ار صفر ۵۷۷ھ کو لاہور میں ہوئی۔ (۲)

ان کی تاریخ پیدائش اور مقام پیدائش کے بارے میں سخت اختلاف ہے؛ لیکن یہ بات تحقیقی ہے کہ آپ غزنوی بادشاہ ملک خسرو شاہ کے دور حکومت یعنی ۵۵۵ھ مطابق ۱۱۶۰ء تا ۵۸۲ھ مطابق ۱۱۸۶ء میں پیدا ہوئے۔

مقام پیدائش کے بارے میں اختلاف یہ ہے کہ وہ لاہور میں پیدا ہوئے یا بداؤں میں، اور اس کی بنیاد شیخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی وہ عبارت ہے جس کو انہوں نے "فوائد الفواد" میں ذکر کیا ہے کہ:

"او از بداؤں بود۔" (۳)

لیکن بعد کے محققین اور مقالہ نگاروں نے اس کی مدلل تردید کی ہے، مثلاً عبد الحلیم چشتی نے اپنے ایک طویل مقالہ میں اس شبہ کا ازالہ کر دیا ہے کہ امام صغانی بداؤں میں پیدا ہوئے یا لاہور میں۔ (۱) پھر علامہ شمس الدین

---

۱) سير أعلام النبلاء: ۲۳/۲۸۲-۲۸۳ [رقم الترجمة: ۱۹۱]

۲) اللكنوي، أبو الحسنات محمد عبد الحي بن محمد عبد حليم الأنصاري، الفوائد البهية في تراجم الحنفية: ۶۳، تصحيح وتعليق: محمد بدر الدين النعاني، دار الكتاب الإسلامية القاهرة. أبو مخرمة، أبو عبد الله الطيب بن عبد الله بن أحمد، تاريخ ثغر عدن [وتراجم علمائها]: ۸۵ [رقم الترجمة: ۸۰]، تحقيق: علي حسن علي عبد الحميد الحلبي، دار الجيل، بيروت، الطبعة الثانية: ۱۴۰۸ھ=۱۹۸۷م. القرشي، أبو محمد عبد القادر بن محمد بن محمد بن نصر الله الحنفي، الجواهر المضية في طبقات الحنفية: ۲/۸۳ [رقم الترجمة: ۴۷۵]، تحقيق: عبد الفتاح محمد الحلو، هجر للطباعة والنشر. الأعلام للزركلي: ۲/۲۱۴. نزهة الخواطر: ۱/۹۱. سير أعلام النبلاء: ۲۳/۲۸۳. النجوم الزاهرة: ۷/۲۶.

۳) نظام الدین اولیاء، محمد بن احمد بن علی، فوائد الفواد: ۱۰۳، مطبع نولکشور، طبع سوم ۱۳۱۲ھ۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ذہبیؒ جو امام صغانی کے، حافظ الحدیث دمیاطیؒ کے واسطہ سے شاگرد ہیں اور بذاتِ خود بھی ایک مشہور مورخ اور ناقدِ رجال ہیں ان کا بیان ہے کہ:

"ولد بمدينة لاهور في عاشر صفر سنة سبع وسبعين وخمسمائة ونشأ بغزنة." (۲)

[وہ شہر لاہور میں ۱۰ ر صفر ۵۷۷ھ کو پیدا ہوئے اور غزنہ میں پلے بڑھے۔]

امام ذہبیؒ اپنی دوسری کتاب سیر اعلام النبلاء میں رقم طراز ہیں:

"ولد بلهور في سنة سبع وسبعين وخمس مائة." (۳)

[وہ لاہور میں ۵۷۷ھ میں پیدا ہوئے]

ان وجوہات کی بنا پر اس بات میں کوئی اشتباہ نہیں رہتا کہ امام صغانی بداؤں میں نہیں؛ بلکہ لاہور میں پیدا ہوئے تھے۔

امام صغانی کی ولادت کے وقت غزنویوں کی سلطنت کمزور پڑ چکی تھی اور چند ہی سال بعد غوریوں کا زور اقتدار شروع ہو گیا؛ اس وجہ سے امام صغانی اپنے آباؤ اجداد کے ہمراہ زمانہ طفولیت میں ہی غزنہ چلے آئے، اور یہیں نشو نما پائی۔

امام صغانی کا خاندان چوں کہ ابتداءِ اسلام سے ہی علم دوست رہا تھا اور خود ان کے والد بزرگوار ایک بڑے عالم تھے؛ اس لئے امام صغانی نے عربی زبان و ادب کی ابتدائی تعلیم ان ہی سے حاصل کی، اور اس کے بعد غزنہ کے دوسرے علماء کبار سے علمی استفادہ کیا۔

غزنہ کے علماء سے حدیث اور فقہ کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد امام صغانی نے بہت سے علمی اسفار کیے جن کا مقصد صرف علمی افادہ و استفادہ تھا؛ مثلاً آپ نے مکہ، عدن، ہند اور بغداد وغیرہ کے اسفار صرف حصولِ تعلیم کی خاطر کیے۔

---

۱) عبد الحلیم چشتی، پاکستان کا ایک محقق، لغوی اور نامور محدث: حسن بن محمد الصغانی اللاہوری: ۱۶۔۳۰، ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ، جنوری ۱۹۵۹ء۔

۲) تاريخ الإسلام للذهبي: ٤٧/٤٤٤.

۳) سير أعلام النبلاء: ٢٣/٢٨٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

ان اسفارِ علمیہ کے بعد ۶۱۵ھ میں جب وہ بغداد لوٹے تو اس وقت کے عباسی خلیفہ ناصر لدین اللہ نے ان کو خلعت سے نوازا اور بادشاہ ہند سلطان التمش کے دربار میں سفیر بنا کر بھیجا۔[۱] ۶۲۴ھ تک وہ ہندوستان میں ہی رہے پھر حج کیا اور وہاں سے یمن چلے گئے۔[۲]

لیکن جب یمن سے واپس بغداد آئے تو عباسی خلیفہ مستنصر باللہ نے ان کو دوبارہ ملکہ ہند سلطانہ رضیہ کے دربار میں بحیثیت سفیر بھیجا، مگر اس بار وہ زیادہ دن ہندوستان میں نہیں ٹھہرے اور ۶۳۷ھ میں بغداد واپس آ گئے۔[۳]

وفات:

امام صغانیؒ نے ۷۳ سال کی عمر میں بروز جمعہ ۱۹، شعبان، ۶۵۰ھ مطابق ۱۲۵۲ء کو بغداد میں وفات پائی اور اپنے مکان میں ہی دفن کیے گئے جو بغداد کے ایک محلہ حریم الطاہر میں واقع تھا، پھر بعد میں ان کی وصیت کے مطابق نعش کو مکہ معظمہ لایا گیا اور وہیں سپرد خاک کیا گیا۔[۴]

شیوخ:

۱) محمد بن حسن: امام صغانیؒ نے سب سے پہلے اپنے والد ماجد محمد بن حسنؒ سے تعلیم حاصل کی جو اپنے وقت کے ایک بلند پایہ عالم تھے۔[۵]

۲) ابو حفص عمر بن علی: ابو حفص عمر بن علی بن ابی بکر بن عبد الجلیل المرغینانی، ابن صاحب الہدایہ، ان سے امام صغانی نے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ مولانا عبید اللہ سندھی ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

"حسن الصاغاني الهندي الحافظ عن أبي حفص عمر المرغناني عن أبيه شيخ الإسلام علي بن أبي بكر المرغيناني."[۶]

[حافظ حسن صاغانی ہندی نے روایت کی ہے ابو حفص عمر المرغینانی سے، اور انہوں نے اپنے والد شیخ الاسلام علی بن ابی بکر مرغینانی سے۔]

۱) نزهة الخواطر: ۹۱/۱ [رقم الترجمة: ۲۵].

۲) نزهة الخواطر: ۹۱/۱.

۳) تاريخ الإسلام للذهبي: ۴۴۴/۴۷.

۴) سير أعلام النبلاء: ۲۸۴/۲۳.

۵) الفوائد البهية في تراجم الحنفية: ۶۳. نزهة الخواطر: ۹۱/۱.

۶) السندي، عبيد الله، التمهيد لتعريف أئمة التجديد: ۲۰۹، تحقيق وتعليق: أبو سعيد غلام مصطفى القاسمي السندي، لجنة إحياء الأدب السندي بجام شورو والسند، الطبعة الأولى ۱۳۹۶ھ-۱۹۷۶م.

toobaa-elibrary.blogspot.com

۳) نظام الدین المرغینانی: نظام الدین محمد بن حسین المرغینانیؒ، ان سے حدیث سنی اور فقہ کی تعلیم بھی حاصل کی۔[۱]

۴) ابو منصور الرزاز: ابو منصور سعید بن محمد بن الرزاز، مفتی بغداد (متوفی ۶۱۶ھ)، ان سے بغداد میں حدیث کی تعلیم لی۔[۲]

۵) قاضی سعد الدین: قاضی سعد الدین بن خلف بن محمد الکردی، الحسن آبادیؒ۔[۳]

۶) برہان الدین نصر بن ابو الفرج: امام برہان الدین ابو الفتوح نصر بن ابو الفرج محمد بن علی البغدادی، الحنبلیؒ، نزیل مکہ، امام الحطیم (متوفی ۶۱۹ھ)،[۴] ان سے مکہ میں بئر بضاعہ کی حدیث سنی۔ جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں:

"كنت سمعت هذا الحديث بمكة -حرسها الله تعالى- وقت سماعي سنن أبي داود، فلما تشرف بزيارة النبي ﷺ -وذلك في سنة خمس وستمائة- دخلت البستان الذي فيه بئر بضاعة، وقدرت قطر رأس البئر بعمامتي، فكان كما قال أبو داود.[۵]

[میں نے یہ حدیث مکہ -اللہ اس کی حفاظت کرے- میں اپنے سنن ابو داود کی سماعت کے وقت سنی تھی، پھر جب میں نبی ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا -اور یہ ۶۰۵ھ کا واقعہ ہے- میں اس باغ میں گیا جہاں بئر بضاعہ ہے، اور میں نے اپنے عمامہ سے کنویں کے سر کو ناپا تو وہ ایسا ہی ہے جیسا ابو داود نے کہا ہے۔]

۷) ابراہیم بن احمد: قاضی ابراہیم بن احمد بن ابو سالم بن القریضی، امام صغانی نے ان سے حدیث سنی اور انہوں نے آپ سے "الخطب النباتیہ" کی سند اخذ کی۔[۶] جو کہ ابن نباتہ، عبدالرحیم بن محمد بن اسماعیلؒ (۳۳۵ھ تا ۳۷۴ھ) کے ادبی خطبات کا مجموعہ ہے۔[۱]

---

۱) السيوطي، جلال الدين عبد الرحمن بن أبي بكر، بغية الوعاة: ۵۱۹/۱، تحقيق: محمد أبو الفضل إبراهيم، مطبعة عيسى البابي الحلبي وشركاه، مصر، ۱۳۸۴ھ=۱۹۶۴م.

۲) تاريخ الإسلام للذهبي: ۴۴۵/۴۷. سير أعلام النبلاء: ۲۸۳/۲۳.

۳) تاريخ الإسلام للذهبي: ۴۴۴/۴۷. سير أعلام النبلاء: ۲۸۳/۲۳.

۴) تذكرة الحفاظ: ۱۳۸۲/۴-۱۳۸۳. سير أعلام النبلاء: ۲۸۳/۲۳.

۵) الزبيدي، سيد محمد مرتضى الحسيني، تاج العروس من جواهر القاموس: ۳۴۰/۲۰، تحقيق: عبد الستار أحمد فراج، لجنة التراث العربي حكومة الكويت، ۱۳۸۵ھ=۱۹۶۵م.

۶) الصغاني، رضي الدين الحسن بن محمد، العباب الزاخر واللباب الفاخر: ۱/م ق ۱۹، تحقيق: تير محمد حسن، مطبعة المجمع العلمي العراقي، الطبعة الأولى ۱۳۹۸ھ=۱۹۷۸م.

T-11E/18

toobaa-elibrary.blogspot.com

۸) بطال الرکبی : ابو عبداللہ محمد بن احمد بن سلیمان بن بطال الرکبی ۔[۲] ان کو رکبی، رکب نامی ایک بڑے قبیلہ کی جانب منسوب کر کے کہا جاتا ہے؛ جو کہ یمن میں مختلف مقامات پر آباد ہے۔ تاریخ ثغر عدن کے مصنف ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

"واجتمع به الإمام الحسن بن محمد الصغاني، فأخذ كل منهما عن الآخر." [۳]

[اور امام حسن بن محمد الصغانی نے ان سے ملاقات کی، پھر دونوں نے ایک دوسرے سے اخذ واستفادہ کیا۔]

یہ چند وہ نام تھے جو کہ مشہور و معروف تھے؛ ورنہ امام صغانی نے یمن، عراق اور ہندوستان میں نہ جانے کتنے علماء و فضلاء اور صوفیاء کرام سے ظاہری و باطنی استفادہ کیا ہے۔

تلامذہ:

جیسے امام صغانی کے اساتذہ بہت ہیں اسی طرح ان کے تلامذہ کی بھی ایک کثیر تعداد ہے؛ جن کا احاطہ کرنا ناممکن عمل ہے؛ کیوں کہ وہ جہاں بھی گئے وہاں کی ایک بڑی تعداد نے ان سے علمی استفادہ کیا، انہوں نے بذات خود بھی ہند و سندھ اور عراق و یمن وغیرہ ممالک میں آخر عمر تک علم کی نشر و اشاعت کی اور علمی مجالس میں شرکت کے شوقین حضرات نے بھی دور دراز کے اسفار کی مشقتیں برداشت کر کے ان سے علمی استفادہ کیا۔ جن حضرات نے آپ سے علمی استفادہ کیا ان میں سے چند مشہور و معروف شخصیات درج ذیل ہیں۔

۱) حافظ دمیاطی : مؤرخین لکھتے ہیں کہ امام صغانی کو فخر کرنے کے لئے یہی کافی ہے کہ ان کے شاگردوں میں سے ایک الحافظ، شیخ المحدثین، شرف الدین ابو محمد عبد المؤمن بن خلف بن ابو الحسن التونی، الدمیاطی تھے۔

ولادت : ۶۱۳ھ۔

وفات : ۷۰۵ھ۔[۴]

---

۱) إسماعيل باشا البابانى، إسماعيل بن محمد أمين بن مير سليم البغدادي، هدية العارفين، أسماء المؤلفين وآثار المصنفين: ۵۵۹/۱، دار احياء التراث العربي بيروت، لبنان ۱۹۵۱م.

۲) كحالة، عمر رضا، معجم المؤلفين [تراجم مصنفي الكتب العربية]: ۶/۹، دار احياء التراث العربي بيروت، لبنان ۱۳۷۶ھ-۱۹۵۷م.

۳) تاريخ ثغر عدن: ۲۳۱-۲۳۲.

۴) تذكرة الحفاظ: ۱۴۷۷/۴-۱۴۷۹ [رقم الترجمة: ۱۱۶۶].

toobaa-elibrary.blogspot.com

۲) ابن الفوطی : المحدث کمال الدین ابو الفضائل عبد الرزاق ابن احمد بن محمد بن ابو المعالی الشیبانی، ابن الفوطی۔

ولادت : محرم، ۶۴۲ھ۔ وفات : محرم، ۷۲۳ھ۔ (۱)

جیسا کہ ابن الفوطی خود رقم طراز ہیں:

"أجاز لي جميع رواياته ومصنفاته." (٢)

[انہوں نے مجھے اپنی تمام روایات و مصنفات کی اجازت دی ہے۔]

۳) محمد بن الوزیر : عز الدین محمد بن الوزیر مؤید الدین محمد بن العلقمی، وفات: ۶۵۷ھ۔ ان کے بارے میں ابن الفوطی فرماتے ہیں:

"وكان يتردد إلى دار الوزير يشغل ولده عز الدين في الأدب." (٣)

[اور وہ وزیر کے لڑکے عز الدین کو عربی ادب سکھانے کی وجہ سے اس کے گھر آتے جاتے رہتے تھے۔]

۴) محمد بن الحسن : محمد بن الحسن بن محمد بن الحسن بن حیدر بن علی بن اسماعیل ابو السعادات بن ابو الفضل، القرشیؒ۔ جیسا کہ ان کے بارے میں الجواہر المضیہ میں مذکور ہے:

"تقدم والده الحسن أخذ عنه، انتفع به" (٤)

[انہوں نے اپنے والد کے سامنے زانوائے تلمذ تہہ کیا اور ان سے اخذ واستفادہ کیا۔]

۵) محمود الأعسر : محمد بن عمر بن محمد بن ابی بکر بن عبد الواسع بن علی بن ابو القاسم الہروی، العجمی، ابو عبد اللہ الصالحی، معروف بہ محمود الأعسر، (وفات: ۷۱۴ھ)۔ انہوں نے امام صغانیؒ سے "مشارق الانوار" سنی تھی۔ جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ تحریر فرماتے ہیں:

"أجاز له الصغاني اللغوي." (١)

---

۱) تذكرة الحفاظ: ١٤٩٣/٤ [رقم الترجمة: ١١٧٣].

۲) ناجي معروف: تاريخ علماء المستنصرية: ١٧٤، مطبعة العاني، بغداد، الطبعة الأولى ١٣٧٩هـ-١٩٥٩م.

۳) ابن الفوطي، كمال الدين أبو الفضل عبد الرزاق بن أحمد الشيباني البغدادي، الحوادث الجامعة والتجارب النافعة في المائة السابعة: ٢٠٤، تحقيق: مهدي النجم، دار الكتب العلمية بيروت، لبنان، الطبعة الأولى ١٤٢٤هـ-٢٠٠٢م.

۴) الجواهر المضية: ١٢٩/٣ [رقم الترجمة: ١٢٧٢].

toobaa-elibrary.blogspot.com

[امام صغانی لغویؒ نے ان کو اجازت مرحمت فرمائی تھی۔]

۶) ابن البدیع الکرپتی : عفیف الدین ابو عبد اللہ بن جعفر ، (وفات: ۶۵۶ھ)۔ ان کے بارے میں نامی معروف لکھتے ہیں:

"قرأ على الشيخ رضي الدين الحسن بن محمد الصغاني." (۲)

[انہوں نے شیخ رضي الدين الحسن بن محمد الصغانی کے سامنے پڑھا ہے۔]

۷) ابن الصباغ الاسدی : صالح بن عبد اللہ بن علی بن صالح الاسدی، الکوفی، الحنفی الملقب محي الدين ابن الشیخ تقي الدين۔ (ولادت: ۶۳۹ھ، وفات ۷۲۸ھ)۔ انہوں نے امام صغانیؒ سے ۶۵۰ھ میں اجازت حدیث حاصل کی تھی۔ جیسا کہ تاریخ علماء المستنصریہ میں مذکور ہے:

"روى عن الشيخ رضي الدين الحسن بن محمد الصغاني العدوي إجازته، أجاز له في سنة ٦٥٠هـ." (۳)

[انہوں نے شیخ رضي الدين الحسن بن محمد الصغانی العدوی سے اپنی اجازت کو بیان کیا ہے، امام صغانیؒ نے ان کو ۶۵۰ھ ہجری میں اجازت مرحمت فرمائی تھی۔]

۸) ابو الربیع سلیمان ابن الفقیہ : ابو الربیع سلیمان ابن الفقیہ بطال محمد بن احمد بن محمد بن سلیمان بن بطال الرکبی۔ (۴)

۹) محمد بن حسن : محمد بن حسن بن علی التمیمی الفارسی، وفات: ۶۷۶ھ۔ انہوں نے امام صغانیؒ سے لغت پڑھی تھی، جیسا کہ ثغر عدن کی تاریخ کے مصنف لکھتے ہیں:

"أخذ عن الصغاني اللغة." (۵)

[انہوں نے صغانی سے لغت حاصل کی]

---

۱) ابن الحجر، شهاب الدين أحمد بن علي بن محمد العسقلاني، الدرر الكامنة في أعيان المائة الثامنة: ۴/۱۱۴ [رقم الترجمة: ۳۱۲]، تحقيق: محمد عبد المعيد خان، دائرة المعارف العثمانية حيدر آباد، الهند، الطبعة الثانية: ۱۳۹۲هـ=۱۹۷۲م.

۲) تاريخ علماء المستنصرية: ۱۷۴.

۳) تاريخ علماء المستنصرية: ۳۱۴.

۴) تاريخ ثغر عدن: ۲۳۱-۲۳۲.

۵) تاريخ ثغر عدن: ۲۴۰.

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱۰) ادیب عبد القاہر : ادیب موفق الدین عبد القاہر بن محمد بن علی بن عبد العزیز القوطی، البغدادی، وفات: ۶۵۶ھ۔ ان کے متعلق قاضی اطہر مبارکپوری لکھتے ہیں:

"وكان ممن قرأ عليه الأدب." (۱)

[اور یہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے ان (امام صغانی) سے ادب پڑھا ہے۔]

۱۱) برہان الدین بلخی : برہان الدین محمود بن ابو الخیر اسعد البلخی، وفات: ۶۸۶ھ مطابق ۱۲۸۸ء۔ جیسا کہ رجال السند والہند میں مرقوم ہے:

"وقد أخذ عنه... الشيخ برهان الدين محمود بن أبي الخير أسعد البلخي شارح آثار النيرين في أخبار الصحيحين." (۲)

[اور ان سے ـــــ آثار النیرین فی اخبار الصحیحین کے شارح شیخ برہان الدین محمود بن ابی الخیر اسعد البلخی نے اخذ و استفادہ کیا ہے۔]

کتب امام صغانیؒ:

امام صغانیؒ نے حدیث ہی نہیں بلکہ لغت، فقہ اور تصوف جیسے اہم موضوعات پر بھی اہم اور قیمتی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ آپؒ نے جو کتابیں بطور یادگار چھوڑیں ان کو فنی اعتبار سے "لغت، حدیث، فقہ، علوم القرآن، وفیات اور تصوف" جیسی چھ قسموں پر تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ان تمام کتب کا تعارف حسب ذیل ہے۔

کتب لغت:

۱) كتاب أسماء الأسد: یہ کتاب ابھی تک مخطوط کی شکل میں موجود ہے، اور اس کا صرف ایک مخطوطہ مکتبہ تیموریہ، قاہرہ میں موجود ہے۔ (۳)

---

۱) المباركفوري، أبو المعالي القاضي أطهر، رجال السند والهند إلى القرن السابع: ۱۰۰، كتليري بازار بمبئي، ۱۳۷۷ھ=۱۹۵۸م.

۲) رجال السند والهند: ۱۰۲.

۳) حاجي خليفة، مصطفى بن عبد الله، كاتب جلبي، كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون: ۸۶/۱، تحقيق وتعليق: محمد شرف الدين ورفعت بيلكه، دار احياء التراث العربي بيروت، لبنان ۱۳۶۰ھ=۱۹۴۱م. الصغاني، رضي الدين أبو الفضائل الحسن بن محمد بن الحسن، كتاب الفعال: مقدمة، ر، تحقيق: أحمد خان، مجمع البحوث الإسلامية اسلام آباد، باكستان، الطبعة الأولى ۱۹۷۷م. مقدمة العباب: ۱/م ل ۳۵. اصلاحی، ضیاء الدین، تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۳۵، دار المصنفین، شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ، الہند، ۲۰۱۳ء۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۲) کتاب الأضداد: امام صغانی اس کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"هذا كتاب جمعت فيه ما تفرق من الكتب المصنفة في الأضداد من عهد قطرب محمد بن المستنير إلى زمان إمام أئمة الهدى وعلم التقى أبي جعفر المنصور المستنصر بالله أمير المؤمنين." [۱]

[یہ ایسی کتاب ہے جس میں میں نے ان تمام متفرق کتابوں سے اشیاء کو جمع کر دیا ہے جو قطرب محمد بن المستنیر کے عہد سے امام الہدیٰ امیر المومنین ابو جعفر المنصور المستنصر باللہ کے زمانے تک علم اضداد میں تصنیف ہوئیں۔]

اور امام احمد خاں رقم طراز ہیں:

"قد أخرجه الدكتور أوغست هفنر سنة ۱۹۰۳م، بيروت" [۲]

[۱۹۰۳ء میں ڈاکٹر اوغست ہفنر نے اس کو بیروت سے شائع کیا ہے۔]

۳) کتاب انفعال: اس کتاب میں امام صغانیؒ نے انفعال کے وزن پر آنے والے صیغوں کو بیان کیا ہے۔ یہ کتاب استاذ احمد خاں کی تحقیق کے ساتھ مجمع البحوث الاسلامیہ سے شائع ہو چکی ہے۔ جو محقق کے مقدمہ کے علاوہ ۹۸ صفحات پر مشتمل ہے۔

اس کتاب میں امام صغانیؒ نے ۳۴۷ کلمات کا تذکرہ کیا ہے اور یہ تمام کلمات صرف باب ثلاثی مجرد سے ہیں، کتاب کی ترتیب حروف معجم کے اواخر پر ہے، اس میں سب سے پہلے صحیح پھر مضاعف پھر اجوف پھر ناقص پھر لفیف اور سب سے آخر میں مہموز کے صیغوں کو بیان کیا گیا ہے۔

استاذ احمد خاں نے اس کے دو مخطوطوں کی تحقیق کے بعد اس کو شائع کیا ہے؛ جو کہ یہ ہیں:

آ۔ خزانہ شہید علی پاشا، استنبول، رقم: ۲۹۱۷

ب۔ دار الکتاب المصریہ، قاہرہ، رقم: ۲۱۴ لغۃ۔ [۳]

۴) کتاب التراکیب: اس کا ذکر بہت سے مصنفین نے کیا ہے۔[۱] احمد خان نے اس کا نام "کتاب التراکیب مجمع البحرین" ذکر کیا ہے۔[۲]

---

۱) مقدمة العباب: ۹/م ق ۳۶

۲) مقدمة انفعال: ۳/ ۵۰.

۳) مقدمة انفعال: ط

toobaa-elibrary.blogspot.com

۵) التکملة والذیل والصلة: یہ کتاب جوہری کی صحاح کا تکملہ ہے، اس میں امام صغانیؒ نے نہ صرف ان مادوں اور الفاظ کا ذکر کیا ہے جو جوہری کی صحاح میں نہیں پائے جاتے؛ بلکہ ان اوہام و اغلاط اور تصحیف و تحریف پر بھی کلام کیا ہے جو امام جوہری سے کلمات، اعلام، اسماء اور جگہوں کے ناموں کو ذکر کرنے میں ہو گئے تھے۔ ساتھ ہی اس تکملہ میں موصوف نے احادیث کے مصادر و مراجع اور اشعار کی نسبتوں کی بھی تصحیح کی ہے۔[۳]

یہ کتاب چند اساتذہ کی تحقیق کے ساتھ مطبع دار الکتب، القاہرہ سے ۶ رجلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔

۶) تعزیز بیتی الحریری: یہ اولاً حیدرآباد، دکن، الہند سے شائع ہوئی تھی اور پھر اس کو ہلال ناجی کی تحقیق کے ساتھ ۱۹۸۰ء میں بغداد سے " مجلہ المجمع العلمی العراقی " میں شائع کیا گیا۔[۴] اس کا ایک نسخہ برلن میں موجود ہے۔[۵]

۷) حاشیة ذیل الصحاح فی اللغة: جب امام صغانی ذیل الصحاح یعنی مجمع البحرین کی تصنیف سے فارغ ہوئے تو ان کو یہ خیال آیا کہ تکملہ میں بہت سے کلمات ایسے ہیں جو شرح طلب ہیں، اسی طرح بہت سے اشعار کی نسبت صحیح نہیں ہے؛ تو انہوں نے ان تمام امور کی وجہ سے حواشی لکھے اور اس کی طرف رمز "ح" سے اشارہ کیا۔ اس کا ایک مخطوطہ مکتبہ طور خاں سلطان (استنبول) میں رقم: ۱۴۳۰ھ کے تحت موجود ہے۔[۶]

۸) کتاب خلق الإنسان: اس کتاب کا ایک نسخہ مکتبہ داماد زادہ (استنبول) میں موجود ہے، جس کا اندراج نمبر ہے: ۱۷۸۹ / ۱۰۔[۷]

۹) الشوارد فی اللغة: آزاد بلگرامی وغیرہ نے اس کا نام "الشوارد فی اللغات" لکھا ہے۔[۱] جبکہ الفوائد البہیہ میں اس کا نام "الشوارد فی اللغة" ہے۔[۲] اس کا ایک قلمی نسخہ مکتبہ داماد زادہ (استنبول) میں، رقم:

---

۱) تاج العروس: ۳۵/۸-۳۰، مادہ: ص غ ن.

۲) مقدمة العباب: ص.

۳) العباب الزاخر: م ق ۳۲-۳۳.

۴) مجلة المجمع العلمي العراقي، بغداد: جلد ۲/من المجلد ۳۱، ۱۹۸۰ عیسوی

۵) الصغاني، أبو الفضائل الحسن بن محمد بن حسن، كتاب يفعول: ۷، تحقيق: حسن حسني عبد الوهاب، مطبعة العرب، تونس، ۱۳٤۳هـ.

۶) مقدمة تحقيق العباب. ص.

۷) مقدمة العباب: م ق ۳٦. كتاب العباب: ص ر.

toobaa-elibrary.blogspot.com

۴۸۱۹ر کے تحت اور دوسرا نسخہ دار الکتب المصریہ میں "ماتفرد به بعض أئمة اللغة" کے عنوان سے موجود ہے، جس کا نمبر ہے: ۳۱۸ر لغۃ، اس کی ایک فوٹو کاپی مجمع بحوث الاسلامیہ اسلام آباد، پاکستان میں ہے۔

یہ کتاب ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۹۸۳ء میں مصطفی حجازی کی تحقیق کے ساتھ الهيئة العامة لشئون المطابع الأميرية (قاهرة) سے شائع ہوئی ہے۔[۳]

۱۰) کتاب الفروض: یہ کتاب شائع نہیں ہوئی ہے اور اس کا صرف ایک نسخہ مکتبہ برلن میں موجود ہے، جس کا فہرست نمبر ہے: ۷۱۲۷ ہے۔[۴] اس کتاب کا ذکر صاحب تاج العروس نے مادہ س م ط ن کے تحت کیا ہے۔[۵]

۱۱) العباب الزاخر واللباب الفاخر: یہ امام صغانیؒ کی آخری کتاب ہے جس کو ائمہ لغت نے انتہائی قیمتی اور ممتاز بتایا ہے، اس کتاب کے بارے میں امام سیوطیؒ فرماتے ہیں:

"وأعظم كتابا ألف في اللغة بعد عصر الصحاح، كتاب المحكم والمحيط الأعظم لأبي الحسن علي بن سيدة الأندلسي الضرير، المتوفي ۴۵۸ھ ثم كتاب العباب للرضي الصغاني." [۶]

[زمانہ صحاح کے بعد کتب لغت میں تالیف کی گئی کتابوں میں سب سے اہم کتاب ابو الحسن علی بن سیدہ الاندلسی الضریر المتوفی ۴۵۸ھ کی کتاب "المحكم والمحيط الأعظم" ہے اور پھر الرضی الصغانیؒ کی "کتاب العباب" ہے۔]

ابن ابو مخرمہ فرماتے ہیں: "وله كتاب العباب الذي لم يصنف مثله في اللغة." [۷]

---

۱) البلكرامي، غلام علي آزاد الحسيني، سبحة المرجان في آثار هندوستان: ۷۵، تحقيق: محمد سعيد الطريحي، دار الرافدين بيروت، لبنان، الطبعة الأولى ۲۰۱۵م. الجواهر المضية في طبقات الحنفية: ۸۳/۲. بغية الوعاة: ۵۲۰/۱. كشف الظنون: ۱۰۶۵/۲.

۲) الفوائد البهية: ۶۳.

۳) الصغاني، الحسن بن محمد بن الحسن، كتاب الشوارد: ۹، تحقيق: مصطفى حجازي، الهيئة العامة لشئون المطابع الأميرية، قاهرة، ۱۴۰۳ھ=۱۹۸۳م.

۴) العباب الزاخر: م ق ۳۶.

۵) تاج العروس: ۳۰۸/۳۵.

۶) السيوطي، جلال الدين عبد الرحمن بن أبي بكر، المزهر في علوم اللغة وأنواعها: ۱۰۰/۱۱، تحقيق: محمد أحمد، محمد أبو الفضل إبراهيم، علي محمد، منشورات المكتبة العصرية، بيروت ۱۹۸۶م.

۷) تاريخ ثغر عدن: ۵۴/۲.

toobaa-elibrary.blogspot.com

[ان کی کتاب "العباب" ہے اس جیسی کتاب لغت میں تصنیف نہیں ہوئی۔]

ابن الطقطقی لکھتے ہیں: "وهو كتاب عظيم كبير في لغة العرب." [1]

[یہ کتاب لغت عرب میں انتہائی اہم اور بڑی کتاب ہے۔]

اس کتاب کو امام صغانی نے مؤید الدین ابن العلقمی وزیر خلیفہ عباسی المستعصم باللہ کے لئے تصنیف کیا تھا، لیکن امام صغانی کی زندگی نے وفانہ کی اور اس کو مکمل نہیں کرپائے، اس کی صرف بیس جلدیں ہی لکھی جاسکی تھیں۔

اس کتاب کی ترتیب حروف معجم کے اواخر پر ہے اور آخری لفظ جو اس میں درج ہے وہ "کم" ہے، امام سیوطیؒ نے بغیۃ الوعاۃ میں اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک شعر نقل کیا ہے:

إن الصغاني الذي : حاز العلوم والحكم

كان قصاري أمره : أن إنتهى إلى ب"كم" [2]

یہ کتاب دکتور قیر محمد حسن کی تحقیق کے ساتھ ۱۳۹۸ھ مطابق ۱۹۷۸ء میں "مطبعة المجمع العلمي العراقي" سے شائع ہوئی ہے۔

۱۲) كتاب العادة في أسماء الغادة: اس میں امام صغانیؒ نے ۱۱۲/ اسماء کو ذکر کیا ہے، یہ کتاب ۱۹۸۰ء میں استاذ احمد خان کی تحقیق کے ساتھ مجمع البحوث الإسلامية، اسلام آباد، سے شائع ہوئی ہے، جو کہ ۱۸/ صفحات پر مشتمل ہے۔ اور محقق نے اس کا نام "أسماء الغادة في أسماء العادة" ذکر کیا ہے۔[3] تذکرۃ المحدثین میں اس کا نام اسماء الغادہ ذکر کیا ہے۔[4]

۱۳) کتاب فعال: اس کتاب میں امام صغانی نے ان کلمات اور افعال کو جمع کیا ہے جو "فَعَال" کے وزن پر آتے ہیں جیسے: قطام۔ یہ کتاب دکتور عزۃ حسن کی تحقیق وتعلیق کے ساتھ ۱۹۶۸ء میں مجمع اللغۃ العربیۃ (دمشق) سے شائع ہوئی ہے اور محقق نے اس کو "ما بنته العرب على فعال" کے نام سے شائع کیا ہے، کتاب کی

---

۱) ابن الطقطقي، محمد بن علي طباطبا الفخري، الآداب السلطانية والدول الإسلامية: ۳۳۷، دار صادر، بيروت.

۲) بغية الوعاة: ۱/ ۵۲۰. كشف الظنون: ۲/ ۱۱۲۲۔

۳) الصغاني، أبو الفضائل الحسن بن محمد بن الحسن، أسماء الغادة في أسماء العادة، تحقيق: أحمد خان، مجمع البحوث الإسلامية، اسلام آباد، ۱۹۸۰م.

۴) تذکرۃ المحدثین: ۲/ ۳۶۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ترتیب حروف تہجی پر ہے اور یہ مطبوعہ نسخہ ۲۰۰ر صفحات پر مشتمل ہے۔ [1] لیکن کتاب کے نام میں محقق محقق سے سہو ہوا ہے؛ کیوں کہ "شرف الدین عبد المؤمن ابن خلف الدمیاطی" نے اس کا نام "کتاب فعال" بتایا ہے، اور وہ امام صغانی کی کتب کے سب سے بڑے عالم تھے۔ [2]

۱۴) کتاب في التصريف. [3]

۱۵) كتاب في المفعول. [4]

۱۶) القلادة السمطية في توشيح الدريدية: بغیۃ الوعاۃ اور تاج العروس میں اس کا نام صرف "توشیح الدریدیة" لکھا ہے، [5] جبکہ مقدمہ العباب الزاخر، مقدمہ کتاب الفعال، مقدمہ کتاب یفعول اور تذکرۃ المحدثین میں "شرح القلادة السمطية فی توشيح الدريدية" مذکور ہے۔ [6]

۱۷) مجمع البحرین: یہ تقریباً ۱۲ر جلدوں پر محیط لغت کی ایک ضخیم کتاب ہے، جس میں مصنفؒ نے جوہری کی "الصحاح" اور اپنی "التكملة والذيل والصلة" کو جمع کر دیا ہے۔ اور اس پر مفید حواشی بھی تحریر فرمائے ہیں۔ صحاح کے لئے "ص" تکملہ کے لئے "ت" اور حواشی کے لئے "ح" کے رموز و اشارات کا استعمال کیا ہے۔ یہ کتاب ابھی تک مخطوطہ کی شکل میں ہے، اس کے نسخے دار الکتب المصریہ، مکتبہ کوبرلی استانہ اور تونس کے کچھ مکتبات میں پائے جاتے ہیں۔ [7]

اس کے مقدمہ میں امام صغانیؒ فرماتے ہیں:

"هذا كتاب جمعت فيه بين تاج اللغة وصحاح العربية تأليف أبي نصر إسماعيل بن حماد الجوهري رحمه الله وبين كتاب التكملة والذيل والصلة من تأليفي، وسردت ما ذكره الجوهري أولا على ما سرده وعلامته "ص" وأردفته ما ذكرته في التكملة وعلامته

---

۱) الصغاني، أبو الفضائل الحسن بن محمد الحسن، ما بنته العرب على فعال، تحقيق: عزة حسن، المجمع العلمي العربي، دمشق ۱۳۸۳ھ=۱۹۶۴م.

۲) مقدمة كتاب الفعال: ر.

۳) العباب الزاخر: م ق ۳٦.

٤) هدية العارفين أسماء المؤلفين وآثار المصنفين: ۱/۲۸۱.

٥) بغية الوعاة: ۱/۵۲۰. تاج العروس: ۳۵/۳۰۸.

٦) العباب الزاخر: م ق ۳٦، كتاب الفعال: مقدمة ش. كتاب يفعول: ۷. تذكرة المحدثين: ۳/ ٤٧.

۷) كتاب يفعول: ٦.

toobaa-elibrary.blogspot.com

"ت" ثم أردفتهما حاشية التكملة وعلامتها "ح"، وسميته كتاب مجمع البحرين، والله ولي التوفيق" (۱)

[اس کتاب میں میں نے ابو نصر اسماعیل بن حماد الجوہری کی "تاج اللغة وصحاح العربية" اور لیکن "التكملة والذيل والصلة" کو جمع کر دیا ہے، اور میں نے پہلے اسی کو بیان کیا ہے جس کو جوہری نے ذکر کیا ہے، انہی کے طریقہ سے اور اس کی علامت "ص" ہے، اور پھر وہ بیان کیا ہے جو میں نے "التكملة والذيل والصلة" میں بیان کیا ہے اور اس کی علامت "ت" ہے، پھر اس کے بعد تکملۃ کے حاشیہ کو بیان کیا ہے اور اس کی علامت "ح" ہے اور اس کا نام "کتاب مجمع البحرین" رکھا ہے، اور کامیابی کا مالک اللہ ہی ہے۔]

صاحب ایضاح المکنون نے امام صغانی کی ایک کتاب کو "مجمع البحرين في الجمع بين أحاديث الصحيحين" کے نام سے ذکر کیا ہے، جس وجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث کی کوئی دوسری کتاب رہی ہوگی۔ (۲)

۱۸) نقعة الصديان: یہ کتاب الدکتور علی حسین البواب کی تحقیق کے ساتھ ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۹۸۲ء میں مکتبہ المعارف، ریاض سے شائع ہوئی ہے، اس کتاب کے نام کو ذکر کرنے میں مصنفین کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، بعض حضرات نے اس کا نام صرف "فعلان" ذکر کیا ہے۔ (۳) صاحب الفوائد البہیہ نے "بغية الصديان" (۴) اور صاحب کشف الظنون نے "نقعة الصديان" لکھا ہے۔ (۵)

محقق نے اس کو دو نسخوں کی تحقیق کے بعد شائع کیا ہے، پہلا مخطوطہ مکتبہ شہید علی، استانبول (رقم: ۲۶۷) میں اور دوسرا دار الکتب المصریہ (رقم: ۳۱۴) میں موجود۔ (۶)

---

۱) مقدمة العباب: م ق ۳۳.

۲) إسماعيل باشا الباباني، إسماعيل بن محمد أمين بن مير سليم البغدادي، إيضاح المكنون في الذيل على كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون: ۴۳۳/۲، تحقيق: محمد شرف الدين ورفعت بيلكه، دار احياء التراث العربي بيروت، لبنان.

۳) ابن شاكر الكتبي، صلاح الدين محمد بن شاكر بن أحمد، فوات الوفيات: ۳۵۹/۱، تحقيق: احسان بن عباس، دار صادر، بيروت، الطبعة الأولى ۱۹۷۳م. الجواهر المضية: ۸۴/۲. بغية الوعاة: ۵۲۰/۱.

۴) الفوائد البهية: ۶۳.

۵) كشف الظنون: ۲۵۱/۱.

۶) الصغاني، أبو الفضائل الحسن بن محمد بن الحسن، نقعة الصديان: ۱۵-۱۷، تحقيق: علي حسين البواب، مكتبة المعارف، رياض، ۱۴۰۲هـ-۱۹۸۲م.

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱۹) کتاب یفعول: یہ کتاب حسن حسنی عبدالوہاب کی تحقیق کے ساتھ ۱۹۳۹ء مطبعۃ العرب تونس سے شائع ہوئی ہے، اس کتاب میں مصنفؒ نے یفعول کے وزن پر آنے والے الفاظ کو حروف تہجی کے اعتبار سے جمع کیا ہے۔[۱]

کتب حدیث:

۱) الأحادیث الموضوعۃ: اس نام سے امام صغانی کے دو رسالوں کا ذکر ملتا ہے، ایک رسالہ موضوعات الصغانی کے نام سے شائع ہو چکا ہے جس میں مصنفؒ نے ان ابواب حدیث کو انتہائی اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے جن میں بکثرت موضوع احادیث پائی جاتی ہیں اور اسی طرح ان اشخاص کی بھی نشاندہی کی ہے جن کی جانب نسبت کر کے وضاعین نے احادیث گھڑی ہیں، مثلاً وہ لکھتے ہیں:

"والأحادیث المنسوبۃ إلی محمد بن سرور البلخي، کلھا موضوعۃ." [۲]

[اور وہ احادیث جو محمد بن سرور بلخی کی جانب منسوب ہیں وہ تمام موضوع ہیں۔]

یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۴۰۱ھ مطابق ۱۹۸۰ء میں نجم عبدالرحمن خلف کی تحقیق و تعلیق اور تخریج کے ساتھ شائع ہوئی تھی، پھر دوسری بار مزید تنقیح کے ساتھ ۱۴۰۵ھ مطابق ۱۹۸۵ء میں دار المامون للتراث، دمشق سے شائع ہوئی۔ مذکورہ کتاب ۹۹ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس رسالہ کا ایک انتہائی قیمتی مخطوطہ رامپور کی رضا لائبریری میں موجود ہے جس کا اندراج نمبر ہے: ۷۴۷م۔[۳]

اس کے علاوہ امام صغانی کا ایک اور رسالہ موضوع احادیث کے بیان میں ہے جس کا نام ہے "الدر الملتقط"، ان دونوں رسائل پر تبصرہ کرتے ہوئے صاحب الفوائد البہیہ لکھتے ہیں:

"ومن تصانیفہ رسالتان جمع فیھما الأحادیث الموضوعۃ وأدرج فیھما کثیرا من الأحادیث الغیر الموضوعۃ فعد لذلك من المتشددین کابن جوزي و صاحب سفر السعادۃ و غیرھما من المحدثین." [۴]

---

۱) کتاب یفعول: ۸-۹.

۲) الصغاني، أبو الفضائل الحسن بن محمد بن الحسن، موضوعات الصغاني: ۳۴، تحقیق: نجم عبد الرحمن خلف، دار المأمون للتراث، دمشق، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۴۰۵ھ=۱۹۸۵م.

۳) Library Rampur: Arshi, Imtiyaz Ali, Catalogue of the Arabic manuscripts in Raza Library Rampur, 1/574, Raza Library trust Rampur, U.P. India, 1963.

۴) الفوائد البھیۃ: ٦۳.

toobaa-elibrary.blogspot.com

[اور ان کی تصانیف میں دو رسالے ہیں جن میں انہوں نے موضوع احادیث کو بیان کیا ہے اور اس میں بہت سی غیر موضوع احادیث کو بھی داخل کر دیا ہے اس وجہ سے ان کا شمار ابن جوزی اور صاحب سفر السعادۃ جیسے متشددین محدثین میں ہوتا ہے۔]

۲) أسامي شيوخ البخاري: اس کا ایک نسخہ مکتبہ قرہ چلبی زادہ ، استنبول میں پایا جاتا ہے ، جو ۱۷ر صفحات پر مشتمل ہے۔[۱]

۳) ترتيب أحاديث المشارق: اس کا ایک نسخہ مکتبہ طوب سرای (استنبول) میں موجود ہے ، جس کا فہرست نمبر ہے: ۲۸۸۴ر من مخطوطات الحدیث والفقہ۔[۲]

۴) الدر الملتقة في تبيين الغلط: اس کتاب میں امام صغانیؒ نے "الشهاب: للقضاعي" اور "النجم: لابن اقليشي" (متوفی: ۵۵۰ھ) میں وارد موضوع احادیث کو بیان کیا ہے۔ یہ کتاب ۱۹۷۶ء میں دکتور سامی مکی العانی کی تحقیق کے ساتھ مجلہ کلیۃ امام اعظم (بغداد) کے عدد اول میں شائع ہوئی تھی۔[۳]

۵) رسالة في الحديث الموضوع في فضل القراة: اس کا ایک نسخہ مکتبہ اسکندریہ میں رقم: ۱۱ : ۹۵ کے تحت موجود ہے۔[۴]

۶) رسالة في الأحاديث الواردة في صدر التفسير في فضائل القرآن.[۵]

۷) شرح الجامع الصحيح للبخاري: یہ جامع بخاری کی ایک مختصر شرح ہے جو ایک جلد میں ہے ، ابھی تک مخطوطہ کی شکل میں ہے۔[۶]

۸) الشمس المنيرة من الصحاح المأثورة: اکثر مصنفین نے اس کا ذکر کیا ہے۔[۷]

---

۱) موضوعات الصغاني: ۱۵. مقدمة العباب: م ق ۳۸.

۲) مقدمة العباب: م ق ۳۸.

۳) مقدمة كتاب الفعال: ت.

۴) مقدمة ما بنته العرب على فعال: ۲۰. مقدمة كتاب الفعال: ث.

۵) مقدمة العباب: م ق ۳۸. مقدمة ما بنته العرب على فعال: ۲۰.

۶) بغية الوعاة: ۱/۵۲۰.

۷) كشف الظنون: ۲/۱۶۸۸. مثر الكرام: ۱۸۱. مقدمة كتاب الفعال: ض. الشوارد في اللغة: ۲۳. مقدمة كتاب فعال: ۱۹.

toobaa-elibrary.blogspot.com

۹) کتاب الضعفاء: اس میں ضعیف اور متروک راویوں کا تذکرہ ہے۔(۱) العباب وغیرہ کے محققین نے اس کا پورا نام "کتاب الضعفاء والمتروکین من رواۃ الحدیث" بیان کیا ہے۔(۲)

۱۰) ضوء الشہاب: یہ کتاب قاضی ابو عبداللہ محمد بن سلامہ بن جعفر ابن علی ابن حکمون القضاعی، الشافعی (متوفی: ۴۵۴ھ) کی کتاب "شہاب الأخبار في الحکم والأمثال والآداب" سے متعلق ہے۔ امام صغانی نے قضاعی کی کتاب کی اصلاح کی ہے(۳) اور صاحب کشف الظنون کے مطابق اس کا نام "کشف الحجاب عن أحادیث الشہاب" رکھا، وہ لکھتے ہیں:

"أصلحه الإمام حسن بن محمد الصغاني وسماه كشف الحجاب عن أحاديث الشهاب، وضع علامة للصحيح والضعيف والمرسل، ورتبه علی الأبواب كالمشارق." (۴)

[امام حسن بن محمد الصغانی نے اس کی اصلاح کی اور اس کا نام "کشف الحجاب عن احادیث الشہاب" رکھا، صحیح ضعیف اور مرسل کے لئے علامات وضع کیں اور مشارق کی طرح اس کو ابواب پر مرتب کیا۔]

۱۱) مشارق الأنوار: اس کتاب کو امام صغانیؒ کی تصانیف میں سب سے زیادہ شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی، یہاں تک کہ ہندوستان میں نویں صدی ہجری تک فن حدیث کی انتہائی کتابوں میں صرف یہی کتاب متداول تھی، سید سلیمان ندویؒ اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

"الغرض شیخ عبدالحقؒ سے پہلے صرف مشارق الانوار للصغانی اللاہوری المتوفی ۶۵۰ھ مطابق ۱۲۵۲ء کے نسخے اور مصابیح (اصل مشکوٰۃ) للبغوی المتوفی ۶۱۵ھ مطابق ۱۲۱۸ء کے نسخے دستیاب ہوتے تھے اور یہی دو کتابیں علماء کے درس میں تھیں۔" (۵)

---

۱) کشف الظنون: ۲/۱۰۸۷، الجواہر المضیئة: ۲/۸٤.

۲) مقدمة العباب: م ق ۳۸، مقدمة کتاب الفعال: ث، مقدمة الشوارد في اللغة: ۲٤، مقدمة کتاب ما بنته العرب علی فعال: ۲۰، تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۵۱۔

۳) هدیة العارفین: ۱/۲۸۱، مقدمة العباب: م ق ۳۷، مقدمة الشوارد في اللغة: ۲۲، مقدمة کتاب یفعول: ۷، مقدمة کتاب ما بنته العرب علی فعال: ۱۹.

۴) کشف الظنون: ۲/۱۰٦۷.

۵) مقالات سلیمان: ۲/ ۷۵۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

خود امام صغانی کو بھی اپنی اس کتاب سے بڑی محبت تھی اور وہ اس کو اپنے لئے ذخیرۂ آخرت اور ذریعۂ شفاعت مانتے تھے؛ جیسا کہ مشارق الانوار کے مقدمہ میں اس امر کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"هذا الكتاب حجة بيني وبين الله تعالى في الصحة والرصانة والإتقان والمتانة، وهو أنيسي مدة حياتي في الدنيا وشفيع المشفع إن شاء الله في القيامة." (۱)

[یہ کتاب اللہ تعالیٰ اور میرے درمیان حجت ہے صحت واحتیاط میں اور مظبوطی وپختگی میں اور پوری زندگی دنیا میں میری ساتھی ہے اور آخرت میں ان شاءاللہ میری سفارش کرنے والی ہے۔]

مصنف نے اس کتاب کو عباسی خلیفہ مستنصر باللہ (۶۲۳ھ مطابق ۱۲۲۶ء تا ۶۴۰ھ مطابق ۱۲۴۳ء) کی فرمائش پر بغداد میں لکھا تھا، جس کا ذکر وہ خود ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"ألفته لخزانة المستنصر بن الظاهر بن المستضيء العباسي." (۲)

[میں نے اس کتاب کو المستنصر بن الظاہر بن المستضیٔ عباسی کے مکتب کے لئے تالیف کیا ہے۔]

اس کتاب میں ۲۲۴۶ر احادیث ہیں اور یہ ۱۲ر ابواب پر مشتمل ہے، اکثر ابواب کے ذیل میں فصول وانواع بھی شامل ہیں۔

اگرچہ کتب حدیث کے درمیان اس کی نوعیت مشکاۃ کے مماثل ہے؛ لیکن مشکاۃ اور مشارق الانوار میں فرق یہ ہے کہ مشکاۃ میں مختلف کتابوں کی احادیث کو جمع کردیا گیا ہے اور اس کی ترتیب ابواب فقہیہ پر ہے؛ جب کہ مشارق الانوار میں صحیحین کی احادیث کو ابتدائی الفاظ کے اعتبار سے لغوی ترتیب پر جمع کیا گیا ہے نیز احادیث کے حوالے کی جانب بھی اشارہ کردیا گیا ہے۔ بخاری کے لئے "خ" مسلم کے لئے "م" اور متفق علیہ کے لئے "ق" کے رموز کو مقرر کیا گیا ہے۔ امام صغانی خود تحریر فرماتے ہیں:

"وعلامة الخاء لكتاب أبي عبد الله محمد بن إسماعيل البخاري برد الله مضجعه، وعلامة الميم لكتاب أبي الحسين مسلم ابن الحجاج النيسابوري طيب الله مهجعه، وعلامة القاف لما إتفقا عليه." (۳)

---

۱) الصغاني، الحسن بن محمد بن الحسن، مقدمة مشارق الأنوار [مخطوطة]: ٤، جامعة الملك سعود، رقم الاندراج: ۳۷۸۰، تاريخ النسخ: ۱۲۹۷هـ.

۲) مقدمة مشارق الأنوار: ٤.

۳) مقدمة مشارق الأنوار: ٤.

toobaa-elibrary.blogspot.com

[تو خاء کی علامت ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (اللہ ان کی قبر کو ٹھنڈا رکھے) کی کتاب کے لئے ہے، اور میم کی علامت ابو الحسن مسلم بن حجاج نیساپوری (اللہ ان کی آرام گاہ کو معطر رکھے) کی کتاب کے لئے ہے، اور قاف کی علامت اس حدیث کے لئے ہے جس پر ان دونوں نے اتفاق کیا ہے۔]

امام صغانی نے اس کتاب کی تالیف میں جو منہج اختیار کیا ہے اس کو مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کیا جا سکتا ہے:

أ) اس میں صرف شیخین کی قولی احادیث بیان کی گئی ہیں۔

ب) فعلی اور تقریری احادیث کو بالکل نہیں بیان کیا گیا۔

ت) صرف اصول حدیث کو بیان کیا ہے، متابعات و شواہد اور روایت بالمعنی کو نہیں۔

ث) بہت سی احادیث کو لغوی ترتیب کے اعتبار سے ٹکڑے کر کے مختلف مقامات پر بیان کیا گیا ہے، جو صرف ایک متبحر عالم ہی کر سکتا ہے۔

ج) کبھی حدیث کے سبب ورود کو بھی ذکر کر دیا گیا ہے، اور کبھی نہیں۔

ح) اختصار کے پیش نظر اسانید کو حذف کر دیا گیا ہے۔

خ) حدیث کے راوی اعلیٰ کے نام کو بیان کیا گیا ہے۔

اس کتاب کی قدر و منزلت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہ عوام و خواص کے درمیان ایک طویل عرصہ تک متداول رہی اور علماء کرام کی ایک بڑی جماعت نے اس کی مختلف جہتوں سے خدمت کو اپنے لئے باعث شرف و عزت سمجھا؛ چناں چہ بعض نے اس کی شروحات لکھیں تو بعض نے اس کا اختصار کیا، بعض نے اس کو دوسری ترتیب پر مرتب کیا تو بعض نے اس کی فہرست تیار کی اور کچھ نے اس کا ترجمہ کر کے ان حضرات کے لئے اس کو ذریعۂ استفادہ بنایا جو عربی سے ناواقف تھے۔

۱۲) مصباح الدجی: یہ حدیث کی بلند پایا کتاب ہے جس میں امام صغانی نے بلا سند احادیث کو جمع کیا تھا اس کے قلمی نسخے کتب خانہ خدیویہ، مصر اور برلن میں موجود ہیں۔ (۱)

---

۱) ابن السباعي، علي بن أنجب، الدر الثمين في أسماء المصنفين: ۳٤٤؛ تحقيق: أحمد شوقي ومحمد سعيد، دار الغرب الإسلامي، تونس، الطبعة الأولى ۱٤۳۰ھ=۲۰۰۹م، كشف الظنون: ۱٦۸۲/۲، الجواهر المضية: ۲۰۲/۱، الفوائد البهية: ٦۳، هدية العارفين: ۲۸۱/۱، مقدمة العباب: م ق ۳۷، مقدمة كتاب ما بنته العرب على فعال: ۱۹، مقدمة الشوارد في اللغة: ۲۳.

toobaa-elibrary.blogspot.com

کتب فقہ:

۱) كتاب الأحكام: یہ فقہ حنفی کی کتاب ہے، بعض مصنفین نے اس کا پورا نام "كتاب الأحكام في فقه الحنفية" ذکر کیا ہے۔[۱]

۲) كتاب الفرائض: اس کے نام سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسالہ علم فرائض میں ہے۔[۲]

۳) مناسك الحج: [۳]

کتب علوم القرآن:

۱) كتاب التجويد و جمل الصغاني.[۴]

۲) نظم عدد آي القرآن.[۵]

کتب الوفیات:

۱) در السحابة في بيان مواضع وفيات الصحابة: اس کتاب میں تقریباً ۸۰۰ صحابہؓ کے مقام رحلت اور محل وفات کا ذکر حروف تہجی کے اعتبار سے کیا گیا ہے۔[۶] یہ کتاب ڈکتور سامی مکی عانی کی تحقیق کے ساتھ ۱۹۶۹ء میں بغداد سے شائع ہوئی تھی۔[۷]

---

۱) هدية العارفين: ۱/۲۸۱. العباب الزاخر: م ق۳۹. كتاب ما بنته العرب على فعال: ۲۰. الشوارد في اللغة: ۲۵. كتاب انفعال: ث.

۲) كشف الظنون: ۲/۱۲۵۰. العباب الزاخر: م ق۳۹. الجواهر المضية: ۱/۲۰۲. كتاب ما بنته العرب على فعال: ۲۰. الشوارد في اللغة: ۲۵ كتاب يفعول: ۸.

۳) الدر الثمين: ۳٤٥. هدية العارفين: ۱/۲۸۱. العباب الزاخر: م ق۳۹. كتاب ما بنته العرب على فعال: ۲۰. الشوارد في اللغة: ۲۵. كتاب يفعول: ۸. كتاب انفعال: ث.

٤) مقدمة العباب: م ق۳۹ الشوارد في اللغة: ۲٤. كتاب انفعال: ث.

۵) هدية العارفين: ۱/۲۸۱. العباب الزاخر: م ق۳۹. كتاب ما بنته العرب على فعال: ۲۱. الشوارد في اللغة: ۲٤.

۶) تذکرۃ المحدثین: ۳/۳۶۔

۷) مجلة كلية الشريعة جامعة بغداد، مكتبة للعارف بغداد، العدد الخامس ۱۹۶۹ء. الجواهر المضية: ۱/ ۲۰۲. الفوائد البهية: ٦۳. بغية الوعاة: ۱/۵۲۰. كشف الظنون: ۱/۷۳۱. هدية العارفين: ۱/۲۸۱.

toobaa-elibrary.blogspot.com

۲) کتاب الوفیات: اس کا نام صاحب الجواہر المضیئۃ نے "مختصر الوفیات" لکھا ہے۔[۱] اور استاذ احمد خاں اس کے بارے میں لکھتے ہیں: "لعلہ الکتاب السابق"[۲]
[شاید یہ پہلی والی "در السحابة في بيان مواضع وفيات الصحابة" ہی ہے۔]

کتب تصوف:

۱) کتاب الأضداد: الجواہر المضیئۃ میں اس کا نام "کتاب الأضطار" لکھا ہے،[۳] لیکن صاحب کشف الظنون اور صاحب ہدیۃ العارفین نے "کتاب الأضداد" ہی لکھا ہے۔[۴] محقق العباب نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ "لعله تصحيف كتاب الأضداد"[۵]
[شاید یہ "کتاب الأضداد" کی تصحیف ہے۔]
یعنی یہ کوئی مستقل کتاب نہیں ہے؛ بلکہ ان کی جو لغت میں کتاب الاضداد ہے وہی ہے۔ لیکن یہ نظریہ ٹھیک نہیں؛ کیوں کہ جن مصنفین، محققین نے امام صغانی کی کتابوں کا شمار کیا ہے انہوں نے اس کو ایک مستقل الگ کتاب بتایا ہے۔[۶]

۲) کتاب السالکین:[۷]

۳) درجات العلم و العلماء:[۸]

---

۱) الجواهر المضيئة: ۲۰۲/۱.
۲) كتاب الفعال: ث.
۳) الجواهر المضيئة: ۲۰۲/۱
۴) كشف الظنون: ۱۳۹۲/۲ هدية العارفين: ۲۸۱/۱.
۵) العباب الزاخر: م ق۳۹.
۶) كتاب الفعال: ث. كتاب ما بنته العرب على فعال: ۲۱. الشوارد في اللغة: ۲۵. كتاب يفعول: ۷.
۷) كشف الظنون: ۱۴۲۴/۲. هدية العارفين: ۲۸۱/۱. العباب الزاخر: م ق۳۹. الشوارد في اللغة: ۲۵. كتاب ما بنته العرب على فعال: ۲۱.
۸) مقدمة العباب: م ق۳۹. الشوارد في اللغة: ۲۵.

toobaa-elibrary.blogspot.com

شیخ علی متقیؒ

نام و نسب:

نام علی اور لقب علاء الدین تھا، لیکن ظفر الوالہ میں ان کا لقب نور الدین لکھا ہے۔[1] نسب یہ ہے: "علی بن حسام الدین ابن عبد الملک ابن قاضی خان القرشی، المتقی، الشاذلی، المدنی چشتی، البرہان پوری"۔[2]

مختصر حالات زندگی:

شیخ علی متقی کے آباؤ اجداد جونپور سے تعلق رکھتے تھے؛ لیکن شیخ کی پیدائش ۸۸۵ھ میں برہان پور ہوئی، ابھی آپ سات یا آٹھ سال کے ہی ہوئے تھے کہ والد بزرگوار برہان پور میں شیخ بہاء الدین شاہ باجن چشتیؒ کی خدمت میں لیکر پہونچے اور ان کے حلقۂ ارادت میں داخل کر دیا، ان ہی ایام میں والد کا سایۂ عاطفیت سر سے اٹھ گیا۔

پھر جب آپ سن بلوغ کو پہونچے تو شاہ باجن کے فرزند شیخ عبد الحکیم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشائخ چشتیہ کا خرقۂ خلافت زیب تن کیا اور ملتان پہونچ کر دو سال تک شیخ حسام الدین متقی کی تربیت میں رہتے ہوئے راہِ سلوک طے کی نیز تفسیر بیضاوی اور عین العلم کا درس بھی لیا۔

شیخ حسام الدین سے فیض یاب ہونے کے بعد آپؒ نے حرمین شریفین کی راہ لی۔ وہاں کے علماء کرام کے سامنے زانوائے ادب تہہ کیا اور مستقل طور پر وہیں رہائش اختیار کرلی۔ شیخ متقی کس سن میں حرمین تشریف لے گئے اس امر میں تذکرہ نگاروں کے درمیان اختلاف ہے؛ چناں چہ آزاد بلگرامی تحریر فرماتے ہیں:

"آں جناب در ۹۵۳ھ ثلث و خمسین و تسع مائۃ بہ صوب حرمین شریفین خرامید۔"[1]

---

۱) آصفی، عبد اللہ محمد بن عمر الحاج الدبیر الکی، ظفر الوالہ بمظفر و آلہ: ۱/ ۱۵۳ھ لائبریری آف لورنتو یونیورسٹی۔

۲) محدث دہلوی، شیخ عبد الحق بن سیف الدین، اخبار الاخیار فی اسرار الابرار: ۵۱۶، تحقیق: علیم اشرف خان، انجمن آثار و مفاخر فرہنگی، ایران، ۱۳۸۳ھ۔ محدث دہلوی، شیخ عبد الحق بن سیف الدین، زاد المتقین فی سلوک طریق الیقین: ۴۵، اردو ترجمہ و تشریح: محمد عبد الحلیم چشتی، الرحیم اکیڈمی لیاقت آباد، کراچی ۱۴۱۹ھ=۱۹۹۸ء۔ نظامی، خلیق احمد، حیات شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ: ۳۲۵، ادارہ علوم القرآن، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔ القنوجی، محمد صدیق خان بن حسن بن علی، أبجد العلوم: ۳/ ۲۲۱، تحقیق: عبد الجبار زکار، منشورات وزارة الثقافة والارشاد، دمشق، ۱۹۷۸م. نزهة الخواطر، ۴/۲۸۵۔ شذرات الذهب: ۱۰/۵۵۴۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۸۳۔ برصغیر ہندو پاک میں علم حدیث: ۳۶۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

[آنجناب سنہ ۹۵۳ھ میں حرمین شریفین کی جانب روانہ ہوئے۔]

"ثم سافر سنة ثلاث وخمسين وتسع مائة إلى الحرمين الشريفين زادهما الله شرفا" (۲)

[پھر انہوں نے ۹۵۳ھ میں حرمین شریفین زادھما اللہ شرفا کا سفر کیا۔]

صدیق حسن خان لکھتے ہیں:

"ثم سافر في سنة ۹۵۳ إلى الحرمين الشريفين." (۳)

[پھر ۹۵۳ھ میں انہوں نے حرمین شریفین کا سفر کیا۔]

لیکن شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ صاحب طبقات نے ۹۴۷ھ میں مکہ معظمہ میں ان سے اپنی ملاقات کا تذکرہ کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

"نزيل مكة: إجتمعت به فيها سنة سبع وأربعين وتسع مائة." (۴)

[شیخ متقی مکہ میں تھے میں نے ۹۴۷ھ میں وہاں ان سے ملاقات کی]

شیخ علی متقی حرمین تشریف لے جانے کے بعد تقریباً دو مرتبہ ہندوستان تشریف لائے، پہلی مرتبہ تو وہ سلطان بہادر کے زمانے میں گجرات آئے تھے، جیسا کہ شیخ عبدالحق لکھتے ہیں:

"و سلطنت این دیار دراں زماں بدست تصرف سلطان بہادر بود۔" (۵)

[اس زمانہ میں یہ علاقہ سلطان بہادر کے زیر تصرف تھا]

اس کے بعد آپ دوبارہ ہندوستان اس وقت تشریف لائے جب محمود شاہ دوم تخت نشین ہوا، جیسا کہ حکیم عبدالحئی رقم طراز ہیں:

"ثم دخل الشيخ الهند ثانيا واجتمع بمحمود شاه." (۶)

[پھر شیخ دوسری مرتبہ ہندوستان آئے اور محمود شاہ سے ملاقات کی۔]

۱) بلگرامی، میر غلام علی آزاد، مآثر الکرام: ۱۹۳، مطبع مفید عام آگرہ، ۱۳۲۸ھ=۱۹۱۰ء۔
۲) سبحة المرجان: ۴۵.
۳) أبجد العلوم: ۲۲۱/۳.
۴) الشعراني، عبد الوهاب، الطبقات الكبرى: ۱٦۷/۲، طبع مصر.
۵) اخبار الاخیار: ۲۴۳۔
٦) نزهة الخواطر: ۲۸٦/٤.

toobaa-elibrary.blogspot.com

جب شیخ متقیؒ پہلی مرتبہ ہندوستان تشریف لائے تو اس وقت سلطان بہادر کا زمانہ تھا اور صاحب نزہۃ الخواطر نے لکھا ہے کہ سلطان بہادر کو ۹۴۳ھ میں شہید کر دیا گیا تھا۔[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ متقی ۹۴۳ھ سے قبل ہی حرمین تشریف لے گئے تھے۔

شیخ علی متقیؒ نے قیام مکہ کے دوران ایک عالم کو ریاضات و مجاہدات کے انوار سے منور کیا، دینی علوم کی اشاعت و معرفت سے طلبہ کو فائدہ پہونچایا، علوم دینیہ میں رسائل و کتب تصنیف کیں اور پوری زندگی کتب حدیث کی مراجعت، مقابلہ، تصحیح اور تصنیف و تالیف میں گذار دی، اور اپنے بعد چھوٹی بڑی تقریباً ۱۰۰ اور سے زائد کتابیں بطورِ یادگار چھوڑیں، ان کی اس محنت و کاوش کی جانب اشارہ کرتے ہوئے آزاد بلگرامی لکھتے ہیں:

"وتصانيفه المطولات والمختصرات من العربية والفارسية متجاوزة عن المائة."[2]

[اور ان کی تصانیف چھوٹی بڑی، عربی و فارسی زبان میں سو سے زائد ہیں۔]

وفات:

۲ / جمادی الاولی ۹۷۵ھ کو منگل کے دن طلوع سحر کے وقت مکہ معظمہ میں وفات پائی اور معلاۃ میں ایک پہاڑ کے دامن میں فضیل بن عیاض کی قبر کے بالمقابل دفن ہوئے، دونوں قبروں کے درمیان ایک عام راستہ تھا جس کو "ناظر الجیش" کہا جاتا تھا۔ آپ کی تاریخ وفات "متابعِ نبی"، "شیخ مکہ" اور "قطبی نحبہ" (۹۷۵ھ) سے نکلتی ہے۔[3]

---

۱) قتل سنة ثلاث وأربعين وتسع مائة، فأرخ بعضهم بعام وفاته "قتل سلطان بهادر"، وقال بعضهم: "فرنگیان بہادر کش" [نزهة الخواطر: ٣١٩/٤]

۲) سبحة المرجان: ٩٦.

۳) العيدروس، عبد القادر بن شيخ عبد الله الهندي، النور السافر عن أخبار القرن العاشر: ٤٢١، تحقيق: أحمد حالو، دار صادر بيروت، لبنان، الطبعة الأولى ٢٠٠١م. الحسني، عبد الحي بن فخر الدين، الثقافة الإسلامية في الهند "معارف العوارف في أنواع العلوم والمعارف: ١٤٢، مجمع اللغة العربية، دمشق ١٤٠٣هـ=١٩٨٣م. نزهة الخواطر: ٣٨٩/٤. أبجد العلوم: ٢٢١/٣. سبحة المرجان: ٩٦. شذرات الذهب: ٥٥٤/١٠. كشف الظنون: ٥٩٧/١. اخبار الاخیار: ۳۳۲۔ مآثر الکرام: ۱۹۳۔ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ: ۳۳۲۔ مقالات سلیمان: ۲/ ۱۶۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۱۲۳۔ برصغیر ہند و پاک میں علم حدیث: ۳۶

toobaa-elibrary.blogspot.com

شیوخ:

۱) شاہ باجن: الشیخ الصالح الفقیہ بہاء الدین بن معز الدین بن علاء الدین بن شہاب الدین الخطابی، الگجراتی، یہ لوگوں کے درمیان شاہ باجن کے نام سے مشہور تھے، ان کا انتقال ۹۱۲ھ میں ہوا۔ شیخ علی متقی ان سے بچپن میں بیعت ہوئے تھے؛ جب کہ ان کی عمر سات آٹھ سال کی تھی۔[۱]

۲) عبد الحکیم بن شیخ باجن: شاہ باجن کے انتقال کے بعد شیخ متقی ان کے لڑکے عبد الحکیم کے ہاتھ پر بیعت ہو گئے اور ان سے سلسلہ چشتیہ میں خرقۂ خلافت حاصل کیا۔[۲]

۳) شیخ حسام الدین ملتانی: الشیخ العالم الصالح حسام الدین المتقی الملتانی، شیخ علی متقیؒ نے حصول تعلیم کی غرض سے ملتان کا سفر کیا اور وہاں شیخ حسام الدین سے "بیضاوی" اور "عین العلم"[۳] کا درس لیا۔ شیخ متقی علامہ موصوف کی خدمت میں ۲ / سال رہے اور علوم ظاہری کے ساتھ ساتھ علوم باطنی کی بھی تحصیل کی۔ شیخ حسام الدین کا انتقال ۹۶۰ھ میں ہوا۔[۴]

۴) شیخ ابو الحسن بکری، شافعی: شیخ حسام الدین ملتانی کی خدمت میں دو سال رہنے کے بعد شیخ متقیؒ نے حرمین شریفین کا سفر کیا تو وہاں پر شیخ ابو الحسن بکری شافعی سے استفادہ کیا اور حدیث کا درس لیا نیز ان سے خلافت بھی حاصل کی۔[۵]

۵) شیخ شہاب الدین احمد بن حجر الہیثمی: شہاب الدین ابو العباس احمد بن محمد بن محمد بن علی بن حجر۔[۶] اول شیخ متقی نے ان سے کسب فیض کیا؛ لیکن وہ آخر میں خود شیخ علی کے حلقۂ تلمذ میں داخل ہو گئے، اور شیخ ابن حجر نے خود کو بہت مرتبہ شیخ علی کا حقیقی شاگرد کہا ہے۔ اور آخر میں آپ کے مرید ہو گئے۔[۷]

---

۱) نزہۃ الخواطر: ۴/۶۲۔ زاد المتقین: ۳۵۔ اخبار الاخیار: ۵۱۷۔

۲) زاد المتقین: ۳۶۔ نزہۃ الخواطر: ۴/۱۶۹۔

۳) "عین العلم" محمد بن عثمان بن عمر بلخی کی فن تصوف میں مشہور و معروف کتاب ہے۔ یہ دراصل امام غزالی کی "احیاء العلوم" کا مختصر ہے، ملا علی قاری نے اس کی شرح لکھی ہے جو قسطنطنیہ سے اصل کتاب کے ساتھ شائع ہو چکی ہے۔

٤) نزہۃ الخواطر: ۴/۸۷۔ زاد المتقین: ۳۶۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۸۳۔

۵) زاد المتقین: ۵۴۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۸۴۔

٦) شذرات الذہب: ۱۰/۵٤٢۔

۷) اخبار الاخیار: ۵۱۹۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۸۴۔ مآثر الکرام: ۱۹۳۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ان کے علاوہ شیخ علی متقیؒ نے اس دور میں حرمین شریفین کے اکثر علماء سے استفادہ کیا اور تمام کے حلقۂ درس میں شرکت فرما کر اپنی علمی تشنگی کو ختم کیا؛ جیسا کہ ان کے بارے میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

"و دیگر علماء و مشائخ عصر را کہ دراں دیار شریف بودند دریافت و استفادہ نمود۔" (۱)

[ان کے علاوہ اس متبرک علاقہ میں جو علماء و مشائخ تھے ان کا پتہ لگایا اور ان سے استفادہ کیا۔]

تلامذہ

شیخ علی متقی کی تمام عمر علوم اسلامیہ کی نشر و اشاعت میں گذری تھی اور اس کی وجہ سے انہوں نے کئی بار دور دراز علاقوں کے اسفار بھی کئے تھے، پھر ان کی ذات سے یہ بات بعید از عقل ہے کہ وہ جہاں گئے ہوں وہاں کے باشندوں نے ان سے استفادۂ علمی نہ کیا ہو۔ اس وجہ سے ان کے طلبہ کی کوئی متعین تعداد ذکر کرنا مشکل ترین کام ہے، لیکن شیخ موصوف کے تذکرہ نگاروں نے جن ناموں کا بطورِ خاص ذکر کیا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱) شیخ شہاب الدین احمد بن حجر مکیؒ: ان کا ذکر اساتذہ کی فہرست میں گذر گیا ہے۔ اگرچہ یہ اصلاً شیخ متقی کے استاذ تھا؛ لیکن بعد میں یہ خود شیخ کے حلقۂ درس میں شامل ہو گئے اور انہوں نے بارہا خود کو شیخ متقی کا شاگرد کہا ہے۔

۲) شیخ عبدالوہاب متقیؒ: عالم کبیر، فقیہ، زاہد عبدالوہاب بن ولی اللہ المندوی البرہان پوری، مہاجر مکہ۔ (۲) یہ شیخ متقی کے سب سے خاص شاگرد ہیں، شیخ عبدالوہاب ۲۰ سال کی عمر میں مکہ معظمہ پہونچے، شیخ علی متقی کی خدمت میں تقریباً ۱۲ سال رہ کر علم و معرفت کا حصول کیا اور ان سے سند حدیث بھی حاصل کی۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے ان ہی کی مدد سے شیخ متقی کے اکثر حالات قلمبند کئے تھے، اور مکہ میں شیخ عبدالحق نے ان ہی سے صحاح ستہ کی سند حاصل کی تھی۔ شیخ متقی کی وفات "رحمان علی" کے مطابق ۱۰۰۱ھ میں ہوئی، وہ لکھتے ہیں:

"وی رحمۃ اللہ علیہ بسال ہزار و یک ہجری ازیں دارِ فانی بعالم جاودانی شتافت مند۔" (۳)

[وہ رحمۃ اللہ علیہ ۱۰۰۱ھ میں اس دارِ فانی سے عالم جاودانی کی جانب رحلت فرما گئے۔]

---

۱) اخبار الاخیار: ۲۷۱۔

۲) نزہۃ الخواطر: ۵/۲۸۳۔

۳) تذکرہ علمائے ہند: ۱۳۹۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

لیکن حکیم عبدالحئی گلزار ابرار کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"مات سنة سبع عشرة والف." (۱)

[انہوں نے ۱۰۱۷ھ میں وفات پائی۔]

۳) محمد بن طاہر پٹنی: شیخ الامام، عالم کبیر، محدث، لغوی، مجد الدین محمد بن طاہر بن علی، حنفی، پٹنی، گجراتی۔ ۹۴۴ھ میں شیخ موصوف نے حرمین کا سفر کیا اور ایک مدت تک وہاں قیام پذیر رہے۔ دوران قیام ہی جہاں آپ نے حرمین کے دوسرے علماء سے علمی استفادہ کیا وہیں شیخ علی متقی سے بھی خصوصی استفادہ کیا اور ان سے بے شمار ظاہری و باطنی فیوض و برکات حاصل کرنے کے بعد ہندوستان واپس آئے۔ (۲)

۴) شیخ جیلہ: آصفی نے تاریخ گجرات میں ان کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ: "یہ شیخ علی متقی کے خاص شاگرد اور معتمد علیہ مرید تھے۔" (۳)

۵) عبدالصمد: آصفی نے ان کا بھی ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ شیخ نے گجرات میں انہیں اپنا قائم مقام مقرر کیا تھا۔ (۴)

تصانیف:

۱) أسرار العارفين: یہ شائع نہیں ہوئی ہے اور اس کا ایک قلمی نسخہ بانکی پور میں موجود ہے۔ (۵)

۲) البرهان الجلي في معرفة الولي: یہ فارسی زبان میں ہے جس کا ایک قلمی نسخہ پروفیسر نظامی کی تحقیق کے مطابق برلن کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ (۶)

۳) البرهان في علامات مهدي آخر الزمان: اس میں حضرت مہدی سے متعلق احادیث کو جمع کیا گیا ہے۔ اس موضوع پر علامہ سیوطی کی ایک کتاب "العرف الوردي في أخبار المهدي" ہے شیخ متقی نے

---

۱) نزهة الخواطر: ۵/۵۸۳۔

۲) نزهة الخواطر: ۴/۴۰۹-۴۱۰. سبحة المرجان: ۹۷. تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۸۶۔

۳) ظفر الوالہ: ۱/ ۳۱۷۔

۴) ظفر الوالہ: ۱/ ۳۱۹۔

۵) حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی: ۳۲۶۔

۶) نزهة الخواطر: ۴/۲۴۴. حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی: ۳۲۶۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۱۲۷۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اسی کتاب کی از سر نو تہذیب و تدوین کی ہے اور کچھ نیا مواد بھی شامل کیا ہے۔ اضافہ میں سیوطی کی "جمع الجوامع" اور "عقد الدرر فی أخبار المهدي المنتظر" سے امام مہدی کے متعلق جو روایتیں ہیں ان کو نقل کیا ہے۔ جمع الجوامع کی طرف "ج" سے اور عقد الدرر کی جانب "ع" سے اشارہ کیا ہے۔ یہ کتاب ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۹۹۲ء میں دار الصحابہ للتراث (طنطا) سے شائع ہوئی ہے۔

محقق کے پیش نظر دار الکتب المصریہ العامرہ کا مخطوطہ تھا، جس کا فہرست نمبر: "۱۱۴۳م تصوف" ہے۔[1]

اس مخطوطہ کے علاوہ ہندوستان میں بھی اس کے تین مخطوطہ پائے جاتے ہیں جو دہلی، حیدر آباد (آصفیہ) اور رام پور کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔[2]

۴) تبویب الحکم العطائیة: اس کا نام پروفیسر نظامی نے "تبویب شرح الحکم العطائیہ المسمی بالتقبہ" لکھا ہے، اس کا قلمی نسخہ انڈیا آفس بنگال میں موجود ہے۔[3]

۵) تبیین الطرق: یہ شیخ متقی کی سب سے پہلی تصنیف ہے، اس تصنیف کے وقت شیخ متقی کو الہام ہوتا تھا، اس کتاب کا اردو ترجمہ محمد احمد صاحب استاذ مدرسہ اسلامیہ عربیہ کراچی نے کیا تھا جو ماہ نامہ بینات، جلد: ۳، شمارہ: ۳، رمضان المبارک ۱۳۸۳ھ مطابق فروری ۱۹۶۴ء میں شائع ہوا تھا، اس ترجمہ کو بعد میں زاد المتقین کے اردو ترجمہ کے ساتھ شیخ متقی کے تذکرہ کے آخر میں (صفحہ ۱۰۳ تا ۱۱۶) شائع کیا گیا ہے؛ جس کی پہلی عبارت:

"سبحانك لا علم لنا إلا ما علمتنا" اور آخری "تبعب شديد وقدوة طويلة، وهو نادر جداً، والله أعلم بالصواب" ہے۔[4]

اس کتاب کا نام سید عبد الحیؒ نے "تلقین الطرق فی السلوک" لکھا ہے،[5] ضیاء الدین اصلاحی کے مطابق اس کا ایک مخطوطہ حافظ محمود خاں شیروانی کے کتب خانہ میں موجود تھا۔[1]

۱) المتقي، علي بن حسام الدين الهندي، البرهان في علامات مهدي آخر الزمان: ۱۰، دار الصحابة للتراث، طنطا، الطبعة الأولى ۱۴۱۲هـ-۱۹۹۲م.

۲) نزهة الخواطر: ۲۲۴/۴

۳) حیات شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ: ۳۲۶۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۱۲۴۔

۴) حیات شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ: ۳۲۶، تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۱۲۸۔

۵) زاد المتقین: ۵۰، ۱۰۳-۱۱۶۔

نزهة الخواطر: ۳۸۹/۴

toobaa-elibrary.blogspot.com

۶) جوامع الکلم فی المواعظ والحکم: یہ سلف صالحین کے مواعظ و حکم پر مشتمل ہے، جن کی تعداد تین ساڑھے تین ہزار بتائی جاتی ہے۔ اس کے تین قلمی نسخے بانکی پور پٹنہ میں، دو رام پور میں، ایک مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ کے سبحان اللہ کلیکشن میں اور ایک آصفیہ حیدر آباد میں پایا جاتا ہے۔[۲]

۷) خلاصۃ الحقائق۔[۳]

۸) رسالۃ فی ابطال دعوی السید محمد بن یوسف الجونپوری: اس رسالہ کا ذکر سید عبدالحیؒ نے نزہۃ الخواطر میں کیا ہے۔[۴]

۹) زاد الطالبین: اس کا ایک قلمی نسخہ بانکی پور پٹنہ میں موجود ہے۔[۵]

۱۰) شمائل النبی ﷺ: اس کا ایک قلمی نسخہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی مولانا آزاد لائبریری میں موجود ہے۔[۶]

۱۱) شئون المنزلات: اس کا ایک قلمی نسخہ انڈیا آفس میں ۱۱۵۲ر کے تحت موجود ہے۔[۷]

۱۲) عمدۃ الوسائل۔[۸]

۱۳) العنوان فی سلوک النسوان: یہ فن تصوف میں ہے اور اس کا قلمی نسخہ مصر میں ہے۔[۹]

۱۴) غایۃ الکمال فی بیان افضل الاعمال: یہ شیخ علی متقیؒ کی آخری کتاب ہے، انہوں نے اپنی پہلی کتاب "تبیین الطرق" اور اس کتاب کے بارے میں یہ تاکید کی تھی کہ اگر کسی طالب علم کو ان دونوں میں سے کوئی ایک میسر آجائے تو اس کو دوسری بھی حاصل کر کے دونوں کا ایک ساتھ مطالعہ کرنا چاہئے؛ جیسا کہ علامہ عیدروس تحریر فرماتے ہیں:

---

۱) تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۱۲۵۔

۲) حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی: ۳۲۶۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۱۲۶۔ نزہۃ الخواطر: ۳۸۹/۴۔

۳) تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۱۲۸۔

۴) نزہۃ الخواطر: ۳۸۹/۴۔

۵) حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی: ۳۲۶۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۱۲۸۔

۶) حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی: ۳۲۶، تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۱۲۸۔

۷) حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی: ۳۲۶۔

۸) تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۱۲۸۔

۹) حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی: ۳۲۶۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۱۲۸۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

"وأول رسالة صنفتها في الطريق إلى الله سميتها "تبيين الطرق إلى الله تعالى" وآخر رسالة صنفتها سميتها "غاية الكمال في بيان أفضل الأعمال" فمن كان من الطلبة حصل منها رسالة، ينبغي له أن يحصل الأخرى ليلازم بينهما في القصد." (۱)

[اور میں نے اللہ تک رسائی حاصل کرنے کے بیان میں پہلے ایک رسالہ تصنیف کیا اور اس کا نام "تبیین الطرق الی اللہ تعالیٰ" رکھا اور آخر میں ایک رسالہ تصنیف کیا جس کا نام "غایۃ الکمال فی بیان افضل الاعمال" رکھا، پس طلبہ میں سے جس کو ان میں سے ایک رسالہ حاصل ہو جائے تو اس کو چاہئے کہ دوسرا بھی حاصل کرے اور دونوں ساتھ ملا کر پڑھے۔]

۱۵) فتح الجواد: یہ رسالہ تصوف میں ہے اور اس کا ایک قلمی نسخہ آصفیہ، حیدر آباد میں ہے۔ (۲)

۱۶) الفصول شرح جامع الأصول: یہ حدیث میں ہے اور اس ایک قلمی نسخہ بانکی پور میں موجود ہے۔ (۳)

۱۷) مجموعۃ حکم کبیر: یہ تصوف کی انتہائی اہم اور غیر معمولی کتاب ہے، اس کتاب پر خود شیخ متقی کو فخر تھا اور وہ اپنے دوستوں سے فرماتے تھے کہ تصوف کا جو مشکل مسئلہ بھی تمہارے سامنے پیش آئے اس کا جواب اس میں ڈھونڈ لو اور تم لوگوں سے جو مشکل مسائل دریافت کئے جائیں ان کا جواب بھی اس میں دیکھ لو، جیسا کہ شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ اخبار الاخیار میں لکھتے ہیں:

"مجموعہ حکم کبیر کتابیست نافع شامل خلاصۂ ہر چہ در تمام کتب تصوف است بیاران خود میفرمود کہ علامت فہم کردن شما ایں کتاب را آنست کہ ہر چہ از وقائع ایں راہ مشکل شود از انجا حل کنید و ہر مسئلہ از مسائل ایں علم کہ پرسند از وے جواب دہند۔" (۴)

[ان کی ایک کتاب مجموعہ حکم کبیر ہے جو انتہائی نافع اور ان تمام چیزوں کا خلاصہ ہے جو تصوف کی کتابوں میں موجود ہیں۔ وہ خود اپنے دوستوں سے فرماتے تھے کہ: تم اس کتاب کی عظمت کو اس سے سمجھ سکتے ہو کہ اس علم کے تمام مشکل مواقع کا حل اس میں کر دیا گیا ہے، اور اس علم کے تمام مسائل جو معلوم ہو جائیں اس کتاب سے جواب دے دو۔]

---

۱) النور السافر: ۴۲۶۔

۲) حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۳۲۶۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۱۲۸۔

۳) حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۳۲۶۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۱۲۸۔

۴) اخبار الاخیار: ۵۱۹-۵۱۸۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱۸) مختصر النهاية: ابن اثیر جزریؒ[۱] نے، ابوعبید الہرویؒ[۲] کی کتاب "الغريبين" اور ابوموسیٰ الاصبہانی[۳] کی "غريب الحديث" کو جمع کرکے حروفِ تہجی پر ترتیب دیا ہے اور اس میں کچھ غیر معمولی اضافات بھی کئے ہیں۔ ابنِ اثیر نے ہروی کے لئے "ھ" اور ابوموسیٰ اصبہانی کے لئے "س" کے رموز کو اختیار کیا ہے اور جو اضافات ہیں ان کو مہمل چھوڑ دیا ہے، اور اس کتاب کا نام "النهاية في غريب الحديث" رکھا ہے۔ اس کتاب کے بہت سے مختصرات لکھے گئے، ان اختصار کرنے والوں میں ایک نام علامہ متقی کا بھی ہے۔[۴]

۱۹) المواهب العلية في الجمع بين الحكم القرآنية والحديثية: یہ کتاب بھی تصوف کے بیان میں ہے اور اس کا ایک قلمی نسخہ مصر میں موجود ہے۔[۵]

۲۰) نظم الدرر: یہ بھی تصوف میں ہے اور اس کے قلمی نسخے آصفیہ و بنگال میں پائے جاتے ہیں۔[۶]

۲۱) نعم المعيار والمقيار لمعرفة مراتب الناس: اس کا نام ضیاء الدین اصلاحی نے "نعم معيار القياس لمعرفة مراتب الناس" ذکر کیا ہے۔[۷]

۲۲) النهج الأتم: اس کا ذکر حکیم عبدالحیؒ نے نزہۃ الخواطر میں کیا ہے۔[۸]

۲۳) الوسيلة الفاخرة في سلطنة الدنيا والآخرة: اس میں سلاطین کے لئے انتہائی مفید اور کارآمد آدابِ مملکت کو ذکر کیا گیا ہے، اس کا ایک قلمی نسخہ رام پور کے کتب خانہ میں موجود ہے۔[۹]

---

۱) الإمام أبي السعادات مبارك ابن أبي الكرم محمد المعروف بابن أثير الجزري، المتوفى: سنة ٦٠٦ ست وست مائة. [شذرات الذهب: ٢/ ٤٢]

۲) أبو عبيد أحمد ابن محمد بن محمد بن محمد الهروي المتوفى ٤٠١ أحدى وأربع مائة.

۳) أبو موسى محمد بن ابي بكر عمر بن ابي عيسى أحمد بن عمر بن محمد بن أحمد بن ابي عيسى المديني [شذرات الذهب: ٥/٨] الأصفهاني. ٥٠١–٥٨١هـ [شذرات الذهب: ٦/٤٤٨]

۴) كشف الظنون: ٢/١٩٨٩.

۵) حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی: ۳۲۶۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۱۲۸۔

۶) حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی: ۳۲۷۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۱۲۸۔

۷) تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۱۲۸۔ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی: ۳۲۶۔

۸) نزهة الخواطر ٤/ ٢٤٤.

۹) Catalogue of the Arabic manuscripts in Raza Library: 1/377, 2/440.

toobaa-elibrary.blogspot.com

۲۴) هداية ربي عند فقد المربي: یہ فن تصوف میں ہے؛ جس کا ذکر ضیاء الدین اصلاحی نے بروکلمن وغیرہ کے حوالہ سے کیا ہے۔[۱]

شیخ علی متقی کی مندرجہ بالا کتب جن کو حروف تہجی کے اعتبار سے ذکر کیا ہے وہ ہیں جو دیگر علوم سے تعلق رکھتی ہیں، لیکن شیخ متقی کو علم حدیث سے ایک خاص لگاؤ اور انسیت تھی وہ آخری دم تک اس کی خدمت میں لگے رہے، علامہ سیوطی کی مشہور کتاب جمع الجوامع پر نظر ثانی فرمائی اور مکررات کو علیحدہ کر کے اس کا منتخب تیار کیا جس کی وجہ سے جمع الجوامع کی احادیث میں غیر معمولی اضافہ ہوگیا، چناں چہ شیخ ابوالحسن بکریؒ فرماتے ہیں:

"للسيوطي منة على العالمين وللمتقي منة عليه." [۲]

[علامہ سیوطی کا تمام جہانوں پر احسان ہے اور امام متقی کا سیوطی پر۔]

علم حدیث میں علامہ متقی کی جو کتابیں پائی جاتی ہیں وہ سب دراصل علامہ سیوطی کی کتابوں کی تبویب اور تہذیب و ترتیب ہیں اور وہ کتابیں حسب ذیل ہیں۔

۲۵) منهج العمال في سنن الأقوال: علامہ سیوطی نے جمع الجوامع کی طرح جامع صغیر کے نام سے بھی حدیث کا ایک مجموعہ تیار کیا تھا اور اس کا اضافہ و تکملہ بھی ایک جلد میں لکھا تھا۔ منہج العمال اسی جامع صغیر اور جمع الجوامع کی قولی احادیث کی تبویب و ترتیب ہے۔ جیسا کہ مصنف خود رقم طراز ہیں:

"تبوبت أولا كتاب الجامع الصغير وزوائده وهما كتابان لخصهما للمؤلف المذكور (السيوطي) من قسم الأقوال من كتابه جمع الجوامع المذكور وسميته منهج العمال في سنن الأقوال." [۳]

[اور پہلے میں نے کتاب جامع الصغیر اور اس کے زوائد کی تبویب کی ان دونوں کتابوں کو مؤلف مذکور (سیوطی) نے ملخص کیا ہے اپنی کتاب مذکور "جمع الجوامع" کی قولی احادیث سے اور میں نے اس کا نام رکھا "منہج العمال فی سنن الاقوال"۔]

منہج العمال کا ایک قلمی نسخہ ۱۲۳۲ھ کا نقل کیا ہوا ۱۰۶۹ صفحات پر مشتمل، رضا لائبریری رام پور میں موجود ہے، جس کا نمبر ہے: "6655M" [۱] اور دو نسخے بانکی پور اور آصفیہ حیدر آباد میں موجود ہیں۔[۲]

---

۱) تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۱۲۸۔

۲) اخبار الاخیار: ۵۱۸۔

۳) المتقي، علي بن حسام الدين الهندي، منتخب كنز العمال على حاشية المسند لإمام أحمد: ۱/ ٤، مكتبة ميمنة، مصر ۱۳۱۳هـ.

toobaa-elibrary.blogspot.com

۲۶) الإكمال لمنهج العمال: اس میں جمع الجوامع کی بقیہ قولی احادیث کی تبویب کی ہے؛ جیسا کہ حاشیہ مسند امام احمد پر لکھا ہے:

"ثم بوبت بقية قسم الأقوال منه (جمع الجوامع) وسميته الإكمال لمنهج العمال." (۳)

[پھر میں نے "جمع الجوامع" کی بقیہ قولی احادیث کی تبویب کی اور اس کا نام "الاکمال لمنہج العمال" رکھا۔]

اس کا ایک قلمی نسخہ ترکی میں موجود ہے۔ (۴)

۲۷) غاية العمال: یہ مذکورہ بالا دونوں کتابوں، منہج العمال اور الاکمال لمنہج العمال کا مجموعہ ہے:

"ثم جمعتهما مميزا أحاديثهما ذكرت بعد كل ترجمة أولا أحاديث منهج العمال ثم كتبت بالحمرة لفظ الإكمال وسقت أحاديثه، وإنما ميزت بين أحاديث الكتابين لأن أحاديث منهج العمال بنسبة الإكمال كاللب بالنسبة القشر كما قال المؤلف في خطبته فتركت القشر وأخذت اللب وسميته غاية العمال في سنن الأقوال." (۵)

[پھر میں نے ان دونوں کی احادیث کو الگ الگ جمع کیا، ہر ترجمہ کے بعد پہلے "منہج العمال" کی احادیث کو ذکر کیا، پھر سرخ روشنائی سے الاکمال کے الفاظ لکھے اور احادیث کو ساقط کر دیا۔ اور میں نے ان دونوں کی احادیث کے درمیان تمیز قائم کی؛ کیوں کہ "منہج العمال" کی احادیث "الاکمال" کی بنسبت ایسی ہیں جیسے مغز چھلکے کی بنسبت۔ جیسا کہ مؤلف نے اس کے خطبہ میں کہا ہے۔ تو میں نے چھلکے کو چھوڑ دیا اور مغز کو لے لیا۔ اور اس کا نام میں نے "غاية العمال في سنن الاقوال" رکھا۔]

۲۸) مستدرك الأقوال بسنن الأفعال: اس میں جمع الجوامع کی فعلی احادیث کی تبویب و ترتیب کی گئی ہے:

"ثم بوبت قسم الأفعال من جمع الجوامع وسميته مستدرك الأقوال بسنن الأفعال." (۶)

---

۱) Catalogue of the Arabic manuscripts in Raza Library: 1/575.

۲) حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۳۲۶۔

۳) منتخب کنز العمال: ۱/٤۔

۴) حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۳۲۶۔

۵) منتخب کنز العمال: ۱/٤–٥۔

۶) منتخب کنز العمال: ۱/٥۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

[پھر میں نے جمع الجوامع کی فعلی احادیث کی تبویب کی اور میں نے اس کا نام "مستدرک الاقوال بسنن الافعال" رکھا۔]

٢٩) کنز العمال: علامہ متقی کی یہ کتاب ان ہی کی دونوں کتابوں یعنی غایۃ العمال اور مستدرک الاقوال کا مجموعہ ہے، اس کی ترتیب کے بارے میں وہ خود لکھتے ہیں:

"ثم جمعت بينهما بحيث كتبت كتاب الإيمان مثلا من غاية العمال ثم كتبت كتاب الإيمان من مستدرك الأقوال وهكذا إلى آخر التاليف وسميته كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال، فصار كتابا حافلا في أربعة مجلدات جامعا لمصادر الحديث." (١)

[پھر میں نے ان دونوں کے درمیان جمع کر دیا اس طور پر کہ مثلاً میں نے کتاب الایمان لکھا غایۃ العمال سے پھر کتاب الایمان لکھا مستدرک الاقوال سے اور آخر کتاب تک یہی طریقہ رہا، اور میں نے اس کا نام "کنز العمال في سنن الأقوال والافعال" رکھا۔ تو یہ چار جلدوں میں ایک ایسی مکمل کتاب ہوگئی جو مصادر حدیث کو جامع ہے۔]

اور خود مصنف "کنز العمال" کے مقدمہ میں رقم طراز ہیں:

"واذكر أولا منهج العمال ثم أذكر أحاديث الإكمال ثم أحاديث قسم الأفعال كتابا بعد كتاب...فصار ذلك كتابا واحدا مميزا فيه ما سبق بحيث أن من أراد تحصيل قسم الأقوال أو الأفعال منفردا تحصيلهما مجتمعين أمكنه ذلك، وسميته كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال." (٢)

[اور میں نے پہلے منہج العمال کی احادیث کو ذکر کیا پھر الاکمال کی اور پھر فعلی احادیث کو ایک کتاب کے بعد دوسری کتاب کے طور پر، تو وہ ما قبل کی کتابوں سے علیحدہ ایک ممتاز کتاب ہوگئی؛ کیوں کہ جو شخص فعلی اور قولی احادیث کو الگ الگ حاصل کرنا چاہے اس کے لئے ان کو ایک ہی جگہ سے حاصل کرنا ممکن ہو سکے اور میں نے اس کا نام "کنز العمال في سنن الاقوال والافعال" رکھا۔]

یہ شیخ علی متقی کی ایک عظیم الشان کتاب ہے جو دراصل علامہ سیوطی کی جمع الجوامع کی ترتیب و تنقیح اور جامع صغیر سے اخذ کر کے بنائی گئی ہے۔ شیخ موصوف نے اس کو فقہی ابواب پر انتہائی خوش اسلوبی سے مرتب کیا ہے،

١) منتخب كنز العمال: ١/٥.

٢) المتقي، علي بن حسام الدين الهندي، كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال: ٤/٩، تحقيق: بكري حياني، صفوة السقا، موسسة الرسالة، الطبعة الخامسة ١٤٠١هـ-١٩٨١م.

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور یہی وجہ ہے کہ علامہ سیوطی کی کتاب کے مقابلے میں یہ زیادہ مفید اور کارآمد ثابت ہوئی ہے؛ الغرض یہ احادیث نبوی ﷺ کے دائرۃ المعارف کی حیثیت رکھتی ہے جس سے استفادہ انتہائی آسان ہے۔

شیخ متقی اس کی تحریر و تسوید سے ۹۵۷ھ میں فارغ ہوئے اور یہ ۱۳۱۲ھ تا ۱۳۱۵ھ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد سے مولانا وحید الزماں و قار نواز جنگ کی تصحیح کے ساتھ بڑی تقطیع کی آٹھ جلدوں میں پہلی بار شائع ہوئی۔

۳۰) منتخب كنز العمال: شیخ علی متقی نے اپنی مذکورہ بالا کتاب "کنز العمال" کا ایک اختصار بھی تیار تھا جس کا نام انہوں نے "منتخب کنز العمال" رکھا۔ اس انتخاب واختصار کی ضرورت مصنف کو اس لئے پڑی کیوں کہ امام سیوطی کی "جامع کبیر" حروف ومسانید کے اعتبار سے مرتب ہے؛ اس لئے اس میں بکثرت تکرار یہ موجود ہیں، اور پھر اس کی ایک تقسیم قولی وفعلی اعتبار سے ہے اس لئے بہت سی احادیث ایک دوسرے کے ساتھ مخلوط ہوگئی ہیں جس بنا پر نہ طالب علموں کو مکررات واضافات کا پتہ چلتا ہے اور نہ عوام اپنی کم ہمتی کی بنا پر اس سے مکمل استفادہ کر سکتی ہے۔[1] ان جیسی دیگر ضروریات ووجوہات کی بنا پر شیخ متقی نے اس کا انتخاب تیار کیا، وہ خود تحریر فرماتے ہیں:

"أردت أن أحذف منها ما تكرر من غير أن أطوى شيئا من معانيه وأترك من فنونه ومبانيه، فاستخرت الله تعالى في حذف أحاديثه وآثاره، واستعنته على انتخابه واختصاره، فحذفت منه خمسة عشر ألفا من الحديث. فكان المتروك كله نحو ثلث الكتاب."[2]

[میں نے ارادہ کیا کہ اس میں سے احادیث کو اس طرح حذف کروں کہ نہ تو اس کے معانی میں خلل پڑے اور نہ اس کے فنون واہم باتیں متروک ہوں۔ تو میں نے احادیث وآثار کے حذف میں اللہ تعالی سے خیر طلب کی اور اس کے انتخاب واختصار میں اللہ کی مدد چاہی؛ لہذا میں نے اس سے پندرہ ہزار احادیث حذف کیں جو اصل کتاب کا ایک تہائی حصہ ہوتی ہیں۔]

شیخ متقی کا یہ انتخاب مسند امام احمد کے حاشیہ پر ۱۳۱۳ھ میں مکتبہ میمنہ مصر سے شائع ہوا تھا اور اس کا ایک قلمی نسخہ رام پور کی رضا لائبریری میں موجود ہے، جس کی ابتداء "الحمد لله الذي سهل على عباده حفظ الكتاب والسنة." سے ہے۔ اس مخطوط کا نمبر ہے: 6418M۔[3]

۱) منتخب كنز العمال: ۱/۵-۶۔

۲) منتخب كنز العمال: ۱/۵-۶۔

۳) Catalogue of the Arabic manuscripts in Raza Library: 1/572.

toobaa-elibrary.blogspot.com

محمد بن طاہر پٹنی ؒ

نام ونسب:

شیخ عالم، محدث، لغوی، علامہ مجد الدین، جمال الدین، ملک المحدث محمد بن طاہر بن علی الحنفی، پٹنی، گجراتی۔[1]

شیخ پٹنی کا مکمل نسب جو حضرت ابو بکر صدیق سے ملتا ہے اس کو صاحب تذکرہ علامہ محمد بن طاہر پٹنی نے یوں بیان کیا ہے:

"محمد بن طاہر بن علی بن الیاس، بن ابو النصر داؤد، بن ابو عیسیٰ عبد الملک بن ابو الفتح یونس شامی (مؤلف جامع القصص) ابن عمر شامی (صاحب الہدایہ والنہایہ) بن عبد اللہ بن ابو العطا حسین مفتی بن ابو الحامد احمد غریب بن ابو قاسم محمد بن ابو صالح محمد بن ابو الفیض عبد اللہ بن ابو الرضا عبد الرحمن بن ابو البقا قاسم البرد (؟) محمد عباس بن ابو النصر محمد طیفور شامی بن ابو المجد خلف بن ابو المجد احمد بن ابو الوجود شعیب بن ابو طلحہ بن عبد اللہ بن عبد الرحمن بن ابو بکر صدیق صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔"[2]

مختصر حالاتِ زندگی:

شیخ محمد بن طاہر کی پیدائش ۹۱۳ھ[3] یا ۹۱۴ھ میں گجرات کے ایک مشہور شہر پٹن میں ہوئی۔[4] آپ کے دادا علی اور والد طاہر پٹن کے بڑے تاجروں میں سے تھے اسی لئے یہ لوگ بوہرہ کہلاتے تھے: کیوں کہ بوہرہ سید ابو ظفر کی تحقیق کے مطابق اس شخص کو کہا جاتا ہے جو بیوپار یعنی تجارت کرتا ہو۔[5] شیخ پٹنی خود اپنی مشہور کتاب "قانون الموضوعات" میں تحریر فرماتے ہیں: "والبھرۃ أي التاجر"[6]

---

۱) نزھۃ الخواطر: ۴/۴۰۹۔ النور السافر: ۱۷۵۔ شذرات الذھب: ۱۰/۶۰۱۔ تذکرہ علمائے ہند: ۱۹۵۔

۲) عبدالوہاب، اتحفی القصات، تذکرہ علامہ شیخ محمد بن طاہر پٹنی، ترجمہ رسالہ مناقب: ۱۰-۱۱، مترجم: پروفیسر سید ابو ظفر ندوی۔

۳) النور السافر: ۱۷۵۔ نزھۃ الخواطر: ۴/۲۹۸

۴) تذکرہ علامہ محمد بن طاہر پٹنی: ۱۱۔ تذکرہ علمائے ہند: ۱۹۵۔

۵) تذکرہ محمد بن طاہر پٹنی: ۱۳-۲۷۔

۶) تذکرۃ الموضوعات: ۲۳۰۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

آپ کے خاندان کی تجارت یمن، جدہ، مکہ، مدینہ، طائف، بصرہ، سیراف اور ہرمز تک پھیلی ہوئی تھی، جو کہ کاغذ، کم خواب، طاس گجراتی اور مختلف قسم کے کپڑوں پر مشتمل تھی۔

محدث پٹنی عہد طفولیت سے ہی غیر معمولی ذہنیت کے حامل تھے اسی وجہ سے انہوں نے بچپن میں ہی قرآن کریم حفظ کرنے[1] کے بعد پندرہ سال کی عمر میں[2] اس دور کے تمام مروجہ علوم سے فارغ ہو کر تصنیف و تالیف کی جانب توجہ مبذول کر دی تھی۔

شیخ پٹنی کو طالب علمی کے زمانے میں اپنے ساتھیوں اور اساتذہ کی جانب سے سخت پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا اس لئے انہوں نے یہ نذر مانی کہ اگر اللہ نے ان کو جوہر علم سے سرفراز کیا تو صرف رضائے الٰہی کے لئے علم کی خدمت کریں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا جب وہ اس قابل ہوئے تو ایک عالم نے ان سے فائدہ اٹھایا۔[3] والد کے بعد جو دولت ان کے حصہ میں آئی وہ تمام کی تمام طالب علموں پر صرف کر دی اور کسی طالب علم کو کبھی اس وجہ سے پریشانی نہ ہوئی کہ اس کے پاس خرچ کے لئے پیسے نہ تھے۔

۱۵ رسال کی عمر میں علوم مروجہ سے فراغت کے بعد ۹۴۴ھ میں آپ حج کے ارادہ سے حرمین شریفین تشریف لے گئے حج اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے بعد ایک طویل مدت تک مکہ میں ہی قیام کیا اور وہاں کے مشہور محدثین سے علم حدیث حاصل کیا۔ اور وہیں شیخ علی متقی کی خدمت میں رہ کر تصوف کے بلند منازل طے کرنے کے بعد خرقۂ خلافت حاصل کیا۔

آپ تقریباً ۹۵۰ھ میں مکہ سے حج اور تکمیل تعلیم، خصوصاً تکمیل علم حدیث کے بعد ہندوستان واپس آئے اور درس و تدریس کے ساتھ ساتھ وعظ و نصیحت کے ذریعہ عوام و خواص کی اصلاح میں مشغول ہوگئے۔ جب آپ ہندوستان واپس آئے تو اس وقت مہدویت کا زور تھا، شیخ پٹنی نے مہدویت کی بدعات کا قلع قمع کرنے کے لئے غیر معمولی کوششیں کیں جس کی وجہ سے آپ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔

شہادت:

۹۸۶ھ میں اکبر بادشاہ کی اصلاح اور ابوالفضل کے جتھے کو شکست دینے کی غرض سے آپ نے آگرہ کا سفر کیا جس کا پتہ مہدیوں کو لگ گیا، انہوں نے شیخ کا تعاقب شروع کر دیا اور ہر وقت اس تاک میں رہے کہ وہ تنہا مل جائیں

1) آپ نے تقریباً ۹۲۳ھ تک حفظ مکمل کر لیا تھا۔ [تذکرہ محمد بن طاہر پٹنی: ۲۸]
2) تقریباً ۹۲۹ھ تک۔ [تذکرہ محمد بن طاہر پٹنی: ۲۸]
3) النور السافر: ۴۷۶۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

: بالآخر مشہور شہر سارنگ پور اور اجین کے درمیان ایک موضع "سوجی" میں ۶/ شوال ۹۸۶ھ کو جب شیخ علامہ محمد بن طاہر تہجد کی نماز میں مشغول تھے تو انہوں نے موقع پا کر شیخ کو شہید کر دیا۔[1]

شیوخ:

شیخ پٹنی نے ہندوستان میں تعلیم حاصل کی اور پندرہ سال کی کم عمر میں ہی تمام علوم مروجہ میں مکمل دسترس حاصل کر لی اس دوران انہوں نے جن علماء سے استفادہ کیا ان سب کے حالات تو کسی کتاب میں مذکور نہیں؛ البتہ آپ کے چار اساتذہ کا ذکر کتابوں میں ملتا ہے، جو کہ حسب ذیل ہیں:

۱) مولانا شیخ ناگوریؒ۔

۲) شیخ برہان الدین سمہودیؒ۔

۳) مولانا یداللہ سوہیؒ۔

۴) ملا متہ (مٹھ) اور ممکن ہے کہ یہ متہ ہو۔[2]

ان سب میں آخر الذکر کی خدمت میں رہ کر آپ نے تعلیم کا اختتام کیا، ان کا لقب استاد الزماں تھا، یہ پٹن کے ایک مشہور عالم تھے جن کا پٹن میں ایک مدرسہ بھی تھا جس کے بارے میں سید ابو ظفر ندوی رقم طراز ہیں:

> "پٹن میں شیخ مت بہت بڑے عالم تھے ان کا اصلی نام معلوم نہ ہو سکا ان کا ایک مدرسہ تھا جہاں طلبہ تعلیم حاصل کرتے تھے علامہ شیخ محمد طاہر پٹنی اسی مدرسہ کے تعلیم یافتہ تھے اور بھی بہت سے لوگ اس مدرسہ سے فیض یاب ہو کر نکلے۔"[3]

ہندوستان میں حصول تعلیم کے بعد شیخ پٹنی نے حج کے ارادہ سے حرمین شریفین کا سفر کیا اور وہاں شیوخ سے تکمیل تعلیم خصوصاً علم حدیث کی تکمیل کی ان میں سے چند مشہور نام یہ ہیں۔

۵) شیخ ابوالحسن بکریؒ۔

۶) علامہ احمد بن حجر ہیثمیؒ۔

---

۱) تذکرہ محمد بن طاہر پٹنی: ۷۷-۵۷۔ تذکرہ علمائے ہند: ۱۹۵-۱۹۶۔ مآثر الکرام: ۱۹۵۔ اخبار الاخیار: ۵۶۰۔ تذکرۃ المحدثین: ۱۵۴/۳۔ النور السافر: ٤٧٥. شذرات الذهب: ٦٠٢/١٠. سبحة المرجان: ٩٩ مجمع بحار الأنوار: ٦٨٥/٥.

۲) تذکرہ محمد بن طاہر پٹنی: ۲۹۔ تذکرہ علمائے ہند: ۱۹۵۔ نزهة الخواطر: ٢٩٨/٤. مجمع بحار الأنوار: ٦٨٥/٥.

۳) گجرات کی تمدنی تاریخ: ۱۹۸۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۷) شیخ علی بن عراقؒ۔

۸) شیخ جار اللہ بن فہد مکیؒ۔

۹) شیخ عبد اللہ عیدروس مدنیؒ۔

۱۰) شیخ علی مدنیؒ۔

۱۱) شیخ برخوردار سندھیؒ۔

۱۲) شیخ عبید اللہ حضرمیؒ۔

۱۳) شیخ ابو عبید اللہ زبیدیؒ۔

۱۴) شیخ علی متقی ہندیؒ۔ (۱)

مذکورہ علماء میں سے شیخ ابن حجر ہیثمیؒ سے حدیث میں اور شیخ متقیؒ سے تصوف میں خصوصی استفادہ کیا، ان کی صحبت سے خوب فیض یاب ہوئے اور بالآخر شیخ متقی سے بیعت ہو کر ان کے مریدوں میں شامل ہو گئے اور ان کو اپنا مرشد تسلیم کر لیا۔

تلامذہ:

شیخ پٹنی ایک عالم دین اور مصلح و مربی ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی فیاض اور سخی شخصیت کے مالک تھے ان کو اپنے والد سے جو جائیداد وراثت میں ملی تھی وہ تمام کی تمام طلبہ میں صرف کر دی تھی اس کے علاوہ خود بھی طلبہ کے لئے اپنے ہاتھ سے روشنائی بناتے تھے، ایک ہی وقت میں طلبہ سے خطاب بھی کرتے اور روشنائی بھی بناتے اور فرماتے کہ منہ کے ساتھ ساتھ ہاتھ بھی مصروف رہنا چاہیے۔ (۲)

ان ہی وجوہات کی بنا پر ان کا حلقۂ درس بہت وسیع ہو گیا تھا اور لوگ دور دور سے اپنی علمی پیاس کو بجھانے کے لئے ان کے درس میں شامل ہوتے تھے، ان کے طلبہ میں سے چند ناموں کا ذکر ان کے پوتے شیخ عبد الوہاب نے ایک رسالہ میں کیا ہے؛ جو درج ذیل ہیں:

---

۱) تذکرہ محمد بن طاہر پٹنی: ۲۹ - ۳۱۔

۲) اخبار الاخیار: ۵۶۰۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱) ابو البشر محمد فضلؒ۔

۲) حضرت شیخ ضیاء الدین بن شیخ محمد غوث، گوالیاریؒ۔

۳) ابو الفتح مولانا میاں احمد خاں، پٹنیؒ۔

۴) شیخ داؤد بن شیخ حسنؒ۔

۵) مولانا میاں برہان الدین واعظؒ۔

۶) مولانا احمدؒ۔

۷) مولانا محمد اسحاقؒ۔

۸) میاں جلال ـــــ بن محمنؒ (حضرت شاہ عالم)۔

۹) مولانا شاہ محمد حسنؒ۔

۱۰) مولانا میاں نور محمد حسنؒ۔

۱۱) مولانا میاں عبدل بن فتح اللہ سارنگ پوریؒ۔

۱۲) مولانا شیخ محمد شطاریؒ۔

۱۳) مولانا شیخ جیون سورتیؒ۔

۱۴) مولانا شیخ حسین سورتیؒ۔

۱۵) شیخ عبد الہادی احمد آبادیؒ۔

۱۶) شیخ فرید کاسب پٹنیؒ۔

۱۷) شیخ عبد النبی صدر الصدورؒ (بہ عہد اکبر)۔ (۱)

---

۱) تذکرہ محمد بن طاہر پٹنی: ۹۳- ۹۴۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

کتب علامہ پٹنیؒ:

محمد بن طاہر پٹنیؒ نے جس زمانہ میں آنکھیں کھولیں اور تعلیم و تدریس کے میدان سے نکل کر تصنیف و تالیف کے میدان میں قدم رکھا وہ انتہائی پر آشوب اور پر فتن زمانہ تھا، ایک طرف فرقہ مہدیہ نے نئے نئے فتنے کھڑے کر رکھے تھے تو دوسری جانب اکبر بادشاہ اور اس کے چند نام نہاد درباری دین اسلام میں نئی نئی تحریفات کرنے اور دین الٰہی کے نام سے ایک نئے دین کی تبلیغ و ترویج کرنے میں سرگرداں تھے۔

ان تمام حالات میں بھی جب کہ اطمینانِ قلبی اور فراغ خاطر نصیب نہ تھا شیخ پٹنیؒ نے تصنیف و تالیف کے میدان میں وہ غیر معمولی کارہائے نمایاں انجام دیئے جن کو دیکھ کر عقل انسانی حیران رہ جاتی ہے۔ شیخ محمد پٹنی جب حجاز سے واپس آئے تو ان کا مشغلہ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے علاوہ کوئی اور نہ تھا: ان کی تصنیفات کے نام اور مختصر تذکرہ باعتبار حروف تہجی درج ذیل ہے۔

۱) تذکرة الموضوعات: اس کتاب میں شیخ پٹنیؒ نے موضوع احادیث کو جمع کیا ہے، اور ان احادیث کے بارے میں محدثین اور نقاد کے جو اقوال ہیں ان کو بھی ذکر کیا ہے۔ یہ کتاب عبد الجلیل سامرودی سورتی کی تصحیح کے ساتھ مصر سے شائع ہو چکی ہے۔ کتاب میں موضوع احادیث کو عنوانات کے تحت بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً یہ کتاب، کتاب التوحید کے جلی عنوان سے شروع ہوتی ہے اور پھر اس کے تحت باب الإيمان بالله وبالقدر ومعرفته وشعبه وفضل من دعا إليه وغیرہ کے ذیلی عناوین موجود ہیں۔ یہ کتاب مصر کے ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ سے ۱۳۴۳ھ میں شائع ہوئی ہے، جو کہ ۲۲۹ر صفحات پر مشتمل ہے۔(۱)

۲) تکملة مجمع البحار: مصنفؒ کی مشہور کتاب مجمع البحار ہے جس کا مصنفؒ نے خود تکملہ لکھا تھا جو ایک رسالہ کی شکل میں کتاب کے آخر میں منضم ہے یہ رسالہ ۹۰ر صفحات پر مشتمل ہے اور اس کی ترتیب حروف تہجی کی ابتداء پر ہے۔(۲)

۳) توسل: یہ کتاب فن رجال میں ہے۔(۳)

۴) چہل حدیث۔(۱)

---

۱) الفتني، محمد بن طاهر، تذكرة الموضوعات، تصحيح: عبد الجليل، صالح بن سليمان، إدارة الطباعة المنيرية مصر: الطبعة الأولى ۱۳۴۳ھ

۲) مجمع بحار الأنوار: ۲۹۴. کشف الظنون: ۲/۱۵۹۹ تذکرہ محمد بن طاہر پٹنی: ۹۰۔

۳) تذکرہ محمد بن طاہر پٹنی: ۹۰۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۱۲۰۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۵) حاشية توضيح وتلويح: مصنفؒ نے مشہور فقہی کتاب پر یہ حاشیہ لکھا تھا، اس کا نام "تذکرہ محمد بن طاہر پٹنی میں" تلویح وتوضیح (تقلیب کے ساتھ) کا حاشیہ لکھا ہے۔[۲]

۶) حاشية صحيح بخاري.[۳]

۷) حاشية صحيح مسلم.[۴]

۸) حاشية مشكاة المصابيح.[۵]

۹) حاشية مقاصد الأصول.[۶]

۱۰) خلاصة الفوائد: یہ علم صرف میں ہے۔[۷]

۱۱) دستور الصرف: یہ بھی علم صرف میں ہے۔[۸]

۱۲) ذيل مجمع البحار: علامہ پٹنیؒ نے مجمع بحار الانوار کے تکملہ کی طرح اس کا ایک ذیل بھی تحریر فرمایا تھا جو کہ صاحب تذکرہ محمد بن طاہر کے بقول: "ذیل مجمع البحار" کے نام سے موسوم ہے۔[۹]

۱۳) رسالہ احکام بیر: اس کے نام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کنوئیں کے احکام و مسائل کا تذکرہ ہوگا۔[۱۰]

۱۴) رسالہ اسماک مطر۔

۱۵) رسالہ فضیلت صحابہ۔

۱۶) رسالہ کلیہ۔

---

۱) تذکرہ محمد بن طاہر پٹنی: ۹۰۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۱۶۰۔
۲) تذکرہ محمد بن طاہر پٹنی: ۹۱۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۱۶۰۔
۳) تذکرہ محمد بن طاہر پٹنی: ۹۰۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۱۶۰۔
۴) تذکرہ محمد بن طاہر پٹنی: ۹۰۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۱۶۰۔
۵) تذکرہ محمد بن طاہر پٹنی: ۹۰۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۱۶۰۔
۶) تذکرہ محمد بن طاہر پٹنی: ۹۰۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۱۶۰۔
۷) تذکرہ محمد بن طاہر پٹنی: ۹۰۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۱۶۰۔
۸) تذکرہ محمد بن طاہر پٹنی: ۹۰۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۱۶۰۔
۹) تذکرہ محمد بن طاہر پٹنی: ۸۹۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۱۷۱۔
۱۰) تذکرہ محمد بن طاہر پٹنی: ۹۱۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۱۶۰۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱۷) رسالہ نہروالہ: دشمنوں کے خوف سے رسالہ تکیہ کے نام سے مشہور ہے۔

۱۸) سوانح نبوی ﷺ (عربی): یہ عربی زبان میں ایک مختصر رسالہ ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کی سوانح عمری کو سال بہ سال کی ترتیب سے لکھا گیا ہے۔[1]

۱۹) سوانح نبوی ﷺ (فارسی): یہ عربی کی ہی طرح فارسی میں سیرت پر ایک مختصر رسالہ ہے۔[2]

۲۰) شرح عقیدہ: یہ کتاب علم کلام میں ہے۔[3]

۲۱) طبقات حنفیہ۔[4]

۲۲) عدۃ المتعبدین۔[5]

۲۳) قانون الموضوعات: علامہ پٹنی نے اس کتاب میں وضاعین حدیث کو حروف تہجی کے اعتبار سے جمع کیا ہے، جیسا کہ وہ خود لکھتے ہیں:

"أن أجمع الضعفاء من الرواة الكذابين، وأسرد الوضاع المفترين" [6]

[میں جمع کروں کذابین رواۃ میں سے ضعفاء کو اور جھوٹ گھڑنے والے چغل خوروں کو۔]

یہ کتاب مؤلف کی تذکرۃ الموضوعات کے ساتھ مصر کے ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ سے ۱۳۴۳ھ میں شائع ہو چکی ہے، جو کہ ۸۰ر صفحات پر مشتمل ہے۔

۲۴) کفایۃ المفرطین (شرح شافیۃ): یہ علم صرف کی مشہور کتاب شافیہ کی شرح ہے، سید ابو ظفر ندوی کی تحقیق کے مطابق اس کا ایک نسخہ درگاہ حضرت پیر محمد شاہ (احمد آباد) کے کتب خانہ میں موجود ہے، جو ۱۵۷ر صفحات پر مشتمل ہے اور ہر صفحہ میں ۱۳ر سطریں ہیں، متن شافیہ خط نسخ سے سرخی سے اور شرح سیاہی سے لکھی گئی ہے۔[7]

---

۱) تذکرہ محمد بن طاہر پٹنی: ۹۰۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۱۶۰۔
۲) تذکرہ محمد بن طاہر پٹنی: ۹۰۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۱۶۱۔
۳) تذکرہ محمد بن طاہر پٹنی: ۹۱۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۱۶۱۔
۴) تذکرہ محمد بن طاہر پٹنی: ۹۱۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۱۶۱۔
۵) تذکرہ محمد بن طاہر پٹنی: ۹۰۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۱۶۱۔
۶) الفتني، محمد بن طاهر، قانون الموضوعات بذيل لتذكرة الموضوعات: ۲۳۰، تصحيح: عبد الجليل، صالح بن سليمان، إدارة الطباعة المنيرية، مصر، الطبعة الأولى ۱۳۴۳هـ۔
۷) تذکرہ محمد بن طاہر پٹنی: ۸۱- ۸۲۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۱۶۱۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۲۵) مجمع البحار: علامہ پٹنیؒ کی اس کتاب کو عوام وخواص کے درمیان سب سے زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی، مصنف کی زندگی میں ہی اس کی نقلیں اور نسخے دور دراز علاقوں میں پھیل چکے تھے اور تب سے لیکر آج تک یہ کتاب حلقۂ اہل علم میں ماخذ ومصدر کی حیثیت سے استعمال کی جاتی ہے۔ کتاب کی اسی اہمیت وافادیت پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا حبیب الرحمن اعظمی لکھتے ہیں:

"ولم يزل الناس يحرصون على اقتنائه ويرغبون في استنساخه، حتى لا تجد مكتبة ذات شان في بلدة من بلاد الهند إلا وفيها نسخة منه، ولا عالما مشغوفا بالعلوم الدينية إلا وهو بين يديه يرجع إليه فيما أهمه ويستفيد منه." (۱)

[اور اس کو جمع کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں اور اس کے نسخے حاصل کرنے کے خواہش مند رہتے تھے، یہاں تک کہ بلاد ہند میں کوئی شہر ایسا نہیں کہ اس میں بڑا کتب خانہ ہو اور اس کتاب کا نسخہ موجود نہ ہو اور نہ کوئی ایسا عالم ہے جو علوم دینیہ سے لگاؤ رکھتا ہو اور اس کے پیش نظر یہ کتاب نہ ہو کہ اس کی جانب وہ ضروری اور اہم الفاظ میں رجوع کرے اور اس سے استفادہ کرے۔]

اس کتاب کا مکمل نام "مجمع بحار الأنوار في غرائب التنزيل ولطائف الأخبار" ہے جو کہ بغرض اختصار مجمع بحار الأنوار" کے نام سے مشہور ومعروف ہے۔ ۱۳۸۷ھ مطابق ۱۹۶۷ء میں یہ ہندوستان کے مطبع مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدر آباد دکن سے شائع ہوئی جو کہ پانچ ضخیم جلدوں اور ۲۳۰۹ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کی ترتیب مادہ کے حروف تہجی پر ہے جو کہ فن غریب الحدیث میں سب سے عمدہ ترتیب سمجھی جاتی ہے۔

پہلی جلد میں "الف" سے "حا" تک، دوسری میں "خاء" سے "زا" تک، تیسری میں "سین" سے "عین" تک، چوتھی میں "غین" سے "نون" تک اور پانچویں جلد میں "واؤ" سے "یا" تک کے الفاظ اپنے حروف اصلیہ کے اعتبار موجود تھا۔ پانچویں کے نصف آخر میں ہی اس کتاب کا تکملہ موجود ہے جو کہ مصنف نے بذات خود لکھا ہے۔

۲۶) مختصر الاتقان: اس میں علامہ سیوطیؒ کی مشہور کتاب الاتقان کا اختصار کیا گیا ہے۔ (۲)

۲۷) مختصر مستظہریہ۔ (۳)

---

۱) الفتني، محمد بن طاهر، مجمع بحار الأنوار في غرائب التنزيل ولطائف الأخبار: تقديم الكتاب ي، تحقيق: حبيب الرحمن الأعظمي، مطبعة مجلس دائرة المعارف العثمانية، الطبعة الأولى ۱۳۸۷هـ=۱۹۶۷م.

۲) تذکرہ محمد بن طاہر پٹنی: ۹۰۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۱۶۱۔

۳) تذکرہ محمد بن طاہر پٹنی: ۹۱۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۱۶۱۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۲۸) المغني في ضبط الأسماء لرواة الأنباء: علامہ پٹنیؒ نے اس کتاب میں رواۃ کے ناموں کے صحیح تلفظ، حروف اور حرکات و سکنات کو ذکر کیا ہے۔ جس وجہ سے یہ طلبۂ حدیث کے لئے انتہائی اہم اور مفید کتاب ہے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر یہ کتاب سب سے پہلے حافظ ابن حجرؒ کی تقریب التہذیب کے حاشیہ پر دہلی سے ۱۲۹۲ھ میں اور پھر ۱۳۰۸ھ میں طبع ہوئی تھی۔ اس کے بعد تقریب کے حاشیہ پر ہی ۱۳۲۰ھ میں مطبع المجتبائی دہلی سے شائع ہوئی، پھر مطبع مجتبائی کے نسخہ کو ہی شیخ منیر احمد نے ۱۳۹۳ھ میں کراچی، پاکستان سے شائع کیا۔ اس کے بعد متعدد بار بیروت سے شائع ہوئی، اور پھر محرم ۱۴۲۸ھ میں مولانا زین العابدینؒ، صدر شعبۂ تخصص فی الحدیث، مظاہر العلوم سہارنپور کی تحقیق و تصحیح کے ساتھ الرحیم اکیڈمی کراچی، پاکستان سے شائع ہوئی۔

محققؒ کے پیش نظر کتبہ دار العلوم دیوبند میں موجود مخطوط کی فوٹو کاپی تھی، اس کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:

"وهي بخط بعض تلامذة الشيخ عبد الحق المحدث الدهلوي (المولود ۹۵۹هـ – المتوفى ۱۰۵۲هـ) واسم ذلك التلميذ "محمد حيدر الكشميري" كما هو مكتوب في خاتمة فصل التواريخ."[1]

[اور یہ شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ (مولود ۹۵۹ھ، متوفی ۱۰۵۲ھ) کے کسی طالب علم کے ہاتھ کا نقل کیا ہوا ہے، اور اس طالب علم کا نام محمد حیدر کشمیری ہے، جیسا کہ فصل التواریخ کے خاتمہ میں لکھا ہے۔]

مولانا زین العابدین نے انتہائی محنت و کاوش اور خوش اسلوبی کے ساتھ ما قبل مطبوعہ نسخوں میں موجود اغلاط کی تصحیح کی، وفیات اور طبقات کو صحیح کیا اور انتہائی قیمتی حواشی تحریر فرمائے ہیں۔ ان تمام امور کی وجہ سے کتاب کی اہمیت و افادیت میں غیر معمولی اضافہ کے ساتھ اس کی ضخامت میں بھی اضافہ ہوا ہے جو کہ اب ۳۶۳ صفحات پر مشتمل ہے۔

مذکورہ اشاعت کے بعد یہی کتاب دار العلوم دیوبند کے استاذ حدیث و فقہ مفتی محمد یوسف تاؤلی کی تحقیق کے ساتھ مکتبہ فقیہ الامت دیوبند سے بھی شائع ہوئی ہے جو ۲۷۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

۲۹) مقاصد جامع الأصول: یہ صحاح ستہ کی احادیث پر مشتمل ہے۔[2]

۳۰) منہاج السالکین: اس میں ان احادیث کو بیان کیا ہے جن کی ضرورت سالک کو راہِ تصوف میں ہوتی ہے۔[1]

---

۱) الفتني، محمد بن طاهر، المغني في ضبط الأسماء لرواة الأنباء: ۲۳، تحقيق: زين العابدين، الرحيم اكيڈمي پاكستان، ۱٤۲۸هـ.

۲) تذکرہ محمد بن طاہر پٹنی: ۸۹۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۱۶۱۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۳۱) نصاب البیان: علم معانی میں ہے۔[۲]

۳۲) نصاب المیزان: یہ علم منطق میں ہے۔[۳]

۳۳) نصیحۃ الولاۃ والرعاۃ والرعیۃ: حاکم گجرات سلطان محمود کی وفات کے بعد شیر خان اور موسیٰ خان فولادی حاکم پٹن خود مختار ہو گئے، یہ دونوں فرقۂ مہدیہ کے پیرو تھے اور اہل سنت پر بہت ظلم کرتے تھے۔ ان کو ظلم وجور سے باز رکھنے کے لئے شیخ پٹنی نے یہ رسالہ تحریر فرمایا تھا اور ایک ایک نسخہ سب حاکموں کے پاس بھیجا تھا۔ اس کا ایک نسخہ خیر پور کی پبلک لائبریری میں موجود ہے جو ۸۱ر صفحات پر مشتمل ہے اور ہر صفحہ پر ۱۴ر سطریں ہیں۔ ضیاء الدین اصلاحی کے مطابق یہ نسخہ ۱۹۷۹ء میں ڈاکٹر سلیم اختر کی تحقیق کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔[۴]

---

۱) تذکرہ محمد بن طاہر پٹنی: ۹۰۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۱۶۱۔

۲) تذکرہ محمد بن طاہر پٹنی: ۹۱۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۱۶۱۔

۳) تذکرہ محمد بن طاہر پٹنی: ۹۱۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۱۶۱۔

۴) تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۱۶۱- ۱۶۳۔ تذکرہ محمد بن طاہر پٹنی: ۹۱۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

بابِ دوم

شیخ عبد الحقؒ

(خاندانی پس منظر، ذاتی حالات اور علمی خدمات)

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب دوم

شیخ عبد الحق ؒ

(خاندانی پس منظر، ذاتی حالات اور علمی خدمات)

شیخ عبد الحق محدث دہلوی کا خاندانی تعلق ماوراء النہر کے سب سے بڑے اور مشہور شہر بخارا سے تھا۔ موجودہ ملکی اعتبار سے بخارا ازبکستان کا ایک صوبہ ہے جس کے صدر مقام کا نام بخارا ہے۔ اس شہر کو مسلم فاتحین نے سب سے پہلے ۵۴ھ میں عبید اللہ بن زیاد کی قیادت میں فتح کیا تھا۔ اس وقت بخارا پر "خاتون" نامی ایک عورت کی حکومت تھی۔

اس واقعہ کو فتوح البلدان میں اس طرح بیان کیا ہے:

"ومات زياد فاستعمل معاوية عبيد الله بن زياد على خراسان: وهو ابن ٢٥ سنة...
وكانت خاتون بمدينة بخارا." (١)

[اور زیاد کے انتقال کے بعد حضرت معاویہؓ نے عبید اللہ بن زیاد کو خراسان کا والی مقرر کیا، اس وقت آپ کی عمر ۲۵ رسال تھی۔۔۔۔ اور بخارا شہر پر "خاتون" نامی عورت کی حکمرانی تھی۔]

اسی شہر سے شیخ عبد الحقؒ کا خاندانی تعلق تھا اور آپ کے جدِ اعلیٰ آغا محمد، علاؤ الدین خلجی کے دورِ حکومت میں یہیں سے ہندوستان تشریف لائے تھے، جس کی بدولت خاندانِ حقی نے مستقل طور پر ہندوستان میں ہی سکونت اختیار کر لی، اور اپنے فیوض سے عرصۂ دراز تک ہندوستانی فضا کو اسلامی تعلیمات سے معطر کرتے رہے۔

شیخ عبد الحقؒ کے انہی آباؤ اجداد کے مختصر حالات، آپؒ کی سوانح حیات اور علمی خدمات کو آئندہ صفحات میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ باب تین فصلوں پر مشتمل ہے:

فصل اول : خاندانی پس منظر۔

فصل دوم : ذاتی حالات۔

فصل سوم : علمی خدمات۔

---

١) فتوح البلدان: ٥٧٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

فصل اول: خاندانی پس منظر

بارہویں اور تیرہویں صدی عیسوی تاریخ انسانی کے ان تاریک ترین ادوار میں سے ہے جن کو آج تک قتل وغارت گری کی وجہ سے یاد کیا جاتا ہے۔ انھی ایام میں چنگیز خاں اور اس کے جانشینوں نے منگول سلطنت قائم کرنے کے لئے وسط ایشیاء میں ظلم و بربریت کا ماحول بپا کر رکھا تھا۔ بخارا جو کہ اس وقت اسلامی تہذیب وثقافت کا مرکز اور ایک درخشندہ ستارہ تھا، وہ بھی ان منگول حملوں سے نہ بچ سکا۔

۱۲۲۰ء میں جب اہل بخارا نے چنگیز خاں کے لشکر کی اطاعت قبول کی تو جامع مسجد اور چند محلات کو چھوڑ کر پورے شہر کو نظر آتش کر دیا گیا۔ اس کے بعد ایک بار پھر ۱۲۷۳ء میں ہلاکو خاں کے بیٹے آباقا خاں نے اس شہر پر قبضہ کیا تو اس کو بالکل تباہ و برباد کر دیا۔ (۱)

ان حالات کی وجہ سے وہاں کی امن پسند اور علم دوست عوام نے قرب وجوار کے دوسرے ممالک کی جانب کوچ کرنا شروع کر دیا؛ چوں کہ اس وقت ہندوستان اپنی سیاسی، علمی اور تمدنی حیثیت سے سب سے زیادہ تابناک دور سے گذر رہا تھا۔ اس دور کے نظام معاشرہ اور معیشت پر تبصرہ کرتے ہوئے دور حاضر کے مورخ پروفیسر عرفان حبیب لکھتے ہیں:

> "اناج کی صورت میں جمع کیا ہوا ٹیکس یا خراج اور وہ اناج جو کسان خراج ادا کرنے کی غرض سے فروخت کرتے تھے اتنی وافر مقدار میں حکومت کے پاس جمع ہو جاتا تھا کہ اس اناج کی بکری اور قیمتوں پر بندشیں لگا کر علاؤ الدین کے لئے اپنے دار السلطنت دہلی میں مختلف بازاری اشیاء کی قیمتوں کو گھٹانا اور ان پر قابو رکھنا ممکن ہو سکا۔" (۲)

ہندوستان کی اسی خوشحالی اور علم پروری کو دیکھتے ہوئے بخارا کے ترکوں نے ہندوستان کی جانب کوچ کرنے کا فیصلہ کیا۔ ترکوں کے انھی مہاجر قافلوں میں وہ قافلہ بھی تھا جو آغا محمد کی ماتحتی میں ہندوستان تشریف لایا۔

---

۱) اردو دائرۂ معارف اسلامیہ: ۴/ ۱۱۴۳، دانش گاہ پنجاب لاہور، پاکستان، بار دوم اگست ۲۰۰۵ء۔

۲) عرفان حبیب، عہد وسطی کا ہندوستان: ۸۰، مترجم: اقتدار عالم خان، نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا، طبع دوم ۲۰۱۴ء۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

آغا محمد ترک:

شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کے آباؤ اجداد میں سب سے پہلے ہندوستان تشریف لانے والے آغا محمد ترک تھا، جو بخارا کے رہنے والے تھے۔ آغا محمد، سلطان محمد علاؤ الدین خلجی کے دورِ حکومت (۱۲۹۶ء تا ۱۳۱۶ء) میں ہندوستان تشریف لائے تھے۔

یہ وہ دور تھا جب کہ وسط ایشیاء سیاسی انتشار کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ ہلاکو خاں کے بیٹے اباقا خاں نے بخارا کو بالکل تباہ و برباد کر دیا تھا(۱)۔ جس کی وجہ سے وہاں کی امن پسند اور علم دوست عوام نے قرب و جوار کے دوسرے ممالک کی جانب کوچ کرنا شروع کر دیا تھا۔ ہجرت کرنے والے انہی قافلوں میں ترکوں کا وہ قافلہ بھی تھا جو آغا محمد کی ماتحتی میں ہندوستان آیا تھا۔

اپنے جد اعلیٰ کے بخارا سے دہلی تشریف لانے کے واقعہ کو نقل کرتے ہوئے شیخ محدث دہلویؒ تحریر فرماتے ہیں:

"جد بزرگ ما، آغا محمد ترک بخاری، از بخارا در زمانِ عظمت نشان سلطان محمد علاؤ الدین خلجی بہ دہلی تشریف آوردہ و چوں در آنجا قبیلہ دار و سر قوم خود بودہ است، جماعتِ کثیر از اتراک کہ پیوندِ قرابت و رابطۂ بیعت و خدمت بہ وے داشتند، نیز از وطنِ اصلی انتقال نمودہ، در ملازمتِ او در ایں دیار رسیدہ اند۔" (۲)

[ہمارے جد امجد آغا محمد ترک بخاری، سلطان علاؤ الدین خلجی کے زمانے میں بخارا سے دہلی تشریف لائے۔ چوں کہ یہ اپنے قبیلے کے سردار تھے اس لئے بہت سے ترک جو آپ کے مرید اور رشتہ دار تھے وہ بھی آپ کے ہمراہ بخارا سے دہلی آ گئے۔]

آغا محمد چوں کہ ذی وجاہت اور غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک تھے، اور ان کا شمار سردارانِ قوم میں ہوتا تھا، انہی خوبیوں کو دیکھتے ہوئے بادشاہِ وقت نے ان کو بلند مراتب پر فائز کیا اور فتح گجرات کے لئے جانے والی مہم پر مامور کر کے گجرات روانہ کر دیا، جہاں پر انہوں نے گجرات اور اس کے بندرگاہوں کو فتح کیا اور اس مہم کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے کے لئے شاہی حکم سے وہیں مقیم ہو گئے۔ جیسا کہ شیخ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"برائے تسخیر ممالک گجرات و فتح بندر آں با جماعہ از امرائے عالیشان متعین شد، بعد از امضا و انصرام آں مہم بحکم سلطانی ہمانجا مخیم اقامت ساخت۔" (۳)

---

۱) اردو دائرۂ معارف اسلامیہ: ۴/ ۱۱۴۔

۲) اخبار الاخیار: ۵۹۵۔

۳) اخبار الاخیار: ۵۹۵۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

[ممالک گجرات اور وہاں کی بندرگاہوں کو فتح کرنے کے لئے جو جماعت روانہ ہوئی اس میں آپ کو بھی متعین کیا، اس مہم کے ختم ہونے اور فتح و کامرانی کے بعد آپ نے سلطان کے حکم سے وہیں سکونت اختیار کرلی۔]

سلطان کے حکم کی وجہ سے آغا محمد ترک نے گجرات میں ہی سکونت اختیار کرلی، لیکن کچھ ہی ایام کے بعد ان کی کسی امیر سے مخالفت ہوگئی اور وہ واپس دہلی تشریف لے آئے، اس بار سلطان علاؤالدین نے ان کو اور زیادہ بلند مراتب پر فائز کیا۔

آغا محمد ترک کو اللہ تعالیٰ نے شہرت و عزت کی طرح اولادِ کثیر سے بھی نوازا تھا، جن کی تعداد شیخ محدث سنہ ۱۰۱ ار بتاتی ہے۔[1] آپ کی یہ تمام اولاد قطب الدین اور تغلق شاہ کے دور حکومت تک قائم تھی، پھر ایک حادثہ فاجعہ میں ان کے سولہ کے انتقال کر گئے، صرف ایک لڑکا "ملک معزالدین" باقی رہا۔

اس حادثہ سے دل برداشتہ ہوکر آغا صاحب تمام جاہ و جلال اور عزت و امارت کو خیر باد کہہ کر شیخ صلاح الدین سہروردیؒ کی خانقاہ میں جا بیٹھے۔ ایک مدت شیخ کی زیر تربیت رہنے کے بعد سہروردی صاحبؒ نے ان کو خوش خبری سنائی کہ ان شاء اللہ تمہاری اولاد قیامت تک باقی رہے گی، اور اس کے بعد ان کو اہل و عیال کے پاس جانے کی ترغیب دی۔

اہل و عیال کے پاس واپس آنے کے ایک عرصہ بعد آپ نے ۱۷ ار ربیع الآخر ۷۳۹ھ مطابق ۱۳۳۸ء کو انتقال فرمایا اور عید گاہ شمسی کے عقب میں دفن کئے گئے۔ جیسا کہ اخبار الاخیار میں مذکور ہے:

"بعد از مدت والد ماجد او از مہمات ایں عالم فراغ کلی بدست آوردہ متوجہ عالم دیگر شد و کان ذالک فی سابع عشر من ربیع الآخر، سنہ ۷۳۹ تسع و ثلاثین و سبعمأۃ، مقبرۂ او پس پشت عید گاہ شمسی است۔"[2]

[ایک مدت کے بعد ان (ملک معزالدین) کے والد ماجد اس دنیا سے مکمل فراغت حاصل کر کے دوسرے جہاں کی جانب متوجہ ہوگئے، اور یہ ۱۷ ار ربیع الآخر ۷۳۹ھ کا واقعہ ہے۔ ان کا مقبرہ عید گاہ شمسی کے عقب میں ہے۔]

---

۱) اخبار الاخیار: ۵۹۶۔

۲) اخبار الاخیار: ۵۹۶ - ۵۹۷۔ حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۵۷۔ تذکرۃ المحدثین: ۳ / ۱۷۴۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ملک معزالدین:

آغا محمد کی ایک سو ایک اولاد میں سے صرف ایک یہی سب سے بڑے صاحبزادے ملک معزالدین باقی بچے تھے۔ اللہ رب العزت نے ملک معزالدین میں ہی فوت ہونے والی تمام اولاد و احفاد کی صلاحیتیں ودیعت فرمادی تھیں اور تنہا ان کو سو انسانوں کی استعداد و خوبیاں اور فضائل و کمالات عطاء کیے تھے، جیسا کہ شیخ محدث رقم طراز ہیں:

"حق سبحانہ و تعالیٰ ملک معزالدین را چناں کرد کہ گویا جمیع فیض و استعداد و نعم آں صد کس را بہ وے تنہا ارزانی داشت۔"[1]

[حق تعالیٰ نے ملک معزالدین کو یہ مرتبہ دیا گویا سو انسانوں کی استعداد اور فیضان ان کو تنہا عطا فرمادیا۔]

ملک معزالدین کے یہاں موسیٰ نامی ایک فرزند پیدا ہوا۔ اس کی ولادت کے کچھ ہی عرصہ بعد ملک معز الدین اپنی تمام دولت و ثروت اور جاہ و جلال کو اپنے بیٹے کے سپرد کرکے اس دار فانی سے انتقال فرماگئے۔

ملک موسیٰ:

معزالدین کے بیٹے ملک موسیٰ بھی تمام اوصاف و کمالات میں اپنے والد بزرگوار کے مماثل تھے۔ ایک زمانے تک دہلی میں مقیم رہے لیکن ۷۹۱ھ مطابق ۱۳۸۸ء میں فیروز شاہ تغلق کا عہد حکومت ختم ہونے کے بعد[2] جب حالات پر آشوب ہوگئے تو وہ بھی دیگر علماء و مشائخ کی طرح حالات سے بددل ہوکر ماوراء النہر جاکر مقیم ہوگئے۔ ان کے ماوراء النہر چلے جانے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شیخ صاحب لکھتے ہیں:

"وے (ملک موسیٰ) در فترات کہ بعد از انقضائے عہد دولت فیروزی واقع شد باز بہ ولایت ماوراء النہر رفتہ۔"[3]

[سلطان فیروز شاہ تغلق کے عہد کے بعد جو بدنظمی پیدا ہوئی (اس سے بددل ہوکر) ملک موسیٰ ماوراء النہر چلے گئے۔]

آپ کی سکونتِ ماوراء النہر کو ابھی تقریباً دس سال کا عرصہ ہی گزرا تھا کہ ۸۰۱ھ مطابق ۱۳۹۸ء میں امیر تیمور گورگان نے ہندوستان پر حملہ کی غرض سے دہلی کی جانب پیش قدمی کی۔[1] اس تیموریہ لشکر کے ساتھ ملک

---

1) اخبار الاخیار: ۵۹۶۔

2) منشی برکت علی، مرآۃ الحقائق: ۴، مطبع عزیزی، رام پور۔ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی: ۵۷۔

3) اخبار الاخیار: ۵۹۷۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

موسیٰ بھی ہندوستان آ گئے۔ اور پھر مستقل طور پر یہیں سکونت اختیار کرلی۔ محدث دہلوی ملک موسیٰ کی دہلی واپسی کے واقعہ کو یوں بیان فرماتے ہیں:

"دررکاب دولت مآب صاحب قران اعظم امیر تمور گورگان بہ دہلی قدم آوردہ، سلسلۂ آباؤ اجداد تازہ کردہ، قدم اقامت واستقامت محکم ساخت۔" (۲)

[صاحب قران اعظم امیر تیمور گورگان کے ساتھ دہلی آئے اور اپنے بزرگوں کے سلسلے کا احیا کیا اور یہاں مستقل سکونت اختیار کرلی۔]

شیخ فیروز شہید:

ملک موسیٰ کے بیٹوں میں سب سے زیادہ مشہور و معروف شیخ فیروز تھے۔ شیخ فیروز جس طرح "علم سپاہگری" اور "فن جنگ" میں بے نظیر تھے، اسی طرح وہ علم دوستی، شاعری، سخاوت اور خوش طبعی جیسی اعلیٰ صفات میں بھی یکتائے روزگار تھے۔ وہ ایک جانب ظاہری فضائل سے آراستہ و پیراستہ تھے تو دوسری جانب کمالات باطنیہ کے بھی اعلیٰ درجہ پر فائز تھے۔

خاندان حقی میں ان ہی کی وجہ سے خوش طبعی اور شاعری کی بنیاد پڑی تھی، (۳) شیخ فیروز کو شاعری پر جو کمال اور عبور حاصل تھا اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب وہ بقید حیات تھے تو سلطان بہلول لودی سے جنگ کرنے کی خاطر سلطان حسین شرقی دہلی آیا تھا، اس جنگ کے پورے واقعہ کو شیخ فیروز نے نظم کیا تھا، اس طویل نظم کے صرف دو شعر شیخ محدث کو یاد رہ گئے جن کو شیخ صاحب نے اخبار الاخیار میں ذکر کیا ہے، ان اشعار میں حسین شرقی، بہلول لودی کو مخاطب کر کے کہتا ہے:

ایا قابض شہر دہلی شنو
حیات چو خواہی ازیں جا برو

منم قابض ملک، ماراست ملک
خدا داد مارا خدا راست ملک (۴)

[اے دہلی پر قبضہ کرنے والو، سنو! اگر زندگی چاہتے ہو تو یہاں سے چلے جاؤ، ہم ملک پر قابض ہیں، ہمارا ملک ہے، اس کو خدا نے ہمیں دیا ہے، خدا کا ملک ہے۔]

۱) مرآۃ الحقائق: ۴۔

۲) اخبار الاخیار: ۵۹۷۔

۳) اخبار الاخیار: ۵۹۷۔

۴) اخبار الاخیار: ۵۹۷۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۸۶۰ھ مطابق ۱۴۵۵ء شیخ فیروز کسی جنگ میں بہرائچ گئے اور اسی جنگ میں جام شہادت نوش فرمایا، اور وہیں پر تدفین عمل میں آئی۔ (۱)

شیخ سعد اللہ:

شیخ سعد اللہ ابھی بطن مادر میں ہی تھے کہ والد بزرگوار شیخ فیروز جنگ بہرائچ میں شہید ہوگئے، جنگ پر جانے سے قبل شیخ فیروز کی بیوی نے کہا کہ میں امید سے ہوں، تو جواب میں شیخ صاحب نے فرمایا کہ:

"از خدا خواستہ ام کہ آں فرزند نرینہ باشد، و از وے اولاد بسیار شود، او را و شمارا بہ خدا سپردیم، تا بعد از ایں مارا چہ پیش آید؟" (۲)

[میں نے خدا سے دعا کی ہے کہ بیٹا ہو اور اس سے خوب اولاد ہو۔ (تاکہ نسل چلے) میں اس کو اور تم کو خدا کے حوالے کرتا ہوں۔ نہ معلوم اس کے بعد میرے ساتھ کیا واقعہ پیش آئے؟]

اللہ تبارک و تعالیٰ نے والد بزرگوار کی اس دعا کو شرف قبولیت سے نوازا اور ان کے گھر میں شیخ سعد اللہ نامی لڑکا پیدا ہوا، یہی شیخ عبد الحق محدث دہلوی کے حقیقی دادا ہیں۔

شیخ سعد اللہ تحصیل علم و فن کے بعد اس وقت کے صاحب کمال بزرگ شیخ محمد منگن مصباح العاشقین کے حلقۂ بیعت میں داخل ہوگئے، جن کی سرپرستی میں انہوں نے سلوک و معرفت کی راہیں طے کیں اور ان سے اجازت و خلافت حاصل کی۔

شیخ سعد اللہ کو خدا تعالیٰ نے باطنی نعمتوں کے ساتھ ساتھ ظاہری نعمتوں سے بھی خوب نوازا تھا، ان کے کئی بیٹے تھے جن کو شہر دہلی میں ان کے علم و فضل، خوش اخلاقی اور جود طبع کی وجہ سے ایک خاص مقام حاصل تھا، ان کی عزت و شہرت کا جو عالم تھا اس کی جانب شیخ محدث" نے یہ کہتے ہوئے اشارہ کیا ہے:

"مردم ایں شہر اتفاق دارند کہ دہلی عبارت از یں برادران۔" (۳)

[اس شہر کے لوگ اس بات پر متفق تھے کہ دہلی انہی کی وجہ سے پہچانی جاتی ہے۔]

شیخ سعد اللہ کا انتقال بروز جمعہ، ۲۲، ربیع الاول ۹۲۸ھ مطابق ۱۵۲۱ء کو ہوا۔ (۱)

۱) اخبار الاخیار: ۵۹۸۔ مرآۃ الحقائق: ۶۔ حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۸۔ تذکرۃ المحدثین: ۳ / ۱۷۵۔

۲) اخبار الاخیار: ۵۹۸۔

۳) اخبار الاخیار: ۵۹۹۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

شیخ سیف الدین:

شیخ سیف الدین ۹۲۰ھ مطابق ۱۵۱۴ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ شیخ سعد اللہ کے سب سے چھوٹے لڑکے اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی کے والد ماجد ہیں۔

شیخ سیف الدینؒ ابھی آٹھ برس کی عمر کو ہی پہونچے تھے کہ والد کا سایۂ عاطفت سر سے اٹھ گیا۔ جب والد کے انتقال کا وقت قریب آیا تو ایک دن بوقت صبح شیخ سیف الدین کو لے کر گھر کے بالائی حصہ پر پہونچے، تہجد کی نماز سے فراغت کے بعد بیٹے کو قبلہ رخ کھڑا کیا اور یہ دعا کی:

"خداوندا! تو می دانی کہ پسران دیگر تربیت ما کردہ واز ادائے حقوق اوشاں بر آمدہ ام، ایں راتیم می گزارم وبے کس، حقوق ایں بر ذمہ من است، ایں راب تو می سپارم، مربی ومتولی امور او تو باش۔"(۲)

[اے خداوند قدوس تو جانتا ہے کہ میں دوسرے لڑکوں کی تربیت سے فارغ ہو چکا ہوں، اور ان کے حقوق ادا کر چکا ہوں۔ اس لڑکے کو بے کس اور یتیم چھوڑ رہا ہوں، اس کے حقوق میرے ذمہ ہیں، میں اس کو تیرے سپرد کرتا ہوں، اس کے امور کا مربی اور متولی تو ہی ہے۔]

اس واقعہ کے کچھ ہی دن بعد شیخ سعد اللہ کا انتقال ہو گیا، لیکن ان کی دعا کا یہ اثر ہوا کہ شیخ سیف الدین میں رشد وہدایت کے آثار روز بروز نمایاں ہونے لگے، تمام مشکلات اور اخراجات کی تنگی کے باوجود "تحصیل علم وفضیلت" میں کبھی کوئی کوتاہی نہ ہوئی، ان کی خوبیوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے صاحب اخبار الاخیار لکھتے ہیں:

"در شعر وفضیلت وقبول خواطر وذوق وشوق ومحبت وظرافت ولطافت وبے تعلقی ووارستگی وطیب قلب وحضور خاطر وذکر لطائف ونکات وفہم دقائق وارشادات یگانۂ روزگار وافسانۂ دیار خود شد۔"(۳)

[شعر وشاعری، فضیلت، مقبولیت، محبت والفت، خوش طبعی، بے تعلقی، راست بازی، پاکیزگیٔ دل، حضور قلب، لطائف ونکات کی تذکیر اور دقائق وارشادات کی فہم وسمجھ میں بے مثال ویگانہ روزگار تھے۔]

---

۱) اخبار الاخیار: ۵۹۹۔ مرآۃ الحقائق: ۹۔ حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۸۰۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/۱۷۹۔

۲) اخبار الاخیار: ۵۹۹۔

۳) اخبار الاخیار: ۵۹۹۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

شیخ سیف الدین کو شاعری سے ایک خاص لگاؤ تھا، وہ اپنا تخلص سیفی لکھتے تھے، شاعری کے میدان میں ان کے مقام و مرتبہ کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان کی ایک مثنوی "سلسلۃ الوصال" کے نام سے تھی جس میں پانچ سو (۵۰۰) اشعار تھے اور یہ تمام کے تمام انہوں نے ایک ہی دن میں لکھے تھے، جیسا کہ اخبار الاخیار میں مرقوم ہے:

"می فرمودند کہ آں بہ غلبۂ شوق در یک روز گفتہ شدہ است، و باز ہرگز بر اں عبور نیفتاد۔"[1]

[فرماتے تھے کہ یہ مثنوی غلبۂ شوق کے عالم میں ایک دن میں کہی ہے، اور پھر دوبارہ نظر ڈالنے کا اتفاق نہیں ہوا۔]

شعر و شاعری اور دیگر دنیاوی علوم کے علاوہ شیخ سیف الدین کو علوم دینیہ سے بھی بے حد لگاؤ تھا، اگرچہ انہوں نے اپنے زمانے کی روایت کے مطابق دینی علوم کی تکمیل نہیں کی تھی، اور نہ ان کا شمار اس وقت کے علماء کبار میں ہوتا تھا لیکن سید سلیمان ندوی کی تحقیق کے مطابق حکیم حبیب الرحمن (ڈھاکہ) کے پاس:

"علامہ ذہبی کی الکاشف جو اسماء الرجال کی ایک کتاب ہے اس کا ایک نسخہ حکیم صاحب کی ملکیت میں ہے، جس کے پہلے صفحہ پر مولانا عبد الحق محدث دہلوی کے والد ماجد سیف الدین ترک کے قلم کی عبارت تحریر ہے۔"[2]

ظاہری اوصاف کے ساتھ ساتھ شیخ سیف الدین کو باطنی کمالات "فقر و فنا اور توحید و تجرید کا بھی کافی حصہ ملا تھا"[3] ابھی وہ سات برس کی عمر کو نہ پہونچے تھے کہ درد و محبت اور معرفت الٰہی کا شوق ان کے دامن گیر رہنے لگا[4] اسی معرفت الٰہی کی طلب میں وہ اولاً سلسلہ سہروردیہ کے ایک عالم سے بیعت ہوئے اور پھر شیخ امان اللہ پانی پتی[5] کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے دست حق پرست پر بیعت کر لی۔

شیخ امان اللہ پانی پتی نے ان کی خاص تربیت کی اور اپنے ہاتھ سے خلافت نامہ لکھ کر ان کو عنایت فرمایا، جیسا کی شیخ صاحب لکھتے ہیں:

---

۱) اخبار الاخیار: ۲۱۱۔

۲) مقالات سلیمان: ۲/ ۲۶۔

۳) مرآۃ الحقائق: ۱۳۔

۴) اخبار الاخیار: ۳۰۰۔

۵) متوفی ۱۲ ربیع الآخر ۹۵۷ھ مطابق ۱۵۵۰ء [حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۸۸]

toobaa-elibrary.blogspot.com

"والدم را بہ عنایت خاص مخصوص ساخت و خرقۂ خلافت پوشانید و مثال خلافت تا چند روز بہ خط خاص خود مسود کرد۔"[1]

[میرے والد پر خاص عنایت فرمائی اور خرقۂ خلافت عطا کیا، اور خلافت نامہ اپنے دست خاص سے لکھ کر دیا۔]

شیخ امان اللہ کی تعلیم و تربیت کا یہ نتیجہ ہوا کہ زندگی کے آخری ایام میں ان پر فنا و محویت کا غلبہ رہنے لگا، ہر وقت محبوبِ حقیقی سے ملاقات کا شوق اور معشوق حقیقی کے دیدار کی اس قدر بے چینی رہتی کہ صحت یابی کی دعا سے ناخوش ہوتے، کھانے پینے سے پرہیز کرتے، کسی نے نا کھانے کی وجہ معلوم کی تو کہنے لگے:

"از برائے ایں نیز نمی خورم کہ مبادا سبب بقائے من شود، مارا کہ ہر دم ایں جائی رود، بہ کلفت می رود۔"[2]

[اس وجہ سے بھی نہیں کھاتا ہوں کہ شاید یہ میری بقا کا سبب بن جائے، میرے لئے اب یہاں ایک سانس بھی باعثِ کلفت و مشقت ہے۔]

ذوق و شوق اور عشق و محبت کی اسی حالت میں آخر کار ۲۷ شعبان ۹۹۰ھ مطابق ۱۵۸۲ء کو ستر (۷۰) سال کی عمر میں بعہدِ جلال الدین اکبر، آپ کا انتقال ہو گیا، "ولی تحت العقاب" سے تاریخ وفات بر آمد ہوتی ہے۔[3]

۱) حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۸۹۔

۲) اخبار الاخیار: ۶۱۵۔

۳) اخبار الاخیار: ۶۱۶۔ مرأۃ الحقائق: ۱۳۔ حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۹۴۔ تذکرۃ المحدثین: ۳ / ۱۸۲۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

فصل دوم: ذاتی حالات

آغا محمد ترک اور ان کی نسل کو ہندوستان میں سکونت اختیار کیے ہوئے تقریباً تین صدیاں گذر گئیں تھیں۔ آپ کے خاندان میں باکمال اور علمی شان وشوکت کے ساتھ جنگی وانتظامی امور کے ماہر ایسے افراد بھی پیدا ہو چکے تھے جنگی وجہ سے آغا محمد کا نام تاریخ میں درج ہو چکا تھا۔

لیکن ابھی اس آفتاب کا طلوع ہونا باقی تھا جس کی وجہ سے شب تاریک کا اختتام اور ایک نئی صبح کا آغاز ہونا تھا، ہندوستان کا علمی ماحول جو خزاں رسائی میں جبتلا تھا وہ موسم بہار کا منتظر تھا، اسی تاریکی اور خزاں کو ختم کرنے کے لئے خالق کائنات نے آغا محمد کی اولاد میں ایک ایسے شخص کا انتخاب کیا جس کو آج دنیا "شیخ عبد الحق محدث دہلوی" کے نام سے جانتی ہے۔

نسب:

ابو المجد، عبد الحق بن سیف الدین بن سعد اللہ بن فیروز شہید بن ملک موسیٰ بن ملک معز الدین بن آغا محمد ترک بخاری۔

ولادت:

شیخ عبد الحق بن سیف الدین محدث دہلویؒ، ماہ محرم ۹۵۸ھ مطابق جنوری ۱۵۵۱ء، سلیم شاہ بن شیر شاہ کے عہد میں، دہلی میں پیدا ہوئے، "شیخ الاولیاء" سے تاریخ ولادت برآمد ہوتی ہے۔ (۱)

تعلیم وتربیت:

شیخ صاحب نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد شیخ سیف الدین کے زیر سایہ حاصل کی، ذہانت وفطانت کا یہ عالم تھا کہ صرف دو یا تین مہینے میں ہی ناظرہ قرآن مکمل کر لیا، جس انوکھے انداز سے باپ نے قرآن کی تعلیم دی اس کا ذکر خود شیخ صاحب ان الفاظ میں کرتے ہیں:

---

۱) مرآۃ الحقائق: ۱۳۔ حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۹۵۔ تذکرۃ المحدثین: ۳ / ۱۸۲۔ علم حدیث میں برعظیم پاک وہند کا حصہ: ۱۵۸۔ نزہۃ الخواطر: ۵/۵۵۴، ھدیۃ العارفین: ۱/۵۰۳، إیضاح المکنون: ۱/۳۱٦، معجم المؤلفین: ۵/۹۱، فھرس الفھارس للکتاني: ۲/۱۳۵-۱۳۷۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

"اول از قرآن مجید بے سابقۂ تعلیم و قواعد ہجی کہ اطفال خوانند دو سہ جز بلکہ کم تر از آں تعلیم می فرمودند، سبق در سبق ایشاں می نوشتند و من می خواندم، از قرآن ہمی مقدار تعلم کردہ ام، بعد ازاں بہ اثر تربیت و شفقت ایں ساں چناں قوت بہ ہم رسیدہ کہ ہر روز قدری از قرآن می خواندم، و ہر مقدار کہ می خواندم پیش ایشاں می گذرانیدم، در دو سہ ماہ قرآن ختم کردم۔" (۱)

[سب سے پہلے بے سابقہ حروفِ ہجی کے جس طرح بچے عموماً پڑھتے ہیں، دو تین جز و بلکہ اس سے بھی کم تعلیم فرماتے تھے، وہ سبق در سبق لکھتے تھے اور میں پڑھتا تھا، قرآن کی یہی مقدار میں نے ان سے پڑھی ہے، اس کے بعد ان کی تربیت اور شفقت کی وجہ سے ایسی قوت حاصل ہوئی کہ ہر روز تھوڑا سا قرآن پڑھنے لگا، اور جتنی مقدار میں پڑھتا ان کے سامنے سنا دیتا، اس طرح دو تین ماہ میں میں نے قرآن پاک مکمل کر لیا۔]

قرآن کو اس انوکھے انداز پر سیکھنے کے بعد شیخ صاحب نے کتابت و انشاء کی طرف توجہ کی اور ایک ماہ کی قلیل مدت میں لکھنا بھی سیکھ گئے جس کی طرف خود انہوں نے اس طرح اشارہ کیا ہے:

"بعد ازاں بطریق اجمال در اندک مدت شاید اگر مقدار یک ماہ تعین کنم دروغ نہ گفتہ باشیم، کتابت و سلیقۂ انشاء پیدا شد۔" (۲)

[اس کے بعد تھوڑی ہی مدت میں کہ اگر اس کی تعیین ایک ماہ سے کروں تو جھوٹ نہ ہو گا، کتابت اور انشاء کا سلیقہ بھی پیدا ہو گیا۔]

اس کے بعد شیخ صاحب علوم عقلیہ و نقلیہ کی طرف متوجہ ہوئے، صرف میں 'میزان الصرف' سے 'مصباح' تک، نحو میں 'کافیہ' اور فارسی ادب میں 'گلستاں'، 'بوستاں' اور 'دیوان حافظ' اپنے والد بزرگوار سے پڑھی۔ بارہ سال کی عمر میں 'شرح شمسیہ' و 'شرح عقائد' اور پندرہ سولہ برس کی عمر میں 'مختصر' و 'مطول' سے فارغ ہو گئے۔ (۳)

ان تمام علوم عقلیہ و نقلیہ سے فراغت کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو حفظِ قرآن پاک کی نعمت سے نوازا، اور اپنی قوت حفظ کی وجہ سے انہوں نے صرف ایک سال سے کچھ زیادہ عرصہ میں حفظ مکمل کر لیا، اس نعمتِ کبریٰ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے وہ تحریر فرماتے ہیں:

---

۱) اخبار الاخیار: ۶۱۸۔

۲) اخبار الاخیار: ۶۱۸۔

۳) اخبار الاخیار: ۶۲۰۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

"الحمد للہ کہ بعد ازآں بحفظ قرآن مجید نیز موفق شدم و در کنف حفظ در آمدم و در مدت یک سال و چیزے ایں نعمت را کہ در صد سال حرفے ازآں ادانہ توانم کرد، بدست آوردم۔" (۱)

[الحمد للہ اس کے بعد حفظِ قرآن مجید کی توفیق بھی حاصل ہوئی اور کلام اللہ کی حفاظت میں آیا اور کچھ دنوں میں وہ نعمت پائی کہ جس کے ایک حرف کا شکر بھی سو سال میں ادا نہیں ہو سکتا۔]

دانشمندانِ ماوراء النہر سے استفادہ:

عربی وفارسی میں کامل دست گاہ حاصل کر لینے، ادب و عربیت اور منطق وکلام پر مکمل عبور حاصل کرنے کے بعد شیخ محدث دہلویؒ نے اپنی علمی پیاس بجھانے کے لئے ماوراء النہر کے علماء و فضلاء سے استفادہ کیا، اور ان کے درس میں اس پابندی سے شریک ہوتے کہ دن و رات میں صرف دو یا تین گھنٹے کے لئے غور و فکر سے فرصت ملتی، وہ خود لکھتے ہیں:

"در تمام شب و روز شاید کہ دو سہ ساعت از مطالعہ و تعقل واشتغال فرصتے دست نمی دادہ باشد۔" (۲)

[پورے دن و رات میں مطالعہ، غور و فکر اور (علمی کاموں سے) اشتغال سے شاید دو یا تین گھنٹے کی فرصت بھی نہیں ملتی تھی۔]

اس محنت و مشقت، علم کے تئیں لگاؤ، علمی مسائل میں غور و فکر، مباحث علمیہ سے اشتغال اور خدمتِ دین کے جذبہ کا یہ اثر ہوا کہ آپ کے اساتذۂ کرام اور عزیزانِ ماوراء النہر بھی آپ کی جودتِ طبع اور ذہانت کا اعتراف اس طرح کرتے ہیں:

"ما از تو مستفید یم و ما را بر تو منتے نیست۔" (۳)

[ہم نے تم سے استفادہ کیا ہے، اور ہمارے اوپر تمہارا کوئی احسان نہیں۔]

ابتداءِ درس و تدریس:

دانشمندانِ ماوراء النہر سے تکمیل علم کے بعد اور ۹۹۶ھ میں سفر حجاز سے قبل شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے درس و تدریس کا آغاز کیا، اگرچہ خود شیخ صاحب نے اور ان کے عام سوانح نگاروں نے اس کا تذکرہ نہیں کیا لیکن عبد الحمید لاہوری کا بیان ہے کہ:

۱) اخبار الاخیار: ۶۲۰۔

۲) اخبار الاخیار: ۶۲۰-۶۲۱۔

۳) اخبار الاخیار: ۶۲۱۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

"وچوں سنین عمرش بعشرین رسید از پایۂ تحصیل بدرجہ تدریس بر آمد وچندے ہنگامہ افادہ گرم داشتہ بپائے طلب بادیہ پیمائی سفر حجاز گردید۔" (۱)

[جب ان کی عمر بیس سال ہوئی تو تکمیل علم کے بعد درس و تدریس کا شغل اختیار کیا اور کچھ دنوں یہ مشغلہ جاری رکھنے کے بعد عازم حج ہوئے۔]

اس بیان سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے تکمیل علم اور سفر حجاز کے درمیانی وقفہ میں درس و تدریس کا آغاز کر دیا تھا، لیکن یہ مشغلہ کتنے سال جاری رکھا؟ اس کا کچھ اندازہ نہیں ہوتا۔

البتہ اگر واقعات کا باعتبار سنین مطالعہ کیا جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ۹۸۵ھ میں وہ تمام علوم کی تکمیل کرنے کے بعد شیخ موسیٰ سے بیعت ہو چکے تھے (۲) اور سفر حجاز کے ارادہ سے انہوں نے ۹۹۵ھ میں سفر شروع کیا (۳) دس سال کے اس درمیانی وقفہ میں انہوں نے درس و تدریس کے فرائض انجام دئے ہوں گے، جیسا کہ وہ خود لکھتے ہیں:

"زیادہ تر از آں محنت وریاضت می کشم وبہ مشغولی تعلیم وافادہ معاذ اللہ بلکہ تعلم واستفادہ بسر می برم۔" (۴)

[(اس وقت) اس سے بھی زیادہ محنت وریاضت کرتا ہوں اور تعلیم وافادہ میں مشغول ہوں، معاذ اللہ (تعلیم وافادہ نہیں) بلکہ تعلم واستفادہ زیادہ بہتر ہے۔]

درس و تدریس کے اس مشغلہ کو ابھی پانچ سال کی مختصر مدت ہی گذری تھی کہ آپ کے والد ماجد شیخ سیف الدین کا انتقال ہو گیا اور آپ کو دہلی کی گوشہ نشینی چھوڑ کر فتح پور سیکری جانا پڑا جو اس وقت علمی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔

---

۱) عبد الحمید لاہوری، بادشاہ نامہ، حصہ دوم: ۲۴۱-۲۴۳، تصحیح: مولوی کبیر الدین احمد و مولوی عبد الرحیم، ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ، بنگال ۱۸۶۸ء۔

۲) اخبار الاخیار: ۶۳۱۔

۳) شطاری، محمد غوثی مانڈوی، گلزار ابرار (اردو): ۵۹۹، مترجم: فضل احمد جیوری، ناشر سید احمد شہید اکادمی لاہور، پاکستان ۱۳۹۴ھ۔

۴) اخبار الاخیار: ۶۲۳۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

دربار اکبری میں:

شیخ عبد الحق محدث دہلوی بچپن سے ہی گوشہ نشینی اور عزلت پسندانہ طبیعت کے مالک واقع ہوئے تھے، انہیں ربط وضبط اور کثرت تعلقات پسند نہ تھے، عہد طفولیت سے ہی اس بات کے خواہاں رہتے تھے کہ دنیاوی شور و غل سے الگ تھلگ رہ کر یکسوئی اور جمعیت قلبی کے ساتھ علمی کاموں میں لگا رہوں، تکمیل تعلیم کے بعد بھی ان کی یہی کیفیت رہی، انہوں نے پوری دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر کے گوشہ تنہائی کو پسند کیا تاکہ نیک و بد سے کوئی واسطہ نہ رہے اور لوگوں کی دوستی و دشمنی سے بچے رہیں، اپنی اسی کیفیت کو اخبار الاخیار میں اس انداز سے بیان کرتے ہیں:

"در زاویہ عزلت افتادہ و دل بہ امید واری نہادہ با ہیچ کس از نیک و بد کاری نہ و از ہیچ آفریدہ بر دل غبارے نہ و از مصاحبت ایں و آں فارغ بہ الم بلکہ از ذکر زید و عمرو کہ تراکیب نحو مذکور شود تیز در ملالم۔"(۱)

[گوشہ تنہائی میں پڑا رہتا ہوں، نیک و بد کسی دل کو کوئی امید نہیں ہے اور نہ کسی کی جانب سے دل میں کوئی غبار ہے، ہر کسی کے ساتھ سے فارغ ہوں، یہاں تک کہ نحوی ترکیبوں میں واقع ہونے والے نام 'زید و عمرو' کے ذکر سے بھی بچتا ہوں۔]

لیکن والد ماجد کے انتقال کے بعد بعض اہل حقوق کے اصرار کی بنا پر انہیں یہ "زاویہ عزلت" چھوڑ کر فتح پور کا قصد کرنا پڑا جہاں پر بادشاہ وقت اکبر نے ان کی طرف خاص توجہ کی اور ان کو بلند مقام عطاء کیا، جیسا کہ وہ خود اپنے استاذ شیخ عبد الوہاب سے فرماتے ہیں:

"یا سیدی! انا امرء نشأت من زمان صغری فی الریاضة للتعلم والتعبد لم أعتد بصحبة الناس والاختلاط معهم والدخول فیهم ولما حصل لی لفضل الله طرف صالح من ذلك وفیضت وطری وحاجتی مما هنالك. دعانی بعض أهل الحقوق إلی الخروج إلی أرباب الدنیا، فادرکت سلطان الوقت والأمراء فاعتنوا بشانی ورفعوا مکانی." (۲)

[اے میرے آقا! میں ایک ایسا شخص ہوں کہ جس کی پرورش بچپن سے ہی علم کے حصول اور عبادت گذاری کی محنت ومشقت میں ہوئی ہے۔ میں نے کبھی عوام سے میل جول اور ان کے ساتھ رکھ رکھاؤ کی پرواہ نہیں کی، اور جب خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے مجھے (علم) کا ایک اچھا

---

۱) اخبار الاخیار: ۶۲۳۔

۲) شیخ محدث دہلوی، عبد الحق بن سیف الدین، المکاتیب والرسائل الی ارباب الکمال الفضائل، الرسالۃ السابعۃ والخمسون فی ذکر احوال والاقوال خصبۃ علی رعایۃ طریق الاستقامۃ والاعتدال: ۶۷، مطبع مجتبائی، دہلی۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

خاصہ حصہ حاصل ہو گیا اور میں نے اپنی حاجات و ضروریات کو جب یہاں سے مکمل کر لیا؛ تو بعض اہل حقوق نے مجھے دنیا دار لوگوں کی جانب بلایا، تو میں نے بادشاہِ وقت اور امراء کو پایا کہ انہوں نے میری طرف خاص توجہ کی اور میرے رتبہ کو بلند کیا۔]

شیخ محدث نے کسی جگہ فتح پور جانے اور دربارِ اکبری میں پہونچنے کا سن متعین نہیں کیا، اور نہ ہی ان کے قدیم سوانح نگاروں نے کوئی تعیین کی ہے، لیکن دورِ حاضر کے محقق ڈاکٹر سلیم اختر، ان کے دربار میں پہونچنے کے واقعہ کو سن کی تعیین کے ساتھ بیان فرماتے ہیں، وہ مقدمہ "رسالہ نوریہ سلطانیہ" میں لکھتے ہیں:

"اپنے والد کی وفات ۹۹۰ھ کے بعد وہ اکبر بادشاہ کے دربار میں فتح پور پہونچے۔" (۱)

"اربابِ دنیا" کی اس محفل میں پہونچنے کے کچھ ہی عرصہ بعد شیخ صاحب کی حساس طبیعت کو یہ معلوم ہو گیا کہ یہ مقام و مرتبہ اور یہ عزت و تکریم جو جاہ و منصب کے طلب گاروں کی طرف سے ان کو عطاء کی گئی ہے اس کا سبب ان کی علمی شخصیت کو استعمال کر کے اپنی قوت کو مستحکم کرنا ہے، جیسا کہ وہ اپنے پیر و مرشد شیخ عبد الوہابؒ سے بیان کرتے ہیں:

"وارادوا أن يكثروا بي سوادهم ويحكموا ويعضدوا بهذا الضعيف صورهم وموادهم." (۲)

[اور انہوں نے یہ ارادہ کیا کہ میرے ذریعہ اپنی جماعت بڑھائیں اور مجھ کمزور سے اپنی قوت و طاقت کو مضبوط کریں۔]

شیخ صاحب کو جب دربار کی یہ حالت معلوم ہوئی تو وہ دل برداشتہ ہو گئے، ان کی بے لوث طبیعت کو یہ بات گوارہ نہ ہوئی کہ چند روزہ جاہ و جلال کے بدلے دین و ایمان کا سودا کر دیں اور شریعتِ اسلامیہ کی بے حرمتی کو دیگر علماءِ سو کی مانند بے غیرتی سے دیکھتے رہیں، وہ تمام اعزاز و اکرام کو ٹھکرا کر اٹھ کھڑے ہوئے، دربارِ اکبری کو چھوڑ کر دہلی آئے اور یہاں سے بے سر و سامانی کے عالم میں حجاز کی جانب روانہ ہو گئے، جیسا کہ ملا بدایونی لکھتے ہیں:

"چوں وضع زمانہ و زمانیان کہ ہمہ تحمل و بر مکارہ طبیعی مشتمل است دگرگوں شد، و بر اوضاع آشنایاں اعتماد نماند، صحبت فلانی و فلانی راست نیامد و توفیق رفتن بہ کعبہ شریف رفیق او شد، از دہلی بہ طریق جذبہ بہ ہیچ چیزے مقید نہ شدہ بہ گجرات رفت۔" (۱)

---

۱) شیخ محدث دہلوی، عبد الحق بن سیف الدین، رسالہ نوریہ سلطانیہ: ۲، تصحیح و تعلیق: ڈاکٹر محمد سلیم اختر، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد، پاکستان ۱۴۰۵ھ = ۱۹۸۵ء۔

۲) المکاتیب والرسائل: ۲۷۹۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

[جب زمانہ اور اہل زمانہ کی وضع میں (جو اوقات میں مخل اور مکروہات طبیعی پر مشتمل ہے) تبدیلی آئی اور ملنے والوں کے حالات اعتماد کے قابل نہ رہے، اور فلاں وفلاں کی صحبت سازگار نہ ہوئی اور کعبہ شریف جانے کی توفیق رفیق حال ہوئی تو وہ جذبہ کے عالم اور بے سرو سامانی کے ساتھ دہلی سے گجرات کو روانہ ہو گئے۔]

سفر حجاز:

شیخ صاحب کے سامنے جب دربار اکبری کی حقیقت عیاں ہو گئی تو وہ اپنے "گوشۂ عزلت" دہلی آ گئے، دہلی کا ماحول اس وقت علمی تھا۔ جو علماء دار الحکومت کے شور و غوغا پر علمی تکرار کو ترجیح دیتے تھے ان کی ایک بڑی تعداد دہلی واطراف دہلی میں موجود تھی۔ جیسا کہ مولانا آزاد لکھتے ہیں:

"اس زمانہ میں دار الحکومت آگرہ تھا، لیکن علم واصحاب علم کا مرکز ہمیشہ دہلی مرحوم ہی رہی، علی الخصوص وہ علماء حق جو بادشاہی تعلقات کی ابتلاؤں سے بچنا چاہتے تھے، اور حرص و طمع دنیا کی آلودگی سے پاک دامن تھے، اس گوشۂ علم کے سکون کو دار الحکومت کے شور و غوغا پر ترجیح دیتے تھے، حضرت شاہ عبد الحق دہلوی اسی عہد میں تھے فرماتے ہیں:

حقا از گوشۂ دہلی نہ نہم پا بیروں　　　خود گر قسیم کہ ملک گجرا تم دانند" (۲)

لیکن اس بار شیخ صاحب کو اس مرکزِ علم وفن اور گوشۂ دہلی میں بھی سکونِ قلبی میسر نہ ہوا، دینِ اسلام اور شریعتِ محمدیہ ﷺ کی بے حرمتی اور استہزاء کے جو مناظر انہوں نے دار السلطنت آگرہ میں دیکھے تھے وہ ان کی نظروں کے سامنے گھومتے رہے اور ان کو سوچ کر روز بروز قلق و اضطراب میں اضافہ ہوتا گیا، طبیعت میں مسلسل بے قراری و بے چینی کی کیفیت رہنے لگی اور بالآخر ان تمام باتوں سے دلبرداشتہ ہو کر وہ دربارِ خداوندی اور دیارِ حبیب میں حاضری کے ارادہ سے بلا کسی زادِ راہ کے سفر پر نکل کھڑے ہوئے، ان کے جذبۂ صادق کی وجہ سے "بے کساں کے چارہ گر اور پریشان حال لوگوں کے راہ نما" نے بھی ان کو حج و زیارت کی توفیق عنایت فرمائی، جس کا ذکر وہ خود ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"ما خاب من أناب الی اللہ وقد نجا من التجا إلیہ. چارہ گر بے چارگاں وراہنمائے آوارگاں مرابہ جانب خود طلبید ومن بے خانماں را سلسلہ شوق در گردن افگند بہ سوئے خانہ خود

(۱) بدایونی، عبد القادر بن ملوک شاہ، منتخب التواریخ: ۵۷۵، تصحیح: مولوی احمد، انجمن آثار و مفاخر فرہنگی، تہران، ۱۹۷۳ء۔

(۲) آزاد، ابوالکلام، تذکرہ: ۴۴۳، مرتب: مالک رام، ساہتیہ اکادمی، گیارہویں بار ۲۰۱۵ء۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

کشیدہ من نامراد را بہ منزل مراد رسانید یعنی بہ درگاہ حبیب خود ﷺ جائے داد واز حریم مرحمت وعنایت محروم باز نفرستاد۔ (۱)

[جس نے دربارِ الٰہی میں توبہ کی وہ مایوس نہ رہا اور جس نے اللہ کے حضور التجاء کی وہ کامیاب ہوا۔ بے کسوں کے چارہ گر اور آوارہ لوگوں کے راہ نما نے مجھے اپنی طرف بلایا اور مجھ جیسے بے گھر کی گردن میں شوق کی زنجیر ڈال کر اپنے گھر کی جانب کھینچا اور مجھ نامراد کو منزلِ مقصود تک پہونچایا یعنی اپنے حبیب پاک محمد ﷺ کے دیار تک پہونچایا اور ان کے حریم مرحمت وعنایات سے مجھے سرفراز کیا۔]

۹۹۵ھ میں آپ حجاز کے لئے روانہ ہوئے تو مالوہ ہوتے ہوئے گجرات پہونچے جیسا کہ صاحب گلزار ابرار لکھتے ہیں:

"ہجری سنہ نو سو پچانویں کے آغاز میں سفر حجاز کے شوق کے جذبات آپ کو اپنے وطن سے نکال کر مالوہ کے راستہ بندر گجرات کی طرف لے آئے۔" (۲)

مالوہ پہونچ کر معلوم ہوا کہ جہاز کا موسم ختم ہو چکا ہے، اس وقت مالوہ کے حاکم مرزا عزیز تھے، شیخ کچھ دن ان کے پاس ٹھہرے پھر مانڈو کے راستہ گجرات پہونچے اس وقت مرزا نظام الدین گجرات کے بخشی ہوا کرتے تھے، انہوں نے بے حد التماس کر کے آئندہ موسم تک ٹھہرایا اور آپ کی خدمت کے فرائض انجام دیئے۔

قیام گجرات کے دوران بھی شیخ صاحب نے اپنی طبیعت کے مطابق وہاں کے علماء کرام سے استفادہ کیا اور صوفیاء عظام سے اذکار و اشغال حاصل کئے۔ جن علماء سے شیخ صاحب نے دورانِ قیام ملاقات کی ان میں سب سے زیادہ "جامع کمالات" اور "سن رسیدہ بزرگ" شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی تھے، شیخ صاحب نے ان سے سلسلہ عالیہ قادریہ کے کچھ اذکار و اشغال حاصل کئے تھے۔ (۳)

ایک سال گجرات میں قیام کرنے کے بعد شیخ صاحب ۹۹۶ھ مطابق ۸۸-۱۵۸۷ء میں حجاز پہونچ گئے، آپ حجاز کس ماہ میں پہونچے یہ تو متعین نہیں ہے، البتہ ماہ رمضان سے کافی پہلے آپ وہاں پہونچ چکے تھے اور رمضان سے پہلے وہاں کے محدثین سے صحیحین کا درس لے چکے تھے جیسا کہ مرآۃ الحقائق میں مرقوم ہے:

۱) اخبار الاخیار: ۲۲۵۔

۲) گلزار ابرار: ۵۹۹۔

۳) اخبار الاخیار: ۳۲۵۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

"آپ ماہ رمضان سے اتنی مدت پیشتر پہونچے کہ صحیح مسلم و صحیح بخاری اوس بلاد شریفہ کے علمائے محدثین سے حاصل فرما چکے تھے۔" (۱)

مکہ معظمہ کے کبار محدثین سے صحیحین کا درس لینے کے بعد ماہ رمضان میں شیخ عبدالوہاب متقی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ۹۹۹ھ مطابق ۱۵۹۰ء میں ہندوستان واپسی تک تقریباً تمام وقت انہی کی خدمت میں رہے، آپ کے مکہ معظمہ پہونچنے، وہاں سے مدینہ منورہ کا سفر کرنے، پھر مکہ کی واپسی اور قیام مکہ کے بعد ہندوستان آنے کی جانب بالاختصار اشارہ کرتے ہوئے حکیم عبدالحیؒ فرماتے ہیں:

"ثم سافر إلى مكة المباركة سنة ست وتسعين وتسع مأة، فحج وأقام بمكة عشرة أشهر، وسافر إلى المدينة المنورة لسبع ليال بقين من ربيع الآخر سنة سبع وتسعين وتسع مأة، وأقام بها إلى آخر شهر رجب سنة ثمان وتسعين وتسع مأة، ثم رجع إلى مكة وأقام بها زمانا وحج مرة ثانية، ثم رحل إلى الطائف في آخر شعبان سنة تسع وتسعين وتسع مأة، ثم رجع إلى مكة وأقام بها زمانا قليلا ورجع إلى الهند في ذالك العام." (۲)

[پھر انہوں نے ۹۹۶ھ میں مکہ کا سفر کیا، حج کیا اور مکہ میں دس ماہ تک قیام کیا اور ۲۳/ ربیع الآخر ۹۹۷ھ کو مدینہ کا سفر کیا اور وہاں ۹۹۸ھ میں ماہ رجب کے آخر تک قیام کیا، پھر مکہ واپس آئے اور وہاں ایک زمانے تک قیام کیا اور دوسری مرتبہ حج کیا، پھر آخر شعبان ۹۹۹ھ میں طائف کی جانب روانہ ہوئے پھر مکہ واپس آئے اور کچھ دن وہاں ٹھہرنے کے بعد اسی سال ہندوستان واپس آگئے۔]

حرمین شریفین میں تقریباً ۴/ سال کے عرصہ کے دوران آپ نے شیخ عبدالوہاب متقیؒ سے روحانی اور باطنی استفادہ کے علاوہ مشکوٰۃ اور صحیح لامام مسلم کا درس لیا، ان کے علاوہ مکہ میں ہی قاضی علی بن جار اللہ بن ظہیرۃ مکی سے، مدینہ میں شیخ احمد بن محمد بن محمد ابی الحزم مدنی اور شیخ حمید الدین بن عبداللہ سندی مہاجر، سے روایت حدیث کی عمومی اجازت حاصل کی۔ (۳)

---

۱) مرآۃ الحقائق: ۱۴۔
۲) نزهة الخواطر: ۵/۵۵٤.
۳) نزهة الخواطر: ۵/۵۵٤.

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہندوستان واپسی:

خانۂ خدا اور دیارِ حبیب میں چار برس کا عرصہ گذارنے اور وہاں کے علماء کرام سے علمی و روحانی استفادہ کرنے کے بعد شیخ عبد الحق محدث دہلوی آپنے پیر و مرشد اور مصلح و مربی حضرت عبد الوہاب متقی کے حکم سے ۱۰۰۰ھ میں ہندوستان واپس آ گئے۔

شیخ صاحب کی ہندوستان واپسی کا وہی زمانہ تھا جب علماء سوء کی حرص و طمع اور بغض و حسد کی وجہ سے اکبر کے افکارِ فاسدہ دینِ الٰہی کے نام سے موسوم ہو چکے تھے، اور چند نام نہاد ملاؤں کی بنا پر وہ خود کو مجتہد مطلق سمجھ بیٹھا تھا، اس دور کی تصویر کشی کرتے ہوئے پروفیسر نظامی لکھتے ہیں:

> "یہ وہ زمانہ تھا جب اکبر کے غیر متعین مذہبی افکار نے دینِ الٰہی کی شکل اختیار کر لی تھی، ملک کا سارا مذہبی ماحول خراب ہو چکا تھا، شریعت و سنت سے بے اعتنائی عام ہو گئی تھی، دربار میں اسلامی شعار کی کھلم کھلا تضحیک کی جاتی تھی۔"(۱)

ان ناگفتہ بہ حالات میں بھی شیخ صاحب نے درس و تدریس کے دامن کو ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ وہ بدعات و خرافات کے قلع قمع اور سنت نبوی ﷺ کے احیاء کے لئے ہر وقت کمربستہ رہے، اور "اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ"(۲) کے تحت دہلی میں ایک مدرسہ قائم کیا، جس کا نصابِ تعلیم اس دور کے دیگر تمام نصابوں سے مختلف تھا، وہاں تمام علوم میں قرآن و حدیث کو ایک مرکزی نقطہ کی حیثیت حاصل تھی اور سب سے زیادہ زور قرآن اور علوم حدیث پر دیا جاتا تھا۔

اس مدرسہ میں شیخ صاحب نے اپنی عمر مبارک کے آخری لمحات تک درس و تدریس کا بازار گرم رکھا، جہاں پر علم دین کے سیکھنے والے دور دراز علاقوں سے تشریف لاتے اور اپنی علمی تشنگی کو شیخ صاحب کے چشمۂ علم و فن سے بجھاتے۔ آپ کی وفات کے بعد بھی یہ مدرسہ صدیوں تک باقی رہا، اور آپ کی اولاد و احفاد آپ کی علمی روایات کو قائم کئے رہے۔

---

۱) حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۱۳۶۔

۲) النحل: ۱۲۵۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

وفات:

حجاز سے واپسی کے بعد شیخ صاحب ۵۲ رسال تک دہلی میں ہی بیٹھ کر درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے فرائض کو بحسن و خوبی انجام دیتے رہے۔ اور پھر بالآخر ۲۱ ر ربیع الاول ۱۰۵۲ھ کو چورانوے (۹۴) سال کی عمر میں اپنے مالک حقیقی سے جاملے۔

انتقال سے قبل انہوں نے جو کچھ وصیت نامہ میں لکھا تھا، اسی کے مطابق ان کو حوض شمسی کے کنارہ سپرد خاک کیا گیا اور نماز جنازہ آپ کے خلف الصدق شیخ نور الحق نے پڑھائی۔[1]

اخلاف:

شیخ عبد الحق نے اپنے بعد تین (۳) فرزندارجمند بطور یادگار چھوڑے، جنہوں نے ان کے بعد صدیوں تک ہندوستان میں درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رکھا اور ملک کے گوشہ گوشہ میں دینی علوم اور بالخصوص علم حدیث کی نشر و اشاعت میں مصروف رہے۔ آپ کے ان تینوں صاحبزادوں کا مختصر تذکرہ حسب ذیل ہے۔

۱۔ شیخ نور الحق:

یہ شیخ صاحب کے سب سے بڑے صاحبزادے اور ان کے علمی ورثہ کے خاص جانشین تھے، جو ۹۸۳ھ میں پیدا ہوئے، اپنے والد بزرگوار کے زیر سایہ تعلیم و تربیت کی تکمیل کی اور شہنشاہ مغل شاہ جہاں کے عہد حکومت میں عہدۂ قضاء سے سرفراز کئے گئے۔

لیکن اپنے والد کی وفات کے بعد یہ عہدہ چھوڑ کر مستقل طور پر حدیث نبوی ﷺ کی درس و تدریس میں مشغول ہوگئے اور عمر کا ایک بڑا حصہ اسی مبارک علم کی نشر و اشاعت میں صرف کرنے کے بعد ۹۰ ربرس کی عمر میں ۱۰۷۳ھ میں انتقال فرمایا اور اپنے والد کے جوار میں دفن کئے گئے۔

شیخ نور الحق نے اپنے بعد مختلف علوم و فنون میں ۱۵ رکتابیں بطور یادگار چھوڑیں۔ جن میں "تیسیر القاری شرح بخاری" "منبع العلم شرح صحیح مسلم" اور "شرح شمائل ترمذی" قابل ذکر ہیں۔[2]

---

۱) مرآۃ الحقائق: ۹۲۔ حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۱۷۲۔ تذکرۃ المحدثین: ۳ / ۲۸۲۔ نزھۃ الخواطر: ۵/۵۵۷۔

۲) مرآۃ الحقائق: ۱۰۹- ۱۱۵۔ حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۲۷۷۔ تذکرۃ المحدثین: ۳ / ۳۲۲۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۲- شیخ علی محمد:

یہ شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کے دوسرے بیٹے ہیں، انہوں نے بھی تحصیل علم اپنے والد سے کی تھی اور درسی کتابیں بھی ان ہی سے پڑھی تھیں، ان کی تاریخ ولادت اور وفات کا کوئی پتہ نہیں چلتا: البتہ انہوں نے اپنے بعد تین کتابیں چھوڑی ہیں، جیسا کہ منشی برکت علی تحریر فرماتے ہیں:

"(۱) خزائن الدرر در لغات عربی وفارسی وترکی جو بڑی ضخیم کتاب ہے، اور (۲) رسالہ احوال پیران چشت یعنی حضرت خواجہ معین الدین و خواجہ قطب الدین و شیخ فرید الدین گنج شکر و حضرت نظام الدین اولیاء و حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی، اور (۳) نجات المریدین در احوال حضرت غوث الاعظم۔ آپ کی تصنیفات ہیں۔" (۱)

۳- محمد ہاشم:

شیخ صاحب کے تیسرے صاحبزادے کا نام محمد ہاشم تھا، انہوں نے بھی دہلی میں رہ کر اپنے والد سے کسب فیض کیا تھا اور اپنے والد کی ہی زیر نگرانی تکمیل تعلیم فرمائی تھی۔

محمد ہاشم بلند پایہ محدث ہونے کے ساتھ ساتھ فقہ میں بھی مہارت رکھتے تھے اور ایک صاحب باطن عالم دین تھے، ان کی نسبت خود والد ماجد حضرت شیخ محدث دہلویؒ فہرس التوالیف میں رقم طراز ہیں:

"فرزند عزیز محمد ہاشم نیز در علم وفضل ثانی وتابع برادر خود (یعنی شیخ نور الحق) است وجوہر طبع او بجودت وسلامت وقوت در علم خصوصاً بعلم شریف حدیث موصوف وممتاز است۔ بلغ اللہ مبلغ الرجال۔" (۲)

[فرزند عزیز محمد ہاشم بھی علم وفضل میں اپنے بھائی (شیخ نور الحق) کے مشابہ ہیں وہ انتہائی عمدہ اور سلیم الطبع ہیں، علم اور خصوصاً علم حدیث شریف میں بہت ممتاز ہیں۔]

---

۱) مرأۃ الحقائق: ۱۲۷۔

۲) مرأۃ الحقائق: ۱۲۸۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

شیوخ:

شیخ صاحب نے اپنے شیوخ و اساتذہ کے تراجم پر زاد المتقین، اجازت الحدیث فی القدیم والحدیث اور اسماء الاستاذین کے نام سے کتابیں لکھی تھیں، لیکن اب یہ تمام کتب نایاب ہو چکی ہیں، بنابریں ان کے تمام اساتذہ کے نام اور احوال ذکر کرنا انتہائی مشکل ہے، لیکن ان میں سے چند مشہور اساتذہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ شیخ سیف الدین:

یہ شیخ صاحب کے والد ماجد ہیں، ان ہی سے شیخ صاحب نے ابتدائی تعلیم حاصل کی تھی۔ نحو، منطق، صرف اور فارسی ادب میں گلستان، بوستاں اور دیوانِ حافظ ان ہی سے پڑھی تھی۔ (۱)

۲۔ محمد مقیم:

اپنے والد سے علم حاصل کرنے کے بعد شیخ صاحب دہلی کے ایک مدرسہ میں داخل ہو گئے تھے، وہاں کے تمام اساتذہ کے نام تو معلوم نہ ہو سکے؛ البتہ محمد مقیم کے بارے میں آپ کے تذکرہ نگاروں نے صراحۃ بیان کیا ہے، (۲) محمد مقیم امیر محمد مرتضی شریفی کے شاگرد تھے۔

دہلی سے فراغت کے بعد شیخ صاحب نے دانشمندان ماوراء النہر سے بھی استفادہ کیا تھا، لیکن ان کے نام کہیں نہیں لکھے ہیں۔ پھر اس کے بعد وہ حرمین شریفین تشریف لے گئے اور وہاں کے علماء سے استفادہ کیا۔ جن کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

۳۔ شیخ عبد الوہاب متقی:

یہ شیخ علی متقی کے شاگرد اور خلیفہ ہیں۔ قیام حجاز کے دوران شیخ صاحب نے ان سے ظاہری اور باطنی دونوں طرح مکمل استفادہ کیا اور دو سال ان کی خدمت میں رہ کر سند حدیث اور خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ (۳)

۴۔ قاضی علی بن جار اللہ:

ان کا مکمل نام قاضی علی بن جار اللہ بن محمد نور الدین بن ابی بکر بن علی بن ظہیرۃ، مخزومی، مکی ہے۔ ان کے بارے میں شیخ صاحب نے فرمایا ہے:

---

۱) اخبار الاخیار: ۲۱۸۔

۲) نزهة الخواطر: ۵/۵۵٤.

۳) الدهلوي، عبد الحق بن سيف الدين، لمعات التنقيح: ۱/ ۳۹، ۸٦، تحقيق: تقي الدين الندوي، دار النوادر، دمشق، الطبعة الأولى ۱٤۳۵هـ-۲۰۱٤م تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۱۸۹۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

"یہ اپنے وقت کے سب سے بڑے عالم و فقیہ تھے۔ "(۱)

۵ - شیخ احمد بن محمد:

شیخ احمد بن محمد بن محمد بن ابی الحزم، المدنی۔ ان کے بارے میں شیخ نے فرمایا ہے کہ یہ علم، عمر اور برکت ہر اعتبار سے مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے شیخ تھے۔ شیخ صاحب نے ان سے اجازتِ حدیث حاصل کی ہے۔ ان کی وفات ۹۹۸ھ میں ہوئی۔ (۲)

۶ - شیخ حمید الدین:

حمید الدین بن عبد اللہ، سندی، مہاجر۔ شیخ صاحب نے لمعات کے مقدمہ میں ذکر کیا ہے کہ ان سے انہوں نے روایۃً مشکوٰۃ پڑھی ہے۔ جیسا کہ وہ تحریر فرماتے ہیں:

"وما حصل لي روايته بخصوصيته بالإسناد إلا من قبل الشيخ العالم، الفاضل، الكامل، تذكرة السلف، بقية المحدثين، مولانا الشيخ حميد الدين السندي مولداً، والمدني موطناً، والمكي مدفناً" (۳)

[اور مجھے خصوصی طور پر حدیث کی بالسند روایت (کی اجازت) صرف شیخ عالم، فاضل کامل، تذکرۃ السلف، بقیۃ المحدثین مولانا شیخ حمید الدین سے حاصل ہے، جو پیدائشی طور پر سندھی، وطن کے اعتبار سے مدنی اور تدفین کے لحاظ سے مکی ہیں۔]

تلامذہ:

شیخ صاحب نے انتہائی محنت و مشقت اور شوق و ذوق کے ساتھ علم حاصل کیا تھا، تمام اہل دنیا سے علیحدگی اختیار کر کے صرف علم کی خاطر یکسوئی اور تنہائی کو پسند فرمایا تھا، اپنی علمی تشنگی کو بجھانے کے لئے ہندوستان ہی نہیں بلکہ بیرونِ ہند ماوراء النہر اور حرمین شریفین کے بھی نہ جانے کتنے علماء و فضلاء کے دروازے کھٹکھٹائے تھے، تمام دنیاوی جاہ و مناصب اور دولت و ثروت کو پس پشت ڈال کر صرف حصول علم کی خاطر اپنے وطن مالوف کی جدائی برداشت کی تھی۔

۱) لمعات التنقیح: ۱/۴۰۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/۱۹۰۔
۲) لمعات التنقیح: ۱/۴۰۔
۳) لمعات التنقیح: ۱/۹۵-۹۶۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ان تمام اسباب و وجوہات، غیر معمولی صلاحیت اور اخلاص و للّٰہیت کی وجہ سے آپ کے درس کو انتہائی مقبولیت اور شہرت حاصل ہوئی، ہندوستان کے دور دراز علاقوں کے علاوہ عرب ممالک سے بھی اہل علم اور طلبہ کی ایک بڑی تعداد اپنے مسائل علمیہ کا حل تلاش کرنے کے لئے آپ کے درس میں شریک ہوتی تھی۔

اس کے علاوہ آپ کے درس و تدریس کا سلسلہ نصف صدی سے زائد عرصہ تک قائم رہا، جس کی وجہ سے آپ سے کسب فیض کرنے والے تمام حضرات کا پتہ کرنا انتہائی مشکل اور دشوار امر ہے۔ لیکن آپ کے جن طلبہ تک رسائی ہو سکی ان کا مختصر سا تذکرہ حسب ذیل ہے۔

۱۔ شیخ نور الحق:

شیخ محدث دہلوی کے بڑے فرزند اور آپ کی دنیاوی وراثت کے ساتھ ساتھ علمی ترکہ کے بھی حقیقی جانشین، انہوں نے مکمل طور پر شیخ صاحب کے زیر سایہ علم حاصل کیا ہے۔ (۱)

۲۔ شیخ محمد علی:

یہ بھی شیخ محدث دہلویؒ کے حقیقی فرزند اور شاگرد خاص تھے، تمام کتب درسیہ شیخ صاحب سے ہی پڑھی تھیں، اپنے زمانے کے بڑے علماء و فضلاء میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ (۲)

۳۔ شیخ محمد ہاشم:

یہ شیخ محدث دہلویؒ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے، انہوں نے بھی مکمل تعلیم شیخ صاحب سے ہی حاصل کی تھی، یہ علم حدیث میں خصوصی مہارت رکھتے تھے۔ (۳)

مذکورہ بالا تینوں حضرات کو شیخ صاحب سے روایت حدیث کی اجازت بھی حاصل تھی، ان کے بارے میں ضیاء الدین اصلاحی لکھتے ہیں:

> "رسالہ ثبت الشیخ عبد الحق دہلویؒ میں اس اجازت نامہ کی نقل ہے جس میں ان سب حضرات کے نام بہت بلند مدحیہ الفاظ کے ساتھ درج ہیں اور حدیث کی جو کتابیں ان لوگوں نے شیخ دہلویؒ کے پاس پڑھی ہیں ان کے نام بھی درج ہیں۔" (۱)

۱) الاعظمی، حبیب الرحمن، ابو المآثر، مقالات ابو المآثر: ۳/۱۹۶، مرتب: مسعود احمد اعظمی، دار الثقافۃ الاسلامیہ مئو، یوپی، طبع اول ۱۴۳۵ھ=۲۰۱۴ء۔ لمعات التنقیح: ۱/۵۰۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/۲۱۴-۲۱۵۔

۲) لمعات التنقیح: ۱/۵۰۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/۲۱۵۔ مقالات ابو المآثر: ۳/۱۹۷۔

۳) لمعات التنقیح: ۱/۵۰۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/۲۱۵۔ مقالات ابو المآثر: ۳/۱۹۷۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۴ - شیخ ابو الرضا بابا رتن:

ابو الرضا بابا رتن بن اسماعیل دہلویؒ، یہ شیخ محدث دہلویؒ کے نواسے ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے شاگرد بھی تھے، ان کا انتقال ۱۰۶۳ھ میں ہوا ہے۔ (۲)

۵ - مولانا عبد الحکیم:

مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی (متوفی: ۱۰۶۷ھ) کو بھی شیخ صاحب نے اپنی کتابوں سے روایت حدیث کی اجازت مرحمت فرمائی تھی، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنے استاذ شیخ ابو طاہرؒ کردی کے واسطہ سے مولانا عبد الحکیم کی سند کے ذریعہ ہی شیخ محدث دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں، جیسا کہ انہوں نے "انسان العین" میں تحریر فرمایا ہے:

"ازاں جملہ شیخ عبد اللہ لاہوریؒ وکتب ملا عبد الحکیمؒ سیالکوٹی از وے روایت کند عن الشیخ عبد اللہ اللبیب عن مولانا عبد الحکیمؒ وکتب شیخ عبد الحقؒ بہمیں واسطہ از مولانا عبد الحکیم روایت کند و وے از شیخ عبد الحق اجازت روایت۔" (۳)

[من جملہ ان میں شیخ عبد اللہ لاہوری ہیں، اور ملا عبد الحکیم سیالکوٹی کی کتابیں جن کو وہ روایت کرتے ہیں شیخ عبد اللہ لبیب سے، جو روایت کرتے ہیں مولانا عبد الحکیم سے، اور شیخ عبد الحق دہلوی کی کتابیں اسی واسطہ سے مولانا عبد الحکیم سے روایت کرتے ہیں اور ان کو شیخ عبد الحق سے روایت کی اجازت ہے۔]

۶ - خواجہ خاوند معین الدین:

خواجہ خاوند معین الدین بن خواجہ خاوند محمود المعروف بہ حضرت ایشاں کا شمار شیخ محدث دہلویؒ کے خصوصی شاگردوں میں ہوتا ہے، انہوں نے شیخ صاحب سے علوم حدیث، تفسیر اور فقہ وغیرہ میں استفادہ کیا تھا۔ (۴)

---

۱) تذکرۃ المحدثین: ۳ /۲۱۵۔

۲) لمعات التنقیح: ۱/ ۱۰۱۔ تذکرۃ المحدثین: ۳ /۲۱۵۔ مقالات ابو المآثر: ۳ /۱۹۷۔

۳) انسان العین: ۱۳، بحوالہ مقالات ابو المآثر: ۳ /۲۰۱۔

۴) خزینۃ الاصفیاء: ۶۴۳، بحوالہ مقالات سلیمان: ۲ /۴۴۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۷۔ خواجہ حیدر بن خواجہ فیروز کشمیری:

یہ ایک بلند پایہ عالم، عارف باللہ اور علماءِ کشمیر کے استاد تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کرنے کے بعد دہلی تشریف لائے اور شیخ صاحب سے کسب فیض کیا، علوم ظاہریہ کے ساتھ ساتھ علوم باطنیہ میں بھی شیخ صاحب کی شاگردی اختیار کی اور آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے۔ (۱)

۸۔ شاہ طیب ظفر آبادی:

نسلی اعتبار سے ساداتِ سیوانہ سے تعلق رکھتے تھے، تکمیل علوم کے لئے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فراغت کے بعد ایک مدت تک درس و تدریس میں مشغول رہے، اور پھر شیخ تاج الدین جھونسوی کے ہاتھ پر بیعت ہو گئے۔ آپ نے ضلع جونپور کے ظفر آباد میں انتقال فرمایا اور وہیں دفن کئے گئے۔ (۲)

۹۔ مخدوم دیوان:

مخدوم دیوان محمد رشید بن مصطفیٰ جونپوری (۱۰۰۰ھ تا ۱۰۸۳ھ)، یہ اصلاً شیخ نور الحق کے شاگرد ہیں؛ کیوں کہ جس وقت یہ طلب حدیث کی غرض سے دہلی پہونچے تو شیخ دہلویؒ پیرانہ سالی کی وجہ سے اپنی مسند درس پر شیخ نور الحق کو بیٹھا چکے تھے، لیکن دیوان محمد کی وجہ سے یہ فیصلہ فرمایا کہ میری موجودگی میں تم شیخ نور الحق سے حدیث پڑھو! چناں چہ دیوان صاحب نے شیخ عبد الحق کی موجودگی میں ہی فراغت حاصل کی۔ (۳)

۱۰۔ شیخ ابو احمد سلیمان الکردی:

آپ اصلاً کردستان کے باشندے تھے لیکن سیر و سیاحت کرتے ہوئے خراسان و لاہور کے راستہ دہلی تشریف لائے اور شیخ صاحب کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے۔ ان کے بارے میں مولوی رحمان علی لکھتے ہیں:

"از خدمتِ شیخ عبد الحق دہلوی کسب فیوض نمودہ، فاضل متبحر گشت تصانیف عالیہ از و یادگار ماند۔" (۴)

---

۱) لمعات التنقیح: ۱/ ۵۱۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۲۱۷۔ مقالات ابو المآثر: ۳/ ۱۹۹۔

۲) تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۲۱۸۔ مقالات ابو المآثر: ۳/ ۲۰۲۔

۳) تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۲۱۸۔ مقالات ابو المآثر: ۳/ ۲۰۲۔

۴) تذکرہ علماءِ ہند: ۱۲۔ لمعات التنقیح: ۱/ ۵۱۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۲۱۹۔ مقالات ابو المآثر: ۳/ ۲۰۰۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

[شیخ عبد الحق کی خدمت میں فیوض حاصل کئے اور تبحر فاضل ہوئے، متعدد بلند تصانیف ان کی یادگار ہیں]

۱۱ - **مولانا شاہ عبد الجلیل الہ آبادی:**

حضرت شیخ محمد صادق گنگوہی کے خلیفہ اور شیخ صاحب کے شاگرد رشید تھے۔[۱]

۱۲- **شیخ عنایت اللہ بن الہداد، صدیقی، بلگرامی:**

ان کا شمار بھی شیخ صاحب کے شاگردوں میں ہوتا ہے۔[۲]

۱۳ - **شیخ شاکر محمد بن وجیہ الدین، حنفی، دہلوی:**

یہ بھی شیخ صاحب کے شاگرد تھے اور آپ سے کسب فیض کیا تھا۔[۳]

---

۱) تذکرۃ المحدثین: ۳ /۲۱۹۔ مقالات ابو الماثر: ۳ / ۲۰۴۔

۲) تذکرۃ المحدثین: ۳ /۲۲۱۔

۳) تذکرۃ المحدثین: ۳ /۲۲۱۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

فصل سوم: علمی خدمات

شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے ۹۴ سال کی عمر پائی اور تقریباً آدھی عمر سے زیادہ کا عرصہ دین اسلام کی نشر واشاعت اور بدعات کے قلع قمع میں گذار دیا۔ آپؒ نے جہاں ایک طرف درس و تدریس کے ذریعہ ایک عالم کو اپنے نور سے منور کیا وہیں دوسری جانب تصنیف و تالیف کے ذریعہ صدیوں تک امتِ مسلمہ کی رہنمائی کے لئے ذخیرہ بھی اپنے بعد صدقۂ جاریہ کی شکل میں بطور یادگار چھوڑا۔

شیخ صاحبؒ نے جس دور میں آنکھیں کھولیں اس دور میں حدیثِ نبوی ﷺ سے بے اعتنائی اور بدعات وخرافات کا عام چلن تھا۔ عوام وخواص سب اپنی خواہشات کی تکمیل میں مصروف تھے اور اس کی خاطر دن ورات نئے نئے باطل نظریات کو گھڑنے میں حد سے تجاوز کر گئے تھے، جس کے نتیجہ میں بے شمار باطل فرقے پیدا ہو چکے تھے۔

شیخ صاحبؒ نے تصنیفات و تالیفات کے ذریعہ ان باطل نظریات وخرافات کا سد باب کیا اور شریعتِ اسلامیہ کے تمام گوشوں کو اپنی نگارشات کے ذریعہ عوام کے سامنے پیش کیا۔ آپ نے بطورِ خاص اور عمومی طور پر اس دور کے تمام اسلامی علوم میں انتہائی محقق اور مدلل کتابیں تصنیف فرمائیں۔ اگر آپ کی تمام تصانیف کا بغور مطالعہ کیا جائے تو عقل یہ دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے کہ تفسیر، حدیث، عقائد، تاریخ، فقہ، سیرت اور اعمال واخلاق کے موضوع پر لکھی گئی یہ تمام کتابیں ایک ہی صاحبِ قلم کی مختلف کاوشوں کا نتیجہ ہیں۔

شیخ موصوفؒ نے جس موضوع پر قلم اٹھایا اسی کے موافق لب ولہجہ اور انداز اختیار کیا، اگر تصوف کو بیان کرنا مقصد تھا تو پھر انداز بیان بھی صوفیاء کی طرح قلب پر اثر کرنے والا اختیار کیا اور اگر منطق وفلسفہ کو موضوع بحث بنایا تو پھر وہ عقلی دلائل پیش کئے جو فلاسفہ کا طرۂ امتیاز ہیں۔ حدیث کے موضوع پر قلم اٹھایا تو روایت ودرایت کے وہ تمام اصول آپ کے پیش نظر رہے جو ایک محدث کبیر کے ہی شایانِ شان ہو سکتے ہیں، اور اس کے بر خلاف اگر تاریخ، ذاتی حالات اور سیرتِ نبوی ﷺ پر کتابیں تحریر فرمائیں تو ایک مؤرخ اور سیرت نگار کے مانند سلیس اور شگفتہ طرزِ تحریر کے بے شمار نمونے دنیا کے سامنے پیش کئے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

شیخ عبد الحق نے اپنے بعد ۶۰ سے زائد (اگر آپ کے مکاتیب و رسائل کو الگ شمار کیا جائے تو ۱۰۰ سے زائد) کتابیں بطور یادگار چھوڑیں۔ جن کو فن اور موضوع کے اعتبار سے پروفیسر نظامی نے ۱۶ قسموں پر تقسیم کیا ہے،[1] جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) عقائد (۲) تفسیر (۳) حدیث (۴) تجوید (۵) نحو (۶) تصوف
(۷) فقہ (۸) سیر و تذکرہ (۹) اخلاق (۱۰) اعمال و اوراد (۱۱) تاریخ
(۱۲) ذاتی حالات (۱۳) مکاتیب و رسائل (۱۴) خطبات (۱۵) اشعار (۱۶) فلسفہ و منطق

ان تمام قسموں میں سے حدیث کے علاوہ دیگر علوم و فنون سے متعلق کتابوں کا تفصیلی بیان آئندہ کے صفحات میں پیش کیا جائے گا۔

۱) حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۱۸۲۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

عقائد

اسلام کی بنیاد جن ستونوں پر قائم ہے ان میں سب سے اہم ستون کا نام عقائد ہے۔ اسی وجہ سے ہر دور کے علماء نے عقائد اور اس میں شرک و کفر کی آمیزش اور ملاوٹ کے سدِباب پر بہت زور دیا ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے عہد میں مسلمانوں اور بطور خاص علماء کے اندر جن مذہبی تعلیمات و نظریات میں تنزلی واقع ہوئی تھی ان میں عقائد بھی تھے۔ مسلمان عقائد کے اعتبار سے صراطِ مستقیم سے ہٹ چکے تھے، ان میں بدعات و خرافات نے جڑ پکڑ لی تھی اور بعض ایسی رسومات کا رواج عام ہو چکا تھا جن کو اسلام اور تعلیمات اسلام سے کوئی سروکار نہیں تھا۔

جاہ و منصب کے طالب اور دنیادار علماء اپنی دنیا سنوارنے کی خاطر حیلہ سازیوں کا شکار ہو گئے تھے، مال و زر کی حرص نے ان کو اصل اسلامی تعلیمات سے کوسوں دور قعرِ مذلت میں دھکیل دیا تھا، ان کا ایمان اس درجہ کمزور پڑ چکا تھا کہ وہ بادشاہِ وقت کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اس کے ہر نظریہ کو "دین" بنانے پر آمادہ تھے، یہاں تک کہ بعض دنیاوی علماء کے نزدیک بادشاہ کو سجدہ کرنے میں بھی کوئی حرج نہ رہا تھا۔

اس نازک دور میں شیخ عبدالحق نے اسلامی عقائد کو انتہائی آسان اور عام فہم زبان میں پیش کیا، انہوں نے ان فلسفیانہ موشگافیوں سے کلیۃً اجتناب کیا جن کی وجہ سے عوام و خواص بے جا شکوک و شبہات کا شکار ہو چکے تھے۔

یوں تو شیخ صاحب نے اپنی تمام تصنیفی کاوشوں سے امتِ اسلامیہ کو صراطِ مستقیم پر گامزن کرنے کی مکمل کوشش کی ہے؛ لیکن خصوصاً عقائد پر ان کی ایک کتاب "تکمیل الایمان و تقویۃ الایقان" کو آج بھی وہی شہرت و مقبولیت حاصل ہے جو ابتدائی دور میں تھی۔

ا۔ تکمیل الایمان:(۱)

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی جن تصانیف کے حصہ میں سب سے زیادہ شہرت و مقبولیت آئی ان میں "تکمیل الایمان" بھی شامل ہے۔ شیخ موصوف نے اس کتاب میں اسلامی عقائد و قواعد کو "بطریق سنیہ اہل سنت والجماعت"(۱) اختصار کے ساتھ انتہائی جامع انداز میں بیان کیا ہے۔

---

۱) محدث دہلوی، شیخ عبدالحق بن سیف الدین، تالیف قلب الالیف بکتاب فہرس التوالیف (مخطوط): ۴۲، رضا لائبریری، رامپور، شمارہ کتاب: ۲۹۵ (ب)۔ مرآۃ الحقائق: ۵۱۔ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی: ۱۸۴۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۲۹۵۔ نزھۃ الخواطر: ۵/۵۵۵۔ ھدیۃ العارفین: ۱/ ۵۰۳۔ إیضاح المکنون: ۱/ ۲۱۶۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

مصنفؒ نے اس کتاب میں مذاہب زائغہ اور اقوالِ باطلہ سے پرہیز کرتے ہوئے صرف مذہب حق اور اقوال صحیحہ کے بیان پر اقتصار کیا ہے، اور اپنی عادت مستمرہ کے مطابق بحث و تکرار، جنگ و جدال اور قیل و قال کی راہ کو چھوڑ کر ایک ایسا صاف ستھرا راستہ اختیار کیا ہے جس کے ذریعہ ہر طالبِ صادق آسانی کے ساتھ منزل مقصود تک پہونچ سکتا ہے۔ جیسا کہ وہ خود دیباچہ کتاب میں رقم طراز ہیں:

"نوشتم آنرا برائے ہر مومن طالب و طالب صادق، و اقتصار کردم دروی بر اثبات مذہب حق و بیان قول صحیح، و تعرض نکردم بذکر مذاہب زائغہ و ایراد اقوال باطلہ، و نرفتم بہ راہ بحث و جدال و طریق قیل و قال، و تجرید کردم از وی کل کلامیہ و تدقیقات فلسفیہ تا طالب را در ورطہ حیرت و تذبذب نیفگند و از حصول مقصد و وصول مطلب باز ندارد۔" (۲)

[میں نے اس کو ہر مومن طالب اور سچے متلاشی حق کے لئے لکھا ہے۔ اور اس میں صرف مذہب حق کے اثبات اور قول صحیح کے بیان پر اکتفاء کیا ہے۔ مذاہبِ زائغہ اور باطل اقوال کو ذکر نہیں کیا اور نہ بحث و مباحثہ اور قیل و قال کی راہ اختیار کی۔ علم کلام کے دلائل اور فلسفیانہ موشگافیوں سے پرہیز کیا، تاکہ ایک سچا طالب حیرت اور تذبذب میں نہ پڑ جائے۔]

اس کتاب کی جامعیت اور افادیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پروفیسر نظامی لکھتے ہیں:

"ویسے تو یہ کتاب کل ۸۰ر صفحات (۳) پر مشتمل ہے، لیکن مضامین کے تنوع اور جامعیت کے اعتبار سے بہت بلند پایہ ہے، ایمان کی نوعیت، جبر و اختیار، عذابِ قبر، بعثت، معراج، شفاعت، جنت و دوزخ، توبہ، استمداد از قبور، معجزات اہل بیت وغیرہ وغیرہ عنوانات پر صحیح نقطۂ نظر کو نہایت وضاحت اور صفائی کے ساتھ پیش کیا ہے، کتاب حجم میں کم ہے لیکن افادیت میں بہت زیادہ ہے۔" (۴)

---

۱) شیخ محدث دہلوی، عبدالحق بن سیف الدین، تکمیل الایمان: ۴۹، الرحیم اکیڈمی کراچی، پاکستان، ربیع الاول ۱۴۲۱ھ۔

۲) تکمیل الایمان: ۴۹۔

۳) جو نسخہ نظامی صاحب کے پیش نظر تھا اس کا حجم ۸۰ر صفحات تھا، مگر راقم الحروف کے پیش نظر جدید مطبوعہ نسخہ ۱۸۸ر صفحات پر مشتمل ہے۔

۴) حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی: ۱۹۸۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس کتاب کو اپنی گوناگوں خصوصیات کی بنا پر بے شمار شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی اور متعدد بار زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آئی۔ اس کا ایک جدید ایڈیشن ۲۵ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ کو ڈاکٹر محمد عبد الرحمن غضنفر نے الرحیم اکیڈمی، اعظم نگر، لیاقت آباد، کراچی سے شائع کیا ہے، جو ۱۸۸ صفحات پر مشتمل ہے۔

چوں کہ یہ کتاب اپنی سلیس زبان اور سلجھے ہوئے انداز بیان کی وجہ سے غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے، اس لئے دورِ حاضر میں جب کہ فارسی زبان کا رواج ہندوستان میں تقریباً ختم ہو چکا ہے، بہت سے اہل علم حضرات نے افادۂ عام کے پیش نظر اس کے اردو میں ترجمے بھی کئے ہیں۔ جن میں سب سے قدیم اردو ترجمہ میر علی صاحب نے "سبیل الجنان" کے نام سے کیا تھا، جو پہلی بار ۱۸۷۳ء میں اور دوسری بار ۱۸۱۸ء میں کانپور سے شائع ہوا تھا۔ اس کے علاوہ مولانا رحیم بخش دہلوی نے "منقذ الایمان" اور مولانا انظر شاہ صاحب کشمیری نے "عقیدہ کیا ہے؟" کے نام سے ترجمہ کیا ہے۔

اس کے قلمی نسخے ہندوستان و پاکستان اور لندن کے درجِ ذیل کتب خانوں میں موجود ہیں:

۱) مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ:

أ۔ ذخیرہ شیفتہ: ۲۹/۳۳، فارسیہ فقہ و کلام۔ ۴۸/۵۳، فارسیہ فقہ۔ ۴۵/۵۰، فارسیہ فقہ۔ ۵۲/۴/۷، فارسیہ فقہ۔

ب۔ عبد السلام: ۴۱/۱۷/۷، اسلام عقائد فارسیہ۔

ت۔ عبد الحیٔ: ۵۷/۵۷، عقائد فارسیہ۔

ث۔ جواہر: ت ا ف/۲۸۸۔ ج ف/۶۳۰، فارسیہ جواہر۔

ج۔ ذخیرہ سبحان اللہ: ۵۸/۲/۲۹۷، فارسی کلام۔

۲) رضا لائبریری، رامپور: شمار کتب: ۴۰۸، ردیف کتب خانہ: ۸۴۵۳ م۔ (۱)

۳) ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ: نمبر شمار: ۱۰۷۸۔ (۲)

---

۱) فہرست نسخہ ہای خطی فارسی، کتاب خانہ رضا، رامپور: ۹/۱، ۷، ناشر: کتب خانہ رضا، رامپور، ۱۹۹۶-۲۰۰۰ء۔

۲) Ivanow, Wladimir, Concise descriptive catalogue of the Persian manuscripts in the collections of the Asiatic Society of Bengal: 521, Asiatic Society of Bengal, Calcutta, 1924.

toobaa-elibrary.blogspot.com

۴) خدابخش لائبریری پٹنہ: ۱۲۸۳۔ (۱)

۵) انڈیا آفس: (۱) ۲۵۸۳۔ (۲) ۲۵۸۴۔ (۳) ۲۵۸۵۔ (۲)

۶) برٹش میوزیم: (۱) Add-16824۔ (۳) (۲) or-248۔ (۴)

۷) نواب رحمت اللہ بہادر خاں لائبریری، مزمل منزل، علی گڑھ۔ (۵)

---

۱) Catalogue of the Arabic and Persian Manuscripts in the Khuda Bakhsh Oriental Public Library, Patna: 14/132.

۲) Ethe, Hermann. Catalogue of Persian manuscripts in the Library of the India Office: 1/1392-1393, Oxford University, 1903-1937.

۳) Rieu, Charles, Catalogue of the Persian manuscripts in the British Museum: 2/827, 1879-1883.

۴) Catalogue of the Persian manuscripts in the British Museum: 2/873.

۵) جیلانی، عبدالسلام، شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی تصانیف کا اجمالی تعارف: ۸۱، فکر و نظر (سہ ماہی)، جلد: ۵۲، شمارہ: ۳، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، ستمبر ۲۰۱۵ء۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

تفسیر

برصغیر ہندو پاک میں اسلام کی آمد چوں کہ عجم کے راستہ سے ہوئی تھی، اس وجہ سے یہاں نشو نما پانے والے اسلامی علوم میں فلسفہ اور علم کلام کو غیر معمولی حیثیت حاصل تھی، اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے عہد میں تو فلسفہ اپنے عروج پر تھا، جس کی وجہ سے ہر روز دین کے نام پر نئی نئی بدعات جنم لیتی تھیں۔

علوم اسلامی میں علم تفسیر اپنی اصل اور بنیاد کی وجہ سے ہر دور میں مفکرین اسلام کی جدوجہد اور کوششوں کا اہم مرکز رہا ہے، ہر مولف و مصنف نے اپنے لئے یہ باعثِ سعادت سمجھا کہ وہ قرآنیات پر کچھ نہ کچھ ضرور لکھے، جس کے نتیجے میں ہزار ہا ہزار تفاسیر عالم وجود میں آتی رہی، اور مفکرین کی توجہ کا مرکز و محور بنتی رہی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اگر چہ تحریری اعتبار سے مستقل طور پر کوئی تفسیری خدمت انجام نہیں دی، لیکن ان کو علوم قرآنی پر کمل عبور حاصل تھا، وہ تفاسیر میں پائے جانے والے نقائص اور کمیوں پر پوری نظر رکھتے تھے، وہ قرآنی آیات کو منطق و فلسفیانہ دلائل کے ذریعے ثابت کرنے اور قرآنیات کو فلسفے کے ساتھ خلط ملط کرنے پر سخت نالاں رہتے تھے، جیسا کہ تفسیر کے سلسلے میں ان کے "عقیدہ راسخ" کو بیان کرتے ہوئے پروفیسر نظامی لکھتے ہیں:

"تفسیر کے سلسلے میں شیخ محدث کا عقیدہ راسخ یہ تھا کہ فلسفیانہ موشگافیوں سے کلی طور پر پرہیز کرنا چاہئے، وضعیت سے کلام ربانی کی تاثیر کم ہو جاتی ہے، قرآن نے براہ راست انسان کے مذہبی وجدان، شعور کو آواز دی ہے، چناں چہ صحیح تفسیر وہی ہے جو انسان کے ہوش و گوش کو اس آواز کے سننے کے لئے آمادہ کر دے۔" (۱)

شیخ صاحب کی تین تصانیف کو تفسیر کے تحت بیان کیا جاتا ہے، جو کہ درج ذیل ہیں:

۱۔ **التعلیق الحاوی علی تفسیر البیضاوی:** (۲)

شیخ محدث نے تفسیر بیضاوی کے ربع اول پر ایک حاشیہ تحریر فرمایا تھا، جس کا نام "التعلیق الحاوی علی تفسیر البیضاوی" رکھا تھا۔

---

۱) حیات شیخ عبدالحق: ۱۸۳۔

۲) فہرست التوالیف: ۲۱۔ ۲۲، کتاب نمبر: ۲۷۔ مرآۃ الحقائق: ۵۱، کتاب نمبر: ۲۱۔ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی: ۱۸۳۔ تذکرہ المحدثین: ۳ / ۲۹۲۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

تفسیر بیضاوی کا اصل نام "أنوار التنزیل وأسرار التأویل" ہے، یہ علامہ عبداللہ بن عمر البیضاویؒ (متوفی: ۱۲۹۱م) کی مشہور و معروف تصنیف ہے۔ شیخ محدث کے زمانے میں اسی کتاب کو منتہی و ماویٰ سمجھا جاتا تھا، اور تفسیر قرآن میں فوقیت و مہارت حاصل کرنے کے لئے یہی آخری کتاب تھی؛ جو نصاب تعلیم میں شامل تھی۔

آج بھی یہ کتاب درس نظامی میں شامل ہے اور دارالعلوم دیوبند میں "طلبہ تکمیل علوم" کو پڑھائی جاتی ہے، اس کی شہرت و مقبولیت اور عمدہ انداز بیان کے پیش نظر اس کی شروحات و حواشی اور دیگر زبانوں میں اس کے ترجمے کرنے کا رواج رہا ہے، جن علماء نے اس پر حواشی و تعلیقات تحریر فرمائے ہیں ان میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا نام بھی شامل ہے۔

شیخ صاحب نے بیضاوی پر جو حاشیہ تحریر فرمایا اس میں ایک طرف بیضاوی کے مضامین کو اور زیادہ با اثر و معتبر بنایا ہے، تو دوسری طرف اس کی خامیوں کی جانب بھی اشارہ کیا ہے، وہ اپنی کتاب نکات الحق میں رقم طراز ہیں:

"بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ در تفسیر قرآن و شرح احادیث ازیں باب قباحہا بسیار کردہ، تجاوز اللہ عنہ واگر آں مواضع را بشمارم سخن دراز گردد۔"[1]

[بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ سے تفسیر قرآن اور شرح احادیث میں بہت سی کوتاہیاں سرزد ہوئی ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے تجاوز فرمائے، اگر ان تمام مقامات کو شمار کیا جائے تو بات لمبی ہو جائے گی۔]

لیکن افسوس کہ یہ حاشیہ زیور طبع سے آراستہ ہونے سے قبل ہی زمانے کی دست درازیوں کی نظر ہو گیا، اور اب اس کا کوئی نسخہ موجود نہیں ہے۔

۲۔ شرح صدور در تفسیر آیت النور:[2]

یہ سورۂ نور کی آیت نمبر ۳۵ "اللہ نور السموات والأرض" کی تفسیر تھی جو ایک ہزار سے زائد سطروں پر مشتمل تھی، یہ کتاب مولوی نور الحقؒ کے کتب خانہ میں مرآۃ الحقائق کی تصنیف کے وقت تک موجود تھی اور اس کا زمانہ ۱۹۰۲ عیسوی ہے۔[3]

---

۱) نکات الحق، بحوالہ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی: ۱۸۳۔

۲) فہرست التوالیف: ۲۲- ۲۳۔ مرآۃ الحقائق: ۵۷۔ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی: ۱۸۳۔ تذکرۃ المحدثین: ۲/ ۳۰۳- ۳۰۴۔ نزہۃ الخواطر: ۵/ ۵۵۵۔

۳) مرآۃ الحقائق: ۵۷۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

لیکن اب ہندوستان کے کسی کتب خانہ میں اس کا کوئی قلمی نسخہ موجود نہیں ہے؛ البتہ پاکستان کی سرگودھا لائبریری میں اس کے ایک قلمی نسخہ کا پتہ چلتا ہے۔[۱]

۳۔ تحصیل الغنائم والبرکات بتفسیر سورۃ والعادیات:[۲]

یہ سورۂ "والعادیات" کے فضائل وبرکات اور تفسیری نکات پر مشتمل ڈھائی صفحہ کا ایک رسالہ ہے، جو کتاب "المکاتیب والرسائل إلی ارباب الکمال والفضائل" میں شائع ہوا ہے۔[۳]

---

۱) مشترک فہرست نسخہ ہائی قلمی پاکستان: ۱/ ۱۹۰، بحوالہ فکر ونظر، علی گڑھ: ۹۳۔

۲) مرآۃ الحقائق: ۵۷۔ حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۱۸۴۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۲۹۳۔ نزھۃ الخواطر: ۵/ ۵۵۶۔

۳) کتاب المکاتیب والرسائل: ۲۸۳- ۲۸۶۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

تجوید

شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کو علم قرأت سے خاص لگاؤ اور دلچسپی تھی، جس کی وجہ یہ تھی کہ شیخ موصوف نے علم قرأت شیخ عبد الوہاب متقیؒ سے حاصل کیا تھا، اور شیخ عبد الوہاب کا شمار اس دور کے جید اور ماہر قراء کرام میں ہوتا تھا۔ ان ہی کے زیر سایہ شیخ دہلویؒ نے ایک عرصہ گذارا تھا اور ان سے ظاہری و باطنی علوم کی تحصیل کی تھی۔

شیخ محدث دہلویؒ کے علم تجوید و قرأت کے تئیں لگاؤ اور دلچسپی کا یہ نتیجہ تھا کہ وہ اپنے تلامذہ کو علم مخارج اور قواعد قرأت حاصل کرنے کی تلقین کرتے رہتے تھے، جیسا کہ "تذکرۃ المحدثین" میں ان کے ایک شاگرد کا قصہ اس طرح لکھا ہے:

> "خواجہ حیدر[1] کو قرآن مجید بہت اچھا یاد تھا اور حفظ کے بعد مدۃ العمر ہر سال پورا قرآن شریف تراویح میں پڑھتے رہے، جس زمانہ میں شیخ عبد الحقؒ کے یہاں تحصیل علم میں معروف تھے، شیخ صاحب کی فرمائش پر ایک سال شب برأت کو پورا قرآن سنایا، کسی ایک جگہ بھی لقمہ دینے کی ضرورت پیش نہ آئی، صبح کو شیخ نے فرمایا: تم نے بہت اچھا پڑھا اور خوب یاد رکھا، لیکن اگر تھوڑا علم مخارج اور قواعد قرأت بھی حاصل کر لو تو بہتر ہو، چناں چہ اس کے بعد انہوں نے شیخ سے علم مخارج اور اصول قرأت کی تحصیل کی۔"[2]

اس واقعہ سے جہاں خواجہ صاحب کی قوت حافظہ کا پتہ چلتا ہے وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شیخ صاحب کو اس فن سے کتنا لگاؤ تھا اور وہ اس فن میں کس درجہ ماہر تھے۔ وہ اپنے تلامذہ کو دیگر علوم کی طرح تجوید بھی سکھاتے تھے، درس و تدریس کے علاوہ شیخ صاحب نے اس فن سے متعلق دو کتابیں بھی بطور یادگار چھوڑیں تھی جو کہ درج ذیل ہیں:

---

۱) خواجہ حیدر بن خواجہ فیروز کشمیری، متوفی: ۱۰۵۶ھ۔

۲) تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۲۱۶۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱- درالفرید فی قواعد التجوید:[۱]

یہ علم تجوید میں ایک کتاب تھی جو کہ اب نایاب ہے، اس کے بارے میں پروفیسر نظامی لکھتے ہیں:

"یہ کتاب اب نایاب ہے اور ہندوستان کے کسی کتب خانہ میں اس کے قلمی نسخہ کا پتہ نہیں چلا ہے۔"[۲]

صاحب مرآۃ الحقائق کی تحقیق کے مطابق یہ کتاب طبع نہیں ہو پائی تھی، لیکن شیخ نور الحقؒ کے کتب خانہ میں موجود تھی۔ اور منشی صاحب نے اس کے ایک نسخہ پر اس کا نام "درۃ التفسید" لکھا ہوا دیکھا تھا۔[۳]

شیخ صاحبؒ کے ایک رسالہ کا مخطوطہ "رسالۃ التجوید" کے نام سے ٹونک لائبریری میں موجود ہے۔[۴]

۲- شرح المقدمۃ الجزریۃ:

شیخ صاحب کی تصانیف میں سے یہ بھی ایک تصنیف فن تجوید میں ہے، جو کہ ابھی تک غیر مطبوع ہے اور اس کا ایک قلمی نسخہ اسلامیہ کالج پشاور کے کتب خانہ میں موجود ہے، جس کی لکھائی خوش خط ہے اور اس کا سن تحریر ۱۱۴۸ھ ہے۔[۵]

۱) فہرست التوالیف: ۲۳۔ مرآۃ الحقائق: ۵۴۔ حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۱۸۵۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۲۹۸۔ نزھۃ الخواطر: ۵/۵۵۵۔

۲) حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۱۸۵۔

۳) مرآۃ الحقائق: ۵۴۔

۴) خان، محمد عمران (مرتب)، تجزیۃ المخطوطات: ۳۹، عربی فارسی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، ٹونک، راجستھان، ایڈیشن اول ۱۹۸۱ء۔

۵) عبد الرحیم، اباب المعارف العلمیہ: کتاب نمبر ۱۰۹۲، فروز پرنٹنگ ورکس، ۱۹۳۸ء۔ حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۱۸۵۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۳۰۴۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

نحو

اسلام کے اولین مصادر قرآن وحدیث چوں کہ عربی زبان میں ہیں اس لئے علوم دینیہ کے ہر طالب علم پر عربی زبان وادب کا سیکھنا اور عربی میں ایک معتبر حد تک مہارت حاصل کرنا، ان امور میں شامل ہے جن سے کبھی صرف نظر نہیں کی جا سکتی۔

یہی وجہ ہے کہ علوم اسلامیہ کی تحصیل کا جو طریقہ ابتداء سے آج تک رائج ہے اس میں طالب علم کو ابتدائی دور میں نحو وصرف کے قواعد کی ایک معتد بہ مقدار کو زبانی یاد کرایا جاتا ہے اور پھر تفصیلی مباحث پر مشتمل کتابوں کو سبقاً سبقاً پڑھایا جاتا ہے۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے بھی طالب علمی کے ابتدائی دور میں ہی دیگر علوم کی مانند نحو میں غیر معمولی مہارت حاصل کرلی تھی اور صرف پندرہ یا سولہ سال کی عمر میں وہ اس قابل ہو گئے تھے کہ انہوں نے علم نحو کی انتہائی دشوار اور مشکل ترین کتاب "الکافیہ" کے ترجمہ وتشریح جیسا اہم کارنامہ انجام دیا تھا۔ شیخ صاحبؒ کی دو تصانیف کا تذکرہ علم نحو کے تحت کیا جاسکتا ہے۔

۱ - حاشیہ الفوائد الضیائیہ: (۱)

"الفوائد الضیائیہ" علم نحو کی مشہور کتاب "کافیہ" کی شرح ہے؛ جو کہ اپنے مصنف نور الدین عبد الرحمن الجامی (متوفی ۸۹۸ھ) کی طرف نسبت کرتے ہوئے "شرح ملا جامی" کے نام سے مشہور ہے۔ شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے اسی "شرح ملا جامی" پر حواشی وتعلیقات لکھے تھے۔ جن کی تعداد بیان کرتے ہوئے مرآۃ الحقائق میں لکھا ہے:

"بہ ہشت ہزار بیت" (۲)

۲ - الافکار الصافیہ فی ترجمۃ کتاب الکافیہ: (۳)

یہ فن نحو کی مشہور ومعروف کتاب "کافیہ" کی شرح ہے۔ شیخ صاحبؒ نے یہ شرح صرف ۱۵-۱۶ سال کی عمر میں ہی لکھ دی تھی۔ صاحب مرآۃ الحقائق اس کی کیفیت بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

---

۱) مرآۃ الحقائق: ۵۴۔ حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۲۲۶۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۲۹۷۔

۲) مرآۃ الحقائق: ۵۴۔ حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۲۲۶۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۲۹۷۔

۳) فہرست التوالیف: ۲۳۔ مرآۃ الحقائق: ۵۰۔ حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۲۲۶۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۲۹۲۔ نزہۃ الخواطر: ۵/ ۵۵۶۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

"یہ کتاب من جملہ اون تینوں کتابوں کے ہے جو حضرت نے بایام تحصیل علم تحریر فرمائی۔"(۱)

اس کتاب کو لکھنے کا محرک کیا تھا؟ یہ کتاب کافیہ کے کن کن ابواب پر مشتمل تھی؟ اور اس کو لکھنے کے وقت شیخ صاحب عمر کے کس پڑاؤ پر تھے؟ ان سب کے جواب میں مصنفؒ بذاتِ خود رقم طراز ہیں:

"در من عمر در ابتدائے حال طالب علمی و بتقریب کسے کہ نسبت معنوی و رابطۂ قوی داشت تا آخر منصوبات تسوید نمودہ شد و تا بحث مرفوعات بہ بیاض رسید و عمر کاتب حروف دراں وقت پانزدہ یا شانزدہ سال بود۔"(۲)

[طالب علمی کے ابتدائی زمانے میں، بچپن میں ہی، کسی ایسے شخص کے کہنے پر جس سے معنوی نسبت اور قوی تعلق ہے، "منصوبات" کے آخر تک مسودہ تیار ہو گیا تھا، اور "مرفوعات" کی بحث تک (یہ کتاب) مکمل ہو گئی تھی، اور اس وقت کاتب حروف کی عمر پندرہ یا سولہ سال تھی۔]

۱) مرآۃ الحقائق: ۵۰۔

۲) فہرست التوالیف: ۲۳۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

تصوف

احسان یا بالفاظ متعارف "تصوف" اسلام کا ایک ایسا شعبہ ہے جو انسان کے باطن سے بحث کرتا ہے، اس کی اصل و بنیاد قرآن وحدیث ہیں۔ انسان کی فلاح و بہبود کے لئے جیسے یہ بات ضروری ہے کہ وہ اپنے ظاہر کی اصلاح کرے اسی طرح اپنے تمام اعمال میں قرآن وسنت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کے لئے یہ بھی بے حد ضروری ہے کہ وہ اپنے باطن کو بھی رذائل سے پاک وصاف رکھے۔ ان ہی دونوں امر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے علامہ ابن قیم تحریر فرماتے ہیں:

"لا بد من أمرين: أحدهما أعظم من آخر وهو النصيحة لله ولرسوله ولكتابه وتنزيهه عن الأقوال الباطلة المناقضة." (۱)

[دو کام بہت ضروری ہیں: اور ان میں سے پہلا دوسرے سے بڑا ہے، اور وہ اللہ تعالی، اس کے رسول ﷺ اور اس کی کتاب کے لئے نصیحت کرنا ہے، اور اس کو باطل وغلط باتوں سے پاک صاف کرنا ہے۔]

شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ بھی اسی پر عمل پیرا تھے اور ان کی پوری زندگی کا ماحصل و خلاصہ، اللہ ورسول، اعمال صالحہ کی تبلیغ وتلقین اور عقائد باطلہ کی تنکیر وتردید کی شکل میں نظر آتا ہے۔

شیخ صاحبؒ نے تصوف حقیقی کا ایک وافر حصہ پایا تھا، جس کی تحصیل میں ان کے ماحول، خاندانی احوال اور ان کے اساتذہ کو بڑا دخل ہے۔ ان کے والد ماجد نے جس طریقے سے ان کی پرورش کی تھی اور اساتذہ کرام کی رہنمائی میں جس طرح سلوک وطریقت کی راہیں طے کی تھیں اس نے شیخ صاحب کو تصوف کا لذت شناس بنا دیا تھا۔

شیخ صاحبؒ جس پایہ کے محدث وفقیہ تھے اسی کے مثل ان کو علم تصوف پر بھی عبور حاصل تھا لیکن بدقسمتی سے انہوں نے جو زمانہ پایا تھا وہ اتنا ہی تنزل پذیر اور بدعات وخرافات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا، جس کو آج تک تاریخ ہند میں اسلامی نظریات کے اعتبار سے تاریک ترین ادوار میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس دور کی ایک معمولی سی جھلک محمد اسلم نے اپنی کتاب "دین الہی اور اس کا پس منظر" میں بیان کی ہے، مصنف "صوفیائے خام" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

---

۱) ابن قيم، محمد بن أبي بكر بن أيوب بن سعد شمس الدين الجوزية، إعلام الموقعين عن رب العالمين: ۱/۲۰۱، تحقيق: محمد عبد السلام إبراهيم، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة: الأولى، ۱٤۱۱ھ-۱۹۹۱م۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

"بد قسمتی سے اس زمانے میں ہندوستان روحانی طور پر دیوالیہ ہو چکا تھا اور ملک بھر میں ایسا کوئی بزرگ نہ تھا جو عوام کی صحیح رہنمائی کر سکتا۔ گنتی کے جو چند بزرگ ان دنوں حیات تھے وہ وحدۃ الوجود کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔" (۱)

وحدۃ الوجود علم تصوف کی ایک اصطلاح ہے جس کی رو سے اس دنیا میں نظر آنے والی ہر شئ خالقِ حقیقی کی مختلف شکلوں میں سے ایک شکل ہے۔ شیخ صاحبؒ کے زمانے میں اس عقیدہ میں افراط و تفریط کا مظاہرہ کیا گیا تھا، اور کچھ جاہل صوفیا، اس کی جا بجا تشہیر کرتے پھرتے تھے، ان کا کہنا تھا کہ جب اللہ کے علاوہ اور کوئی شئ موجود ہی نہیں تو پھر جو کچھ نظر آتا ہے وہ اللہ ہی تو ہے۔ اس جماعت کے ایک محترم بزرگ "شیخ تاج الدین معروف بہ تاج العارفین" تھے، وہ جب اکبر کو دیکھتے تو ان کو اللہ ہی نظر آتا تھا، ان کے نزدیک اس صورت میں اکبر کو سجدہ غیر اللہ کو سجدہ نہ تھا۔ (۲)

ایک طرف تو یہ طبقہ تھا کہ جس نے اپنے باطل نظریات و عقائد کو ثابت کرنے اور جاہ و منصب کی طلب کی خاطر ان نظریات میں بھی تحریف کر دی تھی جو کبھی تصوف کی روح سمجھے جاتے تھے۔ اسی کے بالمقابل ایک دوسری جماعت تھی جو بالکلیہ وحدۃ الوجود کی منکر تھی، اس جماعت کی سرخیل اور پیشوا وہ ذاتِ گرامی تھی جس کو دنیا "شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ" کے نام سے جانتی اور پہچانتی ہے، مجدد صاحبؒ انتہائی شد و مد کے ساتھ وحدۃ الوجود کی مخالفت کرتے تھے۔

شیخ محدثؒ نے ان دونوں طبقات کو بہت نزدیک سے دیکھا اور سمجھا تھا، وہ ان دونوں نظریات کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے اثرات سے بھی بخوبی واقف تھے۔ پھر شیخ صاحب چونکہ فطری طور پر ہی معتدل مزاج تھے اس لئے انہوں نے یہاں بھی دامنِ اعتدال کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ نہ انہوں نے "حضرت محی الدین ابنِ عربیؒ" کے خیالات کی تردید کی اور نہ ان کی تصانیف کا درس دیا، اپنے استاذ شیخ عبد الوہاب متقیؒ کی طرح وہ یہ کہتے تھے کہ:

"شیخ اکبر کی تصانیف میں زہر بھی ہے اور قند بھی، جو ان دونوں میں تمیز کر سکے وہ ان کی تصانیف ضرور پڑھے۔" (۳)

شیخ صاحبؒ نے میدان تصوف کے اندر جو سب سے نمایاں کارنامہ انجام دیا ہے وہ فقہ و تصوف کا ارتباط ہے، آپ نے عالمانہ اور محققانہ دلائل کے ذریعہ ثابت کیا کہ فقہ اور تصوف دونوں ایک دوسرے کے محتاج ہیں جیسے فقہ

۱) محمد اسلم، دین الٰہی اور اس کا پس منظر: ۶۶، ندوۃ المصنفین، رحمٰن آباد، لاہور، طبع ثانی جنوری ۱۹۷۰ء۔
۲) دین الٰہی اور اس کا پس منظر: ۶۹۔
۳) حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۳۱۲۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

کے بغیر تصوف صرف چند خیالی تصورات کا مجموعہ ہے اسی طرح تصوف کے بغیر فقہ بھی ظاہر پرستی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

فقہ اور تصوف کے اسی ارتباط اور علاقہ کو بیان کرتے ہوئے شیخ صاحبؒ اپنی مشہور کتاب "مرج البحرین" میں رقم طراز ہیں:

"پس تصوف بہ فقہ محتاج است و فقہ از تصوف مستغنی، اگرچہ تصوف اعلیٰ و ارفع است از فقہ در مرتبہ، و لیکن فقہ اسلم و اعم است در مصلحت و ازیں جا گفتہ اند کہ "کن فقیہا صوفیا ولاتکن صوفیا فقیہا" یعنی اول واد فقہاہت و عمل شریعت و حفظ ظاہر بدہ، بعد ازاں بمقام تصوف و اتصاف بحقیقت و تصفیہ باطن عروج کن زیرا کہ ایں اکمل و اتم و اسلم۔" (۱)

[پس تصوف فقہ کا محتاج ہے اور فقہ تصوف سے مستغنی۔ اگرچہ مرتبہ میں فقہ سے تصوف اعلیٰ وارفع ہے؛ لیکن مصلحت میں فقہ زیادہ عام اور سالم ہے۔ اور اسی وجہ سے یہ کہا جاتا ہے کہ فقیہ صوفی ہو، نہ کہ صوفی فقیہ، یعنی فقاہت پہلے شریعت پر عمل اور ظاہر کی حفاظت کرو، اس کے بعد تصوف اور باطن کی پاکی میں عروج حاصل کرو۔ جاننا چاہئے کہ یہی زیادہ کامل و درست ہے۔]

شیخ صاحب کو صوفیائے صافی اور علم تصوف سے جو انسیت اور لگاؤ تھا اس کا جیتا جاگتا ثبوت وہ تصانیف ہیں جو انہوں نے مذکورہ فن کے تحت افادۂ عام کی خاطر بطور یادگار چھوڑی ہیں۔ آپ کے بیش بہا تصنیفی ذخیرہ میں سے فن تصوف کے تحت جن کتابوں کو داخل کیا جا سکتا ہے وہ درج ذیل ہیں۔

۱- تحبیبہ العارف بما وقع فی العوارف: (۲)

یہ رسالہ شیخ عبد القادر جیلانی کے قول "قدمي هذه على رقبة كل ولي الله" کی تائید اور اس قول پر شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے جو اعتراض کیا تھا کہ یہ بات حالت سکر میں کہی گئی تھی، اس کی تردید میں ہے۔ شیخ محدث نے اس میں یہ بات ثابت کی ہے کہ شیخ عبد القادر جیلانیؒ کا یہ قول حالت صحو میں تھا، نہ کہ حالتِ سکر میں۔ یہ رسالہ

۱) شیخ محدث دہلوی، عبد الحق بن سیف الدین، مرج البحرین: ۸۷۔

۲) فہرست التوالیف: ۱۹۔ مرآۃ الحقائق: ۵۲۔ حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۲۰۱-۲۰۲۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۲۹۵-۲۹۶۔ نزہۃ الخواطر: ۵/۵۵۵۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ب تک شائع نہیں ہوا ہے، اور اس کا ایک قلمی نسخہ رضا لائبریری رامپور میں موجود ہے، جس کا فہرست نمبر ہے:
"5062-M" (۱)

۲۔ تحصیل التعرف فی معرفۃ الفقہ والتصوف: (۲)

شیخ صاحبؒ نے تصوف میں جو اہم علمی کارنامے انجام دیے ان میں سے ایک "فقہ و تصوف یا شریعت وطریقت میں تطبیق" ہے، اسی کارنامہ کی تصنیفی شکل یہ رسالہ ہے۔ یہ ابھی تک شائع نہیں ہوا ہے، اور اس کے قلمی نسخے مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ اور رضا لائبریری، رامپور میں موجود ہیں، جن کے فہرست نمبر یہ ہیں:

۱) مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ: سبحان اللہ کلیکشن، ۱۰ / ۲۹۷، تصوف عربی۔

۲) رضا لائبریری، رامپور: 9905. (۳)

۳۔ انتخاب المثنوی المولوی المعنوی: (۴)

یہ مولانا روم کی مشہور و معروف مثنوی کا انتخاب ہے، یہ انتخاب دو ہزار تین سو سطروں پر مشتمل تھا، جو کہ اب موجود نہیں ہے، اس کی کیفیت بیان کرتے ہوئے منشی برکت علی لکھتے ہیں:

"افسوس کہ یہ کتاب کتب خانہ موصوفہ (مولوی انوار الحق کا کتب خانہ) میں موجود نہیں ہے، اس میں بڑے بڑے نکات و مطالب حضرت نے حل کیے ہوں گے، دو ہزار تین سو سطریں اس کی تھیں۔" (۵)

اس انتخاب کا ایک انتہائی عمدہ اور قیمتی قلمی نسخہ رضا لائبریری، رامپور میں موجود ہے۔ جس کا نمبر ہے، شمارہ کتاب: ۳۲۰۴، ردیف کتبخانہ: ۷۷۶۔ (۶)

---

۱) Catalogue of the Arabic manuscripts in Raza Library Rampur: 4/66-67, S NO: 2986.

۲) مرآۃ الحقائق: ۵۰۔ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی: ۲۰۲۔ تذکرۃ المحدثین: ۳ / ۲۹۳۔ نزھۃ الخواطر: ۵ / ۵۵۶۔

۳) Catalogue of the Arabic manuscripts in Raza Library Rampur: 4/174, S NO: 1347.

۴) فہرست التوالیف: ۲۲۔ مرآۃ الحقائق: ۵۰۔ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی: ۲۰۴۔ تذکرۃ المحدثین: ۳ / ۲۹۲۔ نزھۃ الخواطر: ۵ / ۵۵۶۔

۵) مرآۃ الحقائق: ۵۰۔

۶) فہرست نسخہ ہائی خطی فارسی: ۲ / ۱۳۳۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۴ - ترجمہ غنیۃ الطالبین: (۱)

یہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی مشہور کتاب "غنیۃ الطالبین" کا فارسی ترجمہ تھا، جو اب کہیں دستیاب نہیں ہے؟ اس کا حوالہ صرف مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے اپنی کسی کتاب میں دیا ہے، جیسا کہ مرآۃ الحقائق میں لکھا ہے:

"یہ پتہ اس طرح معلوم ہوا کہ مولوی عبدالحیٔ صاحب مغفور علامہ مشہور لکھنوی نے اپنی ایک تصنیف میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ محدث نے ترجمہ غنیۃ الطالبین میں ایسا اور ایسا لکھا ہے۔ کہ ان کی اس تحریر سے یہ ترجمہ ثابت ہے۔ ورنہ یہ کتب خانہ مولوی انوار الحق میں نہیں ہے، اور نہ اب تک کہیں طبع ہوا۔" (۲)

۵ - توصیل المرید الی المراد بہ بیان الاحزاب و الاوراد: (۳)

یہ بزبان فارسی ایک انتہائی مفید رسالہ ہے، جس میں اوراد و وظائف سے متعلق علوم و قواعد اور محدثین و مشائخ کے درمیان احادیث کی تصحیح و تضعیف کے اعتبار سے درمیانی راہ کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کے متعلق شیخ صاحب خود فرماتے ہیں:

"بہ بیان احزاب والاوراد و در بیان علوم احکام و قواعد متعلقہ باوراد وادعیہ واحزاب وتوفیق میان مذہب محدثین و مشائخ در تصحیح و تضعیف بعضے اعمال واوراد کہ در آنہا اختلاف وارند۔" (۴)

[یہ رسالہ احزاب و اوراد اور ان احکام و قواعد کے علوم کے بیان میں ہے جو اوراد و ادعیہ اور احزاب سے متعلق ہیں، اور اس میں محدثین و مشائخ کے درمیان تصحیح و تضعیف کے اعتبار سے ایسے اعمال واوراد کے درمیان تطبیق کو بیان کیا گیا ہے جو کہ مختلف فیہ ہیں۔]

یہ رسالہ ۱۲۹۹ھ میں مطبع مفید عام، آگرہ سے شائع ہوا ہے، جس میں تیس وصلیں (ابواب) ہیں، اس کے قلمی نسخے مندرجہ ذیل کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں:

---

۱) حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی: ۲۰۶۔ تذکرۃ المحدثین: ۳ / ۲۹۳۔

۲) مرآۃ الحقائق: ۱۲۵۔

۳) محدث دہلوی، شیخ عبدالحق بن سیف الدین، توصیل المرید الی المراد (مخطوط)، رضا لائبریری، رامپور، شمارہ کتاب: ۲۹۵ (ب)۔ فہرست التوالیف: ۲۲۔ مرآۃ الحقائق: ۵۴۔ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی: ۲۰۵۔ تذکرۃ المحدثین: ۳ / ۲۹۶۔ نزھۃ الخواطر: ۵/۵۵۔

۴) فہرست التوالیف: ۲۲۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱) مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ: عبدالحی کلیکشن: ۱۲/۰۷، تصوف فارسیہ۔
۲) رضا لائبریری، رام پور: ۲۹۵ (ب)۔(۱)
۳) خدابخش لائبریری، پٹنہ: ۲۲۳۸۔
۴) پاکستان: فہرست مشترک نسخہ ہائے خطی فارسی: ۳/۱۳۷۰۔(۲)

مذکورہ رسالہ کا ایک تکملہ "تکملہ رسالہ توصیل المرید" کے نام سے موجود ہے۔ جو کہ ۳۹ صفحات پر مشتمل ہے، اور ہر صفحہ پر ۱۲ سطریں ہیں۔ اس کے شروع میں شیخ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"چوں وعدہ رفتہ بود کہ بعضے از اوراد و اعمال بنویسد کہ طالبان حق را بکار آید، وفای آں وعدہ لازم افتاد۔"(۳)

[جیسا کہ وعدہ کیا گیا تھا کہ کچھ اعمال و اوراد لکھے جائیں گے جو کہ طالبان حق کے لئے کار آمد ہوں گے۔ تو اس وعدہ کو پورا کرنا لازم ہے۔]

۶۔ جواب بعض کلمات شیخ احمد سرہندیؒ:(۴)

اس میں شیخ موصوف نے مجدد الف ثانیؒ کے بعض نظریات پر کلام کیا ہے، یہ رسالہ غیر مطبوعہ تھا پروفیسر نظامی نے حیات شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ میں تعلیقات کے عنوان کے تحت اس کو پہلی بار شائع کیا ہے۔(۵)

اس کا ایک مخطوطہ رامپور کی رضا لائبریری میں موجود ہے، جس کا نمبر ہے، شمارہ کتاب: ۱۰۷۸، ردیف کتبخانہ: ۸۰۹۱۔

۷۔ رسالہ وجودیہ:(۶)

صاحب مرآۃ الحقائق کی تحقیق کے مطابق یہ رسالہ مولوی انوار الحق کے ذاتی کتب خانہ میں موجود تھا، لیکن فہرست التوالیف میں اس کا ذکر نہیں ملتا، شاید کہ یہ بعد کی تصانیف میں سے ہو۔(۱)

---

۱) فہرست نسخہ ہائی خطی فارسی: ۱/۶۴۔
۲) ذخیرہ ظہر: ۸۲۔
۳) محدث دہلوی، شیخ عبدالحق، تکملہ توصیل المرید (مخطوطہ): ۲، رضا لائبریری رامپور، نمبر شمار: ۲۹۵ (ب)۔
۴) مرآۃ الحقائق: ۵۴۔ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی: ۲۰۶۔
۵) حیات شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ: ۳۲۸-۳۵۵۔
۶) مرآۃ الحقائق: ۵۵۔ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی: ۲۰۶۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/۲۰۱۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۸ - نکات الحق والحقیقۃ من باب معارف الطریقۃ: (۲)

یہ شیخ صاحبؒ کی مسائل تصوف پر مشتمل ایک مختصر لیکن غیر معمولی اہمیت کی حامل کتاب ہے۔ اس کی تقسیم نکات پر ہے اور ہر نکتہ کے تحت "لطیف خیالات" مذکور ہیں۔ مرآۃ الحقائق میں اس کتاب کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"متفرق مسائل تصوف وغیرہ، بمقدار سہ ہزار (۳۰۰۰) بیت" (۳)

مولوی سید محمد یوسف، مرادآبادی کے مساعیٔ جمیلہ کی بدولت یہ کتاب ۱۸۹۱ء میں مرادآباد کے مطبع احتشامیہ سے شائع ہوئی ہے۔ اور "لطائف الحق" کے نام سے اس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد میں موجود ہے۔ (۴)

۹ - مرج البحرین: (۵)

شیخ عبدالحق نے اپنی زندگی میں جن امور پر سب سے زیادہ توجہ دی اور جن بدعات و خرافات کی اصلاح میں بے شمار محنت و مشقت برداشت کی ان میں سے ایک تصوف اور صوفیاء کو راہِ حق پر لانا اور اس شعبہ میں پیدا شدہ خرافات کا علمی انداز میں ازالہ کرنا ہے۔ انہوں نے صوفیاءِ خام کی کج روی کو درست کرنے اور ان کی گمراہیوں کو ختم کرنے کے لئے جو کوششیں کیں ان میں سے ایک اہم کوشش کا ثمرہ "مرج البحرین" کی تصنیف و تالیف ہے۔

مرج البحرین کا مکمل نام "مرج البحرین فی الجمع بین الطریقین" ہے۔ یہ کتاب تیرہ (۱۳) وصال پر مشتمل ہے؛ جن میں سب سے آخری وصال میں حضرت شیخ سید احمد مغربیؒ کی مشہور تصنیف "قواعد الطریقۃ فی الجمع بین الشریعۃ والحقیقۃ" کا خلاصہ اور ترجمہ بیان کیا گیا ہے۔

اس کتاب کا تعارف مصنفؒ نے خود اس طرح کرایا ہے:

---

۱) مرآۃ الحقائق: ۵۵۔

۲) فہرست التوالیف: ۲۳۔ مرآۃ الحقائق: ۶۰۔ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی: ۲۰۶۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۳۰۹۔

۳) مرآۃ الحقائق: ۶۰۔

۴) حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی: ۲۰۶۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۳۰۹۔

۵) فہرست التوالیف: ۲۲۔ مرآۃ الحقائق: ۵۹۔ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی: ۲۰۶۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۳۰۸-۳۰۹۔ نزھۃ الخواطر: ۵/ ۵۵۵۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

"این رسالہ ایست مسمّی بہ مرج البحرین و جامع الطریقین، جامع طریقہ فقہ و تصوف و شریعت و طریقت و ظاہر و باطن و صورت و معنی و قشر و لب و علم و حال و صحو و سکر و مذہب و مشرب و عقل و عشق، اگر آنرا صراط مستقیم و طریق قویم نام کنند جائز باشد، و دین خالص و سبیل اسلم تعبش نہند روا باشد و دعوت حق و منہج رشاد گویند درست افتد و میزان عدل و دستور العمل گردانند راست آید"(۱)

[یہ رسالہ جس کا نام مرج البحرین و جامع الطریقین ہے فقہ و تصوف، شریعت و طریقت، ظاہر و باطن، صورت و معنی، قشر و لب، علم و حال، صحو و سکر، مذہب و مشرب اور عقل و عشق کو جامع ہے۔ اگر اسکا نام "صراط مستقیم و طریق قویم" رکھا جاتا تو جائز ہوتا، اور اس کا لقب "دین خالص و سبیل اسلم" ہوتا تو صحیح ہوتا۔ اور اگر اس کو دعوتِ حق و منہج رشاد کہا جاتا تو درست ہوتا۔ اور اگر اس کو میزانِ عدل و دستور العمل مانا جاتا تو صحیح ہوتا۔]

پروفیسر نظامی اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مرج البحرین گو مختصر کتاب ہے، لیکن افادیت میں بڑی بیش بہا ہے۔ شیخ محدث نے شریعت و طریقت، تصوف اور فقہ، علم اور عقل پر نہایت ہی دلنشیں انداز میں بحث کی ہے۔ قرآن پاک، احادیث نبوی اور کتب تصوف کے بے شمار حوالے درج ہیں۔ مضمون کی خشکی کو شیخ محدث نے اپنے شگفتہ انداز بیان اور فارسی اشعار کے برمحل استعمال سے حیرت انگیز حد تک دور کر دیا ہے۔"(۲)

یہ کتاب ۱۲۶۵ھ میں مطبع عبد الرحمن سے اور ۱۲۷۴ھ میں مطبع محمدی، کلکتہ سے شائع ہوئی تھی۔ اس کا اردو ترجمہ غوث محمد صاحب نے "وصال السعدین" کے نام سے کیا تھا جو ۱۳۱۴ھ میں مطبع نامی لکھنؤ سے شائع ہوا ہے۔ مولوی شیخ عبد القادر صدیقی نے فارسی زبان میں اس کی ایک شرح بھی لکھی تھی جس کا نام "شرح البحرین" ہے۔(۳)

مرج البحرین کے قلمی نسخے ہندوستان، پاکستان اور برٹش کے کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱) مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ:

الف۔ ذخیرہ دیوبنی ورسٹی: ۱۰۵،۲۔

---

۱) مرج البحرین: ۳۔
۲) حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۲۰۶۔
۳) حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۲۰۶۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ب- حبیب گنج کلیکشن: ۱۴۱/۲۱، فارسیہ تصوف۔

ت- عبد الحی کلیکشن: ۱۵/۳۷، فارسیہ۔

۲) رضا، لائبریری، رام پور: شمارہ کتاب: ۹۳۹، ردیف کتبخانہ: ۸۰۹۱م۔[1]

۳) برٹش میوزیم (لائبریری) لندن: Add-26295۔[2]

۴) نواب رحمت اللہ بہادر خاں لائبریری، مزمل منزل، علی گڑھ۔

۵) خدا بخش لائبریری، پٹنہ: (أ) ۲۲۳۳۔ (ب) ۱۱۱۶۔

۶) پاکستان: فہرست نسخہ ہائے خطی، ۲۹، ۱۷۷۱/۳۔ ۱۷۸۳۔[3]

۱۰- شرح فتوح الغیب:[4]

فتوح الغیب، شیخ عبد القادر کے ملفوظات و مواعظ کا مجموعہ ہے، جن کو ان کے صاحبزادے شرف الدین ابو عبد الرحمٰن نے جمع کیا تھا۔ اس مجموعہ میں مذکور مواعظ کی تعداد ۷۸ رہے؛ جو اپنی فصاحت و بلاغت اور تاثیر کے اعتبار سے غیر معمولی اہمیت کے حامل ہیں۔ اس کتاب کی خصوصیات کی جانب اشارہ کرتے ہوئے خود شارح علیہ الرحمہ شیخ محدث فرماتے ہیں:

"در تحقیق مقالات دین وکمالات اہل یقین موافق لسان رسالت وزبان نبوت است، چنانکہ شان معارف صدیقاں است فرمودہ اند۔"[5]

[دینی مقالات اور اہل یقین کے کمالات کی تحقیق میں بالکل رسالت مآب ﷺ کی لسان وزبان کے موافق ہے، جیسا کہ اہل علم کی شان ہے ایسے ہی فرمایا گیا ہے۔]

شیخ عبد الحق محدث دہلوی کو اس کتاب سے بہت دل چسپی تھی؛ جس کی ایک وجہ تو اس کے مصنف شیخ عبد القادر جیلانیؒ تھے، جن کی ذات والاصفات سے شیخ صاحب کو والہانہ عقیدت اور بے انتہاء محبت تھی۔ اور دوسری وجہ

---

۱) فہرست نسخہ ہای خطی فارسی: ۱/۲۳۵۔

۲) Catalogue of the Persian manuscripts in the British Museum: 2/863.

۳) فکر و نظر، شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی تصانیف کا اجمالی جائزہ: ۸۴۔

۴) فہرست التوالیف: ۲۰۔ مرآۃ الحقائق: ۵۷۔ حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۲۰۲۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/۲۰۰۔ نزہۃ الخواطر: ۵/۵۵۴۔ هدية العارفين: ۱/۵۰۲۔

۵) فہرست التوالیف: ۲۰۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

یہ تھی کہ شیخ محدث کے پیر و مرشد شیخ عبد الوہاب متقیؒ نے ان کو اس کتاب کے حصول، بغور مطالعہ اور اس کے مشتملات پر عمل کرنے کی تاکید کی تھی۔ جیسا کہ شیخ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"ایں را حاصل کنید و دست دراں زنید و براں باشید و ہر قدر کہ توانید براں عمل کنید و بدانید و آگاہ باشید کہ طریقۂ حضرات قادریہ وراہ روشن ایں سلسلہ علیہ ہمیں است۔"(۱)

[اس کو ضرور بالضرور حاصل کرو، اور جتنا ہو سکے اس پر عمل کرو، اور اس بات کو بخوبی جان لو کہ حضرات قادریہ کا طریقہ اور ان کے سلسلہ کا روشن راستہ یہی ہے۔]

ان تمام وجوہات اور ترغیب و تاکید کی بنا پر شیخ صاحب نے اس کتاب کو ہندوستان واپسی کے بعد سلسلۂ قادریہ کے ایک بزرگ سے حاصل کیا اور غور و خوض کے ساتھ اس کا مطالعہ کرنے میں مصروف ہو گئے۔ مطالعہ سے فارغ ہوئے تو آپ کے ہمدرد و مشیر خاص حضرت شاہ ابو المعالی قادری نے اس کے ترجمہ و تشریح کا حکم دیا اور فرمایا:

"ہمہ کارہا گذاشتہ ایں کار باید کرد۔"(۲)

[تمام کاموں کو چھوڑ کر اس کام کو ضرور کرو۔]

فتوح الغیب کی جلالت و اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ شیخ محدثؒ جیسی باکمال و باصلاحیت شخصیت کو بھی اس کے ترجمہ و تشریح کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ لیکن شاہ ابو المعالی کی صحبت اور بار بار اصرار نے آپ کے اندر اس کام کو کرنے کی ہمت اور دل میں جو اس کی وحشت تھی اس کو ختم کر دیا۔ اپنے اسی حال کی جانب اشارہ کرتے ہوئے شیخ صاحب فرماتے ہیں:

"ناگاہ حالی دیگر گشت و ہمت در کار شد و فتح باب روئے نمود و بیم از دل بارفت امیدے بہم رسید۔"(۳)

[اچانک حالات بدل گئے، ہمت پیدا ہو گئی، سامنے دروازہ کھلا ہوا نظر آنے لگا، دل سے خوف ختم ہو گیا اور امید جاگنے لگی۔]

یہ شرح ۱۰۲۳ھ کو پایۂ تکمیل تک پہونچی اور مصنف نے اس کا تاریخی نام "مفتاح فتوح" رکھا۔ سب سے پہلے یہ شرح متن کے ساتھ ۱۲۸۳ھ میں لاہور سے شائع ہوئی تھی اور اس کے بعد ۱۲۹۸ھ میں مطبع نول کشور لکھنؤ سے شائع ہوئی۔ اس کے قلمی نسخے متعدد کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں، جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

---

۱) شیخ محدث دہلوی، عبد الحق بن سیف الدین، شرح فتوح الغیب: ۳۱۱، منشی نول کشور، کانپور، ۱۹۰۷ء۔

۲) شرح فتوح الغیب: ۳۲۱۔

۳) شرح فتوح الغیب: ۳۲۱۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱) مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ:

آ- ذخیرہ شیفتہ: ۱۰۲/۹ ۷، فارسیہ تصوف۔

ب- ذخیرہ شیفتہ: ۵۰/۵۰، فارسیہ تصوف۔

۲) خدا بخش لائبریری، پٹنہ: ۱۳۸۷۔ [1]

۳) آصفیہ لائبریری، حیدرآباد: فہرست، ۱/ ۴۸۰۔

۴) ایشیاٹک سوسائٹی: فہرست، ۶۰۔ [2]

1) Catalogue of the Arabic and Persian Manuscripts in the Khuda Bakhsh Oriental Public Library: 16/64.

۲) فکر و نظر: ۸۱-۸۲۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

فقہ

علوم اسلامیہ کی کہکشاں میں فقہ کو ایک خاص مقام و مرتبہ حاصل ہے۔ یہ ایسا علم ہے جس کے ذریعہ اسلام کے مصادر اصلیہ سے انسانی مسائل کے حل کو تلاش کیا جاتا ہے؛ اس لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ فقہ کا تعلق ایک طرف خالق سے ہے تو دوسری طرف مخلوق سے۔ فقیہ ایک طرف اللہ تبارک وتعالی اور رسول ﷺ کی منشاء معلوم کرتا ہے تو دوسری جانب اسی منشاء کے مطابق لوگوں کی ضروریات کو پیش نظر رکھتے ہوئے دینی اور دنیاوی مسائل کے حل کی کوشش کرتا ہے۔

ہندوستان میں فقہ کی نشر واشاعت اور اس پر تصنیف و تالیف کا سلسلہ تو مسلمانوں کی یہاں آمد سے ہی شروع ہو جاتا ہے؛ لیکن عہد وسطی کے علماء کرام نے فقہ کے ساتھ ایک خاص دلچسپی دکھائی اور علوم فقہیہ پر کتابیں تصنیف کرکے، قدیم کتب کی شروح و حواشی لکھ کر یا فتاوی نویسی کے ذریعہ اس کو بام عروج تک پہونچانے کی مکمل کوشش کی۔

اسی دور کے چند نام نہاد علماء اور خام صوفیاء نے مسلم عوام کو جادۂ راہ سے بھٹکانے، قوت وجاہ کے حصول، مال و دولت کی حرص اور دیگر دنیاوی اغراض کی خاطر فقہِ اسلامی کو عقلی تاویلات کے ذریعہ اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ بنایا۔

۱۔ الفوائد (۱)

شیخ صاحب کے اس رسالہ کا موضوع فقہ اور عقائد ہے، اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ بانکی پور میں موجود ہے، جس کا فہرست نمبر ہے: ۷۸۳۔ (۲)

تذکرہ شیخ عبد الحق میں ایک اور کتاب کا ذکر ہے، جس کا نام مصنف نے "کتاب الفوائد والصلوٰۃ" بیان کیا ہے اور اس کے متعلق لکھا ہے کہ اس میں آں حضرت ﷺ، صحابہ کرام اور علماء و اولیاء سے منقول دعائیں جمع کی گئیں اور تعویذات بھی دئے گئیں۔ (۱)

---

۱) حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۲۰۰۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۲۰۵۔ نزہۃ الخواطر: ۵/۵۵۷۔

۲) مفتاح الکنوز، بحوالہ حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۲۰۰۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۲ - ہدایۃ الناسک الی طریق المناسک: [۲]

یہ کتاب عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں ہے، اور اس میں شیخ صاحبؒ نے زیارت حرمین شریفین کے آداب اور حجاج کرام کے لئے مناسک حج کو بیان کیا ہے، یہ تقریباً ۲ جز اربیت پر مشتمل ہے[۳] اس کا موضوع بیان کرتے ہوئے مصنفؒ خود تحریر فرماتے ہیں:

"رسالہ ایست مضبوط منقح کہ زبدۂ مناسک حج و آداب زیارت بہ جہت سالکان ایں راہ و قاصدان ایں درگاہ ذکر کردہ شد۔" [۴]

[اس مضبوط اور مختصر رسالہ میں بہترین رسومات حج اور آداب زیارت کو بیان کیا گیا ہے۔ ان لوگوں کے لئے جو اس راہ کو جانے والے اور اس درگاہ کا قصد کرنے والے ہیں۔]

اس کے قلمی نسخے پاکستان میں پائے جاتے ہیں۔[۵]

---

۱) قادری، سید احمد، تذکرہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی: ۲۰۱، شاد بکڈپو، پٹنہ، ۱۹۵۰ء۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۳۰۵۔

۲) فہرست التوالیف: ۲۲۔ مرآۃ الحقائق: ۲۰۔ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی: ۲۰۰۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۳۱۰۔ نزہۃ الخواطر: ۵/ ۵۶۰

۳) مرآۃ الحقائق: ۲۰۔

۴) فہرست التوالیف: ۲۲۔

۵) فہرست مشترک نسخہ ہای خطی پاکستان: ۱۴/ ۷۵۸-۷۵۹، بحوالہ فکر و نظر: ۶۷۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

سیر و تذکرہ

سیرت نگاری کا اصل مقصد ذاتِ نبوی ﷺ کے بارے میں معلومات حاصل کرنا ہے، تاکہ ان کو مشعلِ راہ بنا کر کامیابی و کامرانی کے ساتھ زندگی گذاری جاسکے۔ تذکرہ نگاری کا مقصد بھی یہی ہے کہ سلفِ صالحین کے حالات کو پڑھ کر قاری کو یہ معلوم ہوسکے کہ وہ کس طرح حضور ﷺ کے بتائے ہوئے راستے پر چل کر ایک مثالی شخصیت کے مالک بنے اور پھر وہ شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی کہ زندگی میں ہی نہیں؛ بلکہ مرنے کے بعد بھی ان کے تذکروں کو اصلاحِ ظاہر و باطن کے لئے لکھا اور پڑھا جانے لگا۔

شیخ صاحبؒ کے دور میں چوں کہ طاقت و قوت کی اصل حکمرانی تھی، بادشاہت سے مرعوب ہو کر بہت سے راہِ راست سے ہٹ چکے تھے اور حضور ﷺ کے اصل مقام و مرتبہ کے سمجھنے سے عقلوں کے قاصر ہونے کی بنا پر نئے نئے نظریات گھڑ لئے تھے۔

ان حالات میں آپؒ نے اسلام اور پیغمبرِ اسلام کی صحیح تصویر کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کی غرض سے اس دور کی عوامی زبان فارسی میں سیرت نگاری کی اہمیت کو محسوس کیا اور اس بات کو ضروری سمجھا کہ وہ اصحابِ رسول ﷺ اور علماءِ کرام جن کی شاگردی کو آج بھی باعثِ فخر سمجھا جاتا ہے وہ بھی دراصل اسی پیغمبرِ امی کی تعلیمات کے خوشہ چیں تھے جس کے لائے ہوئے دین میں حالات اور وقت کو بے جا وجہ بنا کر غلط ترمیم کی جارہی ہے۔

ان جیسی دیگر ضروریات کی بنا پر شیخ محدثؒ نے سیرتِ نبوی ﷺ اور تذکرۂ سلفِ صالحین پر چند علمی اور تحقیقی کتب تصنیف فرمائیں، جو کہ درج ذیل ہیں:

۱۔ مدارج النبوۃ:

شیخ صاحبؒ کی اس کتاب کو فارسی سیرت نگاری میں خشتِ اول کی حیثیت حاصل ہے؛ کیوں کہ شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ وہ پہلے ہندوستانی سیرت نگار ہیں جنہوں نے اتنی شرح و تفصیل کے ساتھ سیرتِ نبوی ﷺ کے تمام گوشوں کا احاطہ کیا اور ایک ایسی جامع، مفصل اور مکمل کتاب سیرت مرتب کی جس کو آج تک علمی، ادبی اور تحقیقی ہر اعتبار سے غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔

شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے اس کتاب کو جس زمانے میں تصنیف فرمایا اس وقت مسلم امت دینِ حق اور صراطِ مستقیم سے بھٹک چکی تھی، مقامِ محمدی ﷺ کی صحیح تفہیم میں کمی واقع ہوچکی تھی اور عقائد میں تنزلی آگئی تھی۔ ان جیسے بے شمار امراض کا تریاق چوں کہ سیرتِ محمدی ﷺ میں ہی مضمر ہے؛ اس لئے شیخ محدثؒ نے سیرت

toobaa-elibrary.blogspot.com

نبوی ﷺ سے محبت پیدا کرنے کی غرض سے اس غیر معمولی کتاب کو تالیف کیا۔ اس کے مقصدِ تالیف کی جانب اشارہ کرتے ہوئے آپ خود لکھتے ہیں:

"۔۔۔ چوں از فساد زماں انحرافے وقت بعضے درویشاں مغرور ایں روزگار راہ یافتہ واز تیرگی آئینہ استعداد و تنگی حوصلہ ادراک پایہ ارفع و مقام اقدس محمدی رایچ کس رابدرک و دریافت آں راہ نیست شناختہ و تقصیر در ادائے حق اعتقاد نمودہ واز جادۂ دین و صراطِ مستقیم بر افتادہ بودند لازم حق نصیحت دریں مسلمانی آں بود کہ احوال وصفات قدسیہ آں سرور انبیاء و امام اولیاء و مفخر رسل و استاد کل معدن علوم اولین و آخرین و منبع فیض انبیاء و مرسلین واسطہ ہر فضل و کمال و مظہر ہر حسن و جمال ۔۔۔۔۔ نگارش نماید وایں بے خبراں را از حقیقت حال آگاہ گرداند و غافلان را از خواب غفلت بیدار سازد و طالبان را روبر آرد۔" (۱)

[جب اس دور میں فساد کی بنا پر اس زمانے کے کچھ مغرور درویشوں کے مزاج میں انحراف و روگردانی نے راہ پکڑ لی اور صلاحیتوں کے آئینے میں تیرگی نمودار ہوئی اور حضور اقدس ﷺ کے بلند وارفع مقام کو سمجھنے میں تنگی و کوتاہی ہونے لگی اور آپ ﷺ کی شان و مرتبت کے علم و معرفت میں انہیں دشواری لاحق ہونے لگی اور حق اعتقاد کی ادائیگی میں ان سے کمی و قصور سرزد ہونے لگا اور وہ جادۂ دین قویم سے دور ہونے لگے تو ایسے مسلمانوں کے لئے حق نصیحت ادا کرنا لازم ہو گیا۔ حالاں کہ سرورِ انبیاء، امام اولیاء، فخر رسل، اولین و آخرین کے تمام علوم کے استاد، انبیاء و مرسلین کے فیض کے منبع، تمام فضائل و کمالات کے ذریعہ اور ہر حسن و جمال کے مظہر ۔۔۔۔۔ کے احوال و صفات قدسیہ کو کوئی کیا بیان کر سکتا ہے؟ لیکن بے خبروں کو حقیقتِ حال سے روشناس کرانا، غافلوں کو خواب غفلت سے بیدار کرنا، طالبانِ راہِ حق کو راہ پر لانا اور عاشقوں کو ذوق و شوق میں برقرار رکھنا ہی ضروری تھا۔ اسی وجہ سے اس کتاب کو مرتب کیا۔] (۲)

اس کتاب کی شہرت و مقبولیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ یہ متعدد بار مختلف جگہوں سے شائع ہو کر عوام و خواص کے درمیان مشہور ہو چکی ہے۔ ۱۲۶۹ھ میں فخر المطابع دہلی سے، ۱۲۷۱ھ میں مظہر العجائب پریس سے اور ۱۸۷۶ء و ۱۸۸۰ء میں لکھنؤ سے دوبار شائع ہوئی ہے۔

---

۱) شیخ محدث دہلوی، عبد الحق بن سیف الدین، مدارج النبوۃ: ۱/۳ مطبع منشی نول کشور، کانپور، طبع دوم ۱۹۰۳ء۔

۲) شیخ محدث دہلوی، عبد الحق بن سیف الدین، مدارج النبوۃ (اردو) ج ۱: ۳، ترجمہ: غلام معین الدین نعیمی، شبیر برادرز لاہور، پاکستان، جنوری ۲۰۰۴ء۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

مدارج النبوۃ سیرت نبوی ﷺ پر لکھی جانے والی ایک مفصل کتاب ہے جو کہ ۲؍ جلدوں اور تقریباً ۱۲۴۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ شیخ صاحبؒ نے اس کو پانچ اقسام پر منقسم کیا ہے، جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱) قسم اول: در ذکر فضائل و کمالات، اخلاق و صفات۔

۲) قسم دوم: در ذکر نسب وولادت۔

۳) قسم سوم: در ذکر وقائع سنوات از ابتدائے ہجرت تا وفات۔

۴) قسم چہارم: در ذکر حدوث مرض، غسل و تکفین وغیرہ۔

۵) قسم پنجم: در ذکر اولاد طاہرہ وازواج مطہرہ۔

اس کتاب کے مخطوطے درج ذیل کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں:

۱) مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ:

ا۔ ذخیرہ شیفتہ: ۱۲۴/۹۴، فارسیہ تاریخ۔

ب۔ ذخیرہ یونیورسٹی: ۷، فارسیہ مذہب و تصوف۔

ت۔ ذخیرہ احسن: ۲۸/۹۲۰، فارسیہ سیرت و تذکرہ۔

ث۔ ذخیرہ جواہر: ۴۳۸، فارسی تصوف۔

۲) رضا لائبریری، رامپور:

ا۔ شمارہ کتاب: ۱۹۳۵، ردیف کتبخانہ: ۱۰۰ ع۔

ب۔ شمارہ کتاب: ۱۹۳۶، ردیف کتبخانہ: ۱۰۱ ع م۔(۱)

۳) خدا بخش لائبریری، پٹنہ: ۳۹۰ھ۔(۲)

۴) ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ: D. 283، نمبر شمار: 65۔(۳)

۵) برٹش میوزیم: B.863۔(۱)

---

۱)

۲) فہرست نسخہ ہای خطی فارسی: ۱/۵۹۲۔

۳) Catalogue of the Arabic and Persian Manuscripts in the Khuda Bakhsh Oriental Public Library: 6/111

۴) Concise descriptive catalogue of the Persian manuscripts in the collections of the Asiatic Society: 1/201

toobaa-elibrary.blogspot.com

۲- اخبار الاخیار:

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی جن تصانیف کو سب سے زیادہ شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی ان میں "اخبار الاخیار" سرفہرست آتی ہے۔ اس کتاب میں شیخ صاحبؒ نے انتہائی بحث و تحقیق اور مکمل طور پر اصولِ اسناد کا استعمال کرتے ہوئے ۲۷۹؍ بزرگانِ دین اور ۵؍ صالحات عورتوں کے تذکرے کو قلم بند کیا ہے۔ صاحب مرآۃ الحقائق لکھتے ہیں:

"اس میں ذکر دو صد و ہفتاد و نہ بزرگان ذکور اور پانچ نساء صالحات کا درج ہے۔"(۲)

مصنفؒ نے اس کتاب میں صوفیاءِ کرام اور بزرگانِ دین کے جو تذکرے بیان کیے ہیں ان کی ترتیب سلسلوں کے اعتبار سے نہیں؛ بلکہ ان تمام کو زمانہ کے لحاظ سے تین طبقوں میں منقسم کیا ہے۔ ان تینوں کی ترتیب خود مصنفِ کتاب کے الفاظ میں اس طرح ہے:

"طبقۂ اول: در ذکر خواجہ بزرگ معین الحق والدین کہ سرچشمۂ مشائخ کبار و اقدم سلسلۂ چشتیہ ایں دیار است و اہل عصر او از خلفاء و مریدان و غیرہم تعیین پذیرفت۔

طبقۂ دوم: در ذکر شیخ فرید الحق والدین گنج شکر و معاصران و مریدان ایشاں مقرر شدہ۔

طبقۂ سوم: از زماں شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی و اہل زماں ایشاں ثبت یافتہ۔"(۳)

اس کے بعد مجاذیب عورتوں کا تذکرہ ہے اور خاتمہ میں شیخ صاحبؒ نے اپنے اسلاف کا اجمالی ذکر کیا ہے(۱) اپنے والدِ ماجد کا تفصیلی۔

یہ کتاب متعدد بار مختلف مطابع سے شائع ہوئی ہے۔ جیسے ۱۲۸۳ھ میں دہلی کے مطبع محمدی سے، ۱۳۰۹ھ، ۱۳۳۲ھ میں دہلی کے ہی مطبع مجتبائی سے، ۱۳۸۲ھ میں مطبع مسلم دہلی سے اور ۱۳۹۸ھ میں دیوبند (سہارنپور) کے مطبع رحیمیہ سے۔

۱۳۸۳ھ میں ایرانی محقق "علیم اشرف خان" نے اس کو جدید اصولِ تحقیق و تصحیح کے ساتھ ایران کی انجمن "آثار و مفاخر فرہنگی" سے شائع کیا اور کئی مخطوطات و مطبوعات کے مقابلہ کے بعد اس مہتم بالشان کتاب کی صحیح

---

۱) Catalogue of the Persian manuscripts in the British Museum: 2/863, 3/1128.

۲) مرآۃ الحقائق: ۴۸۔

۳) اخبار الاخیار: ۱۳۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ترین مطبوعہ شکل دنیا کے سامنے پیش کی۔ محقق کے پیش نظر جو مخطوطات رہے ان کے بارے میں وہ اس طرح اشارہ کرتے ہیں:

۱) نسخہ کتب خانہ سالار جنگ، حیدر آباد: سال کتاب: ۱۰۸۰ھ مطابق ۱۶۶۹ء، نام کاتب: محمد شریف، اوراق: ۲۱۱، سطر: ۱۷، خط نستعلیق۔

۲) نسخہ کتب خانہ دارالعلوم دیوبند: سال کتابت: ۱۰۱۴ھ مطابق ۱۶۰۵۔۱۶۰۶ء۔ (۱)

۳) نسخہ کتاب خانہ ہردیال دہلی۔

مذکورہ تینوں نسخوں کے علاوہ اس کے اور بھی چند نسخے پائے جاتے ہیں، جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱) مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ:

أ۔ ذخیرہ احسن: ۲۰/ ۹۲۰، سیرت و تذکرہ۔

ب۔ ذخیرہ یونیورسٹی: ۱۸۹، فارسیہ سیرت و تذکرہ۔

ت۔ ذخیرہ جواہر: ۹۱، فارسیہ سیرت۔

ث۔ ذخیرہ عبدالسلام: ۲۶/ ۹۳۱، فارسیہ تصوف۔

ج۔ حبیب گنج: ۴۹/ ۲۲، فارسیہ تذکرہ۔

۲) رضا لائبریری، رامپور: شمارہ کتاب: ۲۲۹۹، ردیف کتبخانہ: ۱۱۱۶۔ (۲)

۳) خدا بخش لائبریری، پٹنہ: (أ) ۶۶۶۔ (ب) ۶۶۷۔ (۳)

۴) ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ: D-20، نمبر شمار: 258۔ (۴)

۵) آصفیہ لائبریری، حیدر آباد: ۳۵۳۔

۶) برٹش میوزیم: Or. 221۔ (۵)

---

۱) یہ اس کتاب کا قدیم ترین نسخہ ہے جو مصنف کی زندگی کا ہے۔

۲) فہرست نسخہ ہای خطی فارسی: ۱/ ۶۷۷۔

۳) Catalogue of the Arabic and Persian Manuscripts in the Khuda Bakhsh Oriental Public Library: 18/27-29.

۴) Concise descriptive catalogue of the Persian manuscripts in the collections of the Asiatic Society: 1/96.

۵) Catalogue of the Persian manuscripts in the British Museum: 1/355.

toobaa-elibrary.blogspot.com

۷) انڈیا آفس: 640۔ [1]

۳۔ زبدۃ الآثار منتخب بہجۃ الاسرار:

زبدۃ الآثار، شیخ نور الدین ابو الحسن علی بن یوسف (متوفی: ۷۱۳ھ) کی کتاب "بہجۃ الاسرار" کا انتخاب و تلخیص ہے۔ شیخ نور الدین سلسلۂ قادریہ میں بیعت تھے۔ ان کے اور شیخ جیلانیؒ کے درمیان صرف دو واسطے تھے اس وجہ سے "بہجۃ الاسرار" کو شیخ عبد القادر جیلانیؒ کے حالات میں مستند ترین کتابوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

شیخ عبد الحقؒ کو بھی شیخ جیلانیؒ سے والہانہ لگاؤ اور عقیدت تھی۔ ان وجوہات کی بنا پر شیخ محدثؒ نے "بہجۃ الاسرار" کی تلخیص کی تھی۔ اس تلخیص کے بارے میں آپ خود مقدمہ کتاب میں لکھتے ہیں:

"فهذه جملة من مناقب غوث الثقلين، شيخ السموات والأرضين، شيخ الكل، محي الدين أبي محمد عبد القادر الجيلاني...... من كتاب بهجة الأسرار مختصرة منتخبة محذوفة الأسانيد اختصار الكلام واقتصارا على المرام." [2]

[تو یہ کتاب غوث الثقلین شیخ سماوات و ارض، شیخ کل محی الدین ابو محمد عبد القادر الجیلانیؒ کے مناقب میں ــــ لکھی گئی کتاب "بہجۃ الاسرار" سے منتخب کی گئی ہے۔ اس کا اختصار و انتخاب اور اسانید کو، کلام کے مختصر کرنے اور مقصدِ اصلیہ پر اکتفاء کرنے کی غرض سے حذف کیا گیا ہے۔]

اس کتاب کے قلمی نسخے درج ذیل کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں:

۱) آصفیہ لائبریری، حیدر آباد: ۱۳۴۱۔

۲) پاکستان: فہرست مشترک نسخہ ہای خطی پاکستان: ۱۱ / ۸۶۳۔ [3]

۴۔ ترجمہ زبدۃ الآثار:

شیخ صاحبؒ نے دارا شکوہ کی فرمائش پر "زبدۃ الآثار" کا فارسی ترجمہ بھی کیا تھا۔ [1] جو کہ اصل کتاب کے ساتھ حاشیہ پر بمبئی کے مطبع بکسنگ کمپنی سے ۱۳۰۴ء مطابق ۱۸۸۶ء میں شائع ہوا تھا۔ اس کے بارے میں خود مصنف لکھتے ہیں:

---

۱) Catalogue of Persian manuscripts in the Library of the India Office: 1/265.

۲) المحدث الدهلوي، عبد الحق بن سيف الدين، زبدة الآثار: ۲، مطبع بكسنگ كمپنی بمبئی ۱۳۰۴ھ=۱۸۸۶ء۔

۳) فکر و نظر: ۷۱۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

"کاتب حروف آنرا اختصار کردہ ــــــــ ونام آں زبدۃ الآثار منتخب بہجۃ الاسرار کردہ۔" (۲)

[راقم الحروف نے ان اقوال کو انتہائی اختصار سے پیش کرتے ہوئے اس کا نام "زبدۃ الآثار منتخب بہجۃ الاسرار" تجویز کیا ہے۔]

۵۔ احوال ائمہ اثنا عشر خلاصہ اولاد سید البشر: (۳)

اس رسالہ میں شیخ صاحبؒ نے بارہ اماموں کے حالات اور فضائل و کمالات کو بیان کیا ہے، اس کا تاریخی نام "در خاندان کرم" ہے؛ جس سے ۱۰۱۰ھ تاریخ نکلتی ہے۔ یہ خواجہ محمد پارسہ کی کتاب "فصل الخطاب" سے ملخص ہے۔ رسالہ ابھی تک شائع نہیں ہوا ہے، اس کا ایک قلمی نسخہ بانکی پور کے کتب خانہ میں "اندراج نمبر: ۱۷۳۶" کے تحت اور دوسرا نسخہ اسلامیہ کالج، پشاور کی لائبریری میں "فضائل ائمہ اثنا عشر" کے نام سے پایا جاتا ہے۔ (۴)

۶۔ انوار الجلیہ فی احوال مشائخ الشاذلیہ: (۵)

اس کتاب کے اندر سلاسل تصوف کے سلسلہ شاذلیہ سے تعلق رکھنے والے بزرگوں کا تذکرہ ہے۔ اس کا اب کوئی قلمی نسخہ نہیں پایا جاتا؛ لیکن مولوی انوار الحقؒ کے کتب خانہ میں اس کا ایک قلمی نسخہ موجود تھا، اس نسخہ کا وصف بیان کرتے ہوئے مرآۃ الحقائق کے مصنف لکھتے ہیں:

"یہ کتاب حضرت شیخ کے قلم متبرک و دستخط خاص سے لکھی ہوئی کتب خانہ موصوف میں موجود ہے، قریباً چہار ہزار بیت۔" (۶)

---

۱) مرآۃ الحقائق: ۵۱۔

۲) شیخ محدث دہلوی، عبد الحق بن سیف الدین، زبدۃ الآثار منتخب بہجۃ الاسرار (فارسی، بر حاشیہ زبدۃ الآثار عربی): ۴، مطبع بمبئی کمپنی، بمبئی ۱۳۰۴ھ = ۱۸۸۶ء۔

۳) فہرست التوالیف: ۲۰۔ مرآۃ الحقائق: ۴۸۔ حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۲۲۴۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/۲۸۹-۲۸۸۔ نزہۃ الخواطر: ۵/۵۵۵۔

۴) حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۲۲۴۔ فہرست نسخہ ہائے خطی پاکستان: ۲/۱۱۵۱، بحوالہ فکر و نظر: ۷۱۔

۵) فہرست التوالیف: ۲۰۔ مرآۃ الحقائق: ۵۰۔ حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۲۲۴۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/۲۹۳۔ نزہۃ الخواطر: ۵/۵۵۵۔

۶) مرآۃ الحقائق: ۵۰۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۷۔ مطلع الانوار البہیۃ فی حلیۃ النبویۃ ﷺ:[1]

اس رسالہ میں حضور ﷺ کے حلیہ مبارک کو بیان کیا ہے۔ رسالہ ابھی تک شائع نہیں ہوا ہے۔ اس کے قلمی نسخے مختلف کتب خانوں میں الگ الگ نام سے پائے جاتے ہیں۔ رضا لائبریری رامپور میں جو نسخہ ہے اس کی ابتداء میں مصنف لکھتے ہیں:

> "ایں نسخہ ایست در بیان حلیہ حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم وآلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین۔"[2]

> [یہ نسخہ حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم وآل واصحاب واتباعہ اجمعین کے حلیہ کے بیان میں ہے۔]

مذکورہ نسخہ کے علاوہ درج ذیل کتب خانوں میں بھی اس رسالہ کے قلمی نسخے پائے جاتے ہیں۔

۱) مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ: عبدالحی کلیکشن: ۱۰/۱۰۵، سیرت النبی فارسیہ (بنام: حلیہ حضرت سید البشر ﷺ)۔

۲) آصفیہ لائبریری، حیدرآباد: رسالہ در شمائل نبی ﷺ (حلیہ مبارک): ۲۸۷۔

۳) پاکستان: بنام حلیہ حضرت سید المرسلین ﷺ۔[3]

۴) برٹش میوزیم، لندن: بنام "حلیہ جلیہ حضرت سید المرسلین"۔[4]

---

۱) فہرست التوالیف: ۱۹۔ مرآۃ الحقائق: ۵۹۔ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی: ۲۲۵۔ نزہۃ الخواطر: ۵/۵۵۶۔

۲) محدث دہلوی، عبدالحق، مطلع الانوار البہیۃ (مخطوطہ): ۲، رضا لائبریری، رامپور، شمارہ کتاب: ۲۹۵ (ب)۔

۳) فہرست مشترک نسخہ ہائے خطی فارسی: ۱۰/۱۷۲۔ مطلع الانوار و مخزن الاسرار: ۱۰/۵۷۰۲، بحوالہ فکر و نظر: ۸۴۔

۴) Catalogue of the Persian manuscripts in the British Museum: 2/863.

toobaa-elibrary.blogspot.com

اخلاق

اخلاق، خلق کی جمع ہے۔ خلق ایک ایسی ہیئت کا نام ہے جو نفس میں اس طرح راسخ ہوتی ہے کہ اس کی وجہ سے غور و فکر کے بغیر آسانی کے ساتھ اعمال کا صدور ہوتا ہے، پھر اگر اعمال اچھے ہیں تو اسی ہیئت کو خلق حسن کہا جاتا ہے اور اگر برے ہیں تو اسی ہیئت کا نام خلق سیئہ رکھا جاتا ہے۔ (۱)

اخلاق کی اہمیت کا اندازہ اس سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ حضور ﷺ اپنی بعثت کا ایک اہم مقصد یہ قرار دیتے ہیں کہ:

"بعثت لأتمم حسن الأخلاق." (۲)

[مجھے اچھے اخلاق کو مکمل کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔]

یہی وجہ ہے کہ علماء اسلام دور اول سے ہی اخلاقیات کو اپنا موضوع بحث بناتے رہے اور اس کے نوک و پلک کو سنوارتے رہے ہیں۔ جن علماء کرام نے اس علم میں تدریسی خدمات کے علاوہ تصنیفی خدمات بھی انجام دی ہیں ان میں شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نمایاں مقام رکھتے ہیں۔

شیخ صاحبؒ کی اخلاقیات کے باب میں تصنیف و تالیف کی ایک وجہ اس دور کے حالات بھی تھے، کیوں کہ اس وقت اسلامی شعائر و آداب کی تضحیک و توہین کو اہل ہوس حضرات نے اپنا مشغلہ بنالیا تھا، جس وجہ سے شیخ صاحبؒ نے اپنی عادتِ مستمرہ کے مطابق اسلامی اخلاق اور طرز معاشرت کو تحریری شکل میں پیش کیا۔ آپ کی مندرجہ ذیل کتب کو اس عنوان کے تحت شمار کیا جاتا ہے۔

۱- آداب الصالحین: (۳)

یہ کتاب امام ابو محمد الغزالیؒ (متوفی: ۵۰۵ھ) کی مشہور زمانہ کتاب "احیاء العلوم" کے ربع العادات سے ان ابواب کا خلاصہ ہے جو آداب زندگی؛ یعنی اکل و شرب، منام و معاشرت، اضیاف، ازدواج، اولاد اور دیگر اصحاب کے ساتھ زندگی گذارنے کے طریقوں سے تعلق رکھتے ہیں۔

---

۱) الخزار، خالد بن جمعة بن عثمان، موسوعة الأخلاق. ۲۱، مكتبة أهل الأثر للنشر والتوزيع، كويت، الطبعة الأولى ۱۴۳۰ھ=۲۰۰۹م.

۲) أخرجه مالك في "الموطأ" كتاب حسن الخلق، باب ما جاء في حسن الخلق (۲/۹۰۴) رقم الحديث: ۸.

۳) فہرست التوالیف: ۲۲۔ مرآۃ الحقائق: ۴۹۔ حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۲۰۸۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/۲۹۱۔ نزهة الخواطر: ۵/۵۵۵

toobaa-elibrary.blogspot.com

اصل کتاب فارسی میں ہے جو مطبوع ہے۔ مولوی قطب الدین دہلوی صاحب ؒ نے اس کا اردو ترجمہ کیا تھا جو شائع ہو چکا ہے۔ اس ترجمہ کا تاریخی نام "ہادی الناظرین: ۱۲۶۲ھ" ہے۔ یہ ترجمہ پہلی بار ۱۲۶۳ھ میں شائع ہوا تھا اور دوسری بار ۱۲۹۰ھ میں۔[1]

اس کے قلمی نسخے ہندوپاک کے کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے۔

۱) مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ:

أ- ذخیرہ احسن: ۹/۷، ۲۹۷، فارسیہ تصوف۔

ب- ذخیرہ یونیورسٹی: ۱۳۶، فارسیہ تصوف۔

ت- ذخیرہ یونیورسٹی ضمیمہ: ۱۰۰، فارسیہ تصوف۔

۲) رضا لائبریری، رام پور: شمارہ کتاب: ۹۴۸، ردیف کتبخانہ: ۱۴۳۹۔[2]

۳) آصفیہ لائبریری، حیدر آباد: ۴۵۹۔

۴) پاکستان: فہرست مشترک نسخہ ہائے خطی: ۴/ ۲۲۰۶۔[3]

۴- آداب اللباس (بیان طریق سنت در ملبوسات):[4]

شیخ صاحب نے اس رسالہ میں حضور ﷺ کے ملبوسات مبارکہ کا ذکر کیا ہے، اور ساتھ ہی ساتھ اس بات پر بھی بحث کی ہے کہ کون سا لباس جائز و مستحب ہے اور کون سا مکروہ و ممنوع۔ جیسا کہ خود مصنف "ابتداء رسالہ" میں رقم طراز ہیں:

"ایں رسالہ است مختصر در بیان آداب لباس حضرت سید البشر ﷺ۔"[5]

[یہ مختصر سا رسالہ حضرت سید البشر محمد ﷺ کے لباس کے آداب کے بیان میں ہے۔]

---

۱) مرآۃ الحقائق: ۴۹۔

۲) فہرست نسخہ ہای خطی فارسی: ۱/ ۲۴۵۔

۳) فکر و نظر: ۸۲۔

۴) فہرست التوالیف: ۲۲۔ مرآۃ الحقائق: ۴۹۔ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی: ۲۰۸۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۲۹۱۔ نزہۃ الخواطر: ۵/ ۵۵۵۔

۵) محدث دہلوی، شیخ عبدالحق بن سیف الدین، آداب اللباس (مخطوطہ): ۲، رضا لائبریری، رامپور، شمارہ کتاب: ۲۹۵ (ب)۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

یہ رسالہ آداب اللباس سید المرسلین، آداب اللباس رسول اللہ ﷺ اور آداب لباس سید البشر وغیرہ ناموں سے بھی جانا جاتا ہے۔ رسالہ شائع ہو چکا ہے اور ترجمہ بھی شائع ہوا ہے۔(۱) اس کے قلمی نسخے درج ذیل کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں:

۱) مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ: عبد الحی کلیکشن: ۱۱ / ۱۰۶، سیرت النبی فارسیہ۔
۲) رضا لائبریری رام پور: ۲۵۹ (ب)۔
۳) خدا بخش لائبریری، پٹنہ: (آ) ۲۴۵۲۔ (ب) ۲۱۶۹۔
۴) آصفیہ لائبریری، حیدرآباد: ۳۸۹۔(۲)
۵) ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ: E 68، نمبر شمار: 1004۔(۳)
۶) برٹش میوزیم، لندن: بنام "رسالہ مختصر در بیان آداب لباس حضرت سید البشر" ہے۔(۴)
۷) انڈیا آفس: فہرست میں اس کا نام "دستور فائض النور" ہے۔ نمبر: 2658۔(۵)

۳۔ آداب المطالعہ والمناظرہ (بیان طریق مطالعہ والمناظرہ):(۶)

عہد اکبری میں جو فتنے پیدا ہوئے اور جن بدعات و خرافات کی بنا پر دین الٰہی کی بنیاد پڑی ان کی وجوہات میں سے ایک وجہ اس دور کے علماء کی گفتگو اور مناظرہ کا انداز بھی تھا: جس کی مثالیں اکبر کے عبادت خانہ میں روز دیکھنے کو ملتی تھیں۔

ان خرافات کو ختم کرنے کے لئے شیخ محدثؒ نے ایام طالب علمی میں ہی ایک مثنوی تحریر فرمائی تھی۔ جیسا کہ صاحب مرآۃ الحقائق لکھتے ہیں:

---

۱) مرآۃ الحقائق: ۴۹۔ حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۲۰۸۔ تذکرۃ المحدثین: ۳ /۲۹۱۔
۲) نقد و نظر: ۸۳۔
۳) Concise descriptive catalogue of the Persian manuscripts in the collections of the Asiatic Society: 1/486.
۴) Catalogue of the Persian manuscripts in the British Museum: 2/863.
۵) Catalogue of Persian manuscripts in the Library of the India Office: 1/1445.
۶) فہرست التوالیف: ۲۳۔ مرآۃ الحقائق: ۴۹۔ حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۲۰۸۔ تذکرۃ المحدثین: ۳ /۲۹۱۔ نزہۃ الخواطر: ۵/۱۰۵۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

"یہ کتاب من جملہ ان تین کتابوں کے ہے جو حضرت نے بایام تحصیل علم تالیف فرمائی۔"[1]

اب یہ مثنوی دستیاب نہیں ہے اور مرآۃ الحقائق کی تالیف سے پہلے ہی ناپید ہو چکی تھی جیسا کہ صاحب مرآۃ الحقائق کے مطابق شیخ انوار الحق کے کتب خانہ میں بھی اس کا نسخہ موجود نہیں تھا۔[2]

۳۔ تسلیۃ المصاب لنیل الاجر والثواب (دربیان صبر بر مصائب وبلایا):[3]

یہ رسالہ فارسی زبان میں ہے؛ جس کے اندر مصائب و آفات کے وقت صبر کرنے کی تلقین اور اس صبر پر ملنے والے اجر و ثواب کا ذکر ہے۔ مصنف خود اس کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"در بیان صبر بر مصائب و بلایا و تنبیہ بر وجود نعم خفایا و تحقیق معنی اجابت و منع در دعا و سلوک طریق رضا و تسلیم در ورود احکام ارادیہ قہریہ و تادب جناب الٰہی ترک طلب و سوال باختلاف اوقات احوال۔"[4]

[یہ رسالہ مصائب اور بلاؤں پر صبر کرنے، پوشیدہ نعمتوں پر متنبہ کرنے، اجابت کے معنی کی تحقیق، دعا میں منع، احکام ارادیہ قہریہ کے ورود میں تسلیم و رضا کے طریقے کو اختیار کرنے اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں احوال و اوقات کے اختلاف کی وجہ سے طلب و سوال کے ترک کرنے کے ادب کے بیان میں ہے۔]

یہ رسالہ بھی شائع نہیں ہوا ہے[5] اور اس کا ایک قلمی نسخہ دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور، نمبر: ۲۸۲ ر کے تحت پایا جاتا ہے۔[6]

---

۱) مرآۃ الحقائق: ۴۹۔

۲) مرآۃ الحقائق: ۴۹۔

۳) فہرست التوالیف: ۲۲۔ مرآۃ الحقائق: ۵۱۔ حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۲۰۸۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۲۹۵۔ نزہۃ الخواطر: ۵/ ۵۵۵۔

۴) فہرست التوالیف: ۲۲۔

۵) مرآۃ الحقائق: ۵۱۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۲۹۵۔

۶) فہرست مشترک نسخہ ہائے خطی فارسی: ۲/ ۱۱۶۱۔ بحوالہ فکر و نظر: ۲۹۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اعمال واوراد

یہاں اعمال واوراد سے مراد وہ نیک عمل ہیں جن کے کرنے سے انسان کو حقیقی سعادت نصیب ہوتی ہے۔ اعمال صالحہ انسانی زندگی میں بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ اگر انسان اچھے عمل کرتا ہے تو آخرت کے ساتھ ساتھ دنیا میں بھی اس کے بہتر نتائج سامنے آتے ہیں اور وہ حیوانی سطح سے ترقی کر کے ملکوتی سطح تک پہونچ جاتا ہے۔

اعمال صالحہ کا اثر انفرادی زندگی کے ساتھ اجتماعی زندگی پر بھی پڑتا ہے۔ ایک صالح معاشرہ کی تشکیل کے لئے ضروری ہے کہ اس کے افراد کی زندگی صالح اعمال کی راہ پر گامزن ہو۔ اعمال صالحہ ہی ہیں جو انسان کو متمدن اور مہذب بناتے ہیں، اور ان ہی کی وجہ سے تکبر، بغض اور حسد جیسے رذائل کا خاتمہ ہو کر تواضع، انکساری اور رحم دلی جیسے اوصاف حمیدہ پروان چڑھتے ہیں۔

ان جیسی دیگر ضروریات کی وجہ سے ہر دور کے علماء کرام نے اعمال واوراد پر بے شمار کتابیں تصنیف فرمائیں۔ شیخ صاحب بھی چوں کہ بچپن سے نیک فطرت اور اخلاص وللہیت کے پیکر تھے اور آپ کا شمار صوفیاء کی اس جماعت میں ہوتا ہے جو تصوف کی حقیقی دولت کی مالک تھی۔ اس لئے آپ نے بھی ایسی چند قیمتی کتابیں تصنیف فرمائیں جن کا موضوع "اعمال واوراد" ہے۔ ان ہی کتابوں کا مختصر ساجائزہ درج ذیل صفحات میں موجود ہے۔

۱۔ احوبۃ الاثنا عشری فی توجیہ الصلوٰۃ علی سید البشر: (۱)

یہ بزبان عربی ایک مختصر رسالہ ہے، جس کے اندر شیخ محدث دہلویؒ نے درود شریف "اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد" کے اندر جو تشبیہات واقع ہوئی ہیں ان سے بحث کی ہے۔ شیخ صاحب خود اپنی کتاب فہرست التوالیف میں اس کے متعلق رقم طراز ہیں:

"فی توجیہ الصلاۃ المرویۃ عن النبی الکریم، اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم." (۲)

[یہ رسالہ نبی ﷺ سے مروی درود شریف کی توجیہ کے بیان میں ہے، یعنی اللھم صل علی محمد کی۔]

---

۱) فہرست التوالیف: ۲۱۔ مرآۃ الحقائق: ۳۸۔ حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۲۰۹۔ تذکرۃ المحدثین: ۳ /۲۸۸۔ نزھۃ الخواطر: ۵/۵۵

۲) فہرست التوالیف: ۲۱۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس رسالہ کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ شیخ محدثؒ نے اس کو صرف ایک ہی مجلس میں تحریر فرمایا تھا۔ لکھتے ہیں:

"جمعتها في مجلس واحد من وقت السحر إلى طلوع الذكاء مع ما وقع في البين من الصلاة والدرود والدعاء، وفيها مباحث شريفة لطيفة." (۱)

[میں نے اس کو ایک ہی مجلس میں تحریر کیا، وقتِ سحر سے لیکر طلوع آفتاب تک، ان تمام ضروریات کے ساتھ جو درمیان میں واقع ہوئیں، یعنی نماز، درود اور دعاء۔ اور اس میں بہت ہی قیمتی اور لطیف مباحث ہیں۔]

یہ رسالہ شائع نہیں ہوا ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ ۱۹۰۲ء تک مولوی انوار الحقؒ کے کتب خانہ میں موجود تھا۔ (۲) اور اب ایک قلمی نسخہ رضا لائبریری، رام پور میں پایا جاتا ہے، جس کا اندراج نمبر ہے: 8678M۔ اس کی ابتدائی عبارت ہے:

"اللهم يارب صل وسلم على سيد أنبيائك وأفضل رسلك محمد، وعلى آله. وبعد فقد وقع الكلام بين أصحابنا وطال البحث في التشبيه الوارد في الحديث." (۳)

۲ - ترغیب اہل السعادات علی تکثیر الصلوٰۃ علی سید الکائنات: (۴)

یہ رسالہ فارسی زبان میں ہے جس میں شیخ صاحبؒ نے درود شریف کے فضائل کو بیان کیا ہے۔ یہ بھی شائع نہیں ہوا اور اس کا ایک قلمی نسخہ خدابخش لائبریری، پٹنہ میں "فضیلۃ الصلوٰۃ" کے نام سے موجود ہے؛ جس کا فہرست نمبر: ۱۱۲۸۵/ اور ۲۸۴۵/ ہے۔

شیخ صاحبؒ اس کے شروع میں تحریر فرماتے ہیں:

"بداں کہ فوائد صلوٰۃ نبویہ علیہ اکمل الصلوٰۃ والتحیۃ از حد احصا متجاوز است" (۵)

---

۱) فہرست التوالیف: ۲۱۔

۲) مرآۃ الحقائق: ۴۸۔

۳) Catalogue of the Arabic manuscripts in Raza Library Rampur: 2/340, S.NO: 1791.

۴) فہرست التوالیف: ۲۱۔ مرآۃ الحقائق: ۱۵۔ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی: ۲۰۹-۲۱۰۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۲۹۴-۲۹۵۔ تذکرہ شیخ عبدالحق: ۲۰۰۔ نزھۃ الخواطر: ۵/۵۵۵۔

۵) حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی: ۲۰۹۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

[یہ جان لینا چاہیے کہ نبی ﷺ پر درود شریف بھیجنے کے فوائد بے شمار ہیں۔]

۳- رسالہ عقد انامل: (۱)

عقد انامل ایک ایسا فن ہے جس کے اندر انگلیوں پر اعداد و شمار کے طریقوں سے بحث کی جاتی ہے۔ مسلم علماء نے اس فن کی مدد سے تسبیحات کو زیادہ سے زیادہ انگلیوں پر شمار کرنے کے طریقوں کو بیان کیا ہے۔

شیخ صاحبؒ کے اس رسالہ میں بھی انگلیوں پر اوراد و وظائف کو شمار کرنے سے بحث کی گئی ہے۔ اس کی زبان فارسی ہے اور یہ شائع نہیں ہوا ہے اور نہ اس کا ذکر شیخ صاحب نے فہرست التوالیف میں کیا ہے؛ البتہ اس کا ایک قلمی نسخہ مولوی انوار الحق کے کتب خانہ میں موجود تھا۔ (۲)

۴- رسالہ وظائف: (۳)

یہ رسالہ بھی شائع نہیں ہوا ہے اور نہ فہرست التوالیف میں موجود ہے؛ لیکن مصنف مرآۃ الحقائق نے اس کو مولوی انوار الحق کے کتب خانہ میں دیکھا تھا۔ (۴)

۵- مطلب الاعلیٰ فی شرح اسماء اللہ تعالیٰ: (۵)

اس رسالہ میں اسماء حسنیٰ کی تاثیر، تشریح اور ان کی معنویت وفضیلت بیان کی گئی ہے۔ یہ رسالہ تقریباً ڈیڑھ ہزار سطور پر مشتمل ہے؛ (۶) جو کہ شائع ہو چکا ہے۔ اس کا اردو ترجمہ مولوی قطب الدین صاحب نے کیا ہے، جو ۱۲۶۹ھ میں لکھنؤ کے مکتبہ مجتبائی سے شائع ہوا تھا۔ (۷)

مصنف نے رسالہ کے مقدمہ میں "اسماء الٰہی توقیفی ہیں۔ حدیث میں اللہ تعالیٰ کے ۹۹ نام وارد ہوئے ہیں۔ قرآن و حدیث میں ۹۹ سے زیادہ نام موجود ہیں، تو پھر ان ۹۹ میں محصور کرنے کی کیا وجہ ہے؟" جیسے گیارہ انتہائی ضروری امور کو بیان کیا ہے۔ (۸)

---

۱) مرآۃ الحقائق: ۵۵۔ حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۲۱۰۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۲۹۹۔

۲) مرآۃ الحقائق: ۵۵۔

۳) مرآۃ الحقائق: ۵۵۔ حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۲۱۰۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۳۰۰۔

۴) مرآۃ الحقائق: ۵۵۔

۵) فہرست التوالیف: ۲۱۔ مرآۃ الحقائق: ۵۹۔ حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۲۱۰۔ نزہۃ الخواطر: ۵/۵۵۵۔

۶) مرآۃ الحقائق: ۵۹۔

۷) حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۲۱۰۔

۸) محدث دہلوی، شیخ عبد الحق بن سیف الدین، مطلب الاعلیٰ فی شرح اسماء الحسنیٰ (مخطوطہ): ۳-۴، رضا لائبریری، رامپور، شمارہ کتاب: ۲۹۵ (ب)۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس رسالہ کے قلمی نسخے مندرجہ ذیل کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں۔

۱) مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ: یونی ورسٹی: ۲۴۶، فارسیہ مذہب تصوف۔

۲) رضا لائبریری، رام پور: ۲۹۵ (ب)۔[1]

۳) آصفیہ لائبریری، حیدر آباد: ۳۱۲۔

۴) پاکستان: فہرست مشترک نسخہ ہای خطی فارسی: ۳/ ۱۹۲۲۔[2]

۱) فہرست نسخہ ہای خطی فارسی: ۱/ ۸۱۔

۲) فکر و نظر: ۴۵۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

تاریخ

اس دار الاسباب میں ہر شئی کے وجود کی کوئی نہ کوئی وجہ ہے۔ ہر حادثہ گذشتہ حادثہ کا اثر اور آئندہ واقعہ کا سبب ہے۔ اسی وجہ سے ہر دور کے علماء کرام نے حوادث وواقعات کو لکھنا ضروری سمجھا؛ تاکہ ان کے اثرات اور اسباب ووجوہات سے سبق حاصل کرکے ترقی وتنزلی کی راہوں کو متعین کیا جاسکے۔ تاریخ کی تعریف کرتے ہوئے علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں:

"اعلم أن فن التاريخ فن عزيز المذهب، جم الفوائد، شريف الغاية إذ هو يوافقنا على أحوال الماضين من الأمم في أخلاقهم، والأنبياء في سيرهم، والملوك في دولهم وسياستهم، حتى تتم فائدة الاقتداء في ذالك لمن يرومه في أحوال الدين والدنيا."[1]

[یاد رکھئے کہ علم تاریخ ایک معزز وبلند پایہ، بہت فائدوں والا اور شریف غرض وغایت والا فن ہے۔ کیوں کہ یہ ہمیں گذشتہ اقوام کے اخلاق واحوال بتاتا ہے۔ انبیاء کی سیرتوں پر آگاہ کرتا ہے اور حکومتوں اور سیاست میں سلاطین کے حالات کی خبر دیتا ہے؛ تاکہ اگر کوئی کسی دینی یا دنیوی سلسلہ میں ان میں سے کسی کے نقش قدم پر چلنا چاہے، تو اسے پورا پورا فائدہ حاصل ہو۔][2]

فن تاریخ کی اسی اہمیت وافادیت کے پیش نظر ہر دور کے علماء کرام نے اس فن میں بے شمار قیمتی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ ہندوستان کے عہد وسطی میں جن علماء کرام کو صف اول کا مصنف اور مورخ شمار کیا جاتا ہے ان میں شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ بھی شامل ہیں۔ دیگر علوم وفنون کی طرح تاریخ میں بھی آپ نے انتہائی قیمتی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ تاریخ نگاری سے آپ کے مقاصد کا اندازہ "تاریخ حقی" میں مذکور اس شعر سے ہو سکتا ہے:

"مقصود اہل ذوق ز ذکر گذشتگاں تنبیہ و عبرت است چہ مسکین چہ بادشاہ"[3]

[گذرے ہوئے لوگوں کے ذکر سے اہل ذوق کا مقصد تنبیہ اور عبرت ہے چاہے وہ مسکین ہوں یا بادشاہ۔]

---

۱) تاريخ ابن خلدون: المقدمة: ۱۳/۱۔

۲) ابن خلدون، عبد الرحمن بن محمد، مقدمہ ابن خلدون: ۱۶۷، ترجمہ: مولانا راغب رحمانی دہلوی، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی ۲۰۱۰ء۔

۳) شیخ محدث دہلوی، عبد الحق بن سیف الدین، تاریخ حقی: ۳۰، ترتیب: پروفیسر سید محمد طارق حسن، مطبع: آرو راپر نٹرس شاہدرہ، دہلی ۲۰۱۳ء۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

شیخ صاحبؒ نے تاریخ کی جو کتابیں تحریر فرمائیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ جذب القلوب الی دیار المحبوب:

شیخ صاحبؒ نے اس کتاب میں مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ کے علاوہ حجاز مقدس کے دیگر متبرک مقامات کی تاریخ اور جغرافیائی حالات کے علاوہ ان دونوں مقامات کی اہمیت و فضیلت پر دلالت کرنے والی آیات واحادیث کو انتہائی خوبصورتی اور دلکش انداز میں بیان کیا ہے۔ اس کتاب میں آپؒ نے خصوصی طور پر علی بن عبد اللہ بن احمد الحسنی، نور الدین ابو الحسن السمہودی کی "وفاء الوفاء باخبار المصطفیٰ" سے استفادہ کیا ہے۔

شیخ صاحبؒ نے اس کتاب کو ۹۹۸ھ میں اس وقت لکھنا شروع کیا تھا جب آپؒ مدینہ منورہ میں قیام پذیر تھے اور اس کا اختتام ہندوستان واپسی کے بعد ۱۰۰۱ھ میں دہلی میں ہوا۔ جیسا کہ وہ خود لکھتے ہیں:

"وابتدائے تسوید ایں حروف در سنہ ثمان وتسعین وتسعمائۃ در مدینہ طیبہ بودہ، وتوفیق تبییض آں در سنہ احدی والف در بلدہ ہند دہلی یافتہ۔" (۱)

[ان حروف کو لکھنے کی شروعات ۹۹۸ھ میں مدینہ طیبہ میں ہوئی تھی اور ان کو ختم کرنے کی توفیق ۱۰۰۱ھ میں شہر دہلی میں ہوئی۔]

دیار محبوب محمد مصطفیٰ ﷺ سے آپ کو جو عقیدت و محبت تھی اس کا اندازہ اس کتاب کے ایک ایک حرف سے ہوتا ہے۔ اس کتاب کی تکمیل کے بعد جب مقدمۃ الکتاب تحریر فرماتے ہیں تو اس کی شروعات ان الفاظ میں شکر خداوندی کے ساتھ کرتے ہیں:

"صد شکر کہ از تشنگی غم رستم چوں قطرہ بہ دریائی کرم پیوستم
بر کشتی توفیق ازل بنشستم وز زمزم قدس چہرۂ دل شستم" (۲)

[صد شکر کہ میں غم کی تشنگی سے نکل گیا، قطرہ کی طرح کرم کے دریا میں پیوست (۳) ہو گیا، اللہ تعالیٰ کی توفیق کی کشتی پر سوار ہو گیا، اور خداوند قدوس کے زمزم سے دل کے چہرے کو دھولیا۔]

مصنف کی اسی عقیدت و محبت کا ثمرہ تھا کہ کتاب کو بے انتہا مقبولیت حاصل ہوئی، اس کے متعدد ایڈیشن الگ الگ بار کئی جگہوں سے شائع ہوئے۔ اور "مرغوب القلوب" و "تاریخ مدینہ" کے نام سے اردو تراجم بھی

۱) شیخ محدث دہلوی، عبد الحق بن سیف الدین، جذب القلوب الی دیار المحبوب: ۸، مطبع: منشی نول کشور، واقع لکھنؤ۔
۲) جذب القلوب الی دیار المحبوب: ۲۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہوئے۔ یہ کتاب پہلی بار کلکتہ کے مطبع انڈیان سن سے ۱۲۶۳ء میں شائع ہوئی اس کے بعد ۱۲۸۶ء میں دہلی کے مطبع ناصری سے اور ۱۸۶۹ء میں نول کشور لکھنؤ سے، پھر دسمبر ۱۹۱۶ء میں مطبع نول کشور واقع کانپور سے شائع ہوئی۔

کتاب کے مخطوطے مندرجہ ذیل کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں:

۱) مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ:

أ- ذخیرہ یونیورسٹی: ۳۰۲، فارسیہ تصوف۔ ۲۴۸، فارسیہ اخبار۔

ب- سبحان اللہ کلیکشن: ۳۶/ ۹۲۰، سیرت فارسی۔

ت- ذخیرہ عبد السلام: ۵۲/ ۵۲، فارسیہ تاریخ۔

ث- ذخیرہ سلیمان: ۶/ ۵۹۶، ۷/ ۵۹۶، ۸/ ۵۹۷، سیرت فارسی۔

۲) خدا بخش لائبریری، پٹنہ: ۶۳۳۔ (۱)

۳) رضا لائبریری، رامپور: شمارہ کتاب: ۲۲۱۲، ردیف کتبخانہ: ۸۶۲۹م۔ (۲)

۴) انڈیا آفس، لندن: 720۔ (۳)

۵) پاکستان: فہرست مشترک نسخہ ہای خطی فارسی: ۱۰/ ۱۶۔ (۴)

۶) نواب رحمت اللہ بہادر خان لائبریری، مزمل منزل، علی گڑھ۔

۷) کیمبرج یونیورسٹی: فہرست براؤن: ۳۵۵۔ (۵)

۲- تاریخ حقی:

شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے اس کتاب میں ہندوستان کی تاریخ بیان کی ہے، جس کی شروعات سلطان معز الدین سام کی فتح ہند سے ہوتی ہے اور اختتام سلطان جلال الدین اکبر کے چالسویں سن جلوس پر۔

---

۱) Catalogue of the Arabic and Persian Manuscripts in the Khuda Bakhsh Oriental Public Library: 7/202.

۲) فہرست نسخہ ہای خطی فارسی: ۱/ ۱۵۳۔

۳) Catalogue of Persian manuscripts in the Library of the India Office: 1/378.

۴) الدر و نظر: ۸۳۔

۵) حیات شیخ محدث دہلوی: ۳۵۵۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ماخذ و مصادر کے اعتبار سے اس کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ نصف اول یعنی لودھی خاندان سے قبل کے حالات میں طبقاتِ ناصری، تاریخ فیروز شاہی اور تاریخ بہادر شاہی سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اور اس کے بعد نصف ثانی میں ذاتی مشاہدات اور بزرگوں سے سنے ہوئے اقوال کو بنیاد بنایا گیا ہے؛ جیسا کہ وہ خود تحریر فرماتے ہیں:

"پس نقل احوال سلطان معز الدین سام کہ اول بادشاہانِ اسلام ایں مقام است تا سلطان ناصر الدین محمود بن سلطان التتمش از طبقات ناصری کردہ شد، احوال غیاث الدین بلبن تا سلطان فیروز شاہ از تاریخ فیروز شاہی نوشتہ آمد، واز آں جا تا زمان بادشاہی بہلول لودی از تاریخ بہادر شاہی نقل افتاد، واز وی تا دورِ سلطنت سلطانِ وقت و بادشاہ زمان سریر آرای مملکت سروری کہ ابا عن جد بوراثت واستحقاق شاہنشاہ آفاق وحاکم علی الاطلاق است بسماع ومشاہدہ ثبت یافت۔" (۱)

[پس سلطان معز الدین سام، جو کہ اس جگہ (دہلی) کے مسلم بادشاہوں میں سے پہلا بادشاہ تھا، سے سلطان ناصر الدین محمود بن سلطان التتمش تک کے احوال کو "طبقات ناصری" سے نقل کیا ہے۔ غیاث الدین بلبن سے سلطان فیروز شاہ تک کے احوال کو "تاریخ فیروز شاہی" سے لکھا ہے۔ اور ان سے بہلول لودی کے زمانۂ حکومت تک "تاریخ بہادر شاہی" سے نقل کیا ہے۔ اور ان سے لیکر اس سلطانِ وقت، بادشاہِ زماں، مملکتِ سروری کے سربراہ، جو کہ باپ دادا سے وراثت منتقل ہونے کی وجہ سے چلی آرہی ہے، تک جو کہ شہنشاہِ آفاق اور حاکم علی الاطلاق ہے، سماع اور مشاہدہ کے ذریعہ لکھے ہیں۔]

اس کتاب کو مصنف ؒ نے ۱۱ر جلی عناوین پر منقسم کیا ہے:

۱) ذکر ابتدائی آبادی دہلی۔ (اس میں سلطان معز الدنیا والدین محمد بن سام سے جلال الدین اکبر تک کے حالات مذکور ہیں)۔

۲) ذکر طبقۂ ملوک وسلاطین بنگالہ۔

۳) ذکر طبقۂ سلاطین جونپور۔

۴) ذکر طبقۂ بادشاہان دکن۔

۵) سلسلہ نظام الملک۔

---

۱) تاریخ حقی: س ۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۶) سلسلہ عادلشاہیہ۔

۷) سلسلہ قطب الملکیہ۔

۸) ذکر طبقہ پادشاہان مندو۔

۹) ذکر طبقہ سلاطین بلاد گجرات۔

۱۰) ذکر حکام و سلاطین کشمیر۔

۱۱) ذکر طبقہ سلاطین و حکام ٹھٹہ۔

تاریخ حقی ۲۰۱۰ء میں شعبۂ فارسی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کے سابق صدر پروفیسر سید طارق حسن کی تحقیق و ترتیب کے ساتھ دہلی کے مطبع آروا پرنٹرس سے شائع ہوئی ہے، جو کہ تقریباً ۲۵۰ر سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے مخطوطے مندرجہ ذیل کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں:

۱) مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ:

أ- ذخیرہ یونیورسٹی: ۲ / ۳۰، فارسیہ اخبار۔

ب- ذخیرہ یونیورسٹی، ضمیمہ: ۲۰، فارسیہ تاریخ۔

۲) رضا لائبریری، رام پور: شمارہ کتاب: ۲۰۳۳، ردیف کتبخانہ: ۸۷م۔[1]

۳) برٹش میوزیم: ADD- 26210۔[2]

۴) انڈیا آفس: ۱۹۵-۱۹۸۔[3]

۵) ٹونک لائبریری، راجستھان۔[4]

۶) خدا بخش لائبریری، پٹنہ: ۵۳۷۔[5]

---

۱) فہرست نسخہ ہای خطی فارسی: ۱ / ۶۰۸۔

۲) Catalogue of the Persian manuscripts in the British Museum: 1/223.

۳) Catalogue of Persian manuscripts in the Library of the India Office: 1/84, 85.

۴) شوکت علی خان (مرتب)، قصر العلم: ۱۰۲، عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، ٹونک، راجستھان۔

۵) Catalogue of the Arabic and Persian Manuscripts in the Khuda Bakhsh Oriental Public Library: 7/8.

toobaa-elibrary.blogspot.com

۳- رسالہ نوریہ سلطانیہ:

شیخ صاحب کے اس رسالے کا اصل موضوع "اصول سیاست" ہے۔ اس کو آپ نے "نور الدین محمد جہانگیر" بادشاہ ہند کے لئے تحریر فرمایا، جس میں احادیث رسول اللہ ﷺ، سلف صالحین کے آثار اور سلاطین عظام کی حکایات کے اقتباسات اور ان کے ترجموں کو بطور نصیحت نقل کیا ہے، جو دنیا و آخرت کی خیر و صلاح پر مشتمل ہیں۔ جیسا کہ آپ خود مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"کلمہ ای چند از احادیث رسول اللہ ﷺ و اخبار و آثار سلف کرام و حکایات و مآثر سلاطین عظام و آنچہ متضمن خیر و صلاح دنیا و آخرت باشد ترجمہ کردہ و اقتباس نمودہ ــــــ و چوں ایں رسالہ تحفہ درگاہ پادشاہ دین پناہ ــــــ ابو المظفر نور الدین محمد جہانگیر پادشاہ الغازی خلد اللہ فی مراضیہ ملکہ واجری فی بحار العدالۃ والنصفۃ فلکہ بود بر رسالہ نوریہ سلطانیہ موسوم شد۔"(۱)

[احادیث رسول ﷺ، سلف کرام کے آثار و اخبار، سلاطین عظام کی حکایات اور ان واقعات سے جو دنیا و آخرت کی خیر و صلاح کو متضمن ہیں کچھ کا ترجمہ پیش کیا ہے، اور اقتباسات نقل کئے ہیں ــــ اور چوں کہ یہ رسالہ بادشاہ دین پناہ ابو المظفر نور الدین محمد جہانگیر الغازی (اللہ تعالیٰ ان کو اپنی مرضیات میں ہمیشہ جگہ دے۔ جس کا وہ مالک ہے اور عدل و انصاف کے سمندر میں چلائے) ــــ کی بارگاہ میں ہدیہ ہے۔ اس لئے اس کا نام نوریہ سلطانیہ رکھا۔]

شیخ عبد الحقؒ نے اس رسالہ میں بھی اپنی دیگر تصانیف کی طرح بہت سی کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔ جن کتابوں سے آپ نے بطورِ خاص عبارات نقل کی ہیں وہ قرآن کریم اور احادیث نبی ﷺ کے علاوہ سیرۃ ابن ہشام، تاریخ آل برمک، جوامع الحکایات عوفی، تاریخ گزیدہ حمد اللہ مستوفی، شیخ سعدیؒ کی گلستاں، بوستاں، نصیحۃ الملوک اور ملا حسین واعظ کاشفی کی اخلاقِ محسنی ہیں۔(۲)

محقق موصوف نے تین قلمی نسخوں کو سامنے رکھ کر اس کی تصحیح و تعلیق کی اور اسلام آباد (پاکستان) کے مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان سے ۱۴۰۵ھ مطابق ۱۹۸۵ء میں شائع کیا۔ جن نسخوں کے ذریعہ اس رسالہ کو زیورِ طبع سے آراستہ کیا گیا ان کی نشاندہی مقدمہ میں اس طور پر کی گئی ہے:

---

۱) شیخ محدث دہلوی، عبد الحق بن سیف الدین، رسالہ نوریہ سلطانیہ: ۲۶، تصحیح و تعلیق: ڈاکٹر محمد سلیم اختر۔ مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد، پاکستان ۱۴۰۵ھ = ۱۹۸۵ء۔

۲) رسالہ نوریہ سلطانیہ: ۱۲۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱) نسخہ کتاب خانہ دیوانِ ہند:

بشمارہ: D.P. 659. (B) اس کے کاتب جلال الدین محمد ہیں، اور تاریخ تحریر محرم الحرام ۱۱۳۹ھ ہے۔ اس کو خطِ نستعلیق میں لکھا گیا ہے۔ (۱)

۲) نسخہ کتاب خانہ دیوانِ ہند:

بشمارہ: D.P. 9200. اس نسخہ کو خطِ شکستہ میں مہانند نامی ہندو کاتب نے ۱۱۸۳ھ میں نقل کیا ہے۔ (۲)

۳) نسخہ کتاب خانہ دانشکدۂ اسلامیہ پیشاور:

بشمارہ: ۲/ ۱۴۶۲۔ یہ نسخہ مولفِ رسالہ شیخ عبدالحق کی دیگر تین کتابوں کے ساتھ ایک جلد میں مجلد ہے۔ جو کہ پہلے مولانا غلام جیلانی کی ملکیت میں تھا اور ان کی وفات کے بعد کتابخانہ اسلامیہ پیشاور کی تحویل میں ہے۔ (۳)

---

۱) رسالہ نوریہ سلطانیہ: ۱۸۔

۲) رسالہ نوریہ سلطانیہ: ۱۸-۱۹۔

۳) رسالہ نوریہ سلطانیہ: ۱۹۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ذاتی حالات

شیخ صاحبؒ نے چوں کہ ایک علمی گھرانے میں پرورش پائی تھی، آپ کا خاندان اپنی علمی اور تحریری صلاحیتوں کی وجہ سے مشہور تھا، اور پھر آپ نے جن اساتذۂ کرام کے سامنے زانوائے تلمذ تہ کیا وہ بھی اپنے وقت کے اکابرین میں شمار ہوتے تھے؛ اس لئے لکھنے کا ملکہ آپ کو بچپن سے ہی تھا۔ ایام طالب علمی سے ہی آپ نے اپنے اور اپنے اہل خانہ کے علاوہ اساتذہ کے حالات کو بھی قلم بند کرنا شروع کر دیا تھا۔

اس کے علاوہ آپ نے جو کتابیں تصنیف فرمائیں مختصر طور پر ان کے نام اور موضوع کی جانب بھی "فہرست التوالیف" نامی کتاب میں اشارہ کر دیا تھا۔ ذاتی حالات پر آپ نے جو تحریری سرمایہ اپنے بعد چھوڑا وہ حسب ذیل ہے۔

۱- تالیف قلب الالیف:[1]

شیخ صاحبؒ نے جتنی تصنیفات و تالیفات تحریر فرمائی تھیں ان سب کی ایک فہرست تیار کی تھی۔ یہ وہی فہرست ہے جس کا مکمل نام "تالیف القلب الالیف بذکر فہرس التوالیف" ہے۔ اس میں ۴۹ کتابوں اور ۶۸ مکاتیب و رسائل کا ذکر ہے۔ اس کے بعد بھی شیخ صاحب کی تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رہا۔

یہ پہلی مرتبہ رامپور کے مطبع عزیزی سے اور پھر دوسری بار ۱۳۰۹ھ میں مطبع مجتبائی دہلی سے شائع ہوئی تھی۔ پھر کافی عرصہ بعد سید شمس اللہ قادری نے حیدرآباد سے اس کا ابتدائی حصہ "تذکرہ مصنفین دہلی" کے نام سے شائع کیا تھا۔ ایلیٹ نے بھی اپنی تاریخ کی چھٹی جلد میں اس کے کچھ حصہ کا ترجمہ شامل کیا ہے۔[2]

اس کتاب کے قلمی نسخے مندرجہ ذیل کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں:

(أ) رضا لائبریری، رامپور: نمبر شمار: ۲۹۵ (ب)۔

(ب) ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ: M-41، نمبر شمار: 1004۔[3]

---

۱) مرآۃ الحقائق: ۵۸۔ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی: ۲۲۷۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۲۴۳۔ نزهة الخواطر، ۵/ ۵۵۰۔

۲) حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی: ۲۲۷۔

۳) Concise descriptive catalogue of the Persian manuscripts in the collections of the Asiatic Society of Bengal. Asiatic Society of Bengal: 1/486.

toobaa-elibrary.blogspot.com

(ت) برٹش میوزیم۔ [1]

۲۔ وصیت نامہ: [2]

اس رسالہ میں شیخ صاحبؒ نے کچھ وصیتیں تحریر فرمائی ہیں۔ یہ رسالہ طبع نہیں ہوا ہے، مولوی انوار الحق کے کتب خانہ میں اس کا ایک قلمی نسخہ موجود تھا۔[3] اور اب اس کا ایک مخطوطہ رضا لائبریری رامپور میں موجود ہے، جو ۱۶ ر صفحات پر مشتمل ہے۔

اس رسالہ میں شیخ صاحبؒ نے اولاً اپنی کچھ وصیتیں اور اولاد کا ذکر کرنے کے بعد اپنے سلاسل تصوف کو بیان کیا ہے، سب سے پہلے شیخ موسیٰ کے شجرہ کو بیان کیا ہے۔ [4] اس کے بعد شیخ علی متقیؒ کے شجرۂ خلافت کا تذکرہ ہے۔[5] اور پھر صفحہ ۱۴ ر سے ۱۶ ر تک شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا وہ اجازت نامہ نقل کیا ہے جو آپؒ کو حضرت شیخ موسیٰ جیلانیؒ نے عطا فرمایا تھا۔[6]

۳۔ زاد المتقین: [7]

اس کتاب میں شیخ صاحبؒ نے اپنے قیام مکہ کے حالات اور وہاں کے علماء و مشائخ کے حالات کا تذکرہ کیا ہے۔ بطور خاص شیخ علی متقیؒ اور ان کے شاگرد رشید اور اپنے استاذ و مربی شیخ عبدالوہابؒ کے حالات کو کچھ تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ کتاب کے موضوع کی جانب اشارہ کرتے ہوئے شیخ صاحب خود دیباچہ کتاب میں رقم طراز ہیں:

"تا مدت دو سال و کسرے بحالت قیام مکہ انچہ دیدم یا شنیدم ضبط کردم۔" [8]

---

۱) Catalogue of the Persian manuscripts in the British Museum: 3/1011, 1047.

۲) مرآۃ الحقائق: ۶۰۔ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی: ۲۲۸۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۳۰۹۔ نزھۃ الخواطر: ۵/ ۵۵۶.

۳) مرآۃ الحقائق: ۶۰۔

۴) محدث دہلوی، شیخ عبدالحق بن سیف الدین، رسالۃ الوصیۃ (مخطوطہ) ۱۰۔ رضا لائبریری رامپور، شمارہ کتاب: ۲۹۵ (ب)۔

۵) رسالۃ الوصیۃ (مخطوطہ): ۱۰۔

۶) رسالۃ الوصیۃ (مخطوطہ): ۱۴-۱۶۔

۷) فہرست التوالیف: ۱۹۔ مرآۃ الحقائق: ۵۲۔ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی: ۲۲۸۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۳۰۱۔ نزھۃ الخواطر: ۵/ ۵۵۵.

۸) حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی: ۲۲۸۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

[قیام مکہ کے دوران دو سال تک کی مدت تک جو بھی میں نے دیکھا یا سنا اس کو ضبط (تحریر) کر دیا۔]

پھر دوسری جگہ اس کتاب کی اہمیت و افادیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اگر صراط مستقیم و منہج قویم نیز نام آں کنم شاید و میزان عدل و دین حق لقب دے نیز توان وگمان آنست کہ اگر سالکے بایں رفتار رود بمنزل مراد برسید و اگر ایں را حاکم وقت دستور حال خود سازد از جادہ بیروں نیفتد۔"(۱)

[اس کا نام "صراط مستقیم و منہج قویم" رکھوں یہ بھی مناسب دیکھا ہے، اور اسے "میزان عدل و دین حق" کے نام سے یاد کروں تو بھی کر سکتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ اگر کوئی سالک اس کے طریقے پر چلے گا تو وہ منزل مراد پائے گا، اور اگر اسے حاکم وقت اپنا دستور العمل بنائے تو وہ راہ حق سے نہیں بھٹکے گا۔]

شیخ صاحبؒ نے اس کتاب کو تین مقاصد پر مرتب کیا ہے۔

۱) مقصد اول میں شیخ علی متقیؒ کے حالات و مقامات کا ذکر ہے۔
۲) مقصد دوم میں شیخ عبد الوہاب متقیؒ کی سوانح حیات و مقامات کا بیان ہے۔
۳) مقصد سوم میں حرمین شریفین کے بعض عربی و عجمی مشائخ اور درویشوں کے حالات و واقعات کا تذکرہ ہے۔(۲)

اصل کتاب فارسی میں ہے جو شائع نہیں ہوئی ہے؛ البتہ اس کے اردو تراجم شائع ہوئے ہیں۔ اس کا ایک ترجمہ پروفیسر مسعود انور علوی صاحب نے کیا ہے، جو ۲۰۰۰ء میں کونسل برائے فروغ اردو زبان، دہلی سے شائع ہوا تھا، اور اس سے بھی پہلے اس کا ایک ترجمہ مولانا ڈاکٹر عبد العلیم چشتی نے کیا تھا جو الرحیم اکیڈمی، کراچی، پاکستان سے ۱۳ رجب المرجب ۱۴۱۹ھ مطابق ۳ نومبر ۱۹۹۸ء کو شائع ہوا تھا۔

اس کتاب کے قلمی نسخے ہندوستان و پاکستان کے مندرجہ ذیل کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں۔

۱) رضا لائبریری، رامپور: شمارہ کتاب: ۲۳۰۲، ردیف کتبخانہ: ۵۹۵۴م۔(۳)

---

۱) حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۲۲۸۔
۲) زاد المتقین (ترجمہ اردو): ۴۴۔
۳) فہرست نسخہ ہائے خطی فارسی: ۱/ ۷۷۸۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۲) صولت لائبریری، رام پور: ۳۰۰۷۔

۳) برٹش میوزیم: ۲۱۷۔[۱]

۴) آصفیہ لائبریری، حیدر آباد: ۱۵۲۳۔

۵) پاکستان: فہرست مشترک نسخہ ہای خطی فارسی: ۱۱/۸۶۴۔[۲]

---

۱) Catalogue of the Persian manuscripts in the British Museum: 1/356.

۲) گلزار ظفر: ۸۴۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

مکاتیب ورسائل

مکاتیب، مکتوب کی جمع ہے۔ تاریخ انسانی کی سب سے معتبر کتاب قرآن مجید میں ایک مکتوب کا ذکر ملتا ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا کے نام لکھا تھا۔(۱) اس کے علاوہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں مثلاً سینٹ پال اور سینٹ پیٹر وغیرہ کے خطوط بھی عیسائی مذہبی لٹریچر میں پائے جاتے ہیں؛ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مکتوب نگاری تاریخ کے قدیم ترین علوم میں سے ہے۔

اسلام کی آمد سے قبل بھی عربوں میں مکاتیب لکھنے کا رواج تھا لیکن اس کو وہ مقام حاصل نہیں تھا جو پیغمبر اسلام نے عطا کیا؛ کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین وغیرہ نے جو خطوط تبلیغ اسلام یا گورنروں کو ہدایات واطلاعات کی شکل میں ارسال فرمائے وہ آج تک تمام تاریخی اصول وضوابط کے ساتھ کتب تواریخ میں موجود ہیں۔

عرب کے علاوہ عجمی ممالک کے امراء وسلاطین نے بھی اپنے اغراض ومقاصد کے تحت ہر دور میں مکتوب نگاری کی؛ لیکن عہد وسطی میں جن خطوط کو سب سے زیادہ شہرت ومقبولیت حاصل ہوئی وہ صوفیاء کرام کے مکتوبات وخطوط تھے جو انہوں نے اپنی خانقاہوں سے اصلاح معاشرہ، ترویج دین اور امراء کے نام عدل وانصاف کے قیام کی تائید وغیرہ دیگر اغراض کے لئے وقتاً فوقتاً تحریر فرمائے تھے۔ انہی مکتوب نگاروں میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی بھی ہیں، آپ نے جو مکاتیب تحریر فرمائے ان کے مجموعہ کا نام "کتاب المکاتیب والرسائل الی ارباب الکمال والفضائل" ہے۔

کتاب المکاتیب والرسائل:

شیخ صاحبؒ نے اپنے اساتذہ، طلبہ اور متعلقین کے نام کچھ خطوط تحریر فرمائے تھے؛ ان ہی کے مجموعہ کو "کتاب المکاتیب والرسائل الی ارباب الکمال والفضائل" کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ان خطوط میں تفسیر، حدیث، تصوف، اخلاق الغرض تمام مسائل شریعت اور فوائد طریقت کو انتہائی خوش اسلوبی اور مدلل طریقے سے بیان کیا گیا ہے۔ ان کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی ہو سکتا ہے کہ شیخ صاحبؒ نے ان کے بارے میں یہ وصیت فرمائی تھی:

---

۱) النمل: ۲۷-۳۰۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

"یک بار از اول تا آخر حرف بحرف خواند، کہ روے بجانب راہِ راست وارد۔ و در طبیعت انصاف گوارا دارد۔ و اگر در اوقاتِ خلوت جلیس وقت وانیس حال سازند، ذوقے دیگر ولذتے دیگر خواہد آورد۔" (۱)

[اس کو ایک بار شروع سے آخر تک پڑھ لینا چاہئے تاکہ راہِ راست پر آجائے اور طبیعت میں انصاف پیدا ہو جائے اور اگر تنہائی کے اوقات میں اس کو جلیس وقت اور انیس حال بنالے تو ایک دوسرا ہی ذوق اور لذت آئے۔]

اگر اس دور کے ماحول کو سامنے رکھ کر ان کا مطالعہ کیا جائے تو ان کی علمی وقعت اور دوچند ہو جاتی ہے۔ اس بنا پر ان میں سے ہر ایک مکتوب اپنے علمی، تحقیقی اور اصلاحی اندازِ تحریر کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ایک مستقل رسالہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس مجموعہ مکاتیب کی جانب اشارہ کرتے ہوئے خود کاتب تحریر فرماتے ہیں:

"فقیر حقیر عبد الحق بن سیف الدین دہلوی را جملہ از رسائل و مکاتیب بود باقتضای وقت ومناسب حال املا کردہ، بعضے بجہت احباب واصحاب از اہلِ سلوک وارادت نوشتہ وبرخی بجانب بعضے امراء وملوک از اہلِ سعادت فرستادہ، وپارۂ در نصیحت نفس خود کہ نزدیک تر و نیاز مند تر از ہمہ است ابلاغ نمودہ۔" (۲)

[فقیر حقیر عبد الحق بن سیف الدین دہلوی نے اپنے وہ خطوط ورسائل جمع کر دئے ہیں جو وقتی تقاضوں اور حالات کے مناسب لکھے ہیں۔ ان میں سے بعض دوستوں کی خاطر، بعض اہل سلوک وتصوف کے لئے اور بعض سعید ودیندار امراء وحکام کی خدمت میں لکھ کر بھیجے گئے، اور بعض خود اپنے نفس کی نصیحت کی خاطر لکھے گئے کہ وہ اس نصیحت کا سب سے زیادہ مستحق ہے۔]

یہ مجموعہ مکاتیب سب سے پہلے دہلی کے مطبع مجتبائی سے ۱۲۹۷ھ میں شائع ہوا تھا پھر بعد میں اسی مطبع سے ۱۳۳۲ھ میں "اخبار الاخیار" کے حاشیہ پر اس کو شائع کیا گیا۔ اس مجموعہ میں ۶۸/ مکاتیب ورسائل ہیں جو ۲۲۸/ صفحات پر مشتمل ہیں۔ اس کے مخطوطے حسب ذیل لائبریریوں میں پائے جاتے ہیں:

---

۱) مرآۃ الحقائق: ۲۳۔
۲) کتاب المکاتیب والرسائل: ۲۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱) مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ:

آ- ذخیرہ عبدالسلام: ۱۰۸/ ۱۰۱۳ب، فارسیہ تصوف۔

ب- ذخیرہ شیفتہ: ۴۳/ ۵۷ فارسیہ تصوف۔

ت- ذخیرہ یونیورسٹی: ۴۴، فارسیہ مذہب و تصوف۔

۲) خدا بخش لائبریری، پٹنہ: ۲۰۷۴۔

۳) برٹش میوزیم، لندن۔ [۱]

۴) انڈیا آفس: ۱۸۹۴۔ [۲]

ذیل کے صفحات میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے مکاتیب اور مکتوب الیہم حضرات کی فہرست ہے، جس میں مکتوب الیہم حضرات کے اعتبار سے اس کے نام لکھے گئے تمام خطوط کو ایک جگہ جمع کیا گیا ہے، جب کہ مجموعہ مکاتیب میں یہ الگ ترتیب سے ہیں۔ مجموعہ میں جس صفحہ پر جو مکتوب ہے اس کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔

نمبر شمار	اسماء مکاتیب	اسماء مکتوب الیہم	صفحہ نمبر
۱	سلوک طریق الخلان عند فقد التربیۃ بالاصلاح	حضرت خواجہ باقی باللہؒ	۳ـ۷
۲	اصول الطریقۃ بکشف الحقیقۃ		۷ـ۱۳
۳	تعیین الطرق لاہل الارادۃ بالتزام وظائف الخیر والعبادۃ		۱۳ـ۱۶
۴	تنبیہ اہل النہی بتفاوت حال الابتداء والانتہا		۱۶ـ۱۹
۵	تحصیل الکمال الابدی باختیار فقر المحمدی		۱۹ـ۲۸
۶	قرع الاسماع باختلاف احوال المشائخ وقوالبہم فی السماع		۲۸ـ۳۲
۷	ورود الامداد بالاستناد علی الاوراد		۳۲ـ۴۷
۸	رعایۃ الانصاف والاعتدال فی اعتقاد الصوفیۃ من ارباب الاحوال	حضرت شیخ عبداللہ نیازی	۴۷ـ۵۱
۹	ایراد العبارات الفصیحۃ فی شرح قولہ علیہ السلام "الدین النصیحۃ"		۵۱ـ۵۹
۱۰	اقامۃ المراسم فی اعمال المواسم		۵۹ـ۶۳

۱) Catalogue of the Persian manuscripts in the British Museum: 3/ 1027.

۲) Catalogue of Persian manuscripts in the Library of the India Office: 1/ 1052.

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱۱	تطریب الاذان لسامعی الالحان		۶۳_۷۰
۱۲	اختیار الافراد و التخلی لاختلاف الکشف و التجلی	عبد الرحیم خان خاناں	۷۰_۷۳
۱۳	تذکیر اولی الاحلام بان لذات الدنیا کلہا آلام		۷۷_۸۰
۱۴	سلوک اقرب السبل بالتوجہ الی سید الرسل		۹۱_۹۵
۱۵	صدق التعطش و الدوام فی طلب المقصد و المرام		۹۶_۹۸
۱۶	اتحاف الاحب ببیان حدیث المحب		۱۰۲_۱۰۶
۱۷	تحصیل المطلوب بانکار المحبوب	شیخ مرتضیٰ خان معروف بہ شیخ فرید	۷۳_۷۷
۱۸	تقسیم الامام علی اربعۃ اقسام		۸۳_۸۴
۱۹	تنبیہ الغافلین لفناء الدنیا و ادبارہا		۸۴_۹۱
۲۰	تجرید الذکر فی بیان حقیقۃ الفکر		۹۹_۱۰۲
۲۱	تسبیب الخیر لدفع الضیر و دوام الالتجاء بالخوف و الرجاء		۱۰۸_۱۱۱
۲۲	کشف استتار الظلم عن لسان الحال و القال و القلم		۱۱۱_۱۱۵
۲۳	سلوک طریق الابتہاج بالاجتناب عن انحراف الاعوجاج		۱۱۵_۱۱۸
۲۴	کشف الاستار عن تحقیق معنی الکسب و الاختیار		۱۱۸_۱۲۱
۲۵	ترک الاختیار و التدبیر بالاکتفاء بتدبیر العلیم الخبیر		۱۲۱_۱۳۵
۲۶	تحقیق الیأس عن قبول ایمان الیأس		۱۳۵_۱۳۲
۲۷	التعظیم لامر اللہ و الشفقۃ علی خلق اللہ		۱۹۰_۱۶۶
۲۸	ہدایۃ الانام الی التمسک بالشرائع و الاحکام		۱۶۶_۱۷۲
۲۹	تنبیہ اولی الالباب بالمواظبۃ علی الادعیۃ و الاحزاب		۱۷۲_۱۷۳
۳۰	اقتباس انوار القدس فی شرح دعاء انس		۱۷۳_۱۸۲
۳۱	تجلیۃ القلوب بدرس الملکوت فی شرح دعاء القنوت		۱۸۲_۱۸۸
۳۲	تحصیل البرکات بہ بیان معنی التحیات		۱۸۸_۱۹۱
۳۳	وجود الفناء فی احدیۃ الذات بالتنزیہ عن جمیع الجہات		۱۴۴_۱۵۲
۳۴	سلوک طریق التسلیم ببیان حقیقۃ الرضا و التسلیم		۱۵۲_۱۵۷

toobaa-elibrary.blogspot.com

۳۵	مشاہدۃ الابرار بین التجلی والاستار		۱۶۰_۱۵۷
۳۶	تحبیب الفواد بتصور مظہر رب العباد	شیخ نور الحق حقی	۱۹۳_۱۹۱
۳۷	دفع الکسل بالمواظبۃ علی العمل		۱۹۹_۱۹۴
۳۸	تحریر التقریر لیلۃ البدر فی تصویر معنی شرح الصدر		۲۰۶_۲۰۰
۳۹	تدقیق البیان فی ایجاب شکر المزید واستلزامہ بحصول المحبت والتوحید		۲۱۰_۲۰۶
۴۰	تحقیق الدعاء والاستمداد بلسان الحال والقال والاستعداد		۲۱۳_۲۱۰
۴۱	حل لسان القلم ببیان معنی قولہم "لا راحۃ الا فی القدم والعدم"		۲۱۷_۲۱۳
۴۲	اظہار الحسرۃ والاستبعاد بتحقیر النفس فی اصلاح المبدء والمعاد		۲۲۱_۲۱۷
۴۳	الاعتصام بحبل الصبر والثبات عند اجتماع اسباب اللذات والشہوات		۲۵۹_۲۵۶
۴۴	تسویۃ الادنی والاعالی بالخوف والسکوت فی حضرت الاوالی		۲۶۲_۲۵۹
۴۵	تذکیر اہل المجاہدۃ بان المکاتبۃ من المشاہدۃ		۲۶۵_۲۶۲
۴۶	تبصرۃ الاذکیاء بان الفقر مرآت جمال الغنا		۲۶۸_۲۶۵
۴۷	استلذاذ الاحیار الاجساد والاشباح عند ملاقات القلوب والارواح		۲۷۲_۲۶۸
۴۸	ذکر الاحوال والاقوال منتبہۃ علی رعایۃ طریق الاستقامۃ والاعتدال		۲۸۳_۲۷۲
۴۹	تحصیل الغنائم والبرکات بتفسیر سورۃ العادیات		۲۸۶_۲۸۳
۵۰	ترجمہ مکتوب النبی الاجل فی تعزیۃ لمعاذ بن جبل		۲۸۸_۲۸۶
۵۱	طلب الفور فی قصہ سفر لاہور		۳۱۰_۲۹۹
۵۲	سلوک الطریقۃ علی نہج المجاز قنطرۃ الحقیقۃ		۳۱۰_۳۰۷
۵۳	تسلیۃ السائل بین المسائل		۳۱۶_۳۱۰
۵۴	وجدان البرد باستشمام الورد		۳۱۸_۳۱۶
۵۵	جمع الکلمات العارفین من اہل الصدق والیقین		۳۲۲_۳۱۸
۵۶	حرقۃ الجنان بتمنی الکشف والعیان	حضرت شاہ ابو المعالی	۳۲۷_۳۲۱
۵۷	طیب المذاق بوجدان الذوق فی مقام الاطلاق		۳۳۲_۳۲۷
۵۸	حراسۃ الایمان من مکاید النفس والشیطان		۳۳۸_۳۳۲

toobaa-elibrary.blogspot.com

۵۹	توصیۃ الاصحاب بالصبر فی جمیع الابواب		۲۴۳_۲۳۸
۶۰	تحبیب اہل الذکر برعایۃ آداب الذکر		۲۵۱_۲۴۳
۶۱	تذکیر اہل الذکر ببیان فضیلۃ علی الفکر		۲۵۶_۲۵۱
۶۲	ایراد الشہادات لبیان اہل الاشارات		۲۸۹_۲۸۸
۶۳	اطلاق اللسان بشکایت حال الہجران		۲۹۲_۲۸۹
۶۴	اظہار التقلق والاضطراب فی حصول المطلوب بلا ارتیاب		۲۹۶_۲۹۲
۶۵	توصیۃ الاخوان بالصبر علی جفای اہل الزمان		۲۹۹_۲۹۶
۶۶	رفع صوت النیب بالمام ضعف الشیب	ابو الخیر مبارک ناگوری	۸۳_۸۰
۶۷	ترک الاختلاط والتجنب عن صحبۃ الاختلاط	شیخ اسماعیل خان	۱۰۸_۱۰۶
۶۸	تثبیت القدم علی الاصطبار بترک صحبۃ الاضداد والاغیار	ابو الفیض فیضی	۹۹_۹۸

toobaa-elibrary.blogspot.com

خطبات

انسان کو جن وجوہات کی بنا پر اشرف المخلوقات کہا جاتا ہے ان میں سے ایک اس کا قادر الکلام ہونا ہے۔ ایک ایسے کلام کی طاقت رکھنا جو سامع کے دل پر اثر انداز ہو، جس کی وجہ سے انسانیت صراط مستقیم پر گامزن ہو جائے اور جس کو سن کر دنیاوی بھلائی کے ساتھ حقیقی سعادت کا شوق و جذبہ پیدا ہو، یہ یقیناً خالق کائنات کی نعمت عظمیٰ ہے۔ اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کلیم اللہ ہونے کے باوجود فرعون کے پاس جاتے وقت اللہ رب العزت سے یہ دعا کی تھی کہ: "وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي" [1]

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ چوں کہ ایک غیر معمولی مدرس، مصلح، صوفی اور محدث تھے اس لئے اس بات کا قوی امکان ہے کہ وہ ایک عمدہ خطیب بھی رہے ہوں گے۔ لیکن چوں کہ ان کے خطبات کا کوئی مجموعہ مطبوعہ شکل میں موجود نہیں ہے، اس لئے ان کی خطیبانہ صلاحیت کا صحیح اندازہ لگانا انتہائی مشکل ہے۔ آپ کے جس مجموعہ خطبات کا ذکر ملتا ہے وہ یہ ہے۔

۱۔ فصول الخطب لنیل اعالی الرتب: [2]

یہ رسالہ شیخ محدث دہلویؒ کے خطبات پر مشتمل ہے؛ جس میں شیخ صاحب نے اپنے عربی و فارسی کے خطبات کو جمع کیا تھا۔ اس کے بارے میں منشی برکت علی صاحب لکھتے ہیں:

> "چوں کہ یہ کتاب کتب خانہ موصوف (مولوی انوار الحق کا کتب خانہ) میں نہیں ہے۔ لہٰذا بصحت معلوم نہیں ہو سکتا۔ مگر قیاساً و غالباً اس میں خطبہ ہائی جمعہ و عیدین و حج وغیرہ ہوں گے" [3]

اس مجموعہ خطبات کا ایک مخطوطہ برٹش لائبریری میں موجود ہے۔ [4]

---

۱) طٰہٰ: ۲۷۔

۲) فہرست التوالیف: ۱۹۔ مرآۃ الحقائق: ۵۸۔ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی: ۲۲۹۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۲۰۵۔ نزہۃ الخواطر: ۵/ ۵۵۵۔

۳) مرآۃ الحقائق: ۵۸۔

۴) Catalogue of the Persian manuscripts in the British Museum: 3/ 1028.

toobaa-elibrary.blogspot.com

اشعار

شیخ عبدالحق محدث دہلوی شعر و شاعری کے میدان میں بھی انتہائی بلند مرتبہ اور عمدہ صلاحیت کے مالک تھے۔ انہوں نے اپنی تصانیف میں بکثرت اشعار بیان کئے ہیں، جن میں سے اکثر خود شیخ صاحب کے ہیں، ان اشعار میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ صاحب کی شاعری، ادبی چنچگی، سلاست اور روانی کی مثال آپ ہے۔

شعر و شاعری کا ذوق شیخ صاحب کو ورثہ میں ملا تھا، ان کے جد امجد شیخ فروز اپنے وقت کے مشہور شاعر تھے۔ چچا شیخ رزق اللہ[1] بھی ہندی اور فارسی کی عمدہ شاعری کرتے تھے۔ وہ فارسی میں مشتاقی اور ہندی میں راجن تخلص کرتے تھے۔[2] خود شیخ صاحب کے والد بزرگوار شیخ سیف الدین کو بھی شاعری سے غیر معمولی دل چسپی تھی، شیخ صاحب اپنے والد کے متعلق رقم طراز ہیں:

"وہ سیفی تخلص کرتے تھے اور اپنے دور میں اپنے ہندوستانی معاصرین واقران سے سلاست سخن اور زبان درستی میں بہت ممتاز وفائق تھے۔"[3]

شیخ سیف الدین کو شاعری میں جو مہارت حاصل تھی اس کا کچھ اندازہ اس بات سے بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے "سلسلۃ الوصال" نامی ایک مثنوی تیار کی تھی جس میں تقریباً پانچ سو اشعار تھے، اور یہ تمام اشعار ایک ہی دن میں کہے گئے تھے، شیخ محدث اسی واقعہ کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"می فرمودند کہ آں بغلبۂ شوق در یک روز گفتہ شدہ است و باز ہرگز بر اں عبور نیفتادہ۔"[4]

[فرماتے تھے کہ یہ مثنوی غلبۂ شوق کے عالم میں ایک دن میں کہی ہے اور پھر دوبارہ نظر ڈالنے کا اتفاق نہیں ہوا۔]

---

1) آپ کی ایک مشہور ومعروف کتاب "واقعات مشتاقی" ہے۔ جو کہ پروفیسر اقتدار حسین صدیقی اور ڈاکٹر وقار الحسن صدیقی کی تصحیح و تحشیہ کے ساتھ رضا لائبریری رامپور سے ۱۴۲۲ھ مطابق ۲۰۰۲ء میں شائع ہو چکی ہے۔

2) حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی: ۸۲۔

3) تذکرۃ المحدثین: ۳/۲۴۱۔

4) اخبار الاخیار، بحوالہ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی: ۹۰۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

شعر و شاعری کا پاکیزہ ذوق رکھنے والے اور ادبی صلاحیتوں کے مالک ان ہی آباؤ اجداد کے زیر سایہ شیخ محدث نے پرورش پائی تھی جس بنا پر ان میں بھی شعر و شاعری سے لگاؤ وانسیت اور اس فن میں مہارت پیدا ہونا ایک فطری امر تھا، ان کی اسی مہارت کا ذکر کرتے ہوئے صاحب طبقات اکبری لکھتے ہیں:

"زبان شعر دارد۔"[1]

[زبان پر شعر رہتا تھا۔]

شیخ صاحب کے کسی مجموعۂ اشعار یا دیوان کا پتہ اب نہیں چلتا: مگر نواب علی حسن خان کی نظر سے آپ کا ایک دیوان گذرا تھا، جیسا کہ وہ لکھتے ہیں:

"دیوانش مشتمل بر انواع نظم کہ اکثر قصائد نعتیہ است از نظر گذشت۔"[2]

[ان کا ایک دیوان نظر سے گذرا ہے جو نظم کے انواع واقسام پر مشتمل ہے، اور ان میں سے اکثر نعتیہ قصائد ہیں۔]

شیخ صاحبؒ نے خود بھی اپنے ایک بیاض کا تذکرہ کیا ہے اور اس کا نام " حسن الاشعار فی جمع الاشعار" تحریر فرمایا ہے۔

۱ - حسن الاشعار فی جمع الاشعار:[3]

شیخ صاحبؒ نے اس کا ذکر فہرست التوالیف میں کیا ہے، یہ فارسی اشعار کا دیوان ہے جو حمد و نعت، غزل، قصائد اور رباعیات وغیرہ پر مشتمل ہے۔ اس کے بارے میں شیخ صاحب لکھتے ہیں:

"چند غزل و قصائد و قطعہا و رباعیات کہ بجہت شرم و حیا ستر و اخفا آں لازم است تا قریب در بیاضہا افتادہ بود بہ نسبت بے حیائی کہ لازمۂ طریقہ شاعر است جدا نوشتہ شدہ و در دیباچۂ رسالہ عذر کم گوئی کہ شعر متضمن معنی قباحت فہمی است ذکر کردہ شدہ است۔"[4]

---

۱) نظام الدین احمد، خواجہ، طبقات اکبری: ۲ / ۴۹۳، ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ، بنگال۔

۲) علی حسن خان، سید، صبح گلشن: ۱۴۱، مطبع شاہجہانی، بھوپال، ۱۲۹۵ھ۔

۳) فہرست التوالیف: ۲۳۔ مرآۃ الحقائق: ۵۴۔ حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۲۳۱۔ تذکرۃ المحدثین: ۳ / ۱۰۳۔ ۳۴۳۔ نزهة الخواطر: ۵ / ۵۵٦۔

۴) فہرست التوالیف: ۲۴۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

[کچھ غزلیں، قصائد، قطعات اور رباعیات کہ جن کا شرم وحیا کی وجہ سے اخفا لازم ہے، ان کو بے حیائی کی وجہ سے لکھا نہیں گیا تھا، کیوں بے حیائی شاعر کا ایسا لازمی وصف ہے کہ اس سے جدا نہیں ہوتا۔ اور رسالہ کے دیباچہ میں شعر کم کہنے کے عذر کو ذکر کر دیا ہے؛ کیوں کہ شعر گوئی میں قباحت کے معنی شامل ہیں۔]

اس دیوان کا کوئی نسخہ اب نہیں پایا جاتا، اور نہ شیخ صاحب کے کسی دوسرے شعری مجموعہ کا پتہ چلتا ہے؛ البتہ پروفیسر نظامی نے شیخ محدثؒ کی تصانیف سے کچھ اشعار کو جمع کر کے "حیات شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ" میں شائع کیا ہے۔ ان اشعار پر تبصرہ کرتے ہوئے نظامی صاحب لکھتے ہیں:

"بہر حال جن اشعار کے متعلق یقین ہے کہ وہ شیخ محدث ہی کے ہیں، ان کی بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کے کلام میں درد، تاثیر، علو معانی، استادانہ پختگی اور شیرنی سب کچھ ہے۔"[1]

1) حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۲۳۲۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

فلسفہ و منطق

اسلام عرب سے نکل کر جب عجم میں پھیلا اور دیگر زبانوں سے فلسفہ[1] و منطق[2] کی کتابوں کے تراجم نے فلسفی و منطقی فتنے کو مزید وسعت عطا کی، تو اسلامی عقائد و نظریات کو باطل فلسفیانہ نظریات کا سامنا کرنا پڑا، انہی باطل نظریات کا جواب دینے کی غرض سے مسلم علماء نے فلسفہ و منطق کو نصاب تعلیم میں جگہ دی اور اس پر بہت سی کتابیں و شروحات تصنیف فرمائیں۔

شیخ عبد الحق کے عہد میں بھی اسلام کو عقائد کے میدان میں نئی نئی تحدیات کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا جن کے قلع قمع کے لئے ضروری تھا کہ فلسفہ کو اس دور کے اعتبار سے مرتب کیا جائے اور قدیم کتابوں کی جدید طرز پر تشریح و توضیح کی جائے۔ اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے شیخ صاحبؒ نے چند کتابیں اور شروحات تصنیف فرمائیں، جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱- الفناء المرفوع فی ترصیص مباحث الموضوع:[3]

یہ عربی زبان میں لکھی گئی فن منطق کی ایک عمدہ کتاب تھی؛ جس میں شرح شمسیہ و شرح مطالع اور ان کے حواشی سے انتخاب کر کے مباحث نقل کیے گئے تھے، اور پھر ان پر شیخ صاحب نے اپنی عادت کے مطابق جابجا علمی و تحقیقی نکات بیان کیے تھے۔

یہ کتاب شائع نہیں ہو پائی تھی، نہ اب اس کا کوئی قلمی نسخہ کسی کتب خانہ میں پایا جاتا ہے اور نہ یہ شیخ انور الحق کے کتب خانہ میں موجود تھی، جیسا کہ مرآۃ الحقائق میں مذکور ہے:

---

۱) الفلسفة: كلمة يونانية بمعنى العلم والحكمة، مركبة من "فيلا" بمعنى الإيثار والحب، ومن "سوفا" بمعنى العلم والحكمة. [البالن بوري، سعيد أحمد، مبادي الفلسفة: ٥، مكتبة البشرى كراتشي، باكستان ١٤٣٢هـ=٢٠١١م.]

۲) المنطق: آلة قانونية تعصم مراعاتها الذهن عن الخطأ في الفكر [الجرجاني، علي بن محمد، كتاب التعريفات ٣٦٥، مكتبة فقيه الأمة، ديوبند.]

۳) فہرست التوالیف: ۳۳۔ مرآۃ الحقائق: ۵۰۔ حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۲۱۱۔ تذکرۃ المحدثین: ۳ / ۲۹۳۔ نزہۃ الخواطر: ۵/۵۵٦.

toobaa-elibrary.blogspot.com

"یہ کتاب کتب خانہ موصوفہ میں موجود نہیں ہے۔"[1]

۲- الدرۃ البہیۃ فی اختصار الرسالۃ الشمسیۃ:[2]

"الرسالۃ الشمسیۃ" علم منطق میں نجم الدین، علی بن عمر بن علی الکاتبی القزوینی (۱۲۰۳ء تا ۱۲۷۷ء) کی کتاب ہے۔ یہ عربی زبان میں ہے اور اس کا مکمل نام "الرسالۃ الشمسیۃ فی القواعد المنطقیۃ" ہے۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے عربی میں ہی اس کا ایک مختصر تیار کیا تھا جو انتہائی جامع تھا۔ یہ رسالہ بھی شائع نہیں ہو سکا۔ ۱۹۰۲ء تک اس کا ایک قلمی نسخہ مولوی انوار الحق کے کتب خانہ میں موجود تھا۔[3] اور اب برٹش لائبریری، لندن میں اس کے ایک مخطوطہ کا پتہ چلتا ہے۔[4]

۳- شرح شمسیہ:[5]

شیخ صاحب نے مذکورہ بالا رسالہ شمسیہ کی ایک شرح بھی لکھی تھی؛ جو تصور و تصدیق کے مباحث پر مشتمل تھی۔ اس کا قلمی نسخہ مولوی انوار الحق کے کتب خانہ میں موجود تھا، جو عربی زبان میں تھا۔[6]

---

۱) مرآۃ الحقائق: ۵۰۔

۲) فہرست التوالیف: ۲۳۔ مرآۃ الحقائق: ۵۷۔ حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۲۱۱۔ تذکرۃ المحدثین: ۳ / ۲۹۷۔ نزھۃ الخواطر: ۵/۵۵۶.

۳) مرآۃ الحقائق: ۵۳۔

۴) حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۲۱۱۔

۵) فہرست التوالیف: ۲۳۔ مرآۃ الحقائق: ۵۷۔ حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۲۱۱۔ تذکرۃ المحدثین: ۳ / ۳۰۳۔ نزھۃ الخواطر: ۵/۵۵۶.

۶) مرآۃ الحقائق: ۵۷۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

بابِ سوم

شیخ عبدالحقؒ اور خدماتِ علمِ حدیث

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب سوم

شیخ عبد الحق اور خدمات علم حدیث

فصل اول: شیخ عبد الحق اور اشاعت علم حدیث

شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے جو دور پایا تھا وہ فلسفہ اور منطق کا دور تھا، اس دور میں کسی کے علمی کمالات کا اندازہ اس بات سے لگایا جاتا تھا کہ وہ شخص علوم عقلیہ میں کتنی مہارت رکھتا ہے، وہاں فضیلت و تکریم کی معراج فلسفیانہ موشگافیوں کو سمجھا جاتا تھا۔ علماء سو اس بات کو اپنے لئے قابل فخر سمجھتے تھے کہ وہ اپنی فاسد تاویلات کے ذریعہ کس حد تک حیلہ سازیاں کر کے دین اسلام کی حقیقی تعلیمات کو مسخ اور محرف کر سکتے ہیں۔

اس دور میں عقلیت پسندی کی نہ کوئی انتہا تھی اور نہ حد؛ جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ ان میں باطل خیالات اور افکارِ فاسدہ نے گھر کر لیا تھا، عقائد اسلام میں کفر و شرک کی آمیزش ہو چکی تھی، شریعتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت بازیچۂ اطفال کے مانند تھی کہ ہر شخص اپنی مرضی کے مطابق اس کو جیسے چاہتا استعمال کرتا۔

اس تاریک ماحول میں شیخ صاحب نے قرآن و سنت کی شمع روشن کی اور نصف صدی سے زائد عرصہ تک اس کی ضوفشانی سے ماحول کو پر نور بناتے رہے۔ حدیث سے ان کے اشتغال، لگاؤ اور علم حدیث میں ان کی خدمات کے پیش نظر دارا شکوہ نے ان کو "امام محدثان وقت"[1] لکھا ہے تو اس دور کے مشہور مؤرخ خافی خان ان کے بارے میں یہ رائے ظاہر کرتے ہیں:

"در کمالات صوری و معنوی و تحصیل علوم عقلی و نقلی خصوص تفسیر و حدیث در تمام ہندوستان ثانی نداشت۔"[2]

[صوری اور معنوی کمالات اور علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل میں، بطور خاص تفسیر و حدیث میں پورے ہندوستان میں وہ اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔]

---

1) دارا شکوہ، سکینۃ الاولیاء، بحوالہ حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۳۰۱۔

2) خافی خان، محمد ہاشم خان، منتخب اللباب: ۵۵۱، تصحیح: مولوی کبیر الدین احمد و مولوی غلام قادر، ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ ۱۸۶۹ء۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

شیخ صاحب سے قبل ہندوستان میں بڑے بڑے علماء و فضلاء کی رسائی بھی صرف امام صغانیؒ کی "مشارق الانوار" تک محدود تھی، اگر کوئی اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر امام بغویؒ کی "مصابیح" پڑھ لیتا تو اہل علم حضرات اس کا شمار محدثین میں کرنے لگتے تھے۔ ان ہی حالات پر مختصر مگر انتہائی جامع تبصرہ کرتے ہوئے سید سلیمان ندویؒ رقم طراز ہیں:

"الغرض شیخ عبد الحق محدث سے پہلے مشارق الانوار للصغانی اللاہوری المتوفی ۶۵۰ھ کے نسخے اور کہیں کہیں مصابیح (اصل مشکوٰۃ) للبغوی المتوفی ۵۱۶ھ کے نسخے دستیاب ہوتے تھے اور یہی دو کتابیں علماء کے درس میں تھیں۔" (۱)

ان حالات میں شیخ صاحب نے حجاز مقدس کا سفر کیا، جب آپ وہاں کے علماء کرام اور محدثین عظام سے استفادہ کرکے ہندوستان واپس آئے تو یہ ملک علمی اور روحانی ہر اعتبار سے دیوالیہ ہو چکا تھا۔ عوام و خواص ضلالت و گمراہی کے دلدل میں پھنسے ہوئے تھے، شیخ صاحب نے اصلاح احوال کے لئے احادیث نبوی ﷺ کا سہارا لیا اور دہلی میں مسند درس و تدریس بچھا دی۔ جس وقت آپ نے آغاز درس فرمایا اس وقت شمالی ہندوستان میں علم حدیث کی حالت کی جانب اشارہ کرتے ہوئے پروفیسر نظامی لکھتے ہیں:

"بہر حال حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے جس وقت مسند درس بچھائی تھی اس وقت شمالی ہندوستان میں حدیث کا علم تقریباً ختم ہو چکا تھا۔ انہوں نے اس تنگ و تاریک ماحول میں علوم دینی کی ایسی شمع روشن کی کہ دور دور سے لوگ پروانوں کی طرح کھنچ کر ان کے گرد جمع ہونے لگے۔ درس حدیث کا ایک نیا سلسلہ شمالی ہندوستان میں جاری ہو گیا۔ علوم دینی خصوصاً حدیث کا مرکز گجرات سے منتقل ہو کر دہلی آ گیا۔" (۲)

شیخ صاحب کے زمانے میں جو دینی علوم کے مراکز تھے ان میں قرآن و حدیث کی تعلیم سے زیادہ منطق و فلسفہ پر زور دیا جاتا تھا، آپ نے کتب حدیث کو اپنے مدرسے کا لازمی جز قرار دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے اس دور میں رائج زبان (فارسی) میں کتابوں کے ترجمے کئے: تاکہ خواص کے ساتھ ساتھ عوام بھی ان سے فائدہ حاصل کر سکے۔ آپ کے اسی کارنامہ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے مولانا آزاد لکھتے ہیں:

---

۱) مقالات سلیمان: ۲/ ۷۵۔

۲) حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۶۶-۶۷۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

"حضرت شاہ عبد الحق محدث جس دور علم و تعلم کے بانی ہوئے اس کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ علم حدیث کے متعلق فارسی زبان میں جو ملک کی عام زبان تھی تصنیف و تالیف کی بنیاد ڈالی۔"(۱)

شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ سے قبل ہندوستان میں جتنے بھی ائمہ علم و فن اور محدثین گذرے تھے انہوں نے ہندوستان کی سکونت کو ترک کر کے عرب یا کسی دوسرے اسلامی ملک میں بودوباش اختیار کرلی تھی: لیکن شیخ محدث دہلویؒ نے حرمین شریفین کے علماء سے استفادہ کیا اور واپس آکر مادرِ وطن ہندوستان کو ہی اپنی درس و تدریس اور تصنیفی و تالیفی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔

انہوں نے دہلی کے ہی ایک مدرسے میں بیٹھ کر علوم حدیث کی وہ خدمت انجام دی جس کو آج تک تاریخ کے اوراق میں سنہرے الفاظ سے لکھا جاتا ہے۔ حدیث اور اس کے متعلقات میں شیخ صاحبؒ کی خدمات کو اجمالی طور پر بیان کرتے ہوئے ضیاء الدین اصلاحی لکھتے ہیں:

"اس کے رجال و اسناد اور اصول و متون کی تدوین و تحقیق، اس کے حقائق و معارف کی جستجو و دریافت، اس کے اسرار و غوامض کی عقدہ کشائی اور اس کی کتابوں کی شروح و حواشی لکھ کر اس کے خزانے کو سب کے لئے عام کردیا۔"(۲)

شیخ صاحب کی محنت و کاوش، جد و جہد، علم کے تئیں ان کی لگن اور اخلاص و للّٰہیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ: انہوں نے علم حدیث کے درس و تدریس کا جو سلسلہ شروع کیا تھا اور جو نصاب اپنے مدرسے کے لئے مقرر کیا تھا، شاہ ولی اللہؒ تک لوگ صدیوں اسی نصاب کے مطابق علم حدیث کے حصول میں مشغول رہے۔ خود شیخ صاحب کے بیٹوں اور پوتوں نے اپنے والد ماجد کی طرح درس و تدریس نیز مختلف کتابوں کی تصنیف و تالیف کے ذریعہ اس مبارک علم کی نشر و اشاعت کی خاطر غیر معمولی خدمات انجام دیں۔

شیخ صاحبؒ کو کتب حدیث میں "مشکوٰۃ المصابیح" سے ایک خاص انسیت اور لگاؤ تھا، جس کی وجہ مشکوٰۃ کی وہ تمام خصوصیات ہیں جن کی بنا پر حلقۂ محدثین میں اس کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ ان تمام اسباب و خصوصیات کے پیش نظر شیخ موصوفؒ نے مشکوٰۃ کی "لمعات التنقیح" اور "اشعۃ اللمعات" کے نام سے عربی و فارسی میں دو انتہائی مفصل اور جامع شروحات تحریر فرمائیں، جو آج تک مشکوٰۃ میں مذکور احادیث کی تشریح و توضیح کے لئے متعارف ہیں اور علماء کرام کی ایک بڑی جماعت اپنی علمی پریشانیوں کا حل تلاش کرنے کے لئے ان دونوں شروحات کی جانب رجوع کرتی ہے۔

---

۱) تذکرہ: ۳۰۲-۳۰۳۔

۲) تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۲۳۱۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

شیخ محدث اہل علم کی نظر میں:

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے مقام و مرتبہ، علمی پختگی، علوم حدیث میں غیر معمولی مہارت، میدان حدیث کے نشیب و فراز پر مکمل عبور اور حدیث نبوی ﷺ کی بے مثال خدمات کا اعتراف آپ کے بعد آنے والے صاحب علم نے کیا ہے۔ مثلاً "شیخ عبدالحي کتانی"، "خیر الدین زرکلی" اور "عمر رضا کحالہ" جیسے موجودہ دور کے عرب محققین آپ کو "محدث الهند"، "فقيه حنفي"، العلامة المسند" اور "صوفي" جیسے بلند پایہ القاب و آداب کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔[1] آزاد بلگرامی آپ کی جلالت شان کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"نشر العلوم لا سيما الحديث الشريف بحيث لم يتيسر مثله لأحد من العلماء السابقين واللاحقين في دیار الهند" (۲)

[انہوں نے علوم کی اور بطورِ خاص حدیث شریف کی نشر و اشاعت اس طرح کی کہ علماءِ ہند میں سے کسی کے لئے آپ سے پہلے اور بعد میں آسان نہیں کہ اس کی مثال پیش کر سکے۔]

مولانا صدیق حسن خان اپنے تمام تر اختلافی نظریات کے باوجود علم حدیث میں آپ کی اولیت کا اعتراف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"هو أول من جاء بالحديث في هذا الإقليم" (۳)

[وہی ہیں جو اس خطہ میں پہلی بار حدیث لائے۔]

دورِ جدید کے مؤرخ، محقق اور ہندوستانی علماء کے حالات سے عالم عرب کو متعارف کرانے والے "مولانا عبدالحي الحسني" آپ کے بارے میں کچھ یوں لکھتے ہیں:

"ثم جاء الله سبحانه بالشيخ عبد الحق بن سيف الدين البخاري الدهلوي المتوفي سنة ۱۰۵۲ هـ، وهو أول من أضافه على مكان الهند، وتصدى لتدريس والإفادة بدار الملك دهلي وقصر همته على ذالك، وصنف وخرج ونشر هذا العلم على ساق الجد،

---

۱) الکتاني، عبد الحي بن عبد الكبير، فهرس الفهارس والأثبات ومعجم المعاجم والمشيخات والمسلسلات: ۷۲۵/۲، تحقيق: احسان عباس، دار الغرب الإسلامي، بيروت، الطبعة الثانية ۱۴۰۲ھ=۱۹۸۲م الأعلام: ۵۲/۴، معجم المؤلفين: ۹۱/۵.

۲) سبحة المرجان: ۱۱۶.

۳) القنوجي، صديق حسن خان، الحطة في ذكر الصحاح الستة: ۲۵۶، تحقيق علي حسن الحلبي، دار الجيل، بيروت ۱۴۰۵ھ=۱۹۸۵م.

toobaa-elibrary.blogspot.com

نفع الله به وبعلومه كثيرا من عباده المؤمنين، حتى قيل: أنه من جاء بالحديث بالهند، وذالك غلط كما علمت." (۱)

[محمد اللہ تعالیٰ نے شیخ عبد الحق بن سیف الدین بخاری دہلوی (التوفی ۱۰۵۲ھ) کو بھیجا، اور وہ پہلے شخص ہیں جس نے اہل ہند کو اس سے متعارف کرایا، دار الحکومت دہلی میں درس وافادہ پر توجہ دی، اور اپنی تمام تر دلچسپی اسی میں محدود کر دی، انہوں نے کتابیں تصنیف کیں، تحقیق و تخریج کی اور انتہائی محنت کے ساتھ اس علم کی نشر و اشاعت کی، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اور ان کے علوم کے ذریعہ اپنے بہت سے مومن بندوں کو فائدہ پہونچایا، یہاں تک کہ یہ کہا جاتا ہے کہ: ہندوستان میں وہی حدیث لائے۔ حالاں کہ یہ غلط ہے، جیسا کہ تم جانتے ہو۔]

عربی مصنفین کے علاوہ فارسی تذکرہ نگاروں نے بھی حدیث میں آپؒ کی مہارت اور شہرت و مقبولیت کو قلم بند کیا ہے۔ مثلاً علماء ہند کے اولین فارسی تذکرہ نگاروں میں سے ایک "رحمان علی" اپنی مشہور و معروف کتاب "تذکرہ علماء ہند" میں آپ کے متعلق لکھتے ہیں:

"وبالجملہ فقیہ و محدث بقیۃ السلف وحجۃ الخلف جامع علوم ظاہر و باطن بود، علم حدیث بہ محروسہ ہندوستان ازو شیوع یافتہ، ویرا قبولیت خداداد حاصل بود کہ فروے از افراد دانش پژوہاں داد پسند با انکارش لب نکشادہ۔" (۲)

[الغرض وہ فقیہ، محدث، بزرگوں کی نشانی، آنے والوں کے لئے نمونہ اور جامع علوم ظاہر و باطن تھے۔ ہندوستان میں علم حدیث ان کے ذریعہ سے پھیلا، ان کو خداداد مقبولیت حاصل تھی کہ کسی عقلمند و فاضل نے ان کی مقبولیت کا انکار نہیں کیا۔]

شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کے حالات زندگی سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے "اخبار الاخیار" کے بعد جن کتابوں کو مصادر اصلیہ کی حیثیت سے سرفہرست رکھا جاتا ہے ان میں سے ایک "منشی برکت علیؒ" کی "مرآۃ الحقائق" ہے، اس میں آپ کی اولیت کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

"بعد تشریف لانے وہاں (حرمین شریفین) کے آپ ہمہ تن مصروف و متوجہ باشاعت علوم و خصوص علم حدیث شریف کے زیادہ تر ہوئے اور ایسی کتابیں صحیح اور معتبر اس فن میں تصنیف فرمائیں کہ پہلے اس سے کبھی علماء متقدمین و متاخرین سے نہ ہو سکی تھیں۔" (۱)

---

۱) الثقافة الإسلامية في الهند: ۱۳۷،

۲) تذکرہ علماء ہند: ۱۰۹۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

مذکورہ مصنفین کے علاوہ دیگر حضرات نے بھی اپنی کتابوں میں آپ کو علم حدیث کے شناساؤں کی صفِ اول میں شمار کیا ہے، اور ہندوستانی علماء کے بارے میں یا برصغیر میں علم حدیث کے احیاء اور اسکی نشر و اشاعت کے متعلق تذکرہ کرنے والوں میں شاید کوئی ایسا صاحبِ علم ہو جس نے شیخ صاحبؒ کی حدیثی خدمات کو ہلکی حروف سے قلم بند نہ کیا ہو؛ جیسا کہ غوثی شطاری،[2] غلام سرور،[3] شیخ محمد اکرم،[4] ڈاکٹر محمد اسحاق،[5] ضیاء الدین اصلاحی،[6] عبدالرشید عراقی،[7] اور اعجاز احمد قادری[8]، نیز اردو دائرۂ معارف اسلامیہ[9] کے مقالہ نگار نے بھی آپ کو علم حدیث کے اساتذہ میں شمار کیا ہے اور آپ کے ذریعہ تصنیف کی گئی کتابوں کی پذیرائی غیر معمولی الفاظ کے ذریعہ کی ہے۔

اسانیدِ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ:

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اپنے دور کے جلیل القدر علماء کرام سے اخذ و استفادہ کیا تھا، بطور خاص حجاز میں قیام کے دوران وہاں کے محدثین عظام کے علمی حلقوں میں شرکت کی اور میدان حدیث میں مہارت تامہ حاصل کی۔

علوم حدیث میں سند کو بڑا دخل ہے، کسی محدث کے درجہ کی تعیین میں جو اوصاف اہمیت رکھتے ہیں ان میں سند کو سرفہرست شمار کیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے امام مسلمؒ نے اپنی "الجامع الصحیح" کے مقدمہ میں اسنادِ حدیث کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن مبارک کا یہ قول نقل کیا ہے:

"الإسناد من الدين، ولولا الإسناد لقال من شاء ما شاء." [10]

---

۱) مرآۃ الحقائق: ۲۷۔
۲) گلزار ابرار (اردو): ۵۹۸ – ۵۹۹۔
۳) حدیقۃ الاولیاء: ۱۹۴۔
۴) محمد اکرم، رود کوثر: ۴۸۳، ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ لاہور، پاکستان، جون ۲۰۰۵ء۔
۵) علم حدیث میں برعظیم پاک وہند کا حصہ: ۱۸۳ - ۱۸۴۔
۶) تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۲۳۰۔
۷) عبدالرشید عراقی، برصغیر پاک وہند میں علم حدیث: ۳۹، محدث روپڑی اکیڈمی لاہور، پاکستان ۲۰۰۶ء۔
۸) قادری، اعجاز احمد، شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور معاصرہ معمولات اہلسنت: ۴۰ – ۴۱، مکتبہ غوثیہ کراچی، پاکستان ۱۴۳۴ھ = ۲۰۱۳ء۔
۹) اردو دائرۂ معارف اسلامیہ: ۱۲/ ۸۴۰۔
۱۰) أخرجه مسلم في "صحيحه" للمقدمة، باب بيان إسناد من الدين (۱/ ۱۲)

toobaa-elibrary.blogspot.com

[اسناد، دین کا ایک خاص حصہ ہے، کیوں کہ اگر سند نہ ہو تو ہر شخص جو چاہے کہے۔]

شیخ صاحبؒ نے اپنی تمام اسانید کو ایک رسالہ میں جمع کر دیا تھا۔ لیکن ان تمام کو ہر جگہ ذکر نہیں کیا؛ بلکہ ان کو جتنی سندیں حاصل تھیں ان تمام میں سے بطور اختصار ایک سند کے بیان پر اکتفاء کیا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ذکر کی ہے:

"أوصاني سيدي عبد الوهاب المتقي، بأنه ينبغي للمحدث أن يختار لنفسه من الأسانيد التي حصلت له من مشائخه سندا واحدا، يحفظه ليتصل به إلى سيد المرسلين وتعود بركته على حامله في الدنيا والآخرة، فاختصرت لوصية شيخي سندا من طريق البخاري وآخر لمسلم، واكتفيت بهما ففيهما البركة." (۱)

[مجھے میرے آقا (استاذ) عبد الوہاب المتقی نے یہ وصیت کی تھی کہ، محدث کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ اپنے لئے ان تمام سندوں میں سے جو اس کو حاصل ہیں ایک سند اختیار کر کے اس کو یاد کر لے تاکہ اس کے ذریعہ سید المرسلین محمد مصطفیٰ ﷺ تک پہونچا جا سکے اور اس سند کے حامل پر دنیا و آخرت میں برکتیں نازل ہو سکیں۔ تو میں نے اپنے شیخ کی وصیت کے مطابق بخاریؒ اور مسلمؒ کے طریقے پر ایک ہی سند کو اختیار کیا اور ان دونوں (بخاری و مسلم) پر اس لئے اکتفاء کیا؛ کیوں کہ ان میں بے شمار برکتیں ہیں۔]

شیخ عبد الحقؒ نے اس کے بعد اپنی سند کو بیان کیا ہے اور "مشکاۃ المصابیح" کی سند کو انہوں نے اپنی شرح "لمعات التنقیح" کے شروع میں بیان کیا ہے۔ یہ دونوں سندیں حسب ذیل ہیں:

۱) سند صحیحین:

"قال العبد الضعيف: حدثنا شيخنا الولي المقتدي عبد الوهاب الحنفي، قال: حدثنا شيخنا علي بن حسام الدين المتقي، قال: حدثنا أبو الحسن البكري، قال: حدثنا الزين زكرياء الأنصاري عن ابن حجر. ح: وحدثنا الشيخ عبد الوهاب المتقي، قال: حدثنا المسند علي بن أحمد الجناني الأزهري الشافعي، حدثنا شيخ الإسلام الجلال السيوطي، حدثنا الشهاب ابن حجر." (۲)

---

۱) فهرس الفهارس للكتاني: ۲/۷۲۷.

۲) فهرس الفهارس للكتاني: ۲/۷۲۷-۷۲۸.

toobaa-elibrary.blogspot.com

۲) سند مشكاة المصابيح:

"قال شيخي بعد إتمام قراءتي إياه عليه: أجزناكم رواية هذا الكتاب كما أجازنا المشايخ من غير ذكر الإسناد، وما حصل لي روايته بخصوصيته بالإسناد، إلا من قبل الشيخ العالم العامل الفاضل الكامل، تذكرة السلف، بقية المحدثين، مولانا الشيخ حميد الدين السندي مولدا، والمدني موطنا، والمكي مدفنا، وهو من الشيخ الإمام الهمام خطيب المسجد النبوي ﷺ نور الدين علي بن عراق رحمه الله رحمة واسعة، قال: أخبرنا به شيخنا أقضى القضاة شرف الدين عبد الكريم الرافعي إذنا خفاها، عن الإمام أبي الفتح المراغي المدني إذنا وإن لم يكن سماعا لبعضه، قال: أخبرني به والدي قاضي طيبة أبو بكر الحسين المراغي، أخبرنا به العلامة إمام الدين علي بن مبارك شاه الصديقي، قال: أخبرنا به مؤلفه الخطيب أبو عبد الله محمد بن عبد الله العمري التبريزي قراءة لجميعه، وإجازة لما تجدد الحاقه بعد القراءة." (١)

---

١) لمعات التنقيح: ١/٩٦-٩٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

فصل دوم: شیخ عبدالحق اور آپ کی تالیفات حدیث

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے تفسیر، فقہ، تصوف، منطق و فلسفہ، تاریخ اور سیرت وغیرہ تمام مروجہ دینی علوم و فنون میں کتب کا ایک غیر معمولی ذخیرہ چھوڑا، جس کے مطالعہ سے آپ کے علمی مقام و مرتبہ کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے! لیکن شیخ صاحبؒ کی جدوجہد کی اصل جولان گاہ میدان حدیث تھا۔ آپؒ نے جو شہرت و مقبولیت حاصل کی اس کی اصل وجہ علم حدیث سے آپ کی وابستگی ہے۔

شیخ صاحبؒ نے پچاس سال سے زائد عرصہ تک دہلی میں ہی مقیم رہ کر حدیث کی درسی و تدریسی خدمات کے ساتھ تصنیفی و تالیفی خدمات بھی انجام دیں، اور اس دور میں رائج کفر و الحاد اور بدعات و خرافات کے سدِباب کے لئے مسلسل کوشاں رہے۔

گذشتہ اوراق سے معلوم ہو گیا کہ علم حدیث میں اس وقت آپ کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ لوگ دور دراز کا سفر کر کے صرف اس لئے آتے تھے کہ آپ سے حدیث سن اور سمجھ سکیں، درس و تدریس کے علاوہ آپ نے اپنے بعد کتب حدیث کا وہ قیمتی ذخیرہ چھوڑا جس کی بنا پر آج تک آپؒ محدث کبیر، محدث ہند اور مسند ہند کے نام سے علمی حلقوں میں مشہور و معروف ہیں۔ آئندہ صفحات میں آپؒ کے انہی علمی آثار اور کتب سے بحث کی جائے گی جن کا تعلق علم حدیث سے ہے۔

۱- اشعۃ اللمعات:

اشعۃ اللمعات فارسی زبان میں مشکوٰۃ کی انتہائی جامع اور مفصل شرح ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے "مشکوٰۃ المصابیح" کی فارسی اور عربی زبان میں دو شرحیں لکھی تھیں۔ "مشکوٰۃ المصابیح" کی اصل اور بنیاد امام بغوی ؒ (متوفی ۵۱۶ھ) کی "مصابیح السنۃ" ہے۔ امام بغوی کی اس کتاب کا شمار حدیث کی اہم کتابوں میں ہوتا ہے۔ اس میں مصنفؒ نے صرف متن حدیث کو ابواب فقہیہ کے اعتبار سے ذکر کیا ہے۔ اور صحیح و حسن کے اعتبار سے احادیث کی تقسیم کی ہے۔ صحاح سے مراد وہ احادیث ہیں جن کو شیخین نے اپنی اپنی صحیحین میں ذکر کیا ہے، اور حسان سے مراد وہ احادیث ہیں جن کو ائمہ اربعہ (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور نسائی) نے اپنی اپنی سنن میں ذکر کیا ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

مصابیح السنۃ کی جامعیت اور عمدہ انداز ترتیب کی وجہ سے یہ کتاب لوگوں کے درمیان انتہائی مقبول و مشہور ہوئی، اور ہر زمانہ کے علماء کرام نے درس و تدریس، تشریح و تعلیق اور ترتیب و تلخیص کے ذریعہ اس کی خدمات انجام دیں اور اس کی شہرت کو چار چاند لگ گئے۔

جن علماء نے مصابیح السنۃ کی ترتیب و تعلیق کا کام کیا ان میں سب سے زیادہ مشہور ابو عبد اللہ محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی (متوفی ۷۴۱ھ) ہیں آپ نے اس کو جدید ترتیب پر مرتب و مہذب کیا، انتہائی عمدہ ابواب و فصول قائم کئے اور ۱۵۶۶ / احادیث کا اضافہ بھی کیا، ان تمام امور کے بعد جو کتاب مرتب ہوئی اس کا نام "مشکوٰۃ المصابیح" رکھا، جس کی احادیث کی مجموعی تعداد: ۶۲۸۵ / ہے۔

امام بغوی کی مصابیح السنۃ کی طرح امام تبریزی کی مشکوٰۃ المصابیح کو بھی غیر معمولی شہرت و قبولیت حاصل ہوئی: جس کے نتیجہ میں اس کی بے شمار شروحات و حواشی منظر عام پر آگئیں، ان ہی شروحات میں شیخ عبد الحق کی اشعۃ اللمعات (بزبان فارسی) اور لمعات التنقیح (بزبان عربی) بھی شامل ہیں۔

شیخ صاحب نے یہ شرح ۱۰۱۹ھ مطابق ۱۶۱۰ء کو دہلی میں لکھنی شروع کی تھی اور چھ سال کی محنت شاقہ کے بعد ۱۰۲۵ھ مطابق ۱۶۱۶ء میں اس کی تکمیل ہوئی۔ اس کا سبب تالیف آپ نے مقدمہ میں اس طرح ذکر کیا ہے:

"بعد از رجوع حرمین شریفین زادہما اللہ تشریفاً و تعظیماً و حصول اجازت روایت حدیث از مشائخ آں دیار شریف چوں توفیق و تائید الٰہی تعالیٰ دستگیر کرد و در خدمت ایں علم شریف در مقام استقامت نبشاند خواست کہ کتاب مشکوٰۃ المصابیح را کہ دریں روزگار بسمت تداول و اشتہار موسوم است شرح کند و از فوائد آں چہ کہ در کتب قوم دیدہ و از مشائخ وقت شنیدہ یا بخاطر فاتر وی رسیدہ بطالبان برساند۔" (۱)

[حرمین شریفین (زادہما اللہ تشریفاً و تعظیماً) سے لوٹنے اور اس دیار شریف کے مشائخ سے روایت حدیث کی اجازت کے حصول کے بعد جب اللہ تعالیٰ کی توفیق و تائید دستگیر ہوئی اور اس علم شریف کی خدمت میں اس مقام کو پہونچا تو کچھ حضرات نے درخواست کی مشکوٰۃ المصابیح جو اس وقت متداول و مشہور تھی، اس کی شرح کروں اور وہ فوائد جو علماء کی کتب میں دیکھے تھے اور مشائخ وقت سے سنے تھے یا فطری طور پر مجھ تک پہونچے تھے، ان کو طلبہ تک پہونچادوں۔]

---

۱) شیخ محدث دہلوی، عبد الحق بن سیف الدین، اشعۃ اللمعات: ۱/ ۳، مطبع محمدی بمبئی ۱۲۷۷ھ۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس شرح کی تاریخ تکمیل کو نقل کرنے میں "پروفیسر نظامی" سے سہو ہو گیا ہے، اور انہوں نے "مشکاۃ المصابیح" کے مکمل ہونے کی تاریخ کو "اشعۃ اللمعات" کی تاریخ گمان کر لیا ہے۔ جیسا کہ وہ لکھتے ہیں:

"(قال المؤلف) الکتاب: شکرا للہ سعیہ، وأتم علیہ نعمہ، وقع انفراغ من جمیع الأحادیث النبویۃ ﷺ آخر یوم الجمعۃ من رمضان عند رؤیۃ ھلال شوال سنۃ سبع وثلاثین وسبع مأۃ بحمد اللہ" (1)

[کتاب (کا مؤلف کہتا ہے:)، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اس کوشش پر اور اس کی نعمتوں کی تکمیل پر۔ الحمد للہ تمام احادیث نبویہ ﷺ سے بروز جمعہ، ماہ رمضان میں شوال کا چاند دیکھنے کے وقت، سن ۷۳۷ھ میں فراغت حاصل ہوئی۔]

مذکورہ عبارت میں "قال المؤلف" سے مراد "صاحب مشکاۃ امام تبریزیؒ" ہیں اور جس تاریخ کا ذکر کیا گیا ہے وہ دراصل "مشکاۃ المصابیح" کے اختتام کی تاریخ ہے۔ جیسا کہ خود "مشکاۃ" کے آخر میں مذکور ہے۔ اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ یہ عربی عبارت ہے: جب کہ شرح فارسی زبان میں ہے۔ اس شرح کی تاریخ تکمیل ۱۰۲۵ھ ہے، جیسا کہ شارح علیہ الرحمہ خود لکھتے ہیں:

"آغاز تسوید ایں شرح کہ مسمی است باشعۃ اللمعات فی شرح المشکاۃ در اوسط ایام تشریق بسنہ تسع عشر والف بود، واتمام در شہر ربیع الآخر سنہ الف وخمسین وعشرین۔" (2)

[اس شرح کو لکھنے کی شروعات کہ جس کا نام 'اشعۃ اللمعات فی شرح المشکاۃ' ہے، ایام تشریق کے درمیان میں ۱۰۱۹ھ میں ہوئی تھی۔ اور اس کی تکمیل ماہ ربیع الآخر ۱۰۲۵ھ میں ہوئی۔]

یہ شرح چار ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے، جن کی مختصری فہرست حسب ذیل ہے:

1) جلد اول میں ایک مقدمہ ہے جس میں علم حدیث اور تراجم ائمہ حدیث سے اجمالی طور پر بحث کی گئی ہے، مقدمہ کے علاوہ اس جلد میں "کتاب الایمان، کتاب العلم، کتاب الطہارت، کتاب الصلوٰۃ اور کتاب الجنائز" تک کے مباحث شامل ہیں۔

2) دوسری جلد میں "کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم، کتاب فضائل قرآن، کتاب الدعوات، کتاب اسماء اللہ تعالیٰ اور کتاب المناسک" کو بیان کیا ہے۔

---

1) حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۱۸۷۔

2) اشعۃ اللمعات: ۴/ ۵۱۵۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۳) تیسری جلد "کتاب البیوع، کتاب العتق، کتاب الحدود، کتاب الامارۃ و القضاء، کتاب الجہاد، کتاب الصید والذبائح، کتاب الاطعمہ، کتاب اللباس اور کتاب الطب والرقی" پر مشتمل ہے۔

۴) چوتھی اور آخری جلد میں "کتاب الآداب اور کتاب الفتن" کی توضیح و تشریح کی گئی ہے۔

ذکر کردہ ترتیب کے ساتھ یہ چار جلدیں تقریباً ۲۶۵۵ صفحات پر مشتمل ہیں۔ اس شرح کے قلمی نسخے مندرجہ ذیل کتب خانوں میں موجود ہیں:

۱) مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ: (أ) ذخیرہ جواہر میوزیم۔ (ب) ذخیرہ احسن۔ (ج) ذخیرہ شیفتہ۔ (د) ذخیرہ سبحان اللہ۔ (ھ) ذخیرہ یونیورسٹی۔ (و) ذخیرہ حبیب گنج۔ (ز) ذخیرہ آفتاب۔ (ح) ذخیرہ سلیمان۔ (ط) ذخیرہ قطب الدین۔

۲) رضا لائبریری، رامپور: شمارہ کتاب: ۱۷۳-۱۷۵، ردیف کتبخانہ: ۲۲۹م۔ (۱)

۳) آصفیہ لائبریری، حیدرآباد: ۱۱۸۲۔

۴) انڈیا آفس: (أ) ۲۶۵۴۔ (ب) ۲۶۵۵۔ (۲)

۵) ٹونک لائبریری، راجستھان: T 246۔ (۳)

۶) ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ: نمبر شمار: ۹۹۷۔ (۴)

۷) خدابخش لائبریری، پٹنہ: (أ) ۱۱۹۳۔ (ب) ۱۱۹۴۔

۸) برٹش میوزیم: ۱۱۰۷۔ (۵)

مذکورہ تمام قلمی نسخوں میں مولانا آزاد لائبریری، ذخیرہ حبیب گنج کا نسخہ سب سے زیادہ قدیم اور قابل قدر ہے، اس کے خاتمہ پر مصنف کے دست مبارک کی لکھی ہوئی عبارت موجود ہے۔ جو کہ درج ذیل ہے:

---

۱) فہرست نسخہ ہای خطی فارسی: ۱/ ۴۷-۵۰۔

۲) Catalogue of Persian manuscripts in the Library of the India Office: 1/1439-1440.

۳) قمر العلم: ۴۷۔

۴) Concise descriptive catalogue of the Persian manuscripts in the collections of the Asiatic Society of Bengal: 1/483.

۵) Catalogue of the Persian manuscripts in the British Museum: 1/14.

toobaa-elibrary.blogspot.com

"تمام شد تسوید ایں کتاب عشیہ یوم الاربعاء بست و چہارم ربیع الآخر، سنہ ہزار و بست و پنج از ہجرت سید المرسلین و خاتم النبیین ﷺ و علی آلہ و اصحابہ و اتباعہ اجمعین، و بود ابتداء تالیف سیزدہم ذی الحجہ سنہ یک ہزار و نوزدہ و بہ تحقیق در آمد در مشاغل دیگر از تالیفات دیگر کہ مجموعہ سہ سال و کسرے باشد تمام شد در خانقاہ قادریہ در دہلی کہ بندہ خدمت میکند او را و جاروب (می کشد) می افروزد چراغ آں را و بود ابتدا و ختم در یک مکان گویا در مجلس واحد تمام شد، مقصود بیان توفیق الٰہی است سبحانہ و تعالی و مراد استقامت مراد تخصیص وے تعالی بندہ مسکین را بسلامت و عافیت و الحمد للہ اولاً و آخراً و ظاہراً و باطناً، حررت ہذہ الاسطر علی ید مؤلفہ الفقیر الحقیر عبد الحق بن سیف الدین القادری الدہلوی البخاری ضحوۃ یوم الجمعۃ ۱۰۲۹ھ الف و تسع و اربعین و آخر دعوی ان الحمد للہ رب العالمین۔"(۱)

[اس کتاب کا مسودہ بوقت عشاء، بروز بدھ، ۲۴ / ربیع الآخر ۱۰۲۵ھ از ہجرت سید المرسلین و خاتم النبیین ﷺ و علی آلہ و اصحابہ و اتباعہ اجمعین، کو مکمل ہوا۔ اور تالیف کی شروعات ۱۳/ ذی الحجہ ۱۰۱۹ھ کو ہوئی تھی۔ دوسری تالیفات وغیرہ دیگر مشاغل کی وجہ سے کہ جن کی مدت تحقیق کے ساتھ تین سال سے کچھ زائد عرصہ ہوتی ہے، اس کو میں نے دہلی کی خانقاہ قادریہ میں مکمل کیا؛ کیوں کہ بندہ اس کی خدمت کرتا تھا، یعنی اس میں جھاڑو لگاتا اور چراغ روشن کرتا تھا۔ اور شروعات و اختتام کا ایک مکان میں ہونا گویا ایک مجلس میں ہوتا ہے۔ اس کو بیان کرنے سے میرا مقصد اللہ سبحانہ و تعالی کی توفیق کو بیان کرنا ہے، اور استقامت سے مراد اللہ تعالی کا کمزور بندہ کو صحت و عافیت کے ساتھ خاص کرنا ہے۔ اور تمام تعریفیں اول و آخر اور ظاہر و باطن اللہ کے لئے ہیں۔ یہ سطریں حقیر و فقیر مولف عبد الحق بن سیف الدین قادری، دہلوی، بخاری نے بوقت صبح، بروز جمعہ ۱۰۲۹ھ کو اپنے ہاتھ سے لکھیں۔ اور آخر میں دعویٰ حق ہے کہ تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔]

۲ - لمعات التنقیح:

یہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی "مشکوۃ" کی دوسری شرح ہے؛ جو عربی زبان میں ہے۔ شیخ صاحب نے اولا فارسی میں شرح لکھنی شروع کی تھی، لیکن درمیان میں کچھ ایسے معانی اور نکات آئے جن کو فارسی شرح میں پیش کرتا

---

۱) اشعۃ اللمعات (مخطوطہ)، مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ، ذخیرہ حبیب گنج: ۳ / ۸، فارسیہ حدیث۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

مناسب نہیں تھا؛ کیوں کہ اس وقت فارسی عوامی زبان تھی اور کچھ مباحث ایسے تھے جن میں عوام کی شرکت غیر مناسب تھی، اسی وجہ سے شیخ صاحب نے مشکوۃ کی ایک عربی شرح لکھنے کا ارادہ کیا۔ جیسا کہ وہ خود لمعات التنقیح کے مقدمہ میں رقم طراز ہیں:

"ولما شرعت فيه (أشعة اللمعات في شرح المشكاة) كان يظهر لي في أثناء المطالعة والنظر في شرح الكتاب معان ونكات لا يليق إدراجها في شرح الفارسي، ولا يتيسر فهمها لبعض الأصحاب، وقد كانت تلك المعاني مما لا ينبغي أن يضيع ويهمل، وكانت مما يعد من الغنائم ويؤخذ ويحمل، وقع في الخاطر أن لو وضع شرح باللسان العربي أيضا لكان أولى وأنسب بالحال." (١)

[اور جب میں نے "أشعة اللمعات في شرح المشكاة" کو شروع کیا تو مطالعہ اور کتاب کے معانی و تشریح کے دوران یہ بات ظاہر ہوئی کہ فارسی شرح میں ان کو داخل کرنا صحیح نہیں ہے، اور بعض حضرات کا ان کو سمجھنا آسان نہیں ہے، اور وہ معانی ایسے بھی نہیں تھے کہ ان کو یوں ہی چھوڑ کر ضائع کر دیا جائے، بلکہ وہ تو ایسے تھے کہ ان کو غنیمت جان کر حاصل کرنا چاہیے۔ تو دل میں یہ بات آئی کہ اگر عربی زبان میں بھی ایک شرح لکھ دی جائے تو زیادہ بہتر اور زیادہ مناسب حال ہو۔]

یہ کتاب دور حاضر کے محقق و مصنف استاذ الدکتور تقی الدین ندوی کی تحقیق و تعلیق کے ساتھ ۱۴۳۵ھ مطابق ۲۰۱۴ء میں دار النوادر دمشق سے شائع ہوئی ہے، شرح دس ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے، تمام جلدوں کے مجموعی صفحات کی تعداد ۶۷۷۹ ہے۔ اس شرح کے مباحث و مشتملات اس طرح ہیں۔

۱) پہلی جلد میں دو کتابیں ہیں: کتاب العلم، کتاب الایمان۔

۲) دوسری جلد میں بھی دو کتابیں ہیں: کتاب الطہارت، کتاب الصلاۃ۔

۳) تیسری جلد میں ایک ہی کتاب ہے: کتاب الصلاۃ کا باقی ماندہ حصہ۔

۴) چوتھی جلد میں چار کتابیں ہیں: کتاب الجنائز، کتاب الزکاۃ، کتاب الصوم اور کتاب فضائل القرآن۔

۵) پانچویں جلد میں بھی چار کتابیں ہیں: کتاب الدعوات، کتاب المناسک، کتاب البیوع اور کتاب الفرائض والوصایا۔

---

۱) لمعات التنقیح: ۱/۸۸۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۶) چھٹی جلد میں سات کتابیں ہیں: کتاب النکاح، کتاب العتق، کتاب الأیمان والنذور، کتاب القصاص، کتاب الحدود، کتاب الامارۃ والقضاء اور کتاب الجہاد۔

۷) ساتویں جلد میں چھ کتابیں ہیں: کتاب الجہاد کا باقی ماندہ حصہ، کتاب الصید والذبائح، کتاب الاطعمہ، کتاب اللباس، کتاب الطب والرقی، اور کتاب الرؤیا۔

۸) آٹھویں جلد میں تین کتابیں ہیں: کتاب الآداب، کتاب الرقاق اور کتاب الفتن۔

۹) نویں جلد میں بھی تین کتابیں ہیں: کتاب احوال القیامۃ، کتاب الفضائل والشمائل اور کتاب المناقب۔

۱۰) دسویں جلد میں: حافظ ابن حجر کے سوالات کے جوابات ہیں اور تبریزی کی الاکمال فی اسماء الرجال ہے۔

محقق شرح ڈاکٹر تقی الدین ندوی صاحب نے تحقیق وتعلیق کے ساتھ ساتھ احادیث مشکوٰۃ کی ترقیم بھی کی ہے۔ ان کے اعتبار سے احادیث مشکوٰۃ کی تعداد: ۶۲۹۴ ہے۔ محقق کے سامنے بوقت تحقیق جو مخطوطات تھے وہ مندرجہ ذیل تھا:

۱) خدا بخش لائبریری، پٹنہ، رقم: ۳۶۱/۵۸۹۔ ۳۶۲/۵۹۰۔

۲) رضا لائبریری، رامپور، رقم: ۲۵۹۹/۱۰۶۲۔ ۲۶۰۶/۱۰۶۳۔

۳) مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ۔

۴) ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ، رقم: ۱۰۵/۲۰۴۔ ۱۰۵/۲۰۵۔

۵) مکتبہ دار العلوم، دیوبند، رقم: ۱۷۲/۶۹۔

۶) معہد البحوث العربیۃ والفارسیۃ، ٹونک، راجستھان، رقم: ۳۵۵/۵۷۰۔ ۳۵۶/۵۷۱۔ [1]

شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے یہ شرح ۱۳ رذی الحجہ ۱۰۱۹ھ میں لکھنی شروع کی تھی اور بوقت عصر، بروز بدھ ۲۴ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ کو مکمل کی۔ جیسا کہ وہ خود رقم طراز ہیں:

"قال المؤلف الفقیر إلی اللہ القوي الغني الباري عبد الحق بن سیف الدین الدهلوي، البخاري، القادري، الحنفي، رحم اللہ علی أسلافه وبارك في أخلافه: تم تسوید هذا الشرح عصر یوم الأربعاء الرابع والعشرین من شهر ربیع الأول، خصنا اللہ فیه بالفیض الباطن والظاهر سنة ألف وخمس وعشرین من هجرة سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیه وسلم وعلی آله وأصحابه وأتباعه أجمعین، وکان إبتداله في الثالث عشر من

---

۱) لمعات التنقیح: ۱/۶۲-۶۵۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ذي الحجة سنة ألف وتسعة عشر، وقد وقع من مشاغل أخر في البين ما يبلغ مجموعه أكثر من سنتين۔ (۱)

[مؤلف عبدالحق بن سیف الدین دہلوی، بخاری، قادری، حنفی (اللہ اس کے اسلاف پر رحم فرمائے اور اس کے اخلاف میں برکت عطا فرمائے) جو کہ محتاج ہے اس اللہ کا جو طاقتور ہے، بے نیاز ہے اور پروردگار ہے، کہتا ہے کہ: یہ شرح عصر کے وقت، بدھ کے دن ۲۴ ربیع الاول (اللہ اس ماہ میں ہمیں باطنی اور ظاہری فیض کے ساتھ مخصوص فرمائے) ۱۰۲۵ھ کو مکمل ہوئی۔ اور اس کی ابتداء ۱۳ ذی الحجہ ۱۰۱۹ھ کو ہوئی تھی۔ درمیان میں دوسرے مشاغل آگئے جن کی اکثر مدت دو سال کو پہونچتی ہے۔]

۳- جامع البرکات منتخب شرح المشکوٰۃ:

شیخ صاحبؒ نے مشکوٰۃ کی دو مفصل شروحات کے بعد اس کی ایک تلخیص "جامع البرکات منتخب شرح المشکوٰۃ" کے نام سے کی تھی۔ یہ انتہائی مختصر اور جامع اختصار ہے جس کے بارے میں مصنف خود اپنی کتاب "فہرست التوالیف" میں لکھتے ہیں:

"مجموعہ آمدہ است شامل فوائد کثیرہ و عوائد عزیزہ، در ہر باب یک دو متن حدیث ذکر کردہ و در باقی احادیث بر مضامین آں اقتصار کردہ و اختصار نمودہ۔" (۲)

[ایک مجموعہ سامنے آیا جو بہت سے فوائد اور قیمتی نتائج پر مشتمل ہے، ہر باب میں ایک دو متن حدیث کو ذکر کیا ہے اور اس مضمون کی باقی احادیث کو اقتصار و اختصار کی وجہ سے چھوڑ دیا ہے۔]

صاحب مرآۃ الحقائق کے مطابق اس کتاب کا حجم ہے:

"مقدار کتابت ایں کتاب ی دو ہزار بیت است۔" (۳)

[اس کتاب کی لکھائی کی مقدار دو ہزار تیس بیت ہے۔]

یہ کتاب ابھی تک شائع نہیں ہوئی ہے(۱) اور اس کا ایک مخطوطہ رضا لائبریری، رامپور میں موجود ہے، جس کا اندراج نمبر ہے: شمارۂ کتاب: ۱۹۰، ردیف کتبخانہ: ۲۵۷۶م۔ (۲)

---

۱) لمعات التنقیح: ۹/۸۳۳۔

۲) فہرست التوالیف: ۱۹۔

۳) مرآۃ الحقائق: ۵۳۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۴ - اسماء الرجال والرواۃ المذکورین فی کتاب المشکوٰۃ

اس کتاب میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے مشکوٰۃ المصابیح کے راویان حدیث کے تراجم کو انتہائی اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے۔ کتاب کی ابتداء خلفاء راشدین کے تذکرے سے کی ہے، اور اس کے بعد اہل بیت کے احوال مذکور ہیں، اور پھر راویان حدیث کے ناموں کو حروف تہجی کے اعتبار سے بیان کیا ہے۔ راویان مشکوٰۃ کے علاوہ اس میں فقہاء اربعہ، اکابر محدثین اور امام اعظم کے بعض تلامذہ کے تراجم بھی موجود ہیں۔ (۳)

اس کے قلمی نسخے خدا بخش لائبریری، پٹنہ، اور رضا لائبریری، رامپور میں موجود ہیں۔ رامپور کے مخطوط کا نمبر ہے: 4689 D, 9906 D۔ (۴)

یہ کتاب استاذ مجید حمید آلوسی کی تحقیق کے ساتھ ۲۰۰۰ء میں دار سعد الدین دمشق سے شائع ہو گئی ہے جو ۲۲۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ اور محقق نے اس کا نام "اکمال اسماء رجال مشکاۃ المصابیح" رکھا ہے۔

۵ - مقدمہ فی اصول الحدیث:

شیخ صاحبؒ نے جب مشکوٰۃ المصابیح کی عربی فارسی شرحیں لکھنی شروع کیں تو علم حدیث کے مبادیات اور اصول و اصطلاحات کو بھی بالاختصار مقدمہ کے طور پر ان شروحات کے ساتھ شامل کر دیا۔ اس مقدمہ کو اپنی جامعیت، اختصار اور آسان اسلوب بیان کی وجہ سے ہندوستان میں بے حد مقبولیت حاصل ہوئی، یہاں تک کہ ہندوستانی مدارس کے نصاب میں شرح نخبۃ الفکر اور مشکوٰۃ کی تعلیم سے پہلے اس کو مقرر کر دیا گیا۔

اولاً یہ مقدمہ "اشعۃ اللمعات" کے ساتھ اور پھر "مشکوٰۃ المصابیح" کے شروع میں متعدد بار شائع ہوا جو آج تک علماء و طلباء کے درمیان "مقدمہ شیخ عبد الحق" کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ اشعۃ اللمعات اور مشکوٰۃ کے ساتھ شائع مقدمہ چوں کہ قدیم طرز طباعت کے مطابق تھا اس لئے دور حاضر کے محقق سید سلیمان الحسنی الندوی نے اس کو جدید طرز کے مطابق عناوین اور ضروری حواشی کے ساتھ ۲۰۰۴ء میں مطبع ندوۃ العلماء، لکھنؤ سے شائع کیا۔

---

۱) حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۱۶۵۔ نزھۃ الخواطر: ۵/۵۵۰۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۲۹۲۔

۲) فہرست نسخہ ہای خطی فارسی: ۱/ ۵۰۔

۳) حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۱۶۶۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۲۹۱۔

۴) Catalogue of the Arabic manuscripts in Raza Library Rampur: 6/ 190, S. NO: 4523, 4524.

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس کے بعد بلاد عربیہ کے مختلف مطابع اور کتب خانوں سے یہ مقدمہ کئی مرتبہ شائع ہوا ہے۔ جیسے: دار البشائر الاسلامیہ، بیروت سے ۱۴۰۶ھ مطابق ۱۹۸۶ء میں شائع ہوا، جو کہ ۱۱۲/ صفحات پر مشتمل تھا۔ ۱۴۱۹ھ مطابق ۱۹۹۸ء میں قاہرہ کے دار الصحوۃ سے شائع ہوا یہ بھی ۱۱۲/ صفحات پر مشتمل تھا، پھر مزید تحقیق کے ساتھ دمشق کے مطبع دار ابن کثیر سے ۱۴۲۶ھ مطابق ۲۰۰۵ء میں شائع ہوا جو کہ ۱۱۵/ صفحات پر مشتمل تھا۔

سید سلیمان ندوی کی تحقیق و تعلیق کے ساتھ جو مقدمہ شائع ہوا ہے وہ دس فصلوں پر مشتمل ہے: جو کہ حسب ذیل ترتیب کے مطابق ہیں:

۱) الفصل الأول: في تعريف الحديث وأنواعه.

۲) الفصل الثاني: في تعريف السند والمتن.

۳) الفصل الثالث: في تعريف الشاذ والمنكر والمعلل والإعتبار.

۴) الفصل الرابع: في تعريف الصحيح والحسن والضعيف.

۵) الفصل الخامس: في تعريف العدالة ووجوه الطعن المتعلقة بها.

۶) الفصل السادس: في تعريف الغريب والمشهور والمتواتر.

۷) الفصل السابع: في تعدد مراتب الضعيف والصحيح وفي تعريف بعض إصطلاحات الإمام الترمذي في جامعه.

۸) الفصل الثامن: في الإحتجاج بالحديث الصحيح والحسن والضعيف.

۹) الفصل التاسع: في مراتب الصحيح وعدد الصحاح وكتبها.

۱۰) الفصل العاشر: في تعريف الكتب الستة المشهورة. (۱)

۶- رسالہ اقسام الحدیث (فارسی):

شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے عربی کی طرح فارسی میں بھی اصول حدیث پر ایک مختصر رسالہ لکھا تھا۔ یہ رسالہ شاید وہی ہے جو آپ کے ذریعہ لکھی گئی مشکاۃ المصابیح کی فارسی شرح "اشعۃ اللمعات" کی ابتداء میں "مقدمہ در علم مصطلح الحدیث" کے نام سے شائع ہوا ہے۔ اس کی شروعات اس طرح ہوتی ہے:

---

۱) المحدث الدهلوي، عبد الحق بن سيف الدين، مقدمة في أصول الحديث: فهرس المحتويات: ص ۱۰۵-۱۱۲، تقديم وتعليق: سلمان الحسني الندوي، دار البشائر الإسلامية بيروت، لبنان ۱٤۰٦هـ=۱۹۸۷م.

toobaa-elibrary.blogspot.com

"وپیش از شروع در شرح کتاب مقدمہ مختصر در بیان بعضے از مصطلحات علم حدیث بقدر کفایت نیز نوشت۔"(۱)

[شرح کتاب کو شروع کرنے سے پہلے علم حدیث کی بعض مصطلحات کے بارے میں بقدر کفایت مختصر مقدمہ بھی لکھا ہے۔]

اس رسالہ کی تقسیم کے لئے شیخ صاحبؒ نے "وصل" کے عناوین قائم کئے ہیں۔ مقدمہ کی شروعات حدیث کی تعریف سے ہوتی ہے اور آخر میں مصنفین صحاح ستہ کے علاوہ امام مالکؒ، دار قطنیؒ، بیہقیؒ، نوویؒ اور ابن جوزیؒ جیسے جلیل القدر محدثین کے حالات کو اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ یہ مقدمہ ۱۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

۷- طریق الافادۃ فی شرح سفر السعادۃ:

کتاب "سفر السعادۃ" امام اللغۃ والحدیث، ابوطاہر، محمد بن یعقوب بن محمد فیروزآبادی، صاحب القاموس المحیط (۲۹ھ تا ۸۱۷ھ) کی مشہور ومعروف کتاب ہے، جس میں مصنفؒ نے ان احادیث نبویہ ﷺ کو انتہائی عمدگی کے ساتھ جمع کیا ہے جن کا تعلق عبادات، معاملات اور معیشت سے ہے۔

اس کتاب کی غیر معمولی اہمیت وافادیت کے پیش نظر شیخ صاحبؒ نے "طریق الافادۃ فی شرح سفر السعادۃ" کے نام سے اس کی ایک جامع اور مفصل شرح تحریر فرمائی، اور بعض علمی تنبیہات کے ذریعہ ان مواقع کی بھی نشاندہی فرمائی جہاں پر مولانا فیروزآبادی کے ہاتھوں سے "حد اعتدال اور جادۂ انصاف" کا دامن چھوٹ گیا تھا: جیسا کہ شیخ محدث خود مقدمہ کتاب میں فرماتے ہیں:

"ولیکن چوں وے دریں بر مذہب اقحاح محدثین از اصحاب ظواہر رفتہ ودر بسیارے از مواضع سخن در خلاف مذاہب مجتہدین رحمہ اللہ علیہم اجمعین گفتہ ادعائے فساد وبطلان مدعائے خود نمودہ ـــــ در مبالغہ وافراط از حد اعتدال وجادۂ انصاف بیروں رفتہ است ـــــ لازم طریقۂ انصاف ونصیحت نمودہ شرح آں کردن وحقیقت حال کشف نمودن۔"(۲)

[لیکن کیوں کہ اس میں اصحاب ظواہر میں سے ان محدثین کے طریقہ کو اختیار کیا گیا ہے جو متشدد ہیں، اور بہت سی جگہوں پر مجتہدین کے مختلف فیہ مذاہب میں اپنی جانب سے غلط اور فاسد دعوے پیش کئے ہیں ـــــ مبالغہ اور افراط میں عدل وانصاف کی حد سے باہر چلے گئے

۱) اشعۃ اللمعات: ۱/۱۔

۲) محدث دہلوی، شیخ عبدالحق بن سیف الدین، شرح سفر السعادۃ: ۳، مطبع اودھ، بار دوم ۱۸۸۵ء۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہیں۔۔۔۔۔۔۔ ضروری ہے کہ اس کی شرح اور حقیقت حال کو واضح کرنے میں انصاف اور نصیحت کے طریقہ کو اختیار کیا جائے۔]

فہرست التوالیف میں اس مضمون کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے:

"مقصد وے (مولانا مجد الدین) دریں کتاب آں است کہ اعمال شریفہ حضرت نبویہ ﷺ را از عبادات و عادات با حدیث اثبات کردہ و تصحیح نمودہ و بر دو انکار بر آں چہ مخالف آں از مذاہب اربعہ واقع شدہ تصریح کردہ است، پس در شرح تائید مذاہب اربعہ خصوصاً مذہب حنفی و معارضہ کلام مصنف ادعائے صحت احادیث موافق مدعائے خود نمودہ و رقم رد و بطلان بر خلاف آں کشیدہ است کردہ شد۔" (۱)

[اس کتاب میں ان کا (مولانا مجد الدین کا) مقصد یہ ہے کہ عبادات و عادات میں سے محمد ﷺ کے اعمال شریفہ کو احادیث کے ذریعہ ثابت کیا جائے اور تصحیح کی جائے، اور دونوں صورتوں میں مذاہب اربعہ میں کیا اختلاف ہے؟ اس کی صراحت کی جائے۔ پس شرح میں مذاہب اربعہ خصوصاً مذہب حنفی کی تائید اور مصنف کے کلام پر معارضہ پیش کیا گیا ہے، جس میں انہوں نے اپنے مدعا کے موافق احادیث کی صحت کا دعوی کیا ہے اور اس کے برخلاف کو باطل شمار کیا ہے۔]

شیخ صاحبؒ نے اس شرح کو تین حصوں پر تقسیم کیا ہے، پہلے حصہ میں مولانا مجد الدین کی ذکر کردہ احادیث پر علمی مناقشہ ہے اور ان کی اسانید و رجال کی تحقیق ہے۔ دوسرے حصہ میں ائمہ مجتہدین کے مذاہب سے بحث کی گئی ہے ساتھ ہی ساتھ مذہب حنفی کی تائید و توثیق بھی کی گئی ہے، یہی حصہ سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے اور اس شرح کی تصنیف کا سبب ہے۔ تیسرے حصہ میں شرح و تفصیل کے ساتھ احکام شرعیہ کو بیان کیا گیا ہے۔

اس شرح کے مقدمہ کو پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب شیخ صاحبؒ نے اس شرح کو لکھنے کا ارادہ کیا تو اس بات کا خدشہ تھا کہ شاید یہ شرح میری زندگی میں پایہ تکمیل کو نہ پہونچ سکے گی اسی لئے وہ مقدمہ میں اپنے بیٹے شیخ نور الحق کو مخاطب کرتے ہوئے یہ وصیت فرماتے ہیں کہ:

"وصیت می کنم فرزند عزیز نور دیدۂ دانش و بینش نور الحق را کہ وجود ثانی و مقصود اول من است ۔۔۔۔۔۔۔۔ ایں مہم را صورت دہد۔" (۲)

۱) فہرست التوالیف: ۱۸۔

۲) شرح سفر السعادۃ: ۳۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

[میں نے فرزندِ عزیز، علم و بصیرت کی آنکھوں کے نور، نور الحق کو وصیت کی جو میرے وجودِ ثانی اور مقصودِ اول ہیں ۔۔۔۔ (کہ وہ) اس مہم کو صورت دیں۔ (مکمل کریں)]

لیکن بحمد اللہ یہ کتاب ۱۰۳۳ھ اس وقت پایۂ تکمیل کو پہونچ گئی جب شیخ صاحب کی عمر مبارک ۷۵ برس ہوئی تھی۔

سب سے پہلے یہ شرح ۱۲۵۲ھ مطابق ۱۸۳۶ء کو کلکتہ سے شائع ہوئی اور پھر ۱۸۷۹ء، ۱۸۸۵ء اور ۱۹۰۳ء کو لکھنؤ سے شائع ہوئی۔ اس کے قلمی نسخے مندرجہ ذیل کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں:

۱) مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ:

أ- ذخیرہ یونیورسٹی: ۲۰۷/۲، فارسیہ مذہب و تصوف۔

ب- ذخیرہ یونیورسٹی: ۱۱، فارسیہ حدیث۔

ت- ذخیرہ یونیورسٹی: ۲، فارسیہ مذہب و تصوف۔

ث- ذخیرہ عبد السلام: ۴۸/ ۲۲۷، فارسیہ۔

۲) انڈیا آفس: (أ) ۲۶۵۶۔ (ب) ۲۶۵۷۔[۱]

۳) ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ: نمبر شمار: ۱۰۰۲۔[۲]

۴) برٹش میوزیم: Add – 7606۔[۳]

۵) آصفیہ لائبریری، حیدر آباد: ۳۹۷۔

۶) خدا بخش لائبریری، پٹنہ: ۱۱۸۵۔

۷) پاکستان: فہرست مشترک نسخہ ہای خطی فارسی: ۲/ ۲۳۶۷۔[۴]

---

۱) Catalogue of Persian manuscripts in the Library of the India Office: 1/1441-1445.

۲) Concise descriptive catalogue of the Persian manuscripts in the collections of the Asiatic Society of Bengal: 1/485.

۳) Catalogue of the Persian manuscripts in the British Museum: 1/15.

۴) فکر و نظر: ۸۱۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۸ - ماثبت بالسنۃ من ایام السنۃ:

اس کتاب میں شیخ صاحبؒ نے تمام مناسک دینیہ کو محرم سے ذی الحجہ تک مہینوں کے اعتبار سے بیان کرتے ہوئے ان احادیث صحیحہ کو ذکر کیا ہے جن کو لاعلمی کی وجہ سے دینی امور میں شامل کیا جاتا ہے۔

سب سے پہلے شیخ صاحبؒ نے ماہ محرم کے احوال، فضیلت اور اس میں روزہ رکھنے کی فضیلت کے سلسلے میں جو احادیث صحیحہ وارد ہوئی ہیں ان کو ذکر کیا ہے اور پھر ان بدعات و خرافات کو بیان کیا ہے جو اس مہینہ میں پیدا ہو گئی ہیں: جیسے یہ کہ عاشورا کے دن سرمہ لگانے سے آنکھیں نہیں دکھتی، اور اس روز غسل کرنے سے آدمی بیمار نہیں ہوتا، وغیرہ۔

محرم کے بعد صفر کے مہینہ کا ذکر ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ اس مہینہ کو جو منحوس اور بدشگن سمجھتا ہے اس کی کوئی اصل شریعت اسلامیہ میں نہیں ہے۔ اسی طرح تمام بارہ مہینوں کے بارے میں بہت ہی عمدگی سے وہ تمام امور ذکر کئے گئے ہیں جو معمول بہا ہونے چاہئیں یا جن سے اجتناب کرنا چاہئے۔

یہ کتاب ۱۲۵۳ھ میں کلکتہ سے اور ۱۳۰۷ھ میں لاہور سے شائع ہوئی تھی۔ اس کا اردو ترجمہ بھی مطبع مجتبائی دہلی سے ۱۳۰۹ھ میں شائع ہو چکا ہے جس کا نام "اعمال ماثورہ" ہے اور مترجم جناب سبحان بخش، شکارپوری ہیں۔[1]

زمانہ قریب میں اسد اللہ ابن شیر زمن نے اس کی جدید اصول و قواعد کے مطابق تحقیق و تخریج کی ہے اور اس پر انتہائی قیمتی حواشی کا اضافہ بھی کیا ہے، جن کی وجہ سے کتاب کی دوچند ہو گئی ہے۔ اس جدید محقق نسخہ کو لبنان کے مشہور و معروف کتب خانہ دار الکتب العلمیہ، بیروت نے ۲۰۱۸ء میں شائع کیا ہے، جو کہ ۳۰۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

اس کتاب کے قلمی نسخے مندرجہ ذیل کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں:

۱) مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ: ذخیرہ عبد السلام، ۴۰/۴۰، عربی تاریخ عرب اسلام۔

۲) رضا لائبریری، رامپور: شمارہ کتاب: ۱۸۹۹، ردیف کتب خانہ: ۳۰۶۸ھ۔[2] 8156M, 8202M, 8966M۔[3]

---

۱) مرآۃ الحقائق: ۵۸۔ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی: ۱۹۲۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۲۰۵۔

۲) فہرست نسخہ ہای خطی فارسی: ۱/ ۵۸۴۔

۳) Catalogue of the Arabic manuscripts in Raza Library Rampur: 2/22, S. NO: 1282, 1283, 1284.

toobaa-elibrary.blogspot.com

۳) خدا بخش لائبریری، پٹنہ: ۴۰۴۔

۴) آصفیہ لائبریری، حیدرآباد: فہرست: ۱/ ۵۰-۵۱۔

۵) انڈیا آفس: ۲۷۵۔

۶) نواب رحمت اللہ خاں بہادر لائبریری، مزمل منزل، علی گڑھ۔[۱]

۹ - تحقیق الاشارۃ الی تعمیم البشارۃ:

اس رسالہ میں شیخ صاحبؒ نے ان احادیث کو جمع کیا ہے جن میں عشرہ مبشرہ اور دیگر صحابہ کرامؓ کے لئے جنت کی بشارت دی گئی ہے۔[۲] یہ رسالہ ابھی شائع نہیں ہوا ہے اور اس کے دو قلمی نسخے ٹونک، راجستھان کے کتب خانہ میں موجود ہیں، جن کا اندراج نمبر ہے:

(۱) T/62-1 (۲) T/62-2.[۳]

۱۰ - ترجمہ مکتوب النبی الامی ﷺ فی تعزیۃ ولد معاذ بن جبل:

حضور ﷺ نے صحابی جلیل حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھا تھا، یہ اسی کا فارسی ترجمہ ہے: جو کتاب المکاتیب والرسائل میں شائع ہوا ہے، اور دو صفحات پر مشتمل ہے۔[۴]

۱۱ - جمع الاحادیث الاربعین فی ابواب علوم الدین:

علوم دین کے مختلف ابواب سے متعلق چالیس احادیث پر مشتمل ایک مختصر رسالہ تھا، جو ابھی تک شائع نہیں ہوا ہے اور نہ اب اس کے کسی قلمی نسخہ کی اطلاع ملتی ہے۔[۵]

---

۱) فکر و نظر: ۸۰۔

۲) مرآۃ الحقائق: ۵۰۔ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی: ۱۹۷۔ نزھۃ الخواطر: ۵/۰۰۰۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۲۹۳۔
العمري، عبد الماجد، المحدث الشيخ عبد الحق الدهلوي وإسهامه في الحديث النبوي: ۱۲۸، الحديث-مجلة علمية محكمة، نصف السنوية- معهد دراسات الحديث النبوي، الجامعة الإسلامية العالمية، ماليزيا، صفر ۱٤۳٤ھ-ديسمبر ۲۰۱۲م.

۳) فکر و نظر: ٦٦.

۴) المکاتیب والرسائل: ۲۸۶- ۲۸۸۔

۵) فہرست التوالیف: ۲۱۔ مرآۃ الحقائق: ۵۳۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱۲ - ترجمۃ الاحادیث الاربعین فی نصیحۃ الملوک والسلاطین:

اس رسالہ میں شیخ صاحب نے ان چالیس احادیث کو مع ترجمہ کے جمع کیا تھا جن میں امراء اور بادشاہوں کے لئے نصائح موجود ہیں۔[۱] یہ رسالہ مصنفؒ نے بطور خاص شاہ جہاں کے لئے مرتب کیا تھا؛ جیسا کہ صاحب مرآۃ الحقائق اس رسالہ کی کیفیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"چالیس حدیثیں در باب نصیحت بادشاہان کہ ان کا ترجمہ واسطے شاہ جہاں بادشاہ کے لکھا گیا" [۲]

یہ بھی ابھی تک شائع نہیں ہوا ہے اور نہ ہی ہندوستان کے کسی کتب خانہ میں اس کا کوئی قلمی نسخہ پایا جاتا ہے؛ البتہ پاکستان میں اس کے ایک قلمی نسخہ کی نشاندہی ڈاکٹر عبد السلام نے کی ہے۔[۳]

۱۳ - رسالہ شب براۃ:

اس رسالہ میں شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے ان احادیث کو جمع کیا تھا جو نصف شعبان المعظم سے متعلق ہیں۔ یہ رسالہ بھی غیر مطبوع ہے اور اس کا کوئی قلمی نسخہ بھی نہیں پایا جاتا، یہ شیخ صاحب کی ان تصانیف میں سے ہے جن کا ذکر فہرست التوالیف میں نہیں ملتا؛ البتہ شیخ نور الحق کے کتب خانے میں یہ رسالہ موجود تھا۔[۴]

۱۴ - اجازت الحدیث فی القدیم والحدیث:

اس رسالہ میں شیخ صاحب نے اپنی اسانید حدیث کو ذکر کیا ہے، بعض مصنفین نے اس کا نام "ذکر اجازت الحدیث فی القدیم والحدیث" تحریر کیا ہے۔[۵] اس کے بارے میں منشی برکت علی تحریر فرماتے ہیں:

"اس میں منقول اسناد احادیث کی ہیں جو حضرات اساتذہ و شیوخ سے حضرت شیخ کو عنایت ہوئیں جن میں اجازت روایت حدیث کی سند اور درج ہے۔" [۶]

---

۱) حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۱۹۱۔ نزہۃ الخواطر: ۵/ ۵۵۶۔

۲) مرآۃ الحقائق: ۵۵۔

۳) مشترک فہرست نسخہ ہای خطی پاکستان: ۳/ ص ۲۲ بحوالہ فکر و نظر: ۶۵۔

۴) مرآۃ الحقائق: ۵۵۔ حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۱۹۲۔ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۲۹۹۔

۵) حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۲۲۷۔ نزہۃ الخواطر: ۵/۵۵۷ تذکرۃ المحدثین: ۳/ ۲۸۸۔

۶) مرآۃ الحقائق: ۴۸۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

یہ بھی اب تک شائع نہیں ہوا ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ کے کتب خانہ میں "ثبت إجازة الحديث في القديم والحديث" کے نام سے موجود ہے، جو کہ ۳۵ر صفحات پر مشتمل ہے، اور ہر صفحہ میں تقریباً ۲۳ر سطریں ہیں۔ اس کا اندراج نمبر ہے: ۵/ ۲۶۷۔ اور دوسرا قلمی نسخہ مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ کے جواہر گلشن میں "الإسناد والإجازات ثبت الشيخ المحدث عبد الحق الدهلوي" کے نام سے ہے، جس کا نمبر ہے: ج ع ۱۰۴۔

۱۵- فتح الرحمن فی اثبات مذہب النعمان:

اس کتاب میں شیخ صاحب ؒ نے "مشكاة المصابيح" کے طرز پر ان احادیث و آثار کو جمع کیا ہے، جو فقہ حنفی کے مستدلات ہیں۔ نیز "تنبیہات" کے عنوان کے تحت ائمہ اربعہ کے درمیان مختلف فیہ مسائل سے بھی بحث کی ہے۔ یہی کتاب ہے جس کی "تخریج و تحقیق" پر مذکورہ مقالہ مشتمل ہے۔ اس کا مفصل تعارف "مقدمہ" میں گذر چکا ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

بابِ چہارم

شیخ عبدالحقؒ اور ان کے معاصرین

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب چہارم

شیخ عبدالحقؒ اور ان کے معاصرین

کسی انسان کا علمی مرتبہ، اہل علم حضرات سے اس کے تعلقات کی نوعیت، اس کی تحریروں کے اثرات، لوگوں کے درمیان اس کی مقبولیت اور دوسرے بے شمار اوصاف و خصائل کو معلوم کرنے کا ایک عمدہ اور بہتر طریقہ اس کے معاصرین سے تعلقات پر موقوف ہے۔ یعنی یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اگر کسی شخص کے حالات اور عادات و خصائل کا مکمل علم حاصل کرنا ہو تو اس کے معاصرین سے تعلقات کی نوعیت کے بارے میں جاننا انتہائی ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام محققین نے سوانح عمریاں اور تذکرے لکھنے میں معاصرین کے ذکر کو غیر معمولی اہمیت دی ہے۔

شیخ عبدالحقؒ جس ماحول میں پروان چڑھے وہ اخلاص و للّٰہیت سے متصف ایک حقیقی عالم دین کے لئے انتہائی پر فتن ماحول تھا۔ کفر و الحاد اس حد تک بڑھ چکا تھا کہ "دینِ محمدی" کے بجائے "دینِ الٰہی" کا دور دورہ تھا۔ علماءِ حق کے لئے خیر و عافیت، گوشہ نشینی یا ترکِ وطن میں ہی سمجھی جاتی تھی، پھر شیخ صاحب تو فطری طور پر ہی عزلت پسند طبیعت کے مالک تھے۔

شیخ صاحبؒ کی حیات کے مطالعہ سے یہ بات بخوبی سمجھ میں آتی ہے کہ ان کی طبیعت توکل اور قناعت پسندی کے وصف سے غیر معمولی طور پر متصف تھی۔ انہوں نے اس دور کے دیگر علماءِ سو کی مانند نہ تو سلاطین کے آگے سرِ تسلیم خم کیا اور نہ امراء کے انعامات و نوازشات کے عوض ان کی تائید و توثیق کی؛ بلکہ والدِ محترم سے جو کچھ وراثت میں ملا تھا اسی پر زندگی بسر کر دی۔

والدِ محترم کی وفات کے بعد ایک وقت ایسا آیا جب آپؒ نے اہل خانہ کی فرمائش پر دربارِ اکبری کا رخ کیا؛ کیوں کہ اس دور میں اکبر کی علماء نوازی اور علم پروری کا شہرہ دور دراز علاقوں تک پھیلا ہوا تھا۔ شیخ محدث نے چند ایام یہاں قیام کیا۔ اس دوران آپ کی ملاقات ملا عبدالقادر بدایونی، ابوالفضل فیضی اور نظام الدین بخشی جیسے علماء و امراء سے ہوئی۔ لیکن جب آپ پر دربار کی حقیقت عیاں ہوئی اور وہاں موجود علماءِ سو کی دنیا طلبی کا انکشاف ہوا تو آپؒ دربارِ اکبری کو خیر باد کہہ کر دہلی آئے اور پھر حج و زیارت اور تکمیل علم کی خاطر مکہ و مدینہ کے لئے روانہ ہو گئے۔

شیخ عبدالحقؒ دہلی میں پیدا ہوئے تھے اور حجاز سے واپسی کے بعد آخر عمر تک یہیں مقیم رہے۔ آپ چوں کہ ایک مشہور و معروف علمی شخصیت تھے اس لئے اس دور کے تمام علماء و فضلاء اور امراء و سلاطین میں آپؒ کی شہرت

toobaa-elibrary.blogspot.com

تھی؛ لیکن اپنی طبیعت کی وجہ سے کسی ایسے شخص سے زیادہ تعلق نہیں رکھتے تھے جو دنیاوی جاہ و جلال کا مالک ہو۔ حالاں کہ جلال الدین محمد اکبر، نور الدین جہاں گیر اور شاہ جہاں جیسے بادشاہوں سے آپ کے خوش گوار تعلقات رہے تھے۔

اکبر کے نظریات میں جب تک الحاد و کفر داخل نہیں ہوا تھا، اس وقت تک شیخ صاحب کو اس کی مکمل امید تھی کہ اللہ تعالیٰ اس شہنشاہ کے ذریعے دین اسلام کی نصرت و تائید فرمائے گا، جیسا کہ وہ تحریر فرماتے ہیں:

"انشاء اللہ تعالیٰ حق سبحانہ و تعالیٰ نصرت و تائید دین مبین و تقویت و تمشیت شرع متین ایں شہنشاہ زمان۔"[1]

[انشاء اللہ تعالیٰ، حق سبحانہ و تعالیٰ اس شہنشاہ کے زمانے میں دین مبین کی تائید فرمائے گا اور شرع متین کو قوت و ترقی عطا فرمائے گا۔]

اکبر کے بعد جہاں گیر ہندوستان کے تخت و تاج کا مالک ہوا، جو کہ ایک پڑھا لکھا اور علم دوست انسان تھا۔ شیخ صاحبؒ سے جہاں گیر کے تعلقات کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ بادشاہ نے آپ کے فرزندوں کے لئے "بکر والا" گاؤں کی جاگیر عطا فرمائی تھی۔ اس واقعہ کو مرآۃ الحقائق میں اس طرح نقل کیا گیا ہے:

"چناں چہ جو فرمان شاہی عطا ہوا اس میں بھی لکھا گیا کہ یہ موضع واسطے مدد معاش فرزندان حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی نسلاً بعد نسل ہمیشہ کے لئے دیا گیا، نام اس گاؤں کا بکر والا ہے۔"[2]

یہاں بھی شیخ صاحب کی قناعت پسند طبیعت کو یہ گوارہ نہ تھا کہ بادشاہ کے نذرانہ کو قبول فرمائیں: لیکن بادشاہ کے اصرار اور مصلحتِ وقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کو قبول فرمالیا، جس کا پتہ "مدد معاش فرزندان حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی" والے جملے سے چلتا ہے۔

شاہ جہاں جو کہ جہاں گیر کے بعد تخت شاہی پر متمکن ہوا، اس کے دور میں شیخ صاحب تقریباً ۱۵ سال باحیات رہے۔ یہ بادشاہ آپؒ سے اتنا متاثر تھا کہ "حاجت مندوں کی حاجت روائی ان کی سفارش پر کیا کرتا تھا۔"[3]

---

۱) تاریخ حقی: ۵۳۔

۲) مرآۃ الحقائق: ۸۹۔

۳) اردو دائرۂ معارف اسلامیہ: ۱۲/ ۸۳۰۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

شیخ صاحبؒ بھی شاہ جہاں سے غیر معمولی لگاؤ رکھتے تھے اور وقتاً فوقتاً اس کو نصیحتیں کرتے رہتے تھے، شاہ جہاں کے لئے ہی آپ نے "الاربعین فی نصیحۃ الملوک والسلاطین" کا فارسی ترجمہ کیا تھا، جس میں ان احادیث کو جمع کیا گیا ہے جو سلاطین کے عدل وانصاف قائم کرنے سے متعلق ہیں۔

مذکورہ بالا سلاطین کے علاوہ شیخ صاحب کے اور بھی امراء سے تعلقات رہے؛ لیکن جن علماء یا امراء سے آپ کے روابط زیادہ طویل عرصہ تک رہے یا خط وکتابت کے ذریعہ آپ کا ان سے معاصرانہ ربط رہا ان کا ذکر آئندہ صفحات میں کیا جائے گا۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

شیخ احمد بن عبدالاحد السرہندیؒ

نام ونسب:

آپ کا اسم گرامی احمد، لقب بدرالدین اور کنیت ابوالبرکات ہے۔ سلسلۂ نسب ۲۹/ واسطوں سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے؛ جو کہ مندرجہ ذیل ہے:

"احمد بن عبدالاحد بن زین العابدین بن عبدالحیٔ بن محمد بن حبیب اللہ بن امام رفیع الدین بن نصیر الدین بن سلیمان بن یوسف بن اسحاق بن عبداللہ بن شعیب بن احمد بن یوسف بن شہاب الدین علی فرخ شاہ بن نصیر الدین بن محمود بن سلیمان بن مسعود بن عبداللہ (الواعظ الاصغر) بن عبداللہ (الواعظ الاکبر) بن ابوالفتح بن اسحاق بن ابراہیم بن ناصر بن عبداللہ بن حضرت عمر خطاب، خلیفہ ثانی رضی اللہ عنہ۔"[1]

مختصر حالات زندگی:

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی ولادت ۱۴/ شوال ۹۷۱ھ، بروز جمعہ، بوقت نصف شب، ہندوستان کے مشہور شہر سرہند میں ہوئی۔[2] ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار شیخ عبدالاحدؒ سے حاصل کرنے کے بعد مکتب میں داخلہ لیا اور بہت کم عرصہ میں قرآن کریم کا حفظ مکمل کر لیا۔

حفظ کلام پاک کے بعد مولانا کمال کشمیری سے بعض تحقیق و تدقیق کی کتابیں پڑھیں اور مولانا یعقوب کشمیری سے (جو اپنے عصر کے ایک مایہ ناز محدث تھے) حدیث کی سند حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ تصوف میں طریقہ کبرویہ بھی اخذ کیا، ان کے علاوہ آپ نے اس زمانہ کے مشہور عالم حضرت قاضی بہلول بدخشانی سے بھی تفسیر

۱) کشمی، خواجہ محمد ہاشم، زبدۃ المقامات (اردو): ۱۳۷، مترجم: غلام مصطفیٰ خان و صغیر الدین، مکتبہ نعمانیہ، اقبال روڈ سیالکوٹ، پاکستان، شعبان ۱۳۰۷ھ۔ محمد مسعود احمد، سیرت مجدد الف ثانیؒ: ۷۲، امام ربانی فاؤنڈیشن کراچی، پاکستان ۱۴۲۶ھ=۲۰۰۵ء۔ فاروقی، ابوالحسن زید، شاہ، مقامات خیر: ۴۸، جمال پرنٹنگ پریس، چھتہ شیخ منگو، دہلی ۶، اشاعت: بار اول، ۱۳۹۲ھ=۱۹۷۲ء۔ احمد حسین خان، جواہر مجددیہ: ۱۰، تصحیح: محمد عبدالستار طاہر، ادارہ مسعودیہ، کراچی، پاکستان، ۱۴۲۳ھ=۲۰۰۲ء۔

۲) زبدۃ المقامات (اردو): ۱۹۰۔ نزہۃ الخواطر: ۵/ ۴۷۹۔ محمد فرمان (پروفیسر)، حیات مجدد: ۴، مجلس ترقی ادب، کلب روڈ لاہور، پاکستان، ۱۹۵۸ء۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

پندرہ کتب دینیہ پڑھیں۔[1] اس طرح ۱۷ر سال کے انتہائی کم عرصہ میں تمام مروجہ علوم ظاہری سے فراغت حاصل کرنے کے بعد تدریس و تصنیف میں مشغول ہو گئے۔ ان ہی ایام میں آپ نے عربی و فارسی میں چند عمدہ رسائل بھی تحریر فرمائے؛ جیسا کہ علامہ بلگرامی تحریر فرماتے ہیں:

"مصنف في تلك الأيام رسائل لطيفة باللسان العربي والفارسي"[2]

[ان ہی دنوں میں آپ نے عربی و فارسی کے چند لطیف رسائل تصنیف کئے۔]

علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد آپ نے آگرہ کا سفر کیا جہاں آپ کی ملاقات ابوالفضل اور فیضی سے ہوئی، اسی سفر سے لوٹتے ہوئے کہ واپسی میں آپ کے والد بزرگوار بھی ساتھ تھے آپ کا نکاح تھانیسر کے ایک رئیس شیخ سلطان کی صاحبزادی سے ہوا۔

نکاح کے بعد جب شیخ مجدد گھر پہونچے تو استقلال اور پابندی کے ساتھ اپنے والد حضرت عبدالاحد کی خدمت میں رہ کر سلسلہ چشتیہ اور قادریہ کی تحصیل کی اور ان سے سلسلہ چشتیہ کا خرقۂ خلافت جو ان کو شیخ عبدالقدوس گنگوہی سے ملا تھا، اور سلسلہ قادریہ کا خرقۂ خلافت جو شاہ کمال کیتھلی سے ملا تھا، حاصل کیا۔[3]

۱۰۰۷ھ میں والد بزرگوار کے انتقال کے بعد حضرت مجدد نے دہلی کا سفر کیا اور وہاں شیخ رضی الدین عبد الباقی نقشبندیؒ کی خدمت بابرکت میں رہ کر سلسلہ نقشبندیہ میں غیر معمولی مراتب حاصل کئے۔ اور اسی سلسلہ کا خرقۂ خلافت بھی حاصل کیا۔

شیخ عبدالباقیؒ سے خرقۂ خلافت حاصل کرنے کے بعد آپ اپنے آبائی وطن سرہند تشریف لے آئے اور وہیں خدمت خلق، تبلیغ دین اور اصلاح احوال میں مشغول ہو گئے، ان ہی ایام میں آپ کا بادشاہ وقت اکبر سے اختلاف شروع ہوا، جس کی آخری منزل عہد جہانگیری میں نظربندی اور پابندی کی شکل میں سامنے آئی، حضرت مجدد کی مدت قید کو بیان کرتے ہوئے مولوی رحمان علی لکھتے ہیں:

"القصہ شیخ تا سہ سال در حبس ماند و بعدہ جہانگیر بادشاہ وی را بدیں شرط از قید بر آوردہ کہ وی بلشکر سلطانی بودہ ہمراہش گشت کند، چنانچہ شیخ چندی بہ لشکر سلطانی حاضر ماند۔"[4]

---

۱) نعمانی، محمد منظور (مرتب)، تذکرہ امام ربانی مجدد الف ثانی: ۲۲۴- ۲۲۵، کتب خانہ الفرقان، لکھنؤ، طبع دوم ۱۹۶۰ء۔

۲) سبحۃ المرجان: ۱۰۷۔

۳) حیات مجدد: ۵۔

۴) تذکرہ علماء ہند: ۱۲۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

[القصہ، شیخ تین سال تک قید رہے، اس کے بعد جہانگیر بادشاہ نے ان کو اس شرط پر رہا کر دیا کہ وہ سلطانی لشکر کے ہمراہ گھومتے رہیں گے۔ چناں چہ شیخ چند ایام سلطانی لشکر کے ساتھ ہی رہے۔]

وفات:

حضرت مجدد الف ثانی نے ۶۳ سال کی عمر میں ۲۹ صفر ۱۰۳۴ھ مطابق ۱۰ دسمبر ۱۶۲۴ء بروز سہ شنبہ، بوقت چاشت وفات پائی، تاریخ وفات "رفیع المراتب" سے نکلتی ہے۔ آپ کا مزار شریف آج بھی عوام وخواص کی عقیدت کے مرجع کی حیثیت سے سرہند میں موجود ہے۔[1] لیکن مفتی غلام سرور نے آپ کا سال وفات ۱۰۳۵ھ لکھا ہے، اور قطعہ تاریخ یہ لکھا ہے:

چوں جناب شیخ احمد شیخ دیں — دل ازیں دنیا بجنت باز بست
احمد فیاض (۱۰۳۵) کامل اوست — باز دیگر پیر احمد (۱۰۳۵) حق پرست[2]

شیوخ ومشائخ طریقت:

۱ - عبد الاحد:

والد بزرگوار مجدد الف ثانی، شیخ صاحب نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے ہی حاصل کی تھی اور سلسلہ چشتیہ وقادریہ کی خلافت بھی اخذ کی تھی۔

۲ - مولانا کمال کشمیری:

ان سے مجدد صاحب نے بعض مشکل کتابیں مثلاً عضدی وغیرہ پڑھی تھیں۔

۳ - قاضی بہلول بدخشی:

ان سے آپ نے بہت سی تفسیر وحدیث کی کتابیں پڑھیں، جن میں سے بعض مندرجہ ذیل ہیں:

۱) تفسیر واحدی اور اس کی دیگر مؤلفات، تفسیر بسیط، تفسیر وسیط اور اسباب النزول۔

---

۱) زبدۃ المقامات (اردو): ۳۹۳۔ تذکرہ علمائے ہند: ۱۲۔ نزہۃ الخواطر: ۵/ ۳۸۶۔ سیرت مجدد الف ثانی: ۲۶۳۔ تذکرہ امام ربانی مجدد الف ثانی: ۲۸۵۔ حیات مجدد: ۷۔ رود کوثر: ۲۷۶-۲۷۷۔

۲) غلام سرور لاہوری، حدیقۃ الاولیا ص ۱۱۸، تحقیق: محمد اقبال مجددی، اسلامک بک فاؤنڈیشن سمن آباد، لاہور، ۱۳۹۶ھ=۱۹۷۶ء۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۲) تفسیر بیضاوی اور اس کے مصنفات منہاج الوصول اور الغایۃ القصوی۔

۳) بخاری شریف اور اس کی مؤلفات ثلاثیات، ادب المفرد اور افعال العباد۔

۴) مشکوۃ شریف للتبریزی۔

۵) شمائل ترمذی۔

۶) جامع صغیر للسیوطی۔

۷) قصیدہ بردہ شیخ بو سعید بوصیری۔

ان ہی سے آپ نے حدیث مسلسل "ارحموا من فی الأرض یرحمکم من فی السماء" [۱] کے ساتھ مشکوۃ المصابیح کی اجازت بھی حاصل کی: مذکورہ کتابوں کی اجازت حاصل کرنے کے بعد حضرت مجدد نے فرمایا:

"محسوس ہوتا ہے کہ مجھ کو طبقۂ محدثین میں داخل کر دیا گیا۔" [۲]

۴ - شیخ یعقوب کشمیری:

ان سے بھی شیخ مجدد نے بعض کتب احادیث کی سند حاصل کی۔ شیخ یعقوب، شیخ معظم اور شیخ حسین خوارزمی کبروی کے بزرگ خلفاء میں سے تھے۔ سند حدیث کے علاوہ شیخ یعقوب نے مجدد صاحب کو سلسلۂ سہروردیہ میں خلافت بھی عطاء فرمائی تھی۔

۵ - شاہ سکندر کیتھلی:

ان سے مجدد صاحب کو سلسلۂ قادریہ میں اجازت و خلافت حاصل تھی، موصوف عارف کامل شاہ کمال کیتھلی کے خلیفہ و جانشین تھے۔

۶ - حضرت خواجہ باقی باللہ:

موصوف سے حضرت مجدد صاحب نے سلسلۂ نقشبندیہ میں اجازت و خلافت حاصل کی، خواجہ باقی باللہ شیخ المشائخ خواجہ امکنگی کے اجل خلفاء میں سے تھے۔

---

۱) أخرجه الترمذي في "سننه" أبواب البر والصلة، باب ما جاء في رحمة المسلمين (۳۲۳/٤) رقم الحديث: ۱۹۲٤.

۲) زبدۃ المقامات (اردو): ۱۹۳۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

حضرت مجددؒ نے بذات خود ان سلاسل ثلاثہ میں اپنی اجازت وخلافت کا ذکر اپنے ایک مکتوب میں اس طرح کیا ہے:

"وارادت من بمحمد رسول اللہ ﷺ بوسائط کثیرہ است۔ در طریقہ نقشبندیہ بیست و یک واسطہ درمیان است، ودر طریقہ قادریہ بیست وپنج، ودر طریقہ چشتیہ بیست وہفت۔" (۱)

[مجھے محمد رسول اللہ ﷺ سے بہت سے واسطوں سے ارادت ہے۔ طریقہ نقشبندیہ میں اکیس واسطے درمیان میں ہیں، طریقہ قادریہ میں پچیس اور طریقہ چشتیہ میں ستائیس۔]

اولاد وامجاد:

شیخ احمد سرہندیؒ کے سات صاحبزادے اور تین صاحب زادیاں تھیں؛ جن کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:

۱) خواجہ محمد صادق علیہ الرحمہ، متوفی: ۱۰۲۵ھ مطابق ۱۶۱۶ء۔

۲) خواجہ محمد سعید علیہ الرحمہ، متوفی: ۱۰۷۰ھ مطابق ۱۶۵۰ء۔

۳) خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمہ، متوفی: ۱۰۷۹ھ مطابق ۶۰-۱۶۵۹ء۔

۴) خواجہ محمد فرخ علیہ الرحمہ، متوفی: ۱۰۲۵ھ مطابق ۱۶۱۶ء۔

۵) خواجہ محمد عیسی علیہ الرحمہ، متوفی: ۱۰۲۵ھ مطابق ۱۶۱۶ء۔

۶) خواجہ محمد اشرف علیہ الرحمہ۔

۷) خواجہ محمد یحیی علیہ الرحمہ، متوفی: ۱۰۹۶ھ مطابق ۸۵-۱۶۸۴ء۔

صاحبزادیاں:

۱) بی بی رقیہ بانو علیہا الرحمہ۔

۲) بی بی خدیجہ بانو علیہا الرحمہ۔

۳) بی بی ام کلثوم علیہا الرحمہ۔ (۲)

---

۱) احمد سرہندی، شیخ مجدد الف ثانی۔ مکتوبات امام ربانی: ۳/ ۱۴۵، مکتوب نمبر: ۸۷، مطبع منشی نول کشور، لکھنؤ، ۱۹۱۳ء۔

۲) زبدۃ المقامات (اردو): ۳۰۵- ۳۵۳۔ سیرت مجدد الف ثانی: ۳۷۲۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

خلفاء کبار:

شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی جیسی بزرگ اور مصلح ہستی کے تمام خلفاء کے ناموں کا احاطہ کرنا انتہائی مشکل ترین عمل ہے: کیوں کہ بہت سے احباب ایسے بھی ہیں جن کی ملاقات شیخ مجدد سے صرف ایک بار ہی ہوتی ہے لیکن وہ اس بات کو بیان کرتے ہیں کہ ان کو حضرت مجدد سے خلافت و اجازت حاصل ہے۔ حضرت مجددؒ کے خلفاء کی کثرت کا اندازہ اس عبارت سے بھی لگایا جا سکتا ہے جس کو حضرت مجددؒ کے خلیفہ خواجہ محمد کشمیؒ نے خلفاء کی ایک کثیر تعداد ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

> "اور کچھ حضرات ہمارے مجدد قدس سرہ کے اصحاب میں سے ایسے بھی ہوئے ہیں جو فقر، تنہائی اور گوشہ گم نامی میں تھے کہ جن کو آستانہ عالیہ کے خدام بھی نہیں جانتے۔" (۱)

۱) صاحبزادہ خواجہ محمد صادق (متوفی: ۱۰۲۵ھ، ۱۶۱۶ء)۔
۲) صاحبزادہ خواجہ محمد سعید (متوفی: ۱۰۷۰ھ، ۱۶۵۹ء)۔
۳) صاحبزادہ خواجہ محمد معصوم (متوفی: ۱۰۷۹ھ، ۱۶۶۸ء)۔
۴) میر محمد نعمان برہان پوری (متوفی: ۱۰۵۸ھ، ۱۶۴۸ء)۔
۵) شیخ حمید بنگالی (متوفی: ۱۰۲۵ھ، ۱۶۱۶ء)۔
۶) شیخ محمد طاہر لاہوری (متوفی: ۱۰۴۰ھ، ۱۶۳۰ء)۔
۷) خواجہ محمد صدیق کشمی (متوفی: ۱۰۵۰ھ، ۱۶۴۰ء)۔
۸) خواجہ محمد صادق کابلی (متوفی: ۱۰۱۸ھ، ۱۶۰۹ء)۔
۹) حاجی خضر خاں افغانی (متوفی: ۱۰۳۵ھ، ۱۶۲۵ء)۔
۱۰) شیخ احمد برکی (متوفی: ۱۰۲۶ھ، ۱۶۲۴ء)۔
۱۱) شیخ یوسف برکی (متوفی: ۱۰۳۴ھ، ۱۶۲۴ء)۔
۱۲) شیخ کریم الدین بابا حسن ابدالی (متوفی: ۱۰۵۰ھ، ۱۶۴۰ء)۔
۱۳) شیخ عبد الحی شادمانی (متوفی: ۱۰۷۰ھ، ۱۶۶۹ء)۔
۱۴) شیخ آدم بنوری (متوفی: ۱۰۵۳ھ، ۱۶۴۳ء)۔
۱۵) شیخ مزمل (متوفی: ۱۰۲۶ھ، ۱۶۱۶ء)۔
۱۶) مولانا محمد صالح کولابی (متوفی: ۱۰۳۸ھ، ۱۶۲۸ء)۔

---

۱) زبدۃ المقامات (اردو)، ص۳۰۵۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱۷) شیخ نور محمد پنجی۔

۱۸) شیخ بدیع الدین سہارنپوری۔

۱۹) شیخ طاہر بدخشی۔

۲۰) شیخ یار محمد قدیم طالقانی۔

۲۱) مولانا عبدالہادی بدایونی۔

۲۲) شیخ احمد دہلی۔

۲۳) شیخ حسن برکی۔

۲۴) خواجہ محمد ہاشم کشمی۔

۲۵) شیخ بدرالدین سہرندی۔

۲۶) شیخ یوسف سمرقندی۔

۲۷) مولانا قاسم علی۔

۲۸) مولانا عبدالواحد لاہوری۔

۲۹) مولانا امان اللہ لاہوری۔

۳۰) شیخ محمد حرمی۔

۳۱) شیخ داؤد ساکی۔

۳۲) شیخ سلیم بنوری۔

۳۳) شیخ محمد بہاری۔

۳۴) شیخ حمد بہاری۔

۳۵) صوفی قربان قدیم۔

۳۶) مولانا غازی گجراتی۔

۳۷) صوفی قربان جدید۔

۳۸) سید باقر سارنگ پوری۔

۳۹) مولانا فرخ حسین۔

۴۰) مولانا اصغر احمد۔

۴۱) مولانا حمید احمد۔

۴۲) حاجی حسین۔

۴۳) شیخ عبدالکریم برکی۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۴۴) خواجہ محمد اشرف کابلی۔

۴۵) مولانا حاجی محمد خرکی۔

۴۶) مولانا عبد الغفور سمرقندی۔

۴۷) حافظ محمود گجراتی۔

۴۸) شیخ سلیم خان۔

۴۹) شیخ محب اللہ مانک پوری۔

۵۰) شیخ زین العابدین تبریزی۔

۵۱) سید عبد الغفور نجومی۔

۵۲) شیخ احمد استبولی۔

۵۳) مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی (متوفی: ۱۰۶۷ھ/۱۶۵۷ء)۔ (۱)

تصانیف:

مکتوبات امام ربانی:

حضرت مجدد کی تصانیف میں سب سے زیادہ اہمیت کے حامل وہ مکاتیب ہیں جو انہوں نے گاہے بگاہے اپنے معاصرین، امراء اور علماء کے نام تحریر فرمائے تھے۔ انسانی سیرت کی تکمیل و تعمیر کے علاوہ فارسی ادب میں بھی ان مکاتیب کو غیر معمولی اہمیت و مقبولیت حاصل ہے۔ یہ مکتوبات تین ضخیم جلدوں پر مشتمل ہیں؛ جن کی مختصر تفصیل حسب ذیل ہے:

۱) جلد اول موسوم بہ "در المعرفت" (۱۰۲۵ھ مطابق ۱۶۱۶ء) مرتبہ مولانا یار محمد الجدید، البدخشی، الطالقانی رحمۃ اللہ علیہ۔ یہ جلد ۳۱۳ مکتوبات پر مشتمل ہے۔

۲) جلد دوم موسوم بہ "نور الخلائق" (۱۰۲۸ھ مطابق ۱۶۱۸ء) مرتبہ مولانا عبد الحی حصاری رحمۃ اللہ علیہ، یہ جلد ۹۹ مکتوبات پر مشتمل ہے۔

۳) جلد سوم موسوم بہ "معرفۃ الحقائق" (۱۰۳۱ھ مطابق ۱۶۲۱ء) مرتبہ مولانا محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ، یہ جلد ۱۲۲ مکتوبات پر مشتمل ہے۔

---

۱) زبدۃ المقامات (اردو): ۵۳۸- ۵۵۴- سیرت مجدد الف ثانی: ۳۰۹- ۳۱۳- تذکرہ امام ربانی مجدد الف ثانی: ۳۱۰- ۱۵۳۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ان مکاتیب کی مقبولیت، اہمیت اور افادیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ دنیا کی اکثر مشہور علمی زبانوں میں ان کے ترجمے، اختصارات و انتخابات اور شروح و حواشی کے طور پر کام ہو چکا ہے۔

ان مکاتیب کے علاوہ شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ کی تقریباً ۲۲ رتصانیف اور ہیں؛ جن کا ذکر مسعود احمد نے آپؒ کی تصانیف کے تحت کیا ہے۔[۱]

۱) آداب المریدین۔

۲) تعلیقات العوارف۔

۳) الحاشیۃ علی شرح العقائد۔

۴) رد الرفضہ۔

۵) رسالہ تعیین ولا تعیین۔

۶) رسالہ تہلیلیہ۔

۷) رسالہ جذب و سلوک۔

۸) رسالہ حالات خواجگان نقشبندیہ۔

۹) رسالہ در بیان مسئلہ وحدۃ الوجود۔

۱۰) رسالہ در بیان طریقت حضرت خواجگان۔

۱۱) رسالہ علم حدیث۔

۱۲) رسالہ معرفۃ النفس و معرفۃ الرب۔

۱۳) رسالہ مقصود الصالحین۔

۱۴) رسالہ نصائح وغیرہ۔

۱۵) الرسالۃ فی اثبات النبوۃ۔

۱۶) شرح رباعیات خواجہ بیرنگ۔

۱۷) المقدمۃ السنیۃ فی انتصار الفرقۃ السنیۃ۔

۱۸) کنوز الحقائق۔

۱۹) مبداء و معاد۔

---

۱) سیرت مجدد الف ثانیؒ: ۲۰۴-۲۰۸۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۲۰) مجموعہ تصوف۔

۲۱) معارف لدنیہ۔

۲۲) مکاشفات غیبیہ۔

شیخ محدث دہلویؒ اور مجدد الف ثانیؒ:

یہ دونوں حضرات ایک ہی خرمن کے خوشہ چیں ہیں اور دونوں سلسلۂ نقشبندیہ میں حضرت باقی باللہ کے خلفاء کبار میں شمار ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان دونوں کے تعلقات ہمیشہ خوشگوار طریقہ پر باقی رہے؛ اگرچہ وقتی اور عارضی طور پر شیخ عبدالحقؒ کو مجدد الف ثانیؒ سے کچھ اختلاف ہو گیا تھا جس کی بنیاد صرف و صرف تحفظ شریعت اور نیک نیتی پر تھی۔

اسی اختلاف کی وجہ سے شیخ محدث نے مجدد صاحب کی تردید میں ایک رسالہ بھی لکھا تھا؛ جسکو پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اپنی کتاب "حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی" میں ضمیمہ کے طور پر شامل کیا ہے۔ اس رسالہ کے مطالعہ سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ بعض تذکرہ نگاروں اور مؤرخین نے جن فضولیات اور بے ہودہ باتوں کو اس اختلاف کی بنیاد قرار دیا ہے وہ سراسر غلط اور بے بنیاد ہیں۔

چوں کہ یہ اختلاف مبنی بر تحفظ شریعت تھا اس لئے دونوں حضرات کو ذاتی طور پر ایک دوسرے سے کوئی بغض و عناد نہ تھا؛ بلکہ وہ دونوں تو ایک دوسرے کے متعلقین اور متعارفین سے بھی خصوصیت برتتے تھے؛ جیسا کہ مجدد صاحبؒ مرزا داراب بن عبدالرحیم خان خاناں کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

"ثانیاً سفارش شیخ اسماعیل می نماید از آشیان معارف آگاہی حاجی عبدالحق است۔"[۱]

اس کے علاوہ مجدد صاحب نے جو مکتوب شیخ نورالحق پسر شیخ عبدالحقؒ کے نام "در کشف سر گرفتاری حضرت یعقوب بحضرت یوسف"[۲] کے عنوان سے لکھا ہے اگر اس کا مطالعہ کیا جائے اور اس میں جو "اخوی اعزی" کہہ کر شیخ نورالحق کو مخاطب کیا ہے، ان مشفقانہ الفاظ میں غور کیا جائے تو لگتا ہے کہ اس خانوادہ میں کبھی کوئی اختلاف تھا ہی نہیں۔

---

۱) مکتوبات امام ربانی: ۱/ ۲۶۸، مکتوب نمبر: ۲۴۹۔

۲) مکتوبات امام ربانی: ۳/ ۱۷۶، مکتوب نمبر: ۱۰۰۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ان تمام مکاتیب و خطوط کو پڑھنے اور ان میں مستعمل الفاظ میں سطحی طور پر ہی غور کرنے سے یہ نتیجہ اخذ کرنا انتہائی آسان ہے کہ ان دونوں حضرات میں صرف محبت و مودت کے تعلقات ہی نہیں تھے؛ بلکہ مجدد صاحب تو شیخ کے وجود کو اس دور میں ایک نعمت سمجھتے تھے جیسا کہ وہ اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

"وجود شریف ایشاں دریں غربت اسلام اہل اسلام را مغتنم است، سلمکم اللہ سبحانہ و أبقاکم۔"(1)

[آپ کا وجود شریف اسلام کی اس غربت میں مسلمانوں کے لئے مغتنم ہے، سلمکم اللہ سبحانہ وأبقاکم۔ والسلام]

1) مکتوبات امام ربانی: ۲/ ۳۶، مکتوب نمبر: ۲۶۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

حضرت شاہ ابو المعالیؒ

نام و نسب:

آپ کا اسم گرامی خیر الدین، لقب ابو المعالی اور شعر و شاعری میں اپنا تخلص غربتی رکھتے تھے۔ (۱)

مختصر حالات زندگی:

شاہ ابو المعالی کے آباؤ اجداد کرمان کے رہنے والے تھے؛ جن کا شمار سادات کرمان میں ہوتا تھا، سب سے پہلے آپ کے دادا ۹۶۱ھ میں ہندوستان تشریف لائے اور اوچہ میں سکونت اختیار کی، پھر کچھ عرصہ بعد وہاں سے کوچ کر کے ملتان کے قریب "داؤد جال" نامی علاقہ میں قیام کیا، لیکن شاہ ابو المعالی کے والد سید رحمت اللہ چند سال داؤد جال میں رہنے کے بعد سکھروہ میں آئے اور پھر مستقل طور پر شیر گڑھ میں آکر مقیم ہوگئے۔

شیر گڑھ میں ہی ۱۰ / ذی الحجہ ۹۶۰ھ کو شاہ ابو المعالی کی ولادت باسعادت ہوئی، لیکن دارا شکوہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

"شاہ ابو المعالی کی ولادت دوشنبہ، ۱۰ / ذی الحجہ ۹۲۰ھ کو ہوئی۔" (۲)

آپ چوں کہ بچپنا سے ذہین و فطین تھے اور پھر ایک ایسے گھرانے میں آپ کی پیدائش ہوئی تھی جو علم کی وجہ سے دور دراز علاقوں میں بھی مشہور تھا، ان ہی وجوہات کی بنا پر آپ نے عہد طفولیت میں ہی اپنے والد ماجد کے زیر سایہ اس دور کے اکثر علوم ظاہریہ سے فراغت حاصل کرلی۔

ظاہری علوم سے فارغ ہونے کے بعد آپ کو علوم باطنیہ حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا، جس کی تکمیل کے لئے کئی سالوں تک جنگلوں کی خاک چھانتے اور مجاہدات کرتے ہوئے ۹۸۰ھ میں دہلی پہونچے، وہاں ایک مجذوب سے ملاقات ہوئی جس نے آپ کو مشورہ دیتے ہوئے یہ الفاظ کہے:

---

۱) اعجاز الحق قدوسی، تذکرہ صوفیائے پنجاب: ۷۹، سلمان اکیڈمی، حق نشان کراچی، پاکستان، ۱۹۶۲ء۔ ظہور الحسن شارب، تذکرہ اولیائے پاک و ہند: ۲۸۷، ۲۹۱، پروگریسو بکس، اردو بازار لاہور، بار اول ۱۹۹۹ء۔

۲) دارا شکوہ، شہزادہ، سفینۃ الاولیاء (اردو): ۲۲۵، مترجم: محمد علی لطفی، نفیس اکیڈمی کراچی، پاکستان، طبع ہفتم ۱۹۸۶ء۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

"عالمیاں امروز برائے کسب سلوک طریقت و حصول دولت بر در باب شیخ داؤدی روند و ایشاں آں چناں نعمت درون خانہ گذاشتہ بیرون می روند۔"[1]

[آج کل لوگ سلوک طریقت و حصول دولت کے واسطے بابا شیخ داؤد کے در پر جاتے ہیں اور یہ ایسی نعمت کو گھر میں چھوڑ کر باہر جاتے ہیں۔]

یہ الفاظ سن کر آپ شیر گڑھ سے دہلی کی جانب روانہ ہوئے اور وہاں پہونچ کر شیخ داؤد کے حلقہ میں شامل ہو گئے۔ شاہ ابو المعالی، شیخ داؤد کے برادر زادے اور داماد تھے۔ تیس سال اپنے چچا کی خدمت میں رہنے کے بعد ان ہی سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔

وفات:

اپنے خسر، چچا اور پیر و مرشد سے خلافت حاصل کرنے کے بعد خلق خدا کی رشد و ہدایت کے لئے اپنے شیخ کے حکم سے لاہور تشریف لائے اور وہیں جہانگیر کے عہد حکومت میں ۱۶ ربیع الاول ۱۰۲۴ھ مطابق ۱۶۱۵ء کو وفات پائی۔[2]

تصانیف:

۱) تحفۃ القادریہ: اس میں آپ نے غوث پاک شیخ عبد القادر جیلانیؒ کے مناقب و کرامات کو جمع کیا ہے۔

۲) حلیہ سید عالم ﷺ۔

۳) زعفران زار۔

۴) گلدستہ باغ ارم۔

۵) مونس جاں۔

۶) نغمات داؤدی۔[3]

---

۱) تذکرہ اولیائے پاک وہند: ۲۸۸۔

۲) خزینۃ الاولیاء: ۲۴۵۔ تذکرہ صوفیائے پنجاب: ۸۶۔ تذکرہ اولیائے پاک وہند: ۲۹۰۔

۳) تذکرہ صوفیائے پنجاب: ۸۳۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

شیخ محدث دہلوی اور شاہ ابو المعالی:

شیخ صاحب اور شاہ ابو المعالی کے درمیان عقیدت و محبت کا رشتہ تھا۔ شیخ صاحب ان سے اپنے احوال باطنیہ کے بارے میں مشورہ کیا کرتے تھے اور ہر وقت رہنمائی و دعاؤں کے متمنی رہتے تھے۔

شیخ محدثؒ نے شاہ ابو المعالی کے نام کئی خطوط تحریر فرمائے ہیں جن میں اپنی بے چینی اور کرب کا ذکر کیا ہے؛ چناں چہ ایک خط میں کچھ اس انداز میں اپنی حالت کا ذکر کرتے ہیں:

"بالجملہ اندوہ و تنگ دلی از حد گزشتہ، وقت امداد و اعانت است، فریاد رسی می باید کرد، ورائے آنکہ کبری ختمی بجناب حضرت غوث الاعظم است می باید پوشیدہ، و ذرع واؤدی در بر کرد، و در قالب حقیقت عظمی غوثیہ در آمدہ و تصرف کرد، و توجہ با ارواح مقدسہ مشائخ سلسلہ نمودہ و استکشاف حال کردہ خبرے گرفت و اعلام نمود تا دل بمرکز قرار آید۔" (۱)

شیخ محدثؒ کے خطوط اور تحریرات سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ شاہ ابو المعالی کی روحانی صلاحیتوں کے دل سے معترف تھے، ان کی صلاحیتوں کو اس درجہ مؤثر مانتے تھے کہ شیخ صاحب کو اس بات کا یقین تھا کہ ایسا کوئی سنگ دل نہ ہوگا جو ان کی صحبت کے اثر سے نرم نہ ہو جائے، جیسا کہ وہ اپنے تاثر کو ظاہر کرتے ہوئے ایک مکتوب میں رقم طراز تھا:

"ذوق صحبت ایشاں و رنگ حال ایشاں کہ در ظاہر و باطن فقیر نشستہ است بتقریر و تحریر گنجائش بیان ندارد۔" (۲)

[ان کی صحبت کا ذوق اور ان کے حال کا رنگ جو فقیر کے ظاہر و باطن میں بیٹھا ہوا ہے، وہ تقریر و تحریر کے ذریعہ بیان کی گنجائش نہیں رکھتا۔]

شاہ ابو المعالی کے اسی مقام و مرتبہ کی وجہ سے شیخ محدث دہلوی ان کو اپنا روحانی مرشد مانتے تھے، اکثر اہم امور میں ان سے مشورے لیا کرتے تھے اور ان کا ذکر انتہائی ادب و احترام کے ساتھ کرتے تھے؛ جیسا کہ اخبار الاخیار میں شاہ ابو المعالیؒ کے مناقب و محاسن پر اس انداز میں روشنی ڈالتے ہیں:

---

۱) کتاب المکاتیب: ۲۲۷۔

۲) کتاب المکاتیب: ۳۰۵۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

"اکنوں جانشین شیخ داؤد، شیخ ابو المعالی است کہ بغایت مناجت عالی وقدر متعالی دارد، وریاضت ومجاہدہ میکشد وقبولے تمام یافتہ، وحسن مقال وضمیر صحت حال ساختہ، مناقب حضرت غوث الثقلین رادر لباس عبارت فارسی در آورند۔" (۱)

[اس وقت آپ کے (روحانی) جانشین شیخ ابو المعالی ہیں، جو کہ عالی منصب رکھنے کے باوجود مجاہدہ اور ریاضت میں مشغول رہتے ہیں، کافی شہرت کے مالک ہیں، تندرست وتوانا ہیں اور حسن مقال کی صفت سے موصوف ہیں۔ غوث اعظم کی مدح میں فارسی زبان میں بہترین اسلوب سے اشعار بھی کہتے ہیں۔]

شاہ ابو المعالی چوں کہ شیخ محدث کے روحانی مربی تھے اس وجہ سے ایک دفعہ ۱۰۲۵ھ میں ان کو یہ حکم دیا کہ گوشہ نشینی اختیار کریں اور کسی سے بھی نہ ملیں، اس حکم سے شاہ ابو المعالی کا مقصد شیخ کی روحانی تربیت تھی۔

شاہ ابو المعالی شیخ محدث کو ان کے تصنیفی اور تالیفی امور میں بھی مشورے دیتے رہتے تھے: جیسا کہ فتوح الغیب کی شرح شیخ صاحبؒ نے ان ہی کے حکم پر لکھی تھی۔ (۲) اس کے علاوہ مشکوٰۃ کی شرح کے سلسلے میں بھی "ان شاء اللہ کتابے شود کہ اہل عالم ہمہ ازاں مستفید شوند" (۳) جیسے دعائیہ کلمات سے شیخ صاحب کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔

شیخ صاحب کو بھی اپنے مربی اور مرشد کی خیر وعافیت کی فکر دامن گیر رہتی تھی اور وہ ان کی پریشانی اور بیماری کی خبر سن کر بے چین ہو جاتے تھے جیسا کہ ایک بار شاہ صاحبؒ نے ان کو یہ ہدایت کی کہ دہلی سے باہر نہ جائیں وہیں رہ کر اپنا کام کرتے رہیں، لیکن شیخ محدث ملاقات کی غرض سے لاہور تشریف لے گئے، تو شاہ صاحبؒ نے ناگواری کی حالت میں ان سے فرمایا:

"اکنوں بدہلی بروید کہ دہلی در فراق شما بزبان حال می نالد بروید، بروید۔" (۴)

[ابھی دہلی کے لئے روانہ ہو جاؤ! کیوں کہ دہلی تمہارے فراق میں زبان حال سے نالاں ہے، جاؤ، جاؤ۔]

---

۱) اخبار الاخیار: ۳۱۳۔

۲) شرح فتوح الغیب: ۲۱۔

۳) کتاب المکاتیب: ۳۰۶۔

۴) کتاب المکاتیب: ۳۰۳۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

شیخ عبد اللہ نیازیؒ

مختصر حالات زندگی:

شیخ عبد اللہ نیازی کا آبائی تعلق افغانستان سے تھا، آپ نے ابتدائی عمر میں ہی بارہ سال تک تحصیل علوم کی خاطر عرب وشام جیسے دور دراز مراکز علوم کی سیر وسیاحت کی اور وہاں کے علماء وفضلاء سے علوم ظاہری کے ساتھ ساتھ علوم باطنی میں بھی استفادہ کیا۔

آپ بغداد میں بطور خاص سات سال تک علوم باطن اور ریاضت شاقہ اختیار کرنے کے بعد 'اسلام شاہ' کے زمانہ (۱۵۴۵ء تا ۱۵۵۳ء) میں پہلی بار ہندوستان تشریف لائے اور اس وقت کی مشہور ترین تحریک "مہدویت" میں داخل ہو گئے، جس کی وجہ سے اسلام شاہ کے زمانہ میں بری طرح پٹوائے گئے بلکہ نیم جان ہونے پر ہی چھوڑے گئے۔ (۱)

مہدوی تحریک کے بانی سید محمد جونپوری (۸۴۷ء تا ۹۱۰ء) تھے اس تحریک کا زور ہندوستان میں تقریباً تین صدیوں تک جاری رہا، اور اس کے زیر اثر ایسے متعدد سر فروش اور بے لوث افراد پیدا ہوئے جنھوں نے تبلیغ اسلام میں اپنی جان تک کی بازی لگادی اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی خاطر سخت اذیتیں برداشت کرتے ہوئے "کلمۃ عدل عند سلطان جائر" (۲) کے فریضہ کو بخوبی انجام دیا، اس تحریک پر تبصرہ کرتے ہوئے سید ابو الحسن علی میاں ندوی رقم طراز:

> "غیر جانبدارانہ تاریخی مطالعہ کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ دو تین صدیوں کے اندر کوئی دینی دعوت اور تحریک اس تحتی بر اعظم (بشمول افغانستان) میں اتنے وسیع پیمانہ اور اتنے گہرے اور طاقتور طریقہ پر مسلم معاشرہ پر اثر انداز نہیں ہوئی جتنی کہ یہ دعوت و تحریک۔" (۳)

ابتداء میں یہ تحریک چوں کہ اصلاح معاشرہ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے اسلامی طریقہ پر قائم تھی جس کی وجہ سے اس دور کے دوسرے علماء ومشائخ کی طرح شیخ عبد اللہ نیازی بھی اس کے حلقہ میں داخل ہو گئے، اور چند سال مکہ معظمہ میں بسر کرنے کے بعد عہد اکبری میں دوبارہ ہندوستان تشریف لائے، اور سرہند میں اقامت اختیار کی، شیخ محمد اکرم کے مطابق:

---

۱) رود کوثر: ۴۰۵۔

۲) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الفتن، باب ما جاء في أفضل الجهاد (۴/۴۷۱) رقم الحديث: ۲۱۷۴۔

۳) ندوی، ابوالحسن علی حسنی، تاریخ دعوت وعزیمت: ۴/ ۵۲، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، لکھنؤ، ۱۴۳۱ھ = ۲۰۱۰ء۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

"اس دوران میں (کتب کے مزید مطالعہ اور تحقیق کے بعد) مہدویت سے توبہ کی، علماء کا طریقہ اختیار کیا اور متائل ہو گئے۔"(۱)

شیخ عبداللہ نیازیؒ عہد جہاں گیری تک زندہ تھے اور اس وقت آپ کی عمر تقریباً ۱۴۰ رسال سے زیادہ تھی۔ رود کوثر میں ان کی دو کتابوں کے نام بھی ملتے ہیں:

"انہوں نے متعدد کتب تصنیف کیں، جن میں "نوادر افغانی" اور "مرآۃ الصف" کے نام تذکروں میں ملتے ہیں۔"(۲)

شیخ عبداللہ نیازی انتہائی متواضع اور منکسر المزاج شخصیت کے حامل تھے، لوگوں کی مدد کرنا ان کی فطرت میں شامل تھا، وہ انتہائی معمولی کاموں میں بھی دوسروں کا ہاتھ بٹاتے تھے اور اگر کوئی کسی مجبوری کی وجہ سے دین کا کوئی فریضہ انجام نہیں دے پا رہا ہوتا تو حتی المقدور اس کی مدد کرتے۔ شیخ نیازی ہمیشہ اس بات پر عمل کرتے کہ نماز باجماعت ادا کی جائے، وہ جب بیانہ میں مقیم تھے تو اس وقت ان کی حالت بیان کرتے ہوئے مولانا آزاد لکھتے ہیں:

"نماز کا وقت آتا تو لکڑہاروں اور سقوں کو جمع کرتے اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے۔ کسی پیشہ ور کو دیکھتے کہ عذر معاش سے نماز میں شریک نہیں ہوتا تو اپنی کمائی اس کو دیدیتے اور منت وزاری کے ساتھ کہتے کہ جماعت میں شریک ہو کر نماز پڑھ لو۔ وہ پڑھ لیتا تو ایسے خوش ہوتے گویا دنیا جہاں کی بادشاہت اس نے دیدی۔"(۳)

شیخ محدث دہلوی اور شیخ نیازی:

شیخ محدث دہلویؒ اور شیخ نیازیؒ کے درمیان اخلاص وللّٰہیت پر مبنی روابط تھے۔ شیخ صاحب آپ کے مرتبہ کے قائل تھے، آپ کے متعلق ہمیشہ اچھا گمان رکھتے تھے۔ آپ کے پند ونصائح سے مکمل فائدہ اٹھاتے تھے اور اس بات پر خدا کا شکر ادا کرتے کہ اس پر فتن دور میں شیخ نیازیؒ جیسے مخلص حضرات موجود ہیں۔ ان باتوں کا اندازہ شیخ عبد الحق محدثؒ کے اس مکتوب سے لگایا جا سکتا ہے جو انہوں نے شیخ نیازیؒ کو ارسال فرمایا تھا اور وہ "کتاب المکاتیب

---

۱) رود کوثر: ۴۰۶۔

۲) رود کوثر: ۴۰۶۔

۳) تذکرہ: ۶۳۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

والرسائل" میں "رعایۃ الانصاف والاعتذار فی اعتقاد الصوفیۃ من ارباب احوال" کے نام سے موجود ہے۔ اس مکتوب میں شیخ نیازیؒ کے خط کا ذکر آپؒ نے ان بلند پایہ الفاظ میں کیا ہے:

"مکتوب مرغوب نصیحت اسلوب رسید و بمطالعہ آں مشرف شد، واز نصائح آں ــــــــــ بہرہ مند و مستفید گشت۔" (۱)

[پسندیدہ خط جس کا اسلوب ناصحانہ ہے وہ پہونچا اور اس کے مطالعہ سے (میں) مشرف ہوا اور اس میں موجود نصیحتوں سے بہرہ مند ہوا اور فائدہ حاصل ہوا۔]

شیخ عبد الحقؒ کے مذکورہ خط سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ عبد اللہؒ نے ان کو جو خط لکھا تھا اس میں صوفیہ کرام کے متعلق کچھ ایسے خیالات کا اظہار کیا تھا جن سے شیخ محدثؒ کو اختلاف تھا اور آپؒ نے شیخ نیازیؒ کے انہی اعتراضات کے جواب میں یہ خط لکھا تھا؛ جس میں صوفیۂ صافی کی حقیقت، اصل تصوف اور شیخ ابن عربی کی تصانیف کی اہمیت پر انتہائی جامع اور مختصر پیرایہ میں بحث کی ہے، اور یہ بتایا ہے کہ اصل تصوف صرف وہی ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے موافق ہو۔

مذکورہ بالا خط کے علاوہ شیخ صاحبؒ نے شیخ نیازیؒ کے نام تین مکتوب اور لکھے تھے جو "کتاب المکاتیب والرسائل" میں موجود ہیں۔ ان خطوط کے نام درج ذیل ہیں:

۱) ایراد عبارات النصیحۃ فی شرح قولہ علیہ السلام "الدین النصیحۃ"۔ (۲)

۲) اقامۃ المراسم فی اعمال المواسم۔ (۳)

۳) تقریب الخان لمناصحۃ الخلان۔ (۴)

---

۱) کتاب المکاتیب والرسائل: ۷-۹۔

۲) کتاب المکاتیب والرسائل: ۵۱-۵۹۔

۳) کتاب المکاتیب والرسائل: ۵۹-۶۳۔

۴) کتاب المکاتیب والرسائل: ۶۳-۷۰۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

محمد غوثی شطاریؒ

نام و نسب:

محمد غوثی بن حسن ابن موسیٰ شطاری۔[1] آپ نے خود اپنے دو نام ذکر کئے ہیں (۱) محمد، (۲) یوسف،[2] غوثی آپ کے پیر و مرشد محمد غوث گوالیاری کی جانب نسبت کرتے ہوئے، اور شطاری سلسلہ شطاریہ کی جانب نسبت کرتے ہوئے کہا جاتا ہے۔

مختصر حالات زندگی:

محمد غوثی کی پیدائش جمعہ کی رات کو ۱۱ رجب ۹۶۳ھ میں مانڈو میں ہوئی، جب آپ کی عمر پانچ سال کی ہوئی تو آپ کے ماموں (شیخ میانجیو) نے ان کو شیخ کمال الدین قریشی کے مکتب میں داخل کرادیا، جہاں آپ نے تجوید و قرأت کی تحصیل کی۔

محمد غوثی کی عمر جب گیارہ سال کی ہوئی تو شفقت پدری کا سایہ سر سے اٹھ گیا، والد بزرگوار نے آخری وقت میں اپنی دلی تمنا ظاہر کرتے ہوئے فرمایا:

> "میرے دل میں ایسا خیال تھا کہ تیس (۳۰) سال تک اس خرد سال لڑکے کو جس کے خرد روز افزوں ترقی پر ہے ہوشیار داناؤں کی خدمت سے اور اہل علم عالی فطرتوں کی ملازمت سے دور نہیں ہونے دوں گا؛ تاکہ گوناں گوں درستی فنون اور انواع و اقسام کے ملکی اور انسانی علوم کی تحصیل میں سرگرم ہو کر اپنا تقدیری جواہر اونچے درجہ پر ظاہر کرے۔"[3]

والد بزرگوار کی یہ آخری تمنا مولانا غوثیؒ کے دل میں گھر کر گئی اور وہ اس پر اس طرح کاربند رہے کہ ایک سانس بھی ایسی نہ گذری جس میں طلب علم کے راستہ پر نہ چلے ہوں، اور زندگی کا کوئی دن ایسا نہ آیا جس میں اپنے دل کے خواب کو پورا نہ کیا ہو۔ طلب علم اور استفادہ کی خاطر آپ نے بہت سے علماء کرام کے سامنے زانوائے تلمذ تہ کیا، جن میں شیخ وجیہ الدین علوی گجراتیؒ اور سید محمد غوث گوالیاری شطاریؒ بطور خاص قابل ذکر ہیں، یہی سید غوث تھا جن سے آپ کا بیعت و ارادت کا رشتہ قائم تھا اور محبت و ارادت کا یہ عالم تھا کہ آج تک ان ہی کی جانب نسبت کرتے ہوئے آپ محمد غوثی کے نام سے مشہور ہیں۔

---

۱) حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی: ۲۴۴۔

۲) گلزار ابرار (اردو): ۶۱۱۔

۳) گلزار ابرار (اردو): ۶۱۲۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

شیخ محدث دہلویؒ اور محمد غوثیؒ:

ان دونوں حضرات کے درمیان جو تعلقات تھے وہ زیادہ طویل عرصہ پر تو منحصر نہیں ہیں؛ البتہ چوں کہ محمد غوثی شطاریؒ کو اپنے والد بزرگوار کی آخری خواہش اور نصیحت کی بنا پر اہل علم حضرات کی صحبت میں رہنا پسند تھا اور آپ جیسے بزرگوں سے استفادہ کی خاطر ان کی پر رونق مجالس میں حاضری کے خواہاں رہتے تھے۔

اسی لئے جب شیخ محدثؒ سفر حجاز کے ارادہ سے روانہ ہوئے اور دورانِ سفر مالوہ میں قیام کیا تو دیگر حضرات کی مانند شیخ غوثیؒ نے بھی ان سے بہت سے فیوض حاصل کئے تھے[1] جیسا کہ وہ خود اپنی مشہور کتاب گلزار ابرار میں رقمطراز ہیں:

> "جب آپ مرزا (عزیز محمد، حاکم ممالک صوبہ مالوہ) کی ملازمت اور اجازت سے راستہ چل کر، دارالعبرۃ مندو (مانڈو) میں آئے، تو ان ایام میں راقم گلزار نے بھی آپ کے بافروغ دیدار سے بہت کچھ فیض یازی اور فرخندگی کے فوائد حاصل کئے تھے۔" [2]

(1) حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۳۴۴۔
(2) گلزار ابرار (اردو): ۵۹۹۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

مرزا نظام الدین احمد بخشیؒ

نام ونسب:

نظام الدین احمد بن محمد مقیم، الہروی۔ (۱)

مختصر حالات زندگی:

مرزا نظام الدین کا پدری تعلق شیخ ہرات عبد اللہ انصاریؒ سے تھا، اسی وجہ سے ان کے خاندان والے خود کو "ہروی" لکھتے تھے، آپ کے والد خواجہ مقیم، بابر کے عہد (۱۵۲۶ء تا ۱۵۳۰ء) میں محلات کے داروغہ تھے۔

اپنے آباؤ اجداد کے مانند مرزا صاحب بھی بہت سے اوصاف سے متصف تھے جن پر نظر کرتے ہوئے عہد اکبری میں ان کو بہت سے اعلیٰ فوجی مناصب سے سرفراز کیا گیا اور ۱۵۸۵ء میں گجرات اور ۱۵۹۳ء میں پوری مغلیہ سلطنت کا بخشی مقرر کر دیا گیا۔ اسی پر رہتے ہوئے ۲۳ر صفر ۱۰۰۳ء مطابق ۷ر نومبر یا ۲۸ر اکتوبر ۱۵۹۴ء کو ۴۵ر سال کی عمر میں مرزا صاحب کا انتقال ہوا۔ (۲)

عملی میدان کے ساتھ ساتھ مرزا صاحب علمی میدان کے بھی شہ سوار تھے ان کو تاریخ سے ایک خاص لگاؤ تھا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے والد لڑکپن سے ہی ان کو مطالعۂ تاریخ کی جانب توجہ دلاتے تھے۔ وقت کے ساتھ ساتھ ان کا یہ شوق بھی بڑھتا چلا گیا اور انہوں نے خود بھی لکھنا شروع کر دیا۔

اس وقت تک چوں کہ ہندوستان کی کوئی مکمل تاریخ نہیں تھی، اس لئے مرزا صاحب نے اس کمی کو پورا کرنے کا ارادہ کیا اور نتیجتاً ان کی مشہور ومعروف تصنیف "طبقات اکبری" منصۂ شہود پر آگئی۔ اس کتاب کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے حسین آزاد لکھتے ہیں:

> "عمدہ تاریخ ہے، ۱۰۰۲ء تک اکبر کا حال لکھا ہے، اگرچہ مفصل نہیں مگر مختصر بھی نہیں، عبارت صاف، بے تکلف بے مبالغہ، حالات کی تحقیق، احوال کی تنقیح، اخبار کے فراہم کرنے میں بڑی کوشش اور وقت اٹھانی پڑی۔" (۳)

---

۱) اردو دائرۂ معارف اسلامیہ: ۲۲/ ۳۳۹۔

۲) منتخب التواریخ: ۳/ ۳۹۷۔ حیات شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ: ۲۲۱۔ نزہۃ الخواطر: ۵/ ۶۵۶۔

۳) دربار اکبری: ۸۴۲۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

شیخ محدث دہلوی اور مرزا نظام الدین:

مرزا صاحب کی شخصیت چوں کہ فطری طور پر علم دوست واقع ہوئی تھی؛ اس لئے ان کو علماء کرام سے قلبی لگاؤ اور انسیت و محبت تھی۔ وہ علماء دین کی خدمت کو اپنے لئے باعث فخر اور قابل عزت سمجھتے تھے، یہی وجہ تھی کہ جب شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے ۹۹۵ھ کے آغاز میں حرمین شریفین کے ارادہ سے رخت سفر باندھا تو وہ مالوہ ہوتے ہوئے گجرات پہونچے، وہاں جا کر معلوم ہوا کہ جہاز کا موسم ختم ہو چکا ہے۔

جس وقت شیخ محدث گجرات پہونچے ہیں اس وقت وہاں کے بخشی مرزا نظام الدین ہی تھے اور جیسا کہ ان کے قلب کو خدمت علماء سے سکون ملتا تھا اس لئے انہوں نے بے حد اصرار کر کے شیخ محدث کو روانگی جہاز کے موسم تک یعنی ایک سال تک گجرات میں ہی ٹھہرایا۔

مرزا صاحب کو شیخ محدث سے جو لگاؤ اور محبت تھی اس کا اندازہ شیخ شطاری ہی کی اس عبارت سے ہو سکتا ہے:

> "گجرات میں ایسے وقت پہونچے کہ موسم جہاز گذر چکا تھا، مرزا نظام الدین احمد اس صوبہ کے بخشی تھے، انہوں نے بے حد التماس کر کے آئندہ موسم تک ٹھہرایا اور نہایت خواہش کے ساتھ آپ کی خدمتیں انجام دیں۔"(۱)

---

۱) گلزار ابرار (اردو): ۵۹۹۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

نواب مرتضیٰ خاں شیخ فریدؒ

نام ونسب:

مرتضیٰ بن احمد بن ابی بکر بن جلال بن اللہ دیا بن لطف اللہ بن بہاء الدین بن ابی الغیث بن محمد غوث بن جلال الدین بن حسین بن علی بن الحسینی البخاری۔ (۱)

مختصر حالات زندگی:

نواب مرتضیٰ عہد طفولیت سے ہی انتہائی نیک، سخی، مدبر اور علماء وفضلاء سے محبت کرنے والے انسان تھے۔ انہوں نے بچپن میں اکبر کا زمانہ پایا اور اپنے غیر معمولی اوصاف وکمالات کی بنا پر بہت جلد بڑے بڑے مناصب پر فائز ہوتے ہوئے ۴۰ سن جلوس میں بخشی کے عہدہ تک ترقی کر گئے۔

اکبر کے بعد جہانگیر نے مرتضیٰ خاں کی محنت، لگن، دیانت داری اور راست بازی کی بہت قدر کی اور ان کو صاحب السیف والقلم اور مرتضیٰ خاں جیسے القاب جلیلہ سے نواز کر گجرات کا والی بنا دیا، جہاں وہ چار سال تک قیام پذیر رہے۔ اس کے بعد ان کو پنجاب کا والی بنا دیا اور آخری عمر تک وہیں رہتے ہوئے اپنے فرائض کو بحسن وخوبی انجام دیتے رہے۔ شیخ فرید کے اوصاف بیان کرتے ہوئے حکیم عبد الحی لکھتے ہیں:

"وكان أجود الناس وأنفعهم خيرا وأثبتهم رأيا وأشدهم بطشا جمع الشجاعة والسخاء بما لا يساويه فيها أحد" (۲)

[وہ لوگوں میں سب سے زیادہ سخی اور بھلائی کے اعتبار سے سب سے زیادہ نفع پہونچانے والے اور رائے کے اعتبار سے سب سے زیادہ صحیح اور طاقت کے اعتبار سے سب سے زیادہ قوی تھے۔ ان میں بہادری اور سخاوت اس طرح جمع ہو گئی تھی کہ اس میں کوئی ان کی برابری نہیں کر سکتا تھا۔]

ان ہی کے بارے میں شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:

"شیخ فرید بخاری کہ از عاظم امرائے آں زماں بود جامع بود در میان نجابت وصلاح واعتقاد مشائخ صوفیہ۔" (۱)

---

۱) نزہۃ الخواطر: ۴/ ۶۴۷، رقم الترجمہ: ۶۸۳۔

۲) نزہۃ الخواطر: ۴/ ۶۴۷۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

[شیخ فرید بخاری، جو کہ اس زمانہ کے بڑے امراء میں سے تھے، وہ شرافت، نیکی اور مشائخ صوفیہ سے اعتقاد کے مابین جامع تھے۔]

نواب مرتضیٰ نے زندگی میں بہت سی عمارتیں بنوائیں تھیں جن میں بطور خاص علامہ وجیہہ الدین گجراتی کا مقبرہ کبیرہ اور دہلی کے قرب وجوار میں واقع وہ عالی شان شہر ہے جس کو آج بھی فرید آباد کے نام سے جانا جاتا ہے۔ [۲]

وفات:

نواب صاحب کا انتقال ۱۰۲۵ء مطابق ۱۶۱۶ء میں پنجاب کے ایک گاؤں پٹھان میں ہوا اور ان کی نعش کو دہلی میں سپرد خاک کیا گیا۔ [۳]

شیخ محدث دہلوی اور نواب مرتضیٰ:

شیخ محدث اور نواب مرتضیٰ کے درمیان جو تعلقات تھے اس کا اندازہ ان مکاتیب ورسائل سے لگایا جاسکتا ہے جو شیخ صاحب نے لکھے تھے، ان خطوط میں سے ہر خط اپنے اندر ایک کتاب کی حیثیت رکھتا ہے: جس کے ذریعہ اس زمانہ کے سماجی، سیاسی اور مذہبی حالات پر بڑی مفید اور دلچسپ روشنی پڑتی ہے، اور اگر بوقت مطالعہ یہ بات بھی پیش نظر رکھی جائے کہ یہ تمام خطوط اس عہد میں لکھے گئے ہیں جس میں مسلمانان ہند دین الٰہی جیسے فتنہ کبری سے دوچار تھے، تو ان کی قیمت ومعنویت میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔

شیخ محدثؒ نے نواب صاحبؒ کو جو خطوط ارسال فرمائے تھے وہ کتاب المکاتیب والرسائل میں موجود ہیں اور ان کی تعداد ۷ ہے جو کہ درج ذیل ہیں:

۱) تحصیل المطلوب بانتظار المحبوب ورعایۃ الاعتدال فی العلم والحال۔ [۴]
۲) تقسیم الانام علی اربعۃ اقسام۔ [۵]
۳) تنبیہ الغافلین بفناء الدنیا وآرباجھا واغترار الجاھلین بزخارفھا وآسبابھا۔ [۱]

---

۱) انفاس العارفین، بحوالہ حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۲۵۲۔
۲) نزہۃ الخواطر: ۴/ ۳۴۸۔
۳) نزہۃ الخواطر: ۴/ ۳۴۸۔ حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۲۲۵۔ صمصام الدولہ، شاہنواز خان، مآثر الامراء، تصحیح: مرزا اشرف علی، ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ، ۱۳۰۹ھ=۱۸۹۱ء۔
۴) کتاب المکاتیب والرسائل: ۷۳-۷۷۔
۵) کتاب المکاتیب والرسائل: ۸۳-۸۴۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۴) تجدید الذکر فی بیان حقیقۃ الشکر۔ [۲]

۵) تسبیب الخیر لدفع الغیر ودوام الجار بالخوف والرجاء۔ [۳]

۶) کشف باستار الظلم عن لسان الحال والقال والقلم۔ [۴]

۷) التعظیم لامر اللہ والشفقۃ علی خلق اللہ۔ [۵]

---

۱) کتاب المکاتیب والرسائل: ۸۴ - ۹۱۔

۲) کتاب المکاتیب والرسائل: ۹۹ - ۱۰۲۔

۳) کتاب المکاتیب والرسائل: ۱۰۸ - ۱۱۱۔

۴) کتاب المکاتیب والرسائل: ۱۱۱ - ۱۱۵۔

۵) کتاب المکاتیب والرسائل: ۱۶۰ - ۱۶۶۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ملا عبد القادر بدایونیؒ

نام و نسب:

عبد القادر بن ملوک شاہ، الحنفی، البدایونی۔ (۱)

مختصر حالات زندگی:

ملا عبد القادر بدایونی کی پیدائش قصبہ ٹوڈا (قدیم ریاست جے پور) میں ۹۴۷ھ مطابق ۱۵۴۰ء میں ہوئی۔ ابتدائی ایام بساور میں گذرے، جو ٹوڈا سے شمال مشرق میں اٹھارہ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

بدایونی نے قرآن کریم "سید محمد کی" سے سنبھل میں پڑھا اور بعض مختصرات وعلوم عربیہ اپنے نانا مخدوم اشرف بساوری سے پڑھے، اسی زمانے میں شیخ حاتم سنبھلی سے قصیدہ بردہ اور کنز الدقائق کے چند ابواب تبرکاً پڑھے۔ اس کے بعد وہ اپنے والد کے ساتھ آگرہ آگئے جہاں رہتے ہوئے انہوں نے شیخ مبارک ناگوری سے اخذ و استفادہ کیا۔

ان کے علاوہ بدایونی نے دیگر علماء کرام کے سامنے بھی زانوائے تلمذ تہہ کیا، مثلاً چند کتب قاضی ابو المعالی حنفی سے پڑھیں، "بست باب فی الاصطرلاب" میر تقی بن فارغی شیرازی سے پڑھی اور آگرہ میں ہی سکونت کے دوران انہوں نے شعر، نجوم، حساب، موسیقی اور شطرنج وغیرہ سیکھے۔

ان تمام علوم کی تحصیل کے بعد ملا بدایونی میں وہ صفات پیدا ہو گئیں جن کی وجہ سے وہ چند ہی سال میں دربار اکبری کے اندر امامت جیسے بلند مقام پر فائز ہو گئے۔ علامہ بدایونی کو چوں کہ عربی، فارسی اور سنسکرت پر مکمل عبور حاصل تھا اس لئے اکبر نے ان کو ہندؤں کی مذہبی کتابوں کا فارسی زبان میں ترجمہ و تشریح کرنے پر مامور کر دیا، اس ذمہ داری کے تحت انہوں نے اتھروید، مہابھارت اور رامائن جیسی بڑی بڑی کتابوں کا ترجمہ کیا۔

مذکورہ کتابوں کے ترجمہ کے علاوہ ملا بدایونی نے بہت سی کتابوں کا اختصار بھی کیا اور کچھ کتابیں خود بھی تصنیف کیں؛ لیکن جس کتاب کی وجہ سے بدایونی کو سب سے زیادہ شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی وہ "سبکتگین" سے لے کر "ہمایوں" تک کے طویل عہد پر پھیلی ہوئی، تین ضخیم جلدوں پر مشتمل وہ تاریخی کتاب ہے جس کا نام بدایونی نے "منتخب التواریخ" رکھا تھا۔

---

(۱) نزہۃ الخواطر: ۵/ ۲۷۰۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

بدایونی کی اسی کتاب منتخب التواریخ کی وجہ سے بہت سے مؤرخوں نے ان پر دروغ گوئی، کذب بیانی، تعصب اور بغض و حسد جیسے الزامات لگائے ہیں؛ لیکن اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو بدایونی نے شاید ایسی کوئی بات نہیں لکھی جس کا ذکر اس دور کے دوسرے مؤرخوں نے نہ کیا ہو: البتہ بدایونی نے ہر بات کو جوش حق گوئی کی بنا پر بے لاگ اور بنا کسی روک ٹوک کے بالکل صاف صاف کھول کر سپرد قلم کر دیا ہے، بدایونی کے اسی وصف تحریر کو بیان کرتے ہوئے مولانا آزاد لکھتے ہیں:

"شاہ صاحب نے جو کچھ لکھا ہے اس سے زیادہ بدایونی نے کون سی بات لکھی ہے؟ البتہ شاہ صاحب تہذیب نگارش و طریق احتیاط و عفو پر نظر رکھ کر پردے پردے میں لکھتے ہیں اور بدایونی اپنے جوش حق گوئی و اضطراب راست بیانی میں کسی بات کی پرواہ نہیں کرتے۔"[1]

وفات:

ملا بدایونی کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے، نزہۃ الخواطر اور دربار اکبری میں ۱۰۰۴ھ (اربع بعد الف) لکھا ہے اور دائرۂ معارف اسلامیہ میں ۱۰۲۴ھ مطابق ۱۶۱۵ء بیان کیا گیا ہے۔[2]

شیخ محدث دہلوی اور ملا بدایونی:

ملا بدایونی اور شیخ صاحب کی ملاقات اس وقت ہوئی تھی جب اعزہ و اقربا کی فرمائش اور ضروریات زندگی کی تکمیل کے لئے آپ اکبر کے دربار میں آگرہ پہونچے۔ ان دونوں حضرات کے درمیان محبت و یگانگت کی وجہ یہ تھی کہ دونوں ہی اسلام کو پیش آمدہ خطرات سے انتہائی غمگین اور دل برداشتہ تھے۔ دونوں ہی ہمیشہ اس تگ و دو میں لگے رہتے تھے کہ کس طرح موجودہ بدعات کا قلع قمع کر کے اسلام کی صحیح شکل کو دنیا کے سامنے پیش کیا جائے۔

فرق تھا تو صرف اتنا کہ شیخ صاحب نے حزم و احتیاط سے کام لیا جب کہ بدایونی نے حق گوئی کے جوش میں بلا کسی پردہ داری کے ہر واقعہ کو من و عن بیان کر دیا۔ اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے پروفیسر نظامی لکھتے ہیں:

"ملت کی پریشان حالی کے جس احساس نے شیخ عبدالحق کے قلب و جگر کو گرمایا تھا اسی جذبہ نے ملا عبدالقادر کو بھی بے چین کر دیا تھا، شیخ محدث نے اپنے ماحول پر حزم و احتیاط کے ساتھ تنقید کی، ملا عبدالقادر نے بے پردہ اور بے باکانہ۔"[1]

---

۱) تذکرہ: ۳۹۔

۲) نزہۃ الخواطر: ۵/ ۱۷۵۔ دربار اکبری: ۳۶۱۔ دائرۂ معارف اسلامیہ: ۳/ ۱۴۴۔ دین الٰہی اور اس کا پس منظر: ۱۲۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

میر سید طیب بلگرامی

مختصر حالات زندگی:

سید طیب بلگرامی کی پیدائش ۹ ربیع الآخر ۹۸۶ھ کو ہوئی۔ آپ کے والد کا نام میر عبد الواحد تھا۔ [۲] سید صاحب زمانۂ طفولیت سے ہی انتہائی نیک سیرت اور پرہیزگار و متقی شخصیت کے حامل تھے۔ ان کے زہد و تقویٰ کا اندازہ اس دور کے ایک مشہور بزرگ "سید کرم اللہ پدر سید العارفین میر شاہ لدھا" کے اس جملہ سے ہو سکتا ہے جس کو صاحب مآثر الکرام نے اس طرح ذکر کیا ہے:

"اگر کسے خواہد ملک را بر روی زمین بہ بیند میر سید طیب را مشاہدہ کند۔" [۳]

[اگر کوئی فرشتہ کو زمین پر دیکھنا چاہتا ہے تو اس کو چاہئے کہ میر سید طیب کا مشاہدہ کر لے۔]

سید طیبؒ کو علوم باطنیہ کے ساتھ ساتھ علوم ظاہریہ پر بھی مکمل دسترس حاصل تھی، بطور خاص فقہ اور تفسیر میں وہ ایک خاص مقام پر فائز تھے، جو کتاب ان کے زیر مطالعہ رہتی اس پر اپنے قیمتی حواشی کا اضافہ کر کے اس کی قیمت کو دوچند کر دیتے، ان کی اسی عادت کو بیان کرتے ہوئے آزاد بلگرامی لکھتے ہیں:

"بعضے کتب درسی مثل ہدایہ، تفسیر قاضی بیضاوی وغیرہ ذالک محشی بخط خاص او امروز موجود است کہ دلالت دارد بر کمال تبحر وجودت فطرت۔" [۴]

[بعض درسی کتب مثلاً ہدایہ اور تفسیر قاضی بیضاوی وغیرہ ان کی خصوصی تحریر سے حاشیہ لکھی ہوئی آج بھی موجود ہیں، جو ان کے کمالِ تبحر اور جودت فطرت پر دلالت کرتی ہیں۔]

وفات:

میر صاحب کا انتقال ربیع الاول ۱۰۶۶ھ میں ہوا، ان کا سن وفات "ستون دین افتاد" (۱۰۶۶ھ) سے نکلتا ہے۔ مولانا بلگرامی نے اسی کو ایک شعر میں اس طرح ذکر کیا ہے:

---

۱) حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۲۳۹۔

۲) بلگرامی، غلام علی آزاد، مآثر الکرام: ۴۷، مطبع مفید عام، آگرہ، ۱۳۲۸ھ = ۱۹۱۰ء۔

۳) مآثر الکرام: ۴۸۔

۴) مآثر الکرام: ۴۸۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

پنجم شہر انتقال نبی	رفت طیب ز دہر بے بنیاد
از پئے ضبط سال تاریخش	گفت ہاتف "ستون دین افتاد" (۱)

شیخ محدث دہلویؒ اور سید طیب بلگرامیؒ:

شیخ عبد الحق اور طیب صاحب کے درمیان انتہائی پیار و محبت اور الفت و مودت کا رشتہ تھا، شیخ صاحب ان کی صلاحیتوں کے دل سے قائل تھے اور اس بات کا اقرار وہ عوام کے سامنے برملا کرتے تھے، ان دونوں بزرگوں کے درمیان جو رشتہ تھا اور شیخ صاحب سید صاحب کی علمی لیاقت کے جس درجہ قائل تھے اس کا معمولی سا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے جس کو شیخ طیب نے بذات خود بیان کیا ہے:

"وقتے شیخ عبد الحق در ایام پیری درس می گفت، در مقامی از کتاب متامل شد، در آں وقت میر سید طیب را یاد کرد و فرمود: اگر شیخ طیب دریں وقت می بود، بہ آسانی ایں مقام را حل می کرد، ناگاہ میر سید طیب کہ بہ ارادۂ دہلی از وطن بر آمدہ بود، در ہما ساعت کمر بستہ از راہ بخدمت شیخ عبد الحق رسید، شیخ بسیار خوش وقت گردید و فرمود مرحبا در یاد شما بودیم، و قصہ را باز گفتہ کتاب درمیان آورد، میر سید طیب کتاب را در دست گرفتہ لختے تامل کرد۔ و عبارت را بہ نہجی خواند کہ مطلب بے آنکہ تقریر کنند خود بخود واضح گشت۔" (۲)

[ایک وقت پیرانہ سالی کے ایام میں شیخ عبد الحق درس دے رہے تھے کہ کتاب میں ایک مقام پر کچھ تامل ہوا، اس وقت میر سید طیب کو یاد کیا اور فرمایا: اگر شیخ طیب اس وقت ہوتے تو آسانی سے اس مقام کو حل کر دیتے۔ اچانک میر سید طیب جو کہ اپنے وطن سے دہلی کے ارادہ سے نکلے تھے۔ شیخ عبد الحق کی خدمت میں حاضری کی غرض سے آپہونچے۔ شیخ صاحب بہت خوش ہوئے، استقبال کیا اور فرمایا: ہم تم کو ہی یاد کر رہے تھے۔ اور کتاب کا جو قصہ چل رہا تھا وہ درمیان میں آگیا۔ میر سید طیب نے کچھ دیر کتاب اپنے ہاتھ میں پکڑ کر غور کیا اور عبارت اس انداز سے پڑھی کہ تقریر کئے بغیر ہی مطلب خود واضح ہو گیا۔]

میر طیب جب شیخ صاحب کی مجلس میں پہونچے تو شیخ عبد الحق نے دریافت کیا کہ کس راستے آنا ہوا؟ انہوں نے کہا آگرہ کے راستے سے۔ ان ایام میں شیخ نور الحق آگرہ میں بحیثیت قاضی مقیم تھے؛ جس کی وجہ سے شیخ صاحب

۱) مآثر الکرام: ۵۱۔
۲) مآثر الکرام: ۳۹۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

نے سوچا کہ شاید رات میں ان سے ملاقات ہوئی ہوگی۔ لیکن طیب صاحب نے جواب دیا کہ "کچھ ایسے موانع پیش آئے کہ ملنے کا موقع نہ ملا"۔ (۱) اس پر شیخ عبدالحق نے اپنے بیٹے شیخ نورالحق کی تعریف میں یہ کہا:

"اگر چہ پسر من است اما بجائے پدر، اگر چہ شاگرد من است اما بجائے استاد، اگر چہ مرید من است اما بجائے پیر می دانم۔" (۲)

[اگر چہ (وہ) میرا بیٹا ہے لیکن باپ کی جگہ ہے، اگر چہ میرا شاگرد ہے لیکن استاذ کی جگہ ہے، اگر چہ میرا مرید ہے لیکن پیر کی جگہ ہے، میں جانتا ہوں۔]

یہ الفاظ سن کر طیب صاحب مجلس سے اس طرح اٹھے جیسے کوئی ضروری کام در پیش ہو اور واپس آگرہ آکر شیخ نورالحق سے ملاقات کی اور پھر شیخ صاحب کے پاس واپس آئے۔ شیخ صاحب نے جب ان کے اندر یہ اخلاق دیکھے تو آزاد بلگرامی کے بقول:

"معذرت بر زبان آورد۔" (۳)

---

۱) حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی: ۲۴۳۔
۲) مآثر الکرام: ۲۰۵۔
۳) مآثر الکرام: ۲۰۵۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

فیضی

نام و نسب:

ابو الفیض بن شیخ مبارک ناگوری، لقب فیضی۔

مختصر حالات زندگی:

فیضی اصلاً عربی النسل ہے۔ اس کے اجداد میں سے شیخ موسیٰ نے بغرض سیاحت سفر شروع کیا۔ دور دراز کا سفر کرتے ہوئے علاقہ سندھ کے ریل نامی قصبہ میں قیام کیا اور یہیں شادی بھی کر لی۔ ان ہی کی اولاد میں سے فیضی کے دادا شیخ خضر تھے جو دسویں صدی میں ناگور آئے اور ایک عربی خاتون سے شادی کی جس کے بطن سے شیخ مبارک پیدا ہوئے۔

شیخ مبارک ناگور سے گجرات تشریف لائے اور کچھ دن قیام کرنے کے بعد آگرہ کی جانب کوچ کر گئے۔ آگرہ پہونچ کر انہوں نے میر رفیع الدین حسینی کے جوار میں دریائے جمنا کے کنارے سکونت اختیار کی اور یہیں ایک معزز خاندان میں شادی کر لی، جس کے نتیجہ میں خدا نے ان کو کثرت سے اولاد عطا فرمائی، جن میں سب سے بڑا فیضی تھا۔

فیضی کی پیدائش بعہد سلیم شاہ سوری (۹۵۴ھ مطابق ۱۵۴۷ء) آگرہ میں ہوئی۔ اس نے تکمیل تعلیم اپنے والد شیخ مبارک سے حاصل کی اور بعض عربی کتابیں شیخ حسین مروزی سے پڑھیں۔ (۱)

فیضی کو ذہانت و فطانت ورثہ میں ملی تھی اور اس نے ذہنیت بھی کمال کی پائی تھی، یہی وجہ تھی کہ صرف چودہ سال کی عمر میں اس نے تمام علوم و فنون متداولہ سے فراغت حاصل کر لی، جیسا کہ مآثر الکرام کے مصنف لکھتے ہیں:

"فنون متداولہ نزد پدر در چہاردہ سالگی بہ انجام رسانید۔" (۲)

[اور چودہ سال کی عمر میں اپنے والد کے پاس متداول فنون کی تکمیل کی۔]

فیضی کو فلسفہ و حکمت اور ادب و انشاء پردازی میں ید طولیٰ حاصل تھا، جس کے بے شمار نمونہ اس کی تصانیف کی شکل میں آج تک موجود ہیں۔ یوں تو ادبی اعتبار سے فیضی کی تمام تالیفات و تصنیفات اپنی ایک الگ ہی شان، رکھتی

۱) نزہۃ الخواطر: ۵/ ۳۷۲۔

۲) مآثر الکرام: ۱۹۸۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

تھا، لیکن جس کتاب کی وجہ سے فیضی کو سب سے زیادہ شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی وہ اس کی تفسیر قرآن ہے، جس کو "سواطع الالہام" کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس تفسیر کی اہمیت و فضیلت اور تاریخ اتمام پر روشنی ڈالتے ہوئے سبحۃ المرجان میں لکھا ہے:

"وأجل تصانيف الشيخ فيضي "سواطع الألهام" وهو تفسير القرآن الغير المنقوط، وصنفه في عرض سنتين وأتمه سنة إثنين وألف وجد أمير حيدر المعمائي الكاشاني في تاريخ إتمامه: سورة الإخلاص من أولها إلى آخرها، وأعطاه الشيخ فيضي صلة التاريخ عشرة الاف ربية۔ " (۱)

[شیخ فیضی کی تصانیف میں سب سے اہم "سواطع الالہام" ہے جو کہ قرآن کی غیر منقوط تفسیر ہے۔ اس کو انہوں نے دو سال کی مدت میں تصنیف کیا اور ۱۰۰۲ھ میں مکمل کیا۔ امیر حیدر المعمائی کاشانی نے سورۂ اخلاص کو اول سے آخر تک اس کی تاریخ اتمام کے طور پر رکھا اور شیخ فیضی نے اس کے بدلہ میں ان کو دس ہزار روپے دیئے۔]

اس تفسیر کے بارے میں بلگرامی صاحب فرماتے ہیں:

"برہان فضیلت شیخ فیضی سواطع الالہام تفسیر بے نقط است کہ درین ہزار سال پیشتر ہیچ مستعدی را میسر نہ شدہ۔" (۲)

[شیخ فیضی کی فضیلت کی دلیل غیر منقوط تفسیر "سواطع الالہام" ہے کہ ہزار سال پہلے تک کسی کو اتنی استعداد میسر نہ ہوئی۔]

فلسفہ و حکمت اور عربیت و تاریخ کے علاوہ جس وصف کی وجہ سے فیضی کو سب سے زیادہ شہرت ملی وہ اس کی شاعری ہے، فیضی کو بحیثیت شاعر اتنی مقبولیت حاصل ہوئی کہ اس کے دیگر تمام اوصاف پس پردہ چلے گئے۔ اس کی شاعری سے ہی متاثر ہو کر اکبر بادشاہ نے اس کو "ملک الشعراء" کے لقب سے سرفراز کیا تھا۔ فیضی کی شاعرانہ صلاحیت کو بیان کرتے ہوئے مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

"فارسی شاعری نے چھ سو برس کی وسیع مدت میں ہندوستان میں صرف دو شخص پیدا کئے، جن کو اہل زبان کو بھی چار و ناچار ماننا پڑا، خسرو اور فیضی۔" (۱)

(

۱) سبحۃ المرجان: ۱۰۳۔
۲) مآثر الکرام: ۱۹۹۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

وفات:

فیضی نے ۱۰ر صفر ۱۰۰۴ھ مطابق ۱۵ر اکتوبر ۱۵۹۵ء کو آگرہ میں وفات پائی اور وہیں اس کو دفن کیا گیا۔[۱]

شیخ محدث اور فیضی:

شیخ صاحبؒ اور فیضی کے تعلقات کی ابتداء اس وقت ہوئی جب آپؒ اہل و عیال کی فرمائش پر فتح پور سیکری پہونچے اور دربار اکبری میں آپؒ کے علمی مقام و مرتبہ کا شہرہ ہوا۔ ابتداء میں فیضی اور شیخ محدثؒ کے درمیان خوشگوار مراسم تھے، لیکن جب شیخ صاحبؒ کے سامنے دربار کی اصل حالت عیاں ہوئی اور فیضی کے افکار و خیالات راست سے بھٹک گئے تو آپؒ نے فیضی سے قطع تعلق کر لیا اور حجاز سے واپسی کے بعد بھی جب فیضی نے ملاقات کی درخواست کی تو آپؒ نے معذرت کر لی۔ جیسا کہ ملا بدایونی لکھتے ہیں:

"مکاتیب عذر آمیز نوشت و انقطاع را بہانہ ساخت۔"[۳]

[ایسے خطوط لکھے جن میں عذر کیا گیا تھا اور نہ ملنے کے بہانے بنائے۔]

شیخ صاحبؒ کی جانب سے تمام طرح کے انقطاع کے باوجود بھی فیضی کو آپؒ سے جو عقیدت و محبت والہانہ لگاؤ تھا اس میں کمی نہ آئی اور وہ ہمیشہ آپؒ کے خطوط کا منتظر رہا۔ فیضی کا معمول تھا کہ وہ جب کوئی تصنیف لکھتا اس بات کا متمنی رہتا کہ اس کو شیخ صاحبؒ کی خدمت میں ارسال فرمائے اور آپؒ کی رائے معلوم کرنے کی کوشش کرے۔ اسی لئے جب اس نے اپنی مشہور زمانہ تفسیر "سواطع الالہام" لکھی تو شیخ صاحبؒ سے یہ گزارش کی کہ ایک نظر اس کو دیکھ لیں۔ جیسا کہ وہ خود ایک خط میں لکھتا ہے:

"بزودی بخدمت میفرستد کہ انوار نظر دوستاں را تاثیر دیگر است۔"[۴]

[جلد ہی آپ کی خدمت میں بھیج دوں گا، کیوں کہ دوستوں کی نظر کے انوار کی تاثیر ہی الگ ہوتی ہے۔]

---

۱) شبلی نعمانی، شعر العجم: ۳/ ۲۹، دار المصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۲۰۱۶ء۔

۲) نزہۃ الخواطر: ۵/ ۷۵-۴۷۵۔ اردو دائرۂ معارف اسلامیہ: ۱۵/ ۱۰۸۹۔ سبحۃ المرجان: ۱۰۳۔ (partly read)

۳) منتخب التواریخ: ۳/ ۱۱۶۔

۴) حیات شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ: ۲۰۰۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

فیضی کی تمام تر کوششوں، درخواستوں، التجاؤں اور محبت و عقیدت کے بعد بھی شیخ صاحبؒ کی حساس طبیعت نے یہ گوارہ نہ کیا کہ ایک گم گشتہ راہ اور ضلالت و گمراہی میں پڑے ہوئے شخص کی جانب التفات کیا جائے۔ شیخ محدثؒ کو فیضی سے جو شکایت تھی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے پروفیسر نظامی لکھتے ہیں:

"شیخ صاحبؒ نے اس طرح غصہ کے لہجے میں کسی معاصر کی گمراہی اور بے راہ روی کی شکایت نہیں کی۔ یہ تلخ نوائی شدت احساس کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے۔"(۱)

شیخ صاحبؒ کے مجموعۂ مکاتیب میں فیضی کے نام بھی ایک خط ہے، جو "تثبیت القدم علی اصطبار بترک صحبۃ الاضداد والاغیار" کے عنوان سے ہے۔ اس میں آپ نے فیضی کو اس بات کی یاد دہانی کرائی ہے کہ اس دنیا میں دو قسم کے افراد ہیں ایک وہ جو تمام دنیاوی عیش و عشرت اور سیر و تفریح میں مشغول ہیں۔ اور دوسرے وہ جن کے دل ان دنیاوی لذات سے دور بھاگتے ہیں اور ان کو دنیا کے علاوہ کسی دوسری چیز کی طلب ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ لا محالہ جن کو دنیاوی تنعم سے کوئی سروکار نہیں اگرچہ اس کا راستہ دشوار کن ہے لیکن آخر میں منزل مقصود تک ضرور پہونچیں گے۔ شیخ صاحبؒ کے الفاظ یہ ہیں:

"از صعوبت ایں راہ مترس کہ بسیاراں بایں راہ رفتہ اند و بمنزل مقصود رسیدہ۔"(۲)

[اس راستہ کی پریشانیاں اس بات کا اشارہ کرتی ہیں کہ اس راستہ سے بہت سے گذرے ہیں اور منزل مقصود تک پہونچے ہیں۔]

۱) حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۲۳۳۔
۲) کتاب المکاتیب والرسائل: ۹۹۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

عبد الرحیم خان خاناں

نام و نسب:

عبد الرحیم بن بیرم خاں، دہلوی۔

مختصر حالات زندگی:

عبد الرحیم کی پیدائش بروز جمعرات، ۱۰ ر صفر[1] ۹۶۴ھ مطابق ۱۶ ر دسمبر ۱۵۵۶ء کو لاہور میں ہوئی۔[2]

خان خاناں کی عمر ابھی چار ہی سال کی ہوئی تھی کہ اس کے باپ بیرم خاں کو گجرات کے ایک شہر پٹن میں قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد اکبر نے خود عبد الرحیم کی پرورش کی اور اس کو اعلیٰ تعلیم و تربیت دلائی، جس کی وجہ یہ ہے کہ عبد الرحیم کی بڑی خالہ کا نکاح شہنشاہ ہمایوں سے ہوا تھا۔

عبد الرحیم فطری طور پر شجاع اور بہادر پیدا ہوا تھا، جس وجہ سے اس نے اپنی زندگی کی ہر جنگ میں فتح و کامرانی کے جھنڈے گاڑے۔ آپ نے ابھی اپنی عمر کی بیس بہاریں بھی پوری نہ دیکھی تھی کہ ۱۵۷۳ء میں اکبر نے گجرات پر اپنی تاریخی یلغار کر دی جس میں باغی مرزاؤں کا استیصال کیا گیا، اس لشکر کے قلبی حصہ میں عبد الرحیم بھی شریک تھا۔[3]

اسی جنگ میں اکبر نے عبد الرحیم کی کارکردگی کو دیکھتے ہوئے ۱۵۷۵ء میں اس کو گجرات کا والی مقرر کر دیا جس کے بعد سے تقریباً نصف صدی تک وہ اپنی شجاعت و شہامت اور تہور و بہادری کے جوہر دنیا کو دکھاتا رہا۔ خان خاناں کی بہادری اور تہور کا نقشہ کھینچتے ہوئے پروفیسر نظامی لکھتے ہیں:

"شجاعت و تہور کا یہ عالم تھا کہ دکن (جو بہت سے مغل سپہ سالاروں کی شہرت کا مدفن تھا) ہمیشہ اس کی شہامت و بہادری کے افسانوں سے گونجتا رہا۔"[4]

---

۱) اردو دائرۂ معارف اسلامیہ میں ۱۴ ر صفر ۹۶۴ھ ہے۔ [اردو دائرۂ معارف اسلامیہ: ۱۲/ ۸۸۵۔]

۲) نزہۃ الخواطر: ۵/ ۵۱۰۔

۳) اردو دائرۂ معارف اسلامیہ: ۱۲/ ۸۸۵۔

۴) حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۲۳۰۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

عبد الرحیم خان خاناں نے چوں کہ شیخ فتح اللہ شیرازی، شیخ وجیہ الدین گجراتی اور قاضی نظام الدین بدخشی جیسے اپنے وقت کے جید اور بلند پایہ علماء سے علمی استفادہ کیا تھا، اس لئے وہ بہادری اور شجاعت کے علاوہ علمی میدان میں بھی ایک مثالی حیثیت کا مالک تھا، اس کے علمی مقام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سید عبد الحی لکھتے ہیں:

"وكان من أهل التفنن في الفضائل واللغات، مقدما في المعارف، متكسما في أنواعها، ثاقب الذهن في تمييز الصواب منها." (۱)

[اور وہ فضائل ولغات کے ماہرین میں سے تھا، علوم معارف میں سب سے آگے اور اس کی تمام قسموں میں مہارت رکھنے والا تھا، اچھے اور برے علم میں تمیز کے سلسلہ میں عمدہ ذہنیت کا مالک تھا۔]

علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

"خان خاناں امرائے اکبری کا گل سر سبد تھا، اس زمانے میں وہی ایک شخص تھا جس کے تاج فخر پر صاحب السیف والقلم کا طرہ زیب دیتا تھا۔" (۲)

وہ جس طرح میدان جنگ کا ایک ماہر شہ سوار اور مجاہد تھا اسی طرح میدان علم میں بھی بے مثال تھا، اپنے زمانے کی بہت سی زبانوں پر مکمل عبور و دسترس رکھتا تھا، شعر و شاعری سے خاص لگاؤ تھا، خود بھی شعر کہتا تھا اور تفہیم کی بھی غیر معمولی صلاحیت رکھتا تھا؛ جیسا کہ مآثر الامرا میں مذکور ہے:

"خان خانان قابلیت واستعداد یکتائے روزگار بود و او عربی وفارسی وترکی وہندی رواں داشت، شعر خوب می فہمید و می گفت، رحیم تخلص می کرد، گایند کہ باکثر زبانہا کہ در عالم رائج است حرف می زد۔" (۳)

[خان خاناں قابلیت واستعداد میں یکتائے روزگار تھا۔ وہ عربی، فارسی، ترکی اور ہندی روانی سے بولتا تھا۔ شعر بہت اچھے سے سمجھتا اور کہتا بھی تھا، رحیم تخلص رکھتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ دنیا میں رائج اکثر زبانیں وہ جانتا تھا۔]

۱) نزہۃ الخواطر: ۵/ ۵۶۰۔
۲) شعر العجم: ۳/ ۷۰۔
۳) مآثر الامراء: ۲/ ۷۰۹۔ بحوالہ حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: ۲۳۰۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

وفات:

عبد الرحیم خان خاناں کا انتقال ۱۰۳۶ھ مطابق ۱۶۲۷ء کو ۷۱ رسال کی عمر میں دہلی میں ہوا، اور مقبرۂ ہمایوں کے قریب دفن کیا گیا۔[1]

شیخ محدث دہلوی اور خان خاناں:

شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کی طبیعت اگرچہ صحبتِ امراء سے گھبراتی تھی اور دنیادار حکام سے کنارہ کشی تھا ہی آپ خیر وعافیت سمجھتے تھے، اس کی وجہ اس دور کے حالات تھے کہ عہد دار متنعم اور عیش وعشرت میں مبتلا تھے۔ لیکن عبد الرحیم خان خاناں کا شمار ان امراء میں ہوتا ہے جن کو علماءِ دین سے عقیدت ومحبت تھی اور وہ صوفیاءِ کرام کی صحبت میں وقت گذارنے کے مشتاق رہتے تھے۔

عہد اکبری کے ناگفتہ بہ حالات میں بھی خان خاناں نے اپنے دینی احساس وشعور کو بیدار رکھا تھا اور مشائخ کرام سے روحانی تربیت کی غرض سے خط وکتابت کرتے رہتے تھے۔ انہی خصوصیات کی وجہ سے شیخ عبد الحق کے خان خاناں سے خصوصی تعلقات تھے اور دونوں کے درمیان مراسلت کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ مجموعہ مکاتیب میں پانچ خطوط ہیں جو عبد الرحیم خان خاناں کے نام ارسال کیے گئے تھے۔

۱) اختیار التحلی لانتظار التجلی۔[2]

۲) تذکیر اولی الاحلام بأن لذات الدنیا کلہا آلام۔[3]

۳) اقرب السبل بالتوجہ الی سید الرسل۔[4]

۴) صدق التعطش والدوام فی طلب المقصد والمرام۔[5]

۵) اتحاف الاحبہ ببیان حدیث المحبہ۔[6]

---

۱) نزہۃ الخواطر: ۵/ ۵۷۱۔ اردو دائرۂ معارف اسلامیہ: ۱۲/ ۸۸۷۔
۲) کتاب المکاتیب والرسائل: ۷۰- ۷۳۔
۳) کتاب المکاتیب والرسائل: ۷۷- ۸۰۔
۴) کتاب المکاتیب والرسائل: ۹۰- ۹۵۔
۵) کتاب المکاتیب والرسائل: ۹۶- ۹۸۔
۶) کتاب المکاتیب والرسائل: ۱۰۲- ۱۰۶۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ان خطوط کے مطالعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ خان خاناں کو سلوک و معرفت سے غیر معمولی لگاؤ تھا، اسی وجہ سے وہ شیخ صاحبؒ سے مراسلتی تعلقات قائم کئے ہوئے تھا۔ شیخ صاحبؒ بھی اس کی مکمل روحانی تربیت فرماتے، احیاء سنت کے لئے اس کو جوش دلاتے اور عمل پیہم کی تلقین کرتے رہتے تھے۔ ایک مکتوب میں ارشاد وہدایت اور احکام سنت کی ترویج و تجدید کی اہمیت کو اس انداز میں بیان کیا ہے:

"اعظم امور دریں باب ارشاد وہدایت است و تجدید و ترویج احکام سنت، بالاتر ازیں کارے کہ مثمر سعادت ابدی و دولت سرمدی گردد نیست۔"(1)

[اس باب میں سب سے بڑا کام ارشاد وہدایت اور احکام سنت کی تجدید و ترویج ہے۔ اس کام سے بڑا کوئی کام نہیں ہے کیوں کہ اس کے بدلے ہمیشہ ہمیش کی سعادت اور کبھی نہ ختم ہونے والی دولت کا پھل ملتا ہے۔]

(1) کتاب المکاتیب والرسائل: ۱۰۵۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

بابِ پنجم

فتح الرحمن في إثبات مذهب النعمان

تخریج و تحقیق

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

أقسام الحديث في أصول التحديث

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

أقسام الحديث في أصول التحديث*

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على خاتم الأنبياء وسيد المرسلين محمد صلى الله عليه وسلم، وعلى آله وأصحابه وأزواجه وذرياته وأتباعه أجمعين.

أما بعد: فإن القرآن الكريم وحي من الله سبحانه وتعالى، أنزله لإخراج الناس من الظلمات إلى النور، كذلك حديث رسول الله ﷺ أيضا وحي، لإخراج الناس من الظلمات إلى النور، كما نطق به القرآن: "وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَى (٣) إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى". (١)

والفرق بينهما؛ أن القرآن: وحي متلو، جاء به الملك بلفظه ومعناه؛ وأما الحديث: فهو أيضا وحي؛ لكنه غير متلو، بل نفخ الله سبحانه وتعالى في روعه ﷺ، فعبر ﷺ عنه بلفظه.

والحديث كله تفسير لكتاب الله تعالى وتقدس، وتفصيل مجمله، وبسط موجزه، وبيان مشكله، وقال الإمام الأعظم والفقيه الأقدم: "لولا السنة ما فهم أحد منا القرآن" كما في التعليق الصبيح. (٢)

وقال الإمام الشافعي: "جميع ما تقوله الأئمة شرح للسنة وجميع السنة شرح للقرآن". (٣)

وإليه أشار قوله تعالى: "وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ". (٤)

وكان الاشتغال بعلم الحديث من أجل القربات وأعظم للمثوبات، أردت أن أبين أقسام الحديث وأصول التحديث بالاختصار ليتيسر الإبتداء للمبتدئين في علم الحديث، فأقول وبالله التوفيق.

---

* هذه مقدمة مشهورة لشيخ عبد الحق المحدث الدهلوي رحمه الله، ألحقها للمفتي نظام الدين الأعظمي في بداية هذا الكتاب، الذي قام بطباعة هذا الكتاب ١٢/ ٠٦/ ١٤٠١هـ.

١) النجم: ٣-٤.

٢) الكاندلوي، محمد إدريس. التعليق الصبيح على مشكاة المصابيح (٣/١)

٣) القاري، علي بن سلطان محمد، مرقات المفاتيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة (٢٦٩/١)

٤) النحل: ٤٤.

toobaa-elibrary.blogspot.com

- [تعريف الحديث:]

اعلم أن الحديث في اصطلاح جمهور المحدثين يطلق على قول النبي ﷺ وفعله وتقريره.

ومعنى التقرير: أنه فعل أحد أو قال أحد شيئا في حضرته أو بلغه ﷺ ولم ينكره ولم ينهه عن ذلك، بل سكت وقرر.

وكذا يطلق الحديث على قول الصحابي وفعله وتقريره، وعلى قول التابعي [وفعله وتقريره] أيضا.

وأقسامه عديدة:

- المرفوع:

فالمرفوع، ما انتهى سنده إلى النبي ﷺ قولا كان أو فعلا أو تقريرا، كما قال صحابي: قال رسول الله ﷺ: كذا أو قرر كذا.

ثم المرفوع إن انتهى سنده إلى الله عز وجل، بأن قال النبي ﷺ: قال الله تبارك وتعالى كذا، فيسمى هذا المرفوع بالحديث القدسي.

- الموقوف:

والموقوف، ما انتهى سنده إلى الصحابي قولا كان أو فعلا [أو تقريرا] بأن قال تابعي: قال ابن مسعود: كذا، أو فعل كذا، [أو قرر كذا] مثلا.

- المقطوع:

والمقطوع، ما انتهى سنده إلى التابعي قولا، بأن قال تبع تابعي: قال نافع: كذا، ويقال له: الأثر، وقد يطلق الأثر على المرفوع أيضا، كما يقال: الأدعية المأثورة عن النبي صلى الله عليه وسلم.

- السند:

والسند: هو طريق الحديث، أي رجاله الذين رووه.

- [الإسناد]:

والإسناد: قد يجيء بمعنى ذكر السند والحكاية عن طريق المتن، وقد يجيء بمعنى السند.

toobaa-elibrary.blogspot.com

• المتن:

والمتن: ما انتهى إليه الإسناد قولا كان أو فعلا أو تقريرا.

• [الخبر والأثر والحديث والسنة]:

وبهذا الاعتبار، الخبر والأثر والحديث والسنة كلها بمعنى واحد، وخص بعضهم الحديث والسنة بما جاء عن النبي ﷺ والصحابة والتابعين، والأثر بما جاء عن الصحابة والتابعين، والخبر بما جاء عن أخبار الملوك والسلاطين والأيام الماضية، وبهذا الاعتبار يقال لمن يشتغل بالحديث والسنة: محدث، ولمن يشتغل بالتواريخ: أخباري.

• [أقسام الرفع]:

والرفع في المرفوع: قد يكون صريحا وقد يكون حكما، سواء كان المرفوع قولا أو فعلا أو تقريرا.

فالمرفوع الصريح: كقول الراوي: قال رسول الله ﷺ: كذا، أو فعل كذا، أو قرر كذا.

وأما المرفوع الحكمي: فكإخبار الصحابي من غير أن يخبر عن الكتب المتقدمة ما لا مجال فيه للاجتهاد كالأخبار عن الأنبياء أو عن الأحوال الماضية، أو الآتية كالملاحم والفتن وأهوال يوم القيامة، أوعن ترتب ثواب مخصوص أو عقاب مخصوص على فعل مخصوص وغيرها، فإنه لا سبيل إليه إلا لسماع أو لرواية منه ﷺ.

• المتصل:

حديث، لم يسقط راو من الرواة من البين في الإسناد.

• المنقطع:

حديث: سقط راو أو رواة من البين في الإسناد سواء كان السقوط متواليا أو متفرقا.

• المعلق:

حديث منقطع، كان سقوط راو في أول السند كقول المحدث: قال رسول الله ﷺ.

ويقال لهذا الفعل التعليق. والتعليقات كثيرة كبلاغات الإمام مالك، وتعاليق الإمام محمد بن اسماعيل البخاري، والتعاليق لأبي داود السجستاني رحمهم الله.

toobaa-elibrary.blogspot.com

- **المرسل:**

حديث منقطع، كان سقوط راوي في آخر السند، كقول التابعي: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم.

- **المعضل:**

حديث منقطع، كان سقوط راويين متواليا، وبهذا الاعتبار تكون هذه الثلاثة من أقسام المنقطع.

- **المسند:**

حديث ذو سند.

- **غير المسند:**

حديث لم يذكر سنده، كأحاديث مشكاة المصابيح وأحاديث فتح الرحمن وغيرهما.

- **المدلس [بفتح اللام]:**

حديث لا يسمي الراوي شيخه الذي سمعه منه؛ بل يروي عمن فوقه بلفظ يوهم السماع منه. ويقال لهذا الراوي: مدلس [بكسر اللام]، وسمي هذا الفعل: التدليس.

والتدليس في اللغة: كتمان عيب السلعة، فكأنه كتم وهنه بهذا الطريق، ولهذا اختلف العلماء في قبول رواية المدلس.

- **المضطرب:**

حديث، وقع الاختلاف من الرواة في إسناده أو متنه، بتقديم وتأخير، أو بزيادة ونقصان، أو إبدال راو مكان راو، أو متن مكان متن.

وحكمه: أنه إن أمكن الجمع فيها؛ وإلا فالتوقف.

- **المدرج:**

حديث، أدرج الراوي في المتن كلامه أو كلام غيره من صحابي أو تابعي.

- **المعنعن:**

حديث روي بطريق العنعنة. والعنعنة رواية الحديث بلفظ: عن فلان عن فلان. ويشترط فيها المعاصرة. وعنعنة المدلس غير مقبول.

toobaa-elibrary.blogspot.com

• الشاذ:

حديث، روي مخالفا لما رواه الثقات الآخر، فإن لم تكن رواته ثقة فهو مردود، وإن كانت ثقة فسبيله الترجيح، فالراجح يسمي محفوظا، والمرجوح شاذا.

• المنكر:

حديث رواه ضعيف مخالف لمن هو أضعف منه.

• المعلل [بفتح اللام]:

حديث في إسناده علل وأسباب غامضة خفية قادحة في الصحة.

• المتابع:

حديث رواه راو آخر أيضا حديثا موافقا لحديثه، وهذا معنى ما يقول المحدثون: تابعه فلان أو يقولون: وله متابعات. والمتابعة يوجب التقوية، ويشترط في المتابعة أن يكون الحديثان من صحابي واحد.

• الشاهد:

إن يكون الحديثان الموافقان فيما بينهما من صحابيين فكل واحد شاهد للآخر، وقد يطلق الشاهد والمتابع بمعنى واحد.

• الاعتبار:

هو تتبع طرق الحديث وأسانيده لقصد معرفة المتابع والشاهد.

فصل

اعلم أن أصل أقسام الحديث ثلاثة: صحيح وحسن وضعيف، فالصحيح أعلى مرتبة، والضعيف أدنى مرتبة، والحسن متوسط بينهما. وسائر الأقسام التي ذكرت داخلة في هذه الثلاثة.

• الصحيح:

ما ثبت بنقل عدل، تام الضبط، غير معلل ولا شاذ.

• [الصحيح لذاته]:

فإن كانت هذه الصفات على وجه الكمال والتمام؛ فهو الصحيح لذاته.

toobaa-elibrary.blogspot.com

- **[الصحيح لغيره]:**

وإن كان فيه نوع قصور، ووجد ما يجبر ذلك القصور من كثرة الطرق، فهو الصحيح لغيره.

- **[الحسن لذاته]:**

وإن لم يوجد ما يجبر ذلك القصور فهو حسن لذاته.

- **[الضعيف]:**

وما فقدت فيه الشرائط المعتبرة في الصحيح كلا أو بعضا فهو ضعيف.

- **[الحسن لغيره]:**

والضعيف إذا تعدد طرقه، وانجبر ضعفه، يسمى حسنا لغيره.

- **العدالة:**

والعدالة ملكة في الشخص تحمله على ملازمة التقوى والمروة.

- **[التقوى:]**

والمراد بالتقوى: الاجتناب عن الأعمال السيئة من الشرك والفسق والبدعة، وفي الاجتناب عن الصغيرة خلاف، والمختار عدم اشتراطه؛ لخروجه عن الطاقة. إلا الإصرار عليها لكونه كبيرة.

- **[المروءة:]**

والمراد بالمروءة: التنزه عن بعض الخسائس والنقائص التي هي خلاف مقتضى الهمة والغيرة مثل بعض المباحات الدنيئة كالأكل والشرب في السوق، والبول في الطريق، والقهقهة بأصوات العالي، وأمثال ذلك.

- **[عدل الرواية أعم من عدل الشهادة:]**

وينبغي أن يعلم أن عدل الرواية أعم من عدل الشهادة، فإن عدل الشهادة مخصوص بالحر، وعدل الرواية يشتمل الحر والعبد.

- **[الضبط:]**

والمراد بالضبط: حفظ المسموع وتثبيته من الفوات والاختلال بحيث يتمكن من استحضاره، ولوكان بالصدر؛ بأن يحفظ بالقلب ويعيه، أو بالكتابة؛ بأن يكتب ويحفظ لوقت الأداء.

toobaa-elibrary.blogspot.com

فصل

- [وجوه الطعن المتعلقة بالعدالة:]

أما العدالة فوجوه الطعن المتعلقة بها خمس: الأول بالكذب، الثاني باتهامه بالكذب، والثالث بالفسق، والرابع بالجهالة، والخامس بالبدعة.

- [الكذب:]

أما الكذب: فالمراد به أن يثبت كذبه في الرواية بإقرار الواضع، أو بغير ذلك من القرائن الصحيحة.

- [الموضوع:]

والمراد بالحديث الموضوع في اصطلاح المحدثين: حديث المطعون بالكذب.

- [حكم متعمد الكذب:]

وحديث من ثبت عنه تعمد الكذب في الحديث، ومن كان كذلك وإن كان وقوعه في العمر مرة، وإن تاب من ذلك لم يقبل حديثه أبدا، بخلاف شاهد الزور إذا تاب.

- [اتهام الراوي بالكذب:]

وأما اتهام الراوي بالكذب: فالمراد به أن يكون مشهورا بالكذب ومعروفا به في كلام الناس ولم يثبت كذبه في الحديث النبوي.

- [المتروك:]

فإن روى رواية يخالف قواعد معلومة ضرورية لم تقبل، ويسمى هذا القسم متروكا، كما يقال: حديثه متروك، وفلان متروك الحديث.

- [الفسق:]

وأما الفسق: فالمراد به الفسق في العمل دون الاعتقاد، فإن ذلك داخل في البدعة، والكذب وإن كان داخلا في الفسق لكنهم عدوه أصلا على حدة لكون الطعن به أشد وأغلظ.

- [جهالة الراوي:]

وأما جهالة الراوي: فإنها سبب للطعن في الحديث، لأنه لما لم يعرف اسمه وذاته لم يعرف حاله، كما يقول: حدثني رجل، أو قال: أخبرني شيخ، ويسمى هذا مبهما.

toobaa-elibrary.blogspot.com

- **[حكم المبهم:]**

وحديث المبهم غير مقبول إلا أن يكون صحابيا؛ لأنهم عدول، وكذا قيل: إذا قال: وذلك الشيخ لأنهم حاذق.

- **[البدعة:]**

وأما البدعة: فالمراد بها اعتقاد أمر محدث على خلاف ما عرف في الدين. وحديث المبتدع مردود عند الجمهور.

فصل

- **[وجوه الطعن المتعلقة بالضبط:]**

وأما وجوه الطعن المتعلقة بالضبط فهي أيضا خمسة: أحدها فرط الغفلة، وثانيها: كثرة الغلط، وثالثها: مخالفة الثقات، ورابعها: الوهم، وخامسها: سوء الحفظ.

- **[فرط الغفلة وكثرة الغلط:]**

أما فرط الغفلة وكثرة الغلط فمتقاربان، فالغفلة في السماع وتحمل الحديث، والغلط في الإسماع والأداء.

- **[مخالفة الثقات:]**

أما مخالفة الثقات في الإسناد أو المتن يكون على أنحاء متعددة تكون موجبة للشذوذ. وجعله من وجوه الطعن المتعلقة بالضبط من جهة أن الباعث على مخالفة الثقات إنما هو عدم الضبط والحفظ، وعدم الصيانة عن التغير والتبديل.

- **[الوهم:]**

أما الطعن من جهة الوهم والنسيان اللذين أخطأ بهما وروى على سبيل التوهم إن حصل الاطلاع على ذلك بقرائن دالة على وجوه علل وأسباب قادحة. ويسمى الحديث معللا.

- **[غموض علم العلة ودقته:]**

وهذا أغمض علوم الحديث وأدقها، ولا يقوم به إلا من رزق فهما وحفظا واسعا ومعرفة تامة بمراتب الرواة وأحوال الأسانيد والمتون كالمتقدمين من أرباب هذا الفن إلى أن ينتهي إلى دار قطني.

toobaa-elibrary.blogspot.com

- [سوء الحفظ:]

أما سوء الحفظ فالمراد به أن لا يكون إصابته أغلب على خطئه، ولا يكون حفظه وإتقانه أكثر من سهوه ونسيانه.

- [حكم سيئ الحفظ:]

ثم سوء الحفظ إن كان لازم حاله في جميع أوقاته ومدي عمره لا يعتبر حديثه.

- [المختلط:]

وإن طرأ سوء الحفظ لعارض مثل اختلال في الحافظة لكبر سنه أو ذهاب بصره أو لوات كتبه فهذا يسمى مختلطا.

- [حكم المختلط:]

فما روي قبل الاختلاط والاختلال متميزا عما رواه بعد هذه الحال قبل، وإن لم يتميز أو اشتبه توقف، فإن وجدت لهذا القسم متابعات وشواهد، ترقى من مرتبة الرد إلى القبول بالرجحان. وهذا حكم أحاديث المستور والمدلس والمرسل.

فصل

اعلم أن الأحاديث الصحيحة باعتبار تعداد الراوي على أربعة انحاء: غريب، عزيز، مشهور، متواتر.

- [الغريب:]

لأن الراوي إن كان قبل الصحابة واحدا ولو في طبقة يسمى غريبا.

- [العزيز:]

وإن كان اثنين يسمى عزيزا.

- [المشهور:]

وإن كانوا أكثر من اثنين في كل طبقة يسمى مشهورا ومستفيضا.

- [المتواتر:]

وإذا بلغت رواته في الكثرة في كل الطبقة إلى أن يستحيل العادة تواطؤهم على الكذب يسمى متواترا.

toobaa-elibrary.blogspot.com

- [الفرد النسبي:]

ثم إن كان الراوي واحدا في موضع يسمى الغريب فردا نسبيا.

- [الفرد المطلق:]

وإن كان واحدا في كل موضع يسمى فردا مطلقا.

- [لا تنافي بين الغرابة والصحة:]

وعلم مما ذكر أن الغرابة لا تنافي الصحة، وكذا الشذوذ لا ينافي الصحة، فيجوز أن يكون الحديث صحيحا غريبا، وكذا يكون صحيحا شاذا.

- [الضعيف:]

ثم الحديث الضعيف هو الذي فقدت فيه الشرائط المعتبرة في الصحة والحسن كلا أو بعضا ويذم راويه بشذوذ أو إنكار أو علة، ويتعدد أقسامه بهذا الاعتبار.

- [مراتب الصحيح والحسن:]

ومراتب الصحيح والحسن لذاتهما ولغيرهما أيضا يتفاوت بتفاوت المراتب والدرجات في كمال الصفات المعتبرة في مفهوميهما مع وجود الاشتراك في أصل الصحة والحسن.

والقوم ضبطوا مراتب الصحة وعينوها، وذكروا أمثلتها من الأسانيد وبينوها، ولا يتحمل هذا المختصر تلك التفاصيل فتركتها، فمن شاء فليراجع إلى المطولات.

- [أصح الأسانيد:]

وأما إطلاق أصح الأسانيد على سند مخصوص على الإطلاق ففيه اختلاف.

فقال بعضهم: أصح الأسانيد: زين العابدين عن أبيه عن جده.

وقيل: مالك عن نافع عن ابن عمر.

وقيل: الزهري عن سالم عن ابن عمر.

فعلم من ذلك أيضا أن العنعنة في الصحابة والتابعين ليس بقدح.

toobaa-elibrary.blogspot.com

فصل

- [الاحتجاج بالصحيح والحسن:]

اعلم أن الاحتجاج في الأحكام بالخبر الصحيح مجمع عليه، وكذلك بالحسن لذاته عند عامة العلماء، وهو ملحق بالصحيح في باب الاحتجاج وان كان دونه في المرتبة. وأما الحديث الضعيف الذي بلغ بتعدد الطرق مرتبة الحسن لغيره فهو أيضا مجمع عليه في صحة الاحتجاج به.

- [الاحتجاج بالضعيف:]

وما اشتهر أن الحديث الضعيف معتبر في فضائل الأعمال لا في غيرها، المراد منه مفرداته لا مجموعها؛ لأنه داخل في الحسن ولا يبقي في الضعيف كما صرح به الائمة.

- [صحيح البخاري أعلى الصحاح:]

ثم لما تفاوتت مراتب الصحيح، والصحاح بعضها أصح من بعض، فاعلم أن الذي تقرر عند جمهور المحدثين أن صحيح البخاري مقدم على سائر الكتب المصنفة، حتى قالوا: أصح الكتب بعد كتاب الله صحيح البخاري.

- [المتفق عليه:]

والحديث الذي اتفق البخاري ومسلم على تخريجه يسمى متفقا عليه.

- [درجات الصحاح:]

١) وهو [ما اتفق عليه الشيخان] مقدم على سائر الأحاديث.

٢) ثم ما تفرد به البخاري.

٣) ثم ما تفرد به مسلم.

٤) ثم ما كان على شرط البخاري ومسلم.

٥) ثم ما هو على شرط البخاري.

٦) ثم ما هو على شرط مسلم.

٧) ثم ما هو رواه من غيرهما من الأئمة الذين التزموا الصحة وصححوه.

- [البخاري ومسلم لم يستوعبا الصحاح:]

الأحاديث الصحيحة لم تنحصر في صحيحي البخاري ومسلم؛ بل هما منحصران في الصحاح، قال البخاري: ما أوردت في كتابي هذا إلا ما صح، ولقد تركت كثيرا من الصحاح، وقال مسلم: الذي أوردت في هذا الكتاب من الأحاديث صحيح، ولا أقول: إن ما تركته ضعيف.

toobaa-elibrary.blogspot.com

تنبيه

- **[الرواية بالمعنى:]**

وهذا المبحث ينجر إلى رواية الحديث ونقله بالمعنى، وفيه اختلاف، فالأكثرون على أنه جائز ممن هو عالم بالعربية، وماهر في أساليب الكلام، وعارف بخواص التراكيب ومفهومات الخطاب؛ لئلا يخطئ بزيادة ونقصان. وقيل: جائز في مفردات الألفاظ دون المركبات. وقيل: جائز لمن استحضر ألفاظه حتى يتمكن من التصرف فيه. وقيل: جائز لمن يحفظ معاني الأحاديث ونسي ألفاظها للضرورة في تحصيل الأحكام، ومن استحضر الألفاظ فلا يجوز له لعدم الضرورة. وهذا الخلاف في الجواز وعدمه.

وأما أولوية رواية اللفظ من غير تصرف فيها فمتفق عليه، لقوله ﷺ: نضر الله امرأ سمع مقالتي فوعاها فأداها كما سمع، الحديث.[1] والنقل بالمعنى واقع في الكتب الستة وغيرها كثير.

وهذا آخر ما أردنا إيراده مقدمة لفتح الرحمن في إثبات مذهب النعمان، وما توفيقي إلا بالله وهو المستعان، فالحمد له أولا وآخرا.

---

1) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب العلم، باب فضل نشر العلم (٤/٤٦) رقم الحديث: ٣٦٦٠. والترمذي في "جامعه" أبواب العلم، باب ما جاء في الحث على تبليغ السماع (٤/٢٩٣) رقم الحديث: ٢٦٥٦، ٢٦٥٧، ٢٦٥٨. وابن ماجه في "سننه" المقدمة، باب من بلغ علما (١/٢١٩) رقم الحديث: ٢٣٠، ٢٣١، ٢٣٢، ٢٣٦، كتاب المناسك، باب الخطبة يوم النحر (٤/٥٠١) رقم الحديث: ٣٠٥٦. وأحمد في "مسنده" مسند عبد الله بن مسعود (٧/ ٢٢١) رقم الحديث: ٤١٥٧، مسند أنس بن مالك (٢١/٦٠) رقم الحديث ١٣٣٥٠، حديث جبير بن مطعم (٢٧/٣٠٠) رقم الحديث: ١٦٧٣٨، (٢٧/٣١٨) رقم الحديث ١٦٧٥٤، حديث زيد بن ثابت (٣٥/٤٦٧) رقم الحديث: ٢١٥٩٠. والدارمي في "سننه" المقدمة، باب الاقتداء بالعلماء (١/٣٠٢) رقم الحديث: ٢٣٤، ٢٣٥، ٢٣٦.

toobaa-elibrary.blogspot.com

انوار السنة لرواد الجنة: المسمى: بـ

"فتح الرحمن في إثبات مذهب النعمان"

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

بسم الله الرحمن الرحيم

مقدمة الكتاب

الحمد لله الذي أرسل محمدا، وجعله سيد المرسلين، وخاتم النبيين. وجعل شريعته أكمل الشرائع، ودينه ناسخ جميع الأديان بالحجة الباهرة والكتاب المبين، وجعل له أصحابا وأتباعا، فالأصحاب نصروه وحفظوا سنته ورعوها وبلغوها إلى الأمة ناصحين محتسبين، وقرروها واجتهدوا فيها وكثروها ووفروها حتى تمت النعمة، وكمل الدين، وثبتت حجة الله على العلمين، ﷺ، وعلى آله وأصحابه وأتباعه أجمعين هداة طريق الحق ومحي علوم الدين.

ثم الصحابة كانوا ببركة صحبته ﷺ، وتنور بواطنهم بنور الإيمان، وصفاء عقيدتهم بنعت الصدق والإيقان، وسطوع أنوار الكتاب والسنة والشهود موارد الوحي من غير ارتياب ومظنة، واخذهم العلوم عن رسول الله ﷺ بلا واسطة، واتصالهم به بقوة رابطة، ورجوعهم إليه فيما يرد من الوقائع والنوازل، وقلة وجود ما يحتاجون إليه من الأحكام والمسائل في الأكثر مستغنين عن الاجتهاد والقياس لعدم ورود موارد الاشتباه والالتباس، وكان كل واحد منهم مثل نحر أو حوض أو جدول من بحر علم سيد الكائنات، فورد أنهم كانوا كالإخاذات جامعين للعلوم والبركات-والاخاذات بكسر الهمزة وتخفيف الخاء المعجمة والذال المعجمة بمعني الغدير-.

ثم إنهم لم يكونوا مجتمعين في كل وقت في حضرته ﷺ، ولم يكن فعله ﷺ في النوافل والمستحبات دائما على نسق واحد، كما في الفرائض والواجبات؛ لئلا يصير فرضا على الأمة، وذلك لوفور شفقته وتوسيع الأمر عليهم في كشف الغمة، فروى كل واحد منهم ما عنده من الأحاديث موافقا لما عند غيره أو مخالفا له، فتطرق الاختلاف من هذا الوجه؛ أعني من جهة الرواية لا من جهة الاجتهاد في القديم والحديث.

ثم إن الصحابة رضي الله عنهم تفرقوا في الأمصار والبلاد، ولحق بهم جماعة وصحبوهم من الأخيار، يقال لهم: التابعون من العرب والعجم، ومن العجم أكثر وأعم وهم المرادون بقوله تعالى: "وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ" [1] بعد قوله سبحانه: "هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ

(١) الجمعة: ٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ" (١)

وشاع فيهم الاجتهاد والقياس، وارتفع بناء العلم واستحكم الأساس، وجاءت جماعة أخرى أدركوا هؤلاء، وأخذوا منهم العلم، يقال لهم: "تبع التابعين"، وهذه القرون الثلاثة خير الأمة في الصدق واليقين، بشهادته ﷺ: "خير القرون قرني (الذين أنا فيهم) ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم (يريد بهم الصحابة والتابعين وأتباعهم ﷺ أجمعين). (٢)

ويشملهم كلهم قوله تعالى: "وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ" (٣) كما نطق به القرآن، وكثر فيهم الاجتهاد لكثرة الوقائع والمسائل، وكثر الاختلاف حديثا وفقها، وصنفت الكتب والرسائل، ومنهم الأئمة الأربعة المشهورون، وقد كان المجتهدون كثيرين سواهم؛ ولكن بقيت هؤلاء الأتباع شرقا وغربا رحمة الله عليهم أجمعين، وهؤلاء الأربع أعلام الدين وأساطين الإسلام، ومناقبهم مشهورة ومذكورة فيما بين الأنام، وعلماء كل مذهب ذكروا إمامهم، وبالغوا في مدائحه وذكروا مناقبه على حسب اعتقاده فيه ومحبته إياه.

ويذكر في مناقب الإمام الأعظم أبي حنيفة الكوفي(٤) ما لا يحصى، ويستصغر في جنبها مناقب من سواه، فكانت الأئمة من أهل زمانه والمتأخرون عنه يمدحونه، وكان أكبرهم

---

١) الجمعة: ٢.

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب فضائل أصحاب النبي (٥/٢) رقم الحديث: ٣٦٥٠، ٣٦٥١، ٣٦٥٢، كتاب الرقاق، باب ما يحذر من زهرة الدنيا والتنافس فيها (٩١/٨) رقم الحديث: ٦٤٢٩. ومسلم في "صحيحه" كتاب فضائل الصحابة رضي الله تعالى عنهم، باب فضل الصحابة (١٨٤/٧) رقم الحديث: ٢٥٣٣. والترمذي في "جامعه" أبواب المناقب، باب ما جاء في فضل من رأى النبي ﷺ (١٦٧/٦) رقم الحديث: ٣٨٥٩. وابن ماجه في "سننه" كتاب الأحكام، باب كراهة الشهادة لمن لم يستشهد (٣٦/٤) رقم الحديث: ٢٣٦٢. وأحمد في "مسنده" مسند عبد الله بن مسعود (٧٤/٧) رقم الحديث: ٣٩٦٣، (١٩٩/٧) رقم الحديث: ٤١٣٠، (٢٣٥/٧) رقم الحديث: ٤١٧٣، (٢٦٣/٧) رقم الحديث: ٤٢١٧.

٣) التوبة: ١٠٠.

٤) الإمام أبو حنيفة هو النعمان بن ثابت التيمي، أبو حنيفة الكوفي مولى بني تيم بن ثعلبة، إمام فقيه مجتهد، ولد سنة ثمانين ورأى أنس بن مالك، ومات سنة مائة وخمسين على الصحيح. [تقريب التهذيب: ٩٣٠، رقم الترجمة: ٧١٥٣. تهذيب التهذيب: ٤٤٩/١٠، رقم الترجمة: ٨١٧. تذهيب تهذيب الكمال: ٢١٨/٩، رقم الترجمة: ٧١٩٤. تهذيب الكمال: ٤١٧/٢٩، رقم الترجمة: ٦٤٣٩.]

toobaa-elibrary.blogspot.com

سنا وأعظمهم بركة وأوفرهم علما وأكثرهم فقها وأتمهم نعمة، ويقرون بعلو شانه ورفعة مكانه، فكان سفيان الثوري،[١] يقول: كنا بين أيدي أبي حنيفة كما يكون البازي من العصافير، فيتواضع ويتسلم لنفسه بالنسبة إليه من التصغير والتقصير.[٢]

وكان ابن المبارك،[٣] يقول كثيرا إذا سئل عن مسألة: قال ابن مسعود[٤] كذا، وقال أبو حنيفة كذا، فقيل: أتقرن أبا حنيفة بابن مسعود؟ فيقول: لو رأيت أبا حنيفة لرأيته رجلا كبيرا، وكان يقول: أبو حنيفة أفقه أهل الأرض، وليس أحد أحق منه أن يقتدى به.[٥]

وقال مالك[٦] حين سأله الشافعي[١] عنه: رأيت رجلا لو كلمك في السارية يجعلها بجعلها ذهبا لقام بالحجة ا لباهرة،[٢] يريد المبالغة في جودة ذهنه وشدة ذكائه وقوة علمه ومتانة رأيه.

---

١) سفيان الثوري: هو أبو عبد الله سفيان بن سعيد بن مسروق الثوري الكوفي، ثقة حافظ فقيه عابد إمام حجة، من رؤوس الطبقة السابعة وكان ربما دلس، مات إحدى وستين ومائة. [تقريب التهذيب: ٢٣٩، رقم الترجمة: ٢٤٤٥. تهذيب التهذيب: ١١١/٤، رقم الترجمة: ١٩٩. تهذيب الكمال: ١٥٤/١١، رقم الترجمة: ٢٤٠٧. تذهيب تهذيب الكمال: ٧٠/٤، رقم الترجمة: ٢٤٣٨. الكمال في أسماء الرجال: ٢٠٦/٥، رقم الترجمة: ٢٩٥٢.]

٢) التهانوي، ظفر أحمد العثماني، قواعد في علوم الحديث: ٣٢٦، الطبعة الثالثة، لبنان ١٣٩٢هـ=١٩٧٢م

٣) عبد الله بن المبارك: هو عبد الله بن المبارك بن واضح المروزي التميمي، مولى بني حنظلة، أحد الأئمة الأعلام وحفاظ الإسلام، ثقة ثبت فقيه عالم جواد مجاهد، جمعت فيه خصال الخير، من الثامنة، مات سنة إحدى وثمانين ومائة. [تقريب التهذيب: ٣٣٨، رقم الترجمة: ٣٥٧٠. تهذيب التهذيب: ٣٨٢/٥، رقم الترجمة: ٦٥٧. تذهيب تهذيب الكمال: ٢٧٢/٥، رقم الترجمة: ٣٥٧٩. تهذيب الكمال: ٥/١٦، رقم الترجمة: ٣٥٢٠. الكمال في أسماء الرجال: ٢٧٧/٦، رقم الترجمة: ٣٧٢٢.]

٤) عبد الله بن مسعود: هو أبو عبد الرحمن عبد الله بن مسعود بن غافل بن حبيب بن شمخ بن مخزوم الهذلي، من السابقين الأولين، من كبار العلماء من الصحابة، مات سنة اثنتين وثلاثين. [تقريب التهذيب: ٣٤١، رقم الترجمة: ٣٦١٣. تهذيب التهذيب: ٢٧/٦، رقم الترجمة: ٤٢. تذهيب تهذيب الكمال: ٣٠٧/٥، رقم الترجمة: ٣٦٢٣. تهذيب الكمال: ١٢١/١٦، رقم الترجمة: ٣٥٦٤.]

٥) تذهيب تهذيب الكمال: ٢٢١/٩، رقم الترجمة: ٧١٩٤.

٦) الإمام مالك: هو أبو عبد الله مالك بن أنس بن مالك بن أبي عامر بن عمرو الأصبحي، الإمام دار الهجرة، الفقيه، من السابعة، مات سنة تسع وسبعين ومائة، وكان مولده سنة ثلاث وتسعين. [تقريب التهذيب: ٥٧٥، رقم الترجمة: ٦٤٢٥. تهذيب التهذيب: ٥/١٠، رقم الترجمة: ٣. تذهيب تهذيب الكمال: ٣٥٢/٨، رقم الترجمة: ٦٤٧٠. تهذيب الكمال: ٩١/٢٧، رقم الترجمة: ٥٧٢٨. الكمال في أسماء الرجال: ٢٧١/٨، رقم الترجمة: ٥٢١٦.]

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقال الشافعي: الناس عيال على أبي حنيفة في الفقه. [٣]

وقال أحمد[٤] في حقه: أنه من العلم والورع والزهد [وإيثار الآخرة] بمحل، لا يدركه أحد في زمانه مثال. [٥]

هذا وقد وقع في بعض ذهن القاصرين عن درك الحق، وتوهموا أن مذهب الإمام الشافعي رحمه الله موافق للأحاديث، وبناءه عليها أغلب وأظهر، وسلوك طريق الإتباع فيه أكثر وأوفر، وبناء مذهب أبي حنيفة على الرأي والاجتهاد، مخالفا للأحاديث بالاستقلال والاستبداد؛ وليس الأمر كذلك؛ لأنه ﷺ يقدم أقساما من الحديث على القياس ويعمل بالحديث وإن كان ضعيفا؛ كحديث القهقهة، والتوضيء بالنبيذ مع ما فيهما من الضعف والالتباس، وجوز نسخ الكتاب بالمشهور من الحديث المأثور، وعمل بالمراسيل من غير توقف وتأويل، ولا يعمل بالقياس إلا ما كانت علته مؤثرة، لا بقياس تناسب وشبه وطرد، فإنها متروكة عنده، وغير مقبولة؛ كما حقق في كتب الأصول، وهو يوجب تقليد الصحابة، ويحمل أقوالهم بالصحة والإصابة، والشافعي يقول: نحن رجال وهم رجال[٦] فيعارض الصحابة بالقياس والاستدلال في الأقوال والأفعال.

١) الإمام الشافعي: هو أبو عبد الله محمد بن إدريس بن العباس بن عثمان بن شافع بن سائب بن عبيد بن عبد يزيد بن هاشم بن المطلب المطلبي، نزيل مصر، رأس الطبقة التاسعة، مات سنة أربع ومائتين. [تقريب التهذيب: ٥٢٣، رقم الترجمة: ٥٧١٧. تهذيب التهذيب: ٢٥/٩، رقم الترجمة: ٣٩. تذهيب تهذيب الكمال: ١٩/٨، رقم الترجمة: ٥٧٦٦. تهذيب الكمال: ٣٥٥/٢٤، رقم الترجمة: ٥٠٤٩. الكمال في أسماء الرجال: ١١٧/٢، رقم الترجمة: ٧٧٨.]

٢) تهذيب الكمال: ٤٢٩/٢٩.

٣) تهذيب الكمال: ٤٣٣/٢٩.

٤) الإمام أحمد: هو أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل بن هلال بن أسد الشيباني المروزي، أحد الأئمة، ثقة حافظ فقيه حجة، رأس الطبقة العاشرة، مات سنة إحدى وأربعين ومائتين. [تقريب التهذيب: ٥٣، رقم الترجمة: ٩٦. تهذيب التهذيب: ٧٢/١، رقم الترجمة: ١٢٦. تذهيب تهذيب الكمال: ١٨٥/١، رقم الترجمة: ٩٦. تهذيب الكمال: ٤٣٧/١، رقم الترجمة: ٩٦. الكمال في أسماء الرجال: ٨٧/٣، رقم الترجمة: ١٣٨٠.]

٥) غاوجي، وهبي سليمان، أبو حنيفة النعمان: ١١١، دار القلم، دمشق، الطبعة السادسة ١٤٢٠هـ-١٩٩٩م.

٦) محمد الحسن، المذاهب والأفكار المعاصرة: ١٠٨، دار البشير للثقافة والعلوم، طنطا، الطبعة الرابعة ١٩٩٨م.

toobaa-elibrary.blogspot.com

قال الإمام الحجة عبد الله بن المبارك[1]: سمعت أبا حنيفة يقول: ما جاء من رسول الله ﷺ من الأحاديث فبالرأس والعين، وما جاء من الصحابة من الآثار فكذلك مختار بلا شك وريب، ولكن إذا جاء من التابعين فنحن وهم سواء، نزاحمهم في البحث وكنا للحق طالبين.[2]

ونقل عن الشيخ فضيل بن عياض[3] من رؤساء الزهاد، ولد بخراسان، ونزل بالكوفة، وصاحب النعمان؛ أنه قال: أن أبا حنيفة إذا جاءه حديث اتبعه، وإن جاءه عن الصحابة وقدماء التابعين أيضا اتبعهم واقتدى، وإلا اجتهد رأي، وكان إذا جاءت عنده مسألة يبحث مع أصحابه مدة مديدة، وكان له أصحاب من التابعين وأتباعهم، وكلهم كانوا أهل الحديث والفقه والزهد والورع وصحيحي العقيدة.

وقال الحافظ محمد بن حزم الظاهري[4]: أن اصحاب أبي حنيفة كلهم متفقون على أن الحديث؛ وإن كان ضعيف الإسناد، أقدم وأولى من القياس والاجتهاد، والكلام في تقديم الحديث على القياس وعكسه كثير طويل.

ونقل عن صاحب الكشف: أن هذا الفرق والتفصيل مستحدث، وخبر الواحد مقدم على القياس بلا تفصيل، وقالوا: كان عند أبي حنيفة صناديق من مسموعاته في الحديث،

---

1) عبد الله بن المبارك: هو عبد الله بن المبارك بن واضح المروزي التميمي، مولى بني حنظلة، أحد الأئمة الأعلام وحفاظ الإسلام، ثقة ثبت فقيه عالم جواد مجاهد، جمعت فيه خصال الخير، من الثامنة، مات سنة إحدى والمائتين ومائة. [تقريب التهذيب: ٣٣٨، رقم الترجمة: ٣٥٧٠. تهذيب التهذيب: ٣٨٢/٥، رقم الترجمة: ٦٥٧. تذهيب تهذيب الكمال: ٢٧٢/٥، رقم الترجمة: ٣٥٧٩. تهذيب الكمال: ٥/١٦، رقم الترجمة: ٣٥٢٠. الكمال في اسماء الرجال: ٢٧٧/٦، رقم الترجمة: ٣٧٢٢.]

2) تبييض الصحيفة: ١١٢.

3) فضيل بن عياض: هو أبو علي فضيل بن عياض بن مسعود بن بشر التميمي الخراساني، الزاهد ثقة عابد، من الثامنة، مات سنة سبع وثمانين ومائة. [تقريب التهذيب: ٤٩٧، رقم الترجمة: ٥٤٣١. تهذيب التهذيب: ٢٩٤/٨، رقم الترجمة: ٥٣٨ تذهيب تهذيب الكمال: ٣٤٣/٧، رقم الترجمة: ٥٤٧٧. تهذيب الكمال: رقم الترجمة: ٤٧٦٣. الكمال في اسماء الرجال: ١٦٤/٨، رقم الترجمة: ٥٠٦١.]

4) محمد بن حزم الظاهري: هو أبو محمد علي بن أحمد بن سعيد بن حزم الظاهري، عالم الأندلس في عصره، وأحد أئمة الإسلام، كان في الأندلس خلق كثير ينتسبون إلى مذهبه، يقال لهم: الحزمية، ولد بقرطبة في سنة أربع وثمانين وثلاث مائة، ومات في جمادى الأولى سنة ست وخمسين وأربعمائة وله سبعون سنة. وأشهر مصنفاته: الفصل في الملل والأهواء والنحل، والمحلى، وجمهرة الأنساب، والناسخ والمنسوخ، وحجة الوداع. [سير أعلام النبلاء: ١٨٤/١٨-٢١٢، رقم الترجمة: ٩٩. تذكرة الحفاظ: ١١٤٦/٣-١١٥٥، رقم الترجمة: ١٠١٦. الأعلام للزركلي: ٢٥٤/٤-٢٥٥.]

toobaa-elibrary.blogspot.com

ضبطها بالتحقيق والتدقيق، ومشايخه الذين سمع الأحاديث منهم ثلاثمائة، رجل من أئمة التابعين، والذين سمعوا منه خمسمائة رحمة الله عليهم أجمعين، نعم وقع اشتغاله ﷺ بالفقه والاجتهاد أكثر وأوفر، واستباط الأحكام والمسائل من الأحاديث دون روايتها أظهر وأشهر، وغلب عليه وعلى أصحابه الفقه، وقلما قامت عنهم سلسلة الحديث في القديم والحديث، ورأوا هذا الاشتغال أهم وأتم؛ لأن الرواية تيسر من كل أحد بالحفظ والسماع، أما الاستنباط والنكلم في الأحاديث، والتطبيق بينها، ومعرفة الناسخ والمنسوخ ليس كل أحد أهلا له بلا نزاع.

ويحكى: أنه سأل الأعمش[1] -وهو من كبار أئمة الحديث- أبا حنيفة عن مسائل، فأجابه بالأحاديث، فقال: يا معشر الفقها! إنكم الأطباء، ونحن الصيادلة، غير مميزين الطيب من الخبيث.

ومن أسباب وقوع الناس في هذا التوهم، وصدور نسبة مخالفة الأحاديث إلى مذهب الحنفية، منهم أن بعض المحدثين الذين كانوا في مذهب الشافعي كصاحب المصابيح والمشكاة وأمثالهما من أهل العجلة والغلاة، تصفحوا وتتبعوا دلائل مذهبهم، وأوردوها في كتبهم وسلكوا في الأحاديث التي تمسك بها الحنفية، طريق الطعن والجرح في روايتها الحنيفة، وأكثر الشافعية المتأخرين عفا الله عنهم لا يخلون عن التعصب بهذا الإمام، ولا يثبت أقدامهم على طريق الإنصاف في هذا المقام، والحال أن ههنا الأحاديث أخر: فوق ما ذكروه، معارضة لها راجحة عليها أو ناسخة لها، وقد ثبت ذلك بالنظر في الكتب المصنفة في مذهبنا هنالك، وكتاب الهداية التي هو أشهر وأظهر الكتب المصنفة في هذا المذهب، أيضا أوقع الناس شيئا من هذا التوهم والالتباس؛ لأنه في الأكثر بني الأمر على الدلائل العقلية والقياسات الفقهية، وقد يورد حديثا لا يخلو من نوع ضعف، والوقوع في مخف؛ ولكن حقيقة الأمر أنه إنما هو لترجيح بعض الأحاديث على بعض للاتفاق على أن الحديث الموافق للقياس أرجح من الذي يخالفه بدون ارتياب والتباس؛ لأنه قياس في مقابلة النص كما يزعم بعض الناس.

---

1) الأعمش: هو سليمان بن مهران الأسدي الكاهلي الكوفي الأعمش، ثقة حافظ عارف بالقراءات ورع ولكنه يدلس، من الخامسة، مات سنة سبع وأربعين أو ثمان، ومولده أول سنة إحدى وستين. [تقريب التهذيب ٢٥٣، رقم الترجمة: ٢٦١٥. تهذيب التهذيب: ٢٢٢/٤، رقم الترجمة: ٣٧٦. تذهيب تهذيب الكمال: ١٧١/٤، رقم الترجمة: ٢٦٠٤. تهذيب الكمال: ٧٦/١٢، رقم الترجمة: ٢٥٧٠. الكمال في أسماء الرجال: ٣٠٤/٥، رقم الترجمة: ٣٠٧١.]

toobaa-elibrary.blogspot.com

وجزى الله عنا الشيخ الأجل الأكرم الأعظم كمال الدين بن الهمام[١] رحمه الله العليم العلام، حيث حقق هذا الأمر، وأثبت المذهب بالأحاديث الصحيحة والحسنة الصالحة للاحتجاج؛ وأثبت أحاديث المتن أيضا، وأجاب عن دلائل الشافعية عند الاحتياج، وفي ديار العرب كتب في مذهب الحنفية مثل: مواهب الرحمن وشرحه، التزم فيها الاستدلال بالآيات القرآنية؛ والأحاديث الصحيحة البرهانية، والتزم بعضهم أن يتمسكوا بأحاديث الصحيحين المتفق عليها بين الفريقين.

ولما كنت أنا العبد المسكين عبد الحق بن سيف الدين، الدهلوي وطنا، والبخاري أصلا، والتركي نسبا، والحنفي مذهبا، والصوفي مشربا، والقادري طريقة، بالحرمين الشرفين زاد هما الله تعظيما وتشريفا، وكنت أقرأ كتاب المشكاة، وقعت في هذا الخيال، وهممت أن أدخل في مذهب الشافعي في الحال، فعرضت ذلك على سيد الشيخ العالم العامل المقتدى طود العلم وعلم الهدى ونور التقى صاحب الاستقامة التي هي فوق الكرامة، والكرامة التي يحصل بعد الاستقامة، أبي المواهب صفي الدين عبد الوهاب المتقي القادري الشاذلي، قال: من أين وقع لي هذا الخيال؟ لعله حملكم عليه قراءة المشكاة بالاستعجال، وقال: ما هو إلا أنهم تتبعوا الأحاديث الموافقة لمذهبهم، فأوردوها في كتبهم مكررة، وههنا أحاديث أخر، راجحة عليها، يثبت مذهبنا، مقررة كما مر، ثم ذكر الشيخ مناقب الإمام أبي حنيفة، وقال: كان هذا الإمام الرفيع الشأن، تقدم في الزمان، وكان له أصحاب من التابعين، وأتباعهم من العلماء المتقنين المتورعين، والفقهاء المتقين المحققين، أكثر مما لغيره من المجتهدين، إلى آخر ما قال من المقدمات في تقرير هذا الكلام ما يوصل إلى تحقيق المرام، فذهب مني ذلك الخيال، والقيت الجدال، ثم لما أراد الشيخ رحمه الله أن يودعني إلى الوطن، التمست منه أن يتركني في خدمته برهة من الزمن، حتى أبحث وأتحقق مذاهب الأئمة الأربعة، خصوصا هذين المذهبين، أعني مذهب الحنفية والشافعية؛ لكونهما واقعين في البين، حتى يتحقق الأمر ويظهر لي الحق في ذلك، قال: يحصل لكم إن شاء الله هذا الأمر هنالك، فحصل ببركة نفسه الشريف في شرح المشكاة من ذلك أشياء، وكنت أرجو صدق خبره بوقوع ذلك بالإتمام والاستيفاء؛

(١) ابن الهمام: هو محمد بن عبد الواحد بن عبد الحميد ابن مسعود، السيواسي ثم الإسكندري، كمال الدين، المعروف بابن الهمام: إمام من علماء الحنفية، عارف بأصول الديانات والتفسير والفرائض والفقه والحساب واللغة والموسيقى والمنطق. من كتبه: فتح القدير في شرح الهداية، والتحرير في أصول الفقه والمسايرة في العقائد المنجية في الآخرة وزاد الفقير مختصر في فروع الحنفية. (٧٩٠-٨٦١هـ=١٣٨٨-١٤٥٧م) [الأعلام للزركلي: ٥/٢٥٥].

toobaa-elibrary.blogspot.com

ولكن الأمور مرهونة بأوقاتها، وكنت أنتظر حصول البغية بوجود ميقاتها، فحان طلوع صبح السعادة، وحصل الأمر على الإرادة، فصرت بعد ما كنت قاصرا عاجزا واجدا فائزا، فشرعت فيه مستعينا بالملك العلام، راجيا بتوفيقه الإكمال والإتمام، فجاء على وجه يحصل به للمقصود ويوجد المفقود، يرحم الله من ينظر فيه بعين الإنصاف، ويجتنب عن الجور والاعتساف، ويصلح ما وقع فيه من السهو والنسيان، وتجاوز عما صدر من الخطأ في البحث والبيان.

ثم إنه قد اتفق تأليف هذا الكتاب على طريقتين: **أحدهما**: إني اقتفيت أثر صاحب المشكاة في سرد الأبواب والفصول، وأوردت فيها من غيرها من الأحاديث من سائر الأصول، ونبهت في كل فصل على مواضع الاختلافات على ما شرطت من ذكر الاستدلالات والمتمسكات، فتم على هذا النمط إلى "كتاب الجنائز" آخر "كتاب الصلاة".

[وثانيهما:] ومن ههنا إلى كتاب البيوع أخذت المسائل الاختلافية من الكتب الفقهية للائمة، ونقلت دلائلها ومباحثها المذكورة ثمة، فتم القسم الأول على نمط كتب الحديث، والثاني مثل كتب الفقه ومقصودنا من هذا الكتاب وهو تأييد مذهب الحنفية حاصل في الوجهين.

والسبب في وقوع الاختلاف في هذين النمطين، إني ما وجدت في هذه الأبواب الأحاديث المشتملة على الوجهين لمواضع الخلاف في المشكاة؛ فأخذت من الكتب استيفاء لتلك المقالات، وهذا القسم وقع أتم وأكمل من القسم الأول من جهة استيفاء مواضع الاختلافات، ولعله قد فات منها شيء في القسم الأول، فوقع هكذا، والأمر كله لله، وما شاء الله كان، وله الحمد في كل الحالات، وبنعمه تتم الصالحات.

ومن الكتب التي نقلنا منها الأحاديث: كتاب جامع الأصول الجامع للكتب الستة للعلامة مجد الدين بن الأثير[1]، الكتاب الجليل العظيم الخطير، وكتاب الجامع الكبير، تأليف

---

1) ابن الأثير: هو أبو السعادات، مجد الدين المبارك بن محمد بن محمد بن محمد بن عبد الكريم الشيباني الجزري، المحدث اللغوي الأصولي. مات يوم الخميس، في ذي الحجة، سنة ست وست مئة، (٥٤٤-٦٠٦هـ، ١١٥٠-١٢١٠م) ومن كتبه: النهاية في غريب الحديث وجامع الأصول في أحاديث الرسول جمع فيه بين الكتب الستة، والإنصاف في الجمع بين الكشف والكشاف، والمرصع في الآباء والأمهات والبنات. [الاعلام للزركلي: ٥/٢٧٢-٢٧٣.]

toobaa-elibrary.blogspot.com

الشيخ الإمام علي المتقي، في ترتيب جمع الجوامع للشيخ العلامة جلال الدين السيوطي،[1] كتاب كبير مثل جامع الأصول؛ بل أطول وأشمل، ولكن أحاديث جامع الأصول، الجامع للكتب الستة، وعليها مدار الإسلام أصح وأتم وأكمل، وما ذكرت الحديث في كتابي بصيغة التخريج فمن جامع الأصول، وما أوردت بلفظة الرواية فمن جامع الكبير، وكتاب الموطأ للإمام محمد الشيباني،[2] انتخبه ولخصه وجمعه من مالك الإمام الثاني، ومنها كتاب الدارمي لأبي محمد عبد الله بن عبد الرحمن الدارمي [3]، أحد حفاظ الإسلام، وحماة الدين، معاصر الإمام أحمد والبخاري[4] ومسلم[1] وغيرهم من الأعلام، ومنها الفصل الرابع للمشكاة الذي

---

1) السيوطي: هو جلال الدين عبد الرحمن بن أبي بكر بن محمد بن سابق الدين الخضيري السيوطي، إمام حافظ مؤرخ أديب، ولد في رجب سنة تسع وأربعين وثمانمائة، ومات في سحر ليلة الجمعة تاسع عشر جمادى الأولى سنة إحدى عشرة وتسعمائة. من كتبه: الإتقان في علوم القرآن، وإتمام الدراية لقراء النقاية، وإسعاف المبطأ في رجال الموطأ، والأشباه والنظائر، والألفية في مصطلح الحديث، وبغية الوعاة في طبقات اللغويين والنحاة، وتاريخ الخلفاء، وتدريب الراوي، وتفسير الجلالين، وتنوير الحوالك في شرح موطأ الإمام مالك، والجامع الصغير، وجمع الجوامع ويعرف بالجامع الكبير، والدر المنثور في التفسير بالمأثور، والدرر المنتثرة في الأحاديث المشتهرة، والديباج على صحيح مسلم بن الحجاج، وطبقات الحفاظ، ومصباح الزجاجة في شرح سنن ابن ماجة، وغير ذلك. [شذرات الذهب: ١٠/٧٤-٧٩. الأعلام للزركلي: ٣/٣٠١-٣٠٣.]

٢) الإمام محمد الشيباني: هو أبو عبد الله محمد بن الحسن بن فرقد الشيباني الكوفي، العلامة فقيه العراق صاحب أبي حنيفة، لينه النسائي وغيره من قبل حفظه، وقال الشافعي: لو أشاء أن أقول نزل القرآن بلغة محمد ابن الحسن، لقلت لفصاحته، مات سنة تسع وثمانين ومائة، بالري، ومن كتبه: المبسوط، والزيادات، والجامع الكبير، والجامع الصغير، والآثار، والسير، والموطأ، والأمالي، والمخارج في الحيل، والأصل، والحجة على أهل المدينة. [سير أعلام النبلاء: ٩/١٣٤-١٣٦، رقم الترجمة: ٤٥. ميزان الاعتدال: ٣/٥١٣، رقم الترجمة. ٧٣٧٤. الأعلام للزركلي: ٦/٨٠.]

٣) الدارمي: هو أبو محمد عبد الله بن عبد الرحمن بن الفضل بن بهرام السمرقندي الدارمي، الحافظ صاحب المسند ثقة فاضل متقن، من الحادية عشرة، مات سنة خمس وخمسين ومائتين، وله أربع وسبعون سنة، من كتبه: المسند، والجامع الصحيح ويسمى سنن الدارمي، والثلاثيات. [تقريب التهذيب: ٣١١، رقم الترجمة: ٣٤٣٤. تهذيب التهذيب: ٥/٢٩٤-٢٩٦، رقم الترجمة: ٥٠٢. سير أعلام النبلاء: ١٢/٢٢٤-٢٣٢، رقم الترجمة: ٧٨. الأعلام للزركلي: ٤/٩٦-٩٧.]

٤) الإمام البخاري: هو أبو عبد الله محمد بن إسماعيل بن إبراهيم بن المغيرة الجعفي البخاري، جبل الحفظ وإمام الدنيا في فقه الحديث، من الحادية عشرة، ولد في شوال سنة أربع وتسعين ومائة، وتوفي ليلة الفطر عند صلاة العشاء ودفن يوم الفطر بعد صلاة الظهر سنة ست وخمسين ومائتين، وعاش اثنين وستين سنة إلا ثلاثة عشر يوما، ومن مصنفاته: صحيح البخاري -الجامع المسند الصحيح المختصر من أمور رسول الله ﷺ وسننه وأيامه-، والتاريخ، والضعفاء في رجال الحديث، وخلق أفعال العباد، والأدب المفرد. [تقريب التهذيب:

toobaa-elibrary.blogspot.com

ضمه إليه بعض العلماء الثقات، ومن كتب الأئمة: الحاوي في مذهب الشافعي مع شرحه، ورسالة ابن أبي زيد في مذهب مالك، وكتاب الخرقي في مذهب الإمام أحمد بن حنبل كذلك وهو كتاب جليل شريف مع شرحه للتركسي.

ومذهب الإمام أحمد موافق لمذهب الإمام أبي حنيفة في الغالب، وهذا أحد الدلائل على متابعة الإمام أبي حنيفة الأحاديث عند الطالب، لأن مذ هب أحمد مبني على الحديث بالاتفاق، والحمد لله واهب النعم على الإطلاق، وسميت هذا الكتاب "بفتح الرحمن في إثبات مذ هب النعمان".

والله المستعان وعليه التكلان، وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد الحق محمد وآله وأصحابه أجمعين.

٤٦٨، رقم الترجمة: ٥٧٢٧. تهذيب التهذيب: ٩/٤٧-٥٥، رقم الترجمة: ٥٣. سير أعلام النبلاء ١٢/٣٠١-٤٧١، رقم الترجمة: ١٧١. الأعلام للزركلي: ٦/٣٤.]

١) الإمام مسلم: هو أبو الحسن مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري، ثقة حافظ إمام مصنف عالم بالفقه، ولد سنة أربع ومائتين، ومات في شهر رجب، سنة إحدى وستين ومائتين، بنيسابور، عن بضع وخمسين سنة، وقبره مزار، ومن كتبه: الصحيح -المسند الصحيح المختصر بنقل العدل عن العدل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم-، والأفراد والوحدان، والأقران، ومشايخ الثوري، وتسمية شيوخ مالك وسفيان وشعبة، وكتاب المخضرمين، وكتاب أولاد الصحابة، وأوهام المحدثين، والطبقات، وأفراد الشاميين، والتمييز، والعلل، وغير ذلك [تقريب التهذيب: ٥٢٩، رقم الترجمة: ٦٦٢٣. تهذيب التهذيب: ١٠/١٢٦-١٢٨، رقم الترجمة ٢٢٦. سير أعلام النبلاء: ١٢/٥٥٧-٥٨٠، رقم الترجمة: ٢١٧. الأعلام للزركلي ٧/٢٢١.]

toobaa-elibrary.blogspot.com

كتاب الإيمان

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

كتاب الإيمان

الفصل الأول

عن ابن عمر[١] عن أبيه عمر بن الخطاب[٢] رضي الله عنهما، قال: بينما نحن جلوس عند رسول الله ﷺ ذات يوم إذ طلع علينا رجل شديد بياض الثياب، شديد سواد الشعر. الحديث. كما ذكره صاحب المشكاة[٣]. وهو حديث يحيى بن يعمر[٤] من رواية حكم.[٥]

---

١) عبد الله بن عمر: هو أبو عبد الرحمن، عبد الله بن عمر بن الخطاب العدوي، وهو أحد المكثرين من الصحابة والعبادلة. مات سنة ثلاث وسبعين في آخرها أو أول التي تليها. [تقريب التهذيب: ٣١٥، رقم الترجمة: ٣٤٩٠. وتهذيب التهذيب: ٣٢٦/٥، رقم الترجمة: ٥٦٤.]

٢) عمر بن الخطاب: هو أبو حفص أمير المؤمنين عمر بن الخطاب بن نفيل -بنون وفاء مصغر- بن عبد العزى بن رياح -بتحتانية- بن عبد الله بن قرط -بضم القاف- بن رزاح -براء ثم زاي خفيفة- بن عدي بن كعب القرشي العدوي، الفاروق، مشهور، جم المناقب، استشهد في ذي الحجة سنة ثلاث وعشرين، وولي الخلافة عشر سنين ونصفا. [تقريب التهذيب: ٤١٢، رقم الترجمة: ٤٨٨٨. تهذيب التهذيب: ٤٣٨/٧-٤٤١، رقم الترجمة: ٧٢٤.]

٣) صاحب المشكاة: هو أبو عبد الله محمد بن عبد الله الخطيب العمري ولي الدين التبريزي، توفي سنة إحدى وأربعين وسبعمائة. له: مشكاة المصابيح، والإكمال في أسماء الرجال. [الأعلام للزركلي: ٢٣٤/٦.]

٤) يحيى بن يعمر: هو يحيى بن يعمر -بفتح التحتانية والميم بينهما مهملة ساكنة- البصري، نزيل مرو وقاضيها، ثقة فصيح وكان يرسل، من الثالثة، مات قبل المائة، وقيل: بعدها. [تقريب التهذيب: ٥٩٨، رقم الترجمة: ٧٦٧٨. تهذيب التهذيب: ٣٠٦/١١، رقم الترجمة: ٥٨٨.]

٥) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب: الإيمان، باب: معرفة الإيمان والإسلام والقدر وعلامة الساعة (٣٦/١) رقم الحديث: ٨. وأبو داود في "سننه" كتاب السنة، باب في القدر، (٢٢٣/٤) رقم الحديث: ٤٦٩٥. والترمذي في "جامعه" أبواب الإيمان عن رسول الله ﷺ، باب: ما جاء في وصف جبريل للنبي ﷺ الإيمان والإسلام، (٦/٥) رقم الحديث: ٢٦١٠. والنسائي في "سننه" كتاب: الإيمان وشرائعه، باب: باب نعت الإسلام (٩٧/٨) رقم الحديث: ٤٩٩٠. وابن ماجه في "سننه" افتتاح الكتاب في الإيمان، باب في الإيمان، (٢٤/١) رقم الحديث: ٦٣. وأحمد في "مسنده" مسند العشرة المبشرين بالجنة وغيرهم، مسند أبي حفص عمر بن الخطاب رضي الله عنه، (١ / ٦٧) رقم الحديث: ١٨٦، مسند العشرة المبشرين بالجنة وغيرهم، مسند أبي حفص عمر بن الخطاب رضي الله عنه، (٧٠/١) رقم الحديث: ١٩٦، (١٢٠/١) رقم الحديث: ٣٧٣، (١٢١/١) رقم الحديث: ٣٧٤، (١٢٢/١) رقم الحديث: ٣٨٠، (١٢٣/١) رقم الحديث: ٣٨١، مسند عبد الله بن عمر رضي الله عنهما، (١٢٥٤/٣) رقم الحديث: ٥٩٦٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وذكر صاحب جامع الأصول من حديث البخاري ومسلم وأبي داود[1] والنسائي[2]، عن أبي هريرة[3] وأبي ذر.[4]

قال أبو هريرة وأبو ذر رضي الله عنهما: كان رسول الله ﷺ يوما بارزا للناس، فأتاه رجل فقال: يا رسول الله، ما الإيمان؟[5] قال: أن تؤمن بالله، وملائكته، وكتابه، ولقائه، ورسله، وتؤمن بالبعث الآخر قال: يا رسول الله ما الإسلام؟ قال: الإسلام أن تعبد الله، لا تشرك به شيئا، وتقيم الصلاة المكتوبة، وتؤدي الزكاة المفروضة، وتصوم رمضان. قال: يا رسول الله ما الإحسان؟[6] قال: أن تعبد الله كأنك تراه، فإنك إن لم تره فإنه يراك. قال: يا رسول الله، متى الساعة؟ قال: ما المسؤول عنها بأعلم من السائل، ولكن سأحدثك عن أشراطها: إذا ولدت

---

١) الإمام أبو داود: هو أبو داود سليمان بن الأشعث بن إسحاق بن بشير بن شداد الأزدي السجستاني، ثقة حافظ، مصنف السنن وغيرها، من كبار العلماء، من الحادية عشرة، ولد سنة اثنتين ومائتين، ومات سنة خمس وسبعين ومائتين. [تقريب التهذيب: ٢٥٠، رقم الترجمة: ٢٥٣٣. تهذيب التهذيب: ١٦٩/٤-١٧٢، رقم الترجمة: ٢٩٨. سير أعلام النبلاء: ٢٠٣/١٣-٢٢١، رقم الترجمة: ١١٧.]

٢) الإمام النسائي: هو أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي بن سنان بن بحر بن دينار النسائي، العلامة صاحب السنن، ولد "بنسا" في سنة خمس عشرة ومائتين، وتوفي "بفلسطين" في يوم الاثنين لثلاث عشرة خلت من صفر سنة ثلاث وثلاثمائة، وله ثمان وثمانون سنة، ومن مصنفاته: السنن الكبرى، والمجتبى -وهو السنن الصغرى من الكتب الستة-، والضعفاء والمتروكون، وخصائص علي، ومسند علي، ومسند مالك، وغير ذلك [تقريب التهذيب: ٨٠، رقم الترجمة: ٤٧. تهذيب التهذيب: ٣٦/١-٣٩، رقم الترجمة: ٦٦. سير أعلام النبلاء: ١٢٥/١٤-١٣٥، رقم الترجمة: ٦٧. الأعلام للزركلي: ١٧٠/١.]

٣) أبو هريرة: هو الصحابي الجليل، صاحب رسول الله ﷺ، حافظ الصحابة، قد اختلف الناس في اسمه واسم أبيه اختلافا كثيرا، وأشهر ما قيل فيه أنه كان في الجاهلية عبد شمس أو عبد عمرو، وفي الإسلام عبد الله أو عبد الرحمن، وهو دوسي، قال الحاكم أبو أحمد: أصح شيء عندنا في اسم أبي هريرة عبد الرحمن بن صخر، غلبت عليه كنيته فهو كمن لا اسم له، مات سنة سبع، وقيل: سنة ثمان، وقيل: تسع وخمسين، وهو ابن ثمان وسبعين سنة. [تقريب التهذيب: ٦٨٠، رقم الترجمة: ٨٤٢٦. تهذيب التهذيب: ٢٦٢/١٢-٢٦٧، رقم الترجمة: ١٢١٦.]

٤) أبو ذر: هو الصحابي المشهور اسمه جندب بن جنادة على الأصح، وقيل: برير بموحدة مصغر أو مكبر، واختلف في أبيه، فقيل: جندب أو عشرقة أو عبد الله أو السكن، تقدم إسلامه وتأخرت هجرته، فلم يشهد بدرا، ومناقبه كثيرة جدا، مات سنة اثنتين وثلاثين في خلافة عثمان. [تقريب التهذيب: ٦٣٨، رقم الترجمة: ٨٠٨٧.]

٥) قوله الإيمان: هو التصديق بالجنان بوحدانيته تعالى مع القبول والإذعان بكل ما هو من الضروريات الدينية. والإسلام: هو إظهار ذلك التصديق مع الطاعة والانقياد لمن آمن به. [الأعظمي]

٦) الإحسان: هو الإخلاص في العبادات لوجه الله الكريم، والمجانبة عن الشرك ولو خفيا كما أشار إليه قوله تعالى: ﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ﴾ الآية [البينة: ٥]. وأما الفرد الكامل للإحسان: أن تعبد الله كأنك تراه، فإن لم تكن تراه فإنه يراك. [الأعظمي]

toobaa-elibrary.blogspot.com

الأمة ربتها، فذاك من أشراطها، وإذا كانت العراة الحفاة رؤوس الناس، فذاك من أشراطها، وإذا تطاول رعاء البهم في البنيان، فذاك من أشراطها، في خمس لا يعلمهن إلا الله، ثم تلا رسول الله ﷺ: إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ، إلى قوله: إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ.[1] قال: ثم أدبر الرجل، فقال رسول الله ﷺ: ردوا علي الرجل، فأخذوا ليردوه، فلم يروا شيئا، فقال رسول الله ﷺ: هذا جبريل جاء ليعلم الناس دينهم.[2]

وفي رواية قال: إذا ولدت الأمة بعلها يعني السراري.[3]

وفي أخرى نحوه: وفي أوله: أن رسول الله ﷺ، قال: سلوني فهابوه أن يسألوه، فجاء رجل، فجلس عند ركبتيه، فقال: يا رسول الله، ما الإسلام، وذكر نحوه، وزاد: أنه قال له في آخر كل سؤال منها: صدقت، وقال في الإحسان: أن تخشى الله كأنك تراه. وقال فيها: وإذا رأيت الحفاة العراة الصم البكم ملوك الأرض، فذاك من أشراطها، وفي آخرها: هذا جبريل أراد أن تعلموا، إذ لم تسألوا. هذا لفظ البخاري ومسلم عن أبي هريرة وحده.[4]

وأخرجه أبو داود عن أبي هريرة وأبي ذر، بمثل حديث قبله، وهو حديث يحيى ابن يعمر، وهذا لفظه:

قال أبو هريرة وأبو ذر: كان رسول الله ﷺ يجلس بين ظهراني أصحابه، فيجيء الغريب، فلا يدري: أيهم هو حتى يسأل، فطلبنا إلى رسول الله ﷺ أن نجعل له مجلسا، يعرفه

---

(١) لقمان: ٣٤.

(٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الإيمان، باب سؤال جبريل النبي ﷺ عن الإيمان والإسلام (١/١٩) رقم الحديث: ٥٠، كتاب تفسير القرآن، باب قوله إن الله عنده علم الساعة (٦/١١٥) رقم الحديث: ٤٧٧٧. ومسلم في "صحيحه" كتاب الإيمان، باب الإيمان ما هو وبيان خصاله (١/٣٩) رقم الحديث: ٩، (١/٤٠) رقم الحديث: ١٠. وأبو داود في "سننه" كتاب السنة، باب في القدر (٤/٢٢٥) رقم الحديث: ٤٦٩٨. والنسائي في "سننه" كتاب الإيمان وشرائعه، باب صفة الإيمان والإسلام (٨/١٠١) رقم الحديث: ٤٩٩١. وابن ماجه في "سننه" أبواب السنة، باب في الإيمان (١/٤٤) رقم الحديث: ٦٤، أبواب الفتن، باب أشراط الساعة (٥/١٦٩) رقم الحديث: ٤٠٤٤. وأحمد في "مسنده" مسند أبي هريرة ﷺ (٢/١٩١٥) رقم الحديث: ٩٢٥١، (٢/١٩٨٨) رقم الحديث: ٩٦٣٢. والطحاوي في "شرح مشكل الآثار" باب بيان مشكل ما روي عن رسول الله ﷺ أنه قال أكثر أهل الجنة البله وما يدخل في ذلك (٧/٤٣٤) رقم الحديث: ٢٩٨٥.

(٣) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الإيمان، باب الإيمان ما هو وبيان خصاله (١/٣٩) رقم الحديث: ٩.

(٤) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الإيمان، باب الإيمان ما هو وبيان خصاله (١/٤٠) رقم الحديث: ١٠. والطحاوي في "شرح مشكل الآثار" باب بيان مشكل ما روي عن رسول الله ﷺ أنه قال أكثر أهل الجنة البله وما يدخل في ذلك (٧ / ٤٣٤) رقم الحديث: ٢٩٨٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

الغريب إذا أتاه، قال: فبنينا له دكانا من طين يجلس عليه، وكنا نجلس بجنبيته وذكر نحو حديث يحيى بن يعمر فأقبل رجل، وذكر هيأته، حتى سلم من طرف السماط،[1] فقال: السلام عليك يا محمد، فرد عليه النبي ﷺ.[2]

وأخرجه النسائي، عن أبي هريرة وأبي ذر بمثل حديث أبي داود، إلى قوله: من طين كان يجلس عليه، ثم قال: وإنا لجلوس ورسول الله ﷺ، إذ أقبل رجل أحسن الناس وجها، وأطيب الناس ريحا، كأن ثيابه لم يمسها دنس، حتى سلم من طرف السماط، قال: السلام عليك يا محمد، فرد عليه السلام، قال: أدنو يا محمد؟ قال: أدنه. قال: فما زال يقول: أدنو مرارا، ويقول: أدنه حتى وضع يده على ركبتي رسول الله ﷺ. قال: يا محمد، أخبرني ما الإسلام، قال: الإسلام أن تعبد الله لا تشرك به شيئا، وتقيم الصلاة، وتؤتي الزكاة، وتحج البيت، وتصوم رمضان. قال: وإذا فعلت ذلك، فقد أسلمت؟ قال: نعم. قال: صدقت، فلما سمعنا قول الرجل: صدقت، أنكرناه. قال: يا محمد، أخبرني عن الإيمان؟ قال: أن تؤمن بالله والملائكة، والكتاب، والنبيين، وتؤمن بالقدر قال: فإذا فعلت ذلك، فقد آمنت؟ قال رسول الله ﷺ: نعم، قال: صدقت، قال: يا محمد، أخبرني: ما الإحسان؟ قال: أن تعبد الله كأنك تراه، فإن لم تكن تراه فإنه يراك. [قال: صدقت]، قال: يا محمد، أخبرني: متى الساعة؟ قال: فنكس، فلم يجبه شيئا، ثم عاد، فلم يجبه شيئا، ثم رفع رأسه، قال: ما المسؤول عنها بأعلم من السائل، ولكن لها علامات تعرف بها: إذا رأيت رعاء البهم يتطاولون في البنيان، ورأيت الحفاة العراة ملوك الأرض، ورأيت الأمة تلد ربها، في خمس لا يعلمها إلا الله، "إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ"، ثم تلا إلى قوله: "إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ"،[3] قال: لا والذي بعث محمدا بالحق هاديا[4] وبشيرا، ما كنت بأعلم به من رجل منكم، وإنه لجبريل نزل في صورة دحية الكلبي[5].[6]

---

1) السماط [فتح الرحمن في إثبات مذهب النعمان: ٩/٢٠]

2) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب السنة، باب في القدر (٤/٢٢٥) رقم الحديث: ٤٦٩٨.

3) لقمان: ٣٤.

4) وفي نسخة: هدى [الأعظمي]

5) دحية الكلبي: هو دحية -بكسر الدال وسكون الحاء المهملة وبالباء، بعدها تعطلفلة- بن خليفة بن فروة بن فضالة الكلبي، صحابي جليل، نزل المزة، ومات في خلافة معاوية. [تقريب التهذيب: ٢٠٠، رقم الترجمة ١٨٢٦. تهذيب التهذيب: ٣/٢٠٦، رقم الترجمة: ٣٩٤.]

6) أخرجه النسائي في "سننه" كتاب الإيمان وشرائعه، باب صفة الإيمان والإسلام (٨/١٠١) رقم الحديث: ٤٩٩١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أنس بن مالك[١] ﷺ: قال: بينما نحن جلوس مع النبي ﷺ في المسجد، إذ دخل رجل على جمل، ثم أناخه في المسجد، ثم عقله، ثم قال [لهم]: أيكم محمد؟ والنبي صلى الله عليه وسلم متكئ بين ظهرانيهم، فقلنا: هذا الرجل الأبيض المتكئ، فقال له [الرجل]: ابن عبد المطلب؟ فقال له النبي ﷺ: قد أجبتك. فقال الرجل [للنبي]: إني سائلك فمشدد عليك في المسألة، فلا تجد علي في نفسك، قال: سل عما بدا لك. فقال أسألك بربك ورب من قبلك، آلله أرسلك إلى الناس كلهم؟ قال: اللهم نعم. قال: أنشدك بالله: آلله أمرك أن تصلي الصلوات الخمس في اليوم والليلة؟ قال: اللهم نعم. قال: أنشدك بالله، آلله أمرك أن تصوم هذا الشهر من السنة؟ قال: [اللهم]نعم. قال: أنشدك بالله، آلله أمرك أن تأخذ هذه الصدقة من أغنيائنا، فتقسمها على فقرائنا؟ فقال النبي ﷺ: اللهم نعم. قال الرجل: آمنت بما جئت به، وأنا رسول من ورائي من قومي، أنا ضمام بن ثعلبة،[٢] أخو بني سعد بن بكر[٣].

هذا لفظ البخاري.[٤]

١) أنس بن مالك: هو أبو حمزة أنس بن مالك بن النضر الأنصاري الخزرجي، خادم رسول الله ﷺ خدمه عشر سنين مشهور، لقبه ذو الأذنين، مات سنة اثنتين، وقيل: ثلاث وتسعين، وقد جاوز المائة. [تقريب التهذيب: ١١٥، رقم الترجمة: ٥٦٥. تهذيب التهذيب: ٣٧٦/١-٣٧٩، رقم الترجمة: ٦٩٠.]

٢) ضمام بن ثعلبة: هو ضمام بن ثعلبة من بني سعد بن بكر، وقع ذكره في حديث أنس في الصحيحين، وكان عمر بن الخطاب يقول: ما رأيت أحدا أحسن مسألة، ولا أوجز من ضمام بن ثعلبة، وذكر ابن هشام عن أبي عبيدة: أن قدومه كان سنة تسع. [الإصابة في تمييز الصحابة: ٣٩٥/٣-٣٨٦، رقم الترجمة: ٤١٩٨. الاستيعاب في معرفة الأصحاب: ٧٥١/٢-٧٥٣، رقم الترجمة: ١٢٦٢.]

٣) بني سعد بن بكر: بطن من هوازن، من قيس بن عيلان، من العدنانية، وهم: بنو سعد بن بكر بن هوازن من منصور بن عكرمة بن خصفة بن قيس بن عيلان، امتاز بنوه بالفصاحة، وفيهم نشأ النبي ﷺ في طفولته، إذ نسبته حليمة (السعدية) من أمه، وحملته إلى المدينة، وأحسنت تربيته. [الأعلام للزركلي: ٨٤/٢. معجم قبائل العرب القديمة والحديثة: ٥١٣/٢-٥١٤.]

٤) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب العلم، باب ما جاء في العلم (٢٢/١) رقم الحديث: ٦٣. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب ما جاء في المشرك يدخل المسجد (١٣١/١) رقم الحديث: ٤٨٦. والنسائي في "سننه" كتاب الصيام، باب وجوب الصيام (١٢١/٤) رقم الحديث: ٢٠٩١، ٢٠٩٣. وابن ماجه في "سننه" أبواب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء في فرض الصلوات الخمس والمحافظة عليها (٤٤٩/١) رقم الحديث: ١٤٠٢. وأحمد في "مسنده" مسند أنس بن مالك ﷺ (٢٦٩١/٥) رقم الحديث: ١٢٩١٦. والطحاوي في "شرح مشكل الآثار" باب بيان مشكل ما روي عن رسول الله ﷺ مما يدل على أن الرجل إذا قال أحدثك فلان بكذا فقال نعم أنه يكون بذلك في حكم المبتدئ به الناطق بجميعه (١٨٩/١٥) رقم الحديث: ٥٩٣٨.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وأخرجه مسلم، وهذا لفظه، قال أنس ﷺ: نهينا في القرآن[١] أن نسأل رسول الله ﷺ عن شيء، فكان يعجبنا أن يجيء الرجل من أهل البادية العاقل، فيسأله ونحن نسمع، فجاء رجل من أهل البادية، فقال: يا محمد، أتانا رسولك، فزعم لنا أنك تزعم أن الله أرسلك، فقال: صدق. قال: فمن خلق السماء؟ قال: الله. قال: فمن خلق الأرض؟ قال: الله. قال: فمن نصب هذه الجبال وجعل فيها ما جعل؟ قال: الله. قال: فبالذي خلق السماء وخلق الأرض، ونصب هذه الجبال، آلله أرسلك؟ قال: نعم. قال: وزعم رسولك أن علينا خمس صلوات في يومنا وليلتنا؟ قال: صدق. قال: فبالذي أرسلك، آلله أمرك بهذا؟ قال: نعم. قال: وزعم رسولك أن علينا زكاة في أموالنا؟ قال: صدق. قال: فبالذي أرسلك، آلله أمرك بهذا؟ قال: نعم ، قال: وزعم رسولك أن علينا صوم شهر رمضان في سنتنا؟ قال: صدق. قال: فبالذي أرسلك، آلله أمرك بهذا؟ قال: نعم، قال: وزعم رسولك أن علينا حج البيت من استطاع إليه سبيلا؟ قال: صدق. قال: [فبالذي أرسلك. آلله أمرك بهذا؟ قال: نعم. قال: ثم ولى، وقال: والذي بعثك بالحق لا أزيد عليهن، ولا أنقص منهن، فقال النبي ﷺ: لئن صدق ليدخلن الجنة.[٢]

وأخرجه الترمذي[٣] مثل رواية مسلم.[١]

---

١) كما في قوله تعالى: يا أيها الذين آمنوا لا تسألوا عن أشياء إن تبد لكم تسؤكم [المائدة: ١٠١.] وغيرها من الآيات [الأعظمي]

٢) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الإيمان، باب في بيان الإيمان بالله وشرائع الدين (٤١/١) رقم الحديث ١٢. والترمذي في "جامعه" أبواب الزكاة عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء إذا أديت الزكاة فقد قضيت ما عليك (٥/٣) رقم الحديث: ٦١٩ والنسائي في "سننه" كتاب الصيام، باب وجوب الصيام (١٢١/٤) رقم الحديث: ٢٠٩١، ٢٠٩١. وأحمد في "مسنده" مسند أنس بن مالك ﷺ (٢٦٢٧/٥) رقم الحديث ١٢٦٥٢. مسند أنس بن مالك ﷺ (٢٧٥٠/٥) رقم الحديث: ١٣٢١١. والدارمي في "سننه" كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء والصلاة (٥١٣/١) رقم الحديث: ٦٧٦. والطحاوي في "شرح مشكل الآثار" باب بيان مشكل ما روي عن رسول الله ﷺ مما يدل على أن الرجل إذا قال أحدلك فلان بكذا فقال نعم أنه يكون بذلك في حكم المبتدئ به الناطق بجميعه (١٥ / ١٩٠) رقم الحديث :٥٩٣٩.

٣) الإمام الترمذي: هو أبو عيسى محمد بن عيسى بن سورة -بمهملتين- بن موسى بن الضحاك السلمي الترمذي، صاحب الجامع، أحد الأئمة ثقة حافظ، من الثانية عشرة، ولد: في حدود سنة عشر ومائتين، ومات في ثالث عشر رجب، سنة تسع وسبعين ومائتين بترمذ، ومن تصانيفه: الجامع الكبير، والشمائل النبوية، والتاريخ، والعلل. [تقريب التهذيب: ٥٠٠، رقم الترجمة: ٦٢٠٦. تهذيب التهذيب: ٣٨٧/٩-٣٨٩، رقم الترجمة: ٦٣٨. سير أعلام النبلاء: ٢٧٠/١٣-٢٧٧، رقم الترجمة: ١٣٢ الأعلام للزركلي: ٣٢٢/٦.]

toobaa-elibrary.blogspot.com

وأخرجه النسائي مثل رواية البخاري ومسلم.[1]

وأخرج أبو داود منه طرفا من أول رواية البخاري إلى قوله إني سائلك، ثم قال، وساق الحديث ولم يذكر لفظه.[2]

وأخرج النسائي من حديث أبي هريرة. عن أبي هريرة قال: بينما النبي ﷺ مع أصحابه، جاء رجل من أهل البادية. قال: أيكم ابن عبد المطلب؟ قالوا: هذا الأمغر المرتفق، قال حمزة: الأمغر: الأبيض مشرب حمرة. فقال: إني سائلك، الحديث.

أخبرنا محمد بن حميد،[4] حدثنا سلمة،[5] حدثني محمد بن إسحاق،[6] حدثني سلمة بن كهيل،[7] ومحمد بن الوليد بن نويفع،[8] عن كريب مولى ابن عباس،[9] عن ابن عباس[10]

---

١) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الزكاة عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء إذا أديت الزكاة فقد قضيت ما عليك (٣/٥) رقم الحديث: ٦١٩.

٢) أخرجه النسائي في "سننه" كتاب الصيام، باب وجوب الصيام (٤/١٢٠) رقم الحديث: ٢٠٩٢.

٣) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب ما جاء في المشرك يدخل المسجد (١/١٣١) رقم الحديث: ٤٨٦.

٤) محمد بن حميد: هو أبو عبد الله محمد بن حميد بن حيان الرازي التميمي، حافظ ضعيف، وكان ابن معين حسن الرأي فيه، من العاشرة، مات سنة ثمان وأربعين ومائتين. [تقريب التهذيب: ٤٧٥، رقم الترجمة: ٥٨٣٤. تهذيب التهذيب: ٩/١٢٧-١٣١، رقم الترجمة: ١٨١.]

٥) سلمة: هو أبو عبد الله، سلمة بن الفضل الأبرش -بالمعجمة-، مولى الأنصار، قاضي الري، صدوق، كثير الخطأ، من التاسعة، مات بعد التسعين ومائة وقد جاز المائة. [تقريب التهذيب: ٢٤٨، رقم الترجمة: ٢٥٠٥.]

٦) محمد ابن إسحاق: هو أبو بكر، محمد بن إسحاق بن يسار المطلبي مولاهم المدني، نزيل العراق، إمام المغازي، صدوق، يدلس، ورمي بالتشيع والقدر، من صغار الخامسة، مات سنة خمسين ومائة، ويقال بعدها. [تقريب التهذيب: ٤٦٧، رقم الترجمة: ٥٧٢٦.]

٧) سلمة بن كهيل: هو أبو يحيى سلمة بن كهيل الحضرمي الكوفي، ثقة، يتشيع، من الرابعة. [تقريب التهذيب: ٢٤٨، رقم الترجمة: ٢٥٠٨. تهذيب التهذيب: ٤/١٥٥-١٥٧، رقم الترجمة: ٢٦٩.]

٨) محمد بن الوليد بن نويفع: هو أبو عبد الله محمد بن الوليد بن نويفع القرشي الأسدي المدني، مولى آل الزبير بن العوام، مقبول، من السادسة. [تقريب التهذيب: ٥١١، رقم الترجمة: ٦٣٧٣. تهذيب التهذيب: ٩/٥٠٤، رقم الترجمة: ٨٣٠.]

٩) كريب مولى ابن عباس: هو أبو رشدين كريب بن أبي مسلم الهاشمي مولاهم المدني، مولى ابن عباس، ثقة، من الثالثة، مات [قبل المائة] سنة ثمان وتسعين. [تقريب التهذيب: ٤٦١، رقم الترجمة: ٥٦٣٨. تهذيب التهذيب: ٨/٤٣٣، رقم الترجمة: ٧٨٥.]

١٠) عبد الله بن عباس: هو عبد الله بن عباس بن عبد المطلب بن هاشم بن عبد مناف، ولد قبل الهجرة بثلاث سنين، ودعا له رسول الله ﷺ بالفهم في القرآن، فكان يسمى البحر والحبر لسعة علمه، وقال عمر: لو أدرك

toobaa-elibrary.blogspot.com

رضي الله عنهما بعث بنو سعد بن بكر ضمام بن ثعلبة ﷺ إلى رسول الله ﷺ، فقدم عليه فأناخ بعيره على باب المسجد، ثم عقله، ثم دخل المسجد ورسول الله ﷺ جالس في أصحابه، وكان ضمام رجلا جلدا أشعر ذا غديرتين، حتى وقف على رسول الله ﷺ، فقال: أيكم ابن عبد المطلب؟ فقال رسول الله ﷺ: أنا ابن عبد المطلب، قال: محمد؟ قال: نعم، قال: يا ابن عبد المطلب إني سائلك ومغلظ في المسألة فلا تجدن علي في نفسك، قال: لا أجد في نفسي، فسل عما بدا لك، قال: إني أنشدك بالله إلهك وإله من كان قبلك، وإله من هو كائن بعدك، آلله بعثك إلينا رسولا؟! قال: اللهم نعم، قال: فأنشدك بالله إلهك وإله من كان قبلك، وإله من كائن بعدك، آلله أمرك أن نعبده وحده لا نشرك به شيئا، وأن نخلع هذه الأنداد التي كانت آباؤنا تعبدها من دونه؟ قال: اللهم نعم، قال: فأنشدك بالله إلهك وإله من كان قبلك، وإله من هو كائن بعدك، آلله أمرك أن نصلي هذه الصلوات الخمس؟ قال: اللهم نعم، قال: ثم جعل يذكر فرائض الإسلام فريضة فريضة: الزكاة، والصيام، والحج، وشرائع الإسلام كلها، ويناشده عند كل فريضة كما ناشده في التي قبلها، حتى إذا فرغ، قال: فإني أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا عبده ورسوله، وسأؤدي هذه الفريضة، وأجتنب ما نهيتني عنه، ثم قال: لا أزيد ولا أنقص، ثم انصرف إلى بعيره، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم حين ولى: إن يصدق ذو العقيصتين[1] يدخل الجنة: فأتى إلى بعيره فأطلق عقاله، ثم خرج حتى قدم على قومه فاجتمعوا إليه، فكان أول ما تكلم أن قال: بئست اللات والعزى، قالوا: مه يا ضمام، اتق البرص واتق الجنون واتق الجذام، قال: ويلكم إنهما والله لا تضران ولا تنفعان، إن الله قد بعث رسولا وأنزل عليه كتابا استنقذكم به مما كنتم فيه، وإني أشهد أن لا إله إلا الله وأن محمدا عبده ورسوله، وقد جئتكم من عنده بما أمركم به ونهاكم عنه، قال: فوالله ما أمسى من ذلك اليوم وفي حاضره رجل ولا امرأة إلا مسلما ، قال: يقول ابن عباس: فما سمعنا بوافد قوم كان أفضل من ضمام بن ثعلبة. انتهى.[2]

ابن عباس أسناننا ما عشره منا أحد. مات سنة ثمان وستين بالطائف، وهو أحد المكثرين من الصحابة، وأحد العبادلة من فقهاء الصحابة. [تقريب التهذيب: ٣٠٩، رقم الترجمة: ٣٤٠٩. تهذيب التهذيب ٥/٢٧٦-٢٧٩، رقم الترجمة: ٤٧٤.]

١) العقيصة: الشعر المعقوص، وهو نحوه من المضفور، وأصل العقص اللي وإدخال أطراف الشعر في أصوله [نقل الأعظمي من مجمع البحار]

٢) أخرجه الدارمي في "سننه" كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء والصلاة (١/٥١٦) رقم الحديث: ٦٧٨، وأحمد في "مسنده" من مسند بني هاشم، مسند عبد الله بن العباس (٤/٢٠٩) رقم الحديث: ٢٢٨٠.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن عبد الله بن عمر[1]: قال: قال رسول الله ﷺ: بني الإسلام على خمس: شهادة أن لا إله إلا الله، وأن محمدا عبده ورسوله، وإقام الصلاة وإيتاء الزكاة، وحج البيت، وصوم رمضان.[2]

وفي رواية أن رجلا قال له[3]: ألا تغزو؟ فقال له: إني سمعت رسول الله ﷺ يقول: إن الإسلام بني على خمس ... وذكر الحديث.[4]

وفي أخرى: بني الإسلام على خمسة: على أن يوحد الله، وإقام الصلاة، وإيتاء الزكاة، وصيام رمضان، والحج، فقال رجل: الحج وصيام رمضان؟ قال: لا، صيام رمضان والحج، هكذا سمعته من رسول الله صلى الله عليه وسلم.[5]

وفي أخرى بني الإسلام على خمس: [على] أن يعبد الله ويكفر بما دونه، وإقام الصلاة، وإيتاء الزكاة، وحج البيت، وصوم رمضان.[6]

أخرج طرقه جميعها مسلم، ووافقه على الأولى: الترمذي، وعلى الثانية: البخاري والنسائي.

وجاء في رواية لأبي داود في حديث يحيى بن يعمر: قال: فما الإسلام؟ قال: إقام الصلاة، وإيتاء الزكاة، وحج البيت، وصوم شهر رمضان، والاغتسال من الجنابة.[7]

(١) عبد الله بن عمر: هو أبو عبد الرحمن، عبد الله بن عمر بن الخطاب العدوي، وهو أحد المكثرين من الصحابة والعبادلة. مات سنة ثلاث وسبعين في آخرها أو أول التي تليها. [تقريب التهذيب: ٣١٥، رقم الترجمة: ٣٤٩٠. وتهذيب التهذيب: ٥/٣٢٦، رقم الترجمة: ٥٦٤.]

(٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الإيمان، باب قول النبي ﷺ: بني الإسلام على خمس (١/١١) رقم الحديث: ٨. ومسلم في "صحيحه" كتاب الإيمان، باب بيان أركان الإسلام ودعائمه العظام (١/٤٥) رقم الحديث: ١٦. والترمذي في "سننه" أبواب الإيمان عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء بني الإسلام على خمس (٥/٥) رقم الحديث: ٢٦٠٩. والنسائي في "سننه" كتاب الإيمان وشرائعه، باب على كم بني الإسلام (٨/١٠٧) رقم الحديث: ٥٠٠١. وأحمد في "مسنده" مسند عبد الله بن عمر (٨/٤١٧) رقم الحديث: ٤٧٩٨، (٩/٤٨٤) رقم الحديث: ٥٦٧٢، (١٠/٢١٢) رقم الحديث: ٦٠١٥، (١٠/٣٨٩) رقم الحديث: ٦٣٠١.

(٣) عبد الله بن عمر (الصحيح لإمام مسلم: ١/٤٦)

(٤) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الإيمان، باب بيان أركان الإسلام ودعائمه العظام (١/٤٥) رقم الحديث: ١٦. والنسائي في "سننه" كتاب الإيمان وشرائعه، باب على كم بني الإسلام (٨/١٠٧) رقم الحديث: ٥٠٠١.

(٥) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الإيمان، باب بيان أركان الإسلام ودعائمه العظام (١/٤٥) رقم الحديث: ١٦.

(٦) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الإيمان، باب بيان أركان الإسلام ودعائمه العظام (١/٤٥) رقم الحديث: ١٦.

(٧) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب السنة، باب في القدر (٤/٢٢٤) رقم الحديث: ٤٦٩٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن علي بن أبي طالب[1] ﷺ، قال: قال رسول الله ﷺ: لا يؤمن عبد حتى يؤمن بأربع: يشهد أن لا إله إلا الله، وأني محمد رسول الله، بعثني بالحق، ويؤمن بالموت، ويؤمن بالبعث بعد الموت، ويؤمن بالقدر. أخرجه الترمذي.[2]

وعن عبيد الله بن عبد الله بن عتبة بن مسعود[3]: أن رجلا من الأنصار جاء إلى رسول الله ﷺ بجارية له سوداء، فقال: يا رسول الله، علي رقبة مؤمنة أفاعتق هذه؟ فقال لها رسول الله ﷺ: أتشهدين أن لا إله إلا الله؟ قالت: نعم. قال: أتشهدين أن محمدا رسول الله؟ قالت: نعم. قال أتؤمنين بالبعث بعد الموت؟ قالت: نعم. قال رسول الله ﷺ اعتقها. أخرجه في الموطأ.[4]

وعن الشريد بن سويد الثقفي[5]: أن أمه أوصت أن يعتق عنها رقبة مؤمنة، فأتى رسول الله ﷺ، فقال: يا رسول الله، إن أمي أوصت أن أعتق عنها رقبة مؤمنة وعندي جارية سوداء نوبية، أفأعتقها؟ فقال رسول الله ﷺ: ادع بها، فدعوتها، فجاءت، فقال النبي ﷺ: من ربك؟ قالت: الله. قال: فمن أنا؟ قالت: رسول الله. قال: اعتقها؛ فإنها مؤمنة.[6] أخرجه أبو داود والنسائي.[7]

---

١) علي بن أبي طالب: هو أمير المؤمنين أبو تراب، وأبو الحسنين علي بن أبي طالب بن عبد المطلب بن هاشم الهاشمي حيدرة، ابن عم رسول الله ﷺ وزوج ابنته، من السابقين الأولين، ورجح جمع أنه أول من أسلم فهو سابق العرب، وهو أحد العشرة، مات في رمضان سنة أربعين، وهو يومئذ أفضل الأحياء من بني آدم بالأرض بإجماع أهل السنة، وله ثلاث وستون سنة على الأرجح. [تقريب التهذيب: ٤٠٢، رقم الترجمة: ٤٧٥٣، تهذيب التهذيب: ٧/٣٣٤-٣٣٩، رقم الترجمة: ٥٦٥.]

٢) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب القدر عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء في الإيمان بالقدر خيره وشره (٤/٤٥٢) رقم الحديث: ٢١٤٥. وابن ماجه في "سننه" المقدمة، باب في القدر (١/١٠٥) رقم الحديث: ٨١. وأحمد في "مسنده" مسند علي بن أبي طالب ﷺ (٢/١٥٢) رقم الحديث: ٧٥٨، (٢/٣٤٠) رقم الحديث: ١١١٢.

٣) عبيد الله بن عبد الله بن عتبة بن مسعود: هو أبو عبد الله، عبيد الله بن عبد الله بن عتبة بن مسعود، الهذلي، ابن أخي عبد الله بن مسعود، ولد في عهد النبي ﷺ، ووثقه العجلي وجماعة، وهو من كبار الثانية، مات بعد السبعين. [تقريب التهذيب: ٣٧٢، رقم الترجمة: ٤٣٠٤.]

٤) أخرجه مالك في "الموطأ" كتاب العتق والولاء، باب ما يجوز من العتق في الرقاب الواجبة (٢/٧٧٧) رقم الحديث: ٩.

٥) الشريد بن سويد الثقفي: هو الشريد -بوزن الطويل- بن سويد الثقفي، صحابي، شهد بيعة الرضوان، قيل: كان اسمه مالكا. [تقريب التهذيب: ٢٦٦، رقم الترجمة: ٢٧٨٣. تهذيب التهذيب: ٤/٣٣٢، رقم الترجمة: ٥٨٣.]

٦) فيه دليل على أن الإيمان حقيقة بسيطة، وهي التصديق القلبي [الأعظمي]

٧) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الأيمان والنذور، باب في الرقبة المؤمنة (٣/٢٣٠) رقم الحديث: ٣٢٨٣. والنسائي في "سننه" كتاب الوصايا، باب فضل الصدقة عن الميت (٦/٢٥٢) رقم الحديث: ٣٦٥٣. وأحمد

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن معاوية بن الحكم السلمي،[١] قال: أتيت رسول الله ﷺ فقلت يا رسول الله إن جارية لي كانت ترعى غنما لي. فجئتها، وقد فقدت شاة من الغنم، فسألتها عنها. فقالت: أكلها الذئب. فأسفت عليها وكنت من بني آدم فلطمت وجهها. وعلي رقبة. أفأعتقها؟ فقال لها رسول الله ﷺ: أين الله؟[٢] فقالت: في السماء. فقال: ومن أنا؟ فقالت: أنت رسول الله. فقال رسول الله ﷺ: اعتقها. هذا لفظ الموطأ.[٣] وقد أخرجه مسلم وأبو داود والنسائي.[٤] وذكر هذا الحديث صاحب المشكاة في "باب الضمان" من "كتاب الطلاق".[٥]

وعن ابن عمر قال: قال رسول الله ﷺ: الدين خمس لا يقبل الله[٦] منهن شيئا دون شيء: شهادة أن لا إله إلا الله، وأن محمدا عبده ورسوله، وإيمان بالله، وملائكته، وكتبه، ورسله، والجنة والنار، والحياة بعد الموت، هذه واحدة، والصلوات الخمس عمود الإسلام، لا يقبل الله[٧] الإيمان إلا بالصلاة، والزكاة طهور من الذنوب، لا يقبل الله الإيمان والصلاة إلا بالزكاة، من فعل هؤلاء، ثم جاء رمضان فترك صيامه متعمدا لم يقبل الله منه الإيمان، ولا الصلاة، ولا الزكاة، ومن فعل هؤلاء الأربع وتيسر له الحج فلم يحج ولم يوص بحجة، ولم يحج عنه بعض أهله لا يقبل الله منه الإيمان، ولا الصلاة، ولا الزكاة، ولا صيام رمضان، لأن الحج

في "مسنده" مسند الشاميين، حديث الشريد بن سويد الثقفي (٢٩/٤٦٤) رقم الحديث: ١٧٩٤٥، أول مسند الكوفيين، حديث الشريد بن سويد الثقفي (٣٢/٢٠٥) رقم الحديث: ١٩٤٥٥، (٣٢/٢١٧) رقم الحديث: ١٩٤٦٦. (لفظه هو)

(١) معاوية بن الحكم السلمي: هو معاوية بن الحكم السلمي، صحابي، نزل المدينة، وعداده في أهل الحجاز، مات سنة سبع عشرة ومئة [تقريب التهذيب: ٥٣٧، رقم الترجمة: ٦٧٥٣. تهذيب التهذيب:]

(٢) قوله أين الله: فيه إشارة إلى أن الله لا يكلف أحدا فوق قدرته. [الأعظمي]

(٣) أخرجه مالك في "الموطأ" كتاب العتق والولاء، باب ما يجوز من العتق في الرقاب الواجبة (٢/٧٧٦) رقم الحديث: ٨.

(٤) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب تحريم الكلام في الصلاة ونسخ ما كان من إباحة (٢/٧٠) رقم الحديث: ٥٣٧. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب تشميت العاطس في الصلاة (١/٢٩٩) رقم الحديث: ٩٣٠، كتاب الأيمان والنذور، باب في الرقبة المؤمنة (٣/٣٨١) رقم الحديث: ٣٢٨٢. والنسائي في "سننه" كتاب السهو، باب الكلام في الصلاة (٣/١٤) رقم الحديث: ١٢١٨. وأحمد في "مسنده" مسند الأنصار، حديث معاوية بن الحكم السلمي (٣٩/١٧٥) رقم الحديث: ٢٣٧٦٢، (٣٩/١٨١) رقم الحديث: ٢٣٧٦٥، (٣٩/١٨٣) رقم الحديث: ٢٣٧٦٧.

(٥) ذكره التبريزي في "مشكاة المصابيح" كتاب النكاح، باب في كون الرقبة في الكفارة مؤمنة، الفصل الأول (٢/٩٨٨) رقم الحديث: ٣٣٠٣.

(٦) قوله لا يقبل: أي لا يؤمن أحد حتى يؤمن بجميع ما جاء به النبي عليه السلام سيما هذه الخمسة. [الأعظمي]

(٧) قوله لا يقبل إلخ: تدل هذه الرواية على أن هذه الأعمال زائدة من حقيقة الإيمان، بل هي شرط لقبوله. [الأعظمي]

toobaa-elibrary.blogspot.com

فريضة من فرائض الله، ولن يقبل الله تعالى شيئا من فرائضه، بعضها دون بعض. رواه أبو نعيم[1] في الحلية.[2]

وعن ابن عمر رضي الله عنهما، أنه سمع النبي ﷺ يقول: من مات وهو يؤمن بالله واليوم الآخر، قيل له: ادخل من أي أبواب الجنة شئت.[3]

وعن عبد الله بن عمرو[4]، قال: سمعت رسول الله ﷺ، يقول: من لقي الله عز وجل، وهو لا يشرك به شيئا، دخل الجنة، ولم يضره[5] معه خطيئته؛ كما لو لقيه وهو مشرك به دخل النار، ولم ينفعه معه حسنة.

وعن معاذ بن جبل[6]، قال: قال رسول الله ﷺ: ما من نفس تموت تشهد أن لا إله إلا الله وأني رسول الله ﷺ، يرجع ذلك إلى قلب موقن إلا غفر الله لها. رواه ابن ماجة[7].[8]

---

١) أبو نعيم: هو أحمد بن عبد الله بن أحمد بن إسحاق بن موسى بن مهران أبو نعيم المهراني الأصبهاني الصوفي الأحول، الإمام الحافظ الثقة العلامة شيخ الإسلام، وصاحب "الحلية". ولد سنة ست وثلاثين وثلاث مائة، ومات في العشرين من المحرم سنة ثلاثين وأربع مائة، وله أربع وتسعون سنة، ومن تصانيفه: حلية الأولياء وطبقات الأصفياء، ومعرفة الصحابة، وطبقات المحدثين والرواة، ودلائل النبوة، وذكر أخبار أصبهان، وكتاب الشعراء. [سير أعلام النبلاء: ١٧/٤٥٣-٤٦٤، رقم الترجمة: ٣٠٥. تذكرة الحفاظ: ٣/١٠٩٢-١٠٩٧، رقم الترجمة: ٩٩٣. شذرات الذهب: ١٤٩-١٥٠. الأعلام للزركلي: ١/١٥٧.]

٢) أخرجه أبو نعيم في "حلية الأولياء وطبقات الأصفياء" عطاء بن ميسرة (٥/٢٠١-٢٠٢) رقم الترجمة: ٣١٧.

٣) أخرجه أحمد في "مسنده" مسند العشرة المبشرين بالجنة، أول مسند عمر بن الخطاب رضي الله عنه (١/٢٠٦) رقم الحديث: ٩٦. وأبو داود في "مسنده" أحاديث عمر بن الخطاب، أحاديث ابن عباس عن عمر رضي الله عنهما (١/) رقم الحديث.٢٩. وابن حجر في "المطالب العالية" كتاب الإيمان والتوحيد، باب فضلها، رقم الحديث: ٢٩٤٨. ولفظه هو: [عن عقبة بن عامر، قال: حدثني عمر أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من مات يؤمن بالله واليوم الآخر، قيل له ادخل الجنة من أي أبواب الجنة الثمانية شئت.]

٤) عبد الله بن عمرو: هو أبو محمد، وقيل: أبو عبد الرحمن عبد الله بن عمرو بن العاص بن وائل بن هاشم بن سعيد -بالتصغير- بن سعد بن سهم السهمي، أحد السابقين المكثرين من الصحابة، وأحد العبادلة الفقهاء، مات في ذي الحجة ليالي الحرة على الأصح بالطائف على الراجح. [تقريب التهذيب: ٣١٥، رقم الترجمة: ٣٤٩٩. تهذيب التهذيب: ٥/٣٣٧-٣٣٨، رقم الترجمة: ٥٧٥.]

٥) فيه رد على المعتزلة. [الأعظمي]

٦) معاذ بن جبل: هو أبو عبد الرحمن معاذ بن جبل بن عمرو بن أوس الأنصاري الخزرجي، مشهور من أعيان الصحابة، شهد بدرا وما بعدها، وكان إليه المنتهى في العلم بالأحكام والقرآن، مات بالشام سنة ثماني عشرة. [تقريب التهذيب: ٥٣٥، رقم الترجمة: ٦٧٢٥. تهذيب التهذيب: ١٠/١٨٦-١٨٨، رقم الترجمة: ٣٤٧.]

٧) الإمام ابن ماجه: هو أبو عبد الله محمد بن يزيد الربعي -بفتح الراء والموحدة- القزويني ابن ماجة -بتخفيف الجيم- صاحب السنن أحد الأئمة حافظ، صنف السنن والتفسير والتاريخ، ومات سنة ثلاث وسبعين ومائتين وله أربع

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: الإيمان بضع وسبعون شعبة [٢]. وفي رواية: بضع وستون شعبة. والحياء شعبة من الإيمان. أخرجوه إلا الموطأ. وأسقط الترمذي من رواية: والحياء شعبة من الإيمان. وعنده [٣] في الأخرى: أربعة وستون بابا. وعند النسائي في رواية اخرى: الحياء من شعب الإيمان، مختصرا. [٤]

وعن أنس بن مالك ؓ، قال: قال رسول الله ﷺ: ثلاث من كن فيه وجد بهن طعم الإيمان: من كان الله ورسوله أحب إليه مما سواهما، ومن أحب عبدا لا يحبه إلا لله، ومن يكره أن يعود في الكفر - بعد أن أنقذه الله منه - كما يكره أن يلقى في النار.

وفي أخرى من كان أن يلقى في النار أحب إليه من أن يرجع يهوديا أو نصرانيا.. أخرجه البخاري ومسلم والترمذي والنسائي. [٥]

وستون، [تقريب التهذيب: ٥١٤، رقم الترجمة: ٦٤٠٩. تهذيب التهذيب: ٩/٥٣٠-٥٣٢، رقم الترجمة: ٨٧٢. سير اعلام النبلاء:١٣/٢٧٧-٢٨١، رقم الترجمة: ١٣٣. الأعلام للزركلي: ٧/١٤٤-١٤٥.]

١) اخرجه ابن ماجه في "سننه" كتاب الأدب، باب فضل لا إله إلا الله (٥/٣٣٤) رقم الحديث: ٣٧٩٦. وأبو داود في "سننه" كتاب الجنائز، باب في التلقين (٣/٣١٨) رقم الحديث: ٣١١٦. وأحمد في "مسنده" مسند الأنصار، حديث معاذ بن جبل (٣٦/٣٢٣) رقم الحديث. ٢١٩٩٨، (٣٦/٣٢٥) رقم الحديث: ٢٢٠٠٠.

٢) لعل الصواب هكذا: الإيمان بضع وسبعون شعبة، والحياء شعبة من الإيمان. [الأعظمي]

٣) أي عند الترمذي.

٤) اخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الإيمان، باب بيان عدد شعب الإيمان (١/٤٦) رقم الحديث: ٣٥، باب أمور الإيمان (١/١١) رقم الحديث: ٩. والبخاري في "صحيحه" كتاب الإيمان، باب أمور الإيمان (١/١١) رقم الحديث: ٩. وأبو داود في "سننه" كتاب السنة، باب في رد الإرجاء (٥/٣٩) رقم الحديث:٤٦٧٦. والترمذي في "سننه" أبواب الإيمان عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء في استكمال الإيمان وزيادته ونقصانه (٤/٣٦٠) رقم الحديث:٢٦١٤. والنسائي في "سننه" كتاب الإيمان وشرائعه، باب ذكر شعب الإيمان (٨/١١٠) رقم الحديث: ٥٠٠٤، ٥٠٠٥، ٥٠٠٦. وابن ماجه في "سننه" للقدمة، باب في الإيمان (١/٨٢) رقم الحديث: ٥٧. وأحمد في "مسنده" مسند أبي هريرة ؓ (١٤/٤٩٦) رقم الحديث: ٨٩٢٦، (١٥/٢١٢) رقم الحديث: ٩٣٦١، (١٥/٤٤٣) رقم الحديث: ٩٧١٠، (١٥/٤٦٥) رقم الحديث: ٩٧٤٨، (١٦/٣٠٥) رقم الحديث: ١٠٥١٢.

٥) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الإيمان، باب حلاوة الإيمان (١/١٢) رقم الحديث:١٦، باب من كره أن يعود في الكفر... (١/١٣) رقم الحديث: ٢١، كتاب الأدب، باب الحب في الله (٨/١٤) رقم الحديث: ٦٠٤١، كتاب الإكراه، باب من اختار الضرب والقتل والهوان على الكفر (٩/٢٠) رقم الحديث:٦٩٤١. ومسلم في "صحيحه" كتاب الإيمان، باب خصال من اتصف بهن وجد حلاوة الإيمان (١/٤٨) رقم الحديث: ٦٧، ٦٨. والترمذي في "جامعه" أبواب الإيمان عن رسول الله ﷺ، باب (٤/٣١١) رقم الحديث: ٢٦٢٤. والنسائي في "سننه" كتاب الإيمان وشرائعه، باب طعم الإيمان (٨/٩٤) رقم الحديث:٤٩٨٧، ٤٩٨٨، ٤٩٨٩. وابن ماجه في

toobaa-elibrary.blogspot.com

والنسائي في رواية أخرى: ثلاث من كن فيه وجد حلاوة الإيمان وطعمه: أن يكون الله عز وجل ورسوله أحب إليه مما سواهما، وأن يحب في الله، وأن يبغض في الله، وأن توقد نار عظيمة فيقع فيها أحب إليه من أن يشرك بالله شيئا.(١)

وعن أبي رزين العقيلي (٢): قال: أتيت رسول الله ﷺ، فقلت: يا رسول الله كيف يحيي الله الموتى؟ قال: أما مررت بأرض من أرضك مجدبة، ثم مررت بها مخصبة؟ قال: نعم، قال: كذلك النشور. قال: يا رسول الله وما الإيمان؟ قال: أن تشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له، وأن محمدا عبده ورسوله، وأن يكون الله ورسوله أحب إليك مما سواهما، وأن تحرق في النار أحب إليك من أن تشرك بالله، وأن تحب غير ذي نسب لا تحبه إلا لله عز وجل، فإذا كنت كذلك فقد دخل حب الإيمان في قلبك، كما دخل حب الماء للظمآن في اليوم القائظ. قلت: يا رسول الله كيف لي بأن أعلم أني مؤمن؟ قال: ما من أمتي، أو هذه الأمة عبد يعمل حسنة فيعلم أنها حسنة، وأن الله عز وجل جازيه بها خيرا، ولا يعمل سيئة فيعلم أنها سيئة، ويستغفر الله عز وجل منها ويعلم أنه لا يغفر إلا هو، إلا وهو مؤمن. رواه أحمد.(٣)

وعن محمد بن جبير(٤): أن عمر بن الخطاب مر على عثمان (٥) وهو جالس في المسجد، فسلم عليه، فلم يرد عليه، فدخل على أبي بكر فاشتكى ذلك إليه، فقال: مررت

"سننه" كتاب الفتن، باب الصبر على البلاء (٣٣٨/٢) رقم الحديث: ٤٠٣٣. وأحمد في "مسنده" مسند المكثرين من الصحابة، مسند أنس بن مالك ﷺ (٦١/١٩) رقم الحديث: ١٢٠٠٢، (١٦٧/٢٠) رقم الحديث: ١٢٧٦٥، (١٨١/٢٠) رقم الحديث: ١٢٧٨٣، (٣٤٧/٢٠) رقم الحديث: ١٣١٥١، (٩٧/٢١) رقم الحديث: ١٣٤٠٧، (٢٢٤/٢١) رقم الحديث: ١٣٥٩٢، (٣٦٧/٢١) رقم الحديث: ١٣٩١٢.

١) أبو رزين العقيلي: هو لقيط بن صبرة -بفتح المهملة وكسر الموحدة-، ويقال إنه جده، واسم أبيه عامر، صحابي مشهور وهو أبو رزين العقيلي، والأكثر على أنهما اثنان. [تقريب التهذيب: ٤٦٤، رقم الترجمة: ٥٦٨٠.]

٢) أخرجه النسائي في "سننه" كتاب الإيمان وشرائعه، باب طعم الإيمان (٩٤/٨) رقم الحديث: ٤٩٨٧.

٣) أخرجه أحمد في "مسنده" مسند المدنيين، حديث أبي رزين العقيلي لقيط بن عامر المنتفق (١٠٣/٢٦) رقم الحديث: ١٦١٩٤.

٤) محمد بن جبير: هو محمد بن جبير بن مطعم بن عدي بن نوفل، النوفلي، ثقة عارف بالنسب، من الثالثة مات على رأس المائة. [تقريب التهذيب: ٤٧١، رقم الترجمة: ٥٧٧١.]

٥) عثمان بن عفان: هو أمير المؤمنين ذو النورين عثمان بن عفان بن أبي العاص بن أمية بن عبد شمس الأموي، أحد السابقين الأولين، والخلفاء الأربعة، والعشرة المبشرة بالجنة، استشهد في ذي الحجة بعد عيد الأضحى سنة خمس وثلاثين، فكانت خلافته اثنتي عشرة سنة، وعمره ثمانون، وقيل: أكثر، وقيل: أقل. [تقريب التهذيب: ٣٨٥، رقم الترجمة: ٤٥٠٣. تهذيب التهذيب: ١٣٩/٧-١٤٢، رقم الترجمة: ٢٨٩.]

toobaa-elibrary.blogspot.com

على عثمان فسلمت عليه ولم يرد علي. قال: فأين هو؟ قال: هو في المسجد قاعد، قال: فانطلقنا إليه، فقال له أبو بكر[1]: ما منعك أن ترد على أخيك حين سلم عليك؟ قال: والله ما شعرت أنه سلم، مر بي وأنا أحدث نفسي فلم أشعر أنه سلم. فقال أبو بكر: فماذا حدثت نفسك؟ قال: خلا بي الشيطان فجعل يلقي في نفسي أشياء ما أحب أني تكلمت بها وأن لي ما على الأرض، قلت في نفسي حين ألقى الشيطان ذلك في نفسي: يا ليتني سألت رسول الله ﷺ ما الذي ينجينا من هذا الحديث الذي يلقي الشيطان في أنفسنا؟ فقال أبو بكر: فإني والله قد اشتكيت ذلك إلى رسول الله ﷺ، وسألته: ما الذي ينجينا من هذا الحديث الذي يلقي الشيطان منه في أنفسنا؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ينجيكم من ذلك أن تقولوا مثل الذي أمرت به عمي عند الموت فلم يفعل. رواه أبو يعلى[2] في مسنده.[3] وقال البوصيري[4]: في "زوائد العشرة" سنده حسن.[5]

وعن أم سعدى المرية[6] قالت: مر عمر بطلحة[7] بعد وفاة رسول الله ﷺ، فقال: ما لك كئيبا؟ أساءتك إمرة ابن عمك؟ قال: لا، ولكن سمعت رسول الله ﷺ يقول: إني لأعلم كلمة

---

(1) أبو بكر الصديق: هو عبد الله بن عثمان بن عامر بن عمرو بن كعب بن سعد بن تيم بن مرة التيمي، أبو بكر ابن أبي قحافة، الصديق الأكبر، وإنما سمي عتيقا لأن النبي ﷺ قال: من أراد أن ينظر إلى عتيق من النار فلينظر إلى أبي بكر، شهد مع النبي ﷺ المشاهد كلها، ولم يفارقه في جاهلية، ولا في الإسلام، وهو أول الرجال إسلاما، مات في جمادى الأولى سنة ثلاث عشرة، وله ثلاث وستون سنة. [تقريب التهذيب: ٣١٣، رقم الترجمة: ٣٤٩٧. تهذيب التهذيب:]

(2) أبو يعلى: هو أبو يعلى أحمد بن علي بن المثنى التميمي الموصلي: حافظ، ثقة مشهور، عمر طويلا حتى ناهز المائة، وتفرد ورحل الناس إليه وتوفي بالموصل، ولد في ثالث شوال، سنة عشر ومائتين وعاش إلى أثناء سنة سبع وثلاث مائة، له كتب منها: المعجم، ومسندان كبير وصغير [الأعلام للزركلي: ١٧١/١. سير أعلام النبلاء: ١٧٤/١٤-١٨٢.]

(3) أخرجه أبو يعلى في "مسنده" مسند أبي بكر الصديق رضي الله عنه (١٢١/١) رقم الحديث: ١٣٣.

(4) البوصيري: هو أبو العباس أحمد بن أبي بكر بن إسماعيل بن سليم بن قايماز بن عثمان البوصيري الكناني الشافعي، ولد في المحرم سنة اثنتين وستين وسبعمائة، وتوفي ليلة ثامن عشري المحرم سنة أربعين وثمانمائة، ومن كتبه: فوائد المنتقى لزوائد البيهقي، وزوائد ابن ماجة على باقي الكتب الخمسة، وتحفة الحبيب للحبيب بالزوائد في الترغيب والترهيب – مات قبل تبييضه، بيضه ابنه–، وإتحاف المهرة بزوائد المسانيد العشرة قال السخاوي في ترجمته: وخطه حسن، مع تحريف كثير في المتون والأسماء. [شذرات الذهب: ٣٤٠/٩-٣٤١. الأعلام للزركلي: ١٠٤/١.]

(5) أحمد بن أبي بكر، البوصيري، إتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة: ١(٦٧/) رقم الحديث: ٦.

(6) سعدى المرية: هي سعدى بنت عوف بن خارجة بن سنان بن أبي حارثة المرية، امرأة طلحة بن عبيد الله، لها صحبة. [تقريب التهذيب: ٧٤٨، رقم الحديث: ٨٦٠٦. تهذيب التهذيب: ٤٢٥/١٢، رقم الترجمة: ٢٨١٣.]

toobaa-elibrary.blogspot.com

لا يقولها أحد عند موته إلا كانت نورا لصحيفته، وإن جسده وروحه ليجدان لها روحا عند الموت. فلم أسأله حتى توفي، قال: أنا أعلمها، هي التي أراد عمه عليها، ولو علم أن شيئا أنجى له منها، لأمره. رواه ابن ماجة وأحمد، وفي رواية: قال طلحة: هي والله.[٢]

وعن عاصم المكي[٣] أن أبا أيوب الأنصاري،[٤] قال عند الموت: إذا مت فاقرءوا على الناس مني السلام، فأخبروهم أني سمعت رسول الله ﷺ يقول: من مات لا يشرك بالله شيئا جعله الله في الجنة.[٥] رواه أحمد[٦].

وعن الصنابحي[٧] قال: دخلت على عبادة بن الصامت،[٨] وهو في الموت فبكيت، فقال: مهلا، لم تبكي؟ فو الله لئن استشهدت لأشهدن لك، ولئن شفعت لأشفعن

---

١) طلحة: هو أبو محمد، طلحة بن عبد الله بن عثمان بن عمرو بن كعب بن سعد بن تيم بن مرة، التيمي المدني، وهو لفسمى طلحة الفياض، أحد العشرة مشهور، استشهد يوم الجمل سنة ست وثلاثين وهو ابن ثلاث وستين. [تقريب التهذيب: ٢٧٢، رقم الترجمة: ٣٠٢٧]

٢) أخرجه ابن ماجه في "سننه" كتاب الأدب، باب فضل لا إله إلا الله (٢/٢٤٧) رقم الحديث: ٣٧٩٥. وأحمد في "مسنده" مسند عمر بن الخطاب رضي الله عنه (١/٣١٩) رقم الحديث: ١٨٧، (١/٣٦٤) رقم الحديث: ٢٥٢، مسند طلحة بن عبيد الله (٣/٨) رقم الحديث: ١٣٨٤، (٣/٩) رقم الحديث: ١٣٨٦

٣) عاصم بن بهدلة: هو أبو بكر عاصم بن بهدلة وهو ابن أبي النجود -بنون وجيم- الأسدي، مولاهم الكوفي، المقرئ، صدوق، له أوهام، حجة في القراءة، وحديثه في الصحيحين، مقرون من السادسة، مات سنة ثمان وعشرين. [تقريب التهذيب: ٢٨٥، رقم الترجمة: ٣٠٥٤. تهذيب التهذيب: ٥/٣٨-٤٠، رقم الترجمة: ٦٧.]

٤) أبو أيوب الأنصاري: هو خالد بن زيد بن كليب، أبو أيوب الأنصاري، من كبار الصحابة، شهد بدرا ونزل النبي صلى الله عليه وسلم حين قدم المدينة عليه، مات غازيا الروم -القسطنطينية- سنة خمسين وقيل بعدها، وقبره قريب من سور القسطنطينية. [تقريب التهذيب: ١٨٨، رقم الترجمة: ١٦٣٣. تهذيب التهذيب: ٣/٩٠، رقم الترجمة: ١٧٤.]

٥) حدثنا عاصم، عن رجل، من أهل مكة، أن يزيد بن معاوية، كان أميرا على الجيش الذي غزا فيه أبو أيوب فدخل عليه عند الموت فقال له أبو أيوب... الحديث.

٦) أخرجه أحمد في "مسنده" مسند الأنصار، حديث أبي أيوب الأنصاري (٣٨/٥٠٥) رقم الحديث: ٢٣٥٢٣، (٣٨/٥٣٩) رقم الحديث: ٢٣٥٦٠، (٣٨/٥٦٤) رقم الحديث: ٢٣٥٩٤.

٧) الصنابحي: هو أبو عبد الله عبد الرحمن بن عسيلة -بمهملتين مصغر- المرادي، الصنابحي، ثقة، من كبار التابعين، قدم المدينة بعد موت النبي ﷺ بخمسة أيام، مات في خلافة عبد الملك. [تقريب التهذيب: ٣٤٩، رقم الترجمة: ٣٩٣٩.]

٨) عبادة بن الصامت: هو أبو الوليد عبادة بن الصامت بن قيس الأنصاري الخزرجي المدني، أحد النقباء، بدري مشهور، مات بالرملة سنة أربع وثلاثين، وله اثنتان وسبعون، وقيل: عاش إلى خلافة معاوية، قال سعيد بن عفير: كان طوله عشرة أشبار. [تقريب التهذيب: ٢٩٢، رقم الترجمة: ٣١٥٧. تهذيب التهذيب: ٥/١١١-١١٢، رقم الترجمة: ١٨٩.]

toobaa-elibrary.blogspot.com

لك، ولئن استطعت لأنفعنك، ثم قال: والله ما من حديث سمعته من رسول الله صلى الله عليه وسلم لكم فيه خير إلا حدثتكموه إلا حديثا واحدا، وسوف أحدثكموه اليوم وقد أحيط بنفسي، سمعت رسول الله ﷺ يقول: من شهد أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله، حرم الله عليه النار. رواه الترمذي.(١)

وعن عبد الله بن عمرو،(٢) أن رجلا سأل رسول الله ﷺ: أي الإسلام خير؟ قال: تطعم الطعام، وتقرأ السلام على من عرفت ومن لم تعرف. اخرجه البخاري ومسلم والنسائي.(٣)

وعن أبي سعيد[الخدري](٤) قال: قال رسول الله ﷺ: إذا رأيتم الرجل يتعاهد المسجد فاشهدوا له بالإيمان، فإن الله تعالى يقول: إنما يعمر مساجد الله من آمن بالله واليوم الآخر وأقام الصلاة وآتى الزكاة الآية. أخرجه الترمذي.(١)

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الإيمان، باب إطعام الطعام من الإسلام (١/١٢) رقم الحديث: ١٢، باب إفشاء السلام من الإسلام (١/١٥) رقم الحديث: ٢٨، كتاب الاستئذان، باب السلام للمعرفة وغير المعرفة (٨/٥٢) رقم الحديث: ٦٢٣٦. ومسلم في "صحيحه" كتاب الإيمان، باب بيان تفاضل الإسلام (١/٦٥) رقم الحديث: ٦٣(٣٩). وأبو داود في "سننه" كتاب الأدب، باب في إفشاء السلام (٧/٤٩٠) رقم الحديث: ٥١٩٣. والترمذي في "جامعه" أبواب الأطعمة عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء في فضل إطعام الطعام (٣/٣٥١) رقم الحديث: ١٨٥٥. والنسائي في "سننه" كتاب الإيمان وشرائعه، باب أي الإسلام خير؟ (٨/١٠٧) رقم الحديث: ٥٠٠٠. وابن ماجه في "سننه" كتاب الأطعمة، باب إطعام الطعام (٢/٨٣) رقم الحديث: ٣٢٥٣. وأحمد في "مسنده" مسند عبد الله بن عمر (١١/١٤٦) رقم الحديث: ٦٥٨١، (١١/١٥٧) رقم الحديث: ٦٥٨٧.

٢) عن أبي موسى [فتح الرحمن: ١/٢٩].

٣) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الإيمان، باب إطعام الطعام من الإسلام (١/١٢) رقم الحديث: ١٢، باب إفشاء السلام من الإسلام (١/١٥) رقم الحديث: ٢٨، كتاب الاستئذان، باب السلام للمعرفة وغير المعرفة (٨/٥٢) رقم الحديث: ٦٢٣٦. ومسلم في "صحيحه" كتاب الإيمان، باب بيان تفاضل الإسلام (١/٦٥) رقم الحديث: ٦٣(٣٩). وأبو داود في "سننه" كتاب الأدب، باب في إفشاء السلام (٧/٤٩٠) رقم الحديث: ٥١٩٣. والترمذي في "جامعه" أبواب الأطعمة عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء في فضل إطعام الطعام (٣/٣٥١) رقم الحديث: ١٨٥٥. والنسائي في "سننه" كتاب الإيمان وشرائعه، باب أي الإسلام خير؟ (٨/١٠٧) رقم الحديث: ٥٠٠٠. وابن ماجه في "سننه" كتاب الأطعمة، باب إطعام الطعام (٢/٨٣) رقم الحديث: ٣٢٥٣. وأحمد في "مسنده" مسند عبد الله بن عمر (١١/١٤٦) رقم الحديث: ٦٥٨١، (١١/١٥٧) رقم الحديث: ٦٥٨٧.

٤) أبو سعيد الخدري: هو سعد بن مالك بن سنان بن عبيد الأنصاري، أبو سعيد الخدري -بضم الخاء المعجمة وسكون الدال المهملة-، له ولأبيه صحبة، واستصغر بأحد ثم شهد ما بعدها، وروى الكثير، مات بالمدينة،

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن النعمان بن بشير[2] قال: كنا مع النبي ﷺ، فجاء رجل فساره، فقال: اقتلوه، ثم قال: أيشهد أن لا إله إلا الله؟ قال: نعم، ولكنما يقولها تعوذا، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تقتلوه، فإنما أمرت أن أقاتل الناس حتى يقولوا: لا إله إلا الله، فإذا قالوها عصموا مني دماءهم وأموالهم، إلا بحقها وحسابهم على الله. أخرجه النسائي.[3]

وعن عبيد الله بن عدي بن الخيار،[4] أنه قال: بينما رسول الله ﷺ جالس بين ظهري الناس، إذ جاءه رجل فساره. فلم يدر ما ساره به، حتى جهر رسول الله ﷺ فإذا هو يستأذنه في قتل رجل من المنافقين. فقال له رسول الله، حين جهر: أليس يشهد أن لا إله إلا الله، وأن محمدا رسول الله؟ فقال الرجل: بلى. ولا شهادة له. فقال رسول الله: أليس يصلي؟ قال: بلى. ولا صلاة له. فقال: أولئك الذين نهاني الله عنهم [عن قتلهم]. أخرجه الموطأ.[5]

سنة ثلاث أو أربع أو خمس وستين، وقيل: سنة أربع وسبعين. [تقريب التهذيب: ٢٣٢، رقم الترجمة: ٢٢٥٣. تهذيب التهذيب: ٣/٤٧٩-٤٨١، رقم الترجمة: ٨٩٤.]

١) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الإيمان عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء في حرمة الصلاة (٤/٣٠٨) رقم الحديث: ٢٦١٧، أبواب تفسير القرآن عن رسول الله ﷺ، باب من سورة التوبة (٥/١٢٨) رقم الحديث ٣٠٩٣. وابن ماجه في "سننه" كتاب المساجد والجماعات، باب لزوم المساجد وانتظار الصلاة (١/٢٦٣) رقم الحديث ٨٠٢. وأحمد في "مسنده" مسند أبي سعيد الخدري ﷺ (١٨/١٩٤) رقم الحديث: ١١٦٥١، (١٨/٢٥١) رقم الحديث: ١١٧٢٥. والدارمي في "سننه" كتاب الصلاة، باب المحافظة على الصلاة (٢/٧٨٠) رقم الحديث: ١٢٥٩. [هذا حديث غريب حسن: الترمذي]

٢) النعمان بن بشير: هو النعمان بن بشير ابن سعد بن ثعلبة الأنصاري الخزرجي، له ولأبويه صحبة، وأمه عمرة بنت رواحة، ثم سكن الشام ثم ولي إمرة الكوفة ثم قتل بحمص سنة خمس وستين، وله أربع وستون سنة. [تقريب التهذيب: ٥٦٣، رقم الترجمة: ٧١٥٢. تهذيب التهذيب: ١٠/٤٤٧-٤٤٩، رقم الترجمة: ٨١٦.]

٣) أخرجه النسائي في "سننه" كتاب تحريم الدم (٧/٧٩) رقم الحديث: ٣٩٧٩، (٧/٨٠) رقم الحديث: ٣٩٨٢، ٣٩٨٣. وابن ماجه في "سننه" كتاب الفتن، باب الكف عمن قال لا إله إلا الله (٢/٢٩٥) رقم الحديث ٣٩٢٩. والدارمي في "سننه" كتاب السير، باب في القتال على قول لا إله إلا الله (٣/١٥٩٠) رقم الحديث ٢٤٩٠. وأحمد في "مسنده" مسند المدنيين، حديث أوس بن أبي أوس الثقفي (٢٦/٨١) رقم الحديث: ١٦١٦٠، (٢٦/٨٦) رقم الحديث: ١٦١٦٣.

٤) عبيد الله بن عدي بن الخيار: هو عبيد الله بن عدي بن الخيار -بكسر المعجمة وتخفيف التحتانية- بن عدي بن نوفل بن عبد مناف القرشي النوفلي المدني، قتل أبوه يوم بدر كافرا، وكان هو في الفتح مميز فعد في الصحابة لذلك، وعده العجلي وغيره في ثقات كبار التابعين، مات في آخر خلافة الوليد بن عبد الملك. [تقريب التهذيب: ٣٧٣، رقم الترجمة: ٤٣٢٠. تهذيب التهذيب: ٧/٣٦، رقم الترجمة: ٦٧.]

٥) أخرجه مالك في "الموطأ" كتاب السهو، باب جامع الصلاة (٢/٢٣٩) رقم الحديث: ٥٩٢/١٨٢. وأحمد في "مسنده" مسند الأنصار، حديث عبيد الله بن عدي الأنصاري (٣٩/٧٣) رقم الحديث: ٢٣٦٧٠.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن عبادة بن الصامت قال: بايعنا رسول الله ﷺ على السمع والطاعة في العسر واليسر، والمنشط والمكره، وعلى أثرة علينا، وعلى أن لا ننازع الأمر أهله، وعلى أن نقول بالحق أينما كنا، لا نخاف في الله لومة لائم. وفي رواية: إلا أن تروا كفرا بواحا، عندكم من الله فيه برهان. أخرجه البخاري ومسلم والموطأ والنسائي.[1]

عن أبي إدريس الخولاني،[2] [عن أبي مسلم الخولاني[3]]، قال: حدثني الحبيب الأمين، أما هو فحبيب إلي، وأما هو عندي، فأمين عوف بن مالك الأشجعي،[4] قال: كنا عند رسول الله ﷺ، تسعة أو ثمانية أو سبعة، فقال: ألا تبايعون رسول الله؟ وكنا حديث عهد ببيعة، فقلنا: قد بايعناك يا رسول الله، ثم قال: ألا تبايعون رسول الله؟ فقلنا: قد بايعناك يا رسول الله، ثم قال: ألا تبايعون رسول الله؟ قال: فبسطنا أيدينا وقلنا: قد بايعناك يا رسول الله، فعلام نبايعك؟ قال: على أن تعبدوا الله ولا تشركوا به شيئا، والصلوات الخمس، وتطيعوا – وأسر كلمة

---

(1) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الفتن، باب قول النبي ﷺ "سترون بعدي أمورا تنكرونها (٩/٤٧) رقم الحديث: ٧٠٥٥، كتاب الأحكام، باب كيف يبايع الإمام الناس (٩/٧٧) رقم الحديث: ٧١٩٩. ومسلم في "صحيحه" كتاب الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية (٣/١٤٧٠) رقم الحديث: ١٧٠٩. والنسائي في "سننه" كتاب البيعة، البيعة على السمع والطاعة (٧/١٣٧) رقم الحديث: ٤١٤٩، (٧/١٣٨) رقم الحديث: ٤١٥١، ٤١٥٢، ٤١٥٣، ٤١٥٤. وابن ماجه في "سننه" كتاب الجهاد، باب البيعة (٢/٩٥٧) رقم الحديث: ٢٨٦٦. ومالك في "الموطأ" كتاب الجهاد، باب الترغيب في الجهاد (٣/٦٣٢) رقم الحديث: ١٦٢٠/٤٣٥. وأحمد في "مسنده" مسند المكيين، حديث عبادة بن الوليد بن عبادة عن أبيه (٢٤/٤١) رقم الحديث: ١٥٦٥٣، مسند الأنصار، حديث عبادة بن الصامت (٣٧/٣٥٣) رقم الحديث: ٢٢٦٧٩، (٣٧/٣٧٣) رقم الحديث: ٢٢٧٠٠، (٣٧/٣٨٩) رقم الحديث: ٢٢٧١٦، (٣٧/٣٩٥) رقم الحديث: ٢٢٧٢٥، (٣٧/٤٠٣) رقم الحديث: ٢٢٧٣٥.

(2) أبو إدريس الخولاني: هو أبو إدريس عائذ الله –بتحتانية ومعجمة– بن عبد الله الخولاني، ولد في حياة النبي ﷺ يوم حنين، وسمع من كبار الصحابة، ومات سنة ثمانين، قال سعيد ابن عبد العزيز: كان عالم الشام بعد أبي الدرداء. [تقريب التهذيب: ٢٨٩، رقم الترجمة: ٣١١٥. تهذيب التهذيب: .]

(3) أبو مسلم الخولاني: هو الزاهد الشامي اسمه عبد الله بن ثوب –بضم المثلثة وفتح الواو بعدها موحدة، وقيل بإشباع الواو– وقيل: بن أثوب –بمثلثة وزن أحمر– ويقال: ابن عوف أو بن مشكم، ويقال: اسمه يعقوب ابن عوف، ثقة عابد، من الثانية، رحل إلى النبي ﷺ فلم يدركه، وعاش إلى زمن يزيد بن معاوية. [تقريب التهذيب: ٦٧٣، رقم الترجمة: ٨٣٦٧.]

(4) عوف بن مالك الأشجعي: هو أبو حماد عوف بن مالك الأشجعي، صحابي مشهور، من مسلمة الفتح، وسكن دمشق، ومات سنة ثلاث وسبعين. [تقريب التهذيب: ٤٣٣، رقم الترجمة: ٥٢١٧. تهذيب التهذيب: ٨/١٦٨، رقم الترجمة: ٣٠٤.]

toobaa-elibrary.blogspot.com

خفية – ولا تسألوا الناس شيئا. فلقد رأيت بعض أولئك النفر يسقط سوط أحدهم فما يسأل أحدا يناوله إياه. اخرجه مسلم وأبو داود والنسائي إلا أن لفظ النسائي اخصر.(١)

وعن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما، قال: كنا إذا بايعنا رسول الله ﷺ على السمع والطاعة، يقول لنا: فيما استطعت أو قال: فيما استطعتم. اتفق الستة على إخراجه.(٢)

وعن أميمة بنت رقيقة،(٣) قالت: بايعت رسول الله ﷺ في نسوة، فقال لنا: فيما استطعتن وأطقتن، قلت: الله ورسوله أرحم بنا منا بأنفسنا، قلت: يا رسول الله، بايعنا، قال سفيان: تعني صافحنا، فقال رسول الله ﷺ: إنما قولي لمائة امرأة كقولي لامرأة واحدة. أخرجه الموطأ والنسائي والترمذي. واللفظ للترمذي.(٤)

---

١) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الزكاة، باب كراهة المسألة للناس (٧٢١/٢) رقم الحديث: ١٠٤٣ (١٠٨). وأبو داود في "سننه" كتاب الزكاة، باب كراهية المسألة (٨٣/٣) رقم الحديث: ١٦٤٢. والنسائي في "سننه" كتاب الصلاة، باب البيعة على الصلوات الخمس (٢٢٩/١) رقم الحديث: ٤٦٠. وابن ماجه في "سننه" كتاب الجهاد، باب البيعة (٩٥٧/٢) رقم الحديث: ٢٨٦٧. وأحمد في "مسنده" مسند الأنصار حديث عوف بن مالك الأشجعي الأنصاري (٤٢١/٣٩) رقم الحديث: ٢٣٩٩٣.

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الأحكام، باب كيف يبايع الإمام الناس؟ (٧٧/٩) رقم الحديث: ٧٢٠٢. ومسلم في "صحيحه" كتاب الإمارة، باب البيعة على السمع والطاعة فيما استطاع (٤٩٠/٣) رقم الحديث: ١٨٦٧. وأبو داود في "سننه" كتاب الخراج والإمارة والفيء، باب ما جاء في البيعة (٥٦٤/٤) رقم الحديث: ٢٩٤٠. والترمذي في "جامعه" أبواب السير عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء في بيعة النبي ﷺ (٢٠٢/٣) رقم الحديث: ١٥٩٣. والنسائي في "سننه" كتاب البيعة، باب البيعة فيما يستطيع الإنسان (١٥٢/٧) رقم الحديث: ٤١٨٧، ٤١٨٨. وابن ماجه في "سننه" كتاب الجهاد، باب البيعة (٩٥٨/٢) رقم الحديث: ٢٨٦٨. ومالك في "الموطأ" كتاب الجامع، باب ما جاء في البيعة (٤٣٠/٥) رقم الحديث: ٣٦٠١/٨١١. وأحمد في "مسنده" مسند عبد الله بن عمر (١٧٢/٨) رقم الحديث: ٤٥٦٥، (٢١٢/٩) رقم الحديث: ٥٢٨٢، (٣٧٥/٩) رقم الحديث: ٥٥٣١، (٥٢/١٠) رقم الحديث: ٥٧٧١، (٣٦٢/١٠) رقم الحديث: ٦٢٤٣.

٣) أميمة بنت رقيقة: هي أميمة بنت رقيقة –بالتصغير فيهما– واسم أبيها عبد الله بن بجاد التيمي، صحابية لها حديثان، وهي غير أمة بنت رقيقة بنت وهب الثقفية، تلك تابعية. [تقريب التهذيب: ٧٤٣، رقم الترجمة: ٨٥٣٦. تهذيب التهذيب: ٤٠١/١٢، رقم الترجمة: ٢٧٣٠.]

٤) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب السير عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء في بيعة النساء (٢٠٤/٣) رقم الحديث: ١٥٩٧. والنسائي في "سننه" كتاب البيعة، باب بيعة النساء (١٤٩/٧) رقم الحديث: ٤١٨١. وابن ماجه في "سننه" كتاب الجهاد، باب بيعة النساء (٩٥٩/٢) رقم الحديث: ٢٨٧٤. ومالك في "الموطأ" كتاب الجامع، باب ما جاء في البيعة (٤٣٠/٥) رقم الحديث: ٣٦٠٢/٨١٢ وأحمد في "مسنده" مسند النساء، حديث أميمة بنت رقيقة (٥٥٦/٤٤، ٥٥٧، ٥٥٨، ٥٥٩، ٥٦٠) رقم الحديث: ٢٧٠٠٦، ٢٧٠٠٧، ٢٧٠٠٨، ٢٧٠٠٩، ٢٧٠١٠.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن عروة،(1) أن عائشة،(2) أخبرته، عن بيعة النساء، قالت: ما مس رسول الله ﷺ بيده امرأة قط، إلا أن يأخذ عليها، فإذا أخذ عليها، فأعطته، قال: اذهبي، فقد بايعتك. أخرجه البخاري ومسلم وأبو داود.(3)

وعن مجاشع بن مسعود ﷺ(4)، قال: إنه جاء بأخيه مجالد بن مسعود(5) إلى النبي ﷺ فقال: هذا مجالد، يبايعك على الهجرة، فقال: لا هجرة بعد فتح مكة، ولكن أبايعه على الإسلام والإيمان والجهاد.

وفي رواية أخرى: قال: أتيت النبي ﷺ أنا وأخي، فقلت: بايعنا على الهجرة. فقال: مضت الهجرة لأهلها، فقلت: علام تبايعنا؟ قال: على الإسلام والجهاد.

وفي رواية: على الإسلام والجهاد والخير. رواه البخاري ومسلم.(6)

---

(1) عروة بن الزبير: هو أبو عبد الله عروة بن الزبير بن العوام بن خويلد الأسدي المدني، ثقة فقيه مشهور، من الثالثة، مات [قبل المائة] سنة أربع وتسعين على الصحيح، ومولده في أوائل خلافة عثمان. [تقريب التهذيب: ٣٨٩، رقم الترجمة: ٤٥٦١. تهذيب التهذيب: ٧/١٨٠-١٨٥، رقم الترجمة: ٣٨١.]

(2) عائشة: هي أم المؤمنين عائشة بنت أبي بكر الصديق، الحميراء، أفقه النساء مطلقا وأفضل أزواج النبي صلى الله عليه وسلم إلا خديجة ففيهما [ففيها] خلاف شهير، ماتت سنة سبع وخمسين على الصحيح. [تقريب التهذيب: ٧٥٠، رقم الترجمة: ٨٦٣٣. تهذيب التهذيب:]

(3) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الشروط، باب ما يجوز من الشروط في الإسلام (١٨٨/٣) رقم الحديث: ٢٧١٢، كتاب المغازي، باب غزوة الحديبية (١٢٧/٥) رقم الحديث: ٤١٨٢، كتاب التفسير، سورة الممتحنة، باب "إذا جاءكم المؤمنات مهاجرات" (١٥٠/٦) رقم الحديث: ٤٨٩١، كتاب الطلاق، باب إذا أسلمت المشركة أو النصرانية (٤٩/٧) رقم الحديث: ٥٢٨٨، كتاب الأحكام، باب بيعة النساء (٨٠/٩) رقم الحديث: ٧٢١٤. ومسلم في "صحيحه" كتاب الإمارة، باب كيفية بيعة النساء (٤٨٩/٣) رقم الحديث: ١٨٦٦، وأبو داود في "سننه" كتاب الخراج والإمارة والفيء، باب ما جاء في البيعة (٥٦٤/٤) رقم الحديث: ٢٩٤١. والترمذي في "جامعه" أبواب تفسير القرآن عن رسول الله ﷺ، باب من سورة الممتحنة (٢٦٦/٥) رقم الحديث: ٣٣٠٦. وابن ماجه في "سننه" كتاب الجهاد، باب بيعة النساء (٩٥٩/٢) رقم الحديث: ٢٨٧٥. وأحمد في "مسنده" مسند الصديقة عائشة ﷺ (٣٢٨/٤١) رقم الحديث: ٢٤٨٢٩، (٩٥/٤٢) رقم الحديث: ٢٥١٧٥، (١١١/٤٢) رقم الحديث: ٢٥١٩٨، (١١٤/٤٢) رقم الحديث: ٢٥٢٠٤.

(4) مجاشع بن مسعود: هو مجاشع -بضم أوله وتخفيف الجيم وبشين معجمة مكسورة- ابن مسعود بن ثعلبة بن وهب السلمي، صحابي، قتل يوم الجمل سنة ست وثلاثين. [تقريب التهذيب: ٥٢٠، رقم الترجمة: ٦٤٧٩. تهذيب التهذيب: ١٠/٣٨، رقم الترجمة: ٦٣.]

(5) مجالد بن مسعود: هو أبو معبد مجالد بن مسعود السلمي، أخو مجاشع، صحابي، بقي إلى سنة أربعين على الصحيح. [تقريب التهذيب: ٥٢٠، رقم الترجمة: ٦٤٨٠. تهذيب التهذيب: ١٠/٤٦، رقم الترجمة: ٦٧.]

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أسماء بنت يزيد،[٢] قالت: قال رسول الله ﷺ: ولكن آخذ عليهن ما أخذ الله عليهن. رواه أحمد والطبراني في الكبير.[٣]

عن عائشة رضي الله عنها، أن هند بنت عتبة، قالت: يا نبي الله، بايعني، قال:[٤] لا أبايعك حتى تغيري كفيك، كأنهما كفا سبع. رواه أبو داود.[٥]

وعن السوداء،[٦] قالت: أتيت النبي ﷺ لأبايعه، فقال:[٧] انطلقي فاختضبي ثم تعالي حتى أبايعك. رواه الطبراني.[٨]

وعن عبد الله بن هشام[٩] رضي الله عنه وكان قد أدرك النبي صلى الله عليه وسلم، وذهبت به أمه زينب بنت حميد[١] إلى رسول الله ﷺ فقالت: يا رسول الله بايعه، فقال رسول الله ﷺ هو صغير، ومسح رأسه. أخرجه أبو داود.[٢]

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الجهاد والسير، باب البيعة في الحرب أن لا يفروا (٤/٥٠) رقم الحديث: ٢٩٦٢، باب لا هجرة بعد الفتح (٤/٧٥) رقم الحديث: ٣٠٧٩، كتاب المغازي، باب (٥/١٥٢) رقم الحديث: ٤٣٠٦، ٤٣٠٧. ومسلم في "صحيحه" كتاب الإمارة، باب المبايعة بعد فتح المكة على الإسلام والجهاد والخير (٣/١٤٨٧) رقم الحديث: ١٨٦٣، وأحمد في "مسنده" مسند المكيين، حديث مجاشع بن مسعود (٢٥/١٧٦، ١٧٧، ١٧٨، ١٧٩) رقم الحديث: ١٥٨٤٧، ١٥٨٤٨، ١٥٨٤٩، ١٥٨٥٠، ١٥٨٥١، مسند البصريين، حديث مجاشع بن مسعود (٣٤/٢٨٦) رقم الحديث: ٢٠٦٨٤.

٢) أسماء بنت يزيد القيسية البصرية، مقبولة، من السادسة. [تقريب التهذيب: ٧٤٣، رقم الترجمة: ٨٥٣٣]

٣) أخرجه أحمد في "مسنده" من مسند القبائل، من حديث أسماء بنت يزيد (٤٥/٥٥٣) رقم الحديث: ٢٧٥٧٢، والطبراني في "معجمه الكبير" مسند النساء، باب الألف، الحكم بن أبان عن شهر بن حوشب (٢٤/١٦٣)، رقم الحديث: ٤١٧.

٤) وعن عائشة أن رسول الله ﷺ قال [فتح الرحمن في إثبات مذهب النعمان].

٥) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الترجل، باب في الخضاب النساء (٤/٧٦) رقم الحديث: ٤١٦٥.

٦) سوداء: هي أم المؤمنين سودة بنت زمعة بن قيس بن عبد شمس العامرية القرشية، وكانت تحت ابن عم لها يقال له: السكران بن عمرو، فلما مات زوجها تزوجها النبي ﷺ بعد خديجة وهو بمكة، وماتت سنة خمس وخمسين على الصحيح. [تقريب التهذيب: ٧٤٨، رقم الترجمة: ٨٦١٢. تهذيب التهذيب: ١٢/٤٢٦-٤٢٧، رقم الترجمة: ٢٨١٩.]

٧) وعن السوداء، قال رسول الله ﷺ: انطلقي..... الحديث. [فتح الرحمن: ١/٣٢.]

٨) أخرجه في "معجمه الكبير" مسند النساء، باب السين، السوداء بنت عاصم بن خالد (٢٤/٣٠٣) رقم الحديث: ٧٧٠، ٧٧١.

٩) عبد الله بن هشام: هو عبد الله بن هشام بن زهرة بن عثمان التيمي، صحابي صغير، كان مولده سنة أربع، مات في خلافة معاوية. [تقريب تهذيب: ٣٢٧، رقم الترجمة: ٣٦٨٠. تهذيب التهذيب: ٦/٦٣، رقم الترجمة: ١٢٥.]

toobaa-elibrary.blogspot.com

الفصل الثاني

عن أبي الدرداء،(٣) عن النبي ﷺ قال: لكل شيء حقيقة، وما بلغ عبد حقيقة الإيمان حتى يعلم أن ما أصابه لم يكن ليخطئه، وما أخطأه لم يكن ليصيبه. رواه أحمد والطبراني.(٤)

وعبادة بن الصامت، قال: قال رسول الله ﷺ: إن من أفضل إيمان المرء أن يعلم أن الله معه حيث كان. رواه البيهقي (٥).(٦)

وعن أنس رضي الله عنه، قال: قال رسول الله ﷺ: الإسلام علانية والإيمان في القلب. رواه ابن أبي شيبة (٧). وفي رواية أحمد زاد "التقوى ههنا التقوى ههنا وأشار بيده على صدره".(٨)

---

(١) زينب بنت حميد: هي أم عبد الله بن هشام زينب بنت حميد بن زهير بن الحارث بن أسد بن عبد العزى بن قصي، ذهبت بابنها عبد الله إلى رسول الله ﷺ وهو صغير ليبايعه، فمسح على رأسه. [الاصابة في تمييز الصحابة: ١٥٩/٨، رقم الترجمة: ١١٢٣٣. الاستيعاب في معرفة الأصحاب: ١٨٥٢/٤، رقم الترجمة: ٣٣٥٧.]

(٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الخراج والإمارة والفيء، باب ما جاء في البيعة (١٣٣/٣) رقم الحديث: ٢٩٤٢.

(٣) أبو الدرداء: هو أبو الدرداء عويمر بن زيد بن قيس الأنصاري، مختلف في اسم أبيه، وأما هو فمشهور بكنيته، وقيل: اسمه عامر وعويمر لقب صحابي جليل أول مشاهده أحد، وكان عابدا، مات في أواخر خلافة عثمان، وقيل عاش بعد ذلك. [تقريب التهذيب: ٤٣٤، رقم الترجمة: ٥٢٢٨.]

(٤) أخرجه أحمد في "مسنده" من مسند القبائل، من حديث أبي الدرداء (٤٨٢/٢٥) رقم الحديث: ٢٧٤٩٠. والطبراني في "مسند الشاميين" مسند يونس بن ميسرة عن أبي إدريس الخولاني (٢٦١/٣) رقم الحديث: ٢٢١٤.

(٥) البيهقي: هو أبو بكر أحمد بن الحسين بن علي بن موسى البيهقي - وبيهق عدة قرى من أعمال نيسابور على يومين منها - الخراساني، الحافظ العلامة الثبت الفقيه شيخ الإسلام، ولد في سنة أربع وثمانين وثلاث مائة في شعبان، ومات في عاشر شهر جمادى الأولى سنة ثمان وخمسين وأربع مائة، ومن مصنفاته: السنن الكبرى، والسنن الصغرى، والمعارف، والأسماء والصفات، ودلائل النبوة، والقراءة خلف الإمام. [سير أعلام النبلاء: ١٦٣/١٨-١٧٠، رقم الترجمة: ٨٦. الأعلام للزركلي: ١١٥/١-١١٦. تذكرة الحفاظ: ١١٣٢/٢-١١٣٥، رقم الترجمة: ١٠١٤. شذرات الذهب: ٢٤٨/٥-٢٥٠.]

(٦) أخرجه البيهقي في "شعب الإيمان" الخوف من الله تعالى (٢/٠٠٦) رقم الحديث: ٧٢٧.

(٧) ابن أبي شيبة: هو إبراهيم ابن أبي بكر، عبد الله بن محمد ابن أبي شيبة العبسي أبو شيبة الكوفي، صدوق، من العاشرة عشرة، مات سنة خمس وستين. [تقريب التهذيب: ٩١، رقم الترجمة: ٢٠٠.]

(٨) أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الإيمان والرؤيا، ما قالوا في صفة الإيمان (١٥٩/٦) رقم الحديث: ٣٠٣١٩. وأحمد في "مسنده" مسند أنس بن مالك (٣٧٤/١٩) رقم الحديث: ١٢٣٨١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن محمد بن علي [رضي الله عنهما] أن النبي ﷺ قال: الإيمان، والعمل قرينان لا يصلح كل واحد منهما إلا مع صاحبه. رواه ابن شاهين [١] عن محمد بن علي مرسلاً. [٢]

وعن عبد الله بن زيد الأنصاري [٣]: إذا سئل أحد كم أمؤمن هذا؟ فلا يشك في إيمانه. رواه الطبراني. [٤]

وعن أبي الدرداء، قال: قال رسول الله ﷺ: خمس من الإيمان من لم يكن فيه شيئ منهن فلا إيمان له [٥] التسليم لأمر والرضاء بقضاء الله والتفويض إلى الله والتوكل على الله والإسلام على الرب. رواه أبو نعيم في الحلية. [٦]

وعن عمرو بن عبسة [٧]، قال: قال رسول الله ﷺ: أفضل الإيمان خلق حسن. رواه الطبراني. [٨]

---

١) ابن شاهين: هو أبو حفص عمر ابن أحمد بن عثمان بن أحمد البغدادي المعروف بابن شاهين، واعظ علامة من أهل بغداد، كان من حفاظ الحديث، صاحب التصانيف، مولده سنة سبع وتسعين ومئتين ومات في ذي الحجة سنة خمس وثمانين وثلاث مائة. [تذكرة الحفاظ: ٣/٩٨٧-٩٩٠. سير أعلام النبلاء: ١٦/٤٣١-٤٣٥.]

٢) أخرجه ابن شاهين كما في "كنز العمال" حرف الهمزة، الكتاب الأول في الإيمان والإسلام، الباب الأول في تعريفهما، الفصل الثاني في المجاز والشعب (١/٣٦) رقم الحديث: ٦٠.

٣) عبد الله بن زيد الأنصاري: هو أبو محمد عبد الله بن زيد بن عبد ربه بن ثعلبة الأنصاري الخزرجي المدني، الذي أري الأذان، صحابي مشهور، مات سنة اثنتين وثلاثين، وقيل: استشهد بأحد. [تقريب التهذيب: ٣٠٤، رقم الترجمة ٣٣٣٢. تهذيب التهذيب: ٥/٢٢٣-٢٢٤، رقم الترجمة: ٣٨٦]

٤) أخرجه الطبراني كما في "كنز العمال" حرف الهمزة، الكتاب الأول في الإيمان والإسلام، الباب الأول في تعريفهما، الفصل الثاني في المجاز والشعب (١/٣٦) رقم الحديث: ٦٢.

٥) قوله فلا إيمان له: أي فلا كمال إيمان له. [الأعظمي]

٦) أخرجه البزار في "مسنده" مسند ابن عباس (١٢/١٥) رقم الحديث: ٥٣٨٠. [ولفظه: عن ابن عمر بن الخطاب، عن النبي ﷺ قال: خمس من الإيمان من لم يكن فيه شيء منه فلا إيمان له التسليم لأمر الله والرضا بقضاء الله والتفويض إلى أمر الله والتوكل على الله والصبر عند الصدمة الأولى، الحديث.]

٧) عمرو بن عبسة: هو أبو نجيح، عمرو بن عبسة -بموحدة ومهملتين مفتوحات- بن عامر بن خالد السلمي، صحابي مشهور، أسلم قديماً، وهاجر بعد أحد ثم نزل الشام. [تقريب التهذيب: ٤٢٤، رقم الترجمة: ٥٠٧٠.]

٨) أخرجه أحمد في "مسنده" أول مسند الكوفيين، حديث عمرو بن عبسة (٣٢/١٧٧) رقم الحديث: ١٩٤٣٥، والطبراني كما في "كنز العمال" حرف الهمزة، الكتاب الأول في الإيمان والإسلام، الباب الأول في تعريفهما، الفصل الثاني في المجاز والشعب (١/٣٨) رقم الحديث: ٧٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أنس بن مالك عن رسول الله ﷺ قال: إن الرجل لا يكون مؤمنا [١] حتى يكون قلبه مع لسانه سواء، ويكون لسانه مع قلبه سواء، ولا يخالف قوله عمله، ويأمن جاره بوائقه. رواه ابن عساكر [٢] في تاريخه. [٣]

عن عبد الرحمن بن أبي ليلى [٤]، عن أبيه، قال: قال رسول الله ﷺ: لا يؤمن [٥] عبد حتى أكون أحب إليه من نفسه، ويكون عترتي أحب إليه من عترته، وتكون ذاتي أحب إليه من ذاته، ويكون أهلي أحب إليه من أهله. رواه الطبراني في الكبير والبيهقي في شعب الإيمان. [٦]

وعن عمرو بن العاص [٧]، يقول: قال رسول الله ﷺ: إن الله سيخلص رجلا من أمتي على رؤوس الخلائق يوم القيامة فينشر عليه تسعة وتسعين سجلا كل سجل مثل مد البصر، ثم يقول: أتنكر من هذا شيئا؟ أظلمك كتبتي الحافظون؟ فيقول: لا يا رب، فيقول: أفلك عذر؟ فيقول: لا يا رب، فيقول: بلى إن لك عندنا حسنة، فإنه لا ظلم عليك اليوم، فتخرج بطاقة فيها: أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا عبده ورسوله، فيقول: احضر وزنك، فيقول: يا رب ما هذه البطاقة مع هذه السجلات، فقال: إنك لا تظلم، قال:

---

(١) أي لا يكون مؤمنا كاملا. **[الأعظمي]**

(٢) ابن عساكر: هو أبو القاسم علي بن الحسن بن هبة الله، ثقة الدين ابن عساكر الدمشقي، المؤرخ الحافظ الرحالة، محدث الشام، ومن تصانيفه المشهورة: "التاريخ الكبير"، "الموافقات"، "الأطراف للسنن الأربعة"، "معجم شيوخه"، مولده في مستهل سنة تسع وتسعين وأربعمائة، وتوفي في رجب سنة إحدى وسبعين وخمسمائة. **[شذرات الذهب: ٣٩٥/٦-٣٩٧. الأعلام للزركلي: ٢٧٣/٤-٢٧٤.]**

(٣) أخرجه ابن عساكر في **"تاريخ دمشق"** حرف الميم، موسى بن يوسف بن موسى بن راشد أبو عوانة الرازي (٢٥٠/٦١)

(٤) عبد الرحمن بن أبي ليلى: هو أبو عيسى عبد الرحمن بن أبي ليلى الأنصاري المدني ثم الكوفي، ثقة، من الثانية، اختلف في سماعه من عمر، مات بوقعة الجماجم سنة ثلاث وثمانين، قيل إنه غرق. **[تقريب التهذيب: ٣٤٩، رقم الترجمة: ٣٩٩٣. تهذيب التهذيب: ٢٦٠/٦-٢٦٢، رقم الترجمة: ٥١٨.]**

(٥) أي لا يكمل إيمانه. **[الأعظمي]**

(٦) أخرجه البيهقي في **"شعب الإيمان"** حب النبي ﷺ، فصل في براءة نبينا ﷺ في النبوة (٨٨/٣) رقم الحديث: ١٤٢٠.

(٧) عمرو بن العاص: هو أبو عبد الله عمرو بن العاص بن وائل السهمي، الصحابي المشهور، أسلم عام الحديبية، وولي إمرة مصر مرتين وهو الذي فتحها، مات بمصر سنة نيف وأربعين، وقيل: بعد الخمسين. **[تقريب التهذيب: ٤٢٣، رقم الترجمة: ٥٠٥٣. تهذيب التهذيب: ٥٦/٨-٥٧، رقم الترجمة: ٨٤.]**

toobaa-elibrary.blogspot.com

فتوضع السجلات في كفة والبطاقة في كفة، فطاشت السجلات وثقلت البطاقة، فلا يثقل مع اسم الله شيء. رواه أحمد والترمذي والبيهقي في شعب الإيمان.[١]

وعن ابن عمر، قال: قال رسول الله ﷺ: ليس على أهل قول "لا إله إلا الله" وحشة في الموت، ولا في القبور، ولا في النشور، كأني أنظر إليهم عند الصيحة ينفضون رؤوسهم من التراب، يقولون: "الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ" [٢]. رواه الطبراني.[٣]

وعن أنس، قال: قال رسول الله ﷺ: إذا قال العبد المسلم: لا إله إلا الله، خرقت السماوات، حتى تقف بين يدي الله عز وجل، فيقول الله: أسكني. فتقول: وكيف أسكن؟ ولم تغفر لقائلي. فيقول ما أجريتك على لسانه إلا وقد غفرت له. رواه الديلمي[٤] [٥].

وعن أنس رضي الله عنه، قال: قال رسول الله ﷺ: إن الله يعذب الموحدين في جهنم بقدر نقصان إيمانهم ثم يردهم الى الجنة خلودا دائما بإيمانهم. رواه ابن نعيم وابن عساكر.[٦]

وعن أبي ذر رضي الله عنه، قال: خرجت ليلة من الليالي، فإذا رسول الله ﷺ وحده ليس معه إنسان فظننت أنه يكره أن يكون معه أحد فجعلت أمشي في ظل القمر فالتفت فرآني فقال: من هذا؟ قلت: أبو ذر جعلني الله فداك، قال: فمشيت معه ساعة، فقال: إن المكثرين هم الأقلون إلا من أعطى يعني عن يمينه وعن يساره وبين يديه ووراءه، فمشيت معه ساعة فقال: اجلس ها هنا، وليث عني فأطال فسمعته وهو مقبل، وإن سرق، فقلت: جعلني الله فداك

---

١) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الإيمان، باب ما جاء فيمن يموت وهو يشهد أن لا إله إلا الله (٥/٢٤) رقم الحديث: ٢٦٣٩. وأحمد في "مسنده" مسند المكثرين من الصحابة، مسند عبد الله بن عمرو بن العاص (١١/٥٧٠) رقم الحديث: ٦٩٩٤. والطبراني في "الدعاء" باب قول: لا إله إلا الله (٤٣٦) رقم الحديث: ١٤٨٢. والبيهقي في "شعب الإيمان" حشر الناس بعد ما يبعثون (١/٤٤٨) رقم الحديث: ٢٧٩.

٢) فاطر: ٣٤.

٣) أخرجه الطبراني في "معجمه الكبير" مسند عبد الله بن عمر (١٣/١٧٧) رقم الحديث: ١٣٨٨٠

٤) الديلمي [صاحب فردوس الأخبار]: هو أبو شجاع شهردار بن شيرويه بن شهردار بن شيرويه بن فناخسرو الديلمي الهمذاني، الإمام المحدث المفيد، من ذرية الضحاك بن فيروز الديلمي رضي الله عنه، توفي في رجب سنة ثمان وخمسين وخمس مائة، له: تاريخ همذان، وفردوس الأخبار بمأثور الخطاب. [سير أعلام النبلاء: ٢٠/٣٧٥-٣٧٨، رقم الترجمة: ٢٥٥. سير أعلام للزركلي: ٣/١٨٢-١٨٣. شذرات الذهب: ٦/٣٠٥.]

٥) أخرجه الديلمي في "كتاب الفردوس بمأثور الخطاب" باب الألف (١/٢٨٥) رقم الحديث: ١١١٩.

٦) أخرجه ابن عساكر في "تاريخ دمشق" حرف العين، عبد الرحمن بن محمد بن الجارود (٣٥/٣٦٧) وأبو نعيم في "حلية الأولياء وطبقات الأصفياء" ذكر طوائف من جماهير النساك والعباد، إبراهيم بن أدهم (٨/٥٤)

toobaa-elibrary.blogspot.com

من كنت تكلم في جانب الحرة وما سمعت أحدا رجع إليك شيئا؟ قال: ذاك جبريل عرض لي في جانب الحرة، فقال: بشر أمتك أنه من مات لا يشرك بالله شيئا دخل الجنة، فقلت: وإن زنى وإن سرق قال: نعم، قلت: وإن زنى وإن سرق، قال: نعم، وإن رغم.[1]

وعنه أنه قال: سمعت رسول الله ﷺ، يقول: أتاني جبريل، فقال: بشر أمتك من مات لا يشرك بالله شيئا دخل الجنة، قلت: يا جبريل وإن زنى وإن سرق، قال: نعم وإن زنى وإن سرق، قال: نعم وإن زنى وإن سرق، قال: نعم وإن شرب الخمر. رواه أحمد والترمذي وابن حيان[2] والبيهقي.[3]

وعن أبي الدرداء، قال: اخرج [رسول الله ﷺ] فناد في الناس: من قال لا إله إلا الله فله الجنة وإن زنى وإن سرق على رغم أنف أبي ذر. رواه الطبراني.[4]

وعن يعلى بن شداد،[5] قال: حدثني أبي شداد بن أوس،[6] وعبادة بن الصامت، حاضر يصدقه قال: كنا عند النبي ﷺ فقال: هل فيكم غريب؟ يعني أهل الكتاب. فقلنا: لا

---

١) اخرجه البزار في "مسنده" مسند أبي ذر الغفاري، زيد بن وهب عن أبي ذر (٩/٣٩٤) رقم الحديث: ٣٩٨١.

٢) ابن حبان: هو أبو حاتم، محمد بن حبان بن أحمد بن حبان بن معاذ بن معبد التميمي البستي، ويقال له: ابن حبان، صاحب "الصحيح" كان حافظا ثبتا إماما حجة أحد أوعية العلم، ولد سنة بضع وسبعين ومئتين، ومات في شوال سنة أربع وخمس وثلاث مائة. [تذكرة الحفاظ: ٣/٩٢٠-٩٢٤. وسير اعلام النبلاء: ١٦/٩٢-١٠٤. وشذرات الذهب: ٤/٢٨٥-٢٨٦.]

٣) اخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الإيمان، باب ما جاء في افتراق هذه الأمة (٥/٢٧) رقم الحديث: ٢٦٤٤. واحمد في "مسنده" مسند الأنصار، حديث أبي ذر الغفاري (٣٥/٣٢٦) رقم الحديث: ٢١٤١٤، ٢١٤٣٤. وابن حبان في "صحيحه" كتاب الإيمان، باب فرض الإيمان (١/٣٩٢) رقم الحديث: ١٦٩، ١٧٠. والنسائي في "السنن الكبرى" كتاب عمل اليوم والليلة، ذكر اختلاف ألفاظ الناقلين لخبر أبي ذر في ذلك (أي ما يقول عند الموت) (٩/٤١٠) رقم الحديث: ١٠٨٨٩، ١٠٨٩٠، ١٠٨٩١، ١٠٨٩٢، ١٠٨٩٣، ١٠٨٩٤، ١٠٨٩٥، ١٠٨٩٦.

٤) اخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط" باب الألف، من اسمه إبراهيم (٣/٢٠٥) رقم الحديث: ٢٩٣٢. [ولفظه: عن أبي الدرداء قال: قال رسول الله ﷺ: من قال: لا إله إلا الله، دخل الجنة، فقال أبو الدرداء: وإن زنا، وإن سرق؟ فقال رسول الله ﷺ: وإن زنا وإن سرق، على رغم أنف أبي الدرداء.]

٥) يعلى بن شداد بن أوس: هو أبو ثابت يعلى بن شداد بن أوس الأنصاري المدني، صدوق، نزل الشام، من الثالثة. [تقريب التهذيب: ٦٠٩، رقم الترجمة: ٧٨٤٣. تهذيب التهذيب: ١١/٤٠٢، رقم الترجمة: ٧٧٧.]

٦) شداد بن أوس: هو أبو يعلى شداد بن أوس بن ثابت الأنصاري، صحابي، مات بالشام قبل الستين أو بعدها وهو ابن أخ حسان بن ثابت. [تقريب التهذيب: ٢٦٤، رقم الترجمة: ٢٧٥٢. تهذيب التهذيب: ٤/٣١٥، رقم الترجمة: ٥٤٨.]

toobaa-elibrary.blogspot.com

يا رسول الله. فأمر بغلق الباب، وقال: ارفعوا أيديكم، وقولوا: لا إله إلا الله. فرفعنا أيدينا ساعة، ثم وضع رسول الله ﷺ يده، ثم قال: الحمد لله، اللهم بعثتني بهذه الكلمة، وأمرتني بها، ووعدتني عليها الجنة، وإنك لا تخلف الميعاد. ثم قال: أبشروا، فإن الله عز وجل قد غفر لكم. رواه أحمد والطبراني في الكبير.[1]

وعن زيد بن أرقم ﷺ[2] قال، قال رسول الله ﷺ: إن الله عهد إلي أن لا يأتيني أحد من أمتي بلا إله إلا الله لا يخلط بها شيئا إلا وجبت له الجنة قالوا يا رسول الله وما الذي يخلط بها قال حرصا على الدنيا وجمعا لها ومنعا لها يقول بقول الأنبياء ويعمل عمل الجبابرة. رواه الحكيم الترمذي[3] في نواد ر الأصول.[4]

وعلي بن أبي طالب، حدثني رسول الله ﷺ، حدثني جبريل عليه السلام قال: يقول الله عز وجل: لا إله إلا الله حصني فمن دخله أمن عذابي. رواه ابن عساكر.[5]

وعن أبي سعيد الخدري ﷺ، قال: قال رسول الله ﷺ: سأل موسى ربه حين أعطاه التوراة أن يعلمه دعوة يدعو بها، فأمره بأن يدعو بلا إله إلا الله، فقال موسى: كل عبادك يدعو بها، وأنا أريد أن تخصني بدعوة أدعوك بها، فقال تعالى: يا موسى! لو أن السموات وساكنها والبحار ومافيها وضعوا في كفة، ووضعت لا إله إلا الله في كفة، لوزنت لا إله إلا الله. رواه أبو يعلى في مسنده.[6]

---

١) أخرجه أحمد في "مسنده" مسند الشاميين، حديث شداد بن أوس (٣٤٨/٢٨) رقم الحديث: ١٧١٢١. والطبراني في "معجمه الكبير" باب الشين، يعلى بن شداد بن أوس عن أبيه (٢٨٩/٧) رقم الحديث: ٧١٦٣.

٢) زيد بن أرقم: هو أبو عمرو زيد بن أرقم بن زيد بن قيس الأنصاري الخزرجي، صحابي مشهور، أول مشاهده الخندق، وأنزل الله تصديقه في سورة المنافقين، مات سنة ست أو ثمان وستين. [تقريب التهذيب: ٢٢٢، رقم الترجمة: ٢١١٦، تهذيب التهذيب: ٣/٣٩٤-٣٩٥، رقم الترجمة: ٧٢٧.]

٣) الحكيم الترمذي: هو أبو عبد الله محمد بن علي بن الحسن بن بشر الحكيم الترمذي، الإمام الحافظ العارف الزاهد، من كتبه: نوادر الأصول في أحاديث الرسول، والرياضة وأدب النفس، والصلاة ومقاصدها، وبيان الفرق بين الصدر والقلب والفؤاد واللب، وغير ذلك. [سير أعلام النبلاء: ٤٣٩/١٣-، رقم الترجمة: ٢١٦. الأعلام للزركلي: ٦/٢٧٢-٢٧٣.]

٤) أخرجه الحكيم الترمذي في "نوادر الأصول في أحاديث الرسول" الأصل الثالث عشر، في العين للمؤمنة إذ رأت منكرا (٩١/١).

٥) أخرجه ابن عساكر في "تاريخ دمشق" حرف الألف، إبراهيم بن محمد بن إبراهيم (١١٥/٧) رقم الحديث: ٤٨٦.

٦) أخرجه أبو يعلى في "مسنده" مسند أبي سعيد الخدري (٥٢٨/٢) رقم الحديث: ١٣٩٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أنس، قال رسول الله ﷺ لرجل: يا فلان، أفعلت كذا وكذا؟ قال: لا والله الذي لا إله إلا هو ما فعلت. ورسول الله يعلم أنه فعله، فقال له: لقد كفر الله عنك كذبك بتصديقك بلا إله إلا الله. رواه عبد بن حميد[1] وأبو يعلى.[2]

وعن أبي الدرداء، عن النبي ﷺ قال: ما من عبد يقول: لا إله إلا الله، مائة مرة إلا بعثه الله يوم القيامة ووجهه كالقمر ليلة البدر، ولم يرفع لأحد يومئذ عمل أفضل من عمله إلا من قال مثل قوله أو زاد. رواه الطبراني في الكبير.[3]

وعن أنس، عن النبي ﷺ قال: ما زلت أشفع الى ربي ويشفعني حتى أقول: رب شفعني فيمن قال: لا إله إلا الله، قال: فيقول: ليست هذه لك يا محمد إنما هي لي، أما وعزتي وحلمي ورحمتي لا أدع في النار أحدا، أو قال: عبدا، قال: لا إله إلا الله. رواه أبو يعلى عن أنس.[4]

وعن أنس بن مالك، يقول الله عز جل يوم القيامة: قربوا أهل لا إله إلا الله من ظل عرشي فإني أحبهم.[5] رواه الديلمي.[6]

وعن أبي سعيد الخدري، عن رسول الله ﷺ أن رجلا قال له: يا رسول الله، طوبى لمن رآك وآمن بك، قال: طوبى لمن رآني وآمن بي، ثم طوبى، ثم طوبى، ثم طوبى لمن آمن بي ولم يرني.[1] رواه أحمد وابن حبان.[2]

---

١) عبد بن حميد: هو أبو محمد عبد -بغير إضافة- بن حميد بن نصر الكشي -بالفتح والتشديد نسبة إلى كش قرية على ثلاث فراسخ من جرجان- أو الكسي -بمهملة وكس مدينة بما وراء النهر-، قيل: اسمه عبد الحميد وبذلك جزم ابن حبان وغير واحد، ثقة حافظ، من الحادية عشرة، مات سنة تسع وأربعين ومئتين. [تقريب التهذيب: ٣٦٨، رقم الترجمة: ٤٢٦٦. تهذيب التهذيب: ٦/٤٥٥-٤٥٦، رقم الترجمة: ٨٤٣.]

٢) أخرجه أبو يعلى في "مسنده" مسند أنس بن مالك ما أسنده الحسن بن أبي الحسن عن أنس بن مالك (٦/١٠٤) رقم الحديث: ٣٣٦٨. وعبد بن حميد في "المنتخب من مسنده" مسند أنس بن مالك (٢/٣١١) رقم الحديث: ١٣٧٤. والبيهقي في "سننه الكبرى" كتاب الأيمان، باب ما جاء في اليمين الغموس (١٠/٦٥) رقم الحديث: ١٩٨٧٨.

٣) أخرجه الطبراني في "مسند الشاميين" مسند صفوان بن عمرو السكسكي، صفوان عن يزيد بن ميسرة (٢/١٠٣) رقم الحديث: ٩٩٤.

٤) أخرجه أبو يعلى في "مسنده" مسند أنس بن مالك، ما أسنده الحسن بن أبي الحسن عن أنس بن مالك (٥/١٧٢) رقم الحديث: ٢٧٨٦.

٥) وروى أبو الشيخ والديلمي عن أبي ذر وعنه قال: قال رسول الله ﷺ: يقول الله عز وجل: نزلوا أهل لا إله الا الله في ظل عرشي فإني أحبهم.

٦) أخرجه الديلمي في "كتاب الفردوس" باب الياء (٥/٢٣٦) رقم الحديث: ٨٠٥٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وفي رواية لهما، ولابن عساكر عن أبي أمامة وأحمد عن أنس: وطوبى لمن آمن بي ولم يراني سبع مرات.(٣)

وعن أنس بن مالك قال: قال رسول الله ﷺ: إن الله لا يظلم المؤمن حسنة يعطى عليها في الدنيا، ويثاب عليها في الآخرة، وأما الكافر فيطعم حسناته في الدنيا، حتى إذا أفضى إلى الآخرة، لم يكن له حسنة يعطى بها خيرا. رواه أحمد ومسلم.(٤)

وعن أبي موسى، قال، قال رسول الله ﷺ: إذا كان يوم القيامة، دفع الله عز وجل إلى كل مسلم، يهوديا، أو نصرانيا، فيقول: هذا فكاكك من النار. رواه مسلم.(٥)

وعنه قال: قال رسول الله ﷺ: إذا كان يوم القيامة لم يبق مؤمن إلا أتي بيهودي أو نصراني حتى يدفع إليه، يقال له: هذا فداؤك من النار. رواه أحمد.(٦)

وعن أبي ذر ﷺ، قال: قال رسول الله ﷺ: إن الله يقبل توبة عبده، أو يغفر لعبده، ما لم يقع الحجاب. قيل: وما وقوع الحجاب؟ قال: تخرج النفس، وهي مشركة. رواه أحمد في المسند والبخاري في التاريخ وأبو يعلى(١) وغيرهم.(٩)

---

١) قال له رجل: وما طوبى؟ قال: شجرة في الجنة مسيرة مائة عام، ثياب أهل الجنة تخرج من أكمامها.

٢) أخرجه أحمد في "مسنده" مسند أبي سعيد الخدري (٢١١/١٨) رقم الحديث: ١١٦٧٣. وابن حبان في "صحيحه" كتاب إخبار ﷺ عن مناقب الصحابة، باب فضل الأمة (٢١٣/١٦) رقم الحديث: ٧٢٣٠

٣) أخرجه أحمد في "مسنده" مسند أنس بن مالك (٣٧/٢٠) رقم الحديث: ١٢٥٧٨، مسند الأنصار، حديث أبي أمامة الباهلي (٤٥٣/٣٦) رقم الحديث: ٢٢١٣٨، (٥٤٧/٣٦) رقم الحديث: ٢٢٢١٤، (٦١٠/٣٦) رقم الحديث: ٢٢٢٧٧ وابن حبان في "صحيحه" كتاب إخبار ﷺ عن مناقب الصحابة، باب فضل الأمة (٢١٦/١٦) رقم الحديث: ٧٢٣٣. وابن عساكر في "تاريخ دمشق"؟؟؟ [عن أنس بن مالك قال: قال رسول الله ﷺ: طوبى لمن آمن بي ورآني مرة، وطوبى لمن آمن بي ولم يرني سبع مرار.]

٤) أخرجه ومسلم في "صحيحه" كتاب صفة القيامة والجنة والنار، باب جزاء المؤمن بحسناته في الدنيا والآخرة (١٦٢/٤) رقم الحديث: ٢٨٠٨(٥٦، ٥٧). وأحمد في "مسنده" مسند أنس بن مالك (٢٦٦/١٩) رقم الحديث: ١٢٢٣٧، (٢٨٥/١٩) رقم الحديث: ١٢٢٦٤، (٤١٩/٢١) رقم الحديث: ١٤٠١٨.

٥) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب التوبة، باب قبول توبة القاتل وإن كثر قتله (١١٩/٤) رقم الحديث: ٢٧٦٧(٤٩)، وأحمد في "مسنده" أول مسند الكوفيين، حديث أبي موسى الأشعري، (٢٣٠/٣٢) رقم الحديث: ١٩٤٨٥، (٣٣١/٣٢) رقم الحديث: ١٩٥٦٠، (٣٧٥/٣٢) رقم الحديث: ١٩٦٠٠، (٤١٩/٣٢) رقم الحديث: ١٩٦٥٠، (٤٢٢/٣٢) رقم الحديث: ١٩٦٥٤، (٤٢٧/٣٢) رقم الحديث: ١٩٦٥٨، (٤٤٦/٣٢) رقم الحديث: ١٩٦٧٠، (٤٥١/٣٢) رقم الحديث: ١٩٦٧٥.

٦) أخرجه أحمد في "مسنده" أول مسند الكوفيين، حديث أبي موسى الأشعري (٣٧٥/٣٢) رقم الحديث: ١٩٦٠٠.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أبي سعيد الخدري قال: قال رسول الله ﷺ: الإسلام يسبك الرجال كما يسبك النار خبث الحديد والذهب والفضة. الديلمي عن أبي سعيد.(٣)

وعن عمارة بن روبية (٤)، قال: قال رسول الله ﷺ: لن لن يلج النار من مات لا يشرك بالله شيئا وكان يبادر صلاته قبل طلوع الشمس وقبل غروبها. (٥) رواه الطبراني.

وعن معاذ بن جبل: قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: من لقي الله لا يشرك به شيئا يصلي الخمس، ويصوم رمضان غفر له. رواه أحمد. (٦)

وعن عائشة ﷺ قالت قال رسول الله ﷺ: دعوا المذنبين الغارقين لا تنزلوهم جنة ولا نارا ليكون الله عز وجل الحاكم فيهم. رواه الديلمي. (٧)

وعن عدي بن حاتم (٨) قال: قال رسول الله ﷺ: يا عدي بن حاتم أسلم تسلم. قلت: وما الإسلام؟ فقال: تشهد أن لا إله إلا الله، وأني رسول الله، وتؤمن بالأقدار كلها خيرها وشرها، حلوها ومرها. رواه ابن ماجة. (٩)

---

١) لم أعثر عليه في مسنده ومعجمه.

٢) أخرجه أحمد في "مسنده" مسند الأنصار، حديث أبي ذر الغفاري (٣٥/٤١١) رقم الحديث: ٢١٥٢٢، ٢١٥٢٣. البخاري في "تاريخه الكبير" باب الثاء، ثابت الأنصاري (٢/١٦١) رقم الحديث: ٢٠٥٦.

٣) أخرجه المتقي في "كنز العمال" حرف الهمزة (١/٧٨) رقم الحديث: ٣١١.

٤) عمارة بن رويبة: هو أبو زهير عمارة بن رويبة -براء وموحدة مصغر- الثقفي، صحابي، نزل الكوفة وتأخر إلى بعد السبعين. [تقريب التهذيب: ٤٠٩، رقم الترجمة: ٤٨٤٥. تهذيب التهذيب: ٧/٤١٦، رقم الترجمة: ٦٧٥].

٥) أخرجه المتقي في "كنز العمال" حرف الهمزة (١/٧٩) رقم الحديث: ٣١٨.

٦) أخرجه أحمد في "مسنده" مسند الأنصار، حديث معاذ بن جبل (٣٦/٣٥٨) رقم الحديث: ٢٢٠٢٨.

٧) أخرجه الديلمي في "كتاب الفردوس" باب الدال (٢/٢٦٢) رقم الحديث: ٣٠٢٥.

٨) عدي بن حاتم: هو أبو طريف -بفتح المهملة وآخره فاء- عدي بن حاتم بن عبد الله بن سعد بن الحشرج -بفتح المهملة وسكون المعجمة آخره جيم- الطائي، صحابي شهير، وكان ممن ثبت على الإسلام في الردة، وحضر فتوح العراق وحروب علي، ومات سنة ثمان وستين. وهو ابن مائة وعشرين سنة، وقيل: مائة وثمانين. [تقريب التهذيب: ٣٨٨، رقم الترجمة: ٤٥٤٠. تهذيب التهذيب: ٧/١٦٦-١٦٧، رقم الترجمة: ٣٣١.]

٩) أخرجه ابن ماجه في "سننه" أبواب السنة، باب في القدر (١/٦٦) رقم الحديث: ٨٧. والطبراني في "المعجم الكبير" باب العين، عامر الشعبي عن عدي بن حاتم (١٧/٨١) رقم الحديث: ١٨٢. والخطيب في "تاريخ بغداد" باب العين، ذكر من اسمه عبد الأعلى (١٢/٣٤٦). وابن عساكر في "تاريخ دمشق" حرف العين، عدي بن حاتم (٤٠/٧٦).

toobaa-elibrary.blogspot.com

وروى الطبراني والخطيب[١] وابن عساكر، يا عدي بن حاتم أسلم تسلم. قال: ما الإسلام قال: تؤمن بالله وملائكته وكتبه ورسله وتؤمن بالقدر خيره وشره وحلوه ومره.[٢]

وعن علي رضي الله عنه: الإيمان والعمل شريكان في قرن، لا يقبل الله تعالى أحدهما إلا بصاحبه. رواه ابن عساكر في تاريخه والديلمي.[٣]

وعن عبد الله بن أبي أوفى:[٤] الإيمان قول وعمل يزيد وينقص. رواه ابن النجار[٥].[٦]

وعن جرير قال: قلت: يا رسول الله، اشترط علي فأنت أعلم بالشرط، قال: أبايعك على أن تعبد الله لا تشرك به شيئا، وتقيم الصلاة، وتؤتي الزكاة، وتنصح المسلم، وتبرأ من المشرك. رواه أحمد والترمذي.[٧]

---

١) الخطيب: هو أبو بكر أحمد بن علي بن ثابت بن أحمد بن مهدي البغدادي، أحد الحفاظ المؤرخين المقدمين صاحب التصانيف، ولد سنة اثنين وتسعين وثلاث مائة، وتوفي في رابع ساعة من يوم الاثنين سابع ذي الحجة من سنة ثلاث وستين وأربعمائة، ومن كتبه: البخلاء، والكفاية في علم الرواية في مصطلح الحديث، والفوائد المنتخبة، والجامع، لأخلاق الراوي وآداب السامع، وتقييد العلم، والتطفيل، وموضح أوهام الجمع والتفريق، والقضاء العلم والعمل، والمتفق والمفترق، وغير ذلك. [سير أعلام النبلاء: ١٨/٢٧٠-٢٩٧، رقم الترجمة: ١٣٧. تذكرة الحفاظ: ٣/١١٣٥-١١٤٦، رقم الترجمة: ١٠١٥. شذرات الذهب: ٥/٢٦٢-٢٦٤. الأعلام للزركلي: ١/١٧١-١٧٢.]

٢) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب العين، من اسمه عدي (١٧/٦٩) رقم الحديث: ١٣٨، وابن عساكر في "تاريخ دمشق" حرف العين، عدي بن حاتم (٤٠/٧٦) رقم الحديث: ٨٠٧٥.

٣) أخرجه الديلمي في "كتاب الفردوس" باب الألف (١/١١١) رقم الحديث: ٣٧٥.

٤) عبد الله بن أبي أوفى: هو أبو إبراهيم عبد الله بن أبي أوفى علقمة بن خالد بن الحارث الأسلمي، صحابي، شهد الحديبية، وعمر بعد النبي صلى الله عليه وسلم دهرا، مات سنة سبع وثمانين، وهو آخر من مات بالكوفة من الصحابة. [تقريب التهذيب: ٢٩٦، رقم الترجمة: ٣٢١٩. تهذيب التهذيب: ٥/١٥١-١٥٢، رقم الترجمة: ٢٦٠.]

٥) ابن النجار: هو أبو عبد الله، محمد بن محمود بن الحسن بن هبة الله بن محاسن، محب الدين ابن النجار، مؤرخ حافظ للحديث. من أهل بغداد، مولده في سنة ثمان وسبعين وخمس مائة، وتوفي في خامس شعبان، سنة ثلاث وأربعين وست مائة، ومن كتبه: الكمال في معرفة الرجال، وذيل تاريخ بغداد لابن الخطيب، والدرة الثمينة في أخبار المدينة، ونزهة الورى في أخبار أم القرى، ونسبة المحدثين إلى الآباء والبلدان، وجنة الناظرين في معرفة التابعين، ومناقب الشافعي، والعقد الفائق في عيون أخبار الدنيا ومحاسن الخلائق، والأزهار في أنواع الأشعار، والزهر في محاسن شعراء أهل العصر. [سير أعلام النبلاء: ٢٣/١٣١-١٣٤، رقم الترجمة: ٩٨. فوات الوفيات: ٤/٣٦-٣٧، رقم الترجمة: ٤٩٤. الأعلام للزركلي: ٧/٨٦-٨٧.]

٦) أخرجه السيوطي في "اللآلئ المصنوعة" كتاب الإيمان (١/٤٠).

٧) أخرجه أحمد في "مسنده" أول مسند الكوفيين، من حديث جرير بن عبد الله (٣١/٥٠٩) رقم الحديث: ١٩٢٢٣، والترمذي في "جامعه" أبواب البر والصلة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب ما جاء في النصيحة (٣/٣٨٨).

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أبي هريرة، عن رسول الله ﷺ قال: إن الله أمركم بثلاث ونهاكم عن ثلاث أمركم أن تعبدوا الله ولا تشركوا به شيئا وأن تعتصموا بحبل الله جميعا ولا تتفرقوا وتسمعوا وتطيعوا لمن ولاه الله عز وجل أمركم ونهاكم عن قيل، وقال، وكثرة السؤال، وإضاعة المال. رواه أبو نعيم في الحلية. (١)

وعن أبي ذ ر رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: من مات لا يعدل بالله شيئا، ثم كانت عليه من الذنوب مثل الرمال غفر له. رواه ابن مردودية. (٢)

وعن جرير (٣)، عن النبي ﷺ قال: من مات لا يشرك بالله شيئا لم يتند بدم حرام أدخل من أي أبواب الجنة شاء. رواه الطبراني وابن عساكر. (٤) وفي حديث أحمد: مالم يعق والديه. (٥)

وعن عبد الله [ابن مسعود]، قال: قال رسول الله ﷺ: لا يحل دم امرئ مسلم، يشهد أن لا إله إلا الله وأني رسول الله، إلا بإحدى ثلاث: الثيب الزاني، والنفس بالنفس، والتارك لدينه المفارق للجماعة. رواه احمد والبخاري ومسلم وأبو داود والترمذي والنسائي وابن ماجة. (٦)

---

١) اخرجه أبو نعيم في "حلية الأولياء" ذكر طوائف من جماهير النساك والعباد. عبد الله بن وهب (٨/٣٢٩).

٢) اخرجه المتقي في "كنز العمال" حرف الهمزة (١/٨٢) رقم الحديث: ٣٤٠. والطبراني في "المعجم الأوسط" باب الميم، رقم الحديث: ٩١٧٣. (وفيه عن أبي ذر)

٣) عن عقبة بن عامر [فتح الرحمن: ١/ ٣٨]

٤) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب الجيم (٢/٣٠٩) رقم الحديث: ٢٢٨٥. وابن عساكر في "معجمه" حرف الخاء (١/٣١٩) رقم الحديث: ٣٨٠.

٥) أخرجه أحمد في "مسنده" مسند الأنصار، بقية حديث عمرو بن مرة الجهني (٣٩/٥٢٢) رقم الحديث: ٢٤٠٠٩.

٦) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الديات، باب قول الله تعالى: أن النفس بالنفس (٩/٥) رقم الحديث: ٦٨٧٨. ومسلم في "صحيحه" كتاب القسامة والمحاربين، باب ما يباح به دم المسلم (٣/١٣٠٢) رقم الحديث: ١٦٧٦(٢٥). وأبو داود في "سننه" كتاب الحدود، باب الحكم فيمن ارتد (٤/١٢٦) رقم الحديث: ٤٣٥٢. والترمذي في "جامعه" أبواب الديات عن رسول الله ﷺ، باب لا يحل دم امرئ مسلم إلا بإحدى ثلاث (٣/٧١) رقم الحديث: ١٤٠٢. والنسائي في "سننه" كتاب تحريم الدم، باب ذكر ما يحل به دم المسلم (٧/٩٠) رقم الحديث: ٤٠١٦، كتاب القسامة، باب القود (٨/١٣) رقم الحديث: ٤٧٢١. وابن ماجه في "سننه" كتاب الحدود، باب لا يحل دم امرئ مسلم إلا في ثلاث (٢/٨٤٧) رقم الحديث: ٢٥٣٤. وأحمد في "مسنده" مسند عبد الله بن مسعود (٦/١١٩) رقم الحديث: ٣٦٢١، (٧/١٥٢) رقم الحديث: ٤٠٦٥، (٧/٢٧٧) رقم الحديث: ٤٢٤٥، (٧/٤٣١) رقم الحديث: ٤٤٢٩، مسند الصديقة عائشة (٤٢/٣٠٦) رقم الحديث: ٢٥٤٧٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن عائشة ﵂ قالت: قال رسول الله ﷺ: لا يحل دم امرئ مسلم، يشهد أن لا إله إلا الله، وأن محمدا رسول الله، إلا بإحدى ثلاث: رجل زنى بعد إحصان، فإنه يرجم، ورجل خرج محاربا لله ورسوله، فإنه يقتل، أو يصلب، أو ينفى من الأرض، أو يقتل نفسا، فيقتل بها. رواه أبو داود والنسائي. (١)

وعن معاذ بن جبل، أن رسول الله ﷺ قال له حين بعثه إلى اليمن: أيما رجل ارتد عن الإسلام فادعه، فإن تاب فاقبل منه، وإن لم يتب فاضرب عنقه، وأيما امرأة ارتدت عن الإسلام فادعها، فإن تابت فاقبل منها، وإن أبت فاستتبها. (٢)

الفصل الثالث

عن أبي هريرة، عن رسول الله ﷺ قال: المؤمن مرآة المؤمن. رواه الطبراني في الأوسط والضياء المقدسي. (٣) وفي رواية ابن منيع :المسلم مرآة المسلم.

وعنه قال: قال رسول الله ﷺ: المؤمن غر كريم، والفاجر خب لئيم. رواه أبو داود والترمذي وابن عساكر. (٤)

وعن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: المؤمن بخير على كل حال تنزع نفسه من بين جنبيه وهو يحمد الله عز وجل. رواه النسائي. (٥)

---

١) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الحدود، باب الحكم فيمن ارتد (٤/١٢٦) رقم الحديث: ٤٣٥٣. والنسائي في "سننه" كتاب تحريم الدم، باب ذكر ما يحل به دم المسلم (٧/٩١) رقم الحديث: ٤٠١٧.

٢) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب الميم، أبو ثعلبة الخشني عن معاذ (٢٠/٥٣) رقم الحديث: ٩٣.

٣) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الأدب، باب في النصيحة والحياطة (٤/٢٨٠) رقم الحديث: ٤٩١٨. والطبراني في "المعجم الأوسط" باب الألف، من اسمه أحمد (٢/٣٢٥) رقم الحديث. ٢١١٤. والضياء المقدسي في "الأحاديث المختارة" مسند أنس بن مالك (٦/١٧٩، ١٨٠) رقم الحديث: ٢١٨٥، ٢١٨٦. وابن حجر في "المطالب العالية" كتاب الأدب، باب النهي عن تتبع العورات (١٢/٢٠٩) رقم الحديث: ٢٧٣٤.

٤) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الأدب، باب في حسن العشرة (٤/٢٥١) رقم الحديث: ٤٧٩٠. والترمذي في "جامعه" أبواب البر والصلة عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء في البخيل (٣/٤٠٩) رقم الحديث: ١٩٦٤.

٥) أخرجه النسائي في "سننه" كتاب الجنائز، باب في البكاء على الميت (٤/١٢) رقم الحديث: ١٨٤٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن ابن عمر قال: قال رسول الله ﷺ: المؤمن الذي يخالط الناس، ويصبر على أذاهم، أفضل من المؤمن الذي لا يخالط الناس، ولا يصبر على أذاهم. رواه أحمد، والترمذي، والبخاري في الأدب. (١)

وعن مكحول مرسلا: المؤمنون هينون لينون، كالجمل الأنف، الذي إن قيد انقاد، وإذا أنيخ على صخرة استناخ. رواه ابن المبارك. ورواه البيهقي في شعب الإيمان. (٢)

وعن النعمان بن بشير، قال: قال رسول الله ﷺ: المؤمنون كرجل واحد إن اشتكى رأسه تداعى له سائر الجسد بالحمى والسهر. رواه مسلم. (٣)

وعن أسامة بن زيد قال: قال رسول الله ﷺ: إذا مدح المؤمن في وجهه ربا الإيمان في قلبه. رواه الطبراني وابن عساكر. (٤)

وعن أنس [ابن مالك: حمل] (٥) العصا علامة المؤمن وسنة الأنبياء. رواه الديلمي في مسند الفردوس. (٦)

وعنه: المؤمن أكرم على الله تعالى من ملائكته المقربين. رواه ابن النجار. (٧)

وعن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: المؤمن أكرم على الله عز وجل، من بعض ملائكته. رواه الطبراني في الأوسط. (١)

---

١) أخرجه أحمد في "مسنده" مسند عبد الله بن عمر (٩/٦٤) رقم الحديث: ٥٠٢٢، والترمذي في "جامعه" أبواب صفة القيامة والرقائق والورع، باب (٤/٢٤٣) رقم الحديث: ٢٥٠٧. والبخاري في "الأدب المفرد" باب الذي يصبر على أذى الناس (١٤٠) رقم الحديث: ٣٨٨. والطحاوي في "شرح مشكل الآثار" باب بيان مشكل ما روي عن رسول الله ﷺ من تفضيله من اعتزل شرور الناس حتى صار بذلك منقطعا عنهم على من سواه ممن يخالط الناس (١٤/١٦٠) رقم الحديث: ٥٥٤٥. (لفظه هو)

٢) أخرجه ابن المبارك في "الزهد والرقائق" باب حفظ اللسان (١/١٣٠) رقم الحديث: ٣٨٧. والبيهقي في "شعب الإيمان" حسن الخلق، فصل في لين الجانب وسلامة الصدر (١٠/٤٤٧) رقم الحديث: ٧٧٧٧.

٣) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب البر والصلة والآداب، باب تراحم المؤمنين وتعاطفهم وتعاضدهم (٤/٢٠٠٠) رقم الحديث: ٢٥٨٦(٦٧).

٤) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب الألف، باب (١/١٧٠) رقم الحديث: ٤٢٤. وابن عساكر في "؟"

٥) ليس موجود [فتح الرحمن: ١/٤٠]

٦) أخرجه الديلمي في "كتاب الفردوس" باب الحاء (٢/١٤٧) رقم الحديث: ٢٧٥٠.

٧) أخرجه ابن النجار كما في "كنز العمال" حرف الهمزة، الكتاب الأول في الإيمان والإسلام، الباب الأول في تعريفهما، الفصل السابع في صفات المؤمنين (١/١٦٤) رقم الحديث: ٨٢١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن [عبد الله] بن عمرو قال: قال رسول الله ﷺ: ليس شيء أكرم على الله من المؤمن.[1]

وعن أبي أمامة، قال: قال رسول الله ﷺ: قلب المؤمن حلو، يحب الحلاوة. رواه البيهقي في شعب الإيمان، ورواه الخطيب عن أبي موسى.[3]

وعن علي بن أبي طالب رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: ما كان ولا يكون إلى يوم القيامة مؤمن إلا وله جار يؤذيه. رواه الديلمي في مسند الفردوس،[4] ورواه الطبراني والبيهقي.

وعن أبي هريرة: للمؤمن أربعة أعداء مؤمن يحسده، ومنافق يبغضه، وشيطان يضله، وكافر يقاتله. رواه الديلمي في مسند الفردوس.[5]

وفي رواية ابن لال[6]، عن أنس بن مالك: خمسة اعداء، وزاد: نفس تنازعه.[7]

وعن أنس، قال: قال رسول الله ﷺ: لو كان المؤمن في جحر ضب لقيض الله له من يؤذيه.[8]

---

1) أخرجه ابن ماجه في "سننه" كتاب الفتن، باب المسلمون في ذمة الله عز وجل (١٣٠١/٢) رقم الحديث: ٣٩٤٧. والطبراني في "المعجم الأوسط" باب الميم، من اسمه: محمد (٣٦٧/٦) رقم الحديث: ٦٦٣٤. [ولفظه: قال الله: عبدي المؤمن أحب إلي من بعض ملائكتي]

2) أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط" باب الميم، من اسمه: محمد (١٦١/٦) رقم الحديث: ٦٠٨٩. والطبراني في "المعجم الصغير" باب الميم، من اسمه محمد (١٢٥/٢) رقم الحديث: ٨٩٧.

3) أخرجه البيهقي في "شعب الإيمان" المطاعم والمشارب وما يجب التورع منها، أكل اللحم (٨٨/٨) رقم الحديث: ٥٥٣٤. والخطيب في "تاريخ بغداد" ذكر من اسمه: محمد، محمد بن العباس بن سهل (١٩٣/٤) رقم الحديث: ٩٢٣

4) أخرجه الديلمي في "مسنده" باب الميم (٧٧/٤) رقم الحديث: ٦٢٣٩.

5) أخرجه الديلمي في "مسنده" باب اللام (٣٢٠/٣) رقم الحديث: ٤٩٦٦.

6) ابن لال: هو أبو بكر أحمد بن علي بن أحمد بن محمد بن الفرج بن لال الهمداني الشافعي، الإمام الفقيه، وكان ثقة أوحد زمانه، مفتي همذان، له كتاب "السنن" و"معجم الصحابة"، ولد سنة ثمان وثلثمائة ومات في ربيع الآخر سنة ثمان وتسعين وثلاث مائة. [سير أعلام النبلاء ١٧/٧٥-٧٧. شذرات الذهب: ٥١٤/٤.]

7) أخرجه الديلمي في "مسنده" باب الميم (١٨١/٤) رقم الحديث: ٦٥٤٨. والمتقي في "كنز العمال" حرف الميم، الكتاب الأول، الإكمال (١٦٩/١) رقم الحديث: ٨٠٩.

8) أخرجه ابن شاهين في "الترغيب في فضائل الأعمال وثواب ذلك" باب مختصر من كتابي كتاب الحمد وما فيه من الفضل (٩٠) رقم الحديث: ٢٨١. والطبراني في "المعجم الأوسط" باب الواو، من اسمه: وليد (١١٣/٩) رقم الحديث: ٩٢٨٢

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أبي هريرة عن النبي ﷺ قال: مثل المؤمن كالبيت الخرب في الظاهر، فإذا دخلت وجدته مونقا [1]، ومثل الفاجر كالقبر المشرق [2] المجصص يعجب من رآه وجوفه ممتلئ نتنا. رواه البيهقي في شعب الإيمان. [3]

وعن أنس، قال: قال رسول الله ﷺ: مثل المؤمن وأخيه كمثل الكفين تنقي [4] أحدهما الأخرى. رواه ابن شاهين. [5]

وعن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: من لا يأنف من ثلاث فهو مؤمن حقا خدمة العيال والجلوس مع الفقراء والأكل مع الخادم. [6] رواه الديلمي. [7]

وعن أبي أمامة [الباهلي] قال: قال رسول الله ﷺ: المؤمن يأكل [8] بشهوة عياله والمنافق يأكل أهله بشهوته. رواه الديلمي. [9]

وعن أبي هريرة، أن رسول الله ﷺ قال: إن المؤمن لينضي [10] شياطينه، كما ينضي أحدكم بعيره في السفر. رواه أحمد وأبو داود ، والحكيم وابن أبي الدنيا [11] في مكايد الشيطان. [12]

---

(١) مزينا [فتح الرحمن: ١/٤١]

(٢) المشرق [فتح الرحمن: ١/٤١]

(٣) أخرجه البيهقي في "شعب الإيمان" إخلاص العمل لله عز وجل وترك الرياء (٩/٢٠٧) رقم الحديث: ٦٥١٠.

(٤) تنقي [فتح الرحمن: ١/٤١]

(٥) أخرجه المتقي في "كنز العمال" حرف الهمزة (١/١٥٤) رقم الحديث: ٧٦١. (لفظ ابن شاهين: إنما مثل المؤمنين إذا التقيا مثل اليدين تغسل إحداهما الأخرى. [الترغيب في فضائل الأعمال وثواب ذلك، باب الفضل المصافحة للإخوان (١٢٧) رقم الحديث: ٤٣٣])

(٦) للفقراء [فتح الرحمن: ١/٤١]

(٧) أخرجه الديلمي في "كتاب الفردوس" باب الميم (٣/٦٢٩) رقم الحديث: ٥٩٦٨. (وزاد فيه: هذه الأفعال من علامة المؤمنين الذين وصفهم الله في كتابه أولئك هم المؤمنون حقا.)

(٨) ليأكل [فتح الرحمن: ١/٤١]

(٩) أخرجه الديلمي في "كتاب الفردوس" باب الميم (٤/١٧٦) رقم الحديث: ٦٥٤٧.

(١٠) لينضي [فتح الرحمن: ١/٤١]

(١١) ابن أبي الدنيا: هو عبد الله بن محمد بن عبيد بن سفيان القرشي، البغدادي، مولاهم أبو بكر، صدوق حافظ صاحب تصانيف، من الثانية عشرة، مات سنة إحدى وثمانين، وله ثلاث وسبعون. [تقريب التهذيب: ٣٢١، رقم الترجمة: ٣٥٩١. والتهذيب التهذيب:]

(١٢) أخرجه أحمد في "مسنده" مسند أبي هريرة (١٤/٥٠٤) رقم الحديث: ٨٩٤٠. والحكيم الترمذي في "نوادر الأصول" الأصل الثامن عشر (١/١٣٢). وابن أبي الدنيا في "مكائد الشيطان" الصراع بين المؤمن والشيطان (٤١) رقم الحديث: ٢٠

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن صهيب[1] قال:[2] قال رسول الله ﷺ: ألا تسألوني مم ضحكت؟ قال: عجبت من قضاء الله للعبد المسلم، إن كل ما قضى الله له خير، وليس أحد كل قضاء الله له خير إلا العبد المسلم.

وفي رواية: عجبت من قضاء الله للمسلم كله خير إن أصابته سراء، فشكر آجره الله عز وجل، وإن أصابته ضراء فصبر آجره الله عز وجل وكل قضاء قضاء الله عز وجل للمسلم خير. رواه الطبراني عن صهيب. [3]

وعن ابن عمرو، قال: قال رسول الله ﷺ: والذي نفس محمد بيده، إن مثل المؤمن كمثل القطعة من الذهب، نفخ عليها صاحبها فلم تغير، ولم تنقص. [4]

وعن أنس قال: قال رسول الله ﷺ: المؤمن بيته قصب وطعامه كسر وثيابه خلق ورأسه شعث وقلبه خاشع ولا يعدل بالسلامة شيئا. رواه الديلمي. [5]

وعنه قال: قال رسول الله ﷺ: المؤمن كيس فطن حذر وقاف مثبت [6] لا يعجل عالم ورع والمنافق همزة لمزة حطمه لا يقف عند شبهة ولا عند محرم كحاطب الليل لا يبالي من أين كسب وفيما أنفق. رواه الديلمي عن أبان [7] عن أنس. [8]

---

1) صهيب: هو أبو يحيى صهيب بن سنان الرومي، أصله من النمر، ويقال: كان اسمه عبد الملك، وصهيب لقب صحابي شهير سابق الروم، مات بالمدينة سنة ثمان وثلاثين في خلافة علي، وقيل: قبل ذلك. [تقريب التهذيب: ٢٧٨، رقم الترجمة: ٢٩٥٤. تهذيب التهذيب: ٤/٤٣٨-٤٣٩، رقم الترجمة: ٧٦٩.]

2) وعن أنس قال: قال رسول الله ﷺ: الا تسألوني؟ ثم ضحك. ثم قال: عجبت من قضاء الله تعالى للمسلم إن كل ما قضى الله تعالى له خير إن أصابته سراء، فشكر اجزاه الله وإن أصابته ضراء فصبر اجزاه الله وكل قضاء الله للمسلم خير. [فتح الرحمن: ١/٤١]

3) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب الصاد عبد الرحمن بن أبي ليلى عن صهيب (٨/٤٠) رقم الحديث: ٧٣١٦، ٧٣١٧.

4) أخرجه أحمد في "مسنده" مسند عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله عنهما (١١/٤٥٨) ٦٨٧٢.

5) أخرجه الديلمي في "كتاب الفردوس" باب الميم (٤/١٨٣) رقم الحديث: ٦٥٦٧.

6) ثبت [فتح الرحمن: ١/٤٢]

7) أبان: هو أبو إسماعيل. أبان بن أبي عياش فيروز البصري العبدي، متروك، من الخامسة، مات في حدود الأربعين [تقريب التهذيب: ٨٧، رقم الترجمة: ١٤٢. تهذيب التهذيب: ١/٩٧-١٠١، رقم الترجمة: ١٧٤.]

8) أخرجه الديلمي في "كتاب الفردوس" باب الميم (٤/١٧٥) رقم الحديث: ٦٥٤٤.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن عياض بن سلمان قال: قال رسول الله ﷺ: خيار أمتي فيما أنبأني الملأ الأعلى، قوم يضحكون (١) جهرا في سعة رحمة ربهم [عز وجل]، ويبكون سرا من خوف شدة عذاب ربهم. رواه أبو نعيم في الحلية، وابن عساكر. (٢) وهو جزء من حديث طويل. وضعفه ابن النجار وقال: عياض بن سلمان لا أدرى من هو. وقال ابن النجار: له صحبة. ذكره أبو موسى المديني (٣) في الصحابة. (٤)

وعن عمرو بن شعيب (٥)،(٦) عن أبيه، عن جده، عن النبي ﷺ نظر إلى الكعبة، فقال: لقد شرفك الله، وكرمك، وعظمك، والمؤمن أعظم حرمة منك. رواه الطبراني في الأوسط. (٧)

وعن عبد الله بن أبي أوفى، قال: قال رسول الله ﷺ: المؤمن يطبع على كل خلق إلا الكذب، والخيانة. رواه البيهقي في شعب الإيمان. (٨) وله طرق كثيرة.

وعن [عبد الله] ابن مسعود قال: قال رسول الله ﷺ: موت المؤمن بعرق الجبين. رواه البزار(١). (٢)

---

(١) يبكون [فتح الرحمن: ٤٢/١]

(٢) أخرجه البيهقي في "شعب الإيمان" الخوف من الله تعالى (٢١٤/٢) رقم الحديث: ٧٤٩. وأبو نعيم في "حلية الأولياء وطبقات الأصفياء" مقدمة المؤلف (١٦/١) [وفيه عن عياض بن غنم]

(٣) أبو موسى المديني: هو أبو موسى محمد بن أبي بكر عمر ابن أبي عيسى أحمد بن عمر بن محمد بن أحمد بن أبي عيسى المديني – ونسبة الى مدينة أصبهان– الأصبهاني، الشافعي، العلامة الحافظ الكبير الثقة شيخ المحدثين صاحب التصانيف، ولد في ذي القعدة سنة إحدى وخمس مائة، وتوفي في تاسع جمادى الأولى سنة إحدى وثمانين وخمس مائة، ومن كتبه: الأخبار الطوال، واللطائف، وخصائص المسند، وتتمة معرفة الصحابة، والوظائف، وعوالي التابعين، والمغيث، والزيادات. [تقريب التهذيب: ١٥٢/٢١–١٥٩، رقم الترجمة: ٧٨. تذكرة الحفاظ: ١٣٣٤/٤–١٣٣٧، رقم الترجمة: ١٠٩٥. شذرات الذهب: ٤٤٨/٦. الأعلام للزركلي: ٣١٣/٦]

(٤) كنز العمال (١٦٣/١) رقم الحديث: ٨١٥.

(٥) عمرو بن شعيب: هو أبو إبراهيم عمرو بن شعيب بن محمد بن عبد الله بن عمرو بن العاص القرشي السهمي، صدوق، من الخامسة، مات سنة ثماني عشرة ومائة. [تقريب التهذيب: ٤٢٣، رقم الترجمة: ٥٠٥. تهذيب التهذيب: ٤٧/٨–٥٥، رقم الترجمة: ٨٠.]

(٦) عن ابن عمر [فتح الرحمن: ٤٢/١]

(٧) أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط" باب الميم، من اسمه: محمد (٣٦/٦) رقم الحديث: ٥٧١٩.

(٨) أخرجه البيهقي في "شعب الإيمان" الأمانات وما يجب من أدائها إلى أهلها (٢٠٨/٧) رقم الحديث: ٤٨٨٦.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن جندب بن عبد الله[3] قال: قال رسول الله ﷺ: إن من أخلاق المؤمن قوة في دين وحزما في لين وإيمانا في يقين وحرصا في علم وشفقة في معة[4] وحلما في علم[5] وقصدا في غنى وتجملا في فاقه وتخرجا في طمع[6] وكسبا من حلال وبرا في استقامة ونشاطا في هدى ونهيا عن شهوة ورحمة لمجهود وإن المؤمن عباذ الله[7] لا يحيف على من يبغض ولا يأثم فيمن يحب ولا يضيع ما استودع ولا يحسد ولا يطعن ولا يلعن ويعترف بالحق وإن لم يشهد عليه ولا يتنابز بالألقاب، في الصلاة متخشعا، إلى الزكاة مسرعا، في الزلازل وقورا، في الرخاء شكورا قانعا بالذي[8] له لا يدعي ما ليس له لا يجمع في القنط[9] ولا يغلبه الشح عن معروف يريده يخالط الناس كي يعلم ويناطق الناس كي يفهم وإن ظلم أو بغي عليه صبر حتى يكون [الرحمن[10]] هو الذي ينتصر له. رواه الحكيم في نوادر الأصول.[11]

وعن معاذ [بن جبل] قال: قال رسول الله ﷺ: يا معاذ إن المؤمن لدى الحق أسير يعلم أن عليه رقيبا على سمعه وبصره ولسانه ويده ورجله وبطنه وفرجه. إن المؤمن قيده القرآن عن كثير من هوى نفسه وشهواته وحال بينه وبين أن يهلك فيما يهوى بإذن الله تعالى. يا

---

١) البزار: هو أبو بكر أحمد بن عمرو بن عبد الخالق البصري البزار، الشيخ الإمام الحافظ الكبير، صاحب المسند الكبير، هو ثقة يخطئ كثيرا، ولد سنة نيف عشرة ومائتين، ومات بالرملة في سنة اثنتين وتسعين ومائتين، له مسندان أحدهما كبير سماه "البحر الزاخر"، والثاني صغير. [سير أعلام النبلاء: ١٣/٥٥٤-٥٥٨، رقم الترجمة: ٢٨١، ميزان الاعتدال: ١/١٢٤-١٢٥، رقم الترجمة: ٥٠٥، الأعلام للزركلي: ١/١٨٩.]

٢) أخرجه البزار في "البحر الزخار" مسند عبد الله بن مسعود رضي الله عنه (٤/٣٤٩) رقم الحديث: ١٥٤٦.

٣) جندب بن عبد الله: هو أبو عبد الله جندب -بضم أوله والدال تفتح وتضم- بن عبد الله بن سفيان البجلي ثم العلقي -بفتحتين ثم قاف، وربما نسب إلى جده، له صحبة، ومات بعد الستين. [تقريب التهذيب: ١٤٢، رقم الترجمة: ٩٧٥، تهذيب التهذيب: ٢/١١٧-١١٨، رقم الترجمة: ١٨٨.]

٤) ضعفة [فتح الرحمن: ١/٤٢]

٥) شدة [فتح الرحمن: ١/٤٢]

٦) تحرجا من طمع [فتح الرحمن: ١/٤٢]

٧) إن المؤمن من عباد الله [فتح الرحمن: ١/٤٢]

٨) أعطي [فتح الرحمن: ١/٤٣]

٩) الغيظ [فتح الرحمن: ١/٤٣]

١٠) فتح الرحمن: ١/٤٣.

١١) أخرجه الحكيم الترمذي في "نوادر الأصول في أحاديث الرسول" الأصل الثامن والخمسون والمائتان، في أخلاق المعرفة (١/٤)

toobaa-elibrary.blogspot.com

معاذ، إن المؤمن لا يأمن قلبه ولا تسكن روعته ولا يأمن اضطرابه حتى يخلف الجسر (١) وراء ظهره إنه يتوقع الموت صباحا ومساء فالتقوى رقيبه والقرآن دليله والخوف محجته (٢) والشوق مطيته، والحذر قرينه، والوجل شعاره، والصلاة كهفه (٣)والصوم جنته، والصدقة فكاكه، والصدق أميره، والحياء وزيره، وربه من وراء ذلك كله بالمرصاد. يا معاذ إن المؤمن يسأل يوم القيامة عن جميع سعيه حتى عن كحل عينه. يا معاذ إني أحب لك ما أحب لنفسي وأنهيت إليك ما أنهى إلي جبريل فلا ألفينك تأتي يوم القيامة وأحد أسعد بما أتاك الله منك. رواه أبو نعيم في الحلية. (٤)

---

١) الجسر [فتح الرحمن: ١/٤٣]
٢) محجته [فتح الرحمن: ١/٤٣]
٣) كهفه [فتح الرحمن: ١/٤٣]
٤) أخرجه أبو نعيم في "حلية الأولياء وطبقات الأصفياء" ذكر طوائف من جماهير النساك والعباد، أحمد بن أبي الحواري (١٠/٣١)

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب الكبائر وعلامات النفاق

عن عبيد بن عمير [1] عن أبيه أن رسول الله ﷺ قال: وقد سأله رجل عن الكبائر [2] فقال: هن تسع، فذكر الشرك بالله والسحر، وقتل النفس، وأكل الربا، وأكل مال اليتيم، والتولي يوم الزحف، وقذف المحصنات، وعقوق الوالدين، واستحلال البيت الحرام قبلتكم أحياء وأمواتا. رواه رزين [3]. [4]

وعن عبد الله بن عمرو بن العاص [5] رضي الله عنه، أن النبي ﷺ قال: الكبائر: الإشراك بالله، وعقوق الوالدين، وقتل النفس، واليمين الغموس. وفي رواية: أن أعرابيا جاء إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقال: يا رسول الله، ما الكبائر؟ قال: الإشراك بالله، قال: ثم ماذا؟ قال: اليمين الغموس، قلت: وما اليمين الغموس؟، قال: الذي يقتطع مال امرئ مسلم، يعني: بيمين هو فيها كاذب. أخرجه الترمذي والبخاري والنسائي. [6]

وعنه: أن رسول الله ﷺ قال: إن من الكبائر شتم الرجل والديه. قالوا: يا رسول الله، وهل يشتم الرجل والديه؟ قال: نعم يسب أبا الرجل فيسب أباه، ويسب أمه فيسب أمه. وفي

---

١) عبد الله بن عمرو [فتح الرحمن: ١/٤٤]

٢) **قوله الكبائر**: الكبائر جمع كبيرة، وهي السيئة المعظمة. قيل: ما أوعد عليه الشارع بخصوصه، وقيل: ما عين له حد. قيل: النسبة إضافية فقد يكون الذنب كبيرة بالنسبة لما دونه وصغيرة بالنسبة لما فوقه وقد يتفاوت باعتبار الأشخاص والأحوال كما قيل: حسنات الأبرار سيئات المقربين. **وقوله العلامات**: العلامة ما يعلم به الشيء. **[الأعظمي]**

٣) رزين: هو أبو الحسن رزين بن معاوية بن عمار العبدري السرقسطي الأندلسي، الإمام المحدث الشهير صاحب كتاب "تجريد الصحاح"، توفي بمكة في المحرم سنة خمس وثلاثين وخمس مائة. **[سير أعلام النبلاء: ٢٠/٢٠٤-٢٠٦، رقم الترجمة: ١٢٩. تذكرة الحفاظ: ٤/١٢٨١. الأعلام للزركلي: ٣/٢١-٢٢. شذرات الذهب: ٦/١٧٥.]**

٤) **أخرجه ابن الأثير في "جامع الأصول"** الركن الثاني في المقاصد، حرف الكاف، الكتاب الرابع: الكبائر (١٠/٦٢٤) رقم الحديث: ٨٢٢٨.

٥) وعن عبيد بن عمير [فتح الرحمن: ١/٤٤]

٦) **أخرجه البخاري في "صحيحه"** كتاب الأيمان، باب اليمين الغموس (٨/١٣٧) رقم الحديث: ٦٦٧٥، كتاب الديات، باب قول الله تعالى: ومن أحياها (٩/٣) رقم الحديث: ٦٨٧٠، كتاب استتابة المرتدين والمعاندين وقتالهم، باب إثم من أشرك بالله، وعقوبته في الدنيا والآخرة (٩/١٤) رقم الحديث: ٦٩٢٠. **والترمذي في "جامعه"** أبواب تفسير القرآن، باب ومن سورة النساء (٥/٢٣٦) رقم الحديث: ٣٠٢١. **والنسائي في "سننه"** كتاب التحريم الدم، ذكر الكبائر (٧/٨٩) رقم الحديث: ٤٠١١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

رواية: من أكبر الكبائر أن يلعن الرجل والديه. وذكر الحديث. اخرجه البخاري ومسلم والترمذي،[1] وأخرج أبو داود الثانية.[2]

وعن أبي بكرة[3] ﷺ قال: كنا عند رسول الله ﷺ فقال: ألا أنبئكم بأكبر الكبائر ثلاثا قلنا: بلى يا رسول الله، قال: الإشراك بالله، وعقوق الوالدين، ألا وشهادة الزور، وقول الزور[4] وكان متكئا فجلس فما زال يكررها حتى قلنا: ليته سكت. أخرجه البخاري ومسلم والترمذي.[5]

وعن سلمان قال: قال رسول الله ﷺ: المنافق من إذا حدث كذب وإذا وعد أخلف وإذا ائتمن خان فقيل يا رسول الله كيف قال المنافق إذا حدث وهو يحدث نفسه إنه يكذب وإذا وعد وهو يحدث نفسه أنه يخلف وإذا ائتمن وهو يحدث نفسه أنه يخون. رواه الطبراني في الكبير.[6]

وعن أنس بن مالك قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: ثلاث من كن فيه فهو منافق وإن صام وصلى وحج واعتمر وقال إني مسلم. إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا ائتمن خان.[7] رواه أبو الشيخ[8] في التوبيخ.[1]

---

١) اخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الأدب، باب لا يسب الرجل والديه (٣/٨) رقم الحديث: ٥٩٧٣. ومسلم في "صحيحه" كتاب الإيمان، باب بيان الكبائر وأكبرها (٩٢/١) رقم الحديث: ١٤٦(٩٠). والترمذي في "جامعه" أبواب البر والصلة، باب ما جاء في عقوق الوالدين (٣٧٦/٣) رقم الحديث: ١٩٠٢.

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الأدب، باب في بر الوالدين (٣٣٦/٤) رقم الحديث: ٥١٤١.

٣) وعن جبير بن مطعم [فتح الرحمن: ٤٤/١]

٤) وردد قول الزور [فتح الرحمن: ٤٥/١]

٥) اخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الشهادات، باب ما قيل في شهادة الزور (١٧٢/٣) رقم الحديث: ٢٦٥٤، كتاب الأدب، باب عقوق الوالدين من الكبائر (٤/٨) رقم الحديث: ٥٩٧٦، كتاب الاستئذان، باب من اتكأ بين يدي أصحابه (٦١/٨) رقم الحديث: ٦٢٧٣، كتاب استتابة المرتدين، باب إثم من أشرك بالله (١٣/٩) رقم الحديث: ٦٩١٩. ومسلم في "صحيحه" كتاب الإيمان، باب بيان الكبائر وأكبرها (٦٤/١) رقم الحديث: ١٤٣(٨٧) والترمذي في "جامعه" أبواب البر والصلة، باب ما جاء في عقوق الوالدين (٤٦٦/٣) رقم الحديث: ١٩٠١، أبواب الشهادات، باب ما جاء في شهادة الزور (١٢٧/٤) رقم الحديث: ٢٣٠١، أبواب التفسير، باب ومن سورة النساء (١١٦/٥) رقم الحديث: ٣٠١٩.

٦) اخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب السين، أبو الوقاص عن سلمان ﷺ (٢٧٠/٦) رقم الحديث: ٦١٨٦.

٧) اخرجه ابو يعلى في "مسنده" مسند أنس بن مالك، يزيد الرقاشي عن أنس بن مالك (١٣٦/٧) رقم الحديث: ٤٠٩٨.

٨) أبو الشيخ: هو أبو محمد عبد الله بن محمد بن جعفر بن حيان، المعروف بأبي الشيخ، الحافظ الصادق الثبت الثقة محدث أصبهان، صاحب التصانيف، ولد سنة أربع وسبعين ومائتين، وتوفي في سلخ المحرم سنة تسع وستين وثلاث مائة، من مصنفاته: السنة، والعظمة، والسنن، والتفسير، وثواب الأعمال، وأخلاق النبي، والتوبيخ

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن سعيد بن المسيب [٢] مرسلا قال: قال رسول الله ﷺ: آية ما بيننا وبين المنافقين شهود العشاء والصبح لا يستطيعونهما. رواه سعيد بن منصور [٣] في سننه [٤] ورواه الشافعي عن عبد الرحمن بن حرملة [٥] مرسلا. [٦]

وعن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: إحذروا صفر الوجوه فإنه إن لم يكن من علة أو سهر فإنه من غل في قلوبهم للمسلمين. [٧] رواه الديلمي في مسند الفردوس. [٨]

وعن أنس بن مالك، قال: قال رسول الله ﷺ: إذا رأيتم الرجل أصفر الوجه من غير مرض ولا عبادة [٩] فذاك من غش الإسلام في قلبه. رواه ابن السني [١] وأبو نعيم في الطب. [٢]

والشيبه، والفوائد والتاريخ، وطبقات المحدثين بأصبهان. [سير اعلام النبلاء: ٢٧٦/١٦-٢٨٠، رقم الترجمة: ١٩٦. شذرات الذهب: ٣٧٣/٤-٣٧٤.]

١) كما في "كنز العمال" حرف الهمزة، الكتاب الأول في الإيمان والإسلام، الباب الأول في تعريفهما، الفصل السابع في صفات المؤمنين (١٦٩/١) رقم الحديث: ٨٥٥.

٢) سعيد بن المسيب: هو أبو محمد سعيد بن المسيب بن حزن بن أبي وهب بن عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم القرشي المخزومي، أحد العلماء الأثبات الفقهاء الكبار، من كبار الثانية، اتفقوا على أن مرسلاته أصح المراسيل، وقال ابن المديني: لا أعلم في التابعين أوسع علما منه، مات بعد التسعين، وقد ناهز الثمانين. [تقريب التهذيب. ٢٤١، رقم الترجمة: ٢٣٩٦ تهذيب التهذيب: ٨٤/٤-٨٨، رقم الترجمة: ١٤٥]

٣) سعيد بن منصور: هو أبو عثمان سعيد بن منصور بن شعبة الخراساني، نزيل مكة، ثقة، مصنف، وكان لا يرجع عما في كتابه لشدة وثوقه به، وتوفي بمكة في شهر رمضان سنة سبع وعشرين ومائتين، وقيل: بعدها من العاشرة [تقريب التهذيب: ٢٤١، رقم الترجمة ٢٣٩٩ تهذيب التهذيب: ٨٩/٤-٩٠، رقم الترجمة: ١٤٨ سير أعلام النبلاء: ٥٨٦/١٠-٥٩٠، رقم الترجمة: ٢٠٧.]

٤) أخرجه سعيد بن منصور في "سننه" كما في "كنز العمال" حرف الهمزة، الكتاب الأول في الإيمان والإسلام، الباب الأول في تعريفهما، الفصل السابع في صفات المؤمنين (١٦٨/١) رقم الحديث: ٨٤٤.

٥) عبد الرحمن بن حرملة: هو عبد الرحمن بن حرملة الكوفي، مقبول، من الثالثة. [تقريب التهذيب: ٣٣٩، رقم الترجمة: ٣٨٤١. تهذيب التهذيب: ١٦١/٦، رقم الترجمة: ٣٣١.]

٦) أخرجه الشافعي في "مسنده" من كتاب الإمامة (٥٢)، ومالك في "موطأ" كتاب صلاة الجماعة، باب ما جاء في العتمة والصبح (١٣٠/١) رقم الحديث: ٥. (في نسخة الأعظمي: كتاب السهو، باب في العتمة والصبح (١٧٨/٢) رقم الحديث: ١٣٢/٤٣٠.

٧) أخرجه المتقي في "كنز العمال" الكتاب الأول من حرف الهمزة، الباب الأول: في تعريفهما حقيقة وعنزا ومتعلقات أخرى، فصل في صفات المنافقين (١٦٨/١) رقم الحديث: ٨٤٣.

٨) أخرجه الديلمي كما في "كنز العمال" حرف الهمزة، الكتاب الأول في الإيمان والإسلام، الباب الأول في تعريفهما، الفصل السابع في صفات المؤمنين (١٦٨/١) رقم الحديث: ٨٤٥.

٩) ولا علة [فتح الرحمن: ٤٥/١]

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن عقبة بن عامر[٣] عن رسول الله ﷺ قال: إذا تم فجور العبد ملك عينيه فيبكي بهما متى شاء. رواه ابن عدي[٤] في الكامل.[٥]

وعن علي رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: المنافق يملك عينيه يبكي كما شاء. رواه الديلمي في مسند الفردوس.[٦]

وعن حذيفة رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: بكاء المؤمن من قلبه، وبكاء المنافق من هامته. رواه العقيلي في الضعفاء والطبراني في الكبير وأبو نعيم في الحلية.[٧]

وعن أبي ذر رضي الله عنه، قال: قال رسول الله ﷺ: من اري الناس فوق ما عنده من الحسنة فهو منافق. رواه ابن النجار.[٨]

---

١) ابن السني: هو أبو بكر، أحمد بن محمد بن إسحاق بن إبراهيم ابن اسباط الدينوري، موالي جعفر بن أبي طالب الهاشمي، صاحب كتاب عمل اليوم والليلة، ولد في حدود سنة ثمانين ومئتين، ومات في آخر سنة أربع وستين وثلاث مائة. [تذكرة الحفاظ: ٢/٩٣٩–٩٤٠. وسير أعلام النبلاء: ١٦/٢٥٥–٢٥٧.]

٢) أخرجه أبو نعيم في "الطب النبوي" المقالة الأولى، باب في استعمال الفراسة والاستدلال في صناعة الطب (٢٠٧/١) رقم الحديث: ٦٨.

٣) عقبة بن عامر: هو أبو حماد عقبة بن عامر الجهني، صحابي مشهور، وولي إمرة مصر لمعاوية ثلاث سنين، وكان فقيها فاضلا، مات سنة ثمان وخمسين. [تقريب التهذيب: ٣٩٥، رقم الترجمة: ٤٦٤١. تهذيب التهذيب: ٧/٢٤٢–٢٤٤، رقم الترجمة: ٤٤٠.]

٤) ابن عدي: هو أبو أحمد عبد الله بن عدي بن عبد الله بن محمد بن مبارك ابن القطان الجرجاني، هو أحد الأئمة الأعلام وأركان الإسلام، صاحب كتاب "الكامل في الجرح والتعديل، ولد سنة سبع وسبعين ومائتين، وتوفي في جمادي الآخر سنة خمس وستين وثلاث مائة. [تذكرة الحفاظ: ٣/٩٤٠–٩٤٢. سير أعلام النبلاء: ١٦/١٥٤–١٥٦. شذرات الذهب: ٤/٣٤٤–٣٤٥.]

٥) أخرجه ابن عدي في "الكامل في ضعفاء الرجال" عبد الله بن لهيعة بن عقبة أبو عبد الرحمن الحضرمي (٥/٢١٨)

٦) أخرجه الديلمي في "الفردوس بمأثور الخطاب" باب الميم، (٤/٢٠٣) رقم الحديث: ٦٦٢٠.

٧) أخرجه العقيلي في "الضعفاء الكبير" باب اسماعيل، اسماعيل بن عمرو البجلي (١/٨٦). والطبراني في "المعجم الصغير" باب الفاء، من اسمه: الفضل، (٢/٤١) رقم الحديث: ٧٤٥. وأبو نعيم في "حلية الأولياء وطبقات الأصفياء" الطبقة الأولى من التابعين، شقيق بن سلمة أبو وائل (٤/١١١)

٨) أخرجه المتقي في "كنز العمال" الكتاب الأول من حرف الهمزة، الباب الأول: في تعريفهما حقيقة ومجازا ومتعلقات أخر، فصل في صفات المنافقين (١/١٦٩) رقم الحديث: ٨٥٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب في الوسوسة[١]

عن عبد الله بن عمرو [٢] رضي الله عنهما قال: قال رسول الله ﷺ: إن الشيطان يأتي أحدكم، فيقول: من خلق السماء؟ فيقول: الله، فيقول: من خلق الأرض؟ فيقول: الله، فيقول: من خلق الله؟ فإذا وجد ذلك أحدكم فليقل: آمنت بالله ورسوله. رواه الطبراني. [٣]

وعن أبي هريرة، قال: قال رسول الله ﷺ: لا يزال الناس يسألون حتى يقولوا: كان الله قبل كل شيء فما كان قبله؟ رواه المحرر بن أبي هريرة [٤] عن أبيه وضعف. [٥]

وعن ابن عمر وأبي سعيد معا قال: قال رسول الله ﷺ: لا يزال الناس يسألون عن كل شيء حتى يقولوا هذا الله قبل كل شيء فما كان قبل الله فإن قالوا لكم ذلك فقولوا هو الأول قبل كل شيء وهو الآخر فليس بعده شيء وهو الظاهر فوق كل شيء وهو الباطن دون كل شيء وهو بكل شيء عليم. رواه أبو الشيخ في العظمة. [٦]

وعن أبي زميل، قال: سألت ابن عباس فقلت: ما شيء أجده في صدري؟ قال: ما هو؟ قلت: والله ما أتكلم به، قال: فقال لي: أشيء من شك؟ قال: وضحك، قال: ما نجا من ذلك أحد، قال: حتى أنزل الله عز وجل "فَإِنْ كُنْتَ فِي شَكٍّ مِمَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ فَاسْأَلِ الَّذِينَ يَقْرَءُونَ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكَ" الآية، [٧] قال: فقال لي: إذا وجدت في نفسك شيئا فقل: "هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ" [٨] رواه أبو داود. [٩]

---

١) قوله الوسوسة: الوسوسة الخواطر إن كانت تدعوا إلى الرذائل فهي وسوسة، وإن كانت تدعوا إلى الفضائل فهو إلهام، والأصح أنه ليس بحجة من غير معصوم لأنه لاثقة بخواطره. [الأعظمي]

٢) عن ابن عمر [فتح الرحمن: ١/٤٦]

٣) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" عبد الله بن عمرو بن العاص، (١٣/٤٠١) رقم الحديث: ١٤٦٣٤. وفي "المعجم الأوسط" باب الألف، من اسمه: أحمد (٢/٢٥١) رقم الحديث: ١٨٩٦.

٤) المحرر بن أبي هريرة: هو محرر بن أبي هريرة الدوسي المدني، مقبول، من الرابعة، مات في خلافة عمر بن عبد العزيز [تقريب التهذيب: ٥٢١، رقم الترجمة: ٦٥٠٠. تهذيب التهذيب: ١٠/٥٥-٥٦، رقم الترجمة: ٩٠.]

٥) أخرجه أحمد في "مسنده" مسند أبي هريرة، (١٥/٣٤٨) رقم الحديث: ٩٥٦٦

٦) أخرجه أبو الشيخ في "العظمة" ذكر آيات ربنا تبارك وتعالى، وعظمته وسلطانه وشرفه ونسبه تبارك وتعالى (١/٤١٢) رقم الحديث: ١١٥.

٧) يونس: ٩٤.

٨) الحديد: ٣.

٩) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الأدب، أبواب النوم، باب في رد الوسوسة (٤/٣٢٩) رقم الحديث: ٥١١٠.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن عائشة ﵂ قالت: سئل رسول الله ﷺ عن الوسوسة، فكبر ثلاثا، ثم قال: ذلك صريح الإيمان وانما يخبر بهذا المؤمن. رواه ابو يعلى في مسنده. (١)

وعن عمارة بن أبي حسن المازني، عن عمه: أن الناس، سألوا رسول الله ﷺ عن الوسوسة التي يجدها أحدهم، لأن يسقط من عند الثريا أحب إليه من أن يتكلم به؟ فقال رسول الله ﷺ: ذاك صريح الإيمان. رواه أحمد. (٢)

وعن ابن عباس قال: إن رجلا قال: يا رسول الله ﷺ إني لأحدث نفسي بالشيء لو تكلمت به لأحبطت أجري. قال فذكر. الله أكبر الله أكبر الله أكبر الحمد لله الذي رد كيده إلى الوسوسة. رواه أحمد وأبو داود. (٣)

وعن معاذ قال: قال رسول الله ﷺ: إن إبليس له خرطوم كخرطوم الكلب واضعه على قلب ابن آدم يذكره الشهوات واللذات ويأتيه بالأماني ويأتيه بالوسوسة على قلبه ليشككه في ربه، فاذا قال العبد: أعوذ بالله السميع العليم من الشيطان الرجيم وأعوذ بالله أن يحضرون إن الله هو السميع العليم خنس الخرطوم عن القلب. رواه الديلمي. (٤)

---

١) أخرجه المتقي في "كنز العمال" الكتاب الأول من حرف الهمزة، الباب الثالث: في لواحق كتاب الإيمان، فصل الرابع في الشيطان ووسوسته (١/٢٤٩) رقم الحديث: ١٩٥٦.

٢) أخرجه النسائي في "السنن الكبرى" كتاب عمل اليوم والليلة، الوسوسة (٩/٢٥٠) رقم الحديث: ١٠٤٣٩. وأحمد في "مسنده" كما في "كنز العمال" حرف الهمزة، الكتاب الأول في الإيمان والإسلام، الباب الثالث في لواحق الإيمان، الفصل الرابع في الشيطان ووسوسته (١/٢٤٩) رقم الحديث: ٢٥٧.

٣) هي حديثان. أولهما: عن شهر بن حوشب قال: كنا عند أم سلمة، تسألها عن حروف القرآن، فقال رجل: يا أم المؤمنين، إني لأحدث نفسي بالشيء لو تكلمت به لأحبطت أجري، ولو اطلع علي لضربت عنقي. قالت: سمعت رسول الله ﷺ يسأل عن مثل ما سألت عنه، فقال: لا يلقى ذلك الكلام إلا مؤمن. [أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط" (٣/٢٧١) رقم الحديث: ٣٤٣٠]

وثانيهما: عن ابن عباس قال: جاء رجل إلى النبي ﷺ فقال: يا رسول الله إن أحدنا يجد في نفسه -يعرض بالشيء- لأن يكون حممة أحب إليه من يتكلم به. فقال: الله أكبر، الله أكبر، الله أكبر، الحمد لله الذي رد كيده إلى الوسوسة. [أخرجه ابو داود في "سننه" كتاب الأدب، باب في رد الوسوسة (٥/٢١١) رقم الحديث: ٥١١٢. وأحمد في "مسنده" مسند بني هاشم، مسند عبد الله بن عباس (٤/١٠) رقم الحديث: ٢٠٩٧.]

٤) أخرجه المتقي في "كنز العمال" الكتاب الأول من حرف الهمزة، الباب الثالث: في لواحق كتاب الايمان، الفصل الثالث في صفات خطرات القلب وتقلبه (١/٢٥١) رقم الحديث: ١٢٦٦.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أنس، قال: قال رسول الله ﷺ: إن للوسواس خطما كخطم الطائر فإذا غفل ابن آدم وضع ذلك المنقار في أذن القلب يوسوس فإن ابن آدم ذكر الله عز وجل نكص وخنس فذلك سمي الوسواس الخناس.[1] ابن شاهين في الترغيب في الذكر عن أنس. وهو ضعيف.[2]

وعن عقيل بن مدرك السلمي [3] قال: قال رسول الله ﷺ: الوسوسة في الصلاة من الدين من صريح الإيمان ولا تكاد تخطئ [4] مؤمنا. رواه الأوزاعي [5].[6]

وعن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: إن الشيطان يأتي أحدكم، وهو في صلاته حتى يفتح مقعدته فيخيل إليه أنه أحدث ولم يحدث. فإذا وجد أحدكم ذلك فلا ينصرفن حتى يسمع صوت ذلك بأذنه أو يجد ريح ذلك بأنفه. رواه الطبراني.[7]

وعن أبي المليح عن أبيه قال: قال رسول الله ﷺ: فإذا وجدت ذلك [يعني الوسوسة][8] فارفع إصبعك السبابة اليمنى فاطعنه في فخذك اليسرى،[9] وقل: بسم الله، فإنها سكين الشيطان. رواه الحكيم والماوردي والطبراني.[10]

وعن رديف النبي ﷺ [1] قال: قال رسول الله ﷺ: لا تقل: تعس الشيطان. فإنك إذا قلت ذلك تعاظم حتى يصير مثل البيت، ويقول بقوتي صرعته. ولكن قل: بسم الله. فإنك إذا قلت ذلك تصاغر حتى يصير مثل الذباب.[1]

---

١) [فتح الرحمن: ٤٨/١]
٢) أخرجه المتقي في "كنز العمال" الكتاب الأول من حرف الهمزة، الباب الثالث: في لواحق كتاب الإيمان، الفصل الثالث في صفات خطرات القلب وتقلبه (٢٥١/١) رقم الحديث: ١٢٦٧.
٣) عقيل بن مدرك السلمي: هو أبو الأزهر عقيل بن مدرك السلمي أو الخولاني الشامي، مقبول، من السابعة [تقريب التهذيب: ٣٩٦، رقم الترجمة: ٤٦٦٣. تهذيب التهذيب: ٢٥٥/٧، رقم الترجمة: ٤٦٦.]
٤) ولا يكاد يخطئ [فتح الرحمن: ٤٨/١]
٥) الأوزاعي: هو أبو عمرو عبد الرحمن بن عمرو بن أبي عمرو الأوزاعي -الأوزاع بطن من همدان-، الفقيه ثقة جليل، من السابعة، مات سنة سبع وخمسين ومائة، وله كتاب: السنن، والمسائل. [تقريب التهذيب: ٣٤٧، رقم الترجمة: ٣٩٦٧. تهذيب التهذيب: ٢٣٨/٦-٢٤٢، رقم الترجمة: ٤٨٧. سير أعلام النبلاء: ١٠٧/٧-١٣٤، رقم الترجمة: ٤٨. الأعلام للزركلي: ٣٢٠/٣.]
٦) أخرجه المتقي في "كنز العمال" الكتاب الأول من حرف الهمزة، الباب الثالث: في لواحق كتاب الإيمان، الفصل الثالث في صفات خطرات القلب وتقلبه (٢٥١/١) رقم الحديث: ١٢٦٥.
٧) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب العين، عكرمة عن ابن عباس (٢٢٢/١١) رقم الحديث: ١١٥٥٦.
٨) [فتح الرحمن: ٤٨/١]
٩) اليمنى [فتح الرحمن: ٤٨/١]
١٠) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب الألف، باب فيما يقال عند الوسوسة (١٩٢/١) رقم الحديث: ٥٠٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: ليس منكم من أحد إلا وكل به قرينه من الشيطان. قالوا: وأنت يا رسول الله؟ قال: نعم ولكن الله [تعالى] أعانني عليه فأسلم. رواه احمد والطبراني وسعيد بن منصور في سننه.[٣]

وعن أبي أمامة قال: قال رسول الله ﷺ: وكل بالمؤمن ستون وثلاثمائة ملك يذبون عنه ما لم يقدر عليه من ذلك للبصر تسعة أملاك يذبون عنه كما يذبون قصعة العسل من الذباب في اليوم الصائف وما لو بدا لكم لرأيتموهم على كل جبل وسهل كلهم باسط يده فاغر فاه وما لو وكل العبد فيه إلى نفسه طرفة عين خطفته الشياطين. رواه ابن أبي الدنيا وابن قانع[٤] والطبراني.[٥]

وعن جابر بن سمرة[٦]، قال: قال رسول الله ﷺ: إن الشيطان [هو] كان يلقي على شرر النار ليفتنني عن صلاتي، فتناولته،[٧] فلو أخذته، ما انفلت مني حتى يناط إلى سارية من سواري المسجد، ينظر إليه ولدان أهل المدينة. رواه احمد في المسند وعبد الرزاق في الجامع والطبراني في الكبير.[٨] وسنذكر هذا الحديث بتمامه في باب ما لا يجوز من العمل في الصلاة إن شاء الله تعالى.

---

١) عن ابن عباس [فتح الرحمن: ١/٤٨]

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الأدب، باب، (٥/١٦٣) رقم الحديث: ٤٩٨٢. وأحمد في "مسنده" مسند الأنصار، أحاديث رجال من أصحاب النبي ﷺ (٣٨/١٨٢) رقم الحديث: ٢٣٠٩٢، مسند البصريين، حديث رديف النبي ﷺ (٣٤/١٩٨) رقم الحديث: ٢٠٥٩١، ٢٠٥٩٢، ٢٠٦٩٠.

٣) أخرجه أحمد في "مسنده" مسند بني هاشم، مسند عبد الله بن عباس (٤/١٦٦) رقم الحديث: ٢٣٢٣. والطبراني في "المعجم الكبير" (١٢/١٠-١١) رقم الحديث: ١٢٦٢٠.

٤) ابن قانع: هو أبو الحسن عبد الباقي بن قانع بن مرزوق بن واثق الأموي مولاهم البغدادي، الإمام الحافظ البارع الصدوق، له كتاب "معجم الصحابة"، ولد سنة خمس وستين ومئتين، وتوفي في شوال سنة إحدى وخمسين وثلاث مئة. [تذكرة الحفاظ: ٣/٨٨٣/٨٨٤. سير أعلام النبلاء: ١٥/٥٢٦-٥٢٧. الأعلام للزركلي: ٣/٢٧٢.]

٥) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" (٨/١٦٧) رقم الحديث: ٧٧٠٤.

٦) جابر بن سمرة: هو أبو عبد الله ويقال: أبو خالد جابر بن سمرة بن جنادة -بضم الجيم بعدها نون- السوائي -بضم السين المهملة وتخفيف الواو وهمزة نسبة إلى سواه بن عامر بن صعصعة- صحابي ابن صحابي، نزل الكوفة، ومات بها بعد سنة سبعين. [تقريب التهذيب: ١٣٦، رقم الترجمة: ٨٦٧. تهذيب التهذيب: ٢/٣٩، رقم الترجمة: ٦٣.]

٧) عن الصلاة، فخنقته [فتح الرحمن: ١/٤٨]

٨) أخرجه أحمد في "مسنده" مسند البصريين، مسند جابر بن سمرة (٣٤/٥٠٨) رقم الحديث: ٢١٠٠٠. وعبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الصلاة، باب المار بين يدي المصلي (٢/٢٤) رقم الحديث: ٢٣٣٨. والطبراني في "المعجم الكبير" باب الجيم، اسرائيل بن يونس ٢/٢٢٤) ١٩٢٥، زهير بن معاوية (٢/٢٢٧) رقم الحديث: ١٩٣٩.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أبي موسى، قال: قال رسول الله ﷺ: إذا أصبح إبليس بعث جنوده فيقول من أضل اليوم مسلما ألبسته التاج فيجيؤون. فيقول: هذا لم أزل به حتى طلق امرأته. فيقول: يوشك أن يتزوج. ويجيء هذا، فيقول: لم أزل به اليوم حتى عق والديه. فيقول يوشك ان يبر. ويجيء هذا، فيقول: لم أزل به حتى أشرك. فيقول: أنت أنت ويلبسه التاج. رواه الطبراني وابن عساكر. [١]

وعلي بن الحسين [٢] رضي الله عنهما: أن صفية، زوج النبي ﷺ، أخبرته أنها جاءت إلى رسول الله ﷺ تزوره في اعتكافه في المسجد في العشر الأواخر من رمضان، فتحدثت عنده ساعة، ثم قامت تنقلب، فقام النبي ﷺ معها يقلبها، حتى إذا بلغت باب المسجد عند باب أم سلمة [٣]، مر رجلان من الأنصار، فسلما على رسول الله ﷺ، فقال لهما النبي ﷺ: على رسلكما، إنما هي صفية بنت حيي [٤]، فقالا: سبحان الله يا رسول الله، وكبر عليهما، فقال النبي ﷺ: إن الشيطان يبلغ من الإنسان مبلغ الدم، وإني خشيت أن يقذف في قلوبكما شيئا. رواه البخاري. وفي رواية ان الشيطان يجري من الانسان مجري الدم. [٥]

---

١) أخرجه المتقي في "كنز العمال" الكتاب الأول من حرف الهمزة، الباب الثالث: في لواحق كتاب الإيمان، الفصل الثالث في صفات خطرات القلب وتقلبه (١/٢٥٧) رقم الحديث: ١٢٨٩.

٢) علي بن الحسين: هو أبو الحسين زين العابدين علي بن الحسين بن علي بن أبي طالب الهاشمي، ثقة ثبت عابد فقيه فاضل مشهور، قال ابن عيينة: عن الزهري ما رأيت قرشيا أفضل منه، من الثالثة، مات [دون المائة] سنة ثلاث وتسعين، وقيل. غير ذلك. [تقريب التهذيب: ٤٠٠، رقم الترجمة: ٤٧١٥. تهذيب التهذيب، ٧/٣٠٤-٣٠٧، رقم الترجمة: ٥٢٠.]

٣) أم سلمة: هي أم المؤمنين هند بنت أبي أمية بن المغيرة بن عبد الله بن عمر بن مخزوم المخزومية، تزوجها النبي ﷺ بعد أبي سلمة سنة أربع، وقيل: ثلاث، وعاشت بعد ذلك ستين سنة، ماتت سنة اثنتين وستين، وقيل: سنة إحدى، وقيل: قبل ذلك والأول أصح. [تقريب التهذيب: ٧٥٤، رقم الترجمة: ٨٦٩٤. تهذيب التهذيب: ١٢/٤٥٥-٤٥٧، رقم الترجمة: ٢٩٠٤.]

٤) صفية بنت حيي: هي أم المؤمنين صفية بنت حيي -بضم الحاء المهملة وفتح الياء تحتها نقطتان وتشديد الأخرى- بن أخطب الإسرائيلية، تزوجها النبي ﷺ بعد خيبر، وماتت سنة ست وثلاثين، وقيل: في خلافة معاوية وهو الصحيح. [تقريب التهذيب. ٧٤٩، رقم الترجمة: ٨٦٢٩. تهذيب التهذيب: ١٢/٤٢٩، رقم الترجمة: ٢٨٢٨.]

٥) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الاعتكاف، باب هل يخرج المعتكف لحوائجه إلى باب المسجد (٣/٤٩) رقم الحديث: ٢٠٣٥، باب هل يدرأ المعتكف عن نفسه (٣/٥٠) رقم الحديث: ٢٠٣٩.

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب الإيمان بالقدر[١]

عن جابر [٢] قال: قال رسول الله ﷺ: لا يؤمن عبد حتى يؤمن بالقدر خيره وشره، وحتى يعلم أن ما أصابه لم يكن ليخطئه، وأن ما أخطأه لم يكن ليصيبه. أخرجه الترمذي. [٣]

وعن عبادة بن الصامت ﷺ قال لابنه: يا بني، إنك لن تجد طعم حقيقة الإيمان حتى تعلم أن ما أصابك لم يكن ليخطئك، وما أخطأك لم يكن ليصيبك، فإني سمعت رسول الله ﷺ، يقول: إن أول ما خلق الله القلم، فقال له: اكتب قال: رب وماذا أكتب؟ قال: اكتب مقادير كل شيء حتى تقوم الساعة. يا بني إني سمعت رسول الله ﷺ يقول: من مات على غير هذا فليس مني. أخرجه أبو داود. [٤]

وفي رواية الترمذي: قال عبد الواحد بن سليم [٥]: قدمت مكة، فلقيت عطاء بن أبي رباح، فقلت له: يا أبا محمد، إن بالبصرة قوما يقولون: لا قدر، فقال: يا بني، أتقرأ القرآن؟ قلت: نعم، فقال: فاقرأ الزخرف فقرأت: "حم (١) وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ (٢) إِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ (٣) وَإِنَّهُ فِي أُمِّ الْكِتَابِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيمٌ" [٦] ثم قال: أتدري ما أم الكتاب؟ قلت: لا، قال: فإنه كتاب كتبه الله قبل أن يخلق السماوات والأرض، فيه: إن فرعون من أهل النار، وفيه: "تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ" [٧] قال عطاء: ولقد لقيت الوليد بن

---

١) قوله القدر: القدر بالتحتين وقد يسكن، والمراد به قدرة الباري تعالى عز اسمه أو للمقدرات الكائنة بعلم الباري تعالى. [الأعظمي]

٢) جابر: هو أبو عبد الله جابر بن عبد الله بن عمرو بن حرام -بمهملة وراء- الأنصاري ثم السلمي -بفتحتين-، صحابي ابن صحابي، غزا تسع عشرة غزوة، ومات بالمدينة بعد السبعين، وهو ابن أربع وتسعين. [تقريب التهذيب: ١٣٦، رقم الترجمة: ٨٧١. تهذيب التهذيب: ٢/٤٢-٤٣، رقم الترجمة: ٦٧.]

٣) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب القدر، باب ما جاء في الإيمان بالقدر خيره وشره (٤/١٩) رقم الحديث: ٢١٤٤.

٤) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب السنة، باب في القدر (٤/٢٢٥) رقم الحديث: ٤٧٠٠.

٥) عبد الواحد بن سليم: هو عبد الواحد بن سليم المالكي البصري، ضعيف، من السابعة. [تقريب التهذيب: ٣٦٧، رقم الترجمة: ٤٢٤١. تهذيب التهذيب: ٦/٤٣٥-٤٣٦، رقم الترجمة: ٨١٦.]

٦) الزخرف: ١-٤.

٧) لهب: ١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

عبادة بن الصامت [١]، صاحب رسول الله ﷺ فسألته: ما كانت وصية أبيك لك عند الموت؟ فقال لي: دعاني فقال لي: يا بني، اتق الله، واعلم أنك لن تتقي الله حتى تؤمن بالله، وتؤمن بالقدر كله خيره وشره، وإن مت على غير هذا دخلت النار، إني سمعت رسول الله ﷺ يقول: إن أول ما خلق الله القلم، فقال له: اكتب، قال: ما أكتب؟ قال: اكتب القدر، فكتب ما كان وما هو كائن إلى الأبد. [٢]

وعن ابن مسعود في رواية قال: قال رسول الله ﷺ: إذا وقعت النطفة في الرحم طارت في الرحم أربعين يوما، ثم تكون علقة أربعين، ثم تكون مضغة أربعين، فإذا بلغت أن تخلق بعث الله ملكا يصورها، فيأتي الملك بتراب بين إصبعيه فيخلطه في المضغة، ثم يعجنه بها، ثم يصور كما يؤمر، فيقول: أذكر، أم أنثى؟ أشقي، أم سعيد؟ وما عمره؟ وما رزقه؟ وما أثره؟ وما مصائبه؟ فيقول الله عز وجل، ويكتب الملك. [٣] الحديث. [٤]

وعن طاؤوس [٥]، أنه قال: أدركت ناسا من أصحاب رسول الله ﷺ، يقولون كل شيء بقدر، قال: وسمعت [عبد الله] بن عمر يقول: قال رسول الله ﷺ: كل شيء بقدر، حتى العجز والكيس، أو الكيس والعجز. أخرجه مسلم والموطأ. [٦]

وعن يحيى بن يعمر، قال: كان أول من قال في القدر بالبصرة معبد الجهني، فانطلقت أنا وحميد بن عبد الرحمن الحميري حاجين، أو معتمرين، فقلنا: لو لقينا أحدا من

---

١) الوليد بن عبادة بن الصامت: هو أبو عبادة الوليد بن عبادة بن الصامت الأنصاري المدني، ولد في عهد النبي ﷺ. وهو ثقة، من كبار الثانية، مات بعد السبعين. [تقريب التهذيب: ٥٨٢، رقم الترجمة: ٧٤٣٠. تهذيب التهذيب: ١٣٧/١١، رقم الترجمة: ٢٢٨.]

٢) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب القدر، باب (٢٧/٤) رقم الحديث: ٢١٥٥.

٣) أخرجه الابن الأثير في "جامع الأصول" الركن الثاني: في المقاصد، حرف القاف في القدر، الفصل الثاني في القدر عند الخلقة (١١٤/١٠) رقم الحديث: ٧٥٨٢.

٤) فإذا مات ذلك الجسد دفن حيث أخذ ذلك التراب.

٥) طاؤوس: هو أبو عبد الرحمن طاوس بن كيسان اليماني الحميري، مولاهم الفارسي، يقال: اسمه ذكوان وطاوس لقب، ثقة فقيه فاضل، من الثالثة، مات سنة ست ومائة، وقيل: بعد ذلك. [تقريب التهذيب: ٢٨١، رقم الترجمة: ٣٠٠٩. تهذيب التهذيب: ٨/٥، رقم الترجمة: ١٤.]

٦) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب القدر، باب كل شيء بقدر (٢٠٤٥/٤) رقم الحديث: ٢٦٥٥(١٨)، ومالك في "موطأ" كتاب القدر، باب النهي عن القول بالقدر (١٣٢٤/٥) رقم الحديث: ٣٣٤٠/٢٩٨ [(٨٩٩/٢) رقم الحديث: ٤]

toobaa-elibrary.blogspot.com

أصحاب رسول الله ﷺ، فسألناه عما يقول هؤلاء في القدر، فوفق لنا عبد الله بن عمر بن الخطاب داخلا المسجد، فاكتنفته أنا وصاحبي أحدنا عن يمينه، والآخر عن شماله، فظننت أن صاحبي سيكل الكلام إلي: فقلت: أبا عبد الرحمن إنه قد ظهر قبلنا ناس يقرءون القرآن، ويتقفرون العلم، وذكر من شأنهم، وأنهم يزعمون أن لا قدر، وأن الأمر أنف، قال: فإذا لقيت أولئك فأخبرهم أني بريء منهم، وأنهم برآء مني، والذي يحلف به عبد الله بن عمر لو أن لأحدهم مثل أحد ذهبا، فأنفقه ما قبل الله منه حتى يؤمن بالقدر. ثم قال: حدثني أبي عمر [ابن الخطاب]. وساق حديث جبرئيل إلى آخره. رواه مسلم والترمذي وأبو داود والنسائي.(١)

وفي رواية لأبي داود قال: كان لابن عمر صديق من أهل الشام يكاتبه فكتب إليه عبد الله بن عمر: إنه بلغني أنك تكلمت في شيء من القدر، فإياك أن تكتب إلي.(٢)

وعن أبي هريرة ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: الإيمان بالقدر نظام التوحيد. رواه الديلمي في فردوس الأخبار.(٣)

وعنه قال: قال رسول الله ﷺ: الإيمان بالقدر يذهب الهم والحزن. رواه ابن عساكر في تاريخه والقضاعي.(٤)

وعن ابن عمر ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: من كذب بالقدر أو خاصمهم فقد كفر بما جئت به. رواه ابن عدي في الكامل.(٥)

---

(١) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب: الإيمان، باب: معرفة الإيمان والإسلام والقدر وعلامة الساعة، (١/٣٦) رقم الحديث: ٨. والنسائي في "سننه" كتاب: الإيمان وشرائعه، باب: باب نعت الإسلام، (٨/٩٧) رقم الحديث: ٤٩٩٠. وأبو داود في "سننه" كتاب السنة، باب في القدر، (٤ / ٢٢٣) رقم الحديث: ٤٦٩٥، والترمذي في "جامعه" أبواب الإيمان عن رسول الله ﷺ، باب: ما جاء في وصف جبريل للنبي ﷺ الإيمان والإسلام، (٤ / ٣٠٢) رقم الحديث: ٢٦١٠. وابن ماجه في "سننه" افتتاح الكتاب، باب في الإيمان، (١/٢٤) رقم الحديث: ٦٣. وأحمد في "مسنده" مسند العشرة المبشرين بالجنة وغيرهم، مسند أبي حفص عمر بن الخطاب ﷺ، (١ / ٢١٤) رقم الحديث: ١٨٤، (١/٣٢٢) رقم الحديث: ١٩١، (١/٤٣٤) رقم الحديث: ٣٦٧.

(٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب السنة، باب لزوم السنة (٤/٢٠٤) رقم الحديث: ٤٦١٣.

(٣) أخرجه الديلمي في "الفردوس بمأثور الخطاب" باب الألف (١/١١٤) رقم الحديث: ٣٨٥.

(٤) أخرجه القضاعي في "مسنده" الإيمان بالقدر يذهب الهم والحزن (١/١٨٧) رقم الحديث: ٢٧٧.

(٥) أخرجه ابن عدي في " الكامل في ضعفاء الرجال" سوار بن مصعب الهمداني المؤذن وكان ضريرا كوفيا يكنى أبا عبد الله (٤/٣٢٢)

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن عمران بن حصين [١] قال: قال رسول الله ﷺ: لو أن الله عذب أهل السماء والأرض عذبهم غير ظالم، ولو أدخلهم في رحمته كانت رحمته أوسع من ذنوبهم. ولكنه كما قضى يعذب من يشاء ويرحم من يشاء، فمن عذب فهو الحق، ومن رحم فهو الحق، ولو كان مثل أحد ذهبا تنفقه في سبيل الله ما قبل منك حتى تؤمن بالقدر كله خيره وشره. رواه الطبراني. [٢]

وعنه، قال: قال رسول الله ﷺ: من كذب بالقدر خيره وشره فأنا عنه بريء. رواه أبو يعلى في مسنده. [٣]

وعنه: خلق الله الخلق فكتب آجالهم، وأعمالهم، وأرزاقهم. رواه الخطيب. [٤]

وعنه، قال: قال رسول الله ﷺ السعيد من سعد في بطن أمه والشقي من شقي في بطن أمه. رواه الطبراني في الصغير. [٥]

وعن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: خلق الله يحيى بن زكريا في بطن أمه مؤمنا، وخلق فرعون في بطن أمه كافرا. رواه ابن عدي والطبراني. [٦]

وعن علي وأنس: إذا أراد الله عز وجل إنفاذ قضائه وقدره سلب ذوي العقول عقولهم حتى ينفذ فيهم قضاؤه وقدره فإذا مضى أمره رد إليهم عقولهم ووقعت الندامة. رواه الديلمي. [٧]

---

١) عمران بن حصين: هو أبو نجيد -بنون وجيم مصغر- عمران بن حصين بن عبيد بن خلف الخزاعي، أسلم عام خيبر، وصحب، وكان فاضلا، وقضى بالكوفة، مات سنة اثنتين وخمسين بالبصرة. [تقريب التهذيب: ٤٢٩، رقم الترجمة: ٥١٥٠. تهذيب التهذيب: ١٢٥/٨، رقم الترجمة: ٢٢٠.]

٢) أخرجه الطبراني في " المعجم الكبير" باب (٢٣٦/١٠) رقم الحديث: ١٠٥٦٤، باب العين، أبو الأسود الدؤلي عن عمران بن حصين (٢٢٣/١٨) رقم الحديث: ٥٥٦.

٣) أخرجه أبو يعلى كما في "كنز العمال" حرف الهمزة، الكتاب الأول في الإيمان والإسلام، الباب الأول في تعريفهما، الفصل السادس في الإيمان بالقدر (١٠٧/١) رقم الحديث: ٤٨٥.

٤) أخرجه الخطيب في "تاريخ بغداد" باب العين، ذكر من اسمه عمر، عمر بن صالح بن عيسى البالي (٤٩/١٣) رقم الحديث: ٣٧٣٢.

٥) أخرجه الطبراني في "المعجم الصغير" باب الميم، من اسمه محمد (٥٦/٢) رقم الحديث: ٧٧٣

٦) أخرجه ابن عدي في "الكامل في ضعفاء الرجال" أيوب بن حوط أبو أمية البصري (١٠/٢) والطبراني في "المعجم الكبير" باب العين، باب (٢٢٤/١٠) رقم الحديث: ١٠٥٤٣.

٧) أخرجه الديلمي في "كتاب الفردوس بمأثور الخطاب" باب الألف (٢٥٠/١) رقم الحديث: ٩٦٦ (عن ابن عمر.)

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن ابن عباس: لكل بشر رزقه من الدنيا هو يأتيه لا محالة فمن رضي به بورك له فيه ووسعه ومن لم يرضه لم يبارك له فيه ولم يسعه. رواه الديلمي. (١)

وعن عمر [ابن الخطاب] ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: بعثت داعيا ومبلغا، وليس إلي من الهدى شيء. رواه العقيلي في الضعفاء. (٢)

وعن أنس، قال: قال رسول الله ﷺ: صنفان من أمتي لا تنالهم شفاعتي يوم القيامة المرجئة والقدرية. رواه أبو نعيم في الحلية. (٣)

وعن علي ﷺ، قال: قال رسول الله ﷺ: لعنت القدرية على لسان سبعين نبيا. رواه الدار قطني. (٤)

وعن أبي أمامة ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: صنفان من أمتي لعنهم الله عز وجل على لسان سبعين نبيا القدرية والمرجئة، الذين يقولون الإيمان إقرار ليس فيه عمل. رواه الديلمي. (٥)

وعن أبي هريرة: عزمت على أمتي ان لا يتكلموا (٦) في القدر، ولا يتكلم في القدر إلا أشرار أمتي في آخر الزمان. رواه ابن عدي في الكامل. (٧)

وعن أنس قال: قال رسول الله ﷺ: أخاف على أمتي من بعدي خصلتين تكذيبا بالقدر وتصديقا بالنجوم. رواه ابن عساكر، ورواه الديلمي عن حذيفة نحوه. (٨)

---

١) أخرجه الديلمي كما في "كنز العمال" حرف الهمزة، الكتاب الأول في الإيمان والإسلام، الباب الأول في تعريفهما، الفصل السادس في الإيمان بالقدر (١/١١٤) رقم الحديث: ٥٣٦.

٢) أخرجه العقيلي في "الضعفاء الكبير" باب الخاء، خالد بن عبد الرحمن أبو الهيثم عن سماك (٢/٨).

٣) أخرجه أبو نعيم في "الحلية الأولياء وطبقات الأصفياء" ذكر طوائف من جماهير النساك والعباد (٩/٢٥٤)

٤) أخرجه الدار قطني كما في "كنز العمال" حرف الهمزة، الكتاب الأول في الإيمان والإسلام، الباب الأول في تعريفهما، الفصل السادس في الإيمان بالقدر (١/١١٩) رقم الحديث: ٥٦٢.

٥) أخرجه الديلمي في "كتاب الفردوس بمأثور الخطاب" باب الصاد (٢/٤٠١) رقم الحديث: ٣٧٨١. (لم عن حذيفة.)

٦) أن يتكلموا [الكامل في ضعفاء الرجال" عبد الرحمن بن القطامي بصري:٥/٥٠٥]

٧) أخرجه ابن عدي "الكامل في ضعفاء الرجال" عبد الرحمن بن القطامي بصري (٥/٥٠٥)

٨) كما في "كنز العمال" حرف الهمزة، الكتاب الأول في الإيمان والإسلام، الباب الأول في تعريفهما، الفصل السادس في الإيمان بالقدر (١/١١٩) رقم الحديث: ٥٦٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن يحيى بن القاسم عن أبيه عن جده عبد الله بن عمر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما هلكت أمة قط إلا بالشرك بالله عز وجل وما أشركت أمة حتى يكون بدء شركها التكذيب بالقدر رواه الطبراني وتمام وابن عساكر.[1]

وعن ابن عمر قال: قال رسول الله ﷺ: يجيء قوم يقولون لا قدر ثم يخرجون منها إلى الزندقة، فإذا لقيتموهم فلا تسلموا عليهم وإن مرضوا فلا تعودوهم، وإن ماتوا فلا تشهدوا جنائزهم، فإنهم شيعة الدجال. رواه ابن عساكر في تاريخه.[2]

وعنه، قال: قال رسول الله ﷺ: من كذب بالقدر أو خاصمهم فقد كفر بما جئت به. رواه ابن عدي.[3]

وعن علي قال: لو أن عندي رجلا من القدرية لأخذت برقبته ثم لا أزال أجأها حتى أقطعها فإنهم يهود هذه الأمة ونصاراها ومجوسها. رواه ابن عساكر.[4]

وعن سهل بن سعد[5] قال: قال رسول الله ﷺ: ما كانت زندقة، إلا كان بين يديه التكذيب بالقدر. رواه الطبراني.[6]

وعن عمر ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: إذا كان يوم القيامة نادى مناد: ألا ليقم خصماء الله، وهم القدرية. رواه الطبراني في الأوسط.[7]

---

١) أخرجه الطبراني في "مسند الشاميين" مسند عمرو بن المهاجر من أبي مسلم (٣٢٧/٢) ١٤٣١، وابن عساكر في "تاريخ دمشق" حرف العين، عمرو بن يزيد النصري (٣٩٤/٤٥)، وتمام في "فوائد تمام" (٣٠٧/١) رقم الحديث: ٧٦٥.

٢) أخرجه ابن عساكر كما في "كنز العمال" حرف الهمزة، الكتاب الأول في الإيمان والإسلام، الباب الأول في تعريفهما، الفصل السادس في الإيمان بالقدر (١٣٨/١) رقم الحديث: ٦٥٦.

٣) أخرجه ابن عدي في "الكامل في ضعفاء الرجال" سوار بن مصعب الهمداني (٥٣٣/٤).

٤) أخرجه ابن عساكر في "تاريخ دمشق" علي بن أبي طالب (٥١٣/٤٢)

٥) سهل بن سعد: هو أبو العباس سهل بن سعد بن مالك بن خالد الأنصاري الخزرجي الساعدي، له ولأبيه صحبة، مشهور مات سنة ثمان وثمانين، وقيل: بعدها، وقد جاز المائة. [تقريب التهذيب: ٢٥٧، رقم الترجمة: ٢٦٥٨. تهذيب التهذيب: ٢٥٢/٤-٢٥٣، رقم الترجمة: ٤٤١.]

٦) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب السين، بحر بن كنيز السقاء عن أبي حازم (١٨٦/٦) رقم الحديث: ٥٩٤٤.

٧) أخرجه الطبراني "المعجم الأوسط" باب الميم، من اسمه: محمد (٣١٧/٦) رقم الحديث: ٦٥١٠.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعنه ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: أحسنوا فإن غلبتم فكتاب الله تعالى وقدره ولا تدخلوا اللو فإن من أدخل اللو دخل عليه عمل الشيطان.[1]

وعن أبي الطفيل[2]: إذا استقرت النطفة في الرحم اثنين وسبعين صباحا أتى ملك الأرحام فخلق لحمها وعظمها وسمعها وبصرها ثم قال يا رب أشقي أم سعيد فيقضي ربك ما شاء ويكتب الملك ثم يكتب رزقه وأجله وعمله ثم يخرج الملك. رواه الماوردي.[3]

وروي الطبراني عن حذيفة بن أسيد[4] نحوه، وقال: إذا مضت على النطفة خمس وأربعون ليلة، قال الملك.[5] الحديث.[6]

وعن عائشة، قالت: كان لأبي بكر دعاء يدعو به إذا أصبح وأمسى يقول: اللهم اجعل خير عمري آخره وخير عملي خواتمه وخير أيامي يوم ألقاك فقيل يا أبا بكر أتدعو بهذا الدعاء وأنت صاحب رسول الله ﷺ وثاني اثنين في الغار قال إن العبد ليعمل حقبا من دهره بعمل أهل الجنة فيختم له بعمل أهل النار وإن العبد ليعمل بعمل أهل النار حقبا فيختم له بعمل أهل الجنة. رواه حسين.[7]

---

١) أخرجه الخطيب في "تاريخ بغداد" باب العين، ذكر من اسمه عمار، عمار بن نصر (١٨١/١٤).

٢) أبو طفيل: هو عامر بن واثلة بن عبد الله بن عمرو بن جحش الليثي أبو الطفيل، وربما سمي عمرا، ولد عام أحد، ورأى النبي ﷺ، مات سنة عشر ومائة على الصحيح، وهو آخر من مات من الصحابة قاله مسلم وغيره. [تقريب التهذيب: ٢٨٨، رقم الترجمة: ٣١١١. تهذيب التهذيب: ٥/٨٢-٨٤، رقم الترجمة: ١٣٥.]

٣) كما في "كنز العمال" حرف الهمزة، الكتاب الأول في الإيمان والإسلام، الباب الأول في تعريفهما، الفصل السادس في الإيمان بالقدر (١٢٠/١) رقم الحديث: ٥٧٢.

٤) حذيفة بن أسيد: هو أبو سريحة -بمهملتين مفتوح الأول- حذيفة بن أسيد -بفتح الهمزة- الغفاري صحابي من أصحاب الشجرة مات سنة اثنتين وأربعين. [تقريب التهذيب: ١٥٤، رقم الترجمة: ١١٥٤. تهذيب التهذيب: ٢١٩/٢، رقم الترجمة: ٤٠٣.]

٥) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب الحاء، أبو الطفيل عامر بن واثلة عن حذيفة بن أسيد (١٧٥/٣) رقم الحديث: ٣٠٣٨.

٦) أذكر أم أنثى فيقضي الله ويكتب الملك فيقول للملك أشقي أم سعيد فيقضي الله ويكتب الملك فيقول رزقه وأجله وعمله فيقضي الله ويكتب الملك ثم يطوي الصحيفة فلا يزاد فيها ولا ينقص.

٧) كما في "كنز العمال" حرف الهمزة، كتاب الإيمان والإسلام من قسم الأفعال، الباب الأول في حقيقتهما ومجازهما، الفصل السابع في الإيمان بالقدر (٣٣٥/١) رقم الحديث: ١٥٤١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أنس قال: قال رسول الله ﷺ: إن الله عز وجل كتب كتابا قبل أن يخلق السماوات والأرض وهو عنده فوق العرش والخلق متهون [1] إلى ما في ذلك الكتاب. رواه ابن مردوية [2] والديلمي. [3]

وعن ابي درداء قال: قال رسول الله ﷺ: لو أن عبدا هرب من رزقه لطلبه [4] رزقه كما يطلبه الموت. رواه ابن عساكر. [5]

وعن ابن عمر قال: قال رسول الله ﷺ: أما إنك لو لم تأتها لأتتك يعني ثمرة. رواه الطبراني والبيهقي. [6]

وعن معاذ ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: لا تعجل إلى شيء تظن أنك إن استعجلت إليه أنك مدركه، [7] وإن كان الله لم يقدره ذلك، ولا تستأخرن عن شيء تظن أنك إن استأخرت عنه أنه مدفوع عنك، وإن كان الله قد قدره عليك. رواه الطبراني. [8]

وعن سهل بن سعد قال: قال رسول الله ﷺ: لا يؤمن عبد [9] حتى يؤمن بالقدر. رواه الطبراني. [10]

---

١) متهون [فتح الرحمن. ١/٥٥]

٢) ابن مردوية: هو أبو بكر احمد بن موسى بن مردوية الأصبهاني، الحافظ الثبت العلامة صاحب التفسير والتاريخ، ولد سنة ثلاث وعشرين وثلاث مائة، ومات في رمضان سنة عشر وأربع مائة. [تذكرة الحفاظ: ٣/١٠٥٠-١٠٥١ سير أعلام النبلاء: ١٧/٣٠٨-٣١١.]

٣) كما في "كنز العمال" حرف الهمزة، الكتاب الأول في الإيمان والإسلام، الباب الأول في تعريفهما، الفصل السادس في الإيمان بالقدر (١/١٢٣) رقم الحديث: ٥٨٣.

٤) يطلبه [فتح الرحمن: ١/٥٥]

٥) أخرجه ابن عساكر في "تاريخ دمشق" حرف السين، سليمان بن محمد بن الفضل (٢٢/٣٦٤)

٦) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" مسند عبد الله بن عمر بن الخطاب رضي الله عنهما (١٣/٩٥) رقم الحديث: ١٢٧٣٨. والبيهقي في "شعب الإيمان" التوكل بالله عز وجل والتسليم لأمره تعالى (٢/٤١١) رقم الحديث: ١١٤٦.

٧) تدركه [فتح الرحمن: ١/٥٥]

٨) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب الميم، مجاهد عن معاوية (١٩/٣٤٧) رقم الحديث: ٨٠٧. وفي "المعجم الأوسط" باب الجيم، من اسمه: جعفر (٣/٣٥٥) رقم الحديث: ٣٣٩١.

٩) المرء [فتح الرحمن: ١/٥٥]

١٠) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب السين، عبد العزيز بن أبي حازم عن أبيه (٦/١٧٢) رقم الحديث: ٥٩٠٠.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن ابن عمر قال: قال رسول الله ﷺ: لا تكلموا في القدر فإنه سر الله فلا تفشوا الله سره. رواه أبو نعيم في الحلية.[1]

وعن عائشة قالت: قال رسول الله ﷺ: لا يغني حذر من قدر والدعاء ينفع مما نزل ومما لم ينزل، فإن البلاء ينزل فيلقاه الدعاء، فيعتلجان إلى يوم القيامة. رواه ابن عدي وابن عساكر والخطيب.[2]

وعن ابن عباس قال: قال لي رسول الله ﷺ: يا غلام احفظ الله يحفظك احفظ الله تجده تجاهك وإذا سألت فاسأل الله، وإذا استعنت فاستعن بالله، واعلم أن الأمة لو اجتمعوا على أن ينفعوك بشيء لم يكتبه الله لك لم يقدروا على ذلك، ولو اجتمعوا على أن يضروك بشيء لم يكتبه الله عليك لم يقدروا على ذلك قضي[3] القضاء[4] وجفت الأقلام وطويت الصحف. رواه البيهقي.[5]

وفي رواية: رفعت الأقلام وجفت الصحف. وصاحب المشكاة ذكر هذا الحديث في كتاب الرقاق في باب التوكل والصبر،[6] عن أحمد والترمذي.[7]

وعن محمد بن زكريا الغلابي[8] حدثنا العباس بن بكار [حدثنا أبو بكر] الهذلي عن عكرمة قال لما قدم علي من صفين، قام إليه شيخ من أصحابه فقال يا أمير المؤمنين أخبرني

---

١) أخرجه أبو نعيم في "حلية الأولياء وطبقات الأصفياء" ذكر طوائف من جماهير النساك والعباد، عمران القصير (٦/١٨١).

٢) أخرجه ابن عدي في "الكامل في ضعفاء الرجال" زكريا بن يحيى بن منظور (٤/١٧٠). والخطيب في "تاريخ بغداد" باب الزاء، زكريا بن منظور (٩/٤٦٤).

٣) أي تم وكمل القضاء. [الأعظمي]

٤) قوله القضاء: الفرق بين القضاء والقدر: فالقضاء هو الحكم الاجمالي في الأزل، والقدر جزئيات ذلك الحكم وتفاصيله. [الأعظمي]

٥) أخرجه البيهقي كما في "كنز العمال" حرف الهمزة، الكتاب الأول في الإيمان والإسلام، الباب الأول في تعريفهما، الفصل السادس في الإيمان بالقدر (١/١٣٣) رقم الحديث: ٦٣٠.

٦) مشكاة المصابيح، كتاب الرقاق، باب التوكل والصبر، الفصل الثاني (٣/١٤٩٥) رقم الحديث: ٥٣٠٢.

٧) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب صفة القيامة والرقاق والورع، باب (٤/٦٦٧) رقم الحديث: ٢٥١٦. وأحمد في "مسنده" مسند بني هاشم، مسند عبد الله بن العباس (٤/٤٠٩) رقم الحديث: ٢٦٦٩، (٤/٤٨٧) رقم الحديث: ٢٧٦٣، (٥/١٨) رقم الحديث: ٢٨٠٣.

٨) محمد بن زكريا الغلابي: هو أبو جعفر محمد بن زكريا الغلابي البصري الاخباري، هو ضعيف، وقد ذكره ابن حبان في كتاب الثقات وقال: يعتبر بحديثه إذا روى عن ثقة، وقال ابن منده: تكلم فيه، وقال الدارقطني: يضع الحديث. [ميزان الاعتدال: ٣/٥٥٠، رقم الترجمة: ٧٥٣٧.]

toobaa-elibrary.blogspot.com

عن مسيرنا إلى أهل الشام أهو بقضاء وقدر؟ فقال علي: والذي فلق الحبة وبرأ النسمة ما قطعنا واديا ولا علونا تلعة [1] إلا بقضاء وقدر. فقال الشيخ: عند الله احتسب عنائي فقال علي: ولم بل عظم الله تعالى أجركم في مسيركم وأنتم مصعدون وفي منحدركم وأنتم منحدرون [2] وما كنتم في شيء من أموركم مكرهين ولا إليها مضطرين. فقال الشيخ كيف يا أمير المؤمنين والقضاء والقدر ساقنا إليها؟ فقال: ويحك لعلك ظننته قضاء لازما وقدرا حاتما لو كان ذلك لسقط الوعد والوعيد ولبطل الثواب والعقاب ولا أتت لائمة من الله لمذنب ولا محمدة من الله لمحسن ولا كان المحسن أولى بثواب الإحسان من المذنب ذلك مقال إخوان عبدة الأوثان وجنود الشيطان وخصماء الرحمن. وهم قدرية هذه الأمة ومجوسها؛ ولكن الله تعالى أمر بالخير تخييرا ونهى عن الشر تحذيرا ولم يعص مغلوبا ولم يطع مكرها ولم يملك تفويضا ولا خلق السماوات والأرض وما أرى فيهما من عجائب اياتهما باطلا " ذلك ظن الذين كفروا فويل للذين كفروا من النار. رواه ابن عساكر وتكلم في الغلابي وشيخه وقال كذابان. [3]

وعن أبي مجلز [4] قال: جاء رجل إلى علي وهو يصلي في المسجد فقال: احترس فإن ناسا من مراد يريدون قتلك فقال إن مع الرجل ملكين يحفظانه مما لم يقدر، فإذا جاء القدر خليا بينه وبينه وإن الأجل جنة حصينة. رواه ابن سعد وابن عساكر. وجاء في رواية: ثم خرج إلى المسجد فقتل. [5]

وعن أبي نصير قال: كنا جلوسا حول الأشعث بن قيس [6] إذ جاءه رجل بيده عنزة فلم نعرفه وعرفه فقال: يا أمير المؤمنين! قال: نعم. قال: تخرج هذه الساعة وأنت رجل

---

1) شرفا [فتح الرحمن: ١/٥٠٦]
2) تنحدرون [فتح الرحمن: ١/٥٠٦]
3) اخرجه ابن عساكر في "تاريخ دمشق" حرف العين، علي بن أبي طالب (٥١٢/٤٢)
4) أبو مجلز: هو لاحق بن حميد بن سعيد السدوسي أبو مجلز - بكسر الميم وسكون الجيم وفتح اللام بعدها زاي - البصري، ثقة، وله أحاديث، من كبار الثالثة، مات سنة ست، وقيل: تسع ومائة، وقيل: قبل ذلك [تقريب التهذيب: ٥٨٦، رقم الترجمة: ٧٤٩٠. تهذيب التهذيب: ١٧١/١١-١٧٢، رقم الترجمة: ٢٩٣.]
5) اخرجه ابن عساكر في "تاريخ دمشق" حرف العين، علي بن أبي طالب (٥٥٤/٤٢). وابن سعد في "الطبقات" علي بن أبي طالب (٢٤/٣)
6) أشعث بن قيس: هو أبو محمد الأشعث بن قيس بن معدي كرب الكندي الصحابي، نزل الكوفة، مات سنة أربعين أو إحدى وأربعين، وهو ابن ثلاث وستين. [تقريب التهذيب: ١١٣، رقم الترجمة ٥٣٢. تهذيب التهذيب: ٣٥٩/١، رقم الترجمة ٦٥٣.]

toobaa-elibrary.blogspot.com

محارب، قال: إن علي من الله عز وجل جنة حصينة. فإذا جاء القدر لم يغن شيئا إنه ليس من الناس أحد إلا وقد وكل به ملك فلا تريده دابة ولا شيء إلا قال اتقه اتقه فإذا جاء القدر خلى عنه. رواه أبو داود في القدر وابن عساكر.(١)

وفي رواية له: كان علي يخرج بالليل إلى المسجد يصلي (٢) تطوعا فجئنا نحرسه فلما فرغ أتانا فقال ما يجلسكم؟ (٣) قلنا نحرسك فقال أمن أهل (٤) السماء تحرسون أم من أهل الأرض؟ قلنا :بل من أهل الأرض قال إنه لا يكون في الأرض شيء حتى يقضى في السماء.(٥)

---

(١) كما في "كنز العمال" حرف الهمزة، كتاب الإيمان والإسلام من قسم الأفعال، الباب الأول في حقيقتهما ومجازهما، الفصل السابع في الإيمان بالقدر (٣٤٧/١) رقم الحديث: ١٥٦٢.
(٢) فصلى [فتح الرحمن: ٥٧/١]
(٣) يجلسك [فتح الرحمن ٥٧/١]
(٤) أمن السماء [فتح الرحمن: ٥٧/١]
(٥) كما في "كنز العمال" حرف الهمزة، كتاب الإيمان والإسلام من قسم الأفعال، الباب الأول في حقيقتهما ومجازهما، الفصل السابع في الإيمان بالقدر (٣٤٧/١) رقم الحديث: ١٥٦٤.

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب إثبات عذاب القبر

عن عائشة ﵂: أن يهودية دخلت عليها، فذكرت عذاب القبر. الحديث. رواه البخاري ومسلم.(١)

وفي رواية لمسلم: قالت: دخل علي رسول الله ﷺ وعندي امرأة من اليهود، وهي تقول: هل شعرت أنكم تفتنون في القبور؟ قالت: فارتاع رسول الله ﷺ (٢) وقال: إنما تفتن يهود. قالت عائشة: فلبثنا ليالي، ثم قال رسول الله ﷺ: هل شعرت أنه أوحي إلي أنكم تفتنون في القبور؟ قالت عائشة: فسمعت رسول الله ﷺ، بعد يستعيذ من عذاب القبر.(٣)

وفي رواية لهما: دخلت علي عجوزان من عجز يهود المدينة، فقالتا [لي]: إن أهل القبور يعذبون في قبورهم، فكذبتهما، ولم أنعم أن أصدقهما، فخرجتا، ودخل علي رسول الله ﷺ، فقلت له: يا رسول الله، إن عجوزين من عجز يهود المدينة دخلتا علي فزعمتا أن أهل القبور يعذبون في قبورهم، فقال: صدقتا، إنهم يعذبون عذابا تسمعه البهائم [كلها]. فما رأيته بعد في صلاة إلا تعوذ من عذاب القبر.(٤)

وفي رواية النسائي: انها سألت رسول الله ﷺ عن عذاب القبر، فقال: نعم، عذاب القبر حق، قالت عائشة: فما رأيت رسول الله ﷺ يصلي صلاة بعد إلا تعوذ من عذاب القبر.(٥)

وفي أخرى: دخلت علي امرأة من اليهود، فقالت: إن عذاب القبر من البول، فقلت: كذبت، فقالت: بلى، إنا لنقرض منه الجلد والثوب، فخرج رسول الله ﷺ إلى الصلاة وقد

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الجنائز، باب ما جاء في عذاب القبر (٢/٩٨) رقم الحديث: ١٣٧٢، كتاب الجمعة، باب التعوذ من عذاب القبر (٢/٣٦) رقم الحديث: ١٠٤٩، باب صلاة الكسوف في المسجد (٢/٣٨) رقم الحديث: ١٠٥٥.

٢) فذكرت ذلك لرسول الله ﷺ [فتح الرحمن: ١/٨د]

٣) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب استحباب التعوذ من عذاب القبر (١/٤١٠) رقم الحديث: ٥٨٤(١٢٣)

٤) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الدعوات، باب التعوذ من عذاب القبر (٨/٧٨-٧٩) رقم الحديث: ٦٣٦٦. ومسلم في "صحيحه" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب استحباب التعوذ من عذاب القبر (١/٤١١) رقم الحديث: ٥٨٦(١٢٥)

٥) أخرجه النسائي في "صحيحه" كتاب السهو، باب التعوذ في الصلاة (نوع آخر) (٣/٥٦) رقم الحديث: ١٣٠٨.

toobaa-elibrary.blogspot.com

ارتفعت أصواتنا، فقال: ما هذا؟ فأخبرته بما قالت، فقال: صدقت، فما صلى بعد يومئذ [صلاة] إلا قال في دبر الصلاة: رب جبريل وميكائيل وإسرافيل أعذني من حر النار، وعذاب القبر.[1]

وفي أخرى: دخلت يهودية عليها فاستوهبتها شيئا، فوهبت لها عائشة، فقالت: أجارك الله من عذاب القبر، قالت عائشة: فوقع في نفسي من ذلك، حتى جاء رسول الله ﷺ فذكرت ذلك له فقال: إنهم ليعذبون في قبورهم عذابا تسمعه البهائم.[2] وأخرج أيضا الرواية الثانية والثالثة.[3]

وعن ابن عباس رضي الله عنهما قال: مر النبي ﷺ على قبرين، فقال: أما إنهما ليعذبان، وما يعذبان في كبير، ثم قال: بلى، أما أحدهما: فكان يمشي بالنميمة، وأما الآخر: فكان لا يستتر من بوله، قال :فدعا بعسيب رطب، فشقه باثنين، ثم غرس على هذا واحدا، وعلى هذا واحدا، ثم قال: لعله أن يخفف عنهما مالم ييبسا. وفي رواية: لا يستنزه عن البول. وفي رواية أخرى: ولا يستبرئ من البول أو من بوله. وفي أخرى: ولا يستتري.

وفي رواية أخرى: مر بحائط من حيطان المدينة، فسمع صوت إنسانين يعذبان في قبورهما، فقال: ... وذكر الحديث. أخرجه الجماعة إلا الموطأ، وانتهت رواية الترمذي عند قوله: من بوله.[4]

---

١) أخرجه النسائي في "صحيحه" كتاب السهو، نوع آخر من الذكر والدعاء بعد التسليم (٧٢/٣) رقم الحديث: ١٣٤٥.

٢) أخرجه النسائي في "صحيحه" كتاب الجنائز، باب التعوذ من عذاب القبر (١٠٥/٤) رقم الحديث: ٢٠٦٦.

٣) أخرجه النسائي في "صحيحه" كتاب الجنائز، باب التعوذ من عذاب القبر (١٠٤/٤) رقم الحديث: ٢٠٦٤، (١٠٥/٤) رقم الحديث: ٢٠٦٧.

٤) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الوضوء، باب من الكبائر أن لا يستتر من بوله، (٥٣/١) رقم الحديث: ٢١٦، باب ما جاء في غسل البول، (٥٣/١) رقم الحديث: ٢١٨، كتاب الجنائز، باب الجريدة على القبر، (٩٥/٢) رقم الحديث: ١٣٦١، باب عذاب القبر من الغيبة والبول (٩٩/٢) رقم الحديث: ١٣٧٨، كتاب الأدب، باب الغيبة، (١٧/٨) رقم الحديث: ٦٠٥٢، وباب النميمة من الكبائر، (١٧/٨) رقم الحديث: ٦٠٥٥. ومسلم في "صحيحه" كتاب الطهارة، باب الدليل على نجاسة البول ووجوب الاستبراء منه (٢٤٠/١) رقم الحديث: ٢٩٢(١١١). وأبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب الاستبراء من البول (٦/١) رقم الحديث: ٢٠. والترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب التشديد في البول (١١٢/١) رقم الحديث: ٧٠. والنسائي في "سننه" كتاب الطهارة، باب التنزه عن البول (٢٨/١) رقم الحديث: ٣١. كتاب الجنائز، باب وضع الجريدة على القبر (١٠٦/٤) رقم الحديث: ٢٠٦٨، ٢٠٦٩. وابن ماجه في "سننه" كتاب الطهارة وسننها، باب التشديد في البول (١٠٢/١) رقم الحديث: ٣٤٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وصاحب المشكاة ذكر هذا الحديث في كتاب الطهارة، في باب [آداب] الخلاء.[1]

وعن أبي أيوب، قال: خرج رسول الله ﷺ، بعد ما غربت الشمس فسمع صوتا، فقال: يهود تعذب في قبورها. أخرجه البخاري ومسلم والنسائي.[2]

وعن براء بن عازب عن أبي أيوب قال: قال رسول الله ﷺ: يا أبا أيوب أتسمع ما أسمع؟ قلت: الله ورسوله أعلم. قال: أسمع أصوات اليهود يعذبون في قبورهم. رواه الطبراني وأحمد والبخاري ومسلم والنسائي.[3]

وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: ما من أحد يموت إلا ندم، إن كان محسنا ندم أن لا يكون ازداد، وإن كان مسيئا ندم أن لا يكون نزع. أخرجه الترمذي.[4]

وعنه: أن رسول الله ﷺ قال: نفس المؤمن معلقة بدينه حتى يقضى عنه. أخرجه الترمذي.[5]

وعن أسماء بنت أبي بكر[6] رضي الله عنهما قالت: قال رسول الله ﷺ: إذا دخل الإنسان قبره حف به عمله الصالح: الصلاة والصيام، فيأتيه الملك من نحو الصلاة فترده، ومن

---

1) مشكاة المصابيح، كتاب الطهارة، باب آداب الخلاء، الفصل الأول (١/١١٠) رقم الحديث: ٣٢٧.

2) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الجنائز، باب التعوذ من عذاب القبر (٢/٩٩) رقم الحديث: ١٣٧٥، ومسلم في "صحيحه" كتاب صفة القيامة والجنة والنار، باب عرض مقعد الميت من الجنة أو النار عليه وإثبات عذاب القبر والتعوذ منه، (٤/٢٢٠٠) رقم الحديث: ٢٨٦٩(٦٩). والنسائي في "سننه" كتاب الجنائز، باب عذاب القبر (٤/١٠٢) رقم الحديث: ٢٠٥٩.

3) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب الخاء، البراء بن عازب عن أبي أيوب (٤/١٢٠) رقم الحديث: ٣٨٥٧ والبخاري في "صحيحه" كتاب الجنائز، باب التعوذ من عذاب القبر (٢/٩٩) رقم الحديث: ١٣٧٥. ومسلم في "صحيحه" كتاب الجنة وصفة نعيمها وأهلها، باب عرض مقعد الميت من الجنة أو النار عليه (٨/١٦١) رقم الحديث: ٢٨٦٩(٦٩). والنسائي في "سننه" كتاب الجنائز، باب عذاب القبر (٤/١٠٢) رقم الحديث: ٢٠٥٩. وأحمد في "مسنده" مسند الأنصار، حديث أبي أيوب الأنصاري (٣٨/٥٢٠) رقم الحديث: ٢٣٥٣٩، (٣٨/٥٣٦) رقم الحديث: ٢٣٥٥٥.

4) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الزهد، باب (٤/٦٠٣) رقم الحديث: ٢٤٠٣.

5) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الجنائز، باب ما جاء عن النبي ﷺ أنه قال نفس المؤمن معلقة بدينه (٣/٣٨١) رقم الحديث: ١٠٧٩.

6) أسماء بنت أبي بكر: هي ذات النطاقين، أسماء بنت أبي بكر الصديق، زوج الزبير ابن العوام، من كبار الصحابة، عاشت مائة سنة، وماتت سنة ثلاث أو أربع وسبعين. [تقريب التهذيب: ٧٤٣، رقم الترجمة ٨٥٢٥. تهذيب التهذيب: ١٢/٣٩٧، رقم الترجمة: ٢٧٢١].

toobaa-elibrary.blogspot.com

نحو الصيام فيرده، فيناديه: اجلس، فيجلس، فيقول له: ما تقول في هذا الرجل؟ قال: من؟ قال: محمد، فيقول: أشهد أنه رسول الله، فيقول: وما يدريك؟ أدركته؟ قال: أشهد أنه رسول الله، يقول: على ذلك عشت وعليه مت وعليه تبعث. وإن كان فاجرا أو كافرا جاءه الملك ليس بينه وبينه شيء يرده فأجلسه ويقول: ما تقول في هذا الرجل؟ قال: وأي رجل؟ قال: محمد؟ فيقول: والله ما أدري، سمعت الناس يقولون شيئا فقلته، فيقول الملك: على ذلك عشت وعليه مت وعليه تبعث، وتقيض له دابة في قبره سوداء مظلمة، معها سوط ثمرته جمرة مثل غرب البعير، تضربه ما شاء الله، صماء لا تسمع صوته فترحمه. رواه أحمد والطبراني. (١)

وعن ابن عمر، قال: قال رسول الله ﷺ: ضم سعد في القبر فدعوت الله أن يكشف عنه. (٢) رواه ابن عساكر. (٣)

وعن عائشة قالت: قال رسول الله ﷺ: إن للقبر ضغطة ولو كان أحد ناجيا منها نجا سعد بن معاذ (٤). رواه أحمد. (٥)

وعن أنس قال: قال رسول الله ﷺ: لو نجا أحد من ضمة القبر لنجا هذا الصبي. (٦)

وعن معاذ قال: قال رسول الله ﷺ: الضمة في القبر كفارة لكل مؤمن لكل ذنب بقي عليه ولم يغفر له. رواه الرافعي في تاريخه. (١)

---

(١) أخرجه أحمد في "مسنده" مسند النساء، حديث أسماء بنت أبي بكر رضي الله عنها (٤٤/٥٣٥-٥٣٦) رقم الحديث: ٢٦٩٧٦. والطبراني في "المعجم الكبير" باب الألف، محمد بن المنكدر عن أسماء (٢٤/١٠٥) رقم الحديث: ٢٨١.

(٢) أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الفضائل، ما ذكر في سعد بن معاذ رضي الله عنه (٣/٣٩٢) رقم الحديث: ٣٢٣١٦.

(٣) لم أجد فيه، وقال المتقي في "كنز العمال": "ش" والمراد منها مصنف ابن أبي شيبة. [كنز العمال: ١٣/٤١٣، رقم الحديث: ٣٧٠٩٤]

(٤) سعد بن معاذ: هو أبو عمرو سعد بن معاذ بن النعمان الأنصاري الأشهلي، سيد الأوس. أسلم بالمدينة بين العقبة الأولى والثانية، فأسلم بإسلامه بنو عبد الأشهل ودارهم أول دار أسلمت من الأنصار، شهد بدرا واستشهد من سهم أصابه بالخندق وذلك في ذي القعدة سنة خمس وهو ابن سبع وثلاثين سنة. [تقريب التهذيب: ٢٣٢، رقم الترجمة: ٢٢٥٥. تهذيب التهذيب: ٣/٤٨١-٤٨٢، رقم الترجمة: ٨٩٦.]

(٥) أخرجه أحمد في "مسنده" مسند الصديقة عائشة رضي الله عنها (٤٠/٣٢٧) رقم الحديث: ٢٤٢٨٠٣، (٤١/٢٠٣) رقم الحديث: ٢٤٦٦٢.

(٦) أخرجه أحمد ضياء المقدسي في "الأحاديث المختارة" مرسل قلت وقد رواه غير واحد متصلا كما أخرجناه منهم الكامل بن إسماعيل والعلاء بن عبد الجبار والله أعلم رجاله ثقات والصواب إرساله (٥/٢٠١) رقم الحديث: ١٨٢٦.

(١) أخرجه المتقي في "كنز العمال" كتاب الموت وأحوال تقع بعده من قسم الأقوال، الباب الثالث في أمور بعد الدفن، الفصل الثاني في عذاب القبر (١٥/٦٣٩) رقم الحديث: ٤٢٥٢٠.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أبي الدرداء قال: قال رسول الله ﷺ: لو أنتم تعلمون ما أنتم لاقون بعد الموت. ما أكلتم طعاما على شهوة أبدا، ولا شربتم شرابا على شهوة أبدا، ولا دخلتم بيتا تستظلون به، ولمررتم إلى الصعدات تلدمون صدوركم وتبكون على أنفسكم. رواه ابن عساكر. [١]

وعن أنس رضي الله عنه قال: توفيت زينب بنت رسول الله ﷺ [٢]، فخرجنا معه، فرأينا رسول الله ﷺ مهتما شديد الحزن، فجعلنا لا نكلمه حتى انتهينا إلى القبر، فإذا هو لم يفرغ من لحده، فقعد رسول الله ﷺ، وقعدنا حوله، فحدث نفسه هنيهة وجعل ينظر إلى السماء، ثم فرغ من القبر، فنزل رسول الله ﷺ فيه، فرأيته يزداد حزنا، ثم إنه فرغ فخرج، فرأيته سري عنه وتبسم ﷺ، فقلنا: يا رسول الله، رأيناك مهتما حزينا لم نستطع أن نكلمك، ثم رأيناك سري عنك فلم ذاك؟ قال: كنت أذكر ضيق القبر وغمه وضعف زينب، فكان ذلك يشق علي، فدعوت الله عز وجل أن يخفف عنها ففعل، ولقد ضغطها ضغطة سمعها من بين الخافقين إلا الجن والإنس. رواه الطبراني. [٣]

وعن البراء [٤]، عن أبي أيوب، قال: قال رسول الله ﷺ: يا أبا أيوب أتسمع ما أسمع؟ أسمع أصوات اليهود يعذبون في قبورهم. رواه الطبراني وأحمد والبخاري ومسلم والنسائي. [٥]

---

١) أخرجه المتقي في "كنز العمال" كتاب الموت وأحوال تقع بعده من قسم الأقوال، الباب الثالث في أمور بعد الدفن، الفصل الثاني في عذاب القبر (١٥/٠٤٠-٦٤٠) رقم الحديث: ٤٢٥٢٥

٢) زينب بنت رسول الله: هي زينب بنت محمد ﷺ، وهي أكبر بناته ﷺ، ولدت في سنة ثلاثين من مولد النبي ﷺ، وكان رسول الله ﷺ محبا فيها، أسلمت وهاجرت حين أبى زوجها أبو العاص بن الربيع أن يسلم، ولدت من أبي العاص غلاما يقال له: علي، وجارية اسمها أمامة، وتوفيت في حياة رسول الله ﷺ سنة ثمان من الهجرة. [الاستيعاب في معرفة الأصحاب: ١٨٥٤/٤-١٨٥٥، رقم الترجمة: ٣٣٦٠. معرفة الصحابة لابن منده: ٩٢٦-٩٢٩.]

٣) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب الألف، مما أسند أنس بن مالك (٢٥٧/١) رقم الحديث: ٧٤٥.

٤) البراء بن عازب: هو أبو عمارة -بضم العين المهملة وتخفيف الميم- البراء بن عازب بن الحارث بن عدي الأنصاري الأوسي، صحابي بن صحابي، نزل الكوفة، استصغر يوم بدر، وكان هو وابن عمر لدة، مات سنة اثنتين وسبعين. [تقريب التهذيب: ١٢٦، رقم الترجمة. ٦٤٨. تهذيب التهذيب: ٤٢٥/١-٤٢٧، رقم الترجمة: ٧٨٤.]

٥) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب الخاء، البراء بن عازب عن أبي أيوب (١٢٠/٤) رقم الحديث: ٣٨٥٧. وأحمد في "مسنده" مسند الأنصار، حديث أبي أيوب الأنصاري (٥٢٠/٣٨) رقم الحديث: ٢٣٥٣٩. (٥٣٦/٣٨) رقم الحديث: ٢٣٥٥٥. والبخاري في "صحيحه" كتاب الجنائز، باب التعوذ من عذاب القبر (٩٩/٢) رقم الحديث: ١٣٧٥. ومسلم في "صحيحه" كتاب صفة القيامة والجنة والنار، باب

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن إبراهيم يعني النخعي، أن رجلين، كانا يعذبان في قبورهما فشكى ذلك جيرانهما إلى رسول الله ﷺ فقال: خذوا كربتين واجعلوهما في قبورهما يرفه عنهما العذاب ما لم تيبسا. قال: فسئل فيما عذبا قال: في النميمة والبول.[1]

عرض مقعد الميت من الجنة أو النار عليه، وإثبات عذاب القبر والتعوذ منه، (٤/٢٢٠٠) رقم الحديث: ٢٨٦٩(٦٩). والنسائي في "سننه" كتاب الجنائز، باب عذاب القبر (٤/١٠٢) رقم الحديث: ٢٠٥٩.

(١) أخرجه البيهقي في "إثبات عذاب القبر" باب ما حضرني من أقاويل السلف ﵁ في إثبات عذاب القبر وما كانوا يخافونه من هول المطلع (١٣٦) رقم الحديث: ٢٣٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب الاعتصام[1] بالكتاب والسنة [2]

عن مالك بلغه، أن رسول الله ﷺ قال: تركت فيكم أمرين لن تضلوا ما تمسكتم بهما: كتاب الله، وسنة رسوله. أخرجه الموطأ. [3]

وعن زيد بن أرقم ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: إني تارك فيكم ما إن تمسكتم به لن تضلوا بعدي، أحدهما أعظم من الآخر، وهو كتاب الله، حبل ممدود من السماء إلى الأرض، وعترتي أهل بيتي، لن يفترقا. [4]

وعن أبي رافع قال: قال رسول الله ﷺ: لا أعرفن الرجل منكم يأتيه الأمر من أمري: إما أمرت به، أو نهيت عنه، وهو متكئ على أريكته، فيقول، ما ندري ما هذا؟ عندنا كتاب الله، وليس هذا فيه. وما لرسول الله أن يقول ما يخالف القرآن، وبالقرآن هداه الله. أخرجه الترمذي وأبو داود. [5]

وعن الزهري [6] قال: دخلت على أنس وهو يبكي، فقلت: ما يبكيك؟ قال: لا أعرف شيئا مما أدركت، إلا هذه الصلاة، وهذه الصلاة قد ضيعت.

وفي أخرى: قال أنس: لا أعرف شيئا مما كان على عهد رسول الله ﷺ. قيل: الصلاة؟ قال: أليس صنعتم ما صنعتم فيها؟ أخرجه البخاري، وأخرج الثانية الترمذي. [1]

---

١) قوله الإعتصام: هو الاستمساك، والمراد به العمل حسب حكم الكتاب ظاهرا وباطنا. [الأعظمي]

٢) المراد ههنا أقواله عليه الصلاة والسلام، وأفعاله وأحواله المعبر بالشريعة والطريقة والحقيقة. [الأعظمي]

٣) أخرجه مالك في "الموطأ" كتاب الجامع، باب النهي عن القول بالقدر (٢/٤٧٨) رقم الحديث: ٢٦٠٧.

٤) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب المناقب، باب مناقب أهل بيت النبي ﷺ (٥/٦٦٣) رقم الحديث: ٣٧٨٨.

٥) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب السنة، باب لزوم السنة (٤/٢٠٠) رقم الحديث: ٤٦٠٥. والترمذي في "جامعه" أبواب العلم، باب ما نهي عنه أن يقال عند حديث النبي ﷺ (٥/٣٧) رقم الحديث: ٢٦٦٣. [ولفظه هو جامع الاصول، حرف الهمزة، الكتاب الثاني في الاعتصام بالكتاب والسنة، الباب الاول في الاستمساك بهما (١/٢٨٣) رقم الحديث: ٦٩]

٦) ابن شهاب: هو أبو بكر محمد بن مسلم بن عبيد الله بن عبد الله بن شهاب بن عبد الله بن الحارث بن زهرة بن كلاب القرشي الزهري، الفقيه الحافظ متفق على جلالته وإتقانه وثبته، وهو من رؤوس الطبقة الرابعة، مات في شهر رمضان سنة أربع أو خمس وعشرين ومائة [تقريب التهذيب: ٥٠٦، رقم الترجمة: ٦٢٩٦.]

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب مواقيت الصلاة، باب تضييع الصلاة عن وقتها (١/١١٢) رقم الحديث: ٥٢٩، ٥٣٠. والترمذي في "جامعه" أبواب صفة القيامة والرقائق والورع، باب (٤/٦٣٢) رقم الحديث: ٢٤٤٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أنس [بن مالك] ﷺ قال: جاء ثلاثة رهط إلى بيوت أزواج النبي ﷺ، يسألون عن عبادة النبي ﷺ الحديث. ذكره صاحب المشكاة من رواية البخاري ومسلم.

ورواه النسائي أيضا، وهذا لفظه: أن نفرا من أصحاب رسول الله ﷺ [أتوا بيوت النبي ﷺ [1]]، فقال بعضهم: لا أتزوج [النساء]، وقال بعضهم: لا آكل اللحم، وقال بعضهم: لا أنام على فراش، وقال بعضهم: أصوم ولا أفطر، فبلغ ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم، فحمد الله وأثنى عليه، ثم قال: ما بال أقوام يقولون كذا وكذا؟ لكني أصلي وأنام، وأصوم وأفطر، وأتزوج النساء، فمن رغب عن سنتي فليس مني. [2]

وعن عائشة ﷺ قالت: بعث رسول الله ﷺ إلى عثمان بن مظعون [3]: أرغبة عن سنتي؟ فقال: لا، والله يا رسول الله ولكن سنتك أطلب، قال: فإني أنام، وأصلي، وأصوم، وأفطر، وأنكح النساء، فاتق الله يا عثمان، فإن لأهلك عليك حقا، [وإن لجسدك عليك حقا [4]] وإن لنفسك عليك حقا، فصم وأفطر، وصل ونم. أخرجه أبو داود. [5]

قال صاحب جامع الأصول: ووجدت في كتاب رزين زيادة لم أجدها في الأصول، وهي: قالت عائشة: وكان [رجل [1]] حلف أن يقوم الليل كله، ويصوم النهار، ولا ينكح النساء، فسأل عن يمينه، فنزل "لا يُؤَاخِذُكُمُ اللهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ". [2]

---

1) فتح الرحمن: ١/٦٢.
2) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب النكاح، باب الترغيب في النكاح (٧/٢) رقم الحديث. ٥٠٦٣. ومسلم في "صحيحه" كتاب النكاح، باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه إليه، (٢/١٠٢٠) رقم الحديث: ١٤٠١(٥). والنسائي في "سننه" كتاب النكاح، باب النهي عن التبتل (٦/٦٠) رقم الحديث: ٣٢١٧.
3) عثمان بن مظعون: هو أبو السائب عثمان بن مظعون بن حبيب بن وهب بن حذافة بن جمح بن عمرو ابن هصيص القرشي، وقال ابن إسحاق: أسلم عثمان بن مظعون بعد ثلاثة عشر رجلا، وهاجر الهجرتين، وشهد بدرا، توفي سنة اثنين من الهجرة، وقيل بعد اثنين وعشرين شهرا من مقدم رسول الله ﷺ المدينة. [الاستيعاب في معرفة الأصحاب: ٣/١٠٥٣، رقم الترجمة: ١٧٧٩.]
4) فتح الرحمن: ١/٦٢.
5) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، أبواب قيام الليل، باب ما يؤمر به من القصد في الصلاة (٢/٤٨) رقم الحديث: ١٣٦٩.
1) فتح الرحمن: ١/٦٢.
2) البقرة: ٢٢٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وفي رواية: أنه هو الذي سأل رسول الله ﷺ عما نواه، قبل أن يعزم [أن يعرفه [1]]، وهو أصح.[2]

وعن عائشة قالت: كان رسول الله ﷺ إذا أمرهم، أمرهم من العمل بما يطيقون، قالوا: لسنا كهيئتك، إن الله عز وجل قد غفر لك ما تقدم من ذنبك وما تأخر، فيغضب، حتى يعرف الغضب في وجهه، ثم يقول: إن أتقاكم وأعلمكم بالله أنا.[3]

وعن عبد الله بن عمرو بن العاص قال: قال لي رسول الله ﷺ: يا عبد الله، ألم أخبر أنك تصوم النهار، وتقوم الليل؟، فقلت: بلى يا رسول الله. الحديث. ذكر صاحب المشكاة في باب صيام التطوع من رواية البخاري ومسلم.[4]

وذكر صاحب جامع الأصول بروايات متعددة في ذلك نريد أن نذكرها تبركا واستلذاذا بكلام رسول الله ﷺ وحديثه ولا يبالي بالتطويل والتوفيق من الله وعليه التعويل.

قال عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله عنهما: أخبر رسول الله ﷺ: أني أقول: والله لأصومن النهار، ولأقومن الليل ما عشت، فقال رسول الله ﷺ: أنت الذي تقول ذلك؟ فقلت له: قد قلته، بأبي أنت وأمي يا رسول الله، قال: فإنك لا تستطيع ذلك، فصم، وأفطر، ونم، وقم، وصم من الشهر ثلاثة أيام، فإن الحسنة بعشر أمثالها، وذلك مثل صيام الدهر، قلت: إني أطيق أفضل من ذلك، قال: فصم يوما وأفطر يومين، قلت: فإني أطيق

---

١) فتح الرحمن: ٦٢/١.

٢) أخرجه ابن الاثير في "جامع الأصول" حرف الهمزة، الكتاب الثاني: في الاعتصام بالكتاب والسنة، الباب الثاني: في الاقتصاد والاقتصار في الأعمال ٢٩٥/١) رقم الحديث:٨٦.

٣) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الإيمان، باب قول النبي ﷺ: أنا أعلمكم بالله (١٢/١) ٢٠.

٤) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب التهجد، باب من نام عند السحر (٥٠/٢) رقم الحديث: ١١٣١، ١١٥٣، كتاب الصوم، باب حق الضيف في الصوم (٣٩/٣) رقم الحديث: ١٩٧٤، باب صوم الدهر، (٤٠/٣) رقم الحديث: ١٩٧٦، باب حق الأهل في الصوم، (٤٠/٣) رقم الحديث: ١٩٧٧، باب صوم يوم وإفطار يوم، (٤٠/٣) رقم الحديث: ١٩٧٨، باب صوم داود (٤٠/٣) رقم الحديث: ١٩٧٩، ١٩٨٠، وباب حق الجسم في الصوم وباب ما يكره من ترك قيام العمل لمن كان يقومه، كتاب أحاديث الأنبياء: باب قول الله تعالى {وآتينا داود زبورا} [الإسراء: ٥٥] (١٦٠/٤) رقم الحديث: ٣٤١٨، ٣٤١٩، كتاب فضائل القرآن: باب في كم يقرأ القرآن (١٩٦/٦) رقم الحديث: ٥٠٥٢، كتاب النكاح: باب لزوجك عليك حق(٣١/٧) رقم الحديث: ٥١٩٩، كتاب الأدب: باب حق الضيف (٣١/٨) رقم الحديث: ٦١٣٤، كتاب الاستئذان، باب من ألقي له وسادة (٦٢/٨) رقم الحديث: ٦٢٧٧. ومسلم في "صحيحه" كتاب الصيام: باب النهي عن صوم الدهر (١٦٢/٣) رقم الحديث: ١١٥٩.

toobaa-elibrary.blogspot.com

أفضل من ذلك، قال: فصم يوما وأفطر يوما، [أيضا [١]] فذلك صيام داود عليه السلام، وهو أعدل الصيام.

وفي رواية: أفضل الصيام قلت: فإني أطيق أفضل من ذلك، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا أفضل من ذلك.

وزاد في رواية: قال عبد الله بن عمرو: لأن أكون قبلت الثلاثة الأيام التي قال رسول الله ﷺ: أحب [أطيب [٢]] إلى من أهلي ومالي. وفي رواية أخرى: قال: قال لي رسول الله ﷺ: ألم أخبر أنك تصوم النهار، وتقوم الليل؟ قال: قلت: بلى يا رسول الله، قال: فلا تفعل، صم وأفطر، ونم وقم، فإن لجسدك عليك حقا، وإن لعينك عليك حقا، وإن لزوجك عليك حقا، وإن لزورك عليك حقا، وإن بحسبك أن تصوم من كل شهر ثلاثة أيام، فإن لك بكل حسنة عشر أمثالها، فإذا ذلك صيام الدهر. فشددت فشدد علي، قلت: يا رسول الله: إني أجد قوة. قال: صم صيام نبي الله داود عليه السلام، لا تزد عليه. قلت: وما كان صيام داود؟ قال: نصف الدهر. فكان عبد الله يقول بعد ما كبر: يا ليتني قبلت رخصة النبي ﷺ.

وفي رواية أخرى قال: ألم أخبر أنك تصوم الدهر، وتقرأ القرآن كل ليلة؟ فقلت: بلى، يا نبي الله، ولم أرد بذلك إلا الخير. وفيه قال: فصم صوم داود، فإنه كان أعبد الناس. وفيه قال: واقرأ القرآن في كل شهر. قال: قلت: يا نبي الله، إني أطيق أفضل من ذلك، قال: فاقرأه في كل عشرين. قال: فقلت: يا نبي الله، إني أطيق أفضل من ذلك، قال: فاقرأه في عشر. قلت: يا نبي الله، إني أطيق أفضل من ذلك، قال: فاقرأه في سبع، ولا تزد على ذلك. قال: فشددت فشدد علي. وقال [لي] النبي ﷺ: إنك لا تدري لعلك يطول بك عمر. قال: فصرت إلى الذي قال لي رسول الله ﷺ. فلما كبرت وددت أني كنت قبلت رخصة نبي الله ﷺ. زاد مسلم: فإن لولدك عليك حقا.

وفي أخرى: قال النبي ﷺ: إنك لتصوم النهار، وتقوم الليل؟ قلت: نعم. قال: إذا فعلت ذلك هجمت له [تلحمت لك [١]] العين، ونفهت له [تفهت لك [٢]] النفس، لا

١) فتح الرحمن: ٦٣/١.
٢) فتح الرحمن: ٦٣/١.
١) فتح الرحمن: ٦٤/١.
٢) فتح الرحمن: ٦٤/١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

صام من صام الأبد، صوم ثلاثة أيام صوم الدهر كله. قلت: فإن أطيق أكثر من ذلك. قال: فصم صوم داود، كان يصوم يوما ويفطر يوما، ولا يفر إذا لاقى.

وزاد في رواية: من لي بهذه يا نبي الله. وفي رواية نحوه. وفيه: وصم من كل عشرة أيام يوما. ولك أجر تسعة. وفي فقال النبي ﷺ: لا صام من صام الأبد. ثلاثا. هذه روايات البخاري ومسلم. ووافقهما أبو داود على الرواية الأولى. والنسائي على الأولى والثانية، وألفاظهم جميعهم متقاربة باتفاق المعنى.(١)

وعنه قال: أنكحني أبي امرأة ذات حسب، وكان يتعاهد كنته، فيسألها عن بعلها، فتقول له: نعم الرجل من رجل لم يطأ لنا فراشا، ولم يفتش لنا كنفا مذ أتيناه، فلما طال ذلك عليه، ذكر ذلك للنبي ﷺ. فقال: ألقني به، فلقيته بعد، فقال: كيف تصوم؟ قلت: كل يوم. قال: وكيف تختم؟ قلت: كل ليلة، فقال: صم كل شهر ثلاثة أيام، واقرأ القرآن في كل شهر. قال: قلت: فإني أطيق أكثر من ذلك، قال: صم ثلاثة أيام في الجمعة. قال: قلت: أطيق أكثر من ذلك، قال: أفطر يومين وصم يوما. قال: قلت: أطيق أكثر من ذلك، قال: صم أفضل الصوم، صوم داود: صيام يوم. وإفطار يوم. واقرأ في كل سبع ليال مرة. قال: فليتني قبلت

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" باب التهجد، باب من نام عند السحر (٢/٥٠) رقم الحديث: ١١٣١، كتاب الصوم، باب حق الجسم في الصوم (٣/٣٩) رقم الحديث: ١٩٧٥، باب صوم الدهر (٣/٤٠) رقم الحديث: ١٩٧٦، باب حق الأهل في الصوم (٣/٤٠) رقم الحديث: ١٩٧٧، وباب صوم يوم وإفطار يوم (٣/٤٠) رقم الحديث: ١٩٧٨، باب صوم داود (٣/٤٠) رقم الحديث: ١٩٧٩، ١٩٨٠، كتاب أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى وآتينا داود زبورا [الإسراء: ٥٥] (٤/١٦٠) رقم الحديث: ٣٤١٨، ٣٤١٩، باب أحب الصلاة إلى الله صلاة داود (٤/١٦١) رقم الحديث: ٣٤٢٠، كتاب فضائل القرآن، باب في كم يقرأ القرآن (٦/١٩٦) رقم الحديث: ٥٠٥٢، كتاب النكاح، باب لزوجك عليك حق (٧/٣١) رقم الحديث: ٥١٩٩، كتاب الأدب، باب حق الضيف والاستئذان (٨/٣١) رقم الحديث: ٦١٣٤، كتاب الاستئذان، وباب من ألقي له وسادة (٨/٦٢) رقم الحديث: ٦٢٧٧، ومسلم في "صحيحه" كتاب الصيام، باب النهي عن صوم الدهر (٣/١٦٢) رقم الحديث: ١١٥٩. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، أبواب قراءة القرآن وتحزيبه وترتيله، باب في كم يقرأ القرآن (٢/٧٦) رقم الحديث: ١٣٨٩، كتاب الصوم، باب في صوم الدهر تطوعا (٢/٥٦١) رقم الحديث: ٢٤٢٧، باب في صوم يوم وفطر يوم (٢/٥٦٩) رقم الحديث: ٢٤٤٨. والنسائي في "سننه" كتاب قيام الليل وتطوع النهار، ذكر صلاة نبي الله داود عليه السلام بالليل (٣/٢١٤) رقم الحديث: ١٦٣٠، كتاب الصيام، صوم نبي الله داود عليه السلام (٤/١٩٨) رقم الحديث: ٢٣٤٤، كتاب الصيام، باب صوم يوم وإفطار يوم (٤/٢٠٩) رقم الحديث: ٢٣٨٨، ٢٣٨٩، ٢٣٩٠، ٢٣٩١، ٢٣٩٢، ٢٣٩٣، ٢٣٩٤، ٢٣٩٥، ٢٣٩٧، ٢٣٩٩، ٢٤٠٠، ٢٤٠١، ٢٤٠٢، ٢٤٠٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

رخصة رسول الله ﷺ، وذلك أني كبرت وضعفت، وكان يقرأ على بعض أهله السبع من القرآن بالنهار، والذي يقرؤه يعرضه من الليل، ليكون أخف عليه بالليل، وإذا أراد أن يتقوى أفطر أياما، وأحصى وصام مثلهن، كراهية أن يترك شيئا فارق عليه النبي ﷺ.(١)

ورواية النسائي قال: زوجني أبي امرأة، فجاء يزورنا، فقال: كيف ترين بعلك؟ قالت: نعم الرجل، لا ينام الليل، ولا يفطر النهار، فوقع بي [إلي (٢)] وقال: زوجتك امرأة من المسلمين، فعضلتها، قال: فجعلت لا ألتفت إلى قوله، مما عند من القوة والاجتهاد، فبلغ ذلك النبي ﷺ. فقال: لكني أنا أقوم وأنام، وأصوم وأفطر، فقم ونم، وصم وأفطر.(٣)

وقد أخرج البخاري ومسلم وأبو داود والنسائي هذا الحديث مختصرا جامعا، فقال: إن رسول الله ﷺ قال: إن أحب الصيام إلى الله: صيام داود، وأحب الصلاة إلى الله: صلاة داود، كان ينام نصف الليل، ويقوم ثلثه، وينام سدسه، وكان يصوم يوما ويفطر يوما.(٤)

وعن أبي هريرة ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: [إني قد(٥)] تركت فيكم شيئين لن تضلوا بعدهما كتاب الله وسنتي ولن يتفرقا حتى يردا على الحوض. رواه ابن عساكر.(١)

وعن جبير ﷺ(٢) قال: قال رسول الله ﷺ: أبشروا أليس تشهدون أن لا إله إلا الله وأني رسول الله وأن هذا القرآن سبب طرفه بيد الله وطرفه بأيديكم فتمسكوا به فإنكم لن تضلوا ولن تهلكوا بعده أبدا. رواه الطبراني.(١)

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب فضائل القرآن، باب في كم يقرأ القرآن (٦/١٩٦) رقم الحديث: ٥٠٥٢.

٢) فتح الرحمن: ١/٦٥.

٣) أخرجه النسائي في "سننه" كتاب الصيام، باب صوم يوم وإفطار يوم (٤/٢١٠) رقم الحديث: ٢٣٩٠.

٤) أخرجه البخاري في "صحيحه" باب التهجد بالليل، باب من نام عند السحر (٢/٥٠) رقم الحديث: ١١٣١، ومسلم في "صحيحه" كتاب الصيام، باب النهي عن صوم الدهر (٣/١٦٥) رقم الحديث: ١١٥٩. وأبو داود في "سننه" كتاب الصوم، باب في صوم يوم وفطر يوم (٢/٥٦٩) رقم الحديث: ٢٤٤٨. والنسائي في "سننه" كتاب الصيام، صوم نبي الله داود عليه السلام (٤/١٩٨) رقم الحديث: ٢٣٤٤.

٥) فتح الرحمن: ١/٦٥.

١) أخرجه الحاكم في "المستدرك على الصحيحين" كتاب العلم، وأما حديث عبد الله بن عمر (١/١٧٢) رقم الحديث: ٣١٩.

٢) جبير بن مطعم: هو أبو محمد جبير بن مطعم بن عدي بن نوفل بن عبد مناف القرشي النوفلي صحابي، عارف بالأنساب، مات سنة ثمان أو تسع وخمسين. [تقريب التهذيب: ١٣٨، رقم الترجمة: ٩٠٣. تهذيب التهذيب: ٢/٦٣-٦٤، رقم الترجمة: ١٠٢.]

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن ابن عمر رضي الله عنهما أما إنه لم تهلك الأمم قبلكم حتى وقعوا في مثل هذا يضربون القرآن بعضه ببعض ما كان من حلال فأحلوه وما كان من حرام فحرموه وما كان من متشابه فآمنوا به. رواه الطبراني في الكبير.[٢]

وعن جابر ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: بعثت بالحنيفية السمحة ومن خالف سنتي فليس مني. رواه الخطيب.[٣]

وعن معاذ ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: إذا ظهرت البدع ولعن آخر هذه الأمة أولها فمن كان عنده علم فلينشره فإن كاتم العلم يومئذ ككاتم ما أنزل الله على محمد. رواه ابن عساكر.[٤]

وعن عثمان بن حاضر الأزدي[٥]، قال: دخلت على ابن عباس رضي الله عنهما فقلت أوصني. فقال: نعم، عليك بتقوى الله، والاستقامة، اتبع ولا تبتدع.[٦]

وعن عمر ﷺ قال: إنه سيأتي ناس يجادلونكم بشبهات القرآن، فخذوهم بالسنن، فإن أصحاب السنن أعلم بكتاب الله عز وجل. رواهما الدارمي.[١]

وعن ابن عمر: صاحب السنة إن عمل خيرا قبل منه وإن خلط غفر له. رواه الخطيب في المؤتلف.[٢]

---

١) أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب فضائل القرآن، في التمسك بالقرآن (١٢٥/٦) رقم الحديث: ٣٠٠٠٦. والطبراني في "المعجم الكبير" باب الميم، من اسمه محمد (٢٠٩/٢) رقم الحديث: ١٠٤٤. وابن حبان في "صحيحه" كتاب العلم، باب نفي الضلال عن الأخذ بالقرآن (٣٢٩/١) رقم الحديث: ١٢٢

٢) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" عبد الله بن عمرو بن العاص (٣١٦/١٣) رقم الحديث: ١٤١٧٧

٣) أخرجه الخطيب في "تاريخ بغداد" جعفر بن أحمد بن علي بن السكون (١١٧/٨) رقم الحديث: ٢٣٥٥.

٤) أخرجه ابن عساكر في "تاريخ دمشق" حرف الميم، محمد بن عبد الرحمن بن رمل (٨٠/٥٤)

٥) عثمان بن حاضر الازدي: هو أبو حاضر القاص عثمان بن حاضر الأزدي، شيخ من أهل اليمن، ويقال: عثمان ابن أبي حاضر وهو وهم، صدوق، من الرابعة. [تقريب التهذيب: ٣٨٢، رقم الترجمة: ٤٤٥٧. تهذيب التهذيب: ١٠٩/٧-١١٠، رقم الترجمة: ٢٣٥.]

٦) أخرجه الدارمي في "سننه" كتاب العلم، باب من هاب الفتيا وكره التنطع والتبدع (٥٠/١) رقم الحديث: ١٤١.

١) أخرجه الدارمي في "سننه" كتاب العلم، باب التورع عن الجواب فيما ليس فيه كتاب ولا سنة (٤٠/١) رقم الحديث: ١٢١.

٢) أخرجه المتقي في "كنز العمال" رقم الحديث: ٩١١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن عمر ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: سألت ربي فيما يختلف فيه أصحابي من بعدي فأوحى إلي يا محمد إن أصحابك عندي بمنزلة النجوم في السماء بعضها أضوأ من بعض فمن أخذ بشيء مما هم عليه من اختلافهم فهو عندي على هدى. رواه السجزي في الإبانة وابن عساكر.[1]

وعن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: تعمل هذه الأمة برهة بكتاب الله، ثم تعمل برهة بسنة رسول الله، ثم تعمل بالرأي، فإذا عملوا بالرأي فقد ضلوا وأضلوا.[2]

وعن ثوبان [3] قال: قال رسول الله ﷺ: ألا إن رحى الإسلام دائرة قيل فكيف نصنع يا رسول الله قال اعرضوا حديثي على الكتاب فما وافقه فهو مني وأنا قلته. رواه الطبراني وسمويه.[4]

وعن سمرة [1]، قال: قال رسول الله ﷺ: إنه أتاني الليلة آتيان ملكان، فقعد واحد عند رأسي والآخر عند رجلي، قال أحدهما للآخر: اضرب مثله ومثل أمته، فقال: إن مثله ومثل أمته كمثل قوم سفر انتهوا إلى رأس مفازة فلم يكن معهم من الزاد ما يقطعون به المفازة ولا يرجعون فبينما هم كذلك إذ أتاهم رجل مرجل في حلة حبرة فقال: أرأيتم إن أوردت بكم رياضا معشبة وحياضا رواء فأكلوا وشربوا وسمنوا فقال لهم ألم آتكم على تلك الحال فقلت لكم نصدقتم فقالوا بلى فقال إن بين أيديكم أرضا أعشب من هذا وحياضا أروى من هذه فاتبعوني فقال طائفة صدق والله لنتبعن وقال طائفة قد رضينا بهذه نقيم عليه. رواه ابن عساكر.[2]

---

١) أخرجه ابن عساكر في "تاريخ دمشق" حرف الزاي، زيد بن الحواري أبو الحواري العمي البصري (١٩/٣٨٣) رقم الحديث: ٤٥٠٧.

٢) أخرجه أبو يعلى في "مسنده" مسند أبي هريرة (١٠/٢٤٠) رقم الحديث: ٥٨٥٦.

٣) ثوبان: هو أبو عبد الله ثوبان -بمفتوحة وسكون واو وبموحدة- بن بجدد -بمضمومة فساكنة وضم الدال مهملة-، ويقال: بن جحدر، ويقال أبو عبد الرحمن الهاشمي، مولى النبي ﷺ، صحب ولازمه، ونزل بعده الشام، ومات بحمص سنة أربع وخمسين. [تقريب التهذيب: ١٣٤، رقم الترجمة: ٨٥٨. تهذيب التهذيب: ٢/٣١، رقم الترجمة: ٥٤.]

٤) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب الثاء، ثوبان مولى رسول الله ﷺ، (٢/٩٧) رقم الحديث: ١٤٢٩.

١) سمرة: هو سمرة بن جندب بن هلال الفزاري، حليف الأنصار، صحابي مشهور، له أحاديث، مات بالبصرة سنة ثمان وخمسين. [تقريب التهذيب: ٢٥٦، رقم الترجمة: ٢٦٣٠. تهذيب التهذيب: ٤/٢٣٦-٢٣٧، رقم الترجمة: ٤١١.]

٢) أخرجه ابن عساكر كما في "كنز العمال" حرف الهمزة، الكتاب الأول في الإيمان والإسلام، الباب الثاني في الاعتصام بالكتاب والسنة (١/٢٠٣) رقم الحديث: ١٠١٦.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن جابر قال: قال رسول الله ﷺ: من قال في الدين برأيه فقد اتهمني. رواه أبو نعيم. [١]

وعن علي: لا تقيسوا الدين، فإن الدين لا يقاس وأول من قاس إبليس. رواه الديلمي. [٢]

وعن أنس: من قاس حديثي برأيه فقد اتهمني. رواه الديلمي. [٣]

وعن عوف بن مالك قال: قال رسول الله ﷺ: افترقت بنو إسرائيل على إحدى وسبعين فرقة وتزيد أمتي عنيها فرقة ليس فيها فرقة أضر على أمتي من قوم يقيسون الدين برأيهم، فيحلون ما حرم الله ويحرمون ما أحل الله. رواه الطبراني وابن عساكر وابن عدي. [٤]

وعن علي ﷺ: افترقت النصرانية على إحدى وسبعين فرقة، وافترقت اليهودية على ثنتين وسبعين فرقة، والذي نفسي بيده لتفترقن الحنيفية على ثلاثة وسبعين فرقة، فتكون ثنتان وسبعون في النار، وفرقة في الجنة. رواه العدني. [٥]

وروي عنه ابن أبي عاصم [١]: إن من أضلها وأخبثها من يتشيع، أو الشيعة. [٢]

وروي ابن عساكر ان عليا ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: وتفترق في اثنتي عشره فرقة كلها في الهاوية إلا واحدة هي الناجية. [٣] وفيه عطاء بن مسلم الخفار ضعيف.

وعنه قال: قال رسول الله ﷺ: إن بني إسرائيل تفرقت إحدى وسبعين فرقة فهلك سبعون فرقة، وخلصت فرقة واحدة وإن أمتي ستفترق على اثنتين وسبعين فرقة تهلك إحدى وسبعون وتخلص فرقة. قيل يا رسول الله من تلك الفرقة؟ قال: الجماعة الجماعة. رواه أحمد. [٤]

---

١) أخرجه السيوطي في "جمع الجوامع" لقسم الأول: الأقوال، حرف الميم (٧١/٩) رقم الحديث: ٢٢٦١٦

٢) أخرجه الديلمي في "مسنده" باب لام الألف (٥٧/٥) رقم الحديث: ٧٤٥٠.

٣) أخرجه الديلمي في "مسنده" باب الميم (٤٨٩/٣) رقم الحديث: ٥٥١٨.

٤) أخرجه ابن عساكر في "تاريخ دمشق" حرف النون، نعيم بن حماد بن معاوية بن الحارث (١٥١/٦٢). والطبراني في "المعجم الكبير" باب الصاد، أبو غالب صاحب المحجن واسمه حزور (٢٧٤/٨) رقم الحديث: ٨٠٥٤، وابن عدي في "الكامل في ضعفاء الرجال" نعيم بن حماد المروزي خزاعي يعرف بالفارض (٢٥٣/٨)

٥) أخرجه البوصيري في "إتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة" كتاب الأدب، باب ما جاء في السلام على الكفار (٤٤/٦) رقم الحديث: ٥٢٩٥، كتاب الفتن، باب افتراق الامم (٣٧/٨) رقم الحديث: ٧٤٢٦.

١) ابن أبي عاصم: هو داود ابن أبي عاصم بن عروة بن مسعود الثقفي المكي، ثقة، من الثالثة. [تقريب التهذيب: ١٩٩، رقم الترجمة: ١٧٩٣]

٢) أخرجه ابن أبي عاصم في "السنة" باب في ذكر الرافضة أذلهم الله (٤٨١/٢) رقم الحديث: ٩٩٥.

٣) أخرجه ابن عساكر في "تاريخ دمشق" حرف الزاي، زاذان أبو عمر (٢٨٤/١٨)

٤) أخرجه أحمد في "مسنده" مسند المكثرين من الصحابة، مسند أنس بن مالك ﷺ (١٦٢/١٩) رقم الحديث: ١٢٤٧٩.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعنه قال: قال رسول الله ﷺ: تفترق أمتي على ثلاثة وسبعين فرقة كلهن في النار إلا واحدة ما أنا عليه اليوم وأصحابي. (١)

وعن معاذ قال: قال رسول الله ﷺ: أنتم اليوم على بينة من ربكم تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتجاهدون في الله ثم يظهر فيكم السكرتان سكرة الجهل وسكرة حب العيش وستحولون عن ذلك فلا تأمرون بالمعروف ولا تنهون عن منكر ولا تجاهدون في الله القائمون يومئذ بالكتاب والسنة لهم أجر خمسين صديقا قالوا يا رسول الله منا أو منهم قال: لا بل منكم. رواه أبو نعيم في الحلية. (٢)

وعن واثلة بن الأسقع (٣) قال: قال رسول الله ﷺ: لا تكفروا أهل ملتكم وإن عملوا الكبائر وصلوا خلف كل إمام وصلوا على كل على ميت. وفي رواية: وان كان قاتل نفسه، وجاهدوا كل أمير. رواه ابن النجار. (٤)

وفي حديث عائشة: لا تكفروا أحدا من أهل القبلة بذنب وإن عملوا الكبائر وصلوا مع كل إمام وجاهدوا مع كل أمير. رواه الطبراني في الأوسط. (١)

وفي حديث هشام بن عروة (٢) معضلا: رحم الله من كف لسانه عن أهل القبلة. (٣)

وعن معاذ قال: قال رسول الله ﷺ: ألا إنه سيكون عليكم أمراء يقضون لأنفسهم ما لا يقضون لكم، إن عصيتموهم قتلوكم، وإن أطعتموهم أضلوكم. قالوا: يا رسول الله، كيف نصنع؟

---

١) أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط" باب العين، من اسمه: عيسى (١٣٧/٥) رقم الحديث: ٤٨٨٦.
٢) أخرجه أبو نعيم في "حلية الأولياء وطبقات الأصفياء" ذكر طوائف من جماهير النساك والعباد، إبراهيم بن أدهم ومنهم الحازم الأحزم (٤٩/٨).
٣) واثلة بن الأسقع: هو أبو الأسقع، ويقال: أبو قرصافة، ويقال: أبو محمد واثلة بن الأسقع -بالقاف- بن كعب الليثي، صحابي مشهور، نزل الشام، وعاش إلى سنة خمس وثمانين، وله مائة وخمس سنين. [تقريب التهذيب: ٥٧٩، رقم التهذيب: ٧٣٧٩. تهذيب التهذيب: ١٠١/١١، رقم الترجمة: ١٧٤.]
٤) أخرجه المتقي في "كنزالعمال" رقم الحديث: ١٠٧٧.
١) أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط" باب الألف، من اسمه ابراهيم (١٧٥/٣) رقم الحديث: ٢٨٤٤.
٢) هشام بن عروة: هو أبو المنذر هشام بن عروة بن الزبير بن العوام الأسدي، ثقة فقيه، ربما دلس، من الخامسة، مات سنة خمس أو ست وأربعين ومائة، وله سبع وثمانون سنة. [تقريب التهذيب: ٥٧٣، رقم الترجمة: ٧٣٠٢. تهذيب التهذيب: ٤٨/١١-٥١، رقم الترجمة: ٨٩.]
٣) أخرجه ابن أبي الدنيا في "الصمت" باب ذم المراء (١٠٤) رقم الحديث: ١٣٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

قال: كما صنع أصحاب عيسى ابن مريم، نشروا بالمناشير، وحملوا على الخشب، موت في طاعة الله خير من حياة في معصية الله. رواه الطبراني. وروي ابن عساكر عن ابن مسعود نحوه. (١)

وعن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله ﷺ: لن يؤمن عبد حتى يكون هواه تبعا لما جئت به. رواه الحكيم وابن نصر السنجري في الإبانة. (٢)

وعن ابن مسعود قال: قال رسول الله ﷺ: عمل قليل في سنة خير من عمل كثير في بدعة. رواه الديلمي في مسند الأخبار، وروي الرافعي عن أبي هريرة. (٣)

وعن أنس قال: قال رسول الله ﷺ: إن الله عز وجل احتجر التوبة على صاحب كل بدعة. رواه ابن فيل والطبراني. (٤)

وأيضا عن حذيفة، قال: قال رسول الله ﷺ: لا يقبل الله لصاحب بدعة صوما، ولا صلاة، ولا صدقة، ولا حجا، ولا عمرة، ولا جهادا، ولا صرفا، ولا عدلا، يخرج من الإسلام كما تخرج الشعرة من العجين. رواه ابن ماجة. (١)

وعن أبي أمامة، قال: قال رسول الله ﷺ: أهل البدع كلاب أهل النار. (٢)

وعن علي ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: يظهر في آخر الزمان قوم يسمون الرافضة، يرفضون الإسلام. رواه أحمد في زوائده. (٣)

وعن [عبد الله] ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: يكون قوم في آخر الزمان يسمون الرافضة يرفضون الإسلام، ويلفظونه فاقتلوهم فإنهم مشركون. رواه عبد بن حميد والطبراني. (٤)

---

١) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب نليم، يزيد بن مرثد عن معاذ بن جبل (٢٠/٩٠) رقم الحديث: ١٧٢.

٢) أخرجه الحكيم الترمذي في "نوادر الأصول في أحاديث الرسول" الأصل الثامن والسبعون والمائتان في استكمال العبودية (٤/١٦٤). وابن بطة في "الابانة الكبرى" الكتاب الاول: الايمان، باب ذكر افتراق الامم في دينهم (١/٣٨٧) رقم الحديث: ٢٧٩.

٣) أخرجه الديلمي في " الفردوس بمأثور الخطاب" باب الطاء (٣/٤١) رقم الحديث: ٤٠٩٨.

٤) أخرجه ضياء المقدسي في "الأحاديث المختارة" من حديث أنس بن مالك (٦/٧٢) رقم الحديث: ٢٠٥٤.

١) أخرجه ابن ماجه في "سننه" المقدمة، باب اجتناب البدع والجدل (١/١٩) رقم الحديث: ٤٩.

٢) كما في "كنز العمال" حرف الهمزة، الكتاب الأول في الإيمان والإسلام، الباب الثاني في الاعتصام بالكتاب والسنة، فصل في البدع (١/٢٢٣) رقم الحديث: ١٠٢٥.

٣) أخرجه أحمد في "مسنده" مسند علي بن أبي طالب ﷺ (٢/١٨٦) رقم الحديث: ٨٠٨.

٤) أخرجه أحمد في "مسنده" مسند علي بن أبي طالب ﷺ (٢/١٨٦) رقم الحديث: ٨٠٨. وعبد بن حميد في "مسنده" مسند ابن عباس (٢٣٢) رقم الحديث: ٦٩٨.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن علي ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: إنك وشيعتك في الجنة، وسيأتي قوم لهم نبز يقال لهم الرافضة، فاذا لقيتموهم فاقتلوهم، فإنهم مشركون. رواه أبو نعيم في الحلية. (١)

وعن جندب البجلي (٢)، قال: قال رسول الله ﷺ: ما تقولون في قوم تدخل قادتهم الجنة واتباعهم النار قالوا يا رسول الله وان عملوا بمثل أعمالهم قال وان عملوا بمثل أعمالهم يدخل هؤلاء بما سبق لهم الجنة ويدخل هؤلاء بما أحدثوا النار. رواه سمويه. (٣)

وعن حسن بن علي (١) رضي الله عنهما، قال: قال رسول الله ﷺ: رحمة الله على خلفائي، قيل ومن خلفاؤك يا رسول الله؟ قال الذين يحيون سنتي ويعلمونها الناس. أبو نصر السجزي في الإبانة وابن عساكر في التاريخ. (٢)

وعن عبيد الله بن أبي زيد قال: كان ابن عباس إذا سئل عن الأمر فإن كان في القرآن أخبر به، وإن لم يكن في القرآن وكان عن رسول الله ﷺ أخبر به، فإن لم يكن في القرآن ولا عن رسول الله ﷺ، وكان عن أبي بكر أو عمر أخبر به، وإن لم يكن في شيء من ذلك اجتهد برأيه، رواه ابن سعد في السنة والعدني، وابن جرير. (٣)

وعن عمر بن عبد العزيز(٤) أنه قال في خطبته: ألا إن ما سن رسول الله ﷺ وصاحباه فهو دين نأخذ به وننتهي إليه، وما سن سواهما فأنا نرجيه. رواه ابن عساكر. (١)

---

١) اخرجه أبو نعيم في "حلية الأولياء وطبقات الأصفياء" الطبقة الأولى من التابعين، عامر بن شراحيل الشعبي (٤/٣٢٩)

٢) جندب البجلي: هو أبو عبد الله جندب -بضم أوله والدال تفتح وتضم- بن عبد الله بن سفيان البجلي ثم العلقي -بفتحتين-، وربما نسب إلى جده، له صحبة، ومات بعد الستين. [تقريب التهذيب: ١٤٢، رقم الترجمة: ٩٧٥. تهذيب التهذيب. ٢/١١٧-١١٨، رقم الترجمة: ١٨٨.]

٣) أخرجه سمويه كما في "كنز العمال" حرف الهمزة، الكتاب الأول في الإيمان والإسلام، الباب الثاني، فصل في البدع (١/٢٢٣) رقم الحديث: ١١٢٩.

١) حسن بن علي: هو الحسن بن علي بن أبي طالب الهاشمي سبط رسول الله ﷺ وريحانته، وقد صحبه وحفظ عنه، مات شهيدا بالسم سنة تسع وأربعين، وهو ابن سبع وأربعين، وقيل: بل مات سنة خمسين، وقيل: بعدها. [تقريب التهذيب: ١٦٢، رقم الترجمة: ١٢٦٠. تهذيب التهذيب: ٢/٢٩٥-٣٠١، رقم الترجمة: ٥٢٨.]

٢) أخرجه ابن عساكر في "تاريخ دمشق" حرف الميم، محمد بن أحمد بن عبد الله أبو الحسن (٥١/٦١).

٣) كما في "كنز العمال" حرف الهمزة، الكتاب الأول في الإيمان والإسلام، الباب الثاني في الاعتصام بالكتاب والسنة (١/٣٧٠) رقم الحديث: ١٦٢٣

٤) عمر بن عبد العزيز: هو أمير المؤمنين عمر بن عبد العزيز بن مروان بن الحكم بن أبي العاص الأموي، أمه أم عاصم بنت عاصم بن عمر بن الخطاب، ولي إمرة المدينة للوليد، وكان مع سليمان كالوزير، وولي الخلافة بعده فعد مع

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن خالد بن عرفطة قال: كنت جالسا عند عمر إذ أتي برجل من عبد القيس فقال له عمر: أنت فلان العبدي؟ قال: نعم، فضربه بقناة معه فقال الرجل: ما لي يا أمير المؤمنين؟ قال: اجلس فجلس فقرأ بسم الله الرحمن الرحيم "الر تلك آيات الكتاب المبين" إلى قوله: "لمن الغافلين" فقرأها عليه ثلاثا وضربه ثلاثا فقال له الرجل: ما لي يا أمير المؤمنين؟ قال: أنت الذي نسخت كتاب دانيال قال مرني بأمرك اتبعه قال: انطلق فامحه بالحميم والصوف، ثم لا تقرأه ولا تقرئه أحدا من الناس فلئن بلغني عنك أنك قرأته أو أقرأته أحدا من الناس لانهكنك عقوبة. ثم قال [عمر]: انطلقت أنا فانتسخت [2] كتابا من أهل الكتاب ثم جئت به في أديم فقال لي رسول الله ﷺ: ما هذا في يدك يا عمر؟ قلت: يا رسول الله كتابا نسخته لنزداد به علما إلى علمنا، فغضب رسول الله ﷺ حتى احمرت وجنتاه، ثم نودي بالصلاة جامعة فقالت الأنصار: أغضب نبيكم؟ السلاح السلاح فجاؤا حتى أحدقوا [1] بمنبر رسول الله ﷺ فقال: أيها الناس إني قد أوتيت جوامع الكلم وخواتيمه واختصر لي اختصارا، ولقد أتيتكم بها بيضاء نقية فلا تهوكوا ولا يغرنكم المتهوكون، فقمت فقلت: رضيت بالله ربا، وبالإسلام دينا، وبك رسولا، ثم نزل رسول الله ﷺ. رواه أبو يعلى في مسنده وابن المنذر وابن أبي حاتم ونصر المقدسي وسعيد بن منصور في الحجة، وله طريقتان في المراسيل.[1]

وعن جبير بن نفير[3] عن عمر قال: إني انطلقت في حياة النبي ﷺ حتى أتيت خيبر، فوجدت يهوديا يقول قولا أعجبني، فقلت :هل أنت مكتبي مما تقول؟ قال: نعم، قال: فأتيته بأديم ثية أو جذعة، فأخذ يملي علي حتى كتبت في الأكرع رغبة في قوله، فلما رجعت قلت: يا رسول الله، إني لقيت يهوديا يقول قولا لم أسمع مثله بعدك، قال:

الخلفاء الراشدين، من الرابعة، مات في رجب سنة إحدى ومائة، وله أربعون سنة، ومدة خلافته سنتان ونصف. [تقريب التهذيب: ٤١٥، رقم الترجمة: ٤٩٤٠. تهذيب التهذيب: ٧/٤٧٥-٤٧٨، رقم الترجمة: ٧٩٠.]

١) أخرجه ابن عساكر في "تاريخ دمشق" حرف الحاء، حاجب بن خليفة (١١/٢٨٥).

٢) فانتسخت. [فتح الرحمن في إثبات مذهب النعمان: ١/٧١.]

١) احدقوا. [فتح الرحمن في إثبات مذهب النعمان: ١/٧١.]

٢) كما في "كنز العمال" حرف الهمزة، الكتاب الأول في الإيمان والإسلام، الباب الثاني في الاعتصام بالكتاب والسنة (١/٣٧٠-٣٧١) رقم الحديث: ١٦٢٥.

٣) جبير بن نفير: هو أبو عبد الرحمن جبير بن نفير -بنون وفاء مصغرا- بن مالك بن عامر الحضرمي الحمصي، ثقة جليل، من الثانية، مخضرم، ولأبيه صحبة، فكأنه هو ما وفد إلا في عهد عمر. مات سنة ثمانين، وقيل: بعدها. [تقريب التهذيب: ١٣٨، رقم الترجمة: ٩٠٤. تهذيب التهذيب: ٢/٦٤-٦٥، رقم الترجمة: ١٠٣.]

toobaa-elibrary.blogspot.com

لعلك كتبت منه؟ قلت: نعم، قال: ائتني به فانطلقت أرغب عن المشي رجاء أن أكون جئت نبي الله ﷺ ببعض ما يحبه، فلما أتيته قال: اجلس فاقرأ علي فقرأت ساعة، ثم نظرت إلى وجهه ﷺ فإذا هو يتلون فصرت من الفرق لا أجيز حرفا منه، فلما رأى الذي بي دفعته إليه، ثم جعل يتتبعه رسما رسما فيمحوه بريقه، وهو يقول: لا تتبعوا هؤلاء فإنهم قد هوكوا وتهوكوا حتى محا آخره حرفا حرفا. رواه ابو نعيم في الحلية. (١)

وعن عمر قال: إياكم وأصحاب الرأي فإنهم أعداء السنن أعيتهم الأحاديث أن يحفظوها فقالوا بالرأي فضلوا وأضلوا. ابن جرير واللالكائي في السنة وابن عبد البر في العلم، والدار قطني. (١)

وعن مجاهد (٢) قال: قال عمر: أياي والمكايلة يعني المقايسة. رواه أحمد في باب اتباع الكتاب وذم الرأي وأبو عبيد في الغريب. (٣)

وعن علي قال: ثلاثة لا يقبل معهن عمل، الشرك، والكفر، والرأي، قالوا يا أمير المؤمنين: ما الرأي؟ قال: تدع كتاب الله وسنة رسوله، وتعمل بالرأي. رواه ابن بشران. (٤)

وعن جري بن كليب (٥) قال: رأيت عليا يأمر بشيء وعثمان ينهى عنه. فقلت لعلي: إن بينكما لشرا؟ قال: ما بيننا إلا خير، ولكن خيرنا اتبعنا لهذا الدين. رواه مسدد وأبو عوانة والطحاوي. (١) (٢)

---

١) اخرجه ابو نعيم في "حلية الأولياء وطبقات الأصفياء" الطبقة الأولى من التابعين، جبير بن نفير (٥/١٣٥)

١) اخرجه دار قطني في "سننه" كتاب النوادر (٥/٢٥٦) رقم الحديث: ٤٢٨٠. وابن عبد البر في "جامع بيان العلم وفضله" باب ما جاء في ذم القول في دين الله (٢/١٠٤٢) رقم الحديث: ٢٠٠٤.

٢) مجاهد: هو أبو الحجاج مجاهد بن جبر -بفتح الجيم وسكون الموحدة- المخزومي مولاهم المكي، ثقة إمام في التفسير وفي العلم، من الثالثة، مات سنة إحدى أو اثنتين أو ثلاث أو أربع ومائة، وله ثلاث وثمانون. [تقريب التهذيب: ٥٢٠، رقم الترجمة: ٦٤٨١. تهذيب التهذيب: ٤٢/١٠-٤٤، رقم الترجمة: ٦٨.]

٣) كما في "كنز العمال" حرف الهمزة، الكتاب الأول في الإيمان والإسلام من قسم الأفعال، الباب الثاني في الاعتصام بالكتاب والسنة (١/٣٧٣) رقم الحديث: ١٦٣٠.

٤) كما في "كنز العمال" حرف الهمزة، الكتاب الأول في الإيمان والإسلام من قسم الأفعال، الباب الثاني في الاعتصام بالكتاب والسنة (١/٣٧٧) رقم الحديث: ١٦٤٠.

٥) جري بن كليب: هو جري - بضم أوله مصغرا- بن كليب النهدي الكوفي، عن رجل من بني سليم، له صحبة، مقبول، من الثالثة. [تقريب التهذيب: ١٣٩، رقم الترجمة: ٩٢١. تهذيب التهذيب: ٧٨/٢، رقم الترجمة: ١٢٠.]

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن سويد بن غفلة [١] قال إني لأمشي مع علي بشط الفرات فقال: قال رسول الله ﷺ: إن بني إسرائيل اختلفوا فلم يزل اختلافهم بينهم حتى بعثوا حكمين فضلا وأضلا، وإن هذه الأمة ستختلف فلا يزال اختلافهم بينهم حتى يبعثوا حكمين ضلا وضل من اتبعهما. رواه البيهقي في دلائل النبوة. [٢]

وعن عبد الله بن الحسن [٣]، قال: قال علي في الحكمين احكمكما على ان تحكما بكتاب الله عز وجل وكتاب الله كله لي فإن لم تحكما بكتاب الله فلا حكومة لكما. [٤]

وعن علي قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: أتاني جبريل فقال: يا محمد إن أمتك مختلفة بعدك، قلت: فأين المخرج يا جبريل؟ فقال: كتاب الله به يقصم كل جبار، ومن اعتصم به نجا، ومن تركه هلك، قول فصل ليس بالهزل. رواه ابن مردوية. [٥]

---

١) أبو جعفر الطحاوي: هو أحمد بن محمد بن سلامة بن سلمة بن عبد الملك الأزدي المصري الطحاوي، الثقة الثبت الفقيه، صاحب التصانيف من أهل قرية طحا من أعمال مصر، مولده: في سنة تسع وثلاثين ومائتين، وتوفي في ذي القعدة سنة إحدى وعشرين وثلثمائة. من تصانيفه: شرح معاني الآثار في الحديث، وبيان السنة، وكتاب الشفعة والمحاضر والسجلات ومشكل الآثار في الحديث، وأحكام القرآن، والمختصر في الفقه. وشرحه كثيرون. [سير أعلام النبلاء: ١٥/٢٧-٣٣، رقم الترجمة: ١٥. تذكرة الحفاظ: ٣/٨٠٨-٨١١، رقم الترجمة: ٧٩٧. شذرات الذهب: ٤/١٠٥-١٠٦. الأعلام للزركلي: ١/٢٠٦.]

٢) أخرجه أبي عوانة في "المستخرج" كتاب الحج، باب ذكر الخبر المبين بأن فسخ الحج (٢/٣٣٨) رقم الحديث: ٣٣٥٠. والطحاوي في "شرح معاني الآثار" كتاب مناسك الحج، باب ما كان النبي ﷺ محرما (٢/١٤٠) رقم الحديث: ٣٦٥٤، ٣٦٥٥. وابن حجر في "المطالب العالية" كتاب المناقب، باب فضائل علي رضي الله عنه (١٦/١٤٩) رقم الحديث: ٣٩٤٦

١) سويد بن غفلة: هو أبو أمية سويد بن غفلة -بفتح المعجمة والفاء- الجعفي مخضرم، من الثانية، من كبار التابعين، قدم المدينة يوم دفن النبي ﷺ وكان مسلما في حياته، ثم نزل الكوفة، ومات سنة ثمانين، وله مائة وثلاثون سنة. [تقريب التهذيب: ٢٦٠، رقم الترجمة: ٢٦٩٥. تهذيب التهذيب: ٤/٢٧٨-٢٧٩، رقم الترجمة: ٤٨٨.]

٢) أخرجه البيهقي في "دلائل النبوة" باب ما جاء في إخبار عن الحكمين الذين بعثا في زمان علي رضي الله عنه (٦/٤٢٣)

٣) عبد الله بن الحسن: هو أبو محمد عبد الله بن الحسن بن الحسن بن علي بن أبي طالب الهاشمي المدني، ثقة جليل القدر، من الخامسة، مات في أوائل سنة خمس وأربعين ومائة، وله خمس وسبعون. [تقريب التهذيب: ٣٠٠، رقم الترجمة: ٣٢٧٤. تهذيب التهذيب: ٥/١٨٦-١٨٧، رقم الترجمة: ٣٢١.]

٤) أخرجه ابن عساكر في "تاريخ دمشق" حرف العين، عبد الله بن قيس بن سليم (٣٢/٩٥)

٥) كما في "كنز العمال" حرف الهمزة، الكتاب الأول في الإيمان والإسلام من قسم الأفعال، الباب الثاني في الاعتصام بالكتاب والسنة (١/٣٨٠) رقم الحديث: ١٦٥٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن عرفجة [بن شريح الأشجعي] قال: رأيت النبي ﷺ على المنبر يخطب الناس، فقال: إنه سيكون بعدي هنات وهنات فمن رأيتموه فارق الجماعة أو يريد أن يفرق أمر أمة محمد كائنا من كان فاقتلوه فإن يد الله على الجماعة وإن الشيطان مع من فارق الجماعة يركض. رواه النسائي.(١)

وعن [عبد الله] بن مسعود قال: من أراد أن يكرم دينه، فلا يدخل على السلطان، ولا يخلون بالنسوان، ولا يخاصمن أصحاب الأهواء.(١)

وعن عبد الله [بن] الديلمي (٢)، قال: بلغني أن أول ذهاب الدين ترك السنة، يذهب الدين سنة سنة، كما يذهب الحبل قوة قوة. رواه الدارمي.(٣)

---

١) أخرجه النسائي في "سننه" كتاب تحريم الدم، قتل من فارق الجماعة (٩٢/٧) رقم الحديث: ٤٠٢٠.

١) أخرجه الدارمي في "سننه" المقدمة، باب من قال: العلم الخشية وتقوى الله (٣٤١/١) رقم الحديث: ٣٠٩.

٢) عبد الله الديلمي: هو أبو بشر عبد الله بن فيروز الديلمي، أخو الضحاك، ثقة، من كبار التابعين، ومنهم من ذكره في الصحابة. [تقريب التهذيب: ٣١٧، رقم الترجمة: ٣٥٣٤. تهذيب التهذيب: ٣٥٨/٥، رقم الترجمة: ٦١٥.]

٣) أخرجه الدارمي في "سننه" المقدمة، باب اتباع السنة (٢٣٠/١) رقم الحديث: ٩٨.

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

كتاب العلم

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

كتاب العلم [١]

عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ قال: تعلموا الفرائض والقرآن، وعلموا الناس، فإني مقبوض. أخرجه الترمذي، وقال: وروي عن ابن مسعود نحوه بمعناه. [٢]

زاد رزين في حديثه: وإن مثل العالم الذي لا يعلم الفرائض كمثل البرنس لا رأس له. [٣]

وعن جابر [بن عبد الله] رضي الله عنهما: رحل مسيرة شهر إلى عبد الله بن أنيس في حديث واحد. أخرجه البخاري بغير إسناد. [٤]

وعن سهل بن سعد الساعدي ﷺ أن رسول الله ﷺ قال: والله، لأن يهدى بهداك رجل واحد خير لك من حمر النعم. أخرجه أبو داود. [٥]

وعن أبي هارون العبدي [٦] قال: كنا نأتي أبا سعيد، فيقول: مرحبا بوصية رسول الله صلى الله عليه وسلم، إن رسول الله ﷺ قال: إن الناس لكم تبع، وإن رجالا يأتونكم من أقطار الأرض يتفقهون في الدين، فإذا أتوكم فاستوصوا بهم خيرا. [٧]

وفي رواية: أن النبي ﷺ قال: يأتيكم رجال من قبل المشرق يتعلمون، فإذا جاؤوكم فاستوصوا بهم خيرا، قال: وكان أبو سعيد إذا رآنا قال: مرحبا بوصية رسول الله صلى الله عليه وسلم. رواه الترمذي. [٨]

---

١) قوله العلم: أي بيان أحكام العلم وآدابه وامتياز علم الصحيح عن غير الصحيح. [الأعظمي]

٢) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الفرائض، باب ما جاء في تعليم الفرائض (٤٨٤/٣) رقم الحديث: ٢٠٩١.

٣) أخرجه ابن الأثير في "جامع الأصول" حرف العين، الكتاب الأول: في العلم، الفصل الأول: في الحث عليه (٨/٨) رقم الحديث: ٥٨٢٩.

٤) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب العلم، باب الخروج في طلب العلم (٢٦/١)

٥) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب العلم، باب فضل نشر العلم (٣٢٢/٣) رقم الحديث: ٣٦٦١.

٦) أبو هارون العبدي: هو عمارة بن جوين -بضم جيم وفتح واو وسكون تحتية وبنون- أبو هارون العبدي، مشهور بكنيته، متروك، ومنهم من كذبه شيعي، من الرابعة، مات سنة أربع وثلاثين. [تقريب التهذيب: ٤٠٨، رقم الترجمة: ٤٨٤٠. تهذيب التهذيب: ٤١٢/٧-٤١٤، رقم الترجمة: ٦٧٠.]

٧) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب العلم، باب ما جاء في الاستيصاء بمن يطلب العلم (٣٢٧/٤) رقم الحديث: ٢٦٥٠.

٨) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب العلم، باب ما جاء في الاستيصاء بمن يطلب العلم (٣٢٧/٤) رقم الحديث: ٢٦٥١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن يزيد بن سلمة ﷺ [١] قال: قلت: يا رسول الله، إني سمعت منك حديثا كثيرا، أخاف أن ينسيني أوله آخره، فحدثني بكلمة تكون جماعا، قال: اتق الله فيما تعلم. أخرجه الترمذي. [٢] وزاد رزين: واعمل به. [٣]

وعن عمر ﷺ قال: لا ينبغي لمن عنده شيء من العلم أن يضيع نفسه. [٤] أخرجه صه. [٥]

وعن علي ﷺ قال: حدثوا الناس بما يعرفون، أتحبون أن يكذب الله ورسوله؟ أخرجه البخاري. [٦]

وعن ابن مسعود ﷺ قال: ما أنت بمحدث قوما حديثا لا تبلغه عقولهم إلا كان لبعضهم فتنة. [٧]

قال مالك [بن أنس رحمه الله]: بلغني: أن ابن عمر مكث على سورة البقرة ثماني سنين يتعلمها. أخرجه الموطأ. [٨]

وعن [عبد الله] بن أبي مليكة [٩] أن عائشة ﷺ كانت لا تسمع شيئا لا تفهمه إلا راجعت فيه حتى تفهمه. أخرجه البخاري، وهو طرف من حديث يجيء في موضعه. [١٠]

---

١) يزيد بن سلمة: هو يزيد بن سلمة بن يزيد بن مشجعة بن مجمع بن مالك الجعفي صحابي، له حديث، ويقال: إنه نزل الكوفة. [تقريب التهذيب: ٦٠١، رقم الترجمة: ٧٧٢٢. تهذيب التهذيب: ١١/٣٣٣، رقم الترجمة: ٦٣٥.]

٢) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب العلم، باب ما جاء في فضل الفقه على العبادة (٤/٣٤٦) رقم الحديث: ٢٦٨٣.

٣) جامع الأصول حرف العين، الكتاب الأول: في العلم، الفصل الثاني: في آداب العالم (٨/١٣) رقم الحديث: ٥٨٤٠.

٤) أخرجه ابن الأثير في "جامع الأصول" حرف العين، الكتاب الأول: في العلم، الفصل الثاني: في آداب العالم (٨/١٤) رقم الحديث: ٥٨٤١.

٥) هذا الرمز إشارة إلى الصحة [الأعظمي.]

٦) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب العلم، باب من خص بالعلم قوما دون قوم (١/٣٧) رقم الحديث: ١٢٧

٧) أخرجه مسلم في "صحيحه" المقدمة، باب النهي عن الحديث بكل ما سمع (١/٩) رقم الحديث: ٥.

٨) أخرجه مالك في "الموطأ" كتاب الصلاة، باب ما جاء في القرآن (١/٢٨١) رقم الحديث: ٥٤٥

٩) أبو مليكة: هو زهير بن عبد الله بن جدعان أبو مليكة التيمي المدني، صحابي، له في الكتابين حديث عن أبي بكر الصديق، وهو من رهطه. [تقريب التهذيب: ٢١٧، رقم الترجمة: ٢٠٤٤. تهذيب التهذيب: ٣/٣٤٥-٣٤٦، رقم الترجمة: ٦٤٠.]

١٠) أخرجه البخاري "في صحيحه" كتاب العلم، باب من سمع شيئا فراجع فيه حتى يعرفه (١/٣٢) رقم الحديث: ١٠٣ [ولفظه: كانت لا تسمع شيئا لا تعرفه الا راجعت فيه حتى تعرفه.]

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أبي هريرة ﷺ قال: حفظت من رسول الله ﷺ وعاءين، فأما أحدهما: فبثثته فيكم، وأما الآخر: فلو بثثته قطع هذا البلعوم.[١] رواه صاحب المشكاة[٢] عن البخاري.[٣]

وأخرج صاحب جامع الأصول، عن أبي ذر [الغفاري] ﷺ قال: لو وضعتم الصمصامة على هذه وأشار إلى قفاه ثم ظننت أني أنفذ كلمة سمعتها من رسول الله صلى الله عليه وسلم قبل أن تجيزوا علي لأنفذتها. اخرجه. ولم يذكر المخرج في جامع الأصول.[٤]

ولكن ذكره في الفصل الرابع من المشكاة، عن أبي كثير، حدثني أبي قال: أتيت أبا ذر : ﷺ، وهو جالس عند الجمرة الوسطى، وقد اجتمع الناس عليه يستفتونه، فأتاه رجل فوقف عليه ثم قال: ألم تنه عن الفتيا؟ فرفع رأسه إليه فقال: أرقيب أنت علي؟ لو وضعتم الصمصامة. الحديث. رواه الدارمي والبخاري من قوله وضعتم.[٥]

وعن علي قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: علم الباطن سر من أسرار الله تعالى وحكم من أحكام الله عز وجل يقذفه في قلوب من يشاء من عباده. رواه أبو عبد الرحمن السلمي والديلمي، ورواه ابن الجوزي[٦] في الواهيات. وقال: لا يصح وعامة رواته لا يعرفون.[٧]

وقال العبد الضعيف صانه الله عما شانه: هذا الطعن من ابن الجوزي من جهة انكاره على الصوفية، لا سيما كان راويه الشيخ ابا عبد الرحمن السلمي وهو يتهمه رحمه الله بالوضع.

وعن أبي الدرداء ﷺ، قال: كنا مع رسول الله ﷺ، فشخص ببصره إلى السماء، ثم قال: هذا أوان يختلس العلم من الناس حتى لا يقدرون منه على شيء، فقال زياد بن لبيد

---

١) قال البخاري: البلعوم: مجرى الطعام.

٢) رواه الخطيب في "مشكاة المصابيح" كتاب العلم، الفصل الثالث (٨٩/١) رقم الحديث: ٢٧١.

٣) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب العلم، باب حفظ العلم (٣٥/١) رقم الحديث: ١٢٠.

٤) ذكره، هو قال: أخرجه البخاري في ترجمة باب [جامع الأصول: ٢٤/٨، رقم الحديث: ٥٨٥٨.]

٥) اخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب العلم، باب العلم قبل القول والعمل (٢٤/١) تعليقا.

٦) ابن الجوزي: هو أبو الفرج عبد الرحمن بن علي بن الجوزي الحنبلي الواعظ ببغداد، وتصانيفه مشهورة، وكان مولده سنة عشر وخمس مئة، ومات سنة سبع وتسعين وخمس مئة. [لمحات التنقيح: ٢٧٩/١٠، رقم الترجمة: ١٠٣٢]

٧) أخرجه الديلمي في "الفردوس بمأثور الخطاب" باب العلم، (٤٢/٣) رقم الحديث: ٤١٠٤. وابن الجوزي في "العلل المتناهية في الأحاديث الواهية" كتاب العلم (٧٤/١) رقم الحديث: ٩٠.

toobaa-elibrary.blogspot.com

الأنصاري [١]: كيف يختلس منا وقد قرأنا القرآن؟ فو الله لنقرأنه، ولنقرئنه أبناءنا ونساءنا، فقال رسول الله ﷺ: ثكلتك أمك زياد، إن كنت لأعدك من فقهاء أهل المدينة، هذه التوراة والإنجيل عند اليهود والنصارى، فماذا تغني عنهم؟ كذا في جامع الأصول. [٢] وذكر صاحب المشكاة نحوه. [٣] وزاد صاحب الجامع في آخر الحديث، قال جبير: فلقيت عبادة بن الصامت، فقلت: ألا تسمع ما يقول أخوك أبو الدرداء؟ فأخبرته بالذي قال أبو الدرداء، فقال: صدق أبو الدرداء، إن شئت لأحدثنك بأول علم يرفع، أول علم يرفع من الناس: الخشوع، يوشك أن تدخل المسجد الجامع فلا ترى فيه رجلا خاشعا. أخرجه الترمذي. [٤]

وعن أنس، قال: قال رسول الله ﷺ طلب العلم فريضة على كل مسلم. رواه ابن عدي، وروي البيهقي عن انس وابي سعيد، ورواه الطبراني في الصغير عن الحسين بن علي، وفي الأوسط عن ابن عباس وابي سعيد، وفي الجامع الكبير عن ابن مسعود، والخطيب عن علي. [٥]

وعنه، قال: قال رسول الله ﷺ: طلب العلم أفضل عند الله من الصلاة والصيام والحج والجهاد في سبيل الله عز وجل، رواه الطبراني وابن عبد البر.

وعن ابن عباس، قال: قال رسول الله ﷺ: طلب العلم أفضل من العبادة وملاك الدين الورع، رواه الخطيب وابن عبد البر في العلم. [٦]

---

١) زياد بن لبيد الأنصاري: هو أبو عبد الله زياد بن لبيد بن ثعلبة الأنصاري الخزرجي، صحابي، شهد بدرا، وكان عاملا على حضرموت لما مات النبي ﷺ. مات سنة إحدى وأربعين. [تقريب التهذيب: ٢٢٠، رقم الترجمة: ٢٠٩٧. تهذيب التهذيب: ٣/٣٨٢-٣٨٣، رقم الترجمة: ٦٩٩.]

٢) رواه ابن الأثير في "جامع الأصول" الركن الثاني في المقاصد، حرف العين، الكتاب الأول في العلم، الفصل السادس في رفع العلم (٨/٣٦) رقم الحديث: ٥٨٧٢.

٣) مشكاة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الثاني (١/٨١) رقم الحديث: ٢٤٥.

٤) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب العلم، باب ما جاء في ذهاب العلم (٤/٣٦١) رقم الحديث: ٢٦٥٣.

٥) أخرجه ابن عدي في "الكامل في ضعفاء الرجال" حفص بن سليمان أبو عمر الأسدي (٣/٢٧٣) والطبراني في "المعجم الصغير" باب الألف، من اسمه أحمد (١/٥٨) رقم الحديث: ٦١. وفي "المعجم الأوسط" باب العين، من اسمه علي (٤/٢٤٥) رقم الحديث: ٤٠٩٦، باب الميم، من اسمه معاذ (٨/٢٥٨) رقم الحديث: ٨٥٦٧. والخطيب في "تاريخ بغداد" حرف الياء، ذكر من اسمه أحمد واسم أبيه يحيى، أحمد بن يحيى بن أبي العباس (٦/٤٤٧).

٦) أخرجه الخطيب في "تاريخ بغداد" باب الألف، حرف الباء، ذكر من اسمه أحمد، أحمد بن محمد بن الحسن (٦/١٢٤). وابن عبد البر في "جامع بيان العلم وفضله" باب تفضيل العلم على العبادة (١/١١٢) رقم الحديث: ١٠١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أبي ذر قال: قال رسول الله ﷺ: العلماء مصابيح الأرض وخلفاء الأنبياء وورثتي وورثة الأنبياء، رواه ابن عدي.(١)

وعن أنس قال: قال رسول الله ﷺ: العلماء ورثة الأنبياء يحبهم أهل السماء ويستغفر لهم الحيتان في البحر إذا ماتوا إلى يوم القيامة. رواه ابن النجار.(٢)

وعن أبي ذر وأبي هريرة رضي الله عنهما: إذا جاء الموت لطالب العلم وهو على هذه الحالة مات وهو شهيد. رواه البزار.(٣)

وعن أنس قال: قال رسول الله ﷺ: اطلبوا العلم ولو بالصين فإن طلب العلم فريضة على كل مسلم. رواه العقيلي وابن عدي والبيهقي في شعب الإيمان.(٤)

وعن أنس قال: قال رسول الله ﷺ: من طلب العلم فهو في سبيل الله حتى يرجع. رواه ابو نعيم في الحلية.(٥)

وعن ابن عمر قال: قال رسول الله ﷺ: وزن حبر العلماء بدم الشهداء فرجح عليه.(٦)

وعن ابن عمر قال: قال رسول الله ﷺ: ما عبد الله تعالى بشيء أفضل من فقه في الدين ولصيحة المسلمين. رواه ابن النجار.(٧)

---

١) أخرجه الديلمي في "الفردوس بمأثور الخطاب" باب العلماء (٣/٧٥) رقم الحديث: ٤٢٠٩. (عن البراء بن عازب) وابن النجار كما في "الجامع الكبير" ال مع العين، (٤/٥٥) رقم الحديث: ١١٣٩٥، وفي "كنز العمال" حرف العين، كتاب العلم، الباب الأول في الترغيب فيه (١٠/١٣٥) رقم الحديث: ٢٨٦٧٩.

٢) أخرجه ابن عدي في "الكامل في ضعفاء الرجال" كما في "كنز العمال" حرف العين، كتاب العلم، الباب الأول في الترغيب فيه (١٠/١٣٤) رقم الحديث: ٢٨٦٧٧.

٣) أخرجه البزار في "مسنده" مسند أبي حمزة أنس بن مالك (١٥/١٩١) رقم الحديث: ٨٥٧٤.

٤) أخرجه العقيلي في "الضعفاء الكبير" باب الطاء، طريف بن سلمان (٢/٢٣٠)، وابن عدي في "الكامل في ضعفاء الرجال" طريف بن سلمان (٥/١٨٨) والبيهقي في "شعب الإيمان" شعح لمرء بدينه (٣/١٩٣) رقم الحديث: ١٥٤٣.

٥) أخرجه أبو نعيم في "حلية الأولياء وطبقات الأصفياء" محمد بن يعقوب (١٣/٢٩٠-)

٦) أخرجه الخطيب في "تاريخ بغداد" حرف الحاء، ذكر من اسمه محمد واسم ابيه الحسن، محمد بن الحسن بن أزهر بن جبير (٢/٥٩٢) رقم الحديث: ٤٤٧.

٧) أخرجه ابن النجار كما في "كنز العمال" حرف العين، كتاب العلم، الباب الأول في الترغيب فيه (١٠/١٤٨) رقم الحديث: ٢٨٧٥٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن واثلة [ابن الأسقع] قال: قال رسول الله ﷺ: ما من شيء أقطع لظهر إبليس من عالم يخرج في قبيلة.[١]

وعن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: مجالسة العلماء عبادة. رواه الديلمي في فردوس الاخبار.[٢]

وعن ابن عمر قال: قال رسول الله ﷺ: إن المؤمن إذا تعلم بابا من العلم عمل به أو لم يعمل به كان أفضل من أن يصلي ألف ركعة تطوعا. رواه ابن لال وروي ابن ماجة عن ابي ذر نحوه.[٣]

وعن جابر قال: قال رسول الله ﷺ: أكرموا العلماء فإنهم ورثة الأنبياء، فمن أكرمهم فقد أكرم الله ورسوله. رواه الخطيب.[٤]

وعن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن لكل شيء دعامة ودعامة هذا الدين الفقه ونفقيه واحد أشد على الشيطان من ألف عابد. رواه البيهقي في شعب الإيمان.[٥]

وعن أنس: إن مثل العلماء في الأرض، كمثل النجوم في السماء، يهتدى بها في ظلمات البر والبحر، فإذا انطمست النجوم، أوشك أن تضل الهداة. رواه احمد في مسنده.[٦]

وعن جابر قال: قال رسول الله ﷺ: ساعة من عالم متكئ[٧] على فراشه وينظر في عمله خير من عبادة العابد سبعين عاما. رواه الديلمي في فردوس الاخبار.[٨]

---

١) اخرجه الديلمي في "الفردوس بمأثور الخطاب" باب الميم (٤٨/٤) رقم الحديث: ٦١٥٠.

٢) اخرجه الديلمي في " الفردوس بمأثور الخطاب" باب الميم (١٥٦/٤) رقم الحديث: ٦٤٨٦.

٣) اخرجه ابن ماجه في "سننه" المقدمة، باب فضل من تعلم القرآن وعلمه (٢٠٩/١) رقم الحديث: ٢١٩. (عن ابي ذر) وابن لال كما في "كنز العمال" حرف العين، كتاب العلم، الباب الأول في الترغيب فيه (١٤٦/١٠) ٢٨٧٤٣.

٤) أخرجه الخطيب في "تاريخ بغداد" حرف الميم، ذكر من اسمه أحمد واسم ابيه محمد، أحمد بن محمد بن حامد البلخي (١٢٧/٦) رقم الحديث: ١٦٦٣.

٥) اخرجه البيهقي في "شعب الإيمان" طلب العلم والعلم إذا أطلق علم الدين، فصل في فضل العلم وشرف مقداره (٢٣٣/٣) رقم الحديث: ١٥٨٧.

٦) اخرجه احمد في "مسنده" مسند المكثرين من الصحابة، مسند أنس بن مالك (٥٢/٢٠) رقم الحديث: ١٢٥٩٩.

٧) يبكي [الفردوس: ٣٣٣/٢]

٨) اخرجه الديلمي في "الفردوس بمأثور الخطاب" باب السين (٣٣٣/٢) رقم الحديث: ٣٥٠٤.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن سمرة [بن جندب] قال: قال رسول الله ﷺ: ما تصدق الناس بصدقة أفضل من علم ينشر. رواه الطبراني في الكبير. (١)

وعن جابر ﷺ: من لم يطلب العلم صغيرا فطلبه كبيرا فمات مات شهيدا. رواه ابن النجار. (٢)

وعن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: الغدو والرواح في طلب العلم أفضل عند الله من الجهاد في سبيل الله عز وجل. رواه ابن النجار عن ليث عن مجاهد عن ابن عباس، ورواه ابن عساكر في تاريخه عن نهشل عن الضحاك عن ابن عباس. (٣)

وعن ابن عمر قال: قال رسول الله ﷺ: من تعلم لله وعلم لله كتب في ملكوت السماوات عظيما. رواه الديلمي. (٤)

وعن أبي أمامة، قال: قال رسول الله ﷺ: من تعلم آية من كتاب الله عز وجل استقبلته يوم القيامة تضحك في وجهه. رواه الطبراني في الكبير. (٥)

وعن أنس: من تفقه في دين الله كفاه الله همه ورزقه من حيث لا يحتسب. رواه الرافعي عن أبي يوسف (٦) عن أبي حنيفة عن أنس. (٧)

---

١) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب السين، أبو بكر الهذلي عن الحسن عن سمرة (٧/٢٣١) رقم الحديث: ٦٩٦٤. [ولفظه: ما تصدق الناس بصدقة مثل علم ينشر]

٢) أخرجه ابن النجار كما في "كنز العمال" حرف العين، كتاب العلم، الباب الأول في الترغيب فيه (١٠/١٦٢) رقم الحديث: ٢٨٨٤٣.

٣) أخرجه ابن النجار وابن عساكر كما في "كنز العمال" حرف العين، كتاب العلم، الباب الأول في الترغيب فيه (١٠/١٦٢) رقم الحديث: ٢٨٨٤٤.

٤) أخرجه الديلمي كما في "كنز العمال" حرف العين، كتاب العلم، الباب الأول في الترغيب فيه (١٠/١٦٤) رقم الحديث: ٢٨٨٥٠.

٥) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب الصاد، مكحول الشامي، عن أبي أمامة (٨/١٢٩) رقم الحديث: ٧٥٨٨.

٦) الإمام أبو يوسف: هو أبو يوسف يعقوب بن إبراهيم بن حبيب بن حبيش بن سعد بن بجير بن معاوية الأنصاري، الكوفي، الإمام المجتهد العلامة المحدث قاضي القضاة، مولده في سنة ثلاث عشرة ومائة، وتوفي يوم الخميس خامس ربيع الأول سنة اثنتين وثمانين ومائة، ومن كتبه: الخراج، والآثار، والنوادر، واختلاف الأمصار، وأدب القاضي، والأمالي في الفقه، والرد على مالك ابن أنس، والفرائض، والوصايا، والوكالة، والبيوع، والصيد والذبائح، والغصب والاستبراء، والجوامع في أربعين فصلا. [سير أعلام النبلاء: ٨/٥٣٥-٥٣٩، رقم الترجمة: ١٤١. تذكرة الحفاظ: ١/٢٩٢-٢٩٤، رقم الترجمة: ٢٧٣. شذرات الذهب: ٣٦٧-٣٧١.]

٧) أخرجه الرافعي كما في "كنز العمال" حرف العين، كتاب العلم، الباب الأول في الترغيب فيه (١٠/١٦٥) رقم الحديث: ٢٨٨٥٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن سلمان الفارسي ﷺ [1] قال: سألت رسول الله ﷺ عن الأربعين حديثا التي قال: من حفظها من أمتي دخل الجنة. قلت: وما هي يا رسول الله؟ قال: أن تؤمن بالله واليوم الآخر والملائكة والكتاب والنبيين والبعث بعد الموت والقدر خيره وشره من الله، وأن تشهد أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله، وتقيم الصلاة بوضوء سابغ لوقتها، وتؤتي الزكاة، وتصوم رمضان، وتحج البيت إن كان لك مال، وتصلي اثني عشرة ركعة في كل يوم وليلة، والوتر لا تتركه في كل ليلة، ولا تشرك بالله شيئا، ولا تعق والديك، ولا تأكل مال اليتيم ظلما ولا تشرب الخمر، ولا تزن، ولا تحلف بالله كاذبا، ولا تشهد شهادة زور ولا تعمل بالهوى ولا تغتب أخاك، ولا تقذف المحصنة، ولا تغل أخاك المسلم، ولا تلعب، ولا تله مع اللاهين، ولا تقل للقصير يا قصير تريد بذلك عيبه، ولا تسخر بأحد من الناس، ولا تمش بالنميمة بين الإخوان، واشكر الله على نعمته، واصبر عند البلاء والمصيبة، ولا تأمن من عقاب الله، ولا تقطع أقر اباءك وصلهم، ولا تلعن أحدا من خلق الله، وأكثر من التسبيح والتكبير والتهليل، ولا تدع حضور الجمعة والعيدين، واعلم أن ما أصابك لم يكن ليخطئك وما أخطأك لم يكن ليصيبك، ولا تدع قراءة القرآن على كل حال. الحافظ أبو القاسم بن عبد الرحمن بن محمد بن إسحاق بن منده والحافظ أبو الحسن علي بن أبي القاسم بن بابويه الرازي في الأربعين وابن عساكر والرافعي. [2]

وعن أم سلمة قالت: لما قدم عكرمة بن أبي جهل [3] جعل يمر بالأنصار، فيقولون: هذا ابن عدو الله أبي جهل فشكى ذلك إلى النبي ﷺ، فخطب وقال: إنما الناس معادن خيارهم في الجاهلية خيارهم في الإسلام إذا فقهوا لا يؤذى مسلم بكافر. رواه ابن عساكر في تاريخه. [4]

---

1) سلمان الفارسي: هو أبو عبد الله سلمان الفارسي، ويقال له: سلمان الخير، سابق الفرس، أصله من أصبهان، وقيل: من رامهرمز، أسلم عند قدوم النبي ﷺ المدينة، أول مشاهده الخندق، مات سنة أربع وثلاثين، يقال: بلغ ثلاثمائة سنة. [تقريب التهذيب: ٢٤٦، رقم الترجمة ٢٤٧٧، تهذيب التهذيب، ٤/١٣٧-١٣٩، رقم الترجمة: ٢٣٣.]

2) اخرجه السيوطي في "الجامع الكبير" القسم الثاني: الأفعال، مسند سلمان الفارسي (٢٠/٣٤٨- ٣٤٩) رقم الحديث: ٣٥٥. المتقي في "كنز العمال" حرف العين، كتاب العلم من قسم الأفعال، باب في آداب العلم والعلماء، فصل في رواية الحديث (١٠/٢٨٩) رقم الحديث: ٢٩٤٦٧

3) عكرمة بن أبي جهل: هو عكرمة بن أبي جهل بن هشام المخزومي، صحابي، كان هو وأبوه من أشد الناس على رسول الله ﷺ ثم أسلم عكرمة يوم الفتح وحسن إسلامه، واستشهد بالشام في خلافة أبي بكر على الصحيح. [تقريب التهذيب: ٣٩٦، رقم الترجمة: ٤٦٦٧. تهذيب التهذيب: ٧/٢٥٧-٢٥٨، رقم الترجمة: ٤٧٠.]

4) أخرجه ابن عساكر في "تاريخ دمشق" حرف العين، عكرمة بن أبي جهل (٤١/٦٠) رقم الحديث. ٨٢١٠

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن بهز بن حكيم [١] عن أبيه عن جده قال: قال رسول الله ﷺ: من استقبل العلماء فقد استقبلني، ومن زار العلماء فقد زارني، ومن جالس العلماء فقد جالسني، ومن جالسني فكأنما جالس ربي عز وجل. رواه الرافعي. [٢]

وعن أبي أمامة وواثلة قالا: قال رسول الله ﷺ: إذا كان يوم القيامة جمع الله العلماء فقال: إني لم أستودع حكمتي قلوبكم وأنا أريد أن أعذبكم ادخلوا الجنة. رواه ابن عدي وابن عساكر. [٣]

وعن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: ذنب العالم واحد وذنب الجاهل ذنبان؛ العالم يعذب على ركوب الذنب والجاهل يعذب على ركوب الذنب وتركه العلم. رواه الديلمي. [٤]

وعن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: خيار أمتي علماؤها، وخير علمائها رحماؤها ألا وإن الله تعالى ليغفر للعالم أربعين ذنبا قبل أن يغفر للجاهل ذنبا واحدا، ألا وإن العالم الرحيم يجيء يوم القيامة وإن نوره قد أضاء يمشي فيه ما بين المشرق والمغرب كما يضيء الكوكب الدري. [٥]

وعن عائشة قالت: قال رسول الله ﷺ: إذا أتى علي يوم لا ازداد فيه علما لا يقربني إلى الله تعالى فلا بورك لي في طلوع شمس ذلك اليوم، رواهما أبو نعيم في الحلية. [٦]

---

١) بهز بن حكيم: هو أبو عبد الملك بهز بن حكيم بن معاوية القشيري، صدوق، من السادسة، مات قبل الستين ومائة. [تقريب التهذيب: ١٢٨، رقم الترجمة: ٧٧٢. تهذيب التهذيب: ١/٤٩٨-٤٩٩، رقم الترجمة: ٩٢٤].

٢) أخرجه الرافعي كما في "كنز العمال" حرف العين، كتاب العلم، الباب الأول في الترغيب فيه (١٠/١٧٠) رقم الحديث: ٢٨٨٨٣. والسيوطي في "الجامع الكبير" القسم الأول: الأقوال، حرف الميم (٨/٥٣٠) رقم الحديث: ٢٠٤٩٨.

٣) أخرجه ابن عدي في "الكامل في ضعفاء الرجال" عثمان بن عبد الرحمن الجمحي مصري (٦/٢٧٧). وابن عساكر في "تاريخ دمشق" حرف العين، علي بن عاصم بن أبي العاص (٤٣/٧)

٤) أخرجه الديلمي في "الفردوس بمأثور الخطاب" باب الذال (٢/٢٤٨) رقم الحديث: ٣١٦٥.

٥) أخرجه أبو نعيم في "حلية الأولياء وطبقات الأصفياء" ذكر طوائف من جماهير النساك والعباد، عبد الله بن المبارك (٨/١٨٨)

٦) أخرجه أبو نعيم في "حلية الأولياء وطبقات الأصفياء" الطبقة الأولى من التابعين، ذكر طوائف من جماهير النساك والعباد، عبد الله بن مبارك (٨/١٨٨).

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أنس قال: كان إخوان على عهد رسول الله ﷺ، فكان أحدهما يحترف وكان الآخر يلزم رسول الله ﷺ ويتعلم منه، فشكى المحترف اخاه إلى رسول الله ﷺ. فقال: لعلك به ترزق. رواه الترمذي. وعن جويبر (١) عن الضحاك عن ابن عباس مثله. (٢)

وعن علي رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: عالم ينتفع به خير من ألف عابد. رواه الديلمي. (٣)

وعن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: إن من العلم كهيئة المكنون لا يعلمه إلا العلماء بالله، فإذا نطقوا به لا ينكره إلا أهل الغرة بالله. رواه الديلمي. (٤)

وعن شداد بن أوس: لا يفقه العبد كل الفقه حتى يمقت الناس في ذات الله وحتى لا يكون أحد أمقت من نفسه. رواه الخطيب في المتفق والمفترق. (٥)

وعن أبي بكر الصديق رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: من كتب عني علما أو حديثا لم تزل يكتب له الأجر ما بقي ذلك العلم والحديث. رواه ابن عساكر في تاريخه. (٦)

وعن أبي بكر بن أبي موسى (٧): أن أبا موسى أتى عمر بن الخطاب بعد العشاء، فقال له عمر: ما جاء بك؟ قال: جئت أتحدث إليك، قال: هذه الساعة؟ قال: إنه فقه، فجلس عمر، فتحدثا طويلا، ثم إن أبا موسى قال: الصلاة يا أمير المؤمنين، قال: أنا في صلاة. رواه عبد الرزاق وابن أبي شيبة. (٨)

---

١) جويبر: هو أبو القاسم جويبر –تصغير جابر– ويقال: اسمه جابر وجويبر لقب، بن سعيد الأزدي البلخي، نزيل الكوفة، راوي التفسير، ضعيف جدا، من الخامسة، مات بعد الأربعين. [تقريب التهذيب: ١٤٣، رقم الترجمة: ٩٨٧. تهذيب التهذيب: ١٢٣/٢، رقم الترجمة: ٢٠٠.]

٢) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الزهد، باب في التوكل على الله (٥٧٤/٤) رقم الحديث: ٢٣٤٥.

٣) أخرجه الديلمي في "الفردوس بمأثور الخطاب" باب الظاء (٤١/٣) ٤١٠٠.

٤) أخرجه الديلمي في "الفردوس بمأثور الخطاب" باب الألف (٢١٠/١) رقم الحديث: ٨٠٢.

٥) أخرجه الخطيب في "المتفق والمفترق" باب السين، سعيد بن أبي سعيد أبو الحسن البلخي (١٠٥٣/٢)

٦) أخرجه ابن عساكر كما في "كنز العمال" حرف العين، كتاب العلم، الباب الأول في الترغيب فيه (١٨٣/١٠) رقم الحديث: ٢٨٥٥١.

٧) أبو بكر بن أبي موسى: هو أبو بكر بن أبي موسى الأشعري، اسمه عمرو أو عامر، ثقة، من الثالثة، مات سنة ست ومائة. [تقريب التهذيب: ٦٢٤، رقم الترجمة: ٧٩٩٠. تهذيب التهذيب: ٤٠/١٢، رقم الترجمة: ١٥٩.]

٨) أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الصلاة، باب من رخص في ذلك (٧٩/٢) رقم الحديث: ٦٦٩٣. وعبد الرزاق في "مصنفه" كما في "كنز العمال" كتاب العلم من قسم الأفعال، باب في فضله والتحريض عليه (٢٥٣/١٠) رقم الحديث: ٢٩٣٥١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن الزهري قال كان مجلس عمر مغتصا عن القراء شبابا وكهولا فربما استشارهم ويقول: لا يمنع أحدكم حداثة سنه أن يشير برأيه فإن العلم ليس على حداثة السن وقدمه، ولكن الله تعالى يضعه حيث يشاء. رواه ابن عبد البر والبيهقي. (١)

وعن الحسن قال: قال عمر بن الخطاب: عليكم بالتفقه في الدين والتفقه في العربية وحسن العربية. رواه ابو عبيد. (٢)

وعن جابر قال: قال رسول الله ﷺ: يبعث العالم والعابد فيقال للعابد: ادخل الجنة ويقال للعالم: اثبت تشفع للناس كما أحسنت أدبهم. رواه الديلمي. (٣)

وعن أبي الدرداء قال: قال لي رسول الله ﷺ: يا عويمر يا أبا الدرداء كيف بك إذا قيل لك يوم القيامة، علمت أم جهلت؟ فإن قلت علمت قيل لك: فماذا عملت فيما تعلمت، وإن قلت جهلت قيل لك: فماذا عذرك فيما جهلت ألا تعلمت. رواه ابن عساكر. (٤)

وعن محمد بن أبي قتلة أن رجلا كتب إلى ابن عمر يسأله عن العلم فكتب إليه ابن عمر: إنك كتبت تسألني عن العلم فالعلم أكبر من أن أكتب به إليك، ولكن إن استطعت أن تلقى الله كاف اللسان عن أعراض المسلمين خفيف الظهر من دمائهم خميص البطن من أموالهم لازما لجماعتهم فافعل. رواه ابن عساكر. (٥)

وعن ابن مسعود قال: كان رسول الله ﷺ إذا رأى الذين يبتغون العلم قال: مرحبا بكم ينابيع الحكمة مصابيح الظلم خلقان الثياب جدد القلوب ريحان كل قبيلة. رواه الديلمي. (٦)

وعن علي قال: قال رسول الله ﷺ: نوم على علم خير من اجتهاد على جهل. رواه آدم بن أبي اياس في العلم. (١)

---

١) أخرجه ابن عبد البر في "جامع بيان العلم وفضله" باب حال العلم إذا كان عند الفساق والأرذال (١/٦١٩) رقم الحديث: ١٠٧٠. والبيهقي كما في "كنز العمال" كتاب العلم من قسم الأفعال، باب في فضله والتحريض عليه (١٠/٢٥٣) رقم الحديث: ٢٩٣٥٣.

٢) أخرجه أبو عبيد كما في "كنز العمال" كتاب العلم من قسم الأفعال، باب في فضله والتحريض عليه (١٠/٢٥٤) رقم الحديث: ٢٩٣٥٧.

٣) أخرجه الديلمي في "الفردوس بمأثور الخطاب" باب الخاء (٥/٤٦٥) رقم الحديث: ٨٧٧٣.

٤) أخرجه ابن عساكر في "تاريخ دمشق" حرف العين، ذكر من اسمه عضور (٤٨/٦٨).

٥) أخرجه ابن عساكر في "تاريخ دمشق" حرف الميم، محمد بن الحجاج بن أبي قتلة الخولاني الداراني (٥٢/٢٥٦).

٦) أخرجه الديلمي في "الفردوس بمأثور الخطاب" باب الميم (٤/١٦١) رقم الحديث: ٦٥٠١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

فصل في آفات العلم ووعيد من لم يعمل بعلمه

واعلم افة الدين ثلاثة، فقيه فاجر وأما مجابر، ومجتهد اجتهادا على جهل.

عن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: آفة الدين ثلاثة: فقيه فاجر، وامام جائر، ومجتهد جاهل. (٢)

وعن أبي الدرداء، قال: قال رسول الله ﷺ: أخاف على أمتي ثلاثا: زلة عالم، وجدال منافق بالقرآن، والتكذيب بالقدر. رواه الطبراني في الكبير. (٣)

وعن علي قال: قال رسول الله ﷺ: العلماء أمناء الرسل مالم يخالطوا السلطان ويداخلوا الدنيا، فإذا خالطوا السلطان وداخلوا الدنيا فقد خانوا الرسل فاحذروهم. رواه العسكري. (٤)

وعن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: مثل العالم الذي يعلم الناس الخير وينسى نفسه مثل الفتيلة تضيء للناس وتحرق نفسها. رواه الطبراني. (٥)

وعن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: أشد الناس عذابا يوم القيامة عالم لم ينفعه علمه. رواه ابو داود الطيالسي وسعيد بن منصور في سننه وابن عدي في الكامل والبيهقي في شعب الإيمان. (٦)

---

١) اخرجه آدم في "العلم" كما في "كنز العمال" حرف العين، كتاب العلم من قسم الأفعال، باب في فضله والتحريض عليه (١٠/٢٦١) رقم الحديث: ٢٩٣٨٦.

٢) اخرجه الديلمي في "الفردوس بمأثور الخطاب" كما في "كنز العمال" حرف العين، كتاب العلم من قسم الأقوال، الباب الثاني في آفات العلم ووعيد من لم يعمل بعلمه (١٠/١٨٣) رقم الحديث: ٢٨٩٥٤.

٣) اخرجه الطبراني في "مسند الشاميين" مسند يونس بن ميسرة (٣/٢٦٤) رقم الحديث: ٢٢٢٠.

٤) اخرجه العقيلي في "الضعفاء الكبير" كما في "كنز العمال" حرف العين، كتاب العلم من قسم الأقوال، الباب الثاني في آفات العلم ووعيد من لم يعمل بعلمه (١٠/١٨٣) رقم الحديث: ٢٨٩٥٢

٥) اخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب الجيم، أبو تميمة الهجيمي عن جندب (٢/١٦٥) رقم الحديث: ١٦٨١ [فيه: كمثل السراج]

٦) اخرجه البيهقي في "شعب الإيمان" نشر العلم وألا يمنعه أهله، فصل قال: وينبغي لطالب العلم أن يكون تعلمه وللعالم أن يكون تعليمه لوجه الله تعالى (٣/٢٧٣) رقم الحديث: ١٦٤٢ وابن عدي في "الكامل في ضعفاء الرجال" خالد بن الحسن أبو الجنيد الضرير (٣/٤٧٤) والطيالسي وسعيد بن منصور في "سننه" كما في "كنز العمال" حرف العين، كتاب العلم من قسم الأقوال، الباب الثاني في آفات العلم ووعيد من لم يعمل بعلمه (١٠/١٨٧) رقم الحديث: ٢٨٩٧٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعنه قال: قال رسول الله ﷺ: إن الله تبارك وتعالى يبغض كل عالم بالدنيا جاهل بالآخرة.[١]

وعن ابن عمر قال: قال رسول الله ﷺ: إن الله تبارك وتعالى يسأل العبد عن فضل علمه كما يسأل عن فضل ماله. رواه الطبراني في الصغير.[٢]

وعن أنس قال: قال رسول الله ﷺ: إن الله تبارك وتعالى يعافي الأميين يوم القيامة ما يعافي العلماء. رواه أبو نعيم في الحلية والضياء المقدسي.[٣]

وعن الوليد بن عقبة قال: قال رسول الله ﷺ: إن أناسا من أهل الجنة يطلعون إلى أناس من أهل النار فيقولون: بم دخلتم النار، فوالله ما دخلنا الجنة إلا بما تعلمنا منكم، فيقولون: إنا كنا نقول ولا نفعل. رواه الطبراني.[٤]

وعن ابن عمر رضي الله عنهما، قال: لا يكون الرجل عالما حتى لا يحسد من فوقه، ولا يحقر من دونه، ولا يبتغي بعلمه ثمنا. رواه الدارمي.[٥]

وعن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: صنفان من الناس إذا صلحا صلح الناس، وإذا فسدا فسد الناس: العلماء والأمراء. رواه أبو نعيم في الحلية.[٦]

وعن معاذ قال: قال رسول الله ﷺ: إذا قرأ الرجل وتفقه في الدين ثم أتى باب السلطان تملقا إليه وطمعا لما في يديه خاض بقدر خطاه في نار جهنم. رواه أبو الشيخ.[٧]

---

١) أخرجه ابن عساكر في "تاريخ دمشق" كما في "كنز العمال" حرف العين، كتاب العلم من قسم الأقوال، الباب الثاني في آفات العلم ووعيد من لم يعمل بعلمه (١٠/١٨٨) رقم الحديث:٢٨٩٨٢.

٢) أخرجه الطبراني في "المعجم الصغير" كما في "كنز العمال" حرف العين، كتاب العلم من قسم الأقوال، الباب الثاني في آفات العلم ووعيد من لم يعمل بعلمه (١٠/١٨٨) رقم الحديث: ٢٨٩٨٣.

٣) أخرجه أبو نعيم في "حلية الأولياء وطبقات الأصفياء" الطبقة الأولى من التابعين، ثابت البناني (٢/٣٣١). والمقدسي في "الأحاديث المختارة" عن قتية وقد روي عن جعفر عن ثابت مرسل (٤/٤٢٨) رقم الحديث: ١٦٠٩.

٤) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب الواو، ما أسند الوليد بن عقبة (٢٢/١٥٠) رقم الحديث: ٤٠٥. [فيه: يتطلقون]

٥) أخرجه الدارمي في "سننه" كتاب العلم، باب من قال: العلم الخشية وتقوى الله (١/٣٣٥) رقم الحديث: ٢٩٨.

٦) أخرجه أبو نعيم في "حلية الأولياء وطبقات الأصفياء" الطبقة الأولى من التابعين، ميمون بن مهران (٤/٩٦) [فيه: اثنان من الناس]

٧) أخرجه أبو الشيخ في "الثواب" كما في "كنز العمال" حرف العين، كتاب العلم من قسم الأقوال، الباب الثاني في آفات العلم ووعيد من لم يعمل بعلمه (١٠/١٨٨) رقم الحديث: ٢٩٠٢٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: من طلب العلم لغير العمل فهو كالمستهزئ بربه عز وجل.(١)

وعن ابن عمر قال: قال رسول الله ﷺ: من تعلم العلم لغير الله تعالى فليتبوأ مقعده من نار. رواه الترمذي.(٢)

وعن عمران بن حصين قال: قال رسول الله ﷺ: إن أخوف ما أخاف عليكم بعدي كل منافق عليم اللسان(٣). رواه الطبراني في الكبير والبيهقي في شعب الإيمان.(٤)

وعن أبي عثمان النهدي(٥) قال: سمعت عمر بن الخطاب يقول على المنبر: إياكم والمنافق العليم قالوا: وكيف يكون المنافق عليما؟ قال يتكلم بالحق ويعمل بالمنكر. رواه البيهقي في شعب الإيمان وابن النجار.(٦)

وعن أنس قال: رسول الله ﷺ: يأتي على الناس زمان يتحلقون في المساجد وليس همتهم إلا الدنيا ليس لله فيهم حاجة فلا تجالسوهم. رواه ابن عساكر.(٧)

---

١) أخرجه الديلمي في "الفردوس بمأثور الخطاب" كما في "كنز العمال" حرف العين، كتاب العلم من قسم الأقوال، الباب الثاني في آفات العلم ووعيد من لم يعمل بعلمه (٢٠٣/١٠) رقم الحديث: ٢٩٠٦٦.

٢) أخرجه الترمذي في "جامعه" كتاب العلم، باب ما جاء فيمن يطلب بعلمه الدنيا (٣٣/٥) رقم الحديث: ٢٦٥٥. وقال حسن غريب.

٣) أي لا يؤثر علمه في قلبه تأثيرا حسنا، فكأنه خالي القلب من العلم. [الأعظمي]

٤) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب العين، عبد الله بن بريدة عن عمران بن حصين (٢٣٧/١٨) رقم الحديث: ٥٩٣. والبيهقي في "شعب الإيمان" نشر العلم وألا يمنعه أهله، فصل قال: وينبغي لطالب العلم أن يكون تعلمه وللعالم أن يكون تعليمه لوجه الله تعالى (٢٧٢/٣) رقم الحديث: ١٦٣٩.

٥) أبو عثمان النهدي: هو عبد الرحمن بن مل -بلام ثقيلة والميم مثلثة- أبو عثمان النهدي -بفتح النون وسكون الهاء-، مشهور بكنيته، مخضرم، من كبار الثانية، ثقة ثبت عابد، مات سنة خمس وتسعين، وقيل: بعدها، وعاش مائة وثلاثين سنة، وقيل أكثر. [تقريب التهذيب: ٣٥١، رقم الترجمة: ٤٠١٧.]

٦) أخرجه والبيهقي في "شعب الإيمان" نشر العلم وألا يمنعه أهله، فصل قال: وينبغي لطالب العلم أن يكون تعلمه وللعالم أن يكون تعليمه لوجه الله تعالى (٢٧٢/٣) رقم الحديث: ١٦٤٠. وابن النجار كما في "كنز العمال" حرف العين، كتاب العلم من قسم الأفعال، باب التحذير من علماء السوء وآفات العلم (٢٦٥/١٠) رقم الحديث: ٢٩٣٩٥.

٧) أخرجه الحاكم في "المستدرك على الصحيحين" كتاب الرقاق (٣٥٩/٤) رقم الحديث: ٧٩١٦. وابن عساكر في "تاريخ دمشق" كما في "كنز العمال" حرف العين، كتاب العلم من قسم الأقوال، الباب الثاني في آفات العلم ووعيد من لم يعمل بعلمه (٢٠٥/١٠) رقم الحديث: ٢٩٠٨٦.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: سيكون في آخر أمتي أقوام يزخرفون مساجدهم ويخربون قلوبهم يتقي أحدهم على ثوبه ما لا يتقي على دينه لا يبالي أحدهم إذا سلمت له دنياه ما كان من أمر دينه. رواه ابن عساكر في تاريخه. (١)

وعن أنس قال: قال رسول الله ﷺ: إن في جهنم رحى تطحن علماء السوء طحنا. رواه ابن عدي وابن عساكر. (٢)

وعن ابن عمرو قال: قال رسول الله ﷺ: من سمع الناس بعلمه سمع الله به سامع خلقه وحقره وصغره. رواه ابن المبارك واحمد وهناد والطبراني وابو نعيم في الحلية. (٣)

وعن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: سيهلك نفر من أمتي في الكتاب واللبن قيل: وما أهل الكتاب؟ قال: قوم يتعلمون كتاب الله يجادلون به الذين آمنوا، قيل: وما أهل اللبن؟ قال: قوم يتبعون الشهوات ويضيعون الصلوات. رواه ابن عساكر والبيهقي في شعب الإيمان. (٤)

وعن أبي درداء قال: قال رسول الله ﷺ: تعلموا ما شئتم، فإن الله تعالى لن ينفعكم به حتى تعملوا. رواه ابن عساكر. (٥)

---

١) أخرجه ابن عساكر في "تاريخ دمشق" كما في "كنز العمال" حرف العين، كتاب العلم من قسم الأقوال، الباب الثاني في آفات العلم ووعيد من لم يعمل بعلمه (١٠/٢٠٥) رقم الحديث: ٢٩٠٨٨.

٢) أخرجه ابن عدي في "الكامل في ضعفاء الرجال" سويد بن عبد العزيز واسطي (٤/٤٩٤)، وابن عساكر في "تاريخ دمشق" حرف العين، عبد العزيز بن حيان بن صابر (٣٦/٢٨٢)

٣) أخرجه ابن المبارك في "الزهد والرقائق" باب العمل والذكر الخفي (١/٤٦) رقم الحديث: ١٤١. وأحمد في "مسنده" مسند المكثرين من الصحابة، مسند عبد بن عمرو بن العاص (١١/٥٦) رقم الحديث: ٦٥٠٩، (١١/٤٣٠) رقم الحديث: ٦٨٣٩. والطبراني في "المعجم الكبير" مسند عبد الله بن عمر بن الخطاب، عبد الله بن عمرو بن العاص (١٣/٣٧٠) رقم الحديث: ١٤١٨٧، (١٣/٥٢٩) رقم الحديث: ١٤٤١٤، (١٣/٥٥٤) رقم الحديث: ١٤٤٤٧، ١٤٤٤٨، ١٤٤٤٩. وأبو نعيم في "حلية الأولياء وطبقات الأصفياء" خيثمة بن عبد الرحمن (٤/١٢٣)، عمر بن مرة (٥/٩٩). وهناد كما في "كنز العمال" حرف العين، كتاب العلم من قسم الأقوال، الباب الثاني في آفات العلم ووعيد من لم يعمل بعلمه (١٠/٢٠٩) رقم الحديث: ٢٩١٠٧.

٤) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب العين، أبو قبيل حيي بن هانئ المغافري عن عقبة بن عامر (١٧/٢٩٦) رقم الحديث: ٨١٧. والبيهقي في "شعب الإيمان" الصلاة، فضل المشي إلى المساجد (٤/٣٨٨) رقم الحديث: ٢٧٠٣. وابن عساكر في "تاريخ دمشق" كما في "كنز العمال" حرف العين، كتاب العلم من قسم الأقوال، الباب الثاني في آفات العلم ووعيد من لم يعمل بعلمه (١٠/٢١٥) رقم الحديث: ٢٩١٣٧.

٥) أخرجه ابن عساكر في "تاريخ دمشق" حرف الميم، محمد بن الحسين بن أبي الدرداء (٥٢/٣٤٢).

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أنس قال: قال رسول الله ﷺ: تعوذوا بالله من فخر القراء فهم أشد فخرا من الجبابرة ولا شيء أبغض إلى الله من قارئ فخور. وفي رواية: ولا أبغض أحد إلى الله من قارئ متكبر. رواه الديلمي. (١)

وعن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: أتي على الناس زمان يتعلمون فيه القرآن فيجمعون حروفه ويضيعون حدوده، ويل لهم مما جمعوا وويل لهم مما صنعوا إن أولى الناس بهذا القرآن من جمعه ولم ير عليه أثره. رواه أبو نعيم. (٢)

وعن عمر قال: قال رسول الله ﷺ: أخوف ما أخاف على هذه الأمة قوم يتأولون القرآن على غير تأويله. رواه ابن أبي شيبة. (٣)

وعن علي أنه قال: يا حملة القرآن اعملوا به [من أنسابكم ما تصلون به أرحامكم ثم انتهوا وتعلموا به] (٤) فإن العالم من عمل بما علم ووافق عمله علمه وسيكون أقوام يحملون العلم لا يجاوز تراقيهم يخالف سريرتهم علانيتهم، ويخالف عملهم علمهم يجلسون حلقا فيباهي بعضهم بعضا حتى إن أحدهم ليغضب على جليسه حين يجلس إلى غيره ويدعه، أولئك لا تصعد أعمالهم في مجالسهم تلك إلى الله. رواه الدار قطني في حديث ابن مردك (٥). والخطيب في الجامع، وأبو الغنائم النرسي في كتاب أنس، العاقل، وابن عساكر في تاريخه. (٦)

---

١) أخرجه الديلمي في "الفردوس بمأثور الخطاب" باب التاء (٢/٤٩) رقم الحديث: ٢٢٨٢.

٢) أخرجه أبو نعيم في "حلية الأولياء وطبقات الأصفياء" كما في "كنز العمال" حرف العين، كتاب العلم من قسم الأقوال، الباب الثاني في آفات العلم ووعيد من لم يعمل بعلمه (١٠/٢١١- ٢١٢) رقم الحديث: ٢٩١٢٠.

٣) أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الفتن، ما ذكر في فتنة الدجال (٧/٥٠٣) رقم الحديث: ٣٧٥٧١.

٤) هذه العبارة زائدة. [فتح الرحمن في إثبات مذهب النعمان: ١/٨٧.]

٥) في حديث مردوية. [فتح الرحمن في إثبات مذهب النعمان: ١/٨٧.]

٦) أخرجه الخطيب في "الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع" باب النية في طلب الحديث (١/٨٩) رقم الحديث: ٣١ والدارمي في "سننه" كتاب العلم، باب التوبيخ لمن يطلب العلم لغير الله (١/٣٨٢) رقم الحديث: ٣٩٤. وابن عساكر في "تاريخ دمشق" حرف العين، علي بن أبي طالب (٤٢/٥٠٩) والدار قطني في حديث ابن مردك، وأبو الغنائم النرسي في كتاب أنس كما في "كنز العمال" حرف العين، كتاب العلم من قسم الأفعال، باب التحذير من علماء السوء وآفات العلم (١٠/٢٧٢) رقم الحديث: ٢٩٤١٩.

toobaa-elibrary.blogspot.com

فصل في علم النجوم والأنساب والعربية

وعن ابن عمر: تعلموا من النجوم ما تهتدون به في ظلمات البر والبحر ثم انتهوا. رواه ابن مردوية، والدار قطني في كتاب النجوم. (١)

وعن ابن عباس: من اقتبس علما من النجوم اقتبس شعبة من السحر زاد ما زاد. رواه احمد وأبو داود وابن ماجة. (٢)

وعن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: مثل الناظر في النجوم كالناظر في عين الشمس كلما اشتد نظره فيها ذهب بصره. رواه الديلمي. (٣)

وعن الربيع بن سبرة الجهني (٤) قال: لما غزا عمر وأراد الخروج إلى الشام خرجت معه، فلما أراد أن يدلج نظرت فإذا القمر في الدبران فأردت أن أذكر ذلك لعمر فعرفت أنه يكره ذكر النجوم، فقلت له: يا أبا حفص انظر إلى القمر ما أحسن استواءه هذه الليلة؛ فنظر فإذا هو في الدبران فقال: قد عرفت ما تريد يا ابن سبرة تقول: إن القمر في الدبران والله ما نخرج بشمس ولا بقمر إلا بالله الواحد القهار. رواه الخطيب وابن عساكر في كتاب النجوم. (٥)

وعن أبي هريرة قال: نهى النبي ﷺ عن النظر في النجوم. رواه ابن النجار. (٦)

---

١) أخرجه ابن مردوية والدار قطني في "كتاب النجوم" كما في "كنز العمال" حرف العين، كتاب العلم من قسم الأقوال، الباب الأول في الترغيب عنه (١٤٢/١٠) رقم الحديث: ٢٨٧٢١.

٢) أخرجه أحمد في "مسنده" مسند بني هاشم، مسند عبد الله بن عباس بن عبد المطلب (٤١/٥) رقم الحديث: ٢٨٤٠. وأبو داود في "سننه" كتاب الطب، باب في النجوم (١٥/٤) رقم الحديث: ٣٩٠٥. وابن ماجه في "سننه" كتاب الأدب، باب تعلم النجوم (١٢٢٨/٢) رقم الحديث: ٣٧٢٦.

٣) أخرجه الديلمي في "الفردوس بمأثور الخطاب" باب الميم (١٤٦/٤) رقم الحديث: ٦٤٤٨.

٤) الربيع بن سبرة الجهني: هو الربيع بن سبرة -بفتوحة وسكون موحدة- بن معبد الجهني المدني، ثقة، من الثالثة. [تقريب التهذيب: ٢٠٦، رقم الترجمة: ١٨٩٢. تهذيب التهذيب: ٢٤٤/٣—٢٤٥، رقم الترجمة: ٤٧١.]

٥) أخرجه ابن عساكر في "تاريخ دمشق" حرف الراء، الربيع بن سبرة بن معبد (٧٢/١٨) والخطيب في "تاريخ بغداد" حرف العين، ابراهيم بن علي بن حسين (٥٤/٧).

٦) أخرجه ابن النجار كما في "كنز العمال" حرف العين، كتاب العلم من قسم الأفعال، باب التحذير من علماء السوء وآفات العلم، فصل في العلوم المذمومة والمباحة (٢٧٨/١٠) رقم الحديث: ٢٩٤٣٦.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن علي قال: نهاني رسول الله ﷺ عن النظر في النجوم وأمرني بإسباغ الطهور. رواه الخطيب. (١)

وعن عبد الله بن عوف بن الأحمر أن مسافر بن عوف بن الأحمر قال لعلي بن أبي طالب حين انصرف من الأنباري إلى أهل النهروان: يا أمير المؤمنين لا تسر في هذه الساعة، وسر في ثلاث ساعات يمضين من النهار قال علي: ولم؟ قال: لأنك إن سرت في هذه الساعة أصابك أنت وأصحابك بلاء وضرر شديد وإن سرت في الساعة التي أمرتك بها ظفرت وظهرت وأصبت وطلبت فقال علي: ما كان لمحمد ﷺ منجم ولا لنا من بعده هل تعلم ما في بطن فرسي هذه؟ قال إن حسبت علمت قال: من صدقك بهذا القول كذب القرآن قال الله تعالى: إن الله عنده علم الساعة وينزل الغيث ويعلم ما في الأرحام. الآية.

وقال في آخر الحديث: ما كان لمحمد ﷺ منجم ولا لنا من بعده ففتح الله علينا بلاد كسرى وقيصر وسائر البلدان، أيها الناس توكلوا على الله وثقوا به فإنه يكفي ما سواه. رواه الحارث والخطيب في كتاب النجوم. (٢)

وعنه ﷺ: انه كان متوجها إلى سفر للجهاد فقال أحد من اصحابه لا تسافروا اليوم وسافروا اليوم الفلاني فقال ﷺ لو كان في يدي سيف لضربت عنقك، كنا مع ابي القاسم رسول الله ﷺ ولم نسمع عنده يذكر مثل هذا، رواه السيوطي. (٣)

وعن ابن عباس وأبي هريرة أن النبي ﷺ دخل المسجد فرأى جمعا من الناس على رجل فقال: ما هذا؟ قالوا: يا رسول الله رجل علامة، قال: وما العلامة؟ قالوا: أعلم الناس بأنساب العرب وبالشعر وبما اختلف فيه العرب، فقال النبي ﷺ: هذا علم لا ينفع وجهالته لا تضر. رواه الديلمي. (٤)

---

١) اخرجه الخطيب كما في "كنز العمال" حرف العين، كتاب العلم من قسم الأفعال، باب التحذير من علماء السوء وآفات العلم، فصل في العلوم المذمومة والمباحة (١٠/٢٧٨) رقم الحديث: ٢٩٤٣٧.

٢) اخرجه الحارث في "مسنده" كتاب الطب، باب ما جاء في النظر في النجوم (٢/٦٠١) رقم الحديث: ٥٦٤. والخطيب كما في "كنز العمال" حرف العين، كتاب العلم من قسم الأفعال، باب التحذير من علماء السوء وآفات العلم، فصل في العلوم المذمومة والمباحة (١٠/٢٧٨- ٢٧٩) رقم الحديث: ٢٩٤٣٩.

٣) لم أعثر عليه.

٤) أخرجه الديلمي في "الفردوس بمأثور الخطاب" كما في "كنزالعمال" حرف العين، كتاب العلم من قسم الأفعال، باب التحذير من علماء السوء وآفات العلم، فصل في العلوم المذمومة والمباحة (١٠/٢٨٠) رقم الحديث: ٢٩٤٤٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: كذب النسابون قال الله تعالى: وقرونا بين ذلك كثيرا. رواه ابن سعد وابن عساكر.[1]

وعن ابن عمر قال: قال رسول الله ﷺ: حسبكم من أنسابكم ما تصلون به أرحامكم، ثم انتهوا وتعلموا العربية ما تعرفون به كتاب الله ثم انتهوا. رواه ابن عبد البر.[2]

وعن السائب بن يزيد[3] أنه لم يكن يقص على عهد النبي ﷺ ولا أبي بكر ولا عمر وكان أول من قص تميم الداري[4] استأذن عمر أن يقص على الناس قائما فأذن له. رواه العسكري.[5]

وعن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: أول من أسرج في المسجد تميم الداري. رواه أبو نعيم.[6]

وعن أبي الأسود الدؤلي قال: دخلت على علي بن أبي طالب فرأيته مطرقا متفكرا فقلت فيم تفكر يا أمير المؤمنين؟ قال: إني سمعت ببلدكم هذا لحنا فأردت أن اصنع كتابا في أصول العربية، فقلت: إذا فعلت هذا أحييتنا وبقيت فينا هذه اللغة، ثم أتيته بعد ثلاث فألقى إلي صحيفة فيها: بسم الله الرحمن الرحيم الكلام كله اسم وفعل وحرف، فالأسم ما أنبأ عن

---

١) أخرجه ابن سعد في "الطبقات الكبرى" السيرة النبوية، ذكر نسب رسول الله ﷺ (٤٧/١). وابن عساكر في "تاريخ دمشق" السيرة النبوية، باب ذكر معرفة نسبه (٥٢/٣).

٢) أخرجه البيهقي في "شعب الإيمان" طلب العلم، فصل في فضل العلم وشرف مقداره (٢٣٨/٣) رقم الحديث: ١٥٩٤. [وفيه: تعلموا من أنسابكم. وروى عن أبي هريرة. كما في كنز العمال: ٢٢٠/١٠، رقم الحديث: ٢٩١٦٢]

٣) السائب بن يزيد: هو السائب بن يزيد بن سعيد بن ثمامة الكندي، صحابي صغير، له أحاديث قليلة، وحج به في حجة الوداع وهو ابن سبع سنين، وولاه عمر سوق المدينة، مات سنة إحدى وتسعين، وقيل: قبل ذلك، وهو آخر من مات بالمدينة من الصحابة. [تقريب التهذيب: ٢٢٨، رقم الترجمة: ٢٢٠٢. تهذيب التهذيب: ٤٥٠/٣-٤٥١، رقم الترجمة: ٨٣٩.]

٤) تميم الداري: هو أبو رقية -بقاف وتحتانية مصغر- تميم بن أوس بن خارجة الداري، صحابي مشهور، سكن بيت المقدس بعد قتل عثمان، قيل مات سنة أربعين. [تقريب التهذيب: ١٣٠، رقم الترجمة: ٧٩٩ تهذيب التهذيب: ٥١١/١، رقم الترجمة: ٩٥١.]

٥) أخرجه العسكري كما في "كنزالعمال" حرف العين، كتاب العلم من قسم الأفعال، باب التحذير من علماء السوء وآفات العلم، فصل في العلوم المذمومة والمباحة (٢٨١/١٠) رقم الحديث: ٢٩٤٤٧.

٦) أخرجه أبو نعيم في "معرفة الصحابة" باب التاء، تميم بن أوس الداري (٤٤٨/١) رقم الحديث: ١٢٨٩.

toobaa-elibrary.blogspot.com

المسمى، والفعل ما أنبأ عن حركة المسمى، والحرف ما أنبأ عن معنى ليس باسم ولا فعل، ثم قال لي: تتبعه وزد فيه ما وقع لك واعلم يا أبا الأسود أن الأشياء ثلاثة ظاهر ومضمر وشيء ليس بظاهر ولا مضمر، وإنما يتفاضل العلماء في معرفة ما ليس بظاهر ولا مضمر قال أبو الأسود: فجمعت عنه أشياء وعرضتها عليه فكان من ذلك حروف النصب فذكرت منها أن وأن وليت ولعل وكأن، ولم أذكر لكن فقال لي: لم تركتها؟ فقلت لم أحسبها منها فقال: بلى هي منها فزاد لي فيها. رواه أبو القاسم الزجاجي في أماليه.[1]

وعن علي بن عيسى بن يونس عن أبي إسحاق قال: وقف أعرابي على رجل وهو يعلم آخر القرآن وهو يقول: أن الله بريء من المشركين ورسوله. فقال له الأعرابي: والله ما أنزل الله هذا على نبيه محمد فوثب به الرجل فليب الأعرابي فقال: بيني وبينك عمر بن الخطاب، فذهب به إلى عمر فقال له: يا أمير المؤمنين إني كنت أعلم رجلا فسمعني هذا أقول: أن الله بريء من المشركين ورسوله. فقال الأعرابي: والله ما أنزل هذا على محمد، فقال عمر: صدق الأعرابي إنما هي: ورسوله. ابن الأنباري.[2]

وعن بنت أبي الأسود الديلمي أنها قالت عند أبيها: ما أحسن السماء بضم النون وكسر السماء. فقال أبوها: نجومها، فقالت: انما اتعجب من حسن السماء وزينتها، فقال ابوها: فافتحي النون والسماء يعني على صيغة التعجب.[3]

فصل في كتابة الحديث

عن أبي هريرة قال: إنكم تقولون: إن أبا هريرة يكثر الحديث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، وتقولون: ما بال المهاجرين والأنصار لا يحدثون عن رسول الله ﷺ بمثل حديث أبي هريرة، وإن إخواني من المهاجرين كان يشغلهم الصفق بالأسواق، وكنت ألزم رسول الله ﷺ على ملء بطني، فأشهد إذا غابوا، وأحفظ إذا نسوا، وكان يشغل إخواني من الأنصار عمل أموالهم، وكنت امرءا مسكينا من مساكين الصفة، أعي حين ينسون،

١) أخرجه ابو القاسم الزجاجي في "أماليه" القسم الرابع ما ورد منسوبا إلى الأمالي للزجاجي (١/٢٣٨)

٢) أخرجه ابن الأنباري كما في "كنزالعمال" حرف العين، كتاب العلم من قسم الأفعال، باب في آداب العلم والعلماء، آداب العلم متفرقة (١٠/٣٠٠) رقم الحديث: ٢٩٥١٢.

٣) لم أعثر عليه.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وفي رواية: قال أبو هريرة ... وذكر نحوه، وفي آخره: ولولا آيتان أنزلهما الله في كتابه ما حدثت شيئا أبدا "إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَى مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ (١٥٩) إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولَئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ".[1] أخرجه البخاري ومسلم.

وللبخاري قال: قلت لرسول الله: إني أسمع منك حديثا كثيرا أنساه، قال: ابسط رداءك، فبسطته، فغرف بيده، ثم قال: ضمه فضممته، فما نسيت شيئا بعد.

وفي أخرى لهما قال: إن الناس يقولون: أكثر أبو هريرة، والله الموعد، وما كنت لأكذب على رسول الله ﷺ كي تهتدوا وأضل. وذكر صاحب المشكاة في المعجزات طرفا من هذا الحديث.[2]

وعن أبي هريرة قال: ما من أصحاب النبي ﷺ أحد أكثر حديثا عنه مني، إلا ما كان من عبد الله بن عمرو، فإنه كان يكتب ولا أكتب. أخرجه البخاري والترمذي.[3]

وعن عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله عنهما قال: كنت أكتب كل شيء سمعته من رسول الله ﷺ أريد حفظه، فنهتني قريش، وقالوا: أتكتب كل شيء ورسول الله ﷺ بشر يتكلم في الغضب والرضى؟ قال: فأمسكت عن الكتاب، حتى ذكرت ذلك لرسول الله ﷺ، فأومأ بإصبعه إلى فيه، وقال: اكتب، فوالذي نفسي بيده، ما يخرج منه إلا حقا. أخرجه أبو داود.[4]

---

١) البقرة: ١٥٩-١٦٠.

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب العلم، باب حفظ العلم (٣٥/١) رقم الحديث: ١١٨، ١١٩، كتاب البيوع، باب ما جاء في قول الله تعالى: فإذا قضيت الصلاة (٥٢/٣) رقم الحديث: ٢٠٤٧، كتاب الحرث والمزارعة، باب ما جاء في الغرس (١٠٩/٣) رقم الحديث: ٢٣٥٠. ومسلم في "صحيحه" كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل أبي هريرة ﷺ (١٦٧/٧) رقم الحديث: ٢٤٩٣. وابن الأثير في "جامع الأصول" حرف العين، الكتاب الأول في العلم، الفصل الرابع في رواية الحديث ونقله (٢١/٨) رقم الحديث: ٥٨٥٥. والخطيب التبريزي في "مشكاة المصابيح" كتاب الفضائل والشمائل، باب في المعجزات، الفصل الأول (١٦٥٤/٣) رقم الحديث: ٥٨٩٦.

٣) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب العلم، باب كتابة العلم (٣٤/١) رقم الحديث: ١١٣. والترمذي في "جامعه" أبواب العلم، باب ما جاء في الرخصة فيه (٤٠/٥) رقم الحديث: ٢٦٦٨، أبواب المناقب، باب مناقب أبي هريرة ﷺ (٦٨٦/٥) رقم الحديث: ٣٨٤١.

٤) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب العلم، باب في كتاب العلم (٣١٨/٣) رقم الحديث: ٣٦٤٦.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أبي هريرة ﷺ قال: كان رجل من الأنصار يجلس إلى النبي ﷺ، فيسمع من النبي ﷺ الحديث، فيعجبه ولا يحفظه، فشكا ذلك إلى رسول الله ﷺ، فقال: يا رسول الله، إني لأسمع منك الحديث فيعجبني ولا أحفظه، فقال رسول الله ﷺ: استعن بيمينك، وأومأ بيده إلى الخط. أخرجه الترمذي. (١)

والأخبار والآثار في كتابة العلم والحديث كثيرة، وقد جاء في بعض الأحاديث النهي عن كتابة غير القرآن.

وعن المطلب بن عبد الله بن حنطب (٢) قال: دخل زيد بن ثابت على معاوية (٣)، فسأله معاوية عن حديث، فأخبره به، فأمر معاوية إنسانا يكتبه، فقال له زيد: إن رسول الله ﷺ أمرنا أن لا نكتب شيئا من حديثه، فمحاه. أخرجه أبو داود. (٤)

وعن أبي سعيد الخدري ﷺ أن رسول الله ﷺ قال: لا تكتبوا عني غير القرآن. وفي رواية قال: لا تكتبوا عني، ومن كتب عني غير القرآن فليمحه. (٥)

وعن أبي هريرة قال: استأذنا النبي ﷺ في الكتابة فلم يأذن لنا. أخرجه الترمذي. (٦) ولعله كان النهي أوائل الأمر توقيا للقران عن الاشتباه والاختلاط والله أعلم.

وعن عمر ﷺ قال: شر الكتابة المشق وشر القراءة الهذرمة، وأجود الخط أبينه. رواه ابن قتيبة في غريب الحديث، والخطيب في الجامع. (١)

---

١) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب العلم، باب ما جاء في الرخصة فيه (٥/٣٩) رقم الحديث: ٢٦٦٦.

٢) المطلب بن عبد الله بن حنطب: هو المطلب بن عبد الله بن المطلب بن حنطب بن الحارث المخزومي، صدوق، كثير التدليس والإرسال، من الرابعة. [تقريب التهذيب: ٥٣٤، رقم الترجمة: ٦٧١٠. تهذيب التهذيب: ١٠/١٧٨-١٧٩، رقم الترجمة: ٣٣٢.]

٣) زيد بن ثابت: هو أبو سعيد وأبو خارجة زيد بن ثابت بن الضحاك بن لوذان الأنصاري النجاري، صحابي مشهور، كتب الوحي، قال مسروق: كان من الراسخين في العلم، مات سنة خمس أو ثمان وأربعين، وقيل: بعد الخمسين. [تقريب التهذيب: ٢٢٢، رقم الترجمة: ٢١٢٠. تهذيب التهذيب: ٣/٣٩٩، رقم الترجمة: ٧٣١.]

٤) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب العلم، باب في كتاب العلم (٣/٣١٨) رقم الحديث: ٣٦٤٧.

٥) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الزهد والرقائق، باب التثبت في الحديث وحكم كتابة العلم (٤/٢٢٩٨) رقم الحديث: ٣٠٠٤.

٦) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب العلم، باب ما جاء في كراهية كتابة العلم (٥/٣٨) رقم الحديث: ٢٦٦٥. [روي عن أبي سعيد الخدري]

toobaa-elibrary.blogspot.com

وابن المسيب قال: أول من كتب التاريخ عمر لسنتين ونصف من خلافته، فكتب لست عشرة من الهجرة بمشورة علي بن أبي طالب. رواه البخاري في تاريخه وابن عساكر.(٢)

وعن الشعبي قال: كتب أبو موسى إلى عمر: إنه يأتينا من قبلك كتب ليس لها تاريخ فأرخ، فاستشار عمر في ذلك، فقال بعضهم: أرخ لمبعث رسول الله ﷺ، وقال بعضهم لوفاته، فقال عمر: لا بل نؤرخ لمهاجره فإن مهاجره فرق بين الحق والباطل. رواه ابن عساكر في تاريخه.(٣)

وعن ابن سيرين(٤) أن رجلا من المسلمين قدم من أرض اليمن فقال لعمر: رأيت باليمن شيئا يسمونه بالتاريخ يكتبون من عام كذا من شهر كذا فقال عمر: إن هذا لحسن فأرخوا، فلما أجمع على أن يؤرخ شاورهم فقال قوم: بمولد النبي ﷺ، وقال قوم: بالمبعث، وقال قوم: حين خرج مهاجرا من مكة، وقال قائل: لوفاته حين توفي فقال قوم: أرخوا خروجه من مكة إلى المدينة، ثم بأي شيء نبدأ فنصيره أول السنة، فقالوا: رجب فإن أهل الجاهلية كانوا يعظمونه وقال آخرون: شهر رمضان وقال بعضهم: ذو الحجة، وقال آخرون: الشهر الذي خرج من مكة، وقال آخرون: الشهر الذي قدم فيه، فقال عثمان: أرخوا من المحرم أول السنة وهو شهر حرام، وهو أول الشهور في العدة، وهو منصرف الناس عن الحج، فصيروا أول السنة المحرم، وكان ذلك سنة سبع عشرة في ربيع الأول. رواه ابن أبي خيثمة في التاريخ.(٥)

---

١) أخرجه الخطيب في "الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع" اختيار التحقيق دون للمتن والتعليق (١/٢٦٢) رقم. ٥٤١. وابن قتيبة في "غريب الحديث" كما في "كنز العمال" حرف العين، كتاب العلم من قسم الأفعال، باب في آداب العلم والعلماء، أدب الكتابة (١٠/٣٠٩) رقم الحديث: ٢٩٥٤٧.

٢) أخرجه ابن عساكر في "تاريخ دمشق" عن دمشق والشام، باب ذكر اختلاف الصحابة ﷺ في التاريخ (١/٤٤). والبخاري في "تاريخه" كما في "كنز العمال" حرف العين، كتاب العلم من قسم الأفعال، باب في آداب العلم والعلماء، أدب الكتابة (١٠/٣٠٩) رقم الحديث: ٢٩٥٥٢.

٣) أخرجه ابن عساكر في "تاريخ دمشق" عن دمشق والشام، باب ذكر اختلاف الصحابة ﷺ في التاريخ (١/٤٢)

٤) ابن سيرين: هو أبو بكر محمد بن سيرين الأنصاري ابن أبي عمرة البصري، مولى أنس بن مالك، ثقة ثبت عابد كبير القدر كان لا يرى الرواية بالمعنى، اشتهر بفنون علوم الشريعة، من الثالثة، مات سنة عشر ومائة. [تقريب التهذيب: ٤٨٣، رقم الترجمة: ٥٩٤٧. تهذيب التهذيب:]

٥) أخرجه ابن أبي خيثمة في "تاريخه" كما في "كنز العمال" حرف العين، كتاب العلم من قسم الأفعال، باب في آداب العلم والعلماء، أدب الكتابة (١٠/٣١٠) رقم الحديث: ٢٩٥٥٦.

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

كتاب الطهارة

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

كتاب الطهارة

الباب الأول في فضائل الطهارة

الفصل الأول في فضائل الطهارة والنظافة مطلقا

عن أبي مالك الأشعري قال: قال رسول الله ﷺ: الطهور شطر الإيمان. الحديث إلى آخر. ما ذكر صاحب المشكاة في أول كتاب الطهارة. رواه أحمد ومسلم والترمذي، وفي رواية أحمد والنسائي: اسباغ الوضوء شطر الإيمان، الحديث. [١]

وعن عمرو بن حريث: الطاهر النائم كالصائم القائم. رواه الديلمي في فردوس الأخبار. [٢]

وعن جابر [ابن عبد الله]، قال: قال رسول الله ﷺ: إن الله تعالى يحب الناسك النظيف. [٣]

وعن عائشة، قالت: قال رسول الله ﷺ: الإسلام نظيف فتنظفوا، فإنه لا يدخل الجنة إلا نظيف. رواه الطبراني في الأوسط. [٤]

وعن أبي هريرة، قال: قال رسول الله ﷺ: تنظفوا بكل ما استطعتم، فإن الله تعالى بنى الإسلام على النظافة، ولن يدخل الجنة إلا كل نظيف. رواه أبو الصعاليك الطر طوسي [٥] في حزبه. [١]

---

١) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الطهارة، باب فضل الطهارة (١/٢٠٣) رقم الحديث: ٢٢٣. والترمذي في "جامعه" أبواب الدعوات، باب (٥/٥٣٥) رقم الحديث: ٣٥١٧. والنسائي في "سننه" كتاب الزكاة، باب وجوب الزكاة (٥/٥) رقم الحديث: ٢٤٣٧. وأحمد في "مسنده" تتمة مسند الأنصار، حديث أبي مالك الأشعري (٣٧/٥٣٥) رقم الحديث: ٢٢٩٠٢، ٢٢٩٠٨. والخطيب في "مشكاة المصابيح" كتاب الطهارة، الفصل الأول (١/٩٣) رقم الحديث: ٢٨١.

٢) أخرجه الديلمي في "الفردوس بمأثور الخطاب" باب الطاء (٢/٤٦٣) رقم الحديث: ٣٩٨١.

٣) أخرجه الخطيب في "تاريخ بغداد" حرف العين، عبد الله بن علي بن الحسن (١١/١٨١).

٤) أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط" باب العين، من اسمه عيسى (٥/١٣٩) رقم الحديث: ٤٨٩٣.

٥) أبو الصعاليك: هو محمد بن عبيد الله بن يزيد الطرطوسي.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن ابن عمر ﵁ قال: قال رسول الله ﷺ: طهروا هذه الأجساد طهركم الله، فإنه ليس عبد يبيت طاهرا إلا بات معه ملك في شعاره لا يتقلب ساعة من الليل إلا قال: اللهم اغفر لعبدك فإنه بات طاهرا. رواه الطبراني.(٢)

وعن أنس بن مالك، قال: قال رسول الله ﷺ: غسل الإناء وطهارة الفناء يورثان الغناء. رواه الخطيب.(٣)

وعن عمار بن ياسر(٤) قال: قال رسول الله ﷺ: إن من الفطرة المضمضة والاستنشاق والسواك وقص الشارب، وتقليم الأظفار، ونتف الإبط والاستحداد، وغسل البراجم والانتضاح بالماء والاختتان. رواه أحمد وابن أبي شيبة وأبو داود وابن ماجة.(٥)

وعن عائشة قالت: قال رسول الله ﷺ: يا عائشة اغسلي هذين الثوبين أما علمت أن الثوب يسبح، فإذا اتسخ انقطع تسبيحه. رواه الخطيب، وقال: منكر، وابن عساكر.(٦)

---

١) أخرجه أبو الصعاليك الطر طوسي في "جزئه" كما في "كنزالعمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأقوال، الباب الأول في فضل الطهارة (٩/٢٧٧) رقم الحديث: ٢٦٠٠٢

٢) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب العين، عطاء بن أبي رباح عن ابن عمر (١٢/٤٤٦) رقم الحديث: ١٣٦٢٠، ١٣٦٢١.

٣) أخرجه الخطيب في "تاريخ بغداد" حرف الميم، علي بن محمد بن عبد الله بن إبراهيم (١٣/٥٧٠)

٤) عمار بن ياسر المصري: هو أبو اليقظان عمار بن ياسر بن عامر بن مالك العنسي -بنون ساكنة بين مهملتين- مولى بني مخزوم، صحابي جليل مشهور، من السابقين الأولين، وكان من المستضعفين الذي عذبوا بمكة ليرجعوا عن الإسلام، بدري، قتل مع علي بصفين سنة سبع وثلاثين، وهو ابن ثلاث وتسعين سنة. [تقريب التهذيب: ٤٠٨، رقم الترجمة: ٤٨٣٦. تهذيب التهذيب: ٧/٤٠٨-٤١٠، رقم التهذيب: ٦٦٤].

٥) أخرجه أحمد في "مسنده" مسند الكوفيين، حديث عمار بن ياسر (٣٠/٢٦٨) رقم الحديث: ١٨٣٢٧. وابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الطهارات، في الفطر ما يعد فيها (١/١٧٨) رقم الحديث: ٢٠٤٨. وأبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب السواك من الفطرة (١/١٤) رقم الحديث: ٥٤. وابن ماجه في "سننه" كتاب الطهارة وسننها، باب الفطرة (١/١٠٧) رقم الحديث: ٢٩٤.

٦) أخرجه الخطيب في "تاريخ بغداد" باب الشين، شعيب بن أحمد البغدادي (١٠/٣٣٩). وابن عساكر في "تاريخ دمشق" حرف الألف، إبراهيم بن الحسين أبو إسحاق (٦/٢٩٣).

toobaa-elibrary.blogspot.com

الفصل الثاني في فضائل الوضوء

عن أبي العالية مرسلا: أول ما يحاسب به العبد طهوره، فصلوته كنحو طهوره، وإن خبث صلاته فسائر عمله كنحو صلاته. رواه أبو داود. [١]

وعن شريح بن هانئ [٢] قال: سمعت عليا يقول: من أحسن الطهور ثم مشي إلا المسجد كان في صلاة ما لم يحدث. رواه عبد الرزاق. [٣]

وعن حمران، قال: أتيت عثمان بوضوء فتوضأ للصلاة ثم قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: من توضأ فأحسن الطهور كفر عنه ما تقدم من ذنبه، ثم التفت إلى أصحابه فقال: يا فلان أسمعتها من رسول الله ﷺ حتى أنشد ثلاثة من أصحابه فكلهم يقول: سمعناه ووعيناه. الحارث وفيه إسماعيل بن إبراهيم بن مهاجر[٤] ضعيف. [٥]

وفي رواية: أن عثمان بن عفان، دعا بماء للوضوء وعنده الزبير وطلحة وعلى وسعد، فتوضأ ثلاثا، ثم قال للذين حضروا: أنشدكم الله، أتعلمون أن رسول الله ﷺ كان يتوضأ كما توضأت الآن؟ قالوا: نعم. رواه أبو يعلى ومسدد. [٦]

وعنه: أن عثمان بن عفان توضأ ثلاثا ثلاثا، ثم قال: إن رسول الله ﷺ توضأ نحو وضوئي هذا، ثم قال رسول الله ﷺ: من توضأ نحو وضوئي هذا، ثم ركع ركعتين لا يحدث

---

١) أخرجه البيهقي في "شعب الإيمان" الطهارات، فضل الوضوء (٤/٢٨٢) رقم الحديث: ٢٥٢٣.

٢) شريح بن هانئ: هو أبو المقدام شريح بن هانئ بن يزيد الحارثي المذحجي الكوفي، مخضرم، ثقة، قتل مع ابن أبي بكرة بسجستان. [تقريب التهذيب: ٢٦٦، رقم الترجمة: ٢٧٧٨. تهذيب التهذيب: ٤/٣٣٠، رقم الترجمة: ٥٧٨.]

٣) أخرجه عبد الرزاق كما في "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأفعال، باب في فضلها (٩/٤٢٢) رقم الأثر: ٢٦٧٩٢.

٤) إسماعيل بن إبراهيم بن مهاجر: هو إسماعيل بن إبراهيم بن مهاجر بن جابر البجلي الكوفي، ضعيف، من السابعة. [تقريب التهذيب: ١٠٥، رقم الترجمة: ٤١٧. تهذيب التهذيب: ١/٢٧٩، رقم الترجمة: ٥١٤.]

٥) أخرجه الحارث في "مسنده" كتاب الطهارة، باب ما جاء في الوضوء وفضله (١/٢١١) رقم الحديث: ٧٣.

٦) أخرجه أبو يعلى في "مسنده" مسند طلحة بن عبيد الله (٢/٨) رقم الحديث: ٦٣٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

فيهما نفسه إلا بخير غفر له ما تقدم من ذنبه. طس. وفي رواية: من توضأ هكذا غفر له ما تقدم من ذنبه، وكانت صلاته ومشيه إلى المسجد نافلة. رواه مسلم.(١)

وعن عمرو بن ميمون سمعت عثمان بن عفان وكان قليل الحديث يقول قال رسول الله ﷺ: من توضأ كما أمر وصلى كما أمر خرج من ذنوبه كيوم ولدته أمه، ثم استشهد رهطا من أصحاب النبي ﷺ يقول هذا قالوا: نعم. رواه أبو نعيم في الحلية.(٢)

وعن عثمان قال: قال رسول الله ﷺ: لا يسبغ عبد الوضوء إلا غفر له ما تقدم من ذنبه وما تأخر. ن وأبو بكر المروزي في تأليفه الأحاديث المتضمنة غفران ما تقدم وما تأخر وقال رجال إسناده ثقات عن عثمان.(٣)

وعن أبي أمامة قال: بينما أنا قاعد مع النبي ﷺ إذ جاءه رجل فقال: يا رسول الله إني قد أصبت حدا فأقمه علي، فسكت النبي ﷺ، ثم أعاد فأقيمت الصلاة فلم يرد عليه شيئا حتى صلى النبي ﷺ، ثم انصرف، فقال: أرأيت حين خرجت من بيتك أليس توضأت فأحسنت الوضوء؟ قال: بلى يا رسول الله، قال: فإن الله قد غفر لك حدك أو قال ذنبك. رواه ابن عساكر. ورواه صاحب المشكاة نحوه في الفصل الأول من كتاب الصلاة.(٤)

وعن ابن مسعود، قال: قلت: يا رسول الله، كيف تعرف من لم تر من أمتك، قال: هم غر محجلون بلق من آثار الوضوء رواه ابن أبي شيبة.(٥)

وعن شهر بن حوشب(١) قال: دخلت على أبي أمامة فقال: سمعت رسول الله صلى ﷺ لو لم أسمعه إلا مرة أو مرتين أو ثلاثة أو أربعة حتى انتهى إلى سبع كنت خليقا أن لا

---

١) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الطهارة، باب فضل الوضوء والصلاة عقبه (١/٢٠٧) رقم الحديث: ٢٢٩. والطبراني في "المعجم الكبير" باب القاف، من اسمه: القاسم (٥/١٦٩) رقم الحديث: ٤٩٧٢.

٢) أخرجه أبو نعيم في "حلية الأولياء وطبقات الأصفياء" من الطبقة الأولى من التابعين، محمد بن سوقة (٥/٨).

٣) أخرجه البزاز في "مسنده" مسند عثمان بن عفان ﷺ، محمد بن كعب القرظي عن حمران (٢/٧٥) رقم الحديث: ٤٢٢. وأبو بكر المروزي في "الأحاديث المتضمنة غفران ما تقدم وما تأخر" كما في "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأقوال، الباب الثاني في الوضوء، الفصل الأول في وجوب الوضوء وفضائله، الفرع الثاني في فضائل الوضوء (٩/٢٩١) رقم الحديث: ٢٦٠٥٨.

٤) أخرجه ابن عساكر في "تاريخ دمشق" حرف الشين، شداد بن عبد الله أبو عمار القرشي (٢٢/٤١٩). والخطيب التبريزي في "مشكاة المصابيح" كتاب الصلاة، الفصل الأول (١/١٧٩) رقم الحديث: ٥٦٧.

٥) أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الصلاة، باب في المحافظة على الوضوء وفضله (١/١٥) رقم الحديث: ٤٠.

toobaa-elibrary.blogspot.com

أحدثكموه سمعت رسول الله ﷺ يقول: إذا توضأ العبد المسلم فأحسن الوضوء، ثم انطلق إلى الصلاة خرجت ذنوبه من سمعه وبصره ويديه ورجليه، فقال أبو طيبة وهو جالس معنا: سمعت عمرو بن عبسة يحدث هذا الحديث عن رسول الله ﷺ كما حدثنا أبو أمامة، وزاد فيه: وإذا أوى الرجل إلى فراشه طاهرا على ذكر، ثم توسد يمينه ثم تعار من الليل لم يسأل الله من خير الدنيا والآخرة شيئا إلا أعطاه إياه. رواه ابن زنجويه ورجاله ثقات.(٢)

الفصل الثالث في وجوب الوضوء

مشتملا على فرائضه وسننه الداخلة فيه

وعن أبي هريرة، قال: قال رسول الله ﷺ: لا يقبل الله صلاة أحدكم إذا أحدث، حتى يتوضأ. أخرجه مسلم وأبو داود والترمذي.(٣)

وعن أنس بن مالك، وأبي بكرة رضي الله عنهما قالا: سمعت رسول الله ﷺ يقول: لا يقبل الله صلاة بغير طهور، ولا صدقة من غلول. رواه مسلم وابن ماجه.(٤)

وعن سعيد بن زيد قال: قال رسول الله ﷺ: لا صلاة لمن لا وضوء له، ولا وضوء لمن لم يذكر اسم الله عليه رواه أحمد والطحاوي، رواه الطبراني عن أبي بسرة، وابن عساكر عن أسماء بنت سعيد بن زيد.(٥)

---

١) شهر بن حوشب: هو أبو سعيد شهر بن حوشب الأشعري الشامي، مولى أسماء بنت يزيد بن السكن، صدوق، كثير الإرسال والأوهام، من الثالثة، مات سنة اثني عشرة ومائة. [تقريب التهذيب: ٢٦٩، رقم الترجمة: ٢٨٣٠. تهذيب التهذيب: ٤/٣٦٩-٣٧٢، رقم الترجمة: ٦٢٥.]

٢) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب الصاد، شهر بن حوشب عن أبي أمامة (٨/١٢٤) رقم الحديث: ٧٥٦٤. وابن زنجويه كما في "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأفعال، باب الوضوء، فرائض الوضوء (٩/٤٢٩) رقم الحديث: ٢٦٨٢٣.

٣) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الطهارة، باب وجوب الطهارة للصلاة (١/٢٠٤) رقم الحديث: ٢٢٥. وأبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء (١/١٦) رقم الحديث: ٦٠. والترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب ما جاء في الريح من الوضوء (١/١١٠) رقم الحديث: ٧٦.

٤) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الطهارة، باب وجوب الطهارة للصلاة (١/٢٠٤) رقم الحديث: ٢٢٤. وابن ماجه في "سننه" كتاب الطهارة، باب لا يقبل الله الصلاة بغير طهور (١/١٠٠) رقم الحديث: ٢٧٣، ٢٧٤.

٥) أخرجه أحمد في "مسنده" مسند المدنيين، حديث رباح بن عبد الرحمن بن حويطب عن جدته (٢٧/٢١١) رقم الحديث: ١٦٦٥١. والطحاوي في "شرح معاني الآثار" كتاب الطهارة، باب التسمية على الوضوء

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أبي هريرة: من توضأ وذكر اسم الله على وضوئه تطهر جسده كله ومن توضأ ولم يذكر اسم الله على وضوئه لم يتطهر إلا موضع الوضوء. رواه الدار قطني وأبو الشيخ والبيهقي عن ابن مسعود وابن عباس وضعفوه.[1]

وعن أبي هريرة، أن النبي ﷺ قال: إذا استيقظ أحدكم من نومه، فلا يغمس يده في الإناء حتى يغسلها ثلاثا، فإنه لا يدري أين باتت يده. وفي رواية: إذا استيقظ أحدكم فليفرغ على يده ثلاث مرات قبل أن يدخل يده في إنائه، فإنه لا يدري فيم باتت يده. وفي رواية: حتى يغسلها. ولم يقل: ثلاثا. رواه الستة.[2]

وعلي بن أبي طالب رضي الله عنه قال عبد خير[3]: أتانا علي رضي الله عنه فدعا بطهور، فقلنا: ما يصنع بالطهور وقد صلى؟ ما يريد إلا ليعلمنا، فأتي بإناء فيه ماء، وطست، فأفرغ من الإناء على يمينه، فغسل يديه ثلاثا، ثم تمضمض واستنثر ثلاثا، فمضمض ونثر من الكف الذي يأخذ فيه، ثم غسل وجهه ثلاثا، وغسل يده اليمنى ثلاثا، وغسل يده الشمال ثلاثا، ثم جعل

(٢٦/١) رقم الحديث: ١٠٧. والطبراني في "المعجم الكبير" باب السين، العباس بن سهل بن سعد عن أبيه (١٢١/٦) رقم الحديث: ٥٦٩٩. وابن عساكر في "تاريخ دمشق" حرف الراء، رباح بن عبد الرحمن بن أبي سفيان (٢٦/١٨).

١) أخرجه الدار قطني في "سننه" كتاب الطهارة، باب التسمية على الوضوء (١٢٤/١) رقم الحديث: ٢٣٢. والبيهقي في "السنن الكبرى" كتاب الطهارة، باب التسمية على الوضوء (٧٤/١) رقم الحديث: ٢٠٠. وأبو الشيخ كما في "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأقوال، الفصل الأول في وجوب الوضوء وفضائله، الفرع الأول في وجوب الوضوء (٢٨٢/٩) رقم الحديث: ٢٢-٢٦.

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الوضوء، باب الاستجمار وترا (٤٣/١) رقم الحديث: ١٦٢. ومسلم في "صحيحه" كتاب الطهارة، باب كراهية غمس المتوضئ وغيره يده المشكوك (٢٣٣/١) رقم الحديث: ٢٧٨. وأبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب في الرجل يدخل يده في الإناء قبل أن يغسلها (٢٥/١) رقم الحديث: ١٠٣، ١٠٥. والترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب ما جاء إذا استيقظ أحدكم من منامه (٣٦/١) رقم الحديث: ٢٤. والنسائي في "سننه" كتاب الطهارة، تأويل قوله عز وجل: إذا قمتم إلى الصلاة فاغسلوا وجوهكم وأيديكم إلى المرافق. [المائدة: ٦] (٦/١) رقم الحديث: ١، باب الوضوء من النوم (٩٩/١) رقم الحديث: ١٦١، كتاب الغسل والتيمم، باب الأمر بالوضوء من النوم (٢١٥/١) رقم الحديث: ٤٤١. وابن ماجه في "سننه" كتاب الطهارة وسننها، باب الرجل يستيقظ من منامه هل يدخل يده في الإناء قبل أن يغسلها (١٣٨/١) رقم الحديث: ٣٩٣، (١٣٩/١) رقم الحديث: ٣٩٥.

٣) عبد خير: هو أبو عمارة عبد خير بن يزيد الهمداني، مخضرم، ثقة، من الثانية، لم يصح له صحبة. [تقريب التهذيب: ٣٣٥، رقم الترجمة: ٣٧٨١. تهذيب التهذيب: ١٢٤/٦، رقم الترجمة: ٢٥٨.]

toobaa-elibrary.blogspot.com

يده في الإناء، فمسح برأسه مرة واحدة، ثم غسل رجله اليمنى ثلاثا، ورجله الشمال ثلاثا، ثم قال: من سره أن يعلم وضوء رسول الله ﷺ فهو هذا.

ولهذا الحديث روايات متعددة مع اختلاف يسير لأبي داود والترمذي والنسائي. وفي كلها غسل الأعضاء ثلاثا ومسح الرأس مرة.

ووقع في بعض الروايات عن الحسين بن علي [١]: ثم قام قائما، فقال: ناولني، فناولته الإناء الذي فيه فضل وضوئه، ثم شرب من فضل وضوئه قائما، فعجبت، فلما رآني، قال: لا تعجب، فإني رأيت أباك النبي ﷺ يصنع مثل ما رأيتني صنعت، يقول لوضوئه هذا وشرب فضل وضوئه قائما.

وفي رواية أخرى، لعبد خير عن علي: أنه أتي بكرسي فقعد عليه، ثم دعا بتور فيه ماء، فكفأ على يديه ثلاثا، ثم مضمض واستنشق بكف واحد ثلاث مرات، وغسل وجهه ثلاثا، وغسل ذراعيه ثلاثا، وأخذ من الماء، فمسح برأسه، وأشار شعبة مرة من ناصيته إلى مؤخر رأسه، ثم قال: لا أدري أردها أم لا؟ وغسل رجليه ثلاثا ثلاثا.

وفي رواية أخرى عنه نحوه، وفيه أيضا مضمض واستنشق بكف واحد. وفي رواية الترمذي، عن أبي حية، قال: رأيت عليا توضأ فغسل كفيه حتى انقاهما ومسح برأسه مرة. وله في أخرى: فلما فرغ من طهوره أخذ من فضل طهوره بكفه فشربه. [٢]

وعن حمران: إن عثمان دعا بإناء، فأفرغ على كفيه ثلاث مرار، فغلسهما، ثم أدخل يمينه في الإناء، فمضمض، واستنشق، ثم غسل وجهه ثلاثا، ويديه إلى المرفقين ثلاث مرار، ثم

---

١) الحسين بن علي: هو أبو عبد الله الحسين بن علي بن أبي طالب الهاشمي المدني، سبط رسول الله صلى الله عليه وسلم وريحانته، حفظ عنه، استشهد يوم عاشوراء سنة إحدى وستين، وله ست وخمسون سنة. [تقريب التهذيب: ١٦٧، رقم الترجمة: ١٣٣٤. تهذيب التهذيب: ٢/٣٤٥-٣٥٧، رقم الترجمة: ٦١٥.]

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب صفة وضوء النبي ﷺ (١/٢٦) رقم الحديث: ١٠٦، (١/٢٧) رقم الحديث: ١١١، (١/٢٨) رقم الحديث: ١١٣، (١/٢٩) رقم الحديث: ١١٧، ١١٨، (١/٣٠) رقم الحديث: ١٢١، باب في الغسل من الجنابة (١/٦٤) رقم الحديث: ٢٤٥. والترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب في وضوء النبي ﷺ (١/٦٨) رقم الحديث: ٤٨، ٤٩. والنسائي في "سننه" كتاب الطهارة، للمضمضة والاستنشاق (١/٦٤) رقم الحديث: ٨٤، باب لغسل الوجه (١/٦٨) رقم الحديث: ٩٢، عدد غسل اليدين (١/٧٠) رقم الحديث: ٩٦، باب حد الغسل (١/٧١) رقم الحديث: ٩٧، مسح الأذنين (١/٧٣) رقم الحديث: ١٠١، ذكر غسل الجنب يديه قبل أن يدخلهما الإناء (١/١٣٢) رقم الحديث: ٢٤٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

مسح برأسه، ثم غسل رجليه ثلاث مرار إلى الكعبين، ثم قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم توضأ نحو وضوئي هذا، ثم قال: من توضأ نحو وضوئي هذا. الحديث.

ولهذا الحديث أيضا روايات متعددة، في كلها الغسل ثلاثا، والمسح مرة واحدة، إلا في رواية واحدة، عن شقيق بن سلمة [1] قال: رأيت عثمان بن عفان غسل ذراعيه بالماء ثلاثا ثلاثا، ومسح رأسه ثلاثا، ثم قال: رأيت رسول الله ﷺ يفعل هذا [2]

وعبد الله بن عباس رضي الله عنهما: أنه توضأ فغسل وجهه، وأخذ غرفة من ماء، فتمضمض بها واستنشق، ثم أخذ غرفة من ماء، فجعل بها هكذا، أضافها إلى يده الأخرى، فغسل بها وجهه، ثم أخذ غرفة من ماء فغسل بها يده اليمنى، ثم أخذ غرفة من ماء فغسل بها يده اليسرى، ثم مسح برأسه، ثم أخذ غرفة من ماء فرش على رجله اليمنى حتى غسلها، ثم أخذ غرفة أخرى، فغسل بها رجله -يعني اليسرى- ثم قال: هكذا رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يتوضأ. أخرجه البخاري.

وله في أخرى قال: توضأ رسول الله ﷺ مرة مرة. لم يزد على هذا. وروي أبو داود نحو هذين الروايتين.

وله في أخرى: أنه رأى رسول الله ﷺ يتوضأ ... فذكر الحديث كله ثلاثا ثلاثا، قال: ومسح برأسه وأذنيه مسحة واحدة.

وفي رواية النسائي قال: رأيت رسول الله ﷺ توضأ: فغسل يديه ثم تمضمض واستنشق من غرفة واحدة [وغسل وجهه]، وغسل يديه مرة مرة، ومسح برأسه وأذنيه مرة. وغسل رجليه.

---

١) شقيق بن سلمة: هو أبو وائل شقيق بن سلمة الأسدي الكوفي، ثقة، من الثانية، مخضرم، مات في خلافة عمر ابن عبد العزيز، وله مائة سنة. [تقريب التهذيب: ٢٦٨، رقم الترجمة: ٢٨١٦. تهذيب التهذيب: ٣٦١/٤-٣٦٣، رقم الترجمة: ٦١٩.]

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الوضوء، باب المضمضة في الوضوء (٤٤/١) رقم الحديث: ١٦٤، باب الوضوء ثلاثا ثلاثا (٤٣/١) رقم الحديث: ١٥٩، كتاب الصوم، باب السواك الرطب واليابس للصائم (٣١/٣) رقم الحديث: ١٩٣٤. كتاب الرقاق، باب قول الله تعالى: يا أيها الناس إن وعد الله حق (٩٢/٨) رقم الحديث: ٦٤٣٣. ومسلم في "صحيحه" كتاب الطهارة، باب صفة الوضوء وكماله (٢٠٤/١) رقم الحديث: ٢٢٦. وأبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب صفة وضوء النبي ﷺ (٢٦/١- ٢٧) رقم الحديث: ١٠٦، ١٠٧، ١٠٨، ١٠٩، ١١٠. والنسائي في "سننه" كتاب الطهارة، باب المضمضة والاستنشاق (٦٤/١) رقم الحديث: ٨٥، باب بأي اليدين يتمضمض (٦٥/١) رقم الحديث: ٨٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وله في أخرى قال: توضأ رسول الله ﷺ، فغرف غرفة، فتمضمض واستنشق، ثم غرف غرفة فغسل وجهه، ثم غرف غرفة فغسل يده اليمنى، ثم غرف غرفة فغسل يده اليسرى، ثم مسح برأسه وأذنيه: باطنهما بالسباحتين، وظاهرهما بإبهاميه، ثم غرف غرفة فغسل رجله اليمنى، ثم غرف غرفة فغسل رجله اليسرى.

وعند النسائي وأبي داود، عن ابن عباس قال: ألا أخبركم بوضوء رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ فتوضأ مرة مرة.[(١)]

وعن عبد الله بن زيد بن عاصم الأنصاري رضي الله عنه قيل له: توضأ لنا وضوء رسول الله ﷺ، فدعا بإناء، فأكفأ منه على يديه، فغسلهما ثلاثا، ثم أدخل يده فاستخرجها فمضمض واستنشق من كف واحدة ففعل ذلك ثلاثا، ثم أدخل يده فاستخرجها فغسل وجهه ثلاثا، ثم أدخل يده فاستخرجها، فغسل يديه إلى المرفقين مرتين، ثم أدخل يده فاستخرجها، فمسح برأسه، فأقبل بيديه وأدبر، ثم غسل رجليه إلى الكعبين، ثم قال: هكذا كان وضوء رسول الله ﷺ.

وفي رواية: فأقبل بهما وأدبر، بدأ بمقدم رأسه، ثم ذهب بهما إلى قفاه ثم ردهما حتى رجع إلى المكان الذي بدأ منه.

وفي رواية قال: أتى رسول الله ﷺ، فأخرجنا له ماء في تور من صفر، فتوضأ، فغسل وجهه ثلاثا، ويديه مرتين مرتين.

وفي رواية الموطأ قال: [قال له يحيى المازني: هل تستطيع أن تريني كيف كان النبي ﷺ يتوضأ؟ قال: نعم،] فدعا بوضوء، فأفرغ على يديه، فغسل يديه مرتين مرتين، ثم مضمض واستنثر ثلاثا، ثم غسل وجهه ثلاثا، ثم غسل يديه مرتين مرتين إلى المرفقين.

وفي رواية الترمذي: أن النبي ﷺ توضأ فغسل وجهه ثلاثا، وغسل يديه مرتين مرتين، ومسح برأسه، وغسل رجليه.

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الوضوء، باب غسل الوجه باليدين من غرفة واحدة (١/٤٠) رقم الحديث: ١٤٠، باب الوضوء مرة مرة (١/٤٣) رقم الحديث: ١٥٧. وأبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب صفة وضوء النبي ﷺ (١/٣٢) رقم الحديث: ١٣٣، باب الوضوء مرة مرة (١/٣٤) رقم الحديث: ١٣٨. والنسائي في "سننه" كتاب الطهارة، باب الوضوء مرة مرة (١/٦٢) رقم الحديث: ٨٠، باب مسح الأذنين (١/٧٣) رقم الحديث: ١٠١، باب مسح الأذنين مع الرأس وما يستدل به على أنهما من الرأس (١/٧٤) رقم الحديث: ١٠٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وللنسائي أن النبي ﷺ توضأ فغسل وجهه ثلاثا، وغسل يديه مرتين، وغسل رجليه مرتين، ومسح برأسه مرتين.

وللترمذي: أنه رأى النبي ﷺ توضأ، وأنه مسح رأسه بماء غير فضل يديه. وفي أخرى: بما غبر فضل يديه. قال الترمذي: والأول أصح.[1]

وعن أبي بن كعب[2] أن رسول الله ﷺ دعا بماء، فتوضأ مرة مرة، فقال: هذا وظيفة الوضوء، أو قال: وضوء من لم يتوضأه، لم يقبل الله له صلاة، ثم توضأ مرتين مرتين، ثم قال: هذا وضوء من توضأه، أعطاه الله كفلين من الأجر، ثم توضأ ثلاثا ثلاثا، فقال: هذا وضوئي، ووضوء المرسلين من قبلي. رواه ابن ماجه.[3]

وعن أبي هريرة ﷺ: أن النبي ﷺ توضأ مرتين، مرتين. أخرجه الترمذي، وأبو داود. وقال الترمذي: وقد روي عن أبي هريرة أن النبي ﷺ توضأ ثلاثا.[4]

وعن ثابت بن أبي صفية[1] قال: قلت لأبي جعفر - وهو محمد الباقر - حدثك جابر أن النبي ﷺ توضأ مرة مرة، ومرتين ومرتين، وثلاثا وثلاثا؟ قال: نعم.

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الوضوء، باب غسل الرجلين إلى الكعبين (٤٨/١) رقم الحديث: ١٨٦، باب من مضمض واستنشق من غرفة واحدة (٤٩/١) رقم الحديث: ١٩١، باب مسح الرأس مرة (٤٩/١) رقم الحديث: ١٩٢، باب الغسل والوضوء في المخضب والقدح والخشب والحجارة (٥٠/١) رقم الحديث: ١٩٧، باب الوضوء من التور (٥١/١) رقم الحديث: ١٩٩. ومسلم في "صحيحه" كتاب الطهارة، باب في وضوء النبي ﷺ (٢١٠/١) رقم الحديث: ٢٣٥، (٢١١/١) رقم الحديث: ٢٣٦. ومالك في "الموطأ" كتاب الطهارة، باب العمل في الوضوء (١٨/١) رقم الحديث: ١. والترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب ما جاء أنه يأخذ لرأسه ماء جديدا (٥٠/١) رقم الحديث: ٣٥، باب فيمن يتوضأ بعض وضوئه مرتين، وبعضه ثلاثا (٦٦/١) رقم الحديث: ٤٧. والنسائي في "سننه" كتاب الطهارة، عدد مسح الرأس (٧٢/١) رقم الحديث: ٩٩.

٢) أبي بن كعب: هو أبو المنذر أبي بن كعب بن قيس بن عبيد بن زيد بن معاوية بن عمرو بن مالك بن النجار الأنصاري الخزرجي، سيد القراء، ويكنى أبا الطفيل أيضا، من فضلاء الصحابة، اختلف في سنة موته اختلافا كثيرا قيل: سنة تسع عشرة، وقيل: سنة اثنتين وثلاثين، وقيل: غير ذلك. [تقريب التهذيب: ٩٦، رقم الترجمة: ٢٨٣. تهذيب التهذيب: ١٨٧/١-١٨٨، رقم الترجمة: ٣٥٠.]

٣) أخرجه ابن ماجه في "سننه" كتاب الطهارة وسننها، باب ما جاء في الوضوء مرة ومرتين وثلاثا (١٤٥/١) رقم الحديث: ٤٢٠.

٤) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب ما جاء في الوضوء مرتين مرتين (٦٢/١) رقم الحديث: ٤٣. وأبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب الوضوء مرتين (٣٤/١) رقم الحديث: ١٣٦.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وفي رواية: قلت لأبي جعفر: حدثك جابر أن النبي ﷺ توضأ مرة مرة؟ قال: نعم. أخرجه الترمذي، وقال: هذا أصح من الرواية الأولى.(٢)

وعن أنس بن مالك رضي الله عنه: أن رجلا جاء إلى النبي ﷺ وقد توضأ، وترك على قدمه مثل موضع الظفر، فقال له رسول الله ﷺ: ارجع، فأحسن وضوئك. أخرجه أبو داود.(٣)

وعن جابر [بن عبد الله] رضي الله عنهما: قال: أخبرني عمر بن الخطاب: أن رجلا توضأ، فترك موضع ظفر على قدمه، فأبصره النبي ﷺ، فقال: ارجع فأحسن وضوئك، قال: فرجع فتوضأ، ثم صلى. أخرجه مسلم.(٤)

وعن خالد [بن معدان] عن بعض أصحاب النبي ﷺ أن النبي ﷺ رأى رجلا يصلي وفي ظهر قدمه لمعة قدر الدرهم لم يصبها الماء، فأمره النبي ﷺ أن يعيد الوضوء والصلاة. أخرجه أبو داود.(٥)

وعن عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله عنهما قال: تخلف عنا النبي صلى الله عليه وسلم في سفرة سافرناها، فأدركنا وقد أرهقتنا الصلاة ونحن نتوضأ، فجعلنا نمسح على أرجلنا، فنادى بأعلى صوته: ويل للأعقاب من النار مرتين أو ثلاثا. أخرجه البخاري، ومسلم. وللبخاري: وقد أرهقنا العصر. وفي رواية أخرى: وقد حضرت صلاة العصر. وفي رواية: ويل للأعقاب، وبطون الأقدام من النار. [الترمذي](٦)

---

١) ثابت بن أبي صفية: هو أبو حمزة ثابت بن أبي صفية الثمالي -بضم المثلثة- واسم أبيه دينار، وقيل: سعيد كوفي، ضعيف رافضي، من الخامسة، مات في خلافة أبي جعفر. [تقريب التهذيب: ١٣٢، رقم الترجمة: ٨١٨. تهذيب التهذيب: ٢/٧-٨، رقم الترجمة: ١٠.]

٢) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب في الوضوء مرة، ومرتين، وثلاثا (١/٦٥) رقم الحديث: ٤٥-٤٦.

٣) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب تفريق الوضوء (١/٤٤) رقم الحديث: ١٧٣.

٤) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الطهارة، باب وجوب استيعاب جميع أجزاء محل الطهارة (١/٢١٥) رقم الحديث: ٢٤٣.

٥) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب تفريق الوضوء (١/٤٥) رقم الحديث: ١٧٥.

٦) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب العلم، باب من رفع صوته بالعلم (١/٢٢) رقم الحديث: ٦٠، باب من أعاد الحديث ثلاثا ليفهم عنه (١/٣٠) رقم الحديث: ٩٦، كتاب الوضوء، باب غسل الرجلين، ولا يمسح على القدمين (١/٤٤) رقم الحديث: ١٦٣. ومسلم في "صحيحه" كتاب الطهارة، باب وجوب غسل الرجلين بكمالهما (١/٢١٤) رقم الحديث: ٢٤١، والترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب ما جاء ويل للأعقاب من النار (١/٥٨) رقم الحديث: ٤١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أبي هريرة ﷺ: أن النبي ﷺ رأى رجلا لم يغسل عقبه، فقال: ويل للأعقاب من النار.

وفي أخرى: أنه رأى قوما يتوضؤون من المطهرة، فقال: أسبغوا الوضوء، فإني سمعت أبا القاسم ﷺ قال: ويل للعراقيب من النار. أخرجه البخاري، ومسلم والترمذي. ولهذا الحديث طرق متعددة صحيحة.[1]

وعن ابن مسعود قال: قال رسول الله ﷺ: من نسي مسح الرأس فذكر وهو يصلي، فوجد في لحيته بللا فليأخذ منه ويمسح به رأسه، فإن ذلك يجزئه، وإن لم يجد بللا فليعد الوضوء والصلاة. رواه الطبراني في الأوسط.[2]

وعن ابن مسعود قال: قال رسول الله ﷺ: تخللوا، فإنه نظافة، والنظافة تدعو إلى الإيمان، والإيمان مع صاحبه في الجنة. رواه الطبراني في الأوسط.[3]

وعن أبي أيوب قال: قال رسول الله ﷺ: رحم الله المتخللين من أمتي في الوضوء والطعام. رواه القضاعي.[4]

و[عنه قال: قال رسول الله ﷺ:] ليس شيء أشد على الملكين من أن يريا بين أسنان صاحبهما طعاما وهو قائم يصلي. رواه الطبراني.[5]

وعن واثلة بن الأسقع، عن النبي ﷺ قال: من لم يخلل أصابعه بالماء خللها الله بالنار يوم القيامة. رواه الطبراني، وروي الدار قطني عن عائشة وعن أبي هريرة مثله.[6]

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الوضوء، باب غسل الأعقاب (١/٤٤) رقم الحديث: ١٦٥. ومسلم في "صحيحه" كتاب الطهارة، باب وجوب غسل الرجلين بكمالهما (١/٢١٤) رقم الحديث: ٢٤٢. والترمذي في "جامعه" كتاب الطهارة، باب ويل للأعقاب من النار (١/٥٨) رقم الحديث: ٤١.

٢) أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط" باب الميم، من اسمه محمد (٧/٣٠٧) رقم الحديث: ٧٥٧٣.

٣) أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط" باب الميم، من اسمه محمد (٧/٢١٥) رقم الحديث: ٧٣١١.

٤) أخرجه القضاعي في "مسنده" رحم الله المتخللين من أمتي في الوضوء والطعام (١/٣٣٩) رقم الحديث: ٥٨٣.

٥) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب الخاء، أبو سورة ابن أخي أبي أيوب عن أبي أيوب (٤/١٧٧) رقم الحديث: ٤٠٦١.

٦) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب الواو، ما أسند واثلة مكحول الشامي عن واثلة (٢٢/٦٤) رقم الحديث: ١٦٥. والدار قطني في "سننه" كتاب الطهارة، باب وجوب غسل القدمين والعقبين (١/١٦٦) رقم الحديث: ٣١٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن لقيط بن صبرة [1]: إذا توضأت فخلل الأصابع. رواه الترمذي، وابن عساكر، ورويا عن ابن عباس إذا توضأت فخلل أصابع يديك ورجليك. [2]

وعن أنس قال: قال رسول الله ﷺ: أتاني جبريل فقال: إذا توضأت فخلل لحيتك. رواه ابن أبي شيبة، وروي أبو داود نحوه. [3]

وعن أبي وائل، قال: رأيت عثمان، يتوضأ فخلل لحيته ثلاثا، وقال: رأيت رسول الله ﷺ فعله. رواه عبد الرزاق وابن أبي شيبة والبغوي. [4]

وفي ثلاث اخر: جاءني جبريل فقال: إن ربك يأمرك أن تغسل الفنيك، قال: ما الفنيك؟ قال: النقن. رواه عبد الرزاق [عن أنس]. [5]

التنبيهات

اعلم أن في هذا الفصل كلاما من أوجه في بيان الاختلافات الواقعة للائمة:

الأول في حديث إذا استيقظ أحدكم من نومه فلا يغمسن يده في الإناء، الحديث:

واتفقوا على أن غسل اليدين إلى الرسغين في ابتداء الوضوء مسنون ومندوب، ليس بواجب عند أحد؛ لأنه بني على أمر موهوم أو مظنون. وأصل الماء واليد على الطهارة. غير

١) لقيط بن صبرة: لقيط بن صبرة -بفتح المهملة وكسر الموحدة- ويقال: إنه جده واسم أبيه عامر، صحابي مشهور، وهو أبو رزين العقيلي، والأكثر على أنهما اثنان. [تقريب التهذيب: ٤٦٤، رقم الترجمة: ٥٦٨٠. تهذيب التهذيب: ٨/٤٥٦-٤٥٧، رقم الترجمة: ٨٣٠.]

٢) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب ما جاء في تخليل الأصابع (٥٦/١) رقم الحديث: ٣٨، ٣٩.

٣) أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الطهارة، باب في تخليل اللحية في الوضوء (٢٠/١) رقم الحديث: ١١٤. وأبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب تخليل اللحية (٣٦/١) رقم الحديث: ١٤٥.

٤) أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الطهارة، باب في تخليل اللحية في الوضوء (٢٠/١) رقم الحديث: ١١٣، كتاب الرد على أبي حنيفة، مسألة في تخليل اللحية في الوضوء (٣١٨/٧) رقم الحديث: ٣٦٤٥٩. وعبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الطهارة، باب كم الوضوء من غسلة (٤١/١) رقم الحديث: ١٢٥ والبغوي في "مصابيح السنة" كتاب الطهارة، باب سنن الوضوء (٢٠٧/١) رقم الحديث: ٢٨٠.

٥) أخرجه عبد الرزاق كما في "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأقوال، الباب الثاني في الوضوء، الفصل الثاني في آداب الوضوء، التخليل في الوضوء (٣٠٢/٩) رقم الحديث: ٢٦١٠٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

أن جماعة من أئمة مذهب الإمام أحمد حكموا بإيجاب الغسل، ونجاسة الماء، وإن شدت يده أو جعل في جراب ونحو ذلك؛ لورود الأمر بذلك. والنهي عن عدمه وذلك أمر تعبدي.

واختار الأكثرون منهم أنه لا يجب؛ لأن قوله تعالى: "إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ" [١] يشمل القائم من النوم، ولم يذكر سبحانه غسل اليدين. فالأمر للندب؛ فيكون سنة.

والواصفون لوضوئه ﷺ، قالوا: غسل كفيه ثلاثا أو مرتين. ولم يذكر في روايات فتركه أحيانا.

والثاني في التسمية في ابتداء والوضوء:

وهو أيضا سنة بالاتفاق. وعن أحمد روايتان، قال الخلال من أئمة مذهبه: أنه الذي استقر عليه الروايات، وقال كثير من علماء مذهبه: أنه واجب لما مر من حديث أبي هريرة وحديث سعيد بن زيد، وقال البخاري: أحسن شيء في الباب حديث سعيد بن زيد، وقال إسحاق: إنه أصحها، والجمهور على أن المراد نفي الفضيلة لا الجواز على ما هو المتعارف في أمثاله، وقد يستدل على ذلك أيضا بقوله تعالى: "إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ" [٢] الآية. حيث لم يذكر التسمية، والحديث الثاني من أبي هريرة ظاهر في إثبات الكمال، وهذه أمارة السنية أو الاستحباب مع أن الأحاديث الواردة في الباب كلها ضعيفة، والكلام فيه طويل ذكرناه في الشرح. [٣]

والثالث في المضمضة والاستنشاق:

وهما أيضا واجبان عند أحمد في الطهارتين الصغرى والكبرى. وروى الدار قطني، عن أبي هريرة قال: أمر رسول الله ﷺ بالمضمضة والاستنشاق وعنه يجبان في الكبرى ولا يجبان في الصغرى وعنه يجب الاستنشاق وحده في الوضوء فقط جمودا على قوله من توضأ فليستنشق ولان الله سبحانه امر بغسل الوجه واطلق وفسره النبي ﷺ بفعله و تعليمه فمضمض و استنشق، ولم ينقل عنه ﷺ انه اخل بذلك مع اقتصاره في المجزي وهو الوضوء مرة مرة وقوله

---

١) المائدة: ٦.

٢) المائدة: ٦.

٣) لمعات التنقيح في شرح مشكاة المصابيح: ١٣٧- ١٣٩.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وهذا الوضوء الذي لا يقبل الله الصلاة الا به ، وفي حديث أبي داود اذا توضأت فمضمض، وللدار قطني عن ابي هريرة قال امر رسول الله ﷺ بالمضمضة والاستنشاق .

وعند الشافعي المضمضة والاستنشاق سنتان في الطهارتين لقوله ﷺ عشرة من الفطرة، وفسرت الفطرة بالسنة وقد يفسر بسنة الأنبياء أو بسنة ابراهيم وعندنا سنتان في الوضوء وواجبان في الغسل، لأن المواظبة دليل السنة وقد جاء في بعض الروايات ترك المضمضة والاستنشاق، ففي صحيح مسلم عن ابي هريرة انه توضأ بلا مضمضة واستنشاق، وقال هكذا رأيت رسول الله ﷺ، أورده في جامع الأصول في رواية عن أبي داود، ولم يذكر المضمضة والاستنشاق، ولهذا ذهب الائمة الثلاثة إلى انهما سنتان، ولكنا أوجبناهما في الغسل احتياطا لكون الفم والانف في حكم الظاهر والباطن من جهتين وورود صيغة المبالغة في الغسل والله أعلم.

بقي الكلام في كيفية المضمضة والاستنشاق، والمشهور من مذهب الشافعي رحمه الله أن يتمضمض ويستنشق بثلاث غرفات، يتمضمض من كل واحدة ثم يستنشق، ويعبر عنه بالوصل، يفعل مرة أو مرتين أو ثلاث مرات، وعندنا يمضمض بثلاث غرفات، ثم يستنشق بثلاث أخر، كذلك ويعبر عنه بالفصل، وقد وقعت ألفاظ الحديث فيها مختلفة، فوقع في أكثرها: فغسل كفيه ثم مضمض واستنشق ثم غسل وجهه ثم يديه، فظاهره يدل على وصل المضمضة والاستنشاق، وفي بعضها: ثم تمضمض ثم استنشق، وفي بعضها: ثم مضمض ثم استنشق ثلاثا ثم غسل الوجه، وهو ظاهر في الفصل، والذي يروي صاحب المشكاة: فمضمض واستنشق واستنثر ثلاثا بثلاث غرفات من ماء، فمحتمل للوجهين فصلا ووصلا؛ ولكن وقع في بعض الأحاديث: فمضمض واستنشق بغرفة واحدة أو كفة واحدة، فيحتمل أنه ﷺ فعل تارة كذا وأخرى كذا، كما فعل في غسل أعضاء الوضوء تارة مرة واحدة وتارة مرتين وأخرى ثلاث مرار، توسيعا على الأمة. وقد وقع في حديث طلحة بن مصرف [1] عن أبيه عن جده توضأ رسول الله ﷺ، فمضمض ثلاثا واستشق ثلاثا، وأخذ في كل مرة ماء جديدا، رواه والطبراني.

---

١) طلحة بن مصرف: هو أبو محمد طلحة بن مصرف بن عمرو بن كعب اليامي –بالتحتانية– الكوفي، ثقة قارئ فاضل، من الخامسة، مات سنة اثنتي عشرة أو بعدها. [تقريب التهذيب: ٢٨٢، رقم الترجمة: ٣٠٣٤. تهذيب التهذيب: ٥/٢٥-٢٦، رقم الترجمة: ٤٣.]

toobaa-elibrary.blogspot.com

وفي رواية لأبي داود: دخلت على رسول الله ﷺ وهو يتوضأ والماء يسيل من وجهه ولحيته على صدره، فرأيته يفصل بين المضمضة والاستنشاق.[١]

وفي مسند عثمان: عن سفيان بن سلمة، قال: شهدت عثمان توضأ ثلاثا ثلاثا وافرد المضمضة من الاستنشاق، ثم قال: هكذا توضأ النبي ﷺ. رواه البغوي في مسند عثمان وابن عساكر.[٢]

وقد جاء أيضا عن طلحة، قال: إن رسول الله ﷺ توضأ فمضمض ثلاثا واستنشق ثلاثا من كف واحد. رواه ابن ماجة.[٣]

ولكن رجحنا الرواية الأولى؛ لأن الفم والأنف عضوان فلا يجمع بينهما بماء كسائر الأعضاء، وقد ثبت في أصول الفقه أن الحديث الذي يوافق القياس يقدم على ما يخالفه.

وقد تكلم بعض الشافعية في حديث طلحة بن مصرف عن أبيه عن جده بأن جد طلحة مجهول، ولم يثبت صحبته [مع رسول الله ﷺ، وذكر في جامع الأصول: طلحة بن مصرف] من أعلام التابعين وأثباتهم، وجده كعب بن عمرو، وقيل: عمرو بن كعب[٤]، وقال الشمني: وقال البيهقي في كتاب المعرفة: قال عبد الرحمن بن مهدي[٥]: جده عمرو بن

---

١) مشكاة المصابيح، كتاب الطهارة، باب سنن الوضوء، الفصل الأول (١/١٢٥) رقم الحديث: ٣٩٤.

٢) مشكاة المصابيح، كتاب الطهارة، باب سنن الوضوء، الفصل الأول (١/١٢٥) رقم الحديث: ٣٩٤.

٣) أخرجه ابن ماجه في "سننه" كتاب الطهارة وسننها، باب المضمضة والاستنشاق من كف واحد (١/١٤٢) رقم الحديث: ٤٠٤.

٤) عمرو بن كعب: هو عمرو بن كعب بن حجير بن معاوية بن سعد بن الحارث بن دهل اليامي، صحابي، يقال: إنه جد طلحة بن مصرف، وقيل هو كعب ابن عمرو. [تقريب التهذيب: ٤٦١، رقم الترجمة: ٥٦٤٥. تهذيب التهذيب: ٨/٤٣٦-٤٣٧، رقم الترجمة: ٧٩٢.]

٥) عبد الرحمن بن مهدي: هو أبو سعيد عبد الرحمن بن مهدي بن حسان العنبري مولاهم البصري، ثقة ثبت حافظ عارف بالرجال والحديث، قال ابن المديني: ما رأيت أعلم منه، من التاسعة، مات سنة ثمان وتسعين ومائة، وهو ابن ثلاث وسبعين سنة. [تقريب التهذيب: ٣٥١، رقم الترجمة: ٤٠١٨. تهذيب التهذيب: ٦/٢٧٩-٢٨٠، رقم الترجمة: ٥٥٢.]

toobaa-elibrary.blogspot.com

كعب له صحبة، وقال في سننه: عن يحيى بن معين [1] أنه قال: المحدثون يقولون: إنه رأى رسول الله ﷺ، وأهله يقولون: لا صحبة له، انتهى.

قال الشيخ ابن الهمام: وذلك غير قادح بعد ما اعترف به أهل الشأن، وعبد الرحمن بن مهدي من كبار أئمة المحدثين في درجة الإمام أحمد، وكذلك يحيى بن معين من كبار الأئمة، ويقال: إنه محك الرجال. [2]

وقال الشمني، نقلا عن الفتاوى الظهيرية: يجوز عند أبي حنيفة وصل للمضمضة والاستنشاق [بغرفة واحدة] وكذلك يجوز عند الشافعي الفصل بينهما بمياه جديدة، وروى الترمذي عن الشافعي، أنه قال: جمع للمضمضة والاستنشاق بكف واحد جائز، وفصلها بمياه جديدة أحب إلي، فارتفع الخلاف والله أعلم. [3]

الرابع الكلام في المسح:

اعلم ان أكثر الأحاديث في المسح جاءت مطلقة بلا تقييد بعدد، وجاءت مقيدة بمرة واحدة أيضا، وهذه الأحاديث صحيحة، ووقع في رواية النسائي والترمذي وأبي داود مرتين، وأما تثليث المسح فلم يجئ في حديث صحيح سوى ما جاء في الحديث أنه توضأ مرة مرة ومرتين مرتين وثلاثا ثلاثا، والوضوء شامل للغسل والمسح.

وقال الشافعي بتثليث المسح بهذا الحديث وبقياس المسح على الغسل.

والجوابه أن قوله: توضأ ثلاثا ثلاثا محتمل، والأحاديث الصحيحة التي جاءت في عدم تكرار المسح عين المراد به، وبين أن التثليث باعتبار الغالب من الأعضاء مخصوص بالأعضاء المغسولة، وبناء المسح على التخفيف، فقياسه على الغسل وبناءه على الإكمال والإسباغ قياس مع الفارق، وأيضا تثليث المسح بماء جديد قد يفضي إلى الغسل الذي حقيقته جريان الماء، وهو خلاف وضع المسح، وأيضا قد وقع في الحديث الذي ذكر فيه المسح مرة أن من زاد أو نقص أساء وتعدى وظلم، فلا يكون الزيادة على مرة واحدة سنة.

---

١) يحيى بن معين: هو يحيى بن معين بن عون الغطفاني مولاهم أبو زكريا البغدادي، ثقة حافظ مشهور إمام الجرح والتعديل، من العاشرة، مات سنة ثلاث وثلاثين بالمدينة النبوية، وله بضع وسبعون سنة. [تقريب التهذيب: ٥٩٧، رقم الترجمة: ٧٦٥١. تهذيب التهذيب: ١١/٢٨٠-٢٨٨، رقم الترجمة: ٤٦٢.]

٢) فتح القدير: ١/٣٥.

٣) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب للمضمضة والاستنشاق من كف واحد (١/٤١) رقم الحديث: ٢٧، ٢٨.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقال الشيخ في فتح الباري: لم يجئ في طريق من الصحيحين ذكر عدد المسح، وعليه أكثر العلماء إلا الشافعي يقول: بأن تثليث المسح مستحب. وقال أبو داود: وأحاديث أمير المؤمنين عثمان ﷺ هي صحاح الباب، كلها دالة على أن مسح الرأس مرة واحدة، وقد بالغ أبو عبيد وقال: لا أعلم أحدا من السلف ذهب إلى استحباب التثليث في المسح إلا ابراهيم التيمي،[1] ولكن في هذا القول نظر؛ لأن ابن أبي شيبة وابن المنذر حكاه عن أنس وعطاء وغيرهما، وصحح ابن خزيمة [2] وغيره التثليث في حديث عثمان ﷺ، وزيادة الثقة مقبولة، انتهى.

ونقل الشيخ ابن الهمام عن البيهقي أنه قال: روي بوجوه غريبة تكرار المسح في حديث عثمان، ولكنها لمخالفتها الأحاديث الصحيحة ليست بحجة عند أهل العلم انتهى.[3]

وأخرج الترمذي عن وائل بن حجر [4]: ثم مسح على رأسه ثلاثا، ومسح أذنيه ثلاثا، [5] وكل ما جاء من هذا القبيل إن صح فهو محمول على تكراره بماء واحد لا بماء جديد، كما هو مذهب الشافعي. هذا الكلام في سنة المسح.

وأما فرضه فقد ذهب مالك إلى أن مسح الرأس كله فرض، وعند أبي حنيفة فرضه مسح ربع الرأس، وفي رواية قدر ثلث أصابع، [6] وعند الشافعي أدنى ما يطلق عليه اسم المسح، ويروي عن أحمد ثلاث روايات موافقة لكل مذهب من مذاهب الأئمة الثلاثة،

---

١) ابن خزيمة: هو أبو بكر محمد بن إسحاق بن خزيمة بن المغيرة بن صالح ابن بكر، الحافظ الحجة، الفقيه، إمام الأئمة، السلمي، النيسابوري الشافعي، ولد سنة ثلاث وعشرين ومائتين، وكانت وفاته في ثاني ذي قعدة، سنة إحدى عشرة وثلاث مائة. [تذكرة الحفاظ: ٢/٧٢٠-٧٣٠]

٢) إبراهيم التيمي: هو أبو أسماء، إبراهيم بن يزيد بن شريك التيمي الكوفي، العابد، ثقة إلا أنه يرسل ويدلس، من الخامسة مات [دون المائة] سنة اثنتين وتسعين وله أربعون سنة. [تقريب التهذيب: ٩٥، رقم الترجمة: ٢٦٩. والتهذيب التهذيب:]

٣) فتح القدير: ١/٥٢.

٤) وائل بن حجر: هو أبو هنيدة ويقال أبو هند وائل بن حجر -بضم المهملة وسكون الجيم- بن سعد بن مسروق الحضرمي، صحابي جليل، وكان من ملوك اليمن ثم سكن الكوفة، ومات في ولاية معاوية. [تقريب التهذيب: ٥٨٠، رقم الترجمة: ٧٣٩٣. تهذيب التهذيب: ١١/١٠٩-١١٠، رقم الترجمة: ١٩٠.]

٥) لم أعثر عليه، ولكن أخرجه البزار في "مسنده" مسند وائل بن حجر (١٠/٣٥٥) رقم الحديث: ٤٤٨٨.

٦) باعتبار أن الواجب إلصاق اليد بالرأس، والأصابع أصل اليد، لهذا تجب بقطعها دية اليد، والثلاث أكثرها، وللأكثر حكم الكل. [لمعات التنقيح: ٢/١٢٤]

toobaa-elibrary.blogspot.com

ودلائل الكل ذكرتها في شرح سفر السعادة.[1] وسمعت شيخي علي بن جارالله مفتي بلد الله الحرام ينقل من بعض مشايخه، أنه قال: الإنصاف في مسألة المسح على يد مالك، وأقوى ما يرده حديث مسح الناصية وهو الصحيح، والله أعلم.

الخامس في مسح الرأس هل يجب أن يأخذ له ماءا جديدا أو يقتصر على البلل الذي بيده:

وذكر أصحابنا الحنفية في كتبهم: إن مسح ببلل باق في اليد بعد غسل عضو من المغسولات يكفي، ولا يكفي البلل الباقي بعد مسح عضو من الممسوحات، وذكروا في ذلك حديثا عن ابن مسعود أنه قال: لو كان في كفه بلل فمسح رأسه اجزأه؛ إلا أنهم خصوا ذلك البلل بما لم يكن مستعملا، وذلك في المأخوذ من الإناء دون ما بقي في الكف بعد غسل الأعضاء أو المسح.

والصحيح أنه إذا غسل عضوا من أعضائه وبقي البلل في كفه جاز بناء على ما ذكر محمد رحمه الله في مسح الخف، أنه إذا توضأ ثم مسح على الخف ببلة بقيت على كفه بعد الغسل جاز، و لو مسح برأسه ثم على خفه ببلة بقيت في يده لم يجز، وأيضا قال محمد رحمه الله في ما بقي على كفه من غسل العضو: هذا بمنزلة ما لو أخذ للماء من الأناء، وحمل البلل على الأعم من الباقي من غسل العضو أو المأخوذ من الإناء، هو الظاهر من حديث ابن مسعود ﷺ دون ما يخص بالمأخوذ من الإناء وإلا لم يكن في هذا القول فائدة ، ووجهه أن البلل على كفه غير مستعمل؛ لأنه لم تقم به قربة، والفرق بين الباقي بعد المسح والباقي بعد الغسل أن الماء بمجرد ملاقاة العضو المغسول لا يصير مستعملا مالم يسل؛ لأنه لا يرتفع الحدث عنه إلا بالسيلان. وأما في المسح فالماء بمجرد ملاقاة بشرة الرأس يصير مستعملا؛ لأن فرض المسح للملاقاة.

ثم اعلم أن الترمذي روى الحديث عن عمرو بن الحارث عن حبان بن واسع[2] عن أبيه عن عبد الله بن زيد: أن رسول الله ﷺ توضأ وأنه مسح بماء غير فضل يديه -بالفين

---

1) شرح سفر السعادة: ٣٧.

2) حبان بن واسع: هو حبان -بالفتح- بن واسع بن حبان بن منقذ - بمضمومة وسكون نون وكسر قاف وبذال معجمة- بن عمرو الأنصاري ثم المازني المدني، صدوق، من الخامسة. [تقريب التهذيب: ١٤٩، رقم الترجمة: ١٠٧٠. تهذيب التهذيب. ٢/١٧٠-١٧١، رقم الترجمة: ٣٠٨.]

toobaa-elibrary.blogspot.com

والتحتانية بمعنى المغايرة- كما أورده صاحب المشكاة: أي أخذ له ماءا جديدا ولم يقتصر على البلل الذي على يديه، وهو مذهب الشافعي.(١)

وقال الترمذي: وروى ابن لهيعة (٢) عن حبان بن واسع عن أبيه عن عبد الله بن زيد، بماء غبر من فضل يديه -بالباء الموحدة من الغابر بمعنى الباقي- أي: بقي على يديه من الماء الذي غسل به عضوا، وهذا يوافق ما ذكر أصحابنا من جواز المسح ببلل باق على اليد بعد غسل عضو، ولكن قال الترمذي: رواية عمرو بن الحارث عن حبان أصح؛ لأنه قد روي من غير وجه هذا الحديث عن عبد الله بن زيد: أن النبي ﷺ أخذ لرأسه ماءا جديدا، والعمل على هذا عند أكثر اهل العلم، رأوا أن يأخذ لرأسه ماءا جديدا، هذا كلام الترمذي.(٣)

ولا يخفى أن الأصحية لا ينافي الصحة، فحديث غبر -بالموحدة- صحيح، ويصير مؤيدا لحديث ابن مسعود ويبقي سالما عن التعارض مثبتا للمدعي، فتدبر.

السادس في مسح الأذنين هل يمسحان بماء جديد أو بماء الرأس؟

فعندنا يمسح بماء الرأس، وعند الشافعي ومالك وفي رواية لأحمد: يمسح بماء جديد، لما روى الحاكم (٤) عن حبان بن واسع، أن أباه حدثه، أنه سمع عبد الله بن زيد، يذكر: أنه رأى رسول الله ﷺ، يتوضأ فأخذ لأذنيه ماءا جديدا خلاف الماء الذي أخذ لرأسه، رواه البيهقي في سننه، وقال: إسناده صحيح.(٥)

وفي رواية أخرى لأحمد: أنه لا يسن؛ لأن غالب من وصف وضوء النبي ﷺ ذكر أنه مسح رأسه وأذنيه بماء واحد، ويحمل أنه في غالب الأحوال مسح بماء رأسه وأحيانا بماء جديد، لما لم يبق بلل وجف كفه، أو بيانا للجواز.

---

١) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الطهارة، باب في وضوء النبي ﷺ (١/٢١٠) رقم الحديث: ٢٣٥. والترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب ما جاء أنه يأخذ لرأسه ماء جديدا (١/٥٠) رقم الحديث: ٣٥. والخطيب في "مشكاة المصابيح" كتاب الطهارة، باب سنن الوضوء، الفصل الثاني (١/١٣٠) رقم الحديث: ٤١٥.

٢) ابن لهيعة: هو أبو عبد الرحمن عبد الله بن لهيعة -بفتح اللام وكسر الهاء- بن عقبة الحضرمي المصري القاضي، محدث ديار المصر مع الليث، صدوق، من السابعة. خلط بعد احتراق كتبه، ورواية ابن المبارك وابن وهب عنه أعدل من غيرهما، ولد سنة خمس أو ست وتسعين، ومات سنة أربع وسبعين ومائة. [تقريب التهذيب: ٣١٩، رقم الترجمة: ٣٥٦٣.]

٣) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب ما جاء أنه يأخذ لرأسه ماءا جديدا (١/٨٤) رقم الحديث: ٣٥.

٤) أخرجه الحاكم في "المستدرك" كتاب الطهارة، حديث عائشة (١/٢٥٢) رقم الحديث: ٥٣٨.

٥) أخرجه البيهقي في "السنن الكبرى" كتاب الطهارة، باب عدد مسح الرأس وكيفيته (١/١١٢) رقم الحديث: ١٠٤.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقوله: الأذنان من الرأس، [١] أثبت الشيخ ابن الهمام أنه قول رسول الله ﷺ، وأورد أحاديث دالة على فعله ﷺ. [٢] ثم يؤخذ من قوله الأذنان من الرأس، حكمان: مسح الأذنين مع الرأس وبمائه لا بماء جديد، والائمة الأربعة متفقون في الحكم الأول، ويحكى عن الزهري: هما من الوجه يمسح بهما معه.

وقال بعض العلماء: ظاهرهما وهو ما أدبر منهما من الرأس، وباطنها وهو أقبل منهما من الوجه يمسح معه، وجاء عن بعضهم أنه كان يغسل ظاهرهما وباطنهما معه. وأما الحكم الثاني: أعني مسحهما [بماء جديد] فمختلف فيه.

ومذهبنا يمسحان بماء الرأس، وورد الأحاديث فيه أكثر وأشهر، وهو المروي عن ابن عباس [٣] وحديث عبد الله بن الصنابحي الذي في فضل الوضوء، من قوله: فإذا مسح برأسه خرجت الخطايا من رأسه حتى يخرج من أذنيه، [٤] فإنه يدل على ان الأذنين يمسحان بماء الرأس وهما جزآن منه كالأظفار من اليدين والرجلين.

وقال الشيخ ابن الهمام: وأما ما روي أنه ﷺ أخذ لأذنيه ماء جديدا؛ فيجب حمله على أنه لانقطاع البلل قبل الاستيعاب؛ توفيقا بينه وبين ما ذكرنا، وإذا انعدمت البلة لابد من الأخذ. [٥]

السابع في وجوب غسل الرجلين وأن المسح لا يجزي ولا يجب المسح مع الغسل:

وعليه جمهور الفقهاء في الاعصار والامصار، ولم يثبت خلاف هذا من أحد ممن يعتد به في الإجماع، والذين وصفوا وضوء رسول الله ﷺ في مواطن مختلفة وعلى صفات متعددة متفقون على غسل الرجلين بحيث لا يعد ولا يحصى، وقوله ﷺ: وويل للأعقاب من

---

١) تردد حماد –أحد رواة هذا الحديث– في أن قوله: الأذنان، من كلام الراوي أو كلام الرسول ﷺ. [فتح القدير: ١/٢٨]

٢) فتح القدير: ١/٢٨.

٣) أخرجه ابن حبان "صحيحه" كتاب الطهارة، باب سنن الوضوء، ذكر إباحة المضمضة والاستنشاق بغرفة واحدة (٣/٣٦٠) رقم الحديث: ١٠٧٨. وابن خزيمة في "صحيحه" كتاب الوضوء، باب إباحة المضمضة والاستنشاق من غرفة واحدة (١/٧٧) رقم الحديث: ١٤٨.

٤) أخرجه النسائي في "سننه" كتاب الطهارة، باب مسح الأذنين من الرأس (١/٧٤) رقم الحديث: ١٠٣.

٥) فتح القدير: ١/٢٩.

toobaa-elibrary.blogspot.com

النار، وعيد وتهديد عظيم لمن ينكر الغسل، فهو دليل الوجوب، وهذا الوعيد وقع في أحاديث كثيرة بحيث لا يعد ولا يحصى كما ذكرنا.

وغاية التنزل في هذا المقام ان يقال كان المسح مشرو في الجملة ثم نسخ فقد روي عن عبد الله بن عمر انهم كانوا يمسحون حتى امرهم رسول الله ﷺ بإسباغ الوضوء فدل ذلك على ان الحكم الذي كانوا يفعلون قد نسخ.

وقال الإمام أبو جعفر الطحاوي: أن السبيل في القراءتين كا لسبيل في الآيتين، وقد تعرضنا فوجب المصير إلى السنة.

وقد اشتهرت الأخبار المتواترة معنى المخرجة في الأصول الستة وغيرها برواية عثمان وعلي وعبد الله بن زيد بن عاصم حاكي وضوء رسول الله ﷺ، وأنس وجابر وأبي هريرة وعبد الله بن عمرو وغيرهم أن رسول الله ﷺ غسل قدميه في وضوئه للصلوة إذا كانتا باديتين وأمر بذلك، وأوعد على تركه، وهي علامة الوجوب، كذا في شرح السنة. (١)

وأخرج الطحاوي عن عبد الملك بن سليمان، أنه قال: قلت لعطاء: أبلغك عن أحد من أصحاب رسول الله ﷺ أنه مسح على القدمين؟ قال: لا. (٢)

وقال الإمام علاء الدين في تحفة الفقهاء: إن العلماء رحمهم الله أجمعوا على وجوب غسل الرجلين إذا كانتا باديتين بعد وجود الاختلاف فيه، والإجماع المتأخر يرفع الخلاف المتقدم، هذا، وقد قيل في مسائل أصول الفقه: المختار أن الإجماع الذي ندر مخالفه حجة؛ لأنه يدل على وجود راجح أو قاطع، إذ لو قيل: يكون متمسك المخالف النادر راجحا، وأن الكثيرين لم يطلعوا عليه أو خالفوه غلطا أو عمدا كان في غاية البعد، لكن ذلك الإجماع لايتناول الإجماع المعروف عند الأصوليين الذي يكفر منكره، وأيضا المخالف النادر إذا نشأ بعد الاتفاق فلا عبرة لمخالفته أصلا، ولا يخفي أن الإجماع يكفي أن يكون سنده ظنيا كالقياس وخبر الواحد، ويصير بالأجماع عليهما قطعيا، فإذا كان السند قطعيا كما في ما نحن فيه من السنة المشهورة المتواترة المعنى فهو أقوى وأحكم. (٣)

---

١) شرح السنة: ٣١٤/١.

٢) أخرجه الطحاوي في "شرح معاني الآثار" كتاب الطهارة، باب فرض الرجلين في وضوء الصلاة (٤١/١) رقم الحديث: ٢٦٠.

٣) تحفة الفقهاء: ١١/١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

والكلام في إثبات غسل الرجلين بالتمسك بالكتاب، مشهور مذكور في كتب الفقه، ونقل عن شيخ الإسلام خواهر زاده أنه إذا قيل بالمسح يبقى مقتضى النصب غير معمول به بخلاف العكس، فإن المسح معمول بالغسل؛ لأن المسح بعض الغسل، ففيما ذهبنا إليه عمل بالنص من كل وجه، وفيه خروج عن عهدة الواجب بيقين وتحصيل للطهارة كاملا.

وقال بعض العلماء منهم الشافعي رحمة الله عليه في التأويل القراءتين: بالنصب أريد به قوم، والجر أريد به آخرون يعنون من يجب عليه الغسل ومن يجوز له المسح، قال شيخ الإسلام: فعلى هذا في قراءة الجر ذكر الرجل وأريد الخف للاتصال جوارا، وقد أشار الله عز وجل إلى الغسل والمسح بنصب اللام وخفضها بلاغة وإيجازا، والله أعلم.

وغرضنا بيان الاختلاف الواقع للائمة الأربعة وترجيح بعض على بعض، وإذ ليس فليس، والحمد لله، وبالجملة وجوب غسل الرجلين أمر قوي واضح؛ بحيث لا ينبغي أن يشك فيه لكثرة الأخبار والاشتهار، ومع ذلك قد يروى عدة أحاديث في المسح مما لايقاوم الأحاديث الواردة في الغسل صحة واشتهارا؛ فهي أما ضعيفة أو موضوعة أو مبينة على القول بالنسخ.

ولعل رسول الله ﷺ كان في ابتداء نزول الأيةلم ينزل عليه البيان، فأخذ بالأيسر وهو المسح، ثم بين له العمل بالغسل، ثم تقرر عليه الأمر، فكان بعض الناس لم يتضح له النسخ وهو بعيد فيما نحن فيه، والله أعلم.

فنذكر الأن تلك الأحاديث: منها حديث الربيع بنت معوذ [1] المشهور في هذا الباب كحديث علي وعثمان، قالت في آخر الحديث: ان ابن عباس دخل علي يسألني عن هذا الحديث، فأخبرته، فقال: يأبي الناس على الغسل [2] ونجد في كتاب الله المسح على القدمين، رواه عبد الرزاق وسعيد بن منصور في سننه، وابن أبي شيبة وأبو داود والترمذي والنسائي. [3]

---

١) الربيع بنت معوذ: الربيع -بضم الراء وفتح الباء الموحدة وتشديد الياء المكسورة تحتها نقطتان- بنت معوذ بن عفراء الأنصارية النجارية، من صغار الصحابة. [تقريب التهذيب: ٧٤٧، رقم الترجمة: ٨٥٨٤. تهذيب التهذيب: ٤١٨/١٢، رقم الترجمة: ٢٧٨٩.]

٢) لعل الصواب يأبى الناس على الغسل. [الأعظمي]

٣) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب صفة وضوء النبي ﷺ (٣١/١) رقم الحديث: ١٢٦، ١٢٨، ١٢٩، ١٣٠، ١٣١. والترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب ما جاء أنه يبدأ بمؤخر الرأس (٤٨/١) رقم الحديث: ٣٣، ٣٤. وعبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الطهارة، باب كم الوضوء من غسله (٣٧/١) رقم الحديث: ١١٩.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن ابن عباس، قال الوضوء غسلتان ومسحتان، رواه عبد الرزاق.[١]

وعنه، قال: افترض الله غسلتين ومسحتين ألا ترى أنه ذكر التيمم فجعل مكان الغسلتين مسحتين وترك المسحتين. رواه عبد الرزاق.[٢]

وعن حمران، قال: دعا عثمان بماء فتوضأ، ثم ضحك، فقال: ألا تسألوني مما أضحك، قالوا: يا أمير المؤمنين، ما أضحكك؟ قال: رأيت رسول الله ﷺ توضأ كما توضأت، فمضمض واستنشق، وغسل وجهه ثلاثا ويديه، ومسح برأسه وظهر قدميه، ثم ضحك فقال ألا تسألوني ما أضحكني؟ قلنا: ما أضحكك يا رسول الله؟ قال: أضحكني إن العبد إذا غسل وجهه حط الله عنه كل خطيئته الحديث، رواه ابن أبي شيبة.[٣]

وهذا الحديثان يخالفان ما جاء في الصحيح من علي وعثمان وعن عباد بن تميم عن أبيه، قال: رأيت رسول الله ﷺ توضأ ومسح بالماء على لحيته ورجليه، ورواه ابن أبي شيبة وأحمد والبخاري في تاريخه والعدني والبغوي والباوردي والطبراني في الكبير وأبو نعيم في الحلية، وقال في الإصابة: رجاله ثقات.

الفصل الرابع في آداب التخلي والاستنجاء

عن أبي أيوب الأنصاري ﷺ أن النبي ﷺ قال: إذا أتيتم الغائط فلا تستقبلوا القبلة ولا تستدبروها، ولكن شرقوا أو غربوا. وأخرجه البخاري ومسلم وأبو داود والترمذي.[٤]

١) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الطهارة، باب غسل الرجلين (١٩/١) رقم الحديث: ٥٥.

٢) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الطهارة، باب غسل الرجلين (١٩/١) رقم الحديث: ٥٤.

٣) أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الطهارة، باب في الوضوء كم هو مرة (١٦/١) رقم الحديث: ٥٦. وأحمد في "مسنده" مسند أهل البيت (٧٤/١) رقم الحديث: ٤١٥.

٤) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الوضوء، باب لا تستقبل القبلة بغائط أو بول (٤١/١) رقم الحديث: ١٤٤، كتاب الصلاة، باب قبلة أهل المدينة وأهل الشام والمشرق (٨٨/١) رقم الحديث: ٣٩٤. ومسلم في "صحيحه" كتاب الطهارة، باب الاستطابة (٢٤٤/١) رقم الحديث: ٢٦٤. وأبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب كراهية استقبال القبلة عند قضاء الحاجة (٣/١) رقم الحديث: ٩. والترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب في النهي عن استقبال القبلة بغائط أو بول (١٣/١) رقم الحديث: ٨.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن عمر رضي الله عنه، قال: رآني النبي ﷺ أبول قائما، فقال: يا عمر، لا تبل قائما، فما بلت قائما بعد. أخرجه الترمذي.[1]

وقد عقد الترمذي بابا للنهي عن البول قائما، وقد ذكر فيه حديث عائشة. من حدثكم أن النبي ﷺ كان يبول قائما فلا تصدقوه، ما كان يبول إلا قاعدا. وفي الباب عن عمر، وبريدة[2]، حديث عائشة أحسن شيء في الباب وأصح، وحديث عمر إنما روي من حديث عبد الكريم بن أبي المخارق[3]، عن نافع، عن ابن عمر، عن عمر، قال: رآني النبي ﷺ أبول قائما، فقال: يا عمر، لا تبل قائما، فما بلت قائما بعد. وإنما رفع هذا الحديث عبد الكريم بن أبي المخارق، وهو ضعيف عند أهل الحديث؛ ضعفه أيوب السختياني وتكلم فيه. وروى عبيد الله، عن نافع، عن ابن عمر، قال: قال عمر: ما بلت قائما منذ أسلمت، وهذا أصح من حديث عبد الكريم، وحديث بريدة في هذا غير محفوظ، ومعنى النهي عن البول قائما على التأديب لا على التحريم وقد روي، عن عبد الله بن مسعود، قال: إن من الجفاء أن تبول وأنت قائم.[4]

ثم عقد الترمذي بابا في الرخصة في ذلك. قال حدثنا هناد، قال: حدثنا وكيع[5]، عن الأعمش، عن أبي وائل، عن حذيفة، أن النبي ﷺ أتى سباطة قوم، فبال عليها قائما،

---

١) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب النهي عن البول قائما (١٧/١) رقم الحديث: ١٢.

٢) بريدة: هو أبو سهل بريدة بن الحصيب -بمهملتين مصغرا- الأسلمي صحابي، قيل: اسمه عامر، وبريدة لقبه، أسلم قبل بدر، مات سنة ثلاث وستين. [تقريب التهذيب: ١٢١، رقم الترجمة: ٦٦٠. تهذيب التهذيب: ٩/٤٣٢-٤٣٣، رقم الترجمة: ٧٩٧.]

٣) عبد الكريم بن أبي المخارق: هو أبو أمية عبد الكريم بن أبي المخارق -بضم الميم وبالخاء المعجمة-، المعلم البصري، نزيل مكة، واسم أبيه قيس وقيل: طارق، ضعيف، من السادسة، مات سنة ست وعشرين ومائة، وقد شارك عبد الكريم بن مالك الجزري -وهو أيضا من السادسة- في بعض المشايخ فربما التبس به على من لا فهم له. [تقريب التهذيب: ٣٦١، رقم الترجمة: ٤١٥٦. تهذيب التهذيب: ٦/٣٧٦-٣٧٨، رقم الترجمة: ٧١٩.]

٤) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب النهي عن البول قائما (١٧/١) رقم الحديث: ١٢.

٥) وكيع: هو أبو سفيان وكيع بن الجراح بن مليح الرؤاسي -بضم الراء وهمزة ثم مهملة- الكوفي، ثقة حافظ عابد، من كبار التاسعة، هو من مشايخ الحديث الثقات المعول بحديثهم المرجوع إلى قولهم، كان يفتي بقول أبي حنيفة، وكان قد سمع منه شيئا كثيرا، ولد سنة تسع وتسعين، ومات في آخر سنة ست أو أول سنة سبع وتسعين ومائة، وله سبعون سنة. [تقريب التهذيب: ٥٨١، رقم الترجمة: ٧٤١٤. تهذيب التهذيب: ١١/١٢٣-١٣١، رقم الترجمة: ٢١١.]

toobaa-elibrary.blogspot.com

فأتيته بوضوء: فذهبت لأتأخر عنه، فدعاني حتى كنت عند عقبيه، فتوضأ ومسح على خفيه. وسمعت الجارود، يقول: سمعت وكيعا يحدث بهذا الحديث، عن الأعمش، ثم قال وكيع: هذا أصح حديث روي عن النبي ﷺ في المسح، وسمعت أبا عمار الحسين بن حريث، يقول: سمعت وكيعا، فذكر نحوه، وهكذا روى منصور، وعبيدة الضبي، عن أبي وائل، عن حذيفة، مثل رواية الأعمش، وروى حماد بن أبي سليمان، وعاصم بن بهدلة، عن أبي وائل، عن المغيرة بن شعبة،[1] عن النبي ﷺ: وحديث أبي وائل، عن حذيفة أصح. وقد رخص قوم من أهل العلم في البول قائما.[2]

وقال في جامع الأصول: قال حذيفة [بن اليمان] رضي الله عنه قال: كنت مع النبي صلى الله عليه وسلم، فانتهى إلى سباطة قوم، فبال قائما، فتنحيت، فقال: ادنه، فدنوت حتى كنت عند عقبيه، فتوضأ، ومسح على خفيه.

وفي رواية، عن أبي وائل قال: كان أبو موسى يشدد في البول ويبول في قارورة، ويقول: إن بني إسرائيل كان إذا أصاب جلد أحدهم بول قرضه بالمقاريض: فقال حذيفة: لوددت أن صاحبكم لا يشدد هذا التشديد، فلقد رأيتني أنا ورسول الله ﷺ نتماشى، فأتى سباطة قوم خلف حائط، فقام كما يقوم أحدكم، فبال فانتبذت منه، فأشار إلي، فجئت، فقمت عند عقبه ﷺ، حتى فرغ. أخرجه البخاري ومسلم.

وفي رواية لأبي داود نحوه. وأخرج الترمذي والنسائي، الرواية الأولى، والنسائي مثل أبي داود إلى قوله قائما انتهي.[3]

---

١) المغيرة بن شعبة: هو أبو عيسى، ويقال: أبو محمد المغيرة بن شعبة بن مسعود بن معتب الثقفي، صحابي مشهور، أسلم قبل الحديبية، وولي إمرة البصرة ثم الكوفة، مات سنة خمسين على الصحيح. [تقريب التهذيب: ٥٤٣، رقم الترجمة: ٦٨٤٠. تهذيب التهذيب: ١٠/٢٦٢-٢٦٣، رقم الترجمة: ٤٧١.]

٢) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب ما جاء في الرخصة في ذلك (١/١٩) رقم الحديث: ١٣.

٣) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الوضوء، باب البول قائما وقاعدا (١/٥٤) رقم الحديث: ٢٢٤، ٢٢٥، كتاب المظالم والغصب، باب الوقوف والبول عند سباطة قوم (٣/١٣٥) رقم الحديث: ٢٤٧١. ومسلم في "صحيحه" كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين (١/٢٢٨) رقم الحديث: ٢٧٣. أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب البول قائما (١/٦) رقم الحديث: ٢٣. أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب ما جاء في الرخصة في ذلك (١/١٩) رقم الحديث: ١٣. والنسائي في "سننه" كتاب الطهارة، باب الرخصة في ذلك (١/١٩) رقم الحديث: ١٨، باب الرخصة في البول في الصحراء قائما (١/٢٥) رقم الحديث: ٢٦، ٢٧، ٢٨.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقالوا: كان ذلك لوجع، كان في صلبه ﷺ بحيث كان لا يستطيع القعود. وقيل: ان البول قائما استشفاء من وجع الصلب وعليه جري الشافعي فقال كانت العرب يستشفي لوجع الصلب بالبول قائما.

وقد ورد فيما أخرجه الحاكم من حديث ابن عمر بلفظ بال قائما لوجع كان بما بضيه اي باطني ركبتيه، كذا قال الشيخ ابن حجر.

وقيل: لأنه لم يجد للقعود مكانا فاضطر إلى القيام لان السباطة لا يمكن الشخص القعود الا إذا جعل الطرف المرتفع منهما وراء ظهره وحينئذ يبدوا للمار عورته وان استقبلها لوجه خيف عليه ان يقع على ظهره والسباطة غالبا يكون لينة سهلة مرتفعة وهي غير صالحة لذلك.

وقيل: لم يكن له غرض [1] الجواز سيما ان فرض تأخر هذا عن حديث النهي فإنه يوهم التحريم فاحتاج لبيان عدمه سيما ان اقترن عذر اخر وللشارع ان يرتكب المكروه لبيان الجواز وهو بالنسبة إليه غير مكروه لهذا الغرض وهو ﷺ أرسل رحمة واسعة للعالمين.

وأقول: وقد اشار ﷺ ببيان الجواز في مثل هذه الصورة إلى انه وان جاز ولكن لا ينبغي ان يرتكب في حالة السعة وعدم الضرورة فافهم. والله أعلم.

وعن عبد الله بن جعفر: قال: أردفني رسول الله ﷺ ذات يوم خلفه. فأسر إلى حديثا لا أحدث به أحدا من الناس وكان أحب ما استتر به رسول الله ﷺ لحاجته: هدف أو حائش نخل. [2] أخرجه مسلم. [3]

وعن حفصة ﵂ [4] أن رسول الله ﷺ كان يجعل يمينه لطعامه وشرابه وأخذه وعطائه، ويجعل شماله لما سوى ذلك. أخرجه أبو داود. [5]

وعن [عبد الله] بن مسعود ﵁ قال: سمعت عثمان يقول: ما مسست ذكري بيميني منذ بايعت بها رسول الله ﷺ وأسلمت، فسر ذلك بأنه لم يستنج بيمينه. أخرجه. [1]

---

1) لعل الصواب: غرض إلا بيان الجواز سيما إن فرض. [الأعظمي]
2) قال ابن أسماء في حديثه: يعني حائط نخل.
3) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الحيض، باب ما يستتر به لقضاء الحاجة (٢٦٨/١) رقم الحديث: ٣٤٢.
4) حفصة: هي أم المؤمنين حفصة بنت عمر ابن الخطاب، تزوجها النبي ﷺ بعد خنيس بن حذافة سنة ثلاث، وماتت سنة خمس وأربعين. [تقريب التهذيب: ٧٤٥، رقم الترجمة: ٨٥٦٣. تهذيب التهذيب: ٤١٠/١٢، رقم الترجمة: ٢٧٦٣.]
5) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب كراهية مس الذكر باليمين في الاستبراء (٨/١) رقم الحديث: ٣٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وجرير بن عبد الله ﷺ قال: كنت مع النبي ﷺ فأتى الخلاء، فقضى الحاجة، ثم قال: يا جرير، هات طهورا، فأتيته بالماء، فاستنجى، وقال بيده، فدلك بها الأرض. أخرجه النسائي. أخرجه النسائي. (٢)

وعن جعفر بن محمد عن آبائه عن علي قال: خرج النبي ﷺ البراز فأخذت الركوة فخرجت في أثره. رواه السلمي في الأربعين. (٣)

وعن ابن مسعود ﷺ قال: أتى النبي ﷺ الغائط، فأمرني أن آتيه بثلاثة أحجار، فوجدت حجرين، والتمست الثالث، فلم أجده، فأخذت روثة، فأتيته بها، فأخذ الحجرين، وألقى الروثة، وقال: إنها ركس. أخرجه البخاري والترمذي والنسائي. (٤)

وعن أبي هريرة ﷺ قال: اتبعت النبي ﷺ وقد خرج لحاجته وكان لا يلتفت فدنوت منه، فقال: ابغني أحجارا أستنفض بها أو نحوه، ولا تأتني بعظم ولا روث. أخرجه البخاري. (٥)

وفي رواية ذكرها رزين قال: قال رسول الله ﷺ: ابغني أحجارا أستنفض بها، ولا تأتني بعظم ولا بروثة، قلت: ما بال العظم والروثة؟ قال: هما من طعام الجن، وإنه أتاني وفد جن نصيبين، ونعم الجن فسألوني الزاد، فدعوت الله لهم أن لا يمروا بعظم ولا روثة إلا وجدوا عليها طعما. (٦)

---

١) أخرجه ابن ماجه "سننه" كتاب الطهارة وسننها، باب كراهية مس الذكر باليمين والاستنجاء باليمين (١٣٣/١) رقم الحديث: ٣١١. [لفظه جامع الأصول: ١٣٧/٧، رقم الحديث: ٥١٢٢.]

٢) أخرجه النسائي في "سننه" كتاب الطهارة، باب دلك اليد بالأرض بعد الاستنجاء (٤٥/١) رقم الحديث: ٥١.

٣) أخرجه السلمي في الأربعين كما في "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأفعال، ذيل الخلاء (٥١٥/٩) رقم الحديث: ٢٧٢١٣.

٤) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الوضوء، باب لا يستنجي بروث (٤٣/١) رقم الحديث: ١٥٦. والترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب في الاستنجاء بالحجرين (٢٥/١) رقم الحديث: ١٧. والنسائي في "سننه" كتاب الطهارة، باب الرخصة في الاستطابة بحجرين (٣٩/١) رقم الحديث: ٤٢.

٥) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الوضوء، باب الاستنجاء بالحجارة (٤٢/١) رقم الحديث: ١٥٥.

٦) أخرجه ابن الأثير في "جامع الأصول" حرف الطاء، الكتاب الأول في الطهارة، الباب الثالث في الاستنجاء، الفصل الثاني فيما يستنجي به، الفرع الثاني في الأحجار وما نهى عنه (١٤٤/٧) رقم الحديث: ٥١٣٧. وأخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب المناقب، باب ذكر الجن (٤٦/٥) رقم الحديث: ٣٨٦٠.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وفي رواية: لا يمرون بعظم إلا وجدوا عليه عرقة ولا يمرون بروثة إلا وجدوا عليها طعما.[1] وفي رواية: بعظم أو بعر. الحديث بطوله.[2]

وعن أبي أمامة، أن رسول الله ﷺ قال: " لا يعجز أحدكم إذا دخل مرفقه أن يقول: اللهم إني أعوذ بك من الرجس النجس، الخبيث المخبث، الشيطان الرجيم. رواه ابن ماجة.[3]

وعن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: إن هذه الحشوش محتضرة فإذا دخل أحدكم، فليقل: بسم الله.[4]

وعن أنس، قال: قال رسول الله ﷺ: تنزهوا من البول فإن عامة عذاب القبر منه. رواه الدار قطني.[5] ولهذا الحديث طرق متعددة مختلفة ألفاظها.[6]

وعن عبد الرحمن بن حسنة [7]: أن النبي ﷺ قال: ألم تعلموا ما أصاب بني إسرائيل؟ إسرائيل؟ كانوا إذا أصابهم شيء من البول قرضوه بالمقاريض، فنهاهم صاحبهم فعذب في قبره. رواه أحمد والنسائي وابن حبان وابن عساكر والبيهقي.[8]

---

1) أخرجه ابن الأثير في "جامع الأصول" حرف الطاء، الكتاب الأول في الطهارة، الباب الثالث في الاستنجاء، الفصل الثاني فيما يستنجي به، الفرع الثاني في الأحجار وما نهي عنه (٧/١٤٦) رقم الحديث: ٥١٢٩.

2) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب ما ينهى عنه أن يستنجي به (١/١٠) رقم الحديث: ٣٨.

3) أخرجه ابن ماجه في "سننه" كتاب الطهارة وسننها، باب ما يقول الرجل إذا دخل الخلاء (١/١٠٩) رقم الحديث: ٢٩٩.

4) أخرجه ابن السني في "عمل اليوم والليلة" باب التسمية عند دخول الخلاء (٢٠) رقم الحديث: ٢٠ [فيه: عن أنس بن مالك]. وابن السني كما في "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأقوال، الباب الثاني في التخلي والاستنجاء وإزالة النجاسة، الفصل الأول في آداب التخلي، الفرع الثاني في آداب متفرقة (٩/٣٥٠) رقم الحديث: ٢٦٢٨٨.

5) أخرجه الدار قطني في "سننه" كتاب الطهارة، باب نجاسة البول والأمر بالتنزه منه (١/٢٣١) رقم الحديث: ٤٥٩.

6) أخرجه ابن ماجه في "سننه" كتاب الطهارة، باب التشديد في البول (١/١٢٥) رقم الحديث: ٣٤٨. والدار قطني في "سننه" كتاب الطهارة، باب نجاسة البول والأمر بالتنزه منه (١/٢٣٢) رقم الحديث: ٤٦٤، (١/٢٣٣) رقم الحديث: ٤٦٦. [عن مجاهد عن ابن عباس] والطبراني في "المعجم الكبير" باب العين، مجاهد عن ابن عباس (١١/٧٩) رقم الحديث: ١١١٠٤.

7) عبد الرحمن بن حسنة: هو عبد الرحمن بن حسنة -بفتح المهملتين ثم نون- هو ابن عبد الله بن المطاع أخو شرحبيل فيما قيل، صحابي، له حديث. [تقريب التهذيب: ٣٣٩، رقم الترجمة: ٣٨٤٤. تهذيب التهذيب: ٩/١٦٣، رقم الترجمة: ٣٣٤.]

8) أخرجه النسائي في "سننه" كتاب الطهارة، البول إلى السترة يستتر بها (١/٢٦) رقم الحديث: ٣٠. وأحمد في "مسنده" مسند الشاميين، حديث عبد الرحمن بن حسنة (٢٩/٢٩٣) رقم الحديث: ١٧٧٥٨. وابن حبان

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أبي موسى: أن النبي ﷺ قال: إذا أراد أحدكم أن يبول، فليرتد لبوله مكانا لينا. رواه أبو داود.[1]

وعن طاؤوس، قال: قال رسول الله ﷺ: إذا خرج أحدكم من الخلاء فليقل: الحمد لله الذي أذهب عني ما يؤذيني، وأمسك علي ما ينفعني. رواه ابن أبي شيبة والدار قطني.[2]

وعن ابن عمر، قال: قال رسول الله ﷺ: عليكم بإنقاء الدبر فإنه يذهب بالباسور. رواه أبو يعلى في مسنده.[3] وروي ابن السني وأبو نعيم نحوه.[4]

وعن عائشة، أن النبي ﷺ قال: استنجوا بالماء البارد، فإنه مصحة للبواسير. رواه الطبراني في الأوسط، وروى عبد الرزاق عن المسور بن رفاعة القرظي.[5]

وعن أبي أيوب الأنصاري، قال: قال رسول الله ﷺ: إذا تغوط أحدكم فليتمسح بثلاثة أحجار فإن ذلك طهوره. رواه الطبراني.[6]

في "صحيحه" فصل في أحوال الميت في قبره، ذكر الخبر الدال على أن عذاب القبر قد يكون من ترك الاستبراء من البول (٣٩٧/٧) رقم الحديث: ٣١٢٧. والبيهقي في "السنن الكبرى" جماع أبواب الاستطابة، باب البول قاعدا (١٦٤/١) رقم الحديث: ٤٩٠، باب التوقي عن البول (١٦٩/١) رقم الحديث: ٥٠٩. وابن عساكر في "تاريخ دمشق" كما في "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأقوال، الباب الثالث في التخلي والاستنجاء وإزالة النجاسة، الفصل الأول في آداب التخلي (٣٤٥/٩) رقم الحديث: ٢٦٣٦٨.

(١) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب الرجل يتبوأ لبوله (١/١) رقم الحديث: ٣.

(٢) أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الطهارة، ما يقول إذا خرج من المخرج (١٢/١) رقم الحديث: ١٢. والدار قطني في "سننه" كتاب الطهارة، باب الاستنجاء (٩١/١) رقم الحديث: ١٥٦.

(٣) أخرجه أبو يعلى في مسنده كما في "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأقوال، الباب الثالث في التخلي والاستنجاء وإزالة النجاسة، الفصل الأول في آداب التخلي (٣٥٠/٩) رقم الحديث: ٢٦٣٩١

(٤) أخرجه المتقي "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأقوال، الباب الثالث في التخلي والاستنجاء وإزالة النجاسة، الفصل الأول في آداب التخلي (٣٥٠/٩) رقم الحديث: ٢٦٣٩٢. [ولفظه: عليكم بغسل الدبر فإنه مذهبة للباسور.]

(٥) أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط" باب العين، من اسمه عبد الوارث (١٢٤/٥) رقم الحديث: ٤٨٥٨. وعبد الرزاق كما في "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأقوال، الباب الثالث في التخلي والاستنجاء وإزالة النجاسة، الفصل الأول في آداب التخلي (٣٥١/٩) رقم الحديث: ٢٦٣٩٤.

(٦) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب الخاء، أبو شعيب الحضرمي عن أبي أيوب (١٧٤/٤) رقم الحديث: ٤٠٥٥. [وفيه: فإن ذلك كافيه.]

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن معقل [١] بن أبي معقل الأسدي، قال: نهى رسول الله ﷺ أن نستقبل القبلتين ببول أو غائط. رواه أحمد وأبو داود. [٢]

وعن أبي هريرة، قال: قال رسول الله ﷺ: من تغوط على ضفة نهر يتوضأ منه ويشرب، فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين. رواه الخطيب. [٣]

وعن أنس، قال: قال رسول الله ﷺ: إياكم والبول على المقابر فإنه يورث البرص. رواه الديلمي. [٤]

وعن ابن شهاب أن أبا بكر الصديق قال: يوما وهو يخطب: استحيوا من الله فوالله ما خرجت لحاجة منذ بايعت رسول الله ﷺ إلا مقنعا رأسي حياء من ربي. رواه ابن حبان في روضة العقلاء وهو منقطع. [٥]

وعن عائشة قالت: قال أبو بكر: إني لأقنع رأسي إذا دخلت الكنيف. رواه عبد الرزاق. [٦]

(٦)

وعن مجاهد قال: يجتنب الملك الإنسان في موطنين: عند غائطه وعند جماعه. رواه عبد الرزاق. [٧]

وعن ابن عمر قال: ظهرت على إجار في بيت حفصة في ساعة لم أكن أظن أحدا يخرج فيها فرأيت رسول الله ﷺ على لبنتين لحاجة مستقبل بيت المقدس. رواه سعد بن منصور في سننه. [١]

---

١) معقل الأسدي: هو معقل بن أبي معقل وهو ابن أبي الهيثم ويقال: ابن الهيثم الأسدي، له ولأبيه صحبة. [تقريب التهذيب: ٥٤٠، رقم الترجمة: ٦٧٩٩. تهذيب التهذيب: ٢٣٥/١٠، رقم الترجمة: ٤٢٩.]

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب كراهية استقبال القبلة عند قضاء الحاجة (٣/١) رقم الحديث: ١٠. وأحمد في "مسنده" مسند الشاميين، حديث معقل بن أبي معقل (٣٨٢/٢٩) رقم الحديث: ١٧٨٣٨.

٣) أخرجه الخطيب في "تاريخ بغداد" باب الدال، داود بن عبد الجبار أبو سليمان الكوفي (٣٦١/٩).

٤) أخرجه الديلمي في "الفردوس بمأثور الخطاب" باب الألف (٣٨٧/١) رقم الحديث: ١٥٥٧.

٥) أخرجه ابن حبان في "روضة العقلاء ونزهة الفضلاء" ذكر الحث على لزوم الحياء وترك القحة (٥٧)

٦) أخرجه عبد الرزاق كما في "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأفعال باب التحلي والاستنجاء وإزالة النجاسة، آداب التخلي (٥٠٩/٩) رقم الحديث. ٢٧١٨٨.

٧) أخرجه عبد الرزاق كما في "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأفعال باب التحلي والاستنجاء وإزالة النجاسة، آداب التخلي (٥٠٩/٩) رقم الحديث: ٢٧١٩٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن عبد الرحمن بن أبي ليلى قال: رأيت عمر بن الخطاب بال، ثم مسح ذكره بالتراب، ثم التفت إلينا فقال: هكذا علمنا. رواه الطبراني في الأوسط وأبو نعيم في الحلية. (٢)

وعنه، قال: كان عمر بن الخطاب يبول ثم يمسح ذكره بحجر أو بغيره (٣)، ثم إذا توضأ لم يمس ذكره الماء. (٤)

وعن الزهري أن عمر بن الخطاب أتى الغائط ثم استطاب بالماء بين راحلتين، فجعل أصحاب رسول الله ﷺ يضحكون ويقولون: توضأ كما توضأ المرأة. رواهما عبد الرزاق. (٥)

وعن يسار بن نمير (٦) مولى عمر بن الخطاب، قال: كان عمر إذا بال قال: ناولني شيئا أستنجي به فأناوله العود والحجر أو يأتي حائطا يتمسح أو يمسه الأرض ولم يكن يغسله. (٧)

وعن عثمان بن عبد الرحمن التيمي قال: رأيت عمر بن الخطاب بالبادية وهو يستنجي من الغائط بالماء. (٨)

وعن ابن سيرين قال: خرج علي من الخلاء يشرب ماء قبل أن يتوضأ وقال: أطهر بطني أولا. (٩)

---

١) أخرجه الدار قطني في "سننه" كتاب الطهارة، باب استقبال القبلة في الخلاء (١/٩٨) رقم الحديث: ١٧٢. وسعيد بن منصور في "سننه" كما في "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأفعال، باب التخلي والاستنجاء وإزالة النجاسة، ذيل الخلاء (٩/٥١٧) رقم الحديث: ٢٧٢٣٠.

٢) أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط" باب العين، من اسمه عبدان (٥/٢٩) رقم الحديث: ٤٥٨٤. وأبو نعيم في "حلية الأولياء وطبقات الأصفياء" من الطبقة الأولى من التابعين، عبد الرحمن بن أبي ليلى (٤/٣٥٤).

٣) أي من أجزاء الأرض كالتراب. [الأعظمي]

٤) أخرجه عبد الرزاق كما في "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأفعال، باب التخلي والاستنجاء وإزالة النجاسة، الاستنجاء (٩/٥١٩) رقم الحديث: ٢٧٢٣٨.

٥) أخرجه عبد الرزاق كما في "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأفعال، باب التخلي والاستنجاء وإزالة النجاسة، الاستنجاء (٩/٥١٩) رقم الحديث: ٢٧٢٣٩.

٦) يسار بن نمير: هو يسار بن نمير المدني، مولى عمر، ثقة، نزل الكوفة، من الثانية. [تقريب التهذيب: ٦٠٨، رقم الترجمة: ٧٨٠٣. تهذيب التهذيب: ١١/٣٧٧، رقم الترجمة: ٧٣٣.]

٧) أخرجه الترقفي كما في "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأفعال، باب التخلي والاستنجاء وإزالة النجاسة، الاستنجاء (٩/٥١٩) رقم الحديث: ٢٧٢٤٠.

٨) أخرجه سعيد بن منصور كما في "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأفعال، باب التخلي والاستنجاء وإزالة النجاسة، الاستنجاء (٩/٥١٩) رقم الحديث: ٢٧٢٤٢.

٩) أخرجه سعيد بن منصور كما في "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأفعال، باب التخلي والاستنجاء وإزالة النجاسة، ذيل الخلاء (٩/٥١٨) رقم الحديث: ٢٧٢٣٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن عبد الله بن الزبير أنه رأى رجلا يغسل عنه أثر الغائط فقال: ما كنا نفعله.[1]

وعن جابر، أن رسول الله ﷺ، قال: إذا استجمرت فأوتر. أخرجه النسائي.[2]

وعن أبي قتادة [3]، عن أبيه، قال: قال رسول الله ﷺ: إذا بال أحدكم فلا يمس ذكره بيمينه، وإذا أتى الخلاء فلا يتمسح بيمينه، وإذا شرب فلا يشرب نفسا واحدا. رواه أبو داود.[4] [4]والبخاري: إذا بال أحدكم فلا يأخذن ذكره بيمينه، ولا يستنجي بيمينه. ولمسلم نحوه.[5]

وعن مجاهد، قال: غسل الدبر من الفطرة.[6]

وعن إبراهيم النخعي [7]، أن سعد بن أبي وقاص [8] رأى رجلا يغسل ذكره، فقال: لا لا تلحقوا في دينكم ما ليس منه يرى أحدكم أن حقا عليه يغسل ذكره إذا بال وأن تركه جفاء.[1]

---

١) أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الطهارة، باب من كان لا يستنجي بالماء، ويجتزئ بالحجارة (١/١٤٣) رقم الحديث: ١٦٤١. وسعيد بن منصور كما في "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأفعال، باب التخلي والاستنجاء وإزالة النجاسة، الاستنجاء (٩/٥٢٠) رقم الحديث: ٢٧٢٤٨.

٢) أخرجه النسائي في "سننه" كتاب الطهارة، باب الرخصة في الاستطابة بحجر واحد (١/٤١) رقم الحديث: ٤٣. [عن سلمة بن قيس]

٣) أبو قتادة: هو الحارث ويقال عمرو أو النعمان بن ربعي -بكسر الراء وسكون الموحدة بعدها مهملة- بن بلدمة -بضم الموحدة والمهملة بينهما لام ساكنة- السلمي -بفتحتين- المدني الأنصاري، شهد أحدا وما بعدها ولم يصح شهوده بدرا، ومات سنة أربع وخمسين وقيل: سنة ثمان وثلاثين، والأول أصح وأشهر. [تقريب التهذيب: ٦٦٩، رقم الترجمة: ٨٣١١.]

٤) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب كراهية مس الذكر باليمين في الاستبراء (١/٨) رقم الحديث: ٣١.

٥) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الوضوء، باب لا يمسك ذكره بيمينه إذا بال (١/٤٢) رقم الحديث: ١٥٤. ومسلم في "صحيحه" كتاب الطهارة، باب النهي عن الاستنجاء باليمين (١/٢٢٥) رقم الحديث: ٢٦٧.

٦) أخرجه سعيد بن منصور كما في "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأفعال، باب التخلي والاستنجاء وإزالة النجاسة، الاستنجاء (٩/٥٢٠) رقم الحديث: ٢٧٢٤٩.

٧) إبراهيم النخعي: هو أبو عمران، إبراهيم بن يزيد بن قيس بن الأسود النخعي الكوفي، الفقيه، ثقة إلا أنه يرسل كثيرا، من الخامسة مات [دون المائة] سنة ست وتسعين وهو ابن خمسين أو نحوها. [تقريب التهذيب: ٩٥، رقم الترجمة: ٢٧٠. والتهذيب التهذيب:]

٨) سعد بن أبي وقاص: هو أبو إسحاق سعد بن أبي وقاص -اسم وقاص- مالك بن وهيب بن عبد مناف بن زهرة بن كلاب الزهري، أحد العشرة المبشرة بالجنة، أسلم قديما وهو ابن سبع عشرة سنة، وقال: كنت ثالث الإسلام، وأول من رمى بسهم في سبيل الله، ومناقبه كثيرة، مات في قصره بالعقيق قريبا من المدينة سنة خمس وخمسين على المشهور، وهو آخر العشرة وفاة. [تقريب التهذيب: ٢٣٢، رقم الترجمة: ٢٢٥٩. تهذيب التهذيب: ٣/رقم الترجمة: ٩٠١.]

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أنس، أن رسول الله ﷺ استنجى بالماء. رواه الأحاديث الستة سعيد بن منصور في سننه. [٢]

وعن عبد الملك بن عمير قال: قال علي: إن من كان قبلكم كانوا يبعرون بعرا وأنتم تثلطون ثلطا [٣] فاتبعوا الحجارة بالماء. رواه عبد الرزاق وسعيد بن منصور. [٤]

تنبيه الكلام في هذا الفصل

الكلام في هذا الفصل على وجهين في موضعين:

الأول في استقبال القبلة واستدبارها في البول والغائط.

اعلم أن الروايات في هذا الباب مختلفة؛ ففي بعضها: لا تستقبلوا القبلة ولا تستدبروها بغائط وبول؛ ولكن شرقوا وغربوا. وفي أخرى: إذا ذهب أحدكم لغائط أو بول فلا يستقبل القبلة ولا يستدبرها بفرجه. فهذان الحديثان ونحوهما يدلان على النهي عن الاستقبال والاستدبار لبول وغائط جميعا.

وفي أخرى: إذا جلس أحدكم حاجته، فلا يستقبل القبلة ولا يستدبرها. فهذه الرواية يشتمل الاستقبال والاستدبار وليس فيها ذكر الغائط والبول.

وفي رواية: إذا أتى أحدكم الغائط فلا يستقبل القبلة ولكن يشرق أو يغرب. وفي هذه الرواية النهي عن الاستقبال، وليس فيها ذكر الاستدبار، ولا ذكر البول.

---

١) أخرجه عبد الرزاق وسعيد بن منصور كما في "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأفعال، باب التخلي والاستنجاء وإزالة النجاسة، الاستنجاء، (٥٢١/٩) رقم الحديث: ٢٧٢٥٠.

٢) أخرجه سعيد بن منصور كما في "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأفعال، باب التخلي والاستنجاء وإزالة النجاسة، الاستنجاء، (٥٢١/٩) رقم الحديث: ٢٧٢٥٣.

٣) ثلطا: الثلط: الرجيع الرقيق، وأكثر ما يقال للإبل والبقر والفيلة. ومنه حديث علي ﷺ "كانوا يبعرون وأنتم تثلطون ثلطا" أي كانوا يتغوطون يابسا كالبعر، لأنهم كانوا قليلي الأكل والمآكل، وأنتم تثلطون رقيقا، وهو إشارة إلى كثرة المآكل وتنوعها. انتهى. ٢٢٠/١ لنهاية.

٤) أخرجه عبد الرزاق وسعيد بن منصور كما في "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأفعال، باب التخلي والاستنجاء وإزالة النجاسة، الاستنجاء، (٥٢١/٩) رقم الحديث: ٢٧٢٥٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وفي أخرى: أنه سمع رسول الله ﷺ ينهى أن يستقبل القبلة لغائط وبول. وفيها خص الاستقبال بالذكر وذكر الغائط والبول. وهذه روايات أبي ايوب في الكتب الستة.[1]

وعن جابر، قال نهى رسول الله ﷺ ان يستقبل القبلة ببول فرأيت قبل ان يقبض بعام يبول مستقبلها، أخرجه أبو داود والترمذي.[2]

وعن أبي قتادة، أنه رأي النبي ﷺ يبول مستقبل القبلة، أخرجه الترمذي.[3] وجاء في بعض الروايات النهي عن استقبال القبلتين ببول وغائط.

إذا عرفت هذا؛ فأعلم أن المسئلة مختلف فيها، فعند أبي حنيفة يحرم استقبال القبلة واستدبارها في الصحراء وفي البنيان، وعند الشافعي لا يحرم في البنيان، وذهب إلى كل من القولين جمع من الصحابة والتابعين ومن بعدهم.

ونقل الترمذي عن أحمد بن حنبل الرخصة من النبي ﷺ في استدبار القبلة لغائط أو بول، فأما استقبال القبلة فلا، وكأنه لم ير في الصحراء ولا في الكنيف.[4]

ونقل الشمني عدم كراهية الاستدبار عن أبي حنيفة أيضا لحديث ابن عمر رضي الله عنه.

في حجة الحنفية أن حديث النهي أرجح، رواه جمع كثير من الصحابة، ولم يذكر أحد منهم في رواية ما يدل على التفريق بين الصحاري والأبنية، وقال الترمذي: حديث أبي أيوب أحسن شيء في هذا الباب وأصح.[5] وهذا الحديث رواه أصحاب الكتب الستة،

وقال التوربشتي: والنظر يقتضي التسوية بين الصحاري والأبنية؛ لأنا لم نجد للنهي وجها سوى احترام القبلة، ككراهة مواجهة تلك الجهة بالبزاق والنخامة ومد الرجل.[6]

---

١) رواه ابن الأثير في "جامع الأصول" (٧/ ١٢٠) رقم الحديث: ٥٠٩٨.

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب الرخصة في ذلك [استقبال القبلة] (١/ ٤) رقم الحديث: ١٣. والترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب ما جاء من الرخصة في ذلك (١/ ١٥) رقم الحديث: ٩.

٣) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب ما جاء من الرخصة في ذلك (١/ ١٥) رقم الحديث: ١٠.

٤) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب في النهي عن استقبال القبلة بغائط أو بول (١/ ١٣) رقم الحديث: ٨.

٥) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب في النهي عن استقبال القبلة بغائط أو بول (١/ ١٣) رقم الحديث: ٨.

٦) كتاب الميسر: ١/ ١٣٠.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وتمسك الشافعي بحديث ابن عمر ، قال: ارتقيت فوق بيت حفصة لبعض حاجتي، فرأيت النبي -ﷺ- يقضي حاجته مستقبل الشام، مستدبر القبلة. أخرجه البخاري ومسلم والترمذي. (١)

وروى سعيد بن منصور في سننه، قال: ظهرت على إجار في بيت حفصة في ساعة لم أكن أظن أحدا يخرج فيها فرأيت رسول الله ﷺ على لبنتين لحاجة مستقبل بيت المقدس. (٢)

وأجيب عنه بأنه يحتمل أن يكون ذلك قبل النهي، ويحتمل أنه جاء قد انحرف عن سمت القبلة شيئا يسيرا بحيث خفي على ابن عمر؛ لأنه لم يتعمق في ذلك ولم يكن للمقام مقامه.

وقال التوربشتي: إن مقصود ابن عمر من هذا القول الرد على من قال بالنهي عن استقبال بيت المقدس انتهى.

وتحقيق هذا الكلام ما ذكر في جامع الأصول، أنه جاء في رواية للبخاري: أن ابن عمر كان يقول: إن ناسا يقولون: إذا قعدت على حاجتك فلا تستقبل القبلة ولا بيت المقدس، فقال عبد الله بن عمر: لقد ارتقيت يوما على ظهر بيت لنا، فرأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم على لبنتين، مستقبل بيت المقدس لحاجته، وقال: لعلك من الذين يصلون على أوراكهم؟ فقلت: لا أدري والله. قال مالك: يعني: الذي يصلي ولا يرتفع عن الأرض، يسجد وهو لاصق بالأرض. (٣)

قال واسع بن حبان (٤): كنت أصلي في المسجد وعبد الله بن عمر مسند ظهره إلى القبلة، فلما قضيت صلاتي انصرفت إليه من شقي، فقال عبد الله: يقول ناس: إذا قعدت للحاجة تكون لك، فلا تقعد مستقبل القبلة ولا بيت المقدس، قال عبد الله: ولقد رقيت على ظهر بيت [الحفصة]، فرأيت رسول الله ﷺ قاعدا على لبنتين مستقبلا بيت المقدس، لحاجته. (٥)

---

١) رواه جامع الأصول (١٢٥/٧) رقم الحديث: ٥١٠٥.

٢) كنز العمال (٥١٧/٩) رقم الحديث: ٢٧٢٢٨.

٣) جامع الأصول (١٢٥/٧) رقم الحديث: ٥١٠٥.

٤) واسع بن حبان: هو واسع بن حبان -بفتح المهملة ثم موحدة ثقيلة- بن منقذ بن عمرو الأنصاري المازني المدني، ثقة، من الثانية، ذكره البغوي في الصحابة وقال: في صحبته مقال، وقال العجلي: مدني تابعي، وزعم العبدوي أنه شهد بيعة الرضوان. [تقريب التهذيب: ٥٧٩، رقم الترجمة: ٧٣٨٠. تهذيب التهذيب: ١٠٢/١١، رقم الترجمة: ١٧٥.]

٥) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الطهارة، باب الاستطابة (٢٢٤/١) رقم الحديث: ٢٦٦.

toobaa-elibrary.blogspot.com

فمقصود ابن عمر من هذا الحديث؛ الانكار على من قال بالنهي عن استقبال بيت المقدس لا إثبات الاستدبار، ورخصة في البيوت، وليس استدبار القبلة مذكورا في حديث، فرجع الانكار إلى رواية القبلتين أو تعميم القبلة بحيث يشتمل بيت المقدس كما يفهم من كتاب الدارمي؛ حيث جعل الترجمة باب الرخصة في استقبال القبلة، ثم أورد حديث ابن عمر: رأيت رسول الله ﷺ جالسا على لبنتين مستقبل بيت المقدس ولعل ابن عمر كان قائلا بجواز الاستدبار على رواية تخصيص النهي بالاستقبال، فافهم.

فإن قلت: إذا كان مستقبلا لبيت المقدس فقد استدبر الكعبة ضرورة؛ لأنهما مسامتان في المدينة؛ لأن المدينة متوسط بين مكة وبين بيت المقدس، وكلاهما في ناحية الشمال من مكة يرى ذلك في مسجد القبلتين الذي نسخت فيه قبلة بيت المقدس، بني محراب كل منهما مسامتا للآخر.

قلنا: ليس الأمر كذلك في الحقيقة، ولا يقع سمت القبلة بالمدينة على السواء من بيت المقدس، وإن ذكره بعض العلماء بناء على الظاهر فذلك مبني على التقريب لا التحقيق، ويعلم ذلك بالحس من النظر في مطالع البروج ومغاربها، وبالحساب بمعرفة طول البلدين وعرضهما؛ فإن طول المدينة خمسة وسبعون درجة وعشرون دقيقة؛ وعرضها خمسة وعشرون درجة، وطول بيت المقدس ستة وستون درجة وعشرون دقيقة، وعرضها عشر درجة وأربعون دقيقة،[1] فلا يكونان متسامتين على ما ذكره التوربشتي.

ثم اعلم أن الوجه في قول الشافعي بالرخصة في البنيان ليس مبنيا على أن الاستتار في ظاهر ما يرى حاصل في البنيان دون الصحراء كما يتبادر إلى الفهم؛ بل الوجه كما ذكروا هو أن الصحراء لا يخلوا عن مصل من ملك أوجني أو إنسي، فإذا قعد مستقبل القبلة أم مستدبرها ربما يقع نظر مصل على عورته، وهذا المعنى مأمون في البنيان، فإن الحشوش محتضرة للشياطين كذا قال الطيبي،[2] ولكن ما يجيء في الفصل الثالث من حديث مروان بن الأصفر [3] من قول ابن عمر: إنما نهى عن ذلك في الفضاء، فإذا كان بينك وبين القبلة شيء يسترك فلا بأس؛ ينظر إلى ما يتبادر. والله أعلم.

---

١) وعرضها أحد وعشرون درجة [لمعات التنقيح: ٦٣/٢]
٢) شرح الطيبي: ٣٥/٢
٣) مروان بن الأصفر: هو مروان الأصفر أبو خليفة خلف البصري، قيل: اسم أبيه خاقان، وقيل: سالم، ثقة، من الرابعة. [تقريب التهذيب: ٥٢٦، رقم الترجمة: ٥٦٧٦. تهذيب التهذيب:]

toobaa-elibrary.blogspot.com

الثاني في الاستنجاء بثلاثة أحجار:

اعلم أن الاستنجاء بثلاثة أحجار واجب عند الأئمة الثلاثة بشرط الانتقاء؛ بأن يخرج آخرهن نقيا لا شيء عليه، فإن نقي بدون الثلاثة أتى ببقيتها لشرط العدد، وإن لم ينق بثلاثة يزاد حتى ينقي تحصيلا لشرط الأنقاء، ويستحب أن يقطع على وتر.

ومتمسكهم ما ورد في حديث سلمان: نهانا النبي ﷺ أن نستنجي بأقل من ثلاثة أحجار، إن كان النهي للتحريم، [1] وحديث عائشة: أن رسول الله ﷺ، قال: إذا ذهب أحدكم لحاجته فليستطب بثلاثة أحجار. إن كان الأمر للإيجاب. [2]

ولنا ما روى البخاري، عن عبد الله بن مسعود، قال: أتى النبي ﷺ الغائط فأمرني أن آتيه بثلاثة أحجار، فوجدت حجرين ولم أجد الثالث، فأتيته بروثة فأخذ الحجرين وألقى الروثة، وقال: هذا ركس. [3] ولو كان واجبا لما اكتفى بها وليس هنا ضرورة داعية إلى ذلك.

وأيضا حديث أبي هريرة: من استجمر فليوتر، من فعل فقد أحسن ومن لا فلا حرج. [4] دليل على عدم الاشتراط.

قال في الهداية: وما رواه الشافعي متروك الظاهر، فإنه لو استنجى فأوتر بحجر له ثلاثة أحرف جاز بالإجماع، [5] قال الشيخ ابن الهمام: فعلم أن المراد عدد المسحات غير أنه قدر بالثلاث؛ لأن غالب الظن يحصل عنده كما قدره في حديث المستيقظ؛ ولكن هذا إذا كان الاستجمار خاصا في الاستنجاء، لكنه مشترك بينه وبين استعمال الجمر في البخور كما في قولهم: نجمر الأكفان في الجنائز، واستجمر فلان: أي تبخر، فيكون لفظ الحديث لبيان تثليث الإيتار في البخور والتطيب، [6] انتهى.

قال العبد الضعيف عفا الله عنه: إن ذكر الإيتار إشارة إلى قوله: إن الله وتر يحب الوتر. [7] وقد ورد في بعض الروايات ذكره، والظاهر أن يكون ذلك عبارة عن الاستحباب؛

---

١) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الطهارة، باب الاستطابة (١/٢٢٣) رقم الحديث: ٢٦٢.
٢) أخرجه أحمد في "مسنده" مسند عائشة رضي الله عنها (٤١/٢٨٨) رقم الحديث: ٢٤٧٧١.
٣) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الوضوء، باب لا يستنجي بروث (١/٤٣) رقم الحديث: ١٥٦.
٤) أخرجه ابن ماجه في "سننه" كتاب الطهارة وسننها، باب الارتياد للغائط والبول (١/٢٩٥) رقم الحديث: ٣٣٧.
٥) الهداية: ١/٣٩.
٦) فتح القدير: ١/٣٩٧.
٧) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الوتر، باب ما جاء أن الوتر ليس بحتم (١/٤٧٠) رقم الحديث: ٤٥٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

فإن كثيرا من المواضع وقع ذكر الإيتار، والحث عليه مع أنه غير واجب، والظاهر أن الإيتار والتثليث في الإكتحال أيضا ليس بواجب بحيث يأثم تاركه، ويعرف من سياق المقام أن المراد الإنقاء والمبالغة في التطييب وليس أمرا تعبديا محققا بظاهر أن النهي للتنزيه، والأمر للاستحباب، والله أعلم.

الفصل الخامس في السواك [١]

الأشهر في هذا الباب، حديث أبي هريرة، قال: قال رسول الله ﷺ: لو لا أن أشق على أمتي لأمرتهم بالسواك. أخرجه الستة، وهذا لفظ البخاري. وفي رواية أخرى: لو لا أن أشق على المؤمنين. وفي رواية: على أمتي عند كل صلاة. وفي رواية للموطأ مثل رواية مسلم الاخيرة، وفي رواية النسائي مثله.[٢]

وعن زيد بن خالد الجهني رضي الله عنه [٣] قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: لولا أن أشق على أمتي لأمرتهم بالسواك عند كل صلاة، قال أبو سلمة: هو ابن عبد الرحمن [٤]: فرأيت زيدا يجلس في المسجد، وإن السواك من أذنه موضع القلم من أذن الكاتب، فكلما قام إلى الصلاة استاك. أخرجه أبو داود.[٥]

---

١) السواك من شعائر الدين، واستعماله قريب من الوجوب. [الأعظمي]

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الجمعة، باب السواك يوم الجمعة (٤/٢) رقم الحديث: ٨٨٧، كتاب الصوم، باب سواك الرطب واليابس للصائم (٣١/٣)، كتاب التمني، باب ما يجوز من اللو (٨٥/٩) رقم الحديث: ٧٢٤٠. ومسلم في "صحيحه" كتاب الطهارة، باب السواك (٢٢٠/١) رقم الحديث: ٢٥٢. وأبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب السواك (١٢/١) رقم الحديث: ٤٦. والترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب ما جاء في السواك (٣٤/١) رقم الحديث: ٢٢. والنسائي في "سننه" كتاب الطهارة، باب الرخصة في السواك بالعشي للصائم (١٢/١) رقم الحديث: ٧. وابن ماجه في "سننه" كتاب الطهارة وسننها، باب السواك (١٥٠/١) رقم الحديث: ٢٨٧. ومالك في "الموطأ" كتاب الطهارة، باب ما جاء في السواك (٦٦/١) رقم الحديث: ١١٤، ١١٥.

٣) زيد بن خالد الجهني: هو أبو عبد الرحمن زيد بن خالد الجهني المدني، صحابي مشهور، مات بالمدينة سنة ثمان وستين أو سبعين، وله خمس وثمانون سنة، وقيل: مات بالكوفة. [تقريب التهذيب: ٢٢٣، رقم الترجمة: ٢١٣٣. تهذيب التهذيب: ٣/٤١٠، رقم الترجمة: ٧٤٨.]

٤) أبو سلمة: هو ابن عبد الرحمن: هو أبو سلمة بن عبد الرحمن بن عوف الزهري المدني، قيل: اسمه عبد الله، وقيل: إسماعيل، ثقة مكثر، من الثالثة، مات سنة أربع وتسعين أو أربع ومائة، وكان مولده سنة بضع وعشرين. [تقريب التهذيب: ٦٤٥، رقم الترجمة: ٨١٤٢.]

٥) اخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب السواك (١٦/١) رقم الحديث: ٤٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وفي رواية الترمذي: لولا أن أشق على أمتي لأمرتهم بالسواك عند كل صلاة، ولأخرت صلاة العشاء إلى ثلث الليل، قال: فكان زيد بن خالد يشهد الصلوات في المسجد، وسواكه على أذنه موضع القلم من أذن الكاتب، لا يقوم إلى الصلاة إلا استن ثم رده إلى موضعه. (١)

وعن حذيفة [بن اليمان] ﷺ قال: كنا نؤمر بالسواك إذا قمنا من الليل: أن نشوص أفواهنا بالسواك. أخرجه البخاري ومسلم وأبو داود والنسائي. (٢)

وعن أبي موسى الأشعري ﷺ قال: أتيت رسول الله ﷺ وهو يستن بسواك بيده، ويقول: أع أع، والسواك في فيه، كأنه يتهوع. أخرجه البخاري. وعند مسلم، قال: دخلت على النبي ﷺ وطرف السواك على لسانه. وعند أبي داود قال: أتينا رسول الله ﷺ نستحمله، فرأيته يستاك على لسانه. قال أبو داود: قال سليمان: دخلت على النبي صلى الله عليه وسلم وهو يستاك، وقد وضع السواك على طرف لسانه، وهو يقول: إه إه يعني: يتهوع. وعند النسائي، قال: دخلت على رسول الله ﷺ وهو يستن، وطرف السواك على لسانه، وهو يقول: عأ، عأ. (٣)

وعن أنس بن مالك ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: لقد أكثرت عليكم في السواك. أخرجه البخاري. (٤)

وعن ابن عباس، أن رسول الله ﷺ قال: السواك مطهرة للفم، مرضاة للرب، ومجلاة للبصر. رواه الطبراني في الأوسط. (١)

---

١) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب ما جاء في السواك (٣٥/١) رقم الحديث: ٢٣.

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الوضوء، باب السواك (٥٨/١) رقم الحديث: ٢٤٥، كتاب الجمعة، باب السواك يوم الجمعة (٤/٢) رقم الحديث: ٨٨٩، باب طول القيام في صلاة الليل (٥١/٢) رقم الحديث: ١١٣٦، ومسلم في "صحيحه" كتاب الطهارة، باب السواك (٢٢٠/١) رقم الحديث: ٢٥٥. وأبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب السواك لمن قام من الليل (١٥/١) رقم الحديث: ٥٥. والنسائي في "سننه" كتاب الطهارة، باب السواك إذا قام من الليل (٨/١) رقم الحديث: ٢، كتاب قيام الليل وتطوع النهار، باب ما يفعل إذا قام من الليل من السواك (٢١٢/٣) رقم الحديث: ١٦٢١، ١٦٢٢، ١٦٢٣، ١٦٢٤. [ولفظه لفظ النسائي]

٣) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الوضوء، باب السواك (٥٨/١) رقم الحديث: ٢٤٤ ومسلم في "صحيحه" كتاب الطهارة، باب السواك (٢٢٠/١) رقم الحديث: ٢٥٤. وأبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب كيف يستاك (١٣/١) رقم الحديث: ٤٩. النسائي في "سننه" كتاب الطهارة، باب كيف يستاك (٩/١) رقم الحديث: ٣.

٤) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الجمعة، باب السواك يوم الجمعة (٤/٢) رقم الحديث: ٨٨٨.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن عبد الله بن عمرو بن حلحلة، ورافع بن خديج [٢] معا، قالا: قال رسول الله ﷺ: السواك واجب، وغسل الجمعة واجب على كل مسلم. [٣]

وعن عمرو بن عوف المزني [٤]، قال: قال رسول الله ﷺ: الأصابع تجري مجرى السواك إذا لم يكن مسواك. رواهما أبو نعيم في كتاب السواك. [٥]

وعن عائشة، قالت: قلت: يا رسول الله، الرجل يذهب فوه يستاك؟ قال: نعم قلت: كيف يصنع؟ قال: يدخل إصبعه في فيه. رواه الطبراني. [٦]

وروي البيهقي، عن انس يرفعه يجزيه من السواك الأصابع. [٧] وتكلم فيه، وقال في المحيط: التشويص بالمسبحة والإبهام سواك. كذا ذكر الشيخ ابن الهمام. [٨]

وعن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: السواك يزيد الرجل فصاحة. رواه ابن عدي في الكامل والعقيلي في الضعفاء والخطيب في الجامع. [٩]

---

١) أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط" باب الميم، من اسمه محمد (٢٧٨/٧) رقم الحديث: ٧٤٩٦.

٢) رافع بن خديج: هو أبو عبد الله رافع بن خديج بن رافع بن عدي الحارثي الأوسي الأنصاري، صحابي جليل، أول مشاهده أحد ثم الخندق، مات سنة ثلاث أو أربع وسبعين، وقيل: قبل ذلك. [تقريب التهذيب: ٢٠٤، رقم الترجمة: ١٨٦١. تهذيب التهذيب: ٢٢٩/٣-٢٣٠، رقم الترجمة: ٤٤٠.]

٣) أخرجه أبو نعيم في "كتاب السواك" كما في "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأقوال، الباب الثاني في الوضوء، الفصل الثاني في آداب الوضوء، السواك (٣١٠/٩) رقم الحديث: ٢٦١٦٠

٤) عمرو بن عوف المزني: هو أبو عبد الله عمرو بن عوف بن زيد بن ملحة -بكسر أوله ومهملة- المزني، صحابي، مات في ولاية معاوية. [تقريب التهذيب: ٤٢٥، رقم الترجمة: ٥٠٨٦. تهذيب التهذيب: ٨٥/٨، رقم الترجمة: ١٢٧.]

٥) أخرجه أبو نعيم في "كتاب السواك" كما في "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأقوال، الباب الثاني في الوضوء، الفصل الثاني في آداب الوضوء، السواك (٣١١/٩) رقم الحديث: ٢٦١٦٨.

٦) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب الميم، من اسمه محمد (٣٨١/٦) رقم الحديث: ٦٦٧٨

٧) أخرجه البيهقي في "السنن الكبرى" كتاب الطهارة، جماع أبواب السواك، باب ما جاء في الاستياك عرضا (٦٦/١) رقم الحديث: ١٧٦، ١٧٧.

٨) فتح القدير: ٢٥/١.

٩) أخرجه العقيلي في "الضعفاء الكبير" باب العين، عمر بن داود عن سنان بن أبي سنان (١٥٦/٣). والخطيب في "الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع" وليبتدئ بالسواك (٣٧٣/١). وابن عدي في "الكامل لضعفاء الرجال" كما في "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأقوال، الباب الثاني في الوضوء، الفصل الثاني في آداب الوضوء، السواك (٣١١/٩) رقم الحديث: ٢٦١٦٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعنه: السواك سنة فاستاكوا أي وقت شئتم. رواه الديلمي في مسند الفردوس. (١)

وروي عن عائشة: السواك شفاء من كل داء إلا السام، والسام الموت. (٢)

وعن واثلة [ابن الأسقع]، قال: قال رسول الله ﷺ: أمرت بالسواك حتى ظننت أن يكتب علي. رواه احمد. (٣)

وعن ابن عباس، قال: قال رسول الله ﷺ: استاكوا استاكوا لا تأتوني قلحا لولا أن أشق على أمتي لفرضت عليهم السواك عند كل صلاة. رواه الدار قطني. (٤) وله طرق كثيرة. (٥)
(٥)

وعن ابن شهاب، مرسلا: إذا قام الرجل يتوضأ ليلا أو نهارا فأحسن الوضوء واستن، ثم قام فصلى أطاف به الملك ودنا منه حتى يضع فاه على فيه فما يقرأ إلا في فيه فإن لم يستن أطاف به ولا يضع فاه على فيه. رواه محمد بن نصر في الصلاة. (٦) وروي البيهقي في شعب الإيمان، وتمام في فوائده، والضياء عن جابر نحوه. وورد فيه أحاديث كثيرة. (٧)

---

١) اخرجه الديلمي في "الفردوس بمأثور الخطاب" كما في "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأقوال، الباب الثاني في الوضوء، الفصل الثاني في آداب الوضوء، السواك (٩/٣١١) رقم الحديث: ٢٦١٦٣.

٢) اخرجه الديلمي في "الفردوس بمأثور الخطاب" كما في "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأقوال، الباب الثاني في الوضوء، الفصل الثاني في آداب الوضوء، السواك (٩/٣١١) رقم الحديث: ٢٦١٦٤.

٣) اخرجه احمد في "مسنده" مسند المكيين، حديث واثلة بن الأسقع (٢٥/٣٨٩) رقم الحديث: ١٦٠٠٧. [فيه حتى خشيت]

٤) اخرجه الدار قطني في "الأفراد" كما في "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأقوال، الباب الثاني في الوضوء، الفصل الثاني في آداب الوضوء، السواك (٩/٣١٢) رقم الحديث: ٢٦١٧٠.

٥) اخرجه أبو يوسف في "كتاب الآثار" باب افتتاح الصلاة (٢٨) رقم الحديث: ١٣٨. ومحمد في "كتاب الآثار" باب السواك (١/٦٦) رقم الحديث: ٤١. [فيه عن جعفر بن أبي طالب]. واحمد في "مسنده" مسند بني هاشم، حديث تمام بن العباس (٣/٣٣٤) رقم الحديث: ١٨٣٥، والطبراني في "المعجم الكبير" باب التاء، تمام بن العباس بن عبد المطلب (٢/٦٤) رقم الحديث: ١٣٠١، ١٣٠٢، ١٣٠٣. وابو نعيم في "معرفة الصحابة" باب التاء، تمام بن العباس بن عبد المطلب (١/٤٦٠) رقم الحديث: ١٣١٧. [فيه عن ابن عباس]

٦) أخرجه محمد بن نصر في "الصلاة" كما في "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأقوال، الباب الثاني في الوضوء، الفصل الثاني في آداب الوضوء، السواك (٩/٣١٣) رقم الحديث: ٢٦١٧٧.

٧) اخرجه البيهقي في "شعب الإيمان" تعظيم القرآن، فصل في حظر القراءة على الجنب والحائض (٣/٤٤٨) رقم الحديث: ١٩٣٨. وعبد الله بن المبارك في "الزهد والرقائق" باب فضل ذكر الله عز وجل (١/٤٣٥) رقم الحديث: ١٢٢٤. وعبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الصلاة، باب حسن الصوت (٢/٤٨٧) رقم الحديث: ٤١٨٤. وابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الطهارات، ما ذكر في السواك (١/١٥٦) رقم الحديث: ١٧٩٩.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أم الدرداء [1]، قالت: قال رسول الله ﷺ: ركعتان بسواك خير من سبعين ركعة بغير سواك. رواه الدار قطني في الأفراد. [2]

وعن أبي هريرة، أن رسول الله ﷺ قال: لولا أن أشق على أمتي لأمرتهم بالسواك مع كل وضوء. وفي رواية: مع كل صلاة. رواه مالك والشافعي والبيهقي. وروي الطبراني عن علي. وفي رواية: لولا أن أشق على أمتي لأمرتهم عند كل صلاة بوضوء ومع كل وضوء بسواك. رواه احمد والنسائي. [3]

وعن مكحول، مرسلاً: لولا أن أشق على أمتي لأمرتهم بالسواك والطيب عند كل صلاة. رواه ابن منصور. [4]

وعن ابن عباس، قال: قال رسول الله ﷺ: لقد أمرت بالسواك حتى خفت على أسناني. [5]

والبزار في "مسنده" مسند علي بن أبي طالب، مما روى سعيد بن عبيدة عن أبي عبد الرحمن (٢/٢١٤) رقم الحديث: ٦٠٣. والبيهقي في "سننه" كتاب الطهارة، باب تأكيد السواك عند القيام إلى الصلاة (١/٦٢) رقم الحديث: ١٦٢. وتمام في "فوائده" (١/٣٦٨) رقم الحديث: ٩٣٥. وضياء المقدسي في "الأحاديث المختارة" (٢/١٩٧) رقم الحديث: ٥٨٠.

١) أم الدرداء: هي زوج أبي الدرداء، اسمها هجيمة، وقيل: جهيمة الأوصابية الدمشقية، وهي الصغرى، وأما الكبرى فاسمها خيرة، ولا رواية لها في هذه الكتب، والصغرى ثقة فقيهة، من الثالثة، ماتت قبل الثلاثة، سنة إحدى وثمانين. [تقريب التهذيب: ٧٥٦، رقم الترجمة: ٨٧٢٨. تهذيب التهذيب: ١٢/٤٦٥-٤٦٧، رقم الترجمة: ٢٩٤٢.]

٢) أخرجه الدار قطني في "الأفراد" كما في "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأقوال، الباب الثاني في الوضوء، الفصل الثاني في آداب الوضوء، السواك (٩/٣١٣) رقم الحديث: ٢٦١٧٩.

٣) أخرجه مالك في "الموطأ" كتاب الطهارة، باب ما جاء في السواك (١/٦٦) رقم الحديث: ١١٤. والشافعي في "الأم" كتاب الطهارة، باب السواك (١/٣٨) والبيهقي في "السنن الكبرى" كتاب الطهارة، جماع أبواب السواك، باب الدليل على أن السواك سنة ليس بواجب (١/٥٧) رقم الحديث: ١٤٦، باب تأكيد السواك عند القيام إلى الصلاة (١/٦٠) رقم الحديث: ١٥٥. والطبراني في "المعجم الأوسط" باب الألف، من اسمه أحمد (٢/٥٧) رقم الحديث: ١٢٣٨. أخرجه أحمد في "مسنده" مسند المكثرين من الصحابة، مسند أبي هريرة (١٢/٤٨٤) ٧٥١٣. والنسائي في "سننه" كتاب الطهارة، باب الرخصة في السواك بالعشي للصائم (١/١٢) رقم الحديث: ٧.

٤) أخرجه ابن منصور في "سننه" كما في "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأقوال، الباب الثاني في الوضوء، الفصل الثاني في آداب الوضوء، السواك (٩/٣١٦) رقم الحديث: ٢٦١٩٥.

٥) أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط" باب الميم، من اسمه محمد (٧/٩٥) رقم الحديث: ٦٩٦٠.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أبي خيرة الصباحي(١) قال: [قدمنا على النبي ﷺ فلما أردنا أن نرجع] أعطانا أراكا فقال: استاكوا بهذا. رواه ابن سعد.(٢)

وعن معاذ [ابن جبل] قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: نعم السواك الزيتون من شجرة مباركة، يطيب الفم، ويذهب بالحفر هو سواكي، وسواك الأنبياء قبلي. رواه الطبراني في الأوسط.(٣)

وعن خزيمة بن ثابت(٤): أن النبي ﷺ كان يستاك في الليلة مرارا.(٥)

وعن جابر، قال: كان يستاك إذا أخذ مضجعه وإذا قام من الليل وإذا خرج إلى الصبح، قال: فقلت له: قد شققت على نفسك بهذا السواك، فقال: إن أسامة أخبرني أن رسول الله ﷺ كان يستاك هذا السواك. رواهما ابن أبي شيبة.(٦)

وعن ابن عباس، قال: كان رسول الله ﷺ يصلي ركعتين ثم يستاك. رواه ابن أبي شيبة.(٧)

وعن عبد الله بن حنظلة الغسيل(٨)، أن رسول الله ﷺ أمر بالسواك عند كل صلاة. صلاة. رواه ابن جرير.(١)

---

١) أبو خيرة الصباحي: هو أبو خيرة الصباحي العبدي من ولد صباح بن لكيز بن أفصى ابن عبد القيس، له صحبة، ذكره خليفة، فقال: ومن عبد القيس أبو خيرة الصباحي، كان في وفد عبد القيس. [الاستيعاب في معرفة الأصحاب: ١٦٤٣/٤، رقم الترجمة: ٢٩٣٦.]

٢) أخرجه ابن سعد في "الطبقات الكبرى" من نزل الشام من أصحاب النبي ﷺ، الأقدمون، أبوخيرة الصباحي (٢٩٧/٧)

٣) أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط" باب الألف، من اسمه أحمد (٢١٠/١) رقم الحديث: ٦٧٨.

٤) خزيمة بن ثابت: هو أبو عمارة -بضم العين- خزيمة -بضم أوله- بن ثابت بن الفاكه بن ثعلبة الأنصاري الخطمي -بفتح المعجمة- المدني، ذو الشهادتين، من كبار الصحابة، شهد بدرا، وقتل مع علي بصفين سنة سبع وثلاثين. [تقريب التهذيب: ١٩٣، رقم الترجمة: ١٧٩٠. تهذيب التهذيب: ١٤٠/٣-١٤١، رقم الترجمة: ٢٦٧.]

٥) أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الطهارة، ما ذكر في السواك (١٥٦/١) رقم الحديث: ١٧٩٨. [فيه: عن أبي سورة ابن أخي أبي أيوب]

٦) أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الطهارة، ما ذكر في السواك (١٥٥/١) رقم الحديث: ١٧٨٨.

٧) أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الطهارة، ما ذكر في السواك (١٥٥/١) رقم الحديث: ١٧٨٩.

٨) عبد الله بن حنظلة الغسيل: هو عبد الله بن حنظلة بن أبي عامر الراهب الأنصاري، له رؤية، وأبوه غسيل الملائكة قتل يوم أحد، وأم عبد الله جميلة بنت عبد الله ابن أبي، استشهد عبد الله يوم الحرة يوم الأربعاء لثلاث

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن ابن عباس، قال: [لقد] كنا نؤمر بالسواك حتى ظننا أنه سينزل فيه. رواه ابن أبي شيبة. (٢)

وعن أنس: في السواك عشر خصال: مطهرة للفم، مرضاة للرب، ومسخطة للشيطان، ومحبة للحفظة، ويشد اللثة، ويجلي البصر، ويضعف الحسنات سبعين ضعفا، ويبيض الأسنان، ويذهب الحفر، ويشهي الطعام. (٣) وفي بعض الروايات: يقطع البلغم ويطفئ المرة. رواه النسائي. (٤)

تنبيه

اعلم أن السواك سنة أو مستحب على الاطلاق، وقد عدوا مواضعها مثل قراءة القرآن واصفرار الأسنان وعند تغير الفم بنوم أو سكوت أوأكل ذي رائحة كريهة وأمثال ذلك.

وقد ورد في الأحاديث: مع كل صلاة، وفي رواية: عند كل صلاة، وفي رواية: عند كل وضوء في حالة المضمضة، والمراد بقوله عند كل صلاة أو مع كل صلاة، وفي كل رواية: عند كل صلاة، وفي رواية: عند كل وضوء، فعندنا يسن عند كل وضوء في حالة المضمضة، والمراد بقوله عند كل صلاة أو مع كل صلاة، كونه عند كل وضوء، فالوضوء للصلاة ويصدق في كونه مع الوضوء وعنده كونه مع الصلاة أو عندها دون العكس.

بقين من ذي الحجة سنة ثلاث وستين، وكان أمير الأنصار بها يومئذ. [تقريب التهذيب: ٣٠٠، رقم الترجمة: ٣٢٨٥. تهذيب التهذيب: ١٩٣/٥، رقم الترجمة: ٣٣٢.]

١) أخرجه ابن جرير كما في "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأفعال، باب الوضوء، السواك (٤٦٢/٩) رقم الحديث: ٢٦٩٧٥.

٢) أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الطهارة، ما ذكر في السواك (١٥٦/١) رقم الحديث: ١٧٩٣.

٣) أخرجه ابن عساكر في "تاريخ دمشق" كما في "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأقوال، الباب الثاني في الوضوء، الفصل الثاني في آداب الوضوء، السواك (٣٢٠/٩) رقم الحديث: ٢٦٢٢٥.

٤) أخرجه الديلمي في "الفردوس بمأثور الخطاب" باب الفاء (١٢٧/٢) رقم الحديث: ٤٣٦٩. [ولفظه: أنس بن مالك، في السواك عشر خصال: مطهرة للفم ومرضاة للرب ومسخطة للشيطان ومحبة للحفظة ويشد اللثة ويطيب الفم ويقطع البلغم ويطفئ المرة ويجلو البصر ويوافق السنة].

toobaa-elibrary.blogspot.com

والشافعي وأحمد يقولان: بكل الأمرين: عند الوضوء وعند الصلاة قبل التحريمة يستاك ثم يحرم، وإذا صلى ركعتين وسلم منهما وأراد أن يصلي ركعتين أخريين استاك ثم أحرم، هكذا يفعلون، ولكن الترمذي بعد ذكر حديث أبي هريرة وزيد بن خالد وذكر قصة زيد وشهوده في المسجد وجعل السواك على أذنه وأنه لا يقوم للصلاة إلا استن، قال: وفي الباب عن أبي بكر الصديق وعلي وعائشة وابن عباس وحذيفة وزيد بن خالد وأنس وعبد الله بن عمرو وأم حبيبة وابن عمر وأبي أيوب وابن عباس وعبد الله بن حنظلة وأم سلمة وأبي موسى، والظاهر أن المراد اتفاق هؤلاء الصحابة في أصل الحديث: لو لا أن اشق على امتي؛ لأمرتهم بالسواك عند كل صلاة، لأجعل السواك على أذنه موضع القلم الخ، فإنه مخصوص بزيد بن خالد، والحديث مؤول بالوضوء وليس في الحقيقة مؤولا؛ بل هذا المعنى هو الظاهر المتبادر من كونه عند الصلاة، ولكن زيد حمله على ظاهره، وكان من الصحابة من يحمل الحديث على الظاهر ولم يدر تأويله، كجعل عدي بن حاتم الخيطين تحت وسادته، ولبس أبي سعيد الخدري ثيابا جددا عند الموت لظاهر حديث الميت يبعث في ثيابه التي يموت فيها، وقد تظاهرت الأخبار بأن المراد بالثياب هنا الأعمال التي يموت عليها الميت، كما يراد في قوله تعالى: "وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ" [1] الأعمال والأخلاق، ذكر هذا الكلام الشيخ التوربشتي في حديث أبي سعيد الخدري، وذكرناه في الشرح مشروحا. [2]

ثم لا يخفى أنه لم يذكر في السواك الصلاة والوضوء معا في حديث واحد، وإنما ذكرت الصلاة في حديث، والوضوء في حديث آخر، نعم حديث الصلاة أكثر وأشهر من حديث الوضوء؛ لأن الصلاة هي المقصودة بالذات، ليس حمل كونه عند الصلاة أو معها على كونه عند الوضوء في الحقيقة تأويلا صرفا عن الظاهر؛ بل هو المعني الظاهر المتبادر، والتطهير إنما يكون عند الوضوء باستعمال الماء، والعجب أن الشيخ ابن الهمام لم يتكلم في هذا المقام بما حصل المرام ويشفي الغرام، والله هو العليم العلام.

---

١) المدثر: ٤.

٢) لمعات التنقيح، كتاب الطهارة، باب السواك: ٢/٩٩– ١١٤

toobaa-elibrary.blogspot.com

كتاب في آداب متفرقة للوضوء قولا وفعلا

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

كتاب في آداب[1] متفرقة للوضوء قولا وفعلا

عن لقيط بن صبرة، قال: قال رسول الله ﷺ: أسبغ الوضوء وخلل بين الأصابع وبالغ في الاستنشاق إلا أن تكون صائما. رواه الشافعي وأحمد وابن حبان وابن عساكر.[2]

وعن ابن عمر، قال: قال رسول الله ﷺ: هذا أسبغ الوضوء وهو وضوئي ووضوء خليل الله إبراهيم ومن توضأ هكذا يعني ثلاثا. ثم قال عند فراغه: أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا عبده ورسوله فتحت له ثمانية أبواب الجنة يدخل من أيها شاء. رواه ابن ماجة.[3]

وعن ابن عباس، أن رسول الله ﷺ، قال: أمرت بإسباغ الوضوء. رواه الدارمي.[4]

وعن أبي هريرة في رواية نعيم بن عبد الله المجمر[5] أن النبي ﷺ قال: إن أمتي يدعون يوم القيامة غرا محجلين من آثار الوضوء، فمن استطاع منكم أن يطيل غرته فليفعل.

وفي رواية، قال: رأيت أبا هريرة يتوضأ فغسل وجهه فأسبغ الوضوء، ثم غسل يده اليمنى حتى أشرع في العضد، ثم يده اليسرى حتى أشرع في العضد، ثم مسح رأسه، ثم غسل

---

١) قوله آداب: المراد بها أقوال النبي ﷺ وأفعاله المتعلقة بالوضوء من الفرائض والسنن والمندوبات وغيرها. [الأعظمي]

٢) أخرجه الشافعي في "الأم" كتاب الطهارة، باب غسل الرجلين (١/٤٢). وأحمد في "مسنده" مسند الشاميين، حديث لقيط بن صبرة (٢٩/٣٨٨) رقم الحديث: ١٧٨٤٦. وابن حبان في "صحيحه" باب فرض الوضوء، ذكر الأمر بتخليل الأصابع للمتوضئ (٣/٣٣٦) رقم الحديث: ١٠٥٤. وابن عساكر في "تاريخ دمشق" كما في "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأقوال، الباب الثاني في الوضوء، الفصل الثاني في آداب الوضوء، الإسباغ (٩/٣٠٥) رقم الحديث: ٢٦١٢٩.

٣) أخرجه ابن ماجه في "سننه" كتاب الطهارة وسننها، باب ما جاء في الوضوء مرة مرة ومرتين مرتين وثلاثا (١/١٤٥) رقم الحديث: ٤١٩.

٤) أخرجه الدارمي في "سننه" كتاب الطهارة، باب ما جاء في إسباغ الوضوء (١/٥٤٧) رقم الحديث: ٧٢٧.

٥) نعيم بن عبد الله المجمر: هو أبو عبد الله نعيم بن عبد الله المدني مولى آل عمر، يعرف بالمجمر -بسكون الجيم وضم الميم الأول وكسر الثانية- وكذا كان أبوه، ثقة، من الثالثة. [تقريب التهذيب: ٥٦٥، رقم الترجمة: ٧١٧٢. تهذيب التهذيب: ١٠/٤٦٥، رقم الترجمة: ٨٣٧.] (وقيل له المجمر لأنه كان يجمر مسجد رسول الله ﷺ أي يبخره والمجمر صفة لعبد الله ويطلق على ابنه نعيم مجازا والله أعلم).

toobaa-elibrary.blogspot.com

رجله اليمنى حتى أشرع في الساق، ثم غسل رجله اليسرى حتى أشرع في الساق، ثم قال: هكذا رأيت رسول الله ﷺ يتوضأ. وقال: قال رسول الله ﷺ: أنتم الغر المحجلون يوم القيامة من إسباغ الوضوء، فمن استطاع منكم فليطل غرته وتحجيله. اخرجه البخاري ومسلم. (١)

ولمسلم من رواية أبي حازم، قال: كنت خلف أبي هريرة، وهو يتوضأ للصلاة فكان يمد يده حتى تبلغ إبطه فقلت له: يا أبا هريرة ما هذا الوضوء؟ فقال: يا بني فروخ أنتم هاهنا؟ لو علمت أنكم هاهنا ما توضأت هذا الوضوء، سمعت خليلي ﷺ يقول: تبلغ الحلية من المؤمن، حيث يبلغ الوضوء. (٢)

وفي رواية النسائي مثل رواية مسلم، ولم يذكر قوله: يا بني فروخ. (٣)

وعن سعيد بن زيد: لا وضوء لمن لم يذكر اسم الله عليه. رواه الترمذي. (٤)

وعن سهل بن سعد: لا وضوء لمن لم يصل على النبي ﷺ. رواه الطبراني. (٥)

و عن عمر قال: قال رسول الله ﷺ: من توضأ فأحسن الوضوء ثم رفع بصره إلى السماء، فقال: أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمدا عبده ورسوله، فتح له أبواب الجنة ثمانية أبواب من أيها شاء دخل، رواه أحمد، وابن ماجة عن أنس. وفي رواية: ثلاث مرات. (٦)

وعن الترمذي، عن عمر: اللهم اجعلني من التوابين واجعلني من المتطهرين. (٧)

من توضأ فقال بعد فراغه من وضوئه: سبحانك اللهم وبحمدك أشهد أن لا إله إلا الله أنت أستغفرك وأتوب إليك، كتب في رق ثم جعل في طابع فلم يكسر إلى يوم القيامة. رواه النسائي. (٩)

---

١) اخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الوضوء، باب فضل الوضوء (١/٣٩) رقم الحديث: ١٣٦. ومسلم في "صحيحه" كتاب الطهارة، باب استحباب إطالة الغرة والتحجيل في الوضوء (١/٢١٦) رقم الحديث: ٢٤٦.

٢) اخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الطهارة، باب تبلغ الحلية حيث يبلغ الوضوء (١/٢١٩) رقم الحديث: ٢٥٠.

٣) أخرجه النسائي في "سننه" كتاب الطهارة، باب حلية الوضوء (١/٩٣) رقم الحديث: ١٤٩.

٤) اخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب في التسمية عند الوضوء (١/٣٧) رقم الحديث: ٢٥.

٥) اخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب السين، العباس بن سهل بن سعد عن أبيه (٦/١٢١) رقم الحديث: ٥٦٩٨.

٦) أخرجه أحمد في "مسنده" مسند عمر بن الخطاب (١/٢٧٤) رقم الحديث: ١٢١. ومسند المكثرين من الصحابة، مسند أنس بن مالك (٢١/٣٠٧) رقم الحديث: ١٣٧٩٢. وابن ماجه في "سننه" كتاب الطهارة وسننها، باب ما يقال بعد الوضوء (١/١٥٩) رقم الحديث: ٤٦٩.

٧) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب ما يقال بعد الوضوء (١/٧٧) رقم الحديث: ٥٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن ابن مسعود: إذا فرغ أحدكم من طهوره فليقل: أشهد أن لا إله إلا الله وأن محمدا عبده ورسوله ثم ليصل علي فإذا قال ذلك فتحت له أبواب الرحمة. رواه أبو الشيخ.(٢)

وعن البراء بن عازب: فإن قام من فوره ذلك فصلى ركعتين يقرأ فيهما ويعلم ما يقول، انتقل من صلاته كيوم ولدته أمه، ثم يقال له: استأنف العمل. رواه المستغفري في الدعوات، وقال حسن غريب.(٣)

وعن أنس: من قرأ في إثر وضوئه: إنا أنزلناه في ليلة القدر مرة واحدة كان من الصديقين، ومن قرأها مرتين كان في ديوان الشهداء، ومن قرأها ثلاثا يحشره الله محشر الأنبياء. رواه الديلمي.(٤)

وعن أبي هريرة: إذ توضأتم فأشربوا أعينكم الماء من الوضوء، ولا تنفضوا أيديكم فإنها مراوح الشيطان. رواه الديلمي.(٥)

وعن أبي هريرة [عن رسول الله ﷺ قال:] من توضأ فمسح بثوب نظيف فلا بأس، ومن لم يفعل فهو أفضل لأن الوضوء نور يوم القيامة مع سائر الأعمال. رواه تمام وابن عساكر.(٦)

وعن جابر بن عبد الله: إذا توضأت فلا تمندل. رواه عبد الرزاق.(٧)

وعن أبي بكر ﷺ: كانت للنبي ﷺ خرقة إذا توضأ مسح بها، رواه الدارقطني في الأفراد.(١)

---

١) أخرجه النسائي في "سننه" كما في "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأقوال، الباب الثاني في الوضوء، الفصل الثاني في آداب الوضوء، التسمية والأذكار (٩/٢٩٦) رقم الحديث: ٢٦٠٧٧.

٢) أخرجه أبو الشيخ في "الثواب" كما في "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأقوال، الباب الثاني في الوضوء، الفصل الثاني في آداب الوضوء، التسمية والأذكار (٩/٢٩٦) رقم الحديث: ٢٦٠٧٨.

٣) أخرجه المستغفري في "الدعوات" كما في "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأقوال، الباب الثاني في الوضوء، الفصل الثاني في آداب الوضوء، التسمية والأذكار (٩/٢٩٩) رقم الحديث: ٢٦٠٨٩.

٤) أخرجه الديلمي في "الفردوس بمأثور الخطاب" كما في "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأقوال، الباب الثاني في الوضوء، الفصل الثاني في آداب الوضوء، التسمية والأذكار (٩/٢٩٩) رقم الحديث: ٢٦٠٩٠.

٥) أخرجه الديلمي في "الفردوس بمأثور الخطاب" باب الألف (١/٢٦٥) رقم الحديث: ١٠٢٩.

٦) أخرجه تمام في "فوائده" (١/٢٧٧) رقم الحديث: ٦٨٨. وابن عساكر في "تاريخ دمشق" حرف النون، ناشب بن عمرو (٦١/٣٨٠).

٧) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الطهارة، باب المسح بالمنديل (١/١٨٢) رقم الحديث: ٧٠٨.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وكان [عثمان] يتنشف بعد الوضوء. رواه ابن سعد وسعيد بن منصور عن نباتة. (٢)

رأيت النبي ﷺ إذا توضأ مسح وجهه بطرف ثوبه. (٣) وكانت له نشافة ينشف بها بعد الوضوء. رواه الترمذي الأول عن معاذ والثاني عن عائشة. وقال كلاهما ضعيف، ولم يصح عن النبي ﷺ في هذا الباب شيء. (٤)

كان ابن عباس، يتوضأ في آنية النحاس. رواه عبد الرزاق عن عكرمة. (٥)

ونافع، أن [عبد الله] بن عمر كان يكره أن يتوضأ في النحاس. رواه عبد الرزاق. (٦)

وعن عبد الله بن زيد (٧) صاحب رسول الله ﷺ، قال: أتانا رسول الله ﷺ فأخرجنا له ماء في تور من صفر، فتوضأ به. رواه ابن أبي شيبة. (٨)

وعن زينب بنت جحش (٩) قال: توضأ رسول الله ﷺ في مخضبي هذا مخضب من صفر. رواه سعيد بن منصور. (١)

---

١) أخرجه الدار قطني في "الإفراد" كما في "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأفعال، باب الوضوء، مباح الوضوء (٩/٤٧٠) رقم الحديث: ٢٦٩٩٧. والدار قطني في "سننه" كتاب الطهارة، باب التنشف من ماء الوضوء (١/١٩٧) رقم الحديث: ٣٨٨. [ولفظه: عن عائشة، ﵂ قالت: كان لرسول الله ﷺ خرقة يتنشف بها بعد وضوئه.]

٢) أخرجه ابن سعد في "الطبقات الكبرى" من بني عبد شمس بن عبد مناف، عثمان بن عفان، ذكر لباس عثمان (٣/٤٣). وسعيد بن منصور في "سننه" كما في "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأفعال، باب الوضوء، مباح الوضوء (٩/٤٧٠) رقم الحديث: ٢٧٠٠٠.

٣) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب المنديل بعد الوضوء (١/٧٥) رقم الحديث: ٥٤.

٤) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب المنديل بعد الوضوء (١/٧٤) رقم الحديث: ٥٣. [ولفظه: عن عائشة، قالت: كان لرسول الله ﷺ خرقة ينشف بها بعد الوضوء.]

٥) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الطهارة، باب الوضوء في النحاس (١/٥٩) رقم الحديث: ١٧٥.

٦) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الطهارة، باب الوضوء في النحاس (١/٥٨) رقم الحديث: ١٧١.

٧) عبد الله بن زيد المازني: هو أبو محمد عبد الله بن زيد بن عاصم بن كعب الأنصاري المازني، صحابي شهير، روى صفة الوضوء وغير ذلك، ويقال: إنه هو الذي قتل مسيلمة الكذاب، واستشهد بالحرة سنة ثلاث وستين [تقريب التهذيب: ٣٠٤، رقم الترجمة: ٣٣٣١. تهذيب التهذيب: ٥/٢٢٣، رقم الترجمة: ٣٨٥.]

٨) أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الطهارة، باب في الوضوء في النحاس (١/٤٢) رقم الحديث: ٤٠٠.

٩) زينب بنت جحش: هي أم المؤمنين زينب بنت جحش بن رياب بن يعمر الأسدية، أمها أميمة بنت عبد المطلب، عمة رسول الله ﷺ، تزوجها النبي ﷺ سنة ثلاث، وقيل: سنة خمس، وكانت قبله عند زيد بن

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أنس: لا توضئوا في الكنيف الذي تبولون فيه فإن وضوء المؤمن يوزن مع حسناته. الديلمي وابن النجار.[2]

الشرب من فضل وضوء المؤمن فيه شفاء من سبعين داء أدناها الهم. رواه الديلمي عن أبي أمامة وعبد الله بن بسر، وفيه محمد بن إسحاق العكاشي كذاب[3].[4]

وأقول: قد مر في حديث علي، أنه قام فشرب من وضوئه، ورفعه إلى النبي صلى الله عليه وسلم. وروي: أنه توضأ ثم شرب فضل وضوئه، وهو قائم، ثم قال: أين الذين يزعمون أنه لا ينبغي لأحد أن يشرب قائما؟ رواه أحمد.[5]

يا أبا كاهل ضع الطهور مواضعه، وابق فضل طهورك لأهلك، لا تعطش أهلك، ولا تشقق على خادمك. رواه ابن عدي والطبراني.[6]

وعن أبي هريرة: إذا توضأتم فابدءوا بميامنكم. رواه ابن ماجه.[7]

وعن جابر: نبدأ بما بدأ الله به. رواه أحمد.[1]

حارثة، يقال: ماتت سنة عشرين في خلافة عمر. [تقريب التهذيب: ٧٤٧، رقم الحديث: ٨٥٩٥. تهذيب التهذيب: ٤٢٠/١٢، رقم الحديث: ٢٨٠٠.]

١) أخرجه سعيد بن منصور في "سننه" كما في "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأفعال، باب الوضوء، ذيل الوضوء (٤٧٦/٩) رقم الحديث: ٢٧٠٣٧.

٢) أخرجه الديلمي في "الفردوس بمأثور الخطاب" باب لام ألف (٢٢/٥) رقم الحديث: ٧٣٣٠. وابن النجار كما في "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأقوال، الباب الثاني في الوضوء، الفصل الثاني في آداب الوضوء، آداب متفرقة من الاكمال (٣٠٧/٩) رقم الحديث: ٢٦١٤٠.

٣) محمد بن إسحاق العكاشي: هو محمد بن محصن العكاشي نسب إلى جده الأعلى وهو محمد بن إسحاق بن إبراهيم بن محمد بن عكاشة بن محصن الأسدي، كذبوه، من الثامنة. [تقريب التهذيب: ٥٠٥، رقم الترجمة: ٦٣٦٨. تهذيب التهذيب: ٤٣٠/٩، رقم الترجمة: ٧٠٣.]

٤) أخرجه الديلمي في "الفردوس بمأثور الخطاب" باب الشين (٣٦٢/٢) رقم الحديث: ٣٦١٧. كنز العمال، حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأقوال، الباب الثاني في الوضوء، الفصل الثاني في آداب الوضوء، آداب متفرقة من الاكمال (٣٠٨/٩) رقم الحديث: ٢٦١٤٣.

٥) أخرجه أحمد في "مسنده" مسند الخلفاء الراشدين، مسند علي بن أبي طالب (٢٥٦/٢) رقم الحديث: ٩٤٣. والمتقي في "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأفعال، باب الوضوء، ذيل الوضوء (٤٧٦/٩) رقم الحديث: ٢٧٠٣٩.

٦) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب القاف، قيس بن عائذ أبو كاهل (٣٦٠/١٨) رقم الحديث: ٩٢٦. وابن عدي في "الكامل في ضعفاء الرجال" الهيثم بن جماز بصري (٣٩٩/٨)

٧) أخرجه ابن ماجه في "سننه" كتاب الطهارة وسننها، باب التيمن في الوضوء (١٤١/١) رقم الحديث: ٤٠٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أبي بن كعب: إن للوضوء شيطانا، يقال له: الولهان، فاتقوا وسواس الماء. رواه الترمذي وابن ماجة.[٢]

أن النبي ﷺ مر بنهر ومعه قعب فتوضأ وفضلت [فضلة] فردها في النهر. رواه الخطيب والطبراني.[٣]

من توضأ بعد الغسل فليس منا. رواه الطبراني عن ابن عباس.[٤]

عن عائشة، قالت: أسخنت ماء في الشمس، فأتيت به النبي ﷺ ليتوضأ، فقال: يا عائشة، لا تفعلي، فإن هذا يورث البياض.[٥]

يا أبا بكر إني لا أحب أن يعينني على طهوري غيري. رواه ابن النجار عن ابي بكر. وروي البزار عن عمر نحوه وضعف.[٦]

الفصل السادس في نواقض الوضوء

أورد صاحب المشكاة الأحاديث مخلوطة في بيان النواقض، وصاحب جامع الأصول ذكر أنواع النواقض مفصلة، ونحن ذهبنا أثره؛ لكونه مضبوطا. فمنها الخارج من السبيلين وغيرها.

أحداها: الريح

عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله ﷺ: لا وضوء إلا من صوت أو ريح. أخرجه الترمذي، وقال: هذا حديث حسن صحيح.

---

١) أخرجه أحمد في "مسنده" مسند المكثرين من الصحابة، مسند جابر بن عبد الله (٢٢/٣٢٦) رقم الحديث: ١٤٤٤٠.

٢) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب كراهية الإسراف في الماء (١/٧٤) رقم الحديث: ٥٧. وابن ماجه في "سننه" كتاب الطهارة وسننها، باب ما جاء في القصد في الوضوء وكراهية التعدي فيه (١/١٤٦) رقم الحديث: ٤٢١.

٣) أخرجه الخطيب في "تاريخ بغداد" حرف الفاء، أحمد بن فارس بن علي أبو بكر (٥/٥٧٢). والطبراني في "المعجم الكبير" كما في "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأقوال، الباب الثاني في الوضوء، الفصل الثاني في آداب الوضوء، مباح الوضوء (٩/٣٢٤) رقم الحديث: ٢٦٢٤٥.

٤) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" حرف العين، عكرمة عن ابن عباس (١١/٢٦٧) رقم الحديث: ١١٦٩١.

٥) أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط" باب الميم، من اسمه محمد (٦/٤٤) رقم الحديث: ٥٧٤٧.

٦) أخرجه ابن النجار كما في "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأقوال، الباب الثاني في الوضوء، الفصل الثالث في محظورات الوضوء (٩/٣٢٧) رقم الحديث: ٢٦٢٦٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وفي رواية: إذا كان أحدكم في المسجد فوجد ريحا بين أليتيه فلا يخرج حتى يسمع صوتا، أو يجد ريحا. [١]

وفي رواية مسلم قال: قال رسول الله ﷺ: إذا وجد أحدكم في بطنه شيئا فأشكل عليه أخرج [منه شيء] أم لا، فلا يخرجن من المسجد حتى يسمع صوتا أو يجد ريحا. [٢]

وقال الترمذي: وهو قول العلماء: أن لا يجب عليه الوضوء إلا من حدث يسمع صوتا أو يجد ريحا. وقال عبد الله بن المبارك: إذا شك في الحدث، فإنه لا يجب عليه الوضوء، حتى يستيقن استيقانا يقدر أن يحلف عليه. [٣]

وفي رواية أبي داود قال: إذا كان أحدكم في الصلاة، فوجد حركة في دبره: أحدث أو لم يحدث، فأشكل عليه، فلا ينصرف حتى يسمع صوتا، أو يجد ريحا. [٤]

وعن عبد الله بن زيد رضي الله عنه قال: شكي إلى النبي ﷺ الرجل يخيل إليه أنه يجد الشيء في الصلاة، قال: لا ينصرف حتى يسمع صوتا أو يجد ريحا. أخرجه البخاري ومسلم وأبو داود والنسائي. [٥]

وعلي بن طلق رضي الله عنه [٦] قال: أتى أعرابي إلى رسول الله ﷺ، فقال: يا رسول الله، الرجل منا يكون في الصلاة، فتكون منه الرويحة، ويكون في الماء قلة؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا فسا أحدكم فليتوضأ. أخرجه الترمذي. [٧]

---

١) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب ما جاء في الوضوء من الريح (١٠٩/١) رقم الحديث: ٧٤.

٢) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الحيض، باب الدليل على أن من تيقن الطهارة ثم شك في الحدث (٢٧٦/١) رقم الحديث: ٣٦٢.

٣) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب ما جاء في الوضوء من الريح (١٠٩/١) رقم الحديث: ٧٤.

٤) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب إذا شك في الحدث (٤٥/١) رقم الحديث: ١٧٧.

٥) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الوضوء، باب من لا يتوضأ حتى يستيقن (٣٩/١) رقم الحديث: ١٣٧. ومسلم في "صحيحه" كتاب الحيض، باب الدليل على أن من تيقن الطهارة ثم شك في الحدث (٢٧٦/١) رقم الحديث: ٣٦١. وأبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب إذا شك في الحدث (٤٥/١) رقم الحديث: ١٧٦. والنسائي في "سننه" كتاب الطهارة، الوضوء من الريح (٩٨/١) رقم الحديث: ١٦٠.

٦) علي بن طلق: هو علي بن طلق بن المنذر بن قيس الحنفي اليمامي، صحابي، له أحاديث. [تقريب التهذيب: ٤٠٢، رقم الترجمة: ٤٧٥٥. تهذيب التهذيب: ٣٤١/٧، رقم الترجمة: ٥٦٨.]

٧) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الرضاع، باب ما جاء في كراهية إتيان النساء في أدبارهن (٤٦٠/٣) رقم الحديث: ١١٦٤، (٤٦١/٣) رقم الحديث: ١١٦٦.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وفي رواية أبي داود قال: قال رسول الله ﷺ: إذا فسا أحدكم في الصلاة فلينصرف، وليتوضأ، وليعد الصلاة. [1]

وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: لا تقبل صلاة من أحدث حتى يتوضأ، فقال رجل من حضرموت: ما الحدث يا أبا هريرة؟ قال: فساء، أو ضراط. [2]

وثانيها: المذي

عن محمد بن الحنفية، قال: قال علي: كنت رجلا مذاء، فاستحييت أن أسأل رسول الله ﷺ، لمكان ابنته، فأمرت المقداد بن الأسود [3]، فسأله، فقال: يغسل ذكره ويتوضأ. أخرجه البخاري ومسلم. [4]

وهذا الحديث طرق متعددة وألفاظه مختلفة. فجائت في الكتب الستة، ففي بعض الروايات: فأمرت رجلا يسأل عن النبي ﷺ. [5]

---

١) **أخرجه أبو داود في** "سننه" كتاب الطهارة، باب من يحدث في الصلاة (١/٥٣) رقم الحديث: ٢٠٥، كتاب الصلاة، باب إذا أحدث في صلاته يستقبل (١/٢٦٣) رقم الحديث: ١٠٠٥.

٢) **أخرجه البخاري في** "صحيحه" كتاب الوضوء، باب لا تقبل صلاة بغير طهور (١/٣٩) رقم الحديث: ١٣٥، كتاب الحيل، باب في الصلاة (٩/٢٣) رقم الحديث: ٦٩٥٤. **ومسلم في** "صحيحه" كتاب الطهارة، باب وجوب الطهارة للصلاة (١/٢٠٤) رقم الحديث: ٢٢٥. **وأبو داود في** "سننه" كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء (١/١٦) رقم الحديث: ٦٠. **والترمذي في** "جامعه" أبواب الطهارة، باب ما جاء في الوضوء من الريح (١/١١٠) رقم الحديث: ٧٦.

٣) المقداد بن الأسود: هو المقداد بن عمرو بن ثعلبة بن مالك بن ربيعة البهراني ثم الكندي ثم الزهري، حالف أبوه كندة وتبناه هو الأسود بن عبد يغوث الزهري فنسب إليه، صحابي مشهور، من السابقين، لم يثبت أنه كان بدر فارس غيره، مات سنة ثلاث وثلاثين، وهو ابن سبعين سنة. [**تقريب التهذيب: ٥٤٥، رقم الترجمة: ٦٨٦٩. تهذيب التهذيب: ١٠/٢٨٥-٢٨٧، رقم الترجمة: ٥٠٣.**]

٤) **أخرجه البخاري في** "صحيحه" كتاب العلم، باب من استحيا فأمر غيره بالسؤال (١/٣٨) رقم الحديث: ١٣٢، كتاب الوضوء، باب من لم ير الوضوء إلا من المخرجين: من القبل والدبر (١/٤٦) رقم الحديث: ١٧٨. **ومسلم في** "صحيحه" كتاب الحيض، باب المذي (١/٢٤٧) رقم الحديث: ٣٠٣. **وأبو داود في** "سننه" كتاب الطهارة، باب في المذي (١/٥٣) رقم الحديث: ٢٠٦. **والترمذي في** "جامعه" أبواب الطهارة، باب ما جاء في المني والمذي (١/١٩٣) رقم الحديث: ١١٤. **والنسائي في** "سننه" كتاب الطهارة، باب ما ينقض الوضوء وما لا ينقض الوضوء من المذي (١/٩٦) رقم الحديث: ١٥٢، ١٥٣، ١٥٧، باب الغسل من المني (١/١١١) رقم الحديث: ١٩٣، ١٩٤.

٥) **أخرجه البخاري في** "صحيحه" كتاب الغسل، باب غسل المذي والوضوء منه (١/٦٢) رقم الحديث: ٢٦٩

toobaa-elibrary.blogspot.com

وفي بعضها: فسأله عن المذي يخرج من الإنسان: كيف يفعل [به]؟ فقال [رسول الله ﷺ]: توضأ وانضح فرجك. (١)

وفي رواية: فقال رسول الله ﷺ: ليغسل ذكره وأنثييه. وفي أخرى: لم يذكر أنثييه. (٢)

وفي رواية أخرى: كنت رجلا مذاء، فجعلت أغتسل، حتى تشقق ظهري، قال: فذكرت ذلك للنبي ﷺ أو ذكر له فقال رسول الله ﷺ: لا تفعل، إذا رأيت المذي فاغسل ذكرك، وتوضأ وضوءك للصلاة، فإذا فضخت الماء فاغتسل. (٣)

وفي أخرى: كنت رجلا مذاء، فأمرت عمار بن ياسر يسأل رسول الله ﷺ من أجل ابنته عندي. (٤)

وفي أخرى: عن ابن عباس قال: تذاكر علي والمقداد وعمار، فقال علي: إني امرؤ مذاء، وإني أستحيي أن أسأل رسول الله ﷺ، لمكان ابنته مني، فيسأله أحدكما. الحديث. (٥)

وسهل بن حنيف ﷺ (٦) قال: كنت ألقى من المذي شدة وعناء، وكنت أكثر منه الاغتسال، فسألت النبي ﷺ عن ذلك، فقال: إنما يجزيك من ذلك الوضوء، قلت: يا رسول الله، كيف بما يصيب الثوب منه؟ فقال: يكفيك أن تأخذ كفا من ماء فتنضح به حيث ترى أنه أصاب من ثوبك. أخرجه أبو داود والترمذي. (٧)

وعمر بن الخطاب ﷺ قال: إني لأجده ينحدر مني مثل الخريزة، فإذا وجد ذلك أحدكم فليغسل ذكره، وليتوضأ وضوءه للصلاة يعني المذي. أخرجه الموطأ. (٨)

---

١) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الحيض، باب المذي (٢٤٧/١) رقم الحديث: ٣٠٣.

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب في المذي (٥٤/١) رقم الحديث: ٢٠٨، ٢٠٩.

٣) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب في المذي (٥٤/١) رقم الحديث: ٢٠٦.

٤) أخرجه النسائي في "سننه" كتاب الطهارة، باب ما ينقض الوضوء وما لا ينقض الوضوء من المذي (٩٦/١) رقم الحديث: ١٥٤

٥) أخرجه النسائي في "سننه" كتاب الغسل والتيمم الاختلاف على سليمان (٢١٣/١) رقم الحديث: ٤٣٥.

٦) سهل بن حنيف: هو أبو سهل بن حنيف بن واهب الأنصاري الأوسي، صحابي من أهل بدر، واستخلفه علي على البصرة، ومات بالكوفة سنة ثمان وثلاثين. [تقريب التهذيب: ٢٥٧، رقم الترجمة: ٢٦٥٦. تهذيب التهذيب: ٢٥١/٤، رقم الترجمة: ٤٣٩.]

٧) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب في المذي (٥٤/١) رقم الحديث: ٢١٠. والترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب في المذي يصيب الثوب (١٩٧/١) رقم الحديث: ١١٥.

٨) أخرجه مالك في "الموطأ" كتاب الطهارة، باب الوضوء من المذي (٤١/١) رقم الحديث: ٥٤.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وثالثها: القيء

عن أبي الدرداء ﷺ: أن رسول الله ﷺ قاء وكان صائما، فتوضأ، قال معدان: ولقيت ثوبان في مسجد دمشق، فسألته، فقال: صدق، وأنا صببت له وضوءه. أخرجه الترمذي، وأبو داود نحوه.(١)

وهذا الحديث لم يذكره صاحب المشكاة في هذا الباب، وإنما ذكره في كتاب الصوم، في باب تنزيه الصوم، بلفظ: أن رسول الله ﷺ قاء فأفطر. رواه أبو داود والترمذي والدارمي.(٢)

وروى صاحب جامع الأصول في الوضوء كان صائما فتوضأ. وقال: أخرجه الترمذي وأبو داود ونحوه.(٣) كذا روى الزركشي في شرح كتاب الخرقي، والوضوء مذكور في الحديثين لقول ثوبان: وأنا صببت له وضوئه.(٤)

والمسئلة مختلف فيها فعند كثير من العلماء القيء ينقض الوضوء وهو قول أبي حنيفة وأحمد وإسحاق وابن المبارك وسفيان الثوري. وحجتهم هذا الحديث، بناء على أن الظاهر من لفظ الحديث ان الوضوء كان فيه بسبب القيء وانتقاضه به، كذا قول ثوبان وانا صببت له وضوئه.

وذهب آخرون إلى انه ليس في القيء وضوء وهو قول مالك والشافعي، وحملوا الوضوء على غسل الفم والوجه أو على الاستحباب.

قال الترمذي: وهو أصح شيء (٥) في هذا الباب. وأعله الخصم بالاضطراب. فإن معمرا رواه عن يحيى بن أبي كثير عن يعيش عن خالد بن معدان عن أبي الدرداء ولم يذكر فيه الأوزاعي. وأجيب أن اضطراب بعض الرواة لا يؤثر في ضبط غيره. قال ابن الجوزي: قال

---

١) أخرجه الترمذي في "جامعه" كتاب الطهارة، باب ما جاء في الوضوء من القيء والرعاف (١٤٢/١) رقم الحديث: ٨٧. وأبو داود في "سننه" كتاب الصوم، باب الصائم يستقي عامدا (٣١٠/٢) رقم الحديث: ٢٣٨١.

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصوم، باب الصائم يستقئ عامدا (٣١٠/٢) رقم الحديث: ٢٣٨١ والترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب الوضوء من القئ والرعاف (١٤٢/١) رقم الحديث: ٨٧. والدارمي في "سننه" كتاب الصوم، باب القئ للصائم (١٠٧٨/٢) رقم الحديث: ١٧٦٩.

٣) جامع الأصول: (٢٠٢/٧) رقم الحديث: ٥٢٢٤.

٤) شرح الزركشي: ٢٥٤/١.

٥) أي: عن أبي الدرداء: أنه ﷺ قاء فتوضا.

toobaa-elibrary.blogspot.com

الأثرم: قلت لأحمد قد اضطربوا في هذا الحديث. فقال: قد جوده حسين المعلم، وقد قال الحاكم: هو على شرطهما، وروي مثل هذا عن ابن عمر.

وفي مصنف عبد الرزاق: أخبرنا الثوري عن أبي إسحاق عن الحارث عن علي ﷺ، قال: إذا وجد أحدكم رزءا أو رعافا أو قيئا فلينصرف وليتوضأ، فإن تكلم استقبل ولا اعتد بما مضى والحارث ضعف، ومثله عن سليمان بن عمر.

وروى البيهقي في الخلافيات عنه ﷺ: يعاد الوضوء من سبع: من إقطار البول والدم السائل والقيء، ومن دسعة تملأ الفم، ونوم المضطجع، وقهقهة الرجل في الصلاة، وخروج الدم. وفيه سهل بن عفان والجارود بن يزيد [1] وهما ضعيفان.

وقول من قال: لم يصح في نقض الوضوء وعدمه بالدم والقيء والضحك حديث إن سلم لم يقدح؛ لأن الحجية لا تتوقف على الصحة بل الحسن كاف.

وحديث: أنه ﷺ: قاء فلم يتوضأ. الذي تمسك به الشافعي في عدم الانتقاض فلم يعرف. وكذا ما رواه الدار قطني منه، انه ﷺ احتجم وصلى ولم يتوضأ ولم يزد على غسل محاجمه، ضعيف. وحديث من قاء أو رعف إلى آخره، فرواه ابن ماجة عن إسماعيل بن عياش[2] عن ابن جريج [3] عن ابن أبي مليكة [4] عن عائشة قالت قال ﷺ من اصابه قيء أو رعاف فلينصرف وليتوضأ ثم ليبن على صلاته وهو في ذلك لا يتكلم. وفي لفظة ثم ليبن

---

١) جارود بن يزيد: هو أبو الضحاك الجارود بن يزيد العامري النيسابوري، الفقيه الكبير، ضعفه علي، وقال يحيى: ليس بشيء، وقال أبو داود: غير ثقة. وقال النسائي والدارقطني: متروك، ولد في خلافة هشام في حدود العشرين ومائة، وتوفي سنة ست ومائتين. [سير أعلام النبلاء: ٩/٤٢٤-٤٢٦. رقم الترجمة: ١٥٢. ميزان الاعتدال: ١/٣٨٤-٣٨٥، رقم الترجمة: ١٤٢٨.]

٢) إسماعيل بن عياش: هو أبو عتبة إسماعيل بن عياش بن سليم العنسي –بالنون– الحمصي، صدوق في روايته عن أهل بلده مخلط في غيرهم، من الثامنة، مات سنة إحدى أو اثنتين ومائتين، وله بضع وسبعون سنة. [تقريب التهذيب: ١٠٩، رقم الترجمة: ٤٧٣. تهذيب التهذيب: ١/٣٢١-٣٢٦، رقم الترجمة: ٥٨٤.]

٣) ابن جريج: هو عبد الملك ابن عبد العزيز ابن جريج الأموي مولاهم المكي، ثقة فقيه فاضل، وكان يدلس ويرسل، من السادسة، مات سنة خمسين أو بعدها (١٥٠هـ) وقد جاز السبعين، وقيل: جاز المائة ولم يثبت. [تقريب التهذيب: ٣٦٣. وتهذيب التهذيب:]

٤) ابن أبي مليكة: هو عبد الله بن عبيد الله بن عبد الله بن أبي مليكة –بالتصغير– بن عبد الله بن جدعان، يقال: اسم أبي مليكة زهير التيمي المدني، أدرك ثلاثين من الصحابة، ثقة فقيه، من الثالثة، مات سنة سبع عشرة [تقريب التهذيب: ٣١٢، رقم الترجمة: ٣٤٥٤. والتهذيب التهذيب:]

toobaa-elibrary.blogspot.com

على صلاته ان لم يتكلم، رواه الدار قطني، وقال الحفاظ من اصحاب ابن جريج يروونه عن ابن جريج عن ابيه عن النبي ﷺ مرسلا، وقد تكلم في ابن عياش. وجملة الحاصل فيه ان يحتج به من حديث الشاميين لا الحجازيين.

وأخرجه البيهقي من جهة الدار قطني عن ابن جريج عن أبيه عنه ﷺ مرسلا، وقال: هذا هو الصحيح. ثم نقل عن الشافعي أنه بتقدير الصحة يحمل على غسل الدم لا وضوء الصلاة، ودفع بأنه غير صحيح، وإلا لبطلت الصلاة فلم يجز البناء. وابن عياش قد وثقه ابن معين، وزاد في الإسناد عن عائشة والزيادة من الثقة مقبولة، والمرسل عندنا وعند جمهور العلماء حجة.

ذكر هذا كله الشيخ ابن الهمام، ثم قال: فحصل لنا من ذلك كله حجية حديث فاطمة بنت أبي حبيش [١] وحديث ابن عياش وحديث أبي الدرداء فلا يعارضها غيرها مما رواه الشافعي، ولو أرخينا العنان وجعلناها تتعارض فإن جمعنا، وهو أولى عند الإمكان كان محمل ما رواه الشافعي على القليل في القيء وما لم يسل، وما رواه زفر على الكثير توفيقا بين الأدلة، وإن أسقطناها صرنا إلى القياس وهو ما ذكر بقوله: إن خروج النجاسة مؤثر في زوال الطهارة. إلى آخره وسياق زيادة من الآثار في باب الحدث في الصلاة. تم كلامه رحمه الله ولله دره في تحقيق الكلام وتنقيح المرام والأحاديث والآثار جزاه الله عن الحنفية خيرا. [٢]

ورابعها: في الدم

وفيه أيضا اختلف الأحاديث والأقوال: فعند أبي حنيفة ينقض الوضوء دم سائل، وكذا عند أحمد، وعبر هو عن السائل بالفاحش، وقال: ينقض الطهارة القيء الفاحش والدم الفاحش، وقد اختلف الأقوال عنه في تفسير الفاحش، والمشهور: أنه ما يفحش في النفس ويشق عليه الغسل، فالمعتبر في حق كل إنسان ما يستفحشه في نفسه، وقيل: ما عدا لقطرة والقطرتان، وقيل: المعتبر نفوس أوساط الناس فلا عبرة بالقصابين ولا بالموسوسين، هذا كلام ألمة مذهب أحمد، ويرجع الكلام إلى السيلان وهو مذهب أبي حنيفة.

---

١) فاطمة بنت أبي حبيش: هي فاطمة بنت أبي حبيش -بمهملة وموحدة ومعجمة مع التصغير- واسمه قيس بن المطلب الأسدية، صحابية، لها حديث في الاستحاضة. وفاطمة هي زوجة عبد الله بن جحش. [تقريب التهذيب: ٧٥١، رقم الترجمة: ٨٦٥٩.]

٢) فتح القدير: ١/٤٠-٤١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقال مالك في الموطأ: حدثنا نافع، عن ابن عمر: أنه كان إذا رعف رجع، فتوضأ ولم يتكلم، ثم رجع فبنى على ما صلى.

وقال: حدثنا يزيد بن عبد الله بن قسيط، أنه رأى سعيد بن المسيب رعف وهو يصلي، فأتى حجرة أم سلمة زوج النبي ﷺ، فأتي بوضوء فتوضأ، ثم رجع فبنى على ما قد صلى.

وقال كان سالم بن عبد الله بن عمر[1] يدخل إصبعه في أنفه، أو إصبعيه ثم يخرجها وفيها شيء من دم فيفتله، ثم يصلي ولا يتوضأ.

وقال محمد: وبهذا كله نأخذ، فأما الرعاف فإن مالك بن أنس كان لا يأخذ بذلك، ويرى إذا رعف الرجل في صلاته، أن يغسل الدم ويستقبل الصلاة، فأما أبو حنيفة فإنه يقول بما روى مالك عن ابن عمر، وعن سعيد بن المسيب إنه ينصرف فيتوضأ، ثم يبني على ما صلى إن لم يتكلم، وهو قولنا، وأما إذا كثر الرعاف على الرجل فكان إن أومأ برأسه إيماء، لم يرعف وإن سجد رعف، أومأ برأسه إيماء، وأجزاه، وإن كان يرعف كل حال سجد، وأما إذا أدخل الرجل إصبعه في أنفه، فأخرج عليها شيئا من دم، فهذا لا وضوء فيه لأنه غير سائل، ولا قاطر، وإنما الوضوء في الدم، مما سال أو قطر، وهو قول أبي حنيفة. انتهى.[2]

وقال الشيخ ابن الهمام: وأما حديث ليس في القطرة إلى آخره فرواه الدار قطني من طريقين في أحدهما محمد بن الفضل بن عطية [3]، وفي الآخر حجاج بن نصير [4] وقد ضعفا، ولفظة القطرة والقطرتين كناية على القلة، ولفظ سائلا كناية عن الكثرة، فإن لفظة القطرة في

---

١) سالم بن عبد الله بن عمر: هو أبو عمر أو أبو عبد الله سالم بن عبد الله بن عمر بن الخطاب القرشي العدوي المدني، أحد الفقهاء السبعة، وكان ثبتا عابدا فاضلا، كان يشبه بأبيه في الهدي والسمت، من كبار الثالثة، مات بالمدينة في آخر سنة ست على الصحيح. [تقريب التهذيب: ٢٢٦، رقم الترجمة: ٢١٧٦. تهذيب التهذيب: ٣/٤٣٦-٤٣٨، رقم الترجمة: ٨٠٧.]

٢) أخرجه محمد في "الموطأ" أبواب الصلاة، باب الوضوء من الرعاف (٤٠-٤١) رقم الحديث: ٣٦، ٣٧، ٣٩.

٣) محمد بن الفضل بن عطية: هو محمد بن الفضل بن عطية بن عمر العبدي العبسي مولاهم الكوفي، نزيل بخارى، كذبوه، من الثامنة. مات سنة ثمانين ومائة. [تقريب التهذيب: ٥٠٢، رقم الترجمة: ٦٢٢٥. تهذيب التهذيب: ٩/٤٠١-٤٠٢، رقم الترجمة: ٦٥٨.]

٤) حجاج بن نصير: هو أبو محمد حجاج بن نصير -بضم النون- الفساطيطي -بفتح الفاء بعدها مهملة- القيسي البصري، ضعيف، كان يقبل التلقين، من التاسعة، مات سنة ثلاث عشرة أو أربع عشرة. [تقريب التهذيب: ١٥٣، رقم التهذيب: ١١٣٩. تهذيب التهذيب: ٢/٢٠٨-٢٠٩، رقم الترجمة: ٣٨٥.]

toobaa-elibrary.blogspot.com

العرف يراد به القلة وضده ماء سائل، وإلا فحقيقة القطرة إذا وجدت نقض اتفاقا فلا بد من صرفه عن ظاهره بطريق صناعي كما ذكرنا. انتهى.[1]

وقد عد في حديث البيهقي: يعاد الوضوء من سبع خروج الدم هذا.[2]

وقد يستدل على مذهب أبي حنيفة بحديث عمر بن عبد العزيز، رواه الدار قطني في سننه عن عمر بن عبد العزيز عن تميم الداري.[3] ورواه ابن عدي في الكامل عن زيد بن ثابت.[4]

وطعن فيه الدار قطني بأن عمر بن عبد العزيز لم ير تميم الداري، فإن ولادة عمر كان في سنة سبع وخمسين، وتميم الداري مات في أيام علي رضي الله عنه. ويزيد بن خالد ويزيد بن محمد من رواة هذا الحديث مجهولان.

وأجيب: بأن هذا ليس بطعن عندنا لأن المرسل عندنا وعند جمهور العلماء حجة كذا قيل، يعني لما سقط ذكر تميم وعمر بن عبد العزيز تابعي، فبقي حديثه مرسلا. ونحن نقبل المراسيل فتدبر.

وأما يزيد بن خالد ويزيد بن محمد فقد اختلف فيهما، وقد وثقوهما كما في الكاشف للذهبي، والمجهول قسمان: مجهول العين وهو من لم يرو عنه غير واحد، ولم يوثق ومن روى عنه اثنان أو أكثر من غير توثيق فهو مجهول الحال وهو المستور. وقد قبل روايته الجمهور وردها البعض، وقيل: موقوف إلى استبانة الحال ولا يدري من أي قسم هما، والله أعلم.

ولنا أيضا حديث البخاري ومسلم: أن فاطمة بنت أبي حبيش جاءت إلى النبي صلى الله عليه وسلم، فقالت: يا رسول الله إني امرأة أستحاض فلا أطهر أفأدع الصلاة؟ فقال رسول الله

---

١) ابن الهمام، فتح القدير: ١/٤١.

٢) أخرجه البيهقي في "الخلافيات" كتاب الطهارة، مسألة (١/٣٦٣) رقم الحديث: ٦٣٧.

٣) أخرجه الدار قطني في "سننه" كتاب الطهارة، باب في الوضوء من الخارج من البدن كالرعاف والقيء والحجامة ونحوه (١/٢٨٧) رقم الحديث: ٥٧١. [لفظه: عن عمر بن عبد العزيز، قال: قال تميم الداري: قال رسول الله ﷺ: الوضوء من كل دم سائل]

٤) أخرجه ابن عدي في "الكامل في ضعفاء الرجال" أحمد بن عبد الجبار (١/٣١٣)، بقية بن الوليد حمصي يكنى أبا محمد (٢/٢٦٨) [لفظه: عن زيد بن ثابت، قال: قال رسول الله ﷺ: الوضوء من كل دم سائل]

toobaa-elibrary.blogspot.com

ﷺ: لا، إنما ذلك عرق، وليس بحيض، فإذا أقبلت حيضتك فدعي الصلاة، وإذا أدبرت فاغسلي عنك الدم ثم صلي. قال: وقال أبي: ثم توضئي لكل صلاة، حتى يجيء ذلك الوقت.[1]

رواه الترمذي، قال أبو معاوية في حديثه: وقال: توضئي لكل صلاة حتى يجيء ذلك الوقت.

حديث عائشة حديث حسن صحيح، وهو قول غير واحد من أهل العلم من أصحاب النبي ﷺ، والتابعين، ومن بعدهم.[2]

فنبه ﷺ على العلة الموجبة للوضوء وهو كون ما يخرج منها دم عرق.

واحتج الشافعي بما روي الدار قطني، من أنه النبي ﷺ احتجم فصلى ولم يتوضأ ولم يزد عن غسل محاجمه.[3] وقد ضعف هذا الحديث أيضا.[4]

واحتج أيضا بما روي الحاكم مسندا، والبخاري معلقا، عن جابر بن عبد الله: أن النبي ﷺ كان في غزوة ذات الرقاع فرمي رجل بسهم، فنزفه الدم، فركع، وسجد ومضى في صلاته.[5]

والجواب أنه إنما ينتهض حجة إذا ثبت اطلاع النبي ﷺ على صلاة ذلك الرجل وتقريره له عليها.

وقال الخطابي: لست أدري، كيف يصح الاستدلال به والدم إذا سال أصاب بدنه [وجلده] وربما أصاب ثيابه ومع إصابة شيء من ذلك لا تصح صلاته؛ إلاّ أن يقال إن الدم كان يجري من الجراح على سبيل الدفق حتى لا يصيب شيئا من ظاهر بدنه ولئن كان كذلك فهو أمر عجيب، كذا ذكر الشمني.[6]

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الوضوء، باب غسل الدم (٥٥/١) رقم الحديث: ٢٢٨. ومسلم في "صحيحه" كتاب الحيض، باب المستحاضة وغسلها وصلاتها (٢٦٢/١) رقم الحديث: ٣٣٣، ٣٣٤.

٢) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب في المستحاضة (٢١٧/١) رقم الحديث: ١٢٥.

٣) أخرجه الدار قطني في "سننه" كتاب الطهارة، باب في الوضوء من الخارج من البدن كالرعاف والقيء والحجامة ونحوه (٢٧٦/١) رقم الحديث: ٥٥٤.

٤) فتح القدير: ٤٢/١.

٥) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الوضوء، باب من لم ير الوضوء إلا من المخرجين: من القبل والدبر (٤٦/١). والحاكم في "المستدرك" كتاب الطهارة، حديث عائشة (٢٥٨/١) رقم الحديث: ٥٥٧.

٦) الخطابي، معالم السنن، كتاب الطهارة، من باب الوضوء من النوم: ٧١/١)

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقيل: يحتمل أن الدم أصاب الثوب فقط، ولم يصل إلى جسده.[١] وهذا أيضا بعيد.

واحتج أيضا بحديث المسور بن مخرمة [٢]، أن المسور بن مخرمة أخبره، أنه دخل على عمر بن الخطاب من الليلة التي طعن فيها، فأيقظ عمر لصلاة الصبح، فقال: عمر: نعم. ولا حظ في الإسلام لمن ترك الصلاة، فصلى عمر، وجرحه يثعب دما. اخرجه الموطأ. [٣]

ولا يخفي ان هذا يكون من قبيل الضرورة والعذر كسلسل البول ونحوه.

ومنها: مس الذكر

وهذا أيضا مختلف فيه بين العلماء من الائمة الأربعة. فالشافعي ومالك وأحمد رحمهم الله، ذهبوا إلى النقض، بل عند أحمد مس الفرج [مطلقا ناقض] ويتناول الذكر والدبر وفرج المرأة. ومناط المسئلة الذكر وغيره مبني ومتفرع عليه.

وفي مذهب مالك اختلاف في مس المرأة فرجها.

وعند الشافعي مس الذكر بباطن كفه بلا حائل ناقض.

وعند أحمد في رواية انه يستحب الوضوء من مسه، ولا يجب. جمعا بين الأحاديث.

ثم في [مس] ذكره وذكر غيره، وذكر الصغير والكبير، والحي والميت، والمس بالباطن أو بالطرف، بشهوة أو بغير شهوة، بحائل أو بلا حائل، تفصيل واختلا ف روايات في مذاهبهم مذكور في كتبهم.

وعند أبي حنيفة وأصحابه رحمهم الله لا ينقض مطلقا.

ومتمسك الأئمة في ذلك، حديث أبي هريرة: إذا أفضى أحدكم بيده إلى ذكره ليس بينه وبينه شيء فليتوضأ. [٤]

---

١) ابن حجر، فتح الباري: ١/٢٨١.

٢) المسور بن مخرمة: هو أبو عبد الرحمن المسور بن مخرمة بن نوفل بن أهيب بن عبد مناف بن زهرة الزهري، له ولأبيه صحبة، مات سنة اربع وستين. [تقريب تهذيب: ٥٣٢، رقم الترجمة: ٦٦٧٢.]

٣) اخرجه مالك في "الموطأ" كتاب الطهارة، باب العمل فيمن غلبه الدم من جرح أو رعاف (٣٩/١) رقم الحديث: ٥١.

٤) اخرجه الشافعي في "مسنده" باب ما يخرج من كتاب الوضوء (١٢). والطبراني في "المعجم الأوسط" باب الميم، من اسمه محمد (٣٧٨/٦) رقم الحديث: ٦٦٦٨، ومن اسمه مقدام (٣٤٨/٨) رقم الحديث: ٨٨٣٤،

toobaa-elibrary.blogspot.com

وفي رواية أحمد ورواه الطبراني وابن حبان والحاكم وصححه والنسائي: إذا أفضى أحدكم بيده إلى فرجه، ليس دونها حجاب فقد وجب عليه الوضوء.[1]

وحديث بسرة[2]: من مس ذكره فليتوضأ.[3] رواه الخمسة، وصححه أحمد والترمذي، وقال البخاري: إنه أصح ما في الباب، وذكر جماعة من الصحابة كان عملهم على ذلك، والله أعلم.

وذكر في جامع الأصول روايات حديث بسرة من الموطأ وأبي داود والترمذي والنسائي.[4]

وروى أيضا من مصعب بن سعد بن أبي وقاص[1]، قال: كنت أمسك المصحف على سعد بن أبي وقاص، فاحتككت، فقال سعد: لعلك مسست ذكرك؟ قلت: نعم، قال: قم فتوضأ، فتوضأت، ثم رجعت. أخرجه الموطأ.[2]

(٣٧٢/٨) رقم الحديث: ٨٩٠٩. والبيهقي في "السنن الكبرى" جماع أبواب الحدث، باب ترك الوضوء من مس الفرج بظهر الكف (٢١٢/١) رقم الحديث: ٦٤٤.

١) أخرجه ابن حبان في "صحيحه" كتاب الطهارة، باب نواقض الوضوء (٤٠١/٣) رقم الحديث: ١١١٨. والطبراني في "المعجم الكبير" باب الألف، من اسمه أحمد (٢٣٧/٢) رقم الحديث: ١٨٥٠. والطبراني في "المعجم الصغير" باب الألف، من اسمه أحمد (٨٤/١) رقم الحديث: ١١٠. والدار قطني في "سننه" كتاب الطهارة، باب ما روي في لمس القبل والدبر والذكر والحكم في ذلك (٢٦٨/١) رقم الحديث: ٥٣٢. والبيهقي في "السنن الكبرى" جماع أبواب الحدث، باب ترك الوضوء من مس الفرج بظهر الكف (٢١١/١) رقم الحديث: ٦٤١.

٢) بسرة بنت صفوان: بسرة -بضم أولها وسكون المهملة- بنت صفوان بن نوفل بن أسد بن عبد العزى الأسدية، وهي بنت أخ ورقة بن نوفل، صحابية، لها سابقة وهجرة، عاشت إلى خلافة معاوية. [تقريب التهذيب: ٧٤٤، رقم الترجمة: ٨٥٤٤. تهذيب التهذيب: ٤٠٤/١٢، رقم الترجمة: ٢٧٤١.]

٣) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب الوضوء من مس الذكر (٤٦/١) رقم الحديث: ١٨١. والترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب الوضوء من مس الذكر (١٢٦/١) رقم الحديث: ٨٢. والنسائي في "سننه" كتاب الطهارة، الوضوء من مس الذكر (١٠٠/١) رقم الحديث: ١٦٣، ١٦٤. وابن ماجه في "سننه" كتاب الطهارة وسننها، باب الوضوء من مس الذكر (١٦١/١) رقم الحديث: ٤٧٩. ومالك في "الموطأ" كتاب الطهارة، باب الوضوء من مس الفرج (٤٢/١) رقم الحديث: ٥٨.

٤) جامع الأصول (٢٠٨/٧) رقم الحديث: ٥٢٣٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

أن [عبد الله] ابن عمر كان يقول: إذا مس أحدكم ذكره، فقد وجب عليه الوضوء. (٣)

وفي رواية، قال [سالم بن عبد الله]: كنت مع عبد الله بن عمر في سفر، فرأيته، بعد أن طلعت الشمس، توضأ ثم صلى. قال: فقلت له: إن هذه لصلاة ما كنت تصليها، قال: إني بعد أن توضأت لصلاة الصبح مسست فرجي، ثم نسيت أن أتوضأ، فتوضأت وعدت لصلاتي. اخرجه الموطأ. (٤)

ولنا ما رواه الجماعة إلا ابن ماجة، عن قيس بن طلق (٥) عن أبيه، قال: قدمنا على رسول الله ﷺ. فجاءه رجل كأنه بدوي، فقال: يا رسول الله! ما ترى في مس الرجل ذكره بعدما توضأ؟ فقال: وهل هو إلا مضغة منه أو بضعة منه؟ أو منك. (٦)

وفي شرح [معاني] الآثار للطحاوي: لا نعلم احدا من الصحابة أفتى بالوضوء من مس الذكر إلا ابن عمر. وقد خالفه في ذلك أكثرهم. (٧) كذا نقل الشمني.

وحمل بعض الشافعية حديث طلق على المس من وراء حائل؛ لأنه قد جاء أن السؤال كان عن المس في الصلاة، ورد بأن تعليله ﷺ يرد ذلك.

---

١) مصعب بن سعد أبي وقاص: هو أبو زرارة مصعب بن سعد بن أبي وقاص الزهري المدني، ثقة، من الثالثة، أرسل عن عكرمة بن أبي جهل، مات سنة ثلاث ومائة [تقريب التهذيب: ٥٣٣، رقم الترجمة: ٦٦٨٨. تهذيب التهذيب: ١٦٠/١٠، رقم الترجمة: ٣٠٤.]

٢) اخرجه مالك في "الموطأ" كتاب الطهارة، باب الوضوء من مس الفرج (٤٢/١) رقم الحديث: ٥٩.

٣) اخرجه مالك في "الموطأ" كتاب الطهارة، باب الوضوء من مس الفرج (٤٢/١) رقم الحديث: ٦٠.

٤) اخرجه مالك في "الموطأ" كتاب الطهارة، باب الوضوء من مس الفرج (٤٣/١) رقم الحديث: ٦٣.

٥) قيس بن طلق: هو قيس بن طلق بن علي الحنفي اليمامي، صدوق، من الثالثة، وهم من عده من الصحابة. [تقريب التهذيب: ٤٥٧، رقم الترجمة: ٥٥٨٠. تهذيب التهذيب: ٣٩٨/٨-٣٩٩، رقم الترجمة: ٧١٠.]

٦) اخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب الرخصة في ذلك (٤٦/١) رقم الحديث: ١٨٢. والترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب ترك الوضوء من مس الذكر (١٣١/١) رقم الحديث: ٨٥. والنسائي في "سننه" كتاب الطهارة، باب ترك الوضوء من ذلك (١٠١/١) رقم الحديث: ١٦٥. وابن ماجه في "سننه" كتاب الطهارة وسننها (١٦٣/١) رقم الحديث: ٤٨٣.

٧) اخرجه الطحاوي في "شرح معاني الآثار" كتاب الطهارة، باب مس الفرج هل يجب فيه الوضوء أم لا؟ (٧٧/١) رقم الحديث: ٤٧٤.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقال الشيخ محي السنة: أنه منسوخ بحديث أبي هريرة، لأن وفادة طلق كان سنة الهجرة، وهم يؤسسون مسجد النبي ﷺ، وأبو هريرة أسلم في السنة السابعة عام خيبر، فيكون ورود حديث أبي هريرة متأخرا عن حديث طلق ناسخا له.

وتعقب بأن رواية الصحابي المتأخر لا يستلزم تأخر حديثه، كما ذكر في أصول الحديث. فيجوز أن يكون الصحابي المتأخر سمعه من صحابي متقدم، ولكن رواه بعد ذلك. ويجوز أن يكون طلق رجع بعد إسلام أبي هريرة وسمع بعده، إلا أن يثبت أن طلقا توفي قبل إسلام أبي هريرة، أولم يرجع من أرضه بعد إسلامه ولم يثبت، أو يكون سماع أبي هريرة من صحابي آخر متقدم على طلق، فرواه، فيكون حديث طلق ناسخا له.

وبالجملة؛ لا يثبت النسخ بالاحتمال، وأيضا لم يرو عن أبي هريرة الحديث بصيغة السماع منه ﷺ، فيكون من مراسيل الصحابة. والمسألة المذكورة محققة في أصول الحديث، [أن رواية الصحابي المتأخر إسلاما لا تدل على النسخ] فالنسخ محتمل لا مقطوع به.

وقال بعض الحنابلة: وهذا وإن لم يكن نصا في النسخ لكنه ظاهر فيه.

ومن ههنا ذهب بعضهم إلى استحباب الوضوء احتياطا، ومن جهة عدم ثبوت النسخ اختلف العلماء، وقال محمد في موطأه: لا وضوء في مس الذكر وهو قول أبي حنيفة.[١] وفي ذلك آثار كثيرة.

ونقل عن عمار بن ياسر، أنه قال: لا أبالي إن مسسته أو مسست أنفي. عن علي وابن عباس مثله.[٢]

وقال ابن عباس: إن كنت تستنجسه فاقطعه، يعني الذكر.[٣] ونقل عن ابن مسعود وسعد بن ابي وقاص مثل هذا القول.

ونقل عن علي وابن مسعود وحذيفة بن اليمان[٤] وعمار بن ياسر وسعد بن أبي وقاص القول بعدم النقض، وكذا عن سعيد بن المسيب وابراهيم النخعي وعطاء بن أبي رباح[١].

١) اخرجه محمد في "الموطأ" باب الوضوء من مس الذكر (٣٥) رقم الحديث: ١٢.

٢) اخرجه محمد في "الموطأ" باب الوضوء من مس الذكر (٣٦) رقم الحديث: ١٤.

٣) اخرجه محمد في "الموطأ" باب الوضوء من مس الذكر (٣٦) رقم الحديث: ١٧.

٤) حذيفة بن اليمان: هو حذيفة بن اليمان واسم اليمان حسل -بمهملتين مصغرا- ويقال: حسل -بكسر ثم سكون- العبسي -بالموحدة- حليف الأنصار صحابي جليل، من السابقين صح في مسلم عنه أن رسول الله

toobaa-elibrary.blogspot.com

وحكي الشمني عن سنن الدار قطني؛ أنه اجتمع العلماء في مسجد الخيف بمنى، وفيهم أحمد بن حنبل وعلى بن المديني ويحيى بن معين، فتناظروا في مس الذكر، فقال يحيى بن معين: يتوضأ منه، قال علي بن المديني: بقول الكوفيين و تقلد بقولهم، فاحتج ابن معين بحديث مروان بن الحكم (٢) عن بسرة بنت صفوان و احتج على بن المديني بحديث قيس بن طلق قال و كيف يتقلد انسان بسرة ومروان أن ارسل شرطيا حتى رد جوابها إليه، فقال يحيى: و قد أكثر الناس في قيس بن طلق ولا يحتج بحديثه، فقال أحمد بن حنبل: كلا الأمرين على ما قلتما: فقال يحيى: حدثنا مالك عن نافع عن ابن عمر انه توضأ من مس الذكر، فقال ابن المديني: كان ابن مسعود يقول: لا تتوضأ منه، وقال: إنما هو بضعة من جسدك، فقال يحيى: عمن؟ قال عن سفيان عن أبي قيس عن هزيل عن عبد الله، وإذا اجتمع ابن مسعود وابن عمر اختلفا، فابن مسعود أولى بأن يتبع، فقال ابن حنبل: نعم، و لكن أبو قيس لا يحتج بحديثه، [فقال: حدثني أبو نعيم؛ قال: أخبرنا مسعر عن عمير بن سعيد عن عمار بن ياسر، قال: ما أبالي إن مسسته أو مسست أنفي. فقال ابن حبل: عمار وابن عمر استويا، فمن شاء أخذ بهذا، ومن شاء أخذ بهذا، انتهى.] (٣)

الشيخ ابن الهمام. وكلا الحديثين لم يسلم من الطعن مرة في بسرة بالجهالة، ومرة بأن عروة لم يسمع من بسرة؛ بل من مروان بن الحكم أو الشرطي [على ما عرف في موضعه]، ومرة

ﷺ أعلمه بما كان وما يكون إلى أن تقوم الساعة وأبوه صحابي أيضا استشهد بأحد ومات حذيفة في أول خلافة علي سنة ست وثلاثين. [تقريب التهذيب: ١٥٤، رقم الترجمة: ١١٥٦ تهذيب التهذيب: ٢/٢١٩-٢٢٩، رقم الترجمة ٤٠٥]

١) عطاء بن أبي رباح: هو أبو محمد عطاء بن أبي رباح -بفتح الراء والموحدة- واسم أبي رباح أسلم القرشي مولاهم المكي، ثقة فقيه فاضل، لكنه كثير الإرسال، من الثالثة، مات سنة أربع عشرة ومائة على المشهور، وقيل: إنه تغير بآخرة ولم يكثر ذلك منه. [تقريب التهذيب ٣٩١، رقم الترجمة ٤٥٩١. تهذيب التهذيب: ٧/١٩٩-٢٠٣، رقم الترجمة: ٣٨٥.]

٢) مروان بن الحكم: هو أبو عبد الملك مروان بن الحكم بن أبي العاص بن أمية الأموي المدني، ولي الخلافة في آخر سنة أربع وستين، ومات سنة خمس في رمضان، وله ثلاث أو إحدى وستون سنة، لا تثبت له صحبة، من الثانية، قال عروة بن الزبير: مروان لا يتهم في الحديث. [تقريب التهذيب: ٥٢٥، رقم الترجمة: ٦٥٦٧.]

٣) أخرجه البيهقي في "السنن الكبرى" كتاب الطهارة، جماع أبواب الحدث، باب ترك الوضوء من مس الفرج بظهر الكف (١/٢١٤) رقم الحديث: ٦٤٨.

toobaa-elibrary.blogspot.com

بالتكلم في بعض رجال حديث طلق، والحق أنهما لا ينزلان عن درجة الحسن، لكن يترجح حديث طلق على حديث بسرة لأن حديث الرجال أقوى؛ لأنهم أحفظ للعلم وأضبط.(١)

وسلك الشيخ الهمام في الجمع بين الحديثين طريقا غريبا وهو أن يجعل مس الذكر مما يخرج منه.(٢)

ومما ذكر يستأنس لما ذكر الطحاوي أنه لا نعلم أحدا من الصحابة والتابعين أفتى بالوضوء من مس الذكر الا ابن عمر.(٣) إذ الظاهر أنه لو كان من هؤلاء الجماعة من الصحابة الذين سبق ذكرهم أفتى بالوضوء، لذكر يحيى عن مالك، والله أعلم.

ومنها: لمس المرأة هل ينقض الوضوء؟

وهذه المسائلة أيضا مختلف فيها، أما بشهوة أو بغير شهوة، أجنبية أو غيرها، على تفصيل ذكرهم في كتبهم.

وقيد الشافعي بكونها الجنبيين كبيرين. وعندنا لا ينقض مطلقا.

هم تمسكوا بقوله تعالى: "أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ" (٤) في قراء ة حمزة والكسائي، وقالوا: الحمل على لمس البدن أولى ليوافق قرينه وهو المجيء من الغائط، وأجيب بأن اللمس مكني به عن الجماع، وحمل الآية عليه أولى؛ لأنها تصير بيانا لكون التيمم رافعا للحدث الأصغر والأكبر.

وتمسكوا أيضا بقول ابن عمر: قبلة الرجل امرأته، وجسها بيده: من الملامسة، فمن قبل امرأته، أو جسها بيده، فعليه الوضوء. وبقول ابن مسعود: من قبلة الرجل امرأته الوضوء. أخرجهما الموطأ.(٥)

ولنا حديث عائشة قالت: قالت: إن رسول الله ﷺ قبل امرأة من نسائه، ثم خرج إلى الصلاة ولم يتوضأ، قال عروة: فقلت لها: ومن هي إلا أنت؟ فضحكت.

---

١) فتح القدير: ٥٥/١.
٢) فتح القدير: ٥٦/١.
٣) أخرجه الطحاوي في "شرح معاني الآثار" كتاب الطهارة، باب مس الفرج هل يجب فيه الوضوء أم لا؟ (٧٧/١) رقم الحديث: ٤٧٤.
٤) النساء: ٤٣.
٥) أخرجهما مالك في "الموطأ" كتاب الطهارة، باب الوضوء من قبلة الرجل امرأته (٤٣/١، ٤٤) رقم الحديث: ٦٤، ٦٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وفي رواية: أن النبي ﷺ قبلها ولم يتوضأ.

وفي رواية: أن النبي ﷺ كان يقبل بعض أزواجه، ثم يصلي ولا يتوضأ. أخرج الرواية الأولى الترمذي، والثانية أبو داود والثالثة النسائي وابن ماجة.[1]

ورواه أيضا ابن حبان في صحيحه، وقال الطحاوي: هذا حديث مستقيم الإسناد غير مضطرب في إسناده ومتنه؛ لكنهم تكلموا فيه كما ذكر في المشكاة عن الترمذي أنه لا يصح إسناد عروة عن عائشة. وتفصيله أن الترمذي روى أولا عن قتيبة وجماعة[2] أنهم رووا عن وكيع، عن الأعمش، عن حبيب بن أبي ثابت[3]، عن عروة، عن عائشة، أن النبي صلى الله عليه وسلم قبل بعض نسائه، ثم خرج إلى الصلاة ولم يتوضأ. قال: قلت: من هي إلا أنت؟ فضحكت. وقد روي نحو هذا عن غير واحد من أهل العلم من أصحاب النبي ﷺ، والتابعين، وهو قول سفيان الثوري، وأهل الكوفة، قالوا: ليس في القبلة وضوء.

وقال مالك بن أنس، والأوزاعي، والشافعي، وأحمد، وإسحاق: في القبلة وضوء، وهو قول غير واحد من أهل العلم من أصحاب النبي ﷺ والتابعين. وإنما ترك أصحابنا حديث عائشة، عن النبي ﷺ في هذا لأنه لا يصح عندهم لحال الإسناد. وسمعت أبا بكر العطار البصري يذكر، عن علي بن المديني، قال: ضعف يحيى بن سعيد القطان هذا الحديث، وقال: هو شبه لا شيء، وسمعت محمد بن إسماعيل يضعف هذا الحديث، وقال: حبيب بن أبي ثابت لم يسمع من عروة بن الزبير شيئا، وقد روي عن إبراهيم التيمي، عن عائشة، أن النبي صلى الله عليه وسلم قبلها ولم يتوضأ، وهذا لا يصح أيضا، ولا نعرف لإبراهيم التيمي سماعا من عائشة، وليس يصح عن النبي ﷺ في هذا الباب شيء. هذا كلام الترمذي.[4]

---

١) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب الوضوء من القبلة (١/٤٥) رقم الحديث: ١٧٨، ١٧٩. والترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب ترك الوضوء من القبلة (١/١٣٣) رقم الحديث: ٨٦. والنسائي في "سننه" كتاب الطهارة، باب ترك الوضوء من القبلة (١/١٠٤) رقم الحديث: ١٧٠. وابن ماجه في "سننه" كتاب الطهارة وسننها، باب الوضوء من القبلة (١/١٦٨) رقم الحديث: ٥٠٢، ٥٠٣.

٢) أي: هناد، وأبو كريب، وأحمد بن منيع، ومحمود بن غيلان، وأبو عمار.

٣) حبيب بن أبي ثابت: هو أبو يحيى حبيب بن أبي ثابت قيس ويقال: هند بن دينار الأسدي، مولاهم الكوفي، ثقة فقيه جليل، وكان كثير الإرسال والتدليس، من الثالثة، مات سنة تسع عشرة ومائة. [تقريب التهذيب: ١٥٠، رقم الترجمة: ١٠٨٤. تهذيب التهذيب: ٢/١٧٨-١٧٩، رقم الترجمة: ٣٢٣.]

٤) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب ترك الوضوء من القبلة (١/١٣٣) رقم الحديث: ٨٦.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وبهذا ظهر أن الحكم بعدم صحة الإسناد من جهة أن حبيب بن أبي ثابت لم يسمع من عروة، لا من جهة أنه لا يصح إسناد عروة وسماعه عن عائشة، حاشاه، لأن سماع عروة عن عائشة أمر مقرر محقق لا شبهة فيه، وهو ابن اختها اسماء بنت أبي بكر، وله صحبة بها أكثر من ان يعد ويحصى.

فقول صاحب المشكاة: لا يصح إسناد عروة عن عائشة لا يخلو عن كزازة، والمراد من هذا الإسناد الذي في حديث القبلة روى فيه عروة عن عائشة من جهة رأوى عروة عنه وهو حبيب فافهم.

وأما نفي سماع إبراهيم التيمي عن عائشة فعلى الاطلاق غير مقيد بهذا الحديث، ولم يذكره صاحب جامع الأصول في كتابه، والذهبي ذكره في الكاشف، وقال: إبراهيم بن يزيد التيمي العابد عن عائشة مرسلا، وعن أنس وعمرو بن ميمون، وعنه الأعمش ومسلم البطين.(١) وهذا يوافق ما ذكره عن أبي داود: هذا مرسل، وإبراهيم التيمي لم يسمع من عائشة.(٢)

والمراد بالمرسل ههنا المنقطع، وفيه ثلاث اصطلاحات: الأول وهو المشهور: قول التابعي: قال رسول الله ﷺ، والثاني: قول التابعي الكبير ذلك، والثالث: المنقطع الساقط من إسناده واحد أو أكثر، هذا.

وقد استدل بعض مشائخنا على أن لمس امرأة غير نافض الوضوء بما في الصحيحين، عن عائشة [زوج النبي ﷺ]، أنها قالت: كنت أنام بين يدي رسول الله ﷺ ورجلاي، في قبلته فإذا سجد غمزني، فقبضت رجلي، فإذا قام بسطتهما.(٣)

وهذا حجة على من أطلق المراد من الأجنبية وغيرها، ومن وجود الحائل وعدمه، وقد استدلوا أيضا بلمس عائشة قدميه ﷺ لما فقدته ليلا وهما منصوبتان في السجود ولم يقطع صلاته. وكذلك ذكر في "جامع الأصول" عن زيد بن خالد: سأل عثمان بن عفان، فقال: أرأيت إذا جامع الرجل امرأته ولم يمن؟ فقال عثمان: يتوضأ كما يتوضأ للصلاة ويغسل ذكره، وقال عثمان: سمعته من رسول الله ﷺ، فسألت عن ذلك علي بن أبي طالب، والزبير بن العوام

---

١) الكاشف للذهبي، حرف الألف، ابراهيم بن يزيد التيمي (١/٢٢٧)

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب الوضوء من القبلة (١/٤٥) رقم الحديث: ١٧٨.

٣) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب الصلاة على الفراش (١/٨٦) رقم الحديث: ٣٨٢.
ومسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب الاعتراض بين يدي المصلي (١/٣٦٧) رقم الحديث: ٥١٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

[1]، وطلحة بن عبيد الله، وأبي بن كعب، فأمروه بذلك، قال: وأخبرني أبو سلمة: أن عروة بن الزبير أخبره: أن أبا أيوب أخبره: أنه سمع ذلك من رسول الله ﷺ. هذا لفظ البخاري.

وأما مسلم: فإنه أخرج الحديث إلى قوله: قال عثمان: سمعته من رسول الله ﷺ.[2]

وعن أبي بن كعب ﷺ: أنه قال: يا رسول الله إذا جامع الرجل المرأة فلم ينزل؟ قال: يغسل ما مس المرأة منه، ثم يتوضأ ويصلي. وفي أخرى له[لمسلم] قال: سألت رسول الله ﷺ عن الرجل يصيب من المرأة، ثم يكسل؟ فقال رسول الله ﷺ: يغسل ما أصابه من المرأة، ثم يتوضأ ويصلي.[3] انتهى.

وأقول: لا يذهب عليك إن هذه القصة والسؤال والجواب كان حين كانت الشريعة الماء من الماء ولم يكن الغسل واجبا بلا إنزال، ولما نسخت كان الغسل واجبا بمجرد غيبوبة الحشفة والتقاء الختانين، وناقض الغسل ناقض الوضوء بلا شبهة، ويكون وجوب الوضوء بها بالمباشرة الفاحشة وهي أيضا من نواقض الوضوء لاعنه لمجرد للمس كما هو عنوان المسالة بل المباشرة ههنا أفحش، ولا يصح التمسك بها في بعض مطلق اللمس الذي هو أعم، وقرروا المباشرة الفاحشة: بأن يتجردا معا متعانقين متماسي الفرجين، وعند محمد: لا إلا أن يتيقن خروج المني، قلنا: يندر عدم مذي في هذه الحالة، والغالب كالمتحقق في مقام وجوب الاحتياط، وكذا المباشرة بين الرجل والغلام وكذا بين الرجلين، فوجب الوضوء عليهما، كذا ذكر الشيخ ابن الهمام، فتدبر.[4]

---

١) الزبير بن العوام: هو أبو عبد الله الزبير بن العوام بن خويلد بن أسد بن عبد العزى بن قصي بن كلاب القرشي الأسدي، أحد العشرة المشهود لهم بالجنة، وأمه صفية بنت عبد المطلب عمة النبي ﷺ أسلمت، قتل سنة ست وثلاثين بعد منصرفه من وقعة الجمل. [تقريب التهذيب: ٢١٤، رقم الترجمة: ٢٠٠٣. تهذيب التهذيب: ٣/٣١٨-٣١٩، رقم الترجمة: ٥٩٢.]

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الغسل، باب غسل ما يصيب من فرج المرأة (١/٦٦) رقم الحديث: ٢٩٢. ومسلم في "صحيحه" كتاب الحيض، باب إنما الماء من الماء (١/٢٧٠) رقم الحديث: ٣٤٧. وابن الأثير في "جامع الأصول" حرف الطاء، الكتاب الأول في الطهارة، الباب الرابع في الوضوء، الفصل الثاني في الأحداث الناقضة للوضوء، الفرع الثاني في لمس المرأة والفرج، النوع الأول في لمس المرأة (٧/٢٠٥) رقم الحديث: ٥٢٣٠.

٣) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الغسل، باب غسل ما يصيب من فرج المرأة (١/٦٦) رقم الحديث: ٢٩٣. ومسلم في "صحيحه" كتاب الحيض، باب إنما الماء من الماء (١/٢٧٠) رقم الحديث: ٣٤٦.

٤) فتح القدير: ١/٥٤.

toobaa-elibrary.blogspot.com

تنبيه

اعلم أن الأحاديث والأخبار في النقض بلمس الذكر والمرأة متوازية متعارضة في الجانبين، وكانت هاتان المسئلتان مختلفا فيهما في الصحابة والتابعين. غاية الأمر أن يرجح جانب عدم النقض بشيء من المرجحات بالكثرة والقوة، كما وقعت الإشارة إليه في ضمن البيان، فالأولى أن يسلك هنا طريق الاحتياط والإنصاف وقد وصى الناصحون بالجمع فيما يمكن والتحذر عن كدر التعصب والاعتساف والله أعلم.

ومنها النوم والجنون والاغماء والسكر

وجعل بعضهم الناقض زوال العقل شاملا للكل، وهذا متفق عليه بين الأئمة غير أن في النوم تفصيلا ليس ناقضا على الاطلاق.

فأكثر الأحاديث دالة على أن النوم قاعدا لا ينقض، روى الطبراني في الأوسط عن عمرو بن شعيب، عن أبيه، عن جده قال: قال رسول الله ﷺ: من نام وهو جالس فلا وضوء عليه، فإذا وضع جنبه فعليه الوضوء. رواه الطبراني في الأوسط.[1]

وقال قتادة [2]: قال أنس: كان أصحاب رسول الله ﷺ ينامون، ثم يصلون، ولا يتوضأون، قال: قلت: أسمعته من أنس؟ قال: إي والله. أخرجه مسلم. وأخرجه الترمذي إلى قوله: يتوضؤون. وفي رواية أبي داود: كانوا ينتظرون العشاء الآخرة حتى تخفق رؤوسهم، ثم يصلون ولا يتوضؤون.[3]

وعن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما: كان ينام جالسا ثم يصلي ولا يتوضأ. أخرجه الموطأ.[4]

---

١) أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط" باب الميم، من اسمه محمد (١٥٢/٦) رقم الحديث: ٦٠٦٠.

٢) قتادة: هو أبو الخطاب قتادة بن دعامة -بكسر مهملة وخفة عين مهملة- بن قتادة السدوسي البصري، ثقة ثبت، يقال: ولد أكمه، وهو رأس الطبقة الرابعة، مات سنة بضع عشرة ومائة. [تقريب التهذيب: ٤٥٣، رقم الترجمة: ٥٥١٨. تهذيب التهذيب: ٣٥١/٨-٣٥٦، رقم الترجمة: ٦٣٧.]

٣) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الحيض، باب الدليل على أن النوم الجالس لا ينقض الوضوء (٢٧٤/١) رقم الحديث: ٣٧٦. وأبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب في الوضوء من النوم (٥١/١) رقم الحديث: ٢٠٠. والترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب الوضوء من النوم (١١٣/١) رقم الحديث: ٧٨.

٤) أخرجه مالك في "الموطأ" كتاب الطهارة، باب الوضوء النائم إذا قام إلى الصلاة (٢٢/١) رقم الحديث: ١٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن عبد الله بن عباس رضي الله عنهما: أنه رأى النبي ﷺ نام وهو ساجد، حتى غط أو نفخ ثم قام يصلي، فقلت: يا رسول الله، إنك قد نمت؟ قال: إن الوضوء لا يجب إلا على من نام مضطجعا، فإنه إذا اضطجع استرخت مفاصله. أخرجه الترمذي. وعند أبي داود: أن رسول الله ﷺ كان يسجد، وينام وينفخ، ثم يقوم فيصلي، ولا يتوضأ، فقلت له: صليت ولم تتوضأ وقد نمت؟ فقال: إنما الوضوء على من نام مضطجعا.(١)

وقد روي في الهداية حديثا، وهو قوله ﷺ: لا يجب الوضوء على من نام جالسا أو قائما أو ساجدا حتى يضع جنبه، فإنه إذا وضع جنبه استرخت مفاصله. رواه البيهقي، وقال: تفرد به يزيد بن عبد الرحمن أبو خالد الدالاني.(٢)

وذكر الشيخ ابن الهمام متابعات له، وقال: وإذا تأملت فيما ذكرناه لم ينزل عندك الحديث عن درجة الحسن.

وقال علماؤنا: لا يكون النوم حدثا في حال من أحوال الصلاة إذا وقعت على الوجه المسنون.

وقال في الاستناد: ظاهر المذهب عن أبي حنيفة عدم النقض بهذا الاستناد ما دامت المقعدة متمسكة للأمن من الخروج، والانتقاض هنا مختار الطحاوي، واختاره المصنف والقدوري.

وقال: ولو نام قاعدا فسقط فعن أبي حنيفة إن انتبه قبل أن يصل جنبه الأرض لم ينقض.(٣)

وقال الترمذي: واختلف العلماء في الوضوء من النوم، فرأى أكثرهم: ألا يجب عليه الوضوء إذا نام قاعدا أو قائما حتى ينام مضطجعا، وبه يقول الثوري، وابن المبارك، وأحمد وقال بعضهم: إذا نام حتى غلب على عقله وجب عليه الوضوء، وبه يقول إسحاق، وقال الشافعي: من نام قاعدا فرأى رؤيا أو زالت مقعدته لوسن النوم، فعليه الوضوء.(٤)

---

١) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب الوضوء من النوم (١/١١١) رقم الحديث: ٧٧. وأبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب في الوضوء من النوم (١/٥٢) رقم الحديث: ٢٠٢.

٢) أخرجه البيهقي في "السنن الكبرى" جماع أبواب الحدث، باب ما ورد في نوم الساجد (١/١٩٤) رقم الحديث: ٥٩٨. الهداية، كتاب الطهارة، باب الوضوء، فصل في نواقض الوضوء (١/١٨).

٣) فتح القدير: ١/٤٧-٥٠.

٤) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب الوضوء من النوم (١/١١٣) رقم الحديث: ٧٨.

toobaa-elibrary.blogspot.com

ومن الناس من فرق بين اليسير والكثير، وقالوا: ولا بد في النوم الناقض من الغلبة على العقل، فمن سمع كلام غيره وفهمه فليس بنائم، فإن سمعه ولم يفهمه فيسير.[1]

ولو صلى المريض مضطجعا فنام اختلف المشائخ فيه، والصحيح النقض.[2]

هذه أقوال العلماء مذكورة في كتبهم، وغرضنا متعلق بذكر ما فيه خلاف بين الائمة الأربعة والمذهب ما ذكر في الهداية وشروحه فتدبر.

ومنها: القهقهة في الصلاة

وهذا مذهب أبي حنيفة، ولا ينقض عند الشافعي؛ لأنه ليس بنجس خارج ولهذا لم يكن حدثا في صلاة الجنازة وسجدة التلاوة وخارج الصلاة.

وهذا أحد المواضع التي عمل الإمام أبو حنيفة بالحديث المخالف للقياس وان كان ضعيفا كما مر في جواز التوضي بنبيذ التمر، وان كان حديثه أيضا ضعيفا، وعد ذلك من مجاهدته وقوة اتباعه للسنة على خلاف ما وقع في أذهان بعض الناس انه يعمل بالقياس ويقدمه على الحديث. وهنا كلام طويل ذكرناه في رسالة التعرف في الجمع بين الفقه والتصوف.

وقال الشيخ ابن الهمام: حديث القهقهة روي مرسلا ومسندا. واعترف أهل الحديث بصحته مرسلا، ومدار المرسل على أبي العالية وإن رواه غيره كالحسن البصري [3] وإبراهيم النخعي وغيرهما. قاله عبد الرحمن بن مهدي وأخرج عن حماد بن زيد [4] عن حفص بن

---

١) شرح الزركشي على مختصر الخرقي: ٢٤٠/١.

٢) فتح القدير: ٥١/١.

٣) الحسن البصري: هو الحسن بن أبي الحسن يسار -بالتحتانية والمهملة- البصري الأنصاري مولاهم، ثقة فقيه فاضل مشهور، وكان يرسل كثيرا ويدلس، قال البزار: كان يروي عن جماعة لم يسمع منهم فيتجوز ويقول حدثنا وخطبنا يعني قومه الذين حدثوا وخطبوا بالبصرة، هو رأس أهل الطبقة الثالثة، ولد لسنتين بقيتا من خلافة عمر، ومات سنة عشر ومائة، وقد قارب التسعين. [تقريب التهذيب: ١٦٠، رقم الترجمة: ١٢٢٧. تهذيب التهذيب: ٢٦٣/٢-٢٧٠، رقم الترجمة: ٤٨٨.]

٤) حماد بن زيد: هو أبو إسماعيل حماد بن زيد بن درهم الأزدي -بفتوحة وسكون زاي وإهمال دال منسوب إلى الأزد- الجهضمي البصري، ثقة ثبت فقيه، قيل: إنه كان ضريرا ولعله طرأ عليه لأنه صح أنه كان يكتب، من كبار الثامنة، مات سنة تسع وسبعين، وله إحدى وثمانون سنة. [تقريب التهذيب: ١٧٨، رقم الترجمة: ١٤٩٨. تهذيب التهذيب: ٩/٣-١٠، رقم الترجمة: ١٣. التاريخ الكبير: ١٤٠/٣، رقم الترجمة: ٤٧١.]

toobaa-elibrary.blogspot.com

سليمان قال: أنا حدثت به الحسن عن أبي العالية وعن شريك عن أبي هاشم قال: أنا حدثت به إبراهيم عن أبي العالية، وأنه قرأ في كتاب ابن أخي الزهري عن الزهري عن سليمان بن أرقم عن الحسن اهـ. يعني والحسن يرويه عن أبي العالية، وقد رواه أبو حنيفة عن منصور بن زاذان الواسطي [١] عن الحسن عن معبد بن أبي معبد الخزاعي عنه ﷺ قال: بينما هو في الصلاة إذ أقبل أعمى يريد الصلاة، فوقع في زبية فاستضحك القوم فقهقهوا، فلما انصرف ﷺ. قال: من كان منكم قهقه فليعد الوضوء والصلاة. [٢]

وقيل ومعبد هذا لا صحبة له فهو مرسل أيضا، وفيه نظر، فإن معبدا الذي لا صحبة له هو معبد البصري الجهني كان الحسن يقول فيه: إياكم ومعبدا فإنه ضال مضل، ومعبد هذا هو الخزاعي كما هو مصرح به في مسند أبي حنيفة ولا شك في صحبته، ذكره ابن منده وأبو نعيم في الصحابة.

وروينا له أيضا حديث جابر أنه قال: لما هاجر رسول الله ﷺ وأبو بكر ﷺ مرا بخباء أم معبد، فبعث النبي ﷺ معبدا وكان صغيرا فقال له: ادع هذه الشاة. الحديث، ولو سلم، فإذا صح المرسل، وهو حجة عندنا لم يكن بد من القول بنقض الوضوء به. [٣]

وأبو العالية اسمه رفيع من ثقات التابعين. وأما روايته مسندا فعن عدة من الصحابة أبي موسى الأشعري وأبي هريرة وابن عمر وأنس وجابر وعمران بن الحصين، وأغربها طريق عن أنس رواها أبو القاسم حمزة بن يوسف في تاريخ جرجان قال: حدثنا الإمام أبو بكر أحمد بن

---

١) منصور بن زاذان الواسطي: هو أبو المغيرة منصور بن زاذان -بزاي وذال معجمة- الواسطي الثقفي، ثقة ثبت عابد، من السادسة، مات سنة تسع وعشرين ومائة على الصحيح. [تقريب التهذيب: ٥٤٦، رقم الترجمة ٦٨٩٨. تهذيب التهذيب: ١٠/٣٠٦-٣٠٧، رقم الترجمة: ٥٣٥.]

٢) أخرجه أبو يوسف في "الآثار" باب افتتاح الصلاة (٢٨) رقم الحديث: ١٣٥. ومحمد في "الآثار" باب القهقهة في الصلاة وما يكره فيها (٤٢١/١) رقم الحديث: ١٦٣. والدار قطني في "سننه" كتاب الطهارة، باب أحاديث القهقهة في الصلاة وعللها (٣٠٣/١) رقم الحديث: ٦١٤، ٦١٦، ٦١٧، ٦١٨، ٦١٩، ٦٢٢. وأبو نعيم في "معرفة الصحابة" باب المعبد معبد بن أبي معبد الكعبي الخزاعي (٢٥٢٩/٥).

٣) أبو نعيم في "معرفة الصحابة" باب الميم، معبد بن أبي معبد الكعبي الخزاعي (٢٥٢٩/٥) رقم الحديث. ٦١٢٣. [اللفظ: عن جابر، قال: لما خرج النبي ﷺ، وأبو بكر مهاجرين مرا بخباء أم معبد، فبعث النبي ﷺ معبدا، وكان صغيرا قال: ادع هذه الشاة، ثم قال: يا غلام، هات فرقا، فأرسلت أن لا لبن فيها، فقال النبي ﷺ: هات، فمسح على ظهرها، فاجترت ودرت، ثم حلب وشرب، وسقا أبا بكر، وعامرا، ومعبد بن أبي معبد، ثم رد الشاة.]

toobaa-elibrary.blogspot.com

إبراهيم الإسماعيلي حدثني أبو عمرو محمد بن عمرو بن شهاب بن طارق الأصبهاني، حدثنا أيوب، حدثنا جعفر، حدثنا أحمد بن فورك، حدثنا عبيد الله بن أحمد الأشعري، حدثنا عمار بن يزيد البصري، حدثنا موسى بن هلال حدثنا أنس بن مالك قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من قهقه في الصلاة قهقهة شديدة فعليه الوضوء والصلاة. (١)

وأسلمها حديث ابن عمر رواه ابن عدي في الكامل من حديث عطية بن بقية: حدثنا أبي حدثنا عمرو بن قيس السكوني (٢) عن عطاء عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ من ضحك في الصلاة قهقهة فليعد الوضوء والصلاة. (٣)

وما طعن به من أن بقية مدلس فكأنه سمعه من بعض الضعفاء فحذف اسمه، دفع بأن بقية صرح فيه بالتحديث، والمدلس إذا صرح بالتحديث وكان صدوقا زالت تهمة التدليس، وبقية من هذا القبيل. انتهى كلام الشيخ ابن الهمام. (٤)

ومنها: أكل ما مسته النار

عن أبي طلحة ﷺ أن النبي ﷺ قال: توضؤوا مما أنضجت النار. وفي أخرى: مما غيرت النار. (٥) وقد ورد الأحاديث بالتوضئ منه ومن أكل لحم الإبل.

ولم يذهب إلى ذلك الأئمة سوى ما جاء من أحمد بن حنبل على المختار، وعند عامة أصحابه من وجوب التوضي من اكل لحم الا بل لو رود الامر به لما روي ابن سمرة (٦) أن رجلا سأل النبي ﷺ: أنتوضأ من لحوم الغنم؟ قال: إن شئت فتوضأ، وإن شئت فلا تتوضأ. قال:

---

١) أخرجه أبو القاسم الجرجاني في "تاريخ جرجان" باب حرف الميم، من اسمه محمد (٤٠٦).

٢) عمرو بن قيس السكوني: هو أبو ثور عمرو بن قيس بن ثور بن مازن الكندي الحمصي السكوني، ثقة، من الثالثة، مات سنة أربعين ومائة، وله مائة سنة. [تقريب التهذيب: ٤٢٦، رقم الترجمة: ٥٠٩٩. تهذيب التهذيب: ٨/٩١-٩٢، رقم الترجمة: ١٤٢.]

٣) أخرجه ابن عدي في "الكامل في ضعفاء الرجال" ربيع بن مهران بصري (٤/١٠١).

٤) فتح القدير، كتاب الطهارة، فصل في نواقض الوضوء (١/٥١- ٥٢)

٥) أخرجه النسائي في "سننه" كتاب الطهارة، باب الوضوء مما غيرت النار (١/١٠٦) رقم الحديث: ١٧٦، ١٧٧، ١٧٨.

٦) ابن سمرة: هو جابر بن سمرة بن جنادة -بضم الجيم بعدها نون- السوائي -بضم المهملة والمد-، صحابي ابن صحابي، نزل الكوفة، ومات بها بعد سنة سبعين. [تقريب التهذيب: ١٣٦، رقم الترجمة: ٨٦٧.]

toobaa-elibrary.blogspot.com

أنتوضأ من لحوم الإبل؟ قال: نعم توضئوا من لحوم الإبل، الحديث. رواه أحمد ومسلم، وقال ابن خزيمة: لم نر خلافا بين علماء الحديث أن هذا الخبر صحيح، لعدالة ناقليه. (١)

وعن البراء بن عازب قال: سئل رسول الله ﷺ عن الوضوء من لحوم الإبل، فقال: توضئوا منها. وسئل عن لحوم الغنم، فقال: لا تتوضئوا منها. وسئل عن الصلاة في مبارك الإبل، فقال: لا تصلوا فيها، فإنها من الشياطين. وسئل عن الصلاة في مرابض الغنم، فقال: صلوا فيها، فإنها بركة. رواه أحمد وأبو داود، والترمذي، وصححه. (٢)

وظاهر الأمر الوجوب، والوضوء إذا أطلقه الشارع حمل على الشرعي، لا سيما وقد قرنه بالصلاة، وفرق بينه وبين لحم الغنم، مع مطلوبية الوضوء اللغوي فيه، وهو غسل اليد والفم. وكذا فهم جابر راوي الحديث وغيره الوضوء الشرعي فقال: كنا نتمضمض من ألبان الإبل، ولا نتمضمض من ألبان الغنم، وكنا نتوضأ من لحوم الإبل، ولا نتوضأ من لحوم الغنم، ذكره البيهقي في السنن. (٣)

وقال: أمرنا رسول الله ﷺ أن نتوضأ من لحوم الإبل، ولا نتوضأ من لحوم الغنم. رواه ابن ماجه، وله نحوه عن ابن عمر. (٤)

وكذا لأحمد من حديث أسيد بن الحضير (٥) والمعنى في ذلك إن قيل: [إنه] معلل ما أشار إليه النبي ﷺ بأنها من الشياطين، إذ كل عات متمرد شيطان، فالكلب الأسود شيطان

---

١) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الحيض، باب الوضوء من لحوم الإبل (١/٢٧٥) رقم الحديث: ٣٦٠. وأحمد في "مسنده" مسند البصريين، حديث جابر بن سمرة (٣٤/٤٠٧) رقم الحديث: ٢٠٨١١، (٣٤/٤٤٣) رقم الحديث: ٢٠٨٦٨، (٣٤/٤٤٨) رقم الحديث: ٢٠٨٧٧، (٣٤/٤٦٣) رقم الحديث: ٢٠٩٠٩، وابن خزيمة في "صحيحه" كتاب الوضوء، باب الأمر بالوضوء من أكل لحوم الإبل (١/٢١) رقم الحديث: ٣١.

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب الوضوء من لحوم الإبل (١/٤٧) رقم الحديث: ١٨٤. والترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب الوضوء من لحوم الإبل (١/١٢٢) رقم الحديث: ٨١. وأحمد في "مسنده" مسند الكوفيين، حديث البراء بن عازب (٣٠/٥٠٩) رقم الحديث: ١٨٥٣٨.

٣) أخرجه البيهقي في "السنن الكبرى" جماع أبواب الحدث، باب التوضي من لحوم الإبل (١/٢٤٤) رقم الحديث: ٧٣٧.

٤) أخرجه ابن ماجه في "سننه" كتاب الطهارة وسننها، باب ما جاء في الوضوء من لحوم الإبل (١/١٦٦) رقم الحديث: ٤٩٥، ٤٩٧.

٥) أسيد بن الحضير: هو أبو يحيى أسيد –بالضم– بن حضير –بضم المهملة وفتح الضاد المعجمة– بن سماك بن عتيك الأنصاري الأشهلي، صحابي جليل، مات سنة عشرين أو إحدى وعشرين. [تقريب التهذيب: ١١٢، رقم الترجمة: ٥١٧. تهذيب التهذيب: ١/٣٤٧، رقم الترجمة: ٦٣٣.]

toobaa-elibrary.blogspot.com

الكلاب، والإبل شياطين الأنعام. وفي الحديث على ذروة كل بعير شيطان.[1] والأكل منها يورث حالا شيطانية والشيطان من نار والماء يطفئها.[2]

هذا والجمهور على أن ما كان من التوضي مما مسته النار ومن أكل لحوم الإبل كان في ابتداء الأمر ثم نسخ لقول جابر ﷺ في الصحيح: كان آخر الأمرين من رسول الله ﷺ ترك الوضوء مما مست النار.[3] وقد جاءت عن أحمد رواية أخرى: لا ينقض مطلقا. ذكر هذا كله في شرح كتاب الخرقي في مذهب الإمام أحمد.[4]

والأحاديث والآثار الواردة في هذا الباب أعني أكل المطبوخ بالنار من الخبز واللحم والشوى والعرق والثريد وبطن الشاة وعلالتها والسويق ونحوها وعدم التوضأ بعده كثيرة جدا مذكورة في جامع الأصول من الكتب الستة، وأحاديث التوضي أيضا كثيرة متعددة.

وقد ورد أنه لما روى أبو هريرة حديث التوضي مما مسته النار، قال ابن عباس: أتوضأ من طعام أجده في كتاب الله حلالا، لأن النار مسته، فجمع أبو هريرة حصى، فقال: أشهد عدد هذا الحصى: أن رسول الله ﷺ قال: توضئوا مما مست النار.

وفي رواية، قال: الوضوء مما مست النار، ولو من أثوار أقط، فقال له ابن عباس: أنتوضأ من الدهن؟ أنتوضأ من الحميم؟ فقال أبو هريرة: يا ابن أخي، إذا سمعت حديثا عن رسول الله ﷺ فلا تضرب له مثلا.[5]

---

١) أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الدعاء، باب في الرجل يركب الدابة، والبعير ما يدعو به (٦/٩١) رقم الحديث: ٢٩٧٢٢، ٢٩٧٢٣. والدارمي في "سننه" كتاب الاستئذان، باب ما جاء أن على كل ذروة بعير شيطانا (٣/١٧٤٥) رقم الحديث: ٢٧٠٩. وابن خزيمة في "صحيحه" كتاب المناسك، باب الدليل على أن النبي ﷺ إنما أباح العمل (٤/١٤٣) رقم الحديث: ٢٥٤٧.
٢) أخرجه النسائي في "سننه" كتاب الطهارة، باب ترك الوضوء مما غيرت النار (١/١٠٨) رقم الحديث: ١٨٥.
٣) أخرجه النسائي في "سننه" كتاب الطهارة، باب ترك الوضوء مما غيرت النار (١/١٠٨) رقم الحديث: ١٨٥.
٤) الزركشي، شرح الزركشي على مختصر الخرقي، كتاب الطهارة، باب ما ينقض الطهارة (١/٢٥٧-٢٦١)
٥) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الحيض. باب الوضوء مما مست النار (١/٢٧٢) رقم الحديث: ٣٥٢. والترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب الوضوء مما غيرت النار (١/١١٤) رقم الحديث: ٧٩. والنسائي في "سننه" كتاب الطهارة، باب الوضوء مما غيرت النار (١/١٠٥) رقم الحديث: ١٧١، ١٧٢، ١٧٣، ١٧٤، ١٧٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن جعفر بن برقان قال: كان أبو هريرة يتوضأ مما مست النار، فبلغ ذلك ابن عباس، فأرسل إليه قال: أرأيت إن أخذت دهنة طيبة فدهنت بها لحيتي، أكنت متوضئا؟ فقال أبو هريرة: يا ابن أخي إذا حدثت بالحديث، عن رسول الله ﷺ، فلا تضرب له الأمثال جدلا.[1]

وذكر في كتاب الخرقي من نواقض الوضوء:[2] الردة؛ وهو ظاهر إذا الكفر يحبط الأعمال جميعا. وغسل الميت؛ يعني من غسل ميتا فعليه الوضوء، وسيجيئ ذكره في باب الغسل المسنون. ووجود الماء للمتيمم، ومضى مدة مسح الخف، واسبال الإزار، وسيجيئ في مواضعها. وقد يعلم من حديث ابي هريرة ان اسبال الا زار ينقض الوضوء، وسيجيئ.

وروي في الجامع عن أبي عمرو الشيباني، أو غيره، أن عليا، استتاب المستورد العجلي وهو يريد الصلاة وقال: إني أستعين بالله عليك. فقال: وأنا أستعين المسيح عليك قال: فأهوى علي بيده إلى عنقه فإذا هو بصليب فقطعها، فلما دخل في الصلاة قدم رجلا وذهب، ثم أخبر الناس أنه لم يحدث ذلك بحدث أحدثه لكنه مس هذه الأنجاس فأحب أن يحدث منها وضوءا.[3] وهذه من مستحبات الوضوء، والمقصود ذكر الواجب منه فتدبر.

---

١) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الطهارة، باب ما جاء فيما مست النار من الشفة (١/١٧٤) رقم الحديث: ٦٧٢.

٢) مختصر الخرقي: ١٤.

٣) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الطهارة، باب مس الصليب (١/١٢٥) رقم الحديث: ٤٦١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب الغسل[1]

والكلام فيه في فصول

الفصل الأول في غسل الجنابة

عن أبي موسى الأشعري ﷺ: أنهم كانوا جلوسا، فذكروا ما يوجب الغسل، فاختلف في ذلك رهط من المهاجرين والأنصار، فقال الأنصاريون: لا يجب الغسل إلا من الدفق، أو من الماء، وقال المهاجرون: بل إذا خالط فقد وجب الغسل، قال أبو موسى: فأنا أشفيكم من ذلك، قال: فقمت فاستأذنت على عائشة، فأذن لي، فقلت لها: يا أماه -أو يا أم المؤمنين- إني أريد أن أسألك عن شيء، وإني أستحييك؟ فقالت: لا تستحيي أن تسألني عما كنت سائلا عنه أمك التي ولدتك، [فإنما أنا أمك]، قلت: فما يوجب الغسل؟ قالت: على الخبير سقطت، قال رسول الله ﷺ: إذا جلس بين شعبها الأربع، ومس الختان الختان، فقد وجب الغسل. فعلته أنا ورسول الله ﷺ فاغتسلنا. أخرجه مسلم.[2]

وفي رواية المسلم: أن رجلا سأل رسول الله ﷺ عن الرجل يجامع أهله ثم يكسل، هل عليهما الغسل؟ وعائشة جالسة. فقال النبي ﷺ: إني لأفعل ذلك أنا وهذه، ثم نغتسل.[3]

وفي رواية الموطأ: إذا جاوز الختان الختان، فقد وجب الغسل. وفي موضع: إذا مس الختان الختان فقد وجب الغسل.[4] وفي رواية: ثم ألزق الختان بالختان.[5] وفي رواية الترمذي مختصرا: أن عائشة قالت: إذا جاوز الختان الختان، وجب الغسل.[1]

---

١) أي باب في أحكام الغسل، والغسل بالفتح مصدر بمعنى إسالة الماء، وبالضم اسم للمصدر أي اسم للغسل المخصوص للتطهير عن الجنابة. [الأعظمي]

٢) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الحيض، باب النسخ الماء من الماء ووجوب الغسل بالتقاء الختانين (١/٢٧١) رقم الحديث: ٣٤٩.

٣) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الحيض، باب النسخ الماء من الماء، ووجوب الغسل بالتقاء الختانين (١/٢٧٢) رقم الحديث: ٣٥٠.

٤) أخرجه مالك في "الموطأ" كتاب الطهارة، باب واجب الغسل إذا التقى الختانان (١/٤٦) رقم الحديث: ٧١، ٧٢، ٧٣.

٥) أخرجه أحمد في "مسنده" مسند النساء، مسند الصديقة عائشة (٤٠/٢٥٠) رقم الحديث: ٢٤٢٠٦.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أبي سعيد الخدري ﷺ قال: خرجت مع رسول الله ﷺ يوم الاثنين إلى قباء، حتى إذا كنا في بني سالم، وقف رسول الله ﷺ على باب عتبان [بن مالك] فصرخ به، فخرج يجر إزاره، فقال رسول الله ﷺ: أعجلنا الرجل، فقال عتبان: يا رسول الله، أرأيت الرجل يعجل عن امرأته، ولم يمن، ماذا عليه؟ قال رسول الله ﷺ: إنما الماء من الماء. أخرجه مسلم، وللبخاري نحوه.(٢)

وعن أبي بن كعب ﷺ قال: إنما كان الماء من الماء رخصة في أول الإسلام، ثم نهي عنه. أخرجه الترمذي. وروى أبو داود نحوه.(٣)

وعن أم سلمة ﷺ: أن أم سليم(٤) -وهي امرأة أبي طلحة- قالت: يا رسول الله، إن الله لا يستحيي من الحق، فهل على المرأة الغسل إذا احتلمت؟ قال: نعم، إذا رأت الماء، فقالت أم سلمة: أو تحتلم المرأة؟ فقال: تربت يداك، فبم يشبهها ولدها؟ وزاد في رواية: قالت: فضحت النساء. ولها روايات رواه الستة. وفي أخرى: فغطت أم سلمة -يعني: وجهها. وفي أخرى: فضحكت أم سلمة. وفي رواية الترمذي: فضحت النساء يا أم سليم. وأخرج النسائي: إن امرأة قالت: يا رسول الله، ولم يسم أم سليم.(٥)

---

١) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة. باب ما جاء إذا التقى الختانان وجب الغسل (١/١٨٠) رقم الحديث: ١٠٨.

٢) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الحيض، باب إنما الماء من الماء (١/٢٦٩) رقم الحديث: ٣٤٣. والبخاري في "صحيحه" كتاب الوضوء، باب من لم ير الوضوء إلا من المخرجين: من القبل والدبر (١/٤٧) رقم الحديث: ١٨٠.

٣) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب ما جاء أن الماء من الماء (١/١٨٣) رقم الحديث: ١١٠. وأبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب في الإكسال (١/٥٥) رقم الحديث: ٢١٤، ٢١٥.

٤) أم سليم: هي أم سليم بنت ملحان -بكسر الميم وسكون اللام وبالحاء المهملة- بن خالد الأنصارية، والدة أنس ابن مالك، يقال: اسمها سهلة أو رميلة أو رميثة أو مليكة أو انيسة [انيفة]، وهي الغميصاء أو الرميصاء، اشتهرت بكنيتها، وكانت من الصحابيات الفاضلات، ماتت في خلافة عثمان. [تقريب التهذيب: ٧٥٧، رقم الترجمة: ٨٧٣٧. تهذيب التهذيب: ٤٧١/١٢، رقم الترجمة: ٢٩٥٣.]

٥) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب العلم، باب الحياء في العلم (١/٣٨) رقم الحديث: ١٣٠، كتاب الغسل، باب إذا احتلمت المرأة (١/٦٤) رقم الحديث: ٢٨٢، كتاب أحاديث الأنبياء، باب خلق آدم صلوات الله وذريته (٤/١٣٢) رقم الحديث: ٣٣٢٨، كتاب الأدب، باب التبسم والضحك (٨/٢٤) رقم الحديث: ٦٠٩١، باب ما لا يستحيا من الحق للتفقه في الدين (٨/٢٩) رقم الحديث: ٦١٢١. ومسلم في "صحيحه" كتاب الحيض، باب وجوب الغسل على المرأة بخروج المني منها (١/٢٥١) رقم الحديث: ٣١٣. وأبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب في المرأة ترى ما يرى الرجل (١/٦١) رقم الحديث: ٢٣٧. والترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب ما جاء في المرأة ترى في المنام مثل ما يرى الرجل (١/٢٠٩) رقم الحديث: ١٢٢. والنسائي في "سننه"

toobaa-elibrary.blogspot.com

وفي رواية عائشة مكان أم سلمة، قالت: فقلت لها أترى المرأة ذلك؟ وفي رواية: إذا علا ماؤها ماء الرجل، أشبه الولد أخواله، وإذا علا ماء الرجل ماءها أشبه أعمامه. [1]

وعن عبد العزيز بن رفيع [2] عن أبي سلمة بن عبد الرحمن عن عبد الرحمن ومجاهد وعطاء قالوا: دخلت أم سليم على رسول الله ﷺ فقالت: يا رسول الله ترى في منامها كما يرى الرجل أفيجب عليها الغسل؟ قال: هل تجد شهوة؟ قالت: لعله قال: وهل تجد بللا؟ قالت: لعله قال: فلتغتسل، فلقيها نسوة فقلن لها يا أم سليم فضحتنا عند رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ قالت: ما كنت أنتهي حتى أعلم أني حلال أنا أم في حرام. رواه سعيد بن منصور في سننه. [3]

وعن علي في الرجل يخرج منه الشيء بعد الغسل؟ قال: إن كان بال قبل الغسل توضأ، وإن لم يكن بال أعاد الغسل. [4]

وعنه: ما أوجب الحد أوجب الغسل. رواهما سعيد بن منصور. [5]

وعن مجاهد قال: اختلف المهاجرون والأنصار فيما يوجب الغسل فقالت الأنصار: الماء من الماء، وقالت المهاجرون: إذا مس الختان الختان وجب الغسل فحكموا بينهم علي بن أبي طالب فاختصموا إليه فقال علي: أرأيتم؟ لو رأيتم رجلا يدخل ويخرج أيجب عليه الحد؟

كتاب الطهارة، باب غسل المرأة ترى في منامها ما يرى الرجل (١/١١٤) رقم الحديث: ١٩٧. وابن ماجه في "سننه" كتاب الطهارة وسننها، باب في المرأة ترى في منامها ما يرى الرجل (١/١٩٧) رقم الحديث: ٦٠٠.

١) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الحيض، باب وجوب الغسل على المرأة بخروج المني منها (١/٢٥١) رقم الحديث: ٣١٤.

٢) عبد العزيز بن رفيع: هو أبو عبد الله عبد العزيز بن رفيع –بفاء مصغر– الأسدي المكي، نزيل الكوفة، ثقة، من الرابعة، مات سنة ثلاثين ومائة، ويقال: بعدها، وقد جاوز التسعين. [تقريب التهذيب: ٣٥٧، رقم الترجمة: ٤٠٩٥. تهذيب التهذيب: ٦/٣٣٧-٣٣٨، رقم الترجمة: ٦٥٢]

٣) أخرجه سعيد بن منصور في "سننه" كما في "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأفعال، باب موجبات الغسل وآدابه ودخول الحمام، موجب الغسل (٩/٥٤٢) رقم الحديث: ٢٧٣٣٥.

٤) أخرجه سعيد بن منصور في "سننه" كما في "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأفعال، باب موجبات الغسل وآدابه ودخول الحمام، موجب الغسل (٩/٥٤٣) رقم الحديث: ٢٧٣٣٦.

٥) أخرجه سعيد بن منصور في "سننه" كما في "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأفعال، باب موجبات الغسل وآدابه ودخول الحمام، موجب الغسل (٩/٥٤٣) رقم الحديث: ٢٧٣٣٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

قالوا: نعم قال: فيوجب الحد ولا يوجب الغسل صاعا من ماء فقضى للمهاجرين فبلغ ذلك عائشة فقالت: ربما فعلنا ذلك أنا ورسول الله ﷺ فقمنا واغتسلنا. رواه عبد الرزاق.(1)

الفصل الثاني [في كيفية الغسل(2)]

قد جاءت الأحاديث في هذا الباب من الكتب الستة مع تعدد الروايات والاختلافات فيها زيادة ونقصان، فمنها ما جاء في الصحيحين:

عن عائشة، قالت: كان رسول الله ﷺ إذا اغتسل من الجنابة يبدأ فيغسل يديه. ثم يفرغ بيمينه على شماله فيغسل فرجه. ثم يتوضأ وضوءه للصلاة. ثم يأخذ الماء فيدخل أصابعه في أصول الشعر. حتى إذا رأى أن قد استبرأ حفن على رأسه ثلاث حفنات. ثم أفاض على سائر جسده. ثم غسل رجليه.

وفي رواية: إذا اغتسل بدأ بيمينه، فصب عليها من الماء، فغسلها، ثم صب الماء على الأذى الذي به بيمينه، وغسل عنه بشماله، حتى إذا فرغ من ذلك صب على رأسه.

وفي أخرى: كان رسول الله ﷺ إذا اغتسل من الجنابة، دعا بشيء نحو الحلاب فأخذ بكفه، بدأ بشق رأسه الأيمن، ثم الأيسر، ثم أخذ بكفيه، فقال بهما على رأسه.(3)

وفي رواية النسائي: أن رسول الله ﷺ كان إذا اغتسل من الجنابة وضع له الإناء، فيصب على يديه قبل أن يدخلهما الإناء، حتى إذا غسل يديه أدخل يده اليمنى في الإناء، ثم صب باليمنى وغسل فرجه باليسرى، حتى إذا فرغ صب باليمنى على اليسرى فغسلهما، ثم تمضمض واستنشق ثلاثا، ثم يصب على رأسه ملء كفيه ثلاث مرات، ثم يفيض على جسده.

---

1) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الطهارة، باب ما يوجب الغسل (١/٢٤٩) رقم الحديث: ٩٥٥.

2) جامع الأصول لابن الأثير: ٧/٢٧٩.

3) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الغسل، باب الوضوء قبل الغسل (١/٥٩) رقم الحديث: ٢٤٨، باب من بدأ بالحلاب أو الطيب عند الغسل (١/٦٠) رقم الحديث: ٢٥٨، باب تخليل الشعر، حتى إذا ظن أنه قد أروى بشرته أفاض عليه (١/٦٣) رقم الحديث: ٢٧٢. ومسلم في "صحيحه" كتاب الحيض، باب صفة غسل الجنابة (١/٢٥٣) رقم الحديث: ٣١٦، (١/٢٥٥) رقم الحديث: ٣١٨.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وفي أخرى له: كان رسول الله ﷺ يفرغ على يديه ثلاثا، ثم يغسل فرجه، ثم يغسل يديه، ثم يمضمض ويستنشق، ثم يفرغ على رأسه ثلاثا، ثم يفيض على سائر جسده.[1]

وفي رواية الترمذي: قالت: كان رسول الله ﷺ إذا أراد أن يغتسل من الجنابة: بدأ فغسل يديه قبل أن يدخلهما الإناء، ثم غسل فرجه، ويتوضأ وضوءه للصلاة، ثم يشرب شعره الماء، ثم يحثي على رأسه ثلاث حثيات.[2]

وفي رواية: فغسل يديه، ثم صب بيمينه على شماله، فغسل فرجه بيده ثم دلك بها الحائط أو الأرض ثم توضأ وضوئه للصلاة غير رجليه، ثم أفاض على جسده الماء، ثم تنحى، فغسل قدميه.

وفي رواية: فغسل فرجه وما أصابه، ثم دلك بها الحائط، ثم غسلها، ثم توضأ، فلما فرغ من غسله، غسل رجليه.[3]

وعن ميمونة[4]، قالت: وضعت للنبي ﷺ ماء يغتسل به، فأفرغ على يديه، فغسلهما مرتين أو ثلاثا، ثم أفرغ بيمينه على شماله، فغسل مذاكيره، ثم دلك يده بالأرض. وفي أخرى: فناولته خرقة، فقال بيده هكذا، ولم يردها. وفي أخرى: فناولته ثوبا، فلم يأخذه، وانطلق وهو ينفض يديه. وفي أخرى: أتي بمنديل، فلم يمسه، وجعل يقول هكذا يعني ينفضه بيده. أخرجه البخاري ومسلم.[5]

---

١) أخرجه النسائي في "سننه" كتاب الطهارة، باب غسل الجنب يديه قبل أن يدخلها الإناء (١/١٣٢) رقم الحديث: ٢٤٣، باب ذكر عدد غسل اليدين قبل إدخالهما الإناء (١/١٣٣) رقم الحديث: ٢٤٤.

٢) أخرجه الترمذي "جامعه" أبواب الطهارة، باب ما جاء في الغسل من الجنابة (١/١٧٤) رقم الحديث: ١٠٤.

٣) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الغسل، باب التستر في الغسل عند الناس (١/٦٤) رقم الحديث: ٢٨١.

٤) ميمونة: هي أم المؤمنين ميمونة بنت الحارث الهلالية زوج النبي ﷺ، قيل: وكان اسمها برة فسماها النبي ﷺ ميمونة، كانت تحت مسعود بن عمرو الثقفي في الجاهلية ففارقها، وتزوجها أبو رهم وتوفي عنها، فتزوجها النبي ﷺ في ذي القعدة سنة سبع في عمرة القضاء بـ "سرف" على عشرة أميال من مكة، وماتت بها ودفنت سنة إحدى وخمسين على الصحيح. [تقريب التهذيب: ٧٥٣، رقم الترجمة: ٨٦٨٨. تهذيب التهذيب: ١٢/٤٥٣، رقم الترجمة: ٢٨٩٨.]

٥) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الغسل، باب الوضوء قبل الغسل (١/٥٩) رقم الحديث: ٢٤٩، باب الغسل مرة واحدة (١/٦٠) رقم الحديث: ٢٥٧، باب المضمضة والاستنشاق في الجنابة (١/٦١) رقم الحديث: ٢٥٩، باب مسح اليد بالتراب لتكون أنقى (١/٦١) رقم الحديث: ٢٦٠، باب تفريق الغسل والوضوء (١/٦١) رقم الحديث: ٢٦٥، باب من أفرغ بيمينه على شماله في الغسل (١/٦٢) رقم الحديث: ٢٦٦، باب من توضأ في الجنابة، ثم غسل سائر جسده، ولم يعد غسل مواضع الوضوء مرة أخرى (١/٦٣) رقم الحديث: ٢٧٤، باب نفض اليدين من الغسل عن الجنابة (١/٦٣) رقم الحديث: ٢٧٦، باب التستر في الغسل عند

toobaa-elibrary.blogspot.com

وفي رواية أبي داود: فناولته المنديل، فلم يأخذه، وجعل ينفض الماء عن جسده. فذكرت ذلك لإبراهيم، فقال: كانوا لا يرون بالمنديل بأسا، ولكن كانوا يكرهون العادة. وفي رواية [النسائي]: ثم غسل سائر جسده، ثم تنحى عن مقامه فغسل رجليه، قالت: ثم أتيته بالمنديل فرده[١]

وفي حديث أم سلمة ﵂ قالت: قلت: يا رسول الله، إني امرأة أشد ضفر رأسي، أفأنقضه لغسل الجنابة؟ قال: لا، إنما يكفيك أن تحثي على رأسك ثلاث حثيات، ثم تفيضين عليه الماء فتطهرين. وفي رواية أخرى: أفأنقضه للحيضة وللجنابة؟ قال: لا. أخرجه مسلم والترمذي وأبو داود.[٢]

وفي رواية: قالت[٣]: يا عجبا لابن عمرو هذا! يأمر النساء إذا اغتسلن أن ينقضن رؤوسهن، أفلا يأمرهن أن يحلقن رؤوسهن؟ لقد كنت أغتسل [أنا] ورسول الله ﷺ من إناء واحد، ولا أزيد على أن أفرغ على رأسي ثلاث إفراغات. أخرجه مسلم.[٤]

وعن عائشة ﵂: أن رسول الله ﷺ كان لا يتوضأ بعد الغسل. أخرجه الترمذي والنسائي. وعند أبي داود: كان رسول الله ﷺ يغتسل ويصلي الركعتين، وصلاة الغداة، ولا أراه يحدث وضوءا بعد الغسل.[٥]

الناس (١/٦٤) رقم الحديث. ٢٨١. ومسلم في "صحيحه" كتاب الحيض، باب صفة غسل الجنابة (١/٢٥٤) رقم الحديث: ٣١٧، باب تستر المغتسل بثوب ونحوه (١/٢٦٦) رقم الحديث: ٣٣٧.

١) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب في الغسل من الجنابة، (١/٦٤) رقم الحديث: ٢٤٥. والنسائي في "سننه" كتاب الطهارة، باب غسل الرجلين في غير المكان الذي يغتسل فيه (١/١٣٧) رقم الحديث: ٢٥٣.

٢) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الحيض، باب حكم ضفائر المغتسلة (١/٢٥٩) رقم الحديث: ٣٣٠. وأبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب في المرأة هل تنقض شعرها عند الغسل (١/٦٥) رقم الحديث: ٢٥١. والترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب هل تنقض المرأة شعرها عند الغسل؟ (١/١٧٥) رقم الحديث: ١٠٥. والنسائي في "سننه" كتاب الطهارة، باب ذكر ترك المرأة نقض ضفر رأسها عند اغتسالها (١/١٣١) رقم الحديث: ٢٤١.

٣) أم المؤمنين عائشة ﵂.

٤) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الحيض، باب حكم ضفائر المغتسلة (١/٢٦٠) رقم الحديث: ٣٣١.

٥) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب في الوضوء بعد الغسل (١/١٧٩) رقم الحديث: ١٠٧. والنسائي في "سننه" كتاب الطهارة، باب ترك الوضوء من بعد الغسل (١/١٣٧) رقم الحديث: ٢٥٢، كتاب الغسل والتيمم، باب ترك الوضوء بعد الغسل (١/٢٠٩) رقم الحديث: ٤٣٠. وأبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب في الوضوء بعد الغسل (١/٦٥) رقم الحديث: ٢٥٠.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعنها، قالت: دخلت أسماء على رسول الله ﷺ، فقالت: كيف تغتسل إحدانا إذا طهرت من المحيض؟ فقال: تأخذ سدرها وماءها فتوضأ، ثم تغسل رأسها، وتدلكه حتى يبلغ الماء أصول شعرها، ثم تفيض على جسدها، ثم تأخذ فرصتها فتطهر بها، فقالت: يا رسول الله، كيف أتطهر بها؟ قالت عائشة: فعرفت الذي يكني عنه النبي ﷺ، فقلت لها: تتبعين آثار الدم. أخرجه البخاري ومسلم.(١)

وعن أبي السمح رضي الله عنه قال: كنت أخدم النبي ﷺ، فكان إذا أراد أن يغتسل قال: ولني، فأوليه قفاي، فأستره به. أخرجه النسائي.(٢)

وعن ابن عباس، قال: قال رسول الله ﷺ: فإذا اغتسل أحدكم بالعراء فليستتر بثوبه أو بجذمة حائط أو ببعيره. رواه البزار.(٣)

وعن ابن مسعود قال: قال رسول الله ﷺ: لا يغتسلن أحدكم بأرض فلاة، ولا فوق سطح لا يواريه، فإن لم يكن يرى، فإنه يرى. رواه ابن ماجة.(٤)

وعن جابر، قال: قال رسول الله ﷺ: لا تدخلوا الماء إلا بمئزر فإن للماء عينين. رواه الديلمي.(٥)

وعن أبي هريرة، قال: قال رسول الله ﷺ: لا يغتسل أحدكم في الماء الدائم وهو جنب. رواه مسلم وابن ماجة.(٦)

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الحيض، باب دلك المرأة نفسها إذا تطهرت من المحيض، وكيف تغتسل، وتأخذ فرصة ممسكة، فتتبع أثر الدم (١/٧٠) رقم الحديث: ٣١٤، باب غسل المحيض (١/٧٠) رقم الحديث: ٣١٥. ومسلم في "صحيحه" كتاب الحيض، باب استحباب استعمال المغتسلة من الحيض فرصة من مسك في موضع الدم (١/٢٦٠) رقم الحديث: ٣٣٢. وأبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب الاغتسال من الحيض (١/٨٥) رقم الحديث: ٣١٤. [اللفظ هذا]

٢) أخرجه النسائي في "سننه" كتاب الطهارة، باب ذكر الاستتار عند الاغتسال (١/١٢٦) رقم الحديث: ٢٢٤.

٣) أخرجه البزار في "مسنده" مسند ابن عباس (١١/٨٩) رقم الحديث: ٤٧٩٩.

٤) أخرجه ابن ماجه في "سننه" كتاب الطهارة وسننها، باب ما جاء في الاستتار عند الغسل (١/٢٠١) رقم الحديث: ٦١٥.

٥) أخرجه الديلمي في "الفردوس بمأثور الخطاب" باب لام ألف (٥/٣٠) رقم الحديث: ٧٣٥٩.

٦) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الطهارة، باب النهي عن الاغتسال في الماء الراكد (١/٢٣٦) رقم الحديث: ٢٨٣. وابن ماجه في "سننه" كتاب الطهارة وسننها، باب الجنب ينغمس في الماء الدائم أيجزئه (١/١٩٨) رقم الحديث: ٦٠٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن بهز بن حكيم، عن أبيه، عن جده أن رسول الله ﷺ رأى رجلا يغتسل في صحن الدار فقال: إن الله حيي، حليم ستير، فإذا اغتسل أحدكم فليستتر ولو بجذم حائط. رواه ابن عساكر. (١)

وعبد الله السكوني يقول: سمعت عمر بن الخطاب يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول إنما ستفتح عليكم الشام وتجدون فيها بيوتا يقال لها الحمامات هي حرام على رجال أمتي إلا بالأزر وعلى نساء أمتي إلا نفساء أو سقيمة. رواه ابن عدي، والخطيب في المتفق، وأبو القاسم النجار في كتاب الحمام، وابن عساكر في تاريخه. (٢)

وعن عائشة، قالت: قال رسول الله ﷺ: الحمام حرام على النساء أمتي. رواه ابن عساكر. (٣)

وعن ابن عباس، قال: قال رسول الله ﷺ: شر البيوت الحمام تعلو فيه الأصوات وتكشف فيه العورات. فمن دخله فلا يدخل إلا مستترا. رواه الطبراني. (٤)

وعن أنس، قال: قال رسول الله ﷺ: من دخل الحمام بغير مرض لعنته الملكان. رواه الشيرازي. (٥)

---

١) أخرجه ابن عساكر في "تاريخ دمشق" تتمة المستدرك من حرف الجيم، ذكر من اسمه سلامة، سلامة بن محمود بن محمد أبو الفرج الموصلي (٧٣/٧٣).

٢) أخرجه ابن عدي في "الكامل في ضعفاء الرجال" سعيد بن أبي سعيد الزبيدي (٤/٤٦٣)، والخطيب في "المتفق والمفترق" باب الألف، أيوب بن سليمان بن ميناء (١/٤٥١)، وابن عساكر في "تاريخ دمشق" عن دمشق والشام، باب تبشير المصطفى عليه الصلاة والسلام أمته المنصورة بافتتاح الشام (١/٣٩٥)، وابن النجار في "الحمام" كما في "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأقوال، الباب الرابع في موجبات الغسل، الفصل الثاني في دخول الحمام (٩/٣٩٢) رقم الحديث: ٢٦٦٣٨.

٣) أخرجه ابن عساكر في "تاريخ دمشق" كما في "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأقوال، الباب الرابع في موجبات الغسل، الفصل الثاني في دخول الحمام (٩/٣٩٠) رقم الحديث: ٢٦٦٢٢.

٤) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب العين، طاوس، عن ابن عباس (١١/٢٥) رقم الحديث: ١٠٩٢٦. [لفظه: عن ابن عباس رضي الله عنهما، قال: قال رسول الله ﷺ: شر البيت الحمام يعلو فيه الأصوات، ويكشف فيه العورات. فقال رجل: يا رسول الله يداوى فيه المريض، ويذهب فيه الوسخ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: فمن دخله فلا يدخله إلا مستترا.]

٥) أخرجه الشيرازي كما في "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأقوال، الباب الرابع في موجبات الغسل، الفصل الثاني في دخول الحمام (٩/٣٩٠) رقم الحديث: ٢٦٦٢٤.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أبي موسى، قال: قال رسول الله ﷺ: أول من دخل الحمامات وصنعت له النورة سليمان بن داود عليهما السلام فلما دخله وجد حره وغمه فقال أوه من عذاب الله أوه قبل أن لا تكون أوه. رواه العقيلي والطبراني وابن عدي والبيهقي.(١)

وعن مورق العجلي قال: شهدت كتاب عمر إلى أبي موسى الأشعري إنه بلغني أن أهل الأمصار اتخذوا الحمامات، فلا يدخلن أحد إلا بمئزر ولا يذكر الله تعالى فيه اسم حتى يخرج منها، ولا يستنقع اثنان في حوض. رواه عبد الرزاق وابن أبي شيبة والبيهقي في شعب الإيمان.(٢)

وعن قبيصة بن ذؤيب(٣) قال: سمعت عمر بن الخطاب يقول: لا يحل لرجل يدخل الحمام إلا بمئزر، ولا يحل لامرأة أن تدخل الحمام فقام رجل فقال: لقد منعتها من حيث سمعتك تنهى عن ذلك وإنما لسقيمة فقال عمر: إلا من سقم. رواه البيهقي.(٤)

وعن عائشة رضي الله عنها أن رسول الله ﷺ نهى الرجال والنساء، عن الحمامات ثم رخص للرجال أن يدخلوا وعليهم الأزر. رواه البزار.(٥)

وعن ابن طاؤوس عن أبيه قال: قال رسول الله ﷺ: احذروا بيتا يقال له الحمام قالوا: يا رسول الله إنه ينقي من الوسخ والأذى، قال: فمن دخله منكم فليستتر. رواه ابن منصور في سننه.(٦)

---

١) أخرجه العقيلي في "الضعفاء الكبير" باب الألف، اسماعيل، اسماعيل بن عبد الرحمن الأودي (١/٨٤). والطبراني في "المعجم الأوسط" باب الألف، من اسمه أحمد (١/١٤٦) رقم الحديث: ٤٦١. وابن عدي "الكامل في ضعفاء الرجال" اسماعيل بن عبد الرحمن الأودي (١/٤٦٣). والبيهقي في "شعب الإيمان" الحياء، فصل في الحمام (١٠/٢٠٩) رقم الحديث: ٧٣٨٨.

٢) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الطهارة، باب الحمام للرجال (١/٢٩١) رقم الحديث: ١١٢٠. وابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الطهارات، من كان يقول: إذا دخلته فادخله بمئزر (١/١٠٤) رقم الحديث: ١١٧٥، ١١٧٦، ١١٧٧، ١١٧٩. والبيهقي في "شعب الإيمان" تعظيم القرآن. فصل في ترك القرآن في المساجد والأسواق ليعطي وليستأكل به، (٤/٢٠١) رقم الحديث: ٢٣٩٤

٣) قبيصة بن ذؤيب: هو أبو سعيد أو أبو إسحاق قبيصة بن ذؤيب -بالمعجمة مصغر- بن حلحلة -بمهملتين مفتوحتين بينهما لام ساكنة- الخزاعي المدني، نزيل دمشق، من أولاد الصحابة، وله رؤية، مات سنة بضع وثمانين. [تقريب التهذيب: ٤٥٣، رقم الترجمة: ٥٥١٢. تهذيب التهذيب: ٨/٣٤٦-٣٤٧، رقم الترجمة: ٦٣٠.]

٤) أخرجه البيهقي في "شعب الإيمان" الحياء، فصل في الحمام (١٠/٢٠٨) رقم الحديث: ٧٣٨٧.

٥) أخرجه البزار في "مسنده" مسند عائشة أم المؤمنين رضي الله عنها (١٨/١٩٣) رقم الحديث: ١٧٧. [فيه: رخص للرجال في المآزر].

٦) أخرجه ابن منصور في "سننه" كما في "كنز العمال" حرف الطاء. كتاب الطهارة من قسم الأفعال، باب موجبات الغسل وآدابه ودخول الحمام، دخول الحمام (٩/٥٠٦) رقم الحديث: ٢٧٤٢٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

تنبيه

الخلاف في باب الغسل؛ إنما هو في المضمضة والاستنشاق، فعند أحمد بن حنبل هما واجبان في الوضوء والغسل في المشهور من مذهبه، وعند الشافعي سنتان فيهما، وعندنا واجبان في الغسل، سنتان في الوضوء وكذا عند مالك.

وذكر في كتاب الخرقي في مذهب الإمام أحمد: أن الفم والأنف من الوجه[١] وذكر في شرحه: فيجب غسلهما مع غسل الوجه، ويعبر عن ذلك بالمضمضة والاستنشاق، والمذهب الوجوب في الطهارتين الصغرى والكبرى، لأن الله تعالى أمر بغسل الوجه، وأطلق. وفسره النبي ﷺ بفعليه وتعليمه فمضمض واستنشق، ولم ينقل عنه ﷺ أنه أخل بذلك، مع اقتصاره على المجزئ، وهو الوضوء مرة مرة، وقوله ﷺ: هذا الوضوء الذي لا يقبل الله الصلاة إلا به.[٢] وفعله إذا خرج بيانا كان حكمه حكم ذلك المبين، وفي رواية لأبي داود، فيه: إذا توضأت فمضمض.

وفي الدار قطني عن أبي هريرة ﷺ، قال: أمر رسول الله ﷺ بالمضمضة والاستنشاق.[٣] وقد روي مسند ومرسلا، ولأنها في حكم الظاهر، ألا ترى أن وضع الطعام، واللبن والخمر فيهما لا يوجب فطرا، ولا ينشر حرمة، ولا يوجب حدا، وحصول النجاسة فيهما يوجب غسلهما وينقض الوضوء بشرطه، وعنه الواجب الاستنشاق فقط فيهما. لأن في الصحيح: إذا توضأ أحدكم فليجعل في أنفه ماء ثم لينتثر، وفي لفظ: من توضأ فليستنشق.[٤] وإذا أمر بذلك في الوضوء ففي الغسل أولى.

وعنه يجبان في الكبرى لأنه يجب وصول الماء فيها إلى باطن الشعور، ونحو ذلك، ولا يجبان في الصغرى لأن المأمور به فيها غسل الوجه، والوجه ما يحصل به المواجهة، وليسا كذلك، فأشبها باطن اللحية الكثة. وعنه يجب الاستنشاق وحده في الوضوء فقط، جمودا

---

١) مختصر الخرقي: ١٣.

٢) أخرجه ابن ماجه في "سننه" كتاب الطهارة وسننها، باب ما جاء في الوضوء مرة، مرتين، ثلاثا (١/١٤٥) رقم الحديث: ٤١٩.

٣) أخرجه الدار قطني في "سننه" كتاب الطهارة، باب ما روي في المضمضة والاستنشاق في غسل الجنابة (١/٢٠٨) رقم الحديث: ٤١٥.

٤) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الوضوء، باب الاستنثار في الوضوء (١/٤٣) رقم الحديث: ١٦١. ومسلم في "صحيحه" كتاب الطهارة، باب الايتار في الاستنثار والاستجمار (١/٢١٢) رقم الحديث: ٢٣٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

على قوله: من توضأ فليستنشق. وحيث قيل بالوجوب فتركهما أو أحدهما ولو سهوا، لم يصح وضوله، قاله الجمهور.

وظاهر كلام الخرقي أنه لا يجب تقديمهما على سائر الوجه، لأنهما منه، وهذا ما ذكروا في إثبات الوجوب. (١)

وقال أصحابنا: المواظبة مطلقا لا يدل على الوجوب، وقد ورد في صحيح مسلم، عن أبي هريرة: أنه توضأ بدون مضمضة واستنشاق وقال هكذا رأيت رسول الله ﷺ. (٢) وقد ذكر في جامع الأصول أيضا رواية عن أبي داود ولم يذكر فيها المضمضة والاستنشاق. (٣)

وذكر في بعض شروح الهداية حديثا عن عائشة: أنه ﷺ توضأ بدون مضمضة واستنشاق، وقال: هذا وضوء لا يقبل الله الصلاة إلا به.

فيكون للمضمضة والاستنشاق للتكميل مع أن الفم والأنف كما أنهما في حكم ظاهر البدن حسا وحكما، كذلك في حكم الباطن فلما تعارض فيهما حكم الوجوه الخروج والدخول أوجبنا المضمضة والاستنشاق في الغسل لو رود صيغة المبالغة فيه.

ولنا أيضا قوله تعالى: "وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا" (٤) وهو أمر بتطهير جميع البدن، لأنه للمبالغة في التطهير إلى مسمى الواو وهو جملة بدن كل مكلف فيدخل ما يمكن إيصال الماء إليه إلا ما فيه حرج وهو المراد بقول صاحب الهداية: إلا ما يتعذر إيصال الماء إليه. (٥) وذلك

---

١) الزركشي، شرح الزركشي على مختصر الخرقي: ٣٨/١.

٢) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الطهارة، باب إطالة الغرة والتحجيل في الوضوء (٢١٦/١) رقم الحديث: ٢٤٦. [لفظه: عن نعيم بن عبد الله المجمر، قال: رأيت أبا هريرة يتوضأ فغسل وجهه فأسبغ الوضوء، ثم غسل يده اليمنى حتى أشرع في العضد، ثم يده اليسرى حتى أشرع في العضد، ثم مسح رأسه، ثم غسل رجله اليمنى حتى أشرع في الساق، ثم غسل رجله اليسرى حتى أشرع في الساق، ثم قال: هكذا رأيت رسول الله ﷺ يتوضأ. وقال: قال رسول الله ﷺ: أنتم الغر المحجلون يوم القيامة من إسباغ الوضوء، فمن استطاع منكم فليطل غرته وتحجيله.]

٣) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب صفة وضوء النبي ﷺ (٢٦/١) رقم الحديث: ١٠٧. [لفظه: حدثني حمران، قال: رأيت عثمان توضأ، فذكر نحوه، ولم يذكر المضمضة والاستنشاق، وقال فيه: ومسح رأسه ثلاثا، ثم غسل رجليه ثلاثا، ثم قال: رأيت رسول الله ﷺ توضأ هكذا، وقال: من توضأ دون هذا كفاه، ولم يذكر أمر الصلاة] وابن الأثير في "جامع الأصول" (١٥٤/٧) رقم الحديث: ٥١٤٣.

٤) المائدة: ٦.

٥) الهداية، كتاب الطهارة، فصل في الغسل.

toobaa-elibrary.blogspot.com

كداخل العينين والقلفة ولا حرج في داخل الفم فشملها نص الكتاب من غير معارض، كما شملها قوله ﷺ: تحت كل شعرة جنابة، فبلوا الشعر وأنقوا البشرة. (١)

واستدلال الشافعي على كون المضمضة والاستنشاق سنة في الوضوء والغسل، بقوله ﷺ: عشر من الفطرة، كما روى مسلم، عن عائشة ﵂، قالت: قال رسول الله ﷺ: عشر من الفطرة: قص الشارب، وإعفاء اللحية، والسواك، واستنشاق الماء، وقص الأظفار، وغسل البراجم، ونتف الإبط، وحلق العانة، وانتقاص الماء. قال زكريا: قال مصعب: ونسيت العاشرة إلا أن تكون المضمضة. (٢) وفسروا الفطرة بسنة الانبياء فيكون سنة.

وقال الشيخ ابن الهمام: (٣) المراد بالفطرة، الدين، كما في قوله عليه السلام: كل مولود يولد على الفطرة. (٤) يشمل السنن والواجبات، وعلى هذا لا حاجة إلى حمل المروي على حالة الحدث بدليل قوله ﷺ: إنهما فرضان في الجنابه سنتان في الوضوء. وهذا حديث ذكره صاحب الهداية وتبعه الشيخ ابن الهمام، والعجب من الشيخ أنه لم يذكر شيئا (٥) يدل على المدعي نصا، والله أعلم.

فصل في أحكام الجنب

في أحكام الجنب وما يباح له ويحرم عليه وعلى مخالطته.

عن علي بن أبي طالب ﵁. قال عبد الله بن سلمة (٦): دخلت على علي أنا ورجلان، رجل منا، ورجل من بني أسد، أحسب بعثهما على وجها، وقال: إنكما علجان،

---

١) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب في الغسل من الجنابة (١/١٢٦) رقم الحديث: ٢٤٨. والترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب ما جاء أن تحت كل شعرة جنابة (١/١٥٠) رقم الحديث. ١٠٦. وابن ماجه في "سننه" كتاب الطهارة، باب تحت شعرة جنابة (١/٤٧٥) رقم الحديث: ٥٩٧. [فيه: فاغسلوا الشعر، وأنقوا البشر]

٢) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة (١/٢٢٣) رقم الحديث: ٢٦١.

٣) ابن الهمام، فتح القدير، كتاب الطهارة، فصل في الغسل (١/٥٧)

٤) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الجنائز، باب ما قيل في أولاد المشركين (٢/١٠٠) رقم الحديث: ١٣٨٥.

٥) لم يتعرض لحال هذا الحديث صحة وسقما وحسنا وضعفا، ولو صح هذا الحديث لم يحتج إلى التدليل. [الأعظمي]

٦) عبد الله بن سلمة: هو أبو العالية. عبد الله بن سلمة -بكسر اللام- المرادي الكوفي، صدوق، تغير حفظه، من الثانية. [تقريب التهذيب: ٣٠٦، رقم الترجمة: ٣٣٦٤. تهذيب التهذيب: ٢٤١/٥، رقم الترجمة: ٤٢٠.]

toobaa-elibrary.blogspot.com

فعالجا عن دينكما، ثم قام فدخل المخرج، ثم خرج، فدعا بماء، فأخذ منه حفنة فتمسح بها، ثم جعل يقرأ القرآن، فأنكروا ذلك، فقال: إن رسول الله ﷺ كان يخرج من الخلاء، فيقرئنا القرآن، ويأكل معنا اللحم، ولم يكن يحجبه، أو قال: يحجزه عن القرآن شيء، ليس الجنابة. أخرجه أبو داود.

وفي رواية الترمذي والنسائي: عن علي قال: كان رسول الله ﷺ يقرئنا القرآن على كل حال، ما لم يكن جنبا.

ولفظ النسائي: كان رسول الله ﷺ يقرأ القرآن على كل حال إلا الجنابة.

وله في أخرى قال: أتيت عليا أنا ورجلان، فقال: كان رسول الله ﷺ يخرج من الخلاء، ويقرأ القرآن، ويأكل معنا اللحم، ولم يكن يحجبه من القرآن شيء، ليس الجنابة. (١)

وعن أبي سلمة قال: سألت عائشة: هل كان رسول الله ﷺ يرقد وهو جنب؟ قالت: نعم ويتوضأ.

وفي رواية عروة قالت: كان إذا أراد أن ينام، وهو جنب توضأ وضوءه للصلاة قبل أن ينام. وفي أخرى: كان إذا كان جنبا، وأراد أن يأكل، أو ينام، توضأ وضوءه للصلاة. في رواية: وإذا أراد أن يأكل وهو جنب غسل يديه. وإذا أراد أن يأكل أو يشرب، قالت: غسل يديه، ثم يأكل أو يشرب.

وفي أخرى: عن غطيف بن الحارث (٢) قال: قلت لعائشة: أرأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يغتسل من الجنابة في أول الليل، أم في آخره؟ قالت: ربما اغتسل في أول الليل،

---

١) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب في الجنب يقرأ القرآن (٥٩/١) رقم الحديث: ٢٢٩. والترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب في الرجل يقرأ القرآن على كل حال ما لم يكن جنبا (٢٧٣/١) رقم الحديث: ١٤٦. والنسائي في "سننه" باب حجب الجنب من قراءة القرآن (١٤٤/١) رقم الحديث: ٢٦٥، ٢٦٦.

٢) غطيف بن الحارث: هو أبو أسماء الحمصي غطيف -بالطاء المهملة مصغر- بن الحارث بن زنيم السكوني الكندي، ويقال: الثمالي، مختلف في صحبته، وقال ابن حجر: غضيف -بالضاد المعجمة مصغر-، وقال ابن حبان من قال الحارث ابن غطيف وهم ومنهم من فرق بين غضيف ابن الحارث فأثبت صحبته وغطيف ابن الحارث فقال إنه تابعي وهو أشبه مات صاحب الترجمة سنة بضع وستين. [تقريب التهذيب: ٤٤٣، رقم الترجمة: ٥٣٦١. تهذيب التهذيب: ٢٤٨/٨-٢٥٠، رقم الترجمة: ٤٦٠. تهذيب الكمال: ١١٢/٢٣-١١٣، رقم الترجمة: ٤٦٩٣.]

toobaa-elibrary.blogspot.com

وربما اغتسل في آخره، قلت: الله أكبر، الحمد لله الذي جعل في الأمر سعة، قلت: أرأيت رسول الله ﷺ كان يوتر أول الليل، أم في آخره؟ قلت: ربما أوتر في الليل، وربما أوتر في آخره، قلت: الله أكبر، الحمد لله الذي جعل في الأمر سعة، قلت: أرأيت رسول الله ﷺ كان يجهر بالقرآن، أم يخفت به؟ قالت: ربما جهر به، وربما خفت، قلت: الله أكبر، الحمد لله الذي جعل في الأمر سعة. وذكر صاحب المشكاة حديث غضيف في باب الوتر.[1]

وعن ابن عمر، قال: استفتى عمر النبي ﷺ أينام أحدنا وهو جنب؟ قال: نعم إذا توضأ. رواه البخاري.[2]

وعن نافع عن عبد الله بن عمر، أن عمر قال: يا رسول الله أينام أحدنا وهو جنب؟ قال: إذا توضأ. أخرجه النسائي.[3]

وعنه: أن ابن عمر كان إذا أراد أن ينام أو يطعم وهو جنب غسل وجهه، ويديه إلى المرفقين، ومسح برأسه، ثم طعم أو نام. أخرجه الموطأ.[4]

---

١) **أخرجه البخاري في** "**صحيحه**" كتاب الغسل، باب كينونة الجنب في البيت إذا توضأ قبل أن يغتسل (١/٦٥) رقم الحديث: ٢٨٦، باب الجنب يتوضأ ثم ينام (١/٦٥) رقم الحديث: ٢٨٨. **ومسلم في** "**صحيحه**" كتاب الحيض، باب جواز نوم الجنب واستحباب الوضوء له (١/٢٤٨) رقم الحديث: ٣٠٥، ٣٠٧. **وأبو داود في** "**سننه**" كتاب الطهارة، باب الجنب يأكل (١/٥٧) رقم الحديث: ٢٢٢، ٢٢٤، باب في الجنب يؤخر الغسل (١/٥٨) رقم الحديث: ٢٢٦. **والترمذي في** "**جامعه**" أبواب الطهارة، باب في الرجل يستدفئ بالمرأة بعد الغسل (١/٢١٠) رقم الحديث: ١٢٣، أبواب فضائل القرآن، باب ما جاء كيف كانت قراءة النبي ﷺ (٥/١٨٣) رقم الحديث: ٢٩٢٤. **والنسائي في** "**سننه**" كتاب الطهارة، باب وضوء الجنب إذا أراد أن يأكل (١/١٣٨) رقم الحديث: ٢٥٥، باب اقتصار الجنب على غسل يديه إذا أراد أن يأكل (١/١٣٩) رقم الحديث: ٢٥٦، باب اقتصار الجنب على غسل يديه إذا أراد أن يأكل أو يشرب (١/١٣٩) رقم الحديث: ٢٥٧، باب وضوء الجنب إذا أراد أن ينام (١/١٣٩) رقم الحديث: ٢٥٨. **وابن ماجه في** "**سننه**" كتاب الطهارة وسننها، باب من قال لا ينام الجنب حتى يتوضأ وضوءه للصلاة (١/١٩٣) رقم الحديث: ٥٨٤، باب في الجنب يأكل ويشرب (١/١٩٤) رقم الحديث: ٥٩١، باب من قال يجزئه غسل يديه (١/١٩٥) رقم الحديث: ٥٩٣. **والتبريزي في** "**مشكاة المصابيح**" كتاب الصلاة، باب الوتر، الفصل الثاني (١/٣٩٦) رقم الحديث: ١٢٦٣.

٢) **أخرجه البخاري في** "**صحيحه**" كتاب الغسل، باب الجنب يتوضأ ثم ينام (١/٦٥) رقم الحديث: ٢٨٩.

٣) **أخرجه النسائي في** "**سننه**" كتاب الطهارة، باب وضوء الجنب إذا أراد أن ينام (١/١٣٩) رقم الحديث: ٢٥٩.

٤) **أخرجه مالك في** "**الموطأ**" كتاب الطهارة، باب وضوء الجنب إذا أراد أن ينام أو يطعم قبل أن يغتسل (١/٤٨) رقم الحديث: ٧٨.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن عمار بن ياسر ﷺ: أن النبي ﷺ رخص للجنب إذا أراد أن يأكل أو يشرب أن يتوضأ وضوءه للصلاة. أخرجه الترمذي.[1]

وعن حذيفة بن اليمان ﷺ أن رسول الله ﷺ لقيه، وهو جنب، فحاد عنه، فاغتسل ثم جاء، فقال: كنت جنبا، فقال: إن المسلم لا ينجس. أخرجه مسلم.

وعند أبي داود والنسائي: أن رسول الله ﷺ لقيه، فأهوى إليه، فقال: إني جنب، فقال: إن المسلم ليس بنجس.

وفي رواية النسائي قال: كان رسول الله ﷺ إذا لقي الرجل من أصحابه مسحه ودعا له، قال: فرأيته يوما بكرة فحدت عنه، ثم أتيته حين ارتفع النهار، فقال: إني رأيتك فحدت عني؟ فقلت: إني كنت جنبا، فخشيت أن تمسني، فقال رسول الله ﷺ: إن المسلم لا ينجس.[2]

---

١) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب السفر، باب في الرخصة للجنب في الأكل والنوم إذا توضأ (٥١١/٢) رقم الحديث: ٦١٣.

٢) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الحيض، باب الدليل على أن المسلم لا ينجس (٢٨٢/١) رقم الحديث: ٣٧٢. وأبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب في الجنب يصافح (٥٩/١) رقم الحديث: ٢٣٠. والنسائي في "سننه" كتاب الطهارة، باب مماسة الجنب ومجالسته (١٤٥/١) رقم الحديث: ٢٦٧، ٢٦٨.

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب أحكام المياه

قد ذكر صاحب المشكاة أحاديث الباب مختلفة في أنواع المياه، وصاحب [جامع] الأصول ذكرها مضبوطة منحصرة في تسعة أنواع.

منها ماء البحر: وهو طاهر بالإتفاق بين الأئمة.

عن أبي هريرة ﷺ قال: جاء رجل إلى رسول الله ﷺ، فقال: يا رسول الله، إنا نركب البحر، ومعنا القليل من الماء، فإن توضأنا به عطشنا، أفنتوضأ من ماء البحر؟ فقال رسول الله ﷺ: هو الطهور ماؤه، الحل ميتته. أخرجه الموطأ والترمذي وأبو داود والنسائي.

وقال الترمذي: وفي الباب عن جابر، والفراسي، هذا حديث حسن صحيح. وهو قول أكثر الفقهاء من أصحاب النبي ﷺ، منهم: أبو بكر، وعمر، وابن عباس، لم يروا بأسا بماء البحر. وقد كره بعض أصحاب النبي ﷺ الوضوء بماء البحر، منهم: ابن عمر، وعبد الله بن عمرو، وقال عبد الله بن عمرو: هو نار. انتهى.[1]

ومنها ماء البئر:

عن أبي سعيد الخدري ﷺ قال: قيل: يا رسول الله، إنه يستقى لك من بئر بضاعة، وهي بئر تلقى فيها لحوم الكلاب، وخرق المحائض، وعذر الناس؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الماء طهور لا ينجسه شيء.

وفي رواية قال: قيل: يا رسول الله، أنتوضأ من بئر بضاعة، وهي يطرح فيها الحيض، ولحم الكلاب والنتن؟ فقال رسول الله ﷺ: الماء طهور لا ينجسه شيء. الحديث كما ذكر صاحب المشكاة. أخرجه أبو داود.

---

١) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب الوضوء بماء البحر (٢١/١) رقم الحديث: ٨٣. والترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب ما جاء في ماء البحر أنه طهور (١٠٠/١) رقم الحديث: ٦٩ والنسائي في "سننه" كتاب الطهارة، باب ماء البحر (٥٠/١) رقم الحديث: ٥٩، كتاب المياه، الوضوء بماء البحر (١٧٦/١) رقم الحديث: ٣٣٢. وابن ماجه في "سننه" كتاب الطهارة وسننها، باب الوضوء بماء البحر (١٣٦/١) رقم الحديث: ٣٨٦. ومالك في "الموطأ" كتاب الطهارة، باب الطهور للوضوء (٢٢/١) رقم الحديث: ١٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقال صاحب جامع الأصول: قال أبو داود: سمعت قتيبة بن سعيد [1] قال: سألت قيم بئر بضاعة عن عمقها؟ فقال: أكثر ما يكون الماء فيها إلى العانة، قلت: فإذا نقص؟ قال: دون العورة. قال أبو داود: قدرت بئر بضاعة بردائي مددته عليها، ثم ذرعته فإذا عرضها: ستة أذرع، وسألت الذي فتح لي باب البستان فأدخلني إليه: هل غير بناؤها عما كانت عليه؟ فقال: لا، ورأيت فيها ماء متغير اللون. وأخرج الترمذي والنسائي الرواية الثانية.[2]

وقالوا: كانت هذه البئر في ذلك الزمان جارية. وقال الطحاوي [3]: إن بئر بضاعة كانت إلى البساتين فهو كالنهر وإن لم يبلغ ماءه حدا يبلغ عدم الانفصال ولم يكن عشرا. وفي بعض الروايا عن اصحابنا حكم البئر المعينة حكم الماء الجاري.

وعن أبي مليكة قال: قدم عمر بن الخطاب مكة فكان يتوضأ بأجياد فذهب يوما إلى حاجته فلقي طحيل بن رباح أخا بلال بن رباح فقال: من أنت؟ قال: أنا طحيل بن رباح قال: بل أنت خالد بن رباح، فأخذ بيده حتى مضى، ثم قال: اطلب لي ماء أتوضأ به، فذهب ثم جاء فقال: لم أجد إلا ماء في بيت بغي من بغايا الجاهلية؛ قال: اذهب فأتني به فإن الماء لا ينجسه شيء. رواه ابن السني في الأخوة.[4]

وعن أسلم، أن عمر ﷺ كان يتوضأ بالحميم ويغتسل به. رواه سعيد بن منصور في سننه.[5]

---

1) قتيبة بن سعيد: هو أبو رجاء قتيبة بن سعيد بن جميل -بفتح الجيم- بن طريف الثقفي البغلاني -بفتح الموحدة وسكون المعجمة-، يقال: اسمه يحيى، وقيل: علي، ثقة ثبت، من العاشرة، مات سنة أربعين ومئتين عن تسعين سنة. [تقريب التهذيب: ٤٥٤، رقم الترجمة: ٥٥٢٢. تهذيب التهذيب: ٣٥٨/٨-٣٦١، رقم الترجمة: ٦٤١.]

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب ما جاء في بئر بضاعة (١٧/١) رقم الحديث: ٦٦، ٦٧. والترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب ما جاء أن الماء لا ينجسه شيء (٩٥/١) رقم الحديث: ٦٦. والنسائي في "سننه" كتاب المياه، باب ذكر بئر بضاعة (١٧٤/١) رقم الحديث: ٣٢٦، ٣٢٧.

٣) أخرجه الطحاوي في "شرح معاني الآثار" كتاب الطهارة، باب الماء يقع فيه النجاسة (١٢/١) رقم الحديث: ٥.

٤) أخرجه ابن السني في "الأخوة" كما في "كنز العمال" كتاب الطهارة من قسم الأفعال، باب في المياه والأواني والتيمم والمسح والحيض، فصل في المياه (٥٧٣/٩) رقم الحديث: ٢٧٣٧٩.

٥) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الطهارة، باب الوضوء من ماء الحميم (١٧٤/١) رقم الحديث: ٦٧٥. [ولفظه: أن عمر بن الخطاب كان يغتسل بالماء الحميم] وسعيد بن منصور في "سننه" كما في "كنز العمال" كتاب الطهارة من قسم الأفعال، باب في المياه والأواني والتيمم والمسح والحيض، فصل في المياه (٥٧٤/٩) رقم الحديث: ٢٧٤٨١

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن جابر بن عبد الله، قال: كنا نغزو مع رسول الله ﷺ أرض المشركين، فلا نمتنع أن نأكل في آنيتهم، ونشرب في أسقيتهم. رواه ابن أبي شيبة. (١)

وعن جابر بن عبد الله، قال: كنا نستحب أن نأخذ، من ماء الغدير ونغتسل به في ناحية. (٢)

وعن علي ؓ قال: لا بأس بطعام المجوس، إنما نهي عن ذبائحهم. رواه البيهقي. (٣)

وعن أسلم: أنه التمس لعمر وضوءا فلم يجده إلا عند نصرانية ثم استوهبها ثم جاء إلى عمر فأعجبه حسنه فقال عمر: من أين هذا؟ فقال: من عند هذه النصرانية فتوضأ ثم دخل عليها فقال: أسلمي فكشفت عن رأسها فإذا هو كأنه ثغامة بيضاء فقالت: أبعد هذه السن. فقال عمر: اللهم أشهد. (٤)

ومنها الماء الدائم:

عن أبي هريرة ؓ: أنه سمع رسول الله ﷺ يقول: نحن الآخرون السابقون، وقال: لا يبولن أحدكم في الماء الدائم الذي لا يجري، ثم يغتسل فيه. وفي رواية الترمذي والنسائي: لا يبولن أحدكم في الماء الدائم، ثم يتوضأ منه. وفي رواية أبي داود والنسائي مثل الترمذي، وقال: ثم يغتسل منه. وفي أخرى له: لا يبولن أحدكم في الماء الدائم، ولا يغتسل فيه من الجنابة. وللنسائي: الماء الراكد. وله: لا يبولن أحدكم في الماء الدائم، ثم يغتسل منه أو يتوضأ. (٥)

---

١) أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الأطعمة، باب في الأكل في آنية الكفار (١٢٧/٥) رقم الحديث: ٢٤٣٨٦، كتاب السير، باب ما قالوا في آنية المجوس والمشرك (٤٣٣/٦) رقم الحديث: ٣٢٦٨٤.

٢) أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الطهارة، باب الرجل ينتهي إلى البئر أو الغدير وهو جنب (١٣٠/١) رقم الحديث: ١٤٩٩.

٣) أخرجه البيهقي في "السنن الكبرى" كتاب الضحايا، باب ما جاء في ذبيحة المجوس (٤٧٩/٩) رقم الحديث: ١٩١٧٢.

٤) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الطهارة، باب الماء لا ينجسه شيء، وما جاء في ذلك (٧٨/١) رقم الحديث: ٢٥٤.

٥) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الوضوء، باب البول في الماء الدائم (٥٧/١) رقم الحديث: ٢٣٩. ومسلم في "صحيحه" كتاب الطهارة، باب النهي عن البول في الماء الراكد (٢٣٥/١) رقم الحديث: ٢٨٢، وأبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب البول في الماء الراكد (١٨/١) رقم الحديث: ٦٩، ٧٠. والترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب كراهية البول في الماء الراكد (١٠٠/١) رقم الحديث: ٦٨. والنسائي في "سننه" كتاب الطهارة، باب الماء الدائم (٤٩/١) رقم الحديث: ٥٧، ٥٨.

toobaa-elibrary.blogspot.com

ومنها ماء النبيذ:

عن أبي زيد عن ابن مسعود ﷺ قال: قال لي رسول الله ﷺ ليلة الجن: ما في إداوتك أو ركوتك قلت: نبيذ. قال: تمرة طيبة، وماء طهور، فتوضأ منه. أخرجه الترمذي، وأخرجه أبو داود.

وقال الترمذي: أبو زيد رجل مجهول عند أهل الحديث لا تعرف له رواية غير هذا الحديث. والتوضئ بالنبيذ مختلف فيه كما سنذكره.[1]

ومنها الماء في القلتين:

عن ابن عمر رضي الله عنهما، قال: سمعت رسول الله ﷺ وهو يسأل عن الماء يكون في الفلاة من الأرض وما ينوبه من الدواب والسباع؟ فقال: إذا كان الماء قلتين لم يحمل الخبث. أخرجه أبو داود والترمذي. وفي أخرى لأبي داود: فإنه لا ينجس.[2]

ومنها ماء الوضوء، وهو قسمان:

أحدهما: بقية الماء الذي توضأ، وعبر عنه صاحب جامع الأصول بفاضل الطهارة وهو طاهر بلا شبهة.

عن أبي جحيفة ﷺ[3] قال: خرج علينا رسول الله ﷺ بالهاجرة، فأتي بوضوء فتوضأ ونحن بالبطحاء، فجعل الناس يأخذون من فضل وضوئه، فيتمسحون به. وفي رواية: فرأيت الناس يبتدرون ذلك الوضوء، من أصاب منه شيئا تمسح به، ومن لم يصب منه أخذ من بلل

---

١) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب الوضوء بالنبيذ (٢١/١) رقم الحديث: ٨٤. والترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب الوضوء بالنبيذ (١٤٧/١) رقم الحديث: ٨٨.

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب ما ينجس الماء (١٧/١) رقم الحديث: ٦٣، ٦٥. والترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب منه آخر (٩٧/١) رقم الحديث: ٦٧. والنسائي في "سننه" كتاب الطهارة، باب التوقيت في الماء (٤٦/١) رقم الحديث: ٥٢، كتاب المياه، باب التوقيت في الماء (١٧٥/١) رقم الحديث: ٣٢٧. وابن ماجه في "سننه" كتاب الطهارة وسننها، باب مقدار الماء الذي لا ينجس (١٧٢/١) رقم الحديث: ٥١٧، ٥١٨.

٣) أبو جحيفة: هو وهب بن عبد الله العامري السوائي -بضمومة وخفة واو فألف فكسر همزة نسبة إلى سواء بن عامر- ويقال: اسم أبيه وهب أيضا، أبو جحيفة -بضم الجيم وفتح حاء مهملة وسكون ياء وبفاء-، مشهور بكنيته، ويقال له: وهب الخير، صحابي معروف، وصحب عليا، ومات سنة أربع وسبعين. [تقريب التهذيب: ٥٨٥، رقم الترجمة: ٧٤٧٩. تهذيب التهذيب: ١٦٤/١١، رقم الترجمة: ٢٨٠.]

toobaa-elibrary.blogspot.com

يد صاحبه [ثم رأيت بلالا أخرج عنزة فركزها، وخرج رسول الله ﷺ في حلة حمراء مشمرا، فصلى إلى العنزة بالناس ركعتين، ورأيت الناس والدواب يمرون بين يدي العنزة.]

وفي رواية أخرى: وقام الناس، فجعلوا يأخذون يديه يمسحون بها وجوههم، قال: فأخذت بيده فوضعتها على وجهي، فإذا هي أبرد من الثلج، وأطيب رائحة من المسك. أخرجه البخاري، ومسلم.

وفي رواية النسائي قال: شهدت النبي ﷺ بالبطحاء، وأخرج بلال فضل وضوئه، فابتدره الناس فنلت منه شيئا. (١)

وثانيها: ماء انفصل من اعضاء وضوئه وعبر بماء الوضوء.

وعن جابر بن عبد الله رضي الله عنهما: قال: مرضت، فأتاني رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبو بكر رضي الله يعوداني، فوجداني قد أغمي علي، فتوضأ رسول الله صلى الله عليه وسلم، فصب علي وضوءه. أخرجه النسائي، وهذا طرف من حديث قد أخرجه البخاري، ومسلم، والترمذي. (٢)

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الوضوء، باب استعمال فضل وضوء الناس (٤٩/١) رقم الحديث: ١٨٧، كتاب الصلاة، باب الصلاة في الثوب الأحمر (٨٤/١) رقم الحديث: ٣٧٦، باب سترة الإمام سترة من خلفه (١٠٦/١) رقم الحديث: ٤٩٥، باب الصلاة إلى العنزة (١٠٦/١) رقم الحديث: ٤٩٩، باب السترة بمكة وغيرها (١٠٦/١) رقم الحديث: ٥٠١، كتاب الأذان، باب الأذان للمسافرين إذا كانوا جماعة (١٢٩/١) رقم الحديث: ٦٣٣، باب هل يتتبع المؤذن فاه هاهنا وهاهنا (١٢٩/١) رقم الحديث: ٦٣٤، كتاب المناقب، باب صفة النبي ﷺ (١٨٨/٤) رقم الحديث: ٣٥٥٣، ٣٥٦٦، كتاب اللباس، باب التشمير في الثياب (١٤١/٧) رقم الحديث: ٥٧٨٦، باب القبة الحمراء من أدم (١٥٤/٧) رقم الحديث: ٥٨٥٩. ومسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب سترة المصلي (٣٥٩/١) رقم الحديث: ٥٠٣. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في المؤذن يستدير في أذانه (١٤٣/١) رقم الحديث: ٥٢٠، باب ما يستر المصلي (١٨٣/١) رقم الحديث: ٦٨٨. والنسائي في "سننه" كتاب الطهارة، باب الانتفاع بفضل الوضوء (٨٧/١) رقم الحديث: ١٣٧.

٢) أخرجه النسائي في "سننه" كتاب الطهارة، باب الانتفاع بفضل الوضوء (٨٧/١) رقم الحديث: ١٣٧. والبخاري في "صحيحه" كتاب الوضوء، باب صب النبي ﷺ وضوءه على المغمى عليه (٥٠/١) رقم الحديث: ١٩٤، كتاب تفسير القرآن، باب يوصيكم الله في أولادكم [النساء: ١١] (٤٣/٦) رقم الحديث: ٤٥٧٧، كتاب المرضى، باب عيادة المغمى عليه (١١٦/٧) رقم الحديث: ٥٦٥١، باب وضوء العائد للمريض (١٢١/٧) رقم الحديث: ٥٦٧٦، كتاب الفرائض، باب (١٤٨/٨) رقم الحديث: ٦٧٢٣، باب ميراث الأخوات والإخوة (١٥٢/٨) رقم الحديث: ٦٧٤٣، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب ما كان النبي ﷺ يسأل مما لم ينزل عليه الوحي فيقول: لا أدري، أو لم يجب حتى ينزل الوحي (١٠٠/٩) رقم الحديث: ٧٣٠٩. ومسلم في "صحيحه" كتاب الفرائض، باب ميراث الكلالة (١٢٣٤/٣) رقم الحديث: ١٦١٦.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وهذا القسم مختلف فيه، فمن يقول: إنه نجس نجاسة غليظة أو خفيفة، يصير هذا الحديث حجة عليه، فله أن يحمله على القسم الأول الذي هو بقية الوضوء. وأجاب بأن ذلك كان للتداوي كالخمر، وبأنه من خصائصه ﷺ فلا يتنجس السائل من اعضائه الشريفة. قال الشيخ ابن حجر المكي: ومن ثم اختار كثيرون من أصحابنا طهارة فضلاته ﷺ فضلا عن ماء استعمله.

ومنها فاضل الطهور:

ورد النهي عنه، فعن الحكم بن عمرو [الغفاري] قال: نهى رسول الله ﷺ أن يتوضأ الرجل بفضل طهور المرأة. أخرجه الترمذي وأبو داود. وزاد الترمذي في رواية: أو قال: بسؤره. وقال: هذا حديث حسن صحيح. فعن حميد الحميري [1]: قال لقيت رجلا صحب النبي ﷺ أربع سنين، كما صحبه أبو هريرة قال: نهى رسول الله ﷺ أن تغتسل المرأة بفضل الرجل، أو يغتسل الرجل بفضل المرأة. زاد مسدد: وليغترفا جميعا. أخرجه أبو داود، والنسائي.[2]

وقد ورد جوازه، فعن عبد الله بن عباس رضي الله عنهما قال: اغتسل بعض أزواج النبي ﷺ في جفنة، فجاء رسول الله ﷺ ليتوضأ منها أو يغتسل. فقالت: إني كنت جنبا، فقال رسول الله ﷺ: إن الماء لا يجنب. أخرجه الترمذي.[3]

وعن عائشة ؓ قالت: إنما اغتسلت في قصعة ثم جاء رسول الله ﷺ فاغتسل فيها، فقالت: إني كنت جنبا، فقال: إن الماء لا يجنب. أخرجه.[4]

والترمذي في "جامعه" كتاب الفرائض، باب ميراث الأخوات (٤/٤١٧) رقم الحديث: ٢٠٩٧، أبواب التفسير، باب ومن سورة النساء (٥/٢٣٤) رقم الحديث: ٣٠١٥.

١) حميد الحميري: هو حميد بن عبد الرحمن الحميري -بكسر حاء وسكون ميم وفتح ياء منسوب إلى حمير ابن سبا بن يشجب- البصري، ثقة فقيه، من الثالثة. [تقريب التهذيب: ١٨٢، رقم الترجمة: ١٥٥٤. تهذيب التهذيب: ٣/٤٦، رقم الترجمة: ٧٨.]

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب النهي عن الوضوء بفضل وضوء المرأة (١/ ٢١) رقم الحديث: ٨١، ٨٢. والترمذي في "جامعه" كتاب الطهارة، باب ما جاء في كراهية فضل طهور المرأة (١/٩٣) رقم الحديث: ٦٤. والنسائي في "سننه" كتاب الطهارة، باب ذكر النهي عن الاغتسال بفضل الجنب (١/١٣٠) رقم الحديث: ٢٣٨.

٣) أخرجه الترمذي في "جامعه" كتاب الطهارة، باب ما جاء في الرخصة في ذلك (١/٩٤) رقم الحديث: ٦٥.

٤) أخرجه ابن الأثير في "جامع الأصول" حرف الطاء، الكتاب الأول في الطهارة، الباب الأول في المياه، النوع السادس في فاضل الطهور، جوازه (٧/٧٠) رقم الحديث: ٥٠٣٦.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن نافع مولى ابن عمر ﷺ: أن ابن عمر كان يقول: لا بأس أن يغتسل بفضل المرأة، ما لم تكن حائضا أو جنبا. أخرجه الموطأ.[1]

ومنها ما يجتمع فيه الرجال والنساء على إناء واحد:

عن عائشة ﷺ قالت: كنت أغتسل أنا ورسول الله ﷺ من إناء واحد، تختلف أيدينا فيه من الجنابة. أخرجه البخاري، ومسلم.

وللبخاري في رواية أخرى: قالت: كان يوضع لي ولرسول الله ﷺ هذا المركن فنشرع فيه جميعا.

ولمسلم قالت: كنت أغتسل أنا ورسول الله ﷺ من إناء بيني وبينه واحد، فيبادرني، حتى أقول: دع لي، دع لي، قال: وهما جنبان.

وأخرج أبو داود [النسائي] قالت: كنت أغتسل أنا ورسول الله ﷺ من إناء واحد، يبادرني، وأبادره، يقول: دعي لي، وأقول أنا: دع لي. وللنسائي نحوه.[2]

---

١) أخرجه مالك في "الموطأ" كتاب الطهارة، باب جامع غسل الجنابة (١/٥٢) رقم الحديث: ٨٦.

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الغسل، باب غسل الرجل مع امرأته (١/٥٩) رقم الحديث: ٢٥٠، باب هل يدخل الجنب يده في الإناء قبل أن يغسلها إذا لم يكن على يده قذر غير الجنابة (١/٦١) رقم الحديث: ٢٦١، ٢٦٣، باب تخليل الشعر حتى إذا ظن أنه قد أروى بشرته أفاض عليه (١/٦٣) رقم الحديث: ٢٧٣، كتاب الحيض، باب مباشرة الحائض (١/٦٧) رقم الحديث: ٢٩٩. ومسلم في "صحيحه" كتاب الحيض، باب القدر المستحب من الماء في غسل الجنابة (١/٢٥٥) رقم الحديث: ٣١٩، ٣٢١. وأبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب الوضوء بفضل وضوء المرأة (١/٢٠) رقم الحديث: ٧٧، باب في مقدار الماء الذي يجزئ في الغسل (١/٦٢) رقم الحديث: ٢٣٨. والترمذي في "جامعه" أبواب اللباس، باب ما جاء في الجمة واتخاذ الشعر (٤/٢٣٣) رقم الحديث: ١٧٥٥. والنسائي في "سننه" كتاب الطهارة، باب فضل الجنب (١/٥٧) رقم الحديث: ٧٢، باب ذكر القدر الذي يكتفي به الرجل من الماء للغسل (١/١٢٧) رقم الحديث: ٢٢٨، وباب ذكر الدلالة على أنه لا وقت في ذلك (١/١٢٨) رقم الحديث: ٢٣١، وباب ذكر اغتسال الرجل والمرأة من نسائه من إناء واحد (١/١٢٨) رقم الحديث: ٢٣٢، ٢٣٣، ٢٣٥، وباب الرخصة في ذلك (١/١٣٠) رقم الحديث: ٢٣٩، كتاب الغسل والتيمم، باب الدليل على أن لا توقيت في الماء الذي يغتسل فيه (١/٢١٠) رقم الحديث: ٤١٠، باب اغتسال الرجل والمرأة من نسائه من إناء واحد (١/٢٠١) رقم الحديث: ٤١١، ٤١٢، باب الرخصة في ذلك (١/٢٠٢) رقم الحديث: ٤١٤، باب ترك المرأة نقض رأسها عند الاغتسال (١/٢٠٣) رقم الحديث: ٤١٦.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن ابن عباس رضي الله عنهما: أن النبي ﷺ وميمونة كانا يغتسلان من إناء واحد. وفي رواية: يغتسل من فضل ميمونة. أخرجه البخاري، ومسلم، وأخرج الترمذي الثانية، والنسائي الأولى.(١)

وعن أم هانئ رضي الله عنها: أن رسول الله ﷺ اغتسل هو وميمونة من إناء واحد، في قصعة فيها أثر العجين. أخرجه النسائي.(٢)

وعن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: كان النبي ﷺ والمرأة من نسائه يغتسلان من إناء واحد. وزاد في رواية: من الجنابة. أخرجه البخاري.(٣)

وعن ابن عمر رضي الله عنهما قال: كان الرجال والنساء يتوضؤون في زمان رسول الله ﷺ جميعا من إناء واحد. أخرجه الموطأ، وأبو داود، والنسائي. ولأبي داود قال: كنا نتوضأ نحن والنساء من إناء واحد على عهد رسول الله ﷺ. وزاد في رواية: ندلي فيه أيدينا.(٤)

ومنها سؤر السباع:

عن عبد الرحمن بن زيد بن أسلم(٥) حدثني أبي أن بعض أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم قال: يا رسول الله إن هذه الحياض التي تكون بيننا وبين مكة تردها السباع والكلاب؟ فقال: ما جعلت في بطونها فهو لها وما بقي فهو لنا طهور. رواه سعيد بن منصور.(١)

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الغسل، باب الغسل بالصاع ونحوه (٦٠/١) رقم الحديث: ٢٥٣. ومسلم في "صحيحه" كتاب الحيض، باب القدر المستحب من الماء في الغسل (٢٥٧/١) رقم الحديث: ٣٢٢، ٣٢٣. والترمذي في "جامعه" كتاب الطهارة، باب ما جاء في وضوء الرجل والمرأة من إناء واحد (٩١/١) رقم الحديث: ٦٢. والنسائي في "سننه" كتاب الطهارة، باب اغتسال الرجل والمرأة من إناء واحد (١/ ١٢٩) رقم الحديث: ٢٣٦.

٢) أخرجه النسائي في "سننه" كتاب الطهارة، باب ذكر الاغتسال في القصعة التي يعجن فيها (١٣١/١) رقم الحديث: ٢٤٠.

٣) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الغسل، باب هل يدخل الجنب يده في الإناء قبل أن يغسلها (٦١/١) رقم الحديث: ٢٦٤.

٤) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الوضوء، باب وضوء الرجل مع امرأته وفضل وضوء المرأة (٥٠/١) رقم الحديث: ١٩٣. وأبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب الوضوء بفضل المرأة (٢٠/١) رقم الحديث: ٧٩. والنسائي في "سننه" كتاب الطهارة، باب وضوء الرجال والنساء جميعا (٥٧/١) رقم الحديث: ٧١، كتاب المياه، باب الرخصة في فضل المرأة (١٧٩/١) رقم الحديث: ٣٤٢. ومالك في "الموطأ" كتاب الطهارة، باب الطهور للوضوء (٢٤/١) رقم الحديث: ١٥.

٥) عبد الرحمن بن زيد بن أسلم: هو عبد الرحمن بن زيد بن أسلم العدوي مولاهم، ضعيف، من الثامنة، مات سنة اثنتين وثمانين. [تقريب التهذيب: ٣٤٠، رقم الترجمة ٣٨٦٥. تهذيب التهذيب: ١٧٧/٦-١٧٩، رقم الترجمة: ٣٦١.]

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أبي قتادة: إنها ليست بنجس إنها من الطوافين عليكم والطوافات يعني الهرة. رواه مالك وأحمد وأبو داود والترمذي والنسائي وابن ماجة عن أبي قتادة، وابو داود والبيهقي عن عائشة. [٢]

وعن أبي هريرة: الهر ليس بنجس إنما هو متاع البيت. رواه النسائي. [٣]

وعنه: الهرة سبع. رواه ابن أبي شيبة، وفيه عيسى بن مسيب، ضعيف. [٤]

وعنه: يغسل الإناء من الهر كما يغسل من الكلب. رواه الديلمي. [٥]

وعن أنس، قال: قال رسول الله ﷺ: يا أنس، إن الهر من متاع البيت، لن يقذر شيئا، ولن ينجسه. رواه الطبراني في الأوسط. [٦]

وعن نافع عن ابن عمر: كان يكره سؤر الحمار والكلب والهر أن يتوضأ بفضلهم. [٧]

وعن عكرمة، قال: سئل ابن عباس، عن ولوغ الهر في الإناء أيغسل؟ قال: إنما هو من متاع البيت. رواه عبد الرزاق. [٨]

---

١) أخرجه سعيد بن منصور في "سننه" كما في "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأفعال، باب في المياه والاواني والتيمم والمسح والحيض، فصل في المياه، سؤر السباع (٩/٥٨٤) رقم الحديث: ٢٧٥٣٤.

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب سؤر الهرة (١/١٩) رقم الحديث: ٧٥، ٧٦. والترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب ما جاء في سؤر الهرة (١/١٥٣) رقم الحديث: ٩٢. والنسائي في "سننه" كتاب الطهارة، باب سؤر الهرة (١/٥٥) رقم الحديث: ٦٨، كتاب المياه، باب سؤر الهرة (١/١٧٨) رقم الحديث: ٣٤٠. وابن ماجه في "سننه" كتاب الطهارة وسننها، باب الوضوء بسؤر الهرة والرخصة في ذلك (١/١٣١) رقم الحديث: ٣٦٧. ومالك في "الموطأ" كتاب الطهارة، باب الطهور للوضوء (١/٢٢) رقم الحديث: ١٣ وأحمد في "مسنده" تتمة مسند الأنصار، حديث أبي قتادة الأنصاري (٣٧/٢١١) رقم الحديث: ٢٢٥٢٨، (٣٧/٢٧٢) رقم الحديث: ٢٢٥٨٠، (٣٧/٣١٦) رقم الحديث: ٢٢٦٣٦. والبيهقي في "السنن الكبرى" جماع أبواب ما يفسد الماء، باب سؤر الهرة (١/٣٧٣) رقم الحديث: ١١٦٥، ١١٦٦.

٣) أخرجه النسائي كما في "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأقوال، الباب الخامس في المياه والتيمم والمسح على الخفين، الفصل الأول في المياه، فرع في حكم سؤر الحيوان (٩/٤٠٠) رقم الحديث: ٢٦٦٨٣.

٤) أخرجه ابن أبي شيبة كما في "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأقوال، الباب الخامس في المياه والتيمم والمسح على الخفين، الفصل الأول في المياه، فرع في حكم سؤر الحيوان (٩/٤٠٠) رقم الحديث: ٢٦٦٨٥.

٥) أخرجه الديلمي في "الفردوس بمأثور الخطاب" باب الياء (٥/٥٤٠) رقم الحديث: ٩٠٢٥

٦) أخرجه الطبراني في "المعجم الصغير" باب العين، من اسمه عبد الله (١/٣٧٩) رقم الحديث: ٦٣٤.

٧) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الطهارة، باب سؤر الدواب (١/١٠٥) رقم الحديث: ٣٧٣.

٨) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الطهارة، باب سؤر الهر (١/١٠٢) رقم الحديث: ٣٥٩.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن عائشة، قالت: كنت أتوضأ أنا ورسول الله ﷺ من إناء قد أصاب منه الهر قبل ذلك. رواه عبد الرزاق وسعيد بن منصور.[1]

وعن علي رضي الله عنه أنه سئل عن سؤر السنور فقال: هي من السباع ولا بأس به. رواه مسدد والدار قطني.[2]

وعن أبي هريرة، أنه قال في السنور: إذا ولغ في الإناء يغسله سبع مرات.[3]

وعن مولى للأنصار أن جدته أخبرته أن مولاتها أرسلتها بجشيش أو رز إلى عائشة تهديه فجاءت به وعائشة تصلي فوضعته فدنت منه هرة فأكلت منه وعند عائشة نساء فلما انصرفت دعت به فرأت النساء يتوقين المكان الذي أكلت منه الهرة، فوضعت عائشة يدها في المكان الذي أكلت منه الهرة وقالت: ليست بنجس. رواه عبد الرزاق.[4]

تنبيه الكلام في الآثار

الكلام في الآثار كثير مذكور في الهداية وشروحه؛ مع ما فيها من التفصيل والاختلاف، والذي نختم بذكره الإثنان: الأول التوضي بالنبذ، والثاني ماء في القلتين.

أما الأول: فاعلم أن النبيذ هو أن ينبذ التمر في الماء ويترك أياما حتى يخرج حلاوته وقد يحدث فيه شيء من الحدة، وسيجيء الكلام فيه وفي أحكامه في كتاب الأشربة.

واختلف في التوضي به، عند أبي حنيفة ومن معه من العلماء كسفيان الثوري جاز الوضوء به إذا لم يوجد ماء خالص، ومع وجوده لا يجوز التيمم، وقيل: النية شرط عند أبي حنيفة في الوضوء بالنبيذ كأنه بدل من الماء كالتراب.

---

١) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الطهارة، باب سؤر الهر (١/١٠٢) رقم الحديث: ٣٥٦. وابن ماجه في "سننه" كتاب الطهارة، باب الوضوء بسؤر الهرة والرخصة في ذلك (١/١٣٦) رقم الحديث: ٣٦٨.

٢) أخرجه الدار قطني في "سننه" كتاب الطهارة، باب سؤر الهرة (١/١٦٨) رقم الحديث: ٢٢٠. ومسدد كما في "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأفعال، باب في المياه والاواني والتيمم والمسح والحيض، فصل في المياه، سؤر السباع (٩/٥٨٢) رقم الحديث: ٢٧٥٢٧.

٣) أخرجه سعيد بن منصور في "سننه" كما في "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأفعال، باب في المياه والاواني والتيمم والمسح والحيض، فصل في المياه، سؤر السباع (٩/٥٨٣) رقم الحديث: ٢٧٥٢٨.

٤) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الطهارة، باب سؤر الهرة (١/١٠١) رقم الحديث: ٣٥٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعند الشافعي وأحمد يجب التيمم، وهو قول أبي يوسف، وفي رواية عن أبي حنيفة، يحكي رجوعه إلى هذا القول، وعند محمد يتوضأ ثم يتيمم كما في الماء المشكوك كسؤر الحمار.

ويروى عن الطحاوي أنه قال: إن قدر على الماء المكروه ونبيذ التمر توضأ بالماء المكروه إجماعا.

وفي الاغتسال بنبيذ التمر قولان عن أبي حنيفة.

ودليل الباقين أن الوضوء لا يجوز إلا بماء مطلق لم يتقيد باسم آخر، ولهذا لا يجوز بماء الورد والخل مثلا، وإذا لم يوجد الماء المطلق وجب التيمم لقوله تعالى: "فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا" الآية.[1]

ومتمسك الإمام أبي حنيفة في تجويزه الحديث المذكور عن أبي زيد عن ابن مسعود، أن النبي ﷺ قال له ليلة الجن، وهي الليلة التي جاءت الجن، وبايعوا رسول الله ﷺ وسمعوا منه القرآن وأخبروا به قومهم. ما في أدواتك؟ فقال: نبيذ، قال رسول الله ﷺ: تمرة طيبة وماء طهور، أي ماء النبيذ، التمرة وهي طيبة ليس فيها ما يمنع التوضي وماء مطهر، أخرجه أبو داود والترمذي[2]، وقال الترمذي: وإنما روى هذا الحديث عن أبي زيد عن عبد الله عن النبي ﷺ وأبو زيد رجل مجهول عند أهل الحديث لا نعرف له رواية غير هذا الحديث، وقول من يقول لا يتوضأ بالنبيذ أقرب إلى الكتاب وأشبه؛ لأن الله عز وجل قال: "فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا".[3]

وقال في ميزان الاعتدال: أبو زيد مولى عمرو بن حريث عن ابن مسعود، وعنه أبو فزارة[4]، لا يصح حديثه، وذكره البخاري في الضعفاء، وقال الحاكم: رجل مجهول ما له سوى حديث واحد.[5]

---

١) النساء: ٤٣.

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب الوضوء بالنبيذ (٢١/١) رقم الحديث: ٨٤. والترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب الوضوء بالنبيذ (١٤٧/١) رقم الحديث: ٨٨.

٣) النساء: ٤٣.

٤) أبو فزارة: هو راشد بن كيسان العبسي –بالموحدة– أبو فزارة الكوفي، ثقة، من الخامسة. [تقريب التهذيب: ٢٠٤، رقم الترجمة: ١٨٥٦. تهذيب التهذيب: ٢٢٧/٣، رقم الترجمة: ٤٣٤.]

٥) ميزان الاعتدال. ٥٢٦/٤.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وفي التقريب: أبو زيد المخزومي مولى عمرو بن حريث [(١)]، وقيل: أبو زائد، مجهول من الثالثة، وقالوا: أبو فزارة راوي الحديث عن أبي زيد أيضا مجهول. [(٢)]

فقال الشافعي وأبو يوسف: هذا حال الحديث، ولو صح هذا فآية القرآن أقوى منه، فيتعين العمل بها على أن الحديث منسوخ بالآية؛ لانها مدنية، وقضية ليلة الجن كانت بمكة.

وقال محمد: لما كان في الحديث اضطراب، وفي التاريخ جهالة وجب الجمع بينهما احتياطا.

وقالوا من جانب أبي حنيفة رحمه الله: أن ليلة الجن متعددة، كانت بالمدينة كما كانت بمكة، ولعل هذه القصة كانت في التي كانت بالمدينة، وقد عمل بهذا الحديث جماعة من الصحابة، فعن علي ﷺ أنه قال: الوضوء بنبيذ التمر وضوء من لم يجد الماء. وعن ابن عباس: توضؤوا بنبيذ التمر، ولا توضؤوا باللبن. وروي عن ابن مسعود: جوازه عند عدم الماء، كذا في بعض شروح الهداية، وأورد السيوطي في جمع الجوامع عن الدار قطني أنه روي عن ابن عباس مثل قول علي ﷺ أجمعين.

وقال التوربشتي: حديث التوضئ بنبيذ التمر روي ابن مسعود بوجوه متعددة، وفي سائر أسانيدها مقال؛ لكن الحديث إذا روي من طرق شتى غلب على ظن المجتهد أن له حقيقة هذا. [(٣)]

وقال الشيخ ابن الهمام: قال القاضي أبو بكر بن العربي في شرح الترمذي: أبو زيد مولى عمرو بن حريث، روي عنه راشد بن كيسان العبسي الكوفي [(٤)] وأبو روق، وهذا يخرجه من الجهالة. وقال الشيخ تقي الدين السبكي: في تجهيل أبي فزارة أيضا نظر؛ لأنه قد روى هذا الحديث من أبي فزارة جماعة من أهل العلم مثل سفيان وشريك وجراح بن مليح وقيس بن الربيع. وقال ابن عدي: أبو فزارة راوي هذا الحديث مشهور، واسمه راشد بن كيسان. [(٥)]

---

١) أبو زيد المخزومي: هو أبو زيد المخزومي مولى عمرو بن حريث، وقيل: أبو زائد، مجهول، من الثالثة. [تقريب التهذيب: ٦٤٢، رقم الترجمة: ٨١٠٨.]

٢) تقريب التهذيب: ٦٤٢.

٣) مرقات المفاتيح: ٢/٤٥٣.

٤) راشد بن كيسان العبسي الكوفي: هو أبو فزارة راشد بن كيسان -بفتح كاف وسكون تحتية وبسين مهملة- العبسي -بالموحدة- الكوفي، ثقة، من الخامسة. [تقريب التهذيب: ٢٠٤، رقم الترجمة: ١٨٥٦. تهذيب التهذيب: ٣/٢٢٧، رقم الترجمة: ٤٣٤.]

٥) فتح القدير: ١/١٢٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وفي الكاشف: راشد بن كيسان العبسي الكوفي عن أنس وابن ليلى، وعنه سفيان وحماد بن زيد ثقة، وقد ضعف هذا الحديث بأنه صح.[1]

عن علقمة عن عبد الله بن مسعود أنه قال: لم أكن ليلة الجن مع رسول الله صلى الله عليه وسلم. رواه مسلم.[2]

قال التوربشتي: هذا صحيح؛ ولكنه يحتمل أنه لم يكن مع رسول الله ﷺ عند مفاوضة الجن ودعائهم إلى الإسلام، وكان قد خرج معه فاقعده بمدرجته على ما ذكر في الحديث عن ابن مسعود: فانطلقت معه إلى المكان الذي أراد، فخط لي خطا وأجلسني فيه، وقال: لا تخرج من هذا، فبت فيه حتى أتاني من السحر، ويحتمل أن ابن مسعود لم يكن مع رسول الله صلى الله عليه وسلم وقت الخروج، ثم لحقه في آخر الليل بعد أن فرغ من دعوة الجن، فكونه مع رسول الله ﷺ وعدم كونه معه ليلة الجن كلاهما صحيح، و هذا الوجه أوثق لما في بعض طرق حديث علقمة عن عبد الله الذي استدل به صاحب المشكاة أن علقمة قال: قلت لعبد الله: هل صحب رسول الله ﷺ ليلة الجن منكم أحد؟ قال: ماصحبه منا أحد، قال: ولكنا فقدناه ذات ليلة بمكة فبتنا بشر ليلة بات بها قوم، فلما كان في وجه الصبح أو قال: في السحر إذا نحن به نجيء من قبل حراء، ثم ساق الحديث، و هذا حديث صحيح أخرجه مسلم في كتابه، ولا تنافي بينه وبين قوله: في ليلة الجن لأن سحر تلك الليلة كان من ليلة الجن، انتهى كلام التوربشتي.[3]

والحق أنه قد ثبت بطرق كثيرة أن ابن مسعود كان معه ﷺ في ليلة الجن وخط رسول الله ﷺ حوله، وقال: لا تخرج منه، وهذه القصة طويلة ذكرت في كتب السيرة والأحاديث، وذكرها أبو نعيم في الحلية،[4] فالمراد بعدم كونه معه عدم حضوره في وقت المفاوضه والمكالمة مع الجن، والله أعلم.

وقال الشيخ ابن الهمام: أما ما أنه سئل ابن مسعود عن ليلة الجن، فقال: لم يحضر منا أحد، فمعارض بما روى ابن أبي شيبة أن ابن مسعود كان معه، وبما روى حفص بن شاهين عن ابن مسعود أنه قال: كنت معه ليلة الجن، وأيضا روي أن ابن مسعود رأى قوما

---

١) الكاشف: ٣٣٨/١.

٢) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب الجهر بالقراءة في الصبح (٣٣٣/١) رقم الحديث: ٤٥٠.

٣) مرقات المفاتيح: ٤٥٣/٢.

٤) حلية الأولياء: ٢٩٥/٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

من زط فقال: ما أشبههم بالذين رأينا من الجن ليلة الجن، والإثبات مقدم على النفي، وإن جمعنا بينهما قلنا: المراد بقوله: لم يكن منا أحد أنه لم يكن أحد من الصحابة غيري، فالمقصود نفي المشاركة وإثبات اختصاص نفسه بالحضور.[1]

وقال صاحب آكام المرجان في أحكام الجان: ظاهر الأحاديث الواردة في وفادة الجن أنها كانت ست مرات، واحد منها كانت في بقيع الغرقد وقد حضرها ابن مسعود، مرتين منها ما حضرها بمكة، ومرة رابعة كانت خارجة المدينة حضرها الزبير بن العوام، وبهذا لم يقطع بالنسخ،[2] انتهى كلام الشيخ ابن الهمام.[3] وبهذا ظهر أن الحق مع أبي حنيفة رحمه الله، والله أعلم بالصواب.

والثاني في ماء القلتين:

القلة: بضم القاف وتشديد اللام بمعنى الجرة العظيمة، أي الكوز الكبير الذي يجعل فيه الماء، وتسميتها بالقلة إما من جهة علوها وارتفاعها، أو لأن الرجل العظيم يرفعها، والقلة اسم لكل مرتفع، ومنه قلة الجبل، وجمع القلة قلال بكسر القاف، والمراد هنا قلال هجر بفتحتين.

وهجر قرية من قرى المدينة كما جاء صريحا في بعض روايات هذا الحديث، وأيضا كان هو المعروف في ذلك الزمان، فالظاهر وقوع التحديد به.

ومقدار القلة على المشهور قربتان ونصف، وقيل: قربتان، وقال ابن جريج: رأيت قلال هجر كان كل قلة منها قربتين أو قربتين وشيئا، وقال الشافعي: كان ذلك الشيء مبهما فأخذناه نصفا احتياطا: فكانت القلتان خمس قرب، والقربة خمسون منا من الماء، فكانت القلتان مائتين وخمسين منا.

ومذهب الشافعي وأحمد: إذا كان الماء مقدار قلتين لا ينجس بوقوع النجاسة فيه ما لم يتغير لونه أو طعمه أو ريحه؛ لكن عند أحمد إن كانت النجاسة بولا أوعذرة مائعة ينجس، إلا أن يكون الماء مثل المصانع التي بطريق مكة وما أشبهها من المياه الكثيرة التي لا يمكن نزحها، فذلك الذي لا ينجسه شيء، كذا في كتاب الخرقي.[4]

---

1) فتح القدير: ١/١٢٢.
2) آكام المرجان في أحكام الجان: ٨٤.
3) فتح القدير: ١/١٢٢-١٢٣.
4) المغني لابن قدامة: ١/٣٦-٤١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقد اختلف في صحة هذا الحديث مع أنه ذكره أئمة الحديث في كتبهم، وليس في الصحيحين، وقال علي بن المديني -وهو من أكابر أئمة الحديث، من شيوخ البخاري ومن أقران الإمام أحمد بن حنبل: ولم يثبت هذا الحديث من رسول الله ﷺ، وقال ليس لأحد من الفريقين في تقدير الماء وتحديده حديث صح عنه ﷺ.

وقال الزركشي: صححه ابن خزيمة وابن حبان والدار قطني، وقال الحاكم: على شرط الشيخين.[1]

وأصحابنا يقولون: هذا الحديث مخالف لإجماع الصحابة، كما سنبينه، وخبر الواحد إذا كان مخالفا للإجماع لم يقبل.

اعلم أن تفصيل المذاهب في هذا الباب، أن أصحاب الظواهر على أن الماء لا ينجس بوقوع النجاسة فيه أصلا، سواء كان جاريا أو راكدا، كثيرا أو قليلا، وسواء تغير لونه أو طعمه أو ريحه أو لم يتغير، وعامة العلماء على أنه إن كان قليلا ينجس وإن كان كثيرا لا ينجس.

ثم اختلفوا في حد الفاصل بين القليل والكثير، فقال مالك: ما تغير لونه أو طعمه أو ريحه فهو قليل، وما لم يتغير فكثير، فهو قد جعل التغير وعدمه معيارا للقلة والكثرة.

وقال الشافعي، وهو مذهب أحمد: إن كان الماء قلتين فهو كثير، ولا يحمل الخبث ولا يتنجس وإلا فهو قليل يتنجس.

وأصحابنا الحنفية رحمهم الله، قالوا: إن كان الماء بحال لا تخلص ولا ينفصل بعضه عن بعض فهو كثير، وإلا فقليل.

واحتج أصحاب الظواهر بحديث بئر بضاعة، من قوله ﷺ: إن الماء طهور لا ينجسه شيء.

والجمهور يقولون: إن هذا القول وإن كان مطلقا في الظاهر؛ لكنه مقيد بغير المتغير بدلالة الأحاديث الأخرى، فقد روى أبو أمامة: أن رسول الله ﷺ قال: الماء لا ينجسه شيء إلا ما غلب على ريحه ولونه وطعمه. رواه ابن ماجة والدارقطني ولفظه: إلا ماغير لونه أو ريحه أو طعمه.[2] وهذا هو دليل مالك. واحتج الشافعي [وأحمد] بحديث القلتين.

---

١) شرح الزركشي على مختصر الخرقي: ١/٨.

٢) أخرجه ابن ماجه في "سننه" كتاب الطهارة وسننها، باب الحياض (١/١٧٤) رقم الحديث: ٥٢١. والدار قطني في "سننه" كتاب الطهارة، باب الماء المتغير (١/٣١) رقم الحديث: ٤٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

والدليل لأصحابنا على تنجس الماء، قوله ﷺ: إذا استيقظ أحدكم من منامه فلا يغمسن يده في الاناء، حتى يغسلها ثلاثا؛ فإنه لا يدري أين باتت يده، فإنه يدل على أن الماء يتنجس بوقوع النجاسة، وإلا لم يكن النهي عن غمس اليد احتياطا لتوهم النجاسة معنى، وكذلك الأحاديث مستفيضة مشهورة في الأمر بغسل الظروف من ولوغ الكلب؛ مع أنه لا يغير اللون والطعم والريح، وكذلك حديث: لا يبولن أحدكم في الماء الدائم، ولا شك أن الماء الذي يمكن الاغتسال فيه قد يكون أكثر من قلتين فلا يغير البول لونه وطعمه وريحه، فعلم أن مجرد بلوغ الماء القلتين كما هو مذهب الشافعي، وعدم تغير اللون والريح والطعم كما هو مذهب مالك، لا يكفي في عدم تنجس الماء كذا قيل.

وقد ورد عن ابن عباس وابن الزبير رضي الله عنهم: أنهما أمرا بنزح كل الماء بوقوع الزنجي في بئر زمزم، ولم يظهر أثره في الماء، ولا شبهة في أنه كان أكثر من القلتين، وكان بمحضر من الصحابة، ولم يظهر من أحدهم الإنكار عليهم، فيكون حديث القلتين مخالفا للإجماع فلا يقبل.

ولما لم يثبت عن النبي ﷺ حديث في تقدير الماء وتحديده رجع أصحابنا في ذلك إلى الدلائل الحسية دون السمعية، وجعلوا معيار القلة والكثرة الخلوص، وبه قالوا: الغدير العظيم الذي في حكم الجاري هو الذي لا يخلص ولاينفصل أجزاء بعضه عن بعض.

ثم اختلفوا في تفسير الخلوص ففي أكثر الروايات اعتبر الخلوص بالتحريك بالغسل بحيث لا يتحرك طرفه عند تحريك الآخر بأن لا ينخفض ويرتفع من ساعته كذا قال الشمني.

ثم اختلفوا في تفسير الخلوص، ففي أكثر الروايات يتغير الخلوص بالتحريك؛ يعني يكون بحيث لا يتحرك طرفه عند تحريك الآخر، بأن لا ينخفض ويرتفع من ساعته، كذا قال الشمني.

ثم اختلفوا في سبب التحريك، روى أبو يوسف عن أبي حنيفة رحمهما الله: أن المعتبر التحريك بالاغتسال من غير شدة وعنف؛ لأن الحاجة إلى الحياض في الاغتسال أكثر، وروى محمد: أنه يعتبر التحريك بالوضوء لأنه وسط، وفي رواية باليد من غير اغتسال ووضوء، وفي هذا توسعة.

وظاهر الرواية عن أبي حنيفة: أن المعتبر غلبة الظن، إن غلب على الظن وصول النجاسة إلى الطرف الآخر لم يتوضأ، وإلا توضأ.

وقال شمس الأئمة: المذهب الظاهر التحري والتفويض إلى رأي المبتلى من غير حكم بالتقدير، فإن غلب على الظن وصولها يتنجس، وإن غلب عدم وصولها لم يتنجس، وهذا هو الأصح.

toobaa-elibrary.blogspot.com

واعتبر أبو سليمان الجوزجاني في الكثرة بالمساحة، واختاره المتأخرون، فقوم اعتبروا بثمانية في ثمانية، وقوم بخمسة عشر في خمسة عشر، ونقل عن محمد حين سئل عن الكثير أنه قال: إن كان مثل مسجدي هذا فكثير، فقيس حين قام وكان اثني عشر في مثلها في رواية، وثمانية في ثمان في أخرى، وصرحوا بأن محمد رجع عن هذا، وقال أبو عصمة: كان محمد بن حسن يوقت في ذلك عشرة في عشرة، ثم رجع إلى قول أبي حنيفة، وقال: لا أوقت شيئا، كذا قال الشيخ ابن الهمام.[1] والأكثرون بعشر في عشر وهو الذي اشتهر عند عامة العلماء؛ لأن العشرة أدنى شيء ينتهي إليه نوع الأعداد، وقال أبو الليث: وعليه الفتوى، والله أعلم.

---

(١) فتح القدير: ١/٧٦-٧٧

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب تطهير النجاسات

[الفصل الأول في الكلب وغيره من الحيوان] [1]

عن أبي هريرة ﷺ، قال: قال رسول الله ﷺ: إذا شرب الكلب في إناء أحدكم فليغسله سبع مرات. هذا الحديث روى في جامع الأصول من الكتب الستة بروايات متعددة والفاظ مختلفة، ففي رواية: فليرقه ثم ليغسله سبع مرار أولهن بالتراب. وفي أخرى: مثله ولم يقل فليرقه. وفي أخرى: طهور إناء أحدكم، إذا ولغ فيه الكلب: أن يغسله سبع مرات، أولاهن بالتراب. وفي أخرى لأبي داود بمعناه، ولم يرفعه، وزاد: وإذا ولغ الهر غسل مرة. وفي أخرى: السابعة بالتراب. وفي رواية: احداهن بالتراب. وفي رواية الترمذي أولاهن أو أخراهن بالتراب، وإذا ولغت فيه الهرة غسل مرة. وروي جماعة ولم يذكروا: التراب. [2]

تنبيه

اعلم أن غسل الإناء سبعا إذا ولغ الكلب فيه مذهب أكثر المحدثين ومذهب الأئمة الثلاثة خلافا للإمام أبي حنيفة، لكن عند مالك الغسل عند الولوغ تعبدي؛ لأن الكلب طاهر عنده، ويحكى عنه أربعة أقوال: طهارته، ونجاسته، وطهارة سؤر المأذون المخاذ، والفرق بين البدوي والحضري، وهذا الحديث دليل على نجاسته، وحجته قوله تعالى: ﴿فَكُلُواْ مِمَّآ

---

1) كما في "الجامع الصول": ٩٩/٧.

2) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الوضوء، باب الماء الذي يغسل به شعر الإنسان (٤٥/١) رقم الحديث: ١٧٢. ومسلم في "صحيحه" كتاب الطهارة، باب حكم ولوغ الكلب (٢٣٤/١) رقم الحديث: ٢٧٩. وأبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب الوضوء بسؤر الكلب (١٩/١) رقم الحديث: ٧١، ٧٣. والترمذي في "جامعه" كتاب الطهارة، باب ما جاء في سؤر الكلب (١٥١/١) رقم الحديث: ٩١. والنسائي في "سننه" كتاب الطهارة، باب سؤر الكلب (٥٢/١) رقم الحديث: ٦٣، ٦٤، باب الأمر بإراقة ما في الإناء إذا ولغ فيه الكلب (٥٣/١) رقم الحديث: ٦٦، كتاب المياه، باب سؤر الكلب (١٧٦/١) رقم الحديث: ٣٣٥، باب تعفير الإناء بالتراب من ولوغ الكلب فيه (١٧٧/١) رقم الحديث: ٣٣٨، ٣٣٩. وابن ماجه في "سننه" كتاب الطهارة وسننها، باب غسل الإناء من ولوغ الكلب (١٣٠/١) رقم الحديث: ٣٦٣، ٣٦٤. ومالك في "الموطأ" كتاب الطهارة، باب جامع الوضوء (٣٤/١) رقم الحديث: ٣٥ وابن الأثير في "جامع الأصول" حرف الطاء، الكتاب الأول في الطهارة، الباب الثاني في إزالة النجاسة، الفصل الرابع في الكلب وغيره من الحيوان (٩٩/٧) رقم الحديث: ٥٠٧٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ، (١) ولا يؤمر بغسل ما أصاب فمه، وجوابه: أنه ساكت، ودل الحديث على الغسل فيجمع، ولوسلم فعفي ذا للمشقة في الصيد واحتج بالأمر بالسبع ولو كان نجسا لاكتفى بالواحد.

والطاهر يغتسل تعبدا متكررا كالوضوء على الوضوء، واعترض بأنه لوكان طاهرا لم يجب التكرار كالوضوء.

وعن أحمد يجب الغسل ثمانيا لما روى عبد الله بن مغفل (٢)، قال: قال رسول الله ﷺ: إذا ولغ الكلب في الاناء فاغسلوه سبع مرات، وعفروه الثامنة بالتراب، رواه مسلم وغيره. (٣)

وذكر في شرح كتاب الخرقي في مذهبه، ثم المذكور في الحديث ولوغ الكلب في الإناء فجعل الخنزير في حكمه بطريق الأولى، وقيس عليه البول وغيره من النجاسات، وغير الإناء من الثياب والفرش والأرض على الإناء، والأشنان ونحوه على التراب، وقيل: بالإقتصار على مورد النص تعبدا وحكم في غيره.

إما بتثليث الغسل لحديث: إذا استيقظ أحدكم من نومه فلا يغمسن يده في الإناء حتى يغسلها ثلاثا، (٤) أو بالغسل من غير اعتبار عدد؛ لأن النبي ﷺ أمر أسماء بغسل دم الحيض ولم يأمرها بعدد، (٥) وأمر أن يصب على بول الأعرابي ذنوب من ماء ولم يأمر بعدد،(٦) والكل مروي عن الإمام أحمد بن حنبل.

---

١) المائدة: ٤.

٢) عبد الله بن مغفل: هو أبو عبد الرحمن عبد الله بن مغفل -بمعجمة وفاء ثقيلة- بن عبد نهم -بفتح النون وسكون الهاء- المزني، صحابي، بايع تحت الشجرة، ونزل البصرة، مات سنة سبع وخمسين، وقيل: بعد ذلك. [تقريب التهذيب: ٣٢٥، رقم الترجمة: ٣٦٣٨. تهذيب التهذيب: ٤٢/٦، رقم الترجمة: ٧٥.]

٣) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الطهارة، باب حكم ولوغ الكلب (٢٣٤/١) رقم الحديث: ٢٨٠. وأبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب الوضوء بسؤر الكلب (٢٠/١) رقم الحديث: ٧٤. والنسائي في "سننه" كتاب الطهارة، باب تعفير الإناء الذي ولغ فيه الكلب بالتراب (٥٤/١) رقم الحديث: ٦٧. وابن ماجه في "سننه" كتاب الطهارة وسننها، باب غسل الإناء من ولوغ الكلب (١٣١/١) رقم الحديث: ٣٦٥.

٤) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الطهارة، باب كراهة غمس المتوضئ يده المشكوك في نجاستها (٢٣٣/١) رقم الحديث: ٢٧٨.

٥) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الوضوء، باب غسل الدم (٥٥/١) رقم الحديث: ٢٢٧. ومسلم في "صحيحه" كتاب الطهارة، باب نجاسة الدم وكيفية غسله (٢٤٠/١) رقم الحديث: ٢٩١.

٦) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الوضوء، باب صب الماء على البول في المسجد (٥٤/١) رقم الحديث: ٢٢٠

toobaa-elibrary.blogspot.com

وما ظفرنا من كلام الشافعي بشيء من ذلك سوى أنه قال: بوجوب الغسل سبع مرات تعبدا وتعللا، والله أعلم.

ولا أدري ماذا قال أصحابنا عن أبي حنيفة رحمه الله في ترك العمل بالحديث، أما أن نقول كان ذلك احتياطا لا وجوبا، والدلائل دالة على خلاف ذلك، فيكون حكمه كحكم سائر النجاسات، أو كان في ابتداء الإسلام ثم نسخ، والله أعلم.

[الفصل الثاني في البول على الأرض] [١]

عن أنس أن النبي ﷺ رأى أعرابيا [٢] يبول في المسجد، فقال: دعوه، حتى إذا فرغ دعا بماء فصبه عليه. هذا الحديث أيضا جاء بروايات متعددة وألفاظه مختلفة من البخاري ومسلم والنسائي. [٣]

وعن أبي هريرة: أن أعرابيا دخل المسجد ورسول الله ﷺ جالس، فصلى ركعتين، ثم قال: اللهم ارحمني ومحمدا، ولا ترحم معنا أحدا، فقال النبي ﷺ: لقد تحجرت واسعا، ثم لم يلبث أن بال في ناحية المسجد، فأسرع الناس إليه، فنهاهم النبي ﷺ، وقال: إنما بعثتم ميسرين، ولم تبعثوا معسرين، صبوا عليه سجلا من ماء أو قال: ذنوبا من ماء. رواه الترمذي وأبو داود، وفي رواية البخاري والنسائي مفرقا من موضعين. [٤]

---

١) كما في "جامع الأصول": ٨٣/٧.

٢) اختلف في اسم ذلك الأعرابي، فقيل: اسمه ذو الخويصرة اليماني، ووكان رجلا جافيا، وقيل: الأقرع بن حابس التميمي [لمعات التنقيح: ٢٢٣/٢]

٣) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الوضوء، باب ترك النبي ﷺ والناس الأعرابي حتى فرغ من بوله في المسجد (٥٤/١) رقم الحديث: ٢١٩. ومسلم في "صحيحه" كتاب الطهارة، باب وجوب غسل البول وغيره من النجاسات إذا حصلت في المسجد (٢٣٦/١) رقم الحديث: ٢٨٤. والنسائي في "سننه" كتاب الطهارة، باب ترك التوقيت في الماء (٤٧/١) رقم الحديث: ٥٣، ٥٤، ٥٥.

٤) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الوضوء، باب صب الماء على البول في المسجد (٥٤/١) رقم الحديث: ٢٢٠، كتاب الأدب، باب رحمة الناس والبهائم (١٠/٨) رقم الحديث: ٦٠١٠، باب قول النبي ﷺ: يسروا ولا تعسروا (٢٠/٨) رقم الحديث: ٦١٢٨. وأبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب الأرض يصيبها البول (١٠٣/١) رقم الحديث: ٣٨٠، كتاب الصلاة، باب الدعاء في الصلاة (٢٣٣/١) رقم الحديث: ٨٨٢. والترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب ما جاء في البول يصيب الأرض (٢٧٥/١) رقم الحديث: ١٤٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أبي عبد الله الجشمي قال: جاء أعرابي فأناخ راحلته، ثم عقلها، ثم دخل المسجد فصلى خلف رسول الله ﷺ، فلما سلم رسول الله ﷺ، أتى راحلته فأطلقها، ثم ركب، ثم نادى :اللهم ارحمني ومحمدا، ولا تشرك في رحمتنا أحدا، فقال رسول الله ﷺ: أتقولون هو أضل أم بعيره، ألم تسمعوا إلى ما قال؟ قالوا: بلى. أخرجه أبو داود.(١)

وعن يحيى بن سعيد أنه قال: دخل أعرابي المسجد، فكشف عن فرجه ليبول، فصاح الناس به، حتى علا الصوت، فقال رسول الله ﷺ: اتركوه، فتركوه، فبال، ثم أمر رسول الله ﷺ: بذنوب من ماء، فصب على ذلك المكان. أخرجه الموطأ هكذا مرسلا عن يحيى بن سعيد.(٢)

تنبيه

واعلم أن الحديث يدل بظاهره على أن الأرض تطهر بصب الماء إذا ورد على النجاسة على سبيل المكاثرة والغلبة، وعلى أن غسالة النجاسة طاهرة، وإن اندفعت إلى موضع آخر من أرض أو بدن أو ثوب أو خرجت من الحصير إلى الأرض، واختلف فيه على أقوال، ثالثها: إن انفصلت وقد طهر المحل فطاهرة وإلا فنجسة، وإن انفصلت متغيرا لونها أو ريحها يتنجس إجماعا، كذا في مجمع البحار.(٣)

وقال الطيبي: فيه دلالة على أن الأرض إذا أصابتها نجاسة لا تطهر بالجفاف، ولا يجب حفر الأرض ولا نقل التراب إذا صب عليه الماء، والحفر والنقل واجب عند أبي حنيفة ﷺ، وأن الشمس إذا جففتها طهرت عنده، انتهى.(٤)

وما فزت في هذا الحديث من كلام أصحابنا جوابا عن هذا الكلام، وأقول وبالله التوفيق: إنه لم يدل الحديث على أنهم صلوا في ذلك المكان قبل الجفاف، فلعله إنما أمر بصب الماء تقليلا لتغليظ النجاسة ورائحة البول ولونه بمبالغة الماء ولم يكتف في التطهير به، بل هو حصل بالجفاف، والحديث عن ذلك ساكت، فافهم.

والنسائي في "سننه" كتاب الطهارة، باب ترك التوقيت في الماء (٤٨/١) رقم الحديث: ٥٦، كتاب المياه باب التوقيت في الماء (١٧٥/١) رقم الحديث: ٣٣٠.

١) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الأدب، باب من ليس له غيبة (٢٤٧/٧) رقم الحديث: ٤٨٨٥.

٢) أخرجه مالك في "الموطأ" كتاب الطهارة، باب ما جاء في البول قائما (٦٤/١) رقم الحديث: ١١١.

٣) مجمع بحار الأنوار: ٤٧٩/٣.

٤) شرح الطيبي: ١١٢/٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

[الفصل الثالث في بول الطفل] (١)

وعن أم قيس بنت محصن ﵂ (٢): أنها أتت بابن لها صغير، لم يأكل الطعام، إلى رسول الله ﷺ، فأجلسه رسول الله ﷺ في حجره، فبال على ثوبه، فدعا بماء فنضحه، ولم يغسله. وفي رواية: فلم يزد على أن نضح بالماء. وفي أخرى: فدعا بماء فرشه. أخرجه البخاري، ومسلم، والنسائي، وأخرج الموطأ، وأبو داود الأولى، وأخرج الترمذي الأخرة. (٣)

وعن عائشة، قالت: أن رسول الله ﷺ أتى بصبي، فبال على ثوبه، فدعا بماء فأتبعه إياه. وفي رواية: أتى بصبي فحنكه، أخرجه البخاري ومسلم. ولمسلم: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم: كان يؤتى بالصبيان فيبرك عليهم، ويحنكهم، فأتي بصبي ... وذكر الحديث. (٤)

وعن أبي السمح -خادم رسول الله ﷺ- قال: أتى بحسن أو حسين فبال على صدره، فجئت أغسله، فقال: يغسل من بول الجارية ويرش من بول الغلام. أخرجه أبو داود، واختصر النسائي، فقال رسول الله ﷺ: يغسل من بول الجارية، ويرش من بول الغلام. (٥)

---

١) كما في "جامع الأصول": ٧/٨٠.

٢) أم قيس بنت محصن: هي أم قيس بنت محصن -بكسر الميم وسكون الحاء المهملة والنون- الأسدية، أخت عكاشة، يقال. إن اسمها آمنة، صحابية مشهورة، لها أحاديث. [تقريب التهذيب: ٧٥٨، رقم الترجمة: ٨٧٥٦. تهذيب التهذيب: ١٢/٤٧٦، رقم الترجمة: ٢٩٧٥.]

٣) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الوضوء، باب بول الصبيان (١/٥٤) رقم الحديث: ٢٢٣. ومسلم في "صحيحه" كتاب الطهارة، باب حكم بول الطفل الرضيع وكيفيته غسله (١/٢٣٨) رقم الحديث: ٢٨٧. وأبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب بول الصبي يصيب الثوب (١/١٠٢) رقم الحديث: ٣٧٤. والترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب ما جاء في نضح بول الغلام قبل أن يطعم (١/١٠٤) رقم الحديث: ٧١. والنسائي في "سننه" كتاب الطهارة، باب بول الصبي الذي لم يأكل الطعام (١/١٥٧) رقم الحديث: ٣٠٢. ومالك في "الموطأ" كتاب الطهارة، باب ما جاء في بول الصبي (١/٦٤) رقم الحديث: ١١٠.

٤) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الوضوء، باب بول الصبيان (١/٥٤) رقم الحديث: ٢٢٢، كتاب العقيقة، باب تسمية المولود (٧/٨٤) رقم الحديث: ٥٤٦٨، كتاب الأدب، باب وضع الصبي في الحجر (٨/٨) رقم الحديث: ٦٠٠٢، كتاب الدعوات، باب الدعاء للصبيان بالبركة (٨/٧٦) رقم الحديث: ٦٣٥٥. ومسلم في "صحيحه" كتاب الطهارة، باب حكم بول الطفل الرضيع وكيفية غسله (١/٢٣٨) رقم الحديث: ٢٨٦.

٥) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب بول الصبي يصيب الثوب (١/١٠٢) رقم الحديث: ٣٧٦. والنسائي في "سننه" كتاب الطهارة، باب بول الجارية (١/١٥٨) رقم الحديث: ٣٠٤.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن علي بن أبي طالب ﷺ أن النبي ﷺ قال في بول الغلام الرضيع: ينضح بول الغلام، ويغسل بول الجارية. قال قتادة: هذا ما لم يطعما، فإذا طعما غسلا جميعا. رواه الترمذي وأبو داود، وقال الترمذي: رفع بعضهم هذا الحديث، ووقفه بعضهم ولم يرفعه. وفي رواية أبي داود قال علي: يغسل بول الجارية، وينضح من بول الغلام ما لم يطعم. وفي رواية عنه: أن النبي ﷺ قال: ... فذكر بمعناه، ولم يذكر ما لم يطعم، وزاد: قال قتادة: هذا ما لم يطعما، فإذا طعما: غسلا جميعا. [1]

تنبيه

وظاهر الحديث أنه اكتفى برش الماء في بول الغلام من غير أن يغسله، وخصوصا في رواية صرح بأنه لم يغسله.

وقال الطيبي: المراد بالنضح رش الماء بحيث يصل إلى جميع موارد البول من غير جري، وفي مجمع البحار عن النووي: حقيقة النضح بإهمال حاء: أن يغمر بحيث لو عصر لا يعصر، وقيل: أن يغمر ويكاثر بالماء مكاثرة لا تبلغ جريان الماء وتقاطره، والمشهور أنه يكفي في بوله لا في بولها، وقيل: يكفي فيهما، وقيل: لا فيهما، وهو مذهب أبي حنيفة ومالك رحمهما الله، وعن الكرماني عند مالك والحنفية النضح بمعنى الغسل كثير معروف، انتهى. فإذا أريد بالنضح ههنا الغسل فالمراد بقوله: لم يغسله، أي: لم يبالغ في غسله.

قال التوربشتي: لم يرد أنه لم يغسل وإنما أراد به التفريق بين الغسلين ألبتة على أنه غسل دون غسل، فعبر عن أحدهما بالغسل وعن الآخر بالنضح.

ونقل الشمني عن الطحاوي أنه قال: النضح الوارد في بول الصبي المراد به الصب، لما روى هشام بن عروة عن أبيه عن عائشة ﷺ قالت: أتي رسول الله ﷺ بصبي فبال عليه، فقال: صبوا عليه الماء صبا، قال: من أن حكم بول الغلام الغسل إلا أنه يجزئ فيه الصب، وحكم بول الجارية أيضا الغسل إلا أنه لا يكفي فيه الصب، ويفهم من هذا الكلام أن الصب غير النضح وهو كذلك، فإن النضح إيصال الماء في مواضع البول من غير جريان الماء عليه، وفي الصب جريان، كذا في المفاتيح.

---

1) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب بول الصبي يصيب الثوب (١/١٠٣) رقم الحديث: ٣٧٧، ٣٧٨. والترمذي في "جامعه" أبواب السفر، باب ما ذكر في نضح بول الغلام الرضيع (٢/٥٠٩) رقم الحديث ٦١٠.

toobaa-elibrary.blogspot.com

[الفصل الرابع في دم الحيض][1]

وعن أسماء بنت أبي بكر رضي الله عنهما قالت: جاءت امرأة إلى النبي ﷺ، فقالت: إحدانا يصيب ثوبها من الحيضة: كيف تصنع به؟ فقال: تحته، ثم تقرصه بالماء، ثم تنضحه، ثم تصلي فيه أخرجه الجماعة إلا النسائي. وفي رواية النسائي: قال: سمعت امرأة تسأل رسول الله ﷺ كيف تصنع إحدانا بثوبها إذا رأت الطهر: أتصلي فيه؟ قال: تنظر، فإن رأت فيه دما بريقها فلتقرصه بشيء من ماء ولتنضح ما لم تر، ولتصل فيه.[2]

وعن عائشة: ما كانت لإحدانا إلا ثوب واحد تحيض فيه، فإذا أصابه شيء من دم قالت بريقها فمصعته بظفرها، رواه البخاري وأبو داود.[3]

وفي رواية: قالت معاذة: سألت عائشة عن الحائض يصيب ثوبها الدم؟ قالت: تغسله، فإن لم يذهب أثره فلتغيره بشيء من صفرة، قالت: ولقد كنت أحيض عند رسول الله ﷺ ثلاث حيض جميعا، لا أغسل لي ثوبا. وله في أخرى قال خلاس الهجري: سمعت عائشة تقول: كنت أنا ورسول الله ﷺ نبيت في الشعار الواحد وأنا حائض طامث، فإن أصابه مني شيء، غسل مكانه، لم يعده، ثم صلى فيه.[4]

وعنها، قالت: كنت أغسل الجنابة من ثوب رسول الله ﷺ، فيخرج إلى الصلاة وإن بقع الماء في ثوبه. أخرج البخاري ومسلم.

---

١) كما في "جامع الأصول": ٧/٩٤.

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الوضوء، باب غسل الدم (١/٥٥) رقم الحديث: ٢٢٧، كتاب الحيض، باب غسل دم الحيض (١/٦٩) رقم الحديث: ٣٠٧. ومسلم في "صحيحه" كتاب طهارة، باب نجاسة الدم وكيفية غسله (١/٢٤٠) رقم الحديث: ٢٩١. وأبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب المرأة تغسل ثوبها الذي تلبسه في حيضها (١/٩٩) رقم الحديث: ٣٦٠، ٣٦١. والترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب ما جاء في غسل دم الحيض من الثوب (١/٢٥٤) رقم الحديث: ١٣٨. والنسائي في "سننه" كتاب الطهارة، باب دم الحيض يصيب الثوب (١/١٥٥) رقم الحديث: ٢٩٣، ٢٩٤. ومالك في "الموطأ" كتاب الطهارة، باب جامع الحيضة (١/٦٠) رقم الحديث: ١٠٣.

٣) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الحيض، باب هل تصلي المرأة في ثوب حاضت فيه؟ (١/٦٩) رقم الحديث: ٣١٢. وأبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب المرأة تغسل ثوبها الذي تلبسه في حيضها (١/٩٨) رقم الحديث: ٣٥٨.

٤) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب المرأة تغسل ثوبها الذي تلبسه في حيضها (١/٩٨) رقم الحديث: ٣٥٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وفي رواية: أن رسول الله ﷺ كان يغسل المني، ثم يخرج إلى الصلاة في ذلك الثوب، وأنا أنظر أثر الغسل فيه.

ولمسلم من حديث عبد الله بن شهاب الخولاني [١] قال: كنت نازلا على عائشة: فاحتلمت في ثوبي، فغمستهما في الماء، فرأتني جارية لعائشة، فأخبرتها، فبعثت إلي عائشة: فقالت: ما حملك على ما صنعت بثوبيك؟ قال: قلت: رأيت ما يرى النائم في منامه، قالت: هل رأيت فيهما شيئا؟ قلت: لا، قالت: فلو رأيت شيئا غسلته، لقد رأيتني وإني لأحكه من ثوب رسول الله ﷺ يابسا بظفري. [٢]

وعنها قالت: كنت أفرك المني من ثوب رسول الله ﷺ فيصلي فيه. [٣]

تنبيه

في قول عائشة: كنت اغسله، دليل أن المني نجس كما هو مذهبنا ومذهب مالك، ورواية من أحمد، وعند الشافعي والمشهور من مذهب أحمد أنه طاهر، ونقلوا عنهم في الاستدلال عليه أنه أصل أولياء الله تعالى فكيف نقول: إنه نجس؟، وما روى الدار قطني والطبراني عن ابن عباس رضي الله عنهما ما قال: سئل النبي ﷺ عن المني يصيب الثوب، فقال: إنما هو بمنزلة المخاط والبزاق، وإنما يكفيك أن تمسحه بخرقة أو بإذخرة. [٤]

ولنا أحاديث وردت في غسله رطبا أو فركه يابسا، وضمه مع الأشياء النجسة في قوله ﷺ: إنما يغسل الثوب من خمس: البول والغائط والدم والمني والقيء على ما رواه في

---

١) عبد الله بن شهاب الخولاني: هو أبو الجزل -بفتح الجيم وسكون الزاي- عبد الله بن شهاب الخولاني كوفي، مقبول، من الثالثة. [تقريب التهذيب: ٣٠٨، رقم الترجمة: ٣٣٨٦. تهذيب التهذيب: ٥/٢٥٤-٢٥٥، رقم الترجمة: ٤٤٦].

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الوضوء، باب غسل المني وفركه (١/٥٥) رقم الحديث: ٢٢٩، ٢٣٠، ٢٣١، ٢٣٢. ومسلم في "صحيحه" كتاب الطهارة، باب حكم المني (١/٢٣٨) رقم الحديث. ٢٨٨. وأبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب المني يصيب الثوب (١/١٠٢) رقم الحديث: ٣٧٣. والنسائي في "سننه" كتاب الطهارة، باب غسل المني من الثوب (١/١٥٦) رقم الحديث: ٢٩٥.

٣) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب المني يصيب الثوب (١/١٠١) رقم الحديث: ٣٧٢.

٤) أخرجه الدار قطني في "سننه" كتاب الطهارة، باب ما ورد في طهارة المني وحكمه رطبا يابسا (١/٢٢٥) رقم الحديث: ٤٤٧ والطبراني في "المعجم الكبير" باب العين، عطاء، عن ابن عباس (١١/١٤٨) رقم الحديث: ١١٣٢١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

الهداية، [1] والجواب عن قولهم بأنه أصل أولياء الله طاهر لأنه لا استبعاد في تكون الطاهر من النجس كاللبن من الدم، وأيضا خلقوا من العلقة، والدم نجس بالاتفاق، وما ذكروه معارض بأنه أصل أعداء الله فينبغي أن يكون نجسا كذا ذكر.

[الفصل الخامس في الجلود] [2]

وعن ابن عباس رضي الله عنهما، قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: إذا دبغ الإهاب فقد طهر. رواه الخمسة غير البخاري. [3]

قال مرثد بن عبد الله اليزني: رأيت على عبد الرحمن بن وعلة السبئي فروا فمسسته، فقال مالك تمسه؟ قلت: قد سألت عبد الله بن عباس: إنا نكون بالمغرب، ومعنا البربر والمجوس، نؤتى بالكبش قد ذبحوه، ونحن لا نأكل ذبائحهم، ويأتونا بالسقاء يجعلون فيه الودك؟ فقال ابن عباس: قد سألنا رسول الله ﷺ عن ذلك؟ فقال: دباغه طهوره. وللنسائي: أن [عبد الرحمن] بن وعلة سأل ابن عباس فقال: إنا نغزو هذا المغرب، وإنهم أهل وثن، ولهم قرب، يكون فيها اللبن والماء؟ فقال ابن عباس: الدباغ طهور، قال ابن وعلة: عن رأيك، أو شيء سمعته من رسول الله ﷺ؟ قال: عن رسول الله ﷺ. [4]

---

١) الهداية: ١/٣٦-٣٧.

٢) كما في "جامع الأصول": ٧/١٠٦.

٣) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الحيض، باب طهارة جلود الميتة بالدباغ (١/٢٧٧) رقم الحديث: ٣٦٦. وأبو داود في "سننه" كتاب اللباس، باب في أهب الميتة (٤/٦٦) رقم الحديث: ٤١٢٣. والترمذي في "جامعه" أبواب اللباس، باب ما جاء في جلود الميتة إذا دبغت (٤/٢٢١) رقم الحديث: ١٧٢٨. والنسائي في "سننه" كتاب الفروع والعتيرة، باب جلود الميتة (٧/١٧٢) رقم الحديث: ٤٢٣٥، ٤٢٣٦. ومالك في "الموطأ" كتاب الصيد، باب ما جاء في جلود الميتة (٢/٤٩٨) رقم الحديث: ١٦، ١٧.

٤) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الحيض، باب طهارة جلود الميتة بالدباغ (١/٢٧٦) رقم الحديث: ٣٦٣. وأبو داود في "سننه" كتاب اللباس، باب في أهب الميتة (٤/٦٦) رقم الحديث: ٤١٢٣. والترمذي في "جامعه" أبواب اللباس، باب ما جاء في جلود الميتة إذا دبغت (٤/٢٢١) رقم الحديث: ١٧٢٨. والنسائي في "سننه" كتاب الفروع والعتيرة، باب جلود الميتة (٧/١٧٢) رقم الحديث: ٤٢٣٥، ٤٢٣٦. ومالك في "الموطأ" كتاب الصيد، باب ما جاء في جلود الميتة (٢/٤٩٨) رقم الحديث: ١٦، ١٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

تنبيه

اعلم أن حديث الدباغ مشهور، رواه كثير من الصحابة و الصحابيات، وطهارة الجلد بالدبغ وإن كان جلد ميتة أو غير مأكول متفق عليها في مذاهب الأئمة الأربعة غير أن لأئمة مذهب أحمد رحمه الله كلاما في طهارة جلد الميتة، فبعضهم تكلموا في صحة الأحاديث الواردة في هذا الباب، وبعضهم التزموا صحتها، ومنعوا تخصيص عام القرآن بالسنة، وهو قوله تعالى: حرمت عليكم الميتة [المائدة:] والجلد جزء منها، والمقصود تحريم الفعل المقصود من كل جزء منها، والمقصود من الجلد الانتفاع به، كما أن المقصود من اللحم الأكل، وأوردوا أحاديث دالة على النهي عن الانتفاع بالميتة بإهاب ولا عصب، منه حديث عبد الله بن حكيم قال: أتانا كتاب رسول الله: أن لا تنتفعوا بإهاب ولا عصب

وقد ذكر هذا الحديث في المشكاة برواية الترمذي وأبي داود والنسائي وابن ماجة.[1]

وفي جامع الأصول، قال عبد الله بن عكيم [2]: قرئ علينا كتاب رسول الله صلى الله عليه وسلم بأرض جهينة، وأنا يومئذ غلام شاب، يقول فيه: لا تستمتعوا من الميتة بإهاب ولا عصب. وفي أخرى أن رسول الله ﷺ كتب إلى جهينة قبل موته بشهرين: لا تنتفعوا من الميتة بإهاب ولا عصب.[3]

ومنعوا تخصيص الإهاب اسما للجلد قبل الدباغ، ويحكى عن صالح بن أحمد أنه قال: ليس عندي في الدباغ حديث صحيح، ورووا حديثا للدار قطني أنه قال: كنت رخصت لكم في جلود الميتة فإذا جاءكم كتابي هذا فلا تنتفعوا من الميتة بإهاب ولا عصب، وهو مشعر بنهي بعد رخصة، وأن ما كان من الرخصة كان أولا، هذا والحق أن أحاديث الدباغ صحيحة مشهورة تجوز بمثلها الزيادة على الكتاب، أو أن الكتاب مجمل لا عام فبينته السنة، ولهذا ذهب المحققون من الحنابلة بالطهارة، وأحاديث المخالفين ضعيفة.

---

١) مشكاة المصابيح، باب تطهير النجاسات، الفصل الثاني (١٥٧/١) رقم الحديث: ٥٠٨.

٢) عبد الله بن عكيم: هو أبو معبد عبد الله بن عكيم -بالتصغير- الجهني الكوفي، مخضرم، من الثانية، وقد سمع كتاب النبي ﷺ إلى جهينة، مات في إمرة الحجاج. [تقريب التهذيب: ٣١٤، رقم الترجمة: ٣٤٨٢. تهذيب التهذيب: ٣٢٣/٥-٣٢٤، رقم الترجمة: ٥٥٤.]

٣) جامع الأصول (١١١/٧) رقم الحديث: ٥٠٨٦.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقال التوربشتي: الجمهور من العلماء لا يرون القول بحديث ابن عكيم؛ لأنه لا يقاوم الأحاديث التي وردت في هذا الباب صحة واشتهارا، قالوا: كان أحمد بن حنبل يقول بحديث ابن عكيم قبل وفاته بشهرين، ويقول: هذا آخر الأمر من رسول الله ﷺ، وتركه من الاضطراب في إسناده، حيث روى بعضهم عن عبد الله بن عكيم عن أشياخ من جهينة.(١)

وقال الشمني: إن النووي أعله في الخلاصة بثلاثة أمور، الأول: اضطراب سنده، والثاني: اضطراب متنه، روي قبل موته بثلاثة أيام، وروي بشهرين، وروي بأربعين يوما، والثالث: بالاختلاف في صحبته. قال البيهقي وغيره لا صحبة له. انتهى.

وقال الشيخ في التقريب: عبد الله بن عكيم بالتصغير الجهني أبو معبد الكوفي، مخضرم، من الثالثة، وقد سمع كتاب رسول الله ﷺ إلى جهينة.(٢)

[الفصل السادس في النجاسة تكون في الطريق](٣)

وعن البراء بن عازب قال: قال: رسول الله ﷺ: لا بأس ببول ما يؤكل لحمه، رواه أحمد والدار قطني.(٤)

تمسك به من قال بطهارته كمالك وأحمد ومحمد الإصطخري من الشافعية، وهو عند أبي حنيفة وأبي يوسف نجس نجاسة خفيفة لتعارض الآثار، ولعلل تأويل هذا الحديث عندهما أن المراد لا بأس عظيم، وقد تعارف استعمال هذه الكلمة فيما إذا كان نقيض الحكم أولى أو أحرى.

عن أم سلمة ﵂ قالت لها امرأة: إني أطيل ذيلي، وأمشي في المكان القذر؟ قالت: قال رسول الله ﷺ: يطهره ما بعده. أخرجه أبو داود والترمذي والموطأ.

وقال الترمذي: وفي الباب عن عبد الله بن مسعود قال: كنا نصلي مع رسول الله ﷺ ولا نتوضأ من الموطأ.(٥)

---

١) كتاب المسير: ١/١٦٦

٢) تقريب التهذيب: ٣١٤

٣) كما في "جامع الأصول": ٨٨/٧.

٤) كما في "مشكاة المصابيح" كتاب الطهارة، باب تطهير النجاسات، الفصل الثالث (١٥٩/١) رقم الحديث: ٥١٥، ٥١٦.

٥) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب في الأذى يصيب الذيل (١٠٤/١) رقم الحديث: ٣٨٣. والترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب ما جاء في الوضوء من الموطأ (٢٦٦/١) رقم الحديث: ١٤٣. ومالك في "الموطأ" كتاب الطهارة، باب ما لا يجب منه الوضوء (٢٤/١) رقم الحديث: ١٦.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن ابن عباس: إذا مر ثوبك، أو وطئت قذرا رطبا فاغسله، وإن كان يابسا فلا عليك، أخرجه... كذا في الأصل من غير تسمية المخرج. [١]

وعن كميل [٢] قال: رأيت عليا يخوض المطر ثم دخل المسجد وصلى ولم يغسل رجليه. رواه سعيد بن منصور. [٣]

وعن معاذ بن العلاء، قال: أقبلت مع علي بن أبي طالب إلى الجمعة وهو ماش فحال بينه وبين المسجد حوض من ماء وطين، فخلع نعليه وسراويله فخاض؛ فلما جاوز لبس سراويله ونعليه؛ ثم صلى بالناس ولم يغسل رجليه. رواه البيهقي. [٤]

تنبيه

فاعلم أن المراد مما وقع في حديث أم سلمة وغيرها ما كان يابسا من القذر مما تشبث منه؛ لأن الإجماع منعقد على أن الثوب إذا أصابته نجاسة لا يطهر إلا بالغسل بخلاف النعلين والخفين، فإن جماعة من التابعين ذهبوا إلى أن الدلك يطهره وإن كانت النجاسة رطبة، مع أن حديث أم سلمة مطعون؛ لأنه ممن يرويه أم ولد لإبراهيم بن عبد الرحمن بن عوف وهي مجهولة، كذا قال التوربشتي [٥]. وكذا الكلام في حديث امرأة من بني عبد الأشهل المذكور في المشكاة فإنها أيضا مجهولة.

---

١) جامع الأصول (٨٩/٧) رقم الحديث. ٥٠٦٣.

٢) كميل: هو كميل بن زياد بن نهيك بن الهيثم بن سعد، شهد مع علي صفين، ثقة، مات سنة ثمان وثمانين وهو بن سبعين سنة. [تهذيب التهذيب: ٤٤٧/٨-٤٤٨، رقم الترجمة: ٨١٥.]

٣) كما في "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأفعال، فصل في المياه (٥٧٧/٩) رقم الحديث: ٢٧٤٩٩.

٤) أخرجه البيهقي في "سننه" كتاب الصلاة، جماع أبواب الصلاة بالنجاسة، باب ما جاء في طين المطر (٦٠٨/٢) رقم الحديث: ٤٢٦٩.

٥) كتاب الميسر للتوربشتي: ١٦٥/١، رقم الحديث: ٣٣٠.

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب في المسح على الخفين

الكلام في هذا الباب في ثلاثة فصول

الفصل الأول في جواز المسح

وورد فيه أحاديث صحيحة أشهرها لا شبهة في صحتها والاصل والعمدة حديث المغيرة بن شعبة رواه اصحاب السنن باجمعهم بروايات متعددة والفاظها مختلفة:

قال: كنت مع النبي ﷺ في سفر، فقال: يا مغيرة، خذ الإداوة، فأخذتها، فانطلق رسول الله ﷺ حتى توارى عني، فقضى حاجته وعليه جبة شامية، فذهب ليخرج يده من كمها، فضاقت، فأخرج يده من أسفلها، فصببت عليه، فتوضأ وضوءه للصلاة، ومسح على خفيه، ثم صلى.

وفي رواية أخرى: كنت مع النبي ﷺ في سفر، فأهويت لأنزع خفيه، فقال: دعهما فإني أدخلتهما طاهرتين، فمسح عليهما.

وفي أخرى: كنت مع النبي ﷺ ذات ليلة في مسير، فقال لي: أمعك ماء؟ فقلت: نعم فنزل عن راحلته يمشي، حتى توارى في سواد الليل، ثم جاء، فأفرغت عليه من الإداوة، فغسل وجهه وعليه جبة من صوف، فلم يستطع أن يخرج ذراعيه منها، حتى أخرجهما من أسفل الجبة، فغسل ذراعيه، ومسح برأسه، ثم أهويت لأنزع خفيه، فقال: ... وذكر الحديث. أخرجه البخاري ومسلم.

ولمسلم في أخرى: أن النبي ﷺ مسح على الخفين ومقدم رأسه، وعلى عمامته.

وفي أخرى: توضأ، فمسح بناصيته، وعلى العمامة، وعلى الخفين.

وفي رواية أبي داود: أن رسول الله ﷺ مسح على الخفين، فقلت: يا رسول الله، نسيت؟ قال: بل أنت نسيت، بهذا أمرني ربي عز وجل.

toobaa-elibrary.blogspot.com

هكذا ذكر صاحب جامع الأصول من روايات أصحاب الكتب الستة، كما هو عادته بألفاظهم.[1]

وعن ابن عمر، أن سعد بن أبي وقاص قال: إن رسول الله ﷺ مسح على الخفين، فسأل ابن عمر أباه عن ذلك؟ فقال له: نعم، إذا حدثك سعد عن النبي ﷺ شيئا، فلا تسأل عنه غيره. أخرجه البخاري.

وفي رواية الموطأ: أن عبد الله بن عمر قدم الكوفة على سعد بن أبي وقاص وهو أميرها فرآه عبد الله بن عمر يمسح على الخفين، فأنكر ذلك عليه، فقال له سعد: سل أباك -إذا قدمت عليه- فقدم عبد الله، فنسي أن يسأل عمر عن ذلك حتى قدم سعد، فقال: أسألت أباك؟ فقال: لا، فسأله عبد الله، فقال عمر: إذا أدخلت رجليك [في الخفين] وهما طاهرتان، فامسح عليهما، قال عبد الله: وإن جاء أحدنا من الغائط؟ قال عمر: نعم، وإن جاء أحدكم من الغائط.

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الوضوء، باب الرجل يوضئ صاحبه (٤٧/١) رقم الحديث: ١٨٢، باب المسح على الخفين (٥١/١) رقم الحديث: ٢٠٣، باب إذا أدخل رجليه طاهرتان (٥٢/١) رقم الحديث: ٢٠٦، كتاب الصلاة، باب الصلاة في الجبة الشامية (٨١/١) رقم الحديث: ٣٦٣، باب الصلاة في الخفاف (٨٧/١) رقم الحديث: ٣٨٨، كتاب الجهاد والسير، باب الجبة في السفر والحرب (٤١/٤) رقم الحديث: ٢٩١٨، كتاب المغازي، باب (٨/٦) رقم الحديث: ٤٤٢١، كتاب اللباس، باب من لبس جبة ضيقة الكمين في السفر (١٤٣/٧) رقم الحديث: ٥٧٩٨، باب لبس جبة الصوف في الغزو (١٤٤/٧) رقم الحديث: ٥٧٩٩. ومسلم في "صحيحه" كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين (٢٢٨/١) رقم الحديث: ٢٧٤. وأبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين (٣٧/١) رقم الحديث: ١٤٩، ١٥٠، ١٥١، ١٥٦، ١٥٩، باب كيف المسح (٤١/١) رقم الحديث: ١٦١، ١٦٥. والترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب في المسح على الخفين أعلاه وأسفله (١٦٢/١) رقم الحديث: ٩٧، باب في المسح على الخفين ظاهرهما (١٦٥/١) رقم الحديث: ٩٨، باب ما جاء في المسح على العمامة (١٧٠/١) رقم الحديث: ١٠٠. والنسائي في "سننه" كتاب الطهارة، الابعاد عند إرادة الحاجة (١٨/١) رقم الحديث: ١٧، صب الخادم الماء على الرجل للوضوء (٦٢/١) رقم الحديث: ٧٩، باب غسل الكفين (٦٣/١) رقم الحديث: ٨٢، باب المسح على العمامة مع الناصية (٧٦/١) رقم الحديث: ١٠٧، ١٠٨، ١٠٩، باب المسح على الخفين (٨٢/١) رقم الحديث: ١٢٣، ١٢٤، باب المسح على الجوربين والنعلين (٨٣/١) رقم الحديث: ١٢٥. وابن ماجه في "سننه" كتاب الطهارة وسننها، باب الرجل يستعين على وضوئه فيصب عليه (١٣٧/١) رقم الحديث: ٣٨٩، باب ما جاء في المسح على الخفين (١٨١/١) رقم الحديث: ٥٤٥، باب في المسح أعلى الخف وأسفله (١٨٣/١) رقم الحديث: ٥٥٠. ومالك في "الموطأ" كتاب الطهارة، باب ما جاء في المسح على الخفين (٣٥/١) رقم الحديث: ٤١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وفي رواية النسائي: [أن سعدا قال:] إن رسول الله ﷺ مسح على الخفين. وفي أخرى: عن رسول الله ﷺ، أنه لا بأس به.[1]

وعن نافع: أن ابن عمر ب بال بالسوق، ثم توضأ، فغسل وجهه ويديه، ومسح برأسه، ثم دعي لجنازة ليصلي عليها حين دخل المسجد، فمسح على خفيه، ثم صلى عليها. أخرجه الموطأ.[2]

وعن بلال ﷺ[3]، قال: أن رسول الله ﷺ مسح على الخفين والخمار. أخرجه مسلم والترمذي. أخرجه مسلم والترمذي.

وفي رواية أبي داود: أن عبد الرحمن بن عوف[4] سأل بلالا عن وضوء رسول الله ﷺ، فذكر مثل قصة المغيرة، وذكر مسح الخفين. وفي رواية: سأل اسامة بلالا، ما صنع رسول الله ﷺ؟ فقال بلال مثله.[5]

وعن أبي [عبيدة بن] محمد بن عمار بن ياسر، قال: سألت جابر بن عبد الله عن المسح على الخفين؟ فقال: السنة يا ابن أخي. أخرجه الترمذي.[6]

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الوضوء، باب المسح على الخفين (١/٥١) رقم الحديث: ٢٠٢. والنسائي في "سننه" كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين (١/٨٢) رقم الحديث: ١٢١، ١٢٢. ومالك في "الموطأ" كتاب الطهارة، باب ما جاء في المسح على الخفين (١/٣٦) رقم الحديث: ٤٢.

٢) أخرجه مالك في "الموطأ" كتاب الطهارة، باب ما جاء في المسح على الخفين (١/٣٦) رقم الحديث: ٤٣.

٣) بلال: هو أبو عبد الله بلال بن رباح المؤذن، وهو ابن حمامة وهي أمه، سابق الحبشة، مولى أبي بكر، من السابقين الأولين، وشهد بدرا والمشاهد، مات بالشام، سنة سبع عشرة أو ثماني عشرة وقيل سنة عشرين، وله بضع وستون سنة. [تقريب التهذيب: ١٢٩، رقم الترجمة: ٧٧٩. تهذيب التهذيب: ١/٥٠٢-٥٠٣، رقم الترجمة: ٩٣١.]

٤) عبد الرحمن بن عوف: هو أبو محمد عبد الرحمن بن عوف بن عبد عوف بن عبد بن الحارث بن زهرة القرشي الزهري، أحد العشرة المبشرة بالجنة، أسلم قديما على يد أبي بكر الصديق، وهاجر إلى الحبشة الهجرتين، وشهد المشاهد كلها مع النبي ﷺ، وثبت يوم أحد، ومناقبه شهيرة، مات سنة اثنتين وثلاثين، وقيل: غير ذلك. [تقريب التهذيب: ٣٤٨، رقم الترجمة: ٣٩٧٣. تهذيب التهذيب: ٦/٢٤٤-٢٤٦، رقم الترجمة: ٤٩٣.]

٥) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الطهارة، باب المسح على الناصية والعمامة (١/٢٣١) رقم الحديث: ٢٧٥. وأبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين (١/٣٩) رقم الحديث: ١٥٣. والترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب ما جاء في المسح على العمامة (١/١٧٢) رقم الحديث: ١٠١. والنسائي في "سننه" كتاب الطهارة، باب المسح على العمامة (١/٧٥) رقم الحديث: ١٠٤، ١٠٥، ١٠٦، باب المسح على الخفين (١/٨١) رقم الحديث: ١٢٠. وابن ماجه في "سننه" كتاب الطهارة وسننها (١/١٨٦) رقم الحديث: ٥٦١.

٦) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب ما جاء في المسح على العمامة (١/١٧٢) رقم الحديث: ١٠٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن جرير: بال، ثم توضأ، ومسح على خفيه، فقيل: تفعل هذا؟ فقال: نعم، رأيت رسول الله ﷺ بال، ثم توضأ، ومسح على خفيه. قال الأعمش: قال إبراهيم: وكان أصحاب عبد الله يعجبهم هذا الحديث؛ لأن إسلام جرير بعد نزول المائدة. أخرجه البخاري ومسلم.

وفي رواية أبي داود قال: إن جريرا بال، ثم توضأ، ومسح على الخفين، ثم قال: فما يمنعني أن أمسح وقد رأيت رسول الله ﷺ يمسح، قالوا: إنما ذلك قبل نزول المائدة، قال: ما أسلمت إلا بعد نزول المائدة.

وفي رواية: كان أصحاب رسول الله ﷺ يعجبهم قول جرير، قال: وكان إسلام جرير قبل موت رسول الله ﷺ بيسير. وقد جاء في رواية: بأربعين يوما.(١)

وعن بريدة [بن الحصيب] رضي الله عنه: أن النبي ﷺ صلى الصلوات يوم الفتح بوضوء واحد، ومسح على خفيه، فقال له عمر: لقد صنعت اليوم شيئا لم تكن تصنعه؟ فقال: عمدا صنعته يا عمر. أخرجه مسلم وأبو داود والترمذي.(٢)

وروى الترمذي حديث جرير ثم قال: وفي الباب عن عمر، وعلي، وحذيفة، والمغيرة، وبلال، وسعد، وأبي أيوب، وسلمان، وبريدة، وعمرو بن أمية، وأنس، وسهل بن سعد، ويعلى بن مرة(٣)، وعبادة بن الصامت، وأسامة بن شريك(٤)، وأبي أمامة، وجابر، وأسامة بن زيد، وابن عبادة، ويقال: ابن عمارة، وأبي بن عمارة، حديث جرير حديث حسن صحيح.

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب الصلاة في الخفاف (٨٧/١) رقم الحديث: ٣٨٧. ومسلم في "صحيحه" كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين (٢٢٧/١) رقم الحديث: ٢٧٢. وأبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين (٣٩/١) رقم الحديث: ١٥٤. والترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب المسح على الخفين (١٥٥/١) رقم الحديث: ٩٣، ٩٤. والنسائي في "سننه" كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين (٨١/١) رقم الحديث: ١١٨، كتاب القبلة، باب الصلاة في الخفين (٧٣/٢) رقم الحديث: ٧٧٤. وابن ماجه في "سننه" كتاب الطهارة وسننها، باب ما جاء في المسح على الخفين (١٨٠/١) رقم الحديث: ٥٤٣.

٢) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الطهارة، باب جواز الصلوات كلها بوضوء واحد (٢٣٢/١) رقم الحديث: ٢٧٧. وأبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب الرجل يصلي الصلوات بوضوء واحد (٤٤/١) رقم الحديث: ١٧٢. والترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب ما جاء أنه يصلي الصلوات بوضوء واحد (٨٩/١) رقم الحديث: ٦١. والنسائي في "سننه" كتاب الطهارة، الوضوء لكل صلاة (٨٦/١) رقم الحديث: ١٣٣.

٣) يعلى بن مرة: هو أبو مرازم -بضم أوله وتخفيف الراء وكسر الزاي- يعلى بن مرة بن وهب بن جابر الثقفي، وأمه سيابة -بكسر المهملة وتخفيف التحتانية ثم موحدة-، صحابي شهد الحديبية وما بعدها. [تقريب التهذيب: ٦٠٩، رقم الترجمة: ٧٨٤٧. تهذيب التهذيب: ٤٠٤/١١-٤٠٥، رقم الترجمة: ٧٨٢.]

٤) أسامة بن شريك: هو أسامة بن شريك الثعلبي -بالمثلثة والمهملة- صحابي، تفرد بالرواية عنه زياد ابن علاقة على الصحيح. [تقريب التهذيب: ٩٨، رقم الترجمة: ٣١٨. تهذيب التهذيب: ٢١٠/١، رقم الترجمة: ٣٩٣.]

toobaa-elibrary.blogspot.com

وهذا حديث مفسر لأن بعض من أنكر المسح على الخفين تأول أن مسح النبي ﷺ على الخفين كان قبل نزول المائدة، وذكر جرير في حديثه أنه رأى النبي ﷺ مسح على الخفين بعد نزول المائدة.(١)

الفصل الثاني [في موضع المسح من الخف](٢)

عن رجاء بن حيوة (٣)، عن كاتب المغيرة (٤)، عن المغيرة بن شعبة: أن النبي صلى الله عليه وسلم مسح أعلى الخف وأسفله. أخرجه الترمذي، وقال: وهذا قول غير واحد من أصحاب النبي ﷺ، والتابعين، وبه يقول مالك، والشافعي، وإسحاق. وقال: وهذا حديث معلول، لم يسنده عن ثور بن يزيد غير الوليد بن مسلم، وسألت أبا زرعة، ومحمدا عن هذا الحديث، فقالا: ليس بصحيح.

وفي أخرى للترمذي: قال: رأيت النبي ﷺ يمسح على الخفين على ظاهرهما.

وفي أخرى لأبي داود: أن النبي ﷺ مسح على ظهر الخفين.

وفي رواية أبي داود قال: وضأت رسول الله ﷺ في غزوة تبوك، فمسح أعلى الخفين وأسفلهما.(٥)

وعن علي بن أبي طالب رضي الله عنه قال: كنت أرى باطن القدمين أحق بالغسل من ظاهرهما، حتى رأيت رسول الله ﷺ يمسح [على] ظاهرهما. قال وكيع: يعني الخفين.

وفي أخرى: ما كنت أرى باطن القدمين إلا أحق بالغسل، حتى رأيت رسول الله ﷺ يمسح على ظهر خفيه.(٦)

---

١) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب المسح على الخفين (١/١٥٥- ١٥٦) رقم الحديث: ٩٣، ٩٤.

٢) كما في "جامع الأصول": ٧/٢٤٢.

٣) رجاء بن حيوة: هو أبو المقدام، ويقال: أبو نصر رجاء بن حيوة -بفتح المهملة وسكون التحتانية وفتح الواو- الكندي الفلسطيني، ثقة فقيه، من الثالثة، مات سنة اثني عشرة. [تقريب التهذيب: ٢٠٨، رقم الترجمة: ١٩٢٠. تهذيب التهذيب: ٣/٢٦٥، رقم الترجمة: ٥٠٠.]

٤) وراد كاتب المغيرة: هو أبو سعيد أو أبو الورد وراد -بتشديد الراء- الثقفي الكوفي، كاتب المغيرة ومولاه، ثقة، من الثالثة. [تقريب التهذيب: ٥٨٠، رقم الترجمة: ٧٤٠١. تهذيب التهذيب: ١١/١١٢، رقم الترجمة: ١٩٨.]

٥) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب في المسح على الخفين أعلاه وأسفله (١/١٦٢) رقم الحديث: ٩٧، باب في المسح على الخفين ظاهرهما (١/١٦٥) رقم الحديث: ٩٨. وأبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب كيف المسح (١/٤١) رقم الحديث: ١٦١، ١٦٥.

٦) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب في المسح على الخفين ظاهرهما (١/١٦٥) رقم الحديث: ٩٨.

toobaa-elibrary.blogspot.com

الفصل الثالث في مدة المسح

عن شريح بن هانئ: قال: أتيت عائشة أسألها عن المسح على الخفين؟ فقالت: عليك بابن أبي طالب فسله، فإنه كان يسافر مع رسول الله ﷺ، فسألناه، فقال: جعل رسول الله ﷺ ثلاثة أيام ولياليهن للمسافر، ويوما وليلة للمقيم. أخرجه مسلم. وأخرجه النسائي، ولم يذكر عائشة.[١]

وعن خزيمة بن ثابت رضي الله عنه أن النبي ﷺ سئل عن المسح على الخفين؟ فقال: للمسافر ثلاثا، وللمقيم يوما. أخرجه الترمذي.

وفي رواية أبي داود: أن النبي ﷺ قال: المسح على الخفين للمسافر ثلاثة أيام، وللمقيم يوما وليلة. زاد في رواية: ولو استزدناه لزادنا.[٢]

وعن أبي بن عمارة رضي الله عنه وكان قد صلى مع رسول الله ﷺ القبلتين أنه قال: يا رسول الله، أمسح على الخفين؟ قال: نعم، قال: يوما؟ قال: يوما، قال: ويومين؟ قال: ويومين، قال: وثلاثة أيام؟ قال: نعم، وما شئت. أخرجه أبو داود، وقال في رواية: حتى بلغ سبعا، قال رسول الله ﷺ: نعم ما بدا لك. هكذا أخرجه في جامع الأصول.[٣]

وفي الفصل الرابع للمشكاة رواه عن أبي عبادة الأنصاري[٤] برواية ابن أبي شيبة وابن ماجة. وروي عن نافع عن ابن عمر: كان لا يوقت في المسح على الخفين وقتا، وفي رواية، قال: يمسح المسافر ما لم يخلعهما، رواه الدارقطني.[٥]

---

١) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الطهارة، باب التوقيت في المسح على الخفين (١/٢٣٢) رقم الحديث: ٢٧٦. والنسائي في "سننه" كتاب الطهارة، باب التوقيت في المسح على الخفين للمقيم (١/٨٤) رقم الحديث: ١٢٨، ١٢٩.

٢) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب المسح على الخفين للمسافر والمقيم (١/١٥٨) رقم الحديث: ٩٥. وأبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب التوقيت في المسح (١/٤٠) رقم الحديث: ١٥٧.

٣) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب التوقيت في المسح (١/٤٠) رقم الحديث: ١٥٨. وابن الأثير في "جامع الأصول" (٧/٢٤٦) رقم الحديث: ٥٢٨٦.

٤) أبو عبادة الأنصاري: هو سعد بن عثمان بن خلدة بن مخلد بن عامر ابن زريق الأنصاري الزرقي، شهد بدرا وأحدا. [الاستيعاب في معرفة الأصحاب: ٤/١٧٠٦، رقم الترجمة: ٣٠٦٥. الإصابة في تمييز الصحابة: ٣/٥٧-٥٨، رقم الترجمة: ٣١٨٤.]

٥) أخرجه الدارقطني في "سننه" كتاب الطهارة، باب الرخصة في المسح على الخفين (١/٣٦٢) رقم الحديث: ٧٥٨، ٧٦٠.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وروي عن يزيد بن أبي حبيب، أن أبا عبيدة بن الجراح،(١) بعث عقبة بن عامر الجهني إلى عمر بن الخطاب، بفتح دمشق، فخرج يوم الجمعة، وقدم يوم الجمعة، فسأله عمر متى خرجت، فأخبره، وقال: لم أخلع لي خفا مذ خرجت. قال عمر: قد أحسنت. رواه ابن أبي شيبة. وفي رواية الدارقطني: عن عقبة، قال: من الجمعة إلى الجمعة قال: أصبت السنة. (٢)

وعن جابر، قال: مر النبي ﷺ برجل يتوضأ وهو يغسل خفيه، فنخسه بيده وقال انما امرنا بهذا ثم اراه بيده من مقدم الخفين إلى أصل الساق وفرج بين اصابعه، رواه الطبراني وقال تفرد به بقية، وهو ثقة أخرج له مسلم لكنه يد لس.(٣) روى الأحاديث الأربعة صاحب الفصل الرابع للمشكاة.

وعن صفوان بن عسال (٤) قال: كان رسول الله ﷺ يامرنا إذا كنا سفرا ان لا ننزع خفافنا ثلاثة أيام ولياليهن.

وفي أخرى للترمذي: عن زر بن حبيش (٥)، قال: أتيت صفوان بن عسال المرادي، أسأله عن المسح على الخفين، فقال: ما جاء بك يا زر؟ فقلت: ابتغاء العلم، فقال: إن الملائكة لتضع أجنحتها لطالب العلم رضا بما يطلب، فقلت: إنه حك في صدري المسح على الخفين بعد الغائط والبول، وكنت امرأ من أصحاب النبي ﷺ، فجئت أسألك هل سمعته

---

١) أبو عبيدة بن الجراح: هو عامر بن عبد الله بن الجراح بن هلال بن أهيب بن ضبة بن الحارث بن فهر القرشي الفهري أبو عبيدة ابن الجراح، أمين هذه الأمة، أحد العشرة، أسلم قديما وشهد بدرا مشهور مات شهيدا بطاعون عمواس سنة ثماني عشرة، وله ثمان وخمسون سنة. [تقريب التهذيب: ٢٨٨، رقم الترجمة: ٣٠٩٨.]

٢) أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الطهارة، من كان لا يوقت في المسح شيئا (١/١٦٨) رقم الحديث: ١٩٣٧. والدار قطني في "سننه" كتاب الطهارة، باب الرخصة في المسح على الخفين وما فيه واختلاف الروايات (١/٣٦٠) رقم الحديث. ٧٥٦.

٣) أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط" باب الألف، من اسمه أحمد (٢/٣٠) رقم الحديث: ١١٣٥.

٤) صفوان بن عسال: هو صفوان بن عسال -بفتح العين وتشديد السين المهملة وباللام- المرادي، صحابي معروف، نزل الكوفة. [تقريب التهذيب: ٢٧٧، رقم الترجمة: ٢٩٣٧. تهذيب التهذيب: ٤/٤٢٨، رقم الترجمة: ٧٥٠.]

٥) زر بن حبيش: هو أبو مريم زر -بكسر أوله وتشديد الراء- ابن حبيش -بمهملة وموحدة ومعجمة مصغر- ابن حباشة -بضم المهملة بعدها موحدة ثم معجمة- الأسدي الكوفي، ثقة، جليل مخضرم، من الثانية، مات سنة إحدى أو اثنتين أو ثلاث وثمانين، وهو ابن مائة وسبع وعشرين سنة. [تقريب التهذيب: ٢١٥، رقم الترجمة: ٢٠٠٨. تهذيب التهذيب: ٣/٣٢١-٣٢٢، رقم الترجمة: ٥٩٧.]

toobaa-elibrary.blogspot.com

يذكر في ذلك شيئا، قال: نعم، كان يأمرنا إذا كنا سفرا أو مسافرين أن لا ننزع خفافنا ثلاثة أيام ولياليهن إلا من جنابة، لكن من غائط وبول ونوم. (١)

تنبيه

ولا خلاف فيما ذكر في الباب من الأحكام من المسح على الخف سوى ما ذكر في حديث المغيرة بن شعبة من أنه ﷺ: مسح بالناصية وعلى العمامة وعلى الخفين.

فإنه قد اختلف في المسح على العمامة، فقال أبو حنيفة ومالك: لا يجوز المسح على العمامة، وإنما فعله ﷺ لأجل إنه لما مسح بالناصية، وافام الواجب مسح بقية الرأس بالمسح على العمامة إتماما لوظيفة المسح الفرض كما هو مذهب مالك، أولاستيعاب الرأس بالمسح كما هوالسنة عند الإمام أبي حنيفة تكميلا للطهارة في الجملة وهو أمر مستحسن.

وأما مسح العمامة مستقلا بدون مسح الرأس كما هو على الخف فمنعه أبو حنيفة ومالك مطلقا، وجوزه أحمد الاقتصار عليه بشرط الاعتمام على طهر، وأن يكون الاعتمام تحت الحنك، ويكون له ذؤابة وأن تكون ساترة لجميع الرأس إلا ما جرت العادة بكشفه كمقدم الرأس والأذنين وشبههما من جوانب الرأس، كذا ذكر في بعض الشروح.

وكلام الحاوي في مذهب الشافعي أيضا مشعر إلى مثل ما ذكرنا من مذهبه، حيث قال: وسن مسح كل الرأس من مقدمه، فإن عسر كمل على العمامة، وقال في شرحه: إن غير مسح كل الرأس بغير نتجسه ما عليه من عمامة وغير ذلك مسح من الرأس قدر ما يجب وتمم وتكمل المسح على العمامة بدلا من الاستيعاب وتشبها، والأولى أن يمسح من الرأس الناصية وعلى العمامة لحديث المغيرة قال مسح رسول الله صلى الله عليه وسلم. ولا يجوز الاقتصار على العمامة لأن المأمور به مسح الرأس والماسح على العمامة غير ما مسح على الرأس انتهى. (٢)

---

١) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب المسح على الخفين للمسافر والمقيم (١٥٩/١) رقم الحديث: ٩٦، أبواب الزهد، باب ما جاء أن المرأ مع من أحب (٥٩٦/٤) رقم الحديث: ٢٣٨٧، أبواب الدعوات، باب في فضل التوبة والاستغفار وما ذكر من رحمة الله لعباده (٥٤٥/٥) رقم الحديث: ٣٥٣٥، ٣٥٣٦. والنسائي في "سننه" كتاب الطهارة، باب التوقيت في المسح على الخفين للمسافر (٨٣/١) رقم الحديث: ١٢٦، ١٢٧، باب الوضوء من الغائط والبول (٩٨/١) رقم الحديث: ١٥٨، ١٥٩.

٢) الحاوي الصغير: ١٢٧

toobaa-elibrary.blogspot.com

ثم إن هذا الحديث بظاهره دليل على مذهب أبي حنيفة، أن فرض المسح هو الربع والناصية اسم له، وقد ذكر في بعض الشروح أنه إن جعلت الباء للتبعيض ففيه دليل للشافعي على أن الفرض في مسح الرأس أدنى ما يطلق عليه اسم المسح، وإن جعلت زائدة ففيه دليل لأبي حنيفة في التقدير بالربع وهو قدر الناصية.

وقال في شرح كتاب الخرقي في مذهب أحمد: إن القول بكون الباء للتبعيض غير مسلم دفعا للاشتراك والانكار على الأئمة، وقال أبو بكر عبد العزيز: سألت ابن دريد (١) وابن عرفة (٢) عن الباء للتبعيض؟ فقالا: لا نعرف في اللغة ما لا يعرفونه. وأما قوله تعالى: "يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ" (٣) فمن باب التضمين كا نه قيل يروي بها عباد الله. (٤)

وقد يروى عن أحمد ما يوافق المذاهب الثلاث، وإن الواجب مسح أكثر الرأس.

والكلام في هذا الاختلاف ودلائله طويل جدا، وقد ذكر في موضعه من شروح الهداية وغيرها، وذكرنا نحن أيضا طرفا من ذلك في شرح كتاب سفر السعادة.

وسمعت شيخي على بن جار الله مفتي بلد الله الحرام ينقل عن بعض مشائخه أنه، قال: الانصاف من مسئلة مسح الرأس مع مالك والله أعلم.

وأقوى ما يثبت مذهب الحنفي حديث الناصية، وقالوا: هو محمول على أن ذلك مع العمامة كما جاء في الصحيح في حديث المغيرة، فكان ﷺ، إذا مسح على ناصية أتمه بالمسح على العمامة كما عرفت، وهو ضعيف.

---

١) ابن دريد: هو أبو بكر محمد بن الحسن بن دريد –بضم الدال المهملة، وفتح الراء، وسكون الياء المثناة من تحتها، وبعدها دال مهملة، وهو تصغير أدرد، والأدرد: الذي ليس فيه سن–، بن عتاهية الأزدي البصري، من أئمة اللغة والأدب، صاحب "المقصود المدودة"، ولد في البصرة سنة ثلاث وعشرين ومئتين ومات في بغداد سنة إحدى وعشرين وثلثمائة. [شذرات الذهب: ٤/١٠٦–١٠٩. الأعلام للزركلي: ٦/٨٠.]

٢) ابن عرفة: هو أبو عبد الله محمد بن محمد بن عرفة الورغمي –نسبة إلى "ورغمة" قرية بإفريقية–، إمام تونس وعلمها وخطيبها في عصره، من مؤلفاته: المبسوط في المذهب، ومختصر الحوفي، ولد بتونس سنة ست عشرة وسبعمائة، وتوفي ليلة الخميس الرابع والعشرين من جمادي الآخرة سنة ثلاث وثمانمائة [شذرات الذهب: ٩/٦١–٦٢. الأعلام للزركلي: ٧/٤٣.]

٣) الإنسان: ٦

٤) شرح الزركشي: ١٩١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب التيمم

عن عائشة ﵂ قالت: خرجنا مع رسول الله ﷺ في بعض أسفاره، حتى إذا كنا بالبيداء أو بذات الجيش انقطع عقد لي، فأقام رسول الله ﷺ على التماسه، وأقام الناس معه، وليسوا على ماء، وليس معهم ماء، فأتى الناس إلى أبي بكر، فقالوا: ألا ترى إلى ما صنعت عائشة؟ أقامت برسول الله ﷺ وبالناس معه، وليسوا على ماء، وليس معهم ماء؟ فجاء أبو بكر ورسول الله ﷺ واضع رأسه على فخذي قد نام، فقال: حبست رسول الله ﷺ والناس، وليسوا على ماء، وليس معهم ماء؟ فقالت عائشة: فعاتبني أبو بكر، وقال ما شاء الله أن يقول، وجعل يطعن بيده في خاصرتي، فلا يمنعني من التحرك إلا مكان رسول الله ﷺ على فخذي، فنام رسول الله ﷺ حتى أصبح على غير ماء، فأنزل الله تعالى آية التيمم، فتيمموا، فقال أسيد بن حضير، وهو أحد النقباء: ما هي بأول بركتكم يا آل أبي بكر، قالت عائشة: فبعثنا البعير الذي كنت عليه، فوجدنا العقد تحته.

وفي أخرى: أنها استعارت من أسماء قلادة، فهلكت، فأرسل رسول الله ﷺ ناسا من أصحابه في طلبها، فأدركتهم الصلاة، فصلوا بغير وضوء، فلما أتوا النبي ﷺ شكوا ذلك إليه، فنزلت آية التيمم، فقال أسيد بن حضير: جزاك الله خيرا، فوالله ما نزل بك أمر قط إلا جعل الله لك منه مخرجا، وجعل للمسلمين فيه بركة. أخرجه البخاري ومسلم، وأخرج الموطأ والنسائي الرواية الأولى.

وفي رواية أبي داود قالت: بعث رسول الله ﷺ أسيد بن حضير وأناسا معه في طلب قلادة أضلتها عائشة، فحضرت الصلاة، فصلوا بغير وضوء، فأتوا النبي ﷺ، فذكروا ذلك له، فأنزلت آية التيمم.

زاد في رواية: فقال لها أسيد: يرحمك الله، ما نزل بك أمر تكرهينه إلا جعل الله للمسلمين ولك فيه فرجا.[1]

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب التيمم (٧٤/١) رقم الحديث: ٣٣٤، باب إذا لم يجد ماء ولا ترابا (٧٤/١) رقم الحديث: ٣٣٦، كتاب المناقب، باب قول النبي ﷺ: لو كنت متخذا خليلا (٥/٧) رقم الحديث: ٣٦٧٢، باب فضل عائشة ﵂ (٢٩/٥) رقم الحديث: ٣٧٧٣، كتاب التفسير القرآن، باب قوله فلم تجدوا ماء فتيمموا صعيدا طيبا [النساء:٤٣] (٥٠/٦) رقم الحديث: ٤٦٠٧، ٤٦٠٨، كتاب النكاح،

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن عمار بن ياسر ﷺ أن رسول الله ﷺ عرس بذات الجيش ومعه عائشة، فانقطع عقد لها من جزع اظفار، فحبس الناس ابتغاء عقدها ذلك حتى أضاء الفجر وليس مع الناس ماء، قال: فتغيظ عليها أبو بكر، وقال حبست الناس وليس معهم ماء، فأنزل الله على رسوله رخصة التطهر بالصعيد الطيب، فقام المسلمون مع رسول الله ﷺ، فضربوا بأيديهم الأرض، ثم رفعوا أيديهم، ولم ينفضوا من التراب شيئا، فمسحوا بها وجوههم وأيديهم إلى المناكب، ومن بطون أيديهم إلى الآباط. ورواه معمر عن الزهري: ضربتين. رواه أبو داود والنسائي.

وفي رواية: لم يذكر المناكب والآباط. وقال ابن الليث:(١) إلى ما فوق المرفقين. وشك سلمة، وقال: لا أدري إلى المرفقين والكفين. وفي رواية: فضربوا بأكفهم الصعيد، ثم مسحوا بوجوههم مسحة واحدة، ثم عادوا فضربوا بأكفهم بالصعيد مرة أخرى.(٢)

وعن الأسلع بن شريك (٣) قال: كنت أرحل ناقة رسول الله ﷺ فأصابتني جنابة في ليلة باردة وأراد رسول الله ﷺ الرحلة فكرهت أن أرحل ناقته وأنا جنب وخشيت أن أغتسل بالماء البارد فأموت أو أمرض، فأمرت رجلا من الأنصار فرحلها، ثم رضفت أحجارا فأسخنت بها ماء فاغتسلت، ثم لحقت رسول الله ﷺ وأصحابه فقال: يا أسلع مالي أرى راحلتك تغيرت، وفي لفظ: مضطربة؟ قلت: يا رسول الله لم أرحلها رحلها رجل من الأنصار قال: لم؟ قلت: إني أصابتني جنابة فخشيت القر على نفسي فأمرته أن يرحلها، ورضفت

باب استعارة الثياب للعروس وغيرها (٢٣/٧) رقم الحديث: ٥١٦٤. ومسلم في "صحيحه" كتاب الحيض، باب التيمم (٢٧٩/١) رقم الحديث: ٣٦٧. وأبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب التيمم (٨٦/١) رقم الحديث: ٣١٧. والنسائي في "سننه" كتاب الطهارة، باب بدء التيمم (١٦٣/١) رقم الحديث: ٣١٠، باب فيمن لم يجد الماء ولا الصعيد (١٧٢/١) رقم الحديث: ٣٢٣. وابن ماجه في "سننه" كتاب الطهارة وسننها، باب ما جاء في السبب (١٨٨/١) رقم الحديث: ٥٦٨. ومالك في "الموطأ" كتاب الطهارة، هذا باب في التيمم (٥٣/١) رقم الحديث: ٨٩.

١) ابن الليث: هو أبو عبد الله عبد الملك بن شعيب بن الليث بن سعد الفهمي مولاهم المصري، ثقة، من العاشرة، مات سنة ثمان وأربعين. [تقريب التهذيب: ٣٦٣، رقم الترجمة: ٤١٨٥.]

٢) اخرجه ابو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب التيمم (٨٦/١) رقم الحديث: ٣١٨، ٣٢٠، ٣٢٧. والنسائي في "سننه" كتاب الطهارة، باب التيمم في السفر (١٦٧/١) رقم الحديث: ٣١٤، باب الاختلاف في كيفية التيمم (١٦٨/١) رقم الحديث: ٣١٥.

٣) الأسلع بن الشريك: هو خادم رسول الله ﷺ، أسلع بن شريك الأعوجي التيمي، صاحب راحلته نزل البصرة؛ روى عنه زريق المالكي. [الاستيعاب في معرفة الأصحاب: ١٣٩/١، رقم الترجمة: ١٤٨. معرفة الصحابة: ٣٥٦/١. معرفة الصحابة لابن منده: ٢٠٢.]

toobaa-elibrary.blogspot.com

أحجارا فأسخنت بها ماء فاغتسلت به فأنزل الله "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ" إلى قوله "عَفُوًّا غَفُورًا" [1]. رواه الحسن بن سفيان والبغوي والماوردي وطبراني وابن مردويه وأبو نعيم والضياء المقدسي في المختارة. [2]

وعنه، قال: كنت أخدم النبي ﷺ وأرحل له فقال لي ذات ليلة: يا أسلع قم فارحل لي. قلت: يا رسول الله أصابتني جنابة فسكت عني ساعة حتى جاءه جبريل بآية الصعيد فقال: قم يا أسلع فتيمم، ثم علمني التيمم وضرب النبي ﷺ بكفيه الأرض، ثم نفخهما، ثم مسح بهما وجهه حتى أمر على لحيته، ثم أعادهما إلى الأرض، ومسح بكفيه الأرض، فدلك إحداهما بالأخرى، ثم نفضهما، ثم مسح بهما ذراعيه ظاهرهما وباطنهما إلى المرفقين ثم رحلت له، فسار حتى مر بماء فقال لي: يا أسلع أمس هذا جلدك. حكاه ابن سعد وابن جرير والطحاوي والدارقطني والطبراني وأبو نعيم. [3]

وروى الخطيب نحو هذا الحديث عن الأشقع مرفوعا مسلسلا، بقوله: أعلمك التيمم ضرب بيديه الأرض ثم مسح بها وجهه، ثم ضرب الأرض ومسح ذراعيه إلى المرفقين. [4]

وعن أبي هريرة، قال: لما نزلت آية التيمم لم أدر كيف أصنع فأتيت النبي صلى الله عليه وسلم فلم أجده فانطلقت أطلبه فاستقبلته فلما رأى عرف الذي جئت له، فبال ثم ضرب بيديه الأرض فمسح بها وجهه وكفيه. [5]

---

1) النساء: ٤٣.

2) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب الألف، الأسلع بن شريك الأشجعي (١/٢٩٩) رقم الحديث: ٨٧٧. وأبو نعيم في "معرفة الصحابة" باب الأرقم، الاسلع بن شريك بن عوف الأعرجي (١/٣٥٧) رقم الحديث: ١٠٩٤. والضياء المقدسي في "الأحاديث المختارة" أسلع بن شريك الأشجعي (٤/٢١٥) رقم الحديث: ١٤٣٠ والحسن بن سفيان والبغوي والباوردي وابن مردوية كما في "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأفعال، باب في المياه والأواني والتيمم والمسح والحيض، فصل في التيمم (٩/٥٩٦) رقم الحديث: ٢٧٥٨٠.

3) أخرجه الطحاوي في "شرح معاني الآثار" كتاب الطهارة، باب صفة التيمم كيف هي؟ (١/١١٣) رقم الحديث: ٦٧٧. والطبراني في "المعجم الكبير" باب الألف، الأسلع بن شريك الأشجعي (١/٢٩٨) رقم الحديث: ٨٧٥، ٨٧٦. والدار قطني في "سننه" كتاب الطهارة، باب التيمم (١/٣٢٠) رقم الحديث: ٦٨٣. والبيهقي في "السنن الكبرى" كتاب الطهارة، جماع أبواب التيمم، باب كيف التيمم (١/٣١٩) رقم الحديث: ١٠٠٠. وأبو نعيم في "معرفة الصحابة" باب الأرقم، الاسلع بن شريك بن عوف الأعرجي (١/٣٥٦) رقم الحديث: ١٠٩٢. وفي "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأفعال، باب في المياه والأواني والتيمم والمسح والحيض، فصل في التيمم (٩/٥٩٧) رقم الحديث: ٢٧٥٨١.

4) أخرجه الخطيب في "تاريخ بغداد" باب الدال، داود بن أحمد أبو سليمان البغدادي سكن دمياط (٩/٣٥١)

5) أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الطهارات، في التيمم كيف هو؟ (١/١٤٧) رقم الحديث: ١٦٨٩.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن ابن أبزي، قال: قال عمار لعمر: أما تذكر يوم كنا في مكان كذا وكذا وأجنبنا فلم نجد الماء، فتمعكنا في التراب فلما قدمنا على النبي ﷺ ذكرنا ذلك قال: إنما كان يكفيكما هكذا. وضرب الأعمش بيديه ضربة ثم نفخهما، ثم مسح بهما وجهه وكفيه. رواه ابن أبي شيبة. (١)

وعن عمار بن ياسر، قال: أجنبت وأنا في الإبل ولم أجد ماء فتمعكت تمعك الدابة فأتيت رسول الله ﷺ فأخبرته فضحك. فقال: إنما كان يكفيك من ذلك التيمم. رواه عبد الرزاق وابن أبي شيبة. (٢)

وعن أبي ذر الغفاري ﷺ، قال: اجتمعت غنيمة عند رسول الله ﷺ: فقال: يا أبا ذر، أبد فيها، فبدوت إلى الربذة، فكانت تصيبني الجنابة، فأمكث الخمس والست، فأتيت رسول الله ﷺ، فقال أبو ذر: فسكت، فقال: ثكلتك أمك أبا ذر، لأمك الويل، فدعا لي بجارية سوداء، فجاءت بعس فيه ماء، فسترتني بثوب، واستترت بالراحلة، واغتسلت، فكأني ألقيت عني جبلا، فقال: الصعيد الطيب وضوء المسلم ولو إلى عشر سنين، فإذا وجدت الماء فأمسه جلدك، فإن ذلك خير. (٣)

وفي رواية أخرى: فكنت أعزب عن الماء ومعي أهلي، فتصيبني الجنابة، فأصلي بغير طهور، فأتيت رسول الله ﷺ بنصف النهار وهو في رهط من أصحابه، وهو في ظل المسجد، فقال: أبو ذر: فقلت: نعم، هلكت يا رسول الله، قال: وما أهلكك؟ قلت: إني كنت أعزب عن الماء، ومعي أهلي، فتصيبني الجنابة، فأصلي بغير طهور، فأمر لي رسول الله صلى الله عليه وسلم بماء، فجاءت به جارية سوداء بعس يتخضخض، ما هو بملآن، فتسترت إلى بعير فاغتسلت، ثم جئت، فقال رسول الله ﷺ: يا أبا ذر، إن الصعيد الطيب طهور وإن لم تجد الماء إلى عشر سنين، فإذا وجدت الماء فأمسه جلدك. رواه أبو داود.

وفي رواية: كنت بالمدينة فاجتويتها، فأمرني رسول الله ﷺ بذود وبغنم، الحديث.

---

١) أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الطهارات، في التيمم كيف هو؟ (١٤٦/١) رقم الحديث: ١٦٧٨

٢) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الطهارة، باب الرجل يعزب عن الماء (٢٣٨/١) رقم الحديث: ٩١٤، ٩١٥. وابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الطهارات، الرجل يجنب وليس يقدر على الماء (١٤٤/١) رقم الحديث: ١٦٥٩.

٣) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب الجنب يتيمم (٩٠/١) رقم الحديث: ٣٣٢، ٣٣٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وفي رواية: أن رسول الله ﷺ، قال: إن الصعيد الطيب وضوء المسلم وكافيك وان لم تجد الماء عشر سنين، فإذا وجدت الماء فأمسه جلدك.[1]

وعن عمرو بن العاص: أنه أصابته جنابة وهو أمير الجيش، فترك الغسل من أجل أنه قال: إن اغتسلت مت، فصلى بمن معه جنبا، فلما قدم على رسول الله ﷺ عرفه بما فعل وأنبأه بعذره فأقر وسكت. رواه عبد الرزاق والخطيب في المتفق.[2]

وفي رواية: فلما قدمنا على رسول الله ﷺ ذكرت ذلك له، فقال: يا عمرو، صليت بأصحابك وأنت جنب؟ " قال: قلت: نعم يا رسول الله، إني احتلمت في ليلة باردة شديدة البرد، فأشفقت إن اغتسلت أن أهلك. وذكرت قول الله عز وجل: "وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا"[3] فتيممت، ثم صليت. فضحك رسول الله ﷺ ولم يقل شيئا. رواه أحمد.[4]

وعن علي ﷺ، قال: التيمم عند كل صلاة. رواه ابن أبي شيبة ومسدد.[5]

وعن ابن عباس، قال: من السنة أن لا يصلي الرجل بالتيمم إلا صلاة واحدة، ثم يتيمم للصلاة الأخرى.[6]

وعن جابر، قال: قال رسول الله ﷺ: لا يؤم المتيمم المتوضئين.[7]

وعن علي ﷺ، قال: قال رسول الله ﷺ: لا يؤم المقيد المطلقين ولا المتيمم المتوضئين. روى الأحاديث الثلاثة الدار قطني.[1]

---

١) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب الجنب يتيمم (١/٩١) رقم الحديث: ٣٣٣. والترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب التيمم للجنب إذا لم يجد الماء (١/٢١١) رقم الحديث: ١٢٤. والنسائي في "سننه" كتاب الطهارة، باب الصلوات بتيمم واحد (١/١٧١) رقم الحديث: ٣٢٢. وعبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الطهارة، باب الرجل يعزب عن الماء (١/٢٣٦) رقم الحديث: ٩١٦، ٩١٣. وابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الطهارات، باب الرجل يجنب وليس يقدر على الماء (١/١٤٤) رقم الحديث: ١٦٦١

٢) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الطهارة، باب الرجل تصيبه الجنابة في أرض باردة (١/٢٢٦) رقم الحديث: ٨٧٨. والخطيب في "المتفق والمفترق" باب الألف، إبراهيم بن أبي بكر بن عبد الرحمن الأنصاري (١/٢٧٨) رقم الحديث: ١٢٣.

٣) النساء. ٢٩.

٤) أخرجه أحمد في "مسنده" مسند الشاميين، بقية حديث عمرو بن العاص عن النبي ﷺ (٢٩/٣٤٦) رقم الحديث: ١٧٨١٢.

٥) أخرجه ابن أبي شيبة ومسدد كما في "كنز العمال" حرف الطاء، كتاب الطهارة من قسم الأفعال، باب في المياه والأواني والتيمم والمسح والحيض، فصل في التيمم (٩/٥٨٩) رقم الحديث. ٢٧٥٥٣

٦) أخرجه الدار قطني في "سننه" كتاب الطهارة، باب التيمم وأنه يفعل لكل صلاة (١/٣٤١) رقم الحديث: ٧١٠

٧) أخرجه الدار قطني في "سننه" كتاب الطهارة، باب التيمم وأنه يفعل لكل صلاة (١/٣٤٢) رقم الحديث: ٧١٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

تنبيه

الكلام في هذا الباب في ثلاثة مواضع:

أحدها في المراد بالصعيد، وثانيها في أن التراب خلف ضروري للماء أو مطلق، وثالثها في كيفية التيمم أنها ضربة أو ضربتين.

أما الأول: فمذهب الشافعي أنه لا يجوز التيمم إلا بالتراب؛[٢] فإن الصعيد هو التراب فخرج كل ما عداه، فلو ضرب إليه على حجر صلد لا غبار عليه، ومسح بها العضو لم يكف، قال في الحاوي لقوله تعالى: فامسحوا بوجوحكم و أيديكم منه، أي من الصعيد، فمقتضاه حصول شيء منه في الوجوه والأيدي، فإن الظاهر أن يكون من تبعيضية والحمل على الابتداء خلاف الظاهر، ولا يصح بشيء من جنس الأرض غير التراب كالرمل والنورة والزرنيخ، ويدخل كل مايطلق عليه اسم التراب من الألوان و الأنواع، كالأخضر وهو ما لا يخلص بياضه، و الأصفر و الأسود و الأحمر، ومنه الطين الأرمني الذي يؤكل تداويا، و الأبيض الذي يؤكل سفها، والسنج وهو الذي لا يثبت دون الذي يعلوه، والبطحاء وهو التراب الذي في السيل، انتهى كلام الحاوي في مذهب الشافعي.

فعند الشافعي لا يجوز التيمم إلا بالتراب، وهو رواية عن أبي يوسف غير أنه زاد عليه الرمل لحديث رواه أبو هريرة: أن ناسا من أهل البادية أتوا رسول الله ﷺ، فقالوا: إنا نكون بالرمال إلا شهر الثلاثة والأربعة، ويكون منا الجنب والنفساء والحائض، ولسنا نجد الماء، فقال: عليكم بالأرض، وفي رواية: عليكم بالتراب، ثم ضرب بيده الأرض لوجهه ضربة واحدة، ثم ضرب ضربة أخرى، فمسح بها على يديه إلى المرفقين، رواه أحمد والطبراني وسعيد بن منصور في سننه.[٣]

---

١) أخرجه الدار قطني في "سننه" كتاب الطهارة، باب التيمم وأنه يفعل لكل صلاة (٣٤٢/١) رقم الحديث: ٧١٤.

٢) الحاوي الصغير: ١٣٧.

٣) أخرجه إسحاق في "مسنده" ما يروى عن أبي إدريس وغيره عن أبي هريرة (٣٣٩/١) رقم الحديث: ٣٣١. وأحمد في "مسنده" مسند أبي هريرة (١٧١/١٣) رقم الحديث: ٧٧٤٧، (٢٧٤/١٤) رقم الحديث: ٨٦٢٦. والطبراني في "المعجم الأوسط" باب الألف، من اسمه أحمد (٢٩٠/٢) رقم الحديث: ٢٠١١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

واختلفت الروايات في مذهب الإمام أحمد، ففي بعضها كالشافعي، وفي أخرى كأبي يوسف، وعن أحمد رواية ثالثة: يجوز التيمم بالجص والنورة ونحوهما عند عدم التراب.

وعند أبي حنيفة ومالك ومحمد وأحمد في رواية: يجوز بكل ما هو من جنس الأرض، وهو ما لا يلين وينطبع أو يحرق فلا يصير رمادا، والدليل لهم حديث جابر في صحيح البخاري: وجعلت لي الأرض مسجدا وطهورا، وهي تشتمل التراب وغيره.

والصعيد اسم لوجه الأرض سواء كان ترابا أو غيره، نقل صاحب الكشاف عن الزجاج، أنه قال: لا أعلم خلافا بين أهل اللغة، وقال ثعلب: الصعيد وجه الأرض، فلو ضرب المتيمم يده على حجر صلد اجزأه، وإن لم يكن عليه غبار، كذا يجوز على الغبار مع القدرة على الصعيد؛ لأنه تراب رقيق.

فإن قلت: هب أن الصعيد بمعني وجه الأرض؛ ولكنه يجيء بمعنى التراب أيضا، قال في القاموس: الصعيد التراب أو وجه الأرض،[1] وقد وقع في حديث حذيفة: جعلت لنا لأرض كلها مسجدا وجعلت تربتها لنا طهورا. وأخرج ابن خزيمة وغيره في حديث علي رضي الله عنه: وجعل التراب لي طهورا كذا في الفتح.[2]

قلت: العمل بحديث جابر أولى وأحوط؛ لأن فيه العمل بحديث حذيفة أيضا، والعمل بحديث حذيفة بتخصيصه بالتراب يفوت العمل بهذا، وبهذا سقط ما قال الطيبي: حديث حذيفة مفسر، والمفسر من الحديث يقضي على المجمل، فإنه مطلق لا مجمل، ومنع بعضهم الاستدلال بلفظ التربة على خصوصية التيمم بالتراب، وقال: تربة كل مكان ما فيه من تراب أو غيره، هكذا قيل.

وقال صاحب سفر السعادة: كان رسول الله ﷺ يصلي على كل أرض شاء حجرا كان أو ترابا أو رملا، ويتيمم كذلك. وكان لا يفرق بين التراب والرمل، وكان يقول صلى الله عليه وسلم حيثما أدركت رجلا من أمتي الصلاة فعنده مسجده وطهوره. وهذا صريح في أنه جنس الأرض طهور، غير مخصوص بالتراب والرمل. انتهى كلامه مقربا.[3]

---

1) القاموس المحيط: ٢٧٩.
2) فتح الباري: ٤٣٨/١
3) سفر السعادة: ٢٧

toobaa-elibrary.blogspot.com

والثاني: أن التراب خلف ضروري للماء أو خلف مطلق؟

فعندنا خلف مطلق، وأنه يرفع الحدث حقيقة، فالشارع جعل التطهر بشيئين بالوضوء عند وجود الماء، وبالتيمم إذا لم يوجد، فهو يرفع الحدث إلى أن يوجد الماء، ويتفرع عليه أنه يصلي بها ما شاء من فرض ونفل، ويصلي به فرائض متعددة، ولا ينقض بخروج الوقت، وتيمم قبل الوقت.

وعند الأئمة الثلاثة هو خلف ضروري؛ بأنه يصح به الصلاة كوضوء المعذور، ولا يرفع الحدث، فلا يجوز التيمم عندهم قبل الوقت، ولا يجمع بين فرضين فصاعدا بتيمم واحد، وقال أحمد: إذا تيمم، صلى الصلاة التي حضر وقتها، والفوائت والتطوع إلى أن يدخل وقت صلاة أخرى.

وظواهر النصوص وإطلاقها يؤيد مذهبنا كما لا يخفى، وحديث أبي ذر ونحوه: أن الصعيد الطيب طهور المسلم، وفي بعض الروايات: وضوء المسلم، رشارة إلى أن ذلك بطريق المبالغة في طهوريته، فافهم.

والثالث: الاختلاف في أن التيمم ضربة أو ضربتان؟ والكلام فيه طويل.

اعلم أنهم اختلفوا في كيفية التيمم، فالأكثرون على أنه ضربتان: ضربة للوجه، وضربة لليدين إلى للمرفقين، وهذا مذهب أبي حنيفة وصاحبيه ومالك رحمهم الله، والمحفوظ والمختار من مذهب الشافعي وبعض أصحاب أحمد وقول علي وابن عمر والحسن البصري والشعبي وسالم بن عبد الله بن عمر وسفيان الثوري، وروى الطبراني والدار قطني والحاكم عن جابر ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: التيمم ضربتان ضربة للوجه وضربة للذراعين إلى المرفقين،(١) وورد أحاديث كثيرة في هذا الباب، ورواه الطبراني عن ابن عمر وأبي أمامة، والحاكم عن ابن عمر، وأحمد عن عمار بن ياسر ﷺ أيضا، وروى أبو داود عن عمار ابن ياسر أنه كان يحدث أنهم تمسحوا وهو مع رسول الله ﷺ بالضربتين كما في الحديث المذكور في الكتاب غير أنه ذكر فيه للمناكب والآباط، وتأويله: أنهم نظروا إلى عدم ذكر الغاية في التيمم كما في الوضوء إلى المرافق، ولم يلاحظوا إلى كونه خلفا للوضوء.

---

١) اخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" (٨/٢٤٥) رقم الحديث: (١٢/٣٦٨) رقم الحديث: والدارقطني في "سننه" كتاب (٢/٢٦٣) رقم الحديث: والحاكم في "المستدرك" (٤/٢٦٣)

toobaa-elibrary.blogspot.com

وذهب بعضهم إلى أن التيمم ضربة واحدة ومسح للوجه والكفين، وهذا هو المشهور من مذهب أحمد والقول القديم للشافعي، والمنقول عن عطاء الخراساني ومكحول الشامي والأوزاعي وإسحاق بن راهويه وابن جرير وابن المنذر وابن خزيمة من المحدثين، ونقل عن مالك وآخرين من أصحاب الحديث.

ودليلهم الحديث المتفق عليه من عمار بن ياسر المذكور، وفيه فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إنما يكفيك هكذا، فضرب بكفيه الأرض ونفخ فيهما، ثم مسح بهما وجهه وكفيه. هذا لفظ البخاري، ولفظ مسلم: إنما يكفيك أن تضرب بيديك الأرض ثم تمسح بهما وجهك وكفيك، ووقع في بعض الروايات بالواو بتقديم وجهه على كفيه وبالعكس. وفي بعضها بـ ثم بتقديم كفيه على وجهه.

[قال الشيخ:] ومن ههنا يعلم أن الترتيب ليس بشرط في التيمم، وأجاب النووي بأن مقصوده ﷺ ههنا بيان صورة الضرب لتعليم عمار وإراءته أن يضرب اليد على الأرض هكذا، ولا ينبغي أن يتمعك في الأرض كما فعله ﷺ، لا بيان كيفية التيمم، وجميع ما يحصل به فروى عمار تعليمه ﷺ إياه بالضرب، ولهذا جاء في الروايات الأخر عن عمار في سنن أبي داود وغيره ما هو نص في كون التيمم ضربتين، وليس في بعض طرق هذا الحديث ضربة واحدة صريحا بل قال: ضرب بكفيه الأرض ونفخ، ثم مسح وجهه وكفيه، وهذا بإطلاقه يحتمل الضربتين أيضا.

ووقع في حديث البخاري ومسلم: ومسح وجهه وكفيه واحدة، وحملوه على مسحة واحدة لا على ضربة واحدة كما جاء في حديث آخر عن عمار الذي فيه مسح إلى المناكب والآباط، وأن مذهب البخاري هو الثاني، وهذا جواب ضربة دون ضربتين، وأما ذكر الكفين ومسحهما فهو أيضا لعدم كون المقصود بيان التيمم بتمامه، فاقتصر عليه لكفايته في تعليم الضربة بدليل ذكر الذراعين إلى المرفقين في الأحاديث الأخر حيث كان المقصود ذكر التيمم بتمامه، وقد يقال: أراد بالكفين ههنا اليدين كما أريد باليد الكف في قوله تعالى: "وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا" [1] لوجود العلاقة من الجانبين. انتهى. [2]

---

1) المائدة: ٣٨.

2) فتح الباري: ١/٤٥٧

toobaa-elibrary.blogspot.com

قال العبد الضعيف أصلح الله شأنه وصانه عما شانه: لقد بالغ بعض المحدثين في تأييد المذهب الأخير حتى قال المجد اللغوي في سفر السعادة: لم يرو في الحديث الصحيح أنه ﷺ ضرب بيديه على الأرض مرتين، ولا أنه مسح إلى المرفقين، بل الذي صح هو أنه ﷺ ضرب ضربة واحدة فمسح وجهه وكفيه، والأحاديث الواردة على خلافه كلها ضعيفة.(١)

وقال الشيخ ابن الهمام:(٢) إن الحاكم صحح حديث الضربتين، وقال: صحيح الإسناد ولم يخرجاه، وقال الدار قطني: رجاله كلهم ثقات، والشيخ أيضا رجح للمذهب الثاني في شرح البخاري، وقال: إتيان البخاري الترجمة بلفظ الجزم حيث قال: باب التيمم للوجه والكفين مع شهرة الخلاف لقوة دليله لا شك فيه؛ لأن الأحاديث الواردة في صفة التيمم لم يصح منها سوى حديث أبي جهيم وحديث عمار، أما حديث أبي جهيم فورد بلفظ اليدين مجملا، وأما حديث عمار فورد بذكر الكفين في الصحيحين، وبذكر المرفقين في السنن، وفي رواية: إلى نصف الذراع، وفي رواية: إلى الآباط، فأما رواية المرفقين وكذا نصف الذراع ففيهما مقال.

وأما رواية الآباط فقال الشافعي وغيره: وإن كان ذلك وقع بأمر النبي ﷺ فكل تيمم صح للنبي ﷺ بعده فهو ناسخ له، وإن كان وقع بغير أمره، فالحجة فيما أمر به، ومما يقوي رواية الصحيحين في الاقتصار على الوجه والكفين كون عمار يفتي بعد النبي ﷺ بذلك، وراوي الحديث أعرف بالمراد به من غيره لاسيما الصحابي المجتهد، وكذلك في رواية الصحيحين ضربة، وفي غيرهما ضربتين.

وقال الشيخ: وأما قول النووي: المراد بيان صورة الضرب للتعليم وليس المراد به بيان جميع ما يحصل به التيمم، فتعقب بأن سياق القصر يدل على أن المراد بيان جميع ذلك؛ لأن ذلك هو الظاهر من قوله: إنما يكفيك.

وأما ما استدل به من اشتراط بلوغ المسح إلى المرفقين من أن ذلك شرط في الوضوء، فجوابه أنه قياس في مقابلة النص فهو فاسد الاعتبار، وقد عارضه من لم يشترط ذلك بقياس آخر وهو الإطلاق في آية السرقة، ولا حاجة مع وجود هذا النص.

فإن قلت: فما ذكرت في توجيه المذهب صار مدخولا فيه فهل عندك شيء يقويه؟

---

١) سفر السعادة: ٢٤

٢) فتح القدير: ١٢٦/١

toobaa-elibrary.blogspot.com

فأقول: نعم، وبالله التوفيق لا شك أن الأحاديث وردت في الباب مختلفة متعارضة جاءت في بعضها ضربتين: وفي بعضها ضربة واحدة، وفي بعضها مطلق الضرب، وفي بعضها كفين، وفي بعضها يدين إلى المرفقين، وفي بعضها يدين مطلقا، والأخذ بأحاديث ضربتين ومرفقين أخذ بالاحتياط وعمل بأحاديث الطرفين لاشتمال الضربتين على ضربة، ومسح الذراعين إلى المرفقين على مسح الكفين دون العكس، وأيضا التيمم طهارة ناقصة فلو كان محله أكثر بأن يستوعب إلى المرفقين، وكان للوجه واليدين ضربة على حدة لكان أولى وأحسن، وإلى الاحتياط أقرب وأدنى، لا يقال: إلى الإبط أقرب منه إلى الاحتياط فلتأخذوا به، قلنا: حديث الآباط ليس بصحيح مع أن وقوع ذراعيه في حديث أبي جهيم كما روى في شرح السنة وقال: حديث حسن، ويديه وهو الظاهر في الذراعين كما في المتفق عليه يؤيد ذلك.

فإن قلت: لم لم يجعلوا الضربة ومسح الكفين فرضا والزيادة سنة وتكميلا له كما جعلوا الغسل مرتين أو ثلاثا ومسح كل الرأس سنة في الوضوء؟

قلنا: المروي في الوضوء كلا الفعلين تارة فتارة، وجواز كليهما منصوص عليه، فلا جرم جعلوا المتيقن فرضا والزيادة سنة، وفيما نحن فيه جاءت الأحاديث متعارضة، والسبيل ههنا الترجيح ورعاية الاحتياط صالحة لذلك، والقياس على الوضوء الذي هو أصل التيمم أيضا للترجيح لا أنه قياس في مقابلة النص، وهكذا الحال في الدلائل العقلية في مذهبنا يذكر لترجيح بعض الأحاديث على بعضها، والخصوم يزعمون أنها قياسات في مقابلة النص، ولا شك أن القياس على الوضوء أقرب من القياس على حد السرقة.

فإن قلت: التعارض على تقدير أن يكون الأحاديث متساوية في المرتبة، والمحدثون حكموا أن أحاديث الضربتين والمرفقين غير مذكورة في الصحاح.

قلنا:[1] عدم ذكرها في الصحاح محل بحث كما نقلنا عن الحاكم والدار قطني، على أن عدم صحتها وقوتها في زمن الأئمة الذين استدلوا بها محل منع، إذ يحتمل أن تطرق الضعف والوهن فيها بعدهم من جهة لين بعض الرواة وضعفهم الذين رووها بعد زمن الأئمة، فالمتأخرون من المحدثين الذين جاؤوا بعدهم أوردوها في السنن دون الصحاح، ولا يلزم من وجود الضعف في الحديث عند المتأخرين[2] وجوده عند المتقدمين، فرب حديث كان صحيحا

---

١) هذه نكتة مفيدة من إفادات المؤلف قدس سره. [الأعظمي]

٢) المتأخرون في مقابلة الأئمة، فالمراد به البخاري ومسلم ومن بعدهما. [الأعظمي]

toobaa-elibrary.blogspot.com

عندهم لقوة الرواة الذين كانوا عندهم، ثم تطرق الضعف لضعف بعض الرواة الذين رووه بعدهم، مثلا رجال الإسناد في زمن أبي حنيفة ﷺ كان واحدا إن كان ﷺ من التابعين أو اثنين أو ثلاثة إن لم يكن منهم كانوا ثقات من أهل الضبط والإتقان، ثم روى ذلك الحديث من بعده من لم يكن في تلك الدرجة، فصار الحديث عند علماء الحديث مثل البخاري ومسلم والترمذي وأمثالهم ضعيفا، ولا يضر ذلك في الاستدلال به عند أبي حنيفة ﷺ، فتدبر.[١]

وهذه نكتة جيدة وقد وردت فيما نرى بفضل الله وكرمه على هذا العبد المسكين في رد من يتكلم في بعض الأحاديث التي تمسك به أئمتنا رحمهم الله هذا تحقيق المقام، والله أعلم وبيده أزمة المرام.

١) هذا تحقيق أنيق. [الأعظمي]

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب الغسل المسنون

وفيه فصول

الفصل الأول في غسل الجمعة

عن أبي سعيد: أن رسول الله ﷺ قال: غسل الجمعة واجب على كل محتلم.

وفي رواية: الغسل يوم الجمعة على كل مسلم.

وفي أخرى قال: الغسل يوم الجمعة واجب على كل محتلم، وأن يستن، وأن يمس طيبا إن وجد، قال عمرو [يعني ابن سليم راوي الحديث]: أما الغسل فأشهد أنه واجب، وأما الاستنان والطيب فالله أعلم: أواجب هو، أم لا؟ ولكن هكذا في الحديث. كذا عند البخاري، وأخرجه هو ومسلم.

ولمسلم قال: غسل [يوم] الجمعة على كل محتلم، وسواك، ويمس من الطيب ما قدر عليه.

وفي رواية قال في الطيب: ولو من طيب المرأة. وأخرجه أبو داود والنسائي مثل روايتي مسلم، وأخرج الموطأ وأبو داود الرواية الأولى.[1]

وعن أبي هريرة: أنه كان يقول: غسل [يوم] الجمعة واجب على كل محتلم كغسل الجنابة. أخرجه الموطأ.[2]

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الأذان، باب وضوء الصبيان ومتى يجب عليهم الغسل والطهور (١/١٧١) رقم الحديث: ٨٥٨، كتاب الجمعة، باب فضل الغسل يوم الجمعة وهل على الصبي شهود يوم الجمعة أو على النساء (٢/٣) رقم الحديث: ٨٧٩، باب الطيب للجمعة (٢/٣) رقم الحديث: ٨٨٠، باب هل على من لم يشهد الجمعة غسل من النساء والصبيان وغيرهم؟ (٢/٥) رقم الحديث: ٨٩٥، كتاب الشهادات، باب بلوغ الصبيان وشهادتهم (٣/١٧٧) رقم الحديث: ٢٦٦٥. ومسلم في "صحيحه" كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب وجوب غسل الجمعة على كل بالغ من الرجال (٢/٥٨٠) رقم الحديث: ٨٤٦ وأبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب في الغسل يوم الجمعة (١/٩٤) رقم الحديث: ٣٤١، ٣٤٤ والنسائي في "سننه" كتاب الجمعة، باب الأمر بالسواك يوم الجمعة (٣/٩٢) رقم الحديث: ١٣٧٥، باب إيجاب الغسل يوم الجمعة (٣/٩٣) رقم الحديث: ١٣٧٧، الهيئة للجمعة (٣/٩٧) رقم الحديث: ١٣٨٣. ومالك في "الموطأ" كتاب الجمعة، باب العمل في غسل يوم الجمعة (١/١٠٢) رقم الحديث: ٤. وابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء في الغسل يوم الجمعة (١/٣٤٦) رقم الحديث: ١٠٨٩.

٢) أخرجه مالك في "الموطأ" كتاب الجمعة، باب العمل في غسل يوم الجمعة (١/١٠١) رقم الحديث: ٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن البراء ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: حقا على المسلمين أن يغتسلوا يوم الجمعة، وليمس أحدهم من طيب أهله، فإن لم يجد فالماء له طيب. أخرجه الترمذي.(١)

وعن [عبيد الله] بن السباق [المدني الثقفي] رحمه الله: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال في جمعة من الجمع: يا معشر المسلمين، إن هذا يوم جعله الله عيدا، فاغتسلوا، ومن كان عنده طيب فلا يضره أن يمس منه، وعليكم بالسواك. أخرجه الموطأ.(٢)

وعن ابن عمر، قال: خطب رسول الله ﷺ فقال: إذا راح أحدكم إلى الجمعة فليغتسل. أخرجه البخاري ومسلم والموطأ والترمذي والنسائي، أخرجه الجماعة إلا أبا داود.(٣)

وعن أبي هريرة: أن عمر بينا هو يخطب الناس يوم الجمعة، إذ دخل رجل من أصحاب النبي ﷺ من المهاجرين الأولين. وفي رواية أبي هريرة من رواية الأوزاعي: إذ دخل عثمان بن عفان. فناداه عمر: أية ساعة هذه؟ قال: إني شغلت اليوم، فلم أنقلب إلى أهلي حتى سمعت التأذين، فلم أزد على أن توضأت، فقال عمر: والوضوء أيضا، وقد علمت أن رسول الله ﷺ كان يأمر بالغسل؟ أخرجه البخاري ومسلم.

وأخرج أبو داود، عن أبي هريرة: أن عمر بينا هو يخطب يوم الجمعة، إذ دخل رجل، فقال عمر: أتحتبسون عن الصلاة؟ وذكر الحديث.(٤)

---

١) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الجمعة، باب في السواك والطيب يوم الجمعة (٤٠٧/٢) رقم الحديث: ٥٢٧.

٢) أخرجه مالك في "الموطأ" كتاب الطهارة، باب ما جاء في السواك (٦٥/١) رقم الحديث: ١١٣.

٣) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الجمعة، باب فضل الغسل يوم الجمعة وهل على الصبي شهود يوم الجمعة أو على النساء؟ (٢/٢) رقم الحديث: ٨٧٧، باب هل على من لم يشهد الجمعة غسل من النساء والصبيان وغيرهم؟ (٥/٢) رقم الحديث: ٨٩٤، باب الخطبة على المنبر (٩/٢) رقم الحديث: ٩١٩. ومسلم في "صحيحه" كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب صلاة الخوف (٥٧٩/٢) رقم الحديث: ٨٤٤. والترمذي في "جامعه" أبواب الجمعة، باب ما جاء في الاغتسال يوم الجمعة (٣٦٤/٢) رقم الحديث: ٤٩٢. والنسائي في "سننه" كتاب الجمعة، باب حض الإمام في خطبته على الغسل يوم الجمعة (١٠٥/٣) رقم الحديث: ١٤٠٥، ١٤٠٦، ١٤٠٧. وابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء في الغسل يوم الجمعة (٣٤٦/١) رقم الحديث: ١٠٨٨. ومالك في "الموطأ" كتاب الجمعة، باب العمل في غسل يوم الجمعة (١٠٢/١) رقم الحديث: ٥.

٤) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الجمعة، باب فضل الغسل يوم الجمعة وهل على الصبي شهود يوم الجمعة أو على النساء؟ (٢/٢) رقم الحديث: ٨٧٧، باب فضل الجمعة (٢/٢) رقم الحديث: ٨٨٢. ومسلم في "صحيحه" كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب صلاة الخوف (٥٨٠/٢) رقم الحديث: ٨٤٥. وأبو داود

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن عكرمة: أن ناسا من أهل العراق جاءوا، فقالوا: يا ابن عباس. الحديث. ذكره صاحب المشكاة عن أبي داود. وأخرج البخاري ومسلم عن طاووس عن ابن عباس.[1] وأخرجاه وأبو داود والنسائي عن عائشة نحوه.[2]

ويحيى بن سعيد رحمه الله: بلغه أن رسول الله ﷺ قال: ما على أحدكم لو اتخذ ثوبين لجمعته، سوى ثوبي مهنته. أخرجه الموطأ.[3]

تنبيه

قد اختلف في غسل يوم الجمعة، فالأكثرون على أنه سنة ومستحب، وهو مذهبنا ومذهب الشافعي والمختار في مذهب احمد وعند مالك،

وفي رواية عن أحمد: أنه واجب؛ لأنه قد ورد بصيغة الأمر وجاء بصريح لفظ الوجوب أيضا كما ذكرنا من الأحاديث وغيرها في معنى ما ذكرنا.

ولكن القائلين باستحباب الغسل، يقولون: كما أنه وردت أحاديث ظاهرة في وجوب الغسل يوم الجمعة كذلك جاءت أحاديث في الاكتفاء بالوضوء كما مر، وقال الشافعي: ومما يدل على أن أمر النبي ﷺ بالغسل يوم الجمعة كان على الاختيار لا على الوجوب، وحديث

في "سننه" كتاب الطهارة، باب في الغسل يوم الجمعة (٩٤/١) رقم الحديث: ٣٤٠. والترمذي في "جامعه" أبواب الجمعة، باب ما جاء في الاغتسال يوم الجمعة (٣٦٦/٢) رقم الحديث: ٤٩٤. ومالك في "الموطأ" كتاب الجمعة، باب العمل في غسل يوم الجمعة (١٠١/١) رقم الحديث: ٢.

١) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب في الرخصة في ترك الغسل يوم الجمعة (٩٧/١) رقم الحديث: ٣٥٣. والبخاري في "صحيحه" كتاب الجمعة، باب الدهن للجمعة (٤/٢) رقم الحديث: ٨٨٤، ٨٨٥. ومسلم في "صحيحه" كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب الطيب والسواك يوم الجمعة (٥٨٢/٢) رقم الحديث: ٨٤٨.

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الجمعة، باب من أين تؤتى الجمعة وعلى من تجب (٦/٢) رقم الحديث: ٩٠٢، باب وقت الجمعة إذا زالت الشمس (٧/٢) رقم الحديث: ٩٠٣. كتاب البيوع، باب كسب الرجل وعمله بيده (٥٧/٣) رقم الحديث: ٢٠٧١. ومسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة المسافرين وقصرها، باب وجوب غسل الجمعة على كل بالغ من الرجال (٥٨١/٢) رقم الحديث: ٨٤٧. وأبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب في الرخصة في ترك الغسل يوم الجمعة (٩٧/١) رقم الحديث: ٣٥٢، كتاب الصلاة، باب من تجب عليه الجمعة (٢٧٨/١) رقم الحديث: ١٠٥٥. والنسائي في "سننه" كتاب الجمعة، باب الرخصة في ترك الغسل يوم الجمعة (٩٣/٣) رقم الحديث: ١٣٧٩.

٣) أخرجه مالك في "الموطأ" كتاب الجمعة، باب الهيئة وتخطي الرقاب، واستقبال الإمام يوم الجمعة (١١٠/١) رقم الحديث: ١٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

عمر حيث قال: والوضوء أيضا، وقد علمت أن رسول الله ﷺ أمر بالغسل يوم الجمعة، فلو علم بأن أمره ﷺ على الوجوب لا على الاختيار لم يترك عمر عثمان حتى كان يرده و يقول له: ارجع و اغتسل، ولا خفي على عثمان ذلك خصوصا مع تنبيه عمر إياه، ولكن دل الحديث على أن الغسل يوم الجمعة فيه فضل من غير وجوب.

وروى الترمذي عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: من توضأ يوم الجمعة فأحسن الوضوء ثم أتى الجمعة، الحديث. وقال هذا حديث حسن صحيح، وقال محمد: الغسل أفضل يوم الجمعة، وفي هذا آثار كثيرة، وبهذا تحقق أن صيغة الأمر ولفظ الوجوب في هذا الباب للندب والاستحباب تاكيدا ومبالغة.[(١)]

وبالجملة للقوم في إثبات سنية غسل الجمعة واستحبابه ثلاث طرق.

أحدها: أن الوجوب كان في الابتداء بالدلائل الدالة عليه ثم نسخ، واستحب بما جاء من الدلائل، ولكن ادعاء النسخ بمجرد الاحتمال من غير علم بالتاريخ بعيد.

وثانيها: انتهاء الحكم بانتهاء العلة كما يعلم من حديث أبي داود عن عكرمة كما ارتفع سهم المؤلفة القلوب من الغنائم.

وثالثها: حمل الأمر على الندب والوجوب على الثبوت أو على التأكيد جمعا بين الدلائل، وهذا المسلك أقوى وأقوم كما لا يخفى.

الفصل الثاني في الغسل عن غسل الميت

عن أبي هريرة، قال: أن رسول الله ﷺ قال: من غسل الميت فليغتسل. أخرجه أبو داود. وفي رواية الترمذي قال: من غسله الغسل، ومن حمله الوضوء.[(٢)]

وعن ناجية بن كعب: أن عليا ﷺ قال: لما مات أبو طالب أتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقلت: إن عمك الشيخ الضال قد مات، قال: اذهب فوار أباك، ثم لا تحدثن شيئا حتى تأتيني، فواريته فجئته، فأمرني فاغتسلت، فدعا لي. أخرجه أبو داود.

---

١) اخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الجمعة، باب في الوضوء يوم الجمعة (٢/٣٦٩) رقم الحديث. ٤٦٩.

٢) اخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الجنائز، باب في الغسل من غسل الميت (٣/٢٠١) رقم الحديث: ٣١٦١. والترمذي في "جامعه" أبواب الجنائز، باب ما جاء في الغسل من غسل الميت (٣/٣٠٩) رقم الحديث: ٩٩٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعند النسائي: أنه أتى النبي ﷺ فقال: إن أبا طالب مات، فقال: اذهب فواره، قال: إنه مات مشركا، قال: اذهب فواره، فلما واريته رجعت إليه، فقال لي: اغتسل.

وله في أخرى قال: قلت للنبي ﷺ: إن عمك الشيخ الضال مات، فمن يواريه؟ قال: اذهب فوار أباك، ولا تحدثن حدثا حتى تأتيني، فواريته، ثم جئت، فأمرني فاغتسلت، ودعا لي ... وذكر دعاء لم أحفظه.[1]

وعن نافع مولى ابن عمر، رضي الله عنهما: أن ابن عمر حنط ابنا لسعيد بن زيد، وحمله، ثم دخل المسجد، فصلى ولم يتوضأ. أخرجه الموطأ.[2]

وعن عبد الله بن أبي بكر بن محمد بن عمرو بن حزم: أن أسماء بنت عميس[3] امرأة أبي بكر غسلت أبا بكر حين توفي، ثم خرجت فسألت من حضرها من المهاجرين، فقالت: إني صائمة، وإن هذا يوم شديد البرد، فهل علي من غسل؟ فقالوا: لا. أخرجه الموطأ.[4]

وعن قيس بن عاصم رضي الله عنه[5] قال: أتيت رسول الله ﷺ أريد الإسلام، فأمرني أن أغتسل بماء وسدر. أخرجه أبو داود والترمذي والنسائي، إلا أن الترمذي والنسائي قالا: إنه أسلم، فأمره النبي ﷺ ...[6]

---

١) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الجنائز، باب الرجل يموت له قرابة مشرك (٣/٢١٤) رقم الحديث: ٣٢١٤. والنسائي في "سننه" كتاب الطهارة، الغسل من مواراة المشرك (١/١١٠) رقم الحديث: ١٩٠، كتاب الجنائز، باب مواراة المشرك (٤/٧٩) رقم الحديث: ٢٠٠٦.

٢) أخرجه مالك في "الموطأ" كتاب الطهارة، باب ما لا يجب منه الوضوء (١/٢٥) رقم الحديث: ١٨.

٣) أسماء بنت عميس: هي أسماء بنت عميس الخثعمية صحابية، تزوجها جعفر ابن أبي طالب ثم أبو بكر ثم علي، وولدت لهم، وهي أخت ميمونة بنت الحارث أم المؤمنين لأمها، ماتت بعد علي. [تقريب التهذيب: ٧٤٣، رقم الترجمة: ٨٥٣١. تهذيب التهذيب: ١٣/٣٩٨، رقم الترجمة: ٢٧٢٦.]

٤) أخرجه مالك في "الموطأ" كتاب الجنائز، باب غسل الميت (١/٢٢٣) رقم الحديث: ٣.

٥) قيس بن عاصم: هو أبو علي قيس بن عاصم بن سنان بن خالد المنقري -بكسر الميم وسكون النون وفتح القاف-، صحابي، مشهور بالحلم، نزل البصرة. [تقريب التهذيب: ٤٥٧، رقم الترجمة: ٥٥٨١. تهذيب التهذيب: ٨/٣٩٩-٤٠٠، رقم الترجمة: ٧١١.]

٦) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب في الرجل يسلم فيؤمر بالغسل (١/٩٧) رقم الحديث: ٣٥٥. والترمذي في "جامعه" أبواب السفر، باب ما ذكر في الاغتسال عندما يسلم الرجل (٢/٥٠٢) رقم الحديث: ٦٠٥. والنسائي في "سننه" كتاب الطهارة، باب ذكر ما يوجب الغسل وما لا يوجبه غسل الكافر إذا أسلم (١/١٠٩) رقم الحديث: ١٨٨.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن عثيم بن كليب رحمه الله: عن أبيه عن جده، أنه جاء إلى النبي ﷺ، فقال: قد أسلمت، فقال النبي ﷺ: ألق عنك شعر الكفر. يقول: احلق. قال: وأخبرني آخر: أن النبي ﷺ قال لآخر معه: ألق عنك شعر الكفر، واختتن. أخرجه أبو داود. والأصح أنه يومر أولا بالشهادتين ثم يغسل.(١)

واختلف في أنه واجب أو مستحب والثاني أصح، وقيل: إن كان جنبا وجب وإن لم يكن جنبا ندب. واستعمال السدر مع الماء مستحب اجماعا مبالغة في التنظيف، قالوا: يستحب أن يغتسل ويغسل ثيابه ويحلق ويختتن.

تنبيه

مجموع ما ذكر صاحب المشكاة من صور الغسل المسنون أربعة: غسل الجمعة، وبعد غسل الميت، وبعد الحجامة، وعند الإسلام، ولم يذكر غسل يوم عرفة، ولم يذكره المحدثون فيما نعلم الأحاديث الواردة في مناسك الحج مع ذكر الفقهاء إياه، ولم يذكرأيضا الغسل للإحرام مع وروده في الأحاديث، وكأنه اكتفى بذكره في موضعه، ولكن غسل الجمعة أيضا مذكور في بابه، فتدبر.

وقال في الهداية: وسن رسول الله ﷺ الغسل للجمعة والعيدين ويوم عرفة وللإحرام.(٢)

ثم الظاهر من قول عائشة: أن النبي ﷺ كان يغتسل من أربع، أنه ﷺ كان يغسل الميت ويغتسل منه، وقيل معناه أنه ﷺ كان يرى الاغتسال ويأمر به من أربع [فالإسناد مجازي] فإنه ﷺ ما غسل ميتا قط، وقال صاحب الأزهار: الأول أقرب إلى اللفظ، وبيانه لما ذكر صاحب الحاوي حكاية عن الشافعي، أنه قال: إنما كان غسل الميت [سنة] لأنه ﷺ فعله، وكذلك أصحابه مع ضعف هذا الحديث.

والطيبي قد ذكراختلافا في وجوب الاغتسال بعد غسل الميت، وقال الأكثرون على أنه غير واجب، والمراد بحمل الميت مسه، وقيل: المراد كونه على وضوء حال حمله؛ ليمكنه الصلاة عليه إذا وضعه، ويجوز أن يكون لمجرد الحمل؛ لأنه قربة، كذا في بعض الشروح.

---

١) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب في الرجل يسلم فيؤمر بالغسل (١/٩٨) رقم الحديث: ٣٥٦.

٢) الهداية: ١/٢٠

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقال الترمذي: وفي الباب عن علي ﷺ وعائشة، وحديث أبي هريرة حسن، وقد روي عن أبي هريرة موقوفا، واختلف أهل العلم في الذي يغسل الميت، فقال بعض أهل العلم من أصحاب النبي ﷺ: إذا غسل ميتا فعليه الغسل، وقال بعضهم: عليه الوضوء. وقال مالك: يستحب الغسل من غسل الميت، ولا أرى ذلك واجبا، وهكذا قال الشافعي، وقال [أحمد]: من غسل ميتا أرجوا أن لا يجب عليه الغسل، وأما الوضوء فأقل ما فيه، وقال [إسحاق] ولا بد من الوضوء، وقد روي عن عبد المبارك أنه قال: لا يغتسل ولا يتوضأ من غسل الميت، انتهى.[١]

قال العبد الضعيف: الظاهر أن مذهب علمائنا هكذا اتفاقا واختلافا، ولم يذكره الترمذي لأن عادته أن لا يذكر مذهب أبي حنيفة وأصحابه في كتابه تعصبا، تجاوز الله عنه.

ثم اعلم أنه لم يذكر الغسل للعيدين مع أنه مسنون أو مندوب عند الأئمة إذ لم يصح عند المحدثين حديث في ذلك، ولم يذكر في باب العيدين أيضا حديثا في ذلك، وما وجدناه في جامع الأصول من الكتب الستة، وما وجدنا في الكتب سوى حديثين حكموا عليهما بالضعف.

أحدهما: ما ذكر الشمني من ابن ماجة في سننه والطبراني في معجمه والبزاز في مسنده، عن الفاكه بن سعد[٢]، قال: كان رسول الله ﷺ يغتسل يوم الفطر ويوم النحر ويوم عرفة، والفاكه بن سعد ثبت له صحبته؛ بل بلغ حد الشهرة، ولم يعرف له غير هذا الحديث.

وقال الشيخ ابن الهمام: هذا حديث ضعيف، كذا ذكره النووي وغيره، وذكر في شرح كتاب الخرقي هذا الحديث، وقال: كان الفاكه بن سعد يأمر أهله بالغسل في هذه الأيام، وقال: رواه عبد الله بن أحمد[٣] في زوائد المسند وابن ماجة.

وثانيهما: ما ذكر السيوطي في جمع الجوامع عن الشعبي عن زياد بن عياض الأشعري،[١] أنه قال لقوم: كل فعل رأيته من رسول الله ﷺ وجدتكم تفعلونه إلا أنكم لا

---

١) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب ما جاء في الغسل من غسل الميت (٣/٩٩٣) رقم الحديث: ٩٩٣.

٢) فاكه بن سعد: هو الفاكه -بكسر الكاف- بن سعد الأنصاري، صحابي، له حديث في الغسل في عيد الفطر، والإسناد إليه واهي. [تقريب التهذيب: ٤٤٤، رقم الترجمة: ٥٣٧٢. تهذيب التهذيب: ٨/٢٥٥، رقم الترجمة: ٤٧٣.]

٣) عبد الله بن أحمد بن حنبل: أبو عبد الرحمن هو عبد الله بن أحمد بن محمد بن حنبل الشيباني، ولد الإمام أحمد، ثقة، من الثانية عشرة، مات في جمادي الآخرة سنة تسعين ومئتين، وله بضع وسبعون. [تقريب التهذيب: ٢٩٥، رقم الترجمة: ٣٢٠٥. تهذيب التهذيب: ٥/١٤٣-١٤٤، رقم الترجمة: ٢٤٧.]

toobaa-elibrary.blogspot.com

تغتسلون يوم العيدين، رواه ابن منده وابن عساكر، وقال صحيح عن عياض، وقوله: زياد غير محفوظ، انتهى.

وقد ذكر في جامع الأصول من الموطأ أن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما كان يغتسل يوم الفطر قبل أن يغدو إلى المصلى، وقالوا: شدة مبالغته في ﷺ في متابعة السنة يقتضي أنه قد صح الحديث في ذلك.

١) زياد بن عياض الأشعري: هو زياد بن عياض الأشعري، عن أبي موسى، له ادراك وفي صحبته اختلاف. [الإصابة في تمييز الصحابة: ٥٢٩/٢، رقم الترجمة: ٢٩٩٧. معرفة الصحابة لأبي نعيم: ١٢١٣/٣.]

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب الحيض

عن ابن مسعود بإسناد صحيح قال: كان الرجال والنساء في بني إسرائيل يصلون جميعا فكانت المرأة تتشوف للرجل، فألقى الله عليهن الحيض ومنعهن المساجد. رواه عبد الرزاق بإسناد صحيح.(١)

وعنه، قال: قال النبي ﷺ: هذا شيء كتبه الله على بنات آدم. رواه البخاري.(٢)

وعن ابن عباس رضي الله عنهما: أن قوله تعالى في قصة إبراهيم عليه السلام وامرأته قائمة فضحكت أي حاضت. رواه الطبري وغيره.(٣)

وعنه: أن ابتداء الحيض كان على حواء بعد أن أهبطت من الجنة. رواه الحاكم وغيره.(٤)

وعن عمر رضي الله عنه، قال: قال رسول الله ﷺ أخبرني حبيبي جبريل أن الله بعثه إلى أمنا حواء حين دميت فنادت ربها: جاء مني دم لا أعرفه فناداها لأدمينك وذريتك ولأجعلنه كفارة وطهورا. رواه الدار قطني في الأفراد والديلمي.(٥)

---

١) أخرجه عبد الرزاق كما في فتح الباري، كتاب الحيض، باب كيف كان بدء الحيض (٦٧٨/١). أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الصلاة، باب شهود النساء الجماعة (١٤٩/٣) رقم الحديث: ٥١١٥، [ونصه: عن ابن مسعود قال: كان الرجال والنساء في بني إسرائيل يصلون جميعا، فكانت المرأة لها الخليل تلبس القالبين تطول بهما لخليلها، فألقي عليهن الحيض، فكان ابن مسعود يقول: أخروهن حيث أخرهن الله. فقلنا لأبي بكر: ما القالبين؟ قال: رفيصين من خشب.] وأيضا [عن عائشة قالت: كان نساء بني إسرائيل يتخذن أرجلا من خشب، يتشرفن للرجال في المساجد فحرم الله عليهن المساجد، وسلطت عليهن الحيضة.]

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الحيض، كيف كان بدء الحيض (٦٦/١) رقم الحديث: ٢٩٤، باب تقضي الحائض المناسك كلها إلا الطواف بالبيت (٦٨/١) رقم الحديث: ٣٠٥، كتاب الأضاحي، باب الأضحية للمسافر والنساء (٩٩/٧) رقم الحديث: ٥٥٤٨، باب من ذبح ضحية غيره (١٠١/٧) رقم الحديث: ٥٥٥٩.

٣) أخرجه الطبري في "جامع البيان" سورة هود: ٧١ (٣٨٩/١٥) [فتح الباري، كتاب الحيض، باب كيف كان بدء الحيض (٦٧٨/١).]

٤) أخرجه الحاكم كما في "فتح الباري لابن حجر" كتاب الحيض، باب كيف كان بدء الحيض (٦٧٨/١)

٥) أخرجه الدار قطني في "الأفراد" والديلمي في "الفردوس بمأثور الخطاب" كما في "كنز العمال" كتاب الطهارة من قسم الأفعال، باب في المياه والأواني والتيمم والمسح والحيض، فصل في الحيض والنفاس والاستحاضة، الحيض (٦٢٣/٩) رقم الحديث: ٢٧٧٠٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن عائشة ﵂ قالت: كانت إحدانا إذا كانت حائضا، وأراد رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يباشرها، أمرها أن تأتزر بإزار في فور حيضتها، ثم يباشرها، وأيكم كان يملك إربه كما كان رسول الله ﷺ يملك إربه.

وفي رواية قالت: كنت أغتسل أنا ورسول الله ﷺ من إناء واحد وكلانا جنب، وكان يأمرني فأتزر، فيباشرني وأنا حائض، وكان يخرج رأسه إلي وهو معتكف، فأغسله وأنا حائض. أخرجه البخاري ومسلم. وأخرج أبو داود الرواية الأولى وقال: في فوح حيضتها.

وفي أخرى للنسائي عن جميع بن عمير قال: دخلت على عائشة مع أمي وخالتي، فسألتاها: كيف كان النبي ﷺ يصنع إذا حاضت إحداكن؟ قالت: كان يأمرنا إذا حاضت إحدانا أن تأتزر بإزار واسع، ثم يلتزم صدرها وثدييها.(١)

وفي رواية أبي داود والنسائي: أن رسول الله ﷺ كان يباشر المرأة من نسائه وهي حائض إذا كان عليها إزار إلى أنصاف الفخذين والركبتين محتجزة. والأحاديث في المباشرة مع الإزار بالأزواج كثيرة جدا.(٢)

اعلم أن المباشرة ايصال البشرة بالبشرة. وقال في الفتح: حد الفقهاء بشد الإزار على وسطها ما بين السترة والركبة عملا بالعرف. وقال: هذا دليل لأبي حنيفة في حرمة الاستمتاع بما تحت الإازار بين السرة والركبة.

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الحيض، باب مباشرة الحائض (١/٦٧) رقم الحديث: ٣٠٢. ومسلم في "صحيحه" كتاب الحيض، باب مباشرة الحائض فوق الإزار (١/٢٤٢) رقم الحديث: ٢٩٣. وأبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب في الرجل يصيب منها دون الجماع (١/٧٠) رقم الحديث: ٢٦٨، ٢٧٣. والترمذي في "جامعه" كتاب الطهارة، باب ما جاء في مباشرة الحائض (١/٢٣٩) رقم الحديث: ١٣٢. والنسائي في "سننه" كتاب الحيض، باب مباشرة الحائض (١/١٥١) رقم الحديث: ٢٨٥، ٢٨٦، وباب ذكر ما كان النبي ﷺ يصنعه إذا حاضت إحدى نسائه (١/١٨٩) رقم الحديث: ٣٧٥. وابن ماجه في "سننه" كتاب الطهارة وسننها، باب ما للرجل من امرأته إذا كانت حائضا (١/٢٠٨) رقم الحديث: ٦٣٥، ٦٣٦. ومالك في "الموطأ" كتاب الطهارة، باب ما يحل للرجل من امرأته وهي حائض (١/٥٨) رقم الحديث: ٩٥.

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الحيض، باب مباشرة الحائض (١/٦٨) رقم الحديث: ٣٠٣. ومسلم في "صحيحه" كتاب الحيض، باب مباشرة الحائض فوق الإزار (١/٢٤٣) رقم الحديث: ٢٩٤. وأبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب في الرجل يصيب منها ما دون الجماع (١/٦٩) رقم الحديث: ٢٦٧، كتاب النكاح، باب في إتيان الحائض ومباشرتها (٢/٢٥١) رقم الحديث: ٢١٦٧. والنسائي في "سننه" كتاب الطهارة، باب مباشرة الحائض (١/١٥١) رقم الحديث: ٢٨٧، كتاب الحيض والاستحاضة، ذكر ما كان النبي ﷺ يصنعه إذا حاضت إحدى نسائه (١/١٨٩) رقم الحديث: ٣٧٦. [روى عن ميمونة ﵂]

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعلم أن مباشرة الحائض أقسام:

أحدها: أن يباشرها بالجماع، وهذا حرام بالاجماع؛ ولو اعتقد مسلم حله صار كافرا، ولو فعله غير معتقد حله؛ فإن كان ناسيا أو جاهلا بوجود المحيض أو جاهلا بتحريمه أو مكرها فلا اثم عليه ولا كفارة، وان كان عامدا عالما بالمحيض وبالتحريم مختارا فقد ارتكب معصية. ونص الشافعي أنها كبيرة يجب التوبة. وفي وجوب الكفارة قولان: أصحهما أنه لا كفارة عليه؛ بل يكفي الإستغفار، وبه قال أصحاب أبي حنيفة والشافعي.

ثم اختلفوا في الكفارة فقيل: عتق رقبة، وقيل: دينار أو نصف دينار على اختلاف بينهم، وقيل: الدينار في أول الدم ونصفه في آخره أو الدينار في زمن الدم ونصفه بعد انقطاعه، وهو قول ابن المبارك، وينقل عن بعض منهم سعيد بن جبير [1] وابراهيم النخعي.

وهناك اختلاف أخر وهو أنه قال أبوحنيفة: إذا انقطع الدم لأكثر الحيض حل وطؤها في الحال، وقال الجمهور: لا يحل إلا بعد الغسل محتجين بقوله تعالى: "وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ" [2] ويقول أبو حنيفة في قوله تعالى: "حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ"، قراءتان بالتخفيف و التشديد، فحمل أبو حنيفة رحمه الله قراءة التخفيف على الطهارة بانقطاع الدم و قراءة التشديد على الاغتسال، واعتبر في انقطاع الدم لأكثر المدة للوطي أصل الطهارة الحاصلة بالانقطاع، وفي الانقطاع لأقلها الطهارة الكاملة الحاصلة بالغسل؛ لأنه ليس فيه مظنة الدم؛ لأن الحيض لا مزيد له على عشرة أيام، قال في الهداية: إلا أنه لا يستحب له الوطي قبل الاغتسال للنهي في قراءة التشديد.

وثانيها: المباشرة فيما فوق السرة وتحت الركبة بالذكر أو باللمس أو بغير ذلك، وهو حلال بالاتفاق.

وثالثها: المباشرة فيما بين السرة والركبة في غير القبل والدبر، وفيه ثلاثة أوجه لأصحابنا أصحها: أنه حرام، وثانيها: مكروه كراهة تنزيه وهو للمختار، وثالثها: إن كان

---

1) سعيد بن جبير: هو سعيد بن جبير -بمضمومة فمفتوحة وسكون ياء- الأسدي، مولاهم الكوفي، ثقة ثبت فقيه، من الثالثة، وروايته عن عائشة وأبي موسى ونحوهما مرسلة، قتله الحجاج بن يوسف في شعبان سنة خمس وتسعين وله تسع وأربعون سنة، ولم يكمل الخمسين. [تقريب التهذيب: ٢٣٤، رقم الترجمة: ٢٢٧٨. تهذيب التهذيب: ٤/١١-١٤، رقم الترجمة: ١٤.]

2) البقرة: ٢٢٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

المباشر يضبط نفسه عن الفرج ويثق من نفسه بالاجتناب عنه، أما لضعف شهوته وإما لشدة ورعه جاز وإلا فلا.

وعن أبي هريرة، قال: بينما رسول الله ﷺ في المسجد، فقال: يا عائشة، ناوليني الثوب، فقالت: إني حائض، فقال: إن حيضتك ليست في يدك. وفي رواية: إني لا أصلي. أخرجه مسلم والنسائي.[1]

وعن أم سلمة ﵂، قالت: بينما أنا مضطجعة مع رسول الله ﷺ في الخميلة، إذ حضت، فانسللت، فأخذت ثياب حيضتي فلبستها، فقال لي رسول الله ﷺ أنفست؟ قلت: نعم، فدعاني فاضطجعت معه في الخميلة، قالت: وكانت هي ورسول الله يغتسلان في الإناء الواحد من الجنابة. هذا لفظ مسلم. وللبخاري مثله.[2]

وعن عائشة، قالت: أن رسول الله ﷺ: دخل ليلا وأنا حائض، فمضى إلى مسجده -قال أبو داود: تعني مسجد بيته- فلم ينصرف حتى غلبتني عيناي، وأوجعه البرد، فقال: ادني مني، فقلت: إني حائض، فقال: وإن، اكشفي عن فخذيك، فكشفت عن فخذي، فوضع خده وصدره على فخذي، وحنيت عليه حتى دفئ، فنام. أخرجه أبو داود.[3]

وعن عبد الله بن سعد الأنصاري[4]: سئل رسول الله ﷺ عن مواكلة الحائض؟ فقال: واكلها. أخرجه الترمذي. وقال: وفي الباب عن عائشة، وأنس وحديث عبد الله بن سعد حديث حسن غريب.[5]

---

١) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الحيض، باب جواز غسل الحائض رأس زوجها (١/٢٤٥) رقم الحديث: ٢٩٩. والنسائي في "سننه" كتاب الحيض، باب استخدام الحائض (١/١٤٦) رقم الحديث: ٢٧٠، (١/١٩٢) رقم الحديث: ٣٨٣.

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الحيض، باب من سمى النفاس حيضا (١/٦٧) رقم الحديث: ٢٩٨، وباب النوم مع الحائض وهي في ثيابها (١/٧١) رقم الحديث: ٣٢٢، باب من أخذ ثياب الحيض سوى ثياب الطهر (١/٧٣) رقم الحديث: ٣٢٣، وكتاب الصوم، باب القبلة للصائم (٣/٣٠) رقم الحديث: ١٩٢٩. ومسلم في "صحيحه" كتاب الحيض، باب الاضطجاع مع الحائض في لحاف واحد (١/٢٤٣) رقم الحديث: ٢٩٦. والنسائي في "سننه" كتاب الطهارة، باب مضاجعة الحائض (١/١٤٩) رقم الحديث: ٢٨٣.

٣) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب في الرجل يصيب من المرأة ما دون الجماع (١/٧٠) رقم الحديث: ٢٧٠.

٤) عبد الله بن سعد الأنصاري: هو عبد الله بن سعد الأنصاري، ويقال: القرشي، عم حرام بن حكيم، صحابي، شهد فتح القادسية. [تقريب التهذيب: ٣٠٥، رقم الترجمة: ٣٣٥٠. تهذيب التهذيب: ٥/٢٣٥، رقم الترجمة: ٤٠٥.]

٥) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب ما جاء في مؤاكلة الحائض وسؤرها (١/٢٤٠) رقم الحديث: ١٣٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن مسروق، قال: دخلت على عائشة فقلت: يا أم المؤمنين ما يحل للرجل من امرأته حائضا؟ قالت: ما دون الفرج، قلت: فما يحل لي منها صائما؟ قالت: كل شيء إلا الجماع. رواه عبد الرزاق.[1]

وعن معاذة العدوية[2] قالت: سألت عائشة فقلت: ما بال الحائض تقضي الصوم ولا تقضي الصلاة؟ قالت: كان يصيبنا ذلك مع رسول الله ﷺ فنؤمر بقضاء الصوم ولا نؤمر بقضاء الصلاة. وجاءت في رواية: أن عائشة قالت لمن سألها: أحرورية أنت؟ رواه عبد الرزاق.[3]

تنبيه

قد وقع الاختلاف في هذا الباب في مواضع كالإستمتاع والمباشرة بما بين السرة والركبة بغير القبل والدبر، ووجوب الكفارة وعدمه، وقبل الوطيء، وقبل الغسل بانقطاع الدم لأكثر المدة، وذكرنا في أثناء ذكر الأحاديث وبقي اختلاف قوي مشهور في أقل مدة الحيض وأكثرها فتدبره، فهنا هكذا وقع ترتيب الكلام في هذا الباب خلاف الأبواب السابقة من ذكر الاختلاف في البنات.

فاعلم أن أقل مدة الحيض عندنا ثلاثة أيام ولياليها وما نقص من ذلك فهو استحاضة، وأكثره عشرة أيام والزائد استحاضة؛ لقوله عليه السلام: اقل الحيض للجارية البكر والثيب ثلاثة أيام ولياليها وأكثره عشرة أيام ولياليها والزائدة استحاضة، كذا في الهداية،[4] وهو حجة على الشافعي في التقدير بيوم وليلة في الأقل وبخمسة عشر في الأكثر، ومثل قول الشافعي قول أحمد ومالك رحمهما الله.

وتكلم الشيخ ابن الهمام في هذا الحديث الذي ذكره صاحب الهداية، وقال: رواه الدار قطني عن أبي أمامة، قال: قال رسول الله ﷺ: أقل الحيض للجارية البكر والثيب الثلاث وأكثر ما يكون عشرة أيام، فإذا زاد فهي مستحاضة، وقال الدار قطني: عبد الملك مجهول، والعلاء بن كثير ضعيف الحديث،[5] وأخرج عن عبد الله -يعني ابن مسعود-:

---

١) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الحيض، باب ترجيل الحائض (١/٣٢٧) رقم الحديث: ١٢٦٠.

٢) معاذة العدوية: هي أم الصهباء معاذة بنت عبد الله العدوية البصرية، ثقة، من الثالثة. [تقريب التهذيب: ٧٥٣، رقم الترجمة: ٨٦٨٤. تهذيب التهذيب: ١٢/٤٥٢، رقم الترجمة: ٢٨٩٥.]

٣) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الحيض، باب قضاء الحائض الصلاة (١/٣٣١) رقم الحديث: ١٢٧٧.

٤) الهداية: ١/٣٢.

٥) أخرجه الدار قطني في "سننه" كتاب الحيض (١/٤٠٥) رقم الحديث: ٨٤٦.

toobaa-elibrary.blogspot.com

الحيض ثلاث وأربع وخمس وست وسبع وثمان وتسع وعشر، فإذا زاد فهي مستحاضة، وقال: لم يروه عن الأعمش بهذا الإسناد غير هارون بن زياد [(١)] وهو ضعيف الحديث. [(٢)]

وروي ابن عدي في الكامل، عن أنس، عنه ﷺ: الحيض ثلاثة أيام وأربعة وخمسة وستة وسبعة وثمانية وتسعة وعشرة، فإذا جاوزت العشرة فهي مستحاضه، [(٣)] وأعله بالحسن بن دينار، والحديث معروف بخالد بن أيوب [(٤)]، وروي موقوفا على أنس، وقال ابن عدي في الحسن: لم أر له حديثا جاوز الحد في النكارة وهو إلى الضعف أقرب. [(٥)]

وروي الدار قطني عن عبد العزيز الدراوردي [(٦)] عن عبيد الله بن عمر[(٧)] عن ثابت[(٨)] عن أنس، قال: هي حائض فيما بينها و بين عشرة، فإذا زادت فهي مستحاضة. [(٩)]

وروى أيضا: ثنا الحسين بن إسماعيل قال: ثنا خالد بن أسلم [(١)]، قال: ثنا محمد بن فضيل [(٢)] عن أشعب عن الحسن عن عثمان بن أبي العاص [(٣)]، قال: لا تكون المرأة مستحاضة في يوم ولا في يومين ولا ثلاثة تبلغ عشرة، فإذا جاوزت عشرة أيام كانت مستحاضة. [(٤)]

---

١) هارون بن زياد: هو أبو عيسى الخراساني، مجهول، من السابعة، اسمه: هارون بن زياد، روى عنه حيوة بن شريح [تقريب التهذيب: ٦٦٢، رقم الترجمة: ٨٢٩٦ .تهذيب التهذيب: ١٩٦/١٢، رقم الترجمة: ٩٠٣.]

٢) أخرجه الدار قطني في "سننه" كتاب الحيض (٢٨٨/١) رقم الحديث: ٨٠٥.

٣) أخرجه ابن عدي في "الكامل في ضعفاء الرجال" الحسن بن دينار (١٢٧/٣).

٤) خالد بن أيوب: هو خالد بن أيوب البصري، روى عن أبيه وروى عنه جرير بن حازم، قال يحيى: لا شيء، وقال أبو حاتم: منكر الحديث. [ميزان الاعتدال: ٦٢٨/١، رقم الترجمة: ٢٤٠٩.]

٥) الكامل في ضعفاء الرجال: ١٣١/٣.

٦) عبد العزيز الدراوردي: هو أبو محمد عبد العزيز بن محمد بن عبيد الدراوردي –منسوب إلى قرية دراورد بخراسان– الجهني مولاهم المدني، صدوق، كان يحدث من كتب غيره فيخطئ،، قال النسائي: حديثه عن عبيد الله العمري منكر، من الثامنة: مات سنة ست أو سبع وثمانين. [تقريب التهذيب: ٣٥٨، رقم الترجمة: ٤١١٩. تهذيب التهذيب: ٣٥٣/٦–٣٥٥، رقم الترجمة: ٦٨٠.]

٧) عبيد الله بن عمر: هو أبو عثمان عبيد الله بن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب العمري المدني، أحد الفقهاء السبعة، ثقة ثبت، قدمه أحمد بن صالح على مالك في نافع، وقدمه ابن معين في القاسم عن عائشة على الزهري عن عروة عنها، من الخامسة، مات سنة بضع وأربعين ومائة. [تقريب التهذيب: ٣٧٣، رقم الترجمة: ٤٣٢٤ . تهذيب التهذيب: ٣٨/٧–٤٠، رقم الترجمة: ٧١.]

٨) ثابت: هو أبو محمد ثابت بن أسلم البناني –بضم الموحدة ونونين مخففين– البصري، ثقة عابد، من الرابعة، مات سنة بضع وعشرين، وله ست وثمانون. [تقريب التهذيب: ١٣٢، رقم الترجمة: ٨١٠.]

٩) أخرجه الدار قطني في "سننه" كتاب الحيض (٣٨٩/١) رقم الحديث: ٨١١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقال أيضا: حدثنا عثمان بن أحمد الدقاق،[٥] قال: ثنا يحي بن أبي طالب،[٦] قال: أخبرنا عبد الوهاب، قال: ثنا هشام بن حسان عن الحسن أن عثمان بن أبي العاص الثقفي، قال: الحائض إذا جاوزت عشرة أيام فهي بمنزلة المستحاضة تغتسل وتصلي،[٧] وعثمان هذا صحابي.

وقال أيضا: ثنا إبراهيم بن حماد،[٨] قال: ثنا المخرمي، قال: ثنا يحي بن آدم،[٩] قال: ثنا حماد بن سلمة،[١٠] وثنا مخلد قال: ثنا الحامي، قال: ثنا وكيع، قال: حدثنا حماد بن

---

١) خالد بن أسلم: هو خالد بن أسلم القرشي العدوي، أخو زيد بن أسلم، مولى عمر، صدوق، من الخامسة. [تقريب التهذيب: ١٨٦، رقم الترجمة: ١٦١٦. تهذيب التهذيب: ٣/٨٠، رقم الترجمة: ١٥١.]

٢) محمد بن فضيل: هو أبو عبد الرحمن محمد بن فضيل بن غزوان -بفتح المعجمة وسكون الزاي- الضبي مولاهم الكوفي، صدوق عارف رمي بالتشيع، من التاسعة، مات سنة خمس وتسعين ومائة. [تقريب التهذيب: ٥٠٢، رقم الترجمة: ٦٢٢٧. تهذيب التهذيب: ٩/٤٠٥-٤٠٦، رقم الترجمة: ٦٦٠.]

٣) عثمان بن أبي العاص: هو أبو عبد الله عثمان بن أبي العاص الثقفي الطائفي، صحابي شهير، استعمله النبي ﷺ على الطائف، وهو الذي أمسك ثقيفا عن الردة، قال لهم: يا معشر ثقيف كنتم آخر الناس إسلاما فلا تكونوا أولهم ارتدادا، ومات في خلافة معاوية بالبصرة. [تقريب التهذيب: ٣٨٤، رقم الترجمة: ٤٤٨٥. تهذيب التهذيب ٧/١٢٨-١٢٩، رقم الترجمة: ٢٧٠.]

٤) أخرجه الدار قطني في "سننه" كتاب الحيض (١/٣٩٠) رقم الحديث: ٨١٥.

٥) عثمان بن أحمد الدقاق: هو أبو عمرو بن السماك، عثمان بن أحمد الدقاق، المعروف بابن السماك الحنبلي، مسند بغداد، وشيخه خلائق نحو الخمسين ألفا، وكان صاحب حديث، كتب المصنفات الكبار بخطه، وتوفي في ربيع الأول سنة أربع وأربعين وثلاث مئة. [شذرات الذهب: ٤/٢٣٥. تسهيل السابلة لمريد معرفة الحنابلة: ١/٤١٨، رقم الترجمة: ٦٩٢.]

٦) يحي بن أبي طالب: هو أبو بكر يحي بن أبي طالب جعفر بن عبد الله بن الزبرقان -بكسر الزاء وسكون الباء وكسر الراء- البغدادي، الإمام المحدث العالم، مولده سنة اثنتين وثمانين ومائة، قال أبو حاتم: محله الصدق، وأما أبو أحمد الحاكم، فقال: ليس بالمتين، وتوفي في شوال سنة خمس وسبعين ومائتين. [سير أعلام النبلاء: ١٢/٦١٩-٦٢٠، رقم الترجمة: ٢٤٢. ميزان الاعتدال: ٤/٣٧٦-٣٧٧، رقم الترجمة: ٩٥٤٧. شذرات الذهب: ٣/٣١٦.]

٧) أخرجه الدار قطني في "سننه" كتاب الحيض (١/٣٩١) رقم الحديث: ٨١٦.

٨) إبراهيم بن حماد: هو أبو إسحاق، إبراهيم بن حماد بن إسحاق بن إسماعيل، الأزدي البصري، الإمام الثبت، مات في صفر سنة ثلاث وعشرين وثلاث مائة، وله نيف وثمانون سنة. [سير أعلام النبلاء: ١٥/٣٥-٣٦، رقم الترجمة: ١٩.]

٩) يحي بن آدم: هو أبو زكريا يحي بن آدم بن سليمان الكوفي، مولى بني أمية، ثقة حافظ فاضل، من كبار التاسعة، مات سنة ثلاث ومائتين. [تقريب التهذيب: ٥٨٧، رقم الترجمة: ٧٤٩٦.]

١٠) حماد بن سلمة: هو أبو سلمة حماد بن سلمة -بفتح اللام- بن دينار البصري، ثقة عابد أثبت الناس في ثابت، وتغير حفظه بأخرة، من كبار الثامنة، مات سنة سبع وستين. [تقريب التهذيب: ١٧٨، رقم الترجمة: ١٤٩٩. تهذيب التهذيب: ٣/١١-١٦، رقم الترجمة: ١٤.]

toobaa-elibrary.blogspot.com

عن علي بن ثابت عن محمد بن زيد عن سعيد بن جبير، قال: الحيض ثلاث وأكثره عشرة، وأسند مثله عن سفيان.[1]

وروى الدار قطني عن النبي ﷺ أيضا من حديث واثلة بن الأسقع: أقل الحيض ثلاثة أيام وأكثره عشرة أيام، وضعفه بجهالة محمد بن منهال، وضعف محمد بن أحمد بن أنس،[2].[3]

وروى ابن عدي في الكامل من حديث معاذ بن جبل عنه عليه الصلوة والسلام: لا حيض دون ثلاثة أيام ولا حيض فوق عشرة أيام، الحديث. وضعفه محمد بن سعيد الشامي[4] ورموه بالوضع.[5]

وأخرجه العقيلي عن معاذ عنه ﷺ من غير طول، وأعله بجهالة محمد بن الحسن الصدفي[6] بالنقل.[7]

وروى ابن الجوزي في العلل المتناهية عن أبي سعيد الخدري، عنه ﷺ: أقل الحيض ثلاثة وأكثره عشرة، وأقل ما بين الحيضتين خمسة عشر يوما، وضعف بسليمان المكي أبا داود النخعي.[8]

فهذه عدة أحاديث عن النبي ﷺ متعددة الطرق، وذلك يرفع الضعيف إلى الحسن، والمقدرات الشرعية مما لا تدرك بالرأي، فالموقوف عليها حكمه الرفع؛ بل تسكن النفس

---

١) أخرجه الدار قطني في "سننه" كتاب الحيض (١/٣٩١) رقم الحديث: ٨١٧.

٢) محمد بن أحمد بن أنس: هو أبو عبد الله ويقال: أبو علي محمد بن أحمد بن أنس القرشي النيسابوري، صدوق، من الحادية عشرة، مات سنة تسع وسبعين ومائتين. [تقريب التهذيب: ٤٦٧، رقم الترجمة: ٥٧١٥. تهذيب التهذيب: ٩/٢٤، رقم الترجمة: ٣٨.]

٣) أخرجه الدار قطني في "سننه" كتاب الحيض (١/٤٠٦) رقم الحديث: ٨٤٧.

٤) محمد بن سعيد الشامي: هو أبو عبد الرحمن محمد بن سعيد، الشامي، ويقال: ابن أبي قيس، ويقال: ابن الطبري، ويقال: ابن حسان، وقال ابن حجر: هو محمد بن أبي سهل القرشي، عن مكحول بحديث مرسل، وعنه أبو بكر بن عياش وخراش القرشي، وقال البخاري: كان صلب، متروك الحديث، قتل في الزندقة، وذكره ابن حبان في الثقات. [تقريب التهذيب: ٤٨٢. تهذيب التهذيب: ٩/٢٠٧، رقم الترجمة: ٣٢٨. التاريخ الكبير للبخاري: ١/٩٤، رقم الترجمة: ٢٥٧.]

٥) أخرجه ابن عدي في "الكامل في ضعفاء الرجال" محمد بن سعيد بن أبي قيس الأزدي (٧/٣٢٢).

٦) محمد بن الحسن الصدفي: هو محمد بن الحسن الصدفي، روى عن عبادة بن نسي في الحيض،وقال الذهبي: لا يصح حديثه، ذكره العقيلي في الضعفاء. [لسان الميزان: ٣/٥١٣، رقم الترجمة: ٧٣٧٥.]

٧) أخرجه العقيلي في "الضعفاء الكبير" محمد بن الحسن الصدفي (٤/٥١).

٨) أخرجه ابن الجوزي في "العلل المتناهية" أحاديث في ذكر الحيض (١/٣٨٤) رقم الحديث: ٦٤٠.

toobaa-elibrary.blogspot.com

بكثرة ما روي فيه عن الصحابة والتابعين إلى أن المرفوع مما أجاد فيه ذلك الراوي الضعيف. وبالجملة فله أصل في الشرع بخلاف قولهم: أكثره خمسة عشر يوما لم نعلم فيه حديثا حسنا ولا ضعيفا. وإنما تمسكوا فيه بما رووه عنه ﷺ قال في صفة النساء: تمكث إحداكن شطر عمرها لا تصلي. وهو لوصح لم يكن فيه حجة لما نذكر؛ لكن قال البيهقي: إنه لم نجده، وقال ابن الجوزي في التحقيق: هذا حديث لا نعرفه، وأقر عليه صاحب التنقيح. هذا ما ذكره الشيخ ابن الهمام جزاه الله خيرا بما سعى في تحقيق المذهب.[1]

وقال بعض علمائنا في جوابه: إن الشطر كما يجيء بمعنى النصف يجيء بمعنى البعض، فيحتمل أن يكون هو المراد ههنا، وهو يكفي في بيان نقضهن على انا نقول: قد يبلغ الحيض في واحدة منهن نصف عمرها في صورة العشرة أيام؛ فإنها إذا بلغت خمسة عشر سنة وماتت في سنة ستين وحاضت عشرة أيام فإنها تصير تاركة الصلاة نصف عمرها ثلاثين سنة، خمسة عشر بعد البلوغ، هكذا قال الشيخ.

وقال في الحاوي في مذهب الشافعي: الحيض دم ترى بعد تسع يوما وليلة ولم يعبر خمسة عشر،[2] وفي شرحه على قوله: يوما وليلة: هذا شرط ثان وإشارة إلى أقل مدة الحيض، والمتبع فيه الوجود المتعارف بطريق الاستقراء؛ لان كل ما ورد في الشرع مطلقا، ولم يكن له ضابطة فيه، ولا في اللغة؛ فالمرجع فيه العرف أما على الاتصال أو على التفريق، وعلى قوله: ولم تعبر فشرط ثالث وإشارة إلى أكثر المدة والعلة بأمر إذا قضى ما وجد من عادات النساء في الحيض ذلك وروى عن علي ﷺ قال: ما زاد على خمسة عشر فهو استحاضة، وعن عطاء رأيت من تحيض خمسة عشر يوما ولا شعار قوله ﷺ يمكث إحداهن شطر دهرها إلا تصلين. ويفهم منه أن أقل الطهر خمسة عشر يوما أيضا ولاحد لأكثره، فقد لا تحيض المرأة في عمرها إلا مرة، والغالب في الحيض ست أو سبع، وفي الطهر باقي الشهر، هذا ما ذكر في الحاوي في مذهب الشافعي.

وقال في كتاب الخرقي في مذهب الإمام أحمد: وأقل الحيض يوم وليلة.[3]

قال في شرحه: هذا هو المشهور من الروايتين، والمختار [للعامة، قال: ابن الزاغوني:] اختارها عامة المشائخ. والرواية الثانية: أقله يوم، اذ التقدير في الحيض إنما رجع فيه إلى العرف

---

١) فتح القدير: ١/١٦٤–١٦٥

٢) الحاوي، باب الحيض والنفاس والاستحاضة. ١٤٢

٣) مختصر الخرقي: ١٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

بعدم التقدير فيه من الشرع، قال عليه السلام: إذا أقبلت الحيضة فاتركي الصلاة، فإذا ذهب قدرها فاغسلي عنك الدم وصلي، ولم يقيد ذلك بقدر؛ بل وكله إلى ما تعرفه من عادتها، وإذن فالمرجع في ذلك إلى العرف، وقد ورد بذلك قال عطاء: رأيت من النساء من كانت تحيض يوما، ومن كانت تحيض خمسة عشر يوما، وقال أبو عبد الله الزبيدي: ومن ثم قال أوني وقت الحيض يوم.

وقال الشافعي: رأيت إمرأة قالت: انها لم تزل تحيض يوما ولا تزيد، وقال لي عن النساء: إنهن لم يزلن يحضن أقل من ثلاثة أيام. وقال: وما نقل من التقدير بثلاثة أيام فإما صريح غير صحيح، كما روى عنه ﷺ، أنه قال: أقل الحيض ثلاثة أيام وأكثره عشرة أيام. ورواه الدار قطني وغيره من طرق، وروي أيضا عن بعض الصحابة، لكن كلها ضعيفة؛ بل فيها ما قيل: إنه موضوع.

وقال في رواية الميموني: ما صح عن أحد من أصحاب النبي ﷺ أنه قال في الحيض: عشرة أيام، أو خمسة عشرة، وإما صحيح غير صريح، كقوله عليه الصلاة والسلام للمستحاضة: لتنظر قدر الليالي والأيام التي كانت تحيضهن، وقوله لفاطمة بنت أبي حبيش: اجتني الصلاة أيام حيضك، رواه أحمد، وأقل الجمع ثلاثة، فهذا ونحوه وان كان مشهورا لكنه محمول على الغالب إذ الغالب أن حيض النساء أكثر من اليوم، [بل] ومن الثلاثة أيام، والله أعلم. هذا في أقل المدة.

وقال في قوله: وأكثره خمسة عشر يوما: أيضا هو المشهور للمختار من الروايتين بلا نزاع لما تقدم عن عطاء وأبي عبد الله الزبيدي، ونقل أيضا عن الشافعي ويحي بن آدم وشريك وإسحاق وغيرهم.

ويرشحه ما روى ابن عمر رضي الله عنهما عن النبي ﷺ قال: ما رأيت ناقصات عقل ودين أغلب لذي لب منكن، أما نقصان العقل فشهادة امرأتين تعدل شهادة رجل، وأما نقصان دينها فإنها تمكث شطر عمرها لا تصلي. قال القاضي: رواه عبد الرحمن بن أبي حاتم في سننه: والشطر النصف، والظاهر أنه أراد بيان منتهي نقصانهن، لكن قد قال البيهقي: إنه لم نجده في شيء من كتب الحديث يرده ما حكاه القاضي.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقال ابن منده: هذا لا يثبت هذا بوجه من الوجوه عن النبي ﷺ، ونقل منه صالح وغيره أن أكثره سبعة عشر يوما؛ لأن ذلك يحكى عن [نساء] الماجشون، وحكاه ابن مهدي(١) أيضا عن غيرهن.(٢)

قال العبد الضعيف: وهذا كلامهم ولا يخفى أن الحديث الضعيف يصير حسنا بتعدد الطرق والروايات، وهذا أمر مقرر بين المحدثين، وأن الرجوع إلى العرف الذي ذكروه لا يخلو عن صفاء، وقد عرفت حال حديث يمكث شطر عمرها أن لا يصلي، فمذهب الحنيفة أثبت وأجدى والله أعلم.

تنبيه

قد ذكر في المشكاة في هذا الباب أحاديث كافية وافية بالمقصود، ولم يكن سواها أحاديث أخر تذكر وتشتمل على اختلاف، سوى ما ذكر في حديث حمنة بنت جحش(٣) أخت زينب بن جحش أم المؤمنين، من أمره ﷺ إياها بالاغتسال وقت الفجر ثم بالجمع بين الظهر والعصر بغسل واحد بأن تؤخر الظهر وتعجل العصر، فيجمع بينهما بغسل، ويجمع بين المغرب والعشاء بغسل آخر. كذلك تؤخر المغرب وتعجل العشاء، فتغسل ثلاث اغتسالا، ثم يحتمل أن يكون هذا التأخير والتعجيل كالجمع للمسافر بين الصلاتين عند الشافعية كما نقله الطيبي عن الخطابي،(٤) وهو جمع حقيقي.

ويحتمل أن يكون أول الظهر في آخر وقته متصلا بوقت العصر، ثم أداء العصر في أول وقته وكذلك المغرب والعشاء وهو الجمع الصوري، هذا هو الذي يأوله به أصحابنا جمع

---

١) ابن مهدي: هو أبو سعيد عبد الرحمن بن مهدي بن حسان العنبري مولاهم البصري، ثقة ثبت حافظ عارف بالرجال والحديث، قال ابن المديني: ما رأيت أعلم منه، من التاسعة، مات سنة ثمان وتسعين ومائة، وهو ابن ثلاث وسبعين سنة. [تقريب التهذيب: ٣٥١، رقم الترجمة: ٤٠١٨. تهذيب التهذيب: ٦/٢٧٩-٢٨٠، رقم الترجمة: ٥٥٢.]

٢) شرح الزركشي، كتاب الطهارة، باب الحيض: ١/٤٠٦-٤١١

٣) حمنة بنت جحش: هي حمنة بنت جحش الأسدية، أخت زينب، كانت تحت مصعب بن عمير ثم طلحة، وكانت تستحاض، ولها صحبة، وهي أم ولدي طلحة عمران ومحمد [ويقال: كنيتها أم حبيبة]. [تقريب التهذيب: ٧٤٥، رقم الترجمة: ٨٥٦٧. تهذيب التهذيب: ١٢/٤١١-٤١٢، رقم الترجمة: ٢٧٦٧.]

٤) شرح الطيبي: ٢/١٤٥

toobaa-elibrary.blogspot.com

المسافر بين الصلاتين، فتغسل للظهر وتصليها في آخر وقته وتصلي العصر بعدها متصلا في وقت العصر، وتغسل وتصلي به المغرب في آخره وقته متصلا بوقت العشاء فتصلي العشاء، وقد صرح في شرح الشيخ ابن حجر المكي التبعي، فهذا شهادة من الشافعية لجواز الجمع بهذا المعنى فتدبر.

فإن قلت: لا يسع للحنيفة هذا التأويل إذ عندهم ينقض وضوء المعذور بخروج الوقت، فينقض غسله أيضا فلا يبقى طاهرا.

قلنا: لعله لا ينقض الغسل في حق هذه المستحاضة بحكم هذا الحديث، ولعل أصحابنا يخصون النقض بغير هذه القصة على أنه يلزم مثل هذا الشيء على الشافعية أيضا فإنهم يوجبون الوضوء على المعذور لكل صلاة، ففي هذه القضية لا يكون الغسل لكل صلاة فلا بد من التخصيص فافهم.

وقد ذهب جمع من الصحابة إلى ايجاب الغسل على المستحاضة لكل صلاة، منهم: على وابن الزبير وابن مسعود، وذهب ابن عباس إلى الجمع بين الصلاتين بغسل واحد كما ذكر.

ولا يدري أن مذهب أبي حنيفة ما هو؟ أما الأول أعني الغسل لكل صلاة، كما هو مذهب ابن مسعود، وأما الثاني أعني الجمع بين صلاتين في الغسل، والاكتفاء بثلاث اغتسالا، كما هو مذهب ابن عباس؛ لكونه أسهل وأوفق وأعجب الأمرين إليه ﷺ كما وقع في الحديث، والله اعلم، ولا نعلم الخلاف بينه وبين الأئمة في ذلك حتى نتكلم فيه.[1]

١) بعون الله تم الجزء الأول من أنوار السنة لرواد الجنة، ويليه الجزء الثاني من كتاب الصلاة. [الأعظمي]

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

كتاب الصلاة

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

كتاب الصلاة

الفصل الأول في وجوب الصلاة [1]

عن أنس بن مالك ﷺ قال: سأل رجل نبي الله ﷺ فقال: يا رسول الله، كم فرض الله على عباده من الصلوات؟ قال افترض الله على عباده صلوات خمسا، قال: يا رسول الله، هل قبلهن أو بعدهن من شيء؟ قال: افترض الله على عباده صلوات خمسا، فحلف الرجل لا يزيد عليه شيئا، ولا ينقص منه شيئا، قال رسول الله ﷺ: إن صدق ليدخلن الجنة. أخرجه النسائي، وقد أخرج مسلم والترمذي هذا القدر في حديث طويل هو مذكور في كتاب الإيمان. [2]

وعنه قال: فرضت على النبي ﷺ ليلة أسري به [3] الصلاة خمسين، ثم نقصت حتى جعلت خمسا، ثم نودي: يا محمد: إنه لا يبدل القول لدي، وإن لك بهذه الخمس خمسين. أخرجه الترمذي هكذا مختصرا، وأخرجه البخاري ومسلم والنسائي في حديث طويل يتضمن ذكر الإسراء. [4] وسنذكر إن شاء الله تعالى في باب المعراج.

---

1) قوله في وجوبها، قال تعالى: "إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا" [النساء: ١٠٣.]، وقال تعالى: إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ [العنكبوت: ٤٥.] (الأعظمي)

2) **أخرجه مسلم في "صحيحه"** كتاب الإيمان، باب في بيان الإيمان بالله وشرائع الدين (٤١/١) رقم الحديث: ١٢ **والترمذي في "جامعه"** كتاب الزكاة، باب ما جاء إذا أديت الزكاة فقد قضيت ما عليك (٥/٣) رقم الحديث: ٦١٩. **والنسائي في "سننه"** كتاب الصلاة، باب كم فرضت الصلاة في اليوم والليلة (٢٢٨/١) رقم الحديث: ٤٥٩.

3) قوله: ليلة أسرى به، كان فرض الصلوات الخمس ليلة المعراج، وهي ليلة السبت، لسبع عشرة ليلة خلت من رمضان، قبل الهجرة بثمانية عشرا شهرا، من مكة إلى السماء، وكانت الصلاة قبل الإسراء صلاة قبل طلوع الشمس، وصلاة قبل غروبها، قال تعالى: "وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ" [غافر: ٥٥.]، (الأعظمي)

4) **أخرجه البخاري في "صحيحه"** كتاب بدء الخلق، باب ذكر الملائكة (١٠٩/٤) رقم الحديث: ٣٢٠٧، كتاب أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى: وهل أتاك حديث موسى إذ رأى نارا [طه: ١٠] (١٥٢/٤) رقم الحديث: ٣٣٩٣، وباب قول الله تعالى: ذكر رحمة ربك عبده زكريا إذ نادى ربه نداء خفيا (١٦٣/٤) رقم الحديث: ٣٤٣٠، كتاب المناقب، باب المعراج (٥٢/٥) رقم الحديث: ٣٨٨٧. **ومسلم في "صحيحه"** كتاب الإيمان، باب الإسراء برسول الله ﷺ إلى السماوات وفرض الصلوات (١٤٩/١) رقم الحديث: ١٦٤

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن عائشة ﵂: قالت: فرض الله الصلاة حين فرضها ركعتين ركعتين، في الحضر، والسفر، فأقرت صلاة السفر، وزيد في صلاة الحضر. أخرجه البخاري. (١)

وعبد الله بن فضالة رحمه الله عن أبيه قال: علمني رسول الله ﷺ وكان فيما علمني: حافظ على الصلوات الخمس، قال: قلت: إن هذه ساعات لي فيها أشغال، فمرني بأمر جامع، إذا أنا فعلته أجزأ عني فقال: حافظ علي العصرين - وما كانت من لغتنا - فقلت: وما العصران؟ قال صلاة قبل طلوع الشمس، وصلاة قبل غروبها. أخرجه أبو داود. (٢)

وعن سبرة بن معبد الجهني ﵁ قال: قال رسول الله ﷺ: مروا الصبي بالصلاة إذا بلغ سبع سنين (٣)، فإذا بلغ عشر سنين فاضربوه عليها.

وفي رواية قال: علموا الصبي الصلاة ابن سبع، واضربوه عليها ابن عشر. أخرج الأولى أبو داود، والثانية الترمذي. (٤)

وعن معاذ بن عبد الله بن خبيب الجهني قال: رواية [هشام بن سعد]: دخلنا عليه، فقال لامرأته: متى يصلي الصبي؟ قالت: نعم كان رجل منا يذكر عن رسول الله ﷺ أنه سئل عن ذلك؟ فقال: إذا عرف يمينه من شماله فمروه بالصلاة. أخرجه أبو داود. (٥)

والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء كم فرض الله على عباده من الصلوات (٤١٧/١) رقم الحديث: ٢١٣. والنسائي في "سننه" كتاب الصلاة، باب فرض الصلاة (٢١٧/١) رقم الحديث: ٤٤٨.

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب كيف فرضت الصلاة في الإسراء (٧٩/١) رقم الحديث: ٣٥٠. كتاب الجمعة، باب يقصر إذا خرج من موضعه (٤٤/٢) رقم الحديث: ١٠٩٠، كتاب المناقب، باب التاريخ من أين أرخوا التاريخ (٦٨/٥) رقم الحديث: ٣٩٣٥. ومسلم في "صحيحه" كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب صلاة المسافرين وقصرها (٤٧٨/١) رقم الحديث: ٦٨٥. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر (٣/٢) رقم الحديث: ١١٩٨. والنسائي في "سننه" كتاب الصلاة، باب كيف فرضت الصلاة (٢٢٥/١) رقم الحديث: ٤٥٣، ٤٥٤، ٤٥٥ ومالك في "الموطأ" كتاب قصر الصلاة في السفر، باب قصر الصلاة في السفر (١٤٦/١) رقم الحديث: ٨.

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في المحافظة على وقت الصلوات (١١٦/١) رقم الحديث: ٤٢٨.

٣) قوله: سبع سنين الخ. أمر الصبيان للصلاة إذا بلغوا سبعا يستلزم تعليم طريقها، وتعليم أدعيتها قبل ذلك بسنة أو سنتين، وإلا فلا يتصور الأمر بالصلاة. (الأعظمي)

٤) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب متى يؤمر الغلام بالصلاة (١٣٣/١) رقم الحديث: ٤٩٤. والترمذي في "جامعه" كتاب الصلاة، باب ما جاء متى يؤمر الصبي بالصلاة (٢٥٩/٢) رقم الحديث: ٤٠٧.

٥) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب متى يؤمر الغلام بالصلاة (١٣٤/١) رقم الحديث: ٤٩٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أنس قال: قال رسول الله ﷺ: إن لله تعالى ملكا ينادي عند كل صلاة: يا بني آدم قوموا إلى نيرانكم التي أوقدتموها على أنفسكم فاطفئوها بالصلاة. رواه الطبراني والضياء المقدسي.(١)

وعن بن عمر قال: قال رسول الله ﷺ: أول ما افترض الله على أمتي الصلوات الخمس، وأول ما يرفع من أعمالهم الصلوات الخمس، وأول ما يسئلون عنه الصلوات الخمس. الحديث. رواه الحاكم في الكنى.(٢)

وعنه قال: قال رسول الله ﷺ: أول ما يحاسب به العبد يوم القيامة الصلاة، فإن صلحت صلح سائر عمله، وإن فسدت فسد سائر عمله. رواه الطبراني في الأوسط والضياء المقدسي في المختارة، وفي رواية: فإن صلحت فقد أفلح وأنجح، وإن فسدت فقد خاب وخسر.(٣)

وعنه قال: قال رسول الله ﷺ: في مرض موته وصية؛ بل ورد آخر ما تكلم به ﷺ: الصلاة وما ملكت أيمانكم، الصلاة وما ملكت أيمانكم. رواه أحمد والنسائي وابن ماجة وابن حبان عن أنس، وأحمد وابن ماجة عن أم سلمة؛ والطبراني عن ابن عمر.(٤)

---

١) أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط" باب الياء، من اسمه يعقوب (١٧٣/٩) رقم الحديث: ٩٤٥٢. وفي "المعجم الصغير" باب الياء، من اسمه يعقوب (٢٦٢/٢) رقم الحديث: ١١٣٥. والضياء المقدسي في "الأحاديث المختارة" (١٦١/٧) رقم الحديث: ٢٥٩٠، ٢٥٩١.

٢) أخرجه أبو نعيم في "حلية الأولياء وطبقات الأصفياء" الطبقة الأولى من التابعين، هلال بن سعد (٢٣٣/٥). والحاكم في الكنى كما في "كنز العمال" كتاب الصلاة، من قسم الأقوال، الباب الأول في فضل الصلاة ووجوبها، الفصل الأول في الوجوب (٢٧٦/٧) رقم الحديث: ١٨٨٥٩.

٣) أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط" باب الألف، من اسمه أحمد (٢٤٠/٢) رقم الحديث: ١٨٥٩؛ باب العين، من اسمه علي (١٢٧/٤) رقم الحديث. ٣٧٨٢. والضياء المقدسي في "الأحاديث المختارة" (١٤٥/٧) رقم الحديث: ٢٥٧٩.

٤) أخرجه ابن ماجه في "سننه" كتاب الجنائز، باب ما جاء في ذكر مرض رسول الله ﷺ (٥١٩/١) رقم الحديث: ١٦٢٥. كتاب الوصايا، باب هل أوصى رسول الله ﷺ (٩٠٠/٢) رقم الحديث: ٢٦٩٧. وأحمد في "مسنده" مسند المكثرين من الصحابة، مسند أنس بن مالك (٢٠٩/١٩) رقم الحديث: ١٢١٦٩، تتمة مسند الأنصار، حديث أم سلمة زوج النبي ﷺ (٨٤/٤٤) رقم الحديث: ٢٦٤٨٣، ٢٦٦٥٧، ٢٦٦٨٤، ٢٦٧٢٧، وابن حبان في "صحيحه" باب مرض النبي ﷺ (٥٧٠/١٤) رقم الحديث: ٦٦٠٥. والطبراني في "المعجم الكبير" مسند النساء، أزواج رسول الله ﷺ، سفينة مولى أم سلمة عن أم سلمة (٣٠٦/٢٣) رقم الحديث: ٦٩٠، (٣٧٩/٢٣) رقم الحديث: ٨٩٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعنه قال: رسول الله ﷺ: اتقوا الله في الصلاة، اتقوا الله في الصلاة، اتقوا الله في الصلاة، اتقوا الله فيما ملكت أيمانكم، اتقوا الله في الضعيفين: المرأة الأرملة، والصبي اليتيم. رواه البيهقي في شعب الإيمان. (١)

وعن بريدة قال: قال رسول الله ﷺ: العهد الذي بيننا وبينهم الصلاة، فمن تركها فقد كفر. رواه أحمد والترمذي والنسائي وابن ماجة. (٢)

وعن أنس قال: قال رسول الله ﷺ: ليس بين العبد والشرك إلا ترك الصلاة، فإذا تركها فقد أشرك. رواه ابن ماجة. (٣)

وعنه قال: قال رسول الله ﷺ: من ترك الصلاة متعمدا فقد كفر جهارا. رواه الطبراني في الأوسط. (٤)

وعن عائشة رضي الله عنها: إن الله افترض على العباد خمس صلوات في كل يوم وليلة. رواه الطبراني في الأوسط (٥)

وعن ابن عمر: موضع الصلاة من الدين (٦) كموضع الرأس من الجسد. رواه الديلمي. (٧)

وعنه: الصلاة عماد الدين. رواه البيهقي في شعب الإيمان. (٨)

---

١) أخرجه البيهقي في "شعب الإيمان" الزهد وقصر الأمل، باب في رحم الصغير وتوقير الكبير (١٣/٤٠٤) رقم الحديث: ١٠٥٤٢.

٢) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الإيمان، باب ما جاء في ترك الصلاة (٥/١٣) رقم الحديث: ٢٦٢١. والنسائي في "سننه" كتاب الصلاة، باب الحكم في تارك الصلاة (١/٢٣١) رقم الحديث: ٤٦٣. وابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء فيمن ترك الصلاة (١/٣٤٢) رقم الحديث: ١٠٧٩. وأحمد في "مسنده" تتمة مسند الأنصار، حديث بريدة الأسلمي (٣٨/٢٠) رقم الحديث: ٢٢٩٣٧، (٣٨/١١٥) رقم الحديث: ٢٣٠٠٧.

٣) أخرجه ابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء فيمن ترك الصلاة (١/٣٤٢) رقم الحديث: ١٠٨٠.

٤) أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط" باب الجيم، من اسمه جعفر (٣/٢٤٣) رقم الحديث: ٣٣٤٨.

٥) أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط" باب الميم، من اسمه (٧/٢٠٠) رقم الحديث: ٧٢٦٨.

٦) للمصلي. [فتح الرحمن: ٢/٤.]

٧) أخرجه الديلمي في "الفردوس بمأثور الخطاب" باب الميم (٤/١٥٧) رقم الحديث: ٦٤٩٢.

٨) أخرجه البيهقي في "شعب الإيمان" الصلاة (٤/٣٠٠) رقم الحديث: ٢٥٥٠.

toobaa-elibrary.blogspot.com

الفصل الثاني في فضائل الصلاة (١)

عن سلمان الفارسي ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: إن المسلم يصلي وخطاياه مرفوعة على رأسه، كلما سجد تحاتت، فيفرغ حين يفرغ من صلاته، وقد تحاتت خطاياه. رواه الطبراني في الكبير والبيهقي في شعب الإيمان. (٢)

وعن أبي ذر قال: قال رسول الله ﷺ: يا أبا ذر إن العبد المسلم يصلي الصلاة يريد بها وجه الله عز وجل فتتهافت عنه ذنوبه كما يتهافت هذا الورق عن هذه الشجرة. رواه أحمد والروياني وسعيد بن منصور في سننه. (٣)

وعن عقبة بن عامر قال: قال رسول الله ﷺ: ما من مسلم يتوضأ فيسبغ الوضوء، ثم يقوم في صلاته فيعلم ما يقول إلا انفتل وهو كيوم ولدته أمه من الخطايا ليس عليه ذنب. رواه الحاكم في مستدركه. (٤)

وعن عثمان قال: قال رسول الله ﷺ: من توضأ مثل وضوئي هذا، ثم قام فصلى ركعتين لا يحدث فيهما نفسه بشيء غفر الله له ما تقدم من ذنبه. رواه النسائي. (٥)

وعن خريم بن فاتك قال: قال رسول الله ﷺ: ما من مسلم توضأ فأحسن الوضوء ثم صلى صلاة يحفظها ويعقلها إلا دخل الجنة. رواه الطبراني في الكبير. (٦)

---

١) قوله فضائل الصلاة الخ.: قال تعالى: "وَأَقِمِ الصَّلَاةَ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ" [العنكبوت: ٤٥.]، وقال تعالى: "وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ (٣٤) الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَالصَّابِرِينَ عَلَى مَا أَصَابَهُمْ وَالْمُقِيمِي الصَّلَاةِ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ" [الحج: ٣٥.] (الأعظمي.)

٢) أخرجه الكبراني في "المعجم الكبير" باب السين، سليمان التيمي عن أبي عثمان النهدي (٦/٢٥٠) رقم الحديث: ٦١٢٥. والبيهقي في "شعب الإيمان" الصلاة، تحسين الصلاة (٤/٥٠٣) رقم الحديث: ٢٨٧٥

٣) أخرجه أحمد في "مسنده" مسند الأنصار، حديث أبي ذر الغفاري (٣٥/٤٤١) رقم الحديث: ٢١٥٥٧. والروياني وابن منصور في "سننه" كما في "كنز العمال" كتاب الصلاة، من قسم الأقوال، الباب الأول في فضل الصلاة ووجوبها، الفصل الأول في الوجوب (٧/٣٠٠) رقم الحديث: ١٨٩٧٢.

٤) أخرجه الحاكم في "المستدرك" كتاب التفسير، تفسير سورة النور (٢/٤٣٢) رقم الحديث: ٣٥٠٨.

٥) أخرجه النسائي في "سننه" كتاب الطهارة، باب بأي اليدين يتمضمض (١/٦٥) رقم الحديث: ٨٥.

٦) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب الخاء، خريم بن فاتك (٤/٢١٠) رقم الحديث: ٤١٦٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أبي أمامة ﷺ عن النبي ﷺ قال: إن العبد إذا قام في الصلاة، فتحت له أبواب الجنة، وكشفت له الحجب بينه وبين ربه، واستقبلته الحور العين، ما لم يمتخط أو يتنخع. رواه الطبراني.(١)

وعن ابن عمر رضي الله عنهما: إن المصلي ليقرع باب الملك، وإنه من يدم قرع الباب يوشك أن يفتح له. رواه الديلمي.(٢)

وعن عثمان قال: قال رسول الله ﷺ: من توضأ هذا الوضوء فأحسن الوضوء، ثم قام إلى الصلاة فأتم ركوعها وسجودها كفر عنه ما بينها وبين الصلاة الأخرى ما لم يصب مقتلة يعني كبيرة. رواه الطبراني وابن حبان.(٣)

وعن عقبة بن عامر قال: قال رسول الله ﷺ: من توضأ فأحسن الوضوء، ثم صلى الصلاة غير ساه ولا لاه، كفر عنه ما قبلها من سيئة. رواه أحمد والطبراني وسعيد بن منصور في سننه.(٤)

وعن أبي الدرداء قال: قال رسول الله ﷺ: من توضأ فأحسن الوضوء ثم قام يصلي ركعتين أو أربع ركعات مكتوبة أو غير مكتوبة يحسن فيها الركوع والسجود، ثم يستغفر الله إلا غفر له. رواه الطبراني في الكبير.(٥)

وعن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: الصلاة المكتوبة إلى الصلاة التي قبلها كفارة(١) لما بينهما، والجمعة إلى الجمعة التي قبلها كفارة لما بينهما، والشهر إلى الشهر كفارة

---

١) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب الصاد، اسماعيل الشامي لم ينسب عن أبي أمامة (٨/ ٢٥٠) رقم الحديث: ٧٩٨٠.

٢) أخرجه الديلمي في "الفردوس بمأثور الخطاب" باب الألف (١/ ٢٠١) رقم الحديث: ٧٦٠. [وفيه: ابن عباس]

٣) أخرجه أحمد في "مسنده" مسند أهل بيت (١/ ٥٢٠) رقم الحديث: ٤٨١. والبيهقي في "السنن الكبرى" كتاب الطهارة، باب التكرار في مسح الرأس (١/ ١٠٢) رقم الحديث: ٢٩٢.

٤) أخرجه أحمد في "مسنده" مسند الشاميين، حديث عقبة عامر الجهني (٢٨/ ٦٥٢) رقم الحديث: ١٧٤٤٩. والطبراني في "المعجم الكبير" باب العين، ربيعة بن قيس عن عقبة بن عامر (١٧/ ٣٢٦) رقم الحديث: ٩٠٢، ٩٠٣. وسعيد بن منصور في "سننه" كما في "كنز العمال" كتاب الصلاة، من قسم الأقوال، الباب الأول في فضل الصلاة ووجوبها، الفصل الثاني في فضائل الصلاة (٧/ ٣٠٢) رقم الحديث: ١٨٩٨٩.

٥) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" كما في "كنز العمال" كتاب الصلاة، من قسم الأقوال، الباب الأول في فضل الصلاة ووجوبها، الفصل الثاني في فضائل الصلاة (٧/ ٣٠٢) رقم الحديث: ١٨٩٨٦.

toobaa-elibrary.blogspot.com

لما بينهما إلا من ثلاث: الإشراك بالله، وترك السنة، ونكث الصفقة، قيل: يا رسول الله أما الإشراك بالله فقد عرفناه، فما نكث الصفقة وترك السنة؟ قال: أما نكث الصفقة فأن تبايع رجلا بيمينك ثم تخالف إليه فتقاتله بسيفك، وأما ترك السنة فالخروج من الجماعة. رواه أحمد والحاكم والبيهقي. (٢)

وعن أبي درداء قال: قال رسول الله ﷺ: من صلى ركعتين لم يسأل الله تعالى شيئا إلا أعطاه إياه عاجلا أو آجلا. رواه الطبراني. (٣)

وعن جابر قال: قال رسول الله ﷺ: من صلى ركعتين في خلأ لا يراه إلا الله والملائكة كتب له براءة من النار. رواه سعيد بن منصور في سننه. (٤)

وعن ابن مسعود قال: قال رسول الله ﷺ: أحب الأعمال إلى الله الصلاة لوقتها، ثم بر الوالدين، ثم الجهاد في سبيل الله. رواه أحمد ومسلم وأبو داود والبيهقي. (٥)

وعن أبي هريرة: أن رسول الله ﷺ قال: أفضل الرباط [انتظار] الصلاة، ولزوم مجالس الذكر. رواه الطيالسي. (٦)

---

١) قوله: كفارة الخ. معناه أن ما يهن من الذنوب مغفور كلها إلا الكبائر لا يكفرها إلا التوبة أو فضل الله تعالى، وهذا مذهب أهل السنة. (الأعظمي.)

٢) اخرجه أحمد في "مسنده" مسند المكثرين من الصحابة، مسند أبي هريرة (٣٣٨/١٦) رقم الحديث: ١٠٥٧٦. والحاكم في "المستدرك" كتاب العلم، منهم يحيى بن أبي المطاع القرشي (٢٠٧/١) رقم الحديث: ٤١٢، كتاب التوبة والإنابة (٢٨٨/٤) رقم الحديث: ٧٦٦٥. والبيهقي في "شعب الإيمان" الصيام، فضائل شهر الصيام (د/٢٣٠) رقم الحديث: ٣٣٤٨.

٣) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" كما في "كنز العمال" كتاب الصلاة، من قسم الأقوال، الباب الأول في فضل الصلاة ووجوبها، الفصل الثاني في فضائل الصلاة (٣٠٨/٧) رقم الحديث: ١٩٠١٨.

٤) اخرجه سعيد بن منصور في "سننه" كما في "كنز العمال" كتاب الصلاة، من قسم الأقوال، الباب الأول في فضل الصلاة ووجوبها، الفصل الثاني في فضائل الصلاة (٣٠٨/٧) رقم الحديث: ١٩٠١٩.

٥) اخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الإيمان، باب بيان كون الإيمان بالله تعالى أفضل الأعمال (٨٩/١) رقم الحديث: ٨٥. والبيهقي في "السنن الكبرى" كتاب الصلاة، باب الترغيب في حفظ وقت الصلاة (٣٠٤/٢) رقم الحديث: ٣١٦٥. وأحمد في "مسنده" مسند المكثرين من الصحابة، مسند عبد الله بن مسعود (٨٢/٧) رقم الحديث: ٣٩٧٣، (٢٧٧/٧) رقم الحديث: ٤٢٤٣. وأبو داود في "سننه" كما في "كنز العمال" كتاب الصلاة، من قسم الأقوال، الباب الأول في فضل الصلاة ووجوبها، الفصل الثاني في فضائل الصلاة (٢٨٥/٧) رقم الحديث: ١٨٨٩٧.

٦) اخرجه أبو داود الطيالسي في "مسنده" ما أسند أبو هريرة، المهروي (٢٤٦/٤) رقم الحديث: ٢٦٣٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أنس بن مالك قال قال رسول الله ﷺ إن الله تعالى إذا أنزل عاهة من السماء على أهل الأرض صرفت عن عمار المساجد. رواه ابن عساكر. (١)

وعن معاذ بن أنس قال: قال رسول الله ﷺ: إن الصلاة والصيام والذكر تضاعف على النفقة في سبيل الله بسبع مائة ضعف. رواه أبو داود والحاكم. (٢)

وعن أنس قال: قال رسول الله ﷺ: حبب إلي من الدنيا النساء والطيب، وجعل قرة عيني في الصلاة. رواه أحمد والنسائي والحاكم والبيهقي. (٣)

وعن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: الصلاة خير موضوع، فمن استطاع أن يستكثر فليستكثر. رواه الطبراني في الأوسط. (٤)

وعن أم أنس قالت: قال رسول الله ﷺ: عليك بالصلاة، فإنها أفضل الجهاد، واهجري المعاصي، فإنها أفضل الهجرة. رواه المحاملي في أماليه. (٥)

وعن عمار مرسلا: إذا قام العبد في صلاته ذر البر على رأسه حتى يركع، فإذا ركع علته رحمة الله حتى يسجد، والساجد يسجد على قدمي الله فليسأل وليرغب. رواه أبو منصور في سننه. (٦)

---

١) أخرجه ابن عساكر في "تاريخ دمشق" حرف الخاء، خلف بن سليمان البخاري (١١/١٧).

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الجهاد، باب في تضعيف الذكر في سبيل الله تعالى (٨/٣) رقم الحديث: ٢٤٩٨. والحاكم في "المستدرك" كتاب الجهاد (٨٨/٢) رقم الحديث: ٢٤١٥. [وفيه عن معاذ عن أبيه.]

٣) أخرجه النسائي في "سننه" كتاب عشرة النساء، باب حب النساء (٦١/٧) رقم الحديث: ٣٩٣٩، ٣٩٤٠. وأحمد في "مسنده" مسند المكثرين من الصحابة، مسند أنس بن مالك (٣٠٥/١٩) رقم الحديث: ١٢٢٩٣، ١٢٢٩٤، (٣٥١/٢٠) رقم الحديث: ١٣٠٥٧، (٤٣٣/٢١) رقم الحديث: ١٤٠٣٧. والحاكم في "المستدرك" كتاب النكاح (١٧٤/٢) رقم الحديث: ٢٦٧٦. والبيهقي في "السنن الكبرى" كتاب النكاح، باب الرغبة في النكاح (١٢٤/٧) رقم الحديث: ١٣٤٥٤.

٤) أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط" باب الألف، من اسمه أحمد (٨٤/١) رقم الحديث: ٢٤٣.

٥) أخرجه المحاملي في "أماليه" كما في "كنز العمال" كتاب الصلاة، من قسم الأقوال، الباب الأول في فضل الصلاة ووجوبها، الفصل الثاني في فضائل الصلاة (٢٨٨/٧) رقم الحديث: ١٨٩١٩.

٦) أخرجه سعيد بن منصور في "سننه" كما في "كنز العمال" كتاب الصلاة، من قسم الأقوال، الباب الأول في فضل الصلاة ووجوبها، الفصل الثاني في فضائل الصلاة (٢٨٩/٧) رقم الحديث: ١٨٩٢٤.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن [أبي بكر بن] عمارة بن رؤيبة قال: قال رسول الله ﷺ: لن يلج النار أحد يصلي قبل طلوع الشمس وقبل غروبها. رواه أحمد ومسلم وأبو داود والنسائي.(١)

وعن حذيفة قال: قال رسول الله ﷺ: ما من حالة يكون عليها العبد أحب إلى الله تعالى من أن يراه ساجدا يعفر وجهه في التراب. ورواه الطبراني في الأوسط.(٢)

وعن عثمان رضي الله عنه: من توضأ مثل هذا الوضوء، ثم أتى المسجد فركع ركعتين، ثم جلس، غفر له ما تقدم من ذنبه قال: وقال النبي ﷺ: لا تغتروا. رواه البخاري وابن ماجة.(٣)

وعن رجل من الأنصار: إذا توضأ أحدكم فأحسن الوضوء، ثم خرج إلى الصلاة لم يرفع قدمه اليمنى، إلا كتب الله عز وجل له حسنة، ولم يضع قدمه اليسرى إلا حط الله عز وجل عنه سيئة، فليقرب أحدكم أو ليبعد، فإن أتى المسجد فصلى في جماعة غفر له، فإن أتى المسجد وقد صلوا بعضا وبقي بعض، صلى ما أدرك وأتم ما بقي كان ذلك، فإن أتى المسجد وقد صلوا فأتم الصلاة كان كذلك. رواه أبو داود والبيهقي.(٤)

وعن ابن مسعود قال: قال رسول الله ﷺ: أفضل الأعمال الصلاة على ميقاتها، ثم بر الوالدين، ثم أن يسلم الناس من لسانك. رواه البيهقي.(٥)

---

١) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب فضل صلاتي الصبح والعصر والمحافظة عليهما (١/٤٤٠) رقم الحديث: ٦٣٤ وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في المحافظة على وقت الصلوات (١/١١٦) رقم الحديث: ٤٢٧. والنسائي في "سننه" كتاب الصلاة، باب فضل صلاة العصر (١/٢٣٥) رقم الحديث: ٤٧١، باب فضل صلاة الجماعة (١/٢٤١) رقم الحديث: ٤٨٧. وأحمد في "مسنده" مسند الشاميين، حديث عمارة بن رويبة (٢٨/٤٥٦) رقم الحديث: ١٧٢٢٠، (٢٨/٤٥٧) رقم الحديث: ١٧٢٢٢، (٣٠/٢٣٠) رقم الحديث: ١٨٢٩٧، (٣٠/٢٣١) رقم الحديث: ١٨٢٩٨.

٢) أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط" باب الميم، من اسمه محمد (٦/١٥٨) رقم الحديث: ٦٠٧٥. [وفيه: معفرا وجهه]

٣) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الرقاق، باب قول الله تعالى: يا أيها الناس إن وعد الله حق، [فاطر: ٦] (٨/٩٢) رقم الحديث: ٦٤٣٣. وابن ماجه في "سننه" كتاب الطهارة وسننها، باب ثواب الطهور (١/١٠٥) رقم الحديث: ٢٨٥.

٤) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب ما جاء في الهدي في المشي إلى الصلاة (١/١٥٤) رقم الحديث: ٥٦٣. أخرجه البيهقي في "سننه" كتاب الصلاة، باب من خرج يريد الصلاة فسبق بها (٢/٩٨) رقم الحديث: ٥٠١١.

٥) أخرجه البيهقي في "شعب الإيمان" حفظ اللسان عما لا يحتاج إليه، فصل في فضل السكوت عن كل ما لا يعنيه (٧/١٢) رقم الحديث: ٤٥٧٩.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أبي أمامة قال: قال رسول الله ﷺ: من خرج من بيته متطهرا إلى صلاة مكتوبة فأجره كأجر الحاج المحرم، ومن خرج إلى تسبيح الضحى لا ينصبه إلا إياه فأجره كأجر المعتمر، وصلاة على أثر صلاة لا لغو بينهما كتاب في عليين. رواه أبو داود. (١)

وعن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: مثل الصلوات الخمس مثل رجل على بابه نهر جار غمر عذب يغتسل منه كل يوم خمس مرات، فماذا يبقين من درنه؟ رواه الرامهرمزي. (٢)

وعن أبي سعيد قال: قال رسول الله ﷺ: إن الله تعالى لم يفترض شيئا أفضل من التوحيد والصلاة ولو كان شيء أفضل منهما لافترضه الله على ملائكته منهم راكع ومنهم ساجد. رواه الديلمي. (٣)

وعن علي ﷺ قال: من أدى فريضة، فله عند الله دعوة مستجابة. رواه الديلمي. (٤)

وعن عبادة بن الصامت، قال: قال رسول الله ﷺ: من توضأ فأبلغ الوضوء ثم قام إلى الصلاة فأتم ركوعها، وسجودها والقراءة فيها، قالت الصلاة: حفظك الله كما حفظتني، ثم صعد بها إلى السماء ولها ضوء ونور ففتحت لها أبواب السماء حتى تنتهي بها إلى الله فتشفع لصاحبها، وإذا لم يتم ركوعها، ولا سجودها، ولا القراءة فيها قالت: ضيعك الله كما ضيعتني، ثم صعد بها إلى السماء وعليها ظلمة فغلقت دونها أبواب السماء ثم تلف كما يلف الثوب الخلق فضرب بها وجه صاحبها. رواه الطبراني والبيهقي وسعيد بن منصور في سننه. (٥)

---

١) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب ما جاء في فضل المشي إلى الصلاة (١/١٥٣) رقم الحديث: ٥٥٨.

٢) أخرجه الرامهرمزي في "أمثال الحديث" باب الكناية (٨٨).

٣) أخرجه الديلمي في "الفردوس بمأثور الخطاب" باب الألف (١/١٦٥) رقم الحديث: ٦١٠.

٤) أخرجه الديلمي كما في "كنز العمال" كتاب الصلاة، من قسم الأقوال، الباب الأول في فضل الصلاة ووجوبها، الفصل الثاني في فضائل الصلاة (٧/٣١٣) رقم الحديث: ١٩٠٤٠.

٥) أخرجه البيهقي في "شعب الإيمان" الصلاة، تحسين الصلاة (٤/٥٠١) رقم الحديث: ٢٨٧١. والطبراني في "مسند الشاميين" ما انتهى إلينا من مسند ثور بن يزيد، خالد عن عبادة بن الصامت (١/٢٣٩) رقم الحديث: ٤٢٧. وأبو داود الطيالسي في "مسنده" أحاديث عبادة بن الصامت (١/٤٧٩) رقم الحديث: ٥٨٦. [في فتح الرحمن: إذا أحسن الرجل الصلاة لحديث. ص: ٢/٨.]

toobaa-elibrary.blogspot.com

تنبيه

ليس في هذا الباب خلاف بين الأئمة حتى نذكرها؛ ولكن نذكر بعض في حديث الصلوات الخمس والجمعة إلى الجمعة ورمضان إلى رمضان مكفرات لما بينهن، ما اجتنب الكبائر من الكلام وهو محل وقوع الخلاف، ومظنته كما ستعرف في أثناء البيان.

فاعلم أن ظواهر أكثر الأحاديث والدلائل يدل على أن التكفير يعم الصغائر والكبائر؛ لكن العلماء اتفقوا على أنه مخصوص بالصغائر، ولعلهم لاح لهم الدليل على ذلك حتى حكموا به والله أعلم.

وقد ورد في حديث: يكفر إلا الشرك وترك السنة ونكث الصفقة، كما مر في حديث أبي هريرة، ويحتمل أن يكون التخصيص بهذه الثلاثة اهتماما بها ومبالغة فيها والله أعلم.

ثم الظاهر من قوله ﷺ: "إذا اجتنب الكبائر" أن التكفير مشروط باجتناب الكبائر، فإن لم تجتنب الكبائر لم تكفر الصغائر، وكذا قوله تعالى: "إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ". (١)

لكن علماءنا من أهل السنة والجماعة حملوها على معنى الاستثناء، وأنه يجوز العقاب على الصغائر وإن اجتنب الكبائر، بخلاف مذهب المعتزلة، أنه لا يجوز العقاب على الصغائر إذا اجتنب الكبائر.

وقال النووي في شرح مسلم في حديث (٢): كانت كفارة لما قبلها ما لم يؤت كبيرة، أي: مكفرة للذنوب [كلها] غير الكبائر، ولا يريد اشتراط الغفران باجتنابها، وقال في تعليقه للترمذي: لا بد في حقوق الناس من القصاص [ولو صغيرة]، وفي الكبائر من التوبة فتدبر، ثم قال: ورد وعد المغفرة في الصلوات الخمس والجمعة ورمضان فإذا تكرر يغفر بأولها الصغائر وبالبواقي يخفف عن الكبائر، وإن لم يصادف صغيرة ولا كبيرة يرفع بها الدرجات، انتهى.

وبهذا ينحل ما يقال: إنه إذ كفر ما بين الصلاتين فماذا يبقى للجمعة، وإذا كفر بين الجمعات فماذا يبقى لرمضان؟ تأمل، والمشهور في توجيهه: أن المراد إثبات صلاحية التكفير لكل من الأمور، [فإذا اجتمعت] فهو نور على نور؛ كالسروج المجتمعة في البيت، وكحمل

---

١) النساء: ٣١.

٢) شرح النووي على المسلم: ٣/١١٢-١١٣

toobaa-elibrary.blogspot.com

جماعة الحجر الذي يستقل به كل منهم، وذكر في بعض الشروح: أن الخمس مكفرة في حق المحافظ عليها، والجمعة في حق من لم يحافظ عليها، ورمضان في حق من لم يحافظ عليهما.

فإن قلت: فيلزم من هذا التكفير بدون اجتناب الكبائر إذ ترك الصلوات الخمس والجمعة كبيرة كما ذكر بعض العلماء، قلت: قد علم أن معنى الشرط غير مراد بل المراد معنى الاستثناء، وأما إن ترك الصلاة والجمعة يكفر فذلك شيء آخر، ولا يفهم ذلك من الحديث، ولو أريد بالمحافظة رعاية الآداب والسنن وللمستحبات كما فسروها في الأحاديث، فالظاهر أنها مكفرة، فافهم.

ثم المفهوم من الحديث اشتراط اجتماع الصلاتين أو الجمعتين أو رمضانين، فلو كانت أول صلاة أو جمعة أو رمضان لم يكفر إلا أن يقال إن ذلك ذكر باعتبار العادة والأكثر، ثم المراد بالتكفير لما قبل أو لما بعد، والأحاديث يدل علي كليهما، كما سبق.

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب المواقيت [1]

عن أبي موسى الأشعري ﷺ: أن رسول الله ﷺ أتاه سائل عن مواقيت الصلاة؟ فلم يرد عليه شيئا. قال: وأمر بلالا، فأقام الفجر حين انشق الفجر، والناس لا يكاد يعرف بعضهم بعضا، ثم أمره فأقام الظهر حين زالت الشمس، والقائل يقول: قد انتصف النهار، وهو كان أعلم منهم، ثم أمره فأقام العصر والشمس مرتفعة، ثم أمره فأقام بالمغرب حين وقعت الشمس، ثم أمره فأقام العشاء حين غاب الشفق، ثم أخر الفجر من الغد حتى انصرف منها والقائل يقول: قد طلعت الشمس، أو كادت، ثم أخر الظهر حتى كان قريبا من وقت العصر بالأمس، ثم أخر العصر حتى انصرف منها، والقائل يقول: قد احمرت الشمس، ثم أخر المغرب حتى كان عند سقوط الشفق -وفي رواية: فصلى المغرب قبل أن يغيب الشفق في اليوم الثاني- ثم أخر العشاء حتى كان ثلث الليل الأول ثم أصبح فدعا السائل، فقال: الوقت بين هذين. هذه رواية مسلم.

وأخرجه أبو داود، وقال فيه: فأقام الفجر حين كان الرجل لا يعرف وجه صاحبه، أو أن الرجل لا يعرف من إلى جنبه، وفيه: ثم أخر العصر حتى انصرف منها وقد اصفرت الشمس. وقال في آخره: ورواه بعضهم، فقال: ثم صلى العشاء إلى شطر الليل. وفي ألفاظ أبي داود خلاف عن لفظ مسلم. وأخرجه النسائي مثل مسلم. [2]

وعن جابر بن عبد الله رضي الله عنهما: أن جبريل أتى النبي ﷺ يعلمه مواقيت الصلاة فتقدم جبريل، ورسول الله ﷺ خلفه والناس خلف رسول الله ﷺ، فصلى الظهر حين

١) قوله المواقيت: قال تعالى: "إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا" [النساء: ١٠٣] أي أنها فرضت في أوقات معلومة معينة، فأجمل ذكر الأوقات في هذه الآية، وبينها في مواضع أخرى من الكتاب، مثلا قوله تعالى: "أَقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَى غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ" [الإسراء: ٧٨.] ومثلا قوله تعالى: "وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا وَمِنْ آنَاءِ اللَّيْلِ فَسَبِّحْ وَأَطْرَافَ النَّهَارِ" [طه: ١٣٠.] وبين على لسان الرسول عليه الصلاة والسلام تحديدها ومقاديرها، وفصل على لسانه عليه الصلاة والسلام تحديد أوائلها وأواخرها. (الأعظمي.)

٢) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب المساجد، باب أوقات الصلوات الخمس (٤٢٩/١) رقم الحديث: ٦١٤. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في المواقيت (١٠٨/١) رقم الحديث: ٣٩٥. والنسائي في "سننه" كتاب المواقيت، باب آخر وقت المغرب (٢٦٠/١) رقم الحديث: ٥٢٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

زالت الشمس، وأتاه حين كان الظل مثل شخصه، فصنع كما صنع، فتقدم جبريل، ورسول الله ﷺ خلفه، والناس خلف رسول الله ﷺ، فصلى العصر، ثم أتاه حين وجبت الشمس، فتقدم جبريل، ورسول الله ﷺ خلفه، والناس خلف رسول الله ﷺ، فصلي المغرب، ثم أتاه حين غاب الشفق فتقدم جبريل، ورسول الله ﷺ خلفه، والناس خلف رسول الله ﷺ فصلي العشاء، ثم أتاه حين انشق الفجر، فتقدم جبريل، ورسول الله ﷺ خلفه، والناس خلف رسول الله ﷺ، فصلى الغداة، ثم أتاه اليوم الثاني حين كان ظل الرجل مثل شخصه، فصنع كما صنع بالأمس، فصلى الظهر، ثم أتاه حين كان ظل الرجل مثلي شخصه، فصنع كما صنع بالأمس، فصلى العصر، ثم أتاه حين وجبت الشمس، فصنع كما صنع بالأمس، فصلى المغرب فنمنا ثم قمنا، ثم نمنا ثم قمنا، فأتاه، فصنع كما صنع بالأمس، فصلى العشاء، ثم أتاه حين امتد الفجر، وأصبح والنجوم بادية مشتبكة، فصنع كما صنع بالأمس، فصلى الغداة ثم قال: ما بين هاتين الصلاتين وقت.

وفي رواية، قال: جاء جبريل عليه السلام إلى النبي ﷺ حين زالت الشمس فقال: قم يا محمد فصل الظهر، فصلاها حين مالت الشمس، ثم مكث حتى إذا كان فيء الرجل مثله جاءه للعصر، فقال: قم يا محمد فصل العصر، ثم مكث حتى إذا غابت الشمس، جاءه فقال: قم يا محمد فصل المغرب، فقام فصلاها حين غابت الشمس سواء، ثم مكث حتى إذا ذهب الشفق، جاءه فقال: قم فصل العشاء، فقام فصلاها، ثم جاءه حين سطع الفجر في الصبح فقال: قم يا محمد فصل، فقام فصلى الصبح، ثم جاءه من الغد حين كان فيء الرجل مثله، فقال: قم يا محمد فصل [فصلى] الظهر، ثم جاءه جبريل عليه السلام حين كان فيء الرجل مثليه، فقال: قم يا محمد فصل، فصلى العصر، ثم جاءه للمغرب حين غابت الشمس، وقتا واحدا، لم يزل عنه، فقال: قم فصل، فصلى المغرب، ثم جاءه للعشاء حين ذهب ثلث الليل الأول، فقال: قم فصل فصلى العشاء، ثم جاءه للصبح حين أسفر جدا، فقال: قم فصل، فصلى الصبح، فقال: ما بين هذين وقت كله.

وفي رواية، قال: خرج رسول الله ﷺ فصلى الظهر حين زالت الشمس، وكان الفيء قدر الشراك، ثم صلى العصر حين كان الفيء قدر الشراك وظل الرجل، ثم صلى المغرب حين غابت الشمس، ثم صلى العشاء حين غاب الشفق، ثم صلى الفجر حين طلع الفجر، ثم صلى [من] الغد الظهر حين كان الظل طول الرجل، ثم صلى العصر حين كان ظل الرجل مثليه، قدر ما يسير الراكب سير العنق إلى ذي الحليفة، ثم صلى المغرب حين غابت الشمس، ثم صلى العشاء إلى ثلث الليل، أو نصف الليل -شك أحد رواته- ثم صلى الفجر فأسفر.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وفي رواية، قال: سأل رجل رسول الله ﷺ عن مواقيت الصلاة فقال: صل معي فصلى الظهر حين زاغت الشمس، والعصر حين كان فيء كل شيء مثله، والمغرب حين غاب الشفق: قال: ثم صلى الظهر حين كان فيء الإنسان مثله، والعصر حين كان فيء الإنسان مثليه، والمغرب حين كان قبيل غيبوبة الشفق قال أحد رواته، ثم قال في العشاء أرى إلى ثلث الليل. أخرجه النسائي. [1]

فظهر مما ذكرنا أن أول وقت الظهر هو وقت الزوال، وأما آخر وقته فقد دل حديث إمامة جبرئيل أنه وقت بلوغ ظل الشيء مثله، ومنه ابتداء وقت العصر مشتركا بينهما وهو مذهب الأئمة وأبي يوسف ومحمد وزفر، وفي رواية الحسن عن أبي حنيفة رحمة الله عليهم أجمعين.

وفي بعض حواشي الهداية: وعليه الفتوى، والظاهر مذهب أبي حنيفة أنه إلى بلوغ الظل مثليه، وقد ذكر بعض المشايخ الحنفية: أن الاحتياط أن لا يؤخر الظهر عن مثله، ولا يصلي العصر حتى يكون مثليه، حتى يكون الصلاتان في وقتها بالإجماع.

وجاء في رواية أسد بن عمرو أنه إذا صار ظل كل شيء مثله خرج وقت الظهر ولا يدخل وقت العصر حتى يصير مثليه، فبين الصلاتين وقت مهمل ليس وقت أحد منهما كما بين الفجر والظهر.

وذكر في الهداية [2] دليلا لأبي حنيفة رحمه الله قوله عليه السلام: أبردوا بالظهر فإن شدة الحر من فيح جهنم، وأشد الحر في ديارهم في هذا الوقت، يعني: إذا صار ظل كل شيء مثله، وإذا تعارضت الآثار لا ينقضي الوقت بالشك.

ويرد على ظاهره أن هذا يدل على أن لا يكون آخر وقت الظهر عند بلوغ الظل مثل الشيء، وأما كون آخره بلوغ الظل مثليه فلا، إلا أن يقال: إنه قد انحصر الوقت في هذين القسمين ولا قائل بالفصل، فلما لم يكن المثل كان المثلين. هذا.

وقد احتج على المذهب المشهور لأبي حنيفة رحمه الله بحديث صحيح البخاري ونحوه في صحيح مسلم: أن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما، قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول:

---

١) أخرجه النسائي في "سننه" كتاب المواقيت، باب أول وقت العصر (١/٢٥١) رقم الحديث: ٥٠٤، وباب آخر وقت العصر (١/٢٥٥) رقم الحديث: ٥١٣، وباب آخر وقت المغرب (١/٢٦١) رقم الحديث: ٥٢٤، وباب أول وقت العشاء (١/٢٦٣) رقم الحديث: ٥٢٦.

٢) الهداية: ١/٤٠.

toobaa-elibrary.blogspot.com

إنما بقاؤكم فيما سلف قبلكم من الأمم كما بين صلاة العصر إلى غروب الشمس، أوتي أهل التوراة التوراة فعملوا، حتى إذا انتصف النهار عجزوا، فأعطوا قيراطا قيراطا، ثم أوتي أهل الإنجيل الإنجيل فعملوا، إلى صلاة العصر، ثم عجزوا، فأعطوا قيراطا قيراطا، ثم أوتينا القرآن فعملنا إلى غروب الشمس فأعطينا قيراطين قيراطين، فقال أهل الكتابين: أي ربنا! أعطيت هؤلاء قيراطين قيراطين، وأعطيتنا قيراطا قيراطا، ونحن كنا أكثر عملا، قال الله تعالى: هل ظلمتكم من أجركم من شيء؟ قالوا: لا، قال: فهو فضلي أوتيه من أشاء.[1]

فإنما يكون هذا إذا كان وقت العصر عند بلوغ ظل كل شيء مثليه ليكون أقصر من وقت الظهر إلى العصر، وعلى تقدير كونه معتبرا من بلوغ الظل إلى مثله يكون مساويا لوقت الظهر، وقد تكلف شراح البخاري في الجواب عن ذلك فلينظر ثمة.

هذا وقد يؤيد بالدلائل العقلية وهي في الحقيقة لترجيح العمل بالحديث الذي دل على كون وقت العصر حين بلوغ ظل الشيء مثليه، وهي أن حاجة الظهر إلى توسيع الوقت أكثر؛ لأن قبلها أربع موقتة وبعدها ركعتان، وليس ما بعد صلاة العصر ولا قبلها سنة موقتة، ولهذا كان العشاء أمد من وقت المغرب لأن العشاء أربع وبعدها ركعتان ثم الوتر.

وقال العبد الضعيف سامحه الله: إن قول الله سبحانه: "وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا" [2] قد يشير إلى كون وقت العصر مثل وقت الفجر، وإنما يكونان مثلين على مذهبنا، والله أعلم، وعلمه أحكم.

وقال الشيخ ابن الهمام [3]: الظاهر اعتبار كل حديث روي مخالفا لحديث جبرئيل ناسخا لما خالفه فيه؛ لتحقق تقدم إمامة جبرئيل على كل حديث روي في الأوقات؛ لأنه أول ما علمه إياها.

فهذه الأحاديث وأمثالها لتعيين أوقات الصلاة مجتمعة أو متفرقة، وليس فيما ذكر في فضل تعجيل الصلوات في أوائل أوقاتها، فانعقد بابا آخر لبيان ذلك، وفيه فصلان:

---

١) البناية: ١/ ٤٠.
٢) طه: ١٣٠.
٣) فتح القدير: ١/ ٢٢٠.

toobaa-elibrary.blogspot.com

الفصل الأول في الأحاديث الواردة في تعجيل الصلاة

الفجر

عن عائشة ﵂: قالت: كن نساء المؤمنات يشهدن مع رسول الله صلى الله عليه وسلم صلاة الفجر متلفعات بمروطهن ثم ينقلبن إلى بيوتهن حين يقضين الصلاة، لا يعرفهن أحد من الغلس.

وفي رواية: أن رسول الله ﷺ كان يصلي الصبح بغلس، فينصرفن نساء المؤمنين لا يعرفن من الغلس، ولا يعرف بعضهن بعضا. أخرجه الجماعة. (١)

الظهر

عن عائشة، قالت: ما رأيت أحدا كان أشد تعجيلا للظهر من رسول الله ﷺ، ولا من أبي بكر، ولا من عمر. أخرجه الترمذي. (٢)

خباب بن الأرت ﵁ قال: شكونا إلى رسول الله ﷺ الصلاة في الرمضاء، فلم يشكنا. قال زهير لأبي إسحاق: أفي الظهر؟ قال: نعم، قلت: أفي تعجيلها؟ قال: نعم. أخرجه مسلم، وأخرج النسائي نحوه. (٣)

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب في كم تصلي المرأة من الثياب (١/٨٤) رقم الحديث: ٣٨٢. كتاب مواقيت الصلاة، باب وقت الفجر (١/١٢٠) رقم الحديث: ٥٧٨، كتاب الأذان، باب خروج النساء إلى المساجد بالليل والغلس (١/١٧٣) رقم الحديث: ٨٦٧، باب سرعة انصراف النساء من الصبح وقلة مقامهن في المسجد (١/١٧٣) رقم الحديث: ٨٧٣. ومسلم في "صحيحه" كتاب المساجد، باب استحباب التبكير بالصبح في أول وقتها (١/٢٤٥) رقم الحديث: ٦٤٥. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب وقت الصبح (١/١١٥) رقم الحديث: ٤٢٣. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في التغليس بالفجر (١/٢٨٧) رقم الحديث: ١٥٣. والنسائي في "سننه" كتاب المواقيت، باب التغليس في الحضر (١/٢٧١) رقم الحديث: ٥٤٥، ٥٤٦، كتاب السهو، باب الوقت الذي ينصرف فيه النساء من الصلاة (٣/٨٢) رقم الحديث: ١٣٦٢. ومالك في "الموطأ" كتاب وقوت الصلاة، باب وقوت الصلاة (١/٥) رقم الحديث: ٤.

٢) أخرجه الترمذي في "سننه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في التعجيل بالظهر (١/٢٩٢) رقم الحديث: ١٥٥.

٣) أخرجه مسلم في "صحيحه" باب استحباب تقديم الظهر في أول الوقت في غير شدة الحر (١/٤٣٢) رقم الحديث: ٦١٩. والنسائي في "سننه" كتاب المواقيت، أول وقت الظهر (١/٢٤٧) رقم الحديث: ٤٩٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أنس بن مالك ﷺ قال: كان النبي ﷺ إذا نزل منزلا لم يرتحل حتى يصلي الظهر، فقال رجل: وإن كان بنصف النهار؟ قال: وإن كان بنصف النهار. أخرجه أبو داود النسائي. (١)

وعنه: أن رسول الله ﷺ خرج حين زالت الشمس، فصلى الظهر. أخرجه الترمذي والنسائي. إلا أن النسائي قال: حين زاغت. (٢) (وفي نسخة: راحت).

العصر

عائشة ﷺ: أن رسول الله ﷺ صلى العصر والشمس في حجرتها، لم يظهر الفيء من حجرتها. وفي رواية: لم تخرج من حجرتها.

قال البخاري: وقال أبو أسامة عن هشام: من قعر حجرتها. أخرجه البخاري ومسلم والترمذي والنسائي وأبو داود. (٣)

وعن أنس بن مالك ﷺ قال: كان رسول الله ﷺ يصلي العصر والشمس مرتفعة حية فيذهب الذاهب إلى العوالي، فيأتيهم والشمس مرتفعة، وبعض العوالي من المدينة: على أربعة أميال ونحوه.

وفي رواية: يذهب الذاهب منا إلى قباء. وفي أخرى، قال: كنا نصلي العصر، ثم يخرج الإنسان إلى بني عمرو بن عوف فيجدهم يصلون العصر.

---

١) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب المسافر يصلي وهو يشك في الوقت (٢/٤) رقم الحديث ١٢٠٥. والنسائي في "سننه" كتاب المواقيت، باب تعجيل الظهر في السفر (١/٢٤٨) رقم الحديث: ٤٩٨.

٢) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في التعجيل بالظهر (١/٢٩٤) رقم الحديث: ١٥٦. والنسائي في "سننه" كتاب المواقيت، أول وقت الظهر (١/٢٤٦) رقم الحديث: ٤٩٦. [وفي نسخة: راحت، فتح الرحمن في إثبات مذهب النعمان: ٢/١٦]

٣) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب مواقيت الصلاة، باب وقت العصر (١/١١٤) رقم الحديث: ٥٤٤، ٥٤٥، ٥٤٦، كتاب فرض الخمس، باب ما جاء في بيوت أزواج النبي ﷺ وما نسب من البيوت إليهن (٤/٨٢) رقم الحديث: ٣١٠٣. ومسلم في "صحيحه" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب أوقات الصلوات الخمس (١/٤٢٦) رقم الحديث: ٦١١. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في وقت صلاة العصر (١/١١١) رقم الحديث: ٤٠٧. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في تعجيل العصر (١/٢٩٨) رقم الحديث: ١٥٩. والنسائي في "سننه" كتاب المواقيت، باب تعجيل العصر (١/٢٥٢) رقم الحديث: ٥٠٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وفي أخرى: قال أسعد بن سهل بن حنيف: صلينا مع عمر بن عبد العزيز الظهر، ثم خرجنا حتى دخلنا على أنس بن مالك فوجدناه يصلي العصر، فقلت: يا عم، ما هذه الصلاة التي صليت؟ قال: العصر، وهذه صلاة رسول الله ﷺ التي كنا نصلي معه.

وفي أخرى: فقالوا له: عجلت، فقال: إنما أصلي كما رأيت أصحابي يصلون. أخرجه البخاري.

وفي أخرى له قال: صلى لنا رسول الله ﷺ العصر، فلما انصرف أتاه رجل من بني سلمة، فقال: يا رسول الله إنا نريد أن ننحر جزورا لنا وإنا نحب أن تحضرها؟ قال: نعم، فانطلق وانطلقنا معه، فوجدنا الجزور لم تنحر، فنحرت، ثم قطعت، ثم طبخ منها، ثم أكلنا قبل أن تغيب الشمس. (١)

المغرب

عن سلمة بن الأكوع ﷺ أن رسول الله ﷺ: كان يصلي المغرب إذا غربت الشمس وتوارت بالحجاب. أخرجه البخاري ومسلم والترمذي.

وفي رواية أبي داود، قال: كان النبي ﷺ يصلي المغرب ساعة تغرب الشمس، إذا غاب حاجبها. (٢)

وعن أنس بن مالك ﷺ قال: كنا نصلي المغرب مع النبي ﷺ ثم نرمي، فيرى أحدنا موضع نبله. أخرجه أبو داود. (٣)

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب مواقيت الصلاة، باب وقت العصر (١/١١٥) رقم الحديث: ٥٥٠، ٥٥١. كتاب الاعتصام، باب ما ذكر النبي ﷺ وحض على اتفاق أهل العلم (٩/١٠٤) رقم الحديث: ٧٣٢٩. ومسلم في "صحيحه" كتاب المساجد، باب استحباب التبكير بالعصر (١/٤٣٣) رقم الحديث: ٦٢١. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في وقت صلاة العصر (١/١١١) رقم الحديث: ٤٠٤. والنسائي في "سننه" كتاب المواقيت، باب تعجيل العصر (١/٢٥٢) رقم الحديث: ٥٠٦، ٥٠٧، ٥٠٨. ومالك في "الموطأ" كتاب وقوت الصلاة، باب وقوت الصلاة (١/٩) رقم الحديث: ١١.

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب مواقيت الصلاة، باب وقت المغرب (١/١١٧) رقم الحديث: ٥٦١. ومسلم في "صحيحه" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب بيان أن أول وقت المغرب عند غروب الشمس (١/٤٤١) رقم الحديث: ٦٣٦. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في وقت المغرب (١/١١٣) رقم الحديث: ٤١٧. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في وقت المغرب (١/٣٠٤) رقم الحديث: ١٦٤.

٣) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في وقت المغرب (١/١١٣) رقم الحديث: ٤١٦.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن رجل من أسلم من أصحاب النبي ﷺ: أنهم كانوا يصلون مع النبي ﷺ المغرب، ثم يرجعون إلى أهليهم إلى أقصى المدينة يرمون يبصرون مواقع سهامهم. أخرجه النسائي.(١)

وعن مرثد بن عبد الله الغنوي ﷺ قال: قدم علينا أبو أيوب غازيا، وعقبة بن عامر يومئذ على مصر، فأخر عقبة المغرب، فقام إليه أبو أيوب، فقال: ما هذه الصلاة يا عقبة؟ قال: إنا شغلنا، قال: أما سمعت رسول الله ﷺ يقول: لا تزال أمتي بخير أو قال: على الفطرة ما لم يؤخروا المغرب إلى أن تشتبك النجوم؟ أخرجه أبو داود.(٢)

وعن علي بن أبي طالب ﷺ: أن رسول الله ﷺ قال له: يا علي، ثلاثا لا تؤخرها: الصلاة إذا دخل وقتها، والجنازة إذا حضرت، والأيم إذا وجدت لها كفءا. أخرجه الترمذي.(٣)

وعن ابن عمر، قال: قال رسول الله ﷺ: الوقت الأول من الصلاة رضوان الله، والوقت الآخر عفو الله. أخرجه الترمذي.(٤)

وعن أم فروة(٥) قالت: سئل النبي ﷺ أي الأعمال أفضل؟ قال: الصلاة لأول وقتها.(٦)

وعن عائشة، قالت: ما صلى رسول الله ﷺ صلاة لوقتها الآخر مرتين حتى قبضه الله.(٧)

فهذه الأحاديث وأمثالها تمسك بها القائلون بأفضلية الصلاة في أول وقت، وههنا أحاديث أخر تدل على تأخيرها عن أول؛ وكيف؟ وقد سبق في الفصل السابق بيان أوقات الصلاة أوائلها وأواخرها وتعليم جبرئيل إياها؛ ولكن الكلام في الأفضلية، وسنتكلم فيه في التنبيه بعد ذكر أحاديث التأخير فيه.

---

١) أخرجه النسائي في "سننه" كتاب المواقيت، باب تعجيل المغرب (١/١٥٩) رقم الحديث: ٥٢٠.

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في وقت المغرب (١/١١٣) رقم الحديث: ٤١٨.

٣) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في الوقت الأول من الفضل (١/٣٢٠) رقم الحديث: ١٧١. [ولفظه: الصلاة إذا آنت].

٤) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في الوقت الأول من الفضل (١/٣٢١) رقم الحديث: ١٧٢.

٥) وكانت ممن بايعت النبي ﷺ.

٦) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في الوقت الأول من الفضل (١/٣١٩) رقم الحديث: ١٧٠.

٧) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في الوقت الأول من الفضل (١/٣٢٨) رقم الحديث: ١٧٤

toobaa-elibrary.blogspot.com

الفصل الثاني في الأحاديث الواردة في تأخير الصلاة

الظهر

عن القاسم بن محمد رحمه الله قال: ما أدركت الناس إلا وهم يصلون الظهر بعشي، أخرجه الموطأ. (١)

وعن أبي هريرة ﷺ أن النبي ﷺ قال: إذا اشتد الحر فأبردوا بالصلاة، فإن شدة الحر من فيح جهنم. أخرجه الجماعة. أخرجه الجماعة. (٢)

وعن أبي ذر الغفاري ﷺ قال: كنا مع النبي ﷺ في سفر، فأراد المؤذن أن يؤذن للظهر، فقال له رسول الله ﷺ أبرد ثم أراد أن يؤذن، فقال له: أبرد، حتى رأينا فيء التلول، فقال النبي ﷺ: إن شدة الحر من فيح جهنم، فإذا اشتد الحر فأبردوا بالصلاة. أخرجه البخاري ومسلم وأبو داود والترمذي.

وفي رواية: أذن مؤذن رسول الله ﷺ، فقال النبي ﷺ: أبرد، أبرد أو قال: انتظر، انتظر، وقال: إن شدة الحر من فيح جهنم، فإذا اشتد الحر فأبردوا عن الصلاة، قال أبو ذر: حتى رأينا فيء التلول. (٣)

---

١) أخرجه مالك في "الموطأ" كتاب وقوت الصلاة، باب وقوت الصلاة (٩/١) رقم الحديث: ١٢.

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب مواقيت الصلاة، باب الإبراد بالظهر في شدة الحر (١١٣/١) رقم الحديث: ٥٣٣، ٥٣٦. ومسلم في "صحيحه" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب استحباب الإبراد بالظهر في شدة الحر (٤٣٠/١) رقم الحديث: ٦١٥، ٦١٧. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب وقت صلاة الظهر (١١٠/١) رقم الحديث: ٤٠٢. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في تأخير الظهر في شدة الحر (٢٩٥/١) رقم الحديث: ١٥٧. والنسائي في "سننه" كتاب المواقيت، باب الإبراد بالظهر إذا اشتد الحر (٢٤٨/١) رقم الحديث: ٥٠٠. وابن ماجه في "سننه" كتاب الصلاة، باب الإبراد بالظهر في شدة الحر (٢٢٢/١) رقم الحديث: ٦٧٧، ٦٧٨. ومالك في "الموطأ" كتاب وقوت الصلاة، باب النهي عن الصلاة بالهاجرة (١٦/١) رقم الحديث: ٢٨.

٣) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب مواقيت الصلاة، باب الإبراد بالظهر في شدة الحر (١١٣/١) رقم الحديث: ٥٣٥، ٥٣٩، كتاب الأذان، باب الأذان للمسافر (١٢٨/١) رقم الحديث: ٦٢٩، كتاب بدء الخلق، باب صفة النار وأنها مخلوقة (١٢٠/٤) رقم الحديث: ٣٢٥٨. ومسلم في "صحيحه" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب استحباب الإبراد بالظهر في شدة الحر (٤٣١/١) رقم الحديث: ٦١٦. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب وقت صلاة الظهر (١١٠/١) رقم الحديث: ٤٠١. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في تأخير الظهر في شدة الحر (٢٩٧/١) رقم الحديث: ١٥٨.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أنس بن مالك ﷺ قال: كان رسول الله ﷺ إذا كان الحر أبرد بالصلاة، وإذا كان البرد عجل. أخرجه النسائي. (١)

تأخير العصر

عن علي بن شيبان ﷺ قال: قدمنا على رسول الله ﷺ، فكان يؤخر العصر ما دامت الشمس بيضاء نقية. أخرجه أبو داود. (٢)

تأخير المغرب

عن يحيى بن سعيد رحمه الله قال لسالم بن عبد الله [ابن عمر]: ما أشد ما رأيت أباك أخر المغرب في السفر؟ فقال سالم: غربت الشمس ونحن بذات الجيش، فصلى المغرب بالعقيق. أخرجه الموطأ. (٣)

وعن أنس بن مالك ﷺ أن رسول الله ﷺ قال: إذا قدم العشاء فابدؤوا به قبل أن تصلوا صلاة المغرب، ولا تعجلوا عن عشائكم. أخرجه البخاري ومسلم.

وفي رواية الترمذي والنسائي: إذا حضر العشاء وأقيمت الصلاة فابدؤوا بالعشاء.

وفي رواية: إذا وضع العشاء. (٤)

وعن بن عمر رضي الله عنهما: أن رسول الله ﷺ قال: إذا وضع عشاء أحدكم وأقيمت الصلاة، فابدؤوا بالعشاء، ولا تعجل حتى تفرغ منه، وكان ابن عمر يوضع له الطعام وتقام الصلاة فلا يأتيها حتى يفرغ، وإنه ليسمع قراءة الإمام.

---

١) أخرجه النسائي في "سننه" كتاب المواقيت، باب الإبراد بالظهر إذا اشتد الحر (١/٢٤٨) رقم الحديث: ٤٩٩. [في فتح الرحمن عن أبي موسى، ص. ٢/١٩].

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في وقت صلاة العصر (١/١١١) رقم الحديث: ٤٠٨.

٣) أخرجه مالك في "الموطأ" كتاب قصر الصلاة، باب قصر الصلاة في السفر (١/١٤٦) رقم الحديث: ٩.

٤) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الأذان، باب إذا حضر الطعام وأقيمت الصلاة (١/١٣٥) رقم الحديث: ٦٧٢، كتاب الأطعمة، باب إذا حضر العشاء فلا يعجل عن عشائه (٢/٨٣) رقم الحديث: ٥٤٦٣ ومسلم في "صحيحه" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب كراهة الصلاة بحضرة الطعام (١/٣٩٢) رقم الحديث: ٥٥٧ والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب إذا حضر العشاء وأقيمت الصلاة فابدؤوا بالعشاء (٢/١٨٤) رقم الحديث: ٣٥٣. والنسائي في "سننه" كتاب الإمامة، باب العذر في ترك الجماعة (٢/١١١) رقم الحديث: ٨٥٣. وابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب حضرت الصلاة ووضع العشاء (١/٣٠١) رقم الحديث: ٩٣٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وفي رواية: وإن سمع الإقامة، وإن سمع قراءة الإمام. أخرجه البخاري ومسلم هذا. (١)

وجاء في حديث جابر بن عبد الله رضي الله عنهما: قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تؤخر الصلاة لطعام ولا غيره. أخرجه أبو داود. (٢)

[تأخير] العشاء

عن عائشة ﵂ قالت: أعتم رسول الله ﷺ بالعشاء ليلة، حتى ناداه عمر: الصلاة، نام النساء والصبيان، فخرج، فقال: ما ينتظرها من أهل الأرض أحد غيركم، قال: ولا تصلى يومئذ إلا بالمدينة، وكانوا يصلون فيما بين أن يغيب الشفق إلى ثلث الليل الأول. زاد في رواية: وذلك قبل أن يفشو الإسلام. أخرجه البخاري ومسلم والنسائي،

ولمسلم، قالت: أعتم رسول الله ﷺ ذات ليلة، حتى ذهب عامة الليل، وحتى نام أهل المسجد، ثم خرج فصلى، فقال: إنه لوقتها لولا أن أشق على أمتي.

وفي رواية: لولا أن يشق على أمتي لأمرتهم بالصلاة في هذه الساعة. (٣)

وعن ابن عباس: أخر النبي ﷺ هذه الصلاة. وذكر فيه: [أي ر منا الحديث] فخرج، وهو يمسح الماء عن شقه، يقول: إنه للوقت، لولا أن أشق على أمتي. (١)

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الأذان، باب إذا حضر الطعام وأقيمت الصلاة (١/١٣٥) رقم الحديث: ٦٧٣. ومسلم في "صحيحه" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب كراهة الصلاة بحضرة الطعام (١/٣٩٢) رقم الحديث: ٥٥٩. وأبو داود في "سننه" كتاب الأطعمة، باب إذا حضرت الصلاة والعشاء (٣/٣٤٥) رقم الحديث: ٣٧٥٧. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب إذا حضر العشاء وأقيمت الصلاة فابدؤوا بالعشاء (٢/١٨٦) رقم الحديث: ٣٥٤. وابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب حضرت الصلاة ووضع العشاء (١/٣٠١) رقم الحديث: ٩٣٤. ومالك في "الموطأ" كتاب الاستئذان، باب ما جاء في الفأرة تقع في السمن والبدء بالأكل قبل الصلاة (٢/٩٧١) رقم الحديث: ١٩.

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الأطعمة، باب إذا حضرت الصلاة والعشاء (٣/٣٤٥) رقم الحديث: ٣٧٥٨.

٣) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب مواقيت الصلاة، باب فضل العشاء (١/١١٨)(رقم الحديث: ٥٦٦، باب النوم قبل العشاء لمن غلب (١/١١٨) رقم الحديث: ٥٦٩، كتاب الأذان، باب وضوء الصبيان (١/١٧٢) رقم الحديث: ٨٦٢، باب خروج النساء إلى المساجد بالليل والغلس (١/١٧٣) رقم الحديث: ٨٦٤، كتاب التمني، باب ما يجوز من اللو (٩/٨٥) رقم الحديث: ٧٢٣٩. [ولفظه: لأمرتهم بالصلاة هذه الساعة] ومسلم في "صحيحه" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب وقت العشاء وتأخيرها (١/٤٤١) رقم الحديث: ٦٣٨. والنسائي في "سننه" كتاب الصلاة، باب فضل صلاة العشاء (١/٢٣٩) رقم الحديث: ٤٨٢، كتاب المواقيت، باب آخر وقت العشاء (١/٢٦٧) رقم الحديث: ٥٣٥، ٥٣٦.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما: أن رسول الله ﷺ شغل عنها ليلة [يعني صلاة العتمة] وأخرها حتى رقدنا في المسجد، ثم استيقظنا، ثم رقدنا، ثم استيقظنا، ثم خرج علينا النبي ﷺ ثم قال: ليس أحد من أهل الأرض الليلة ينتظر الصلاة غيركم.

وزاد البخاري: وكان ابن عمر لا يبالي: قدمها أو أخرها، إذا كان لا يخشى أن يغلبه النوم عن وقتها، وقلما كان يرقد قبلها. أخرجه البخاري.

وفي حديث مسلم: قال: مكثنا ذات ليلة ننتظر رسول الله ﷺ لصلاة العشاء الآخرة، فخرج إلينا حين ذهب ثلث الليل، أو بعده، فلا ندري أشيء شغله في أهله، أو غير ذلك؟ فقال حين خرج: إنكم لتنتظرون صلاة ما ينتظرها أهل دين غيركم، ولولا أن يثقل على أمتي لصليت بهم هذه الساعة، ثم أمر المؤذن فأقام الصلاة، وصلى. وأخرج أبو داود والنسائي رواية مسلم. [(٢)]

وعن أنس بن مالك، قال: أقيمت الصلاة فعرض للنبي ﷺ رجل، فحبسه بعد ما أقيمت الصلاة [وفي رواية:] فما زال يناجيه حتى نام أصحابه، ثم قام فصلى. أخرجه البخاري ومسلم. [(٣)]

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب التمني، باب ما يجوز من اللو (٨٥/٩) رقم الحديث: ٧٢٣٩. ومسلم في "صحيحه" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب وقت العشاء وتأخيره (٤٤٤/١) رقم الحديث: ٦٤٢. والنسائي في "سننه" كتاب المواقيت: باب ما يستحب من تأخير العشاء (٢٦٥/١) رقم الحديث: ٥٣١، ٥٣٢. [ولفظ الحديث: عن ابن عباس: أخر النبي ﷺ هذه الصلاة فجاء عمر فقال: يا رسول الله، رقد النساء والولدان، فخرج وهو يمسح الماء عن شقه يقول: إنه للوقت لولا أن أشق على أمتي.]

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب كتاب مواقيت الصلاة، باب النوم قبل العشاء لمن غلب (١١٨/١) رقم الحديث: ٥٧٠. ومسلم في "صحيحه" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب وقت العشاء وتأخيرها (٤٤٢/١) رقم الحديث: ٦٣٩. وأبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب في الوضوء من النوم (٥١/١) رقم الحديث: ١٩٩، كتاب الصلاة، باب في وقت العشاء الآخرة (١١٤/١) رقم الحديث: ٤٢٠. والنسائي في "سننه" كتاب المواقيت، باب آخر وقت العشاء (٢٦٧/١) رقم الحديث: ٥٣٧.

٣) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الأذان، باب الإمام تعرض له الحاجة بعد الإقامة (١٣٠/١) رقم الحديث: ٦٤٢، باب الكلام إذا أقيمت الصلاة (١٣٠/١) رقم الحديث: ٦٤٣، كتاب الاستئذان، باب طول النجوى (٦٥/٨) رقم الحديث: ٦٢٩٢. ومسلم في "صحيحه" كتاب الحيض، باب الدليل على أن نوم الجالس لا ينقض الوضوء (٢٨٤/١) رقم الحديث: ٣٧٦. وأبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب في الوضوء من النوم (٥١/١) رقم الحديث: ٢٠١، كتاب الصلاة، باب في الصلاة تقام ولم يأت الإمام ينتظرونه قعودا (١٤٩/١) رقم الحديث: ٥٤٢، ٥٤٤، الإمام يتكلم بعد ما ينزل المنبر (٢٩٢/١) رقم الحديث:

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن معاذ بن جبل رضي الله عنه قال: بقينا رسول الله ﷺ وقد تأخر لصلاة العتمة: حتى ظن الظان أنه ليس بخارج، ويقول القائل منا: قد صلى، فإنا لكذلك، إذ خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقالوا له كما قالوا، فقال: أعتموا بهذه الصلاة، فإنكم قد فضلتم بها على سائر الأمم، ولم تصلها أمة قبلكم. أخرجه أبو داود. (١)

وعن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال: [صلينا مع رسول الله ﷺ صلاة العتمة فلم يخرج حتى مضى نحو من شطر الليل؛ فقال: خذوا مقاعدكم، فأخذنا مقاعدنا، فقال: إن الناس قد صلوا وأخذوا مضاجعهم، وإنكم لن تزالوا في صلاة ما انتظرتم الصلاة،] ولولا ضعف الضعيف وسقم السقيم لأخرت هذه الصلاة إلى شطر الليل. أخرجه أبو داود والنسائي. (٢)

وعن جابر بن سمرة رضي الله عنه قال: كان رسول الله ﷺ يؤخر [صلاة] العشاء الآخرة. أخرجه مسلم. (٣)

وعن أبي هريرة، قال: قال رسول الله ﷺ: لولا أن أشق على أمتي لأمرتهم أن يؤخروا العشاء إلى ثلث الليل أو نصفه. وفي الباب عن جابر بن سمرة، وجابر بن عبد الله، وأبي برزة، وابن عباس، وأبي سعيد، وزيد بن خالد، وابن عمر: حديث أبي هريرة حديث حسن صحيح. وهو الذي اختاره أكثر أهل العلم من أصحاب النبي ﷺ، والتابعين، رأوا تأخير صلاة العشاء الآخرة، وبه يقول أحمد، وإسحاق. (٤)

[تأخير] الفجر

عن رافع بن خديج رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ قال: أسفروا بالفجر، فإنه أعظم للأجر. أخرجه الترمذي.

١١٢٠. والترمذي في "جامعه" أبواب الجمعة، باب ما جاء في الكلام بعد نزول الإمام من المنبر (٣٩٤/٢) رقم الحديث: ٥١٧. والنسائي في "سننه" كتاب الإمامة، باب الإمام تعرض له الحاجة بعد الإقامة (٨١/٢) رقم الحديث: ٧٩١، كتاب الجمعة، باب الكلام والقيام بعد النزول عن المنبر (١١٠/٣) رقم الحديث: ١٤١٩.

(١) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب وقت العشاء الآخرة (١١٤/١) رقم الحديث: ٤٢١.

(٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في وقت العشاء الآخرة (١١٤/١) رقم الحديث: ٤٢٢. والنسائي في "سننه" كتاب المواقيت، باب آخر وقت العشاء (٢٦٨/١) رقم الحديث: ٥٣٨.

(٣) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب المساجد، باب وقت العشاء وتأخيرها (٤٤٥/١) رقم الحديث: ٦٤٣.

(٤) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في تأخير العشاء الآخرة (٣١٠/١) رقم الحديث: ١٦٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وفي رواية أبي داود، قال: أصبحوا بالصبح، فإنه أعظم لأجوركم، أو أعظم للأجر. ولهذا الحديث روايات كثيرة جدا.(١)

تنبيه

قد عرفت أن الأئمة بعد اتفاقهم على جواز الصلاة في جميع أجزاء الوقت أولها وآخرها، [ولكن] اختلفوا في أفضلها، فذهب الشافعي إلى أفضلية أول الوقت في الصلوات كلها وطلقا إلا لشغل أو عذر، وعليه يحمل ما جاء من تأخيره ﷺ في بعض الأوقات، وإبراد ظهر الصيف عنده رخصة لمن يسعى إلى المسجد من بعيد، ومن يصلي وحده أو في مسجده فالأفضل أن يصلي في أول الوقت، وإن كان شدة الحر، ومذهب مالك نحوه، وقال بعض أصحابه: أما في شدة الحر فالأفضل أن يبرد وإن كان يصلي وحده، وكذا المختار من مذهبه، ومذهب أحمد استحباب التأخير، وكذا العصر يستحب تقديمها عندهم، والمغرب له

---

(١) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في الإسفار بالفجر (٢٨٩/١) رقم الحديث: ١٥٤. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في وقت الصبح (١١٥/١) رقم الحديث: ٤٢٤. والنسائي في "سننه" كتاب المواقيت، باب الإسفار (٢٧٢/١) رقم الحديث. ٥٤٨. وابن ماجه في "سننه" كتاب الصلاة، باب وقت صلاة الفجر (٢٢١/١) رقم الحديث. ٦٧٢. وأحمد في "مسنده" مسند المكيين، حديث رافع بن خديج (١٣٢/٢٥) رقم الحديث: ١٥٨١٩، (٤٩٦/٢٨) رقم الحديث: ١٧٢٥٧، (٥١٤/٢٨) رقم الحديث: ١٧٢٧٩. وابن حبان في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب مواقيت الصلاة (٣٥٥/٤) رقم الحديث: ١٤٨٩، ١٤٩٠، ١٤٩١. والطبراني في "المعجم الأوسط" باب الثاء، من اسمه ثابت (٣٣٤/٣) رقم الحديث: ٣٣١٩، باب الهاء، من اسمه هاشم (١١٦/٩) رقم الحديث: ٩٢٨٩. والطبراني في "المعجم الكبير" باب الراء، محمود بن لبيد الأنصاري عن رافع بن خديج (٢٤٩/٤) رقم الحديث: ٤٢٨٣، ٤٢٨٤، ٤٢٨٥، ٤٢٨٦، ٤٢٨٧، ٤٢٩٠، ٤٢٩١، ٤٢٩٢، ٤٢٩٣، هرير بن عبد الرحمن بن رافع بن خديج عن جده رافع (٢٧٧/٤) رقم الحديث: ٤٤١٤، ٤٤١٥. وأبو داود الطيالسي في "مسنده" وما أسند عن رافع بن خديج (٢٦٤/٢) رقم الحديث: ١٠٠١، ١٠٠٣. وعبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الصلاة، باب وقت الصبح (٥٦٨/١) رقم الحديث: ٢١٥٩. والحميدي في "مسنده" أحاديث رافع بن خديج (٣٨٧/١) رقم الحديث: ٤١٣ وابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الصلوات، من كان ينور بها ويسفر ولا يرى به بأسا (٢٨٣/١) رقم الحديث: ٣٢٤٢. والدارمي في "سننه" كتاب الصلاة، باب الإسفار بالفجر (٧٧٨/٢) رقم الحديث: ١٢٥٣، ١٢٥٤. والطحاوي في "شرح معاني الآثار" كتاب الصلاة، باب الوقت الذي يصلي فيه الفجر أي وقت هو (١٧٨/١) رقم الحديث: ١٠٦٦، ١٠٦٨، ١٠٧٠. وأبو نعيم في "حلية الأولياء وطبقات الأصفياء" ذكر طوائف من جماهير النساك والعباد (٩٤/٧). والبيهقي في "السنن الكبرى" كتاب الصلاة، باب الإسفار بالفجر (٦٧١/١) رقم الحديث. ٢١٥١. وأبو نعيم في "معرفة الصحابة" باب الراء، رافع بن خديج (١٠٤٦/٢) رقم الحديث: ٢٦٥٣، ٢٦٥٤، ٢٦٥٥، ٢٦٥٦، ٢٦٥٨.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقت واحد ويستحب تعجيلها بالإجماع، والعشاء تأخيرها أفضل عند أحمد؛ وقال مالك: المبادرة، ولا بأس بتأخيرها لإجماع الناس.

وأما عند أبي حنيفة رحمه الله فإبراد الظهر وإسفار الفجر وتأخير العصر والعشاء مستحب، وستعرف في أثناء البيان تفاصيلها ودلائلها.

وأصحابنا يتكلمون فيما تمسك به الشافعي من الأحاديث، أما حديث التغليس في صلاة الفجر وتلفع النساء فيها وعدم معرفة الناس كما سبق، فليس فيه دلالة على أنه إن كان دائما في جميع الأوقات وعدم معرفتهن إياهن بعضهن بعضا، لا يدل على ذلك خصوصا مع التلفع وقد يكون مثل ذلك من عدم المعرفة بعد التغليس أيضا، إذا كان شيء من البعيد، والمراد عدم المعرفة باليقين والتشخيص، ولا يشترط في ذلك المغلس والغير كما هو مقصودهم، وقد ورد في باب المناسك في صلاة الفجر بالمزدلفة أنه صلى قبل ميقاتها، فقال بعضهم: إنه صلى قبل دخول الوقت وطلوع الفجر، وهذا باطل لإجماع المسلمين على عدم جواز الصلاة قبل الوقت، فالمختار أن المراد أنه صلى قبل ميقاتها المعتاد بعد طلوع الفجر، والغرض أن التغليس بالصلاة في أول الوقت في هذا اليوم كان أشد فشقهم، فثبت منه أن العادة لم يكن واقعة دائما في الصلاة في أول طلوع الفجر، والتغليس كما وقع في هذا اليوم فقد وقع في المزدلفة أيضا فافهم.

وقد ورد في الحديث متفقا عليه كان ينفتل من صلاة الغداة حين يعرف جليسه(١)، وقالوا: كان عدم معرفة النساء عن بعيد، وهذا اخبار عن رواية الجليس عن قريب، والظاهر أن هذا كان حينا وذلك في حين آخر وكيف يكون كذلك مع ورود الأمر بالإسفار، فعن رافع بن خديج قال: قال رسول الله ﷺ: اسفروا بالفجر رواه الترمذي وأبو داود والدارمي.(٢)

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب مواقيت الصلاة، باب وقت العصر (١/١١٤) رقم الحديث: ٥٤٧، ومسلم في "صحيحه" كتاب المساجد، باب استحباب التكبير بالصبح (١/٤٤٧) رقم الحديث: ٦٤٧.

٢) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في الإسفار بالفجر (١/٢٨٩) رقم الحديث: ١٥٤. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في وقت الصبح (١/١١٥) رقم الحديث: ٤٢٤. والنسائي في "سننه" كتاب المواقيت، باب الإسفار (١/٢٧٢) رقم الحديث: ٥٤٨. والدارمي في "سننه" كتاب الصلاة، باب الإسفار بالفجر (٢/٧٧٨) رقم الحديث: ١٢٥٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقال الترمذي [1]: وفي الباب عن أبي برزة، وجابر، وبلال، وقد روى شعبة والثوري هذا الحديث عن محمد بن إسحاق، وروى محمد بن عجلان أيضا عن عاصم بن عمرو بن قتادة، وحديث رافع بن خديج حديث حسن صحيح، وقد رأى غير واحد من أهل العلم من أصحاب النبي ﷺ، والتابعين: الإسفار بصلاة الفجر، انتهى.

والظاهر من إسفار الصبح: انكشافه وتنوره وانتشاره، وهو إنما يكون بعد الغلس، في القاموس [2] سفر الصبح يسفر أضاء وأشرق كأسفر.

وأول بعض أصحاب الشافعي: بأن المراد أخروا صلاة الفجر إلى أن يتحقق طلوع الفجر، ولا تبادروا عند ظن طلوعه فإنه أعظم لأجوركم، إذا الصلاة بعد تيقن دخول الوقت أفضل منها عند ظنه، فالمراد بالإسفار تحقق طلوع الفجر لا شيء من التأخير عنه.

وفيه غاية البعد لأن الظاهر المتبادر من قوله: "فانه أعظم للأجر" أن يكون ذلك لخصوصية في الإسفار ونحوها، لا لأجل تحقق الوقت، فإنه عام لوقت كل صلاة فإنه لما لم يتبين الوقت لا يحكم لجواز الصلاة وهذا أظهر من أن يخفى.

وقد يقال: يحتمل أنهم حين أمروا بتغليس الفجر كانوا يصلونها عند الفجر الأول حرصا عليه، فقال: أسفروا، أي أخروها إلى الفجر الثاني، وهذا أيضا بعيد، يبنى على الاحتمال، وقيل: الأمر بالإسفار خاص بالليالي المقمرة احتياطا لعدم تبين الفجر.

وكل هذه تكلفات خلاف ما يتبادر إليه الفهم كما لا يخفى، ثم الظاهر المتبادر من هذه العبارة أن يبتدؤوا في صلاة الفجر وقت الإسفار، وما قيل في معناه: إن المراد إتمامها فيه أيضا تأويل وتكلف، كما نقل عن الطحاوي [3]: أنه قال: يبدأ بالتغليس ويتم بالإسفار، ويجمع بينهما بأن يطول القراءة، وقال التوربشتي [4]: هذا أقوى التأويلين لأنه يوفق بين الأحاديث التي وردت في التغليس والإسفار، وانتهى.

---

1) جامع الترمذي: ١/٢٨٩.
2) القاموس المحيط: ٣٨٠.
3) شرح معاني الآثار: ١/١٨٣.
4) كتاب الميسر: ١/١٨٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

ويحتمل والله أعلم أنه قد أمر بالتغليس في أول الأمر، ثم لما رأى المشقة عليهم في ذلك سمع بهم وأمر بالإسفار وأيده بقوله: "فإنه أعظم للأجر" لما فيه من تكثير الجماعة وتطييب لقلوبهم فكان الإسفار آخر الأمرين ويكون ناسخا، والله أعلم.

وقال السغناقي: الأفضل في صلاة الفجر الإسفار بها، يبدأ بالإسفار ويختم بالإسفار في ظاهر الرواية، ولا ينبغي أن يؤخر تأخيرا يقع نه الشك في طلوع الشمس لأن في ذلك خوف فساده لأن في الإسفار تكثير الجماعة وفي التغليس تقليلها وما يؤدي إلى تكثير الجماعة يكون أفضل، ولأن المكث في مكان حتى تطلع الشمس مندوب إليه كما نطق به الأحاديث، وقد قيل: إن ذلك سنة مؤكدة، واحراز هذه السعادة تيسر في الإسفار، وفي التغليس فلم يتمكن منه والذي يثبت في الروايات من فعل رسول الله ﷺ هو الإسفار فإن ثبت التغليس في وقت كان لعذر كالخروج إلى سفر ونحوه ولهذا لما صلى ليلة المزدلفة بغلس قالوا: إنه صلى في غير وقته أي المعتاد منه، وكان التغليس في حديث عائشة حين تحضر النساء للصلاة بالجماعة ثم نسخ ذلك حين أمرنا بقرار في بيوتهن، و قالوا: في التعجيل إظهار المسارعة في أداء العبادة وهو مندوب إليه لقوله تعالى: "وَسَارِعُوا إِلَى مَغْفِرَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ" قلنا: المسارعة إلى مغفرة الله إنما يكون للمسارعة إلى الشيء الذي هو أفضل عند الله، ولما قال ﷺ: إن الإسفار أعظم للأجر كان هو الأفضل والفضل في تكثير الجماعة لا في تقليلها، وذلك لا يكون إلا في التنوير، والمعنى الفقهي فيه أن تأخير الفجر إلى آخر الوقت يباح بالإجماع ولا كراهة فيه، وتقليل الجماعة أمر مكروه كذلك إيقاع الناس في الحرج، والتغليس في الفجر يؤدي إلى أحد الأمرين ألا يرى أن رسول الله ﷺ نهى معاذا عن تطويل القراءة في الصلاة في الأصل سنة فوق تعجيل الصلاة في أول الوقت، كذا في الاسرار، هذا حاصل ما ذكر السغناقي مع شيء من الاختصار و الزيادة.

وقال القاضي عياض المالكي في شرح حديث "أسفروا في الفجر": أي صلوها وقت[1] سطوع ضوء الفجر، ولا تبادروا بها أول مبادئ الفجر قبل تبينه، وهذا مذهب الحجازيين في تقديم وقتها وأنه أفضل، والباقون [2] يذهبون إلى صلاتها عند الإسفار البين آخر وقتها وأنه أفضل.

---

١) وفي نسخة: بعد تبين وقتها (الأعظمي)

٢) وفي نسخة: العراقيون (الأعظمي)

toobaa-elibrary.blogspot.com

وفي شرح كتاب الخرقي في مذهب أحمد بن حنبل رحمه الله [1]: أما الصبح فالأفضل تقديمها مطلقا على إحدى الروايات، واختيار الخرقي وأبي محمد وطائفة من أصحابنا، والثانية: الإسفار بها أفضل، والثالثة: الاعتبار بحال أكثر المأمومين، فإن غلسوا غلس، وإن أسفروا أسفر، توفيرا للجمع فهو أحب إلى الله تعالى كما ورد في الحديث، وعن معاذ بن جبل قال: "بعثني رسول الله ﷺ إلى اليمن فقال: يا معاذ! إذا كان في الشتاء فغلس بالفجر، وأطل القراءة قدر ما يطيق الناس ولا تملهم، وإذا كان في الصيف فأسفر بالفجر، فإن الليل قصير والناس ينامون، فأمهلهم حتى يدركوا، رواه أبو الحسين بن مسعود الفراء في سننه.

واعلم أن كلا الروايتين فيما إذا كان الأرفق على المأمومين في الإسفار مع حضورهم أو حضور بعضهم، أما لو تأخر الجيران جميعهم فالأولى التأخير بلا خلاف على مقتضى ما ذكره القاضي وقال: نص عليه في رواية الجماعة، انتهى الكلام في مذهب الإمام أحمد بن حنبل.

ثم اعلم أن حد الإسفار والتنوير على ما قال السغناقي نقلا عن شمس الأئمة والقاضي الإمام أبي علي النسفي: أنه يبدأ الصلاة بعد ايثار[2] البياض في وقت لو صلى الفجر بقراءة مسنونة ما بين أربعين آية إلى ستين أو أكثر ويرتل القراءة، فإذا فرغ من الصلاة لو ظهر له سهو في طهارته يمكنه أن يتوضأ ويعيد الصلاة قبل طلوع الشمس، كما فعل أبو بكر وعمر رضي الله عنهما، كذا في فتاوى قاضيخان، انتهى [3]. بل بحيث لو ظهر فساد صلاته أن يعيدها في الوقت بقراءة مستحبة كما قيل.

وأقول: لو كانت طهارته بالغسل ينبغي أن يكون وقتا يسعه أن يغسل ويعيد الصلاة.

ونقل عن الاسرار: أن المراد من التعجيل هو أن يكون الأداء في النصف الأول، فإن صح هذا القول انحل به الإشكالات كلها، وقد يستأنس به بحديث علي ﷺ ثلاث لا تؤخرها[4]، فإن تزويج الأيم بعد وجود الكفو لا يكون في أول جزء من الوقت كما لا يخفى، بل يقصد ويتهيأ لذلك، فكذلك ينبغي أن يتهيأ ويستعد للصلاة بدخول الوقت، والشافعية

---

١) شرح الزركشي: ١/٤٩١-٤٩٣.

٢) وفي نسخة: انتشار. (الأعظمي)

٣) فتاوى قاضي خان: ١/٣٥.

٤) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في وقت الأول من الفضل (١/٣٢٠) رقم الحديث: ١٧١. [لفظه: عن علي بن أبي طالب، أن النبي ﷺ قال له: يا علي، ثلاث لا تؤخرها: الصلاة إذا آنت، والجنازة إذا حضرت، والأيم إذا وجدت لها كفئا.]

toobaa-elibrary.blogspot.com

يشرعون في الصلاة بمجرد دخول الوقت في الجزء الأول، وأما صلاة الجنازة فإطلاق الحديث يدل على تعجيلها وإن حضره في وقت مكروه، وفيه تفصيل مذكور في الفقه.

وقال السغناقي نقلا من تحفة الفقهاء[1]: إن الأفضل في صلاة الجنازة أن يؤديها ولا يؤخرها لهذا الحديث.

وقد تكلم في حديث أفضل الأعمال الصلاة في أول وقتها، بأنه من حديث عبد الله بن عمر العمري، وهو ليس بالقوي عند أهل الحديث وهو ممن غلب عليه الزهد وشغلته العبادة عن حفظ الحديث وضبطه واضطربوا في هذا الحديث، ويروي أفضل الأعمال الصلاة علي ميقاتها، وقالوا في حديث: الوقت الأول من الصلاة رضوان الله، إن الظاهر أن يكون المراد ما سوى ما فيه استحب فيه التأخير كالتبريد للظهر والاسفار للفجر وما لم يكن في التأخير عنه في الجملة مصلحة دنية فكمله تكملة للصلاة فتم للثواب كتكثير الجماعة مثلا، و الله أعلم.

الظهر:

وأما صلاة الظهر فالتعجيل فيها بأن يصلى حين زالت الشمس وزاغت، جاء في الأحاديث الكثيرة الصحيحة "ابردوا بالظهر"، وفي رواية: "إذا اشتد الحر فأبردوا عن الصلاة فإن شدة الحر من فيح جهنم"، ولهذا الحديث طرق وروايات متعددة عن أبي هريرة وأبي سعيد وأبي ذر وابن عمر والمغيرة وأبي موسى وابن عباس وأنس، ولكنهم اختلفوا في المراد بالإبراد، فقال بعض الناس: المراد بالإبراد بالظهر أداؤها في أول الوقت وبرد النهار أوله، وهذا التأويل ليس بصواب، لأن الإبراد في الأحاديث ذكر لبيان ما اختاره ﷺ في سفر من الوقت الآخر في أوان الحر ويبطله تعليله ﷺ ذلك بقوله: فإن شدة الحر من فيح جهنم.

وعن أبي ذر الغفاري ﷺ قال: كنا مع النبي ﷺ في سفر، فأراد المؤذن أن يؤذن للظهر، فقال له رسول الله ﷺ أبرد ثم أراد أن يؤذن، فقال له: أبرد، حتى رأينا فيئ التلول، فقال النبي ﷺ: إن شدة الحر من فيح جهنم، فإذا اشتد الحر فأبردوا بالصلاة.[2] وبهذا يبطل

---

١) فتاوى قاضي خان: ١/١٠٥.

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب مواقيت الصلاة: باب الإبراد بالظهر (١/١١٣) رقم الحديث: ٥٣٥، كتاب الأذان، باب الأذان للمسافر (١/١٢٨) رقم الحديث: ٦٢٩. ومسلم في "صحيحه" كتاب المساجد، باب استحباب الإبراد بالظهر (١/٤٣١) رقم الحديث: ٦١٦. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في وقت صلاة الظهر (١/١١٠) رقم الحديث: ٤٠١. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في تأخير الظهر (١/٢٩٧) رقم الحديث: ١٥٨.

toobaa-elibrary.blogspot.com

ما ذكره الشافعية أن المراد بإبراد الصلاة وقت الزوال لأنه ينكسر فيه وهج الحر فهو برد بالإضافة إلى آخر الظهيرة.

وعن ابن مسعود، قال: كانت قدر صلاة رسول الله ﷺ في الصيف ثلاثة أقدام إلى خمسة أقدام، وفي الشتاء خمسة أقدام إلى سبعة أقدام. (١)

وعن ابن عمر رضي الله عنهما: كان الفيء ذراعا ونصفا إلى ذراعين، وكان الجدران في ذلك الزمان سبعة أذرع، كذا قيل.

وعند مالك رحمه الله: إلى أن يزيد ظل كل شيء ربعه، وقال أئمة مذهب أحمد: يؤخر حتى ينكسر الحر ولا يؤخر إلى آخر الوقت، وقال بعضهم: يؤخر إلى وقوع الظل الذي يمشي فيه الساعي إلى الجماعة، وقال بعضهم: يؤخر إلى قريب من وسط الوقت.

وفي صحيح البخاري (٢): "فإذا اشتد الحر فأبردوا عن الصلاة حتى رأينا فيء التلول"، أي: أبردنا وانتظرنا حتى رأينا الظلال، والتلول لكونها منبسطة غير منتصبة لا يظهر فيها عقيب الزوال، بل لا يصير لها في عادة إلا بعد الزوال بكثير، بخلاف الشاخصات المرتفعة كالمنارة مثلا، وقال أيضا: الإبراد أن يؤخر بحيث يحصل للحيطان ظل يمشون فيه ويتناقص الحر، وخصه بعضهم بالبلاد الحارة، وخصه بعضهم بالجماعة.

وقال في الهداية (٣): أشد الحر في تلك الديار في وقت بلوغ كل شيء مثله كما مر.

وبالجملة المبالغة في إبراد الظهر وارد في الأحاديث الصحيحة، وأما حديث خباب: "شكونا إلى رسول الله ﷺ حر الرمضاء فلم يشكنا" أي: لم يزل شكوانا، فمحمول على أنهم طلبوا تأخيرا زائدا على قدر الإبراد، وقيل: إنهم التمسوا تأخير الصلاة عن الوقت، كذا قال الكرماني. (٤)

---

١) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في وقت صلاة الظهر (١/١١٠) رقم الحديث: ٤٠٠. والنسائي في "سننه" كتاب المواقيت، باب آخر وقت الظهر (١/٢٥٠) رقم الحديث: ٥٠٣.

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب مواقيت الصلاة، باب الإبراد بالظهر في شدة الحر (١/١١٣) رقم الحديث: ٥٣٥.

٣) الهداية: ١/٤٠.

٤) الكواكب الدراري: ٤/١٨٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعلى كل تقدير لا يجوز حمل الإبراد على الزوال، وكون وقت الزوال أبرد من الاستواء محل بحث، بل هو أشد منه لبقاء السبب كما في الإبراد وقت الفجر من نصف الليل، وإن كانت الشمس أقرب، ويرده سياق الحديث في الرخصة.

وقال الترمذي: قال الشافعي: إنما الإبراد بصلاة الظهر إذا كان مسجدا ينتاب أهله من البعد، فأما المصلي وحده والذي يصلي في مسجد قومه فالذي أحب له أن لا يؤخر الصلاة في شدة الحر، قال أبو عيسى الترمذي: ومعنى من ذهب إلى تأخير الظهر في شدة الحر: هو أولى وأشبه بالاتباع، وأما ما ذهب إليه الشافعي أن الرخصة لمن ينتاب من البعد والمشقة على الناس، فإن في حديث أبي ذر ما يدل على خلاف ما قال الشافعي، قال أبو ذر: كنا مع النبي ﷺ في سفر، فأذن بلال بصلاة الظهر، فقال النبي ﷺ: يا بلال أبرد، ثم أبرد، فلو كان الأمر على ما ذهب إليه الشافعي لم يكن للإبراد في ذلك الوقت معنى لاجتماعهم في السفر، وكانوا لا يحتاجون أن ينتابوا من البعد تم كلام الترمذي.[1]

العصر:

وأما صلاة العصر، فقد ورد في حديث محمد بن عمرو بن الحسن بن علي قال: سألنا جابر ابن عبد الله عن صلاة النبي ﷺ، فقال: كان يصلي الظهر بالهاجرة، والعصر والشمس حية، [الحديث].[2]

قال التوربشتي[3]: يتأول ذلك على وجهين، أحدهما: أنه أراد بحياتها شدة وهجها [وبقاء حرها]، والآخر: أنه أراد به صفاء لونها عن [التغير و] الاصفرار، وهذا أقرب التأويلين، انتهى.

ويقول: إن ذلك لا يكون بعد مصير الظل مثليه وذلك محل كلام وتردد، بل الظاهر مشاهدة خلافه فإن وهجها وصفاء لونها باق، فلا يثبت مدعاهم أعني تعجيل العصر في

---

١) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في تأخير الظهر في شدة الحر (١/٢٩٥) رقم الحديث: ١٥٧.

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب مواقيت الصلاة، باب وقت العشاء إذا اجتمع الناس أو تأخروا (١/١١٧) رقم الحديث: ٥٦٥. ومسلم في "صحيحه" كتاب المساجد، باب استحباب التبكير بالصبح في أول وقتها (١/٤٤٦) رقم الحديث: ٦٤٦.

٣) كتاب الميسر: ١/١٨١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

بلوغ الظل مثليه في ربع النهار، وفي حديث يسار بن سلامة: إنما كانت حية بعد أن يرجع أحدنا إلى رحله، ويفهم منه أن حياة الشمس لا يختص بأول الوقت، فافهم.

وفي حديث أنس: كان رسول الله ﷺ يصلي العصر والشمس مرتفعة حية، فيذهب الذاهب إلى العوالي، [فيأتيهم والشمس مرتفعة، وبعض] العوالي من المدينة على أربعة أميال أو نحوه. (١)

ولا يخفى أنه لا يدرى أن الذهاب كان راكبا أو ماشيا، وعلى أي تقدير، للمشي بالسرعة أو البطؤ، وما حال الذاهب في القوة أو الضعف، ولا يظهر أيضا بأي ناحية من العوالي كان الذهاب، وبالجملة لا يثبت به أن يصلي العصر وقت بقاء ربع النهار كما هو مذهبهم.

وفي حديث رافع بن خديج: كنا نصلي العصر مع رسول الله ﷺ، ثم تنحر الجزور، فتقسم عشر قسم، ثم تطبخ، فنأكل لحما نضيجا قبل مغيب الشمس. متفق عليه. (٢)

وهذا الحديث وإن سلم دلالته على أداء صلاة العصر يومئذ عند بلوغ الظل المثل فلعله كان يصلي في بعض الأحيان كذلك تعليما وتقريرا، وقد عرف أن الدلالة كان على الدوام والاستمرار منظور فيه، كما عرفت.

وروى الشيخ ابن الهمام أحاديث في تأخير العصر، وقال (٣): وعندي أنه لا تعارض بينها وبين ما روي في تعجيلها من رافع بن خديج من نحر الجزور وتقسيمه عشر قسم، الحديث، فإنه إذا صلى العصر قبل تغير الشمس أمكن في انتهائه إلى الغروب مثل هذا العمل، ومن يشاهد المهرة من الطباخين في الإسفار مع الرؤساء لم يستبعد ذلك، انتهى.

وأقول: لم يدل الحديث على أن الجزور كلها طبخت وأكلت، بل يجوز أن يطبخ بعضها بقدر ما يكفي للحاضرين من الأصحاب، بل قد جاء في حديث أنس في رواية

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب مواقيت الصلاة، باب وقت العصر (١/١١٥) رقم الحديث: ٥٥٠. ومسلم في "صحيحه" كتاب المساجد، باب استحباب التكبير بالعصر (١/٤٣٣) رقم الحديث: ٦٢١.

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب مواقيت الصلاة، باب وقت المغرب (١/١١٦) رقم الحديث: ٥٥٩. ومسلم في "صحيحه" كتاب المساجد، باب استحباب التبكير بالعصر (١/٤٣٥) رقم الحديث: ٦٢٥.

٣) فتح القدير: ١/٢٢٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

البخاري: فنحرت، ثم قطعت، ثم طبخ منها [١]. كمن التبعيضية كما سبق، ومع ذلك لا يثبت مدعى القوم، نعم يدل على تعجيل فيها.

وعندنا تأخير العصر مستحب إذا لم تتغير الشمس، والدليل عليه حديث ابن مسعود رضي الله عنه قال: كان النبي ﷺ يصلي العصر والشمس بيضاء نقية، وهذا منه بيان تأخير العصر إلى عدم تغير الشمس، وقيل: سميت العصر لأنها تعصر، أي تؤخر، أو لأن الوقت يعصر، وفي القاموس[٢]: العصر العشي إلى احمرار الشمس، وعلى هذا يكون العصر كما في صلاة الظهر وصلاة الظهر سواء من قبيل الإضافة إلى الوقت، وقال أصحابنا: إن في تأخير العصر تكثير النوافل لكراهتها بعد العصر، ولهذا كان التعجيل في المغرب أفضل، وتكثير النوافل أفضل من المبادرة إلى الأداء في أول الوقت، كذا قال السغناقي عن المبسوطين.

ثم المعتبر هو تغير القرص، وهو أن يصير بحال لا تحار فيه الأعين، هو الصحيح، وقيل: إذا قامت الشمس للغروب قدر رمح أو رمحين لم تتغير، وإذا صارت أقل فقد تغيرت.

وقيل: لو وضع طست ماء وينظر فيه، فإن كان القرص يبدو للناظر فقد تغيرت.

والمختار عند صاحب الهداية الأول وصححه، وعند سفيان وإبراهيم النخعي المعتبر تغير الضوء الذي يقع على الجدران، والقول باعتبار تغير القرص قول الشعبي، قال شمس الأئمة: لأن تغير الضوء يحصل بعد الزوال وبه كان يقول مشايخ بلخ والشيخ الإمام أبو بكر محمد بن الفضل، وفيه أن تغير الضوء بعد الزوال غير مدرك، والذي عند قرب الغروب شيء آخر واضح.

المغرب:

أما المغرب، فلا خلاف فيه، وتعجيله مستحب بالإتفاق وله وقت واحد كما يعلم من حديث إمامة جبرئيل اليومين، حين أفطر الصائم، ولكن وقع في حديث بريدة[٣]: حين سأل السائل عن الوقت، أنه صلى المغرب في اليوم الأول حين غابت الشمس، وفي اليوم

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب مواقيت الصلاة، باب وقت العصر (١/١١٥) رقم الحديث: ٥٥٠. ومسلم في "صحيحه" كتاب المساجد باب استحباب التكبير بالعصر (١/٤٣٥) رقم الحديث: ٦٢٤. [لفظه للمسلم.]

٢) القاموس المحيط: ٤١٠-٤١١.

٣) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب أوقات الصلوات الخمس (١/٤٢٨) رقم الحديث: ٦١٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

الثاني قبل أن يغيب الشفق، يعني لا بعد غروب الشمس متصلا، وهذا أوفق بحديث: لا تزال أمتي بخير [أو قال: على الفطرة] ما لم يؤخروا المغرب [إلى أن تشتبك النجوم] (١). ففيه أيضا يتطرق التعجيل والتأخير، فلم يدل هذا الحديث على أن المغرب وقتا واحدا، كما قال الشافعي في الجديد: بأن وقت المغرب قدر وضوء وستر [عورة] وأذان وإقامة وخمس ركعات.

وقال الرافعي من أئمة الشافعية: ويحتمل أيضا أكل لقم يكسر بها شدة الجوع، فإذا مضى هذا القدر انقضى الوقت؛ لأن جبرئيل عليه السلام صلاها في اليومين في وقت واحد، ولو كان لها وقتان لبين، فحديث بريدة حجة عليه في هذا القول الجديد، وأما في قوله القديم: فيمتد وقتها إلى غيبوبة الشفق.

وقال النووي(٢): الأحاديث الصحيحة مصرحة بالقديم وهو الصواب، وقال: ومن اختاره من أصحابنا ابن جرير والخطابي والبيهقي والغزالي في "الإحياء"(٣) والبغوي في "التهذيب" وغيرهم، وعلى الجديد لو شرع في المغرب في وقتها المضبوط جاز له مدها إلى غروب الشفق على الصحيح وإن لم يجز تأخير غيرها من الصلوات إلى خروج بعضها عن الوقت، لما روي أنه ﷺ قرأ الأعراف في المغرب، كذا في شرح الحاوي. (٤)

تأخير العشاء:

وأما العشاء، فقد ثبت تأخيرها إلى ثلث الليل، بل أكثر، لما ذكرنا من الأحاديث، وحملها الشافعية على وجود عذر مانع من التعجيل، ومع قطع النظر عن ذلك يكفي قوله ﷺ: لولا أن أشق على أمتي لأمرتهم أن يؤخروا العشاء إلى ثلث الليل أو نصفه (٥). لأن هذه العبارة يدل على أفضلية التأخير وتأكيد استحبابه كما في حديث "لأمرتهم بالسواك"، فيتنافي مذهب أفضلية تعجيل العشاء.

---

١) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في وقت المغرب (١/١١٣) رقم الحديث: ٤١٨.

٢) شرح النووي: ٥/١١١.

٣) إحياء العلوم: ١/٣٧٩.

٤) الحاوي: ٢/٣٠.

٥) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في تأخير العشاء الآخرة (١/٣١٠) رقم الحديث: ١٦٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقال الشيخ ابن حجر المكي [1]: لا ينافيه؛ لأن لولا أفادت عدم الأمر به فبقيت [2] كغيرها من المكتوبات في أن تعجيلها هو السنة، وفيه ما فيه.

وقد وقع الأمر به لقوله ﷺ: "أعتموا بهذه الصلاة" [3] من أعتم، أي: دخل في العتمة، وهي ثلث الليل بعد غيبوبة الشمس، أو مطلق الظلمة بعد غيبوبتها، أي: ادخلوا في هذه الصلاة في العتمة، أو الباء للتعدية، أي: أدخلوها في العتمة، وهذا الحديث أيضا يدل على تأخير العشاء، وحمله على تحقق سقوط الشفق وعدم الاستعجال فيها بعيد، كتأويلهم الإسفار على تحقق الصبح، والإبراد على الزوال، فإن كون وقتها بعد الشفق قد تحقق، وهذا تنبيه على تأخيرها من أول وقتها تدل عليه الأحاديث الدالة على تأخيرها إلى الثلث خصوصا إن كان من العتم بمعنى الإبطاء والاحتباس عن فعل شيء، يقال: أعتم الرجل قرى الضيف: إذا أبطأ به، وأعتمت الحاجة: إذا تأخرت، وأعتم: احتبس عن فعل شيء يريده.

وأما حديث عائشة الذي مر ذكره في تعجيل الصلاة، قالت: ما صلى رسول الله ﷺ صلاة لوقتها الآخر مرتين حتى قبضه الله تعالى. رواه الترمذي [4]. يعني: أنه ﷺ وإن وقع له أنه صلى بعض الصلوات في آخر وقتها، لكنه لم يقع له ذلك أكثر من مرة إلى أن توفاه الله سبحانه وتعالى، قيل: والصلاة [5] التي صلاها ﷺ للتعليم حين جاء رجل سائل عن أوقات الصلاة، فقال: صل معنا في يومين، فكان صلى صلاة في اليوم الثاني في آخر وقتها كما سبق، وأما حديث إمامة جبرئيل عليه السلام فخارج عن للبحث، ويروى: "إلا مرتين"، حين إمامة جبرئيل وسوال الرجل والظاهر أن يكون المراد منه، لكن الظاهر أن يكون المراد غير ما هو للتعلم والتعليم.

والجواب منه: أن هذا الكلام في الصلاة لآخر الوقت الحقيقي بحيث لا يبقى بعده من الوقت شيء.

---

1) فتح الإله في شرح المشكاة: ٧٦/٣.

2) فنفت كونها من المكتوبات. [فتح الرحمن في إثبات مذهب النعمان: ٣٥/٢]

3) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في وقت العشاء الآخرة (١١٤/١) رقم الحديث: ٤٢١.

4) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في الوقت الأول من الفضل (٣٢٧/١) رقم الحديث: ١٧٤.

5) وفي نسخة: وتلك المرة هي اللتي. [الأعظمي.]

toobaa-elibrary.blogspot.com

وأما تأخيره عن أول الوقت فله مواضع كثيرة، منها ما جاء أن الصحابة استعجلوا فقدموا عبد الرحمن بن عوف حين ذهب رسول الله ﷺ للطهارة فانقطع عنهم.

وفي حديث آخر: قدموا أبا بكر الصديق رضي الله عنه حين ذهب رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى قباء ليصلح بين بني عمرو بن عوف، فجاء رسول الله ﷺ فأرادا أن يتأخرا فأومأ أن على مكانكما، وكذا في حالة مرضه الذي أمر أبا بكر بالصلاة مع الناس، وكذا في ليلة رأى ربه فأخر الخروج لصلاة الغداة وبين قصتها.

وكذا جاء في أحاديث أنه كان إذا حضر القوم عجل بالعشاء وإلا أخر، وغير ذلك، وذلك مقتضي شفقته وسماحته، والشافعية يحملون كل ذلك على عذرا أو ضرورة. والله أعلم.

وقد تكلم الترمذي في حديث عائشة هذه، وقال: هذا حديث غريب وليس إسناده بمتصل. (١)

واعلم أن ههنا حديثا متفقا عليه عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: من أدرك ركعة من الصبح قبل أن تطلع الشمس فقد أدرك الصبح، ومن أدرك ركعة من العصر قبل أن تغرب الشمس فقد أدرك العصر (٢).

وقد جاء في رواية البيهقي: من أدرك من الصبح ركعة [قبل أن تطلع الشمس وركعة بعد ما تطلع الشمس] فقد أدرك الصلاة (٣)، وقد جاء في رواية البخاري: من أدرك من العصر ركعة فليتم صلاته. (٤)

فهذا الحديث يدل على أن من طلعت عليه الشمس وهو في صلاة الصبح أو غربت وهو في صلاة العصر، لا تبطل صلاته، وهو قول أكثر أهل العلم، كما قال الشيخ.

---

١) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في الوقت الأول من الفضل (١/٣٢٨) رقم الحديث: ١٧٤.

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب مواقيت الصلاة، باب من أدرك من الفجر ركعة (١/١٢٠) رقم الحديث: ٥٧٩. ومسلم في "صحيحه" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب من أدرك ركعة من الصلاة (١/٤٢٤) رقم الحديث: ٦٠٨.

٣) أخرجه البيهقي في "السنن الكبرى" كتاب الصلاة، جماع أبواب المواقيت، باب إدراك صلاة الصبح بإدراك ركعة منها (١/٥٥٦) رقم الحديث: ١٧٧٣، ١٧٧٤، ١٧٧٥، ١٧٧٦، ١٧٧٧.

٤) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب مواقيت الصلاة، باب من أدرك ركعة من العصر قبل الغروب (١/١١٦) رقم الحديث: ٥٥٦.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقال أبو حنيفة وأصحابه: إن صلاة الصبح تفسد بطلوع الشمس، وصلاة العصر لا تبطل بغروب الشمس، وفرقوا بينهما بأن وقت الفجر كله كامل فإذا شرع فيها وجبت كاملة، فإذا ظهر النقصان بالطلوع لم يؤد كما وجب، بخلاف العصر فإن آخر وقته ناقص لأنه وقت كراهة، فإذا شرع فيها فقد وجب ناقصة، فإذا طرأ النقصان بالغروب فقد أدى كما وجب، وهذا إذا شرع في الوقت الناقص ظاهر، وأما إن شرع قبله فلأن للإنسان أن يستوعب وقت الصلاة لها فلا يمكن الاحتراز عنه، كذا ذكر في كتب أصول الفقه.

وهذا كما يرى ظاهر في أنه قياس في مقابلة النص والحديث يحكم بصحتهم وهذا الفرق تدل على الصحة في العصر دون الفجر، وهذا أحد المواضع التي يطعم في الشافعية في مذهبنا.

والجواب: أنه قد وقع التعارض بين هذا الحديث وبين الأحاديث الواردة في النهي عن الصلاة في الأوقات الثلاثة، فإنها تعم الفرض والنفل، وليست مخصوصة بالنفل كما قالت الشافعية.

وحكم التعارض بين الحديثين الرجوع إلى القياس، والقياس به يقتضي الجواز في صلاة العصر، و عدم الجواز في صلاة الفجر كما ذكروه، وليست الأحاديث الواردة في النهي مخصوصة بالنفل كالنهي عن الصلاة بعد الفجر والعصر، كما زعمت الشافعية؛ متمسكين بقوله ﷺ: من نام عن صلاة أو نسيها فليصلها إذا ذكرها، فإن ذلك وقتها، أي: أوله، وبه يوفقون بين هذا الحديث النهي عن الفرائض والنوافل، وأيضا لو كانت مخصوصة بالنفل لجاز قضاء الفوائت فيها ولم يجز؛ لأن النبي ﷺ لما فاتته صلاة الفجر ليلة التعريس انتظر في قضائها إلى أن ارتفعت الشمس، فلو جاز قضاء المكتوبة حال طلوع الشمس لما تأخر بعد الانتباه، كذا قيل.

وقال السغناقي: والآثار المروية في النهي عامة في جنس الصلاة. وقال بعض أصحابنا: أحاديث النهي ناسخة لهذا الحديث وكان وروده قبل النهي، ومقتضاه أن يبطل العصر أيضا لكنا عللناه بما ذكرنا فجوزنا في العصر مع قطع النظر عن حكم الحديث، هذا.

وقد روي عن أبي يوسف أن الفجر لا يفسد بطلوع الشمس ولكنه ينبغي أن يصبر حتى إذا ارتفعت الشمس أتم صلاته، فكأنه استحسن هذا ليكون مؤديا بعض الصلاة في الوقت، ولو أفسدها كان مؤديا جميع الصلاة خارج الوقت. وأداء بعض الصلاة في الوقت أولى من أدائه الكل خارج الوقت، كذا ذكر السغناقي نقلا عن المبسوط.

toobaa-elibrary.blogspot.com

ثم أخذت الشافعية من الحديث المذكور أنه إذا بلغ الصبي أو طهرت الحائض أو أسلم الكافر وأدرك مقدار ركعة من الوقت وجبت عليه هذه الصلاة، وفي إدراك مقدار تكبيرة قولان من الشافعي كما هو مذهبنا، وخصه الطحاوي من أصحابنا بهذه الصورة، وقال: المراد بإدراك الصبح هذا المعنى نصرة لمذهب أبي حنيفة وأصحابه، لكن الروايات التي جاءت في أن المراد إتمامها بأداء ركعة أخرى كما ذكرنا يأباه، فتدبر.

وبما ذكرنا علم أن مذهب الحنفية مبني على التحقيق والتدقيق وأن قياساتهم ودلائلهم العقلية ليست في مقابلة النصوص، بل ترجح بعض الأحاديث على بعض كما أشرنا إليه في مواضع.

ثم الكلام في تحقيق مواقيت الصلاة وقد وقع فيه الاطناب والتطويل، ولا بأس به فالمقام يقتضي ذلك، والله يقول الحق ويهدي السبيل.

بقي ذكر الاختلاف في الشفق: أنه الحمرة أو البياض؟ وقد يستبعد بعض الناس قول الإمام أبي حنيفة بالثاني، فلو نقلنا شيئا من ذلك لم يبعد، فنقول: اختلفوا في الشفق، فعند مالك والشافعي وأبي يوسف ومحمد رحمهم الله: هو الحمرة، وعند أبي حنيفة وأحمد والمزني رحمهم الله وطائفة من الفقهاء: هو البياض الذي يعقب الحمرة، ويروى عن أبي حنيفة رحمه الله أنه الحمرة، قال الشمني: وبه يفتى، وعليه جمهور الفقهاء وأهل اللغة، ومنهم الأصمعي والخليل بن أحمد.

ويستدل على ذلك بحديث مسلم [1] عن ابن عمر رضي الله عنهما، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: وقت المغرب ما لم يسقط ثور الشفق، وهو بالمثلثة: حمرة الشفق الثائرة فيه، كذا في "القاموس" [2]، ورواه أبو داود [3]: فور الشفق -بالفاء-، وهو فورانه وسطوعه، وثوره: ثوران حمرته، وقد ورد صريحا قال: قال رسول الله ﷺ: الشفق الحمرة فإذا غاب الشفق وجبت الصلاة، رواه الدارقطني [4]، كذا في "شرح كتاب الخرقي" [1]، وقال أيضا: وهو قول أكثر

---

١) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب أوقات الصلوات الخمس (٤٢٧/١) رقم الحديث: ٦١٢

٢) القاموس المحيط: ٣٣٧.

٣) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في المواقيت (١٠٩/١) رقم الحديث: ٣٩٦

٤) أخرجه الدار قطني في "سننه" كتاب الصلاة، باب في صفة المغرب والصبح (٥٠٦/١) رقم الحديث: ١٠٥٦.

toobaa-elibrary.blogspot.com

الصحابة، وحكى بعضهم الإجماع عليه في تفسير قوله تعالى: "فَلَا أُقْسِمُ بِالشَّفَقِ" [٢]، وذكر الشمني عن البيهقي أول قال: روي هذا عن عمر وعلي وابن عباس وعبادة بن الصامت وشداد بن أوس وأبي هريرة ﷺ، يعني: موقوفا عليهم، ولا يصح عن النبي ﷺ فيه شيء.

وقد يستدل على ذلك بأن الغوارب ثلاث: الشمس والشفقان الحمرة والبياض، وكل الطوالع من خروج الوقت ودخوله تعلق بأوساط الطوالع، وهو الفجر الصادق، فما تعلق وجوبه بالغوارب من دخول الوقت وخروجه، وجب أن يتعلق بأوساطه، وهو الحمرة.

ومما يستدل على أنه البياض ما روي عن النعمان بن بشير قال: أنا أعلم الناس بوقت هذه الصلاة -يعني العشاء- كان رسول الله ﷺ يصليها بسقوط القمر لثالثة، رواه أحمد بن يحيى.

وقال في النهاية: احتج أبو حنيفة رحمه الله على أنه البياض بظاهر قوله تعالى: "أَقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَى غَسَقِ اللَّيْلِ" [٣] جاء في التفسير عن ابن عباس رضي الله عنهما: أن الدلوك هو غروب الشمس، فالله تعالى مد وقت المغرب إلى غسق الليل، والغسق عبارة عن اجتماع الظلمة، والظلمة لا تجتمع إلا بعد ذهاب البياض، انتهى.

ولا يذهب عليك أنه قد اختلف في تفسير دلوك الشمس؟ فقيل: هو الغروب وهو قول ابن عباس رضي الله عنهما، وقيل: هو الزوال، واستدلال أبي حنيفة رحمه الله إنما هو بقول ابن عباس ويكفي به حجة، وليس الاستدلال بالآية حتى يقال: إنها محتملة، والمحتمل لا يصح حجة، فافهم.

وفي رواية عن أحمد [٤]: أن الشفق في السفر الحمرة، وفي الحضر البياض، جمعا بين الأحاديث على اختلاف حالين نظرا إلى أن في الحضر قد تنزل الحمرة فتواريها الجدر فيظن أنها قد غابت، فإذا غاب البياض فقد تيقن، فالشفق عنده هو الحمرة، ولكنه اعتبر غيبة البياض لدلالته على مغيب الحمرة.

---

١) شرح الزركشي: ١/٤٧٦.

٢) الانشقاق: ١٦.

٣) الإسراء: ٧٨.

٤) شرح الزركشي: ١/٤٧٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وبالجملة اعتبار قول الأئمة أحوط في حق المغرب، وفي حق العشاء الأحوط قول أبي حنيفة رحمه الله ليقعا في الوقت بيقين.

تنبيه في تحقيق صلاة الوسطى

اعلم أنه وقع الاختلاف في المراد بالصلاة الوسطى في قوله تعالى: "حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى"[1] والأكثرون على أنها صلاة العصر، وقد وقع صريحا في حديث علي ﷺ: أن رسول الله ﷺ قال يوم الخندق: حبسونا[2] عن صلاة الوسطى: صلاة العصر، الحديث.[3]

قالوا: وهو القول المختار عند أبي حنيفة وأحمد، وذهب مالك والشافعي رحمهم الله أنها صلاة الصبح، وقال النووي: والذي يقتضيه الأحاديث الصحيحة أنها صلاة العصر، وهو المختار والمروي عن ابن مسعود.[4]

وروى عن زيد بن ثابت وعائشة: الصلاة الوسطى صلاة الظهر.[5]

أما من التوسط بمعنى الوقوع في البين لأنها في وسط النهار، وأما بمعنى الفضلى فلأنها كانت أشق الصلاة عليهم.

وقد ورد أن أفضل العبادات أحمزها، أي: أشدها وأشقها، والحمازة: الشدة، وإليه ذهب أبو سعيد الخدري وأسامة بن زيد.[6]

---

١) البقرة: ٢٣٨.

٢) صبونا [فتح الرحمن: ٢/٤١.]

٣) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب تفسير القرآن، باب "حافظوا على الصلوات والصلاة الوسطى" (٦/٣٠) رقم الحديث: ٤٥٣٣. ومسلم في "صحيحه" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب الدليل لمن قال: الصلاة الوسطى هي صلاة العصر (١/٤٣٦) رقم الحديث: ٦٢٧.

٤) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في صلاة الوسطى أنها العصر (١/٣٣٩) رقم الحديث: ١٨١.

٥) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في صلاة الوسطى أنها العصر (١/٣٤٠) رقم الحديث: ١٨٢.

٦) شرح الطيبي: ٣/٢٠٩، رقم الحديث: ٦٣٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن مالك: بلغه، أن علي بن أبي طالب وعبد الله بن عباس كانا يقولان: الصلاة الوسطى صلاة الصبح، رواه الموطأ.[1] ورواه الترمذي عن ابن عباس وابن عمر تعليقا.[2]

وقيل: إنها المغرب لأنها المتوسطة بالعدد ووتر النهار.

وقيل: إنها العشاء لأنها بين جهريتين واقعتين طرفي الليل، مع ما في أدائها من زيادة مشقة ومزيد فضل لكونها من خصائص هذه الأمة، فتشتمل الصلوات الخمس، كأنه من ههنا ذهب بعضهم أن المراد واحد من الخمس، أبهمها الله تحريضا على محافظة جميعها كما في ليلة القدر وساعة الجمعة.

ومما ألقي في روع الكاتب عفا الله عنه من غير فكر وتوجه: ولم يكن في الوقت ما يذكره أن المراد الصلاة الواقعة في وسط العمل والشواغل، فإنها أحق وأجدر بالاهتمام والمحافظة، والله أعلم.

وقال بعضهم: التحقيق في هذا الباب أن الصحابة قالوا: باجتهاداتهم وارائهم أقوالا قبل أن يسمعوا من رسول الله ﷺ تفسيره.

وقال[3]: سماع الحديث المصرح بأنها العصر، ثم لما سمعوا رجعوا عن أقوالهم.[4]

---

١) أخرجه مالك في "الموطأ" كتاب صلاة الجماعة، باب الصلاة الوسطى (١/١٣٩) رقم الحديث: ٢٨.

٢) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في صلاة الوسطى أنها العصر (١/٣٤٠) رقم الحديث: ١٨٢.

٣) وفي نسخة: قيل. (الأعظمي)

٤) وفي نسخة: أقاويلهم. (الأعظمي)

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب في فضائل الصلوات

عن ابن عمر ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: أفضل الصلوات عند الله تعالى صلاة الصبح يوم الجمعة في جماعة. رواه أبو نعيم في الحلية، والبيهقي في شعب الايمان.(١)

وزاد الطبراني وأبو نعيم في المعرفة، عن أبي عبيدة بن الجراح: وما أحسب من شهدها منكم إلا مغفورا له. (٢)

وعن عثمان ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: من شهد صلاة الصبح محتسبا فكأنما قام الليلة، ومن شهد صلاة العشاء، فكأنما قام نصف الليل. رواه ابن حبان. (٣)

وفي رواية: من صلى العشاء والغداة في جماعة فكأنما قام الليل ورواه مالك عنه موقوفا. (٤)

وعن زيد بن أسلم [عن جدته] قال: قال رسول الله ﷺ: من صلى صلاة الصبح كان في جوار الله حتى يمسي، ومن صلى صلاة العصر كان في جوار الله فلا تخفروا الله في جواره، فإن من يخفر الله في جواره يطلبه، ثم أدركه، ثم يكبه على منخره. رواه نعيم بن حمادة في الفتن مرسلا. (٥)

---

١) أخرجه أبو نعيم في "حلية الأولياء وطبقات الأصفياء" ذكر طوائف من جماهير النساك والعباد، ذكر من حدث عنه شعبة من الأئمة (٢٠٧/٧). والبيهقي في "شعب الإيمان" الصلاة، فضل الصلاة على النبي ﷺ ليلة الجمعة (٤٤١/٤) رقم الحديث: ٢٧٨٣.

٢) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" العشرة، نسبة أبي عبيدة بن الجراح، باب في توقيع المغفرة لمصلي صلاة الصبح (١٥٦/١) رقم الحديث: ٣٦٦. والطبراني في "المعجم الأوسط" باب الألف، من اسمه أحمد (٦٥/١) رقم الحديث: ١٨٤. وأبو نعيم في "معرفة الصحابة" معرفة العشرة المشهود لهم بالجنة، معرفة ما أسند أبو عبيدة بن الجراح عن النبي ﷺ (١٥١/١) رقم الحديث: ٥٩٢.

٣) أخرجه البيهقي في "شعب الإيمان" الصلاة، فصل في صلاة الخمس في الجماعة (٣٣٤/٤) رقم الحديث: ٢٥٩٢. ومالك في "الموطأ" كتاب صلاة الجماعة، باب ما جاء في العتمة والصبح (١٣٢/١) رقم الحديث: ٨.

٤) أخرجه ابن حبان في "صحيحه" باب الإمامة، فصل في فضل الجماعة (٤٠٧/٥) رقم الحديث: ٢٠٥٨

٥) أخرجه نعيم بن حماد في "الفتن" العصمة من الفتن، وما يستحب فيها من الكف والإمساك عن القتال، والعزلة فيها، وما يكره من الاستشراف لها (١٧٦/١) رقم الحديث: ٤٦٨.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن عبد الرحمن بن عوف قال: قال رسول الله ﷺ: صلاة الفجر في صلاة الليل. رواه ابن نصير والطبراني.[1]

وعن مالك بن أوس بن الحدثان قال: قال عمر بن الخطاب: أشبه صلاة النهار بصلاة الليل صلاة الفجر. رواه عبد الرزاق.[2]

وعن عمرو بن عبسة قال: قال رسول الله ﷺ: ما تستقل الشمس فيبقى شيء من خلق الله إلا يسبح الله بحمده إلا ما كان من الشياطين وأعتى بني آدم. رواه ابن السني وأبو نعيم في الحلية.[3]

وعن بريدة: من ترك العصر فقد حبط عمله. رواه أحمد وابن حبان وابن ماجة.[4]

وعن نوفل بن معاوية قال: قال رسول الله ﷺ: من الصلاة صلاة من فاتته فكأنما وتر أهله وماله، يعني العصر. رواه النسائي.[5]

وعن أبي بصرة الغفاري، قال: صلى بنا رسول الله ﷺ العصر بالمخمص، فقال: إن هذه الصلاة [يعني صلاة العصر] عرضت على من كان قبلكم فضيعوها، فمن حافظ عليها كان له أجره مرتين، ولا صلاة بعدها حتى يطلع الشاهد، والشاهد: النجم. رواه مسلم والنسائي[6]

---

١) لم أعثر عليه.

٢) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الصلاة، باب القراءة في الظهر (١٠٦/٢) رقم الحديث: ٢٦٨٤. [وفيه: صلاة المجر]

٣) أخرجه أبو نعيم في "حلية الأولياء" الطبقة الأولى من التابعين، عبد الرحمن بن ميسرة (١١١/٦) [فيه: أغبياء بني آدم]. وابن السني في "عمل اليوم والليلة" باب ما يقول إذا استقلت الشمس (١٢٩) رقم الحديث: ١٤٩.

٤) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب مواقيت الصلاة، باب من ترك العصر (١١٥/١) رقم الحديث: ٥٥٣، باب التكبير بالصلاة في يوم غيم (١٢٢/١) رقم الحديث: ٥٩٤. والنسائي في "سننه" كتاب الصلاة، باب من ترك صلاة العصر (٢٣٦/١) رقم الحديث: ٤٧٤. وابن ماجه في "سننه" كتاب الصلاة، باب ميقات الصلاة في الغيم (٢٢٧/١) رقم الحديث: ٦٩٤. وأحمد في "مسنده" تتمة مسند الأنصار، حديث بريدة الأسلمي (٥٤/٣٨) رقم الحديث: ٢٢٩٥٧. وابن حبان في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب الوعيد على ترك الصلاة (٣٢٣/٤) رقم الحديث: ١٤٦٣، ١٤٧٠.

٥) أخرجه النسائي في "سننه" كتاب الصلاة، باب صلاة العصر في السفر (١٣٧/١) رقم الحديث: ٤٧٨، ٤٧٩، ٤٨٠.

٦) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب الأوقات التي نهي عن الصلاة فيها (٥٦٨/١) رقم الحديث: ٨٣٠. والنسائي في "سننه" كتاب المواقيت، باب تأخير المغرب (٢٥٩/١) رقم الحديث: ٥٢١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أنس قال: قال رسول الله ﷺ: من صلى العصر فجلس يملي خيرا حتى يمسي كان أفضل ممن أعتق ثمانية من ولد إسماعيل. رواه احمد والبيهقي في شعب الإيمان. (١)

وعن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: من أحيا ما بين الصلاتين غفر له وشفع له ملك وأمن على دعائه. رواه الحاكم، وابن عساكر في تاريخه، وأبو الشيخ، وأبو نعيم. (٢)

وعنه قال: قال رسول الله ﷺ: لا تزال أمتي على الفطرة ما لم يؤخروا المغرب إلى اشتباك النجوم. روى أحمد، وأبو داود، والحاكم. (٣)

وعن الحارث بن وهب عن أبي عبد الرحمن الصنابحي قال: قال رسول الله ﷺ: لا تزال أمتي بخير في مسكة من دينها ما لم ينتظروا بالمغرب اشتباك النجوم مضاهاة اليهود، وما لم يؤخروا الفجر إلى إمحاق النجوم مضاهاة النصرانية، وما لم يكلوا الجنائز إلى أهلها. رواه سعيد بن منصور في سننه. (٤)

وعن حارثة بن وهب قال: قال سول الله ﷺ: لا تزال أمتي على الإسلام ما لم يؤخروا المغرب لتشبيك النجوم مضاهاة اليهود، وما لم يعجلوا الفجر مضاهاة للنصارى، وما لم يكلوا الجنائز إلى أهلها. رواه الطبراني، وأبو نعيم. (٥)

---

١) أخرجه احمد في "مسنده" مسند المكثرين من الصحابة، مسند أنس بن مالك (٢٩١/٢١) رقم الحديث: ١٣٧٦٠. والبيهقي في "شعب الإيمان" محبة الله عز وجل، فصل في إدامة ذكر الله عز وجل (٨٨/٢) رقم الحديث: ٥٥٩.

٢) أخرجه ابن عساكر في "تاريخ دمشق" وأبو نعيم وأبو الشيخ كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأقوال، الباب الثاني في فضل الصلاة ووجوبها، الفصل الأول في أحكام الصلاة الخارجة (٣٨٣/٧) رقم الحديث: ١٩٤٠٥.

٣) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في وقت المغرب (١١٣/١) رقم الحديث: ٤١٨. واحمد في "مسنده" مسند الشاميين، حديث عقبة بن عامر الجهني عن النبي ﷺ (٥٦٤/٢٨) رقم الحديث: ١٧٣٢٩، تتمة مسند الأنصار، حديث أبي أيوب الأنصاري (٥١٧/٣٨) رقم الحديث: ٢٣٥٣٤، (٥٥٥/٣٨) رقم الحديث: ٢٣٥٧٢. والحاكم في "المستدرك" كتاب الطهارة، باب في مواقيت الصلاة (٣٠٢/١) رقم الحديث: ٦٧٥.

٤) أخرجه سعيد بن منصور في "سننه" كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأقوال، الباب الثاني في فضل الصلاة ووجوبها، الفصل الأول في أحكام الصلاة الخارجة (٣٨٣/٧) رقم الحديث: ١٩٤٠٥.

٥) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب الحاء، معبد بن خالد الجدلي عن حارثة (٢٣٧/٣) رقم الحديث: ٣٢٦٤. وأبو نعيم في "معرفة الصحابة" باب الحاء، حارثة بن وهب الخزاعي (٧٤٦/٢) رقم الحديث: ١٩٧٥

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أنس قال: قال رسول الله ﷺ: من صلى المغرب في جماعة كتب له حجة مبرورة وعمرة متقبلة وكأنما قام ليلة القدر. رواه الديلمي. (١)

وعن ابن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله ﷺ: من صلى [في مسجد] جماعة أربعين ليلة لا تفوته الركعة الأولى من صلاة العشاء كتب الله له بها عتقا من النار. رواه ابن ماجة. (٢)

وعن أبي أمامة، رضي الله عنه، قال: قال رسول الله ﷺ: من صلى العشاء في جماعة، فقد أخذ من حظه من ليلة القدر. رواه الطبراني في الكبير. (٣)

وعن أم أنس، قالت: قلت: يا رسول الله إن عيني تغلبني عن عشاء الآخرة؟ فقال رسول الله ﷺ: عجليها يا أم أنس إذا ملأ الليل بطن كل واد، فقد حل وقت الصلاة فصلي، ولا إثم عليك. (٤)

وعن علي وأبي هريرة: لولا أن أشق على أمتي لأمرتهم بالسواك عند كل صلاة، ولأخرت العشاء الآخرة إلى ثلث الليل، فإذا مضى ثلث الليل الأول، هبط الله تعالى إلى السماء الدنيا فلم يزل هنالك حتى يطلع الفجر، فيقول قائل: ألا سائل يعطى؟ ألا داع يجاب؟ ألا سقيم يستشفي فيشفى؟ ألا مذنب يستغفر فيغفر له. رواه أحمد وابن جرير والخطيب عن علي، ورواه أحمد وجرير عن أبي هريرة. (٥)

---

١) أخرجه الديلمي في "الفردوس بمأثور الخطاب" كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأقوال، الباب الثاني في فضل الصلاة ووجوبها، الفصل الأول في أحكام الصلاة الخارجة (٣٩٠/٧) رقم الحديث: ١٩٤٤٢.

٢) أخرجه ابن ماجه في "سننه" كتاب المساجد والجماعات، باب صلاة العشاء والفجر في جماعة (٢٦١/١) رقم الحديث: ٧٩٨.

٣) أخرجه الطبراني "المعجم الكبير" باب الصاد، القاسم بن عبد الرحمن بن يزيد الشامي (١٧٩/٨) رقم الحديث: ٧٧٤٥.

٤) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب الباء، أم أنس الأنصارية (١٤٩/٢٥) رقم الحديث: ٣٥٨.

٥) أخرجه أحمد في "مسنده" مسند الخلفاء الراشدين، مسند علي بن أبي طالب رضي الله عنه (٢٧٢/٢) رقم الحديث: ٩٦٧، مسند المكثرين من الصحابة، مسند أبي هريرة رضي الله عنه (٣٦١/١٦) رقم الحديث: ١٠٦١٨. والخطيب في "تاريخ بغداد" حرف العين، ذكر من اسمه أحمد واسم أبيه عبيد الله، أحمد بن عبيد الله بن عمر بن حمدان (٤٢٢/٥). وابن جرير كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأقوال، الباب الثاني في فضل الصلاة ووجوبها، الفصل الأول في أحكام الصلاة الخارجة (٣٩٩/٧) رقم الحديث: ١٩٤٨٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن خارجة بن حذافة قال: [أبو الوليد العدوي خرج علينا رسول الله ﷺ،] فقال: إن الله تعالى قد أمركم [أمدكم] بصلاة، وهي خير لكم من حمر النعم، وهي الوتر، فجعلها لكم فيما بين صلاة العشاء إلى أن يطلع الفجر. رواه أحمد وأبو داود الترمذي وابن ماجة والدار قطني والحاكم.[١]

وعن ابن عباس، عن النبي ﷺ قال: الوتر واجب على كل مسلم. رواه البزار.[٢]

وعن أبي بصرة الغفاري قال: قال رسول الله ﷺ: إن الله تعالى زادكم صلاة فصلوها فيما بين صلاة العشاء إلى صلاة الفجر الوتر الوتر. رواه أحمد وابن قانع.[٣]

وعن عمرو بن شعيب، عن أبيه، عن جده، أن رسول الله ﷺ قال: إن الله زادكم صلاة، فحافظوا عليها، وهي الوتر. رواه أحمد ومحمد بن نصر.[٤]

وعن أبي سعيد، قال: قال رسول الله ﷺ: من نام عن وتره أو نسيه فليصله إذا ذكره، وإذا استيقظ. رواه أحمد وأبو داود والترمذي وابن ماجة وأبو يعلى والدار قطني والحاكم والضياء المقدسي.[٥]

---

١) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب استحباب الوتر (٦١/٢) رقم الحديث: ١٤١٨. والترمذي في "جامعه" أبواب الوتر، باب ما جاء في فضل الوتر (٣١٤/٢) رقم الحديث: ٤٥٢. وابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء في الوتر (٣٦٩/١) رقم الحديث: ١١٦٨. وأحمد في "مسنده" مسند خارجة بن حذافة العدوي (٤٤٢/٣٩). والدار قطني في "سننه" كتاب الوتر، باب فضيلة الوتر (٣٥٢/٢) رقم الحديث: ١٦٥٦ والحاكم في "المستدرك" كتاب الوتر، وأما حديث بكر بن وائل (٤٤٨/١) رقم الحديث: ١١٤٨.

٢) أخرجه البزار في "مسنده" مسند عبد الله بن مسعود، إبراهيم عن الأسود (٦٧/٥) رقم الحديث: ١٦٣٧. [فيه: عن عبد الله بن مسعود]

٣) أخرجه أحمد في "مسنده" أحاديث رجال من أصحاب النبي ﷺ، حديث أبي بصرة الغفاري (٢٧١/٣٩) رقم الحديث: ٢٣٨٥١، (٢٠٤/٤٥) رقم الحديث: ٢٧٢٢٩. والطبراني في "المعجم الكبير" باب الجيم، باب (٢٧٩/٢) رقم الحديث: ٢١٦٨. وابن قانع في "معجم الصحابة" باب الجيم، أبو بصرة جميل بن بصرة بن ربيعة بن حرام بن غفار بن مليل بن ضمرة بن بكر بن عبد مناة بن كنانة (١٥٠/١).

٤) أخرجه أحمد في "مسنده" مسند المكثرين من الصحابة، مسند عبد الله بن عمرو بن العاص (٥١٦/١١) رقم الحديث: ٦٩١٩. ومحمد بن نصر في "صلاة الوتر" باب الترغيب في الوتر والحث عليه (٢٦٨).

٥) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في الدعاء بعد الوتر (٦٥/٢) رقم الحديث: ١٤٣١. والترمذي في "جامعه" أبواب الوتر، باب ما جاء في الرجل ينام عن الوتر أو ينساه (٣٣٠/٢) رقم الحديث: ٤٦٥. وابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب من نام عن وتر أو نسيه (٣٧٥/١) رقم

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب الأذان

فصل في كيفية ابتداء الأذان [1]

عبد الرحمن بن أبي ليلى رحمه الله قال: أحيلت الصلاة ثلاثة أحوال، قال: وحدثنا أصحابنا: أن رسول الله ﷺ قال: لقد أعجبني أن تكون صلاة المسلمين، أو قال المؤمنين واحدة، حتى لقد هممت أن أبث رجالا في الدور ينادون الناس بحين الصلاة، حتى هممت أن آمر رجالا يقومون على الآطام ينادون المسلمين بحين الصلاة، حتى نقسوا أو كادوا أن ينقسوا، فجاء رجل من الأنصار، فقال: يا رسول الله إني لما رجعت، لما رأيت من اهتمامك، رأيت رجلا كأن عليه ثوبين أخضرين، فقام على المسجد فأذن، ثم قعد قعدة، ثم قام، فقال مثلها، إلا أنه يقول: قد قامت الصلاة، ولولا أن يقول الناس، وقال ابن المثنى: أن تقولوا، لقلت: إني كنت يقظانا غير نائم، فقال رسول الله ﷺ وفي رواية ابن المثنى: لقد أراك الله خيرا، ولم يقل عمرو في روايته: لقد أراك الله خيرا -فمر بلالا فليؤذن، قال: فقال عمر: أما إني قد رأيت مثل الذي رأى، ولكني لما سبقت استحييت.

وفي رواية: فقال له: ما منعك أن تخبرنا؟ فقال: سبقني عبد الله بن زيد، فاستحييت.

وأخرج الترمذي طرفا، قال عبد الرحمن بن أبي ليلى: إن عبد الله بن زيد رأى الأذان في المنام. وفي رواية، قال: حدثنا أصحاب محمد ﷺ: أن عبد الله بن زيد رأى الأذان في المنام.

قال الترمذي: وهذه أصح من الأولى، لأن عبد الرحمن لم يسمع من عبد الله بن زيد.[2]

الحديث: ١١٨٨. وأحمد في "مسنده" مسند المكثرين من الصحابة، مسند أبي سعيد الخدري (١٧/٣٦٦) رقم الحديث: ١١٢٦٤، (١٧/٤٨٥) رقم الحديث: ١١٣٩٥. وأبو يعلى في "مسنده" من مسند أبي سعيد الخدري (٢/٣٦١) رقم الحديث: ١١١٤، (٢/٤٠٧) رقم الحديث: ١١٩٠، (٢/٤٦٧) رقم الحديث: ١٢٨٩. والدار قطني في "سننه" كتاب الوتر، من نام عن وتره أو نسيه (٢/٣٣٩) رقم الحديث: ١٦٣٧، ١٦٣٨. والحاكم في "المستدرك" كتاب الوتر (١/٤٤٣) رقم الحديث: ١١٢٧.

١) قوله الأذان: قال تعالى: وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّن دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا، الآية [فصلت: ٣٣] قيل: نزلت في المؤذنين. وقال تعالى: وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ اتَّخَذُوهَا هُزُوًا وَلَعِبًا ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُونَ. [المائدة: ٥٨.] وقال تعالى: إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ، الآية. [الجمعة: ٩.] (الأعظمي.)

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب بدء الأذان (١/١٣٤) رقم الحديث: ٤٩٨، باب كيف الأذان (١/١٣٨) رقم الحديث: ٥٠٦، ٥٠٧. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء أن الإقامة مثنى مثنى (١/-٣٧) رقم الحديث: ١٩٤.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن عبد الله بن زيد ﷺ قال: لما أمر رسول الله ﷺ بالناقوس يعمل ليضرب به للناس لجمع الصلاة. الحديث. ذكره في المشكاة.(١)

وذكر في "جامع الأصول" بعد قوله:(٢) فلله الحمد.(٣)

وقال أبو داود: قال فيه ابن إسحاق عن الزهري: الله أكبر الله أكبر الله أكبر الله أكبر. فقال معمر ويونس عن الزهري: الله أكبر الله أكبر. لم يثنيا.

وفي أخرى، قال: أراد النبي ﷺ في الأذان أشياء، لم يصنع منها شيئا، قال فرأى عبد الله بن زيد الأذان في المنام فأتى النبي ﷺ فأخبره، فقال: ألقه على بلال. فألقاه عليه، فأذن، فقال عبد الله: أنا رأيته، وأنا كنت أريده، قال: فأقم أنت.

وأخرجه الترمذي عن عبد الله بن زيد، قال: لما أصبحنا أتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فأخبرته بالرؤيا، فقال: إن هذه لرؤيا حق، فقم مع بلال، فإنه أندى، وأمد صوتا منك، فألق عليه ما قيل لك، ولينادِ بذلك.

وقال الترمذي. وقد روى هذا الحديث إبراهيم بن سعد عن محمد بن إسحاق أتم من هذا الحديث وأطول، وذكر قصة الأذان مثنى مثنى، والإقامة مرة. وله في أخرى، قال: كان أذان رسول الله ﷺ شفعا شفعا، في الأذان والإقامة.(٤)

وفي رواية: فلما أصبحت أتيت رسول الله ﷺ، فأخبرته بما رأيت قال: فقال رسول الله ﷺ: إن هذه لرؤيا حق إن شاء الله، ثم أمر بالتأذين، فكان بلال مولى أبي بكر يؤذن بذلك، ويدعو رسول الله ﷺ إلى الصلاة، قال: فجاءه فدعاه ذات غداة إلى الفجر، فقيل

---

١) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب كيف الأذان (١/١٣٥) رقم الحديث: ٤٩٩. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في بدء الأذان (١/٣٥٨) رقم الحديث: ١٨٩. والتبريزي في "مشكاة المصابيح" كتاب الصلاة، باب الأذان، الفصل الثالث (١/٢٠٥) رقم الحديث: ٦٥٠.

٢) أي قول عمر ﷺ.

٣) ابن الأثير "جامع الأصول" حرف الصاد، الكتاب الأول في الصلاة، القسم الأول في الفرائض وأحكامها، الباب الأول في الصلاة وأحكامها، الفصل الثالث في الأذان والإقامة، الفرع الأول في بدء الأذان (٥/٢٧٧) رقم الحديث: ٣٣٥٦

٤) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب كيف الأذان (١/١٣٥) رقم الحديث: ٤٩٩، باب في الرجل يؤذن ويقيم آخر (١/١٤١) رقم الحديث: ٥١٢. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في بدء الأذان (١/٣٥٨) رقم الحديث: ١٨٩.

toobaa-elibrary.blogspot.com

له: إن رسول الله ﷺ نائم، قال: فصرخ بلال بأعلى صوته الصلاة خير من النوم، قال سعيد بن المسيب: فأدخلت هذه الكلمة في التأذين إلى صلاة الفجر. رواه أحمد بن حنبل في مسنده، وروي الترمذي هذا الطرف منه، وقال: حديث حسن صحيح.(١)

وقال الخطابي: قلت: روي هذا الحديث والقصة بأسانيد مختلفة وهذا الإسناد أصحها. (٢)

أقول: وحديث عبد الله بن ثعلبة بن عبد ربه، ورؤية عمر بن الخطاب، وقد وقع في الأوسط للطبراني (٣): أن أبا بكر الصديق ﷺ أيضا رأى الأذان، وفي الوسيط للغزالي (٤): أنه رآه بضعة عشر رجلا، وصرح بعضهم بأربعة عشر، وأنكره ابن الصلاح والنووي، وفي سيرة مغلطاي: أنه رآه سبعة من الأنصار.

وقال الحافظ ابن حجر (٥): لا يثبت شيء من ذلك إلا لعبد الله بن زيد، وقصة عمر ﷺ جاءت في بعض الطرق، والصحيح أنه أوحي إليه ﷺ بعد رؤيا عبد الله بن زيد، وهو المراد بقوله ﷺ حين ذكر عبد الله بن زيد رؤياه: إنما لرؤيا حق إن شاء الله، ترقبا منه ﷺ لنزول الوحي بذلك.

وقد وقع فيما رواه عبد الرزاق وأبو داود في المراسيل (٦) من طريق عبيد بن عمير الليثي -أحد كبار التابعين- أن عمر لما رأى الأذان جاء ليخبر النبي ﷺ، فقال له ﷺ: قد سبقك بذلك الوحي، وهذا أصح. وقد روى البزار(٧) عن علي ﷺ أنه قال: لما أراد الله أن يعلم رسوله الأذان جاء جبرئيل عليه السلام بدابة يقال لها: البراق، فركبها حتى أتى بها الحجاب الذي يلي الرحمن، فبينما هو كذلك إذ خرج ملك من الحجاب فقال: يا جبرئيل

---

١) أخرجه أحمد في "مسنده" مسند المدنيين، حديث عبد الله بن زيد بن عبد ربه (٣٩٩/٢٦) رقم الحديث: ١٦٤٧٧. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في بدء الأذان (٣٥٨/١) رقم الحديث: ١٨٩.

٢) معالم السنن، كتاب الصلاة، باب كيف الأذان (١٥٢/١)

٣) أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط" باب الألف، من اسمه أحمد (٢٩٣/٢) رقم الحديث: ٢٠٢٠.

٤) الوسيط في المذهب: ٤٢/٢.

٥) فتح الباري: ٧٨/٢.

٦) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الصلاة، باب بدء الأذان (٤٥٦/١) رقم الحديث: ١٧٧٥. وأبو داود في "المراسيل" كتاب الطهارة، باب ما جاء في الأذان (٨١) رقم الحديث: ٢٠.

٧) أخرجه البزار في "مسنده" مسند علي بن أبي طالب. الحسين بن علي عن علي (١٤٦/٢) رقم الحديث: ٥٠٨.

toobaa-elibrary.blogspot.com

من هذا؟ فقال: والذي بعثك بالحق إني لأقرب الخلق مكانا وإن هذا الملك ما رأيته منذ خلقت قبل ساعتي هذه، فقال الملك: الله أكبر، الله أكبر، فقيل له من وراء الحجاب: صدق عبدي أنا أكبر أنا أكبر، وذكر بقية الأذان.

ووردت فيه أحاديث أخر كلها ضعيفة مخالفة لما ورد في الخبر الصحيح من أن بدء الأذان كان بالمدينة، وقيل: إنه ﷺ أريه ليلة الإسراء، أو فهو قد شرع بمكة قبل الهجرة.

وقال في فتح الباري [١]: والحق أنه لا يصح شيء من هذه الأحاديث، وقد جزم ابن المنذر بأنه ﷺ كان يصلي بغير أذان منذ فرضت الصلاة بمكة إلى أن هاجر إلى المدينة؛ وإلى أن وقع التشاور، وأيد ذلك بأنه لو كان مشروعا قبل ذلك لما احتاج إلى التشاور، وقد يقال: الذي سمع ليلة الإسراء هو كلمات الأذان من غير أن يؤمر بإقامته وقت الصلاة، وعلم بعد رؤيا القوم أن مراد الله بما أراه في السماء أن يكون سنة في الأرض، والله أعلم.

وعن أبي عمير بن أنس رحمه الله عن عمومة له من الأنصار قال: اهتم رسول الله ﷺ للصلاة كيف يجمع الناس لها؟ فقيل انصب راية عند حضور الصلاة؛ فإذا رأوها آذن بعضهم بعضا، فلم يعجبه ذلك، فذكر له القنع وهو شبور اليهود فلم يعجبه ذلك، فقال: هو من أمر اليهود، فذكر له [٢] الناقوس، فقال: هو من أمر النصارى، فانصرف عبد الله بن زيد الأنصاري، وهو مهتم لهم رسول الله ﷺ فأري الأذان في منامه، فغدا على رسول الله ﷺ فأخبره، فقال: يا رسول الله، إني لبين نائم ويقظان، إذ أتاني آت فأراني الأذان، وكان عمر بن الخطاب قد رآه قبل ذلك فكتمه عشرين يوما، ثم أخبر رسول الله ﷺ، فقال له: ما منعك أن تخبرنا؟ فقال: سبقني عبد الله بن زيد، فاستحييت، فقال رسول الله ﷺ، قم يا بلال، فانظر ما يأمرك به عبد الله بن زيد فافعل، فأذن بلال، قال بعضهم: إن الأنصار تزعم: لولا أن عبد الله بن زيد كان يومئذ مريضا لجعله رسول الله ﷺ مؤذنا. أخرجه أبو داود. [٣]

---

١) فتح الباري: ٧٩/٢.
٢) قوله فذكر: أي ذكر الصحابة لإعلام وقت الصلاة النار والناقوس والقرن، وفي كل ذلك تشبه باليهود والنصارى، فلم يعجبه ﷺ؛ أي ذكر جمع من الصحابة النار، وجمع منهم الناقوس، وهي خشبة طويلة يضربها النصارى بأخرى أقصر منها لإعلام وقت الصلاة، وجمع منهم القرن؛ لأن فريقا منهم اليهود ينفخون في القرن، وفي كل ذلك تشبه باليهود والنصارى فلم يعجبه ﷺ. [الأعظمي.]
٣) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب بدء الأذان (١٣٤/١) رقم الحديث. ٤٩٨.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن الشعبي أن رسول الله ﷺ اهتم بالصلاة اهتماما شديدا تبين ذلك فيه، وكان مما اهتم به من أمر الصلاة أن ذكر الناقوس فقال: هو من أمر النصارى، ثم أراد أن يبعث رجالا يؤذنون الناس بالصلاة في الطرق، ثم قال: أكره أن أشغل رجالا عن صلاتهم بصلاة غيرهم، فانصرف عبد الله بن زيد مهتما بهم النبي ﷺ فأتاه آت فيما يرى النائم فقال له: ائت رسول الله ﷺ فمره فليأمر رجلا فليؤذن عند حضور الصلاة يقول: الله أكبر الله أكبر أشهد أن لا إله إلا الله، ثم يعيد الشهادة، أشهد أن محمدا رسول الله أشهد أن محمدا رسول الله حي على الصلاة حي على الصلاة، حي على الفلاح حي على الفلاح، الله أكبر الله أكبر لا إله إلا الله، ثم يمهل حتى يستيقظ النائم ويتوضأ من أراد أن يتوضأ، ثم يقول مثل ما أذن حتى إذا بلغ حي على الفلاح حي على الفلاح، قال: قد قامت الصلاة قد قامت الصلاة الله أكبر الله أكبر، فقال عمر ابن الخطاب: أنا قد أتاني مثل الذي قد أتاه ولكن سبقني عبد الله بن زيد، فقال رسول الله ﷺ: يا بلال انظر ما يأمرك به عبد الله بن زيد فاصنعه. رواه سعيد بن منصور في سننه.(١)

تنبيه في الخلاف في هذا الباب

بقي الكلام في الخلاف في هذا الباب، وهو في موضعين، **أحدهما**: الشفع الأذان والإيتار في الإقامة، وبهذا قال الأئمة ثلاث، ومتمسكهم حديث أنس للبخاري ومسلم، فأمر بلالا أن يشفع الأذان وأن يوتر الإقامة. قال الترمذي: وفي الباب عن ابن عمر، وقال: حديث أنس صحيح، وهو قول بعض أهل العلم من أصحاب النبي ﷺ والتابعين وقول مالك و الشافعي وأحمد وإسحاق، وأورد حديثا آخر عن عبد الرحمن بن ليلى عن عبد الله بن زيد قال: كان أذان رسول الله ﷺ شفعا شفعا والإقامة مثنى مثنى، وبه يقول سفيان الثوري وابن المبارك وأهل الكوفة، انتهى.(٢)

---

١) **أخرجه البوصيري في "إتحاف الخيرة"** كتاب الأذان، باب بدء الأذان وصفته (١/٤٧١) رقم الحديث: ٨٧٤. **وابن حجر في "المطالب العالية"** كتاب الصلاة، باب الأذان (٣/٦٣) رقم الحديث: ٢٢٤. **والضياء المقدسي كما في "كنز العمال"** حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأفعال، الباب الخامس في الجماعة وفضلها وأحكامها، فصل في الأذان (٨/٣٣٤) رقم الحديث: ٢٣١٥١.

٢) **أخرجه الترمذي في "جامعه"** أبواب الصلاة، باب ما جاء أن الإقامة مثنى مثنى (١/٣٧٠) رقم الحديث: ١٩٤.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقال الشيخ ابن الهمام:[١] روى أبو داود عن ابن أبي ليلى عن معاذ ﷺ، وذكر الحديث بطوله إلى أن قال: "فاستقبل القبلة" يعني الملك "قال: الله أكبر" إلى آخر الأذان، قال: "ثم أمهل هنية، ثم قام فقال مثلها إلا أنه زاد بعد ما قال: حي على الفلاح: قد قامت الصلاة"، وقال: إن ابن أبي ليلى لم يدرك معاذا، وهو مع ذلك حجة عندنا، إذ روى ابن أبي شيبة[٢] عن عبد الرحمن بن أبي ليلى بسند قال في "الإمام": رجاله رجال الصحيحين، قال: "ثنا أصحاب محمد ﷺ أن عبد الله بن زيد الأنصاري جاء إلى النبي ﷺ فقال: يا رسول الله رأيت في المنام كأن رجلا قام وعليه بردان أخضران، فقام على حائط، فأذن مثنى مثنى" الحديث، ولابن ماجه قال -يعني أبا محذورة-: "علمني رسول الله ﷺ الأذان تسع عشرة كلمة: الله أكبر الله أكبر"، الحديث، وفيه الترجيع، والإقامة سبع عشرة كلمة: الله أكبر الله أكبر، إلى آخره، وفيه تثنية الشهادين والحيعلتين، وقد قامت الصلاة، وللترمذي: علمه الأذان تسع عشرة كلمة، والإقامة سبع عشرة.

وأما الاستدلال للشافعي رحمه الله بالحديث المتفق عليه فلا يخفى أن ما رويناه نص على العدد، وعلى حكاية كلمات الأذان، فانقطع الاحتمال بالكلية، بخلاف: أمر أن يوتر الإقامة، فإن بعد كون الآمر هو الشارع، فالإقامة اسم لمجموع الذكر، وتعليق الإيتار بها نفسها لا يراد على ظاهره، وهو أن يقول: الإقامة التي هي مجموع الذكر مرة لا مرتين، فلزم كونه إما إيتار ألفاظها كما ذهب إليه، أو إيتار صوتها بأن يحدر فيها كما هو المتوارث، فيجب الحمل على الثاني ليوافق ما رويناه من النص الغير المحتمل. كيف وقد قال الطحاوي: تواترت الأخبار عن بلال ﷺ أنه كان يثني الإقامة حتى مات، وعن إبراهيم النخعي: كانت الإقامة مثل الأذان، حتى كان هؤلاء الملوك فجعلوها واحدة واحدة للسرعة إذا خرجوا، يعني: بني أمية، كما قال أبو الفرج ابن الجوزي: كان الأذان والإقامة مثنى مثنى، فلما قام بنو أمية أفردوا الإقامة، انتهى كلام ابن الهمام.

وقال الشمني: روى الطحاوي والبيهقي في "الخلافيات" عن أبي العميس قال: سمعت عبد الله بن محمد بن عبد الله بن زيد الأنصاري يحدث عن أبيه عن جده: "أنه رأى الأذان مثنى مثنى والإقامة مثنى مثنى".

---

١) فتح القدير: ٢٤٣/١.

٢) أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الأذان والإقامة، باب ما جاء في الأذان والإقامة كيف هو؟ (١٨٥/١) رقم الحديث: ٢١١٨.

toobaa-elibrary.blogspot.com

والثاني في الترجيع: والترجيع بمعنى معاودة الكلام، وفي اصطلاح الفقهاء: هو إعادة الشهادتين بعد ذكرهما في الأذان بصوت أرفع من الصوت الأول، وهو سنة عند مالك والشافعي رحمهما الله، واختلفت الرواية عن أحمد، وظاهر مذهبه عدم الترجيع، وقال أئمة مذهبه: الخلاف في الاختيار، ولا خلاف في جواز الأمرين من غير كراهة، وقيل عنه: يكره الترجيع، ونقل عنه: أنه قال: قد رجع النبي ﷺ عن أذان أبي محذورة، فأقر بلالا على أذان عبد الله بن زيد، ولا ينافيه ما قيل: إن أذان عبد الله بن زيد كان بالمدينة، وأذان أبي محذورة كان بعد فتح مكة، فتأمل.

والترجيع ليس بسنة عندنا.

وقال في الهداية:[1] ولنا أنه لا ترجيع في المشاهير، وكان ما رواه تعليما فظنه ترجيعا.

وقال الشيخ ابن الهمام:[2] منها حديث عبد الله بن زيد بجميع طرقه، ومنها ما في "سنن أبي داود" عن ابن عمر رضي الله عنهما، ورواه ابن خزيمة وابن حبان، فاحتمل أن يكون ذلك في حديث أبي محذورة؛ لأنه لم يمد بها صوته على الوجه الذي أراده النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: "ارجع فمد بها صوتك"، وهو المراد بقول المصنف: "وكان ما رواه تعليما" أي: تعليما لكيفية أذانه، فظنه ترجيعا، واستشكل بما في "أبي داود" بإسناد صحيح عن أبي محذورة قال: قلت: يا رسول الله! علمني سنة الأذان، قال: "تقول: الله أكبر الله أكبر الله أكبر الله أكبر، أشهد أن لا إله إلا الله أشهد أن لا إله إلا الله، أشهد أن محمدا رسول الله أشهد أن محمدا رسول الله، تخفض بها صوتك، ثم ترفع بها صوتك"، هذا وقد روى الطبراني عن أبي محذورة ولم يذكر فيه ترجيعا، فيعارض رواية أبي محذورة فيتساقطان، ويبقى ما قدمناه من حديث ابن عمر، وحديث عبد الله بن زيد سالما من المعارض، ويترجح عدم الترجيع؛ لأن حديث عبد الله بن زيد هو الأصل في الأذان، وليس فيه ترجيع، فيبقى معه إلى أن يتحقق خلافه، لكن خلافه متعارض فلا يرفع حكما تحقق ثبوته بلا معارض، انتهى.

وقال التوربشتي: حديث أبي محذورة عند من لا يرى الترجيع مؤول على أن أبا محذورة لم يرفع صوته بتلك الكلمات التي هي علم الإيمان ومنار التوحيد، فأمره أن يرجع فيمد بها

---

(1) الهداية: ١/٤٣.

(2) فتح القدير: ١/٢٤١-٢٤٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

صوته، ذكر ذلك أبو بكر الرازي، وهو تأويل حسن مستقيم، تشهد له قصة الحال بالإصابة. وذلك أن أبا محذورة كان في جماعة من مشركي مكة، شردوا في الجبال بعد فتح مكة، فسمعوا منادي رسول الله ﷺ ينادي بالصلاة، فطفقوا ينادون ويستهزؤون به، فبلغ الصوت رسول الله ﷺ فأرسل في طلبهم، فأتي بهم، فقال: أيكم الذين سمعت صوتهم؟ فأشاروا إلى أبي محذورة فأطلقهم وحبسه.

ثم قال: قم فأذن بالصلاة، فقال أبو محذورة: فقمت ولا شيء أكره إلي من رسول الله ﷺ ولا مما يأمرني به، فقمت بين يديه فألقى إلي التأذين هو بنفسه، وذكر الحديث، فكأنه لشدة كراهته تهاون في رفع الصوت، فأمره أن يرجع، فيها صوته بالشهادتين؛ لأنهما كانتا هما الموجبتين لكراهته.

وقال: وعلى هذا الذي ذكرت أراه محتملا لوجه آخر، وهو أن يكون قصد النبي ﷺ في الشهادتين عرض الإسلام عليه، وإنما أوضحنا التأويل؛ لأن الترجيع لم يذكر في شيء من الأحاديث إلا في حديث أبي محذورة، لا في حديث بلال، وهو زعيم المؤذنين، وإليه المرجع في سنة الأذان فهو المتبوع، ولم يرو عن ابن أم مكتوم ولا عن سعد القرظ مؤذن مسجد قباء، ولم ينقل عن أحد الترجيع إلا ما روي عن أبي محذورة، وما يدل على أن الترجيع من صلب الأذان كقوله: "علمني الأذان تسع عشرة كلمة"، والأشبه أنه حسب ذلك لقصور فهمه ساعتئذ عما خوطب به، ولا شبهة في هذا، فقد ابتلي بأعظم من ذلك من هو أقدم منه صحبة وأوفر علما، انتهى.

وذكر السغناقي من الأسرار: أن النبي ﷺ أمر أبا محذورة بذلك لحكمة رويت في قصته، وهي أن أبا محذورة كان يبغض رسول الله ﷺ قبل الإسلام أشد البغض، فلما أسلم أمره رسول الله بالأذان، فلما بلغ كلمات الشهادة خفض صوته حياء من قومه، فدعاه رسول الله ﷺ وعرك أذنه وقال له: ارجع وامدد بها صوتك.

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب فضل الأذان وأحكامه وإجابة الأذان

عن سهيل، قال: أرسلني أبي إلى بني حارثة، قال: ومعي غلام لنا أو صاحب لنا، فناداه مناد من حائط باسمه قال: وأشرف الذي معي على الحائط فلم ير شيئا، فذكرت ذلك لأبي فقال: لو شعرت أنك تلق هذا لم أرسلك، ولكن إذا سمعت صوتا فناد بالصلاة فإني سمعت أبا هريرة يحدث عن رسول الله ﷺ أنه قال: إن الشيطان إذا نودي بالصلاة ولى وله حصاص.

وعن أبي هريرة، أن النبي ﷺ قال: إذا نودي للصلاة أدبر الشيطان له ضراط، حتى لا يسمع التأذين، فإذا قضي التأذين أقبل حتى إذا ثوب بالصلاة أدبر حتى إذا قضي التثويب، أقبل حتى يخطر بين المرء ونفسه يقول له: اذكر كذا واذكر كذا لما لم يكن يذكر من قبل حتى يظل الرجل ما يدري كم صلى. رواه مسلم، وللبخاري مثله ماعدا قصة سهل. (١)

وعن أبي درداء قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: ما من ثلاثة في قرية ولا بدو فلا يؤذن لا تقام فيهم الصلاة إلا قد استحوذ عليهم الشيطان، فعليكم بالجماعة، فإنما يأكل الذئب القاصية. رواه أحمد. (٢)

وعن زيد بن أرقم، قال: قال النبي ﷺ: بلال سيد المؤذنين يوم القيامة ولا يتبعه إلا مؤمن، والمؤذنون أطول الناس أعناقا يوم القيامة. رواه ابن أبي شيبة. (٣)

---

١) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب فضل الأذان وهرب الشيطان عند سماعه (٢٩١/١) رقم الحديث: ٣٨٩. والبخاري في "صحيحه" كتاب الجمعة، باب يفكر الرجل الشيء في الصلاة (٦٧/٢) رقم الحديث: ١٢٢٢، باب السهو في الفرض والتطوع (٦٩/٢) رقم الحديث: ١٢٣٢، كتاب بدء الخلق، باب صفة إبليس وجنوده (١٢٤/٤) رقم الحديث: ٣٢٨٥

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في التشديد في ترك الجماعة (١٥٠/١) رقم الحديث: ٥٤٧ والنسائي في "سننه" كتاب الإمامة، باب التشديد في ترك الجماعة (١٠٦/٢) رقم الحديث: ٨٤٧. وأحمد في "مسنده" تتمة مسند الأنصار، حديث أبي الدرداء (٤٢/٣٦) رقم الحديث: ٢١٧١٠، بقية حديث أبي الدرداء (٥٠٦/٤٥) رقم الحديث: ٢٧٥١٣، ٢٧٥١٤.

٣) أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الأذان والإقامة، باب في فضل الأذان وثوابه (٢٠٤/١) رقم الحديث: ٢٣٤٣

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أبي هريرة قال: كنا مع رسول الله ﷺ، فقام بلال ينادي، فلما سكت قال رسول الله ﷺ: من قال مثل هذا يقينا دخل الجنة. أخرجه النسائي. (١)

وعن الحسن البصري قال: أهل الصلاح والحسبة من المؤذنين أول من يكسى يوم القيامة. رواه ابن أبي شيبة. (٢)

وعن أبي سعيد الخدري: أن رسول الله ﷺ قال: إذا سمعتم النداء، فقولوا مثل ما يقول المؤذن. أخرجه الجماعة. (٣)

وعن البراء بن عازب، أن نبي الله ﷺ قال: إن الله وملائكته يصلون على الصف المقدم، والمؤذن يغفر له بمد صوته ويصدقه من سمعه من رطب ويابس، وله مثل أجر من صلى معه. أخرجه النسائي. (٤)

وعن عاصم بن بهدلة قال: مر رجل على زر بن حبيش وهو يؤذن، فقال: يا أبا مريم أتؤذن؟ إني لأرغب بك عن الأذان، فقال زر: أترغب بي عن الفضل؟ والله لا أكلمك. أخرجه ... (٥)

وعن أبي هريرة ﷺ قال: لا ينادي بالصلاة إلا متوضئ. وفي رواية: أن النبي ﷺ قال: لا يؤذن إلا متوضئ. أخرجه الترمذي، قال: والأول أصح. (٦)

---

١) أخرجه النسائي في "سننه" كتاب الأذان، باب ثواب ذلك (٢٤/٢) رقم الحديث: ٦٧٤.

٢) أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الأذان والإقامة، باب في فضل الأذان وثوابه (٢٠٤/١) رقم الحديث: ٢٣٤٢.

٣) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الأذان، باب ما يقول إذا سمع المنادي (١٢٦/١) رقم الحديث: ٦١١. ومسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه (٢٨٨/١) رقم الحديث: ٣٨٣. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب ما يقول إذا سمع المؤذن (١٤٤/١) رقم الحديث: ٥٢٢. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما يقول إذا أذن المؤذن (٤٠٨/١) رقم الحديث: ٢٠٨. والنسائي في "سننه" كتاب الأذان، باب القول مثل ما يقول المؤذن (٢٣/٢) رقم الحديث: ٦٧٣. وابن ماجه في "سننه" كتاب الأذان والسنة فيها، باب ما يقال إذا أذن المؤذن (٢٣٨/١) رقم الحديث: ٧٢٠.

٤) أخرجه النسائي في "سننه" كتاب الأذان، باب رفع الصوت بالأذان (١٢/٢) رقم الحديث: ٦٤٦.

٥) أخرجه ابن الأثير في "جامع الأصول" حرف الفاء، الكتاب الأول في الفضائل والمناقب، الباب التاسع في فضائل الأعمال والأقوال، الفصل الثالث في فضل الأذان والمؤذن (٣٨٧/٩) رقم الحديث: ٧٠٤٠.

٦) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في كراهية الأذان بغير وضوء (٣٨٩/١) رقم الحديث: ٢٠٠، ٢٠١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن زياد بن الحارث الصدائي، قال: لما كان أول أذان الصبح أمرني يعني النبي صلى الله عليه وسلم فأذنت،[1] فجعلت أقول: أقيم يا رسول الله؟ فجعل ينظر إلى ناحية المشرق إلى الفجر، فيقول: لا، حتى إذا طلع الفجر [نزل] فبرز، ثم انصرف إلي وقد تلاحق أصحابه - يعني فتوضأ - فأراد بلال أن يقيم، فقال له نبي الله ﷺ: إن أخا صداء هو أذن ومن أذن فهو يقيم، [قال:] فأقمت. رواه أبو داود.[2]

وعن عبد الله بن زيد، رائي الأذان، قال: فجئت إلى رسول الله ﷺ فأخبرته فقال: ألقه على بلال، فألقيته فأذن، قال: فأراد أن يقيم، فقلت: يا رسول الله، أنا رأيت أريد أن أقيم، قال: فأقم أنت، فأقام هو وأذن بلال. رواه أحمد وأبو داود.[3]

وعن سماك بن حرب أنه سمع جابر بن سمرة ﷺ يقول: كان مؤذن رسول الله صلى الله عليه وسلم يمهل فلا يقيم، حتى إذا رأى رسول الله قد خرج أقام الصلاة حين يراه. أخرجه الترمذي.

وفي رواية مسلم: قال: كان بلال يؤذن إذا دحضت الشمس، فلا يقيم حتى يخرج النبي ﷺ، فإذا خرج أقام الصلاة حين يراه.

وفي رواية أبي داود، قال: كان يؤذن، ثم يمهل، فإذا رأى النبي ﷺ قد خرج أقام الصلاة. وله في أخرى: كان بلال يؤذن إذا دحضت الشمس، لم يزد.[4]

وعن أبي بكرة ﷺ قال: خرجت مع النبي ﷺ لصلاة الصبح، فكان لا يمر برجل إلا ناده بالصلاة، أو حركه برجله. أخرجه أبو داود.[5]

---

١) فأذنت.

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في الرجل يؤذن ويقيم آخر (١/١٤٢) رقم الحديث: ٥١٤.

٣) أخرجه أحمد في "مسنده" مسند المدنيين، مسند عبد الله بن زيد بن عبد ربه صاحب الأذان عن النبي صلى الله عليه وسلم (٢٦/٣٩٧) رقم الحديث: ١٦٤٧٦. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في الرجل يؤذن ويقيم آخر (١/١٤١) رقم الحديث: ٥١٢.

٤) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب متى يقوم الناس للصلاة (١/٤٢٣) رقم الحديث: ٦٠٦. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في المؤذن ينتظر الإمام (١/١٤٨) رقم الحديث: ٥٣٧، باب في وقت صلاة الظهر (١/١١١) رقم الحديث: ٤٠٣. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء أن الإمام أحق بالإقامة (١/٣٩١) رقم الحديث: ٢٠٢.

٥) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب الاضطجاع بعدها (٢/٢١) رقم الحديث: ١٢٦٤.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن نافع مولى ابن عمر ﷺ: أن ابن عمر كان لا يزيد على الإقامة في السفر إلا في الصبح، فإنه كان ينادي فيها، ويقيم وكان يقول: إنما الأذان للإمام الذي يجتمع الناس إليه. أخرجه الموطأ. (١)

وعن أبي جحيفة ﷺ: أنه رأى بلالا يؤذن، قال: فجعلت أتتبع فاه هاهنا وهاهنا بالأذان.

وفي رواية قال: فجعلت أتتبع فاه هاهنا وهاهنا، يمينا وشمالا، يقول: حي على الصلاة، حي على الصلاة، حي على الفلاح، حي على الفلاح.

وأخرجه الترمذي، قال: رأيت بلالا يؤذن ويدور، ويتبع فاه هاهنا وهاهنا، وإصبعاه في أذنيه. رواه الجماعة الا الموطأ. (٢)

وعنه قال: كان بلال إذا أذن وضع أصبعيه في أذنيه واستدار في أذانه. (٣)

وعن أبي معشر قال: بلغني أن عمر بن الخطاب قال: لو كنت مؤذنا لم أبال ألا أحج ولا أعتمر إلا حجة الإسلام، ولو كانت للملائكة نزولا ما غلبهم أحد على الأذان. رواه ابن زنجويه. (٤)

---

١) أخرجه مالك في "الموطأ" كتاب الصلاة، باب النداء في السفر وعلى غير وضوء (١/٧٣) رقم الحديث: ١١.

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الوضوء، باب استعمال فضل وضوء الناس (١/٤٩) رقم الحديث: ١٨٧، كتاب الصلاة ، باب الصلاة في الثوب الأحمر (١/٨٤) رقم الحديث: ٣٧٦، باب سترة الإمام سترة من خلفه (١/١٠٦) رقم الحديث: ٤٩٥، باب الصلاة إلى العنزة (١/١٠٦) رقم الحديث: ٤٩٩، باب السترة بمكة وغيرها (١/١٠٦) رقم الحديث: ٥٠١، كتاب الأذان، باب الأذان للمسافرين إذا كانوا جماعة (١/١٢٩) رقم الحديث: ٦٣٣، باب هل يتبع المؤذن فاه هاهنا وهاهنا (١/١٢٩) رقم الحديث: ٦٣٤، كتاب المناقب، باب صفة النبي ﷺ (٤/١٨٨) رقم الحديث: ٣٥٥٣، (٤/١٩٠) رقم الحديث: ٣٥٦٦، كتاب اللباس، باب التشمر في الثياب (٧/١٤١) رقم الحديث: ٥٧٨٦، باب القبة الحمراء من أدم (٧/١٥٤) رقم الحديث: ٥٨٥٩. ومسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب سترة المصلي (١/٣٥٩) رقم الحديث: ٥٠٣ وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في المؤذن يستدير في أذانه (١/١٤٣) رقم الحديث: ٥٢٠، باب ما يستر المصلي (١/١٨٣) رقم الحديث: ٦٨٨. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في إدخال الأصبع في الأذن عند الأذان (١/٣٧٥) رقم الحديث: ١٩٧. والنسائي في "سننه" كتاب الأذان، باب كيف يصنع المؤذن في أذانه (٢/١٢) رقم الحديث: ٦٤٣. وابن ماجه في "سننه" كتاب الأذان والسنة فيه، باب السنة في الأذان (١/٢٣٦) رقم الحديث: ٧١١.

٣) أخرجه سعيد بن منصور في "سننه" كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأفعال، الباب الخامس في الجماعة وفضلها وأحكامها، فصل الأذان وأحكامه وآدابه (٨/٣٤٤) رقم الحديث: ٢٣١٨٥.

٤) أخرجه ابن زنجويه كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأفعال، الباب الخامس في الجماعة وفضلها وأحكامها، فصل الأذان وأحكامه وآدابه (٨/٣٣٨) رقم الحديث: ٢٣١٥٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن مطر عن الحسن عن أبي الوقاص قال: سهام للمؤذنين عند الله يوم القيامة كسهام المجاهدين وهم فيما بين الأذان والإقامة كالمتشحط في دمه في سبيل الله، وقال عبد الله بن مسعود: لو كنت مؤذنا ما باليت ألا أحج ولا أعتمر ولا أجاهد، قال: وقال عمر بن الخطاب: لو كنت مؤذنا لكمل أمري وما باليت ألا أنتصب لقيام الليل ولا صيام النهار سمعت رسول الله ﷺ يقول: اللهم اغفر للمؤذنين اللهم اغفر للمؤذنين، فقلت: تركتنا يا رسول الله ونحن نجتلد على الأذان بالسيوف؟ قال: كلا يا عمر إنه سيأتي على الناس زمان يتركون الأذان على ضعفائهم، وتلك لحوم حرمها الله على النار لحوم المؤذنين قال: وقالت عائشة لهم هذه الآية: {ومن أحسن قولا ممن دعا إلى الله وعمل صالحا وقال إنني من المسلمين} قالت: هو المؤذن، فإذا قال حي على الصلاة، فقد دعا إلى الله، وإذا صلى فقد عمل صالحا، وإذا قال: أشهد أن لا إله إلا الله فهو من المسلمين. رواه عبد الرزاق.[١]

وعن قيس بن أبي حازم قال: قدمنا على عمر بن الخطاب فقال: من مؤذنكم؟ فقلنا عبيدنا وموالينا، فقال: إن ذلكم بكم لنقص شديد لو أطقت الأذان مع الخلافة لأذنت. رواه عبد الرزاق وابن أبي شيبة وسعيد بن منصور وابن مسدد والبيهقي.[٢]

وعن عمر قال:[٣] لولا أخاف أن تكون سنة ما تركت الأذان. وفي رواية: ما أذن غيري. رواه عبد الرزاق وابن ابي شيبة.[٤]

---

١) أخرجه البيهقي في "شعب الإيمان" كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأفعال، الباب الخامس في الجماعة وفضلها وأحكامها، فصل الأذان وأحكامه وآدابه (٨/٣٣٨) رقم الحديث: ٢٣١٥٧.

٢) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الصلاة، باب فضل الأذان (١/٤٨٦) رقم الحديث: ١٨٦٩. وابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الأذان والإقامة، باب في فضل الأذان وثوابه (١/٢٠٣) رقم الحديث: ٢٣٣٤، ٢٣٤٥. والبيهقي في "السنن الكبرى" كتاب الصلاة، باب لا يؤذن إلا عدل ثقة (١/٦٢٧) رقم الحديث: ٢٠٠٢، باب الترغيب في الأذان (١/٦٣٦) رقم الحديث: ٢٠٤١. وابن حجر في "المطالب العالية" كتاب الصلاة، باب لا يكون الإمام مؤذنا (٣/٨٤) رقم الحديث: ٢٢٢. وابن سعد كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأفعال، الباب الخامس في الجماعة وفضلها وأحكامها، فصل الأذان وأحكامه وآدابه (٨/٣٣٩) رقم الحديث: ٢٣١٦٠.

٣) فيه: قال رسول الله ﷺ. [من]

٤) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الصلاة، باب فضل الأذان (١/٤٨٦) رقم الحديث: ١٨٧٠ وابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الأذان والإقامة، باب المؤذن يؤذن مع إمامه (١/٣٥٧) رقم الحديث: ٤١٠٥. وضياء المقدسي كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأفعال، الباب الخامس في الجماعة وفضلها وأحكامها، فصل الأذان وأحكامه وآدابه (٨/٣٤٠) رقم الحديث: ٢٣١٦٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن جابر قيل: يا رسول الله من أول الناس دخولا الجنة؟ قال: "الأنبياء، ثم الشهداء، ثم مؤذنوا الكعبة، ثم مؤذنوا بيت المقدس، ثم مؤذنوا مسجدي هذا، ثم سائر المؤذنين على قدر أعمالهم. [١]

وعن أبي برزة الأسلمي قال: من السنة الأذان في المنارة، والإقامة في المسجد. رواهما أبو الشيخ في الأذان. [٢]

وعن زياد بن الحارث الصدائي قال: كنت مع النبي ﷺ في سفر فحضرت صلاة الصبح فقال: أذن يا أخا صداء، فأذنت، وأنا على راحلتي. رواه عبد الرزاق. [٣]

وعن أبي جحيفة قال: كان بلال إذا أذن وضع أصبعيه في أذنيه واستدار في أذانه. رواه سعيد بن منصور في سننه. [٤]

وعن عبد الله بن بسر: أتى بلال النبي ﷺ يؤذنه بالصبح فوجده راقدا فقال: الصلاة خير من النوم مرتين فقال النبي ﷺ: ما أحسن هذا يا بلال اجعله في أذانك. رواه الطبراني عن بلال. [٥]

وعن سعد القرظ قال كان بلال ينادي بالصبح فيقول: حي على خير العمل فأمره النبي ﷺ أن يجعل مكانها الصلاة خير من النوم، وترك حي على خير العمل. رواه أبو الشيخ. [٦]

---

١) أخرجه أبو الشيخ في "الأذان" كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأفعال، الباب الخامس في الجماعة وفضلها وأحكامها، فصل الأذان وأحكامه وآدابه (٣٤٣/٨) رقم الحديث: ٢٣١٧٨.

٢) أخرجه أبو الشيخ في "الأذان" كما في "كنز العمال" حرف الصاد: كتاب الصلاة من قسم الأفعال، الباب الخامس في الجماعة وفضلها وأحكامها، فصل الأذان وأحكامه وآدابه (٣٤٤/٨) رقم الحديث: ٢٣١٨٣.

٣) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الصلاة، باب الأذان راكبا (٤٧٠/١) رقم الحديث: ١٨١٧.

٤) أخرجه سعيد بن منصور في "سننه" كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأفعال، الباب الخامس في الجماعة وفضلها وأحكامها، فصل الأذان وأحكامه وآدابه (٣٤٤/٨) رقم الحديث: ٢٣١٨٥.

٥) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب الباء، حفص بن عمر بن سعد القرظ عن بلال (٣٥٥/١) رقم الحديث: ١٠٨١. و"كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأفعال، الباب الخامس في الجماعة وفضلها وأحكامها، التثويب (٣٥٦/٨) رقم الحديث: ٢٣٢٤٧.

٦) أخرجه أبو الشيخ في "الأذان" كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأفعال، الباب الخامس في الجماعة وفضلها وأحكامها، فصل الأذان وأحكامه وآدابه (٣٤٥/٨) رقم الحديث: ٢٣١٨٨.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن علي أنه كان يقول: الأذان مثنى مثنى والإقامة مثنى مثنى، ومر برجل يقيم مرة مرة فقال: اجعلها مثنى مثنى لا أم للاخر. رواه البيهقي. (١)

وعن سلمة بن الأكوع أن الأذان كان على عهد رسول الله ﷺ مثنى مثنى والإقامة واحدة واحدة. رواه ابن النجار. (٢)

وعن أبي رافع قال: كان النبي ﷺ إذا سمع المنادي، قال: مثل ما يقول، فإذا قال: حي على الفلاح. قال: لا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم. رواه أبو الشيخ وابن النجار. (٣)

وعن أبي محذورة أنه أذن لرسول الله ﷺ ولأبي بكر ولعمر، فكان يقول في أذانه: الصلاة خير من النوم. رواه عبد الرزاق. (٤)

وعن عطاء قال: كان أبو محذورة لا يثوب إلا في الفجر وكان لا يؤذن حتى يطلع الفجر. رواه ابن أبي شيبة. (٥)

وعنه أن النبي ﷺ أمر نحوا من عشرين رجلا فأذنوا فأعجبه أذان أبي محذورة فعلمه الأذان مثنى مثنى والإقامة مثنى مثنى. رواه أبو الشيخ في الأذان. (٦)

وعن عبد الله بن سلام قال: ما أذن في قوم بليل إلا أمنوا العذاب حتى يصبحوا، ولا نهار إلا أمنوا العذاب حتى يمسوا. (٧)

---

١) **أخرجه البيهقي كما "كنز العمال"** حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأفعال، الباب الخامس في الجماعة وفضلها وأحكامها، فصل الأذان وأحكامه وآدابه (٨/٣٥٣) رقم الحديث: ٢٣٢٢٧.

٢) **أخرجه ابن النجار كما في "كنز العمال"** حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأفعال، الباب الخامس في الجماعة وفضلها وأحكامها، فصل الأذان وأحكامه وآدابه (٨/٣٤٥) رقم الحديث: ٢٣١٨٨.

٣) **أخرجه أبو الشيخ وابن النجار كما في "كنز العمال"** حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأفعال، الباب الخامس في الجماعة وفضلها وأحكامها، فصل الأذان وأحكامه وآدابه (٨/٣٤٥) رقم الحديث: ٢٣١٩٠.

٤) **أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه"** كتاب الأذان والإقامة، باب من كان يقول في الأذان الصلاة خير من النوم (١/١٨٩) رقم الحديث: ٢١٦٧. وأبو الشيخ في الأذان **كما في "كنز العمال"** حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأفعال، الباب الخامس في الجماعة وفضلها وأحكامها، فصل الأذان وأحكامه وآدابه (٨/٣٤٦) رقم الحديث: ٢٣١٩٤.

٥) **أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه"** كتاب الأذان والإقامة، باب في التثويب في أي صلاة هو؟ (١/١٩٠) رقم الحديث: ٢١٧٢، باب من أكره أن يؤذن المؤذن قبل الفجر (١/١٩٤) رقم الحديث: ٢٢٢٢.

٦) **أخرجه أبو الشيخ كما في "كنز العمال"** حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأفعال، الباب الخامس في الجماعة وفضلها وأحكامها، فصل الأذان وأحكامه وآدابه (٨/٣٤٦) رقم الحديث: ٢٣١٩٧.

٧) **أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه"** كتاب الصلاة، باب فضل الأذان (١/٤٨٧) رقم الحديث: ١٨٧٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وفي مسند عبد الله بن عمر إن الله لا يأذن لشيء من أهل الأرض إلا لأذان المؤذنين والصوت الحسن بالقرآن. رواه الخطيب عن معقل بن يسار.[1]

وعن عطاء قال: حق وسنة مسنونة ألا يؤذن مؤذن إلا متوضئا. رواه سعيد بن منصور.[2]

وعن ابن عمر: إن أهل السماء لا يسمعون من أهل الأرض شيئا إلا الأذان. رواه أبو الشيخ.[3]

وعن محمد بن سيرين قال: كان المؤذنون يجعلون أصابعهم في آذانهم، وأول من وضع إحدى يديه عند أذنيه ابن الأصم مؤذن الحجاج. رواه سعيد بن منصور في سننه.[4]

وعن مكحول قال: قال رسول الله ﷺ: من أقام الصلاة صلى معه ملكان، فإذا أذن وأقام صلى معه سبعون ملكا. رواه سعيد بن منصور.[5]

وعن علي قال: إذا توضأ المسافر فإن أقام إقامة صلى عن يمينه وعن شماله ملك، فإذا أذن وأقام صلى خلفه صفوف من الملائكة. رواه عبد الله بن محمد بن حفص العيسي في جزيه.[6]

---

١) أخرجه الخطيب في "تاريخ بغداد" باب السين، ذكر من اسمه سلام، سلام بن سلم ويقال ابن سليم (٢٧١/١٠). كنز العمال حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأفعال، الباب الخامس في الجماعة وفضلها وأحكامها، فصل الأذان وأحكامه وآدابه (٣٤٦/٨) رقم الحديث: ٢٣١٩٧.

٢) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الصلاة، باب الأذان على غير وضوء (٤٦٥/١) رقم الحديث: ١٧٩٩. وسعيد بن منصور في "سننه" كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأفعال، الباب الخامس في الجماعة وفضلها وأحكامها، فصل الأذان وأحكامه وآدابه (٣٥٣/٨) رقم الحديث: ٢٣٢٢٦.

٣) أخرجه أبو الشيخ كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأقوال، الباب الخامس في صلاة الجماعة وما يتعلق بها، الفصل الرابع في الأذان والترغيب فيه وآدابه (٦٨٩/٧) رقم الحديث: ٢٠٩٣٣.

٤) أخرجه سعيد بن منصور في "سننه" كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأفعال، الباب الخامس في الجماعة وفضلها وأحكامها، فصل الأذان وأحكامه وآدابه (٣٥٢/٨) رقم الحديث: ٢٣٢٣٠.

٥) أخرجه سعيد بن منصور في "سننه" كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأفعال، الباب الخامس في الجماعة وفضلها وأحكامها، فصل الأذان وأحكامه وآدابه (٣٥٣/٨) رقم الحديث: ٢٣٢٣١.

٦) أخرجه محمد بن حفص العيسي في "جزئه" كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأفعال، الباب الخامس في الجماعة وفضلها وأحكامها، فصل الأذان وأحكامه وآدابه (٣٥٣/٨) رقم الحديث: ٢٣٢٣١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن عبد الله بن عمرو قال: إذا كان الرجل بفلاة من الأرض فأذن وأقام وصلى صلى معه أربعة آلاف ملك أو أربعة آلاف من الملائكة. رواه عبد الرزاق. (١)

وعن علي قال: ندمت أن لا أكون طلبت إلى رسول الله ﷺ فيجعل الحسن والحسين مؤذنين. رواه الطبراني في الأوسط. (٢)

وعن عمر بن الخطاب قال: دخلت مع رسول الله ﷺ المسجد والمؤذن يؤذن فعدل إلى النساء فقال لهن: مثل ما يقول فإن لكن بكل حرف ألفي حسنة قلت: يا رسول الله هذا للنساء فما للرجال؟ قال: لهم الضعف يا ابن الخطاب. خطيب، وسنده ضعيف لكن ورد من طريق آخر مرسل. (٣)

وعن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: من أذن سبع سنين محتسبا (٤) كتب الله له براءة من النار. رواه الترمذي وابن ماجة. (٥)

وعن ابن عمر قال: قال رسول الله ﷺ: من اذن ثنتي عشره سنة وجبت له الجنة، الحديث. ذكره صاحب المشكاة عن ابن ماجة. (٦)

ومن أذن سنة لا يطلب عليه أجرا دعي يوم القيامة ووقف على باب الجنة فقيل له: اشفع لمن شئت. رواه ابن عساكر عن انس. (٧)

من أذن خمس صلوات إيمانا واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه ومن أم أصحابه خمس صلوات إيمانا واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه. رواه البيهقي عن أبي هريرة. (٨)

---

١) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الصلاة، باب الرجل بإقامة وحده (١/٥١٠) رقم الحديث: ١٩٥١.
٢) أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط" باب لميم، من اسمه محمد (٧/٣٠٥) رقم الحديث: ٧٥٦٧.
٣) أخرجه الخطيب في "تاريخ بغداد" باب العين، ذكر من اسمه عمران، عمران بن موسى بن يعقوب (١٤/٢٠٠) رقم الحديث: ٦٦٦٧.
٤) محتسبا: أي خالصا لرضاء الله تعالى. [الأعظمي.]
٥) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في فضل الأذان (١/٤٠٠) رقم الحديث: ٢٠٦. وابن ماجه في "سننه" كتاب الأذان والسنة فيها، باب فضل الأذان وثواب المؤذنين (١/٢٤٠) رقم الحديث: ٧٢٧.
٦) أخرجه ابن ماجه في "سننه" كتاب الأذان والسنة فيه، باب فضل الأذان وثواب المؤذنين (١/٢٤١) رقم الحديث: ٧٢٨. والحاكم في "المستدرك" كتاب الطهارة، باب في فضل الصلوات الخمس (١/٣٢٢) رقم الحديث: ٧٣٦، ٧٣٧.
٧) أخرجه ابن عساكر في "تاريخ دمشق" حرف الحاء، الحسين بن عبد الله بن محمد بن اسحاق (١٤/٩٠).
٨) أخرجه البيهقي في "السنن الكبرى" كتاب الصلاة، باب الترغيب في الأذان (١/٦٣٦) رقم الحديث: ٢٠٣٩

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أنس قال: قال رسول الله ﷺ: إذا أذن المؤذن فتحت أبواب السماء واستجيب الدعاء، [فإذا كان عند الإقامة لم ترد دعوة. رواه أبو الشيخ في الأذان، وفيه يزيد الرقاشي متروك.] (١)

إذا نادى المنادي فتحت أبواب السماء، واستجيب الدعاء فمن نزل به كرب أو شدة فليتحين المنادي، الحديث. رواه أبو نعيم في الحلية وسعيد بن منصور في سننه. (٢)

وعن أبي الشعثاء قال: كنا مع أبي هريرة في المسجد فنادى المنادي بالعصر، فخرج رجل فقال أبو هريرة: أما هذا فقد عصى أبا القاسم. رواه عبد الرزاق. (٣)

وعن عمر: سيأتي على الناس زمان يتركون الأذان على ضعفائهم، وتلك لحوم حرمها الله على النار لحوم المؤذنين. رواه ابن شاهين. (٤)

وعن أبي هريرة: إن بعدكم زمان سفلتهم مؤذنهم. [رواه البيهقي.] (٥)

وعن هشام بن عروة عن أبيه، قال: أمر النبي ﷺ بلالا أن يؤذن يوم الفتح فوق الكعبة. راه ابن ابي شيبة. (٦)

وعن نافع، عن ابن عمر، إن رسول الله ﷺ كان يأمر المؤذن إذا كانت ليلة ذات برد ومطر، يقول: ألا صلوا في الرحال. متفق عليه. (٧)

---

١) أخرجه أبو الشيخ كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأقوال، الباب الخامس في صلاة الجماعة وما يتعلق بها، الفصل الرابع في الأذان والترغيب فيه وآدابه (٦٨٥/٧) رقم الحديث: ٢٠٩١٤.

٢) أخرجه الحاكم في "المستدرك" كتاب الدعاء والتكبير والتهليل والتسبيح والذكر، حديث رافع بن خديج (٧٣١/١) رقم الحديث: ٢٠٠٤. وأبو نعيم في "حلية الأولياء" طوائف من جماهير النساك والعباد، سهل بن عبد الله بن الفرحان (٢١٢/١٣).

٣) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الصلاة، باب الرجل يخرج من المسجد (٥٠٨/١) رقم الحديث: ١٩٤٧.

٤) أخرجه ابن شاهين في "الترغيب في فضائل الأعمال" باب فضل الأذان (١٦١) رقم الحديث: ٥٦٦.

٥) أخرجه البيهقي في "السنن الكبرى" كتاب الصلاة، باب فضل التأذين على الإمامة (٦٣٣/١) رقم الحديث: ٢٠٢٢.

٦) أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الأذان والإقامة، باب في المؤذن يؤذن على المواضع المرتفعة (٢٠٣/١) رقم الحديث: ٢٣٣٠، كتاب المغازي، حديث فتح مكة (٤٠٧/٧) رقم الحديث: ٣٦٩٢٦.

٧) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الأذان، باب الأذان للمسافر إذا كانوا جماعة (١٢٩/١) رقم الحديث: ٦٣٢، باب الرخصة في المطر والعلة أن يصلي في رحله (١٣٤/١) رقم الحديث: ٦٦٦. ومسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة للمسافرين وقصرها، باب الصلاة في الرحال في المطر (٤٨٤/١) رقم الحديث: ٦٩٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أم حبيبة أم المؤمنين: أن رسول الله ﷺ كان في بيتها فسمع المؤذن فقال كما يقول فلما قال حي على الصلاة نهض رسول الله ﷺ إلى الصلاة. رواه عبد الرزاق وأبو الشيخ في الأذان.(١)

وعن عامر بن سعد عن أبيه سعد أنه قال: من قال إذا قال المؤذن أشهد أن لا إله إلا الله: رضيت بالله ربا وبالإسلام دينا وبمحمد نبيا غفر له ذنوبه، فقال له رجل: يا سعد ما تقدم من ذنبه وما تأخر؟ قال: [لا] هكذا سمعت رسول الله ﷺ يقوله. رواه ابن أبي شيبة.(٢)

وعنه: كان بلال يؤذن إذا جلس النبي ﷺ على المنبر يوم الجمعة، وإذا نزل أقام، ثم كان كذلك في زمن أبي بكر وعمر وإنما أمر بالتأذين الثالث عثمان بن عفان حين كثر أهل المدينة وإنما كان التأذين يوم الجمعة حين يجلس الإمام على المنبر. رواه أبو الشيخ.(٣)

وعن الحسن البصري قال: ما ينادي مناد من الأرض الصلاة حتى ينادي مناد من أهل السماء قوموا يا بني آدم فأطفئوا نيرانكم فيقوم للمؤذن ثم يقوم الناس إلى الصلاة. رواه عبد الرزاق.(٤)

وعن عمرو بن محمد بن زيد بن عبد الله بن عمر عمن حدثه قال: كان علي يؤذن بالكوفة ويقيم ويصلي بالناس. رواه سعيد بن منصور في سننه.(٥)

وعن أبي هريرة قال: كان مع النبي ﷺ رجلان: أحدهما لا يكاد يفارقه ولا يعرف له كثير عمل، وكان الآخر لا يكاد يرى ولا يعرف له كثير عمل، فقال الذي لا يفارق رسول الله ﷺ: يا رسول الله ذهب المصلون بأجر الصلاة، وذهب الصائمون بأجر الصائمين، وما عندي إلا حب الله ورسوله قال: فإن لك ما احتسبت وأنت مع من أحببت، وأما الآخر فمات فقال النبي ﷺ في أصحابه هل علمتم أن الله أدخل فلانا الجنة؟ فعجب القوم فإنه كان لا يكاد

---

١) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الصلاة، باب الرجل متى يقوم للصلاة إذا سمع المؤذن (١/٤٨١) رقم الحديث: ١٨٥١. وأبو الشيخ كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأفعال، الباب الخامس في الجماعة وفضلها وأحكامها، إجابة المؤذن (٨/٣٦٢) رقم الحديث: ٢٣٢٧٣.

٢) أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الدعاء، باب ما يدعى به إذا سمع الأذان (٦/٣١) رقم الحديث: ٢٩٢٤٩.

٣) أخرجه أبو الشيخ كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأفعال، الباب الخامس في الجماعة وفضلها وأحكامها، محظور الأذان (٨/٣٦٤) رقم الحديث: ٢٣٢٨٢.

٤) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الطهارة، باب ما يكفر الوضوء والصلاة (١/٤٧) رقم الحديث: ١٤٥.

٥) أخرجه سعيد بن منصور في "سننه" كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأفعال، الباب الخامس في الجماعة وفضلها وأحكامها، محظور الأذان (٨/٣٦٥) رقم الحديث: ٢٣٢٩٠.

toobaa-elibrary.blogspot.com

يرى، فقام بعضهم إلى امرأته فسأل امرأته عن عمله، فقالت: ما كان في ليل ولا نهار ولا على أي حال ما كان فقال المؤذن: أشهد أن لا إله إلا الله قال مثل قوله أقر وأكفر من أبى ذلك وإذا قال: أشهد أن محمدا رسول الله قال مثل هذا، فقال الرجل: بهذا الحديث دخل الجنة. رواه أبو الشيخ وفيه: عبد الرحمن بن ثابت بن ثوبان قال أحمد: وغيره ليس بالقوي. (١)

تنبيه أن الفائتة هل يؤذن، أم لا يؤذن لها

ليس في هذا الباب مواضع لخلاف الأئمة، فإن المذكور فيها فضائل الأذان والمؤذنين وإجابتهم، ولكن ذكر في المشكاة حديثين في قضاء صلاة الفجر ليلة التعريس، وفيها ذكر الأذان والإقامة معا أو وحدها، وهو محل الخلاف، ففي حديث مسلم عن أبي هريرة فأمر النبي صلىالله عليه وسلم بلالا، فأقام الصلاة ففي شرح الشيخ ابن حجر على المشكاة: ظاهره أن الفائتة لا يؤذن لها، وهو مذهب الشافعية إنتهى.

وعندنا يؤذن للفائتة ويقيم، وقال في الهداية: إن النبي ﷺ قضى الفجر في غداة ليلة التعريس بأذان وإقامة وهو حجة علي الشافعي في اكتفائه بالإقامة، في شرح ابن الهمام: أي اكتفائه بالإقامة في أحد قوليه وفي الأخر لا، ولا انتهى أي الأذان والإقامة.

وقال الشيخ ابن الهمام: روي مسلم في حديث طويل عن أبي قتادة في قصة التعريس ثم أذن بلال بالصلاة فصلى رسول الله ﷺ ركعتين ثم صلى الغداة، فصنع كما صنع كل يوم، وفي سنن أبي داود وغيره أنه ﷺ أمر بلالا بالأذان والإقامة حين ناموا عن الصبح وصلوها بعد ارتفاع الشمس من رواية أبي هريرة وعمرو بن أمية الضمري وعمران بن حصين وغيرهم رضي الله عنهم.

وروى مالك في الموطا عن ابن المسيب مرسلا وذكر فيه الأذان، ومراسيل ابن المسيب مرفوعة عند الشافعي، وما جاء من مسلم في القصة وأمر بلالا فأقام الصلاة فصلى بهم الصبح لا ينافي أنه أذن وكيف وقد صح وروى حين شغلهم الكفار قضاهن بأذان وإقامة يعني لأربع صلوات انتهى.

---

١) أخرجه أبو الشيخ كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأفعال، الباب الخامس في الجماعة وفضلها وأحكامها، إجابة المؤذن (٨/٣٦١) رقم الحديث: ٢٣٢٦٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

أقول وفيما روى عن أبي يوسف جواب عما ذكر في شرح الحاوي في مذهب الشافعي: أن يوم الخندق قضاهن بغير أذان، وما روى السقتاني قضاهن بغير أذان وإقامة، وما قالوا: إن الإذان شرع لإعلام الناس بدخول الوقت وللدعاء إلى الاجتماع، وكل الأمرين لا يحتاج إليه الفائتة؟ فجوابه أنه ساقط بعد صحة الحديث، والأذان كما شرع للإعلام والاجتماع شرع أيضا لتحصيل الثواب بذكر هذه الكلمات الشريفة العظيمة وما ورد في ثوابها، ألا يرى أن المصلى في فلاة الأرض والسفر الأفضل له أن يوذن ويقيم، هذا وقد ورد في قصة ليلة التعريس في جامع الأصول من رواية مسلم والنسائي وأبي داود والترمذي ذكر الأذان والإقامة، وكذلك ورد في قضاء الصلاة يوم الخندق، وفي بعض الروايات صلى الصلوات كما كان يصليها في وقتها، وفي أخرى لوقتها وكذلك ورد في الجامع الكبير أحاديث عن أحمد والنسائي والطحاوي والطبراني وغيرهم، نعم ورد في بعض الروايات الإقامة وهو لا ينافي الأذان كما ذكر الشيخ ابن الهمام فتدبر.

ثم اعلم أنه ذكر في هذا الباب بين كل أذانين صلاة، بين كل أذانين صلاة، ثم قال في الثالثة: لمن شاء متفق عليه، وأكثرهم على أن المراد بالأذنين الأذان والإقامة أما على التغليب وأما على أن الأذان اسم لكل واحد من الأذان إعلام بدخول وقتها والمعنى بين كل أذان وإقامة صلاة نافلة، ويقرب التناول لكل عدد أراده المصلى كركعتين أو أربع أو أكثر، ولا يستبعد ذلك إلا من يكره النافلة بين أذان المغرب وإقامتها كأبي حنيفة وأصحابه رحمهم الله.

وقد جاء في حديث البخاري عن أنس أنه قال: كان المؤذن إذا أذن للمغرب، قام ناس من أصحاب النبي ﷺ يتدرون السواري بالسواري حتى يخرج النبي ﷺ وهم كذلك يصلون الركعتين قبل المغرب، وزاد مسلم: فيجي الغريب فيحسب أن الصلاة قد صليت من كثرة من يصليها، وظن بعضهم أنها كانت راتبة المغرب.

قال التوربشي وإنما ذهب أبو حنيفة إلى كراهية النافلة قبل المغرب لحديث بريدة الأسلمي ﷺ أن النبي ﷺ وأبا بكر وعمر يكرهونها ولم يصلوها، وما رواه أنس وغيره من أصحابه فهو منسوخ، وكان في الأول فحيث نهى عن الصلاة بعد العصر حتى تغرب الشمس فبين لهم ذلك وقت الجواز.

وعن ابن عمر قال: ما رأيت يصليها على عهد النبي ﷺ أحد إشارة إلى نسخه، قيل: روايته هذا وقد يحمل على ظاهره بأن يراد بالأذانين حقيقتهما، وله توجيهات بعيدة ذكرناها في الشرح فليطلب.

toobaa-elibrary.blogspot.com

ثم اعلم أن من أدب التأذين القيام، هكذا وقع في الأحاديث وأن يؤمر به صريحا لأن الملك الذي رآه عبد الله بن زيد في المنام أذن قائما، وكذلك كان يفعل بلال وغيره من مؤذني رسول الله ﷺ، ولأنه أبلغ في الإبلاغ، ولو ترك القيام مع القدرة صح أذانه لحصول أصل الإبلاغ، ولكنه يكره إلا إذا كان مسافرا مؤذنا لنفسه فلا بأس أن يؤذن قاعدا، وقال النووي: أن المضطجع كالقاعد إلا أنه أشد كراهة، وقال في وجه لا يصح، وإن صح أذان القاعد انتهى.

والظاهر أن هذا متفق عليه بين الأئمة، ولم يذهب إلى وجوبه وحرمته أحد منهم وما كان في ذكره حاجة لكنه كان مظنة الخلاف ولأجل ذلك توضأ له.

وكذلك جعل الإصبعين في صماخه، وهذا أيضا متفق عليه غير أنه جاء من الإمام أحمد في ذلك روايات أحدها: جعل أصابعه مضمومة على راحتيه ثم جعله على أذنيه، يروى ذلك عن ابن عمر وهو مختار الخرقي، والثانية جعل الأصابع مضمومة مبسوطة على أذنيه يحكيه عن أبي محذورة، وثالثها جعلها في أذنيه ويروي ذلك عن أبي جحيفة، قال: رأيت بلالا يؤذن وإصبعاه أذنيه ورسول الله ﷺ في جبة حمراء، رواه أحمد والترمذي وصححه وهو المختار عند مشايخ مذهبه.

ومن آدابه أن يجلس بين الأذان والإقامة إلا في المغرب، وقال: يجلس في المغرب أيضا جلسة خفيفة، وقال الشافعي: يفصل بركعتين اعتبارا بسائر الصلوات.

قال في الهداية: التأخير فيها مكروه فيكفي بأدنى الفصل بخلاف سائر الصلوات فإن التأخير فيها ليس بمكروه، والاشتغال بالركعتين يؤدى إلى التأخير، والمراد بقوله عليه الصلاة والسلام بين أذانين صلاة سوى المغرب بدليل أنه قد جاء في بعض الروايات أن بين كل أذانين صلاة إلا المغرب، كذا في بعض شروح الهداية، وقد سبق الكلام فيه وأنه منسوخ.

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب المساجد وفضلها وأحكامها وآدابها [1]

عن عثمان بن عفان ﷺ قال: عند قول الناس فيه: حين بني مسجد رسول الله ﷺ: إنكم أكثرتم، وإني سمعت رسول الله ﷺ يقول: من بنى مسجدا يبتغي به وجه الله بنى الله له بيتا في الجنة. وفي أخرى: بنى الله له في الجنة مثله. أخرجه البخاري ومسلم. [2]

وعن أنس بن مالك ﷺ أن النبي ﷺ قال: من بنى مسجدا صغيرا كان أو كبيرا بنى الله له بيتا في الجنة. أخرجه الترمذي. [3]

وعن عمرو بن عبسة ﷺ أن رسول الله ﷺ قال: من بنى لله مسجدا، ليذكر الله فيه، بنى الله له بيتا في الجنة. أخرجه النسائي. [4]

وعن أبي هريرة [5] ﷺ، [قال أبو بدر وهو شجاع بن الوليد: أراه] قد رفعه إلى النبي ﷺ إن الحصاة لتناشد الله الذي يخرجها من المسجد ليدعها. أخرجه أبو داود. [6]

وعن طلق بن علي ﷺ قال: خرجنا وفدا إلى رسول الله ﷺ، فبايعناه، وصلينا معه، وأخبرناه أن بأرضنا بيعة لنا، فاستوهبناه من فضل طهوره، فدعا بماء، فتوضأ وتمضمض، ثم صبه لنا في إداوة وأمرنا، فقال: اخرجوا، فإذا أتيتم أرضكم فاكسروا بيعتكم، وانضحوا مكانها

---

1) باب المساجد وفضلها: قال الله تعالى: وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَى فِي خَرَابِهَا، الآية. [البقرة: ١١٤.] وقال تعالى: مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْمُرُوا مَسَاجِدَ اللَّهِ، إلى قوله تعالى: إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، الآية. [التوبة: ١٧-١٨.] وقال تعالى: فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ. [النور: ٣٦.] وقال تعالى: وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا. [الجن: ١٨.] (الأعظمي.)

2) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب من بنى مسجدا (٩٧/١) رقم الحديث: ٤٥٠. ومسلم في "صحيحه" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب فضل بناء المساجد والحث عليها (٣٧٨/١) رقم الحديث: ٥٣٣.

3) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في فضل بنيان المسجد (١٣٥/٢) رقم الحديث: ٣١٩.

4) أخرجه النسائي في "سننه" كتاب المساجد، باب الفضل في بناء المساجد (٣١/٢) رقم الحديث: ٦٨٨.

5) فيه: عن أبي الوليد [ص:؟؟؟

6) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في حصى المسجد (١٢٥/١) رقم الحديث: ٤٦٠.

toobaa-elibrary.blogspot.com

بهذا الماء، واتخذوها مسجدا، قلنا: إن البلد بعيد، والحر شديد، والماء ينشف، فقال: مدوه من الماء، لا يزيده إلا طيبا، فخرجنا حتى قدمنا بلدنا، فكسرنا بيعتنا، ثم نضحنا مكانها، واتخذناها مسجدا، فنادينا فيه بالأذان، قال: والراهب رجل من طيء، فلما سمع الأذان، قال: دعوة حق، ثم استقبل تلعة من تلاعنا فلم نره بعد. أخرجه النسائي. (١)

وعن عثمان بن أبي العاص ﷺ أن رسول الله ﷺ أمره: أن يجعل مسجد أهل الطائف حيث كانت طواغيتهم. أخرجه أبو داود. (٢)

وعن عائشة ﷺ أن رسول الله ﷺ قال في مرضه الذي لم يقم منه: لعن الله اليهود والنصارى، اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد، قالت: ولولا ذلك لأبرز قبره، خشي أن يتخذ مسجدا. وفي رواية: ولولا ذلك لأبرز قبره، غير أني أخشى أن يتخذ مسجدا. (٣)

وعن حذيفة قال: قال رسول الله ﷺ: فضل الدار القريبة من المسجد على البعيدة [الشاسعة] كفضل الغازي على القاعد. رواه أحمد. (٤)

وعن أنس قال: قال رسول الله ﷺ: كل بناء وبال على صاحبه يوم القيامة إلا مسجدا. رواه البيهقي في شعب الإيمان. (٥)

---

١) أخرجه النسائي في "سننه" كتاب المساجد، باب اتخاذ البيع مساجد (٣٨/٢) رقم الحديث: ٧٠١. والتبريزي في "مشكاة المصابيح" كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة، الفصل الثاني (٢٢٣/١) رقم الحديث: ٧١٦. وابن الأثير في "جامع الأصول" الركن الثاني، حرف الميم، الكتاب السادس في المساجد وما يتعلق بها، الفصل الثاني في أحكام تتعلق بالمساجد، الفرع الرابع في أحاديث متفرقة (٢١٠/١١) رقم الحديث: ٨٧٦٣.

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في بناء المساجد (١٢٣/١) رقم الحديث: ٤٥٠.

٣) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب الصلاة في البيعة (٩٥/١) رقم الحديث: ٤٣٥، كتاب الجنائز، باب ما يكره من اتخاذ المساجد على القبور (٨٨/٢) رقم الحديث: ١٣٣٠، باب ما جاء في قبر النبي ﷺ (١٠٢/٢) رقم الحديث: ١٣٩٠، كتاب المغازي، باب مرض النبي ﷺ ووفاته (١١/٦) رقم الحديث: ٤٤٤١، ٤٤٤٣. ومسلم في "صحيحه" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب النهي عن بناء المساجد على القبور (٣٧٦/١) رقم الحديث: ٥٢٩، ٥٣١. وابن الأثير في "جامع الأصول" الركن الثاني، حرف الميم، الكتاب السادس في المساجد وما يتعلق بها، الفصل الثاني في أحكام تتعلق بالمساجد، الفرع الرابع في أحاديث متفرقة (٢١١/١١) رقم الحديث: ٨٧٦٦.

٤) أخرجه أحمد في "مسنده" تتمة مسند الأنصار، حديث حذيفة بن اليمان (٣٢٢/٣٨) رقم الحديث: ٢٣٢٨٧، (٣٩٨/٣٨) رقم الحديث: ٢٣٣٨٥.

٥) أخرجه البيهقي في "شعب الإيمان" الزهد وقصر الأمل، فصل فيما بلغنا عن الصحابة ﷺ (٢١٨/١٣) رقم الحديث: ١٠٢٢١، ١٠٢٢٢، ١٠٢٢٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أبي بن كعب، قال: كان رجل من الأنصار لا أعلم رجلا أبعد من المسجد منه، وكان لا تخطئه صلاة، قال: فقيل له: أو قلت له: لو اشتريت حمارا تركبه في الظلماء، وفي الرمضاء، قال: ما يسرني أن منزلي إلى جنب المسجد، إني أريد أن يكتب لي ممشاي إلى المسجد، ورجوعي إذا رجعت إلى أهلي، فقال رسول الله ﷺ: قد جمع الله لك ذلك كله. رواه مسلم.(١)

وعن أبي هريرة، عن النبي ﷺ، قال: ما توطن رجل مسلم المساجد للصلاة والذكر، إلا تبشبش الله له، كما يتبشبش أهل الغائب بغائبهم إذا قدم عليهم. رواه ابن ماجة والحاكم.(٢)

وعن أبي سعيد الخدري (٣) قال: قال رسول الله ﷺ: من أخرج أذى من المسجد، بنى الله له بيتا في الجنة. (٤)

وعن أبي سعيد قال: قال رسول الله ﷺ: من ألف المسجد ألفه الله. رواه الطبراني في الصغير. (٥)

وعن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: من بنى لله مسجدا ولو كمفحص قطاة لبيضها، بنى الله له بيتا في الجنة. رواه [أحمد]. (٦)

وعن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: من بنى لله مسجدا يعبد الله فيه من مال حلال بنى الله له بيتا في الجنة من در وياقوت. رواه أبو يعلي في مسنده والطبراني في الأوسط والبيهقي في شعب الإيمان، وابن عساكر وابن النجار. (٧)

---

١) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب فضل كثرة الخطا إلى المساجد (١/٤٦٠) رقم الحديث: ٦٦٣

٢) أخرجه ابن ماجه في "سننه" كتاب المساجد والجماعات، باب لزوم المساجد وانتظار الصلاة (١/٢٦٢) رقم الحديث: ٨٠٠. والحاكم في "المستدرك" كتاب الطهارة، من كتاب الإمامة وصلاة الجماعة (١/٣٣٢) رقم الحديث: ٧٧١.

٣) ب: عن علي رضي الله عنه. [ص:؟؟؟

٤) أخرجه ابن ماجه في "سننه" كتاب المساجد والجماعات، باب تطهير المساجد وتطييبها (١/٢٥٠) رقم الحديث: ٧٥٧.

٥) أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط" باب الميم، من اسمه محمد (٦/٢٦٩) رقم الحديث: ٦٣٨٣.

٦) أخرجه أحمد في "مسنده" مسند بني هاشم، مسند عبد الله بن العباس بن عبد المطلب (١/٢٤١) رقم الحديث: ٢١٥٧.

٧) أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط" باب الميم، من اسمه محمد (٥/١٩٥) رقم الحديث: ٥٠٥٩. والبيهقي في "شعب الإيمان" الصلاة، فضل المشي إلى المساجد (٤/٣٧٤) رقم الحديث: ٢٦٧٦. وأبو يعلى كما في "المطالب العالية" كتاب الصلاة، باب فضل من بنى مسجدا (٣/٤٩٧) رقم الحديث: ٣٥٤. وابن عساكر في "تاريخ دمشق" دمشق والشام، باب ذكر معرفة البلد (٢/٢٨٨). وابن النجار كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأقوال، الباب الخامس في صلاة الجماعة وما يتعلق بها، الفصل الثالث في فضائل المساجد وآدابه (٧/٦٥٤) رقم الحديث: ٢٠٧٥٨.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن جابر وأبي هريرة، قال: قال رسول الله ﷺ: لا صلاة لجار المسجد إلا في المسجد. رواه الدار قطني وقد تكلم فيه. (١)

وعن أبي سعيد قال: قال رسول الله ﷺ: إذا رأيتم الرجل يعتاد المساجد فاشهدوا له بالإيمان. رواه أحمد والترمذي وابن خزيمة وابن حبان والحاكم. وزاد أحمد في أخرى: فإن الله تعالى يقول: (٢) إنما يعمر مساجد الله من آمن بالله. (٣)

وعن معاذ بن جبل قال: قال رسول الله ﷺ: من بنى لله مسجدا بنى الله له بيتا في الجنة، ومن علق فيه قنديلا صلى عليه سبعون ألف ملك حتى يطفأ ذلك القنديل، ومن بسط فيه حصيرا صلى عليه سبعون ألف ملك حتى ينقطع ذلك الحصير، ومن أخذ منه قذاة كان له كفلان من الأجر. رواه الرافعي، وروي حديث القنديل ابن النجار عنه. (٤)

وعن [عبد الله] ابن مسعود قال: قال رسول الله ﷺ: إن بيوت الله في الأرض المساجد، وإن حقا على الله أن يكرم من زاره فيها. (٥)

وعن ابن عمر قال: قال رسول الله ﷺ: [الصلاة في المسجد الجامع تعدل الفريضة حجة مبرورة، والنافلة كحجة متقبلة،] وفضلت الصلاة في المسجد الجامع على ما سواه من المساجد بخمسمائة صلاة. رواه الطبراني في الأوسط. (٦)

---

١) أخرجه الدار قطني في "سننه" كتاب الصلاة، باب الحث لجار المسجد على الصلاة فيه إلا من عذر (٢/٢٩٢) رقم الحديث: ١٥٥٢، ١٥٥٣.

٢) التوبة: ١٨.

٣) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الإيمان، باب ما جاء في حرمة الصلاة (٥/١٢) رقم الحديث: ٢٦١٧، أبواب التفسير القرآن، باب من سورة التوبة (٥/٢٧٧) رقم الحديث: ٣٠٩٣. وابن ماجه في "سننه" كتاب المساجد والجماعات، باب لزوم المساجد وانتظار الصلاة (١/٢٦٣) رقم الحديث: ٨٠٢. وأحمد في "مسنده" مسند المكثرين من الصحابة، مسند أبي سعيد الخدري (١٨/١٩٤) رقم الحديث: ١١٦٥١، (١٨/٢٥١) رقم الحديث: ١١٧٢٥. وابن خزيمة في "صحيحه" كتاب الإمامة في الصلاة، باب الشهادة بالإيمان لعمار المساجد (٢/٣٧٩) رقم الحديث: ١٥٠٢. والحاكم في "المستدرك" كتاب الطهارة، من كتاب الإمامة وصلاة الجماعة (١/٣٣٢) رقم الحديث: ٧٧٠، كتاب التفسير، تفسير سورة التوبة (٢/٣٦٣) رقم الحديث: ٣٢٨٠. وابن حبان في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب فضل الصلوات الخمس (٥/٦) رقم الحديث: ١٧٢١.

٤) أخرجه الرافعي كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأقوال، الباب الخامس في صلاة الجماعة وما يتعلق بها، الفصل الثالث في فضائل المساجد وآدابه (٧/٦٥٦) رقم الحديث: ٢٠٧٦٧، ٢٠٧٦٨.

٥) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب العين، باب (١٠/١٦١) رقم الحديث: ١٠٣٢٤.

٦) أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط" باب الألف، من اسمه أحمد (١/٦١) رقم الحديث: ١٧١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أبي قرصافة، قال: قال رسول الله ﷺ: إخراج القمامة من المسجد، مهور الحور العين. رواه الطبراني وأيضا في المختار.(١)

وعن أبي حميد قال: قال رسول الله ﷺ: إذا دخل أحدكم المسجد فليسلم على النبي ﷺ، ثم ليقل: اللهم افتح لي أبواب رحمتك، فإذا خرج فليقل: اللهم إني أسألك من فضلك. رواه أبو داود.(٢)

وفي رواية: يقول عند الدخول: السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته اللهم اعصمني من الشيطان الرجيم.(٣)

وعن أبي أمامة قال: قال رسول الله ﷺ: إن أحدكم إذا أراد أن يخرج من المسجد تداعت جنود إبليس وأجلبت واجتمعت كما تجتمع النحل على يعسوبها، فإذا قام أحدكم على باب المسجد، فليقل: اللهم إني أعوذ بك من إبليس وجنوده [فإنه إذا قالها لم يضره]. رواه ابن السني.(٤)

وعن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: إذا دخل أحدكم المسجد، فلا يجلس حتى يصلي ركعتين. رواه البخاري ومسلم أبو داود الترمذي والنسائي وابن خزيمة وجماعة كثيرة.(٥)

---

١) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب الجيم، جندرة بن خيشنة أبو قرصافة الليثي (١٩/٣) رقم الحديث: ٢٥٢١. وأبو نعيم في "معرفة الصحابة" باب القاف، أبو قرصافة الكناني اسمه جندرة بن خيشنة (٢٩٩٤/٦) رقم الحديث: ٦٩٦١. والضياء في "المختارة" كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأقوال، الباب الخامس في صلاة الجماعة وما يتعلق بها، الفصل الثالث في فضائل المساجد وآدابه (٦٥٧/٧) رقم الحديث: ٢٠٧٧٢.

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب فيما يقوله الرجل عند دخول المسجد (١٢٦/١) رقم الحديث: ٤٦٥.

٣) أخرجه الطبراني في "الدعاء" باب القول عند دخول المسجد والخروج منه (١٥١) رقم الحديث: ٤٢٧. [ولفظه: عن أبي هريرة، رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ قال: إذا دخل أحدكم المسجد فليسلم على النبي ﷺ وليقل: اللهم اعصمني من الشيطان الرجيم.]

٤) أخرجه ابن السني في "عمل اليوم والليلة" باب ما يقول إذا قام على باب المسجد (١٣٣) رقم الحديث: ١٥٥.

٥) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الصلاة، إذا دخل أحدكم المسجد فليركع ركعتين (٩٦/١) رقم الحديث: ٤٤٤، كتاب الجمعة، باب ما جاء في التطوع مثنى مثنى (٥٧/٢). ومسلم في "صحيحه" كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب استحباب تحية المسجد بركعتين (٤٩٥/١) رقم الحديث: ٧١٤. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب ما جاء في الصلاة عند دخول المسجد (١٢٧/١) رقم الحديث: ٤٦٧. والترمذي

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أبي قتادة قال: قال رسول الله ﷺ: إذا دخلت المسجد فصل ركعتين قبل أن تجلس. رواه أبو بكر بن شيبة. (١)

وعنه قال: قال رسول الله ﷺ: صل ركعتين تجوز فيهما، وإذا جاء أحدكم والإمام يخطب يوم الجمعة فليصل ركعتين وليخففهما. رواه الطبراني. (٢)

وعنه قال: دخل رجل المسجد والنبي ﷺ يخطب الجمعة، قال: صل ركعتين وخففهما. رواه أبو نعيم. (٣)

وعن سمرة قال: قال رسول الله ﷺ: تحفة الملائكة تجمير المساجد. رواه أبو الشيخ. (٤)

وعن عبد الرحمن بن ثوبان عن أبيه قال: قال رسول الله ﷺ: من رأيتموه ينشد شعرا في المسجد فقولوا: فض الله فاك ثلاث مرات، ومن رأيتموه ينشد ضالة في المسجد، فقولوا:

في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء إذا دخل أحدكم المسجد فليركع ركعتين (١٢٩/٢) رقم الحديث: ٣١٦. والنسائي في "سننه" كتاب المساجد، باب الأمر بالصلاة قبل الجلوس فيه (٥٣/٢) رقم الحديث: ٧٣٠. وابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب من دخل المسجد فلا يجلس حتى يركع (٣٢٤/١) رقم الحديث: ١٠١٢، ١٠١٣. وابن خزيمة في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب الصلاة عند دخول المسجد قبل الجلوس (٢٨٣/٢) رقم الحديث: ١٣٢٥. والطبراني في "المعجم الأوسط" باب الألف، باب من اسمه إبراهيم (١٨/٣) رقم الحديث: ٢٣٢٨، باب الميم، بقية من أول اسمه ميم من اسمه موسى (١٥٣/٨) رقم الحديث: ٨٢٤٦. والبيهقي في "شعب الإيمان" الصلاة، فضل الأذان والإقامة للصلاة المكتوبة (٤٦١/٤) رقم الحديث: ٢٨١٥.

١) أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الصلاة، باب من كان يقول: إذا دخلت المسجد فصل ركعتين (٢٩٩/١) رقم الحديث: ٣٤١٩.

٢) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب السين، سليك بن عمرو (١٦١/٧) رقم الحديث: ٦٦٩٧. [ولفظه: عن جابر، قال: جاء رجل يقال له سليك من غطفان، والنبي ﷺ يخطب قائما، فقال له النبي ﷺ: يا سليك، قم فاركع ركعتين خفيفتين.]

٣) أخرجه أبو نعيم في "معرفة الصحابة" باب النون، النعمان بن قوقل الأنصاري الخزرجي شهد بدرا (٢٦٥٤/٥) رقم الحديث: ٦٣٦٣. [ولفظه: عن جابر، قال: دخل النعمان بن قوقل، ورسول الله صلى الله عليه وسلم يخطب يوم الجمعة، فقال له النبي ﷺ: يا نعمان، صل ركعتين، تجوز فيهما، وإذا جاء أحدكم والإمام يخطب، فليصل ركعتين، وليخففهما.]

٤) أخرجه أبو الشيخ كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأقوال، الباب الخامس في صلاة الجماعة وما يتعلق بها، الفصل الثالث في فضائل المساجد وآدابه (٦٥٨/٧) رقم الحديث: ٢٠٧٨١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

لا وجدتها ثلاث مرات، ومن رأيتموه يبيع أو يبتاع في المسجد، فقولوا: لا أربح الله تجارتك. رواه ابن منده وأبو نعيم.(١)

وعن واثلة بن الأسقع قال: قال رسول الله ﷺ: جنبوا مساجدنا صبيانكم ومجانينكم وشراءكم وبيعكم وخصوماتكم ورفع أصواتكم وإقامة حدودكم وسل سيوفكم، واتخذوا على أبوابها المطاهر وجمروها في الجمع. رواه ابن ماجة.(٢)

وعن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: أراكم ستشرفون مساجدكم بعدي كما شرفت اليهود كنائسها، وكما شرفت النصارى بيعها. رواه ابن ماجة.(٣)

وعن [عبد الله] ابن مسعود قال: قال رسول الله ﷺ: من اقتراب الساعة: [أو من أشراط الساعة] أن تتخذ المساجد طرقا. رواه ابن أبي شيبة.(٤)

وعن أم سلمة قالت: قال رسول الله ﷺ: إن المساجد لا يحل لجنب ولا لحائض. رواه ابن ماجة.(٥)

وعن أنس [ابن مالك] قال: قال رسول الله ﷺ: الضحك في المسجد ظلمة في القبر. رواه الديلمي في فردوس الأخبار.(٦)

وعن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: إن لكل شيء قمامة، وقمامة المسجد: لا والله، وبلى والله. رواه الطبراني في الأوسط.(٧)

---

١) أخرجه أبو نعيم في "معرفة الصحابة" باب الثاء، ثوبان أبو عبد الرحمن الأنصاري (١/٥٠٥) رقم الحديث: ١٤٨١، وابن منده في "معرفة الصحابة" باب الثاء، ثوبان أبو عبد الرحمن الأنصاري (٣٦٢).

٢) أخرجه ابن ماجه في "سننه" كتاب المساجد والجماعات، باب ما يكره في المساجد (١/٢٤٧) رقم الحديث: ٧٥٠.

٣) أخرجه ابن ماجه في "سننه" كتاب المساجد والجماعات، باب تشييد المساجد (١/٢٤٤) رقم الحديث: ٧٤٠.

٤) أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الصلوات، باب من كان يقول: إذا دخلت المسجد فصل ركعتين (١/٢٩٩) رقم الحديث: ٣٤٢٠.

٥) أخرجه ابن ماجه في "سننه" كتاب الطهارة وسننها، باب فيما جاء في اجتناب الحائض المسجد (١/٢١٢) رقم الحديث: ٦٤٥.

٦) أخرجه الديلمي في "الفردوس بمأثور الخطاب" باب الضاد (٢/٤٣١) رقم الحديث: ٣٨٩١.

٧) أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط" باب الألف، من اسمه أحمد (١/٢٥١) رقم الحديث: ٨٢٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن الحسن مرسلا قال: قال رسول الله ﷺ: إن الأرض لا ينجسها شيء في دخول المشرك [إلا] للمسجد. رواه عبد الرزاق. (١)

وعن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: كل كلام في المسجد لغو إلا القرآن وذكر الله ومسألة عن خير أو إعطائه. رواه الديلمي. (٢)

وعن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: إني رأيتها في الجنة لما كانت تلقط القذى من المسجد. رواه الطبراني. (٣)

وعن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: إذا وجد أحدكم القملة في المسجد فليدفنها، أو ليبعطها عنه. رواه الطبراني في الأوسط. (٤)

وعنه قال: قال رسول الله ﷺ: إذا وجدت القملة في المسجد فلفها في ثوبك حتى تخرج. رواه الترمذي والحاكم. (٥)

وعن يحيى بن أبي بكرة [بلاغا]: إذا رأى أحدكم القملة فلا يقتلها في المسجد، ولكن ليصرها في ثوبه، فإذا خرج فليقتلها. رواه عبد الرزاق. (٦)

وروي البيهقي نحوه عن رجل من الأنصار: أعدها في ثوبك ولا تطرحها في المسجد يخرج بها من المسجد. (٧)

---

١) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الصلاة، باب المشرك يدخل المسجد (١/٤١٤) رقم الحديث: ١٦٢٠. [ولفظه: عن الحسن قال: جاء النبي ﷺ رهط من ثقيف فأقيمت الصلاة، فقيل: يا نبي الله إن هؤلاء مشركون قال: إن الأرض لا ينجسها شيء.]

٢) أخرجه الديلمي في "الفردوس بمأثور الخطاب" باب الكاف (٣/٢٥٨) رقم الحديث: ٤٧٦٤.

٣) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب العين، عكرمة عن ابن عباس (١١/٢٣٨) رقم الحديث: ١١٦٠٧.

٤) أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط" باب الألف، من اسمه أحمد (٢/٤٦) رقم الحديث: ١١٩٧.

٥) أخرجه الترمذي والحاكم كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأقوال، الباب الخامس في صلاة الجماعة وما يتعلق بها، الفصل الثالث في فضائل المساجد وآدابه (٧/٦٧٣) رقم الحديث: ٢٠٨٥٢. [ولكن لم أعثر عليه في الجامع للترمذي والمستدرك للحاكم]

٦) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الصلاة، باب القملة في المسجد تقتل (١/٤٤٦) رقم الحديث: ١٧٤٤.

٧) أخرجه البيهقي في "السنن الكبرى" كتاب الصلاة، باب ما جاء في حك النخاعة عن القبلة (٢/٤١٨) رقم الحديث: ٣٦٠٨. [ولفظه: عن رجل من الأنصار قال: قال رسول الله ﷺ: " إذا وجد أحدكم القملة في المسجد فليصرها حتى يخرجها] [وفي "كنز العمال: إذا وجد أحدكم القملة وهو يصلي فلا يقتلها ولكن يصرها حتى يصلي. هق عن رجل من الأنصار. رقم الحديث: ٢٠١٢٢.]

toobaa-elibrary.blogspot.com

رواه البغوي عن شيخ من أهل مكة من قريش قال: رأى رسول الله ﷺ رجلا أخذ قملة من ثوبه وهو في المسجد قال: فذكره.

وعن رجل من أهل الصفة قال: قال رسول الله ﷺ: إن شئتم رقدتم ها هنا، وإن شئتم في المسجد. رواه عبد الرزاق. (١)

وعن جابر بن سمرة، قال: شهدت النبي ﷺ أكثر من مائة مرة في المسجد، وأصحابه يتذاكرون الشعر، وأشياء من أمر الجاهلية، فربما تبسم معهم. رواه أحمد. (٢)

وعن أبي سعيد، قال: لم نعد أن فتحت خيبر فوقعنا أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم في تلك البقلة الثوم والناس جياع، فأكلنا منها أكلا شديدا، ثم رحنا إلى المسجد، فوجد رسول الله ﷺ الريح فقال: من أكل من هذه الشجرة الخبيثة شيئا، فلا يقربنا في المسجد. فقال الناس: حرمت، حرمت، فبلغ ذاك النبي ﷺ فقال: أيها الناس إنه ليس بي تحريم ما أحل الله لي، ولكنها شجرة أكره ريحها. رواه مسلم. (٣)

وعن أم سلمة قالت: قال رسول الله ﷺ: خير مساجد النساء قعر بيوتهن. رواه أحمد والبيهقي. (٤)

وعن عمر رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: إذا استأذنكم نساؤكم إلى الصلاة فلا تمنعوهن. رواه أحمد وسعيد بن منصور. (٥)

---

١) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الصلاة، باب الوضوء في المسجد (١/٤٢٣) رقم الحديث: ١٦٥٦.

٢) أخرجه أحمد في "مسنده" مسند البصريين، حديث جابر بن سمرة (٣٤/٤٣٦) رقم الحديث: ٢٠٨٥٣.

٣) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب من نهى من أكل ثوما أو بصلا أو كراثا أو نحوها (١/٣٩٥) رقم الحديث: ٥٦٥.

٤) أخرجه أحمد في "مسنده" أحاديث رجال من أصحاب النبي ﷺ الملحق المستدرك من مسند الأنصار بقية خامس عشر الأنصار، حديث أم سلمة زوج النبي ﷺ (٤٤/١٦٤) رقم الحديث: ٢٦٥٤٢. (٤٤/١٩٤) رقم الحديث: ٢٦٥٧٠. والبيهقي في "السنن الكبرى" كتاب الصلاة، باب خير مساجد النساء قعر بيوتهن (٣/١٨٧) رقم الحديث: ٥٣٦٠.

٥) أخرجه أحمد في "مسنده" مسند العشرة المبشرة، مسند عمر بن الخطاب (١/٣٨١) رقم الحديث: ٢٨٣. وسعيد بن منصور في "سننه" كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأقوال، الباب الخامس في صلاة الجماعة وما يتعلق بها، الفصل الثالث في فضائل المساجد وآدابه (٧/٦٧٧) رقم الحديث: ٢٠٨٧٣

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن ابن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله ﷺ: إذا استأذنكم نساؤكم بالليل إلى المسجد. فأذنوا لهن. رواه البخاري وابن حبان. (١)

فصل في بعض أحكام يتعلق بالمساجد

وعن أنس بن مالك ﷺ أن رسول الله ﷺ رأى نخامة في القبلة، فشق ذلك عليه، حتى رئي [في وجهه]، الحديث صاحب المشكاة الى قوله: أو يفعل هكذا. رواه البخاري. وقال صاحب جامع الأصول: هذه رواية البخاري.

وفي رواية له ولمسلم قال: إن المؤمن إذا كان في الصلاة، فإنما يناجي ربه، فلا يبزقن بين يديه، ولا عن يمينه، ولكن عن يساره، تحت قدمه.

وفي رواية النسائي: أن النبي ﷺ أخذ طرف ردائه فبزق فيه، فرد بعضه على بعض. وله في أخرى قال: رأى رسول الله ﷺ نخامة في قبلة المسجد، فغضب، حتى احمر وجهه، فقامت امرأة من الأنصار فحكتها، وجعلت مكانه خلوقا، قال رسول الله ﷺ: ما أحسن هذا! (٢)

وعن ابن عمر قال: بينما رسول الله ﷺ يخطب يوما، إذ رأى نخامة في قبلة المسجد، فتغيظ على الناس، ثم حكها. قال: وأحسبه قال: ودعا بزعفران فلطخه به، ثم قال: إن الله تعالى قبل وجه أحدكم إذا صلى فلا يبصق بين يديه. (٣)

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الأذان، باب خروج النساء إلى المساجد بالليل والغلس (١/١٧٢) رقم الحديث: ٨٦٥. وابن حبان في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب فرض متابعة الإمام (٥/٥٨٥) رقم الحديث: ٢٢٠٨.

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الوضوء، باب البزاق والمخاط ونحوه في الثوب (١/٥٧) رقم الحديث: ٢٤١، كتاب الصلاة، باب حك البزاق باليد من المسجد (١/٩٠) رقم الحديث: ٤٠٥، باب لا يبصق عن يمينه في الصلاة (١/٩٠) رقم الحديث: ٤١٢، باب ليبزق عن يساره أو تحت قدمه اليسرى (١/٩٠) رقم الحديث: ٤١٣، باب إذا بدره البزاق فليأخذ بطرف ثوبه (١/٩١) رقم الحديث: ٤١٧، كتاب مواقيت الصلاة، باب المصلي يناجي ربه عز وجل (١/١١٢) رقم الحديث: ٥٣١، كتاب الجمعة، باب ما يجوز من البصاق والنفخ في الصلاة (٢/٦٥) رقم الحديث: ١٢١٤. ومسلم في "صحيحه" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب النهي عن البصاق في المسجد في الصلاة وغيرها (١/٣٩٠) رقم الحديث: ٥٥١. والنسائي في "سننه" كتاب الطهارة، باب البزاق يصيب الثوب (١/١٦٣) رقم الحديث: ٣٠٨، كتاب المساجد، باب تخليق المساجد (٢/٥٢) رقم الحديث: ٧٢٧. وابن ماجه في "سننه" كتاب المساجد والجماعات، باب كراهية النخامة في المسجد (١/٢٥١) رقم الحديث: ٧٦٢.

٣) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب كراهية البزاق في المسجد (١/١٢٩) رقم الحديث: ٤٧٩.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وجاء في بعض الروايات: فتناول حصاة فحتها.(١)

وفي بعض الأحاديث: كان يحب العراجين، ولا يزال في يده منها، يعني جهابها.

وفي رواية: ثم أقبل على الناس مغضبا، فقال: أيسر أحدكم أن يبصق في وجهه؟

وفي رواية: فإن عجل به أمر فليقل هكذا. ووصف الراوي [ابن عجلان] فتفل في ثوبه ثم مسح بعضه بعضا. وفي رواية: تحت قدميه.(٢)

وفي بعض: رأى مخاطا أو بزاقا أو نخامة.(٣)

وفي رواية: فجاء بخلوق في راحته، فأخذه رسول الله ﷺ فجعله على رأس العرجون، ثم لطخ به على أثر النخامة، قال جابر: فمن هناك جعلتم الخلوق في مساجدكم.(٤)

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب حك المخاط بالحصى من المسجد (١/٩٠) رقم الحديث: ٤٠٧. ومسلم في "صحيحه" كتاب المساجد، باب النهي عن البصاق في المسجد (١/٣٨٩) رقم الحديث: ٥٤٨، ٥٥٠. [ولفظه: أن أبا هريرة، وأبا سعيد حدثاه، أن رسول الله ﷺ رأى نخامة في جدار المسجد، فتناول حصاة فحكها، فقال: إذا تنخم أحدكم فلا يتنخمن قبل وجهه، ولا عن يمينه وليبصق عن يساره، أو تحت قدمه اليسرى.]

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في كراهية البزاق في المسجد (١/١٢٩) رقم الحديث: ٤٨٠. [ولفظه: عن أبي سعيد الخدري، أن النبي ﷺ كان يحب العراجين ولا يزال في يده منها، فدخل المسجد فرأى نخامة في قبلة المسجد فحكها، ثم أقبل على الناس مغضبا، فقال: أيسر أحدكم أن يبصق في وجهه؟ إن أحدكم إذا استقبل القبلة فإنما يستقبل ربه عز وجل، والملك عن يمينه، فلا يتفل عن يمينه، ولا في قبلته، وليبصق عن يساره، أو تحت قدمه، فإن عجل به أمر فليقل هكذا.]

٣) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب حك البزاق باليد من المسجد (١/٩٠) رقم الحديث: ٤٠٧. ومسلم في "صحيحه" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب النهي عن البصاق في المسجد في الصلاة (١/٣٨٩) رقم الحديث: ٥٤٩. ومالك في "الموطأ" كتاب القبلة، باب النهي عن البصاق في القبلة (١/١٩٥) رقم الحديث: ٥. [ولفظه: عن عائشة أم المؤمنين: أن رسول الله ﷺ رأى في جدار القبلة مخاطا أو بصاقا أو نخامة، فحكه.]

٤) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الزهد والرقائق، باب حديث جابر الطويل وقصة أبي اليسر (٤/٢٣٠٣) رقم الحديث: ٣٠٠٨. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في كراهية البزاق في المسجد (١/١٣١) رقم الحديث: ٤٨٥. [ولفظه: عن عبادة بن الوليد بن عبادة بن الصامت، أتينا جابرا يعني ابن عبد الله وهو في مسجده، فقال: أتانا رسول الله ﷺ في مسجدنا هذا، وفي يده عرجون ابن طاب فنظر فرأى في قبلة المسجد نخامة فأقبل عليها، فحتها بالعرجون، ثم قال: أيكم يحب أن يعرض الله عنه بوجهه. ثم قال: إن أحدكم إذا قام يصلي فإن الله قبل وجهه، فلا يبصقن قبل وجهه، ولا عن يمينه، وليبزق عن يساره تحت رجله اليسرى، فإن عجلت به بادرة فليقل بثوبه هكذا. ووضعه على فيه ثم دلكه، ثم قال: أروني عبيرا. فقام فتى من الحي يشتد إلى

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أنس بن مالك ﷺ أن رسول الله ﷺ قال: البصاق في المسجد خطيئة، وكفارتها دفنها. وفي أخرى لأبي داود قال: التفل في المسجد خطيئة، وكفارته أن يواريه. أخرجه الجماعة إلا الموطأ. أخرجه الجماعة الا للموطأ (١)

وقد جاءت في حضور النساء الجماعة ومنعهن عنها أحاديث، ذكرها صاحب جامع الأصول، وأوردها صاحب المشكاة في باب فضل الجماعة، ونحن منعناه إلا حديثين ذكرنا هما في آنفا في آخر الباب، والظاهر أنه كان مشروعا ومأذونا في أول الأمر، ثم نسخ ومنع عنه بعد نزول قوله تعالى: "وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ" (٢)، كما ذكرنا في باب المواقيت في تعجيل صلاة الفجر والتغليس.

وعن ابن عمر رضي الله عنهما: أن النبي ﷺ قال: إذا نعس أحدكم يوم الجمعة فليتحول من مجلسه ذلك. أخرجه أبو داود والترمذي. (٣)

وعنه: أنه كان ينام وهو شاب عزب لا أهل له في مسجد رسول الله ﷺ. أخرجه البخاري والترمذي والنسائي. وعند الترمذي: كنا ننام على عهد رسول الله ﷺ في المسجد ونحن شباب. (٤)

أهله فجاء بخلوق في راحته فأخذه رسول الله ﷺ، فجعله على رأس العرجون ثم لطخ به على أثر النخامة، قال جابر: فمن هناك جعلتم الخلوق في مساجدكم.]

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب كفارة البزاق في المسجد (١/٩١) رقم الحديث: ٤١٥. ومسلم في "صحيحه" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب النهي عن البصاق في المسجد في الصلاة (١/٣٩٠) رقم الحديث: ٥٥٢. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في كراهية البزاق في المسجد (١/١٢٨) رقم الحديث: ٤٧٤، ٤٧٥. والترمذي في "جامعه" أبواب السفر، باب في كراهية البزاق في المسجد (٢/٤٦١) رقم الحديث: ٥٧٢. والنسائي في "سننه" كتاب المساجد، البصاق في المسجد (٢/٥٠) رقم الحديث: ٧٢٣.

٢) الأحزاب: ٣٣.

٣) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب الرجل ينعس والإمام يخطب (١/٢٩٢) رقم الحديث: ١١١٩. والترمذي في "جامعه" أبواب الجمعة، باب فيمن ينعس يوم الجمعة أنه يتحول في مجلسه (٢/٤٠٤) رقم الحديث: ٥٢٦.

٤) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب نوم الرجال في المسجد (١/٩٦) رقم الحديث: ٤٤٠. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في النوم في المسجد (٢/١٣٨) رقم الحديث: ٣٢١. والنسائي في "سننه" كتاب المساجد، باب النوم في المسجد (٢/٥٠) رقم الحديث: ٧٢٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أبي هريرة، عن النبي ﷺ، من غدا إلى المسجد، أو راح، أعد الله له في الجنة نزلا، كلما غدا، أو راح. أخرجه البخاري ومسلم. (١)

وعنه قال: من تطهر في بيته، ثم مضى إلى بيت من بيوت الله ليقضي فريضة من فرائض الله، كانت خطواته إحداهما تحط خطيئة، والأخرى ترفع درجة. أخرجه مسلم. (٢)

وعنه أن رسول الله ﷺ قال: لا يزال أحدكم في صلاة ما دامت الصلاة تحبسه، لا يمنعه أن ينقلب إلى أهله إلا الصلاة. أخرجه البخاري ومسلم. (٣) وأخرجه الجماعة نحوه بروايات متعددة وأمثال هذه الأحاديث كثيرة. (٤)

وأورد صاحب المشكاة أشياء منها في باب فضل الجماعة وذكرنا نحن أيضا كما شاء الله.

تنبيه

جل ما ذكر في هذا الباب فضائل المساجد وأحكامها وآدابها، وليس ذلك موضعا للخلاف بين الأئمة الأربعة سوى ما جاء في حديث أبي هريرة إذا دخل أحدكم المسجد فلا يجلس حتى يصلي ركعتين، فإنه قد تمسك به الشافعي وأحمد في ايجاب تحية المسجد فإنها واجبة عندهم.

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الأذان، باب فضل من غدا إلى المسجد ومن راح (١/١٣٣) رقم الحديث: ٦٦٢. ومسلم في "صحيحه" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب المشي إلى الصلاة تمحى به الخطايا وترفع به الدرجات (١/٤٦٩) رقم الحديث: ٦٦٩.

٢) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب المشي إلى الصلاة تمحى به الخطايا وترفع به الدرجات (١/٤٦٢) رقم الحديث: ٦٦٦.

٣) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الأذان، باب من جلس في المسجد ينتظر الصلاة وفضل المساجد (١/١٣٣) رقم الحديث: ٦٥٩. ومسلم في "صحيحه" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب فضل صلاة الجماعة وانتظار الصلاة (١/٤٥٩) رقم الحديث: ٦٤٩.

٤) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب فضل القعود في المسجد (١/١٢٧) رقم الحديث: ٤٧٠. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في القعود في المسجد وانتظار الصلاة من الفضل (٢/١٥٠) رقم الحديث: ٣٣٠. والنسائي في "سننه" كتاب المساجد، باب الترغيب في الجلوس في المسجد وانتظار الصلاة (٢/٥٥) رقم الحديث: ٧٣٣. وابن ماجه في "سننه" كتاب المساجد والجماعات، باب لزوم المساجد وانتظار الصلاة (١/٢٦٢) رقم الحديث: ٧٩٩. ومالك في "الموطأ" كتاب قصر الصلاة، باب انتظار الصلاة والمشي إليها (١/١٦٠) رقم الحديث: ٥٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

نعم ههنا اختلافات أخرى بين العلماء:

إحداها: في صلاة رسول الله ﷺ في الكعبة حين دخلها: فعن ابن عباس قال: لما دخل النبي ﷺ البيت دعا في نواحيه كلها، ولم يصل حتى خرج منه، فلما خرج ركع ركعتين في قبل الكعبة وقال: هذه القبلة. رواه البخاري، ورواه مسلم عن أسامة بن زيد.(١)

وجاء في حديث ابن عمر: سألت بلالا حين خرج: ماذا صنع رسول الله ﷺ؟ فقال: [جعل عمودا عن يساره، وعمودين عن يمينه، وثلاثة أعمدة وراءه، وكان البيت يومئذ على ستة أعمدة، ثم] صلى. و هذا الحديث أيضا رواه البخاري ومسلم.(٢)

وقد رجح حديث بلال، لأنه مثبت وخبر المثبت مقدم؛ لأنه معه زيادة علم، كما تقرر في أصول الفقه، ويشبه أنهم لما دخلوا الكعبة أغلقوا الباب، وقام كل في ناحية، واشتغل بالدعاء في ناحية، فرأى أسامة النبي ﷺ يدعو، ثم اشتغل أسامة بالدعاء في ناحية من نواحي البيت، والنبي ﷺ في ناحية أخرى، وبلال قريب منه ﷺ، فرأى بلال صلاته لقربه منه، ولم يره أسامة لبعده واشتغاله بالدعاء، وكانت صلاته ﷺ خفيفة، والباب مغلق، فأخبر أسامة وبلال وكل منهما على علمهما.

وقال في المواهب اللدنية (٣): وأقرب ما قيل في الجمع أنه ﷺ صلى في الكعبة لما غاب عنه أسامة من الكعبة لأمر ندبه إليه، وهو أن يأتي بماء يمحو به الصور التي كانت في الكعبة، فأثبتها بلال لرؤيته لها، ونفاها أسامة لعدم رؤيته لها، ويؤيده ما رواه أبو داود الطيالسي عن أسامة بن زيد قال: دخلت على رسول الله ﷺ في الكعبة فرأى صورا، فدعا بدلو من ماء، فأتيته به فجعل ﷺ يمحوها، ورجاله ثقات، انتهى.

وقد نقل صاحب المواهب عن أحمد والطبراني من حديث ابن عمر: أن أسامة أخبره أن النبي ﷺ صلى في الكعبة، والجمع بينه وبين خبر ابن عباس عن أسامة ﵁: أن النبي

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب قوله تعالى: واتخذوا من مقام إبراهيم مصلى (١/٨٨) رقم الحديث: ٣٩٨. ومسلم في "صحيحه" كتاب الحج، باب استحباب دخول الكعبة للحاج غيره (٢/٩٦٨) رقم الحديث: ١٣٣٠.

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب الصلاة بين السواري في غير جماعة (١/١٠٧) رقم الحديث: ٥٠٥. ومسلم في "صحيحه" كتاب الحج، باب استحباب دخول الكعبة للحاج غيره (٢/٩٦٦) رقم الحديث: ١٣٢٩.

٣) المواهب اللدنية: ١/٣٩٣-٣٩٤.

toobaa-elibrary.blogspot.com

ﷺ لم يصل في الكعبة، وأن أسامة حيث أثبتها اعتمد في ذلك على خبر غيره، وحيث نفاها أراد ما في علمه؛ لكونه لم يره حين صلى، ويكون ابن عمر رضي الله عنهما ابتدأ بالسؤال بلالا، ثم أراد زيادة الاستثبات في مكان الصلاة، فسأل أسامة رضي الله عنه أيضا.

ثم اعلم أن عند مالك رحمه الله لا يجوز الصلاة الفرضية داخل البيت وكذا عند أحمد في رواية، وحكى عن محمد بن جرير لا يجوز الفرض ولا النفل، و لا يدري أن ذلك مبني على رواية ابن عباس عن أسامة بن زيد أنه ﷺ لم يصل في البيت، ولا يخفى أنه لا يلزم من عدم صلاته ﷺ عدم الجواز، فلعل لهم دليلا آخر على ذلك والاستمساك بخبر ابن عباس لتأييده، وبعضهم تمسكوا بقوله ﷺ هذه القبلة حملا على معنى أنه يجب أن يتوجه إلى البيت من خارج حتى لا يجوز الصلاة داخل البيت، ويكون تخصيص مالك بالفرض للاحتياط وعندنا معناه أن أمر القبلة قد استقر على التوجه إلى هذه البيت استقرارا لا يزيله النسخ، وقد عرف أن الثابت رواية بلال بل أسامة أيضا معه فتدبر.

وثانيها: في حديث أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: صلاة في مسجدي هذا خير من ألف صلاة فيما سواه إلا المسجد الحرام.(١)

وهو محمول على أن الجمهور عندهم أن الصلاة في المسجد الحرام أفضل من الصلاة في مسجدي هذا، فإن المشهور أن الصلاة في المسجد الحرام بمئة ألف صلاة في مسجد رسول الله ﷺ، والصلاة في مسجد رسول الله ﷺ بخمسين ألف صلاة في للمسجد الأقصى بألف، والمالكية: الحرام بأقل من ألف، ومبناه أن المدينة عندهم أفضل من مكة، وعند من سواهم مكة أفضل، وتمام هذا البحث استوفيناه في كتاب "جذب القلوب إلى ديار المحبوب" تاريخ المدينة المنورة فليطلب ثمة.

وثالثها: في حديث ما بين بيتي ومنبري روضة من رياض الجنة.(٢)

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب فضل الصلاة في مسجد مكة والمدينة، باب فضل الصلاة في مسجد مكة والمدينة (٦٠/٢) رقم الحديث: ١١٩٠ ومسلم في "صحيحه" كتاب الحج، باب فضل الصلاة بمسجدي مكة والمدينة (١٠١٢/٢) رقم الحديث: ١٣٩٤.

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب فضل الصلاة في مسجد مكة والمدينة، باب فضل ما بين القبر والمنبر (٦١/٢) رقم الحديث: ١١٩٦. ومسلم في "صحيحه" كتاب الحج، باب ما بين القبر والمنبر روضة من رياض الجنة (١٠١١/٢) رقم الحديث: ١٣٩١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

اختلف كلام العلماء في ذلك، فقال بعضهم: إن العبادة فيه تؤدي إلى روضة الجنة، أو جعل الروضة كما جعل حلق الذكر رياض الجنة؛ فإنه لا يزال مجتمعا للملائكة والجن والإنس، يذكرون الله، أو كروضة الجنة في حصول الرحمة والسعادة، وهذا القول لا يخلو عن بعد؛ لأنه خلاف ظاهر اللفظ، وقد يشترك فيه سائر المساجد وبقاع الخير.

وقال أهل التحقيق: إن الكلام محمول على الحقيقة، إما بأن ينقل هذا المكان يوم القيامة إلى الفردوس الأعلى، ولا يفنى ولا يهلك مثل سائر بقاع الأرض. ونقل ابن فرحون وابن الجوزي هذا القول من مالك رحمه الله وجماعة من العلماء.

وقال ابن أبي جمرة من كبار علماء المالكية رحمهم الله: يحتمل أن يكون عين هذه البقعة روضة من رياض الجنة، أنزلت منها إلى المسجد، كما ورد في الحجر الأسود ومقام إبراهيم، وبعد قيام الساعة ينقل إلى مقامه الأصلي، كما أن الرتبة الخليلية الإبراهيمية اقتضت الاختصاص بحجر من الجنة اقتضت الدرجة الحبيبية المحمدية بروضة منها، وشتان ما بينهما، ولو رئي في العين الظاهر مثل سائر الأراضي الدنيوية لم يبعد؛ لأن الإنسان ما دام محجوبا بالحجب الكثيفة الطبيعية والأحكام العادية البشرية لم ينكشف عليه حقائق الأشياء، ولم يدرك الأمور الأخروية وأحكامها وآثارها.

وهذا الاختلاف لا نعرف وجوده في الأئمة الأربعة ولا ندري مخالفة سائر الأئمة مالكا في ذلك، وأن مذهب إمامنا في ذلك ما هو ليس من جملة الاختلافات التي قصدنا ذكرها في هذا الكتاب، والله أعلم.

وأما الأكل والشرب والنوم في المساجد فحملوها على الضرورة والاضطرار كالمسافر، ومن ليس له منزلا ومأوى كأصحاب الصفة وأمثالهم، وقد ذكر في كتب فقه الحنفية جوازها، وجواز البيع والشراء من غير احضار السلعة للمعتكف دون غيره.

وأما البصل والثوم وفي حكمهما كل ماله ريح كريهة، فاتفقوا على أنه ليس بحرام، بل مكروه كراهة تحريم أو تنزيه، وأما داخل المسجد وفي حكمه مجامع العبادات ومجالس المؤمنين مما فيه إيذائهم فحرام، بلاخلاف؛ وتفصيل ذلك يطلب من كتب فقه الأئمة، فليتدبر.

رجعنا إلى الكلام في ركعتي تحية للمسجد، اعلم أنه قد وقع الأمر بهما قبل أن يجلس، والنهي عن الجلوس حتى يصليها، فهو واجبة عند الشافعي وأحمد رحمهما الله، ولا يتم الاستدلال لجواز كون المندوب والنهي الكراهية حتى يظهر دليل الوجوب والحرمة، وقوي ما يستدلون به ما ثبت في الصحيحين من حديث جابر بطرق متعددة: أنه جاء رجل إلى النبي

toobaa-elibrary.blogspot.com

ﷺ وهو يخطب، فقال: أصليت يا فلان؟ قال: لا، قال: صل ركعتين وتجوز فيهما،[1] فقد أمرهما في حالة الخطبة مع حرمة الصلاة حالة الخطبة، فقد دل أوكد دلالة على وجوبها، لكنه يتوجه أنه كيف أمرهم مع حرمة الصلاة في حالة الخطبة.

ويجاب بأنه كان مخصوصا بذلك الرجل أو يكون المنع مقيدا بما سواهم وكانتا مستثنيتين منه، ويقال: إن هذا كان قبل المنع، وقيل: كانت هذه القضية قبل أن يشرع صلى الله عليه وسلم في الخطبة، وقيل: كانت الخطبة لغير الجمعة، وفيه أنه لا يتم الاستدلال من جهة الأوكدية.

وقال الشيخ ابن الهمام[2]: معارضة هذا الحديث والأحاديث الأخر غير لازم؛ لجواز كونه قطع الخطبة حتى فرغ، وهو كذلك، رواه الدارقطني في سننه[3] من حديث عبيد بن محمد العبدي قال: حدثنا معتمر عن أبيه عن قتادة عن أنس ﷺ قال: دخل رجل [المسجد ورسول الله ﷺ يخطب، فقال له النبي ﷺ: قم فاركع ركعتين، وأمسك عن الخطبة حتى فرغ من صلاته، ثم قال: أسنده عبيد بن محمد العبدي ووهم فيه، ثم أخرجه عن أحمد بن حنبل حدثنا معتمر عن أبيه قال: جاء رجل،] الحديث، وفيه: انتظره حتى صلى، قال: وهذا المرسل هو الصواب، ونحن نقول: المرسل حجة لا سيما إذا جاء مرفوعا أيضا وهو خال عن معارض؛ لأن غيره ساكت عن قطع الخطبة والإمساك عنها، فهذه زيادة، وزيادة الثقة مقبولة، وعلى هذا فما جاء من حديث مسلم: إذا جاء أحدكم يوم الجمعة، والإمام يخطب، فليركع ركعتين[4]، يكون المراد به أن يركع مع سكوت الخطيب، لما ثبت في السنة من ذلك، انتهى ملخصا.

---

1) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الجمعة: باب إذا رأى الإمام رجلا جاء وهو يخطب، أمره أن يصلي ركعتين (١٢/٢) رقم الحديث: ٩٣٠، ٩٣١. ومسلم في "صحيحه" كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب التحية والإمام يخطب (٥٩٦/٢) رقم الحديث: ٨٧٥.

2) فتح القدير: ٦٨/٢.

3) أخرجه الدار قطني في "سننه" كتاب الصلاة، باب في الركعتين إذا جاء الرجل والإمام يخطب (٣٢٧/٢) رقم الحديث: ١٦١٨.

4) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب التحية والإمام يخطب (٥٩٧/٢) رقم الحديث: ٨٧٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقال في فتح الباري[1]: إن حديث دخول الرجل واقعة عين لا عموم لها، فيحتمل اختصاصه به، ويدل عليه حديث أبي سعيد الذي أخرجه أصحاب السنن وغيرهم: جاء رجل والنبي ﷺ يخطب، والرجل في هيئة بذة، فقال: أصليت؟ قال: لا، قال: صل ركعتين، وحض الناس على الصدقة، فأمره بأن يصلي ليراه بعض الناس وهو قائم فيتصدق عليه، وقد جاء في حديث عند أحمد[2] أن النبي ﷺ قال: إن هذا الرجل دخل في هيئة بذة فأمرته أن يصلي ركعتين، وأنا أرجو أن يتظر له رجل فيتصدق عيه، ولكن حديث مسلم: إذا جاء أحدكم الجمعة والإمام يخطب، يدل على عموم الحكم بطريق القاعدة، فليتدبر.

وقيل: الصلاة التي أمر النبي ﷺ بذلك كانت صلاة الفجر فائتة، فعلم النبي ﷺ ذلك بالوحي، فأمره بقضائها، والكلام في هذا المقام في غاية الطول أورده في فتح الباري فليطلب ثمه.

---

١) فتح الباري: ٢/٤٠٨.

٢) أخرجه أحمد في "مسنده" مسند المكثرين من الصحابة، مسند أبي سعيد الخدري (١٧/٢٩١) رقم الحديث: ١١١٩٧

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب الستر [١]

عن بهز بن حكيم عن أبيه عن جده [وكانت له صحبة] قال: قلت: يا رسول الله، عورتنا: ما نأتي منها وما نذر؟ قال: احفظ عورتك إلا من زوجتك، أو ما ملكت يمينك، قلت: يا رسول الله، فالرجل يكون مع الرجل؟ قال: إن استطعت أن لا يراها أحد فافعل، قلت: فالرجل يكون خاليا؟ قال: الله أحق أن يستحيا منه من الناس. أخرجه أبو داود والترمذي. [٢]

وعن المسور بن مخرمة ﷺ قال: حملت حجرا ثقيلا، فبينا أنا أمشي سقط عني ثوبي، فلم أستطع أخذه، فرآني النبي ﷺ، فقال لي: خذ عليك ثوبك، ولا تمشوا عراة. أخرجه مسلم وأبو داود. [٣]

وعن بن عمر: أن رسول الله ﷺ، قال: إياكم والتعري، فإن معكم من لا يفارقكم إلا عند الغائط، وحين يفضي الرجل إلى أهله، فاستحيوهم، وأكرموهم. أخرجه الترمذي. [٤]

وعن بن عباس رضي الله عنهما: أن النبي ﷺ، قال: الفخذ عورة. أخرجه الترمذي. [٥]

وعن علي بن أبي طالب ﷺ: أن رسول الله ﷺ، قال له: يا علي، لا تبرز فخذك، ولا تنظر إلى فخذ حي ولا ميت. أخرجه أبو داود. [٦]

---

١) الستر: قال تعالى: يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ الآية. [الأعراف: ٣١.] وقال تعالى: يَا بَنِي آدَمَ قَدْ أَنزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُوَارِي سَوْآتِكُمْ وَرِيشًا وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ الآية. [الأعراف: ٢٦] وقال تعالى: فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْآتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِن وَرَقِ الْجَنَّةِ الآية. [الأعراف: ٢٢.] (الأعظمي)

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الحمام، باب ما جاء في التعري (٤/ ٤٠) رقم الحديث: ٤٠١٧. والترمذي في "جامعه" أبواب الأدب، باب ما جاء في حفظ العورة (٥/٩٧) رقم الحديث: ٢٧٦٩، ٢٧٩٤.

٣) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الحيض، باب الاعتناء بحفظ العورة (١/٢٦٨) رقم الحديث: ٣٤١. وأبو داود في "سننه" كتاب الحمام، باب ما جاء في التعري (٤/ ٤٠) رقم الحديث: ٤٠١٦.

٤) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الأدب، باب ما جاء في الاستتار عند الجماع (٥/١١٢) رقم الحديث: ٢٨٠٠.

٥) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الأدب، باب ما جاء أن الفخذ عورة (٥/١١١) رقم الحديث: ٢٧٩٦.

٦) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الجنائز، باب في ستر الميت عند غسله (٣/١٩٦) رقم الحديث: ٣١٤٠، كتاب الحمام، باب النهي عن التعري (٤/ ٤٠) رقم الحديث: ٤٠١٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أبي هريرة ﷺ: أن سائلا سأل رسول الله ﷺ عن الصلاة في ثوب واحد؟ فقال: أولكلكم ثوبان؟ أخرجه الجماعة إلا الترمذي. وفي رواية للبخاري ومسلم قال: نادى رجل رسول الله ﷺ: أيصلي أحدنا في ثوب واحد؟ فقال: أفكلكم يجد ثوبين؟ زاد في رواية: قال: ثم سأل رجل عمر، فقال: إذا وسع الله فوسعوا: جمع رجل عليه ثيابه، صلى رجل في إزار ورداء، في إزار وقميص، في إزار وقباء، في سراويل ورداء، في سراويل وقميص، في سراويل وقباء، في تبان وقباء، في تبان وقميص. قال: وأحسبه قال: في تبان ورداء. وفي رواية للموطأ عن ابن المسيب قال: سئل أبو هريرة: هل يصلي الرجل في ثوب واحد؟ قال: نعم. فقيل له: هل تفعل ذلك أنت؟ فقال: نعم، إني لأصلي في ثوب واحد، وإن ثيابي لعلى المشجب. (١)

وعن محمد بن المنكدر قال: رأيت جابرا يصلي في ثوب واحد وقال: رأيت رسول الله ﷺ يصلي في ثوب. وفي رواية قال: دخلت على جابر بن عبد الله وهو يصلي في ثوب، ملتحفا به، ورداؤه موضوع، فلما انصرف، قلنا: يا أبا عبد الله، تصلي ورداؤك موضوع؟ قال: نعم أحببت أن يراني الجهال مثلكم، رأيت النبي ﷺ يصلي كذلك. (٢)

وعن عبد الرحمن بن أبي بكر قال: أمنا جابر في قميص ليس عليه رداء، فلما انصرف قال: إني رأيت رسول الله ﷺ يصلي في قميص. رواه مسلم. (٣)

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب الصلاة في الثوب الواحد ملتحفا به (٨١/١) رقم الحديث: ٣٥٨، باب الصلاة في القميص والسراويل والتبان والقباء (٨٢/١) رقم الحديث: ٣٦٥. ومسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب الصلاة في ثوب واحد وصفة لبسه (٣٦٧/١) رقم الحديث: ٥١٥. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب جماع أثواب ما يصلي فيه (١٦٩/١) رقم الحديث: ٦٢٥. والنسائي في "سننه" كتاب القبلة، باب الصلاة في الثوب الواحد (٦٩/٢) رقم الحديث: ٧٦٣. وابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب الصلاة في الثوب الواحد (٣٣٣/١) رقم الحديث: ١٠٤٧. ومالك في "الموطأ" كتاب صلاة الجماعة، باب الرخصة في الصلاة في الثوب الواحد (١٤٠/١) رقم الحديث: ٣٠، ٣١.

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب الصلاة بغير رداء (٨٣/١) رقم الحديث: ٣٧٠. ومسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب الصلاة في ثوب واحد وصفة لبسه (٣٦٩/١) رقم الحديث: ٥١٨، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب الدعاء في صلاة الليل وقيامه (٥٣٢/١) رقم الحديث: ٧٦٦. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في الرجل يصلي في قميص واحد (١٧١/١) رقم الحديث: ٦٣٣، ٦٣٤. ومالك في "الموطأ" كتاب صلاة الجماعة، باب الرخصة في الصلاة في الثوب الواحد (١٤١/١) رقم الحديث: ٣٢.

٣) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في الرجل يصلي في قميص واحد (١٧١/١) رقم الحديث: ٦٣٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن ابن عمر رضي الله عنهما قال: قال النبي ﷺ: إذا صلى أحدكم فليلبس ثوبيه، فإن الله أحق من تزين له. رواه الطبراني في الأوسط. (١)

وعن عمر بن أبي سلمة رضي الله عنه أن النبي ﷺ صلى في ثوب واحد، وقد خالف بين طرفيه. وفي رواية: أنه رأى النبي ﷺ يصلي في ثوب واحد في بيت أم سلمة، [قد ألقى طرفيه على عاتقيه]. وفي أخرى قال: رأيت رسول الله ﷺ يصلي في ثوب واحد مشتملا به في بيت أم سلمة، [واضعا طرفيه على عاتقيه. وفي أخرى: متوشحا. وفي أخرى: ملتحفا، وزاد قال: على منكبيه. أخرجه البخاري ومسلم. وأخرج الموطأ والترمذي الرواية الثانية، والنسائي الأولى، وأبو داود الآخرة. وفي رواية الترمذي: صلى في مرضه خلف أبي بكر قاعدا في ثوب متوشحا به. (٢)

وعن أسماء بنت أبي بكر، تقول: رأيت أبي، يصلي في ثوب واحد وثيابه موضوعة، فقال: يا بنية، أن آخر صلاة صلاها رسول الله ﷺ خلفي في ثوب واحد. رواه ابن أبي شيبة وأبو يعلى. (٣)

وعن بريدة رضي الله عنه: قال: نهى رسول الله ﷺ أن يصلى في لحاف لا يتوشح به، والآخر: أن يصلي في سراويل ليس عليه رداء. أخرجه أبو داود. (٤)

وعن عن ابن عمر، قال: قال رسول الله ﷺ: أو قال: قال عمر رضي الله عنه: إذا كان لأحدكم ثوبان فليصل فيهما فإن لم يكن إلا ثوب واحد فليتزر به، ولا يشتمل اشتمال اليهود. أخرجه أبو داود. (٥)

---

١) أخرجه الطبراني في "للمعجم الأوسط" باب الهاء، من اسمه هارون (٩/١٤٤) رقم الحديث: ٩٣٦٨.

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب الصلاة في الثوب الواحد ملتحفا به (١/٨٠) رقم الحديث: ٣٥٤، ٣٥٥، ٣٥٦. ومسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب الصلاة في ثوب واحد وصفة لبسه (١/٣٦٨) رقم الحديث: ٥١٧. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب جماع أثواب ما يصلي فيه (١/١٦٩) رقم الحديث: ٦٢٨. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في الصلاة في الثوب الواحد (٢/١٦٦) رقم الحديث: ٣٣٩. والنسائي في "سننه" كتاب القبلة، باب الصلاة في الثوب الواحد (٢/٧٠) رقم الحديث: ٧٦٤. ومالك في "الموطأ" كتاب صلاة الجماعة، باب الرخصة في الصلاة في الثوب الواحد (١/١٤٠) رقم الحديث: ٢٩.

٣) أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الصلوات، باب في الصلاة في الثوب الواحد (١/٢٧٨) رقم الحديث: ٣١٩٥. وأبو يعلى في "مسنده" مسند أبي بكر الصديق رضي الله عنه (١/٥١) رقم الحديث: ٥١.

٤) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب إذا كان الثوب ضيقا يتزر به (١/١٧٢) رقم الحديث: ٦٣٦.

٥) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب إذا كان الثوب ضيقا يتزر به (١/١٧٢) رقم الحديث: ٦٣٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن جابر قال: قال رسول الله ﷺ: إذا صليت وعليك ثوب واحد فإن كان واسعا فالتحف به، وإن كان ضيقا فاتزر به. رواه ابن خزيمة. (١)

وفي رواية: إذا كان واسعا فخالف بين طرفيه، وإذا كان ضيقا فاشدده على حقوك. رواه أحمد ومسلم وأبو داود. (٢)

وعن سهل بن سعد رضي الله عنه قال: كان رجال يصلون مع النبي ﷺ عاقدي أزرهم على أعناقهم كهيئة الصبيان، ويقال للنساء: لا ترفعن رؤوسكن حتى يستوي الرجال جلوسا. أخرجه البخاري ومسلم والنسائي. وعند أبي داود نحوه، وفيه: من ضيق الأزر. وفيه: فقال قائل: يا معشر النساء، لا ترفعن رؤوسكن. (٣)

وعن عبيد الله بن الأسود الخولاني وكان في حجر ميمونة زوج النبي ﷺ، أن ميمونة كانت تصلي في الدرع والخمار ليس عليها إزار. أخرجه الموطأ. (٤)

وعن محمد بن زيد بن قنفد: عن أمه: أنها سألت أم سلمة زوج النبي ﷺ: ماذا تصلي فيه المرأة من الثياب؟ فقالت: تصلي في الخمار والدرع السابغ إذا كان يغيب ظهور قدميها.

---

١) أخرجه ابن خزيمة في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب ذكر الخبر المفسر للفظة المجملة التي ذكرتها (١/٣٧٧) رقم الحديث: ٧٦٧. وابن حبان في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب ما يكره للمصلي وما لا يكره (٦/٧٩) رقم الحديث: ٢٣٠٥.

٢) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الزهد والرقائق، باب حديث جابر الطويل وقصة أبي اليسر (٤/٢٣٠٥) رقم الحديث: ٣٠١٠. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب إذا كان الثوب ضيقا يتزر به (١/١٧١) رقم الحديث: ٦٣٤. وأحمد في "مسنده" مسند المكثرين من الصحابة، مسند جابر بن عبد الله رضي الله عنه (٢٢/٤٤٧) رقم الحديث: ١٤٥٩٤.

٣) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب إذا كان الثوب ضيقا (١/٨١) رقم الحديث: ٣٦٢، كتاب الأذان، باب عقد الثياب وشدها، ومن ضم إليه ثوبه إذا خاف أن تنكشف عورته (١/١٦٣) رقم الحديث: ٨١٤، كتاب الجمعة، باب إذا قيل للمصلي تقدم أو انتظر فانتظر فلا بأس (٢/٦٥) رقم الحديث: ١٢١٥. ومسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب أمر النساء المصليات وراء الرجال أن لا يرفعن رؤوسهن من السجود (١/٣٢٦) رقم الحديث: ٤٤١. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب الرجل يعقد الثوب في قفاه ثم يصلي (١/١٧٠) رقم الحديث: ٦٣٠. والنسائي في "سننه" كتاب القبلة، باب الصلاة في الإزار (٢/٧٠) رقم الحديث: ٧٦٦.

٤) أخرجه مالك في "الموطأ" كتاب صلاة الجمعة، باب الرخصة في صلاة المرأة في الدرع والخمار (١/١٤٢) رقم الحديث: ٣٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

أخرجه الموطأ وأبو داود، ولأبي داود أيضا عن أم سلمة: أنها سألت النبي ﷺ: أتصلي المرأة في درع وخمار ليس عليها إزار؟ الحديث. ذكره صاحب المشكاة. (١)

وعن أبي سعيد قال: قال رسول الله ﷺ: عورة المؤمن ما بين سرته إلى ركبته. رواه سمويه. (٢)

وعن عبد الله بن جعفر قال: قال رسول الله ﷺ: ما بين السرة والركبة عورة. رواه الحاكم. (٣)

وعن أبي أيوب، قال: سمعت النبي ﷺ يقول: ما فوق الركبتين من العورة، وما أسفل من السرة من العورة. رواه الدارقطني والبيهقي. (٤)

وعن عمر قال: قال رسول الله ﷺ: تصلي المرأة في ثلاثة أثواب درع وخمار وإزار. رواه ابن أبي شيبة وابن منيع والبيهقي. (٥)

وعن علي ﷺ: أنه كان يدخل على النبي ﷺ فدخل عليه يوما وقد كشف عن فخذيه فقال: يا ابن أبي طالب لا تكشف عن فخذك فإنها عورة، ولا تنظر إلى فخذ حي ولا ميت فإنك تغسل الموتى. رواه ابن راهويه وابن جرير: وصححه. (١)

---

١) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في كم تصلي المرأة (١٧٣/١) رقم الحديث: ٦٣٩، ٦٤٠. مالك في "الموطأ" كتاب صلاة الجمعة، باب الرخصة في صلاة المرأة في الدرع والخمار (١٤٢/١) رقم الحديث: ٣٦. والتبريزي في "مشكاة المصابيح" كتاب الصلاة، باب الستر، الفصل الثاني (٢٣٨/١) رقم الحديث: ٧٦٣.

٢) أخرجه سمويه في "فوائده" كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأقوال، الباب الثاني في أحكام الصلاة ومفسداتها، الفصل الأول في أحكام الصلاة الخارجة (٢٢٧/٧) رقم الحديث: ١٩١٠٠.

٣) أخرجه الحاكم في "المستدرك" كتاب معرفة الصحابة ﷺ، ذكر عبد الله بن جعفر بن أبي طالب الطيار ﷺ (٦٥٧/٣) رقم الحديث. ٦٤١٨.

٤) أخرجه الدارقطني في "سننه" كتاب الصلاة، باب الأمر بتعليم الصلوات الضرب عليها وحد العورة التي يجب سترها (٤٣٢/١) رقم الحديث: ٨٩٠. والبيهقي في "السنن الكبرى" كتاب الصلاة، جماع أبواب لبس المصلي، باب عورة الرجل (٣٢٤/٢) رقم الحديث: ٣٢٣٧.

٥) أخرجه البيهقي في "السنن الكبرى" كتاب الصلاة، جماع أبواب لبس المصلي، باب الترغيب في أن تكثف ثيابها أو تجعل تحت درعها ثوبا إن خشيت أن يصفها درعها (٣٣٢/٢) رقم الحديث: ٣٢٦٤. وابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الصلوات، باب المرأة في ثوب تصلي (٣٦/٢) رقم الحديث: ٦١٦٨. وابن حجر في "المطالب العالية" كتاب الصلاة، باب ستر العورة (٣٦٧/٣) رقم الحديث: ٣٢١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أبي سعيد قال: اختلف أبي بن كعب وابن مسعود في الصلاة في ثوب واحد فقال أبي: ثوب واحد، وقال ابن مسعود: ثوبين، فجاز عليهم عمر بن الخطاب فلامهما وقال: إنه ليسوءني أن يختلف اثنان من أصحاب محمد في شيء واحد فعن أي فتياكما يصدر الناس؟ أما ابن مسعود فلم يأل، والقول ما قال أبي. رواه البيهقي. [٢]

وفي رواية الحسن: قال أبي: لا بأس به قد صلى النبي ﷺ في ثوب واحد فالصلاة فيه جائزة، وقال ابن مسعود: إنما كان ذلك إذا كان الناس لا يجدون الثياب، وأما إذا وجدوها فالصلاة في ثوبين فقام عمر على المنبر فقال: القول ما قال أبي ولم يأل ابن مسعود. [٣]

وعن معاوية بن أبي سفيان قال: سألت أم حبيبة قلت: أكان رسول الله ﷺ يصلي في الثوب الذي يضاجعك فيه؟ قالت: نعم إذا لم ير فيه أذى. رواه سعيد بن منصور في سننه. [٤]

وعن مكحول قال: سألت عائشة في كم ثوب تصلي المرأة؟ فقالت: ائت عليا فاسأله، ثم ارجع إلي فأتى عليا فسأله فقال: في درع سابغ وخمار، فرجع إليها فأخبرها فقالت: صدق. رواه ابن أبي شيبة. [٥]

---

١) أخرجه ابن راهويه وابن جرير كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأفعال، الباب الثاني في أحكامها وأركانها ومفسداتها، فصل في الشرط: جامع الشروط القبلة وغيرها (١٨/٨) رقم الحديث: ٢١٦٧٣. وأخرجه ابن حجر في "المطالب العالية" كتاب الصلاة، باب ستر العورة (٣٤٨/٣) رقم الحديث: ٣١٨. والبوصيري في "اتحاف الخيرة" كتاب القبلة وفيه ستر العورة وما يصلى فيه، باب في ستر العورة (١١٤/٢) رقم الحديث: ١١٤٨.

٢) أخرجه البيهقي في "السنن الكبرى" كتاب الصلاة، جماع أبواب لبس المصلي، باب الصلاة في ثوب واحد (٣٣٦/٢) رقم الحديث: ٣٢٨٥.

٣) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الصلاة، باب ما يكفي الرجل من الثياب (٣٦٥/١) رقم الحديث: ١٣٨٥.

٤) أخرجه سعيد بن منصور كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأفعال، الباب الثاني في أحكامها وأركانها ومفسداتها، فصل في الشرط: جامع الشروط القبلة وغيرها (٢٤/٨) رقم الحديث: ٢١٧٠٣.

٥) أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الصلوات، كتاب صلاة التطوع والإمامة وأبواب متفرقة، باب المرأة في كم ثوب تصلي (٣٦/٢) رقم الحديث: ٦١٦٩.

toobaa-elibrary.blogspot.com

تنبيه في حد العورة

ليس في هذا الباب ايضا خلاف بين الائمة سوي ما فيحده العورة، فقال الهداية عورة الرجل ما تحت السرة الي الركبة، لقوله عليه السلام عورة الرجل بين سرته الي ركبته، ويروي ما دون سرته حتى يجاوز ركبتيه، وقال بهذا تبين ان السرة ليست من العورة خلافا لما يقوله الشافعي والركبة من عورة خلافا له ايضا وكلمة الي تحمل على كلمة ما عملا بكلمة حتى او عملا وله الركبة من العورة.

وقال الشيخ ابن الهمام [١] في حديث عورة الرجل ما بين سرته إلى ركبتيه: رواه الدارقطني عن عطاء بن يسار عن أبي أيوب قال: سمعت النبي عليه الصلاة والسلام، يقول: ما فوق الركبتين من العورة، وما أسفل من السرة من العورة، وعن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن رسول الله ﷺ قال: فإن ما تحت السرة إلى ركبته من العورة، رواه الدارقطني من حديث طويل، وفيه سوار بن داود لينه العقيلي لكن وثقه ابن معين.

وعن عقبة بن علقمة عن علي رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: الركبة من العورة، وعقبة هذا هو اليشكري ضعفه أبو حاتم والدارقطني، وحديث حتى يجاوز ركبته، لم يعرف، وعلى هذا يسقط ترتيب البحث المذكور: أعني قوله وكلمة إلخ لأن تمامه متوقف على كون حديث الركبة مما يحتج به.

وله طريقان معنويان: وهما أن الغاية قد تدخل وقد تخرج والموضع موضع الاحتياط فحكمنا بدخولها احتياطا وإن الركبة ملتقى عظم العورة وغيرها فاجتمع الحلال والحرام ولا تميز، وهذا في التحقيق وجه كون الموضع موضع الاحتياط هذا ما ذكره في الهداية وشرحه.

وفي الحاوي في مذهب الإمام الشافعي: وتبطل الصلاة بعدم الستر ما بين السرة والركبة وهذا يدل على أن السرة والركبة ليستا بعورتين، وقال في شرحه: إن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ما فوق الركبة ودون السرة عورة، وروي أيضا عورة الرجل ما بين سرته إلى ركبته، فعنده العورة بين السرة والركبة وهما خارجان عنها.

وفي كتاب الخرقي في مذهب الإمام أحمد [٢]: ومن كان من الرجال فعليه ما يستر ومن كان من الرجال وعليه ما يستر ما بين سرته وركبتيه أجزأه وذلك.

---

١) فتح القدير: ٢٥٨/١.

٢) مختصر الخرقي: ٢٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقال في شرحه [1]: هذا يتضمن أن عورة الرجل ما بين سرته وركبته، وهذا المشهورة، من الروايات، وعليه العامة، لما روي عن علي ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: لا تبرز فخذك، ولا تنظر إلى فخذ حي ولا ميت، رواه أبو داود وابن ماجه. [2]

وعن جرهد الأسلمي قال: مر رسول الله ﷺ وعلي بردة، وقد انكشف فخذي فقال: غط فخذك، فإن الفخذ عورة، رواه أحمد، ومالك في الموطأ، وأبو داود، والترمذي وحسنه. [3]

وعن عمرو بن شعيب، عن أبيه، عن جده، عن النبي ﷺ قال: ما بين السرة إلى الركبة عورة، رواه الدارقطني.

والرواية الثانية: أن السرة والركبة عورة أيضا.

والثالثة: وإليها ميل أبي البركات، أن العورة الفرجان فقط. لما روت عائشة ﷺ: أن رسول الله ﷺ كان جالسا كاشفا عن فخذه، فاستأذن أبو بكر، فأذن له وهو وعلى حاله، ثم استأذن عمر، فأذن له وهو على حاله، ثم استأذن عثمان، فأرخى عليه ثيابه، فلما قاموا قلت: يا رسول الله استأذن أبو بكر وعمر، فأذنت لهما وأنت على حالك، فلما استأذن عثمان أرخيت عليك ثيابك. فقال: يا عائشة ألا أستحيي من رجل والله إن الملائكة تستحيي منه؟، رواه أحمد، ومسلم، لكن قال: كاشفا عن فخذيه أو ساقيه.

وعن أنس أن النبي ﷺ يوم خيبر انحسر الإزار عن فخذه، وقال: حتى إني لأنظر إلى بياض فخذ النبي ﷺ. رواه أحمد والبخاري، وقال: حديث أنس أسند، وحديث جرهد أحوط. إنتهى.

وعن مالك: الفخذ ليس بعورة، وقد ورد في ستر الفخذ أحاديث كثيرة جدا وروى عنه: أن العورة هي الأعضاء الثلاثة الذكر والانثيان، ولا ندري بما تمسك فيه، والله أعلم.

---

1) شرح الزركشي: ١/٦٠٩-٦١١.
2) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الجنائز، باب في ستر الميت عند غسله (٣/١٩٦) رقم الحديث: ٣١٤٠. وابن ماجه في "سننه" كتاب الجنائز، باب ما جاء في غسل الميت (١/٤٦٩) رقم الحديث: ١٤٦٠.
3) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الحمام، باب النهي عن التعري (٤/٤٠) رقم الحديث: ٤٠١٤. والترمذي في "جامعه" أبواب الأدب، باب ما جاء أن الفخذ عورة (٥/١١٠) رقم الحديث: ٢٧٩٥، ٢٧٩٧، ٢٧٩٨. وأحمد في "مسنده" مسند المكيين، حديث جرهد الأسلمي (٢٥/٢٧٤) رقم الحديث: ١٥٩٢٦، ١٥٩٢٧، ١٥٩٢٨، ١٥٩٢٩، ١٥٩٣٠، ١٥٩٣١، ١٥٩٣٢، ١٥٩٣٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب السترة

عن بن عمر رضي الله عنهما: أن النبي ﷺ كان إذا خرج يوم العيد أمر بالحربة، فتوضع بين يديه، فيصلي إليها والناس وراءه، وكان يفعل ذلك في السفر، فمن ثم اتخذها الأمراء. وفي أخرى: كان يركز الحربة قدامه يوم الفطر والنحر، ثم يصلي. أخرجه البخاري ومسلم. وفي رواية البخاري قال: كان النبي ﷺ يغدو إلى المصلى والعنزة بين يديه تحمل، وتنصب بالمصلى بين يديه، فيصلي إليها. وأخرج أبو داود الأولى. (١)

وعن أبي جحيفة ﷺ: أن النبي ﷺ صلى بهم بالبطحاء، وبين يديه عنزة، الظهر ركعتين، والعصر ركعتين، يمر بين يديه، وفي رواية: بين يدي العنزة: المرأة والحمار. وفي أخرى: خرج رسول الله ﷺ في حلة حمراء، فركز عنزة يصلي إليها، يمر من ورائها الكلب والمرأة والحمار. هذا حديث له طرق عدة، قد أخرجه البخاري ومسلم وأبو داود والنسائي. (٢)

وعن سهل بن أبي حثمة ﷺ: يبلغ به النبي ﷺ قال: إذا صلى أحدكم إلى سترة فليدن منها، لا يقطع الشيطان عليه صلاته. أخرجه أبو داود. (٣)

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب سترة الإمام سترة من خلفه (١/١٠٥) رقم الحديث: ٤٩٤، كتاب الجمعة، باب الصلاة إلى الحربة يوم العيد (٢/٢٠) رقم الحديث: ٩٧٢، باب حمل العنزة أو الحربة بين يدي الإمام يوم العيد (٢/٢٠) رقم الحديث: ٩٧٣. ومسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب سترة للمصلي (١/٣٥٩) رقم الحديث: ٥٠١. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب ما يستر للمصلي (١/١٨٣) رقم الحديث: ٦٨٧. والنسائي في "سننه" كتاب القبلة، باب سترة للمصلي (٢/٦٢) رقم الحديث: ٧٤٧، كتاب صلاة العيدين، باب صلاة العيدين إلى العنزة (٣/١٨٣) رقم الحديث: ١٥٦٥. وابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء في الحربة يوم العيد (١/٤١٣) رقم الحديث: ١٣٠٤، ١٣٠٥.

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب سترة الإمام سترة من خلفه (١/١٠٦) رقم الحديث: ٤٩٥، باب السترة بمكة وغيرها (١/١٠٦) رقم الحديث: ٥٠١، كتاب الأذان، باب الأذان للمسافر إذا كانوا جماعة والإقامة (١/١٢٩) رقم الحديث: ٦٣٣. كتاب المناقب، باب صفة النبي ﷺ (٤/١٨٨) رقم الحديث: ٣٥٥٣. ومسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب سترة للمصلي (١/٣٥٩) رقم الحديث: ٥٠٣. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب ما يستر للمصلي (١/١٨٣) رقم الحديث: ٦٨٨. والنسائي في "سننه" كتاب الصلاة، باب صلاة الظهر في السفر (١/٢٣٥) رقم الحديث: ٤٧٠، كتاب الزينة، باب اتخاذ القباب الحمر (٨/٢٢٠) رقم الحديث: ٥٣٧٨.

٣) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب الدنو من السترة (١/١٨٥) رقم الحديث: ٦٩٥

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن الربيع بن سبرة قال: قال رسول الله ﷺ: استتروا في صلاتكم ولو بسهم. رواه أحمد والحاكم والبيهقي.[1]

وعن أنس قال: قال رسول الله ﷺ: سترة الإمام سترة من خلفه. رواه الطبراني في الأوسط.[2]

وعنه قال: قال رسول الله ﷺ: ليستتر أحدكم في الصلاة بالخط بين يديه وبالحجر وبما وجد من شيء مع أن المؤمن لا يقطع صلاته شيء. رواه ابن عساكر.[3]

وعن أبي ذر قال: قال رسول الله ﷺ: إذا قام أحدكم يصلي فإنه يستره إذا كان بين يديه مثل آخرة الرحل، فإن لم يكن بين يديه مثل آخرة الرحل، فإنه يقطع صلاته الحمار والمرأة والكلب الأسود، قلت: ما بال الكلب الأسود من الكلب الأحمر؟ فقال: سألت رسول الله ﷺ كما سألتني فقال: الكلب الأسود شيطان. رواه عبد الرزاق ومسلم والنسائي.[4]

وعن الحسن قال: صلى الحكم الغفاري بأصحابه وقد ركز بين يديه رمحا، فمر بين أيديهم كلب أو حمار، فانصرف إلى أصحابه فقال: أما أنه لم يقطع صلاتي ولكنه قطع صلاتكم. رواه عبد الرزاق.[5]

وعن أبي سعيد قال: قال رسول الله ﷺ: إذا كان أحدكم يصلي فلا يدع أحدا يمر بين يديه وليدرأ ما استطاع فإن أبى فليقاتله فإنما هو شيطان. رواه أبو داود والنسائي.[6]

---

١) أخرجه أحمد في "مسنده" مسند المكيين" حديث سبرة بن معبد (٢٤/٥٧) رقم الحديث. ١٥٣٤٠. والحاكم في "المستدرك" كتاب الطهارة، حديث عبد الرحمن بن مهدي (١/٣٨٢) رقم الحديث: ٩٢٥، ٩٢٦. والبيهقي في "سننه" كتاب الصلاة، جماع أبواب ما يجوز من العمل في الصلاة، باب ما يكون سترة للمصلي (٢/٣٨٣) رقم الحديث: ٣٤٦٤، ٣٤٦٥.

٢) أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط" باب الألف، من اسمه أحمد (١/١٤٧) رقم الحديث: ٤٦٥.

٣) أخرجه ابن عساكر في "تاريخ دمشق" حرف الألف، إسحاق بن موسى بن عبد الرحمن بن عبيد أبو يعقوب الحمدي الأستراباذي (٨/٢٩١).

٤) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب قدر ما يستر المصلي (١/٣٦٥) رقم الحديث: ٥١٠. والنسائي في "سننه" كتاب القبلة، باب ذكر ما يقطع الصلاة وما لا يقطع إذا لم يكن بين يديه المصلي سترة (٢/٦٣) رقم الحديث: ٧٥٠. وعبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الصلاة، باب ما يقطع الصلاة (٢/٢٦) رقم الحديث: ٢٣٤٨.

٥) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الصلاة، باب سترة الإمام سترة لمن وراءه (٢/١٨) رقم الحديث: ٢٣١٨.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعنه قال: قال رسول الله ﷺ: لا يقطع الصلاة شيء وادرءوا ما استطعتم فإنما هو شيطان. رواه أبو داود. (٢)

وعن ابن عمر قال: قال رسول الله ﷺ: إذا كان أحدكم يصلي فلا يدع أحدا يمر بين يديه، فإن أبي فليقاتله، فإن معه القرين. رواه أحمد ومسلم وابن ماجة. (٣)

وعن أبي هريرة، قال: قال رسول الله ﷺ: يقطع الصلاة المرأة والحمار والكلب، ويقي ذلك مثل مؤخرة الرحل. رواه أحمد وابن ماجة. (٤)

وعن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: يقطع الصلاة الكلب الأسود، والمرأة الحائض. رواه أبو داود وابن ماجة. (٥)

وعن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: يجزئ من السترة مثل مؤخرة الرحل، ولو بدقة شعرة. رواه الحاكم وابن عساكر. (٦)

---

١) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب منع المار بين يدي المصلي (٣٦٢/١) رقم الحديث: ٥٠٥. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب ما يؤمر المصلي أن يدرأ عن الممر بين يديه (١٨٦/١) رقم الحديث: ٧٠٠. والنسائي في "سننه" كتاب القبلة، باب التشديد في المرور بين يدي المصلي وبين سترته (٦٦/٢) رقم الحديث: ٧٥٧، كتاب القسامة، باب من اقتص وأخذ حقه دون السلطان (٦١/٨) رقم الحديث: ٤٨٦٢.

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب من قال: لا يقطع الصلاة شيء (١٩١/١) رقم الحديث: ٧١٩.

٣) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب منع المار بين يدي المصلي (٣٦٣/١) رقم الحديث: ٥٠٦. وابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ادرأ ما استطعت (٣٠٧/١) رقم الحديث: ٩٥٥. وأحمد في "مسنده" مسند المكثرين من الصحابة، مسند عبد الله بن عمر (٤١٦/٩) رقم الحديث: ٥٥٨٥.

٤) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب قدر ما يستر المصلي (٣٦٥/١) رقم الحديث: ٥١١. وابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما يقطع الصلاة (٣٠٥/١) رقم الحديث: ٩٥٠، ٩٥١. وأحمد في "مسنده" مسند المكثرين من الصحابة، مسند أبي هريرة ﷺ (٢٦١/١٣) رقم الحديث: ٧٩٨٣، (٢٩٦/١٥) رقم الحديث: ٩٤٩٠، مسند المدنيين، مسند عبد الله بن مغفل (٣٥٢/٢٧) رقم الحديث: ١٦٧٩٧، أول مسند البصريين، حديث عبد الله بن المغفل (١٨٢/٣٤) رقم الحديث: ٢٠٥٧٢.

٥) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب ما يقطع الصلاة (١٨٧/١) رقم الحديث: ٧٠٣. وابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها (٣٠٥/١) رقم الحديث: ٩٤٩.

٦) أخرجه الحاكم في "المستدرك" كتاب الطهارة، حديث عبد الرحمن بن مهدي (٣٨٢/١) رقم الحديث: ٩٢٤. وابن عساكر في "تاريخ دمشق" حرف الياء، يزيد بن جابر الأزدي (١٣٥/٦٥).

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن ابن عباس قال: [قالت عائشة:] قال رسول الله ﷺ: لا يقطع الصلاة شيء والله تعالى دون كل شيء، وهو أقرب إليك من حبل الوريد. رواه ابن السني وأبو نعيم في الطب. (١)

وعن أبي هريرة يقول: قال رسول الله ﷺ: لو يعلم المار بين يدي الرجل وهو يصلي ماذا عليه لكان أن يقوم حولا خيرا له من الخطوة التي خطاها. رواه الطبراني في الصغير. (٢) وجاء في رواية: أربعين. (٣) وفي أخرى: مأة. (٤) وفي حديث كعب الأحبار: لكان أن يخسف يخسف به، خيرا له من أن يمر بين يديه. رواه مالك. (٥)

وعن ابن جريج قال: مر عمر بن الخطاب بفتى وهو يصلي، فقال عمر: فتى، يا فتى، ثلاثا، حتى رأى عمر أنه قد عرف صوته: تقدم إلى السارية، لا يتلعب الشيطان بصلاتك، فلست برأي أقوله، ولكن سمعته من رسول الله ﷺ. رواه عبد الرزاق وهو مفصل. (٦)

وعن عبد الله بن شقيق قال: مر عمر بن الخطاب برجل يصلي بغير سترة، فلما فرغ قال: لو يعلم المار والمرور عليه ماذا عليهما ما فعلا. رواه عبد الرزاق. (٧)

---

١) أخرجه أبو نعيم في "الطب النبوي" فصول في المقالة الثانية في معرفة تركيب البدن والصحة، باب في الأعصاب (١/٢١٦) رقم الحديث: ٨٢. وابن السني كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأقوال، الباب الثاني في أحكام الصلاة ومفسداتها، الفصل الأول في أحكام الصلاة الخارجة (٧/٣٥٣) رقم الحديث: ١٩٣٣٩.

٢) أخرجه الطبراني في "المعجم الصغير" حرف الحاء، باب من اسمه حمزة (١/٢٥٦) رقم الحديث: ٤٢٠.

٣) أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الصلوات، باب من كان يكره أن يمر الرجل بين يدي الرجل وهو يصلي (١/٢٥٣) رقم الحديث: ٢٩١٠. [ولفظه: عن عبد الله بن جهيم. قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لو يعلم أحدكم ما له في المشي بين يدي أخيه وهو يصلي من الإثم لوقف أربعين].

٤) أخرجه ابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب المرور بين يدي المصلي (١/٣٠٤) رقم الحديث: ٩٤٦. [ولفظه: عن أبي هريرة، قال: قال النبي ﷺ: لو يعلم أحدكم ما له في أن يمر بين يدي أخيه، معترضا في الصلاة، كان لأن يقيم مائة عام، خير له من الخطوة التي خطاها].

٥) أخرجه مالك في "الموطأ" كتاب قصر الصلاة في السفر، باب التشديد في أن يمر أحد بين يدي المصلي (١/١٥٥) رقم الحديث: ٣٥.

٦) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الصلاة، باب كم يكون بين الرجل وبين سترته؟ (٢/١٦) رقم الحديث: ٢٣٠٩.

٧) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الصلاة، باب المار بين يدي المصلي (٢/٢٤) رقم الحديث: ٢٣٢٩.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن قتادة، عن سعيد، أن عثمان، وعليا رضي الله عنهما قالا: لا يقطع صلاة المسلم شيء، وادرءوهم ما استطعتم. رواه البيهقي.[1]

وعن مالك قال: بلغني، أن رجلا أتى عثمان بن عفان برجل كسر أنفه، فقال له: مر بين يدي في الصلاة وأنا أصلي، وقد بلغني ما سمعته في المار بين يدي المصلي، فقال له عثمان: فما صنعت شر يا ابن أخي، ضيعت الصلاة، وكسرت أنفه. رواه عبد الرزاق.[2]

وعن الفضل بن عباس قال: زار النبي ﷺ عباسا ونحن في بادية لنا، فقام يصلي، أراه قال: العصر، وبين يديه كلبة لنا وحمار يرعى، ليس بينه وبينهما شيء يحول بينه وبينهما. رواه عبد الرزاق.[3]

وعن مطلب بن أبي وداعة: رأيت النبي ﷺ يصلي في المسجد الحرام مما يلي باب بني سهم والناس يطوفون بالبيت بينه وبين القبلة بين يديه ليس بينه وبينه سترة. رواه عبد الرزاق وابن ماجة وأبو داود والنسائي.[4]

وعن أبي ثعلبة بينا النبي ﷺ يصلي بأصحابه بطريق مكة مر رجل يطرد شولا له فأشار إليه النبي ﷺ فلم يفطن فصرخ به عمر فقال: يا صاحب الشول رد إبلك، فردها، فلما صلى النبي ﷺ قال: من المتكلم؟ قالوا: عمر، قال: مالك فقها يا ابن الخطاب. رواه عبد الرزاق بن عبد الرحمن بن يزيد بن أسلم عن أبيه مرسلا.[5]

---

١) أخرجه البيهقي في "السنن الكبرى" كتاب الصلاة، جماع أبواب ما يجوز من العمل في الصلاة، باب الدليل على أن مرور الكلب ونحوه بين يديه لا يفسد الصلاة (٢/٣٩٥) رقم الحديث: ٣٥١٢.

٢) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الصلاة، باب ما يقطع الصلاة (٢/٣٤) رقم الحديث: ٢٣٨٤.

٣) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الصلاة، باب ما يقطع الصلاة (٢/٢٨) رقم الحديث: ٢٣٥٨.

٤) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب المناسك، باب في مكة (٢/٢١١) رقم الحديث: ٢٠١٦. والنسائي في "سننه" كتاب القبلة، باب الرخصة في المرور بين يدي المصلي (٢/٦٧) رقم الحديث: ٧٥٨، كتاب مناسك الحج، باب أين يصلي ركعتي الطواف (٥/٢٣٥) رقم الحديث: ٢٩٥٩. وابن ماجه في "سننه" كتاب المناسك، باب الركعتين بعد الطواف (٢/٩٨٦) رقم الحديث: ٢٩٥٨. وعبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الصلاة، باب لا يقطع الصلاة شيء بمكة (٢/٣٥) رقم الحديث: ٢٣٨٧، ٢٣٨٨.

٥) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الصلاة، باب الكلام في الصلاة (٢/٣٣٠) رقم الحديث: ٣٥٧٢

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن ابن عباس قال: يقطع الصلاة الكلب والخنزير واليهودي والنصراني والمجوسي والمرأة الحائض. رواه عبد الرزاق في الجامع.[1]

وعن عائشة قالت: قرنتمونا يا أهل العراق بالكلب والحمار إنه لا يقطع الصلاة شيء ولكن أدرأوا ما استطعتم. رواه عبد الرزاق.[2]

تنبيه

الكلام في هذا الباب في ثلاثة مواضع.

الأول: في بيان المراد بقطع الصلاة بالمرور بين المصلي والسترة، قال الطيبي: جمهور العلماء من الصحابة ومن بعدهم علي أن صلاة المصلي لا يقطعها ما يمر بين يديه لأحاديث واردة فيه، وحملوا الحديث علي المبالغة في الحث علي نصب السترة.[3]

قال الشيخ في شرح قوله يقطع الصلاة: أي خشوعها وتدبرها الذي هو سرها وروحها بالشغل بالمار، أي يشغل قلبه بهذه الأشياء، والمراد كاد أن يؤدي إلى القطع.

وإنما خص بهذه الثلاثة لشدة الشغل في المرأة، وملازمة الشياطين للحمار، وغلظ النجاسة في الكلب، وقد نطق الأحاديث بأن الصلاة لا يقطعها شيء وأورد ما استطعتم، هذا كلام الشافعية والظاهر أن مذهبنا ومذهب مالك كذلك.

وقال في كتاب الخرقي في مذهب الإمام أحمد[4]: ولا يقطع الصلاة إلا الكلب الأسود البهيم.

وقال في شرحه[5]: هذا إحدى الروايتين عن أحمد، وأشهرها علي ما قال أبو محمد، لما لما روى عبد الله بن الصامت قال: سمعت أبا ذر ﷺ يقول: سمعت رسول الله ﷺ يقول: إذا صلى الرجل وليس بين يديه كآخرة الرحل، قطع صلاته الكلب الأسود، والحمار، والمرأة،

---

1) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الصلاة، باب ما يقطع الصلاة (٢/٢٧) رقم الحديث: ٢٣٥٢.
2) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الصلاة، باب ما يقطع الصلاة (٢/٣٠) رقم الحديث: ٢٣٦٥.
3) شرح الطيبي: ٣/٩٧٢.
4) مختصر الخرقي: ٣٠.
5) شرح الزركشي: ٢/١٢٩-١٣٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

فقلت لأبي ذر: ما بال الكلب الأسود، من الأحمر، من الأبيض؟ [فقال: يابن أخي سألتني عما سألت عنه رسول الله ﷺ] فقال: الكلب الأسود شيطان، رواه الجماعة إلا البخاري.

وعن أبي هريرة رضي الله عنه: أن النبي ﷺ قال: يقطع الصلاة المرأة، والكلب، والحمار، ويقي من ذلك مثل مؤخرة الرحل رواه مسلم. وعن عبد الله بن مغفل مثله، رواه أحمد، وابن ماجه، وهذا نص في القطع بالثلاث ترك العمل به في المرأة والحمار، لأن عائشة رضي الله عنها لما قيل لها ذلك قالت: بئس ما عدلتمونا بالكلاب والحمر، [ولقد] رأيتني معه مضطجعة على سرير، فيجيء رسول الله ﷺ فيتوسط السرير فيصلي.

وفي بعض [اللفظ]: كان يصلي صلاته من الليل وأنا معترضة بينه وبين القبلة اعتراض الجنازة.

وعن ابن عباس رضي الله عنهما قال: أقبلت راكبا على حمار أتان، ورسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي بالناس بمنى إلى غير جدار، فمررت بين يدي بعض الصف، فنزلت وأرسلت الأتان ترتع، فدخلت في الصف فلم ينكر ذلك علي أحد، متفق عليهما.

وهذان متعارضان ما روي من القطع بالمرأة والحمار، فيجب التوفيق فيهما.

أما القطع بالكلب فلا معارض له، فيجب العمل به.

وما روى الفضل بن عباس قال: زار النبي ﷺ عباسا في بادية لنا، ولنا كلبية وحمارة، فصلى رسول الله ﷺ العصر وهما بين يديه، فلم يؤخرا ولم يزجرا، رواه أحمد، والنسائي. وليس فيه بيان الكلبية ما هي، فيحمل على أنها لم تكن سوداء، جمعا بين الأحاديث.

والرواية الثانية وهي اختيار أبي البركات يقطع الكلب، والمرأة، والحمار، إذ كون المرأة والحمار يقطعان لا بد فيه من إضمار، والمرور فيه مضمر [بيقين، فلا إيراد علينا، إذ الأصل عدم الإضمار، وإذا ثبت أن المرور فيه مضمر]، فعائشة رضي الله عنها لم تمر بين يدي النبي ﷺ [إنما كانت لابثة، فالحديث لم يتناولها، يؤيد هذا أن النبي ﷺ] أمر بدفع المار، ولو كان حيوانا، وجوز جعل البعير، وظهر الرجل سترة، وأقر عائشة رضي الله عنها على اضطجاعها أمامه، فبان بهذا أن المرور مفارق للبث، وحديث ابن عباس فيه أنه مر بين يدي بعض الصف، ولم يذكر أنه مر بين يدي الإمام.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وما روي عن أبي سعيد قال: قال رسول الله ﷺ: لا يقطع الصلاة شيء، وادرؤوا ما استطعتم، فإنما هو شيطان، رواه أبو داود، وفي إسناده مجالد بن سعيد وهو ضعيف، ثم لو ثبت فهو عام فيخص بما تقدم.

وقول الخرقي: الأسود البهيم. ليس في الحديث ذكر البهيم، لكن النبي صلى الله عليه وسلم علل القطع بكونه شيطانا. وقد قال النبي ﷺ: لولا أن الكلاب أمة من الأمم لأمرت بقتلها، فاقتلوا منها كل أسود بهيم، فإنه شيطان، فبين ﷺ أن الشيطان منها هو الأسود البهيم، فعلم أنه المراد في نص القطع، والبهيم هو الذي لا يخالط سواده شيء من البياض في إحدى الروايتين، حتى لو كان بين عينيه بياض فليس ببهيم، كذا قال ثعلب.

والرواية الأخرى: وهي الصحيحة عند أبي البركات، أنه بهيم وإن كان بين عينيه بياض، لما روى جابر رضي الله عنه قال: أمرنا النبي ﷺ بقتل الكلاب، ثم نهى عن قتلها، وقال: عليكم بالأسود البهيم، ذي الطفيتين، فإنه شيطان، مختصر [رواه مسلم] والطفية خوص المقل، شبه الخطين الأبيضين منه بالخوصتين. ولو كان البياض في غير هذا الموضع فليس ببهيم، رواية واحدة، اعتمادا على قول أهل اللغة، من غير تعارض. وكلام الخرقي يشمل الفرض والنفل، وهو المشهور والمعمول به.

وعندنا: ما يدل على أن النفل لا يبطل بذلك، اعتمادا على حديث عائشة رضي الله عنها [فإنه ورد فيه، وحملا لأحاديث القطع على الفرض، ومن قال بالأول أخذ بالعموم وقال: حديث عائشة] لا يعارض ذلك لما تقدم في الحديث، وقول الخرقي: لا بد فيه أيضا من إضمار المرور كما تقدم في الحديث، وقد يحمل على إطلاقه.

وقد اختلف عن أحمد فيما يقطع الصلاة مروره، هل يقطع إذا كان واقفا؟ فعنه: يقطع، لعموم الحديث، نظرا إلى أن المضمر له عموم، ولأن عائشة رضي الله عنها فهمت التسوية بينهما، وإلا لم تعارض ذلك باضطجاعها بين يديه ﷺ، [وعلى] هذا فقضية عائشة كانت خاصة بالنبي ﷺ أو واردة على الإباحة الأصلية، وحديث أبي ذر ونحوه ناقل. وعنه: لا يقطع، لفرقة بين اللبث والمرور، كما فرق بينهما بالدفع.

وقد تبين لك أن لأحمد رحمه الله في الجمع بين الأحاديث ثلاث طرق فتارة جمع بالفرق بين الفرض والنفل، وتارة بالفرق بين اللابث والجالس، وتارة بدعوى التخصيص بالنبي ﷺ والله سبحانه وتعالى أعلم.

toobaa-elibrary.blogspot.com

والثاني في كيفية الدرء والدفع:

ويكفي فيه ما يدفع المار ويمنعه من المرور بين يديه من إشارة قوله: لم يفعل الفعل الكثير المفسد للصلاة، وقد ورد في الحديث: فليقاتله، وهذا مبالغة في دفعه.

وقال بعض العلماء: إن دفعه بما يجوز فهلك، فلا قود عليه بالاتفاق، وفي الدية قولان.

وقوله: فإنما هو شيطان، أي: يعمل عمل الشيطان، أو معه شيطان، كما جاء في الحديث: فإن معه القرين، حكى أن أبا هريرة كان يصلي وكان بين يديه السترة فمر من بين يديه ابن المروان، وكان إذ ذاك والي المدينة من قبل معاوية، فضربه أبو هريرة ودفعه، فذهب يشتكي منه إلى والده، فقال مروان له: لم ضربت يا أبا هريرة ابني، فقال أبو هريرة: ما ضربت ولدك ماضربت إلا شيطانا أو كما جاء.[1]

والثالث في قوله ﷺ: إذا صلى أحدكم فليجعل تلقاء وجهه شيئا أي مثل إسطوانة أو جدار أو رحل أو راحلة أو أمثال ذلك، فإن لم يجد فلينصب عصا.

قالوا: إن كانت الأرض صلبة لا يمكنه الغرز والنصب فليضعه وضعا طولا لا عرضا، ليكون على مثال الغرز، فإن لم يجد فليخطط خطا، وبه قال الشافعي في القديم، ونفاه في الجديد، لاضطراب الحديث وضعفه، كذا في شرح الشيخ ابن حجر على المشكاة.

وعندنا الخط ليس بشيء، هكذا روي عن محمد، وقد أخذ به بعض مشايخنا المتأخرين، فقالوا: يخط خطا، إلا أنا نقول: إن الخط لا يعتبر حائلا بينه وبين المار، فيكون وجوده وعدمه سواء، كذا قال السغناقي، وهذا القول ساقط بعد ورود الحديث باعتباره فالمدار على صحة الحديث وضعفه.

وقال الشيخ ابن الهمام[2]: وأما الخط فقد اختلفوا فيه حسب اختلافهم في الوضع إذا لم يكن معه ما يغرزه أو يضعه، فالمانع يقول: لا يحصل المقصود به، إذ لا يظهر من بعيد، والمجيز يقول: ورد الأثر به، وهو ما في أبي داود[3]: إذا صلى أحدكم فليجعل تلقاء وجهه

---

(١) لم أعثر على هذه.

(٢) فتح القدير: ٤٠٨/١.

(٣) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب الخط إذا لم يجد عصا (١٨٣/١) رقم الحديث: ٦٨٩.

toobaa-elibrary.blogspot.com

شيئا، فإن لم يجد، الحديث. واختار صاحب الهداية الأول، والسنة أولى بالاتباع، مع أنه يظهر في الجملة، إذ المقصود جمع الخاطر بربط الخيال به كي لا ينتشر، انتهى.

ثم اختلف في صفة الخط فقيل: يجعل مثل الهلال، وقيل: يمد طويلا إلى جهة القبلة، وقد يمد يمينا وشمالا والمختار الأول.

ثم المعتبر في السترة أن يكون بغلظ الإصبع مما ورد في الحديث تجزئ من السترة مثل مؤخرة الرحل ولو بدقة شعرة، يكون المراد به المبالغة على وتيرة، قوله ﷺ ولو كمفحص قطاه وهذا من مسائل الفقه ذكرنا لمكان الاختلاف وإن لم يكن من الاختلاف الذي قصدنا بها ذكرها.

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب صفة الصلاة [١]

عن علي بن أبي طالب ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: مفتاح الصلاة الطهور، وتحريمها التكبير، وتحليلها التسليم. أخرجه أبو داود والترمذي. [٢]

وعن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما: قال: كان رسول الله ﷺ إذا قام إلى الصلاة رفع يديه حتى تكونا بحذو منكبيه ثم يكبر، فإذا أرد أن يركع فعل مثل ذك، وإذا رفع رأسه من الركوع فعل مثل ذلك، ولا يفعله حين يرفع رأسه من السجود.

وفي رواية: إذا رفع رأسه من الركوع رفعهما كذلك أيضا، وقال: سمع الله لمن حمده، ربنا ولك الحمد.

وفي أخرى نحوه، وقال: ولا يفعل ذلك حين يسجد، ولا حين يرفع من السجود. رواه الستة مع اختلاف في الروايات. [٣]

---

١) صفة الصلاة: قال تعالى: وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا، الآية. [الإسراء: ١١٠.] وقال تعالى: فَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّينَ (٤) الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ (٥) الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ. [الماعون: ٤-٦.] وقال تعالى: وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ، الآية. [البقرة: ٤٥.] وقال تعالى: وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ، الآية. [البينة: ٥.] وقال تعالى: قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ (١) الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ. [المؤمنون: ١-٢] (الأعظمي.)

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء (١/١٦) رقم الحديث: ٦١، كتاب الصلاة، باب الإمام يحدث بعد ما يرفع رأسه من آخر الركعة (١/١٦٨) رقم الحديث: ٦١٨. والترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب ما جاء أن مفتاح الصلاة الطهور (١/٨) رقم الحديث: ٣. وابن ماجه في "سننه" كتاب الطهارة وسننها، باب مفتاح الصلاة الطهور (١/١٠١) رقم الحديث: ٢٧٥.

٣) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الأذان، باب رفع اليدين في التكبيرة (١/١٤٨) رقم الحديث: ٧٣٥، باب رفع اليدين إذا كبر وإذا ركع وإذا رفع (١/١٤٨) رقم الحديث: ٧٣٦، باب إلى أين يرفع يديه؟ (١/١٤٨) رقم الحديث: ٧٣٨، رفع اليدين إذا قام من الركعتين (١/١٤٨) رقم الحديث: ٧٣٩. ومسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب استحباب رفع اليدين حذو المنكبين مع تكبير (١/٢٩٢) رقم الحديث: ٣٩٠. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب رفع اليدين في الصلاة (١/١٩١) رقم الحديث: ٧٢١، ٧٢٢، باب افتتاح الصلاة (١/١٩٧) رقم الحديث: ٧٤١، ٧٤٢، باب من ذكر أنه يرفع يديه إذا قام من الثنتين (١/١٩٨) رقم الحديث: ٧٤٣. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب رفع اليدين عند الركوع (٢/٣٥) رقم الحديث: ٢٥٥. والنسائي في "سننه" كتاب الافتتاح، باب العمل في افتتاح الصلاة (٢/١٢١) رقم الحديث: ٨٧٦، باب رفع اليدين قبل التكبير (٢/١٢١) رقم الحديث: ٨٧٧، باب رفع اليدين حذو

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن علقمة قال: قال لنا ابن مسعود ﷺ يوماً: ألا أصلي بكم صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ فصلى ولم يرفع يديه إلا مرة واحدة، مع تكبيرة الافتتاح. وفي رواية، قال: كان رسول الله ﷺ يكبر في كل خفض ورفع، وقيام وقعود، وأبو بكر وعمر. أخرجه الترمذي والنسائي.[1]

وعن البراء بن عازب ﷺ قال: رأيت رسول الله ﷺ إذا افتتح الصلاة رفع يديه إلى قريب من أذنيه، ثم لا يعود.

وفي رواية مثله، ولم يذكر ثم لا يعود. وفي أخرى، قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم رفع يديه حين افتتح الصلاة، ثم لم يرفعهما حتى انصرف. أخرجه أبو داود. وقال يحيي: هذا الحديث: ليس بصحيح.[2]

وعن وائل بن حجر ﷺ قال: أتيت رسول ﷺ في الشتاء، فرأيت أصحابه يرفعون أيديهم في ثيابهم في الصلاة.

وفي أخرى: أنه أبصر النبي ﷺ حين قام إلى الصلاة: رفع يديه، حتى كانت بحيال منكبيه، وحاذى بإبهاميه أذنيه، ثم كبر. وفي أخرى: أنه رأى رسول الله ﷺ يرفع يديه مع التكبير. وفي أخرى: رأيت رسول الله ﷺ يرفع إبهاميه في الصلاة إلى شحمة أذنيه. وفيه روايات متعددة قريبة مما ذكر، أخرجه أبو داود.[3]

المنكبين (٢/١٢٢) رقم الحديث: ٨٧٨، باب رفع اليدين للركوع حذاء المنكبين (٢/١٨٢) رقم الحديث: ١٠٢٥، باب رفع اليدين حذو المنكبين عند الرفع من الركوع (٢/١٩٤) رقم الحديث: ١٠٥٧، باب ما يقول الإمام إذا رفع رأسه من الركوع (٢/١٩٥) رقم الحديث: ١٠٥٩، كتاب السهو، باب رفع اليدين للقيام إلى الركعتين الأخريين حذو المنكبين (٣/٣) رقم الحديث: ١١٨٢. وابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب رفع اليدين إذا ركع وإذا رفع رأسه من الركوع (١/٢٧٩) رقم الحديث: ٨٥٨. ومالك في "الموطأ" كتاب الصلاة، باب افتتاح الصلاة (١/٧٥) رقم الحديث: ١٦.

١) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب من لم يذكر الرفع عند الركوع (١/١٩٩) رقم الحديث: ٧٤٨. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب رفع اليدين عند الركوع (٢/٤٠) رقم الحديث: ٢٥٧. والنسائي في "سننه" كتاب الافتتاح، باب ترك ذلك (٢/١٨٢) رقم الحديث: ١٠٢٦، باب الرخصة في ترك ذلك (٢/١٩٥) رقم الحديث: ١٠٥٨.

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب من لم يذكر الرفع عند الركوع (١/٢٠٠) رقم الحديث: ٧٤٩، ٧٥٠، ٧٥١، ٧٥٢.

٣) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب وضع يده اليمنى على اليسرى بعد تكبيرة الأول (١/٣٠١) رقم الحديث: ٤٠١. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب رفع اليدين في الصلاة (١/١٩٢) رقم

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أبي حازم بن دينار قال: قال سهل سعد: كان الناس يؤمرون أن يضع الرجل اليد اليمنى على ذراعيه اليسرى في الصلاة. قال أبو حازم: لا أعلمه إلا ينمي ذلك إلى رسول الله ﷺ. وفي رواية. أخرجه البخاري والموطأ. (١)

وعن ابن مسعود ﵁ كان يصلي فوضع يده اليسرى على اليمنى، فرآه رسول الله ﷺ فوضع يده اليمنى على اليسرى. أخرجه أبو داود. (٢)

وعن وائل بن حجر ﵁ قال: رأيت رسول الله ﷺ، إذا كان قائما في الصلاة: قبض بيمينه على شماله. أخرجه النسائي. (٣)

وعن أبي جحيفة ﵁ أن عليا قال: السنة: وضع الكف على الكف في الصلاة، ويضعهما تحت السرة. أخرجه رزين. (٤)

وعن [أبي] عبد الله الأشعري قال: قال رسول الله ﷺ: إذا صلى أحدكم فليتم ركوعه وسجوده، ولا ينقر في سجوده فإنما مثل ذلك كمثل الجائع يأكل التمرة والتمرتين فما يغنيان عنه. رواه تمام وابن عساكر. (٥)

الحديث: ٧٢٣، ٧٢٤، ٧٢٥، ٧٢٦، ٧٢٧، ٧٢٨. والنسائي في "سننه" كتاب الافتتاح، باب رفع اليدين حيال الأذنين (٢/١٢٢) رقم الحديث: ٨٧٩، باب موضع الإبهامين عند الرفع (٢/١٢٣) رقم الحديث: ٨٨٢، باب موضع اليمين من الشمال في الصلاة (٢/١٢٦) رقم الحديث: ٨٨٩، باب مكان اليدين من السجود (٢/٢١١) رقم الحديث: ١١٠٢، باب موضع اليدين عند الجلوس للتشهد الأول (٢/٢٣٦) رقم الحديث: ١١٥٩، كتاب السهو، باب موضع المرفقين (٣/٣٥) رقم الحديث: ١٢٦٥.

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الأذان، باب وضع اليمنى على اليسرى (١/١٤٨) رقم الحديث: ٧٤٠. ومالك في "الموطأ" كتاب قصر الصلاة في السفر، باب وضع اليدين إحداهما على الأخرى في الصلاة (١/١٥٩) رقم الحديث: ٤٨.

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب وضع اليمنى على اليسرى في الصلاة (١/٢٠٠) رقم الحديث: ٧٥٥.

٣) أخرجه النسائي في "سننه" كتاب الإفتتاح، باب وضع اليمين على الشمال (٢/١٢٥) رقم الحديث: ٨٨٧.

٤) أخرجه رزين كما في "جامع الأصول" حرف الصاد، الكتاب الأول في الصلاة، القسم الأول في الفرائض وأحكامها وما يتعلق بها، الفصل الخامس في كيفية الصلاة وأركانها، الفرع الثاني في القيام والقعود ووضع اليدين والرجلين (٥/٣٢٠) رقم الحديث: ٣٤١٠. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب وضع اليمنى على اليسرى في الصلاة (١/٢٠١) رقم الحديث: ٧٥٦

٥) أخرجه ابن عساكر في "تاريخ دمشق" حرف الميم، محمد بن زرعة بن روح الرعيني (٥٣/٤١). وتمام كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأقوال، الباب الثاني في أحكام الصلاة ومفسداتها، الفصل الثاني في أركان الصلاة (٧/٤٤٩) رقم الحديث: ١٩٧٢٦.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن بن مسعود أنه، رأى رجلا يصلي قد صف بين قدميه فقال: خالف السنة ولو راوح بينهما كان أفضل. وفي أخرى، قال: أخطأ السنة ولو راوح بينهما كان أعجب إلي. أخرجه النسائي.(١)

وعن أبي الدرداء قال: من أخلاق النبيين وضع اليمين على الشمال في الصلاة. رواه ابن أبي شيبة.(٢)

وعن ابن الزبير: صف القدمين ووضع اليد على اليد من السنة. أخرجه أبو داود.(٣)

وعن أبي مسعود البدري ﷺ أن رسول الله ﷺ، قال: لا تجزئ صلاة أحدكم حتى يقيم ظهره في الركوع والسجود. أخرجه أبو داود والترمذي والنسائي، وقال الترمذي: هذا حديث حسن صحيح.(٤)

وعن أنس، أنه سمع النبي ﷺ يقول: أتمو الركوع والسجود، فوالذي نفسي بيده، إني لأراكم من بعد ظهري، إذا ما ركعتم وإذا ما سجدت. وفي أخرى: أقيموا الركوع والسجود. رواه البخاري ومسلم.(٥)

وعن البراء ابن عازب قال: رمقت رسول الله ﷺ في صلاته [فوجدت قيامه وركعته واعتداله بعد الركعة، فسجدته، فجلسته بين السجدتين، فسجدته، فجلسته بين التسليم والانصراف قريبا من السواء. أخرجه النسائي]

---

١) أخرجه النسائي في "سننه" كتاب الإفتتاح، باب الصف بين القدمين في الصلاة (٢/١٢٨) رقم الحديث: ٨٩٢، ٨٩٣.

٢) أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الصلوات، باب وضع اليمين على الشمال (١/٣٤٢) رقم الحديث: ٣٩٣٦.

٣) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب وضع اليمنى على اليسرى في الصلاة (١/٢٠٠) رقم الحديث: ٧٥٤.

٤) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب صلاة من لا يقيم صلبه في الركوع والسجود (١/٢٢٦) رقم الحديث: ٨٥٥. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء فيمن لا يقيم صلبه في الركوع والسجود (٢/٥١) رقم الحديث: ٢٦٥. والنسائي في "سننه" كتاب الإفتتاح، باب إقامة الصلب في الركوع (٢/١٨٣) رقم الحديث: ١٠٢٨، باب إقامة الصلب في السجود (٢/٢١٤) رقم الحديث: ١١١١.

٥) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الأذان، باب الخشوع في الصلاة (١/١٤٩) رقم الحديث: ٧٤٢، كتاب الأيمان والنذور، باب كيف كانت يمين النبي ﷺ (٨/١٣١) رقم الحديث: ٦٦٤٤. ومسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب الأمر بتحسين الصلاة وإتمامها والخشوع فيها (١/٣١٩) رقم الحديث: ٤٢٥. والنسائي في "سننه" كتاب التطبيق، باب الأمر بإتمام السجود (٢/٢١٦) رقم الحديث: ١١١٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

[وفي أخرى] قال: كان ركوع النبي ﷺ وسجوده وبين السجدتين، وإذا رفع رأسه من الركوع، ما خلا القيام والقعود قريبا من السواء. رواه البخاري ومسلم. (١) ويتم الكلام في باب الركوع والسجود وباقي الأركان في مواضعها.

وعن هانئ بن معاوية الصدفي، حدثه قال: حججت زمان عثمان بن عفان، فجلست في مسجد النبي ﷺ، فإذا رجل يحدثهم، قال: كنا عند رسول الله ﷺ يوما، فأقبل رجل، فصلى في هذا العمود، فعجل قبل أن يتم صلاته، ثم خرج، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن هذا لو مات لمات وليس من الدين على شيء، إن الرجل ليخفف صلاته ويتمها. قال: فسألت عن الرجل من هو؟ فقيل: عثمان بن حنيف الأنصاري. (٢)

وعن عمار بن ياسر، قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: إن الرجل لينصرف وما كتب له إلا عشر صلاته تسعها ثمنها سبعها سدسها خمسها ربعها ثلثها نصفها. رواه أبو داود. (٣)

وعن عبد الرحمن بن علي بن شيبان، عن أبيه علي بن شيبان، وكان من الوفد، قال: خرجنا إلى رسول الله ﷺ، فبايعناه وصلينا خلفه، فلمح بمؤخر عينه رجلا، لا يقيم صلاته، [يعني صلبه] في الركوع والسجود، فلما قضى النبي ﷺ الصلاة، قال: يا معشر المسلمين لا صلاة لمن لا يقيم صلبه في الركوع والسجود. رواه ابن ماجة. (٤)

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الأذان، باب حد إتمام الركوع والإعتدال فيه والطمأنينة (١٥٨/١) رقم الحديث: ٧٩٢، باب الطمأنينة حين يرفع رأسه من الركوع (١٥٩/١) رقم الحديث: ٨٠١، باب المكث بين السجدتين (١٦٣/١) رقم الحديث: ٨٢٠. ومسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب اعتدال أركان الصلاة وتخفيفها في تمام (٣٤٣/١) رقم الحديث: ٤٧١. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في إقامة الصلب إذا رفع رأسه من السجود والركوع (٦٩/٢) رقم الحديث: ٢٧٩. والنسائي في "سننه" كتاب السهو، باب جلسة الإمام بين التسليم والانصراف (٦٦/٣) رقم الحديث: ١٣٣٢.

٢) أخرجه أحمد في "مسنده" مسند الشاميين، حديث عثمان بن حنيف (٤٨١/٢٨) رقم الحديث: ١٧٢٤٣. والطبراني في "المعجم الكبير" باب العين، ما أسند عثمان بن حنيف (٣٠/٩) رقم الحديث: ٨٣١٠. وأبو نعيم في "معرفة الصحابة" باب العين، من اسمه عثمان، عثمان بن حنيف الأنصاري (١٩٦٠/٤) رقم الحديث: ٤٩٣٠.

٣) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب ما جاء في نقصان الصلاة (٢١١/١) رقم الحديث: ٧٩٦.

٤) أخرجه ابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها (٢٨٢/١) رقم الحديث: ٨٧١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أبي جعفر أن النبي ﷺ رأى رجلا ينكث برأسه في سجوده، فقال: لو مات هذا وهذه صلاته مات على غير ديني.[1]

وعن محارب بن دثار قال: نظر حذيفة رضي الله عنه إلى رجل في المسجد يصلي، ولا يقيم ظهره، فلما فرغ قال له: أيألم ظهرك؟ قال: لا قال: إنك لو مت على حالك هذه مت مخالفا لسنة رسول الله ﷺ. أخرجه، كذا في الأصل.[2]

وعن شقيق قال: إن حذيفة رأى رجلا لا يتم ركوعه ولا سجوده، فلما قضى صلاته، دعاه، فقال له حذيفة: ما صليت، قال: واحسبه قال: ولو مت مت على غير الفطرة التي فطر الله [عليها] محمدا ﷺ. رواه البخاري.

وعن سلمان الفارسي، قال: الصلاة مكيال، فمن أوفى أوفى الله، وقد علمتم ما قال الله في الكيل: ويل للمطففين.[3] رواهما ابن ابي شيبة.[4]

وعن أبي حميد الساعدي: فإذا جلس في الركعتين جلس على رجله اليسرى، ونصب اليمنى، وإذا جلس في الركعة الآخرة قدم رجله اليسرى، ونصب الأخرى وقعد على مقعدته.[5]

وعن أبي هريرة رضي الله عنه: أن رجلا دخل المسجد، ورسول الله ﷺ جالس في ناحية المسجد، فصلى. الحديث. ذكره صاحب المشكاة في أول الباب، وفيه قال: فقال له رسول

---

١) أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الصلاة، باب في الرجل ينقص صلاته وما ذكر فيه وكيف يصنع (٢٥٨/١) رقم الحديث: ٢٩٦٩.

٢) أخرجه ابن الأثير في "جامع الأصول" حرف الصاد، الكتاب الأول في الصلاة، القسم الأول في الفرائض وأحكامها وما يتعلق بها، الفصل الخامس في كيفية الصلاة وأركانها، الفرع الثاني في القيام والقعود ووضع اليدين والرجلين (٣١٨/٥) رقم الحديث: ٣٤٠٥.

٣) المطففين: ١.

٤) أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الصلوات، باب في الرجل ينقص صلاته وما ذكر فيه وكيف يصنع (٢٥٩/١) رقم الحديث: ٢٩٧٩.

٥) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الأذان، باب سنة الجلوس في التشهد (١٦٥/١) رقم الحديث: ٨٢٨. [ولفظه. عن محمد بن عمرو بن عطاء، أنه كان جالسا مع نفر من أصحاب النبي ﷺ، فذكرنا صلاة النبي ﷺ، فقال أبو حميد الساعدي: أنا كنت أحفظكم لصلاة رسول الله ﷺ رأيته إذا كبر جعل يديه حذاء منكبيه، وإذا ركع أمكن يديه من ركبتيه، ثم هصر ظهره، فإذا رفع رأسه استوى حتى يعود كل فقار مكانه، فإذا سجد وضع يديه غير مفترش ولا قابضهما، واستقبل بأطراف أصابع رجليه القبلة، فإذا جلس في الركعتين جلس على رجله اليسرى، ونصب اليمنى، وإذا جلس في الركعة الآخرة قدم رجله اليسرى، ونصب الأخرى وقعد على مقعدته.]

toobaa-elibrary.blogspot.com

الله ﷺ: وعليك السلام ارجع فصل فإنك لم تصل. والعمدة في هذا الباب حديث أبي حميد الساعدي رضي الله عنه.[1]

وعن أنس بن مالك قال: قال رسول الله ﷺ: لا تقبل صلاة رجل لا يتم الركوع والسجود. رواه الطبراني.[2]

وعن طلق بن علي الحنفي قال: قال رسول الله ﷺ: لا ينظر الله عز وجل إلى صلاة عبد لا يقيم فيها صلبه بين ركوعها وسجودها.[3]

تنبيه

الكلام في هذا الباب في مواضع.

[الموضع] الأول: في رفع الأيدي عند الركوع، وعند الرفع من الركوع، وعند القيام من الركعتين.

اختلف فيه بيننا وبين الشافعي، وقد ورد أحاديث وآثار في الجانبين مع قطع النظر عن القلة والكثرة، والكلام فيه واسع طويل من جهة الأحاديث، ذكره الشيخ ابن الهمام في شرح الهداية[4]، وذكر أن أبا حنيفة اجتمع مع الأوزاعي بمكة في دار الحناطين كما حكى ابن عيينة فقال الأوزاعي: ما بالكم لا ترفعون الأيدي عند الركوع والرفع منه، فقال أبو حنيفة: لأجل أنه لم يصح عن رسول الله ﷺ فيه شيء، فقال الأوزاعي: كيف لم يصح وقد حدثني الزهري عن سالم عن أبيه: أن رسول الله ﷺ كان يرفع يديه إذا افتتح الصلاة وعند الركوع وعند الرفع منه. فقال أبو حنيفة: حدثنا حماد عن إبراهيم عن علقمة والأسود عن عبد

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الاستئذان، باب من رد فقال: عليك السلام (٨/٥٦) رقم الحديث: ٦٢٥١. والتبريزي في "مشكاة المصابيح" كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، الفصل الأول (١/٢٤٦) رقم الحديث: ٧٩٠.

٢) أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط" باب العين، من اسمه عبد الكبير (٥/١٢٩) رقم الحديث: ٤٨٦٣، باب الميم، من اسمه محمد (٧/٣٣١) رقم الحديث: ٧٦٤٥. وفي "المعجم الصغير" باب العين، من اسمه عبد الكبير (٢/٢٤) رقم الحديث: ٧١٢.

٣) أخرجه أحمد في "مسنده" مسند المدنيين، حديث طلق بن علي (٢٦/٢١١) رقم الحديث: ١٦٢٨٣، والطبراني في "المعجم الكبير" باب الطاء، عبد الرحمن بن علي بن شيبان عن طلق بن علي (٨/٣٣٨) رقم الحديث: ٨٢٦١.

٤) فتح القدير: ١/٣١١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

الله بن مسعود: أن النبي ﷺ كان لا يرفع يديه إلا عند افتتاح الصلاة ثم لا يعود لشيء من ذلك. فقال الأوزاعي: أحدثك عن الزهري عن سالم عن أبيه، وتقول حدثني حماد عن إبراهيم عن علقمة؟ يعني أين إسنادك هذا عن إسنادي الذي هو عال، فقال أبو حنيفة: كان حماد أفقه من الزهري، وكان إبراهيم أفقه من سالم، وعلقمة ليس بدون من ابن عمر في الفقه، وإن كانت لابن عمر صحبة وله فضل صحبة فالأسود له فضل كثير، وعبد الله عبد الله يعني ما تعرفه في أي درجة من الفقه وقرب رسول الله ﷺ، فرجح أبو حنيفة بفقه الرواة كما رجح الأوزاعي بعلو الإسناد وهو المذهب المنصور عندنا.

وروى الطحاوي ثم البيهقي من حديث الحسن بن عياش بسند صحيح عن الأسود، قال: رأيت عمر بن الخطاب رضي الله عنه يرفع يديه في أول تكبيرة ثم لا يعود، وقال: ورأيت إبراهيم والشعبي يفعلان ذلك، وعارضه الحاكم برواية طاوس بن كيسان عن ابن عمر رضي الله عنهما: كان يرفع يديه في الركوع وعند الرفع منه.

وروى الطحاوي عن أبي بكر النهشلي عن عاصم بن كليب عن أبيه: أن عليا رضي الله عنه رفع يديه في أول التكبير ثم لم يعد، وما في الترمذي عن علي رضي الله عنه، عنه ﷺ: كان إذا قام إلى الصلاة المكتوبة كبر ورفع يديه حذو منكبيه ويصنع مثل ذلك إذا قضى قراءته وأراد أن يركع، ويصنعه إذا رفع من الركوع ولا يرفع يديه في شيء من الصلاة وهو قاعد، وإذا قام من السجدتين رفع كذلك، وما صححه الترمذي، فمحمول على النسخ للاتفاق على نسخ الرفع عند السجود، إنتهى كلام الشيخ.

اعلم أن الترمذي وضع ما بين الأول باب في رفع اليدين عند الركوع، وذكر في هذا الباب حديث ابن عمر، قال: حدثنا قتيبة، وابن أبي عمر، قالا: حدثنا سفيان بن عيينة، عن الزهري، عن سالم، عن أبيه، قال: رأيت رسول الله ﷺ إذا افتتح الصلاة يرفع يديه حتى يحاذي منكبيه، وإذا ركع، وإذا رفع رأسه من الركوع، وزاد ابن أبي عمر في حديثه: وكان لا يرفع بين السجدتين. وقال: وفي الباب عن عمر، وعلي، ووائل بن حجر، ومالك بن الحويرث، وأنس، وأبي هريرة، وأبي حميد، وأبي أسيد، وسهل بن سعد، ومحمد بن مسلمة، وأبي قتادة، وأبي موسى الأشعري، وجابر، وعمير الليثي، وقال: حديث ابن عمر حديث حسن صحيح، وبهذا يقول بعض أهل العلم من أصحاب النبي ﷺ منهم: ابن عمر، وجابر بن عبد

toobaa-elibrary.blogspot.com

الله، وأبو هريرة، وأنس، وابن عباس، وعبد الله بن الزبير، وغيرهم، ومن التابعين: الحسن البصري، وعطاء، وطاوس، ومجاهد، ونافع، وسالم بن عبد الله، وسعيد بن جبير، وغيرهم، وبه يقول عبد الله بن المبارك، والشافعي، وأحمد، وإسحاق.(١)

والثاني من لم يرفع إلا عند الافتتاح، قال: حدثنا هناد قال: حدثنا وكيع، عن سفيان، عن عاصم بن كليب، عن عبد الرحمن بن الأسود، عن علقمة، قال: قال عبد الله بن مسعود: ألا أصلي بكم صلاة رسول الله ﷺ؟ فصلى، فلم يرفع يديه إلا في أول مرة. وقال: وفي الباب عن البراء بن عازب، وحديث ابن مسعود حديث حسن، وبه يقول غير واحد من أهل العلم من أصحاب النبي ﷺ، والتابعين، وهو قول سفيان الثوري، وأهل الكوفة، إنتهى.(٢)

وقال الشيخ ابن الهمام: وبعد ثبوت حديث ابن مسعود بهذا الطريق لا يضر قول عبد الله بن المبارك، قد ثبت حديث من يرفع من حديث الزهري عن سالم عن أبيه، ولم يثبت حديث ابن مسعود أن النبي ﷺ لم يرفع إلا في أول مرة، إنتهى.

وأقول: قد أورد في جامع الاصول (٣) حديث ابن مسعود أبي داود والنسائي، وحديث البراء عن أبي داود أيضا رأيت رسول الله ﷺ إذا افتتح الصلاة يرفع يديه حذاء منكبيه ثم لا يعود، وفي رواية: لم يرفعها حتى انصرف، وأما أن أبا داود قال: لم يصح هذا الحديث، يحتمل أن يكون المراد عدم صحبته بهذا الطريق الخاص، فلا يضر في صحة أصل الحديث، وأن يكون اثبات حسنه موافقا لما قال الترمذي: والحديث الحسن يحتج به بلا خلاف.

وقال محمد في موطائه بعد رواية حديث ابن عمر عن مالك عن الزهري عن سالم عن أبيه في رفع اليدين عند الركوع وعند رفع الرأس من الركوع: السنة أن يكبر الرجل في صلاته كلما خفض وكلما رفع، وإذا انحط للسجود كبر، وإذا انحط للسجود الثاني كبر. فأما رفع اليدين في الصلاة فإنه يرفع اليدين حذو الأذنين في ابتداء الصلاة مرة واحدة، ثم لا يرفع في شيء من الصلاة بعد ذلك، وهذا كله قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى وفي ذلك آثار كثيرة.(٤)

---

١) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب رفع اليدين عند الركوع (٢/٣٥-٣٦) رقم الحديث: ٢٥٥، ٢٥٦.

٢) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب رفع اليدين عند الركوع (٢/٤٠) رقم الحديث: ٢٥٧.

٣) جامع الأصول: ٥/٣٠٢-٣٠٣، رقم الحديث: ٣٣٨٣، ٣٣٨٤.

٤) أخرجه محمد في "الموطأ" أبواب الصلاة، باب افتتاح الصلاة (٥٧) رقم الحديث: ١٠٤.

toobaa-elibrary.blogspot.com

أخبرنا محمد بن أبان بن صالح، عن عاصم بن كليب الجرمي، عن أبيه، قال: رأيت علي بن أبي طالب، رفع يديه في التكبيرة الأولى من الصلاة المكتوبة، ولم يرفعهما فيما سوى ذلك. (١)

أخبرنا محمد بن أبان بن صالح، عن حماد، عن إبراهيم النخعي، قال: لا ترفع يديك في شيء من الصلاة بعد التكبيرة الأولى. (٢)

وقال محمد، أخبرنا يعقوب بن إبراهيم، أخبرنا حصين بن عبد الرحمن، قال: دخلت أنا وعمرو بن مرة على إبراهيم النخعي، قال عمرو، حدثني علقمة بن وائل الحضرمي، عن أبيه، أنه صلى مع رسول الله، فرآه يرفع يديه إذا كبر، وإذا ركع، وإذا رفع، قال إبراهيم: ما أدري لعله لم ير النبي ﷺ يصلي إلا ذلك اليوم فحفظ هذا منه، ولم يحفظه ابن مسعود وأصحابه ما سمعته من أحد منهم، إنما كانوا يرفعون أيديهم في بدء الصلاة حين يكبرون. (٣)

ويروى أنه قال ابراهيم النخعي في أوائل اعراقي أنت لم تصل مع النبي ﷺ إلا في ذلك اليوم، اعلم أن عبد الله وأصحابه لم يحفظوه، فقد حدثني جماعة لا يعد ولا يحصي أن عبد الله لم يرفع إلا في ابتداء الصلاة.

قال محمد، أخبرنا محمد بن أبان بن صالح، عن عبد العزيز بن حكيم، قال: رأيت ابن عمر يرفع يديه حذاء أذنيه في أول تكبيرة افتتاح الصلاة، ولم يرفعهما فيما سوى ذلك. (٤)

وذكر في [شرح] معاني الآثار للطحاوي (٥)، عن مجاهد، قال: صليت خلف ابن عمر رضي الله عنهما فلم يكن يرفع يديه إلا في التكبيرة الأولى [من الصلاة]، وظاهر أنه لم يترك بعد النبي ﷺ ما كان قد يفعله إلا لما يوجب ذلك من نسخ.

وقد روى الأسود، قال: رأيت عمر بن الخطاب رضي الله عنه يرفع يديه في أول تكبيرة، ثم لا يعود(٦)، وإذا كان عمر وعلي وابن مسعود وموضعهم من الصلاة مع رسول الله صلى الله

١) أخرجه محمد في "الموطأ" أبواب الصلاة، باب افتتاح الصلاة (٥٨) رقم الحديث: ١٠٥.

٢) أخرجه محمد في "الموطأ" أبواب الصلاة، باب افتتاح الصلاة (٥٨) رقم الحديث: ١٠٦.

٣) أخرجه محمد في "الموطأ" أبواب الصلاة، باب افتتاح الصلاة (٥٩) رقم الحديث: ١٠٧.

٤) أخرجه محمد في "الموطأ" أبواب الصلاة، باب افتتاح الصلاة (٥٩) رقم الحديث: ١٠٨.

٥) أخرجه الطحاوي في "شرح معاني الآثار" كتاب الصلاة، باب التكبير للركوع والتكبير للسجود (١/٢٢٥) رقم الحديث: ١٣٥٧.

٦) أخرجه الطحاوي في "شرح معاني الآثار" كتاب الصلاة، باب التكبير للركوع والتكبير للسجود (١/٢٢٧) رقم الحديث: ١٣٦٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

عليه وسلم موضعهم على ذلك، ثم ابن عمر بعدهم على مثله لم يكن شيء مما روى في القبول أولى مما رواه، إنتهى.

ولما وردت الأخبار والآثار في الرفع وعدمه، وجماعة من الصحابة ومن بعدهم خصوصا ابن مسعود وما بعده علي جانب عدم الرفع، لم يكن بد من أن يقول: كان كلا الفعلين صادرا منه ﷺ، ولما كان فقه أبي حنيفة وإسناده منتهيا إلى ابن مسعود، وكان طريقهم عدم الرفع أخذوا به، ونحن علي هذه العقيدة، ولكن علماء مذهبنا لا يلتفتون بذلك، ويقولون: إن حكم الرفع منسوخ، ولما راؤا ابن عمر وهو راوي حديث الرفع عمل بخلاف ذلك، ظهر أن حكم الرفع منسوخ، لما تقرر في أصول الحديث أنه إن عمل الراوي علي خلاف ما رواه اسقط العمل ذلك الحديث، ولا مانع من رواية المنسوخ، فإن الأحاديث المنسوخة مروية لا يعمل بها، وذكر عن ابن مسعود أنه قال: رفع رسول الله ﷺ، فرفعنا ثم ترك فتركنا.

وقال في الهداية: والذي يرو من الرفع فمحمول على ابتداء الأمر، كذا نقل عن ابن الزبير رضي الله عنهما.[1]

وذكر في النهاية شرح الهداية: أن عبد الله بن الزبير رأى رجلا يصلى في المسجد الحرام، وكان يرفع يديه عند الركوع وعند رفع الرأس منه، فلما فرغ من صلاته، قال له: لا تفعل، فإن هذا شيء فعله رسول الله ﷺ ثم ترك، وقال مجاهد: خدمت ابن عمر عشرين سنة فما رأيت يرفع يديه في شيء من صلاته إلا في التكبيرة الأولى، إنتهى.

وأعجب من ذلك كله ما روى عن ابن عباس قال: العشرة المبشرة كانوا لا يرفعون إلا عند الافتتاح، هذا مع فرض أنهم رووا الرفع كما نقله صاحب سفر السعادة [2]، ولا يخفى أن عدم اطلاع الجم الغفير على النسخ والعمل به أيضا بعيد، وهل هذا إلا محل التعجب والتحير، والله أعلم.

وقال الشيخ ابن الهمام [3]: اعلم أن الآثار عن الصحابة والطرق عنه صلى الله عليه وسلم كثيرة جدا، والكلام فيها واسع من جهة الطحاوي وغيره، والقدر المتحقق بعد ذلك كله ثبوت رواية كل من الأمرين عنه ﷺ الرفع عند الركوع وعدمه، فيحتاج إلى الترجيح لقيام

---

١) الهداية: ١/٥٢.

٢) سفر السعادة: ٣٤.

٣) فتح القدير: ١/٣١٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

التعارض، ويترجح ما صرنا إليه بأنه قد علم بأنه كانت أقوال مباحة في الصلاة وأفعال من جنس هذا الرفع، وقد علم نسخها، فلا يبعد أن يكون هو أيضا مشمولا بالنسخ خصوصا وقد ثبت ما يعارضه ثبوتا لا مرد له، بخلاف عدمه فإنه لا يتطرق إليه احتمال عدم الشرعية؛ لأنه ليس من جنس ما عهد فيه ذلك، بل من جنس السكون الذي هو طريق ما أجمع على طلبه في الصلاة، أعني الخشوع، وكذا بأفضلية رواية مثل عبد الله بن مسعود الذي هو عالم بشرائع الإسلام وحدوده، ومتفقد لأقوال النبي ﷺ، وملازم له في سفره وحضره، وقد صلى مع النبي ﷺ ما لا يخفى، فيكون الأخذ به عند التعارض أولى من إفراد مقابله، ومن القول بسنية كل من الأمرين، انتهى.

الموضع الثاني: في وضع اليد اليمنى على اليسرى تحت السرة:

قال في الهداية: لقوله عليه الصلاة والسلام: إن من السنة وضع اليمين [على الشمال] تحت السرة، وقال [ﷺ]: وهو حجة على مالك رحمه الله تعالى في الإرسال، وعلى الشافعي رحمه الله تعالى في الوضع على الصدر، إنتهى. (١)

وقال الشيخ ابن الهمام (٢): لا يعرف هذا الحديث مرفوعا، بل عن علي ﷺ: من السنة في الصلاة وضع الأكف [على الأكف] تحت السرة، رواه أبو داود وأحمد وهذا لفظه. قال النووي: اتفقوا على تضعيفه لأنه من رواية عبد الرحمن بن إسحاق الواسطي مجمع على ضعفه، وفي وضع اليمنى على اليسرى فقط أحاديث في الصحيحين وغيرها تقوم بها الحجة على مالك، فصار الثابت هو وضع اليمنى على اليسرى، إنتهى.

ومذهب مالك إرسال اليدين، وهو عزيمة عنده، والوضع رخصة، والعجب أنه لا يوجد حديث يتمسك به، لا في "جامع الأصول" الذي جمع أحاديث الكتب الستة، منه: الموطأ، ولا في "الجامع الكبير" مبوب "جمع الجوامع" للسيوطي، وقد ادعى إحاطة الأحاديث، وجمعه من نحو خمسين كتابا؛ لا من رواية مالك من غيره، وأعجب من ذلك أنه لم يذكره في "رسالة ابن أبي زيد" [في] مذهبه، وكتب في بعض شروح الهداية في تاليد مذهبه:

---

١) الهداية ١/٤٩.

٢) فتح القدير ١/٢٨٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

أن الإرسال أشق على البدن من الوضع، بأن يجمع به الدم في رؤس الأصابع، ثم أجاب: بأن الرأي لا يعارض النص، وبأن اليسر متعين في الرخصة، فسقط العزيمة.

قلت: و رأيت بعض الفقهاء من أهل مذهب مالك، وسألته عن هذه المسئلة، فقال: الوضع في الظاهر علامة الأدب والحضور، وإذا لم يكن هذه الحالة الباطن، كان الباطن مخالفا للظاهر، وهذا يشبه الكذب والنفاق، فقلت: هذا يؤيد مذهب الوضع لكونه علامة الأدب والحضور، والصلاة عن الأعمال الظاهرة، فينبغي أن يراعي في إصلاح الظاهر، رجاء لحصول صلاح الباطن، فسكت، وقال: يجوز عندنا الوضع أيضا، ففي هذا الحكم اجتمع المذاهب الأربعة، فمذهب مالك الإرسال كما عرف.

ومذهب الشافعي: الوضع تحت الصدر فوق السرة كما في الحاوي وشرحه [١]، وفي كتبنا ينسب إليه الوضع فوق الصدر، وقال: سمعت من بعض الشافعية، أنه قال: ليس هذا مذهبنا، ولعله القول القديم منه والله أعلم، وهم يرون في ذلك حديثا أنه ﷺ فعل ذلك، وقد ينقلون عن علي وابن عباس: أنهما فسر قوله تعالى: "فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ" [٢] بوضع اليمنى على الشمال تحت النحر أو عنده.

وقال الشيخ ابن الهمام: وأما قوله تعالى: "فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ" [٣] فمدلول اللفظ طلب النحر نفسه وهو غير طلب وضع اليدين [عند النحر، فالمراد نحر الأضحية على أن وضع اليدين] على الصدر ليس هو حقيقة، وضعهما على النحر فصار الثابت هو وضع اليمنى على اليسرى، وكونه تحت السرة أو الصدر كما قال الشافعي لم يثبت فيه حديث يوجب العمل فيحال على المعهود من وضعها حال قصد التعظيم في القيام والمعهود في الشاهد منه تحت السرة، فتدبر. [٤]

ومذهب الإمام أحمد أيضا جعلها تحت السرة كمذهب أبي حنيفة، ولكن قال شارح كتاب الخرقي [٥]: هذا إحدى الروايات عن أحمد رحمه الله، لما روى أحمد، وأبو داود، عن

---

١) مختصر الخرقي: ٢٢. شرح الزركشي: ٥٤٢/١.
٢) الكوثر: ٢.
٣) الكوثر: ٢.
٤) فتح القدير: ٢٨٧/١.
٥) شرح الزركشي: ٥٤٢/١-٥٤٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

علي ﷺ قال: من السنة وضع الأكف في الصلاة تحت السرة. والسنة المطلقة تنصرف إلى سنة رسول الله ﷺ.

والرواية الثانية: الأفضل جعلهما تحت صدره، لما روى قبيصة بن هلب، عن أبيه قال: رأيت النبي ﷺ يضع يده على صدره.

والثالثة: التخيير بين الوضعين، اختارها ابن أبي موسى، وأبو البركات، لورود الأمر بهما، قال أبو البركات: [وعلى الروايات] فالأمر في الأمرين واسع، لا كراهة لواحد منهما.

الموضع الثالث: في تعديل الأركان والطمأنينة في الركوع والسجود رعاية القومة في الركوع والجلسة في السجود.

وقد وقع الأمر بهما والوعيد الشديد على تركهما، وقد قال رسول الله ﷺ لرجل لم يراعهما: لم يصل كما ينبغي ارجع وصل فإنك لم تصل. (١)

استدل به الأئمة الثلاثة إلا مالكا في رواية، وأبو يوسف معهم على فرضية الطمأنينة والقومة والجلسة، فإنه ﷺ نفى عن الرجل الصلاة، وكان قد ترك الطمأنينة والقومة والجلسة.

وعند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله الاطمئنان في الركوع والسجود في ظاهر الرواية على تخريج الكرخي واجب يجب بتركه سجود السهو، وعلى تخريج الجرجاني سنة، وأما القومة والجلسة فسنة، وعليه بعض المالكية.

وقد نقل الشيخ ابن الهمام عن فتاوى قاضيخان (٢): ما يدل على وجوبهما عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله، وقال: ويمكن حمل قول أبي يوسف بفرضيتها على الفرض العملي

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الأذان، باب وجوب القراءة للإمام والمأموم في الصلوات كلها (١/١٥٢) رقم الحديث: ٧٥٧. ومسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب وجوب قراءة الفاتحة في كل ركعة (١/٢٩٧) رقم الحديث: ٣٩٧. [لفظه: عن أبي هريرة: أن رسول الله ﷺ دخل المسجد فدخل رجل، فصلى، فسلم على النبي ﷺ، فرد وقال: ارجع فصل، فإنك لم تصل، فرجع يصلي كما صلى، ثم جاء، فسلم على النبي ﷺ، فقال: ارجع فصل، فإنك لم تصل، ثلاثا، فقال: والذي بعثك بالحق ما أحسن غيره، فعلمني، فقال: إذا قمت إلى الصلاة فكبر، ثم اقرأ ما تيسر معك من القرآن، ثم اركع حتى تطمئن راكعا، ثم ارفع حتى تعدل قائما، ثم اسجد حتى تطمئن ساجدا، ثم ارفع حتى تطمئن جالسا، وافعل ذلك في صلاتك كلها.]

٢) فتح القدير: ١/٣٠٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

الشامل للواجب، فارتفع الخلاف. ثم [قال: ومقتضى الدليل في كل من الطمأنينة والقومة والجلسة الوجوب: انتهى.]

وقال أبو حنيفة ومحمد رحمهما الله في عدم فرضية الاطمئنان في الركوع والسجود: إنهما مطلوبان بقوله تعالى: "ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا" (١)، حقيقة الركوع الانحناء وحقيقة السجود وضع الجبهة على الأرض، ولا إجمال فيهما ليفتقر إلى البيان، ومسماها يتحقق بمجرد الانحناء ووضع بعض الوجه مما لا يعد سخرية مع الاستقبال، فخرج الذقن والخد، والطمأنينة دوام على الفعل لا نفسه، فهو غير المطلوب به، فالفرضية يتعلق بالقدر الأدنى والزيادة من باب التيمم، فيكون الصلاة بتركه ناقصة لا باطلة.

وقال أبو عبيد هو من باب التأكيد والمبالغة في وجوبه ورعايته، ولو قلنا يتوقف الصحة عليهما بالخبر الواحد كان نسخا للإطلاق المقطوع به الثابت بقوله: "ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا" (٢)، وهو ممنوع عندنا مع أن الخبر يفيد عدم توقف الصحة عليه، لما ورد في آخر الحديث في رواية أحمد والترمذي والنسائي: فإذا فعلت ذلك فقد تمت صلاتك، وإن انتقصت منه شيئا انتقصت من صلاتك: [وقال: حديث حسن]، فسماها صلاة، ووصفهما بالنقصان عند فقد التعديل والإطمينان، فدل على عدم فرضيتهما، والباطلة إنما يوصف بالإنعدام والذهاب والزوال، فعلم أنه ﷺ إنما أمر بإعادتها ليقع الصلاة بلاكراهة لا للفساد والبطلان، وأيضا لو كانت الأمور المذكورة فرائض ما تركه ﷺ بفعله مرارا، بل يمنعه منها أول مرة، ولما قرره عليها، فوجب حمل قوله ﷺ: "فإنك لم تصل"، على الصلاة الخالية عن الإثم على قول الكرخي، أو المسنونة على قول الجرجاني، والأول أولى لأن المجاز حينئذ في قوله: "لم تصل" يكون أقرب إلى الحقيقة، ولأن المواظبة دليل الوجوب.

وقد سئل محمد عن تركها فقال: أنا أخاف أن لا تجوز، وعن السرخسي: من ترك الاعتدال تلزمه الإعادة، ولا إشكال في وجوب الإعادة، إذ هو الحكم في كل صلاة أديت مع كراهة التحريم، ويكون جابرا للأول لأن الفرض لا يتكرر. هذا الكلام في التعديل والإطمينان في السجود.

---

١) الحج: ٧٧.

٢) الحج: ٧٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وأما في القومة والجلسة فقولان: إن الانتقال من ركن إلى ركن، ليس مقصودا لذاته، فلا يكون رفع الرأس، بخلاف رفع الرأس من السجود، لأنه لا يمكن السجدة الثانية بدون الرفع، ولو أمكن لجاز، كما إذا وضع لوحا مثلا تحت رأسه وسجد عليه فرفع اللوح جازت السجدة الثانية، وفي رواية عن أبي حنيفة رفع الرأس من الركوع فرض، لا القيام بالتمام.

وقال التوربشتي [١]: ويحتمل أن الرجل ترك فرضا من فرائض الصلاة، فلذلك أمره ﷺ بالإعادة، لا لترك الطمأنينة والقومة والجلسة، فإن قلت: قال الكرماني: كيف تركه مرارا ويصلي صلاة فاسدة؟ فالجواب أنه لم يأذن له في صلاة فاسدة، ولا علم من حاله أنه يأتي بها في المرة الثالثة فاسدة، لاحتمال أن يكون ناسيا أو غافلا فيتذكر بفعله من غير تعليم، فما قال بعد مرات: علمني يا رسول الله، علم أنه جاهل، فليس هذا من باب التقرير على الخطأ، بل من باب تحقيقه، فتدبر.

الموضع الرابع: في كيفية قعدة التشهد.

جاء في حديث عائشة:[٢] "وكان يفرش رجله اليسرى" أي: يجعله فراشا له بأن يجلس عليها، "وينصب رجله اليمنى" ظاهر الحديث أنه يفعل هكذا في القعدتين، وهو قول أبي حنيفة وأصحابه رحمهم الله.

وقد جاء في حديث أبي حميد الافتراش في القعدة الأولى والتورك في القعدة الأخرى، وهو مذهب الشافعي رحمه الله.

قال في سفر السعادة [٣]: قد اختلف العلماء في هذه المسئلة على أربعة أقوال وذهب كل من الأئمة الأربعة إلى قوله موافقا لطائفة من علماء الصحابة والتابعين، فقال بعضهم بالتورك في التشهدين، وهو قول مالك، وقال بعضهم بالافتراش فيهما، وهو قول أبي حنيفة

---

١) كتاب الميسر: ١/٢٢٩.

٢) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب ما يجمع صفة الصلاة (١/٣٥٧) رقم الحديث: ٤٩٨. [ولفظه: عن عائشة، قالت: كان رسول الله ﷺ يستفتح الصلاة بالتكبير. والقراءة، بـ الحمد لله رب العالمين، وكان إذا ركع لم يشخص رأسه، ولم يصوبه ولكن بين ذلك، وكان إذا رفع رأسه من الركوع لم يسجد، حتى يستوي قائما، وكان إذا رفع رأسه من السجدة، لم يسجد حتى يستوي جالسا، وكان يقول في كل ركعتين التحية، وكان يفرش رجله اليسرى وينصب رجله اليمنى، وكان ينهى عن عقبة الشيطان. وينهى أن يفترش الرجل ذراعيه افتراش السبع، وكان يختم الصلاة بالتسليم، وفي رواية ابن نمير، عن أبي خالد، وكان ينهى عن عقب الشيطان.]

٣) سفر السعادة: ٤٤.

toobaa-elibrary.blogspot.com

رحمه الله، وبعضهم بالتورك في تشهد بعده السلام، سواء كان [هناك] تشهدان أو تشهد واحد، وفي غيره الافتراش، وهو قول الشافعي رحمه الله. وقال بعضهم: كل صلاة فيها التشهدان ففي الأخير منهما يتورك، وإن كان تشهد واحد يفرش، وهو مذهب أحمد رحمه الله.

وقيل: وجه قول أبي حنيفة رحمه الله أن في كثير من الأحاديث وقع ذكر الافتراش مطلقا بأن السنة في التشهد هذا، وإن جلوس النبي ﷺ في التشهد كان هكذا بلا تقييد بالأولى وبالأخرى، ففي مسلم [1] عن عائشة رضي الله عنها: كان رسول الله ﷺ يفتتح الصلاة بالتكبير إلى أن قالت: وكان يفرش رجله اليسرى، وينصب رجله اليمنى، وفي سنن النسائي[2]: عن ابن عمر عن أبيه رضي الله عنهما قال: من سنة الصلاة أن تنصب القدم اليمنى واستقباله بأصابعها القبلة، والجلوس على اليسرى؛ كذا قال الشيخ ابن الهمام. [3]

وأيضا هذا الجلوس أشق وأشد، وأفضل الأعمال أحمزها، وقد وقع في بعض الأحاديث التورك في التشهد الأخير، فحملوها على حالة العذر أو كبر السن أو طول الأدعية؛ لأن المشقة فيه أقل.

الموضع الخامس: في التسليم.

وهو فرض عند الشافعي رحمه الله، وكذا عند أحمد في ظاهر المذهب لقوله صلى الله عليه وسلم: "تحريمها التكبير وتحليلها التسليم".

وواجب عندنا لقوله ﷺ لابن مسعود رضي الله عنه بعد تعليمه التشهد: "إذا قلت هذا أو فعلت هذا فقد تمت صلاتك، إن شئت أن تقوم فقم، وإن شئت أن تقعد فاقعد". فالنبي ﷺ حكم بتمام الصلاة قبل السلام وخيره بين القعود والقيام، وهذا ينافي الفرضية والوجوب، إلا أنا أثبتنا الوجوب بما رواه احتياطا، ومثله لا تثبت الفرضية؛ لأنها تستدعي دليلا قطعيا، وقوله ﷺ: "وتحليلها التسليم" ليس بقطعي مع كونه معارضا بحديث ابن مسعود.

---

١) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب ما يجمع صفة الصلاة (١/٣٥٧) رقم الحديث: ٤٩٨.

٢) أخرجه النسائي في "سننه" كتاب التطبيق، باب الاستقبال بأطراف أصابع القدم القبلة (٢/٢٣٦) رقم الحديث: ١١٥٨.

٣) فتح القدير: ١/٣١٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وكذا الصلاة على النبي ﷺ فرض في الصلاة عند الشافعي بما روى عنه ﷺ "لا صلاة لمن لم يصل علي"، وضعفه أهل الحديث كلهم، ولوصح فمعناه كاملة أو لمن لم يصل في عمره [1]، وكذا ما جاء في حديث ابن مسعود عنه ﷺ "من صلى صلاة لم يصل فيها علي وعلى أهل بيتي لم تقبل منه" وهذا ضعيف لجابر الجعفي، مع أنه قد اختلف عليه رفعه أو وقفه، قاله الدارقطني. [2]

وروى ابن ماجة: لا صلاة لمن لا وضوء له، ولا وضوء لمن لم يذكر اسم الله عليه، ولا صلاة لمن لا يصلي على النبي، ولا صلاة لمن لا يحب الأنصار، وفيه: عن عبد المهيمن عن أبيه عن جده، نحوه مرفوعا أيضا ضعيف، قال ابن حبان: لا يحتج به، وأخرجه الطبراني عن أبي بن عباس بن سهل بن سعيد عن أبيه عن جده نحوه مرفوعا. [3]

وروى البيهقي عن يحيى بن السباق، عن رجل من بني الحارث، عن ابن مسعود، عن رسول الله ﷺ أنه قال: إذا تشهد أحدكم في الصلاة فليقل: اللهم صل على محمد وعلى آل محمد وبارك [على محمد وعلى آل محمد]، وارحم محمدا وآل محمد كما صليت وباركت وترحمت على إبراهيم [وعلى آل إبراهيم] إنك حميد مجيد. [4] وفيه مجهول، وكره بعضهم أن يقال: ارحم محمدا، ولم يكره بعضهم.

قال القاضي عياض [5]: وشذ الشافعي [في ذلك] فقال: من لم يصل على النبي ﷺ [من بعده التشهد الأخر قبل السلام] فصلاته فاسدة [وإن صلى عليه قبل ذلك لم تجزه] ولا سلف له في هذا القول، والأصح منه منعها، ولا سنة يتبعها وشنع عليه جماعة، منهم: الطبري.

---

١) الشفا: ٢/٦٤.

٢) أخرجه الدار قطني في "سننه" كتاب الصلاة، باب ذكر وجوب الصلاة على النبي ﷺ (٢/١٧١) رقم الحديث: ١٣٤٣.

٣) أخرجه ابن ماجه في "سننه" كتاب الطهارة وسننها، باب ما جاء في التسمية في الوضوء (١/١٤٠) رقم الحديث. ٤٠٠. والطبراني في "المعجم الكبير" باب السين، العباس بن سهل بن سعد عن أبيه (٦/١٢١) رقم الحديث. ٥٦٩٩.

٤) أخرجه البيهقي في "السنن الكبرى" كتاب الصلاة، باب وجوب الصلاة على النبي ﷺ (٢/٥٢٩) رقم الحديث: ٣٩٦٦.

٥) الشفا: ٢/٦٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

والتشهدات المروية عن ابن مسعود وابن عباس وأبي هريرة وجابر وأبي سعيد وأبي موسى وابن الزبير، لم يذكر فيها ذلك، فقلنا: بكونها سنة، وحديث ابن مسعود: إذا قلت هذا أو فعلت هذا، فقد تمت صلاتك، الحديث. أيضا دل على عدم فرضيته، وأما الوجوب، فقلنا في التسليم احتياطا لثبوت الحديث الصحيح فيه، بخلاف الصلاة، فأنا لم نجد فيها حديثا صحيحا هكذا قالوا، نعم الصلاة والسلام على النبي ﷺ خارج الصلاة فرض، أما في مدة العمر كما قال الكرخي، أو كلما ذكر النبي ﷺ كما اختاره الطحاوي، والمسئلة مذكورة في محلها، فتدبر.

وهذا ما اتفق ذكره من الاختلافات في هذا الباب، وفيه اختلافات آخر لم يذكره قبل.

ووجوب تكبيرة الإحرام بالله أكبر أو الله الأكبر عند الشافعي، وجوازها بغيرها من الألفاظ مثل الله أجل وأعظم والرحمن أكبر عند أبي حنيفة، ومثله جوازه بالفارسية عنده، وعدم جوازه عند غيره، ومثل مقارنة رفع اليدين مع التكبير أو تقدمه عليه، ومثل ضم التوجه بالتكبير وعدمه، ومثل عدم فرضية الفاتحة وأمثال ذلك، ومسبب عدم ذكرها لكونها مذكورة في الكتب مثل الهداية وغيره، الكلام كما قررناه في أمثاله، والله أعلم.

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب ما يقرأ بعد التكبير المذكور[١]

وفي هذا الباب الأذكار والأدعية المأثورة بعد تكبيرة الإحرام واردة في الأحاديث الصحيحة، مثل وجهت وجهي للذي فطر السماوات والأرض، وسبحانك اللهم وبحمدك.

وهي مستحبة معمولة بها في مذهب الشافعي رحمه الله في الفريضة والنافلة كلا أو بعضا، قال النووي [٢]: يستحب الجمع بينها كلها لمن صلى منفردا، وللإمام إذا أذن له المأموم، فأما إذا لم يأذنوا فلا يطول عليهم بل يقتصر على بعض ذلك، وحسن اقتصاره على "وجهت وجهي" إلى قوله: "من المسلمين"، وكذلك المنفرد الذي يؤثر التخفيف، انتهى.

وعندنا وكذلك عند أحمد ومالك في ظاهر مذهبهما يقتصر على قوله: سبحانك اللهم وبحمدك. . . إلخ.

وقال في شرح كتاب الخرقي في مذهب أحمد [٣]: ولو استفتح بغير هذا مما روي وصح لجاز، وما روي سوى ذلك فهو محمول على التهجد، بل مطلق النوافل لما ثبت في صحيح أبي عوانة والنسائي: أنه ﷺ كان إذا قام يصلي تطوعا قال: الله أكبر، وجهت وجهي. . . إلى آخره، فيكون مفسرا لما في غيره بخلاف: سبحانك اللهم فإنه المستقر عليه في الفرائض، كذا ذكر الشيخ ابن الهمام.[٤]

وقال في الهداية: إذا افتتح الصلاة كبر وقرأ سبحانك الله وبحمدك إلى آخره ولم يزد على هذا وما رواه محمول على التهجد وقوله وجل ثناؤك لم يذكر في المشاهير فلا يأتي به في الفرائض.[٥]

وقال ابن الهمام:[٦] قوله لم يذكر من المشاهير، وإن كان روي في الجملة عن ابن عباس في حديث طويل من قوله ذكره ابن أبي شيبة وابن مردويه في كتاب الدعاء له، ورواه

---

١) ما يقرأ بعد التكبير: قال تعالى: وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا، الآية. [طه: ١٣٠.] وقال تعالى: قَدْ أَفْلَحَ مَن تَزَكَّىٰ (١٤) وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّىٰ. [الأعلى: ١٤-١٥] (الأعظمي.)

٢) الأذكار: ٤٥.

٣) شرح الزركشي: ٥٤٥/١.

٤) فتح القدير: ٢٨٩/١.

٥) الهداية: ٤٩/١.

٦) فتح القدير: ٢٩٠/١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

الحافظ أبو شجاع في كتاب الفردوس عن ابن مسعود ﷺ: إن من أحب الكلام إلى الله عز وجل أن يقول العبد: سبحانك اللهم وبحمدك، وتبارك اسمك وتعالى جدك، وجل ثناؤك ولا إله غيرك، وأبغض الكلام إلى الله أن يقول الرجل للرجل: اتق الله فيقول عليك نفسك.

ثم الثناء والمراد به قول: "سبحانك اللهم. . . إلخ"، بدون التوجيه المراد به: "إني وجهت وجهي. . . إلخ"، هو المتعين عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله لحديث أنس ﷺ، رواه الدارقطني في سننه [1] بإسناد رجاله ثقات: أن رسول الله ﷺ كان إذا افتتح الصلاة كبر، ثم قال: سبحانك الله وبحمدك الحديث، وليس فيه ذكر التوجيه، وعند أبي يوسف: يجمع بين الثناء والتوجيه جمعا بين حديث أنس وغيره، وهو مختار الطحاوي [2]، وقال: هو مخير في أن يأتي بالتوجيه بعد الثناء أو قبله، وهو رواية عن أبي يوسف المشهور تأخير التوجيه عن الثناء عنده.

ثم اعلم أن عند بعض الحنفية القائلين بالتوجيه المستحب إتيان التوجيه بعد النية قبل التكبير؛ لأن هذا أوكد وأدخل في النية والعزيمة، وقال بعضهم: هذا يؤدي إلى طول مكث القيام مستقبل القبلة من غير صلاة، وهو مذموم شرعا، فينبغي أن يأتي بعد التكبير.

وهذا الاختلاف مبني على اختلاف نسختي الهداية، ففي بعض النسخ: والأولى أن لا يأتي بالتوجيه قبل التكبير؛ لتتصل النية به، فالضمير في "به" راجع إلى التكبير، وحاصله لزوم المكث المذكور، وأيضا الأولى في النية قرانها بالتكبير، وفي بعضها "يأتي" بدون "لا"، فالضمير راجع إلى التوجيه لكونه مؤكدا للنية والعزيمة، وقد نقل الشمني عبارة الهداية: "لا يأتي" بزيادة "لا"، هو الموافق لما في شرح ابن الهمام، فتدبر. [3]

هذا وقد أورد صاحب المشكوة [4] عن عائشة ﷺ برواية الترمذي وأبي داود، قالت: كان رسول الله ﷺ إذا افتتح الصلاة قال: سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالى جدك ولا إله غيرك. وعن وأبي سعيد برواية ابن ماجة والترمذي: هذا حديث لا نعرفه إلا من حارثة، وقد تكلم فيه من قبل حفظه، انتهى.

---

١) أخرجه الدار قطني في "سننه" كتاب الصلاة، باب دعاء الاستفتاح بعد التكبير (٢/٦٢) رقم الحديث: ١١٤٨

٢) أخرجه الطحاوي في "شرح معاني الآثار" كتاب الصلاة، باب ما يقال في الصلاة بعد تكبيرة الافتتاح (١/١٩٩) رقم الحديث: ١١٨٤.

٣) فتح القدير: ١/٢٩٠.

٤) مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب ما يقرأ بعد التكبير، الفصل الثاني (/) رقم الحديث: ٨١٥، ٨١٦.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقد حكم بضعف هذا الحديث بعض المحدثين، وتمسك بحكمهم بعض الشافعية، فقال في المصابيح: هو ضعيف، ونقل عن النووي حديث عائشة رضي الله عنها رواه الترمذي وأبو داود وابن ماجه بأسانيد ضعيفة، ورواه أبو داود والترمذي والنسائي وابن ماجه والبيهقي من رواية أبي سعيد الخدري رضي الله عنه وضعفوه، وقال البيهقي: وروي الاستفتاح بسبحانك اللهم وبحمدك عن ابن مسعود مرفوعا، وعن أنس مرفوعا، وكلها ضعيفة، قال: وأصح ما روي فيه عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه، ثم رواه بإسناده عنه: أنه كبر ثم قال: سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالى جدك ولا إله غيرك، [والله أعلم]، انتهى كلام النووي.(١)

وقال التوربشتي(٢): قد رماه المؤلف -يعني صاحب المصابيح- [بالضعف]، وليس الأمر على ما توهم، إذ هو حديث حسن مشهور، أخذ به من الخلفاء الراشدين عمر بن الخطاب رضي الله عنه، والحديث مخرج في كتاب مسلم عن عمر، وقد أخذ به ابن مسعود وغيره من فقهاء الصحابة، ولم يكن هؤلاء السادة ليأخذوا بذلك من غير أسوة، ولهذا ذهب إليه كثير من العلماء التابعين، واختاره أبو حنيفة وغيره من العلماء لاستفتاح الصلاة، وأنى ينسب هذا الحديث إلى الضعف، وقد ذهب إليه الأجلة من علماء الحديث كسفيان الثوري وأحمد بن حنبل وإسحاق بن راهويه، وقال: وأما الجرح والتعديل فقد يقع في حق أقوام على وجه الاختلاف، فربما ضعف الراوي من قبل أحد الأئمة، ووثق من قبل آخرين، وهذا الحديث رواه الأعلام من أئمة الحديث وأخذ به، وقد رواه أبو داود بطريق آخر حسن، رجاله مرضيون.

وروى الترمذي في جامعه عن أبي سعيد(٣): كان رسول الله ﷺ إذا قام إلى الصلاة بالليل كبر، ثم يقول: سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالى جدك ولا إله غيرك، ثم يقول: الله أكبر كبيرا، ثم يقول: أعوذ بالله السميع العليم من الشيطان من همزه ونفخه ونفثه، وقال: وفي الباب عن علي وعائشة وعبد الله بن مسعود وجابر وجبير بن مطعم وابن عمر رضي الله عنهم، وحديث أبي سعيد أشهر حديث في هذا الباب، وقد أخذ قوم من أهل العلم بهذا الحديث.

---

١) الأذكار: ٤٤.

٢) كتاب الميسر: ١/٢٣٥-٢٣٦.

٣) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما يقول عند افتتاح الصلاة (٩/٢) رقم الحديث: ٢٤٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وأما أكثر أهل العلم فقالوا بما روي عن النبي ﷺ: أنه كان يقول: سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالى جدك ولا إله غيرك، وهكذا روي عن عمر بن الخطاب وعبد الله بن مسعود ﷺ، والعمل على هذا عند أهل العلم من التابعين وغيرهم، وقد تكلم في إسناد حديث أبي سعيد، وكان يحيى بن سعيد يتكلم في علي بن علي، وقال أحمد: لا يصح هذا الحديث.

ثم روى الترمذي [1]: حديث عائشة ﷺ المذكور في الكتاب، وقال: هذا حديث لا نعرفه إلا من هذا الوجه، وحارثة قد تكلم فيه من قبل حفظه، كما رواه المؤلف، فقد ظهر أن التكلم في هذا الطريق الذي فيه حارثة، وهو لا ينافي صحة الطريق الآخر كما ذكر بقوله: وأما أكثر أهل العلم إلى آخره.

وقال الشيخ ابن الهمام [2]: روى البيهقي عن أنس وعائشة وأبي سعيد الخدريوجابر وعمر وابن مسعود ﷺ الاستفتاح بسبحانك اللهم وبحمدك. . . إلى آخره مرفوعا إلا عمر ﷺ، فإنه وقفه على عمر، ورفعه الدارقطني عن عمر ﷺ، ثم قال: المحفوظ عن عمر ﷺ من قوله. وفي صحيح مسلم: أن عمر بن الخطاب ﷺ كان يجهر بهؤلاء الكلمات، ورواه أبو داود والترمذي عن عائشة ﷺ، وضعفاه، ورواه الدارقطني عن عثمان ﷺ من قوله، ورواه سعيد بن منصور عن أبي بكر الصديق ﷺ من قوله.

وأورد الشيخ حديث أبي سعيد عن الترمذي والنسائي وابن ماجه، ونقل قول الترمذي في تضعيف علي بن علي كما نقلناه، ثم قال: وعلي بن علي وثقه وكيع وابن معين وأبو زرعة، وكفى بهم، وقال: ولما ثبت من فعل الصحابة ﷺ وغيره الافتتاح بعده ﷺ بسبحانك اللهم مع الجهر به لقصد تعليم الناس ليقتدوا ويأتسوا، كان دليلا على أنه الذي كان عليه صلى الله عليه وسلم آخر الأمر، وأنه كان الأكثر من فعله، وإن كان رفع غيره أقوى على طريق المحدثين، ألا يرى أنه روي في الصحيحين من حديث أبي هريرة: أنه ﷺ كان يسكت هنيهة قبل القراءة بعد التكبير فقلت: بأبي أنت وأمي يا رسول الله، رأيت سكوتك بين التكبير والقراءة ما تقول؟ قال أقول: اللهم باعد بيني وبين خطاياي كما باعدت بين المشرق والمغرب. اللهم نقني من

---

١) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما يقول عند افتتاح الصلاة (٢/١٠) رقم الحديث: ٢٤٣.

٢) فتح القدير: ١/٢٨٩.

toobaa-elibrary.blogspot.com

خطاياي كما ينقى الثوب الأبيض من الدنس، اللهم اغسلني من خطاياي بالثلج والماء والبرد، وهو أصح من الكل لأنه متفق عليه، ومع هذا لم يقل بسنيته عينا أحد من الأربعة.

والحاصل أن غير المرفوع أو المرفوع المرجوح في الثبوت عن مرفوع آخر قد يقدم على عديله إذا اقترن بقرائن تفيد أنه صحيح عنه عليه الصلاة والسلام مستمر عليه، إنتهى.

واعلم أن في الصلاة سكتتين أو سكتات ورووا الأحاديث بهما، وما يقول بهما الشافعية ورد في الحديث عن سمرة بن جندب قال: سكتتان حفظتهما عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأنكر ذلك عمران بن حصين، [وقال: حفظنا سكتة،] فكتبنا إلى أبي بن كعب بالمدينة، فكتب أبي: أن حفظ سمرة، قال سعيد، فقلنا لقتادة: ما هاتان السكتتان؟ قال: إذا دخل في صلاته، وإذا فرغ من القراءة، ثم قال بعد ذلك: وإذا قرأ: "وَلَا الضَّآلِّينَ"[(١)]، قال: وكان يعجبه إذا فرغ من القراءة أن يسكت حتى يتراد إليه نفسه. أخرجه الترمذي [(٢)]، وأخرج أبو داود[(٣)] ولفظه: قال سمرة: حفظت سكتتين في الصلاة، سكتة إذا كبر الإمام حتى يقرأ، وسكتة إذا فرغ من فاتحة الكتاب، وسورة عند الركوع، قال: فأنكر ذلك عليه عمران بن حصين، قال: فكتبوا في ذلك إلى المدينة إلى أبي فصدق سمرة. وفي رواية: سكتة إذا فرغ عن الصلاة.

وقال الترمذي: وفي الباب عن أبي هريرة، وحديث سمرة حديث حسن، وهو قول غير واحد من أهل العلم: يستحبون للإمام أن يسكت بعدما يفتتح الصلاة وبعد الفراغ من القراءة وبه يقول أحمد، وإسحاق وأصحابنا، إنتهى.

ولا يذهب عليك أن السكتة الأولى بعد التكبير متفق عليه عند الأئمة، يقراء فيها دعاء الاستفتاح، وهي ليست سكتة في الحقيقة؛ بل المراد به عدم الجهر بالقراءة، والثانية سنة عند الشافعي وكذا عند أحمد. وقد جاء سكتة أخرى بين القراءة والركوع، وعندنا وعند مالك: لا سكتة إلا الأولى.

---

١) الفاتحة: ٧.

٢) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في السكتتين (٢/٣٠) رقم الحديث: ٢٥١.

٣) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب السكتة عند الافتتاح (١/٢٠٦) رقم الحديث: ٧٧٧، ٧٧٨، ٧٧٩، ٧٨٠.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقال النووي في الأذكار:[١] قال أصحابنا: يستحب للإمام في الصلاة الجهرية [أن يسكت] أربع سكتات، إحداهن: عقيب تكبيرة الإحرام ليأتي بدعاء الاستفتاح، والثانية: بعد فراغه من الفاتحة سكتة لطيفة جدا بين آخر الفاتحة وبين آمين؛ ليعلم أن آمين ليست من الفاتحة، والثالثة: بعد آمين سكتة طويلة بحيث يقرأ المأموم الفاتحة، والرابعة: بعد الفراغ من السورة يفصل بها بين القراءة وتكبيرة الهوي إلى الركوع، إنتهى.

فعنده هذه السكتات ثابتة، والسنة عندهم أن المقتدي في الصلاة الجهرية يسكت ويقرأ في السكتة الثانية.

وقال الخرقي من أئمة الحنابلة في كتابه [٢]: أن عند أحمد سكتات ويقرء فيها المقتدي الفاتحة.

ونقل الزركشي في شرح كلام الخرقي عن أبي البركات أحد مشائخ مذهب الإمام احمد [٣]: أن في الصلاة سكتتين على سبيل الاستحباب، الأولى مخصوصة بالركعة الأولى للاستفتاح، والثانية سكتة يسيرة بعد إتمام القراءة حتى يرد إليه النفس.

والظاهر أن هذه السكتات لم يثبت عند الحنفية، وانكار عمران بن حصين إياه وأنه صحابي كبير على سمرة أيضا يدل على خفاء الحال، وأيضا أن هذين السكتتين بعد ثبوتهما لتصوير السورة وتقديرها، واستراحة النفس لا بطريق التعبد والتقريب؛ حتى يكونا سنتين كالاضطجاع بعد سنة الفجر سنة عند الشافعي، وعندنا مالك كان للاستراحة لا للتعبد، والله أعلم.

---

١) الأذكار: ٥٠.

٢) مختصر الخرقي: ٢٤.

٣) شرح الزركشي: ١/٦٠٠.

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب القراءة في الصلاة [1]

ذكر صاحب المشكاة في هذا الباب أحاديث في قراءة الفاتحة، والجهر بالتسمية وعدمه، وقراءة المقتدي خلف الامام، والجهر بالتأمين، وتطويل الركعة الأولى، والقراءة في الركعتين الأخريين، وقراءة بعض السور في بعض الصلاة بالتخصيص وبدونه وأمثال ذلك، وكان في هذه المطالب أحاديث أخر عندنا، ذكر نحوها ومثلها، فلم يتعرض لها إلا نادرا، فاقتصرنا الكلام على المواضع الخلافية، وهي تسعة مواضع.

الموضع الأول في قراءة الفاتحة:

اعلم أن قراءة الفاتحة ركن من الصلاة، وفرض فيها عند الشافعي وعند أحمد فيما هو المشهور والمعروف من مذهبه، وتمسكا بحديث عبادة بن الصامت قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب. أخرجه الجماعة إلا الموطأ [2]، وبحديث أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: من صلى صلاة لم يقرأ فيها بفاتحة الكتاب فهي خداج، يقولها ثلاثا، وفي رواية: فيه خداج، ثلاثا غير تمام، فقيل لأبي هريرة: إنا نكون وراء الإمام؟ فقال: اقرأ بها في نفسك: يعني اقرأها سرا بحيث تسمع نفسك، وفي رواية لأبي داود: أمرني أن أنادي: لا صلاة إلا بقراءة فاتحة الكتاب. [3]

والأحاديث ونفي الصلاة عمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب كثيرة جدا جالت بطرق متعددة.

وعند أبي حنيفة، وفي رواية عن أحمد، ولم يعرف في ذلك مذهب مالك صريحا تجزئ قراءة آية من القرآن لقوله تعالى: "فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ" [4] وقوله ﷺ للأعرابي: اقرأ ما تيسر معك من القرآن. [5]

---

1) القراءة في الصلاة: قال تعالى: فاقرءوا ما تيسر من القرآن، الآية. [المزمل: ٢٠] وقال تعالى: ليسوا سواء من أهل الكتاب أمة قائمة يتلون آيات الله آناء الليل وهم يسجدون. [آل عمران: ١١٣.] وقال تعالى: وقرآن الفجر إن قرآن الفجر كان مشهودا، الآية. [الإسراء: ٧٨.] (الأعظمي.)

2) جامع الأصول: ٣٢٦/٥، رقم الحديث: ٣٤٢٣.

3) جامع الأصول: ٣٢٧/٥، رقم الحديث: ٣٤٢٤.

4) المزمل: ٢٠.

5) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الأذان، باب أمر النبي ﷺ الذي لا يتم ركوعه بالإعادة (١٥٨/١) رقم الحديث: ٧٩٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

والجواب عما تمسك به الشافعي رحمه الله أنه مشترك الدلالة؛ لأن النفي لا يرد إلا على النسب الذي هو متعلق الجار، لا على نفس المفرد المنفي، والخبر الذي هو متعلق الجار محذوف فيمكن تقديره صحيحة فيوافق مذهبه، أو كاملة فيخالفه، وقد تقدر الثاني في نحو: "لا صلاة لجار المسجد إلا في المسجد"، و"لا صلاة للعبد الآبق"، فيقدر ههنا أيضا، وهو المتيقن، وقد يناقش أن متعلق الجار والمجرور الواقع خبرا استقرار عام، فيكون التقدير: لا صلاة كائنة أو موجودة، وعدم الوجود شرعا هو عدم الصحة.

وقد جاء في رواية: لا تجزئ صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب، رواه الدارقطني، وقال: إسناده صحيح، كذا في شرح كتاب الخرقي [1]، هذا هو الأصل، بخلاف: لا صلاة لجار المسجد، ونحوه.

فإن قيل: الدليل على الصحة أوجب كون المراد كونا خاصا، أي: كاملة، فيكون من حذف الخبر، لا من وقوع الجار والمجرور خبرا، ولأجل تطرق هذه المناقشة عدل صاحب الهداية [2] إلى أن الآية قطعية، فلا يجوز الزيادة بخبر الواحد؛ لكونه ظنيا، وظني الدلالة يوجب العمل، فقلنا بوجوبها دون فرضيتها، لئلا يلزم إبطال الظني القطعي.

وأما ما جاء في الحديث الآخر: "فهي خداج" أي: ناقصة، وأقيم المصدر مقام الصفة، أي: ذات خداج، فهو يصلح متمسكا لكلا الفريقين، والظاهر مع الحنفية؛ لأنه وقعت هذه العبارة في ترك الدعاء بعد الصلاة كما مر، وأنه ليس بفرض؛ بل ليس بواجب؛ بل هذا مبالغة في فوات الكمال، وما قال في شرح كتاب الخرقي [3]: إن الخداج النقصان في الذات، فهو محل النزاع، وإن حكاه بعض أئمة اللغة، والله أعلم هذا.

وأما التمسك بحديث أبي هريرة: قسمت الصلاة بيني وبين عبدي نصفين، الحديث.[4] فلا يخلو أيضا عن شيء؛ لأنه لا يقتضي هذه القسمة كون الفاتحة فرضا في الصلاة فصار ركنا منها كما لا يخفى.

---

١) شرح الزركشي: ١/٢٢٣.

٢) الهداية: ١/٥٠.

٣) شرح الزركشي: ١/٢٢٣.

٤) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب وجوب قراءة الفاتحة في كل ركعة (١/٢٩٦) رقم الحديث: ٣٩٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقال الشيخ ابن حجر في شرح المشكاة:[١] هذا استدلال من أبي هريرة ﷺ على وجوب قراءة فاتحة الكتاب سواء كان المصلي إماما أو مأموم، فقال: وجهه أن المراد بقراءة الفاتحة وقد شرطه المعاينون لإطلاق الكل على الجزء أن يكون ذلك الجزء أعظم الاجزاء كما في جزء الحج عرفة، وحينئذ المقتضي الحديث أن الفاتحة أعظم اجزاء الصلاة فيتوقف صحتها عليها كتوقف الحج على عرفة من غير فرق بين الماموم وغيره، إنتهى.

وفيه خفاء إذ هذا الاستدلال على طريق أهل العربية ليس من شأن أبي هريرة اعتبارها وأيضا يكفي في ذلك اشتمال الصلاة على الفاتحة وكونها المقروءة فيها ولو على وجه السنية فضلا عن الوجوب، والعلاقة لا ينحصر في الجزئية؛ بل يكفي فيها الجوار كما بين في موضعه، ويمكن أن يكون وجه الاستدلال أنه لما كان شأن الفاتحة هذا، فلا بد من قراءته في الصلاة حتما، أو يقال: إنه لما دل الحديث على أنها هي الصلاة كلها مبالغة، فلا أقل من أن يكون جزءا لها، ولا يخفى ما في هذين الوجهين، فتدبر.

الموضع الثاني قراءة المقتدي خلف الإمام:

فلنذكر المذاهب، ثم نذكر الأحاديث، ثم نقرر مذهب أبي حنيفة رحمه الله.

فاعلم أن مذهب الشافعي وجوب قراءة فاتحة الكتاب على المأموم في السرية والجهرية، ويجوز قراءة ما سوى الفاتحة أيضا.

ومذهب أحمد ومالك والشافعي رحمهم الله في قول: وجوب قراءتها في السرية فقط، ويكفيه في الجهرية استماعه لقراءة الإمام، وعند بعض أصحاب أحمد: يقرأ الفاتحة في الجهرية في سكتات الإمام، وعند بعضهم: إن كان لا يسمع لبعده أو طرفه يقرؤها، يعني في الجهرية، وإن لم يقرأ فصلاته تامة؛ لأن من كان له إمام فقراءة الإمام قراءة له، وليس بواجب، وهو المنصوص المعروف عند أصحابه؛ لعموم حديث أبي هريرة ﷺ: وإذا قرأ فأنصتوا، رواه الخمسة إلا الترمذي، وصححه أحمد، كذا في شرح كتاب الخرقي.[٢]

وذهب أبو حنيفة رحمه الله إلى أنه لا يقرؤها في السرية ولا في الجهرية، لقوله تعالى: "وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ".[٣]

---

١) فتح الإله في شرح المشكاة: ٣/٣٧٤.
٢) شرح الزركشي: ١/٢٤٥.
٣) الأعراف: ٢٠٤.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وروى البيهقي [1]: أنه قال اجتمع الناس على أن هذه الآية نزلت في الصلاة، وقيل: هذا مأثور عن ثمانين نفرا من الصحابه منهم الخلفاء الراشدون الأربعة رضي الله عنهم أجمعين، لكنه قال في الهداية [2]: ويستحسن على سبيل الاحتياط فيما يروى عن محمد رحمه الله ويكره عندهما لما فيه من الوعيد، ثم إن عند الشافعي يقرأ المأموم سرا ولو في الجهرية.

وفي شرح الشيخ: قد أجمعت الأمة على أنه يكره للمأموم الجهر وإن لم يسمع قراءة إمامه، ودلائل الأئمة الأحاديث التي تذكرها.

ولنا قوله ﷺ: من كان له إمام فقراءة الإمام له قراءة، قال في الهداية [3]: وعليه اجماع الصحابة.

قال الشيخ ابن الهمام رحمة الله عليه [4]: فإذا صح وجب أن يخص عموم الآية والحديث على طريقة الخصم مطلقا [فيخرج المقتدي]، وعلى طريقتنا يخص أيضا لأنهما عام خص منه البعض، وهو المدرك في الركوع إجماعا فجاز تخصيصهما بعده بالمقتدي بالحديث المذكور: [وكذا يحمل قوله ﷺ: فكبر ثم اقرأ ما تيسر معك من القرآن، على غير حالة الاقتداء] جمعا بين الأدلة، بل يقال القراءة ثابتة من المقتدي شرعا، فإن قراءة الإمام قراءة له، فلو قرأ لكان له قراءتان [في صلاة واحدة] وهو غير مشروع، إنتهى.

وتمسكت الأئمة بحديث عبادة بن الصامت، قال: كنا خلف النبي ﷺ في صلاة الفجر، نقرأ فثقلت عليه القراءة، فلما فرغ قال: لعلكم تقرؤون خلف إمامكم؟ قلنا: نعم يا رسول الله. قال: لا تفعلوا إلا بفاتحة الكتاب؛ فإنه لا صلاة لمن لم يقرأ بها. وفي رواية: إني أراكم تقرؤون وراء إمامكم، قال: قلنا: يا رسول الله، إي والله، قال: فلا تفعلوا، إلا ب "أم القرآن"، فإنه لا صلاة لمن لم يقرأ بها. وأيضا: لا تقرؤا بشيء من القرآن إذا جهر الإمام القرآن، رواه أبو داود، وعنه: من صلى خلف الإمام فليقرأ بفاتحة الكتاب، رواه الطبراني. [5]

---

1) أخرجه البيهقي في "السنن الكبرى" كتاب الصلاة، باب من قال يترك المأموم القراءة فيما جهر فيه (٢٢١/٢) رقم الحديث: ٢٨٨٥، ٢٨٨٦، ٢٨٨٧.
2) الهداية: ٥٦/١.
3) الهداية: ٥٦/١.
4) فتح القدير: ٣٣٨/١.
5) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب من ترك القراءة في صلاته بفاتحة الكتاب (٢١٧/١) رقم الحديث: ٨٢٣، ٨٢٤. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء أنه لا صلاة إلا بفاتحة الكتاب (٢٥/٢) رقم الحديث: ٢٤٧، باب ما جاء في القراءة خلف الإمام (١١٦/٢) رقم الحديث: ٣١١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أبي هريرة: أن رسول الله ﷺ انصرف من صلاة جهر فيها بالقراءة، فقال: هل قرأ معي أحد منكم آنفا؟ فقال رجل: نعم. فقال: رسول الله ﷺ: أنا أقول: مالي أنازع القرآن! ؟ قال: فانتهى الناس عن القراءة مع رسول الله ﷺ فيما يجهر فيه حين سمعوا ذلك من رسول الله ﷺ. رواه مالك وأحمد وأبو داود والترمذي والنسائي، وروى ابن ماجة نحوه.[1]

وقد جاء أحاديث بمنع القراءة مطلقا فروى مسلم عن أبي موسى: إذا كبر فكبروا، وإذا قرأ فانصتوا، وكذا حديث أبي هريرة لكن في الجهرية.

وعن ابن عمر والبياضي قالا: قال رسول الله ﷺ: إن المصلي يناجي ربه، فلينظر بما يناجيه به، ولا يجهر بعضكم على بعض بالقرآن[2]، وفي رواية: ولا ترفعوا أصواتكم فتوذوا المؤمنين.

والأصل المعتدلنا قوله ﷺ: من كان له إمام فقراءة الإمام له قراءة.

بقي الكلام في تصحيح هذا الحديث، قال الشيخ ابن الهمام[3]: قد روي هذا الحديث من طرق عديدة مرفوعا عن جابر بن عبد الله عنه ﷺ وقد ضعف، واعترف المضعفون لرفعه مثل الدارقطني والبيهقي وابن عدي بأن الصحيح أنه مرسل لأن الحفاظ كالسفيانين وأبي الأحوص وشعبة وإسرائيل وشريك وأبي خالد الدالاني وجرير وعبد الحميد وزائدة وزهير رووه عن موسى بن أبي عائشة عن عبد الله بن شداد عن النبي ﷺ فأرسلوه. وقد أرسله مرة أبو حنيفة كذلك، [فنقول:] المرسل حجة عند أكثر أهل العلم فيكفينا فيما يرجع إلى العمل على رأينا، وعلى طريق الإلزام أيضا بإقامة الدليل على حجية المرسل، وعلى تقدير التنزل عن حجيته فقد رفعه أبو حنيفة بسند صحيح.

---

١) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب من كره القراءة بفاتحة الكتاب إذا جهر الإمام (١/٢١٨) رقم الحديث: ٨٢٦، ٨٢٧. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في ترك القراءة خلف الإمام إذا جهر الإمام (٢/١١٨) رقم الحديث: ٣١٢. والنسائي في "سننه" كتاب الافتتاح، باب ترك القراءة خلف الإمام فيما جهر به (٢/١٤٠) رقم الحديث: ٩١٩. وابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب إذا قرأ الإمام فأنصتوا (١/٢٧٦) رقم الحديث: ٨٤٨. ومالك في "الموطأ" كتاب الصلاة، باب ترك القراءة خلف الإمام فيما جهر به (١/٨٦) رقم الحديث: ٤٤. وأحمد في "مسنده" مسند المكثرين من الصحابة، مسند أبي هريرة (١٢/٢١١) رقم الحديث: ٧٢٧٠، (١٣/٢٢٢) رقم الحديث: ٧٨١٩، (١٣/٢٣٠) رقم الحديث: ٧٨٣٢، (١٣/٣٨٣) رقم الحديث: ٨٠٠٧، (١٦/٢١٤) رقم الحديث: ١٠٣١٨.

٢) أخرجه مالك في "الموطأ" كتاب الصلاة، باب العمل في القراءة (١/٨٠) رقم الحديث: ٢٩.

٣) فتح القدير: ١/٣٣٨-٣٤٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

روى محمد بن الحسن في موطئه: أخبرنا أبو حنيفة، حدثنا أبو الحسن موسى بن أبي عائشة عن عبد الله بن شداد عن جابر ﷺ عن النبي ﷺ قال: من صلى خلف إمام فإن قراءة الإمام له قراءة.

وقولهم إن الحفاظ الذين عدوهم لم يرفعوه غير صحيح، فإن بعضهم كالسفيانين وشريك وجرير وزهير رفعوه بالطرق الصحيحة، بعضها على شرط الشيخين، وبعضها على شرط مسلم، ولو تفرد الثقة وجب قوله؛ لأن الرفع زيادة الثقة وهي مقبولة فكيف ولم يتفرد.

والثقة قد يسند الحديث تارة ويرسله أخرى، وأخرجه ابن عدي عن أبي حنيفة في ترجمته، وذكر فيه قصة وبما أخرجه أبو عبد الله الحاكم بسند له فيه أبو حنيفة عن موسى بن أبي عائشة من حديث جابر بن عبد الله: أن النبي ﷺ صلى ورجل خلفه يقرأ، فجعل رجل من أصحاب النبي ﷺ ينهاه عن القراءة في الصلاة، فلما انصرف أقبل عليه الرجل وقال: أتنهاني عن القراءة خلف رسول الله ﷺ؟ فتنازعا حتى ذكر ذلك للنبي ﷺ، فقال صلى الله عليه وسلم: من صلى خلف إمام فإن قراءة الإمام له قراءة. وفي رواية لأبي حنيفة: أن ذلك كان في الظهر أو العصر هكذا.

وقال الشيخ [١]: وتضعيف بعضهم لمثل أبي حنيفة مع تضييقه في الرواية إلى الغاية حتى إنه شرط التذكر لجواز الرواية بعد علمه أنه خطه، ولم يشترط الحفاظ هذا ولم يوافقه صاحباه عجب، ثم قد عضد بطرق كثيرة عن جابر غير ما ذكر وإن ضعفت، وبمذاهب الصحابة ﷺ حتى قال المصنف يعني صاحب الهداية: إن عليه إجماع الصحابة.

وفي موطإ مالك عن نافع عن ابن عمر: أنه كان لا يقرأ خلف الإمام، ورواه ابن عدي عن أبي سعيد الخدري، وروي الطبراني في الأوسط من حديث ابن عباس يرفعه.

وروى الطحاوي في شرح الآثار سئل عبد الله بن عمر وزيد بن ثابت وجابر بن عبد الله، فقالوا: لا تقرأ خلف الإمام في شيء من الصلاة.

وروى محمد بن الحسن في موطئه: سئل عبد الله بن مسعود ﷺ عن القراءة خلف الإمام، قال: أنصت فإن في الصلاة شغلا ويكفيك الإمام.

---

١) فتح القدير: ٣٣٩/١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وروى عن سعد بن وقاص أنه قال: وددت الذي يقرأ خلف الإمام في فيه جمرة، وفي رواية: في فيه حجر.

وعن عمر بن الخطاب ﷺ قال: ليت في فم الذي يقرأ خلف الإمام حجرا.

وأخرج الطحاوي عن حماد بن سلمة عن أبي جمرة قال: قلت لابن عباس: أقرأ والإمام بين يدي؟ قال لا.

وروى ابن أبي شيبة في مصنفه عن جابر قال: لا تقرأ خلف الإمام إن جهر ولا إن خافت.

وأخرج هو وعبد الرزاق من حديث علي ﷺ قال: من قرأ خلف الإمام فقد أخطأ الفطرة.

وقال الشيخ ابن الهمام: وقول صاحب الهداية: لكنه يستحب على سبيل الاحتياط فيما يروي عن محمد، تقتضي هذه العبارة أنها ليست ظاهر الرواية عنه، وهو الذي يظهر من قوله في الذخيرة، وبعض مشايخنا ذكروا أن على قول محمد لا يكره، وعلى قولهما يكره، ثم قال في الفصل الرابع: الأصح أنه يكره، والحق أن قول محمد كقولهما، فإن عباراته في كتبه مصرحة بذلك، قال في الآثار: وبه نأخذ، ولا نرى القراءة خلف الإمام في شيء من الصلوات يجهر فيه أو لا يجهر، ثم استمر في إسناد الآثار في ذلك، وقال في موطئه بعد ما روى في منع القراءة ما روي: لا قراءة خلف الإمام فيما يجهر وفيما لا يجهر، بذلك جاءت عامة الأخبار، وقال: تفسد صلاته في قول عدة من الصحابة، ولا يخفى أن الاحتياط في العمل بأقوى الدليلين، هذا كلام الشيخ ابن الهمام مع شيء من الاختصار، ونرجو أن يكون غير مخل، ثم كلام محمد في الموطأ مملوء بالأخبار والآثار في ذلك، فلينظر ثمة، والله أعلم.

الموضع الثالث الجهر بالتسمية وعدمه:

قد ورد الأحاديث مختلفة وعن أنس قال: أن النبي ﷺ وأبا بكر وعمر رضي الله عنهما كانوا يفتتحون الصلاة بـ "الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ". رواه مسلم.(١)

وظاهر الحديث أنهم كانوا لا يقرؤون البسملة، وهو ليس بمراد، فإن قراءتها في الصلاة مجمع عليه، لم يخالف فيها أحد، سواء كانت جزءا من الفاتحة كما هو عند الشافعي، أو لم تكن كما هو عندنا، لكن في أول الصلاة فقط عند أبي حنيفة رحمه الله، فهي مفتاح الصلاة كالتعوذ، وفي رواية عنه، وهو مذهب صاحبيه: في أول كل ركعة؛ لأن التسمية مفتاح القراءة،

---

١) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب حجة من قال لا يجهر بالبسملة (١/٢٩٩) رقم الحديث: ٣٩٩.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وكل ركعة مستقل فيها، وللاحتياط لاختلاف العلماء في كونها جزءا من الفاتحة أو فاصلا بين الفاتحة والسورة، إلا عند محمد في الصلاة السرية، وهو مذهب أحمد مطلقا.

فأول الشافعي الحديث بأن المراد كانوا يفتتحون بهذه السورة، كما يقال: قرأت "قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ"، أي: السورة التي أولها "قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ"، ويقال: قراءة "الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ" أي: السورة التي أولها " الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ" وهذا تأويل غير بعيد.

وللحديث تأويل آخر وهو أنه لم يرد نفي قراءة البسملة بل نفي الجهر بها، فإنه قد صح عن النبي ﷺ وأصحابه والخلفاء الراشدين ﷺ أجمعين، أنهم كانوا لا يجهرون بالتسمية وإن كانت الصلاة جهرية، كما هو المذهب عندنا وعند أحمد.

قال الشيخ ابن الهمام [1]: قال بعض الحفاظ: ليس حديث صريح في الجهر إلا وفي إسناده مقال عند أهل الحديث، وبهذا أعرض أرباب المسانيد المشهورة الأربعة وأحمد رحمهم الله، ولم يخرجوا منها شيئا مع اشتمال كتبهم على أحاديث ضعيفة، وعن الدارقطني أنه قال: لم يصح عن النبي ﷺ في الجهر حديث، وعنه: أنه صنف بمصر كتابا في الجهر بالبسملة، فأقسم بعض المالكية ليعرفه الصحيح منها، فقال: لم يصح في الجهر حديث.

وقال الحازمي: أحاديث الجهر وإن كانت مأثورة عن نفر من الصحابة، غير أن أكثرها لم يسلم من شوائب، وقد روى الطحاوي وأبو عمر بن عبد البر عن ابن عباس رضي الله عنهما الجهر، وعن ابن عباس: أنه لم يجهر النبي ﷺ بالبسملة حتى مات، فقد تعارض ما روي عن ابن عباس رضي الله عنهما، فإن صح فهو محمول على وقوعه أحيانا، يعني لتعليمهم أنها تقرأ فيها.

وفي رواية مسلم [2]: عن أنس ﷺ: صليت خلف النبي ﷺ وأبي بكر وعمر وعثمان وعلي، فلم أسمع أحدا منهم يقرأ بسم الله الرحمن الرحيم، [ولم يرد نفي القراءة بل السماع للإخفاء، بدليل ما صرح به عنه: فكانوا لا يجهرون ببسم الله الرحمن الرحيم] رواه أحمد [3] بإسناد على شرط الصحيح، وعنه: صليت خلف النبي ﷺ وأبي بكر وعمر، فكلهم يخفون بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ، رواه ابن ماجه.

---

1) فتح القدير: ٢٩١/١.
2) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب حجة من قال لا يجهر بالبسملة (٢٩٩/١) رقم الحديث: ٣٩٩.
3) أخرجه أحمد في "مسنده" مسند مكثرين من الصحابة، مسند أنس بن مالك (٢١٩/٢٠) رقم الحديث: ١٢٨٤٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وروى الطبراني: أن رسول الله ﷺ كان يسر ببسم الله الرحمن الرحيم، وأبا بكر وعمر وعثمان وعلي، ومن تقدم من التابعين، وهو مذهب الثوري وابن المبارك.

وقال ابن عبد البر وابن المنذر: وهو قول ابن مسعود وابن الزبير، وعمار بن ياسر وعبد الله بن المغفل، والحكم والحسن، والشعبي والنخعي والأوزاعي، وعبد الله ابن المبارك وقتادة، وعمر بن عبد العزيز والأعمش، والزهري ومجاهد، وحماد وابن أبي عبيد، وأحمد وإسحاق رحمهم الله.

وروى أبو حنيفة عن زيد بن عبد الله بن مغفل عن أبيه: أنه صلى خلف إمام فجهر ببسم الله الرحمن الرحيم، فناداه يا عبد الله! إني صليت خلف رسول الله ﷺ وأبي بكر وعمر وعثمان وعلي ﷺ، فلم أسمع أحدا منهم يجهر بها.

وقد روي في صحيح ابن خزيمة وابن حبان والنسائي عن نعيم المجمر: صليت وراء أبي هريرة ﷺ، فقرأ بسم الله الرحمن الرحيم، ثم قرأ بأم القرآن حتى بلغ "ولا الضالين" قال: آمين، ثم قال إذا سلم: والذي نفسي بيده إني لأشبهكم صلاة برسول الله ﷺ، قال ابن خزيمة: لا ارتياب في صحته عند أهل المعرفة، وهذا غير مستلزم للجهر؛ لجواز سماع نعيم مع إخفاء أبي هريرة، فإنه مما يتحقق إذا لم يبالغ في الإخفاء مع قرب المقتدي، والصريح ما عن ابن عباس رضي الله عنهما: كان رسول الله ﷺ يجهر ببسم الله الرحمن الرحيم، وفي رواية: "جهر"، قال الحاكم: صحيح بلا علة، وصححه الدارقطني، وهذان أمثل حديث في الجهر، انتهى كلام ابن الهمام.[١]

وقد عقد الترمذي له بابين، أحدهما: باب في ترك الجهر ببسم الله الرحمن الرحيم، فروى عن ابن عبد الله بن مغفل قال: سمعت أبي وأنا أقول: بسم الله الرحمن الرحيم قال: أي بني إياك والحدث، قال: ولم أر أحدا من أصحاب النبي ﷺ كان أبغض إليه الحدث في الإسلام، يعني منه، وقال: قد صليت مع النبي ﷺ ومع أبي بكر ومع عمر ومع عثمان ولم أسمع أحدا يقولها، فلا تقلها، إذا أنت صليت فقل: "الحمد لله رب العالمين"، قال أبو عيسى: حديث عبد الله بن مغفل حديث حسن، والعمل عليه عند أكثر أهل العلم من أصحاب النبي ﷺ، منهم أبو بكر وعمر وعثمان وعلي وغيرهم ﷺ ومن بعدهم من

١) فتح القدير: ٢٩١/١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

التابعين، وبه يقول سفيان الثوري وابن المبارك وأحمد وإسحاق، لا يرون أن يجهر ببسم الله الرحمن الرحيم، قالوا: ويقولها في نفسه.[1]

وثانيهما: باب من رأى الجهر ببسم الله الرحمن الرحيم، وروى عن ابن عباس رضي الله عنهما، قال: كان رسول الله ﷺ يفتتح صلاته ببسم الله الرحمن الرحيم، قال أبو عيسى: هذا حديث ليس إسناده بذاك، وقد قال بهذا عدة من أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، منهم أبو هريرة وابن عمر، وابن عباس، وابن الزبير، ومن بعدهم من التابعين، رأوا الجهر ببسم الله الرحمن الرحيم، وبه يقول الشافعي وإسماعيل بن حماد -هو ابن أبي سليمان- وأبو خالد الوالبي -اسمه هرمز-، وهو كوفي، انتهى كلام الترمذي.[2]

ومن المتأخرين من المحدثين من اختار أنه ﷺ كان يجهر حينا ويسر أخرى، والجمهور على أن الجهر كان للإسماع ليعلموا أنه قرأها، والله أعلم.

ولقد أطنبنا الكلام فيه لزعم الناس أن الجهر هو الصحيح، ويزعم طائفة أن عليا رضي الله عنه كان يجهر، والأمر بخلافه، فظهر أن مذهب أبي حنيفة هو الراجح الأصح، والله أعلم.

الموضع رابع في التأمين، الجهر به أو الاسرار؟

ولاخلاف في استحباب التأمين بعد قراءة الفاتحة في الصلاة وفي غيرها، وقد ورد في فضل التأمين في الصلاة بعد قراءة "غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ" سواء كان منفردا أو مقتديا أو إماما.

عن أبي هريرة رضي الله عنه: إذا قال الإمام: "غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ" فقولوا: آمين، فإن الملائكة تقول: آمين، وإن الإمام يقول: آمين، فمن وافق تأمينه تأمين الملائكة غفر له ما تقدم من ذنبه. رواه أحمد وعبد الرزاق وابن حبان.[3]

---

١) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في ترك الجهر ب بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ (١٢/٢) رقم الحديث: ٢٤٤.

٢) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب من رأى الجهر ب بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ (١٤/٢) رقم الحديث: ٢٤٥.

٣) أخرجه أحمد في "مسنده" مسند المكثرين من الصحابة، مسند أبي هريرة (١١٢/١٢) رقم الحديث: ٧١٨٧. وعبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الصلاة، باب آمين (٩٧/٢) رقم الحديث: ٢٦٤٤. وابن حبان في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة (١٠٦/٥) رقم الحديث: ١٨٠٤.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن سمرة [بن جندب] قال: قال رسول الله ﷺ: إذا قال القارئ: "غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ" فقولوا: آمين، يجبكم الله. رواه الطبراني. (١)

وعن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: ما حسدتكم اليهود على شيء ما حسدتكم على آمين فأكثروا من قول آمين. رواه ابن ماجة. (٢)

وعن عطاء بلاغا: [ما حسدتكم اليهود على شيء] ما حسدتكم على آمين والسلام يسلم بعضكم على بعض. [رواه عبد الرزاق] (٣)

وعن عائشة قالت: قال رسول الله ﷺ: أتدرين على ما حسدونا [يعني اليهود؟ قلت: الله ورسوله أعلم، قال:] فإنهم حسدونا على القبلة التي هدينا لها، وضلوا عنها، وعلى الجمعة التي هدينا لها وضلوا عنها، وعلى قولنا خلف الإمام: آمين. رواه البيهقي. (٤)

وعن أبي هريرة، قال: كان رسول الله ﷺ: إذا تلا "غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ"، قال: آمين، حتى يسمع من يليه من الصف الأول، أخرجه أبو داود. (٥)

وعن وائل بن حجر، قال: سمعت النبي ﷺ قرأ: غير المغضوب عليهم ولا الضالين، فقال: "آمين"، ومد بها صوته. وفي رواية: خفض بها صوته، أخرجه الترمذي وأبو داود. (٦)

وقد اختلف الأئمة في الجهر بالتأمين، فمذهب الشافعي وأحمد الجهر، وفي مذهب مالك خلاف، ومذهب الإمام أبي حنيفة الاسرار مطلقا.

وأورد في جامع الترمذي حديثي الرفع بالصوت والخفض بها، ورجح حديث الجهر،(٧) وكذلك نقل عن البخاري، وقال: وعليه أكثر العلماء من الصحابة والتابعين، وبعض العلماء صححوا حديث الخفض أيضا.

---

١) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب السين، قتادة عن الحسن (٢١٤/٧) رقم الحديث: ٦٨٩١.

٢) أخرجه ابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب الجهر بآمين (٢٧٩/١) رقم الحديث: ٨٥٧.

٣) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الصلاة، باب آمين (٩٨/٢) رقم الحديث: ٢٦٤٩.

٤) أخرجه البيهقي في "السنن الكبرى" كتاب الصلاة، جماع أبواب صفة الصلاة، باب التأمين (٨٢/٢) رقم الحديث: ٢٤٤٢.

٥) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب التأمين وراء الإمام (٢٤٦/١) رقم الحديث: ٩٣٤.

٦) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في التأمين (٢٧/٢) رقم الحديث: ٢٤٨.

٧) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في التأمين (٢٧/٢) رقم الحديث: ٢٤٨. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب التأمين وراء الإمام (٢٤٦/١) رقم الحديث: ٩٣٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وروى عن عمر بن الخطاب ﷺ أنه قال: يخفي الإمام أربعة أشياء: التعوذ، والبسملة، وآمين، وسبحانك اللهم وبحمدك، وفي بعض الروايات: اللهم ربنا لك الحمد، وعن ابن مسعود نحوه.

وروى عن أبي وائل قال: كان عمر وعلي رضي الله عنهما لا يجهران بالبسملة ولا بالتعوذ ولا بآمين، رواه ابن جرير والطحاوي وابن شاهين في السنة.

وأورد الشيخ ابن الهمام [1] عن أحمد وأبي يعلى والطبراني والدارقطني والحاكم في المستدرك من حديث شعبة عن علقمة عن أبي وائل في الإخفاء، وعن أبي داود والترمذي وغيرهما من حديث سفيان عن أبي وائل في الجهر، وقال: كلا الحديثين معلول، والاعتماد على حديث ابن مسعود ﷺ.

واعلم أنه قد جاء في بعض الروايات فمد صوته، وقيل: هو إشارة إلى مد الألف الذي هو اللغة الحجازي في لفظ آمين من مد الألف وخفة الميم، وفي بعضها: يرفع بها صوته، وهذا صريح في الجهر، وفي بعض: يرتج بها المسجد، وفي بعضها: يسمع من كان في الصف الأول قريبا منه ﷺ، وقد يظن في حديثي الجهر والخفض بأن المراد من الخفض عدم القرع العنيف، وبالجهر دوي الصوت، والظاهر الحمل على كلا الفعلين تارة فتارة، والله أعلم.

الموضع الخامس في الجمع بين التسميع والتحميد:

وعن أبي موسى قال: قال رسول الله ﷺ: إذا قال: سمع الله لمن حمده؛ فقولوا: [اللهم ربنا] لك الحمد. [2]

وهذا متمسك الإمام أبي حنيفة في قوله بإتيان الإمام التسميع والمأموم التحميد، وأن لا يجمع الإمام بين التسميع والتحميد؛ لأن هذا قسمة، والقسمة تنافي الشركة، وبهذا لا يأتي المقتدي بالتسميع ولأنه يقع تحميده بعد تحميد المقتدي، وهو خلاف موضوع الإمامة، وما رواه الشافعي محمول على حالة الانفراد، كذا في الهداية. [3]

---

١) فتح القدير: ١/٢٩٥.

٢) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب التشهد في الصلاة (١/٣٠٣) رقم الحديث: ٤٠٤.

٣) الهداية: ١/٥١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعند الشافعي رحمه الله كما ذكره الطيبي:[1] يجمع بينهما الإمام [والمأموم] والمنفرد، لحديث أبي هريرة: كان النبي ﷺ إذا قام إلى الصلاة يكبر حين يقوم، ثم يكبر حين يركع، ثم يقول: سمع الله لمن حمده حين يرفع صلبه من الركوع، ثم يقول وهو قائم: ربنا ولك الحمد، ثم يكبر حين يهوي ساجدا، الحديث، وقد قال ﷺ: صلوا كما رأيتموني أصلي، وهذا الحديث يدل على الجمع بين الذكرين، وأن التسميع ذكر حالة الانتقال، والتحميد حالة القيام، وقد ذكر في "جامع التمرتاشي" من أهل مذهبنا وقال: فإن لم يأت بالتسميع حالة الرفع لا يأتي حالة الاستواء، وقيل: يأتي بهما.

ومذهب مالك أيضا مثل مذهب أبي حنيفة رحمهما الله، وكذا مذهب أحمد في المشهور عنه تمسكا بالحديث المذكور، وقد رواه أصحاب السنن إلا ابن ماجه.

وذهب أبو يوسف ومحمد إلى أن الإمام يجمع، وهو مختار الطحاوي، ورواية عن أبي حنيفة، ولكن يأتي بالتحميد في نفسه سرا، وأما المنفرد فيجمع، وقد يروى الاكتفاء بأحدهما، وكذا عند أحمد.

الموضع السادس في تطويل الركعة الأولى:

عن أبي قتادة قال: كان رسول الله ﷺ يطول في الركعة الأولى ما لا يطول في الركعة الثانية، وهكذا في العصر، وهكذا في الصبح. رواه البخاري ومسلم.[2]

وهذا هو مذهب الأئمة في الصلوات كلها، ومذهب محمد من أصحابنا لهذا الحديث المصرح به في الظهر والعصر والفجر، وقاس غيرها عليها، وقد روى عبد الرزاق [3] عن معمر في آخر هذا الحديث: فظننا أنه يريد بذلك أن يدرك الناس الركعة الأولى، ولأبي داود [4] وابن خزيمة نحوه، كذا في شرح المشكاة للأبهري.

---

1) شرح الطيبي: ٣٦١/٢.

2) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب صفة الصلاة، باب يقرأ في الأخريين بفاتحة الكتاب (١٠٥/١) رقم الحديث: ٧٧٦. ومسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب القراءة في الظهر والعصر (٣٣٣/١) رقم الحديث: ٤٥١.

3) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الصلاة، باب القراءة في الظهر (١٠٤/٢) رقم الحديث: ٢٦٧٥.

4) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب ما جاء في القراءة في الظهر (٢١٢/١) رقم الحديث: ٨٠٠.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعندهما مخصوص بصلاة الفجر إعانة للناس على إدراك الجماعة؛ لأن الركعتين استوتا في استحقاق القراءة فتستويان في المقدار، ويستأنس به بالرواية في الحديث الآخر: "في كل ركعة ثلاثين آية، بخلاف الفجر فإنه وقت نوم وغفلة"، والحديث محمول على الإطالة من حيث الثناء والتعوذ والتسمية وبما دون ثلاث آيات، وقال في الخلاصة: إن قول محمد أحب، كذا في شرح ابن الهمام.[1]

الموضع السابع في القراءة في الركعتين الأخريين:

عن أبي سعيد الخدري قال: كنا نحزر قيام رسول الله ﷺ في الظهر والعصر، فحزرنا قيامه في الركعتين الأوليين من الظهر قدر قراءة "الم، تنزيل" السجدة، -وفي رواية: في كل ركعة قدر ثلاثين آية- وحزرنا قيامه في الأخريين قدر النصف من ذلك، وحزرنا في الركعتين الأوليين من العصر على قدر قيامه في الأخريين من الظهر، وفي الأخريين من العصر على النصف من ذلك. رواه مسلم.[2]

وقوله: "قدر قراءة الم تنزيل السجدة" إما أن يكون المراد القراءة في مجموعهما هذا القدر، أو في كل ركعة، ويوافقه قوله: "وفي رواية: وفي كل ركعة قدر ثلاثين آية"، فإن "الم السجدة" تسع وعشرون آية.

وقوله: "وحزرنا قيامه" يدل على قراءة السورة في الأخريين من الظهر، بل ومن العصر أيضا، ولا ينافي ذلك حكم الأئمة الأربعة بجواز الاختصار في الأوليين على الفاتحة، بل عندنا لو سبح أو سكت جاز، والقراءة أفضل، وبه قال النخعي والثوري وسائر الكوفيين.

وفي "المحيط": لو سكت عمدا يكون مسيئا؛ لمخالفته السنة.

وروى الحسن عن أبي حنيفة: أن القراءة فيما بعد الأوليين واجبة، وروى ابن أبي شيبة[3] عن شريك عن أبي إسحاق السبيعي عن علي وابن مسعود رضي الله عنهما أنهما قالا: اقرأ في الأوليين وسبح في الأخريين، كذا ذكر الشمني. وقال أيضا: ولو قرأ في الأخريين الفاتحة والسورة لا يسجد للسهو، وهو الأصح؛ لأن قراءة الفاتحة وحدها في الأخريين سنة لا واجبة.

---

1) فتح القدير: ١/٣٣٦.
2) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب القراءة في الظهر والعصر (١/٣٢٣) رقم الحديث: ٤٥٢
3) أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الصلوات، باب من كان يقول يسبح في الأخريين ولا يقرأ (١/٣٢٧) رقم الحديث: ٣٧٤٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وأصح الروايتين في مذهب أحمد: أن لا يكره قراءة السورة في الأخريين؛ لأنه قد جاء عن النبي ﷺ أنه زاد أحيانا على قراءة الفاتحة في الأخريين، لكن المستحب أن يتركها الناس.

الموضع الثامن في تخصيص بعض الصلوات ببعض السور:

كفجر يوم الجمعة ب"الم السجدة" و"هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنسَانِ" وكصلاة الجمعة بسورة "الجمعة" و "إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ" وسنة الفجر ب"قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ" و "قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ" وظاهر هذا إفادة المواظبة على ذلك، وذلك لأن الإيهام المذكور منتف بالنسبة إلى المصلي نفسه. إنتهى كلام الشيخ.[1]

قال العبد الضعيف -أصلح الله شأنه، وصانه عما شانه-: لا شك أن الإيهام المذكور منتف بالنسبة إلى المصلي نفسه، ولكن بالنسبة إلى الغير باق، ولكنه فيما كان مأثورا وصح روايته عن الشارع غير معتبر، فالكلام في الصحة، وبعد الصحة لا مجال للتوقف، فالحق أن هذا العمل لم يثبت عند الحنفية دوامه عن رسول الله ﷺ ، فلا بأس أن يقرأ أحيانا بل كان أفضل، والله أعلم.

وحديث قراءة "الم السجدة" و"هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنسَانِ" في فجر يوم الجمعة، رواه البخاري ومسلم عن أبي هريرة [2]، ورواه النسائي وأبو داود والترمذي عن ابن عباس[3]، والتزمه الشافعية، وواظبوا عليه عملهم في الحرمين الشريفين وغيرهما على سبيل الدوام.

وذكر صاحب سفر السعادة سبب تخصيص يوم الجمعة بهاتين السورتين: أنهما مشتملان على ذكر المبدأ والمعاد ودخول الجنة والنار، وهذه المعاني تكون في يوم الجمعة، والقيامة تقوم فيه.

---

١) فتح القدير: ١/٣٣٧-٣٣٨.

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الجمعة، باب ما يقرأ في صلاة الفجر يوم الجمعة (٢/٥) رقم الحديث: ٨٩١، ومسلم في "صحيحه" كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب ما يقرأ في يوم الجمعة (٢/٥٩٩) رقم الحديث: ٨٨٠.

٣) أخرجه النسائي في "سننه" كتاب الافتتاح، باب القراءة في الصبح يوم الجمعة (٢/١٥٩) رقم الحديث: ٩٥٦. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب ما يقرأ في صلاة الصبح يوم الجمعة (١/٢٨٢) رقم الحديث: ١٠٧٤. والترمذي في "جامعه" أبواب الجمعة، باب ما جاء فيما يقرأ في صلاة الصبح يوم الجمعة (٢/٣٩٨) رقم الحديث: ٥٢٠.

toobaa-elibrary.blogspot.com

ولا يذهب عليك أن كثيرا من السور القرآنية مشتملة على هذه المعاني، ولا يختص ذلك بهاتين السورتين، اللهم إلا أن يدعى أن فيهما أكثر وأوفر، ويلوح من هذا الوجه أن قراءة هاتين السورتين لم تكن دائمة إلا في مقام التذكير والإنذار كسورة "ق" و "اقتربت" فيهما، على أنك عرفت أن كلمة "كان" في أمثال هذه الأحاديث ليست للاستمرار، فافهم، والله أعلم.

الموضع التاسع في جواب الآيات:

مثلا إذا قرأ "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى"[١]، قال: سبحان ربي الأعلى، وإذا قرأ "أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ" [٢]، قال: بلى وأنا على ذلك من الشاهدين، وأمثال ذلك مما ذكروه في الأحاديث.

حمله الشافعية على حال الصلاة، وعلم منها حال غير الصلاة لجوزوه في الصلاة وغيرها.

وعندنا وكذا عند المالكية هو محمول على غير الصلاة.

قال التوربشتي [٣]: يحتمل عندنا أن يكون ذلك في القراءة في غير الصلاة، ومن جملة المحظور فيه أنه ربما يظن الجاهل أنه من القرآن، ولو كان النبي ﷺ فاعلا ذلك في الصلاة كما نقله الراوي، ونقله غيره من الصحابة لشدة حرصهم على الأخذ [منه] والتبليغ [عنه]، ولو زعم [زاعم] أنه في الصلاة ذهابا إلى ظاهر الحديث؟ قلنا: نحمل ذلك على غير الفرائض على ما في حديث حذيفة ﷺ لما حدث صلاته بالليل: وما أتى على آية رحمة إلا وقف وسأله، وما أتى على آية عذاب إلا وقف وتعوذ، ولم ينقل شيء من ذلك فيما جهر به من الفرائض مع كثرة من حضرها، والله أعلم.

اعلم أنه قد ذكر في المشكاة في هذا الباب [٤] حديث جابر بن عبد الله، وذكر فيه قصه معاذ بن جبل: أنه كان يصلي مع النبي ﷺ، ثم يأتي فيؤم قومه، [فصلى ليلة مع النبي ﷺ العشاء، ثم أتى قومه فأمهم،] فافتتح بسورة البقرة، الحديث. بمناسبة القراءة.

---

١) الأعلى: ١.
٢) التين: ٨.
٣) كتاب المسير: ١/٢٤٥.
٤) مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب القراءة في الصلاة، الفصل الأول (١/٢٦٥) رقم الحديث: ٨٣٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وهذا الحديث مما تمسك به الشافعي في جواز اقتداء المفترض بالمتنفل؛ فكان الأنسب أن يذكر في أبواب الإمامة، وما على الإمام من رعاية حال المأمومين وضعفهم.

وقد ذكر في باب "من صلى صلاة مرتين" [١] طرفاته من هذا الحديث من غير ذلك القصة التي ذكرت ههنا.

ونحن رأينا ذكر هذا الحديث في باب الإمامة، في رعاية الإمام والتخفيف أنسب، فنذكره ما شاء الله تعالى، وما تيسر من الكلام إن شاء الله الملك العلام.

١) مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب من صلى صلاة مرتين، الفصل الأول (١/٣٦٢-٣٦٣) رقم الحديث: ١١٥٠، ١١٥١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب الركوع والسجود [١]

عن سالم البراد قال: أتينا أبا مسعود فقلنا له: حدثنا عن صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقام بين أيدينا، فكبر، فلما ركع وضع راحتيه على ركبتيه، وجعل أصابعه أسفل من ذلك وجافى بمرفقيه حتى استوى كل شيء منه، ثم قال: سمع الله لمن حمده، فقام حتى استوى كل شيء منه. أخرجه أبو داود والنسائي. [٢]

وعن علي بن أبي طالب ﷺ: قال: نهاني رسول الله ﷺ أن أقرأ القرآن وأنا راكع أو ساجد، ولا أقول: نهاكم. أخرجه أبو داود، والنسائي، ومسلم. وفي رواية: نهاني رسول الله ﷺ أن أقرأ راكعا أو ساجدا. وفي أخرى: نهاني عن قراءة القرآن، وأنا راكع. ولم يذكر السجود. [٣]

وعن حرملة، مولى أسامة: أن الحجاج بن أيمن بن أم أيمن وكان أخا أسامة لأمه من الأنصار، رآه ابن عمر لا يتم ركوعه، فقال: أعد. وفي رواية: فلما ولى، قال ابن عمر: من هذا؟ قلت: الحجاج بن أيمن، قال: لو رأى النبي ﷺ هذا لأحبه. أخرجه البخاري. [٤]

---

١) باب الركوع والسجود، قال تعالى: يا أيها الذين آمنوا اركعوا واسجدوا، الآية. [الحج: ٧٧.] وقال تعالى: والعاكفين والركع السجود، الآية. [البقرة: ١٢٥.] وقال تعالى: واركعوا مع الراكعين، الآية. [البقرة: ٤٣.] وقال تعالى: فاسجدوا لله واعبدوا. [النجم: ٦٢.] وقال تعالى: ومن الليل فاسجد له وسبحه ليلا طويلا. [الإنسان: ٢٦.] وقال تعالى: وإذا قيل لهم اسجدوا للرحمن قالوا وما الرحمن أنسجد لما تأمرنا وزادهم نفورا. [الفرقان: ٦٠.] وقال تعالى: يا مريم اقنتي لربك واسجدي واركعي مع الراكعين. [آل عمران: ٤٣.] (الأعظمي.)

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب صلاة من لا يقيم صلبه في الركوع والسجود (٢٢٨/١) رقم الحديث: ٨٦٣. والنسائي في "سننه" كتاب التطبيق، باب مواضع الراحتين في الركوع (١٨٦/٢) رقم الحديث: ١٠٣٦.

٣) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب النهي عن قراءة القرآن في الركوع والسجود (٣٤٨/١) رقم الحديث: ٤٨٠. وأبو داود في "سننه" كتاب اللباس، باب من كرهه [الـى تحرير] (٤٧/٤) رقم الحديث: ٤٠٤٤، ٤٠٤٥. والنسائي في "سننه" كتاب التطبيق، باب النهي عن القراءة في السجود (٢١٧/٢) رقم الحديث: ١١١٩.

٤) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب المناقب، باب ذكر أسامة بن زيد [باب] (٢٤/٥) رقم الحديث: ٣٧٣٦، ٣٧٣٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أنس بن مالك ﷺ قال: إني لا آلو أن أصلي بكم كما رأيت رسول صلى الله عليه وسلم يصلي بنا. قال ثابت: فكان أنس يصنع شيئا لا أراكم تصنعونه، كان إذا رفع رأسه من الركوع انتصب قائما، حتى يقول القائل: قد نسي، وإذا رفع رأسه من السجدة مكث حتى يقول القائل: قد نسي.

وفي رواية: نحوه، إلا أنه قال: وإذا رفع رأسه بين السجدتين. أخرجه البخاري ومسلم.

وفي رواية أبي داود، قال: ما صليت خلف رجل أوجز صلاة من رسول الله ﷺ في تمام، وكان رسول الله ﷺ إذا قال: سمع الله لمن حمده، قام حتى نقول: قد [أ]وهم، ثم يكبر ويسجد، وكان يقعد بين السجدتين، حتى نقول: قد [أ]وهم.[١]

وعن أنس بن مالك ﷺ: أن النبي ﷺ، قال: أقيموا الركوع والسجود، فوالله، إني لأراكم من بعدي، وربما قال: من بعد ظهري، إذا ركعتم وسجدتم. أخرجه البخاري ومسلم والنسائي.[٢]

وعن مالك بن الحويرث ﷺ قال لأصحابه: ألا أنبئكم بصلاة النبي ﷺ؟ قال: وذاك في غير حين صلاة. فقام ثم ركع فكبر، ثم رفع رأسه، فقام هنيهة ثم سجد رفع رأسه هنيهة. أخرجه البخاري وأبوداود والنسائي.[٣]

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الأذان، باب الطمأنينة حين يرفع رأسه من الركوع (١/١٥٩) رقم الحديث: ٨٠٠، باب المكث بين السجدتين (١/١٦٤) رقم الحديث: ٨٢١. ومسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب الطمأنينة في الصلاة (١/٣٤٤) رقم الحديث: ٤٧٢، باب اعتدال أركان الصلاة وتخفيفها في تمام (١/٣٤٤) رقم الحديث: ٤٧٣. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب طول القيام من الركوع وبين السجدتين (١/٢٢٥) رقم الحديث: ٨٥٣.

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الأذان، باب الخشوع في الصلاة (١/١٤٩) رقم الحديث: ٧٤٢، كتاب الأيمان والنذور، باب كيف كانت يمين النبي ﷺ (٨/١٣١) رقم الحديث: ٦٦٤٤. ومسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب الأمر بتحسين الصلاة وإتمامها والخشوع فيها (١/٣١٩) رقم الحديث: ٤٢٥. والنسائي في "سننه" كتاب التطبيق، باب الأمر بإتمام السجود (٢/٢١٦) رقم الحديث: ١١١٧.

٣) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الأذان، باب من صلى بالناس وهو لا يريد إلا أن يعلمهم صلاة النبي ﷺ وسنته (١/١٣٦) رقم الحديث: ٦٧٧، باب رفع اليدين إذا كبر وإذا ركع وإذا رفع (١/١٤٨) رقم الحديث: ٧٣٧، باب الطمأنينة حين يرفع رأسه من الركوع (١/١٥٩) رقم الحديث: ٨٠٢، باب كيف يعتمد على الأرض إذا قام من الركعة؟ (١/١٦٤) رقم الحديث: ٨٢٤. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب من ذكر أنه يرفع يديه إذا قام من الثنتين (١/١٩٩) رقم الحديث: ٧٤٥، باب النهوض في الفرد (١/٢٦٢) رقم الحديث: ٨٤٢، ٨٤٣. والنسائي في "سننه" كتاب التطبيق، باب الاعتماد على الأرض عند النهوض (٢/٢٣٤) رقم الحديث: ١١٥٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن بن جبير قال: سمعت أنس بن مالك ﷺ يقول: ما صليت وراء أحد بعد رسول الله ﷺ أشبه صلاة بصلاة رسول الله ﷺ من هذا الفتى، يعني عمر بن عبد العزيز قال: فحزرنا ركوعه عشر تسبيحات، وسجوده عشر تسبيحات. أخرجه أبو داود والنسائي.(١)

وعن السعدي عن أبيه، أو عمه قال: رمقت رسول الله ﷺ في صلاته، فكان يتمكن في ركوعه وسجوده قدر ما يقول: سبحان الله وبحمده ثلاثا. أخرجه أبو داود.(٢)

وعن البراء بن عازب ﷺ قال: كان ركوع النبي ﷺ، وسجوده، وبين السجدتين، وإذا رفع رأسه من الركوع ما خلا القيام والقعود قريبا من السواء. كذا في المشكاة.

وقال في جامع الأصول: وفي رواية، قال: رمقت الصلاة مع محمد ﷺ فوجدت قيامه فركعته، فاعتداله له بعد ركوعه، فسجدته، فجلسته بين السجدتين، فسجدته وجلسته ما بين التسليم، والانصراف: قريبا من السواء.(٣)

وعن عبد الرحمن بن أبي ليلى، قال: سمعت البراء بن عازب يقول: كانت صلاة رسول الله ﷺ: قيامه، وركوعه، وإذا رفع رأسه من الركوع، وسجوده، وما بين السجدتين:

---

١) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب مقدار الركوع والسجود (١/٢٣٤) رقم الحديث: ٨٨٨. والنسائي في "سننه" كتاب الإفتتاح، باب تخفيف القيام والقرءة (٢/١٦٦) رقم الحديث. ٩٨١، كتاب التطبيق، باب عدد التسبيح في السجود (٢/٢٢٤) رقم الحديث: ١١٣٥.

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب مقدار الركوع والسجود (١/٢٣٤) رقم الحديث: ٨٨٥.

٣) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الأذان، باب حد إتمام الركوع والاعتدال فيه والطمأنينة (١/١٥٨) رقم الحديث: ٧٩٢، باب الطمأنينة حين يرفع رأسه من الركوع (١/١٥٩) رقم الحديث: ٨٠١، باب المكث بين السجدتين (١/١٦٣) رقم الحديث: ٨٢٠. ومسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب اعتدال أركان الصلاة وتخفيفها في تمام (١/٣٤٣) رقم الحديث: ٤٧١. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب طول القيام من الركوع وبين السجدتين (١/٢٢٥) رقم الحديث: ٨٥٢. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في إقامة الصلب إذا رفع رأسه من السجود والركوع (٢/٦٩) رقم الحديث. ٢٧٩. والنسائي في "سننه" كتاب التطبيق، باب قدر القيام بين الرفع من الركوع والسجود (٢/١٩٧) رقم الحديث: ١٠٦٥، باب قدر الجلوس بين السجدتين (٢/٢٣٢) رقم الحديث: ١١٤٨، كتاب السهو، باب جلسة الإمام بين التسليم والانصراف (٣/٦٦) رقم الحديث: ١٣٣٢. وابن الأثير في "جامع الأصول" حرف الصاد، الكتاب الأول في الصلاة، القسم الأول في الفرائض وأحكامها وما يتعلق بها، الباب الأول في الصلاة وأحكامها، الفصل الخامس في كيفية الصلاة، الفرع الرابع في الركوع والسجود، مقدار الركوع والسجود (٥/٣٦٦) رقم الحديث: ٣٤٩٤. والتبريزي في "مشكاة المصابيح" كتاب الصلاة، باب الركوع، الفصل الأول (١/٢٧٥) رقم الحديث: ٨٦٩.

toobaa-elibrary.blogspot.com

قريبا من السواء. قال شعبة: فذكرته لعمرو بن مرة، فقال: قد رأيت ابن أبي ليلى، فلم تكن صلاته هكذا. هذه رواية البخاري ومسلم.

ولأبي داود، قال: رمقت رسول الله ﷺ في الصلاة، فوجدت قيامه كركعته وسجدته، واعتداله في الركعة كسجدته، وجلسته بين السجدتين، وجلسته ما بين التسليم والانصراف: قريبا من السواء.

وفي رواية الترمذي والنسائي، قال: كانت صلاة رسول الله ﷺ إذا ركع، وإذا رفع رأسه من الركوع، وإذا سجد، وإذا رفع رأسه من السجود، قريبا من السواء. [١]

وعن زيد بن وهب قال: رأى حذيفة رضي الله عنه رجلا يصلي، فطفف، فقال له حذيفة: مذ كم تصلي هذه الصلاة؟ قال: منذ أربعين سنة، قال: ما صليت منذ أربعين سنة، ولو مت وأنت تصلي هذه الصلاة، مت على غير فطرة محمد ﷺ، ثم قال: إن الرجل ليخفف ويتم ويحسن. أخرجه النسائي.

وفي رواية البخاري، قال: ولو مت مت على غير سنة محمد ﷺ.

وفي رواية: ولو مت مت على غير الفطرة التي فطر الله [عليها] محمدا ﷺ. [٢]

وعن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه قال: علمنا رسول الله ﷺ الصلاة، فكبر، ورفع يديه، فلما ركع طبق يديه بين ركبتيه، قال: فبلغ ذلك سعدا، فقال: صدق أخي، كنا نفعل هذا، ثم

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الأذان، باب حد إتمام الركوع والاعتدال فيه والطمأنينة (١٥٨/١) رقم الحديث: ٧٩٢، باب الطمأنينة حين يرفع رأسه من الركوع (١٥٩/١) رقم الحديث: ٨٠١، باب المكث بين السجدتين (١٦٣/١) رقم الحديث: ٨٢٠. ومسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب اعتدال أركان الصلاة وتخفيفها في تمام (٣٤٣/١) رقم الحديث: ٤٧١. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب طول القيام من الركوع وبين السجدتين (٢٢٥/١) رقم الحديث: ٨٥٢. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في إقامة الصلب إذا رفع رأسه من السجود والركوع (٦٩/٢) رقم الحديث: ٢٧٩. والنسائي في "سننه" كتاب التطبيق، باب قدر القيام بين الرفع من الركوع والسجود (١٩٧/٢) رقم الحديث: ١٠٦٥، باب قدر الجلوس بين السجدتين (٢٣٢/٢) رقم الحديث: ١١٤٨، كتاب السهو، باب جلسة الإمام بين التسليم والانصراف (٦٦/٣) رقم الحديث: ١٣٣٢.

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب إذا لم يتم السجود (٨٧/١) رقم الحديث: ٣٨٩، كتاب الأذان، باب إذا لم يتم الركوع (١٥٨/١) رقم الحديث: ٧٩١، باب إذا لم يتم السجود (١٦٢/١) رقم الحديث: ٨٠٨. والنسائي في "سننه" كتاب السهو، باب تطفيف الصلاة (٥٨/٣) رقم الحديث: ١٣١٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

أمرنا بهذا، يعني الإمساك على الركبتين. أخرجه أبو داود والنسائي. أخرجه أبو داود والنسائي. [1]

وعن عمر ﷺ قال: سنت لكم الركب، فأمسكوا بالركب.

وفي رواية: إنما السنة الأخذ بالركب. هذه رواية النسائي.

وفي رواية الترمذي، قال أبو عبد الرحمن السلمي: قال لنا عمر بن الخطاب: إن الركب سنة نبيكم ﷺ فخذوا بالركب. [2]

وعن وائل بن حجر ﷺ قال: رأيت رسول الله ﷺ إذا سجد وضع ركبتيه قبل يديه، وإذا نهض رفع يديه قبل ركبتيه. أخرجه أبو داود والترمذي والنسائي وابن ماجة والدارمي.

وفي رواية لأبي داود، قال: فلما سجد وقعتا ركبتاه إلى الأرض قبل أن يقعا كفاه، فلما سجد وضع جبهته بين كفيه، وجافى عن إبطيه. [3]

وعن أبي هريرة ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: إذا سجد أحدكم، فلا يبرك كما يبرك البعير، يضع يديه قبل ركبتيه. أخرجه أبو داود والنسائي والترمذي. [4]

---

١) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب من ذكر أنه يرفع يديه إذا قام من الثنتين (١/١٩٩) رقم الحديث. ٧٤٧. والنسائي في "سننه" كتاب التطبيق، باب التطبيق (٢/١٨٤) رقم الحديث: ١٠٣١.

٢) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في وضع اليدين على الركبتين في الركوع (٢/٤٣) رقم الحديث: ٢٥٨. والنسائي في "سننه" كتاب التطبيق، باب الإمساك بالركب في الركوع (٢/١٨٥) رقم الحديث. ١٠٣٤.

٣) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب افتتاح الصلاة (١/١٩٦) رقم الحديث: ٧٣٦، باب كيف يضع ركبتيه قبل يديه (١/٢٢٢) رقم الحديث. ٨٣٨. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في وضع الركبتين قبل اليدين في السجود (٢/٥٦) رقم الحديث: ٢٦٨. والنسائي في "سننه" كتاب التطبيق، باب أول ما يصل إلى الأرض من الإنسان في سجوده (٢/٢٠٦) رقم الحديث: ١٠٨٩، باب رفع اليدين على الأرض قبل الركبتين (٢/٢٣٤) رقم الحديث: ١١٥٤. وابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب السجود (١/٢٨٦) رقم الحديث: ٨٨٢. والدارمي في "سننه" كتاب الصلاة، باب أول ما يقع من الإنسان على الأرض إذا أراد أن يسجد (٢/٨٣٤) رقم الحديث: ١٣٥٩.

٤) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب كيف يضع ركبته قبل يديه (١/٢٢٢) رقم الحديث: ٨٤٠، ٨٤١. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب آخر منه [باب ما جاء في وضع الركبتين قبل اليدين في السجود] (٢/٥٧) رقم الحديث: ٢٦٩. والنسائي في "سننه" كتاب التطبيق، باب أول ما يصل إلى الأرض من الإنسان في سجوده (٢/٢٠٧) رقم الحديث: ١٠٩٠، ١٠٩١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن البراء بن عازب ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: إذا سجدت فضع كفيك، وارفع مرفقيك. أخرجه مسلم.

وفي رواية الترمذي، قال: قلت للبراء: أين كان النبي ﷺ يضع وجهه إذا سجد؟ فقال: بين كفيه. (١)

وعن ابن عباس رضي الله عنهما: قال: أتيت رسول الله ﷺ من خلفه، فرأيت بياض إبطيه وهو مجخ قد فرج بين يديه. أخرجه أبو داود. (٢)

وعن عبد الله بن مالك بن بحينة ﷺ كان النبي ﷺ إذا صلى فرج بين يديه حتى يبدو بياض إبطيه. أخرجه البخاري ومسلم، وأخرج النسائي. (٣)

وعن ابن عمر رضي الله عنهما: قال: نهى رسول الله ﷺ أن يجلس الرجل في الصلاة وهو معتمد على يده. وفي رواية: نهى أن يعتمد الرجل على يده في الصلاة. وفي أخرى: نهى أن يصلي الرجل وهو معتمد على يده. وفي أخرى: نهى أن يعتمد الرجل على يديه إذا نهض من الصلاة. أخرجه أبو داود. (٤)

وعن مالك بن الحويرث ﷺ أنه رأى النبي ﷺ يصلي، فإذا كان في وتر من صلاته لم ينهض حتى يستوي قاعدا. أخرجه البخاري وأبو داود والترمذي والنسائي. (٥)

---

١) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب الاعتدال في السجود ووضع الكفين على الأرض (٣٦٥/١) رقم الحديث: ٤٩٤. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء أين يضع الرجل وجهه إذا سجد (٦٠/٢) رقم الحديث: ٢٧١

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة (٢٣٧/١) رقم الحديث: ٨٩٩.

٣) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب يبدي ضبعيه ويجافي في السجود (٨٧/١) رقم الحديث: ٣٩٠، كتاب الأذان، باب يبدي ضبعيه ويجافي في السجود (١٦١/١) رقم الحديث: ٨٠٧، كتاب المناقب، باب صفة النبي ﷺ (١٩٠/٤) رقم الحديث: ٣٥٦٤. ومسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب ما يجمع صفة الصلاة وما يفتتح به ويختم به (٣٥٦/١) رقم الحديث: ٤٩٥. والنسائي في "سننه" كتاب التطبيق، باب صفة السجود (٢١٢/٢) رقم الحديث: ١١٠٦.

٤) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب كراهية الاعتماد على اليد في الصلاة (٢٦٠/١) رقم الحديث: ٩٩٢.

٥) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الأذان، باب من استوى قاعدا في وتر من صلاته ثم نهض (١٦٤/١) رقم الحديث: ٨٢٣. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب النهوض في الفرد (٢٢٣/١) رقم الحديث: ٨٤٤. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء كيف النهوض من السجود (٧٩/٢) رقم الحديث: ٢٨٧ والنسائي في "سننه" كتاب التطبيق، باب الاستواء للجلوس عند الرفع من السجدتين (٢٣٤/٢) رقم الحديث: ١١٥٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن نافع [مولى ابن عمر]: أن ابن عمر رضي الله عنهما كان إذا سجد وضع كفيه على الذي وضع عليه وجهه، قال نافع: ولقد رأيته في يوم شديد البرد، وإنه ليخرج كفيه من تحت برنس له، حتى يضعهما على الحصباء. أخرجه الموطأ. (١)

وعن مجزأة بن زاهر: عن رجل من أصحاب الشجرة اسمه أهبان بن أوس، وكان يشتكي ركبتيه، فكان إذا سجد: جعل تحت ركبتيه وسادة. أخرجه البخاري. (٢)

وعن نافع [مولى ابن عمر] أن ابن عمر رضي الله عنهما كان يقول: إذا لم يستطع المريض السجود: أومأ برأسه إيماء، ولم يرفع إلى جبهته شيئا. أخرجه الموطأ. (٣)

وعن أنس بن مالك، عن النبي ﷺ قال: اعتدلوا في السجود، ولا يبسط أحدكم ذراعيه انبساط الكلب. رواه البخاري ومسلم وأبوداود والنسائي. (٤)

وعن عبادة بن الصامت، قال: قال رسول الله ﷺ: إذا أحسن الرجل الصلاة فأتم ركوعها وسجودها قالت الصلاة: حفظك الله كما حفظتني فترفع، وإذا أساء الصلاة فلم يتم ركوعها وسجودها قالت الصلاة: ضيعك الله كما ضيعتني فتلف كما يلف الثوب الخلق فيضرب بها وجهه. رواه الطيالسي. (٥)

وعن علي بن شيبان قال، قال رسول الله ﷺ: يا معشر المسلمين لا صلاة لمن لا يقيم صلبه في الركوع والسجود. رواه ابن ماجة. (٦)

---

١) أخرجه مالك في "الموطأ" كتاب قصر الصلاة في السفر، باب وضع اليدين على ما يوضع عليه الوجه في السجود (١/١٦٣) رقم الحديث: ٥٩.

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب المغازي، باب غزوة الحديبية (٥/١٢٥) رقم الحديث: ٤١٧٤.

٣) أخرجه مالك في "الموطأ" كتاب قصر الصلاة في السفر، باب العمل في جامع الصلاة (١/١٦٨) رقم الحديث: ٧٤.

٤) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الأذان، باب لا يفترش ذراعيه في السجود (١/١٦٤) رقم الحديث: ٨٢٢. ومسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب الاعتدال في السجود ووضع الكفين على الأرض ورفع المرفقين (١/٣٥٥) رقم الحديث: ٤٩٣. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب صفة السجود (١/٢٣٦) رقم الحديث: ٨٩٧. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في الاعتدال في السجود (٢/٦٦) رقم الحديث: ٢٧٦. والنسائي في "سننه" كتاب الافتتاح، باب الاعتدال في الركوع (٢/١٨٣) رقم الحديث: ١٠٢٨.

٥) أخرجه الطيالسي في "مسنده" أحاديث عبادة بن الصامت (١/٤٧٩) رقم الحديث: ٥٨٦.

٦) أخرجه ابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب الركوع في الصلاة (١/٢٨٢) رقم الحديث: ٨٧١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أبي هريرة يقول: كان رسول الله ﷺ يسجد على كور عمامته. (١)

وعن عائشة قالت: ما رأيت رسول الله ﷺ متقيا وجهه بشيء. تعني في السجود. رواهما عبد الرزاق. (٢)

وعن أنس، قال: كنا نصلي مع النبي ﷺ في شدة الحر، فإذا لم يستطع أحدنا أن يمكن وجهه من الأرض بسط ثوبه فسجد عليه. رواه ابن أبي شيبة. (٣)

وعن أبي قلابة قال: كان مالك بن الحويرث، يأتينا فيقول: ألا أحدثكم عن صلاة رسول الله ﷺ؟ فيصلي في غير وقت صلاة، فإذا رفع رأسه من السجدة الثانية في أول ركعة استوى قاعدا، ثم قام واعتمد. رواه البخاري. (٤)

وعن العباس بن عبد المطلب ﵁ قال: إنه سمع رسول الله ﷺ يقول: إذا سجد العبد سجد معه سبعة آراب: وجهه، وكفاه، وركبتاه، وقدماه. أخرجه مسلم وأبو داود والترمذي والنسائي. (٥)

وعن ابن عباس رضي الله عنهما: قال: أمرنا النبي ﷺ أن نسجد على سبعة أعضاء، ولا نكف شعرا ولا ثوبا: الجبهة، واليدين، والركبتين، والرجلين.

---

١) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الصلاة، باب السجود على العمامة (١/٤٠٠) رقم الحديث: ١٥٦٤.

٢) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الصلاة، باب الصلاة على الخمرة والبسط (١/٣٩٧) رقم الحديث: ١٥٥٥.

٣) أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الصلوات، باب في الرجل يسجد على ثوبه من الحر والبرد (١/٢٤١) رقم الحديث: ٢٧٦٩.

٤) أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الصلوات، باب في الرجل يعتمد على يديه في الصلاة (١/٣٤٨) رقم الحديث: ٤٠٠١. والبخاري في "صحيحه" كتاب الأذان، باب كيف يعتمد على الأرض إذا قام من الركعة؟ (١/١٦٤) رقم الحديث: ٨٢٤. [ولفظه: عن أبي قلابة، قال: جاءنا مالك بن الحويرث، فصلى بنا في مسجدنا هذا، فقال: إني لأصلي بكم وما أريد الصلاة، ولكن أريد أن أريكم كيف رأيت النبي ﷺ يصلي، قال أيوب: فقلت لأبي قلابة: وكيف كانت صلاته؟ قال: مثل صلاة شيخنا هذا يعني عمرو بن سلمة قال أيوب: وكان ذلك الشيخ، يتم التكبير، وإذا رفع رأسه عن السجدة الثانية جلس واعتمد على الأرض، ثم قام.]

٥) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب أعضاء السجود (١/٣٥٥) رقم الحديث: ٤٩١. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب أعضاء السجود (١/٢٣٥) رقم الحديث: ٨٩١. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في السجود على سبعة أعضاء (٢/٦١) رقم الحديث: ٢٧٢. والنسائي في "سننه" كتاب التطبيق، باب تفسير ذلك [أي على كم السجود] (٢/٢٠٨) رقم الحديث: ١٠٩٤، ١٠٩٩.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وفي رواية: أن النبي ﷺ قال: أمرت أن أسجد [على سبعة أعظم:] على الجبهة وأشار بيده إلى أنفه واليدين، والركبتين، وأطراف القدمين، ولا نكفت الثياب ولا الشعر. أخرجه الستة إلا الموطأ. (١)

وعن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ: ضع أنفك ليسجد معك. رواه البيهقي. (٢)

وعن أم عطية، قالت: قال رسول الله ﷺ: إن الله لا يقبل صلاة، من لا يصيب أنفه الأرض. رواه الطبراني. (٣)

وعن أنس قال: قال رسول الله ﷺ: لا تغمضوا أعينكم في السجود فإنه من فعل اليهود. رواه الديلمي. (٤)

وعن [أبي] عبد الله الأشعري قال: قال رسول الله ﷺ: إذا صلى أحدكم فليتم ركوعه وسجوده، ولا ينقر في سجوده فإنما مثل ذلك كمثل الجائع يأكل التمرة والتمرتين فما يغنيان عنه. رواه تمام وابن عساكر. (١)

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الأذان، باب السجود على سبعة أعظم (١/١٦٢) رقم الحديث: ٨٠٩، ٨١٠، باب السجود على الأنف (١/١٦٢) رقم الحديث: ٨١٢، باب لا يكف شعرا (١/١٦٣) رقم الحديث: ٨١٥، باب لا يكف ثوبه في الصلاة (١/١٦٣) رقم الحديث: ٨١٦. ومسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب أعضاء السجود والنهي عن كف الشعر والثوب (١/٣٥٤) رقم الحديث: ٤٩٠. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب أعضاء السجود (١/٢٣٥) رقم الحديث: ٨٨٩، ٨٩٠. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في السجود على سبعة أعضاء (٢/٦٢) رقم الحديث: ٢٧٣. والنسائي في "سننه" كتاب التطبيق، باب على كم السجود (٢/٢٠٨) رقم الحديث: ١٠٩٣، باب السجود على الأنف (٢/٢٠٩) رقم الحديث: ١٠٩٦، باب السجود على اليدين (٢/٢٠٩) رقم الحديث: ١٠٩٧، باب السجود على الركبتين (٢/٢٠٩) رقم الحديث ١٠٩٨، باب النهي عن كف الشعر في السجود (٢/٢١٥) رقم الحديث: ١١١٣، باب النهي عن كف الثياب في السجود (٢/٢١٦) رقم الحديث: ١١١٥. وابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب السجود (١/٢٨٦) رقم الحديث: ٨٨٣، ٨٨٤، باب كف الشعر الثوب في الصلاة (١/٣٣١) رقم الحديث: ١٠٤٠.

٢) أخرجه البيهقي في "السنن الكبرى" كتاب الصلاة، جماع أبواب صفة الصلاة، باب ما جاء في السجود على الأنف (٢/١٥٠) رقم الحديث: ٢٦٥٦.

٣) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب النون، باب [أبي محمد بن سيرين عن أم عطية] (٢٥/٥٥) رقم الحديث: ١٢٠. وفي "المعجم الأوسط" باب العين: من اسمه عبد الرحمن (٥/٨٩) رقم الحديث: ٤٧٥٨.

٤) أخرجه الديلمي في "الفردوس بمأثور الخطاب" باب لام ألف (٥/١٨) رقم الحديث: ٧٣١٧. [فيه عن ابن عباس.

toobaa-elibrary.blogspot.com

تنبيه

الكلام في هذا الباب في أربعة مواضع:

أحدها في وضع الركبتين قبل اليدين أو وضع اليدين قبل الركبتين للسجود:

اختلف الأئمة في ذلك، فذهب جمهورهم وأبو حنيفة والشافعي وأحمد بن حنبل رضي الله عنهم أجمعين إلى الأول؛ عملا بحديث وائل بن حجر، قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا سجد وضع ركبتيه قبل يديه.[1]

وعلى هذا يكون وضع الأعضاء على نسبة قربها من الأرض، فيضع الركبتين أولا ثم اليدين، ثم الجبهة والأنف، ولا ترتيب بينهما؛ لأنهما في عضو واحد، وداخلان في وضع الوجه، قال الشمني: وإن عسر عليه وضع الركبتين أولا لأجل الخف أو غيره وضع اليدين قبل الركبتين.

وذهب مالك والأوزاعي وأحمد في رواية عنه وطائفة من أئمة الحديث إلى الثاني؛ عملا بحديث أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: إذا سجد أحدكم، فلا يبرك كما يبرك البعير، وليضع يديه قبل ركبتيه.[2] وقال: حديث وائل بن حجر أثبت من حديث أبي هريرة، وإذا اختلف الحديثان اختلاف تضاد، فالسبيلأن يؤخذ بالأقوى منهما.

---

١) أخرجه ابن عساكر في "تاريخ دمشق" حرف الميم، محمد بن زرعة بن روح الرعيني (٥٣/٤١) وتمام كما في "كنز العمال" كتاب الصلاة من قسم الأقوال، الثاني في أحكام الصلاة ومفسداتها، الفصل الثاني في أركان الصلاة (٧/٤٤٩) رقم الحديث: ١٩٧٢٦.

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب افتتاح الصلاة (١/١٩٦) رقم الحديث: ٧٣٦، باب كيف يضع ركبتيه قبل يديه (١/٢٢٢) رقم الحديث: ٨٣٨. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في وضع الركبتين قبل اليدين في السجود (٢/٥٦) رقم الحديث: ٢٦٨. والنسائي في "سننه" كتاب التطبيق، باب أول ما يصل إلى الأرض من الإنسان في سجوده (٢/٢٠٦) رقم الحديث: ١٠٨٩، باب رفع اليدين على الأرض قبل الركبتين (٢/٢٣٤) رقم الحديث: ١١٥٤. وابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب السجود (١/٢٨٦) رقم الحديث: ٨٨٢. والدارمي في "سننه" كتاب الصلاة، باب أول ما يقع من الإنسان على الأرض إذا أراد أن يسجد (٢/٨٣٤) رقم الحديث: ١٣٥٩.

٣) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب كيف يضع ركبته قبل يديه (١/٢٢٢) رقم الحديث: ٨٤٠، ٨٤١. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب آخر منه [باب ما جاء في وضع الركبتين قبل اليدين في السجود] (٢/٥٧) رقم الحديث: ٢٦٩. والنسائي في "سننه" كتاب التطبيق، باب أول ما يصل إلى الأرض من الإنسان في سجوده (٢/٢٠٧) رقم الحديث: ١٠٩٠، ١٠٩١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وفي شرح المشكاة للشيخ ابن حجر نقلا عن النووي [١]: أنه قال: لم يظهر لي ترجيح أحد المذهبين من حيث السنة، انتهى.

وجاء في صحيح ابن خزيمة: كان رسول الله ﷺ إذا سجد بدأ بركبتيه، وجاء في رواية سعد بن أبي وقاص ﷺ كما رواه ابن أبي شيبة والبيهقي في السنن، وفي بعض الشروح: في رواية أبي سعيد: كنا نضع اليدين قبل الركبتين، فأمرنا بالركبتين قبل اليدين، فعلى هذا يكون حديث وائل بن حجر ناسخا لحديث أبي هريرة كما قال صاحب المشكاة.

وبعض شراح المصابيح منعوا دلالة هذه العبارة أعني: كنا نفعل كذلك فأمرنا بكذا على النسخ؛ لاحتمال أن يكون الأول بحكم العادة من غير أمر، نعم لو قالوا: كنا مأمورين بذلك، فنهينا عن ذلك، أو أمرنا بخلاف ذلك، يفهم النسخ صريحا هذا، وقد قيل: إن في حديث أبي هريرة: "إذا سجد أحدكم فلا يبرك كما يبروك البعير، وليضع يديه قبل ركبتيه"، تناقضا في نفسه، فكأنه وهم بعض الرواة، وحرف "ولا يضع" لقوله: "وليضع"، لأنه إذا وضع يديه قبل ركبتيه فقد برك بروك البعير؛ لأن البعير يضع يديه قبل ركبتيه عند البروك، فيوافق حديث وائل بن حجر، على أنه قد جاء عن أبي هريرة ﷺ أيضا: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إذا سجد أحدكم فليبدأ بركبتيه، ولا يبرك بروك الجمل، ذكره التوربشتي، وصاحب سفر السعادة. [٢]

وقال بعض الناس: الركبة من الإنسان في الرجلين، ومن ذوات الأربع في اليدين، فالإنسان إذا وضع ركبتيه قبل يديه كان كالبعير الذي يبرك على ركبتيه، فيجتمع النهي عن البروك ووضع اليدين قبل الركبتين، لأن البروك هو وضع الركبتين، فمن الإنسان بوضع الرجلين، ومن البعير بوضع اليدين، فافهم.

قال صاحب سفر السعادة: هذا وهم وغلط ومخالف لقول أئمة اللغة. [٣]

وقال في القاموس: الركبة بالضم: موصل ما بين أسافل أطراف الفخذ وأعالي الساق، ولا شك أن الفخذ والساق إنما يكونان في الرجل دون اليد، فليتدبر. [٤]

---

١) فتح الإله في شرح مشكاة المصابيح: ٣٩/٤.
٢) كتاب المسير: ٢٥١/١. سفر السعادة: ٣٦.
٣) سفر السعادة: ٣٧.
٤) القاموس المحيط: ٩٨.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وثانيها في السجود بسبعة أعضاء:

اعلم أنه قد جاء في رواية مسلم وأبي داود والترمذي والنسائي عن العباس بن عبد المطلب أنه سمع رسول الله ﷺ يقول: إذا سجد العبد سجد معه سبعة آراب: وجهه وكفاه وركبتاه وقدماه، وبرواية الكتب الستة إلا الموطأ، عن ابن عباس: أمرت أن أسجد على سبعة أعظم: على الجبهة واليدين الحديث، وفي رواية: أمرنا أن نسجد، وفي رواية: أمرنا النبي صلى الله عليه وسلم أن نسجد على سبعة أعضاء، وفي رواية: على الجبهة، وأشار بيده على أنفه، واليدين والركبتين [وأطراف] القدمين.

وقد جاء في حديث أبي داود والنسائي والترمذي: أنه كان رسول الله ﷺ إذا سجد وضع جبهته وأنفه، وفي رواية أبي يعلى والطبراني: وضع أنفه على الأرض مع الجبهة.

فعلم أن السجدة كانت بالجبهة والأنف معا، وأن أحد الأعضاء السبعة هو الوجه، وهذين العضوين جزءان منه. وقال الترمذي: وعليه العمل عند أهل العلم، وإن سجد على الجبهة وحدها بدون الأنف، قال قوم من أهل العلم: يكفي، والأكثر على أنه لا يكفي، وقد جاء في بعض الأحاديث الوعيد على الاكتفاء بالجبهة.

ومذهب الحنفية السجدة بالجبهة والأنف هو الأفضل، والاقتصار على أحدهما جائز أيضا؛ فإن كان بالجبهة وحدها جاز عند أبي حنيفة وصاحبيه رحمهم الله جميعا في رواية بلا كراهة، وفي أخرى بكراهة، وإن كان بالأنف وحده لم يجز عند صاحبيه، وفي رواية عنه أيضا، وفي الأخرى عنه جاز؛ ولكن مع كراهة؛ ودليله أن السجدة عبارة عن وضع الوجه، وهو المذكور في المشهور، ولا يمكن وضع جميع الوجه؛ لأن الأنف والجبهة عظمان ناتئان يمنعان عن وضع الكل، وإذا تعذر وضع الكل فالمأمور به وضع البعض، وللوجه أجزاء متعددة: الجبهة والأنف والخدان والذقن، ولم يجز وضع الخدين والذقن؛ لتعيين الشارع الجبهة [والأنف]، وأيضا وضع الخدين لا يحصل إلا مع انحراف عن القبلة، وليس وضع الذقن في العرف تعظيم؛ فتعين الجبهة والأنف، فإن كان بهما كان أفضل بلا شبهة، وإن كان بالجبهة جاز أيضا؛ لذكرها في بعض الأحاديث استقلالا، وإن كان بالأنف وحده، فله صورة جواز؛ لكونه بعض الوجه، ووضعه يتضمن التعظيم، وجواز السجود بالجبهة وحدها مما اتفق عليه الجمهور إلا عند مالك والأوزاعي والثوري.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقال الشيخ ابن الهمام[1]: إن ثبوت رواية الوجه والآراب لا يقدح في صحة رواية الجبهة؛ لأنها لا تعارض الوجه، بل حاصلها بيان ما هو المراد بالوجه؛ للقطع بأن مجموعه غير مراد؛ لعدم إرادة الخد والذقن، فكانت مبينة للمراد، وقد روى أبو حنيفة نفسه هذا الحديث بسنده إلى أبي سعيد قال: قال رسول الله ﷺ: الإنسان يسجد على سبعة أعظم: جبهته، ويديه، وركبتيه، وصدور قدميه، فيصح بالجبهة وحدها.

والمأمور به في كتاب الله السجدة، وهو وضع الجبهة ووضع جزء آخر معه زيادة بخبر الواحد، فبالاقتصار على الجبهة يتأدى الفرض بإجماع الثلاثة من مشايخنا، وهو الظاهر من الهداية حيث قال بعد قوله: فإن اقتصر على أحدهما جاز عنده، وقالا: لا يجوز الاقتصار على الأنف إلا من عذر.[2]

وذكر في شرح الخرقي [3]: أن مذهب أحمد في المشهور عنه يجب السجدة على جبهته وأنفه، وقيل: لا يجوز السجود على غير الجبهة؛ لأنه لا يسمى ساجدا بوضعه، وإن أخذه بغيرها فأما الأنف، ففيه روايتان مشهورتان: أحدهما الفرضية كالجبهة، قال القاضي: اختاره أبو بكر وجماعة من أصحابنا، وعن ابن عباس رضي الله عنهما، عن النبي ﷺ قال: لا صلاة لمن لم يضع أنفه على الأرض، رواه الدارقطني. والثانية: ليس بفرض، اختارها القاضي، لأنه صح عنه ﷺ أن أعضاء السجود سبعة: وعدها في الصحيح بدونه.

أما وضع اليدين والركبتين فهو سنة عند الحنفية والشافعية؛ لتحقق السجود بدونها، والمراد بالأمر المعنى الشامل للوجوب والندب، وهو طلب الفعل، والمختار عند الفقيه أبي الليث: أنه إذا لم يضع المصلي ركبتيه على الأرض لم يكف، كذا في شرح ابن الهمام.

وأما وضع القدمين فقال القدوري: فرض: كذا في الهداية [4]؛ لأن السجود مع رفع القدمين أشبه بالتلاعب دون التعظيم، ويكفي في الجواز وضع أصبع واحدة، وإن رفع إحدى قدميه جاز مع كراهته، كذا في شرح ابن الهمام.[5]

---

1) فتح القدير: ٣٠٤/١.
2) الهداية: ٥١/١.
3) شرح الزركشي: ٥٦٥/١– ٥٦٨.
4) الهداية: ٥١/١.
5) فتح القدير: ٣٠٥/١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعد في الحاوي في مذهب الشافعي وضع القدم والركبة من السنن [1]، وظاهر مذهب مالك وأحمد: وجوب الوضع، وهو يقتضي ظاهر حديث السجود على سبعة أعضاء. والله أعلم.

وثالثها الكلام في السجود على كور العمامة أو فاضل ثوبه:

وهو مفسد للصلاة عند الشافعي.

قال في الهداية [2]: فإن سجد على كور عمامته أو فاضل ثوبه جاز؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم كان يسجد على كور عمامته، ويروى أنه ﷺ صلى في ثوب واحد يتقي بفضوله حر الأرض وبردها.

قال في الحاوي في مذهب الشافعي: ومن أركان الصلاة السجود بوضع الجبهة مكشوفا، وقال في شرحه: وإنما يحصل الكشف إذا لم يكن بنيه وبين موضع السجود حائل متصل به، يرتفع بارتفاعه، فلو سجد علي طرفه أو كور عمامته لم يجز؛ لأنه لم يباشر لبجبهته موضع السجود، وقد روى أنه ﷺ قال: الزق جبهتك الأرض، وقال النووي: لو كان على جبهته جراحة فعصبها وسجد علي العصابة أجزأ، ولا إعادة عليه على المذهب؛ لأنه إذا سقطت الإعادة مع الإيماء للعذر، ففيها أولى، وقال: ولا يجوز السجدة على محموله إن تحرك بحركة، وقال في شرحه: أي إذا سجد على محمول كطرف كمه أو ذيله، فإن يتحرك بحركته قياما أو قعودا لم يجز أيضا، قياسا على كور العمامة إن طال وإن كان لم يتحرك فلا بأس؛ لأنه في حكم المفصل علي فأشبه ما يوجد على ذيل غيره ويفهم من قوله: محمولة، جواز السجود على نحو سرير يتحرك بحركته، إنتهى.

وعن عياض بن عبد الله القرشي، قال: رأى النبي ﷺ رجلا يسجد على كور العمامة، فأومأ بيده أن ارفع عمامتك، فأومأ إلى جبهته. [3]

---

1) الحاوي الصغير: ١٦٤.
2) الهداية: ١/٥٩.
3) اخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الصلوات، باب من كره السجود على كور العمامة (١/٢٤٠) رقم الحديث: ٢٧٥٩.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن جابر بن عبد الله، يقول: رأيت رسول الله ﷺ يسجد في أعلى جبهته على قصاص الشعر. رواهما ابن أبي شيبة.[1]

اعلم أن صاحب الهداية أطلق جواز السجود على كور العمامة، ولم يذكر كراهته، ولم يعده في المكروهات، ولكن الشمني وبعض آخر من الشراح للنهاية: ذكروا في المكروهات، و قال الشمني: ولكن لا يمنع صحة الصلاة؛ لأن ما انفصل من العمامة والمحل منها لو سجد عليه جاز بالإتفاق، فيقاس عليه ما اتصل بها، وقال: روى الحافظ أبو القاسم في كتابه الفوائد: عن ابن عمر رضي الله عنهما أنه قال كان رسول الله ﷺ يسجد على كور عمامته، وقال: إن صح هذا الحديث كان وقوعه منه ﷺ للضرورة؛ لأنه لا يجوز صدور فعل مكروه عن النبي ﷺ هكذا قال.

وأقول: قال بعض الناس: يجوز صدور فعل مكروه عن الشارع لبيان أصل الجواز: كما قيل في شرب الماء قائما، والشيخ ابن الهمام ساق في جواز السجود على كور العمامة وفضل الثوب، أحاديث وآثار وأفعال، روى أبو نعيم من حديث ابن عباس في الحلية في ترجمة إبراهيم بن أدهم: حدثنا أبو يعلى الحسين بن محمد الزبيري، حدثنا أبو الحسن عبد الله بن موسى الحافظ الصوفي البغدادي، حدثنا لاحق حدثنا الحسن بن علي الدمشقي، حدثنا محمد بن فيروز المصري، حدثنا بقية بن الوليد، حدثنا إبراهيم بن أدهم عن أبيه أدهم بن منصور العجلي عن سعيد بن جبير عن ابن عباس رضي الله عنهما: أن النبي ﷺ كان يسجد على كور عمامته، ورواه الطبراني في الأوسط بسنده عن عبد الله بن أبي أوفى قال: رأيت رسول الله ﷺ يسجد على كور عمامته. ورواه ابن عدي في الكامل من حديث عمرو بن شمر عن جابر [الجعفي عن عبد الرحمن بن سابط عن] جابر قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يسجد على كور العمامة، وقد ضعف عمرو بن شمر، وجابر الجعفي كذاب. ورواه الحافظ أبو القاسم تمام بن محمد الرازي في فوائده، عن نافع عن ابن عمر: أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يسجد على كور العمامة. وأخرجه البيهقي في سننه عن هشام عن الحسن قال: كان أصحاب رسول الله ﷺ يسجدون وأيديهم في ثيابهم ويسجد الرجل منهم

---

[1] أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الصلوات، باب من في ترك السجود على الأنف (٢٣٥/١) رقم الحديث: ٢٦٩٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

على عمامته. وذكره البخاري في صحيحه تعليقا فقال: وقال الحسن: كان القوم يسجدون على العمامة والقلنسوة ويداه في كميه.

وروى ابن أبي شيبة: حدثنا شريك عن حسين بن عبد الله عن عكرمة عن ابن عباس رضي الله عنهما: أن النبي ﷺ صلى في ثوب واحد يتقي بفضوله حر الأرض وبردها. ورواه أحمد وإسحاق بن راهويه وأبو يعلى والطبراني وابن عدي في الكامل، وأعله بحسين بن عبد الله وضعفه عن ابن معين والنسائي والمديني، قال: وهو عندي ممن يكتب حديثه، فإني لم أجد له حديثا منكرا، [وهو حسين بن عبد الله بن عبيد الله بن العباس بن عبد المطلب].

وبمعناه ما أخرجه الستة عن أنس: كنا نصلي مع النبي ﷺ في شدة الحر، فإذا لم يستطع أحدنا أن يمكن وجهه من الأرض بسط ثوبه فسجد عليه. والاتفاق على أن الحائل ليس بمانع من السجود ولم يرد ما نحن فيه إلا بكونه متصلا به، ويمنع تأثير ذلك في الفساد لو تجرد عن المنقولات فكيف وفيه ما سمعت، وإن تكلم في بعضها كفى البعض الآخر، ولو تم تضعيف كلها كانت حسنة لتعدد الطرق وكثرتها.

وقد روي من غير الوجوه التي ذكرناها أيضا، ويكفي ما نقله الحسن البصري عن أصحاب رسول الله ﷺ وبه يقوى ظن صحة المرفوعات إذ ليس معنى الضعيف الباطل في نفس الأمر؛ بل ما لم يثبت بالشروط المعتبرة عند أهل الحديث مع تجويز كونه صحيحا في نفس الأمر فيجوز أن تقترن قرينة تحقق ذلك وإن الراوي الضعيف أجاد في هذا المتن المعين فيحكم به، مع أن اعتبار التبعية في الحائل يقتضي عدم اعتباره حائلا فيصير كأنه سجد بلا حائل، ولا يجوز مس المصحف بكمه كما لا يجوز بكفه: [ولو بسط كمه على نجاسة فسجد عليه لا يجوز في الأصح، وإن كان المرغيناني صحح الجواز فليس بشيء.] هذا وما ذكر في التجنيس من علامة الميم أنه يكره السجود على كور العمامة لما فيه من ترك التعظيم لا يراد به أصل التعظيم وإلا لم يصح بل نهايته: وهذا لأن الركن فعل وضع للتعظيم ولأن المشاهد من وضع الرجل الجبهة في العمامة على الأرض ناكسا لغيره عده تعظيما: أي تعظيم هذا في الحائل التابع.

أما الحائل الذي هو بعضه فقد اختلفوا فيه، فلو سجد على كفه وهي على الأرض قيل لا يجوز وصحح الجواز أو على فخذه، قيل لا يجوز ولو بعذر، وقيل يجوز بلا عذر، وليس بشيء يلتفت إليه بل لا يحل عندي نقله كي لا يشتهر، وصحح الجواز بعذر لا بدونه، وعلى ركبتيه لا يجوز في الوجهين ولم نعلم فيه خلافا، لكن إن كان بعذر كفاه باعتبار

toobaa-elibrary.blogspot.com

ما في ضمنه من الإيماء وكان عدم الخلاف فيه لكون السجود يقع على حرف الركبة وهو لا يأخذ قدر الواجب من الجبهة. وفي التجنيس: لو سجد على حجر صغير إن كان أكثر الجبهة على الأرض يجوز وإلا فلا، إنتهى كلام الشيخ ابن الهمام.[1]

وفي شرح كتاب الخرقي في مذهب الإمام أحمد: أنه لا يجب عليه مباشرة المصلى بشيء من أعضاء سجوده، وهو إجماع في القدمين، والركبتين، وقول الجمهور في اليدين.

ويدل عليه ما روى أحمد، وابن ماجه، عن عبد الله بن عبد الرحمن قال: جاءنا النبي ﷺ فصلى بنا في مسجد بني عبد الأشهل، فرأيته واضعا يديه في ثوبه إذا سجد.

أما الجبهة ففي المباشرة بها قولان مشهوران، هما روايتان عن أحمد: أصحهما عند أبي البركات، واختارها أبو بكر والقاضي، لا يجب، لما روى أنس ﷺ قال: كنا نصلي مع رسول الله ﷺ في شدة الحر، فيضع أحدنا طرف الثوب من شدة الحر مكان السجود. رواه البخاري.

والثانية: تجب المباشرة إلا من عذر، لما روى خباب بن الأرت قال: شكونا إلى رسول الله ﷺ حر الرمضاء في جباهنا وأكفنا فلم يشكنا.

ومحل الروايتين فيما إذا سجد على كور عمامته أو ذؤابتها، أو ذيله، ونحو ذلك مما هو حامل له منفصل عنه، هذا الكلام في مذهب أحمد.[1]

ولم نجد من الكلام في مذهب مالك رحمه الله عليه.

وعن علي ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: إن من السنة في الصلاة المكتوبة إذا نهض الرجل في الركعتين الأوليين أن لا يعتمد [بيديه] على الأرض، إلا أن يكون شيخا كبيرا لا يستطيع، رواه ابن أبي شيبة،[3] والظاهر الاطلاق، والله أعلم.

وقد وقع في هذا المقام من التطويل والإطناب للإمامين، وقد وقع مثل ذلك في هذا الكتاب، ويفيض الحق ويلهم الصواب.

---

1) فتح القدير: ٣٠٥/١-٣٠٦.

2) شرح الزركشي: ٥٦٨/١-٥٧٠.

3) أخرجه ابن أبي شيبة في "صحيحه" كتاب الصلوات، باب في الرجل يعتمد على يديه في الصلاة (٣٤٧/١) رقم الحديث: ٣٩٩٨.

toobaa-elibrary.blogspot.com

ورابعها الكلام في جلسة الاستراحة:

وقد اختلف فيها، فعندنا إذا كان للمصلي في وتر من صلاة بأن رفع رأسه في الركعة الأولى والثالثة، اعتمد على فخذيه واستوى قائما على صدور قدميه، ولا يقعد ولا يعتمد بيديه على الأرض؛ إلا أن يشق ذلك عليه، فيعتمد بالأرض ويقوم، وكذلك في رسالة ابن أبي زيد في مذهب مالك: ثم تقوم من الأرض [كما أنت] معتمدا على يديك، لا ترجع جالسا لتقوم من جلوس.[1]

وعند الشافعي: يجلس جلسة خفيفة ثم ينهض معتمدا على الأرض كالعاجن ويقوم، ومتمسكه حديث مالك بن الحويرث في صفة صلاة النبي ﷺ: أنه إذا كان في وتر من صلاته لم ينهض حتى يستوي قاعدا، وفي رواية: لما رفع رأسه من السجدة الثانية، جلس ثم اعتمد على الأرض رواه البخاري وأبو داودو الترمذي والنسائي.[2]

قال في الحاوي[3]: ومن السنة جلسة الاستراحة ووضع اليدين -يعني على الأرض- كالعاجن للقيام، وقال في شرحه: لما روى عن ابن عباس أن النبي ﷺ إذا قام في صلاته، وضع يديه على الأرض كما يضع العاجن.

وعن أحمد روايتان، أحدهما[4]: أنه لا يجلس جلسة الاستراحة، وهو المختار من الروايتين، وهو قول عمر وعلي وابن مسعود، حكاه احمد عنهم، وذكره ابن المنذر عن ابن عباس، قال أحمد: وأكثر الأحاديث على هذا. وقال أبو الزناد: تلك السنة.

والرواية الثانية: أنه يجلس للاستراحة، اختارها أبو بكر عبد العزيز وشيخه أبو بكر الخلال، وزعم أن أحمد رجع عن الأولى [لما تقدم] من حديث أبي حميد ومالك بن الحويرث،

---

١) رسالة ابن أبي زيد: ٢٢.

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الأذان، باب من استوى قاعدا في وتر من صلاته ثم نهض (١/١٦٤) رقم الحديث: ٨٢٣. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب النهوض في الفرد (١/٢٢٣) رقم الحديث: ٨٤٤. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب كيف النهوض من السجود (٢/٧٩) رقم الحديث: ٢٨٧. والنسائي في "سننه" كتاب التطبيق، باب الاستواء للجلوس عند الرفع من السجدتين (٢/٢٣٤) رقم الحديث: ١١٥٢، باب الاعتماد على الأرض عند النهوض (٢/٢٣٤) رقم الحديث: ١١٥٣.

٣) الحاوي الصغير: ١٦٤.

٤) شرح الزركشي: ١/٥٧٤-٥٧٨.

toobaa-elibrary.blogspot.com

[وحملا على أنه فعله لما بدن وكبر ﷺ، وكذلك نقول جمعا بين الأدلة، وإلا فمثل هذا لا يخفى عن عمر، وعلي، وغيرهما.] وعلى هذه الرواية يجلس على قدميه وإليتيه، ويمس بهما الأرض، نص عليه في رواية المروذي، لتفارق الجلسة بين السجدتين، وعليه يحمل قول ابن عباس في الإقعاء على القدمين: هو سنة نبيكم ﷺ، [للاتفاق على أنه لا يستحب في غير هذه الصورة،] وقال الآمدي: يجلس على قدميه ولا يلصق إليتيه بالأرض، وزعم أن الأصحاب لا تختلف في ذلك، قال القاضي: ويحتمل أنه يجلس مفترشا، لحديث أبي حميد المتقدم، والله أعلم، إنتهى.

قال في الهداية [١]: ولنا حديث أبي هريرة ﷺ أن النبي عليه ﷺ كان ينهض في الصلاة على صدور قدميه، وما رواه الشافعي محمول على حالة الكبر ولأن هذه قعدة استراحة والصلاة ما وضعت لها.

وقال الشيخ ابن الهمام: حديث أبي هريرة أخرجه الترمذي عن خالد بن إياس عن صالح مولى التوأمة عن أبي هريرة قال كان النبي ﷺ ينهض في الصلاة على صدور قدميه، وقال الترمذي: حديث أبي هريرة عليه العمل عند أهل العلم وخالد بن إياس ويقال ابن إياس ضعيف عند أهل الحديث، وكذا أعله ابن عدي به. قال: وهو مع ضعفه يكتب حديثه، وقال ابن القطان: والذي أعل به خالد موجود في صالح وهو الاختلاط فلا معنى للتخصيص انتهى بالمعنى، وقول الترمذي: العمل عليه عند أهل العلم يقتضي قوة أصله وإن ضعف خصوص هذا الطريق وهو كذلك.

أخرج ابن أبي شيبة عن ابن مسعود: أنه كان ينهض في الصلاة على صدور قدميه ولم يجلس، وأخرج نحوه عن علي وكذا عن ابن عمر وابن الزبير وكذا عن عمر، وأخرج عن الشعبي قال: كان عمر وعلي وأصحاب النبي ﷺ ينهضون في الصلاة على صدور أقدامهم، وأخرج عن النعمان بن أبي عياش أدركت غير واحد من أصحاب رسول الله ﷺ فكان إذا رفع أحدهم رأسه من السجدة الثانية في الركعة الأولى والثالثة نهض كما هو ولم يجلس وأخرجه عبد الرزاق عن ابن مسعود وابن عباس وابن عمر ﷺ، وأخرجه البيهقي عن عبد الرحمن بن يزيد: أنه رأى ابن مسعود فذكر معناه، فقد اتفق أكابر الصحابة الذين كانوا أقرب إلى رسول الله ﷺ وأشد اقتفاء لأثره وألزم لصحبته من مالك بن الحويرث ﷺ على خلاف ما قال

---

١) الهداية: ٥٢/١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

فوجب تقديمه، ولذا كان العمل عليه عند أهل العلم كما سمعته من قول الترمذي، وعن ابن عمر: أنه نهى ﷺ أن يعتمد الرجل على يديه إذا نهض في الصلاة، رواه أبو داود، وفي حديث وائل: أنه ﷺ إذا نهض اعتمد على فخذيه، والتوفيق أولى فيحمل ما رواه على حالة الكبر، هذا ويكره تقديم إحدى الرجلين عند النهوض، ويستحب الهبوط باليمين، والنهوض بالشمال. (١)

١) فتح القدير ١/٣٠٨-٣٠٩.

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب التشهد والإشارة

الفصل الأول في التشهد

عن ابن مسعود ﷺ قال: علمني رسول الله ﷺ التشهد كفي بين كفيه كما يعلمني السورة من القرآن: التحيات لله، والصلوات، والطيبات، السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته، السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين، أشهد أن لا إله إلا الله، وأشهد أن محمدا رسول الله.

وفي رواية: أن النبي ﷺ قال: إذا قعد أحدكم في الصلاة فليقل: التحيات لله ... وذكره، وزاد عند ذكر عباد الله الصالحين: فإنكم إذا فعلتم ذلك فقد سلمتم على كل عبد لله صالح في السماء والأرض ... وفي آخره: ثم يتخير من المسألة ما شاء. [وفي رواية: ثم يتخير من الدعاء ما أحب إليه] أخرجه البخاري ومسلم.

وأخرج النسائي الرواية الأولى، إلا أنه قال: وقعدت بين يديه عوض كفي بين كفيه. وله وللترمذي قال: علمنا رسول الله ﷺ إذا قعدنا في الركعتين أن نقول: التحيات ... وذكر الحديث.

وفي رواية أبي داود، قال: كنا إذا جلسنا مع النبي ﷺ في الصلاة قلنا: السلام على الله قبل عباده، السلام على فلان وفلان. الحديث. كما ذكر في المشكاة.

وفي رواية: إذا قلت هذا أو قضيت هذا: فقد قضيت صلاتك، إن شئت أن تقوم فقم، وإن شئت أن تقعد فاقعد.

وفي أخرى، قال علقمة: إن عبد الله بن مسعود أخذ بيده، وإن رسول الله ﷺ أخذ بيد عبد الله، فعلمه التشهد في الصلاة ... وذكر في جامع الأصول روايات أخر.[1]

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الأذان، باب التشهد في الآخرة (١/١٦٦) رقم الحديث: ٨٣١، باب ما يتخير من الدعاء بعد التشهد وليس بواجب (١/١٦٧) رقم الحديث: ٨٣٥، كتاب الجمعة، باب من سمى قوما أو سلم في الصلاة على غيره مواجهة وهو لا يعلم (٢/٦٣) رقم الحديث: ١٢٠٢، كتاب الاستئذان، باب السلام اسم من أسماء الله تعالى (٨/٥١) رقم الحديث: ٦٢٣٠، باب الأخذ باليدين (٨/٥٩) رقم الحديث: ٦٢٦٥، كتاب التوحيد، باب قول الله تعالى: السلام المؤمن [الحشر:٢٣] (٩/١١٦) رقم الحديث: ٧٣٨١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن عبد الله بن عباس رضي الله عنهما قال: كان رسول الله ﷺ يعلمنا التشهد، كما يعلمنا السورة من القرآن، فكان يقول: التحيات، المباركات، الصلوات، الطيبات لله، السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته، السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين، أشهد أن لا إله إلا الله، وأشهد أن محمدا رسول الله. أخرجه مسلم وأبو داود والترمذي، إلا أن الترمذي قال: سلام عليك سلام علينا. بغير ألف ولام. وقال هو وأبو داود: كما يعلمنا القرآن. وقال النسائي مثل الترمذي.[1]

وعن أبي موسى الأشعري رضي الله عنه صلوا معه، فقال: إن رسول الله ﷺ قال: إذا كان عند القعدة فليكن من أول قول أحدكم: التحيات لله، الطيبات، الصلوات لله، السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته، السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين، أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له، وأن محمدا عبده ورسوله. أخرجه النسائي ومسلم وأبو داود.[2]

وعن جابر بن عبد الله رضي الله عنهما: قال: كان رسول الله ﷺ يعلمنا التشهد، كما يعلمنا السورة من القرآن: بسم الله، وبالله، التحيات لله، والصلوات، والطيبات، السلام عليك

ومسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب التشهد في الصلاة (١/٣٠١) رقم الحديث: ٤٠٢. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب التشهد (١/٢٥٤) رقم الحديث: ٩٦٨. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في التشهد (٢/٨١) رقم الحديث: ٢٨٩، أبواب النكاح، باب ما جاء في خطبة النكاح (٣/٤٠٥) رقم الحديث: ١١٠٥. والنسائي في "سننه" كتاب التطبيق، باب التشهد الأول (٢/٢٣٧) رقم الحديث: ١١٦٢، ١١٦٣، ١١٦٤، ١١٦٦، ١١٦٧، ١١٦٨، ١١٦٩، ١١٧٠، ١١٧١، كتاب السهو، باب إيجاب التشهد (٣/٤٠) رقم الحديث: ١٢٧٧، باب كيف التشهد (٣/٤١) رقم الحديث: ١٢٧٩، باب تخير الدعاء بعد الصلاة على النبي ﷺ (٣/٥٠) رقم الحديث: ١٢٩٨. وابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها (١/٢٩٠) رقم الحديث: ٨٩٩، كتاب النكاح، باب خطبة النكاح (١/٦٠٩) رقم الحديث: ١٨٩٢.

١) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب التشهد في الصلاة (١/٣٠٢) رقم الحديث: ٤٠٣. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب التشهد (١/٢٥٦) رقم الحديث: ٩٧٤ والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب منه أيضا [أي ما جاء في التشهد] (٢/٨٣) رقم الحديث: ٢٩٠. والنسائي في "سننه" كتاب التطبيق، نوع آخر من التشهد (٢/٢٤٢) رقم الحديث: ١١٧٤، كتاب السهو، باب تعليم التشهد كتعليم السورة من القرآن (٣/٤١) رقم الحديث: ١٢٧٨. وابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء في التشهد (١/٢٩١) رقم الحديث: ٩٠٠.

٢) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب التشهد في الصلاة (١/٣٠٣) رقم الحديث: ٤٠٤. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب التشهد (١/٢٥٥) رقم الحديث: ٩٧٢. والنسائي في "سننه" كتاب التطبيق، نوع آخر من التشهد (٢/٢٤١) رقم الحديث: ١١٧٢، ١١٧٣. وابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء في التشهد (١/٢٩١) رقم الحديث: ٩٠١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

أيها النبي ورحمة الله وبركاته، السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين، أشهد أن لا إله إلا الله، وأشهد أن محمدا عبده ورسوله، أسأل الله الجنة، وأعوذ بالله من النار. أخرجه النسائي.(١)

وعن ابن عمر رضي الله عنهما: عن رسول الله ﷺ في التشهد: التحيات لله، الصلوات، الطيبات السلام عليك أيها النبي ورحمة الله، قال ابن عمر: زدت فيها وبركاته، السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين، أشهد أن لا إله إلا الله، قال ابن عمر: زدت فيها: وحده لا شريك له، وأشهد أن محمدا عبده ورسوله. أخرجه أبو داود.(٢)

وعن ابن عمر قال: كان أبو بكر يعلمنا التشهد على المنبر كما يعلم المعلم الغلمان في المكتب. رواه مسدد والطحاوي.(٣)

وعن أبي العالية قال: سمع ابن عباس رجلا حين جلس في الصلاة يقول: الحمد لله قبل التشهد، فانتهره يقول: ابتدأ بالتشهد. رواه ابن عباس، رواه عبد الرزاق.(٤)

وعن ابن مسعود، قال: ما كنا نكتب في عهد رسول الله ﷺ من الأحاديث إلا الاستخارة والتشهد. رواه ابن أبي شيبة.(٥)

وعن ابن عباس، وأخذ بيدي فزعم أن عمر بن الخطاب أخذ بيده، فزعم، أن رسول الله ﷺ أخذ بيده فعلمه التشهد: التحيات لله والصلوات الطيبات المباركات لله. رواه الدارقطني وقال: هذا إسناد حسن، والحاكم.(٦)

---

١) أخرجه النسائي في "سننه" كتاب التطبيق، نوع آخر من التشهد (٢/٢٤٣) رقم الحديث: ١١٧٥، كتاب السهو، باب نوع آخر من التشهد (٣/٤٣) رقم الحديث: ١٢٨١. وابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها (١/٢٩٢) رقم الحديث: ٩٠٢.

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب التشهد (١/٢٥٥) رقم الحديث: ٩٧١.

٣) أخرجه الطحاوي في "شرح معاني الآثار" كتاب الصلاة، باب التشهد في الصلاة كيف هو؟ (١/٢٦٤) رقم الحديث: ١٥٧١. وفي "شرح مشكل الآثار" باب بيان مشكل ما روي عن أبي معمر، عن ابن مسعود مما كانوا يقولونه في حياة رسول الله ﷺ في التشهد في الصلاة (٩/٤١٣) رقم الحديث: ٣٨٠٣. ومسدد كما في "المطالب العالية" كتاب صفة الصلاة، باب التشهد (٤/١٨٣) رقم الحديث: ٥٢٠. وكما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأفعال، الباب الثاني في أحكامها وأركانها ومفسداتها، التشهد وما يتعلق به (٨/١٤٩) رقم الحديث: ٢٢٣٣٥.

٤) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الصلاة، باب ما يقعد للتشهد (٢/١٩٨) رقم الحديث: ٣٠٥٨.

٥) أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الصلوات، باب من كان يعلم التشهد (١/٢٦٢) رقم الحديث: ٣٠٠٦.

٦) أخرجه الدار قطني في "سننه" كتاب الصلاة، باب صفة التشهد ووجوبه واختلاف الروايات فيه (٢/١٦٢) رقم الحديث: ١٣٣١. والحاكم في "المستدرك" كتاب الطهارة، حديث عبد الرحمن بن مهدي (١/٣٩٨) رقم الحديث: ٩٧٩، ٩٨٠.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن عبد الرحمن بن عبيد القارى، قال: شهدت عمر بن الخطاب وهو على المنبر وهو يعلم الناس التشهد فقال: بسم الله خير الأسماء: التحيات لله، الزاكيات لله، الطيبات الصلوات لله، السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته، السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين أشهد أن لا إله إلا الله، وأشهد أن محمدا عبده ورسوله. رواه مالك والشافعي. (١)

وعن عمر ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: لا تجزئ صلاة إلا بتشهد وقال: من لم يتشهد فلا صلاة له. رواه عبد الرزاق وابن أبي شيبة ومسدد والحاكم والبيهقي. (٢)

وعن أبي المتوكل، قال: سألنا أبا سعيد عن التشهد، فقال: التحيات الصلوات الطيبات لله، السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته، السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين، أشهد أن لا إله إلا الله، وأشهد أن محمدا عبده ورسوله. فقال أبو سعيد: كنا لا نكتب شيئا إلا القرآن والتشهد. رواه ابن أبي شيبة (٣)

وعن علي قال: قال رسول الله ﷺ: أنه كان إذا تشهد قال: بسم الله وبالله. رواه البيهقي. (٤)

وعن ابن جريج قال أخبرني عطاء: أن أصحاب النبي ﷺ كانوا يسلمون والنبي ﷺ حي: السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته، فلما مات قالوا: السلام على النبي ورحمة الله وبركاته. [وفي رواية أخرى:] قال عطاء: وبينا النبي ﷺ يعلم التشهد فقال رجل: وأشهد أن

---

١) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الصلاة، باب التشهد (٢/٢٠٢) رقم الحديث: ٣٠٦٧. والبيهقي في "السنن الكبرى" كتاب الصلاة، جماع أبواب صفة الصلاة، باب من قدم كلمتي الشهادة على كلمتي التسليم (٢/٢٠٦) رقم الحديث: ٢٨٣٩. ومالك في "الموطأ" كتاب الصلاة، باب التشهد في الصلاة (١/٩٠) رقم الحديث: ٥٣. والشافعي في "مسنده" من كتاب الرسالة إلا ما كان معادا (٢٣٧).

٢) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الصلاة، باب من نسي التشهد (٢/٢٠٥) رقم الحديث: ٣٠٨٠. وابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الصلوات، باب في الرجل ينسى التشهد (٢/٢٥٤) رقم الحديث: ٨٧١٣، ٨٧١٥. والبيهقي في "السنن الكبرى" كتاب الصلاة، جماع أبواب صفة الصلاة، باب مبتدأ فرض التشهد (٢/٢٠٠) رقم الحديث: ٢٧٢٤. والحاكم ومسدد كما في "جمع الجوامع" القسم الثاني الأفعال، الرجال، مسند عمر بن الخطاب ﷺ (١٥/٤٩) رقم الحديث: ٢/٧١٧.

٣) أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الصلوات، باب في التشهد في الصلاة كيف هو؟ (١/٢٦٠) رقم الحديث: ٢٩٩١.

٤) أخرجه البيهقي في "السنن الكبرى" كتاب الصلاة، جماع أبواب صفة الصلاة، باب من استحب أو أباح التسمية قبل التحية (٢/٢٠٤) رقم الحديث: ٢٨٣٤.

toobaa-elibrary.blogspot.com

محمدا رسوله وعبده، فقال النبي ﷺ: قد كنت عبدا قبل أن أكون رسولا، قل: وأشهد أن محمدا عبده ورسوله. رواه عبد الرزاق.[1]

[الفصل الثاني في الإشارة]

وعن علي بن عبد الرحمن: صليت إلى جنب ابن عمر، فقلبت الحصى، فقال لي ابن عمر: لا تقلب الحصى، فإن تقليب الحصى من الشيطان، وافعل كما رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يفعل، قلت: وكيف رأيت رسول الله ﷺ يفعل؟ قال: هكذا، ونصب اليمنى وأضجع اليسرى، ووضع يده على فخذه اليمنى، ويده اليسرى على فخذه اليسرى وأشار بالسبابة.

وفي رواية: أشار بإصبعه التي تلي الإبهام في القبلة، ورمي ببصره إليها، أو نحوها، ثم قال: هكذا رأيت رسول الله ﷺ يصنع. ولهذا الحديث روايات متعددة ذكرت في جامع الأصول.

وفي رواية نافع عن ابن عمر: أن النبي ﷺ كان إذا قعد في التشهد وضع يده اليسرى على ركبته اليسرى، ووضع يده اليمنى على ركبته اليمنى، وعقد ثلاثا وخمسين، وأشار بالسبابة. أخرجه الستة إلا البخاري.[2]

وعن ابن الزبير رضي الله عنهما قال: كان رسول الله ﷺ إذا قعد في الصلاة جعل قدمه اليسرى تحت فخذه، وساقه، وفرش قدمه اليمنى، ووضع اليسرى على ركبته اليسرى،

---

١) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الصلاة، باب التشهد (٢/٢٠٤) رقم الحديث: ٣٠٧٥، ٣٠٧٦.

٢) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب المساجد، باب صفة الجلوس في الصلاة (١/٤٠٨) رقم الحديث: ٥٨٠. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب الإشارة في التشهد (١/٢٥٩) رقم الحديث: ٩٨٧. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في الإشارة في التشهد (٢/٨٨) رقم الحديث: ٢٩٤. والنسائي في "سننه" كتاب التطبيق، باب موضع البصر في التشهد (٢/٢٣٦) رقم الحديث: ١١٦٠، كتاب السهو، باب موضع الكفين (٣/٣٦) رقم الحديث: ١٢٦٦، باب قبض الأصابع من اليد اليمنى دون السبابة (٣/٣٦) رقم الحديث: ١٢٦٧، باب بسط اليسرى على الركبة (٣/٣٧) رقم الحديث: ١٢٦٩. ومالك في "الموطأ" كتاب الصلاة، باب العمل في الجلوس في الصلاة (١/٨٨) رقم الحديث: ٤٨. وابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب الإشارة في التشهد (١/٢٩٥) رقم الحديث: ٩١٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

ووضع يده اليمنى على فخذه اليمنى، وأشار بإصبعه. قال راويه: وأرانا عبد الواحد. وأشار بالسبابة.

وفي رواية: أن النبي ﷺ كان يشير بإصبعه إذا دعا، ولا يحركها.

وفي أخرى: لا يجاوز بصره إشارته. أخرجه أبو داود والنسائي. (١)

وعن عاصم بن كليب الجرمي عن أبيه عن جده، قال: دخلت على رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو يصلي، وقد وضع يده اليسرى على فخذه اليسرى، ووضع يده اليمنى على فخذه اليمنى، وقبض أصابعه، وبسط السبابة، وهو يقول: يا مقلب القلوب ثبت قلبي على دينك. أخرجه الترمذي. (٢)

وعن ابن عمر قال: قال رسول الله ﷺ "لهي أشد على الشيطان من الحديد يعني السبابة في الصلاة. رواه ابن النجار. (٣)

وعن التميمي قال: سئل ابن عباس، عن تحريك الرجل إصبعه في الصلاة، فقال: ذلك الإخلاص. رواه عبد الرزاق. (٤)

وعن ابن عباس: أنه كان يكره التربع في الصلاة. [يعني التطوع] رواه عبد الرزاق. (٥)

وعن ابن عمر رضي الله عنهما قال عبد الله بن عبد الله بن عمر: إنه كان يرى عبد الله بن عمر يتربع في الصلاة إذا جلس، ففعلته، وأنا يومئذ حديث السن، فنهاني عبد الله بن عمر، وقال إنما سنة الصلاة: أن تنصب رجلك اليمنى، وتثني رجلك اليسرى، فقلت: إنك تفعل ذلك؟ قال: إن رجلي لا تحملاني.

---

١) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب الإشارة في التشهد (١/٢٥٩) رقم الحديث: ٩٨٨، ٩٨٩، ٩٩٠. والنسائي في "سننه" كتاب التطبيق، باب الإشارة بالإصبع في التشهد الأول (٢/٢٣٧) رقم الحديث: ١٢٣٧، كتاب السهو، باب بسط اليسرى على الركبة (٣/٣٧) رقم الحديث: ١٢٧٠، باب موضع البصر عند الإشارة وتحريك السبابة (٣/٣٩) رقم الحديث: ١٢٧٥.

٢) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الدعوات، باب (٥/٥٧٣) رقم الحديث: ٣٥٨٧.

٣) أخرجه ابن النجار كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأفعال، الباب الثاني في أحكامها وأركانها ومفسداتها، ذيل التشهد (٨/١٥٦) رقم الحديث: ٢٢٣٦٢.

٤) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الصلاة، باب رفع اليدين في الدعاء (٢/٢٤٩) رقم الحديث: ٣٢٤٤.

٥) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الصلاة، باب كيف يكون جلوسه إذا صلى قاعدا؟ (٢/٤٦٧) رقم الحديث: ٤١٠٩.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وفي أخرى للموطأ عن عبد الله بن دينار: أنه سمع ابن عمر - وصلى رجل إلى جنبه- فلما جلس الرجل في أربع: تربع، وثنى رجليه، فلما انصرف عبد الله عاب ذلك عليه، فقال الرجل: إنك لتفعل ذلك، فقال عبد الله: إني أشتكي.

وفي أخرى للموطأ عن المغيرة ابن حكيم: أنه رأى ابن عمر تربع في السجدتين في الصلاة على صدور قدميه، فلما انصرف ذكر ذلك له، فقال: إنما ليست بسنة الصلاة، وإنما أفعل هذا من أجل أني أشتكي.[1]

تنبيه

الكلام في هذا الباب في موضعين.

الأول في ترجيح العمل بتشهد ابن مسعود على العمل بتشهد ابن عباس:

قال في الهداية [2]: الأخذ بهذا أولى؛ لأن فيه الأمر، وأقله الاستحباب، وأراد بالأمر: قل، فإنه قال: أخذ رسول الله ﷺ بيدي وعلمني التشهد كما كان يعلمني سورة من القرآن، وقال: قل! التحيات لله إلى آخره.

وقال الشيخ ابن الهمام [3]: روى الستة، واللفظ لمسلم عن ابن مسعود ﵁: علمني رسول الله ﷺ التشهد كفي بين كفيه كما يعلمني السورة من القرآن فقال: إذا قعد أحدكم في الصلاة فليقل التحيات لله والصلوات إلخ، وفي لفظ النسائي: إذا قعدتم في كل ركعتين فقولوا فهذا هو الأمر المعروف، رواية. إنتهى.

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الأذان، باب سنة الجلوس في التشهد (١/١٦٥) رقم الحديث: ٨٢٧. والنسائي في "سننه" كتاب التطبيق، باب كيف الجلوس للتشهد الأول (٢/٢٣٥) رقم الحديث: ١١٥٧، باب الاستقبال بأطراف أصابع القدم القبلة عند القعود للتشهد (٢/٢٣٦) رقم الحديث: ١١٥٨. ومالك في "الموطأ" كتاب الصلاة، باب العمل في الجلوس في الصلاة (١/٨٩) رقم الحديث: ٥١.

[ولفظه في فتح الرحمن: وعن ابن عمر قال: قال رسول الله ﷺ: إنه تربع في التشهد، فقيل: الك ذلك. وفي رواية: فعاب رجل صلى الى جنبه، فقال: إني. وفي رواية: إني اشتكى. وفي رواية أخرى للموطأ: عن المغيرة بن حكيم انه رأى ابن عمر تربع في السجدتين في الصلاة على صدور قدميه، فلما انصرف ذكر، فقال: إنما ليست بسنة، وإنما افعل هذا من أجل اني اشتكي.]

٢) الهداية: ١/٥٣

٣) فتح القدير: ١/٣١٤.

toobaa-elibrary.blogspot.com

والألف واللام في السلام وهما للاستغراق، وسلام نكرة يتناول الواحد، وزيادة الواو يعني واو العطف في "التحيات لله والصلوات والطيبات" لتجديد الكلام كما في القسم؛ لأن المعطوف غير المعطوف عليه، فيصير كل ثناء على حدة، وبغير الواو يصير الكل ثناء واحدا كما في القسم، فإن من قال: والله والرحمن والرحيم لأفعلن كذا، ففعل لزمه ثلاث كفارات، ولو قال: والله الرحمن الرحيم؛ لأفعلن كذا، ففعل لزمه كفارة واحدة.

وقال الشيخ [1]: والألف واللام، هي في رواية مسلم وأبي داود وابن ماجه عن ابن عباس رضي الله عنهما، ورواية الترمذي والنسائي عنه بالتنكير، وأصحاب الشافعي في العمل على هذه الرواية فصح الترجيح على ما ذهبوا إليه.

وأما زيادة الواو فليست في تشهد ابن عباس في جميع الروايات [قوله:] وتأكيد التعليم، يعني به أخذه بيده لزيادة التوكيد ليس [في تشهد ابن عباس أما نفس التعليم] ففي تشهد ابن عباس ﷺ، فإن لفظه: كان ﷺ يعلمنا التشهد كما يعلمنا السورة من القرآن، فكان يقول: التحيات لله، فقول الزيلعي في التخريج: وأما التعليم أيضا فهو في تشهد ابن عباس دفعا لهذا الوجه من الترجيح ليس بوارد.

قال الشيخ [2]: ومن وجوه الترجيح أيضا أن الأئمة الستة اتفقوا عليه لفظا ومعنى وهو نادر، وتشهد ابن عباس ﷺ معدود في أفراد مسلم وإن رواه غير البخاري من الستة، وأعلى درجات الصحيح عندهم ما اتفق عليه الشيخان ولو في أصله، فكيف إذا اتفقا على لفظه، ولذا أجمع العلماء على أنه أصح حديث في الباب.

قال الترمذي: أصح حديث عن النبي ﷺ في التشهد حديث ابن مسعود، والعمل عليه عند أكثر الصحابة والتابعين. ثم أخرج عن خصيف، قال رأيت النبي ﷺ في المنام، فقلت له: إن الناس قد اختلفوا في التشهد، فقال: عليك بتشهد ابن مسعود.

[وكقول الترمذي] قال الخطابي وابن المنذر، وممن وافق ابن مسعود على رفعه معاوية، أخرج الطبراني عنه: كان يعلم الناس التشهد وهو على المنبر عنه ﷺ: التحيات لله والصلوات إلخ سواء، وعائشة في سنن البيهقي عنها قالت: هذا تشهد النبي ﷺ: التحيات لله

---

١) فتح القدير: ١/٣١٤.
٢) فتح القدير: ١/٣١٤-٣١٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

والصلوات، إلخ. قال النووي إسناده جيد، [واستفدنا منه أن تشهده ﷺ بلفظ تشهدنا،] وسلمان روى الطبراني والبزار عن أبي راشد قال: سألت سلمان عن التشهد فقال: أعلمكم كما علمنيهن رسول الله ﷺ: التحيات لله والصلوات إلخ سواء.

قال أبو حنيفة ﷺ: أخذ حماد بن سلمان بيدي وعلمني التشهد، وقال حماد: أخذ إبراهيم بيدي وعلمني التشهد، وقال إبراهيم: أخذ علقمة بيدي وعلمني التشهد، وقال علقمة أخذ عبد الله بن مسعود بيدي وعلمني التشهد، وقال عبد الله: أخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم بيدي وعلمني التشهد كما يعلمني السورة من القرآن.

هذه الوجوه التي ذكرت في الهداية للترجيح، ذكرناها ممزوجا مع الشرح، وقد ذكروا وجوها آخر.

أحدها: أنه ﷺ علق به تمام الصلاة، فدل على أن التمام لا يوجد بدونه.

وثانيها: أنه قدم اسم الله، فإنه إذا قدم اسم الممدوح في ابتداء الكلام فتعين، ولو أخر كان محتملا، وإزالة الاحتمال بأول الكلام أولى.

وثالثها: أن قوله "التحيات" عام، يتناول كل قربة الصلاة وغيرها، فإذا قال: الصلاة بغير الواو صار تخصيصا وبيانا، أنه أراد به الصلاة لا غير.

ورابعها: أنه أوفق بذكر الاستفتاح، حيث ذكر بالواو، وهذه وجوه يصلح توجيهها للترجيح، والعمدة هو الأصحية، وقوه الإسناد، واختار الصحابة والتابعين كما ذكرنا.

وقد ترجح تشهد ابن عباس، فيه زيادة كلمة في الشهادة وهي لا مباركات، وقلنا: في خبرنا زيادة الواوات وزيادة الألف وزيادة كلمة، وهي قوله: "عبده" والعبودية أخص صفاته ﷺ، مقدم على الرسالة؛ ولهذا لما سمع رجلا يقول: وأشهد أن محمدا رسوله وعبده، قال ﷺ: كنت عبدا قبل أن أكون رسولا، قل أشهد أن محمدا عبده ورسوله، وبأنه يوافق القرآن على ما قال: "تَحِيَّةً مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً" (١)، قلنا: موافقة القرآن لا يجعله أولى؛ لأن قراءة القرآن يكره في القعدة، كما في الركوع والسجود، كما ورد في الحديث فكيف يستحبه ما يوافقه؟ وبأن كثر تسليمات القرآن بغير الألف واللام كقوله تعالى: "سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ" (٢)، وقالوا: سلاما، قال: سلام وسلام على المرسلين، وسلام على من اتبع، وسلام علي يوم ولدت.

---

١) النور: ٦١.

٢) الزمر: ٧٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

فأخذ الجوابين ما ذكرنا الثاني: أن الله سبحانه وتعالى ذكر بالألف واللام أيضا، والسلام على من اتبع الهدى، والسلام المحلي مشروع بالألف واللام، وبأن خبر ابن عباس متأخر عن خبر ابن مسعود؛ لأن ابن عباس صغير السن؛ فكأنه ينقل ما تأخر من الشرائع، قلنا: ما ذكر غير لازم، قالوا: في رواية صحابي متأخر الإسلام أنه يستلزم النسخ، ولم يرجح أحد رواية أصاغر الصحابة على أكابرهم، ولأن ابن مسعود تقدمت هجرته، ودامت صحبته، وهو من أكابر الصحابة، قال رسول الله ﷺ رضيت لأمتي ما رضي به ابن أم عبد، فما قاله علماؤنا أولى وأحسن.

وذكر في كتاب الخرقي [١]: أن المختار في مذهب أحمد أيضا تشهد ابن مسعود، ولو تشهد بغيره بما ثبت عنه ﷺ كتشهد ابن عباس وأبي موسى الأشعري وغيرهم، جاز أيضا نص على ذلك، وإنما اختار ذلك لاتفاق الشيخين واتفاق ألفاظه وكون أكثر أهل العلم على ذلك، وكون الأمر فيه بخلاف غيره، ولا نص أخص بانه عليه السلام أمر بتعليمه، ففي مسند أحمد: أنه أمر ابن مسعود أن يعلم الناس. [٢]

والمذكور في رسالة ابن أبي زيد في مذهب مالك [٣]: هذا التشهد: التحيات لله، الزاكيات لله، الطيبات الصلوات لله، السلام عليك أيها النبي الخ، وهو تشهد ابن عمر الذي ذكره الطيبي. [٤]

قال الشيخ ابن الهمام: الاختلاف في الفضل لا في الجواز.

الثاني في الإشارة والعقد:

هذا وإن لم يكن من الخلافيات، فإن الحق أن الأئمة متفقون على فعله، لكن ذكرناه لما وجد في المتأخرين من أهل مذهبنا شيء من الخلاف فيه، فاعلم أن العقد والإشارة قد ورد في الأحاديث الصحيحة، وقد أورد في "جامع الأصول" الأحاديث من الكتب الستة، في بعضها ذكر العقد مع الإشارة، وفي بعضها ذكرت الإشارة فقط، وعليه مذاهب الأئمة من المحدثين والفقهاء وكثير من الصحابة والتابعين، وقالوا: الحق أن مذهب الإمام أبي حنيفة

---

١) مختصر الخرقي: ٢٣.
٢) شرح الزركشي: ٩/٥٨٢-٥٨٣.
٣) رسالة ابن أبي زيد: ٢٣.
٤) شرح الطيبي: ٢/٣٥٠-٣٥١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وصاحبيه هكذا، وقد صرح به كثير من المتقدمين، وقد ظهر في المتأخرين منهم خلاف في ذلك، فبعضهم يقولون: تركناه لأنه من شعائر الرفضة.

سمعت الشيخ رحمة الله عليه يقول نقلا عن شيخه: هذا كلام سخيف؛ لأنه لما ثبت أنه سنة صحيحة فما بالهم يتركونه لمثل هذا العذر، وكثير من السنن يفعله الرفضة ولا يترك مع أن كونه شعار الرفضة ممنوع، كيف وقد يفعليه علماء السنة، نقل عن العلامة نجم الدين الزاهدي رحمه الله لما اتفقت الروايات عن أصحابنا جميعا، يثبت به كونها سنة، وكذا عن الكوفين والمدنيين، وإذا كثرت الأخبار والآثار كان العمل به أولى.

وقال الشمني: ذكر أبو يوسف في "الأمالي" أنه يعقد الخنصر والتي تليها، ويحلق الوسطى والإبهام، ويشير بالسبابة، وذكر محمد أنه ﷺ كان يشير، ونحن نصنع بصنعه، وقال: وهو قول أبي حنيفة رحمه الله، وفي "الظهيرية": ومتى أخذ في التشهد فانتهى إلى قوله: أشهد أن لا إله إلا الله، هل يشير بالسبابة من يده اليمنى؟ اختلف المشايخ فيه، ثم كيف يصنع عند الإشارة؟ حكي عن الفقيه أبي جعفر أنه قال: يعقد الخنصر والبنصر، ويحلق الوسطى مع الإبهام، ويشير بسبابته، وفي "منية المفتي": تكره الإشارة، انتهى كلام الشمني.

وللشيخ الإمام علي المتقي رحمة الله عليه رسالة، صنفها في هذا الباب، ونقل روايات من الحنفية أكثرها في أنه سنة وبعضها في الكراهة، ثم أيد كونها سنة بالأحاديث الصحيحة والروايات الصريحة، وأثبت أن الأولى فعله كما قال: في "الكفاية".

ونحن ننقل كلام محقق الحنفية ومثبت مذهبهم الشيخ ابن الهمام، ونختم به الكلام، قال: لا شك أن وضع الكف مع قبض الأصابع لا يتحقق حقيقة، فالمراد والله أعلم وضع الكف، ثم قبض الأصابع بعد ذلك عند الإشارة، وهو المروي عن محمد في كيفية الإشارة، قال: يقبض خنصره والتي تليها، ويحلق الوسطى والإبهام، ويقيم المسبحة، كذا عن أبي يوسف في "الأمالي".

وهذا فرع تصحيح الإشارة، وعن كثير من المشايخ لا يشير أصلا، وهو خلاف الدراية والرواية، فعن محمد: أن ما ذكرناه في كيفية الإشارة مما نقلناه قول أبي حنيفة، [ويكره أن يشير بمسبحتيه،] وعن الحلواني: يقيم الأصبع عند "لا إله"، ويضع عند "إلا الله"؛ ليكون

toobaa-elibrary.blogspot.com

الرفع للنفي والوضع للإثبات، وينبغي أن تكون أطراف الأصابع على حرف الركبة، لا مباعدة عنها، إنتهى كلام الشيخ ابن الهمام. (١)

ويفهم منه البسط والعقد جميعا؛ بأن يبسط ثم يعقد ويشير عند قوله: لا إله إلا الله، فتدبر.

ثم اختلفوا في كيفية العقدة: فعند الشافعي يعقد ثلاثا وخمسين، وصورته أن يقبض أصابع يده، ويضعها على طرف ركبته اليمنى إلا المسبحة -بكسر الباء- وهي السبابة، ويضع طرف إبهام اليمنى عند أسفل المسبحة على طرف الراحة، وتفسير ثلاثة وخمسين بها ما ذكره ابن الصلاح وتعبيره، كذا ذكر الشيخ ابن حجر في شرح المشكاة. (٢)

وفي بعض الشروح: أن للشافعية في كيفية التحلق وجهين: أصحهما أن يحلق بينهما برأسهما، والثاني: أن يضع أنملة الوسطى بين عقدتي الإبهام.

وعندنا عقد تسعين، وصورته أن يقبض الخنصر والبنصر، ويبسط المسبحة، ووضع الإبهام على الوسطى، ويحلق، وهكذا جاء في حديث مسلم عن عبد الله بن الزبير، ورواه أحمد وأبو داود عن وائل بن حجر، وهو المختار في مذهب أحمد والشافعي في قوله القديم.

وعند مالك: يقبض أصابع يده اليمنى كلها، ويبسط السبابة، وللشافعية في كيفية التحليق وجه آخر، وهو وضع أنملة الوسطى بين عقدتي الإبهام، وعنه رواية ثالثة: أنه يبسط الجميع مستقبل القبلة كما في حالة السجود.

وقالوا: النكتة في تخصيص المسبحة بذلك لأن لها اتصالا بنياط القلب، فكأنها سبب لحضوره، ويصلح وجها لذلك أنها تسمى سبابة، وأصبع الشهادة، فيناسب به، والله أعلم بالأسرار.

---

١) فتح القدير: ٣١٣/١-٣١٤.

٢) فتح الإله في شرح مشكاة: ٤٦/٤.

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب الصلاة على النبي وفضائلها [1]

عن أبي مسعود البدري ﷺ: قال: أتانا رسول الله ﷺ، ونحن في مجلس سعد بن عبادة، فقال له بشير بن سعد: أمرنا الله أن نصلي عليك، فكيف نصلي عليك؟ قال: فسكت رسول الله ﷺ، حتى تمنينا أنه لم يسأله، ثم قال رسول الله ﷺ: قولوا: اللهم صل على محمد، وعلى آل محمد، كما صليت على آل إبراهيم، وبارك على محمد، وعلى آل محمد، كما باركت على آل إبراهيم، إنك حميد مجيد، والسلام كما قد علمتم. هذه رواية مسلم.

وفي رواية الموطأ، والترمذي، وأبي داود، والنسائي: قولوا: اللهم صل على محمد، وعلى آل محمد، كما صليت على إبراهيم، وبارك على محمد، وعلى آل محمد، كما باركت على آل إبراهيم، في العالمين إنك حميد مجيد، والسلام كما قد علمتم.

وليس عند أبي داود: والسلام كما قد علمتم.

وله في أخرى قال: قولوا: اللهم صل على محمد النبي الأمي، وعلى آل محمد. وهذا الحديث طرق كثيرة ذكرت في موضعه. [2]

وعن ابن مسعود ﷺ: أن رسول الله ﷺ قال: أولى الناس بي يوم القيامة أكثرهم علي صلاة. أخرجه الترمذي. [3]

---

1) باب الصلاة على النبي ﷺ، وفضائلها، قال لله تعالى: إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا. [الأحزاب: ٥٦.] وقال تعالى: سَلَامٌ عَلَى نُوحٍ فِي الْعَالَمِينَ، الآية. [الصافات: ٧٩.] قال تعالى: سَلَامٌ عَلَى إِبْرَاهِيمَ. [الصافات: ١٠٩] وقال تعالى: سَلَامٌ عَلَى مُوسَى وَهَارُونَ. [الصافات: ١٢٠.] وغير ذلك من الآيات. (الأعظمي.)

2) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب الصلاة على النبي ﷺ بعد التشهد (٣٠٥/١) رقم الحديث: ٤٠٥. والترمذي في "جامعه" أبواب التفسير، باب ومن سورة الأحزاب (٣٥٩/٥) رقم الحديث: ٣٢٢٠. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب الصلاة على النبي ﷺ بعد التشهد (٢٥٧/١) رقم الحديث: ٩٨٠، ٩٨١. والنسائي في "سننه" كتاب السهو، باب الأمر بالصلاة على النبي ﷺ (٤٥/٣) رقم الحديث: ١٢٨٥. ومالك في "الموطأ" كتاب قصر الصلاة، باب ما جاء في الصلاة على النبي ﷺ (١٦٥/١) رقم الحديث: ٦٦، ٦٧. وابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب الصلاة على النبي ﷺ (٢٩٢/١) رقم الحديث: ٩٠٥.

3) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في فضل الصلاة على النبي ﷺ (٣٥٤/٢) رقم الحديث: ٤٨٤.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعنه قال: قال رسول الله ﷺ: إن لله تعالى ملائكة سياحين في الأرض يبلغوني من أمتي السلام. أخرجه النسائي.[1]

وعن عبد الله بن دينار رحمه الله: قال: رأيت عبد الله بن عمر يقف على قبر النبي ﷺ فيصلي على النبي ﷺ وأبي بكر وعمر ﷺ. أخرجه الموطأ.[2]

وعن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: أكثروا الصلاة علي في الليلة الغراء واليوم الأزهر فإن صلاتكم تعرض علي. رواه البيهقي وابن عدي عن أنس.[3]

وعن أبي الدرداء قال: قال رسول الله ﷺ: أكثروا من الصلاة علي في يوم الجمعة فإنه يوم مشهود تشهده الملائكة، وإن أحدا لن يصلي علي إلا عرضت علي صلاته [حتى يفرغ منها]. رواه ابن ماجة.[4]

وعن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: إن البخيل كل البخيل من ذكرت عنده فلم يصل علي. رواه البيهقي عن ابن منصور.[5]

وعن قتادة قال: قال رسول الله ﷺ: من الجفاء أن أذكر عند الرجل فلا يصلي علي. رواه عبد الرزاق.[6]

وعن جابر بن عبد الله، رضي الله عنهما قال: قال رسول الله ﷺ: من ذكرت عنده فلم يصل علي فقد شقي. رواه ابن السني.[7]

وعن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: من نسي الصلاة علي خطئ طريق الجنة.[1]

---

١) أخرجه النسائي في "سننه" كتاب السهو، باب السلام على النبي ﷺ (٤٣/٣) رقم الحديث: ١٢٨٢.

٢) أخرجه مالك في "الموطأ" كتاب قصر الصلاة في السفر، باب ما جاء في الصلاة على النبي ﷺ (١٦٦/١) رقم الحديث: ٦٨.

٣) أخرجه البيهقي في "شعب الإيمان" الصلاة، فضل الجمعة (٤٣٤/٤) رقم الحديث: ٢٧٧٢. [فيه: عن ابن عباس]. وابن عدي في "الكامل في ضعفاء الرجال" خازم بن الحسين أبو إسحاق الحميسي (٥٣/٣).

٤) أخرجه ابن ماجه في "سننه" كتاب الجنائز، باب ذكر وفاته ﷺ (٥٢٤/١) رقم الحديث: ١٦٣٧.

٥) أخرجه البيهقي في "شعب الإيمان" تعظيم النبي ﷺ وإجلاله وتوقيره (١٣٠/٣) رقم الحديث: ١٤٦٤.

٦) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الصلاة، باب الصلاة على النبي ﷺ (٢١٦/٢) رقم الحديث: ٣١٢١. [وفيه: عن محمد بن علي]

٧) أخرجه ابن السني في "عمل اليوم والليلة" باب التغليظ في ترك الصلاة على رسول الله ﷺ (٣٣٦) رقم الحديث: ٣٨١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أبي هريرة، قال: قال رسول الله ﷺ: من صلى علي عند قبري سمعته، ومن صلى علي نائيا أبلغته [٢]. رواه البيهقي. [٣]

وعنه قال: قال رسول الله ﷺ: صلوا على أنبياء الله ورسله، فإن الله تعالى يبلغهم كما يبلغني. رواه البيهقي والخطيب. [٤]

وعن أنس، قال: قال رسول الله ﷺ: ما من عبد يسلم علي عند قبري إلا وكل الله بها ملكا يبلغني، وكفى أمر آخرته ودنياه وكنت له شهيدا وشفيعا يوم القيامة. رواه البيهقي. [٥]

وعن أبي طلحة قال: قال رسول الله ﷺ: أتاني جبرئيل فقال: يا محمد من صلى عليك من أمتك صلاة كتب الله له بها عشر حسنات ومحا عنه عشر سيئات ورفعه بها عشر درجات وقال له الملك مثل ما قال لك قلت: يا جبرئيل وما ذاك الملك قال: إن الله عز وجل وكل بك ملكان لدن خلقك إلى أن بعثك لا يصلي عليك أحد من أمتك إلا قال وأنت صلى الله عليك. رواه الطبراني. [٦]

وعن عمار بن ياسر قال: قال رسول الله ﷺ: إن لله عز وجل ملكا أعطاه سمع العباد، فليس من أحد يصلي علي إلا أبلغنيها وإني سألت ربي: أن لا يصلي علي عبد صلاة إلا صلى الله عليه عشر أمثالها. رواه الطبراني. [٧]

وعنه قال: قال رسول الله ﷺ: إن الله أعطى ملكا من الملائكة أسماع الخلق فهو قائم على قبري إلى يوم القيامة لا يصلي علي أحد صلاة إلا سماه باسمه واسم أبيه وقال: يا محمد

---

١) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب العين، باب [أي أبو الشعثاء جابر بن زيد عن ابن عباس] (١٢/١٨٠) رقم الحديث: ١٢٨١٩.

٢) هذا دليل على لأنه عليه السلام لا يعلم الغيب. [الأعظمي.]

٣) أخرجه البيهقي في "شعب الإيمان" تعظيم النبي ﷺ وإجلاله وتوقيره (٣/١٤٠) رقم الحديث: ١٤٨١.

٤) أخرجه البيهقي في "شعب الإيمان" الإيمان برسل الله صلوات الله عليهم عامة (١/٢٧٧) رقم الحديث: ١٣٠. والخطيب في "تاريخ بغداد" باب الحاء، ذكر من اسمه الحسن، حرف العين، الحسن بن علي أبو علي المعروف بالطوابيقي (٨/٣٧٧). [فيه عن أنس]

٥) أخرجه البيهقي في "شعب الإيمان" المناسك، فضل الحج والعمرة (٦/٥٠) رقم الحديث: ٣٨٥٩. [فيه عن أبي هريرة.]

٦) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب الزاي، أنس بن مالك عن أبي طلحة (٥/١٠٠) رقم الحديث: ٤٧٢٠.

٧) أخرجه الطبراني كما في "جمع الجوامع/الجامع الكبير" حرف الهمزة: الهمزة مع النون (٢/٦١١) رقم الحديث: ٢٤٦٩/ ٦٩٥٨.

toobaa-elibrary.blogspot.com

صلى عليك فلان بن فلان، وقد ضمن لي ربي تبارك وتعالى أنه أرد عليه بكل صلاة عشرا. رواه ابن النجار. [١]

وعن رويفع بن ثابت الأنصاري، قال: قال رسول الله ﷺ: من قال: اللهم صل على محمد وأنزله المقعد المقرب عندك يوم القيامة وجبت له شفاعتي. [٢]

وعن أنس قال: قال رسول الله ﷺ: يا أيها الناس إن أنجاكم يوم القيامة من أهوالها ومواطنها أكثركم علي صلاة في دار الدنيا. رواه الديلمي. [٣]

وعن عائشة قالت: قال رسول الله ﷺ: من سره أن يلقى الله غدا راضيا فليكثر الصلاة علي. رواه الديلمي. [٤]

وعن جابر قال: قال رسول الله ﷺ: من صلى علي في يوم مائة مرة قضى الله له مائة حاجة سبعين منها لآخرته وثلاثين منها لدنياه. رواه ابن النجار. [٥]

وعن علي بن الحسين، عن أبيه، عن علي بن أبي طالب، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلى علي يوم الجمعة مائة مرة جاء يوم القيامة ومعه نور لو قسم ذلك [النور] بين الخلق كلهم لوسعهم. رواه أبو نعيم في الحلية. [٦]

وعن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: من صلى علي في كتاب لم تزل الملائكة تستغفر له ما دام اسمي في ذلك الكتاب. رواه الطبراني في الأوسط. [٧]

---

١) أخرجه ابن النجار كما في "كنز العمال" حرف الهمزة، الكتاب الثاني من حرف الهمزة في الأذكار من قسم الأقوال، الباب السادس في الصلاة عليه وعلى آله عليه الصلاة والسلام (١/٥٠٢) رقم الحديث: ٢٢١٨.

٢) أخرجه أحمد في "مسنده" مسند الشاميين، حديث رويفع بن ثابت الأنصاري (٢٨/٢٠١) رقم الحديث: ١٦٩٩١. والطبراني في "المعجم الكبير" حرف الراء، رويفع بن ثابت الأنصاري (٥/٢٥) رقم الحديث: ٤٤٨٠، ٤٤٨١.

٣) أخرجه الديلمي في "الفردوس بمأثور الخطاب" باب الخاء (٥/٢٧٧) رقم الحديث: ٨١٧٥.

٤) أخرجه الديلمي كما في "كنز العمال" حرف الهمزة، الكتاب الثاني من حرف الهمزة في الأذكار من قسم الأقوال، الباب السادس في الصلاة عليه وعلى آله عليه الصلاة والسلام (١/٥٠٤) رقم الحديث: ٢٢٢٩.

٥) أخرجه الديلمي كما في "كنز العمال" حرف الهمزة، الكتاب الثاني من حرف الهمزة في الأذكار من قسم الأقوال، الباب السادس في الصلاة عليه وعلى آله عليه الصلاة والسلام (١/٥٠٥) رقم الحديث: ٢٢٣٢.

٦) أخرجه أبو نعيم في "حلية الأولياء وطبقات الأصفياء" ذكر طوائف من جماهير النساك والعباد، إبراهيم بن أدهم ومنهم الحازم الأحزم (٨/٤٦)

٧) أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط" باب الألف، من اسمه أحمد (٢/٢٣٢) رقم الحديث: ١٨٣٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن عبد الله بن جراد قال: قال رسول الله ﷺ: ناداني جبرائيل من تلقاء العرش فقال: يا محمد يقول لك الرحمن عز وجل من ذكرت بين يديه فلم يصل عليك دخل النار. رواه الديلمي.[١]

وعن أنس قال: قال رسول الله ﷺ: لا تذكروني في ثلاث مواطن عند العطاس وعند الذبيحة وعند التعجب. وفي رواية: عند الطعام.[٢]

وعن أبي بكر الصديق قال: الصلاة على النبي ﷺ أمحق للخطايا من الماء للنار، والسلام على النبي ﷺ أفضل من عتق الرقاب، وحب رسول الله ﷺ أفضل من عتق الأنفس، أو قال: من ضرب السيف في سبيل الله عز وجل. رواه الخطيب والأصفهاني في الترغيب.[٣]

وعن سعيد بن المسيب، عن عمر بن الخطاب، قال: قال رسول الله ﷺ: إن الدعاء موقوف بين السماء والأرض لا يصعد منه شيء، حتى تصلي على نبيك ﷺ. رواه الترمذي[٤]

وعن عبد الرحمن بن عوف قال: دخلت المسجد فرأيت رسول الله ﷺ خارجا من المسجد فأتيته أمشي وراءه ولا يشعر بي، ثم دخل نخلا فاستقبل القبلة، فسجد وأطال السجود وأنا وراءه، حتى ظننت أن الله قد توفاه، فأقبلت أمشي حتى جئت وطأطأت رأسي أنظر في وجهه، فرفع رأسه فقال ما لك يا عبد الرحمن؟ فقلت: لما أطلت السجود يا رسول الله خشيت أن يكون الله توفى نفسك، فجئت أنظر، فقال إني لما رأيتني دخلت النخل لقيت جبريل فقال أبشرك أن الله عز وجل يقول: من سلم عليك سلمت عليه ومن صلى عليك صليت عليه. وفي بعض الروايات: سلمت عليه عشرا وصليت عليه عشرا، رواه ابن النجار. وجاء مثل هذه القصة من عمر بن الخطاب رضي الله عنه.[٥]

---

١) أخرجه الديلمي في "الفردوس بمأثور الخطاب" باب نلبم (٤/٢٨١) رقم الحديث: ٦٨٣١.

٢) أخرجه الديلمي في "الفردوس بمأثور الخطاب" باب لام ألف (٥/٥٧) رقم الحديث: ٧٤٥١.

٣) أخرجه الخطيب في "تاريخ بغداد" باب الجيم، جعفر بن عيسى بن عبد الله بن الحسن (٨/٣٩). والأصفهاني في "الترغيب والترهيب" باب الصاد، باب الترغيب في الصلاة على النبي ﷺ ٢/٣٢٥) رقم الحديث: ١٦٨٣.

٤) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الوتر، باب ما جاء في فضل الصلاة على النبي ﷺ (٢/٣٥٦) رقم الحديث: ٤٨٦.

٥) أخرجه ابن النجار كما في "كنز العمال" حرف الهمزة، كتاب الأذكار من قسم الأقوال، باب في الصلاة عليه ﷺ (٢/٢٧٥) رقم الحديث: ٣٩٩٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن حبان بن منقذ، عن حبان بن منقذ أن رجلا قال: يا رسول الله أجعل ثلث صلاتي عليك؟ قال نعم إن شئت، قال الثلثين؟ قال نعم إن شئت، قال فصلاتي كلها؟ إذا يكفيك الله ما أهمك من أمر دنياك وآخرتك. رواه الطبراني وأبو نعيم. [١]

وعن أبي طلحة قال: دخلت على النبي ﷺ، وأسارير وجهه تبرق، فقلت يا رسول الله ما رأيتك أطيب نفسا ولا أظهر بشرا منك في يومك، فقال وما لي لا تطيب نفسي ويظهر بشري وإنما فارقني جبريل الساعة فقال يا محمد: من صلى عليك من أمتك صلاة كتب الله له بها عشر حسنات، ومحا عنه عشر سيئات، ورفعه بها عشر درجات، [وقال له الملك مثل ما قال لك قلت: يا جبريل وما ذاك الملك؟ قال إن الله تعالى وكل بك ملكا من لدن خلقك إلى أن يبعثك لا يصلي عليك واحد من أمتك إلا قال: وأنت صلى الله عليك]. رواه الطبراني. [٢]

تنبيه

فضائل الصلاة على النبي ﷺ كثيرة، لا يحصى عددها، ولا يستقصى أحدها، وقد تشرف هذا الفقير بذكرها في مواضع، فذكرت ههنا أيضا من الأحاديث، وكان يكفي ههنا أن يذكر الحديث المشهور الذي أمر به في الصلاة؛ ولكنهم ذكروا بعض فضائلها مطلقا ههنا في الصلاة، وغيرها تبركا وتشرفا، ونحن أيضا ذكرناها اتباعالهم.

وليس في هذا الباب خلاف بين الأئمة سوى أن الصلاة على النبي ﷺ فرض عند الشافعي في الصلاة في التشهد الأخير، وكذا عند أحمد في رواية، و في أخرى واجب، و المختار من مذهبه أنها سنة كما هو مذهبنا.

وتفصيل الكلام إن الله تعالى أمر المؤمنين بالصلاة والسلام على النبي ﷺ، وقد اجمعوا على أن الأمر ههنا للوجوب؛ فالصلاة على النبي ﷺ واجبة في الجملة، فقيل: يجب كلما جرى ذكره، وقيل: الواجب الذي به يسقط الإثم بترك الفرض وهو الإتيان بها مرة كالشهادة بنبوته ﷺ، وما عدا ذلك فهو مندوب، يرغب فيه من سنن الإسلام وشعار أهله.

---

١) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب الحاء، حبان بن منقذ الأنصاري (٤/٣٥) رقم الحديث: ٣٥٧٤. أبو نعيم في "معرفة الصحابة" باب الحاء، حبان بن منقذ الأنصاري (٢/٨٨٥) رقم الحديث: ٢٢٩٢.

٢) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب الزاي، أنس بن مالك عن أبي طلحة (٥/١٠٠) رقم الحديث: ٤٧٢٠.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقال القاضي أبو بكر: فرض الله تعالى على المؤمنين أن يصلوا على نبيه ويسلموا تسليما، ولم يجعل لذلك وقتا معلوما، فالواجب أن يكثر المرء منها، ولا يغفل عنها.

وشذ الشافعي رحمة الله عليه في ذلك، وخالف الإجماع، فقال: الصلاة على النبي ﷺ بعد التشهد الأخير قبل السلام واجبة، ومن لم يصل فصلاته فاسدة، وإن صلى عليه قبل ذلك لم يجزه، ويعيد الصلاة بتركها.

وقال إسحاق: الإعادة واجبة مع تعمد تركها دون النسيان، ولا سلف للشافعي في هذا ليقتدى به، ولا سنة يتبعها، وقد بالغ جماعة في الإنكار عليه في هذه المسألة؛ لمخالفته الإجماع والأخبار، وما ورد في الحديث: "لا صلاة لمن لم يصل علي فيها"، وكذا ما جاء في حديث ابن مسعود عنه ﷺ: "من صلى صلاة ولم يصل علي فيها، وعلى أهل بيتي لم يقبل منه"، فهو ضعيف عند أهل الحديث بأسرهم، وإن صح فالمراد نفي الكمال، هذا حاصل كلام القاضي عياض في الشفا. (١)

وشنع عليه فيه جماعة، منهم الطبراني والقشيري، وخالفه من أهل المدينة الخطابي، وقال: لا أعلم فيها قدوة، والتشهدات المروية عن ابن عباس وابن مسعود وأبي هريرة وجابر وأبي سعيد وأبي موسى وابن الزبير، لم يذكر فيها ذلك.

ونقل الشمني عن النووي أنه قال: قد نقل بعض أصحابنا فرضية الصلاة في التشهد عن عمر بن الخطاب ﷺ وابنه، ونقله الشيخ أبو حامد عن ابن مسعود وأبي سعيد الخدري، ورواه البيهقي وغيره عن الشعبي، وهو إحدى الروايتين عن أحمد، فارتفع الشذوذ، وقال في إثبات سنة يتبعها: بل له سنة، وهي ما رواه ابن حبان والحاكم في صحيحهما من حديث أبي مسعود الأنصاري: أنهم قالوا: كيف نصلي عليك إذا نحن صلينا عليك في صلاتنا؟ فقال: قولوا: اللهم صل على محمد، الحديث،(٢) انتهى.

وأقول: مراد القاضي نفي السنة الدالة على فرضيتها بدلالة السياق، لا مطلق السنة، إذ هو ثابت اتفاقا بالأحاديث والآثار المروية فيها.

---

١) الشفا: ٢/٦٢.

٢) أخرجه ابن حبان في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة (٥/٢٨٧) رقم الحديث: ١٩٥٨، ١٩٥٩. والحاكم في "المستدرك" كتاب الطهارة، أما حديث عبد الرحمن بن مهدي (١/٤٠١) رقم الحديث: ٩٨٨.

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب الدعاء في التشهد

عن أبي هريرة ﷺ: أن رسول الله ﷺ قال: إذا تشهد أحدكم فليستعذ بالله من أربع، يقول: اللهم إني أعوذ بك من عذاب جهنم، ومن عذاب القبر، ومن فتنة المحيا والممات، ومن شر فتنة المسيح الدجال. هذا لفظ مسلم، ووافقه البخاري على الاستعاذة، ولم يذكر التشهد.

وفي رواية أبي داود قال: قال رسول الله ﷺ: إذا فرغ أحدكم من التشهد فليتعوذ بالله من أربع... وذكرها. وزاد النسائي: ثم ليدع لنفسه بما بدا له.[1] وكذا جاء عن ابن عباس نحوه.[2]

وعن أبي صالح رحمه الله: عن بعض أصحاب رسول الله ﷺ: أن رسول الله ﷺ قال لرجل: كيف تقول في الصلاة؟ قال: أتشهد، ثم أقول. اللهم إني أسألك الجنة، وأعوذ بك من النار. أخرجه أبو داود.[3]

وعن ابن مسعود ﷺ قال: كان رسول الله ﷺ يعلمهم من الدعاء بعد التشهد: ألف اللهم على الخير قلوبنا، وأصلح ذات بيننا، واهدنا سبل السلام، ونجنا من الظلمات إلى النور، وجنبنا الفواحش والفتن، ما ظهر منها وما بطن، وبارك لنا في أسماعنا وأبصارنا وقلوبنا وأزواجنا [وذرياتنا]، وتب علينا إنك أنت التواب الرحيم، واجعلنا شاكرين لنعمتك مثنين بها قابليها، وأتمها علينا. أخرجه.[4]

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الجنائز، باب التعوذ من عذاب القبر (٢/٩٩) رقم الحديث: ١٣٧٧. ومسلم في "صحيحه" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب استحباب التعوذ من عذاب القبر (١/٤١١) رقم الحديث: ٥٨٥، باب ما يستعاذ منه في الصلاة (١/٤١٢) رقم الحديث: ٥٨٨. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب ما يقول بعد التشهد (١/٢٥٨) رقم الحديث: ٩٨٣. والنسائي في "سننه" كتاب السهو، باب نوع آخر من التعوذ في الصلاة (٣/٥٨) رقم الحديث: ١٣١٠.

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب ما يقول بعد التشهد (١/٢٥٩) رقم الحديث: ٩٨١. [ولفظه: عن ابن عباس، عن النبي ﷺ أنه كان يقول بعد التشهد: اللهم إني أعوذ بك من عذاب جهنم، وأعوذ بك من عذاب القبر، وأعوذ بك من فتنة الدجال، وأعوذ بك من فتنة المحيا والممات.]

٣) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في تخفيف الصلاة (١/٢١٠) رقم الحديث: ٧٩٢، ٧٩٣.

٤) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب التشهد (١/٢٥٤) رقم الحديث: ٩٦٩. والحاكم في "المستدرك" كتاب الطهارة، حديث عبد الرحمن بن مهدي (١/٣٩٧) رقم الحديث: ٩٧٧. [وقال الحاكم هذا حديث صحيح على شرط مسلم، ولم يخرجاه، وله شاهد من حديث ابن جريج، عن جامع]

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن علي ﷺ: أن النبي ﷺ كان من آخر ما يقول بين التشهد والسلام: اللهم اغفر لي ما قدمت وما أخرت، وما أسررت وما أعلنت، وما أنت أعلم به مني، أنت المقدم، وأنت المؤخر، لا إله إلا أنت. رواه الترمذي. (١)

تنبيه

الكلام في هذا الباب في موضعين.

الأول في كيفية الدعاء والتسليم:

اعلم أن الأدعية في هذا الباب كثيرة، وقد ثبت في حديث ابن مسعود، ثم ليتخير من الدعاء بما هو أعجبه إليه، وهذا يجوز الأخذ بغير المأثور، ولا شك أن الدعاء بالأدعية المأثورة أفضل وأتم وأكمل؛ لكونها جامعة للمطالب والمقاصد كلها.

وظاهر كلام بعض علماء الحنابلة، أنه لا يجوز الدعاء بغير مأثور، فيكون المراد عندهم ليتخير من الدعوات المأثورة أعجبه، وقالوا: وإن وقع بغيره ينبغي أن لا يرجع إلى محض طلب الدنيا وشهواتها، نحو اللهم ارزقني جارية حسناء وحلة خضراء، عن أحمد: جواز ذلك، قال: إذ دعا في صلاته بحوائجه أرجو أن لا يضره، وذلك ما تقدم من حديث ابن مسعود.

ومذهب الشافعي: أن كل ما شاء الدعاء به خارج الصلاة جاز في الصلاة للحديث المذكور؛ لأنه ﷺ كان يقنت في أول الفجر، ويقول: اللهم أنج الوليد بن الوليد وسلمة بن هشام وعياش بن أبي ربيعة، اللهم اشدد وطأتك على مضر، واجعلها سنين كسني يوسف، يجهر بذلك، وكان يقول في بعض صلاته: اللهم العن فلانا وفلانا لأحياء من العرب حتى أنزل الله: "لَيْسَ لَكَ مِنَ الأَمْرِ شَيْءٌ" الآية. (٢)

---

١) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الدعوات، باب منه [أي ما جاء في الدعوات عند افتتاح الصلاة بالليل] (٥/٤٨٥) رقم الحديث: ٣٤٢١، ٣٤٢٢.

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الأذان، باب يهوي بالتكبير حين يسجد (١/١٦٠) رقم الحديث: ٨٠٤. ومسلم في "صحيحه" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب استحباب القنوت في جميع الصلاة (١/٤٦٦) رقم الحديث: ٦٧٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وأصحابنا احتجوا بقوله ﷺ: إن هذه الصلاة لا يصلح فيها شيء من كلام الناس، إنما هي التسبيح والتكبير وقراءة القرآن،(١) وأما تعلقه حديث ابن مسعود، قلنا: هو محمول على الدعاء الذي لا يشبه كلام الناس، وأما القنوت؛ فكان محمولا على حال إباحة الكلام في ابتداء الأسلام، فإن الكلام كان مباحا في الابتداء، ثم حرم من بعده، كذا في النهاية شرح الهدايه، وأقول: أدعية القنوت المذكورة متعلقة بالآخرة، وليس مما يشبه كلام الناس الذي يتعلق الفساد به فتدبر.

وعن ابن مسعود ﷺ: أن النبي ﷺ كان يسلم عن يمينه وعن يساره: السلام عليكم ورحمة الله، السلام عليكم ورحمة الله. أخرجه الترمذي. وزاد أبو داود بعد قوله: "شماله" حتى يرى بياض خده.

وفي رواية النسائي: حتى يرى بياض خده من هاهنا، وبياض خده من هاهنا.(٢)

وعن وائل بن حجر قال: صليت مع رسول الله ﷺ فكان يسلم عن يمينه: السلام عليكم ورحمة الله وبركاته، وعن شماله: السلام عليكم ورحمة الله. أخرجه أبو داود.(٣)

---

١) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب للمساجد ومواضع الصلاة، باب تحريم لكلام في الصلاة (٣٨١/١) رقم الحديث: ٥٣٧. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب تشميت العاطس في الصلاة (٢٤٤/١) رقم الحديث: ٩٣٠. [ولفظ الحديث: عن معاوية بن الحكم السلمي، قال: بينا أنا أصلي مع رسول الله ﷺ، إذ عطس رجل من القوم، فقلت: يرحمك الله فرماني القوم بأبصارهم، فقلت: واثكل أمياه، ما شأنكم؟ تنظرون إلي، فجعلوا يضربون بأيديهم على أفخاذهم، فلما رأيتهم يصمتونني لكني سكت، فلما صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فبأبي هو وأمي، ما رأيت معلما قبله ولا بعده أحسن تعليما منه، فوالله، ما كهرني ولا ضربني ولا شتمني، قال: **إن هذه الصلاة لا يصلح فيها شيء من كلام الناس، إنما هو التسبيح والتكبير وقراءة القرآن أو كما قال رسول الله ﷺ** قلت: يا رسول الله، إني حديث عهد بجاهلية، وقد جاء الله بالإسلام، وإن منا رجالا يأتون الكهان، قال: فلا تأتهم قال: ومنا رجال يتطيرون، قال: ذاك شيء يجدونه في صدورهم، فلا يصدنهم. - قال ابن الصباح: فلا يصدنكم - قال قلت: ومنا رجال يخطون، قال: كان نبي من الأنبياء يخط، فمن وافق خطه فذاك قال: وكانت لي جارية ترعى غنما لي قبل أحد والجوانية، فاطلعت ذات يوم فإذا الذيب قد ذهب بشاة من غنمها، وأنا رجل من بني آدم، آسف كما يأسفون، لكني صككتها صكة، فأتيت رسول الله ﷺ فعظم ذلك علي، قلت: يا رسول الله أفلا أعتقها؟ قال: ائتني بها فأتيته بها، فقال لها: أين الله؟ قالت: في السماء، قال: من أنا؟ قالت: أنت رسول الله، قال: أعتقها، فإنها مؤمنة.]

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في السلام (٢٦١/١) رقم الحديث: ٩٩٦. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في التسليم في الصلاة (٨٩/٢) رقم الحديث: ٢٩٥. والنسائي في "سننه" كتاب السهو، باب كيف السلام على الشمال (٦٣/٣) رقم الحديث: ١٣٢٤.

٣) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في السلام (٢٦١/١) رقم الحديث: ٩٩٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن جابر بن سمرة ﷺ قال: كنا إذا صلينا مع رسول الله ﷺ قلنا: السلام عليكم ورحمة الله السلام عليكم ورحمة الله، أشار بيده إلى الجانبين، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: علام تومئون بأيديكم، كأنها أذناب خيل شمس؟ وإنما يكفي أحدكم أن يضع يده على فخذه، ثم يسلم على أخيه من عن يمينه وشماله. أخرجه مسلم.

وفي رواية أبي داود، قال: كنا إذا صلينا خلف رسول الله ﷺ، فسلم أحدنا: أشار بيده من عن يمينه، ومن عن يساره، فلما صلى قال: ما بال أحدكم يومئ بيديه كأنها أذناب خيل شمس؟ إنما يكفي، أو ألا يكفي، أحدكم أن يقول هكذا، أشار بإصبعه، يسلم على أخيه من عن يمينه ومن عن شماله.

وفي أخرى له، قال: دخل علينا رسول الله ﷺ والناس رافعو أيديهم قال زهير: أراه قال: في الصلاة قال: مالي أراكم رافعي أيديكم، كأنها أذناب خيل شمس؟ اسكنوا في الصلاة.

وفي رواية النسائي مثل رواية مسلم، إلا أنه قال في آخره: أن يضع يده على فخذه، ثم يقول: السلام عليكم، السلام عليكم.[١]

وعن أنس: أن النبي ﷺ كان ينصرف عن يمينه، رواه مسلم.[٢]

وعن ابن مسعود قال: لقد رأيت رسول الله ﷺ كثيرا ينصرف عن يساره. متفق عليه.[٣]

وعن علي ﷺ أنه قال: إذا كانت حاجته عن يمينه أخذ من يمينه، وإذا كانت عن يساره أخذ من يساره.[٤]

---

١) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب الأمر بالسكون في الصلاة (١/٣٢٢) رقم الحديث: ٤٣٠، ٤٣١. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في السلام (١/٢٦٢) رقم الحديث: ٩٩٨، ١٠٠٠. والنسائي في "سننه" كتاب السهو، باب السلام بالأيدي في الصلاة (٣/٤) رقم الحديث: ١١٨٤، ١١٨٥، باب موضع اليدين عند السلام (٣/٦١) رقم الحديث: ١٣١٨، باب السلام باليدين (٣/٦٤) رقم الحديث: ١٣٢٦.

٢) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب جواز الانصراف من الصلاة عن اليمين (١/٤٩٢) رقم الحديث: ٧٠٨.

٣) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب صفة الصلاة، باب الانفتال والانصراف عن اليمين والشمال (١/١٧٠) رقم الحديث: ٨٥٢. ومسلم في "صحيحه" كتاب المسافرين وقصرها، باب جواز الانصراف من الصلاة عن اليمين (١/٤٩٢) رقم الحديث: ٧٠٧.

٤) شرح الطيبي: ٢/٣٧٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن سمرة بن جندب قال: كان رسول الله ﷺ إذا صلى صلاة أقبل علينا بوجهه. رواه البخاري. (١)

هذا فقد علم أنه ﷺ كان ينصرف عن يمينه أو عن يساره في الأغلب، وقد كان يستقبلهم مستدبر القبلة، وقد روى البخاري ومسلم (٢): أنه ﷺ كان إذا فرغ من صلاة الفجر استقبل بوجهه أصحابه، وقال: هل رأى أحدكم رؤيا؟ كان يطلب رؤيا فيها بشرى بفتح مكة؛ وقد جاء في حديث زيد بن خالد الجهني: فلما انصرف أقبل على الناس، وفيه قصة مطرنا بنوء كذا. (٣)

وعن أنس (٤): فلما صلى أقبل علينا بوجهه فقال: إن الناس قد صلوا، وفيه قصة تأخير صلاة العشاء، والحاصل أنه إذا أراد أن يخاطبهم بشيء استقبل، وإذا أراد أن يذهب إلى حجرته انصرف إلى يساره، وكان قد ينصرف إلى يمينه، والله أعلم.

الثاني: في حكم السلام أهو واجب أم فرض؟

فلفظ السلام واجب عندنا وليس بفرض، خلافا للشافعي وهو يتمسك بقوله صلى الله عليه وسلم: تحريمها التكبير وتحليلها التسليم، وقرر أصحابه وجه التمسك بوجهين، أحدهما: أن الألف واللام إما لاستغراق الجنس أو لتعريف العهد، ولم يسبق ههنا معهود حتى أثبت بغيره خالف النص، وقيل: إن تعريف المسند اليه بالإضافة يوجب الحصر كتعريفه باللام؛ لأن الإضافة يقتضي الجنس، ألا ترى أن قولهم: مال فلان الإبل، وعلم فلان الفقه، يدل على الحصر؛ فيفيد حصر التحليل في التسليم، فيفيد فرضيته، ولأن ما شرع به التحريم وهو التكبير فرض فيكون ما شرع به التحليل وهو التسليم أيضا فرضا.

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب صفة الصلاة، باب يستقبل الإمام الناس إذا سلم (١/١٦٨) رقم الحديث: ٨٤٥.

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الجنائز، باب ما قيل في أولاد المشركين (٢/١٠٠) رقم الحديث: ١٣٨٦. ومسلم في "صحيحه" كتاب الرؤيا، باب رؤيا النبي ﷺ (٤/١٧٨١) رقم الحديث: ٢٢٧٥.

٣) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب صفة الصلاة، باب يستقبل الإمام الناس إذا سلم (١/١٦٩) رقم الحديث: ٨٤٦.

٤) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب صفة الصلاة، باب يستقبل الإمام الناس إذا سلم (١/١٦٩) رقم الحديث: ٨٤٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

قلنا: قياس التحليل على التكبير باطل؛ لأن التكبير عبادة خالصة بذاته، لأنه ثناء محض حيث يؤدي مستقبل القبلة، ولأنه للدخول في العبادة فصار فرضا، وأما السلام فكلام الناس من وجه بصيغة الخطاب، وثناء من وجه باسم السلام؛ لأنه من أسماء تعالى، وكذلك كان محظورا في الصلاة ويؤدي منحرفا عن القبلة وهو للخروج عن العبادة، فلما تردد جعل فوق النفل ودون الفرض، فجعل واجبا، ولنا ما روينا من حديث ابن مسعود لما علم التشهد: "إذا فعلت هذا أو قلت هذا فقد تمت صلاتك، فإن شئت أن تقوم فقم وإن شئت أن تقعد فاقعد"، فإن النبي ﷺ حكم بتمام الصلاة قبل السلام، وخيره بين القعود والقيام، وهذا ينفي بقاء واجب عليه إلا أنا اثبتنا الوجوب بما رواه احتياطا لتعارض الأدلة ومثله الفرضية؛ لأنه يستدعي دليلا قطعيا، وما ذكر من إفادة الحصر فليس بقطعي، كذا في الهداية وشروحه.[1]

ثم اختلفوا في أن السلام يكون بتسليمتين أو بتسليمة واحدة، فذهب مالك إلى أنه يسلم بتسليمة واحدة أخذا بحديث عائشة، قالت: كان رسول الله ﷺ يسلم في الصلاة تسليمة تلقاء وجهه ثم يميل إلى الشق الأيمن شيئا.[2] قال الشيخ ابن الحجر في شرح المشكاة: أن يبتداء بها ثم يميل إلى الشق الأيمن شيئا يسيرا؛ حتى يرى بياض خده الأيمن كما صرحت به الروايات السابقة.[3]

وفي رسالة ابن أبي زيد في مذهب مالك [4]: ثم تقول: السلام عليكم تسليمة واحدة [عن يمينك] تقصد بها قبالة وجهك وتتيامن برأسك قليلا.

والأئمة الثلاثة علي أنه يسلم تسليمتين، أحدهما عن يمينه والآخر عن يساره؛ لما سبق من حديث ابن مسعود رواه الخمسة ومسلم بمعناه، وصححه الترمذي، وحديث سعد بن أبي وقاص رواه أحمد ومسلم والنسائي.

وقال الشيخ ابن الهمام [5]: وحديث ابن مسعود أرجح مما أخذ به مالك من حديث عائشة ﵂ مرجوح، وروي عن الإمام أحمد في تأويل حديث عائشة ﵂ أن معناه أنه كان

---

١) الهداية: ٥٣/١.

٢) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب منه أيضا [أي ما جاء في التسليم في الصلاة] (٩٠/٢) رقم الحديث: ٢٩٦.

٣) فتح الإله في شرح مشكاة المصابيح: ١٦٩/٤.

٤) رسالة ابن أبي زيد: ٢٤.

٥) فتح القدير: ٣١٩/١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

يجهر بتسليمة واحدة، وقال ابن قدامة [1]: والمعنى في هذا أن الجهر في غير القراءة إنما هو للإعلام وقد حصل بالأولى، وقال: معنى قول عائشة ﵂: "تلقاء وجهه" أنه ﷺ كان يبتدئ بقوله: السلام عليكم إلى القبلة، ثم يلتفت عن يمينه وشماره، والتفاته في أثناء سلامه.

وقال صاحب سفر السعادة [2]: وجاء في حديث عدي بن عميرة: كان يسلم تسليمة واحدة تلقاء وجهه، وإسناده غير قائم عند أهل الحديث، وحديث عائشة: كان رسول الله ﷺ يسلم تسليمة واحدة يرفع بها صوته حتى يوقظنا، أيضا معلل، وبعد تسليم صحته فهو لا يدل صريحا على نفي التسليمة الثانية، يعني ظاهره على أن التسليمة الواحدة كان يرفع بها صوته للإيقاظ، ولا يرفع صوته بالثانية لعدم الحاجة كما ذكرنا من تأويل أحمد.

واعلم أن الترمذي عقد بابا للتسليمتين، وقال بعد إيراد حديث ابن مسعود: وفي الباب عن سعد وابن عمر وجابر بن سمرة والبراء وعمار ووائل بن حجر وعدي ابن عميرة وجابر، وحديث ابن مسعود ﵁، قال: هذا حديث حسن صحيح، وعليه عمل أهل العلم من أصحاب محمد ﷺ ومن بعدهم. وعقد بابا آخر للتسليمة الواحدة وأورد حديث عائشة ﵂، وقال: وفي الباب عن سهل بن سعد، وقال: حديث عائشة ﵂ لم يعرف رفعه إلا بهذا الوجه، وقال محمد بن إسماعيل: زهير بن محمد من أهل الشام يروى عنه مناكير، ورواية أهل العراق عنه أشبه، وكان أحمد بن حنبل يقول: كان زهير بن محمد الذي وقع عندهم ليس هو الذي رووا عنه بالعراق؛ لأنه رجل آخر قلبه اسمه، وقال بعض أهل العلم بتسليمة واحدة، وأصح الروايات من رسول الله ﷺ تسليمتان، وعليه عمل أكثر أهل العلم من أصحاب رسول الله ﷺ والتابعين ومن بعدهم، وقد قال قوم بتسليمة واحدة، وقال الشافعي رحمه الله: إن شاء سلم واحدة وإن شاء سلم تسليمتين، هذا كلام الترمذي. [3]

وقد ظهر منه أن عدي ابن عميرة في جماعة هم قائلون بالتسليمتين، كما قال صاحب سفر السعادة [4]، ولم نجد في الكتب الستة وغيرها حديثا في تسليمة واحدة، والله أعلم.

---

1) المغني: ١/٣٩٩.

2) سفر السعادة: ٤٣.

3) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في التسليم في الصلاة، وباب منه أيضا (٢/٨٩-٩٠) رقم الحديث: ٢٩٥-٢٩٦.

4) سفر السعادة: ٤٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب الذكر بعد الصلاة

اعلم أن الأذكار والدعوات في هذا الباب كثيرة مذكورة في الأحاديث وأشهرها وأقدمها التسبيح والتحميد والتكبير والتهليل، وجاءت على انحاء بتعددة في الروايات مختلفة، فأعرفها وأكثرها ما جاء في رواية مسلم.

عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: من سبح في دبر كل صلاة ثلاثا وثلاثين، وحمد الله ثلاثا وثلاثين، وكبر الله ثلاثا وثلاثين، فتلك تسعة وتسعون، ثم قال: تمام المائة: لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك، وله الحمد، وهو على كل شيء قدير، غفرت له خطاياه، وإن كانت مثل زبد البحر. وكذالك في رواية للموطأ وختم المائة بـ: لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك، وله الحمد، وهو على كل شيء قدير، غفرت له ذنوبه، ولو كانت مثل زبد البحر. [(١)]

وجاء عن كعب بن عجرة رضي الله عنه: أن رسول الله ﷺ قال: معقبات لا يخيب قائلهن أو فاعلهن دبر كل صلاة: ثلاث وثلاثون تسبيحة، وثلاث وثلاثون تحميدة، وأربع وثلاثون تكبيرة. [أخرجه مسلم، والترمذي، والنسائي]. [(٢)]

وهذا أيضا جاء في روايات متعددة بعد الصلاة وعند النوم، [وفي] رواية زاد: فهذه مائة باللسان وألف في الميزان. [(٣)]

---

١) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب استحباب الذكر بعد الصلاة وبيان صفته (١/٤١٨) رقم الحديث: ٥٩٧. ومالك في "الموطأ" كتاب القرآن، باب ما جاء في ذكر الله تبارك وتعالى (١/٢١٠) رقم الحديث: ٢٢.

٢) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب استحباب الذكر بعد الصلاة وبيان صفته (١/٤١٨) رقم الحديث: ٥٩٦. والترمذي في "جامعه" أبواب الدعوات، باب منه [أي ما جاء في التسبيح والتكبير والتحميد عند المنام] (٥/٤٧٩) رقم الحديث: ٣٤١٢. والنسائي في "سننه" كتاب الدعوات، نوع آخر من عدد التسبيح (٣/٧٥) رقم الحديث: ١٣٤٩.

٣) أخرجه ابن الأثير في "جامع الأصول" حرف الدال، الكتاب الأول في الدعاء، الباب الثاني في أقسام الدعاء، الفصل الثاني في أدعية الصلاة مجملا ومفصلا، في الصلاة مطلقا ومشتركا (٤/٢٢٥) رقم الحديث: ٢١٩٩.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وجاء في رواية البخاري عن أبي هريرة وقال فيه: تسبحون في دبر كل صلاة عشرا وتحمدون عشرا، وتكبرون عشرا. وفي رواية لمسلم نحوه.

وفي أخرى يقول سهيل: إحدى عشرة، إحدى عشرة، إحدى عشرة، فجميع ذلك كله ثلاثة وثلاثون.[(١)]

وقال بعض العلماء: لعل هذا القول تفسير بعض الرواة لحديث أبي هريرة.

قال: أمروا أن يسبحوا دبر كل صلاة ثلاثا وثلاثين، ويحمدوا ثلاثا وثلاثين، ويكبروا أربعا وثلاثين، فأري رجل من الأنصار في منامه، قيل: أمركم رسول الله ﷺ أن تسبحوا دبر كل صلاة ثلاثا وثلاثين، وتحمدوا ثلاثا وثلاثين، وتكبروا أربعا وثلاثين؟ قال: نعم، قال: فاجعلوها خمسا وعشرين، واجعلوا فيها التهليل، فلما أصبح أتى النبي ﷺ، فذكر ذلك له، قال: فاجعلوها كذلك. أخرجه النسائي. رواه أحمد والنسائي والدارمي عن زيد بن ثابت.[(٢)]

وجاء في بعض الروايات الغريبة كل واحد من هذه الأذكار مأة مرة ومما ينبغي أن يحافظ عليه أن يقول بعد صلاة الصبح وصلاة المغرب قبل ان يثني رجليه عشرا لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك والحمد وهو على كل شيء قدير. وورد يحيي ويميت، وفي أخرى: وهو حي لا يموت بيده الخير.

ووردت في روايات كثيرة: له فوائد كثيرة في الدنيا والآخرة من الحفظ عن الآفات ومغفرة الذنوب وحصول البركات ورفع الدرجات ما لا يعد ولا يحصى، والدعوات والأذكار بعد الصلاة مطلقا ومشتركة ومنفرد كثيرة، وبالله التوفيق.[(٣)]

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الدعوات، باب الدعاء بعد الصلاة (٨٢/٨) رقم الحديث: ٦٣٢٩. ومسلم في "صحيحه" كتاب المساجد ومواضع الصلاة (٤١٧/١) رقم الحديث: ٥٩٥.

٢) أخرجه النسائي في "سننه" كتاب السهو، باب نوع آخر من عدد التسبيح (٧٦/٣) رقم الحديث: ١٣٥٠. وأحمد في "مسنده" مسند الأنصار، حديث زيد بن ثابت عن النبي ﷺ (٤٧٩/٣٥) رقم الحديث: ٢١٦٠٠، (٥١٥/٣٥) رقم الحديث: ٢١٦٥٩. والدارمي في "سننه" كتاب الصلاة، باب التسبيح في دبر الصلاة (٨٥٤/٢) رقم الحديث: ١٣٩٤.

٣) عن أبي ذر، أن رسول الله ﷺ قال: من قال في دبر صلاة الفجر وهو ثان رجليه قبل أن يتكلم: لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد يحيي ويميت وهو على كل شيء قدير عشر مرات، كتبت له عشر حسنات، ومحي عنه عشر سيئات، ورفع له عشر درجات، وكان يومه ذلك كله في حرز من كل مكروه، وحرس من الشيطان، ولم ينبغ لذنب أن يدركه في ذلك اليوم إلا الشرك بالله. [أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الدعوات، باب [أي ما جاء في فضل التسبيح والتكبير

toobaa-elibrary.blogspot.com

ولم يكن في هذا الباب مما التزمنا ذكره من بيان اختلاف الائمة، فاقتصرنا على هذا؛ وكذلك في سائرالأبواب التي من هذا القبيل.

والتهليل] (٥/٥١٥) رقم الحديث: ٣٤٧٤. والبزار في "مسنده" عبد الرحمن بن غنم عن أبي ذر (٩/٤٣٩) رقم الحديث: ٩٨٧٨.]

٤٠٥٠. والنسائي في "السنن الكبرى" كتاب عمل اليوم والليلة (٩/٥٥) رقم الحديث:

عن المغيرة بن شعبة: أن النبي ﷺ كان يقول في دبر الصلاة: لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد وهو حي لا يموت، بيده الخير وهو على كل شيء قدير، اللهم لا مانع لما أعطيت، ولا معطي لما منعت، ولا ينفع ذا الجد منك الجد. [أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب الميم، المسيب بن رافع عن وراد (٢٠/٣٩٢) رقم الحديث: ٩٢٦. والبزار في "مسنده" مسند عبد الرحمن بن عوف، مما روى سهل بن عبد الرحمن بن عوف عن أبيه (٣/٢٦٠) رقم الحديث: ١٠٥١.]

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب ما لا يجوز من العمل في الصلاة وما يباح منه [١]

عن زيد بن أرقم ﷺ قال: كنا نتكلم في الصلاة، يكلم الرجل صاحبه وهو إلى جنبه، حتى نزلت "وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ" [٢] فأمرنا بالسكوت، ونهينا عن الكلام. أخرجه البخاري ومسلم والنسائي. وفي رواية: كنا نتكلم خلف رسول الله ﷺ في الصلاة... وذكر الحديث.

قال [الترمذي]: وفي الباب عن ابن مسعود، ومعاوية بن الحكم. وحديث زيد بن أرقم حديث حسن صحيح. [٣]

وعن عبد الله بن مسعود قال: كنا نسلم في الصلاة ونأمر بحاجتنا، فقدمت على رسول الله ﷺ وهو يصلي، فسلمت عليه فلم يرد علي السلام، فأخذني ما قدم وما حدث، فلما قضى رسول الله ﷺ الصلاة قال: إن الله يحدث من أمره ما يشاء، وإن الله جل وعز قد أحدث من أمره أن لا تكلموا في الصلاة، فرد علي السلام. أخرجه أبو داود. [٤]

---

١) قوله ما لا يجوز، قال الله تعالى: قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ (١) الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ (٢) وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ. [المؤمنون: ١-٣.] وقال تعالى. حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ. [البقرة: ٢٣٨.] قال تعالى: وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ، الآية. [البقرة: ٤٥.] (الأعظمي.)

٢) البقرة: ٢٣٨

٣) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الجمعة، باب ما ينهى عنه من الكلام في الصلاة (٦٢/٢) رقم الحديث: ١٢٠٠، كتاب تفسير القرآن، سورة البقرة، باب وقوموا لله قانتين (٣٠/٦) رقم الحديث: ٤٥٣٤. ومسلم في "صحيحه" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب تحريم الكلام في الصلاة ونسخ ما كان من إباحته (٣٨٣/١) رقم الحديث: ٥٣٩. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب النهي عن الكلام في الصلاة (٢٤٩/١) رقم الحديث: ٩٤٩. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في نسخ الكلام في الصلاة (٢٥٦/٢) رقم الحديث: ٤٠٥، أبواب تفسير القرآن، باب من سورة البقرة (٢١٨/٥) رقم الحديث: ٢٩٨٦. والنسائي في "سننه" كتاب السهو، باب الكلام في الصلاة (١٨/٣) رقم الحديث: ١٢١٩.

٤) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب رد السلام في الصلاة (٢٤٣/١) رقم الحديث: ٩٢٤.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن معاوية بن الحكم السلمي قال: قال رسول الله ﷺ: إن هذه الصلاة لا يصلح فيها شيء من كلام الناس، إنما هي التسبيح والتكبير وقراءة القرآن أو كما قال رسول الله ﷺ. أخرجه مسلم وأبو داود. (١)

وعن أبي جعفر القارئ: قال كنت أرى عبد الله بن عمر إذا أهوى ليسجد مسح الحصى لموضع جبهته مسحا خفيفا. أخرجه الموطأ. (٢)

وعن جابر [بن عبد الله] رضي الله عنهما: أن رسول الله ﷺ قال: لأن يمسك أحدكم يده عن الحصباء خير له من أن يكون له مائة ناقة كلها سود الحدق، فإن غلب على أحدكم فليمسح مسحة واحدة. أخرجه كذا. (٣)

وعن أبي ذر قال: مسح الحصى لموضع جبهته مسحة واحدة وتركها خير من حمر النعم. موقوفا عليه. (١)

---

١) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب تحريم الكلام في الصلاة (٣٨١/١) رقم الحديث: ٥٣٧. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب تشميت العاطس في الصلاة (٢٤٤/١) رقم الحديث: ٩٣٠. [ولفظ الحديث: عن معاوية بن الحكم السلمي، قال: بينا أنا أصلي مع رسول الله ﷺ، إذ عطس رجل من القوم، فقلت: يرحمك الله فرماني القوم بأبصارهم، فقلت: واثكل أمياه، ما شأنكم؟ تنظرون إلي، فجعلوا يضربون بأيديهم على أفخاذهم، فلما رأيتهم يصمتونني لكني سكت، فلما صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فبأبي هو وأمي، ما رأيت معلما قبله ولا بعده أحسن تعليما منه، فوالله، ما كهرني ولا ضربني ولا شتمني، قال: إن هذه الصلاة لا يصلح فيها شيء من كلام الناس، إنما هو التسبيح والتكبير وقراءة القرآن أو كما قال رسول الله ﷺ قلت: يا رسول الله، إني حديث عهد بجاهلية، وقد جاء الله بالإسلام، وإن منا رجالا يأتون الكهان، قال: فلا تأتهم قال: ومنا رجال يتطيرون، قال: ذاك شيء يجدونه في صدورهم، فلا يصدنهم. - قال ابن الصباح: فلا يصدنكم - قال قلت: ومنا رجال يخطون، قال: كان نبي من الأنبياء يخط، فمن وافق خطه فذاك قال: وكانت لي جارية ترعى غنما لي قبل أحد والجوانية، فاطلعت ذات يوم فإذا الذيب قد ذهب بشاة من غنمها، وأنا رجل من بني آدم، آسف كما يأسفون، لكني صككتها صكة، فأتيت رسول الله ﷺ فعظم ذلك علي، قلت: يا رسول الله أفلا أعتقها؟ قال: ائتني بها فأتيته بها، فقال لها: أين الله؟ قالت: في السماء، قال: من أنا؟ قالت: أنت رسول الله، قال: أعتقها، فإنها مؤمنة.]

٢) أخرجه مالك في "الموطأ" كتاب قصر الصلاة في السفر، باب مسح الحصباء في الصلاة (١٥٧/١) رقم الحديث: ٤٢.

٣) أخرجه رزين كما في "جامع الأصول" حرف الصاد، الكتاب الأول في الصلاة، القسم الأول في الفرائض وأحكامها وما يتعلق بها، الباب الأول في الصلاة وأحكامها، الفصل السادس في شرائط الصلاة وأركانها، الفرع السادس في ترك الأفعال، النوع الأول في مس الحصباء وتسوية التراب (٤٩٣/٥) رقم الحديث: ٣٦٩٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن جابر بن عبد الله قال: كنا نصلي مع رسول الله ﷺ الظهر، فآخذ قبضة من حصى في كفي أبرده، ثم أحوله في كفي الآخر، فإذا سجدت وضعته لجبهتي. أخرجه النسائي. [١]

وعن أبي جعفر القارئ: قال: كنت أصلي وعبد الله بن عمر ورائي، لا أشعر به، فالتفت، فغمزني. أخرجه الموطأ. [٢]

وعن سهل بن الحنظلية رضي الله عنه قال: ثوب بالصلاة، يعني: صلاة الصبح. فجعل رسول الله ﷺ يصلي وهو يلتفت إلى الشعب. وقال: وكان أرسل فارسا إلى الشعب من الليل يحرس. أخرجه أبو داود. [٤]

وعن جابر بن سمرة رضي الله عنه: أن النبي ﷺ قال: لينتهين أقوام يرفعون أبصارهم إلى السماء في الصلاة، أو لا ترجع إليهم. أخرجه مسلم وأبو داود، ولأبي داود قال: دخل رسول الله ﷺ المسجد فرأى فيه ناسا يصلون، رافعي أيديهم إلى السماء، فقال: لينتهين ... وذكر الحديث. [٥]

وعن أنس قال: قال رسول الله ﷺ: يا أنس اجعل بصرك حيث تسجد. أخرجه أبو داود. [٦]

وعن صهيب رضي الله عنه قال: مررت برسول الله ﷺ وهو يصلي، فسلمت عليه، فرد إلي إشارة. وقال: لا أعلم إلا أنه قال: إشارة بإصبعه. أخرجه الترمذي وأبو داود والنسائي. [١]

---

١) أخرجه مالك في "الموطأ" كتاب قصر الصلاة في السفر، باب مسح الحصباء في الصلاة (١/١٥٧) رقم الحديث: ٤٣.

٢) أخرجه النسائي في "سننه" كتاب التطبيق، باب تبريد الحصى للسجود عليه (٢/٢٠٤) رقم الحديث: ١٠٨١.

٣) أخرجه مالك في "الموطأ" كتاب قصر الصلاة في السفر، باب الالتفات والتصفيق عند الحاجة في الصلاة (١/١٦٤) رقم الحديث: ٦٣.

٤) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب الرخصة في ذلك [أي النظر في الصلاة] (١/٢٤١) رقم الحديث: ٩١٦.

٥) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب النهي عن رفع البصر إلى السماء في الصلاة (١/٣٢١) رقم الحديث: ٤٢٨. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب النظر في الصلاة (١/٢٤٠) رقم الحديث: ٩١٢. وابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب الخشوع في الصلاة (١/٣٣٢) رقم الحديث: ١٠٤٥.

٦) أخرجه البيهقي في "السنن الكبرى" كتاب الصلاة، جماع أبواب الخشوع في الصلاة والإقبال عليها، باب لا يجاوز بصره موضع السجود (٢/١٠٣) رقم الحديث: ٣٥٤٥. [لم أعثر عليه في السنن لأبي داود]

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن ابن عمر رضي الله عنهما: قال: خرج رسول ﷺ إلى مسجد قباء يصلي فيه، فجاءته الأنصار، فسلموا عليه وهو يصلي، قال ابن عمر: فقلت لبلال: كيف رأيت رسول الله ﷺ يرد عليهم حين كانوا يسلمون عليه وهو يصلي؟ قال: هكذا وبسط كفه، وجعل بطنه أسفل، وظهره إلى فوق. أخرجه أبو داود، وأخرجه الترمذي: قال: ابن عمر: قلت لبلال: كيف كان النبي ﷺ يرد عليهم حين كانوا يسلمون عليه وهو في الصلاة؟ قال: كان يشير بيده.

وفي رواية: كان يرد إشارة، وفي رواية النسائي عوض بلال، صهيب.[٢]

وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال النبي ﷺ: التسبيح للرجال، يعني في الصلاة، والتصفيق للنساء. أخرجه الجماعة إلا الموطأ. وقال الترمذي: قال علي: كنت إذا استأذنت على النبي ﷺ سبح.[٣]

وعن عبد الله بن الشخير رضي الله عنه: قال: صليت مع رسول الله ﷺ فرأيته تنخع فدلكها بنعله اليسرى. أخرجه مسلم. وفي رواية أبي داود قال: أتيت رسول الله ﷺ وهو يصلي فبزق

---

١) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب رد السلام في الصلاة (١/٢٤٣) رقم الحديث: ٩٢٥. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في الإشارة في الصلاة (٢/٢٠٣) رقم الحديث: ٣٦٧. والنسائي في "سننه" كتاب السهو، باب رد السلام بالإشارة في الصلاة (٣/٥) رقم الحديث: ١١٨٦، ١١٨٧.

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب رد السلام في الصلاة (١/٢٤٣) رقم الحديث: ٩٢٧. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في الإشارة في الصلاة (٢/٢٠٤) رقم الحديث: ٣٦٨. والنسائي في "سننه" كتاب السهو، باب رد السلام بالإشارة في الصلاة (٣/٥) رقم الحديث: ١١٨٦. وابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها (١/٣٢٥) رقم الحديث: ١٠١٧.

٣) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الجمعة، باب التصفيق للنساء، (٢/٦٣) رقم الحديث. ١٢٠٣. ومسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب تسبيح الرجال وتصفيق المرأة (١/٣١٨) رقم الحديث: ٤٢٢. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب التصفيق في الصلاة (١/٢٤٧) رقم الحديث: ٩٣٩، باب الإشارة في الصلاة (١/٢٤٨) رقم الحديث: ٩٤٤. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء أن التسبيح للرجال والتصفيق للنساء (٢/٢٠٥) رقم الحديث: ٣٦٩. والنسائي في "سننه" كتاب السهو، باب التسبيح في الصلاة (٣/١١) رقم الحديث: ١٢٠٧، ١٢٠٨، ١٢٠٩، ١٢١٠. وابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها (١/٣٢٩) رقم الحديث: ١٠٣٤.

toobaa-elibrary.blogspot.com

تحت قدمه اليسرى. زاد في أخرى: ثم دلكه بنعله. وفي رواية النسائي: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم تنخع فدلكه برجله اليسرى.(١)

وعن أبي بصرة ﷺ: قال: بزق رسول الله ﷺ في ثوبه، وحك بعضه ببعض. وعن أنس مثله. أخرجه أبو داود.(٢)

وعن عائشة ﷺ قالت: استفتحت الباب ورسول الله ﷺ يصلي تطوعا والباب على القبلة فمشى عن يمينه أو عن يساره، ففتح الباب ثم رجع إلى مصلاه. أخرجه النسائي.(٣)

وعن أبي هريرة ﷺ: أن رسول الله ﷺ نهى عن السدل في الصلاة، وأن يغطي الرجل فاه. أخرجه الترمذي وأبو داود.(٤)

وعن الأزرق بن قيس قال: كنا بالأهواز نقاتل الحرورية، فبينا أنا على جرف نهر، إذ جاء رجل، فقام يصلي، وإذا لجام دابته بيده، فجعلت الدابة تنازعه، وجعل يتبعها. قال شعبة: هو أبو برزة الأسلمي. فجعل الرجل من الخوارج يقول: اللهم افعل بهذا الشيخ، فلما انصرف الشيخ قال: إني سمعت قولكم، وإني غزوت مع رسول الله ﷺ ست غزوات، أو سبع غزوات، أو ثمان. وشهدت تيسيره، وإني [إن] كنت أرجع مع دابتي أحب إلي من أن أدعها ترجع إلى مألفها، فيشق علي.

وفي أخرى: قال: كنا على شاطئ النهر بالأهواز، وقد نضب عنه الماء، فجاء أبو برزة على فرس، فصلى، وخلى فرسه، فانطلقت الفرس، فترك صلاته وتبعها، حتى أدركها فأخذها، ثم جاء فقضى صلاته، وفينا رجل له رأي فأقبل يقول: انظروا إلى هذا الشيخ؟ ترك صلاته من أجل فرس، فأقبل فقال: ما عنفني أحد منذ فارقت رسول الله ﷺ، قال: وقال:

---

١) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب النهي عن البصاق في المسجد (١/٣٩٠) رقم الحديث: ٥٥٤. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في كراهية البزاق في المسجد (١/١٣٠) رقم الحديث: ٤٨٢. والنسائي في "سننه" كتاب المساجد، باب بأي الرجلين يدلك بصاقه (٢/٥٢) رقم الحديث: ٧٢٧.

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب البصاق يصيب الثوب (١/١٠٦) رقم الحديث: ٣٨٩.

٣) أخرجه النسائي في "سننه" كتاب السهو، باب المشي أمام القبلة خطى يسيرة (٣/١١) رقم الحديث: ١٢٠٦. [جئت يوما من خارج. هذا لفظ ابن الأثير في "جامع الأصول" ٥/٥٠٠ رقم الحديث: ٣٧١٥]

٤) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب ما جاء في السدل في الصلاة (١/١٧٤) رقم الحديث: ٦٤٣. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في كراهية السدل في الصلاة (٢/٢١٧) رقم الحديث: ٣٧٨.

toobaa-elibrary.blogspot.com

إن منزلي متراخ، فلو صليت وتركته لم آت أهلي إلى الليل، وذكر أنه قد صحب النبي صلى الله عليه وسلم، فرأى من تيسيره. أخرجه البخاري.[1]

وعن أبي قتادة ﷺ: أن رسول الله ﷺ كان يصلي وهو حامل أمامة بنت زينب بنت رسول الله ﷺ [لأبي العاص بن ربيعة بن عبد شمس] فإذا سجد وضعها، وإذا قام حملها.

وفي رواية: رأيت رسول الله ﷺ يؤم الناس وأمامة بنت أبي العاص على عاتقه، فإذا ركع وضعها وإذا رفع من السجود أعادها. أخرجه البخاري ومسلم.

وأخرج الموطأ وأبو داود والنسائي الأولى. وفي أخرى لأبي داود ومسلم: قال: بينا نحن جلوس في المسجد، إذ خرج علينا رسول الله ﷺ يحمل أمامة بنت أبي العاص بن الربيع، وأمها زينب بنت رسول الله ﷺ، وهي صبية، فحملها على عاتقه، فصلى رسول الله وهي على عاتقه، يضعها إذا ركع، ويعيدها إذا قام حتى قضى صلاته، يفعل ذلك بها.

وفي أخرى له قال: بينا نحن ننتظر رسول الله ﷺ في الظهر أو العصر، وقد دعاه بلال إلى الصلاة إذ خرج إلينا وأمامة بنت أبي العاص بنت بنته على عنقه، فقام رسول الله صلى الله عليه وسلم في مصلاه، وقمنا خلفه، وهي في مكانها الذي هي فيه. قال: فكبر فكبرنا، حتى إذا أراد رسول الله ﷺ أن يركع أخذها فوضعها، ثم ركع وسجد، حتى إذا فرغ من سجوده وقام، أخذها فردها في مكانها، فما زال رسول الله ﷺ يصنع بها ذلك في كل ركعة حتى فرغ من صلاته.[2]

---

1) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الجمعة، باب إذا انفلتت الدابة في الصلاة (٦٤/٢) رقم الحديث: ١٢١١، كتاب الأدب، باب قول النبي ﷺ: " يسروا ولا تعسروا " (٣٠/٨) رقم الحديث: ٦١٢٧.

2) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب إذا حمل جارية صغيرة على عنقه في الصلاة (١٠٩/١) رقم الحديث: ٥١٦، كتاب الأدب، باب رحمة الولد وتقبيله ومعانقته (٧/٨) رقم الحديث: ٥٩٩٦. ومسلم في "صحيحه" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب جواز حمل الصبيان في الصلاة (٣٨٥/١) رقم الحديث: ٥٤٣. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب العمل في الصلاة (٢٤١/١) رقم الحديث: ٩١٧، ٩١٨، ٩١٩، ٩٢٠. والنسائي في "سننه" كتاب المساجد، باب إدخال الصبيان المساجد (٤٥/٢) رقم الحديث: ٧١١، كتاب الإمامة، باب ما يجوز للإمام من العمل في الصلاة (٩٥/٢) رقم الحديث: ٨٢٧، كتاب السهو، باب حمل الصبيان في الصلاة ووضعهن في الصلاة (١٠/٣) رقم الحديث: ١٢٠٤، ١٢٠٥. ومالك في "الموطأ" كتاب قصر الصلاة في السفر، باب جامع الصلاة (١٧٠/١) رقم الحديث: ٨١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أبي هريرة، قال: كنا نصلي مع رسول الله ﷺ العشاء، فإذا سجد وثب الحسن والحسين على ظهره، فإذا رفع رأسه، أخذهما بيده من خلفه أخذا رفيقا، فيضعهما على الأرض، فإذا عاد عادا، حتى قضى صلاته، الحديث. رواه أحمد. (١)

وعن عبد الله ابن عباس رضي الله عنهما: أنه رأى عبد الله بن الحارث ورأسه معقوص من ورائه، فقام وراءه فجعل يحله، فلما انصرف أقبل إلى ابن عباس، فقال: مالك ورأسي؟ فقال: إني سمعت رسول الله ﷺ يقول: إنما مثل هذا مثل الذي يصلي، وهو مكتوف. أخرجه مسلم وأبو داود والنسائي. (٢)

وعن أبي سعيد المقبري: أن أبا رافع مولى رسول الله ﷺ مر بالحسن بن علي وهو يصلي قائما، وقد غرز ضفر رأسه. وعند الترمذي: وقد عقص ضفره في قفاه، فحلها أبو رافع، فالتفت حسن إليه مغضبا، فقال أبو رافع: أقبل إلى صلاتك ولا تغضب، فإني سمعت رسول الله ﷺ يقول: ذلك كفل الشيطان، يعني: مقعد الشيطان، يعني مغرز ضفره. أخرجه أبو داود والترمذي. (٣)

وعن عبد الله بن الأرقم ﷺ: كان يؤم أصحابه، فحضرت الصلاة يوما، فذهب لحاجته، ثم رجع فقال: إني سمعت رسول الله ﷺ يقول: إذا أراد أحدكم الغائط فليبدأ به قبل الصلاة. أخرجه الموطأ والنسائي. وعند الترمذي قال: أقيمت الصلاة، فأخذ بيد رجل فقدمه وكان إمام القوم وقال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: إذا أقيمت الصلاة ووجد أحدكم الخلاء فليبدأ بالخلاء. (٤)

---

١) أخرجه أحمد في "مسنده" مسند المكثرين من الصحابة، مسند أبو هريرة ﷺ (٣٨٦/١٦) رقم الحديث: ١٠٦٥٩.

٢) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب أعضاء السجود والنهي عن كف الشعر والثوب وعقص الرأس في الصلاة (٣٥٥/١) رقم الحديث: ٤٩٢ وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب الرجل يصلي عاقصا شعره (١٧٤/١) رقم الحديث: ٦٤٧. والنسائي في "سننه" كتاب التطبيق، باب مثل الذي يصلي ورأسه معقوص (٢١٥/٢) رقم الحديث: ١١١٤.

٣) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب الرجل يصلي عاقصا شعره (١٧٤/١) رقم الحديث: ٦٤٦. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في كراهية كف الشعر في الصلاة (٢٢٣/٢) رقم الحديث: ٣٨٤.

٤) أخرجه وأبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب أيصلي الرجل وهو حاقن؟ (٢٢/١) رقم الحديث: ٨٨. والترمذي في "جامعه" أبواب الطهارة، باب ما جاء إذا أقيمت الصلاة ووجد أحدكم الخلاء فليبدأ به (٢٦٢/١) رقم الحديث: ١٤٢. والنسائي في "سننه" كتاب الإمامة، باب العذر في ترك الجماعة (١١٠/٢) رقم الحديث:. مالك في "الموطأ" كتاب قصر الصلاة في السفر، باب النهي عن الصلاة والإنسان يريد حاجة

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن عائشة ﵂: أن رسول الله ﷺ قال: لا صلاة بحضرة الطعام، ولا لمن يدافعه الأخبثان. أخرجه مسلم.[1]

وقال في جامع الأصول: قال رزين: قال أبو عيسى في كتاب الشرح له: ومما نهى عنه رسول الله ﷺ: صلاة الحاقن، والحاقب، والحازق، والمسبل، والمختصر، والمصلب، والصافن، والصافد، والكافت، والواصل، والملتفت، والعابث باليد، والمسدل، وعن مسح الحصباء من الجبهة قبل الفراغ من الصلاة، وأن يصلي بطريق من يمر بين يديه.[2]

الفصل الثامن

لمن يؤمر بإعادة الصلاة

عن مطيع بن الأسود قال: صلى عمر بن الخطاب بالناس الصبح، ثم ذكر احتلاما فاغتسل، ثم أعاد صلاة الصبح ولم يأمر أحدا بإعادة الصلاة. رواه البيهقي.[3]

وعن خالد بن اللجلاج أن عمر بن الخطاب صلى يوما للناس فلما جلس في الركعتين الأوليين أطال الجلوس، فلما استقل قائما نكص خلفه فأخذ بيد رجل من القوم فقدمه مكانه، فلما خرج إلى العصر صلى للناس، فلما انصرف أخذ بجناح المنبر، فحمد الله وأثنى عليه، ثم قال: أما بعد أيها الناس فإني توضأت للصلاة، فمررت بامرأة من أهل بيتي فكان مني ومنها ما شاء الله أن يكون، فلما كنت في صلاتي وجدت بللا، فخيرت نفسي بين أمرين: إما أن أستحيي منكم وأجترئ على الله، وإما أن أستحيي من الله وأجترئ

(١٥٩/١) رقم الحديث: ٤٩. وابن ماجه في "سننه" كتاب الطهارة وسننها، باب ما جاء في النهي للحاقن أن يصلي (٢٠٢/١) رقم الحديث: ٦١٦.

١) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب كراهة الصلاة بحضرة الطعام الذي يريد أكله في الحال (٣٩٣/١) رقم الحديث: ٥٦٠.

٢) ابن الأثير في "جامع الأصول" حرف الصاد، الكتاب الأول في الصلاة، القسم الأول في الفرائض وأحكامها وما يتعلق بها، الباب الأول في الصلاة وأحكامها، الفصل السادس في شرائط الصلاة وأركانها، الفرع الثامن في أحاديث متفرقة، مدافعة الأخبثين (٥٢٩/٥) رقم الحديث: ٣٧٥٦.

٣) أخرجه البيهقي في "سنن الكبرى" كتاب الصلاة، جماع أبواب الصلاة بالنجاسة وموضع الصلاة من مسجد ونحوه (٥٥٨/٢) رقم الحديث: ٤٠٧٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

عليكم، فكان أن أستحيي من الله وأجترئ عليكم أحب إلي، فخرجت فتوضأت وجددت صلاتي، فمن صنع منكم كما صنعته فليصنع كما صنعت. رواه البيهقي. (١)

وعن محمد بن عمرو بن الحارث أن عثمان صلى بالناس وهو جنب، فلما أصبح نظر في ثوبه احتلاما فقال: كبرت والله ألا أني أرى أجنب، ثم لا أعلم ثم أعاد ولم يأمرهم أن يعيدوا. رواه الدار قطني والبيهقي. (٢)

وعن الأعمش، عن أبي سفيان، قال: سئل جابر بن عبد الله عن الرجل يضحك في الصلاة فقال: يعيد الصلاة ولا يعيد الوضوء. رواه البيهقي، وقال: وروي مرفوعا، وحديث القهقهة مداره على أبي العالية مرسلا، ومراسيله ضعيفة. (٣)

وعن عاصم بن ضمرة عن علي أنه صلى بالناس جنبا، ثم أمر ابن النباح فنادى من كان صلى مع علي أمير المؤمنين الصبح فليعد الصلاة فإنه صلى بالناس وهو جنب. رواه عبد الرزاق والبيهقي. (٤)

وعن أبي هريرة، أن رسول الله ﷺ قال: إن من الجفاء أن يكثر الرجل مسح جبهته قبل الفراغ من صلاته. رواه ابن ماجة. (٥)

وعن زيد بن وهب قال: مر عبد الله بن مسعود على رجل ساجد ورأسه معقوص فحله، فلما انصرف قال له عبد الله: لا تعقص، فإن شعرك يسجد، وإن بكل شعرة أجرا قال: إنما عقصته لكي لا يترب. قال: إن يترب خير لك. رواه عبد الرزاق. (٦)

---

١) أخرجه البيهقي في "السنن الكبرى" كتاب الصلاة، جماع أبواب موقف الإمام والمأموم، باب الصلاة بإمامين أحدهما بعد الآخر (٣/١٦١) رقم الحديث: ٥٢٥٧.

٢) أخرجه الدار قطني في "سننه" كتاب الصلاة، باب صلاة الإمام وهو جنب أو محدث (٢/١٨٨) رقم الحديث: ١٣٧٢. والبيهقي في "السنن الكبرى" كتاب الصلاة، جماع أبواب موقف الإمام والمأموم، باب الصلاة بإمامين أحدهما بعد الآخر (٢/٥٥٨) رقم الحديث: ٤٠٧٤.

٣) أخرجه البيهقي في "السنن الكبرى" كتاب الطهارة، جماع أبواب الحدث، باب ترك الوضوء من القهقهة في الصلاة (١/٢٢٥) رقم الحديث: ٦٧٢.

٤) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الصلاة، باب الرجل يؤم القوم وهو جنب أو على غير وضوء (٢/٣٥٠) رقم الحديث: ٣٦٦١.

٥) أخرجه ابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما يكره في الصلاة (١/٣٠٩) رقم الحديث: ٩٦٤.

٦) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الصلاة، باب كف الشعر والثوب (٢/١٨٤) رقم الحديث: ٢٩٩٦.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن القاسم بن أبي أمامة قال: صلى عمر بالناس وهو جنب، فأعاد ولم يعد الناس، فقال له علي: قد كان ينبغي لمن صلى معك أن يعيدوا فرجعوا إلى قول علي قال القاسم وقال ابن مسعود مثل قول علي. رواه عبد الرزاق. (١)

وعن علي قال: أيما رجل دخل في الصلاة فأصابه رز في بطنه أو قيء أو رعاف فخشي أن يحدث قبل أن يسلم الإمام فليجعل يده على أنفه، وإن كان يريد أن يعتد بما قد مضى فلا يتكلم حتى يتوضأ، ثم يتم ما بقي، فإن تكلم فليستقبل صلاته وإن كان قد تشهد وخاف أن يحدث قبل أن يسلم الإمام فليسلم فقد تمت صلاته. [رواه عبد الرزاق والبيهقي.](٢)

وعن جابر ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: إذا ضحك الرجل في الصلاة فإنه يعيد الصلاة ولا يعيد والوضوء. رواه عبد الرزاق. (٣)

وعن ابن عباس قال: النفخ في الصلاة بمنزلة الكلام. (٤) ومن كان منكم يضحك فليعد الوضوء والصلاة، رواه هشيم. (٥)

وعن أبي العلاء قال: بينا النبي ﷺ يصلي إذ أقبل رجل في بصره سوء فمر على بئر عليها خصفة فوقع في البئر فضحك بعض أصحاب رسول الله ﷺ، فلما قضى النبي ﷺ صلاته قال: من كان منكم ضحك فليعد الوضوء وليعد الصلاة. رواه عبد الرزاق. (٦)

وعن أبي جحيفة قال: مر النبي ﷺ على رجل سادل ثوبه في الصلاة فعطفه عليه. رواه ابن النجار. (٧)

---

١) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الصلاة، باب الرجل يؤم القوم وهو جنب أو على غير وضوء (٢/٣٥٩) رقم الحديث: ٣٦٦٢.

٢) أخرجه البيهقي في "السنن الكبرى" كتاب الصلاة، جماع أبواب الكلام في الصلاة، باب من قال يبني من سبقه الحدث على ما مضى من صلاته (٢/٣٦٣) رقم الحديث: ٣٣٨٦. وعبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الصلاة، باب الرجل يحدث ثم يرجع قبل أن يتكلم (٢/٣٣٨) رقم الحديث: ٣٦٠٦.

٣) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الصلاة، باب الضحك والتبسم في الصلاة (٢/٣٧٧) رقم الحديث: ٣٧٦٦.

٤) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الصلاة، باب النفخ في الصلاة (٢/١٨٩) رقم الحديث: ٣٠١٨.

٥) لم أعثر.

٦) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الصلاة، باب الضحك والتبسم في الصلاة (٢/٣٧٦) رقم الحديث: ٣٧٦٣.

٧) أخرجه ابن النجار كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأفعال، الباب الثاني في أحكامها وأركانها ومفسداتها، فصل في مفسدات الصلاة ومكروهاتها (٨/١٧٣) رقم الحديث: ٢٢٤٣٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن نافع أن ابن عمر كان يكره أن يصلي الرجل وهو متلثم. [رواه عبد الرزاق] (١)

وعن قتادة قال: سئل ابن عمر عن الاعتماد على الجدر في الصلاة" فقال: "إنا لنفعله وإن ذلك ينقص من الأجر. رواه عبد الرزاق. (٢)

وعن علي قال: قال رسول الله ﷺ: يكره أن يصلي الرجل ورأسه معقوص [أو يعبث بالحصى أو يتفل قبل وجهه أو عن يمينه. رواه عبد الرزاق]. (٣)

وعن مجاهد قال: مر عمر بن الخطاب على ابن له وهو يصلي ورأسه معقوص فجبذه حتى صرعه. رواه عبد الرزاق. (٤)

وعن ابن عمر: أنه قتل البق في صلاته حتى رأى دمه في يده.

وعن عمر قال: قال رسول الله ﷺ: لا تعالجوا الأخبثين في الصلاة: الغائط والبول. (٥)

وعن زيد بن أسلم أن عمر بن الخطاب قال: لا يصلي أحدكم وهو ضام وركيه. رواه مالك. (٦)

---

١) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الصلاة، باب الرجل يصلي وهو متلثم (٢/٤٥٤) رقم الحديث: ٤٠٦٢.

٢) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الصلاة، باب الرجل يصلي وهو معتمد على الجدر (٢/٢٧٧) رقم الحديث: ٣٣٥٢.

٣) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الصلاة، باب كف الشعر والثوب (٢/١٨٤) رقم الحديث. ٢٩٩٤.

٤) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الصلاة، باب كف الشعر والثوب (٢/١٨٢) رقم الحديث: ٢٩٩٢.

٥) أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب صلاة التطوع والإمامة وأبواب متفرقة، باب في مدافعة الغائط والبول في الصلاة (٢/١٨٤) رقم الحديث: ٧٩٢٩ وعبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الصلاة، باب مدافعة البول والغائط في الصلاة (١/٤٥١) رقم الحديث: ١٧٦٢. [وفيه: لا تدافعوا الأخبثين.]

٦) أخرجه مالك في "الموطأ" كتاب قصر الصلاة في السفر، باب النهي عن الصلاة والإنسان يريد حاجة (١/١٦٠) رقم الحديث: ٥٠. [ولفظه: لا يصلين أحدكم وهو ضام بين وركيه.]

toobaa-elibrary.blogspot.com

تنبيه

الكلام في هذا الباب في موضعين.

الأول في التكلم بكلام الناس في الصلاة:

فعندنا التكلم في الصلاة مفسد لها سواء كان عمدا أو سهوا، كذلك عند الإمام أحمد إلا من الإمام إذا تكلم لمصلحة الصلاة؛ فانه لا تبطل صلاته كما في قصة ذي اليدين، وسيجيء الكلام فيها في باب سجود السهو، إن شاء الله تعالى.

وعند الشافعي لا تفسد صلاة الناسي والساهي، وقال الشافعي: إن تكلم عامدا بطلت الصلاة قل الكلام أو كثر، وإن تكلم ساهيا إن قل لا يفسد، وإن كثر فله فيه قولان، وكذا إن تكلم مخطيا أو مكرها، كذا في بعض شروح الهداية.

وقال في الحاوي وشرحه [1]: ويبطل الصلاة بكلام البشر، وبجنس كلامهم كقوله للعاطس يرحمك الله لا بإشارة الأخرس؛ لقوله ﷺ: إن صلاتنا هذه لا يصلح بها شيء من كلام الأدميين، إنما هي التسبيح والتكبير وتلاوة القرآن، وقال: إلا في قليل سبق لسانه أو سهى أو جهل لحرجه لقرب الإسلام، وفي شرحه: هذا بيان لأعذار الكلام في الصلاة، وذلك في القليل منه دون الكثير، لندوره لقطع نظم الصلاة بالكثير، والرجوع في الفرق بين الكثير والقليل مفوض إلى العادة، فمن الأعذار النسيان، واستدلوا عليه بحديث ذي اليدين فإنه ﷺ أتم مابقي الصلاة وسجد للسهو.

ومنها سبق اللسان إلى الكلام من غير قصد منه، وهذا فوق الناسي؛ لأن الناسي يتكلم قاصدا إليه، وإنما غفل عن الصلاة وهذا غير قاصد.

ومنها الجهل بتحريم الكلام على المصلي، ومنه قصة معاوية بن الحكم السلمي كما ذكر في أول الباب؛ لأنه كان حديث عهد بالجاهلية كما قال في آخر الحديث، ولهذا لم يأمره بإعادة الصلاة واكتفى بتعليمه برفق من غير تكير وتشديد، هكذا ذكر في هذا الكتاب وجزم بأن الجهل بالحرمة مع الجهل بكونه مبطلا عذر، وذكر لهذا أمثلة، وقال من نظائره: أن يعلم أن شرب الخمر حرام، ولا يعلم أنه موجب للحد فإنه يحد بخلاف ما إذا لم يعلم التحريم وكذا المحرم أو أعلم بأنه طيب، ولم يعلم بأن عينه بعين فعليه الفدية، بخلاف إذا لم يعلم كونه طيبا، فافهم.

---

1) الحاوي الصغير: ١٦٨.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وتمسك الشافعي في عدم فساد الصلاة بالتكلم خطاء أونسيانا لحديث المتفق على صحته وهو قوله عليه الصلاة والسلام: رفع عن أمتي الخطأ والنسيان وما استكرهوا عليه، وتقريره أن المراد رفع الحكم لا لأن عين هذه الأشياء غير مرفوع عن الأمة، والحكم نوعان: حكم الدنيا وهو الفساد، وحكم الآخرة وهو الإثم، ومسمى الحكم يشتملهما، فيناولهما على إرادة مسمى، وعندنا المرفوع هو الإثم؛ لأن رفع الحكم يثبت اقتضاءا، والمقتضى لا عموم له عندنا وإنما يثبت به قدر ما يصح به الكلام، وإرادة الإثم مجمع عليه فلا يراد غيره، وإلا لزم تعميمه وهو في غير محل الضرورة، ومن اعتبره في الحكم الأعم من حكم الدنيا والآخرة فقد عممه من حيث لا يدري إذ قد أثبته في غير محل الضرورة.

ومن صحيح الكلام إذا طال الكلام ساهيا فإنه يقول بالفساد، وإن رفع الشرع فساده وجب شمول الصحة وإلا فشمول العدم، ونقول أيضا: إن في الحمل على الإثم توفيقا بين الحديثين، وقول الجواز والفساد مبناه على وجود السبب وعدمه ومبنى الثواب والعقاب على وجود العزيمة وعدمها، كذا في شرح ابن الهمام، فتدبر.[1]

هذا وقد يقيس الشافعي الكلام على السلام ساهيا؛ فإنه لا يفسد اتفاقا، ونقول: السلام من الأذكار أي من أذكار الصلاة، فالسلام على النبي ﷺ وعلى عباد الله الصالحين مشروع في التشهد، وهو اسم من اسماء الله تعالى، وإن أخذ حكم الكلام بكاف الخطاب، وإنما يتحقق معنى الخطاب فيه عند القصد، فإن وقع ناسيا شبهناه بالأذكار، واعتبرناه ذكرا، وإن كان عامدا شبهناه بالكلام واعتبرناه كلاما.

وقد تقيس الصلاة على الصوم؛ فإنه لا ينقضه الأكل والشرب نسيانا، وأجيب بالفرق بين الصوم والصلاة؛ بأن في الصلاة حالة مذكرة، فلا يعذر بخلاف الصوم؛ فإنه ليست فيه حالة مذكرة مع اعتياد الآدمي بالأكل والشرب فيعذر.

الثاني في البكاء والتاوه والأنين:

والمذهب في ذلك عندنا إن كان من ذكر الجنة أو النار لم يقطعها، وكان من ألم أو مصيبة قطعها، وروى عن عائشة أنها سألت النبي ﷺ عن الأنين في الصلاة، فقال: إن كان من خشية الله لم يقطع الصلاة، وإن كان من ألم قطع، قالوا: الأنين من ذكر الجنة أو النار يدل على زيادة الخشوع طمعا في الجنة وخوفا من النار، فالمصلي إذا أن أو تاوه؛ كأنه قال: أسأل الجنة

---

1) فتح القدير: ١/٣٩٥-٣٩٦.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وأعوذ به من النار، ولوصرح بهذا لم يفسد صلاته، والخشوع تزيين للصلاة وتحلية له، وقد وصف الله تعالى خليله إبراهيم عليه السلام بالأواه؛ لأنه كان كثيرا التاوه في الصلاة؛ حتى يروى أنه يسمع أنينه من ميل، وهذا غريب فكأنه صدر هذا منه في حين معجزة له، والله أعلم.

وقد روى أن نبينا ﷺ كان يصلي [بالليل] ولجوفه أزيز كأزيز المرجل، يعني: يبكي. وفي رواية: وفي صدره أزيز كأزيز الرحا من البكاء. (١)

وهذا ما ذكر في الهداية (٢) وشروحه مع ما ذكر بعض المشائخ من خلاف أبي يوسف من أن قوله آه لا يفسد في الحالين وأوه يفسد. وقيل: أوه -بتشديد الواو- يفسد باتفاق المشائخ، وذكر الشيخ ابن الهمام (٣): إن الأنين والبكاء والتاوه يقطع مطلقا إذا حصل منه حرفان.

وقال في الحاوي وشرحه: يبطل الصلاة بكلام البشر حرفين، وإن لم يفهم منهما شيء ذلك من جنس الكلام، والكلام ينقسم إلى مفهم وغير مفهم، أو حرف مثل ق و ش، أمرين من وقى يقي ووشى يشي، ولو بكره، وضحك وبكاء لإشتمال المفهم على مقصود الكلام، وأشعاره بالأعراض عن الصلاة، وأما الحرف الواحد الغير المفهم فليس من جنس الكلام فلا يضر، أو حرف ممدود بألف أو واو أو ياء نحو آ، أو، أي، أي فضمها إلى حرف كضم حرف آخر إليه، وقوله: ولو بكره وضحك وبكاء أي ولو كان ظهور الحرفين أو حرف بكره فإنه أيضا يبطل كما لو أكره على أن يصلى بلا وضوء أو قاعدا في فرض؛ فإنه يجب عليه الإعادة، والإكراه لندرته يفارق النسيان وضحك وبكاء أي ولو كان ظهور الحرف والحرفين بواسطة ضحك أو بواسطة بكاء وأنين لدين أو دنيا، وتنحنح تيسرت القراءة دونه ويبطل الصلاة، وبظهور حرفين أو حرف مفهم بواسطة تنحنح تيسرت القراءة بدونه أي بدون التنحنح، أما لو تعذرت إلا بالتنحنح كان معذورا، ويفهم منه أنه إن تيسرت القراءة ولكن تعذر الجهر لو لم يتنحنح لم يعذر إذ الجهر أدب وسنة، ولا ضرورة إلى احتمال التنحنح

---

١) اخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب البكاء في الصلاة (١/٢٣٨) رقم الحديث: ٩٠٤. والنسائي في "سننه" كتاب السهو، باب البكاء في الصلاة (٣/١٣) رقم الحديث: ١٢١٤. وأحمد في "مسنده" مسند المدنيين، حديث مطرف بن عبد الله عن أبيه (٢٦/٢٣٨) رقم الحديث: ١٦٣١٢، ١٦٣١٧، ١٦٣٢٦.

٢) الهداية: ١/٦٢.

٣) فتح القدير: ١/٣٩٨.

toobaa-elibrary.blogspot.com

له، وإن تنحنح الإمام وظهر منه حرفان فللمأموم المداومة على متابعته إذا الأصل بقاء العبادة، والظاهر من حالة الاحتراز عن المبطلات، ويحمل على كونه مغلوبا، وإذا كان مغلوبا فلا بأس أو يحمل على تعذر القراءة بدونه، ولم يغلبه والخال أنه لم يغلبه أي لم يغلب المصلي كل واحد من الضحك والبكاء والأنين والتنحنح، فإنه لو غلب عليه وظهر حرف مفهم أو حرفان فصاعدا لا تبطل الصلاة.

وذكر في حاشية الشرح: لو جهل كون التنحنح مبطلا؛ فالأصح في الوسيط والروضة أنه معذور لخفاء حكمه على العوام، ولو علم أن من جنس الكلام محرم، ولم يعلم أن ما أتى محرم فهو معذور على الأصح، هذا كله مذهب الشافعي وذكرت لفظ الحاوي مع شرحه تيسيرا للفهم.[(١)]

ثم اعلم أنه قد وقع على لسان الفقهاء تقسيم الفعل إلى القليل والكثير، وإن الفعل الكثير يفسد الصلاة دون القليل، وقد اختلفوا في تفسير الفعل الكثير على أقوال متعددة وقد ذكرناها في الشرح، ولم نجد هذا اللفظ الأحاديث، والله أعلم.

ولم يقسم عندنا القول إلى القليل والكثير؛ فإن الكلام يبطل الصلاة عندنا سواء كان عمدا أو سهوا، قليلا أو كثيرا، والشافعية خصوا الإبطال بالعمد في الأقوال والأفعال، وقسموا كلامنهما إلى القليل والكثير، وقالوا: الرجوع في الفرق بين القليل والكثير إلى العادة، فتدبر.

وقد اشكلوا إشكالا يطلب الفرق بين الفعل والقول بالقلة والكثرة، وخصوا الإبطال في الفعل بالكثير دون القليل، وفي القول عمموا، وأجابوا بأنه لا يجوز اعتبار الفعل بالقول؛ لأن الاحتراز عن أصل الفعل الذي ليس من الصلاة غير ممكن، وإن في الحي حركات هي أفعال ليست من الصلاة، ولا يمكن الاحتراز عنها فلم يكن مفسدا حتى يكثر بخلاف الأقوال.

الثالث في أنه هل يفسد صلاة المأموم بتبيين فساد صلاة الإمام أم لا؟

فعندنا يفسد، وعند الشافعي لا متمسكا بحديث أبي هريرة ذكره صاحب المشكاة في الفصل الثالث من هذا الباب: أن النبي ﷺ خرج إلى الصلاة، فلما كبر انصرف وأوما إليهم

---

١) الحاوي الصغير: ١٦٨. الشرح الكبير للقزويني: ٢/٤٤-٤٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

أن كما كنتم، ثم خرج فاغتسل، ثم جاء ورأسه يقطر فصلى بهم، فلما صلى قال: إني كنت جنبا فنسيت أن أغتسل. رواه أحمد، وروى مالك عن عطاء بن يسار مرسلا. (١)

وذكر الشيخ ابن الهمام في تاليد مذهب الحنفية (٢): ماروى محمد بن الحسن في كتاب الآثار: أخبرنا إبراهيم بن يزيد المكي عن عمرو بن دينار: أن علي بن أبي طالب ﷺ قال في الرجل يصلي بالقوم جنبا قال: يعيد ويعيدون، ورواه عبد الرزاق: وحدثنا إبراهيم بن يزيد المكي، عن عمرو بن دينار، [عن جعفر]: أن عليا ﷺ صلى بالناس وهو جنب أو على غير وضوء، فأعاد وأمرهم أن يعيدوا.

ومما يستدل به على المذهب ما أخرجه الإمام أحمد بسند صحيح عن النبي ﷺ قال: الإمام ضامن، فبطلان صلاة الإمام يقتضي بطلان صلاة المقتدي، إذ لا يتضمن المعدوم الموجود، وما أسند أبو داود (٣): أنه ﷺ دخل في صلاة الفجر فأومأ بيده أن مكانكم، ثم جاء ورأسه يقطر ماء فصلى بهم، فلما قضى الصلاة. قال: إنما أنا بشر وإني كنت جنبا، [وسنده صحيح،] ولكن لا يقتضي أن ذلك كان بعد شروعهم لجواز كون التذكر [كان] عقيب تكبيره بلا مهلة قبل تكبيرهم.

هذا وحديث علي ﷺ الذي ذكره في الجامع برواية أحمد (٤)، قال: بينما نحن مع رسول الله ﷺ نصلي إذ انصرف ونحن قيام، ثم أقبل ورأسه يقطر، الحديث. يدل بظاهره على أنهم كانوا في الصلاة، فتدبر على أن الذي في مسلم قال: فأتى النبي ﷺ حتى قام في مصلاه قبل أن يكبر ذكر فانصرف، فإن كان هذا المراد بقوله في حديث أبي داود: دخل في صلاة الفجر على إرادة دخل في مكانها، فلا إشكال، وإن كانا قضيتين فالجواب ما علمت.

وروي عن أبي أمامة قال: صلى أمير المؤمنين عمر ﷺ بالناس جنبا فأعاد ولم يعد الناس، فقال علي ﷺ: قد كان ينبغي لمن صلى معك أن يعيد، قال: فرجعوا إلى قول علي

---

١) أخرجه أحمد في "مسنده" مسند المكثرين من الصحابة، مسند أبي هريرة ﷺ (٤٧٨/١٥) رقم الحديث: ٩٧٨٦. ومشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب ما لا يجوز من العمل في الصلاة، الفصل الثالث (٣١٩/١) رقم الحديث: ١٠٠٩.

٢) فتح القدير: ٣٧٤/١.

٣) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في الجنب يصلي بالقوم وهو ناس (٦٠/١) رقم الحديث: ٢٣٣، ٢٣٤.

٤) كنز العمال: ١٦٧/٨، رقم الحديث: ٢٢٤٠٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

ﷺ، وقال القاسم: وقال ابن مسعود رضي الله عنهما مثل قول علي ﷺ، ويثبت المطلوب أيضا بالقياس على ما قالوا لو بان أنه صلى بغير إحرام لا تجوز صلاتهم إجماعا، والمصلي بلا طهارة لا إحرام له، والفرق بين ترك الركن والشرط لا أثر له، إنتهى كلام الشيخ ابن الهمام.

وفي حديث أبي هريرة: إذا فسدت صلاة الإمام فسدت صلاة من خلفه. رواه الخطيب في المتفق والمتفرق. [1]

ثم اعلم بعد الاطلاع على معنى الفعل الكثير قد يتطرق الإشكال في بعض الأحاديث، منها حديث رويته ﷺ في الصلاة عفريتا من الجن ومجيئه بشهاب من نار؛ ليجعله في وجهه ﷺ وأخذ ﷺ، وأخذه ﷺ، ولعنه إياه، وبسط اليد إليه ليأخذه، الحديث. [2]

وحديث رفعه ﷺ أمامة بنت زينب على عاتقه، ووضعها على الأرض عند ركوعه، ثم أعادها بعد السجود، وكذلك في كل ركعة [3]، ووضعه الحسن والحسين على ظهره في السجدة على الأرض فإذا أعاد عادا حتى قضي صلاته.

والجواب أنه ليس فيما ذكر فعل كثير سوى الأخذ والبسط في حديث العفريت، ولم يكن رفع أمامة ووضعها بفعله ﷺ؛ بل كانت تعلق وتسقط بنفسها من غير فعل منه ﷺ وإن كان ظاهر لفظ الحديث ناظرا إلى ذلك، فليتدبر.

وكذلك الحسن والحسين كان أخذ هما ووضعهما بالرفق، كما جاء في حديث أبي هريرة رواه أحمد، قال: كنا نصلي مع رسول الله ﷺ العشاء، فإذا سجد وثب الحسن والحسين على ظهره، فإذا رفع رأسه، أخذهما بيده من خلفه أخذا رفيقا، فيضعهما على الأرض، فإذا عاد عادا، حتى قضى صلاته، أقعدهما على فخذيه، [قال: فقمت إليه،] فقلت: [يا رسول الله،] أردهما، فبرقت برقة، فقال لهما: الحقا بأمكما، قال: فمكث ضوؤها حتى دخلا. [4]

---

1) أخرجه الخطيب في "المتفق والمفترق" باب اخاء، الحسن بن صالح أبو علي البكدي (١/٦٦٧).
2) لم أقف عليه.
3) أخرجه أحمد في "مسنده" تتمة مسند الأنصار، حديث أبي قتادة الأنصاري (٣٧/٢٧٦) رقم الحديث: ٢٢٥٨٤.
4) أخرجه أحمد في "مسنده" مسند المكثرين من الصحابة، مسند أبي هريرة (١٦/٣٨٦) رقم الحديث: ١٠٦٥٩.

toobaa-elibrary.blogspot.com

ثم ذكر في الهداية [1]: أنه إذا قرأ الإمام من المصحف فسدت صلاته عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى، وقالا: هي تامة؛ لأنها عبادة انضافت إلى عبادة أخرى، والنظر في المصحف عبادة؛ لقوله ﷺ: أعطوا أعينكم حظها من العبادة، قالوا: يا رسول الله وما حظها من العبادة؟ قال: النظر في المصحف والتفكر فيه والاعتبار عند عجائبه [2]، إلا أنها يكره؛ لأنه صنيع أهل الكتاب يعني اليهود، فإنهم يقرؤن كتابهم في الصلاة من المصاحف، ووضعت صنيع هذه الأمة؛ بأن اناجيلهم في صدورهم أي يقرؤن كتابهم في الصلاة على ظهر القلب، على خلاف عادة أهل الكتاب.

ولأبي حنيفة رحمه الله تعالى [3]: أن حمل المصحف والنظر فيه وتقليب الأوراق عمل كثير ولأنه تلقن من المصحف فصار كما إذا تلقن من غيره، وهو يفسد الصلاة وكذا منه.

ويحكي عن الشافعي: أنه لا يكره مطلقا سواء كان موضوعا أو محمولا، أما الوضع فلا بأس فيه، وأما الحمل فلأنه ﷺ صلى حاملا أمامة بنت أبي العاص، وحمل القرآن ليس أثقل وأكثر من حمل أمامة.

قال الشيخ ابن الهمام [4]: المعول في رفع قول الشافعي على كون القراءة من المصحف في حكم التلقن من الغير، فإن فعل الخارج لا أثر له في الفساد؛ بل المؤثر فعل من فعل الصلاة.

ثم لم يفصل في الجامع الصغير بين القليل والكثير في الفساد، وقيل: إن قرأ آية تفسد، وقيل: بل قدر الفاتحة ولو كان يحفظ إلا أنه نظر فقرأ لا تفسد، وقد روى من ذكوان مولى عائشة ﵁: أنه كان يؤم لها في شهر رمضان، وكان يقرأ من المصحف، وهو محمول على أنه كان موضوعا، فعل ذكوان هو الحامل لوضع المسئلة في الإمام في الجامع الصغير، وقيل: قيد اتفاقي.

---

1) الهداية: ١/٦٣.
2) نوادر الأصول: ٢/٢٥٥.
3) الهداية: ١/٦٣.
4) فتح القدير: ١/٤٠٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب سجود السهو

عن عبد الله بن مالك بن بحينة: أن رسول الله ﷺ قام من اثنتين من الظهر، لم يجلس بينهما، فلما قضى صلاته سجد سجدتين، ثم سلم بعد ذلك. أخرج هذا الحديث الجماعة. وفيه روايات متعددة.

وفي رواية: فلما قضى صلاته، وانتظر الناس تسليمه: كبر فسجد قبل أن يسلم، ثم رفع رأسه ثم كبر فسجد، ثم رفع رأسه، وسلم.[1]

وعن زيد بن علاقة: صلى بنا المغيرة بن شعبة، فنهض في الركعتين، فقلنا: سبحان الله! فقال: سبحان الله! [ومضى فلما أتم صلاته سجد سجدة قبل السلام ثم سلم.] وفي رواية: فلما أتم صلاته وسلم، سجد سجدتي السهو، فلما انصرف قال: رأيت النبي صلى الله عليه وسلم يصنع كما صنعت.

[قال أبو داود: وفعل كفعل المغيرة: سعد ابن أبي وقاص، وعمران بن حصين، والضحاك، ومعاوية، وأفتى به ابن عباس، وعمر بن عبد العزيز.][2]

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الأذان، باب من لم ير التشهد الأول واجبا لأن النبي ﷺ قام من الركعتين ولم يرجع (١/١٦٥) رقم الحديث: ٨٢٩، باب التشهد في الأولى (١/١٦٦) رقم الحديث: ٨٣٠، كتاب الجمعة، باب ما جاء في السهو إذا قام من ركعتي الفريضة (٢/٦٧) رقم الحديث: ١٢٢٤، باب من يكبر في سجدتي السهو (٢/٦٨) رقم الحديث: ١٢٣٠، كتاب الأيمان والنذور، باب إذا حنث ناسيا في الأيمان (٨/١٣٦) رقم الحديث: ٦٦٧٠. ومسلم في "صحيحه" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب السهو في الصلاة والسجود له (١/٣٩٩) رقم الحديث: ٥٧٠. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب من قام من ثنتين ولم يتشهد (١/٢٧١) رقم الحديث: ١٠٣٤، ١٠٣٥. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في سجدتي السهو قبل التسليم (٢/٢٣٥) رقم الحديث: ٣٩١. والنسائي في "سننه" كتاب التطبيق، باب ترك التشهد الأول (٢/٢٤٤) رقم الحديث: ١١٧٧، ١١٧٨، كتاب السهو، باب ما يفعل من قام من اثنتين ناسيا ولم يتشهد (٣/١٩) رقم الحديث: ١٢٢٢، ١٢٢٣، باب التكبير في سجدتي السهو (٣/٣٤) رقم الحديث: ١٢٦١. ومالك في "الموطأ" كتاب الصلاة، باب من قام بعد الإتمام أو في الركعتين (١/٩٦) رقم الحديث: ٦٥. وابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها (١/٣٨١) رقم الحديث: ١٢٠٦، ١٢٠٧.

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب من نسي أن يتشهد وهو جالس (١/٢٧٢) رقم الحديث: ١٠٣٦، ١٠٣٧. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في الإمام ينهض في الركعتين ناسيا (٢/١٩٨) رقم الحديث: ٣٦٤، ٣٦٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقال الترمذي: عن الشعبي، قال: صلى بنا المغيرة بن شعبة فنهض في الركعتين، فسبح به القوم وسبح بهم، فلما قضى صلاته سلم، ثم سجد سجدتي السهو وهو جالس، ثم حدثهم: أن رسول الله ﷺ فعل بهم مثل الذي فعل.

قال أبو عيسى: وفي الباب عن عقبة بن عامر، وسعد، وعبد الله ابن بحينة، وحديث المغيرة بن شعبة قد روي من غير وجه [عن المغيرة بن شعبة].

وقال: والعمل على هذا عند أهل العلم: على أن الرجل إذا قام في الركعتين مضى في صلاته وسجد سجدتين منهم من رأى قبل التسليم، ومنهم من رأى بعد التسليم، ومن رأى قبل التسليم فحديثه أصح لما روى الزهري، ويحيى بن سعيد الأنصاري، عن عبد الرحمن الأعرج، عن عبد الله ابن بحينة. وحديث المغيرة بن شعبة أيضا حسن صحيح. (١)

وعن عمران بن حصين: أن النبي ﷺ صلى بهم فسها، فسجد سجدتين، ثم تشهد، ثم سلم. أخرجه الترمذي. (٢)

وعن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه: قال: قال رسول الله ﷺ: إذا شك أحدكم في صلاته، فلم يدر: [كم صلى: ثلاثا، أو أربعا؟ فليطرح الشك، وليبن على ما استيقن، ثم يسجد سجدتين قبل أن يسلم، فإن كان صلى خمسا، شفعن له صلاته، وإن كان صلى إتماما لأربع، كانتا ترغيما للشيطان.] (٣)

---

١) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في الإمام ينهض في الركعتين ناسيا (٢/١٩٨) رقم الحديث: ٣٦٤، ٣٦٥.

٢) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في التشهد في سجدتي السهو (٢/٢٤٠) رقم الحديث: ٣٩٥.

٣) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب المساجد، باب السهو في الصلاة والسجود له (١/٤٠٠) رقم الحديث: ٥٧١. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب إذا شك في الثنتين والثلاث من قال يلقي الشك (١/٢٦٩) رقم الحديث: ١٠٢٤، ١٠٢٦، ١٠٢٧، ١٠٢٩. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في الرجل يصلي فيشك في الزيادة والنقصان (٢/٢٤٣) رقم الحديث: ٣٩٦. والنسائي في "سننه" كتاب السهو، باب إتمام المصلي على ما ذكر إذا شك (٣/٢٧) رقم الحديث: ١٢٣٨، ١٢٣٩. ومالك في "الموطأ" كتاب الصلاة، باب إتمام المصلي ما ذكر إذا شك في صلاته (١/٩٥) رقم الحديث: ٦٢. [وفيه: عن عطاء بن يسار] وابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء فيمن شك في صلاته فرجع إلى اليقين (١/٣٨٢) رقم الحديث: ١٢١٠.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن عبد الرحمن بن عوف ﷺ: قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: إذا سها أحدكم في صلاته، فلم يدر: واحدة صلى، أو ثنتين؟ فليبن على واحدة، فإن لم يدر: ثنتين صلى، أو ثلاثا؟ فليبن على ثنتين، فإن لم يدر: ثلاثا صلى، أو أربعا؟ فليبن على ثلاث، وليسجد سجدتين قبل أن يسلم. أخرجه الترمذي. أخرجه الترمذي.[1]

تنبيه

الكلام في هذا الباب في أربعة مواضع.

الأول: أن سجدتي السهو قبل السلام أو بعده:

وقد عرف من الأحاديث الواردة في الباب أنه ﷺ سجد في بعض المواضع قبل السلام، وفي بعضها بعد السلام، والظاهر أن يحمل على أنه ﷺ كان يفعل تارة قبل السلام وأخرى بعده، فكلاهما سنة، فالشافعي يسجد في الجميع قبل السلام ترجيحا للأحاديث الواردة فيه على غيرها، وقيل: هو رحمه الله [يدعى] أن الأحاديث الواردة في السجود بعد السلام منسوخة، ويقول: كان آخر فعله ﷺ أنه يسجد قبله، ولم يثبت، والله أعلم.

وإمامنا الأعظم يسجد في الكل بعد السلام، ورجح هذه الأحاديث على غيرها بكثرتها وقوتها، فقد جاء في الكتب الستة عن ابن مسعود ﷺ أنه سجد رسول الله ﷺ بعد السلام، وإن جاء فيها أيضا عن عبد الله ابن بحينة ﷺ أنه سجد قبلها، كذا ذكره الشيخ ابن الهمام[2]، أو بحديث رواه أبو داود وابن ماجه وأحمد وعبد الرزاق عن ثوبان ﷺ أن رسول الله ﷺ قال: لكل سهو سجدتان بعد ما يسلم، وتقريره أن فعله ﷺ جاء متعارضا فتمسكنا بقوله، وهو أقوى عندنا من الفعل كما ثبت في أصول الفقه خصوصا عند التعارض، لكن ضعف البيهقي إسماعيل بن عياش الذي تفرد بحديث ثوبان ﷺ، والحق أنه ثقة؛ لأن يحي بن معين الذي هو أشد المحدثين في تحقيق الرجال، ويقال له: محك الرجال وثقه، وقد حققه الشيخ ابن الهمام.

وقد يرجح أيضا بالقياس على ما هو المذهب من الرجوع إلى القياس عند تعارض الحديثين وتقديم الحديث الذي يوافق القياس، وهو أن سجدة السهو لا تتكرر، فينبغي أن تكون بعد السلام، حتى لو سها عن السلام جبر عنه أيضا كذا قال الشمني، وقال أيضا:

---

١) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب فيمن يشك في الزيادة والنقصان (٢/٢٤٤) رقم الحديث: ٣٩٨.

٢) فتح القدير: ١/٥٠٠.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وهو قول سعد بن أبي وقاص وعبد الله بن مسعود وعمار بن ياسر وابن عباس وابن الزبير ﷺ أجمعين.

وقال الإمام أحمد: يسجد للسهو قبل السلام في محل ورد سجود النبي ﷺ قبله ويسجد بعد السلام في محل سجد ﷺ بعده.

وقال الإمام مالك: كل سهو للنقصان سجد له قبل السلام، ولسهو الزيادة بعد السلام، قال: وإن اجتمع السهوان سجد لهما قبل السلام، وعليه المزني وأبو ثور من أئمة الشافعية، ورجح ابن عبد البر قوله على أقوال الأئمة بأن فيه جمعا بين الخبرين، وقال ابن دقيق العيد: لا شك أن الجمع أولى من الترجيح.

ولا يخفى أن الجمع بين الخبرين في هذا المذهب إنما هو باعتبار أن السجدة واقعة بين الصورتين أعني قبل السلام وبعده، ولكن يلزم فيه مخالفة بعض الأحاديث كحديث ذي اليدين فإن فيه سهوا بالنقصان، ومع ذلك السجدة فيه بعد السلام، وأيضا هذا التوزيع في الصورتين إنما يصح على تقدير إن لم يثبت الحديث القولي من ثوبان، ولما ورد ذلك مطلقا سواء كان في الزيادة والنقصان، سقط هذا التوزيع الذي اعتبره [مالك رحمه الله]، ولزم حمل اختلاف الفعلين على جواز الأمرين.

وقال ابن عبد البر أيضا في ترجيح مذهب مالك رحمه الله: إن هذا الفرق موافق لنظر العقل؛ لأن في النقص جبرا، فينبغي أن يكون داخل أصول الصلاة، وفي الزيادة ترغيم الشيطان، فينبغي أن يكون خارجا، وتعقب بأن كون السجود في الزيادة لأجل ترغيم الشيطان فقط ممنوع، ففيه أيضا [معنى] الجبر من جهة رفع الخلل، لأن الزيادة في الصلاة نقص، وإن كان في صورة الزيادة وصورة النقص أيضا تتضمن ترغيم الشيطان، وأيضا لماذا وجب أن يكون الترغيم خارج الصلاة؟ لم لا يجوز أن يكون الترغيم فيها؟ والترغيم ليس فعلا زائدا على السجدة، وهو من جنس الصلاة.

وقال الثوري: أقوى المذاهب قول مالك، ثم قول أحمد، وقال آخرون: بل مذهب أحمد أقوى إذ ليس فيه مخالفة الحديث، وهو يعمل كل حديث فيما ورد فيه، ونقل عن أحمد رحمه الله أنه قال: لو لم يكن في هذا الباب شيء مرويا من رسول الله ﷺ لكنت حكمت أن السجدة قبل السلام، ولكن لا يخفى أن الحديث القولي الذي مر يرجح مذهب الإمام أبي حنيفة كما قررناه.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وينبغي أن يعلم أن هذا الاختلاف المذكور في السجود بأن يكون قبل السلام أو بعده إنما هو في الأفضلية والأولوية، وإلا فلا اختلاف في أصل الجواز لتعارض الأدلة، كما صرح به في كتب الأئمة الأربعة.

وأما كون السلام واحدا فاختيار فخر الإسلام وقول محمد، وفي المحيط: أنه هو الأصوب؛ قالوا: لأن السلام الأول للتحليل، والثاني للتحية، فكان ضم الثاني إليه عبثا، وقال فخر الإسلام: يسلم تلقاء وجهه، وقيل: عن اليمين.

وفي الهداية [١]: الصحيح أن يسلم تسليمتين وهو اختيار شمس الأئمة وقول أبي يوسف رحمه الله حملا للسلام المذكور في الحديث على المعهود في الصلاة، وهو تسليمتان كذا ذكر الشمني، وقد ذكر أن صدر الإسلام أخا فخر الإسلام كان ينسبه إلى البدعة في قوله بالسلام الواحد، فقال فخر الإسلام: قد أشار محمد رحمه الله في كتاب الأصل إليه، فلا يكون بدعة، كذا في شرح ابن الهمام. [٢]

والثاني الكلام في التشهد بعد سجود السهو:

وهو مذكور في بعض الأحاديث، ولم يذكر في بعضها، وهو ثابت في مذهب أبي حنيفة وأحمد رحمهما الله وبعض المالكية والشافعية لحديث عمران بن حصين ﷺ على ما رواه أبو داود والترمذي وقال: هذا حديث حسن غريب، وإن لم يكن مذكورا في حديث مسلم عنه، وقالوا: قد تفرد أحد رواة الترمذي بزيادة التشهد مع مخالفته لبقية الرواة وكثرتهم وحفظهم وإتقانهم، فيكون هذا الحديث شاذا، وتمسك بعض الشافعية ممن هو قائل بالتشهد بحديث الترمذي، وقالوا: له طرق كثيرة أبلغته حد الحسن، وقال الحاكم: هو صحيح على شرط الشيخين.

وقد تمسك الحنفية بحديث ابن مسعود ﷺ عند أبي داود والنسائي [٣] قال: قال رسول الله ﷺ: إذا كنت في صلاة فشككت في ثلاث أو أربع، وأكثر ظنك على أربع تشهدت، ثم سجدت سجدتين وأنت جالس قبل أن تسلم، ثم تشهدت أيضا، ثم تسلم، ذكره الشمني.

---

١) الهداية: ٧٤/١.

٢) فتح القدير: ٥٠١/١.

٣) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب من قال: يتم على أكبر ظنه (٢٧٠/١) رقم الحديث: ١٠٢٨. والنسائي في "سننه" كتاب السهو، باب التحري (٢٩/٣) رقم الحديث: ١٢٤٥، ١٢٤٦.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقال في فتح الباري [١]: ورواه البيهقي عن المغيرة ﷺ أيضا، وإسنادهما ضعيف، ومع ذلك له طرق يبلغ بها درجة الحسن، وقال: إنه عند ابن أبي شيبة عن ابن مسعود ﷺ بلغ درجة الصحة، وعقد البخاري في صحيحه بابا وترجم له: "باب من لم يتشهد في سجود السهو" قال: سلم أنس والحسن ولم يتشهدا، وقال قتادة: لا يتشهد، ثم ساق حديث ذي اليدين ليس فيه التشهد، وقال في آخر الباب عن سلمة ابن علقمة: قلت لمحمد يعني ابن سيرين: في سجدتي السهو تشهد؟ قال: ليس في حديث أبي هريرة ﷺ، انتهى.

ويفهم من هذا القول أن في غير حديث أبي هريرة تشهد كما في حديث عمران بن حصين.

وقال الترمذي [٢]: اختلف أهل العلم في التشهد بعد سجدتي السهو، فقال بعضهم: فيه تشهد وتسليم، وقال آخرون: ليس فيه التشهد، بل فيه التسليم، وذهب أحمد وإسحاق إلى أنه إن سجد قبل السلام لم يتشهد، انتهى.

والأصح من قول الشافعي أن التشهد بعد سجود السهو غير مسنون، وقال بعضهم: الأصح أنه مسنون، وقيل: القول بالتشهد عنده مبني على القول القديم.

ثم اختار الكرخي من أصحابنا أن يأتي بالصلاة على النبي ﷺ وبالدعاء في التشهد الذي بعد سجود السهو؛ لأن موضعها آخر الصلاة، وفي الهداية [٣]: أنه الصحيح، وفي بعض شروح "الهداية": أن الصواب أن يقرأ في الأول، وقال الطحاوي: يأتي بهما في الذي قبله والذي بعده؛ لأن كلا منهما في آخر الصلاة، كذا قال الشمني، وقال الشيخ ابن الهمام[٤]: وقول الطحاوي أحوط، كذا في "فتاوى قاضيخان"، والله أعلم.

---

١) فتح الباري: ٩٩/٣.

٢) الجامع للترمذي: ٢/ ٢٤٠، رقم الحديث: ٣٩٥.

٣) الهداية: ٧٤/١.

٤) فتح القدير: ٥٠٢/١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

الثالث:

أن ظاهر حديث عطاء بن يسار عن أبي سعيد قال: قال رسول الله ﷺ: إذا شك أحدكم في صلاته فلم يدر كم صلى ثلاثا أو أربعا، فليطرح الشك، وليبن على ما استيقن، الحديث[1]. يدل على أنه يبني على ما استيقن ولا يعمل بالتحري وهو مذهب الجمهور، وقال الترمذي[2]: وعند بعض أهل العلم في صورة الشك يعيد الصلاة.

وقال أبو حنيفة رحمه الله: يعيد إن شك أول مرة، أي: لم يكن الشك عادة له، وإلا يتحرى بالظن الغالب، ويعمل به، وبعد التحري إن لم يحصل غلبة الظن في جانب واحد يبني على الأقل وسجد للسهو، لأن البناء على الظن الغالب أصل مقرر في الشرع كما في القبلة ونحوها.

وقد جاء في الصحيحين[3] عن ابن مسعود رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: إذا شك أحدكم فليتحر الصواب وليتم عليه ثم ليسلم ثم سجد سجدتين، [بعد ما يفرغ وهو جالس[4]].

وقال محمد رحمه الله في الموطأ[5]: إن الآثار في باب تحري غالب الظن كثيرة، وقال: إن لم يفعل كذلك فالنجاة من السهو والشك متعذر، وفي الإعادة في صورة كثرة الشك والاعتياد به حرج عظيم.

---

١) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب المساجد، باب السهو في الصلاة والسجود له (١/٤٠٠) رقم الحديث. ٥٧١. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب إذا شك في الثنتين والثلاث من قال يلقي الشك (١/٢٦٩) رقم الحديث: ١٠٢٤، ١٠٢٦-١، ١٠٢٧، ١٠٢٩. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في الرجل يصلي فيشك في الزيادة والنقصان (٢/٢٤٣) رقم الحديث: ٣٩٦. والنسائي في "سننه" كتاب السهو، باب إتمام المصلي على ما ذكر إذا شك (٣/٢٧) رقم الحديث: ١٢٣٨، ١٢٣٩. ومالك في "الموطأ" كتاب الصلاة، باب إتمام المصلي ما ذكر إذا شك في صلاته (١/٩٥) رقم الحديث: ٦٢. [وفيه: عن عطاء بن يسار] وابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء فيمن شك في صلاته فرجع إلى اليقين (١/٣٨٢) رقم الحديث: ١٢١٠.

٢) الجامع للترمذي: ٢/٢٤٣، رقم الحديث: ٣٩٦.

٣) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب التوجه نحو القبلة (١/٨٩) رقم الحديث: ٤٠١. ومسلم في "صحيحه" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب السهو في الصلاة والسجود له (١/٤٠٠) رقم الحديث: ٥٧٢.

٤) أخرجه النسائي في "سننه" كتاب السهو، باب التحري (٣/٢٩) رقم الحديث: ١٢٤٥.

٥) الموطأ لمحمد: ٦٦، رقم الحديث: ١٤١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وأقول وبالله التوفيق: الحاصل أنه قد ثبت في هذا الباب أحاديث ثلاثة، أحدها: إذا شك أحدكم في الصلاة فليستأنف أو كما قال، وثانيها: من شك في صلاته فليتحر الصواب، وثالثها: هذا الحديث الناطق بأن المدار على ما استيقن، فجمع أبو حنيفة رحمه الله بينها، فحمل الأول على عروض الشك أول مرة، والثاني على صورة وقوع التحري على أحد الجانبين، والثالث: على عدم التحري عليه، وهذا كمال الجامعية الذي ابتنى مذهب أبي حنيفة رحمه الله عليه، فإن قلت: الشك تساوي الطرفين، فغلبة الظن لا مدخل فيها؟ قلنا: هذا اصطلاح جديد من أرباب العقول، وفي اللغة وكذلك في الشرع الشك يقابل اليقين، فيشمل الظن والوهم أيضا.

الرابع: الكلام في حديث ذي اليدين

اعلم أن لشراح الحديث في بيان علوم [هذا] الحديث كلاما طويلا، واستوفاه الشيخ في فتح الباري [1]، ولو نقلناه جميعا لطال الخطب، ولكن نورد منها كلامين يهم تقلهما.

أحدهما في قوله ﷺ: كل ذلك لم يكن، أي: لا قصر ولا نسيان، وهذا إخبار على خلاف الواقع، وقد أجمعوا على عدم جواز السهو في الأخبار، و إنما الخلاف في الأفعال.

والثاني في وقوع التكلم وأفعال أخر منه ﷺ مع إتمام الصلاة وعدم استئنافها.

وقيل في الجواب عن الإشكال الأول: إن عدم جواز النسيان في الأقوال والأفعال إنما هو إذا كان متعلقا بتبليغ الشرائع والوحي لا في جملة الأخبار، وهذا الوجه ضعيف، إذ الإخبار بخلاف الواقع كذب ومعصية يجب براءته لسماحة عزه ﷺ عن ذلك، وقد علم يقينا عادة الصحابة ﷺ في المبادرة إلى تصديق أقواله والتوثيق بجميع أخباره ﷺ في أي باب كان وأي شيء كان، وهذا مذهب جمهور العلماء، وهم يؤولون قوله: "كل ذلك لم يكن" بأن المراد: في اعتقادي هكذا، لا في نفس الأمر، وهذا خبر صادق بلا شبهة، أو هو كناية عن عدم الشعور فكأنه قال: لم أشعر، وهذا أيضا صادق، وقيل: إن النسيان في هذا القول تابع للنسيان في الفعل وفي حكمه، ولا محذور فيه، ولزوم الكذب مندفع بما ذكر، وههنا أجوبة آخر في غاية الضعف والبعد نقلناها في شرح سفر السعادة. [2]

---

١) فتح الباري: ٣/١٠١.

٢) شرح سفر السعادة: ١٠١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقيل في الجواب عن الإشكال الثاني: أن الإتيان بالمنافي والتكلم بطريق السهو لا يمنع جواز البناء وعدم الاستئناف، وهذا الجواب لا يتم في التكلم من ذي اليدين وبعض الصحابة الذين تكلموا؛ لأن تكلمهم لم يكن بسهو، إلا أن يقال: إنهم كانوا تابعين له ﷺ فلم يكن لهم حكم مستقل، وفيه ما فيه.

ثم لا يخفى أن الجواب المذكور لا يجري على مذهب الحنفية أن التكلم بالسهو والنسيان مبطل للصلاة ولا يكون عذرا، وهم يقولون: إن قصة ذي اليدين وقعت على خلاف القياس فيقتصر على موردها، وفيه تأمل، وقال بعضهم: إن هذه القصة وقعت قبل نسخ جواز الكلام في الصلاة، وهذا الجواب لا يصح، لما قيل: إن إسلام أبي هريرة ﷺ متأخر عنه، وهو راوي حديث ذي اليدين، فلا يكون قبل النسخ بل بعده؛ لأن تأخر إسلام الراوي لا يقتضي تأخر حديثه، ولا ينافي رواية القصة السابقة بالسماع من صحابي متقدم الإسلام كما تقرر في أصول الحديث، لا ينفع؛ بل يرد لأن أبا هريرة ﷺ كان حاضرا في هذه القصة، فيكون وقوع هذه القصة بعد إسلام أبي هريرة المتأخر من نسخ الكلام في الصلاة، لأن إسلامه كان في غزوة خيبر سنة سبع، وتحريم الكلام في سنة رجوع الصحابة من عند النجاشي كما سبق، وهو متقدم.

والطحاوي حمل قوله: "صلى بنا" على المجاز، أي: صلى بالمسلمين، وهو خلاف الظاهر مع أن مسلما وأحمد وغيرهما رووا أنه قال: بينما أنا أصلي مع رسول الله ﷺ، وهذا يدافع هذا التأويل قطعا، كذا في فتح الباري[1]، وقال بعضهم: إن هذا الكلام من رسول الله ﷺ وذي اليدين كان بالإشارة والإيماء، وهذا أيضا بعيد، وفي شرح كنز الدقائق المسمى بـ البحر الرائق[2]: إنا ما وجدنا جوابا شافيا عن هذا الاعتراض.

ومذهب الإمام أحمد أن الكلام في الصلاة عامدا أو ساهيا مبطل للصلاة إلا أن يكون لمصلحة الصلاة من الإمام والمأموم كما في هذه القصة، والله أعلم.

---

١) فتح الباري: ٩٧/٣.

٢) البحر الرائق: ٣/٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب سجود القرآن [(١)]

عن أبي هريرة ﷺ: قال: قال رسول الله ﷺ: إذا قرأ ابن آدم السجدة فسجد، اعتزل الشيطان يبكي، يقول: يا ويلتي، أمر ابن آدم بالسجود فسجد، فله الجنة، وأمرت بالسجود فأبيت فلي النار. أخرجه مسلم. [(٢)]

وعن أبي سعيد الخدري ﷺ: قال: قرأ رسول الله ﷺ سورة "ص" وهو على المنبر، فلما بلغ السجدة نزل، فسجد، وسجد الناس معه، فلما كان يوم آخر قرأها، فلما بلغ السجدة تشزن الناس للسجود، فقال رسول الله ﷺ: إنما هي توبة نبي، ولكني رأيتكم تشزنتم، فنزل فسجد وسجدوا. أخرجه أبو داود. [(٣)]

وعن عن [عبد الله] بن مسعود ﷺ، قال: أول سورة أنزلت فيها سجدة والنجم، قال: فسجد رسول الله ﷺ وسجد من خلفه إلا رجلا رأيته أخذ كفا من تراب فسجد عليه، فرأيته بعد ذلك قتل كافرا، وهو أمية بن خلف. أخرجه البخاري. [(٤)]

وعن زيد بن ثابت ﷺ: قال: قرأت على رسول الله ﷺ "النجم"، فلم يسجد فيها. أخرجه البخاري ومسلم والترمذي وأبو داود، وقال أبو داود: وكان زيد الإمام، فلم يسجد فيها. [(٥)]

---

١) قوله سجود القرآن، قال الله تعالى: فما لهم لا يؤمنون (٢٠) وإذا قرئ عليهم القرآن لا يسجدون. [الانشقاق: ٢١-٢٢.] وقال تعالى: وإذا قيل لهم اسجدوا للرحمن قالوا وما الرحمن أنسجد لما تأمرنا وزادهم نفورا. [الفرقان: ٦٠.] وقال تعالى: إنما يؤمن بآياتنا الذين إذا ذكروا بها خروا سجدا، الآية. [السجدة: ١٥.] (الأعظمي)

٢) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الإيمان، باب بيان إطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة (١/٨٧) رقم الحديث: ٨١.

٣) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب السجود في "ص" (٢/٥٩) رقم الحديث: ١٤١٠.

٤) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الجمعة، باب سجدة النجم (٢/٤١) رقم الحديث: ١٠٧٠، كتاب المغازي، باب قتل أبي جهل (٥/٧٥) رقم الحديث: ٣٩٧٢، كتاب تفسير القرآن، باب فاسجدوا لله واعبدوا [النجم: ٦٢] (٦/١٤٢) رقم الحديث: ٤٨٦٣.

٥) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الجمعة، باب من قرأ السجدة ولم يسجد (٢/٤١) رقم الحديث: ١٠٧٢، ١٠٧٣. ومسلم في "صحيحه" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب سجود التلاوة (١/٤٠٦) رقم الحديث: ٥٧٧. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب من لم ير السجود في المفصل (٢/٥٨) رقم الحديث: ١٤٠٤. والترمذي في "جامعه" أبواب السفر، باب ما جاء من لم يسجد فيه (٢/٤٦٦) رقم الحديث: ٥٧٦. والنسائي في "سننه" كتاب الافتتاح، باب ترك السجود في "النجم" (٢/١٦٠) رقم الحديث: ٩٦٠.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أبي هريرة ﷺ: قال أبو سلمة: رأيت أبا هريرة قرأ: "إذا السماء انشقت" فسجد بها، فقلت: يا أبا هريرة، ألم أرك تسجد؟ قال: لو لم أر النبي ﷺ يسجد لم أسجد.

وفي حديث أبي رافع الصايغ قال: صليت مع أبي هريرة العتمة، فقرأ "إذا السماء انشقت" فسجد. فقلت: ما هذه [السجدة]؟ قال: سجدت بها خلف أبي القاسم ﷺ، فلا أزال أسجد بها حتى ألقاه. أخرجه البخاري ومسلم.

ولمسلم: أن أبا هريرة قرأ لهم: "إذا السماء انشقت" فسجد فيها، فلما انصرف أخبرهم: أن رسول الله ﷺ سجد فيها. وأخرج الموطأ الرواية الأولى، وأخرج أبو داود رواية أبي رافع، وأخرج النسائي الأولى والثانية والثالثة.

وفي أخرى: قال: سجد أبو بكر وعمر ومن هو خير منهما، وللنسائي: قال سجد أبو بكر وعمر ومن هو خير منهما في "إذا السماء انشقت" و"اقرأ باسم ربك." [1]

وعن ابن عباس: أن رسول الله ﷺ لم يسجد في شيء من المفصل منذ تحول إلى المدينة. أخرجه أبو داود. [2]

وعن ابن عمر أن عمر سجد في "ص". رواه مسدد. [3]

وعن أبي مريم عبيد قال: دخلت مع عمر بن الخطاب محراب داود فقرأ فيه "ص" وسجد. رواه ابن عساكر. [4]

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الأذان، باب الجهر بالعشاء (١٥٣/١) رقم الحديث: ٧٦٦، باب القراءة في العشاء بالسجدة (١٥٣/١) رقم الحديث: ٧٦٨، كتاب الجمعة، باب سجدة "إذا السماء انشقت" (٤١/٢) رقم الحديث: ١٠٧٤، باب من قرأ السجدة في الصلاة فسجد بها (٤٢/٢) رقم الحديث: ١٠٧٨. ومسلم في "صحيحه" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب سجود التلاوة (٤٠٦/١) رقم الحديث: ٥٧٨. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب السجود في "إذا السماء انشقت" و "اقرأ" (٥٩/٢) رقم الحديث: ١٤٠٨. والنسائي في "سننه" كتاب الافتتاح، باب السجود في "إذا السماء انشقت" (١٦١/٢) رقم الحديث: ٩٦١، ٩٦٢، ٩٦٣، ٩٦٥. ومالك في "الموطأ" كتاب القرآن، باب ما جاء في سجود القرآن (٢٠٥/١) رقم الحديث: ١٢. وابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب عدد سجود القرآن (٣٣٦/١) رقم الحديث: ١٠٥٨.

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب من لم ير السجود في المفصل (٥٨/٢) رقم الحديث: ١٤٠٣.

٣) أخرجه ابن حجر في "المطالب العالية" كتاب التفسير، سورة ص (١٥٦/١٥) رقم الحديث: ٣٦٩٦. والبوصيري في "إتحاف الخيرة" كتاب التفسير، سورة والصافات وص (٢٦٠/٦) رقم الحديث: ٥٨٠٠.

٤) أخرجه ابن عساكر في "تاريخ دمشق" حرف العين، عبد أبو مريم (٢٢٥/٣٨).

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن السائب بن يزيد قال: صليت خلف عثمان الفجر فقرأ بسورة "ص" فسجد فيها، ثم قام فقرأ ما بقي منها، ثم ركع. فقال له بعض القوم: يا أمير المؤمنين أمن عزائم السجود؟ قال: سجد بها رسول الله ﷺ. رواه ابن مردويه. (١)

وعن السائب بن يزيد أن عثمان بن عفان قرأ "ص" وهو على المنبر فنزل فسجد. رواه البيهقي. (٢)

وأخرج الإمام أحمد عن بكر بن عبد الله المزني عن أبي سعيد رضي الله عنه قال: رأيت رؤيا وأنا أكتب سورة ص، فلما بلغت السجدة رأيت الدواة والقلم وكل شيء يحضرني انقلب ساجدا، قال: فقصصتها على رسول الله ﷺ فلم يزل يسجد بها. كذا قال الشيخ. (٣)

وعن أبي الدرداء أنه سجد مع رسول الله ﷺ إحدى عشرة سجدة منهن التي في "النجم". رواه ابن عساكر. (٤)

وفي رواية: قال: سجدت مع النبي ﷺ إحدى عشرة سجدة، ليس فيها من المفصل شيء: الأعراف، والرعد، والنحل، وبني إسرائيل، ومريم، والحج، وسجدة الفرقان، وسليمان سورة النمل، والسجدة، وفي ص، وسجدة الحواميم. رواه ابن ماجة. (٥)

وعن الحسن أن أبا موسى الأشعري رأى كأنه يكتب في منامه "ص" فلما انتهى إلى السجدة بدر القلم من يده فسجد، وبدرت الدواة، ولم يبق في البيت شيء إلا سجد معه فكل من يسجد معه يقول: اللهم اغفر بها ذنبا، واحطط بها وزرا، وأعظم بها أجرا، قال أبو موسى: فغدوت إلى النبي ﷺ فأخبرته، فقال: يا أبا موسى سجدة سجد بها نبي كانت عندها توبة فسجدت كما سجد وترقبت كما ترقب. رواه ابن عساكر. (٦)

---

١) اخرجه ابن مردويه كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأفعال، الباب الثاني في أحكامها وأركانها ومفسداتها، سجدة التلاوة (٨/١٤٤) رقم الحديث: ٢٢٣٠١.

٢) اخرجه البيهقي في "السنن الكبرى" كتاب الصلاة، جماع أبواب سجود التلاوة، باب سجدة ص (٢/٤٥٣) رقم الحديث: ٣٧٤٥.

٣) اخرجه احمد في "مسنده" مسند المكثرين من الصحابة، مسند أبي سعيد الخدري (١٨/٣٢٢) رقم الحديث: ١١٧٩٩. [كذا قال الشيخ أي ابن الهمام، فتح القدير، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة (٢/١٢)]

٤) اخرجه ابن عساكر في "تاريخ دمشق" حرف العين، عمر بن حيان (٤٣/٥٧٠).

٥) اخرجه ابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب عدد سجود القرآن (١/٣٣٥) رقم الحديث: ١٠٥٦.

٦) اخرجه ابن عساكر في "تاريخ دمشق" حرف الحاء حميد بن محمد بن النضر أبو الحسن التميمي البعلبكي (١٥/٢٩٩)

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن زيد بن أسلم، أن غلاما قرأ عند النبي ﷺ السجدة، فانتظر الغلام النبي ﷺ أن يسجد، فلما لم يسجد قال: يا رسول الله، أليس في هذه السورة سجدة؟ قال: بلى، ولكنك كنت إمامنا فيها فلو سجدت لسجدنا. (١)

وعن سعيد بن جبير قال: كنت أسير مع أبي عبيدة، بين الكوفة والحيرة، فقرأ السجدة فذهبت أنزل لأسجد، فقال: يجزيك أن تومئ برأسك. قال: وأومأ برأسه. (٢)

وعن عطاء بن السائب قال: دخلت المسجد فإذا أنا بشيخين يقرأ أحدهما على صاحبه القرآن، فجلست إليهما، فإذا أحدهما قيس بن السكن الأسدي، والآخر يقرأ عليه سورة مريم، فلما بلغ السجدة قال له قيس: دعها، فإنا نكره أن يرونا أهل المسجد، فتركها، وقرأ ما بعدها، ثم قال قيس: والله ما صرفنا عنها إلا الشيطان، اقرأها، فقرأها فسجدنا، فلما رفعنا رءوسنا قال له قيس: تدري ما كان رسول الله ﷺ يقول إذا سجد؟ قال: نعم، كان يقول: سجد وجهي لمن خلقه، وشق سمعه وبصره. قال: صدقت، وبلغني أن داود عليه السلام كان يقول: سجد وجهي متعفرا في التراب لخالقي، وحق له. ثم قال: سبحان الله ما أشبه كلام الأنبياء بعضهم بعضا. (٣)

وعن ابن عمر، أنه كان يقول في سجوده: اللهم لك سجد سوادي، وبك آمن فؤادي، اللهم ارزقني علما ينفعني، وعملا يرفعني. روى الأحاديث الأربعة ابن أبي شيبة. (٤)

وعن علي، أن النبي صلى عليه وسلم كان إذا سجد قال: اللهم لك سجدت، وبك آمنت، ولك أسلمت، أنت ربي، سجد وجهي للذي شق سمعه وبصره، تبارك الله أحسن الخالقين. رواه ابن ماجة. (٥)

---

١) أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الصلوات، السجدة يقرؤها الرجل لا يسجدون حتى يسجد (٣٧٩/١) رقم الحديث: ٤٣٦٣.

٢) أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الصلوات، باب في الرجل يقرأ السجدة على الدابة (٣٦٦/١) رقم الحديث: ٤٢١٢.

٣) أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الصلوات، باب في سجود القرآن وما يقرأ فيه (٣٨٠/١) رقم الحديث: ٤٣٦٧.

٤) أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الصلوات، باب في سجود القرآن وما يقرأ فيه (٣٨٠/١) رقم الحديث: ٤٣٧٣.

٥) أخرجه ابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب سجود القرآن (٣٣٥/١) رقم الحديث: ١٠٥٤.

toobaa-elibrary.blogspot.com

تنبيه

الكلام في هذا الباب في ثلاثة مواضع.

الأول اختلف العلماء في سجدة التلاوة واجبة أو سنة:

فذهب الإمام أبو حنيفة وأبو يوسف ومحمد إلى أنها واجبة، والأئمة الثلاثة إلى أنها سنة مؤكدة، وفعلها أفضل من تركها، وفي رواية عن أحمد أيضا واجبة إن كانت في الصلاة، وفي خارجها لا.

والحجة لنا قوله تعالى: "فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ (٢٠) وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُونَ" [١] أنكر ترك السجدة عند تلاوة القرآن، وقرنه مع عدم الإيمان، فكان تركها وعدم الإيمان من قبيل واحد، وأيضا السجدة جزء الصلاة اقتصر عليها للتخفيف فيكون فرضا، كالقيام في صلاة الجنازة.

وحديث مسلم عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: إذا قرأ ابن آدم السجود اعتزل الشيطان يبكي يقول: يا ويلي، أمر ابن آدم بالسجود فسجد فله الجنة، وأمرت بالسجود فأبيت فلي النار[٢]، ولا يخفى أن دلالة هذا الحديث على الوجوب غير محتاج إلى تأمل، ولعل وجهه أنه يفهم من سياق الحديث أن ابن آدم لو لم يسجد لاستحق النار مثل الشيطان.

وقال الشيخ ابن الهمام [٣]: إن الحكيم إذا حكى عن غير الحكيم كلاما، ولم يعقبه بالإنكار كان دليل صحته، فهذا الحديث ظاهر في الوجوب، وقال أيضا: آيات السجدة ثلاثة أقسام، قسم فيه الأمر الصريح بالسجود، وقسم يتضمن حكاية استنكاف الكفرة، واستكبارهم عن امتثال الأمر بالسجود، وقسم فيه حكاية فعل الأنبياء والمؤمنين السجود ومدحهم به، وكل من الامتثال ومخالفة الكفرة والاقتداء بالأنبياء واجب، إلا أن يدل دليل في موضع معين على عدم اللزوم والوجوب، لكن هذه الدلائل ظنية لا تخلو عن شبهة فيثبت به الوجوب لا الفرضية، انتهى.

---

١) الانشقاق: ٢٠-٢١.

٢) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الإيمان، باب بيان إطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة (٨٧/١) رقم الحديث: ٨١.

٣) فتح القدير: ١٣/٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وما جاء في الأحاديث من التأكيد والمبالغة في أدائه من نحو ما جاء عن ابن عمر من حديث الشيخين وأبي داود: كان رسول الله ﷺ يقرأ السجدة ونحن عنده [فيسجد ونسجد معه، فيزدحم حتى ما يجد أحدنا لجبهته موضعا يسجد عليه، وما جاء منه من حديث أبي داود: أن رسول الله ﷺ قرأ عام الفتح سجدة فسجد الناس كلهم، منهم الراكب والساجد على الأرض حتى إن الراكب يسجد على يده، مما يستأنس به على الوجوب؛ فإن الظاهر أن هذه المبالغة في الازدحام لا تكون في غير الواجب، وقد أورد هذين الحديثين في "جامع الأصول" [1] لإثبات وجوب سجدة التلاوة.

وتمسك القائلون بعدم الوجوب بحديث زيد بن ثابت ﷺ في الصحيحين قال: قرأت على النبي ﷺ النجم فلم يسجد [2]، ولو كان واجبا لسجد هو ﷺ وأمر زيدا بالسجود، وهذا ضعيف لأنه لا يدل على نفي الوجوب؛ لأن الوجوب ههنا ليس على الفور، [فعله في مجلس آخر، ويحتمل أن قراءة زيد كان في وقت الكراهة، أو على غير طهارة، أو كان ذلك لبيان أنه غير واجب على الفور،] أو كان مخصوصا بسجدة النجم، وفيه اختلاف، وعلى كل تقدير فلا يتم حجة على عدم وجوب مطلق السجدة.

وأما ما جاء من حديث عمر ﷺ في الموطأ وصحيح البخاري [3]: أنه قرأ السجدة، وهو على المنبر يوم الجمعة، فنزل فسجد وسجد الناس معه، ثم قرأها يوم الجمعة الأخرى فتهيأ الناس للسجود فقال: على رسلكم إن الله لم يكتبها علينا إلا أن نشاء، وفي رواية: إنا نمر على آية السجدة فمن سجد فقد أصاب، ومن لم يسجد فلا إثم عليه، فصريح في عدم الوجوب، اللهم إلا أن يراد نفي الوجوب على الفور كما قال الشيخ ابن الهمام، لكن هذا التأويل بعيد ههنا من لفظ الحديث جدا، ويمكن أن يقال: لعله كان ذلك مذهب عمر ﷺ، فحكم بمذهبه، ولم يعلم اتفاق من عداه من الصحابة سوى من كان معه في المجلس تبعوه.

والصواب أن يقال: لما كانت الأحاديث متعارضة كان الاحتياط في القول بالوجوب، والشبهة في الدليل لا تنافي الوجوب.

---

١) جامع الأصول: ٥٥١/٥، رقم الحديث: ٣٧٨٠.

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الجمعة، باب من قرأ السجدة ولم يسجد (٤١/٢) رقم الحديث: ١٠٧٢. ومسلم في "صحيحه" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب سجود التلاوة (٤٠٦/١) رقم الحديث: ٥٧٧.

٣) أخرجه مالك في "الموطأ" كتاب القرآن، باب ما جاء في سجود القرآن (٢٠٦/١) رقم الحديث: ١٦. والبخاري في "صحيحه" كتاب الجمعة، باب من رأى أن الله عز وجل لم يوجب السجود (٤٢/٢) رقم الحديث: ١٠٧٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

ويجب السجدة عندنا على التالي -أي القاري- والسامع سواء قصد سماع القرآن أو لم يقصد؛ لقوله عليه الصلاة والسلام: السجدة على من سمعها وعلى من تلاها، وهي كلمة إيجاب وهو غير مقيد بالقصد، فيجب على الذي لم يقصد عملا بالاطلاق، كذا في الهداية.[1]

وعند الشافعي: يجب على المستمع، كذا في الحاوي.[2]

والثاني في شرائطها وكيفيتها:

يشترط في سجدة التلاوة ما يشترط في الصلاة من الطهارة والستر واستقبال القبلة، ولا خلاف فيه بين الأئمة الأربعة وغيرهم؛ لأنها صلاة فيدخل في عموم الأدلة المقتضية لذلك، ولأنها سجدة تشبه سجود السهو.

وروى البخاري تعليقا[3]: أن ابن عمر رضي الله عنهما كان يسجد على غير وضوء، كذا عند أكثر رواة البخاري، ووقع في رواية الأصيلي بحذف "غير"، والصواب إثباته؛ لأنه قد عرف عن ابن عمر رضي الله عنهما أنه كان يسجد على غير وضوء، فقد جاء عن سعيد بن جبير: كان ابن عمر ينزل عن راحلته فيهريق الماء، ثم يركب فيقرأ السجدة فيسجد وما يتوضأ، كذا قال الكرماني.[4]

ووافقه الشيخ في فتح الباري وقال أيضا[5]: وأما رواية البيهقي بإسناد صحيح عن الليث عن نافع عن ابن عمر رضي الله عنهما، قال: لا يسجد الرجل إلا وهو طاهر، فيجمع بينهما بأنه أراد بقوله: "طاهر" الطهارة الكبرى، أو الثاني في حالة الاختيار، والأول على الضرورة.

وقال الشيخ: ولم يوافق ابن عمر أحد على جواز السجود بلا وضوء إلا الشعبي أخرجه ابن أبي شيبة عنه بسند صحيح، وأخرجه أيضا بسند حسن عن أبي عبد الرحمن السلمي أنه كان يسجد، وهو على غير وضوء إلى غير القبلة، وهو يمشي يومئ إيماء، والله أعلم.

---

١) الهداية: ١/٧٨.
٢) الحاوي الصغير: ١٧٢.
٣) أخرجه البخاري في "صحيحه" أبواب السجود، باب سجود المسلمين مع المشركين (٢/٤١).
٤) الكواكب الدراري: ٦/١٥٢، رقم الحديث: ١٠١٤.
٥) فتح الباري: ٢/٥٥٤.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وفي الهداية [1]: ومن أراد السجود كبر ولم يرفع يديه وسجد ثم كبر ورفع رأسه؛ اعتبارا بسجدة الصلاة وهو المروي عن ابن مسعود ﷺ، ولا تشهد عليه ولا سلام؛ لأن ذلك للتحلل وهو يستدعي سبق التحريمة وهي منعدمة، وفي شرحه: لا يقال فيه تحريمة وهي التكبير ليس للتحريمة بل للمشابهة، هذا مذهبنا.

ومذهب أحمد: أنه يكبر ويسجد، ولا يكبر للرفع؛ لحديث ابن عمر كان رسول الله ﷺ يقرأ علينا القرآن، فإذا مر بالسجدة كبر وسجد وسجدنا معه، رواه أبو داود. [2] وظاهر مذهب أحمد أنه يكبر ويسجد ولا يكبر للرفع، وفي رواية: يكبر إذا رفع قياسا على سجود السهو، وفي أخرى: لا يكبر للإحرام أيضا، والمشهور المختار من الروايتين في مذهبه أن يسلم إذا رفع، والثانية لا تسليم فيه، لأنه لم يثبت عن النبي ﷺ وإن سلم يكتفي بتسليمة واحدة عن يمينه، نص عليه، وعنه: بل ثنتان، وعن ابن مسعود روايتان، كذا ذكر في شرح كتاب الخرقي. [3]

وفي رسالة ابن أبي زيد في مذهب مالك [4]: ويكبر [لها] ولا يسلم [منها] وفي التكبير في الرفع منها سعة، وإن كبر فهو أحب إلينا.

وفي الحاوي في مذهب الشافعي [5]: وليس سجدة مع التحريم والسلام، وفي شرحه [6]: أي لشرط التحريم في سجدة التلاوة أن كان خارج الصلاة وأراد بالتحريم أن ينوى ويكبر للإفتتاح، وكذلك يشترط السلام الحاقا للتحليل بالتحريم كما في الصلاة، ولا يشترط التشهد؛ لأنه في مقابلة القيام ولا قيام فيها، وقال: وتأكد أن سجد القارئ وندب بتكبير الهوي أي ندب لسجدة التلاوة وبعد تكبيرة الافتتاح تكبير الهوي كما في الهوي للسجود الذي هو من الصلاة ورفع اليدين وندب رفع اليدين للتحريم كما يفعل في تكبيرة الافتتاح للصلاة.

---

١) الهداية: ١/٧٩.
٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في الرجل يسمع السجدة وهو راكب (٢/٦٠) رقم الحديث: ١٤١٣.
٣) شرح الزركشي: ١/٦٣٧-٦٣٨.
٤) رسالة ابن أبي زيد: ٣٤.
٥) الحاوي الصغير: ١٧٢
٦) فتح العزيز بشرح الوجيز: ٤/١٩٣-١٩٤.

toobaa-elibrary.blogspot.com

الثالث في عددها:

وهي أربعة عشر سجدة باتفاق بيننا وبين الشافعي وأحمد إلا أنه لا سجدة عندهما في "ص" وفي "الحج" سجدتان.

وعندنا في "ص" سجدة وفي "الحج" سجدة واحدة، وهي الأولى دون الثانية؛ لاقترانها [بالأمر] بالركوع، وهو قوله تعالى: "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا" (١) والمقرون بالركوع سجدة الصلاة كما في قوله تعالى: "وَاسْجُدِي وَارْكَعِي". (٢)

ومتمسكهم حديث عقبة بن عامر، قلت: يا رسول الله، فضلت سورة الحج بأن فيها سجدتين؟ قال: نعم، [ومن لم يسجدها فلا يقرأها]. وقال الترمذي: هذا حديث ليس إسناده بالقوي. (٣) وأما سجدة "ص" فهم يقولون: إنما سجدة الشكر لا سجدة التلاوة؛ لأنه ﷺ قرأها وسجد، وقال: سجدها داود توبة، ونحن نسجد شكرا. (٤)

ولنا قول ابن عباس: سجدها داود وأمر صاحبكم أن يقتدى به(٥)، وقوله: سجدها شكرا لا ينافي ما قلنا؛ لأن سجدات التلاوة كلها لمعان إما نفي الاستكبار أو الائتمار الأمر أو الشكر، لكنها علقت بالتلاوة كما علقت أوامر الصلاة بأوقات مخصوصة، وأضيفت إلى تلك فكذا هذه أضيفت إلى التلاوة، و لما سجد نبينا ﷺ شكرا لقبول توبة داود فنحن أيضا نسجد لذلك، وبالجملة بعد ما ثبت سجود رسول الله ﷺ في "ص" لامجال لإنكارها والتوقف فيها، وقد ثبت سجدة عن عمر وعثمان وغيرهما من الصحابة في "ص".

قال الشيخ ابن الهمام (٦): ليس فيها ما يدل على عدم الوجوب غاية ما فيه أنه بين السبب في حق داود والسبب في حقنا، وكونه الشكر لا ينافي الوجوب، فكل الفرائض والواجبات إنما وجبت شكرا لتوالي النعم.

---

١) الحج: ٧٧.
٢) آل عمران: ٤٣.
٣) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب تفريع أبواب السجود (٢/٥٨) رقم الحديث: ١٤٠٢. والترمذي في "جامعه" أبواب السفر، باب في السجدة في الحج (٢/٤٧٠) رقم الحديث: ٥٧٨.
٤) أخرجه النسائي في "سننه" كتاب الافتتاح، باب سجود القرآن، السجود من ص (٢/١٥٩) رقم الحديث: ٩٥٧.
٥) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب تفسير القرآن، باب وإن يونس لمن المرسلين (٦/١٢٤) رقم الحديث: ٤٨٠٧.
٦) فتح القدير: ٢/١١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وفي مسند أبي حنيفة: عن سماك بن حرب عن عياض الأشعري عن أبي موسى: أن النبي ﷺ سجد في "ص"، وأخرج الإمام أحمد عن بكر بن عبد الله المزني [عن أبي سعيد ﷺ] قال: رأيت رؤيا وأنا أكتب سورة ص، فلما بلغت السجدة رأيت الدواة والقلم وكل شيء بحضرتي انقلب ساجدا، قال: فقصصتها على رسول الله ﷺ فلم يزل يسجد بها. فأفاد أن الأمر صار إلى المواظبة عليها كغيرها من غير ترك، واستقر عليه بعد أن كان قد لا يعزم عليها، فظهر أن ما رواه إن تمت دلالته كان قبل هذه القصة.

وقد روى عن أحمد: أن سجدة "ص" من عزائم السجود يسجد في الصلاة وغيرها [١]، فيكون السجدات عنده خمس عشرة كما روى عمرو بن العاص أن رسول الله ﷺ أقرأه خمس عشرة سجدة في القرآن، منها ثلاث في المفصل، وفي سورة الحج سجدتان. رواه أبو داود ابن ماجة، وقالوا: فيه ضعف. [٢]

وعند مالك وفي القول القديم للشافعي إحدى عشرة سجدة، ولم يثبت عنده السجدة في المفصل، وقد جاء عن أبي الدرداء ﷺ: سجدت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم إحدى عشرة سجدة منها التي في النجم، [٣] رواه ابن عساكر، وقال ابن عباس: أن رسول الله ﷺ لم يسجد في شيء من المفصل منذ تحول إلى المدينة، [٤] [يعني:] وإن سجد في "النجم" قبل حوله إلى المدينة. رواه أبو داود.

وهذه الأحاديث متمسك مالك؛ لكنهم رجحوا حديث أبي هريرة بأنه مثبت، والمثبت مقدم على النافي، على أنهم قالوا: إن في حديث ابن عباس ﷺ ضعفا، فإن ابن عبد البر قال: إنه حديث منكر، وكذا عبد الحق وهو من عظماء أهل الحديث قال: إسناده ليس بقوي، كذا قال الشمني.

---

١) شرح الزركشي: ٦٣٦/١.

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب تفريع أبواب السجود (٥٨/٢) رقم الحديث: ١٤٠١. وابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة، باب عدد سجود القرآن (٣٣٥/١) رقم الحديث: ١٠٥٧.

٣) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب السفر، باب ما جاء في سجود القرآن (٤٥٧/٢) رقم الحديث: ٥٦٨.

٤) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب من لم ير السجود في المفصل (٥٨/٢) رقم الحديث: ١٤٠٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقال الشيخ ابن حجر المكي في حديث ابن عباس: إن صح لم يلزم منه حجة لما صح عن أبي هريرة أنه قال: سجدنا مع النبي ﷺ في "إذا السماء انشقت" و "اقرأ باسم ربك". وأبو هريرة متأخر. [1]

وكثير من الصحابة يروى سجدات المفصل، أما حديث أبي الدرداء سجدت مع رسول الله ﷺ إحدى عشرة سجدة فيحتمل أن يكون معناه سجدت معه ﷺ هذا القدر من السجدات، وتشرفت بسماع قراءة هذا العدد من الآيات وسجداتها، كما يقال: غزوت مع رسول الله ﷺ خمس غزوات أو ست غزوات، وليس المراد حصر سجدات في القرآن في هذا العدد كما لا ينحصر عدد الغزوات فيها، والله أعلم.

---

١) فتح الإله في شرح المشكاة: ٤/٢٩٠، ٣٠٠

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب أوقات النهي

وعن ابن عمر قال: سمعت النبي ﷺ ينهى عن الصلاة عند طلوع الشمس وعند غروبها. وأخرجه البخاري، أيضا موقوفا من قول ابن عمر: أنه قال: أصلي كما رأيت أصحابي يصلون، لا أنهى أحدا يصلي بليل أو نهار ما شاء، غير أن لا تتحروا طلوع الشمس ولا غروبها. (١)

وعنه قال: قال رسول الله ﷺ: لا تحروا بصلاتكم طلوع الشمس ولا غروبها. (٢)

وعنه قال: أن عمر كان يقول: لا تحروا بصلاتكم طلوع الشمس ولا غروبها، فإن الشيطان يطلع قرناه مع طلوع الشمس، ويغربان مع غروبها، وكان [عمر رضي الله عنه] يضرب الناس على تلك الصلاة. أخرجه الموطأ. (٣)

وعن عمرو بن عبسة رضي الله عنه أنه قال: قلت: يا رسول الله، أي الليل أسمع؟ قال: جوف الليل الآخر، فصل ما شئت فإن الصلاة مشهودة مكتوبة، حتى تصلي الصبح، ثم أقصر حتى تطلع الشمس. الحديث، رواه أبو داود والنسائي. (٤)

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب مواقيت الصلاة، باب من لم يكره الصلاة إلا بعد العصر والفجر (١/١٢١) رقم الحديث: ٥٨٩، كتاب الحج، باب الطواف بعد الصبح والعصر (٢/١٥٥) رقم الحديث: ١٦٢٩.

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب مواقيت الصلاة، باب الصلاة بعد الفجر حتى ترتفع الشمس (١/١٢٠) رقم الحديث: ٥٨٣.

٣) أخرجه مالك في "الموطأ" كتاب القرآن، باب النهي عن الصلاة بعد الصبح وبعد العصر (١/٢٢١) رقم الحديث: ٤٩

٤) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب من رخص فيهما إذا كانت الشمس مرتفعة (٢/٢٥) رقم الحديث: ١٢٧٧. والنسائي في "سننه" كتاب المواقيت، باب النهي عن الصلاة بعد العصر (١/٢٧٩) رقم الحديث: ٥٧٢، باب إباحة الصلاة إلى أن يصلي الصبح (١/٢٨٣) رقم الحديث: ٥٨٤. [عن عمرو بن عبسة السلمي، أنه قال: قلت: يا رسول الله، أي الليل أسمع؟ قال: جوف الليل الآخر، فصل ما شئت، فإن الصلاة مشهودة مكتوبة، حتى تصلي الصبح، ثم أقصر حتى تطلع الشمس، فترتفع قيس رمح، أو رمحين، فإنها تطلع بين قرني شيطان، ويصلي لها الكفار، ثم صل ما شئت، فإن الصلاة مشهودة مكتوبة، حتى يعدل الرمح ظله، ثم أقصر، فإن جهنم تسجر، وتفتح أبوابها، فإذا زاغت الشمس، فصل ما شئت، فإن الصلاة مشهودة، حتى تصلي العصر، ثم أقصر، حتى تغرب الشمس، فإنها تغرب بين قرني شيطان، ويصلي لها الكفار. واللفظ لأبي داود]

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن قزعة قال: سمعت أبا سعيد الخدري ﷺ، يحدث بأربع عن النبي ﷺ، فأعجبني وآنقنني قال: لا تسافر المرأة يومين إلا معها زوجها أو ذو محرم، ولا صوم في يومين الفطر والأضحى، ولا صلاة بعد صلاتين بعد الصبح حتى تطلع الشمس، وبعد العصر حتى تغرب ولا تشد الرحال، إلا إلى ثلاثة مساجد مسجد الحرام، ومسجد الأقصى ومسجدي. رواه البخاري. (١)

وعن نصر بن عبد الرحمن رحمه الله عن جده معاذ: أنه طاف مع معاذ بن عفراء، فلم يصل، فقلت: ألا تصلي؟ فقال: إن رسول الله ﷺ قال: لا صلاة بعد العصر حتى تغيب الشمس، ولا بعد الصبح حتى تطلع الشمس. أخرجه النسائي. (٢)

وعن أبي هريرة، أن رسول الله ﷺ قال: إذا طلع الفجر فلا صلاة إلا ركعتي الفجر. رواه الطبراني في الأوسط. (٣)

وعنه قال: أن رسول الله ﷺ نهى عن الصلاة نصف النهار حتى تزول الشمس إلا يوم الجمعة. رواه الشافعي. (٤)

وعنه: لا صلاة بعد الإقامة إلا المكتوبة. رواه أحمد. (٥)

وعن ابن عمر قال: قال رسول الله ﷺ: لا صلاة لمن دخل المسجد والإمام قائم يصلي، فلا ينفرد وحده بصلاة ولكن يدخل مع الإمام في الصلاة. رواه الطبراني. (٦)

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الجمعة، باب مسجد بيت المقدس (٦١/٢) رقم الحديث: ١١٩٧.

٢) أخرجه النسائي في "سننه" كتاب للمواقيت، باب من أدرك ركعتين من العصر (٢٥٨/١) رقم الحديث: ٥١٨.

٣) أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط" باب الألف، من اسمه أحمد (٢٤٩/١) رقم الحديث: ٨١٦.

٤) أخرجه الشافعي في "الأم" كتاب الصلاة، باب الساعات التي تكره فيها الصلاة (١٧٣/١).

٥) أخرجه أحمد في "مسنده" مسند المكثرين من الصحابة، مسند أبي هريرة ﷺ (١١٢/١٤) رقم الحديث: ٨٣٧٩.

٦) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب العين، عطاء بن أبي رباح عن ابن عمر (٤٤٥/١٢) رقم الحديث: ١٣٦١٤.

toobaa-elibrary.blogspot.com

تنبيه

اعلم أنه قد وقع النهي عن الصلاة في بعض الأوقات وهي خمسة: وقت الطلوع والاستواء والغروب وما بعد صلاة الفجر إلى طلوع الشمس وبعد صلاة العصر إلى غروب الشمس، والأوقات الثلاثة الأول يحرم فيها الصلاة ويجوز، وفي الوقتين الأخيرين يكره ولا يحرم والنهي يشتملهما.

عبارة المحدثين باب أوقات النهي كما وقع في المشكاة أولى وأحسن من عبارة فقهاء كما وقع في الهداية فصل في الأوقات التي يكره فيها الصلاة حملا للكراهية وأن يشمل المعنيين، وقال [١]: لا تجوز الصلاة عند طلوع الشمس ولا عند قيامها في الظهيرة ولا عند غروبها، ويكره أن يتنفل بعد الفجر حتى تطلع الشمس وبعد العصر حتى تغرب الشمس.

وبعد اتفاق الأئمة على حرمة الصلاة وكراهتها في هذه الأوقات، اختلفوا في أحكامها، فعندنا: لا تجوز الصلاة عند طلوع الشمس لا فرضا ولا نفلا ولا اداء وقضاء ولا سجدة تلاوة ولا صلاة جنازة.

واختلفوا في حد الطلوع، فقال بعضهم: ما دام الإنسان يقدر على النظر إلى قرص الشمس، فالشمس في الطلوع لا يباح فيه الصلاة، فقيل: ما دامت الشمس محمرة او مصفرة على رؤوس الحيطان والجبال فهو في الطلوع لا تحل الصلاة، وقيل: إلى أن ارتفعت قدر رمح أو رمحين، فاذا ارتفعت هذا المقدار خرجت عن الطلوع، وقال الفقيه أبو جعفر: بوضع طشت فمتى وقع الشمس على حيطانه فهي في الطلوع، وإذا وقعت في وسطه فقد طلعت وحل الصلاة، وكذا نقل في شرح النقاية لأبي المكارم عن المحيط، وقالوا: مع ذلك يصح الشروع في هذه الأوقات ويصح النذر ولكن لا يجوز فعلها، كما في الصوم في الأيام المنهية، وكالبيع الفاسد لا يجوز مباشرته، أما لو باشره وقبض المبيع يثبت الملك، ودليله: حديث عامر بن عقبة الجهني رواه مسلم [٢]، وقال: ثلاث ساعات كان رسول الله ﷺ ينهانا أن نصلي فيهن أو نقبر فيهن موتانا: حين تطلع الشمس بازغة حتى ترتفع، وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل الشمس، وحين تضيف الشمس للغروب حتى تغرب.

---

١) الهداية: ٤٢/٩.

٢) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب صلاة المسافرين، باب الأوقات التي نهي عن الصلاة فيها (٥٦٨/١) رقم الحديث: ٨٣١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

ولا يجوز صلاة جنازة ولا سجدة تلاوة لما روينا، ولكن حملوا سجدة التلاوة على التلاوة التي وجبت في وقت غير مكروه، وصلاة الجنازة التي حضرت في وقت غير مكروه، فإن وجبت سجدة التلاوة بقرأتها في الوقت المكروه أو حضرت الجنازة فيه جازتا مع الكراهة.

وفي التحفة [١]: من غير كراهة بل الأفضل في الجنازة الاداء، وفي الخلاصة: أنه إن قرأ آية السجدة في وقت مكروه أخر اختلفت الروايات، والظاهر أنه لا يجوز، وفي شرح الطحاوي: يجوز عند أبي يوسف وهكذا روى عن محمد، ذكر هذا كله في شرح النقاية. ويكره يتنفل بعد الفجر حتى تطلع الشمس وبعد العصر حتى تغرب لوجود النهي.

وقال في الهداية [٢]: ولا بأس بأن يصلي في هذين الوقتين الفوائت ويسجد للتلاوة ويصلي على الجنازة.

ويورد عليه أن الفرائض أحق بالصلاة عما يوجب الكراهة من النوافل؛ لأن ما كان جليل القدر وعظيم الشأن أحق بأن يصان عن الكراهة فكيف يصان النوافل عن الكراهة بعدم أدائها في هذين الوقتين دون الفوائت التي هي فرائض.

والجواب: أن الفوائت في الأوقات الثلاثة إنما لا يجوز بمعنى فيها وهو مقارنة الشيطان؛ فلذلك أثر ذلك النقصان للتمكن في الوقت في حق الفرائض والنوافل، وأما النهي الوارد في هذين الوقتين فلم يكن بمعنى متصل بالوقت، وإنما نحى عن صلاة النفل لإقامة ما هو أولى من النفل وهو مراعاة ما بقى من الوقت مشغولان بالفرائض، وجعل وقت الفرائض مشغولا بالفرض أولى من إقامة النفل، فإذا صرف إلى النفل وهو دون الفرض كره له ذلك، وإذا نوى القضاء في هذين الوقتين فقد صرف إلى مثله فجاز، ألا يرى أنه يؤدي فرض الوقت فيها فكذلك سائر الفرائض وهي الفوائت، فلم يظهر أثر الكراهة في حق الفوائت، ولكن يتوجه ههنا أن يقال كيف يجوز الفائتة والقضاء صرف ماله إلى ما عليه، وليس له القطوع في هذين الوقتين.

والجواب أن النوافل في هذين الوقتين جائزة وإن كانت مكروهة، والجواز يجتمع مع الكراهة، وقد يقال: الاداء في هذا الوقت صحيح، فيصدق صرف ماله إلى ما عليه بل صرفه إلى القضاء أهم؛ لأنه لو مات يؤاخذ بترك القضاء لأنه تقرر الوجوب في ذمته، لا بترك الأداء.

---

١) تحفة الفقهاء: ١/١٠٥.
٢) الهداية: ١/٤٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وكذا لا يظهر أثر الكراهة فيما وجب بعينه كسجدة التلاوة؛ لأن الواجب من جنس الفرض لأنه فرض عملا فالحق به، وهي واجبة لمخالفة الشيطان وموافقة المصطفين من عباد الله تعالى؛ لكنه جعل التلاوة والسماع علامة لوجوبها فهي واجبة بإيجاب الشارع، وإن كانت التلاوة عليه كجمع المال فعل العبد ووجوب الزكوة بإيجاب الشارع، وظهر أثر الكراهة في حق المنذور به؛ لأنه تعلق وجوبه بسبب من جهة العبد لا من جهة الشرع، لأنه أوجب على نفسه بالنذر، فيكون مثل التطوع من جهة أن كلامنها من جهة العباد لأن ما التزمه الناذر فعل، لأن النذر إيجاب المباح فالنذر سبب موضوع لالتزام النفل بخلاف سجدة التلاوة؛ فإنما ليست بنفل، لأن التنفل بسجدة غير مشروع، فيكون واجبا بإيجاب الله تعالى، وظهر أيضا أثر الكراهة في حق ركعتي الطواف، وفي الذي شرع فيه ثم أفسده؛ لأن الوجوب لغيره وهو ختم الطواف وصيانة المؤدي عن البطلان فبقي نفلا في نفسه فيما يرجع إلى الوقت الواجب لغيره لا يساوي الواجب، فما كان واجبا لعينه لم يكن نفلا بذاته، بقي أن ركعتي الطواف واجب عندنا على ما يجيء في كتاب الحج، فوجوبه من جهة الشرع كوجوب سجدة التلاوة بعد التلاوة، فينبغي أن نوتي بها كسجدة التلاوة في هذين الوقتين.

وأجيب: نعم الأمر كذلك إلا أنه عرف كراهة ركعتي الطواف في هذين الوقتين بالأثر، وهو ما روى عن عمر رضي الله عنه: طاف بالبيت أسبوعا بعد صلاة الفجر ثم خرج من مكة حتى كان بذي طوى، فطلعت الشمس، فصلى ركعتين، [ثم ذهب] فقال ركعتين مقام ركعتين، فقال أخر ركعتي الطواف إلي ما بعد طلوع الشمس. كذا في النهاية، فتأمل هذا تقرير مذهب الحنفية.[1]

وهم يحملون حديث أوقات النهي على عمومه، سوى مواضع حملوها على التخصيص والتفصيل، وفيما ذكرنا جواب عن بعض ما ذهب إليه من الشافعية كما ستعرف في بيان مذهبهم.

أما مذهب الشافعي، فقد قال في الحاوي[2]: تكره صلاة لا سبب لها كالإحرام لا بالحرم، وتبطل بعد فرض الصبح والعصر إلى الطلوع والغروب وعند [الطلوع و] الاستواء، إلا يوم الجمعة، والاصفرار حتى ترتفع قدر رمح، وتزول، وتغرب.

---

١) البناية في شرح الهداية: ٢/٧٦-٧٧.

٢) الحاوي الصغير: ١٥١-١٥٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وفي شرحه: أي تكره صلاة لا سبب لها في الأوقات الخمسة بقوله ﷺ: لا صلاة بعد صلاة الصبح حتى تطلع الشمس، وبعد صلاة العصر حتى تغرب الشمس، وعن عقبة بن عامر: أنه قال: ثلاث ساعات نهانا رسول الله ﷺ عن الصلاة فيها، وأن ندفن موتانا، إذا طلعت الشمس حتى ترتفع الشمس، وإذا انتصفت الشمس للغروب ونصف النهار، ومعنى قوله: "لا سبب لها" أنه ليس لها سبب متقدم على هذه الأوقات، ولا مقارن هذا، هو المراد بإطلاق الأصحاب، وإلا فما من صلاة إلا ولها سبب، وهو احتراز عن صلاة لها سبب متقدم أو مقارن؛ فإنها لا يكره في هذه الأوقات كالفوائت سواء كانت فرضا أو نفلا، وصلاة الجنازة، وتحية المسجد إذا اتفق دخوله في هذه الأوقات لغرض غير التحية من انتظار صلاة، ونحوها لقوله ﷺ: إذا دخل أحدكم المجلس فلا يجلس حتى يصلي ركعتين، ولمقارنة سببها الذي هو دخول هذه الأوقات فلا يؤخر عنه، وأما إذا دخل المسجد في هذه الأوقات ليصلي التحية فيكره، كما لو أخر الفائتة ليقضيها فيها لكونه متحريا لها بصلوته، وقد روى لا تتحروا بصلاتكم طلوع الشمس ولاغروبها، وصلاة الاستسقاء؛ لأن الحاجة الداعية إليها موجودة في الوقت فلا يكره، وصلاة الخسوف ربما يفوت بالانجلاء على تقدير التأخير، وركعتين بعد التطهير، لما روى أنه ﷺ قال لبلال [1]: حدثني بأرجى عمل عملته في الإسلام، فإني سمعت دف نعليك بين يدي في الجنة، قال: ما عملت عملا أرجى عندي: أني لم أتطهر طهورا، في ساعة ليل أو نهار، إلا صليت بذلك الطهور ما كتب لي أن أصلي، فلا يكره أيضا سجود الصلاة فيها لمقارنة سببه لها فلا يؤخر عنه.

وفي معناه سجود الشكر؛ فإن سببه السرور الحادث، وقوله: كالإحرام، أي ركعتي الإحرام، وإنما خصصهما بالتمثيل تشبيها على ما ذكرناه من كون المراد بما لا سبب له بما ليس له سبب متقدم ولا مقارن، فإن ركعتي الإحرام سببها الإحرام وهو متأخر عنهما، وقوله: لا بالحرم، أي بحرم مكة -زادها الله شرفا- فإنها ليست مكروهة في أي وقت كان؛ لما روى: لاصلاة بعد العصر حتى تغرب الشمس ولا صلاة بعد الصبح حتى تطلع الشمس إلا بمكة [2]، والمعنى فيه شرف البقعة وزيادة فضيلة الصلاة فيها، ولا يختص عدم الكراهة بمسجد

---

1) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب التهجد بالليل، باب فضل الطهور بالليل والنهار (٢/٥٣) رقم الحديث: ١١٤٩.

2) أخرجه أحمد في "مسنده" مسند الأنصار، حديث أبي ذر الغفاري (٣٥/٣٦٥) رقم الحديث: ٢١٤٦٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

الحرام، ولا بنفس البلد؛ بل يشمل الحرم كله للاستواء في الفضيلة، وقوله: إلا يوم الجمعة، لما روى: أنه ﷺ نهى عن الصلاة نصف النهار حتى تزول الشمس إلا يوم الجمعة [1]، فوجد من تخصيص الاستواء بالاستثناء أنه لايستثني غيره من الأوقات الخمسة يوم الجمعة؛ لأن الرخصة إنما وردت فيه، فيبقى الباقي على عموم النهي، ويفهم من إطلاقه أنه يستوي في هذه الرخصة من في الجامع يغشاه الناس أم لا، ومن لا يكون فيه، هذا تحقيق مذهب الشافعي على ما ذكر في الحاوي وشرحه.

فالشافعي يخصص الفوائت فرضا ونفلا من عموم حديث النهي والنوافل بمكة، أما الفوائت فبقوله ﷺ: من نام عن صلاة أو نسيها فليصلها إذا ذكرها متفق عليه [2]، وأما بمكة فبحديث جبير بن مطعم مرفوعا: يا بني عبد مناف، وفي رواية: يا بني عبد المطلب! لا تمنعوا أحدا طاف بهذا البيت، وصلى أية ساعة شاء من ليل أو نهار [3]. وبحديث أبي ذر: سمعت رسول الله ﷺ يقول: لا صلاة بعد الصبح حتى تطلع الشمس، ولا بعد العصر حتى تغرب الشمس إلا بمكة إلا بمكة إلا بمكة [4]. وظاهره أنه يجوز فيه الصلاة بعد الطواف فيختص بركعتي الطواف، وعند الشافعي يجوز الصلاة ولو بغير طواف، وقال الطيبي [5]: التقييد بالطواف ليس بقيد مانع، بل أحدا طاف بمنزلة: أحدا دخل المسجد الحرام؛ لأن كل من دخله فهو يطوف بالبيت غالبا.

وعند أحمد جاز بمكة ركعتا الطواف خاصة في الأوقات كلها لهذا الحديث، ولأن الطواف جائز في كل وقت مع كونه صلاة كما ورد، فكذا ركعتاه لأنهما تبع له.

---

١) أخرجه الشافعي في "الأم" كتاب الصلاة، باب الساعات التي تكره فيها الصلاة (١٧٣/١). وفي "مسنده" من كتاب إيجاب الجمعة (٦٣).

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب مواقيت الصلاة، باب من نسي الصلاة فليصل إذا ذكر (١٢٢/١) رقم الحديث: ٢٩٧. ومسلم في "صحيحه" كتاب المساجد ومواضعها، باب قضاء الصلاة الفائتة (٤٧٧/١) رقم الحديث: ٦٤٨.

٣) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب المناسك، باب الطواف بعد العصر (١٨٠/٢) رقم الحديث: ١٨٩٤. والترمذي في "جامعه" أبواب الحج، باب ما جاء في الصلاة بعد العصر (٢١١/٣) رقم الحديث: ٨٦٨.

٤) أخرجه رزين كما في "جامع الأصول" (٢٦٤/٥) رقم الحديث ٣٣٤٤

٥) شرح الطيبي: ١١٢٣/٤. رقم الحديث: ١٠٤٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعند أبي حنيفة رحمه الله حكم مكة حكم سائر البلاد في الحرمة وفي الكراهة، لعموم حديث النهي، وقيل: إنه ناسخ لما سواه، فإن هذا الحديث ثبت برواية كبار الصحابة في آخر الدهر، كذا في النهاية.

وقال الشيخ ابن الهمام [١]: حديث أبي ذر معلول بأربعة أمور وقد بينها، ولأن المحرم راجح على المبيح، وأما حديث: "من نام عن صلاة" فهو وإن كان خاصا في الصلاة لكن كونه مخصصا لعمومها في حديث عقبة بن عامر يتوقف على المقارنة، فلما لم يثبت فهو معارض في بعض الأفراد فيقدم حديث عقبة لأنه محرم، ولو تنزلنا على طريقهم في كون الخاص مخصصا [كيفما كان] فهو خاص في الصلاة عام في الأوقات، فإن وجب تخصيصه عموم الصلاة في حديث عقبة بن عامر [وجب تخصيص حديث عقبة عموم الوقت، لأنه خاص في الوقت، وتخصيص عموم الوقت هو إخراجه الأوقات الثلاثة من عموم وقت التذكر في حق الصلاة الفائتة، كما أن تخصيص الآخر هو إخراج الفوائت] عن عموم منع الصلاة في الأوقات الثلاثة، وحينئذ فيتعارضان في الفائتة في الأوقات المكروهة، إذ تخصيص حديث عقبة يقتضي إخراجها [عن الحل في الثلاثة، وتخصيص حديث التذكر للفائتة من عموم الصلاة يقتضي حلها] فيها، ويكون إخراج حديث عقبة أولى لأنه محرم.

وأما حديث مكة فبعد التنزل فيه عام في الصلاة والوقت فيتعارض عمومهما في الصلاة، ويقدم حديث عقبة لما قلنا، وكذا يتعارضان في الوقت إذا الخاص تعارض العام عندنا، وعلى أصولهم يجب أن يخص منه حديث عقبة في الأوقات الثلاثة.

ومذهب أحمد مثل مذهب الشافعي مع ما فيه من تفصيلات ذكرت في كتاب الخرقي في مذهبه.

وههنا نكتة لا بد من التنبيه عليه، وهو أن المشهور من المذهب أنه يكره الصلاة بعد الصلاة الفجر إلى أن تطلع الشمس وبعد صلاة العصر حتى تغرب.

وعن ابن عباس رضي الله عنهما، قال: شهد عندي رجال مرضيون، وأرضاهم عندي عمر، أن رسول الله ﷺ نهى عن الصلاة بعد الصبح حتى تشرق الشمس، وفي رواية: تطلع، وبعد العصر حتى تغرب الشمس. أخرجه البخاري ومسلم وأبو داود والترمذي.

---

١) فتح القدير: ١/٢٣٣-٢٣٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وفي رواية النسائي، قال: سمعت غير واحد من أصحاب النبي ﷺ منهم عمر، وكان من أحبهم إلي: أن رسول الله ﷺ نهى عن الصلاة بعد الفجر ... الحديث، وفي أخرى مختصرا، قال: نهى رسول الله ﷺ عن الصلاة بعد العصر. (١)

وهذا الحديث وأحاديث اخر تدل على كراهة الصلاة في هذين الوقتين مطلقا.

وعن السائب بن يزيد: أنه رأى عمر بن الخطاب يضرب المنكدر في الصلاة بعد العصر. أخرجه الموطا. (٢)

ولم نجد في كتاب مالك ذكر الأوقات المنهية وهو عجب، وقد نقل في فتح الباري عن ذلك: أنه قال ما أدركت أهل الفضل إلا وهم يجتهدون ويصلون نصف النهار. (٣)

وقال ابن عبد البر: وقد روى مالك حديث الصنابحي قال: قال رسول الله ﷺ: إن الشمس تطلع ومعها قرن الشيطان، فإذا ارتفعت فارقها، ثم إذا استوت قارنها، فإذا زالت فارقها، فإذا دنت للغروب قارنها، فإذا غربت فارقها، ونهى رسول الله ﷺ عن الصلاة في تلك الساعات، رواه مالك وأحمد والنسائي (٤). فإما أنه لم يصح عنده، وإما أنه رده بالعمل الذي ذكره، وهو حديث مرسل مع قوة رجاله، إنتهى.

---

١) اخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب مواقيت الصلاة، باب الصلاة بعد الفجر حتى ترتفع الشمس (١/٢٠١) رقم الحديث: ٥٨١. ومسلم في "صحيحه" كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب الأوقات التي نهى عن الصلاة فيها (١/٥٦٦) رقم الحديث: ٨٢٦ وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب من رخص فيها إذا كانت الشمس مرتفعة (٢/٢٤) رقم الحديث: ١٢٧٦. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في كراهية الصلاة بعد العصر وبعد الفجر (١/٣٤٣) رقم الحديث: ١٨٣. والنسائي في "سننه" كتاب المواقيت، باب النهي عن الصلاة بعد الصبح (١/٢٧٦) رقم الحديث: ٥٦٢. وابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة، باب النهي عن الصلاة بعد الفجر وبعد العصر (١/٣٩٦) رقم الحديث: ١٢٥٠ ومالك في "الموطأ" كتاب القرآن، باب النهي عن الصلاة بعد الصبح وبعد العصر (١/٢٢١) رقم الحديث: ٤٩، ٥٠.

٢) أخرجه مالك في "الموطأ" كتاب القرآن، باب النهي عن الصلاة بعد الصبح وبعد العصر (١/٢٢١) رقم الحديث: ٥٠.

٣) فتح الباري: ٢/٦٣.

٤) أخرجه النسائي في "سننه" كتاب المواقيت، باب الساعات التي نهى عن الصلاة فيها (١/٢٧٥) رقم الحديث: ٥٥٩. ومالك في "الموطأ" كتاب القرآن، باب النهي عن الصلاة بعد الصبح وبعد العصر (١/٢١٩) رقم الحديث: ٤٤. وأحمد في "مسنده" أول مسند الكوفيين، حديث أبي عبد الله الصنابحي (٣١/٤١٢) رقم الحديث: ١٩٠٦٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وجاء عن عائشة، أنها قالت: وهم عمر: إنما نهى رسول الله ﷺ أن يتحرى طلوع الشمس، وغروبها، رواه مسلم.[١]

وقد جاء عن ابن عمر كما ذكرنا وعن علي رضي الله عنه لا تصلوا بعد العصر إلا أن تصلوا والشمس [بيضاء] مرتفعة، رواه الموطأ وأحمد وأبو داود والبيهقي.[٢]

وروى عبد الرزاق[٣] من حديث زيد بن خالد سبب ضرب عمر الناس على ذلك، فقال عن زيد بن خالد: إن عمر رضي الله عنه رآه، وهو خليفة يركع بعد العصر فضربه، فذكر الحديث، وفيه: يا زيد! لولا أني أخشى أن يتخذهما الناس سلما إلى الصلاة حتى الليل لم أضرب فيهما، فلعل عمر رضي الله عنه كان يرى أن النهي عن الصلاة بعد العصر إنما هو لخشية إيقاع الصلاة عند غروب الشمس، وإليه ذهب ابن المنذر وغيره، وقد جاء في رواية أخرى: ولكني أخاف أن يأتي بعدكم قوم يصلون ما بين العصر إلى الغروب، حتى يمروا بالساعة التي نهى رسول الله ﷺ أن يصلي فيها، وهذا أيضا يدل على ما قلنا.[٤]

قد اختلف أهل العلم فقال بعضهم: لا تكره الصلاة بعد الصبح ولا بعد العصر، إلا لمن قصد بصلاته طلوع الشمس وغروبه، لقوله ﷺ: لا تحروا بصلاتكم طلوع الشمس ولا غروبها، كما ذكرنا.

ومنهم من جعله نهيا مستقلا، وكره الصلاة في تلك الأوقات سواء قصد لها أم لا، وهو قول الجمهور، ثم اختلف فقيل: كراهة تحريم، وقيل: كراهة تنزيه، كذا في فتح الباري.

وفي فتح القدير[٥]: المراد كراهة التحريم لما عرف من أن النهي الظني الثبوت غير المصروف عن مقتضاه يفيد كراهة التحريم، وإن كان قطعيا أفاد التحريم، فالتحريم في مقابلة

---

١) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب صلاة المسافرين، باب لا تحروا بصلاتكم طلوع الشمس ولا غروبها (١/٥٧١) رقم الحديث: ٨٣٣.

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب من رخص فيهما إذا كانت الشمس مرتفعة (٢/٢٤) رقم الحديث: ١٢٧٤. والنسائي في "سننه" كتاب المواقيت، باب الرخصة في الصلاة بعد العصر (١/٢٨٠) رقم الحديث: ٥٧٣. وأحمد في "مسنده" مسند الخلفاء الراشدين، مسند علي بن أبي طالب (٢/٤٦) رقم الحديث: ٦١٠، (٢/٣٨٧) رقم الحديث: ١١٩١.

٣) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الصلاة، باب الساعة التي يكره فيها الصلاة (٢/٤٣١) رقم الحديث: ٣٩٧٢.

٤) فتح القدير: ١/٢٣١.

٥) الهداية: ١/٤٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

الفرض في الرتبة، وكراهة التحريم في رتبة الواجب، والتنزيه برتبة للمندوب، والنهي الوارد ههنا من الأول، فكان الثابت به كراهة التحريم، فعلى هذا يرجع النهي عن الصلاة في هذين الوقتين إلى النهي في الأوقات الثلاثة بمعنى في الوقت بظهر وجه النهي ظهورا تاما، وإيضاحه ذكر في الهداية [1]: أن الكراهة كانت لحق الفرض ليصير الوقت كالمشغول به لا لمعنى في الوقت، فلا يخلوا عن خفا، وكتب الشيخ ابن الهمام على قول صاحب الهداية: "أن الكراهة لحق الفرائض إلخ" والله أعلم بما دل على هذا الاعتبار، ثم النظر إلى الكراهة يستلزم نقيض قولهم العبرة في المنصوص عليه لعين النص لا لمعنى النص، لأنه يستلزم معارضة النص بالمعنى، والنظر إلى النصوص يفيد منع القضاء تقديما للنهي العام على حديث التذكر. نعم يمكن إخراج صلاة الجنازة وسجدة التلاوة بأنهما ليسا بصلاة مطلقة، ويكفي في إخراج القضاء من الفساد العلم بأن النهي ليس لمعنى في الوقت وذلك هو الموجب للفساد، وأما من الكراهة ففيه ما سبق، إنتهى.

فائدة في الأوقات التي تكره فيها الصلاة:

وههنا فائدة يتم المبحث بذكرها، وإن لم يكن من غرضنا الذي هو بيان الاختلاف بين الأئمة، وهي أن الاوقات التي تكره فيها الصلاة اثنا عشر، فثلاثة منها يكره الصلاة فيها بمعنى في الوقت، وهي وقت الطلوع والغروب والاستواء؛ فلذلك يكره فيها جنس الصلاة فرضا ونفلا، والبواقي بمعنى في غير الوقت؛ فلذلك أثر في النوافل وما في معنى النوافل لا في الفرائض وما في معناه، وذلك البواقي تسعة: وهي بعد طلوع الفجر، وبعد فرضه إلى طلوع الشمس، وبعد صلاة العصر قبل التغير، وبعد غروب الشمس قبل صلاة المغرب، وعند الخطبة يوم الجمعة، وعند الإقامة يوم الجمعة، وعند خطبة العيدين، وعند خطبة الكسوف، وعند خطبة الاستسقاء، كذا في النهاية.

---

١) فتح القدير: ٢٣٨/١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب الجماعة وفضائلها [1]

عن عمرو بن أم مكتوم ﷺ: قال لرسول الله ﷺ: إني ضرير البصر، شاسع الدار، ولي قائد لا يلاومني، فهل لي رخصة أن أصلي في بيتي؟ قال: هل تسمع النداء؟ قال: نعم، قال: فأجب، فإني لا أجد لك رخصة. أخرجه أبو داود والنسائي. [2]

وعن أبي هريرة عن النبي ﷺ قال: تفضل صلاة الجميع على صلاة أحدكم وحده بخمس وعشرين جزءا. ثم قال: وقال شعيب: وحدثني نافع عن ابن عمر قال: تفضلها بسبع وعشرين درجة. موقوف.

ولمسلم مرفوعا وقال: ببضع وعشرين.

وعنه قال: قال رسول الله ﷺ: صلاة الجماعة تعدل خمسا وعشرين صلاة من صلاة الفذ. في الكتب الستة غير أبي داود. [3] ولهذا الحديث طرق كثيرة وروايات متعددة من الكتب الستة في أكثرها خمسة وعشرين.

---

1) الجماعة إلخ، قال تعالى: وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ. [البقرة: ٤٣.] وقال تعالى: وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِّنْهُم مَّعَكَ، الآية. [النساء: ١٠٢.] وقال تعالى: إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا، الآية. [الإسراء: ٧٨.] (الأعظمي.)

2) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في التشديد في ترك الجماعة (١/١٥١) رقم الحديث: ٥٥٢، ٥٥٣. والنسائي في "سننه" كتاب الإمامة، باب المحافظة على الصلوات حيث ينادي بهن (٢/١٠٩) رقم الحديث: ٨٥١.

3) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب الصلاة في مسجد السوق (١/١٠٣) رقم الحديث: ٤٧٧، كتاب الأذان، باب فضل صلاة الجماعة (١/١٣١) رقم الحديث: ٦٤٧، فضل صلاة الفجر في جماعة (١/١٣١) رقم الحديث: ٦٤٨، كتاب البيوع، باب ما ذكر في الأسواق (٣/٦٦) رقم الحديث: ٢١١٩، كتاب تفسير القرآن، باب قوله: إن قرآن الفجر كان مشهودا [الإسراء: ٧٨] (٦/٨٦) رقم الحديث: ٤٧١٧، ومسلم في "صحيحه" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب فضل صلاة الجماعة وبيان التشديد في التخلف عنها (١/٤٤٩) رقم الحديث: ٦٤٩. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في فضل الصلاة (١/٤٢١) رقم الحديث: ٢١٦. والنسائي في "سننه" كتاب الصلاة، باب فضل صلاة الجماعة (١/٢٤١) رقم الحديث: ٤٨٦، كتاب الإمامة، باب فضل الجماعة (٢/١٠٣) رقم الحديث: ٨٣٨. ومالك في "الموطأ" كتاب صلاة الجماعة، باب فضل صلاة الجماعة على صلاة الفذ (١/١٢٩) رقم الحديث: ٢. وابن ماجه في "سننه" كتاب المساجد والجماعات، باب فضل الصلاة في الجماعة (١/٢٥٨) رقم الحديث: ٧٨٦، ٧٨٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعنه قال: قال رسول الله ﷺ: أثقل صلاة على المنافقين: صلاة العشاء، وصلاة الفجر، ولو يعلمون ما فيهما لأتوهما ولو حبوا، ولقد هممت أن آمر بالصلاة فتقام، ثم آمر رجلا فيصلي بالناس، ثم أنطلق معي برجال معهم حزم من حطب إلى قوم لا يشهدون الصلاة، فأحرق عليهم بيوتهم بالنار. وروى هذا الحديث في الكتب الستة بروايات متعددة.

ففي رواية: فأحرق على من لا يخرج إلى الصلاة [يقدر].(١)

وفي رواية: [عن ابن مسعود قال: حافظوا على هؤلاء الصلوات الخمس حيث ينادى بهن، فإنهن من سنن الهدى،] وإن الله تبارك وتعالى شرع لنبيه ﷺ سنن الهدى، ولقد رأيتنا وما يتخلف عنها إلا منافق بين النفاق، [ولقد رأيتنا وإن الرجل ليهادى بين رجلين حتى يقام في الصف، وما منكم أحد إلا وله مسجد في بيته،] ولو صليتم في بيوتكم، وتركتم مساجدكم، تركتم سنة نبيكم، ولو تركتم سنة نبيكم لكفرتم. أخرجه مسلم وأبو داود.(٢)

وعن ابن عباس رضي الله عنهما: سئل عن رجل يصوم النهار ويقوم الليل، ولا يشهد الجماعة ولا الجمعة؟ فقال: هذا في النار. أخرجه الترمذي.(٣)

وعن أبي سعيد الخدري ﷺ قال: جاء رجل وقد صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: أيكم يتجر على هذا؟ فقام رجل فصلى معه. أخرجه الترمذي.

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الأذان، باب وجوب صلاة الجماعة (١/١٣١) رقم الحديث: ٦٤٤، باب فضل العشاء في الجماعة (١/١٣٢) رقم الحديث: ٦٥٧؛ كتاب الخصومات، باب إخراج أهل المعاصي والخصوم من البيوت بعد المعرفة (٣/١٢٢) رقم الحديث: ٢٤٢٠، كتاب الأحكام: باب إخراج أهل المعاصي والخصوم من البيوت بعد المعرفة (٩/٨٦) رقم الحديث: ٧٢٢٤. ومسلم في "صحيحه" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب فضل الجماعة وبيان التشديد في التخلف عنها (١/٤٥١) رقم الحديث: ٦٥١. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في التشديد في ترك الجماعة (١/١٥٠) رقم الحديث: ٥٤٨، ٥٤٩. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء فيمن سمع النداء فلا يجيب (١/٤٢٢) رقم الحديث: ٢١٧. والنسائي في "سننه" كتاب الإمامة، باب التشدد في التخلف عن الجماعة (٢/١٠٧) رقم الحديث: ٨٤٨. ومالك في "الموطا" كتاب صلاة الجماعة، باب فضل صلاة الجماعة على صلاة الفذ (١/١٢٩) رقم الحديث: ٣. وابن ماجه في "سننه" كتاب المساجد والجماعات، باب التغليظ في التخلف عن الجماعة (١/٢٥٩) رقم الحديث: ٧٩١، باب صلاة العشاء والفجر في جماعة (١/٢٦١) رقم الحديث: ٧٩٧.

٢) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب صلاة الجماعة من سنن الهدى (١/٤٥٣) رقم الحديث: ٦٥٤. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في التشديد في ترك الجماعة (١/١٥٠) رقم الحديث: ٥٥٠.

٣) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء فيمن سمع النداء فلا يجيب (١/٤٢٢) رقم الحديث: ٢١٨.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وفي رواية أبي داود: أن النبي ﷺ أبصر رجلا يصلي وحده، فقال: ألا رجل يتصدق على هذا فيصلي معه؟ رواه أبو داود والترمذي.[1]

وعن عثمان بن عفان رضي الله عنه قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: من صلى العشاء في جماعة فكأنما قام نصف الليل، ومن صلى الصبح في جماعة فكأنما صلى الليل كله. أخرجه مسلم.

وفي رواية الموطأ، عن يحيى بن سعيد: عن محمد بن إبراهيم عن عبد الرحمن بن أبي عمرة الأنصاري، أنه قال: جاء عثمان إلى صلاة العشاء، فرأى أهل المسجد قليلا، فاضطجع في مؤخر المسجد ينتظر الناس أن يكثروا، فأتاه ابن أبي عمرة فجلس إليه، فسأله: من هو؟ فأخبره، فقال: ما معك من القرآن؟ فأخبره: فقال له عثمان: من شهد العشاء فكأنما قام نصف ليلة، ومن شهد الصبح فكأنما قام ليلة.

وفي رواية الترمذي وأبي داود قال: قال رسول الله ﷺ: من شهد العشاء في جماعة كان له قيام نصف ليلة، ومن صلى العشاء والفجر في جماعة كان له كقيام ليلة.[2]

وعن ابن سيرين قال: خرج عثمان، وقد غسل إحدى شقي رأسه، فقال: إن المنادي جاء فأعجلني فكرهت أن أحبسه.[3]

وعن سعيد بن المسيب قال: ما أذن المؤذن منذ ثلاثين سنة إلا وأنا في المسجد. رواهما ابن أبي شيبة.[4]

---

١) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في الجماعة في مسجد قد صلي فيه مرة (١/٤٢٧) رقم الحديث: ٢٢٠. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في الجمع في المسجد مرتين (١/١٥٧) رقم الحديث: ٥٧٤.

٢) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب فضل صلاة العشاء والصبح في جماعة (١/٤٥٤) رقم الحديث: ٦٥٦. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في فضل صلاة الجماعة (١/١٥٢) رقم الحديث: ٥٥٥. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في فضل العشاء والفجر في الجماعة (١/٤٣٣) رقم الحديث: ٢٢١. ومالك في "الموطأ" كتاب صلاة الجماعة، باب ما جاء في العتمة والصبح (١/١٣٢) رقم الحديث: ٨.

٣) أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الصلوات، باب من قال إذا سمع المنادي فليجب (١/٢٠٣) رقم الحديث: ٣٤٦٨.

٤) أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الصلوات، باب من كان يشهد الصلاة وهو مريض لا يدعها (١/٢٠٨) رقم الحديث: ٣٥٢٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن سالم بن عبد الله، قال: كان عمر رجلا غيورا، فكان إذا خرج إلى الصلاة اتبعته عاتكة ابنة زيد فكان يكره خروجها، ويكره منعها، وكان يحدث أن رسول الله ﷺ قال: إذا استأذنتكم نساؤكم إلى الصلاة فلا تمنعوهن. رواه أحمد.[1]

وعن عمر ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: من صلى في مسجد جماعة أربعين ليلة، لا تفوته الركعة الأولى من صلاة، كتب الله له عتقا من النار. أخرجه الترمذي.[2]

وعن أنس ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: من صلى أربعين يوما في جماعة، لم تفته التكبيرة الأولى كتب الله له براءتين: براءة من النار، وبراءة من النفاق. رواه الترمذي.[3]

وعن أبي هريرة ﷺ: أن رسول الله ﷺ قال: إذا أقيمت الصلاة فلا صلاة إلا المكتوبة. أخرجه مسلم وأبو داود والترمذي والنسائي. أخرجه مسلم وأبو داودو الترمذي والنسائي.[4]

وعن نافع قال: أذن ابن عمر في ليلة باردة، ونحن بضجنان، ثم قال: ألا صلوا في رحالكم، وأخبر أن النبي ﷺ كان يأمر مؤذنا يؤذن، ثم يقول على إثره: ألا صلوا في الرحال، في الليلة الباردة، أو المطيرة في السفر. أخرجه البخاري ومسلم. أخرجه البخاري ومسلم.[5]

---

1) **أخرجه أحمد في "مسنده"** مسند العشرة المبشرين بالجنة، مسند الخلفاء الراشدين، مسند عمر بن الخطاب (٣٠١/١) رقم الحديث: ٢٨٣.

2) **أخرجه الترمذي في "جامعه"** أبواب الصلاة، باب في فضل التكبيرة الأولى (٧/٢) رقم الحديث: ٢٤١ [تعليقا على حديث عمارة بن غزية عن أنس بن مالك عن عمر بن الخطاب] **وابن ماجه في "سننه"** كتاب المساجد والجماعات، باب صلاة العشاء والفجر في جماعة (٢٦١/١) رقم الحديث: ٧٩٨.

3) **أخرجه الترمذي في "جامعه"** أبواب الصلاة، باب في فضل التكبيرة الأولى (٧/٢) رقم الحديث: ٢٤١.

4) **أخرجه مسلم في "صحيحه"** كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب كراهية الشروع في نافلة بعد شروع المؤذن (٤٩٣/١) رقم الحديث: ٧١٠. **وأبو داود في "سننه"** كتاب الصلاة، باب إذا أدرك الإمام ولم يصل ركعتي الفجر (٢٢/٢) رقم الحديث: ١٢٦٦. **والترمذي في "جامعه"** أبواب الصلاة، باب ما جاء إذا أقيمت الصلاة فلا صلاة إلا المكتوبة (٢٨٢/٢) رقم الحديث: ٤٢١. **والنسائي في "سننه"** كتاب الإمامة، باب ما يكره من الصلاة عند الإقامة (١٦٦/٢) رقم الحديث: ٨٦٥، ٨٦٦. **وابن ماجه في "سننه"** كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء في إذا أقيمت الصلاة فلا صلاة إلا المكتوبة (٣٦٤/١) رقم الحديث: ١١٥١.

5) **أخرجه البخاري في "صحيحه"** كتاب الأذان، باب الأذان للمسافر إذا كانوا جماعة والإقامة (١٢٩/١) رقم الحديث: ٦٣٢، باب الرخصة في المطر والعلة أن يصلي في رحله (١٣٤/١) رقم الحديث: ٦٦٦. **ومسلم في "صحيحه"** كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب الصلاة في الرحال في المطر (٤٨٤/١) رقم الحديث: ٦٩٧. **وأبو داود في "سننه"** كتاب الصلاة، باب التخلف عن الجماعة في الليلة الباردة أو الليلة المطيرة (٢٧٨/١) رقم الحديث: ١٠٦٠، ١٠٦١، ١٠٦٢، ١٠٦٣. **والنسائي في "سننه"** كتاب الأذان، باب الأذان في التخلف عن شهود الجماعة في الليلة المطيرة (١٥/٢) رقم الحديث: ٦٥٤. **ومالك في "الموطأ"** كتاب الصلاة.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن رجل من ثقيف، أنه سمع منادي النبي ﷺ [يعني في ليلة مطيرة في السفر] يقول: حي على الصلاة. حي على الفلاح. صلوا في رحالكم. أخرجه النسائي. (١)

وعن جابر بن عبد الله رضي الله عنهما: قال: خرجنا مع رسول الله ﷺ في سفر فمطرنا، فقال: ليصل من شاء منكم في رحله. أخرجه مسلم والترمذي وأبو داود. (٢)

وعن أبي موسى، قال: قال رسول الله ﷺ: من سمع النداء فارغا صحيحا فلم يجب فلا صلاة له. رواه الحاكم والبيهقي. (٣)

وعنه قال: قال رسول الله ﷺ: من سمع النداء فلم يجب من غير ضر [ولا عذر] فلا صلاة له. رواه الطبراني. (٤)

وعن جابر قال: قال رسول الله ﷺ: لا صلاة لمن سمع النداء فلم يأته إلا من عذر. (٥) وفي رواية: إلا من علة. (٦)

وعن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: الصلاة في الجماعة تعدل خمسا وعشرين صلاة، فإذا صلاها في فلاة فأتم ركوعها وسجودها، بلغت خمسين. رواه أبو داود. (٧)

باب النداء في السفر وعلى غير وضوء (١/٧٣) رقم الحديث: ٥١٠. وابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب الجماعة في الليلة المطيرة (١/٣٠٢) رقم الحديث: ٩٣٧.

١) أخرجه النسائي في "سننه" كتاب الأذان، باب الأذان في التخلف عن شهود الجماعة في الليلة المطيرة (٢/١٤) رقم الحديث: ٦٥٣.

٢) مسلم في "صحيحه" كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب الصلاة في الرحال في المطر (١/٤٨٤) رقم الحديث: ٦٩٨. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب التخلف عن الجماعة في الليلة الباردة أو الليلة المطيرة (١/٢٧٩) رقم الحديث: ١٠٦٥. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء إذا كان المطر فالصلاة في الرحال (٢/٢٦٣) رقم الحديث: ٤٠٩.

٣) أخرجه الحاكم في "المستدرك" كتاب الطهارة، حديث عبد الرحمن بن مهدي (١/٣٧٤) رقم الحديث: ٨٩٩. والبيهقي في "السنن الكبرى" كتاب الطهارة، باب وجوب الجمعة على من كان خارجا المصر في موضع يبلغه النداء (٣/٢٤٨) رقم الحديث: ٥٥٨٨.

٤) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" حرف العين، سعيد بن جبير عن ابن عباس (١١/٤٤٦) رقم الحديث: ١٢٢٦٦. [ولكن فيه عن ابن عباس. وفي "كنز العمال" عن أبي موسى. (٧/ ٥٨٣) رقم الحديث: ٢٠٣٦٠.]

٥) أخرجه ابن المقرئ في "الأربعين" باب الصلاة في الجماعة (١٠٩) رقم الحديث: ٥٠.

٦) أخرجه الحاكم في "المستدرك" كتاب الطهارة، حديث عبد الرحمن بن مهدي (١/٣٧٢) رقم الحديث: ٨٩٣، ٨٩٤، ٨٩٥، ٨٩٦، ٨٩٧. [ولكن فيه عن ابن عباس]

٧) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الأذان، باب فضل صلاة الجماعة (١/١٣١) رقم الحديث: ٦٤٦. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب ما جاء في فضل المشي إلى الصلاة (١/١٥٣) رقم الحديث: ٥٦٠.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وفي رواية: صلاة الرجل في الفلاة إذا أتمها تضاعف على صلاته في الجماعة بمثلها. أخرجه. رواه رزين.[١]

وعن عبد الواحد يرفعه إلى رسول الله ﷺ عتبان بن مالك رضي الله عنه: قال: يا رسول الله، إن السيول تحول بيني وبين مسجد قومي، فأحب أن تأتيني في مكان من بيتي أتخذه مسجدا، فقال رسول الله ﷺ: سنفعل، فلما دخل النبي ﷺ قال: أين تريد؟ فأشار إلى ناحية من البيت، فقام رسول الله ﷺ نصففنا خلفه، فصلى بنا ركعتين. أخرجه النسائي، وقد أخرجه الموطأ والبخاري ومسلم باختلاف بعض الألفاظ.[٢]

وعن بريدة قال: قال رسول الله ﷺ: بشر المشائين في الظلم إلى المساجد بالنور التام يوم القيامة. رواه أبو داود وابن ماجة والحاكم عن أنس وعن سهل بن سعد.[٣]

وعن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: إن الله ليضيء للذين يتخللون إلى المساجد في الظلم بنور ساطع يوم القيامة. رواه الطبراني في الأوسط.[٤]

---

١) أخرجه رزين كما في "جامع الأصول" حرف الفاء، الكتاب الأول في الفضائل والمناقب، الباب التاسع في فضائل الأعمال والأقوال، الفصل الرابع في فضل الصلاة، الفرع الثالث في صلاة المنفرد في بيته (٩/٤٠٤) رقم الحديث: ٧٠٧٠.

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب إذا دخل بيتا يصلي حيث شاء أو حيث أمر ولا يتجسس (١/٩٢) رقم الحديث: ٤٢٤، باب المساجد في البيوت (١/٩٢) رقم الحديث: ٤٢٥، كتاب الأذان، باب الرخصة في المطر والعلة أن يصلي في رحله (١/١٣٤) رقم الحديث: ٦٦٧، باب إذا زار الإمام قوما فأمهم (١/١٣٨) رقم الحديث: ٦٨٦، باب من لم يرد السلام على الإمام واكتفى بتسليم الصلاة (١/١٦٧) رقم الحديث: ٨٤٠، كتاب الجمعة، باب صلاة النوافل جماعة (٢/٥٩) رقم الحديث: ١١٨٦، كتاب الأطعمة، باب الخزيرة (٧/٧٢) رقم الحديث: ٥٤٠١. ومسلم في "صحيحه" كتاب الإيمان، باب من لقي الله بالإيمان وهو غير شاك فيه دخل الجنة (١/٦١) رقم الحديث: ٣٣. والنسائي في "سننه" كتاب الإمامة، باب إمامة الأعمى (٢/٨٠) رقم الحديث: ٧٨٨، الجماعة للنافلة (٢/١٠٥) رقم الحديث: ٨٤٤، كتاب السهو، تسليم المأموم حين يسلم الإمام (٣/٦٤) رقم الحديث: ١٣٢٧. ومالك في "الموطأ" كتاب قصر الصلاة في السفر، باب جامع الصلاة (١/١٧٢) رقم الحديث: ٨٦. وابن ماجه في "سننه" كتاب المساجد والجماعات، باب المساجد في الدور (١/٢٤٩) رقم الحديث: ٧٥٤.

٣) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب ما جاء في المشي إلى الصلاة في الظلم (١/١٥٤) رقم الحديث: ٥٦١. وابن ماجه في "سننه" كتاب المساجد والجماعات، باب المشي إلى الصلاة (١/٢٥٦-٢٥٧) رقم الحديث: ٧٨٠، ٧٨١. والحاكم في "المستدرك" كتاب الطهارة، من كتاب الإمامة وصلاة الجماعة (١/٣٣١-٣٣٢) رقم الحديث: ٧٦٨، ٧٦٩.

٤) أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط" باب الألف، من اسمه أحمد (١/٢٥٧) رقم الحديث: ٨٤٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: الغدو والرواح إلى المساجد من الجهاد في سبيل الله، رواه أبومسعود الأصبهاني في معجمه وابن النجار والديلمي في مسند الفردوس[1]

وعن أبي سعيد قال: قال رسول الله ﷺ: إن الله يستحيي من عبده إذا صلى في جماعة، ثم سأل حاجته أن ينصرف حتى يقضيها. رواه ابن النجار.[2]

وعن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: من توضأ فأحسن وضوءه، ثم راح فوجد الناس قد صلوا أعطاه الله مثل أجر من صلاها وحضرها، ولا ينقص ذلك من أجورهم شيئا. رواه ابن ماجة وأبو داود والنسائي والحاكم.[3]

وعن أبي هريرة وابن عباس قالا: قال رسول الله ﷺ: إن من حافظ على هؤلاء الصلوات الخمس المكتوبات في جماعة كان أول من يجوز على الصراط كالبراق اللامع، وحشره الله في أول زمرة من السابقين، وكان له في كل يوم وليلة حافظ عليهن كأجر ألف شهيد قتلوا في سبيل الله. رواه الطبراني في الأوسط.[4]

وعن سلمان، عن النبي ﷺ قال: من توضأ في بيته فأحسن الوضوء، ثم أتى المسجد، فهو زائر لله، وحق على المزور أن يكرم الزائر. رواه الطبراني.[5]

وعن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: من توضأ فأحسن الوضوء، ثم أتى مسجدا من مساجد الله، لا يعمده إلا الصلاة، يتبشر الله به كما يتبشر أحدكم بالغائب عنه إذا قدم

١) كنز العمال: ٦٤٨/٧، رقم الحديث: ٢٠٧٢٢.

٢) أخرجه ابن النجار كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأقوال، الباب الخامس في صلاة الجماعة وما يتعلق بها، الفصل الأول في الترغيب فيها (٥٥٨/٧) رقم الحديث: ٢٠٢٤٣.

٣) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب فيمن خرج يريد الصلاة فسبق بها (١٥٤/١) رقم الحديث: ٥٦٤. والنسائي في "سننه" كتاب الإمامة، باب حد إدراك الجماعة (١١١/٢) رقم الحديث: ٨٥٥. وأحمد في "مسنده" مسند المكثرين من الصحابة، مسند أبي هريرة رضي الله عنه (٥٠٩/١٤) رقم الحديث: ٨٩٤٧. والحاكم في "المستدرك" كتاب الطهارة، من كتاب الإمامة وصلاة الجماعة (٣٢٧/١) رقم الحديث: ٧٥٤.

٤) أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط" باب الميم، من اسمه محمد (٣٦٩/٦) رقم الحديث: ٦٦٤١، (٣٧٣/٦) رقم الحديث: ٦٦٥٦.

٥) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" حرف السين، ثابت البناني عن أبي عثمان عن سلمان رضي الله عنه (٢٥٣/٦) رقم الحديث: ٦١٣٩.

toobaa-elibrary.blogspot.com

عليه. رواه الحاكم في الكنى، وفي رواية أحمد: استبشر الله به كما يستبشر أهل الغائب بطلعته. (١)

وعن أنس بن مالك، عن زيد بن ثابت، قال: كنت أمشي مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ونحن نريد الصلاة، فكان يقارب الخطا فقال: أتدري لم أقارب الخطا؟ فقلت: الله ورسوله أعلم، فقال: لا يزال العبد في صلاة ما دام في طلب الصلاة. رواه الطبراني. (٢)

وعن أبي سعيد قال: شكت بنو سلمة إلى رسول الله ﷺ بعد منازلهم في المسجد فأنزل الله "وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ"(٣) [فقال النبي ﷺ: عليكم منازلكم فإنما تكتب آثاركم]. رواه عبد الرزاق. (٤)

وعن أبي هريرة، عن النبي ﷺ قال: إذا سمعتم الإقامة، فامشوا إلى الصلاة وعليكم بالسكينة والوقار، ولا تسرعوا، فما أدركتم فصلوا، وما فاتكم فأتموا. رواه الجماعة إلا الترمذي. (٥)

وعن أنس قال: قال رسول الله ﷺ: إن الله تعالى ينادي يوم القيامة أين جيراني؟ فتقول الملائكة: ربنا ومن ينبغي أن يجاورك؟ فيقول: أين عمار المساجد، فهم جيراني. رواه ابن النجار. (٦)

---

١) أخرجه أحمد في "مسنده" مسند المكثرين من الصحابة، مسند أبي هريرة رضي الله عنه (٤٢٧/١٣) رقم الحديث: ٨٠٦٥. [لفظه: سمع أبا هريرة، يقول: قال رسول الله ﷺ: لا يتوضأ أحد فيحسن وضوءه ويسبغه، ثم يأتي المسجد لا يريد إلا الصلاة فيه، إلا تبشبش الله به كما يتبشبش أهل الغائب بطلعته.]

٢) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" حرف الزاء، أنس بن مالك عن زيد بن ثابت (١١٨/٥) رقم الحديث: ٤٧٩٩.

٣) يس: ١٢.

٤) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الصلاة، باب شهود الجماعة (٥١٧/١) رقم الحديث: ١٩٧٢.

٥) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الأذان، باب لا يسعى إلى الصلاة وليأت بالسكينة والوقار (١٢٩/١) رقم الحديث: ٦٣٦. ومسلم في "صحيحه" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب استحباب إتيان الصلاة بوقار وسكينة (٤٢٠/١) رقم الحديث: ٦٠٢. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب السعي إلى الصلاة (١٥٦/١) رقم الحديث: ٥٧٢، ٥٧٣. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في المشي إلى المسجد (١٤٨/٢) رقم الحديث: ٣٢٧. والنسائي في "سننه" كتاب الإمامة، باب السعي إلى الصلاة (١١٤/٢) رقم الحديث: ٨٦١. وابن ماجه في "سننه" كتاب المساجد والجماعات، باب المشي إلى الصلاة (٢٥٥/١) رقم الحديث: ٧٧٥. ومالك في "الموطأ" كتاب الصلاة، باب ما جاء في النداء للصلاة (٦٨/١) رقم الحديث: ٤.

٦) أخرجه ابن النجار كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأقوال، الباب الخامس في صلاة الجماعة وما يتعلق بها، الفصل الأول في الترغيب فيها (٥٧٨/٧) رقم الحديث: ٢٠٣٣٨.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أبي الدرداء قال: قال رسول الله ﷺ: من يكن المسجد بيته ضمن الله له الروح والرحمة والجواز على الصراط إلى الجنة. رواه الطبراني والخطيب. (١)

تنبيه

اختلف أقوال الأئمة في أن الجماعة سنة أو واجبة أو فرض عين أو كفاية؟ فقيل: إنها فرض عين، وهو قول أحمد وداود وعطاء وأبي ثور، [وعن ابن مسعود وأبي موسى] الأشعري من أصحاب الشافعي.

وقيل: على الكفاية، قال الطيبي (٢): وظاهر نصوص الشافعي رضي الله عنه تدل علي أنها من فروض الكفايات، وعليه أكثر الصحابة.

وقيل: إنها سنة مؤكدة في حكم الواجب، وهو مذهب أبي حنيفة وأصحابه رحمهم الله، قال الشيخ ابن الهمام (٣): وفي الغاية: قال عامة مشايخنا: إنها واجبة وتسميتها سنة لوجوبها بالسنة. وفي البدائع (٤): تجب على العقلاء البالغين [الأحرار] القادرين على الجماعة من غير حرج، وإذا فاتته لا يجب عليه الطلب في المساجد بلا خلاف بين أصحابنا، وإن أتى مسجدا آخر للجماعة فحسن، وإن صلى في مسجد جنبه منفردا فحسن، وذكر القدوري: يجمع بأهله ويصلي بهم، واختلف في الأفضل من جماعة مسجد المحلة وجماعة المسجد الجامع، وإن كان مسجدان يختار أقدمهما، وإن استويا فالأقرب، وإن صلى في الأقرب وسمع إقامة غيره فإن كان دخل فيه فيصلي وإلا فيذهب.

والجماعة تسقط بالعذر، فمن الأعذار المرض وكونه مقطوع اليد والرجل من خلاف أو مفلوجا أو مستخفيا من السلطان أو لا يستطيع على المشي كالشيخ العاجز وغيره.

وفي شرح الكنز: والأعمى عند أبي حنيفة، وقيل بالاتفاق، والخلاف في الجمعة لا الجماعة، ففي الدراية: قال محمد: لا تجب علي الأعمى، وفي المطر والطين والبرد الشديد

---

١) أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط" باب تليم، من اسمه محمد (١٥٨/٧) رقم الحديث: ٧١٥٩. والخطيب في "تاريخ بغداد" باب الخاء، ذكر مثاني الأسماء ومفاريدها في هذا الباب، خليفة بن الحارث بن خليفة أبو بكر (٢٩٨/٩).

٢) شرح الطيبي: ١١٢٨/٤، رقم الحديث: ١٠٥٣.

٣) فتح القدير: ٣٤٥/١.

٤) بدائع الصنائع: ١٥٥/١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

والظلمة الشديدة في الصحيح، وعن أبي يوسف سألت أبا حنيفة عن الجماعة في طين ابتلت النعال فالصلاة في وردغة، فقال: لا أحب تركها، وقال محمد: الحديث رخصة، يعني قوله صلى الله عليه وسلم: إذا ابتلت النعال فالصلاة في الرحال. (١)

والكلام في هذا الباب في حديثين، أحدهما: حديث أبي هريرة رواه مسلم: "إذا أقيمت الصلاة فلا صلاة إلا المكتوبة" (٢). وقد لزم هذا على الحنفية في الحرمين الشريفين - زادهما الله تشريفا وتعظيما- تقيم الشافعية الصلاة، والحنفية يشتغلون بالأشغال في النوافل، ولهم عذر في ذلك الكلام في الاقتداء بالشافعية منعا وجوازا، فبعضهم يقتدون بهم خروجا عن هذه الورطة، وبعضهم لا يقتدون خوفا من الورطات الأخر في اختلافهم في باب الطهارة وانتقاض الوضوء وأمثال ذلك، فحيث يعلم روايتهم موضع الخلاف يجوز وحيث لا يعلم لم يجز، فهذا من المواضع التي ابتلى أهل الحرمين فيها من تجويز تكرار الجماعة لمذاهب الأئمة الأربعة خصوصا الشافعية والحنفية.

وقد استوفى ذلك بعض الفقهاء المحدثين من أهل المدينة، وعمل فيه كتابا، وقد عرضت هذه الواقعة على سيدي الشيخ عبد الوهاب المتقي رحمة الله عليه، وقلت: ما المخرج عنها؟ قال اثبتوا أنتم على صنيعكم، ولا تذبذبوا، ونقل عن شيخه الكبير: أنه قال قد قرر علماء السلف من قبلنا الجماعات لمذاهب الأربعة، ورتبوها، فنزل منزلة الإجماع، فتتبع ما قرروا، والله أعلم.

ويتفرع عليه أنه لا يصلي سنة الفجر إذا أقيم لفرضه بل يوافق الإمام، ويترك السنة، وبه قال الشافعي، وعندنا إن خشي أن تفوته ركعة وتدركه الأخرى، يصلي ركعة الفجر عند باب المسجد، ثم يدخل مع الإمام؛ لأنه أمكنه الجمع بين الفضيلتين، وإن خشي فوتهما دخل مع الإمام؛ لأن ثواب الجماعة أعظم، والوعيد بالترك ألزم، كذا في الهداية. (٣)

---

١) تبيين الحقائق: ١/١٣٣.

٢) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب صلاة المسافرين، باب كراهة الشروع في نافلة بعد شروع المؤذن (١/٤٩٣) رقم الحديث: ٧١٠.

٣) الهداية: ١/٧١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقال الشيخ ابن الهمام:[1] ولو كان يرجو إدراكه في التشهد، قيل: هو كإدراك الركعة عندهما، وعلى قول محمد لا اعتبار به كما في الجمعة، قال: وما نقل عن الفقيه إسماعيل الزاهد: أنه ينبغي أن يشرع في ركعتي الفجر، ثم يقطعهما فيجب القضاء فيتمكن من القضاء بعد الصلاة، دفعه الإمام السرخسي بأن ما وجب بالشروع ليس أقوى مما وجب بالنذر، ونص محمد أن المنذور لا يؤدى بعد الفجر قبل الطلوع، وأيضا هذا شروع في العبادة بقصد الإفساد، فإن قيل: بل يؤديها مرة أخرى، قلنا: إبطال العمل قصدا منهي عنه، ودفع المفسدة مقدم على جلب المصلحة، انتهى.

وقد مر في الفصل الثاني من باب أوقات النهي[2]: رأى النبي ﷺ رجلا يصلي بعد صلاة الصبح ركعتين، فقال رسول الله ﷺ: صلاة الصبح ركعتين ركعتين، فقال الرجل: إني لم أكن صليت الركعتين اللتين قبلهما فصليتهما الآن، فسكت رسول الله ﷺ. رواه أبو داود والترمذي [نحوه] [3]، وهذا محتمل أن يكون صلى ركعتين قبل الطلوع أو بعده، والأول أظهر.

وعقد الترمذي بابا "فيمن تفوته الركعتان قبل الفجر يصليهما بعد صلاة الفجر" [وروى] عن محمد بن إبراهيم، عن جده قيس، قال: خرج رسول الله ﷺ، فأقيمت الصلاة، فصليت معه الصبح، ثم انصرف النبي ﷺ فوجدني أصلي، فقال: مهلا يا قيس، أصلاتان معا، قلت: يا رسول الله، إني لم أكن ركعت ركعتي الفجر، قال: فلا إذن.[4]

وقد تكلم الترمذي في هذا الحديث، ثم قال: وقد قال قوم من أهل مكة بهذا الحديث، لم يروا بأسا أن يصلي الرجل الركعتين بعد المكتوبة قبل أن تطلع الشمس.

وذكر فيه حديثا: عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله ﷺ: من لم يصل ركعتي الفجر فليصلهما بعد ما تطلع الشمس. قال أبو عيسى: هذا حديث غريب لا نعرفه إلا من هذا

---

١) فتح القدير: ١/٤٧٦.

٢) مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب أوقات النهي، الفصل الثاني (١/٣٢٩) رقم الحديث: ١٠٤٤.

٣) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب من فاتته متى يقضيها (٢/٢٢) رقم الحديث: ١٢٦٧. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء فيمن تفوته الركعتان قبل الفجر (٢/٢٨٤) رقم الحديث: ٤٢٢.

٤) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء فيمن تفوته الركعتان قبل الفجر (٢/٢٨٤) رقم الحديث: ٤٢٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

الوجه. وقد روي عن ابن عمر: أنه فعله، والعمل على هذا عند بعض أهل العلم وبه يقول سفيان الثوري، وابن المبارك، والشافعي، وأحمد، وإسحاق.[١]

وثانيهما: في حديث: إذا كنتم في المسجد فنودي بالصلاة فلا يخرج أحدكم حتى يصلي.[٢] سواء صلى أولا منفردا أو في جماعة أو كان في صلاة الظهر والعشاء أو غيره، وفيه خلاف، ويتم الكلام فيه في باب "من صلى مرتين" إن شاء الله تعالى.

---

١) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في إعادتهما بعد طلوع الشمس (٢/٢٨٧) رقم الحديث: ٤٢٣.

٢) أخرجه أحمد في "مسنده" مسند المكثرين من الصحابة، مسند أبي هريرة (١٦/٥٤٥) رقم الحديث: ١٠٩٣٣، ١٠٩٣٤.

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب تسوية الصف [1]

عن النعمان بن بشير، قال: أقبل رسول الله ﷺ على الناس بوجهه، فقال: أقيموا صفوفكم ثلاثا، والله لتقيمن صفوفكم، أو ليخالفن الله بين قلوبكم، قال: فرأيت الرجل منا يلزق منكبه بمنكب صاحبه، وركبته بركبته، وكعبه بكعبه. رواه ابوداود.

وفي رواية له: كان رسول الله ﷺ يسوي صفوفنا إذا قمنا للصلاة، فإذا استوينا كبر. وروي هذا الحديث في سننه بروايات متعددة. [2]

وعن أنس قال: قال رسول الله ﷺ: أقيموا صفوفكم وتراصوا، فإني أراكم من وراء ظهري. رواه البخاري ومسلم وأبو داود والنسائي مع اختلاف في الالفاظ.

وزاد النسائي: وكان أحدنا يلزق منكبه بمنكب صاحبه، وقدمه بقدمه.

وفي رواية أبي داود: قال: فوالذي نفسي بيده، إني لأرى الشيطان يتخللكم، ويدخل من خلل الصف كأنها الحذف.

وفي أخرى: أن رسول الله ﷺ قال: أتموا الصف المقدم، ثم الذي يليه، فما كان من نقص فليكن في الصف المؤخر. [3]

---

١) تسوية الصف، قال تعالى: ﴿وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا﴾. [الفجر: ٢٢.] وقال تعالى: ﴿وَالصَّافَّاتِ صَفًّا﴾، الآية. [الصافات: ١.] وقال تعالى: ﴿فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ﴾، الآية. [الحج: ٣٦.] وقال تعالى: ﴿وَإِنَّا لَنَحْنُ الصَّافُّونَ﴾، الآية. [الصافات: ١٦٥.] (الأعظمي.)

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الأذان، باب تسوية الصفوف عند الإقامة وبعدها (١/١٤٥) رقم الحديث: ٧١٧. ومسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف وإقامتها (١/٣٢٤) رقم الحديث: ٤٣٦. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف (١/١٧٨) رقم الحديث: ٦٦٢، ٦٦٣، ٦٦٥. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في إقامة الصفوف (١/٤٣٨) رقم الحديث: ٢٢٧. والنسائي في "سننه" كتاب الإمامة، باب كيف يقوم الإمام الصفوف (٢/٨٩) رقم الحديث: ٨١٠، وابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب إقامة الصفوف (١/٣١٨) رقم الحديث: ٩٩٤.

٣) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الأذان، باب إقبال الإمام على الناس عند تسوية الصفوف (١/١٤٥) رقم الحديث: ٧١٩، باب إلزاق المنكب بالمنكب والقدم بالقدم في الصف (١/١٤٦) رقم الحديث: ٧٢٥. ومسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف وإقامتها (١/٣٢٤) رقم الحديث: ٤٣٣، ٤٣٤. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف (١/١٧٩) رقم الحديث: ٦٦٧، ٦٦٨، ٦٧٠. والنسائي في "سننه" كتاب الإمامة، باب كم مرة يقول استووا؟ (٢/٩١) رقم الحديث: ٨١٣، باب حث

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أبي هريرة ﷺ: أن رسول الله ﷺ قال: أقيموا الصف، فإن إقامة الصف من حسن الصلاة. وفي أخرى: أن الصلاة كانت تقام لرسول الله ﷺ، فيأخذ الناس مصافهم قبل أن يقوم النبي ﷺ مقامه. أخرجه مسلم، وأخرج أبو داود الثانية. (١)

وعن أنس ﷺ: لما قدم المدينة. قيل له: ما أنكرت مما عهدت رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ قال: ما أنكرت شيئا، إلا أنكم لا تقيمون الصفوف. أخرجه البخاري. (٢)

وعن نافع [مولى ابن عمر ﷺ]: أن عمر بن الخطاب كان يأمر بتسوية الصفوف، فإذا جاؤوا فأخبروه: أن قد استوت: كبر. [أخرجه الموطأ.] (٣)

وعن أبي سهيل [نافع] بن مالك [الأصبحي]: عن أبيه قال: كنت مع عثمان، فقامت الصلاة وأنا أكلمه في أن يفرض لي، فلم أزل أكلمه وهو يسوي الحصباء بنعليه، حتى جاءه رجال قد كان وكلهم بتسوية الصفوف، فأخبروه أن قد استوت، فقال لي: استو في الصف، ثم كبر. أخرجه الموطأ. (٤)

وعن هلال بن يساف: قال: أخذ زياد بن الجعد بيدي ونحن بالرقة، فقام بي على شيخ يقال له: وابصة بن معبد من بني أسد، فقال زياد: حدثني هذا الشيخ وهو يسمع: أن رسول الله ﷺ رأى رجلا يصلي خلف الصف وحده، فأمره أن يعيد الصلاة. أخرجه الترمذي، وأخرج أبو داود منه المسند. (٥)

الإمام على رص الصفوف والمقاربة بينهما (٢/٩٢) رقم الحديث: ٨١٤، ٨١٥، باب الجماعة للفائت من الصلاة (٢/١٠٥) رقم الحديث: ٨٤٥. وابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب إقامة الصفوف (١/٣١٧) رقم الحديث: ٩٩٣.

١) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف وإقامتها (١/٣٢٤) رقم الحديث: ٤٣٥، ٤٤٠؛ كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب متى يقوم الناس للصلاة (١/٤٢٣) رقم الحديث: ٦٠٥. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في الصلاة تقام ولم يأت الإمام ينتظرونه قعودا (١/١٤٨) رقم الحديث: ٥٤١.

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الأذان، باب إثم من لم يتم الصفوف (١/١٤٦) رقم الحديث: ٧٢٤.

٣) أخرجه مالك في "الموطأ" كتاب قصر الصلاة في السفر، باب ما جاء في تسوية الصفوف (١/١٥٨) رقم الحديث: ٤٤.

٤) أخرجه مالك في "الموطأ" كتاب قصر الصلاة في السفر، باب ما جاء في تسوية الصفوف (١/١٥٨) رقم الحديث: ٤٥.

٥) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب الرجل يصلي وحده خلف الصف (١/١٨٢) رقم الحديث: ٦٨٢. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في الصلاة خلف الصف وحده (١/٤٤٥) رقم الحديث: ٢٣٠، ٢٣١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن البراء بن عازب ﷺ قال: كان رسول الله ﷺ يتخلل الصفوف من ناحية إلى ناحية، يمسح صدورنا ومناكبنا، ويقول: لا تختلفوا فتختلف قلوبكم، قال: وكان يقول: إن الله وملائكته يصلون على الصفوف الأول. أخرجه أبو داود. وعند النسائي: الصفوف المقدمة.(١)

وعنه قال: وكان رسول الله ﷺ يقول: إن الله وملائكته يصلون على الذين يلون الصفوف الأول، وما من خطوة أحب إلى الله من خطوة يمشيها العبد، يصل بها صفا. رواه أبو داود. (٢)

وعن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: إن الله وملائكته يصلون على الذين يصلون الصفوف، ولا يصل عبد صفا إلا رفعه الله به درجة وذرت عليه الملائكة من البر. رواه الطبراني. (٣)

وعن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: عليكم بالصف الأول، وعليكم بالميمنة، وإياكم والصف بين السواري. رواه أبوبكر بن أبي شيبة. (٤)

وعن عائشة، قالت: قال رسول الله ﷺ: لا يزال قوم يتأخرون عن الصف الأول حتى يؤخرهم الله في النار. رواه أبو داود والبيهقي. (٥)

وعن العرباض بن سارية ﷺ: أن رسول الله ﷺ كان يصلي على الصف الأول ثلاثا، وعلى الصف الثاني واحدة. أخرجه النسائي. (٦)

---

١) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف (١/١٧٨) رقم الحديث: ٦٦٤. والنسائي في "سننه" كتاب الإمامة، باب كيف يقوم الإمام الصفوف (٢/٨٩) رقم الحديث: ٨١١.

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في الصلاة تقام ولم يأت الإمام ينتظرونه قعودا (١/١٤٩) رقم الحديث: ٥٤٣.

٣) أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط" باب العين، من اسمه علي (٤/١٢٣) رقم الحديث: ٣٧٧١.

٤) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب العين، عكرمة عن ابن عباس (١١/٣٥٧) رقم الحديث: ١٢٠٠٤. [لم يرو ابن أبي شيبة. كنز العمال، رقم الحديث: ٢٠٥٦٦.]

٥) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب صف النساء وكراهية التأخير عن الصف الأول (١/١٨١) رقم الحديث: ٦٧٩. والبيهقي في "السنن الكبرى" كتاب الصلاة، جماع أبواب موقف الإمام والمأموم، باب كراهية التأخير عن الصفوف المتقدمة (٣/١٤٦) رقم الحديث: ٥١٩٨.

٦) أخرجه النسائي في "سننه" كتاب الإمامة، باب فضل الصف الأول والثاني (٢/٩٢) رقم الحديث: ٨١٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: لو يعلمون، أو تعلمون ما في الصف الأول لكانت قرعة. وفي أخرى: ما كانت إلا قرعة. أخرجه مسلم. [١]

وعن أبي مسعود، قال: قال رسول الله ﷺ: ليلني منكم أولو الأحلام والنهى ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم. فأنتم اليوم أشد اختلافا. أخرجه مسلم والنسائي. [٢]

تنبيه

في ترتيب الصلاة

ليس هذا الباب محل اختلاف بين الأئمة سوى ما وقع في ترتيب الصفوف، والذي وقع في الأحاديث تقديم أولي الأحلام والنهى، والمراد منهم البالغون العاقلون؛ وهم الرجال، وقد يراد بهم أولو العلم والفضل كما ورد في حديث آخر كان رسول الله ﷺ يقدم المهاجر والأنصار، ويفهم ذلك من حديث قيس بن عباد، في الفصل الثالث من باب الموقف[٣]، والمراد بالذين يلونهم، الأولون المراهقون والصبيان، وبالثاني الخناثى، كذا في شرح المشكاة الشيخ ابن حجر[٤]، وقال في حديث ابن مسعود الذي وقع فيه "ثم يلونهم ثلاثا": فيه دليل لما ذهب إليه أئمتنا أن الخناثى بعد الصبيان، والنساء بعد الخناثى، فحينئذ المراتب أربعة، إنتهى. [٥]

وفي الحاوي [٦]: ويقف الرجال خلف الإمام ثم الصبيان ثم الخناثى ثم النساء، وتمسكوا بما روى عن أنس بن مالك، قال: صليت أنا ويتيم، في بيتنا خلف النبي صلى الله عليه وسلم، وأمي أم سليم خلفنا. [٧]

---

١) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف وإقامتها (٣٢٦/١) رقم الحديث: ٤٣٩.

٢) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف وإقامتها (٣٢٣/١) رقم الحديث: ٤٣٢ وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب باب من يستحب أن يلي الإمام في الصف وكراهية التأخير (١٨٠/١) رقم الحديث: ٦٧٤. والنسائي في "سننه" كتاب الإمامة، باب من يلي الإمام ثم الذي يليه (٨٧/٢) رقم الحديث: ٨٠٧، باب ما يقول الإمام إذا تقدم في تسوية الصفوف (٩٠/٢) رقم الحديث: ٨١٢.

٣) مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب الموقف، الفصل الثالث (٣٤٨/١) رقم الحديث: ١١١٦.

٤) فتح الإله في شرح المشكاة: ٣٦٩/٤.

٥) فتح الإله في شرح المشكاة: ٣٧٠/٤

٦) الحاوي الصغير: ٢٠٥.

٧) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الأذان، باب المرأة وحدها تكون صفا (٢٤٦/١) رقم الحديث: ٧٢٧

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقال في الهداية [1]: ويصف الرجال ثم الصبيان، ولم يذكر الخنائى.

وقال الشيخ ابن الهمام [2]: اعلم أن صف الخنائى بين الصبيان والنساء وبعد النساء المراهقات.

واستدل صاحب الهداية بقوله عليه السلام: "ليليني منكم أولو الأحلام والنهى" في حديث مسلم وأبي داود والترمذي والنسائي عن عبد الله بن مسعود، عن النبي ﷺ قال: ليليني منكم أولو الأحلام والنهى، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم، ولا تختلفوا فتختلف قلوبكم، وإياكم وهيشات الأسواق. [3]

وقيل: استدلاله به على سنية صف الرجال ثم الصبيان ثم النساء لا يتم إنما فيه تقديم البالغين أو نوع منهم، والأولى الاستدلال بما أخرجه الإمام أحمد في مسنده [4]: عن أبي مالك الأشعري أنه قال: يا معشر الأشعريين اجتمعوا واجمعوا نساءكم وأبناءكم حتى أريكم صلاة رسول الله ﷺ، فاجتمعوا وجمعوا أبناءهم ونساءهم ثم توضأ وأراهم كيف يتوضأ، ثم تقدم فصف الرجال في أدنى الصف، وصف الولدان خلفهم، وصف النساء خلف الصبيان، الحديث. ورواه ابن أبي شيبة في مصنفه. واستدل أيضا على تأخير النساء للزوم المحاذاة وهي مفسدة، وذكر فيه خلاف الشافعي، ومسئلة محاذاة المراءة الرجل وفساد صلاته مشهورة مذكورة في الفقه.

وفي الهداية وشروحه كلام طويل تركناه مخافة التطويل، وأجاب بأن القياس هكذا؛ ولكننا استحسنا بالخبر، وأراد به قوله عليه السلام: أخروهن من حيث أخرهن الله وإنه من المشاهير.

وقال الشيخ ابن الهمام [5]: ولم يثبت رفعه فضلا عن كونه من المشاهير، وإنما هو ابن مسعود موقوف عليه، ثم قيل: إن الصواب أن الفساد في المرأة غير معلول بعروض الشهوة بل

---

1) الهداية: ١/٥٨.
2) فتح القدير: ١/٣٥٩.
3) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف (١/٣٢٣) رقم الحديث: ٤٣٢. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب من يستحب أن يلي الإمام في الصف (١/١٨٠) رقم الحديث: ٦٧٤. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء ليليني منكم أولو الأحلام والنهى (١/٤٤٠) رقم الحديث: ٢٢٨. والنسائي في "سننه" كتاب الإمامة، باب من يلي الإمام ثم الذي يليه (٢/٨٧) رقم الحديث: ٨٠٧.
4) أخرجه أحمد في "مسنده" تتمة مسند الأنصار، حديث أبي مالك الأشعري (٣٧/٥٤٠) رقم الحديث: ٢٢٩٠٦.
5) فتح القدير: ١/٣٦٠-٣٦٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

هو لترك فرض المقام وليس هذا في الصبي، ومن تساهل فعلل به صرح بنفيه في الصبي مدعيا عدم اشتهائه فحصل أن مظنة الشهوة الأنوثة، وباعتبار المظنة ينبت الحكم لا باعتبار ما قد يتفق من اشتهاء الذكر الذكر فقد يتفق ذلك في المرأة الميتة والبهيمة ولا عبرة في ذلك فهذا كذلك، وقالوا: إن اشتهاء الذكر يكون عن انحراف في المزاج، [وقد سماهم كثير من السلف النتن تنفيرا،] بخلاف اشتهاء الأنثى فإنه الطبع السليم، وأما محاذاة الأمرد فصرح الكل بعدم إفساده إلا من شذ، كذا في شرح ابن الهمام، و ذكر في شروح الهداية في هذا المقام كلمات كثيرة تركناه مخافة التطويل.

واعلم أن في الباب نكتة يناسب ذكرها، وهي أن المراد بتسوية الصف أن يقيموا صفوفا مستوية مثلا صفوف لايكون بينهم فرج ولا تقدم معتدلين في القيام على سمت واحد كالخطوط المتوازية، ويراعوا الترتيب المذكور، وهذا من الآداب الظاهرة التي تركها موجب لإخلال الأحوال الباطنة كما قيل الظاهر بعنوان الباطن كما ورد في الحديث استووا ولا تختلف قلوبكم، وذلك لما في الاختلاف وتقدم بعض على بعض، وتفوقه عليه من التنافر وحدوث الصعوبة والوحشة وآثارة العداوة أو لما في ترك إطاعة أمر الله ورسوله من طريان الظلمة والكدورة في القلب، فيسري إلى الظواهر، ومع ذلك فيه أثر خاص في حدوث الاختلافات كما يظهر من سياق الحديث، وكان ما قد وقع بينهم من الاختلاف والمشاجرات [١] من آثار هذا الاختلاف، مع ما وقع من المبالغات في فعلها ورعايتها فقد جاء أن إنسا لما قدم المدينة فقيل له: ما أنكرت منا منذ يوم عهدت رسول الله ﷺ؟ قال: «ما أنكرت شيئا إلا أنكم لا تقيمون الصفوف، أخرجه البخاري. [٢]

---

١) وهذا الاختلاف في زماننا أيضا سبب الاختلاف فيما بينهم. [الأعظمي]

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الأذان، باب إثم من لم يتم الصفوف (١/١٤٦) رقم الحديث: ٧٢٤.

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب الموقف للإمام

عن سمرة بن جندب قال: أمرنا النبي ﷺ إذا كنا ثلاثة أن يتقدمنا أحدنا. أخرجه الترمذي. (١)

وعن نافع [مولى ابن عمر ﷺ]: قال: قمت وراء ابن عمر في صلاة من الصلوات، وليس معه أحد غيري، فخالف عبد الله بيده، فجعلني حذاءه عن يمينه. أخرجه الموطأ. (٢)

وعن البراء بن عازب قال: كنا إذا صلينا خلف رسول الله ﷺ أحببت أن أكون عن يمينه. أخرجه النسائي. (٣)

وعن همام بن الحارث [النخعي الكوفي]: قال: إن حذيفة أم الناس بالمدائن على دكان، فأخذ أبو مسعود بقميصه فجبذه، فلما فرغ من صلاته قال: ألم تعلم أنهم كانوا ينهون عن ذلك؟ قال: [بلى]، تذكرت حين مددتني. أخرجه أبو داود. (٤)

وعن سهل بن سعد: لما وضع المنبر لرسول الله ﷺ، قام رسول الله ﷺ فكبر، وكبر الناس وراءه وهو على المنبر، ثم رفع فنزل القهقرى حتى سجد في أصل المنبر، ثم عاد حتى فرغ من آخر صلاته، ثم أقبل على الناس فقال: يا أيها الناس، إنما صنعت هذا لتأتموا بي، ولتعلموا صلاتي. أخرجه مسلم وأبو داود والنسائي. وأخرج البخاري ومسلم نحوه.

قال البخاري: قال علي [بن عبد الله] بن المديني: سألني أحمد بن حنبل عن هذا الحديث؟ وقال: إنما أردت أن النبي ﷺ كان أعلى من الناس، فلا بأس أن يكون الإمام أعلى من الناس بهذا الحديث. قال: فقلت له: إن سفيان بن عيينة كان يسأل عن هذا كثيرا فلم

---

١) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في الرجل يصلي مع الرجلين (١/٤٥٢) رقم الحديث: ٢٣٣.

٢) أخرجه مالك في "الموطأ" كتاب صلاة الجماعة، باب العمل في صلاة الجماعة (١/١٣٤) رقم الحديث: ١٤.

٣) أخرجه النسائي في "سننه" كتاب الإمامة، باب المكان الذي يستحب من الصف (٢/٩٤) رقم الحديث: ٨٢٢.

٤) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب الإمام يقوم مكانا أرفع من مكان القوم (١/١٦٣) رقم الحديث: ٥٩٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

تسمعه منه؟ قال: لا. قال الحميدي، ففي هذا استفادة أحمد من ابن المديني، ورواية البخاري عن رجل عن أحمد. كذا في جامع الأصول. [١]

اعلم أن هذا الباب والباب السابق متقاربان في المقصد؛ ولهذا ذكرت بعض الأحاديث فيهما متشاركة، والمقصود من الباب الأول كان بيان تسوية الصفوف بالمعنى الذي ذكروا من هذا الباب بيان موقف المأموم من الإمام إن كان واحدا يقف على يمينه لا على يساره، وإن كانا اثنين أو أكثر يتقدم الإمام ويصفون خلفه على وجه مر ذكره، ولو وقف منفردا خلف الصف فصلاته عندنا وعند الشافعي مكروهة، وتفسد عند أحمد ويجب إعادتها.

قال في كتاب الخرقي: ومن صلى خلف الصف وحده أو قام بجنب الإمام عن يساره أعاد الصلاة.

وقال في شرحه [٢]: أما كون من صلى خلف الإمام وحده يعيد الصلاة، فلما روى وابصة بن معبد، أن رجلا صلى خلف الصف وحده، فأمره رسول الله ﷺ أن يعيد الصلاة، رواه أحمد وأبو داود، وابن ماجه، والترمذي، وقال ابن المنذر: ثبت أحمد وإسحاق هذا الحديث.

وعن علي بن شيبان، أن النبي ﷺ رأى رجلا يصلي خلف الصف وحده فوقف حيث انصرف الرجل، فقال له: استقبل صلاتك، فلا صلاة لفذ خلف الصف، رواه ابن ماجه وأحمد، وقال: هذا حديث حسن. ولا فرق بين الفرض والنفل على ظاهر كلام الخرقي، وهو المشهور، لعموم النص.

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب الصلاة في السطوح والمنبر والخشب (١/٨٥) رقم الحديث: ٣٧٧، باب الاستعانة بالنجار والصناع في أعواد المنبر والمسجد (١/٩٧) رقم الحديث: ٤٤٨، كتاب الجمعة، باب الخطبة على المنبر (٢/٩) رقم الحديث: ٩١٧، كتاب البيوع، باب النجار (٣/٦١) رقم الحديث: ٢٠٩٤، كتاب الهبة وفضلها والتحريض عليها (٣/١٥٤) رقم الحديث: ٢٥٦٩. ومسلم في "صحيحه" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب جواز الخطوة والخطوتين في الصلاة (١/٣٨٦) رقم الحديث: ٥٤٤. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في اتخاذ المنبر (١/٢٨٣) رقم الحديث: ١٠٨٠. والنسائي في "سننه" كتاب المساجد، باب الصلاة على المنبر (٢/٥٧) رقم الحديث: ٧٣٩. وابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء في بدء شأن المنبر (١/٤٥٥) رقم الحديث: ١٤١٦. وابن الأثير في "جامع الأصول" حرف الصاد، الكتاب الأول في الصلاة، القسم الأول في الفرائض وأحكامها وما يتعلق بها، الباب الثاني في صلاة الجماعة، الفصل الرابع في أحكام المأموم، الفرع الثاني في الاقتداء، وشرائطه ولوازمه، النوع الرابع في ارتفاع مكان الإمام (٥/٦٣٤) رقم الحديث: ٣٩٠١.

٢) شرح الزركشي: ٢/١٠٩-١١٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقال القاضي في تعليقه: [يحتمل أن] تصح صلاة الفذ في النفل، لأن أحمد نص على أنه يجوز أن يقف مع الصبي في النفل دون الفرض، [وليس من أهل الموقف، ورد بأن إمامته لما صحت في النفل فكذلك موقفه] ولا فرق أيضا بين صلاة الجنازة وغيرها، واستثنى ابن عقيل صلاة الجنازة إذا كانوا خمسة، نظرا لتحصيل ثلاثة صفوف، ومراد الخرقي بهذه المسألة إذا صلى جميع الصلاة خلف الصف أما لو أحرم خلف الصف ثم دخل في الصف، فتأتي المسألة إن شاء الله تعالى.

وأما كون من صلى بجنب الإمام عن يساره يعيد الصلاة، فلما روى جابر بن عبد الله، قال: قام النبي ﷺ يصلي المغرب، فجئت فقمت عن يساره، فنهاني فجعلني عن يمينه، ثم جاء صاحب لي فصففنا خلفه، رواه أحمد وغيره، والنهي دليل الفساد، وثبت أن ابن عباس رضي الله عنهما لما قام عن يسار النبي ﷺ [يصلي] أخذ برأسه فجعله عن يمينه، وهو بيان لمجمل "أقيموا الصلاة" [1] ونحوه فيحمل على الوجوب، لا سيما وقد لزم منه [مشيا] وعملا لغير حاجة، ومثل هذا لا يرتكب لمخالفة فضيلة.

وعن بعض الأصحاب صحة الصلاة، استدلالا بقصة ابن عباس، فإن النبي صلى الله عليه وسلم لم يبطل تحريمته، وأجيب بأنه لم يكن ركع، ومثل ذلك يعفى عنه، كما في إحرام الفذ، ولأبي محمد احتمال بأنه تجوز الصلاة عن يساره إذا كان وراءه صف، اعتمادا على [أن] النبي ﷺ وقف في مرضه عن يسار أبي بكر، وكان أبو بكر [وهو] الإمام، وأجيب بالمنع، بل كان رسول الله ﷺ هو الإمام.

ومراد الخرقي إذا لم يكن عن يمين الإمام أحد، أما إن كان عن يمينه أحد فتصح الصلاة على يساره بلا نزاع، لما روى عن علقمة والأسود أنهما استأذنا على ابن مسعود، قال الأسود: وقد كنا أطلنا القعود على بابه، فخرجت الجارية فاستأذنت لهما، ثم قام فصلى بيني وبينه، ثم قال: هكذا رأيت رسول الله ﷺ فعل. رواه أبو داود وغيره، والله أعلم.

وقال في الحاوي في مذهب الشافعي [2]: وكره الانفراد فإن لم يجد فرجة تحرم ثم جر واحدا. وفي شرحه: أي كره أن يقف المصلي منفردا خلف الصف وله أن يخرق الصف الآخر إن لم يجد فرجة فيه ووجدها فيما قبله ليقصرهم حيث لم يتموه، فإن لم يجد فرجة جر واحدا من

---

1) الأنعام: ٧٢.

2) الحاوي الصغير: ١٨٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

الصف إلى نفسه؛ لما روى أنه ﷺ قال لرجل صلى خلف الصف منفردا: هلا دخلت أو جررت رجلا من الصف فيصلي معك، أعد صلاتك فإنه لا صلاة لك، رواه الطبراني، قالوا: وإنما يجره بعد أن يحرم بالصلاة، وإليه أشار بقوله: ثم جر واحدا، ولو لم يجر وقف منفردا صحت صلاته، والخبر المذكور محمول على الاستحباب؛ لأن ابا بكرة رضي الله عنه انتهى إلى النبي ﷺ وهو راكع، فركع قبل أن يصل إلى الصف، فذكر ذلك للنبي ﷺ فقال: زادك الله حرصا ولا تعد، رواه البخاري [١]، ولم يأمره بالإعادة مع أنه أتى الصلاة منفردا خلف الصف.

وقال في الهداية: ومن صلى مع واحد أقامه عن يمينه؛ لحديث ابن عباس رضي الله عنهما فإنه عليه الصلاة والسلام صلى به وأقامه عن يمينه ولا يتأخر عن الإمام. [٢] وفي شرحه: لأن الصلاة خلف الصف منفردا منهي عنه، وإذا قام خلف الإمام يكون منفردا، فإذا قام بجنبه عن يمينه لا يكون منفردا، فتعين القيام بجنبه، وإن صلى خلفه أو في يساره جاز؛ لوجود الأركان، وبحديث ابن عباس رضي الله عنهما حيث لم يحكم بفساد صلاته، وهو مسيء في الأصح لأنه مخالف السنة، وترك السنة يوجب الاساءة، ومن المشائخ من قال: إذا وقف خلفه لا يكون مسيئا؛ لأن الواقف خلفه أحد الجانبين منه على يمينه، فلا يتم أعراضه عن السنة بخلاف الواقف على يساره، والأصح الإساءة في الفصلين.

وعن أبي يوسف رحمه الله يتوسطهما، ونقل ذلك عن عبد الله بن مسعود كما مر أنه صلى بعلقمة والأسود في بيته، فقام وسطهما.

ولنا أن النبي ﷺ تقدم على أنس واليتيم حين صلى بهما، فهذا أي حديث أنس والأثر يعني ما نقل عن ابن مسعود رضي الله عنه من الأثر دليل الإباحة فلا يكون مسيئا إذا توسط في الإثنين؛ لأنه فعل فعله بعض الصحابة بخلاف ما إذا توسط في الثلاثة فصاعدا.

فإن قلت أنه عليه السلام تقدم على ثلاثة أنس واليتيم وأم سليم ولا كلام فيه، قلت: المرأة في حكم الاصطفاف كالعدم، ولهذا قلنا: إذا كان مع الإمام رجل واحد وامرأة، أقام الرجل عن يمينه والمرأة خلفه، فتدبر.

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الأذان، باب إذا ركع دون الصف (١/١٥٦) رقم الحديث: ٧٨٣.

٢) الهداية: ١/٥٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب الإمامة (١)

عن أبي مسعود البدري ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: يؤم القوم أقرؤهم لكتاب الله، فإن كانوا في القراءة سواء، فأعلمهم بالسنة، فإن كانوا في السنة سواء، فأقدمهم هجرة، فإن كانوا في الهجرة سواء، فأقدمهم سنا، ولا يؤمن الرجل الرجل في سلطانه، ولا يقعد في بيته على تكرمته إلا بإذنه. أخرجه مسلم والترمذي وأبو داود والنسائي بروايات مختلفة. (٢)

وعن مالك بن الحويرث قال: أتيت أنا وابن عم لي، وقال مرة: أنا وصاحب لي إلى النبي ﷺ، فقال: إذا سافرتما فأذنا وأقيما، وليؤمكما أكبركما. أخرجه النسائي. وزاد أبو داود: وكنا متقاربين في العلم. (٣)

وعنه: سمعت رسول الله ﷺ يقول: من زار قوما فلا يؤمهم، وليؤمهم رجل منهم. أخرجه أبو داود والترمذي، والنسائي. (٤)

---

١) الإمامة، قال الله تعالى: إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا، الآية. [البقرة: ١٢٤.] وقال تعالى حاكيا عن عبادة المؤمنين: وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا، الآية: [الفرقان: ٧٤.] (الأعظمي.)

٢) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب من أحق بالإمامة (٤٦٥/١) رقم الحديث: ٦٧٣. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب من أحق بالإمامة (١٥٩/١) رقم الحديث: ٥٨٢، ٥٨٣، ٥٨٤. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب من أحق بالإمامة (٤٥٨/١) رقم الحديث: ٢٣٥، أبواب الأدب، باب [أي باب ما جاء في الإتكاء] (٩٩/٥) رقم الحديث: ٢٧٧٢. والنسائي في "سننه" كتاب الإمامة، باب من أحق بالإمامة (٧٧/٢) رقم الحديث: ٧٨٠، باب اجتماع القوم وفيهم الولي (٧٧/٢) رقم الحديث: ٧٨٣. وابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب من أحق بالإمامة (٣١٣/١) رقم الحديث: ٩٨٠. وابن الأثير في "جامع الأصول" حرف الصاد، الكتاب الأول في الصلاة القسم الأول في الفرائض وأحكامها وما يتعلق بها، الباب الثاني في صلاة الجماعة، الفصل الثالث في صفة الإمام وأحكامه، الفرع الأول في أولى الناس بالإمامة (٥٧٤/٥) رقم الحديث: ٣٨١٨.

٣) أخرجه النسائي في "سننه" كتاب الأذان، باب أذان المنفردين في السفر (٨/٢) رقم الحديث: ٦٣٤، باب اجتزاء المرء بأذان غيره في الحضر (٩/٢) رقم الحديث: ٦٣٥، باب إقامة كل واحد لنفسه (٢١/٢) رقم الحديث: ٦٦٩، كتاب الإمامة، باب تقديم ذوي السن (٧٧/٢) رقم الحديث: ٧٨١. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب من أحق بالإمامة (١٦١/١) رقم الحديث: ٥٨٩.

٤) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب إمامة الزائر (١٦٢/١) رقم الحديث: ٥٩٦. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء فيمن زار قوما فلا يصل بهم (١٨٧/٢) رقم الحديث: ٣٥٦. والنسائي في "سننه" كتاب الإمامة، باب إمامة الزائر (٨٠/٢) رقم الحديث: ٧٨٧

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن ابن عباس رضي الله عنهما: أن رسول الله ﷺ قال: ليؤذن لكم خياركم، وليؤمكم أقرؤكم. [أخرجه أبو داود.] (١)

وعن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: للإمام والمؤذن مثل أجور من صلى معهما. (٢)

وعنه قال: قال رسول الله ﷺ: الرحمة تنزل على الإمام، ثم على من على يمينه الأول فالأول. رواهما أبو الشيخ في كتاب الثواب. (٣)

وعن أبي زيد الأنصاري قال: قال رسول الله ﷺ: إذا كانوا ثلاثة فليؤمهم أقرؤهم لكتاب الله، فإن كانوا في القراءة سواء فأكبرهم سنا، وإن كانوا في السن سواء فأحسنهم وجها. رواه البيهقي. (٤)

وعن أبي مسعود الأنصاري قال: قال رسول الله ﷺ: يؤم القوم أكثرهم قرآنا، فإن كانوا في القرآن واحدا فأقدمهم هجرة، فإن كانوا في الهجرة واحدا، فأفقههم فقها، فإن كانوا في الفقه واحدا فأكبرهم سنا. رواه الحاكم والبيهقي. (٥)

وعنه: أن رسول الله ﷺ قال: يؤم القوم أقرؤهم لكتاب الله. رواه البزار. (٦)

وعن عمرو بن سلمة عن أبيه قال: قال رسول الله ﷺ: يؤمكم أكثركم قرآنا. رواه البغوي والخطيب. (٧)

---

١) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب من أحق بالإمامة (١/١٦١) رقم الحديث: ٥٩٠.

٢) أخرجه أبو الشيخ كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأقوال، الباب الخامس في صلاة الجماعة وما يتعلق بها، الفصل الثاني في الإمامة وما يتعلق بها (٥٨٦/٧) رقم الحديث: ٢٠٣٧٤.

٣) أخرجه أبو الشيخ كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأقوال، الباب الخامس في صلاة الجماعة وما يتعلق بها، الفصل الثاني في الإمامة وما يتعلق بها (٥٨٦/٧) رقم الحديث: ٢٠٣٧٦.

٤) أخرجه البيهقي في "السنن الكبرى" كتاب الصلاة، جماع أبواب صلاة الإمام وصفة الأئمة، باب من قال يؤمهم أحسنهم وجها إن صح الخبر (١٧٢/٣) رقم الحديث: ٥٢٩٩.

٥) أخرجه الحاكم في "المستدرك" كتاب الطهارة، حديث عبد الرحمن بن مهدي (٣٧٠/١) رقم الحديث: ٨٨٦. والبيهقي في "السنن الكبرى" كتاب الصلاة، جماع أبواب صلاة الإمام وصفة الأئمة، باب اجتماع القوم في موضع هم فيه سواء (١٦٩/٣) رقم الحديث: ٥٢٨٦.

٦) أخرجه البزار في "مسنده" مسند أبي حمزة أنس بن مالك (٣١٤/١٥) رقم الحديث: ٨٨٤٧.

٧) أخرجه البغوي في "شرح السنة" كتاب الصلاة، باب من هو أولى بالإمامة (٤٠١/٣). والخطيب في "تاريخ بغداد" حرف الحاء، ذكر من اسمه محمد واسم أبيه الحسين، محمد بن الحسين الجعفر (٣٨/٣).

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أبي سعيد قال: قال رسول الله ﷺ: يؤمكم أقرؤكم لكتاب الله إذا لم يكن عليكم أميرا. رواه الديلمي.(١)

وعن مالك بن الحويرث قال: قال رسول الله ﷺ: يؤم القوم أكبرهم سنا. رواه [الطبراني].(٢)

وعن علي قال: قال رسول الله ﷺ: لا تقدموا سفهاءكم وصبيانكم في صلاتكم، ولا على جنائزكم فإنهم وفدكم إلى الله عز وجل. رواه الديلمي.(٣)

وعن أبي هريرة، قال: قال رسول الله ﷺ: الإمام ضامن والمؤذن مؤتمن، اللهم أرشد الأئمة واغفر للمؤذنين. رواه أبو داود والترمذي وابن حبان والبيهقي.(٤)

وعن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: خير بقعة في المسجد خلف الإمام، وإن الرحمة إذا نزلت بدأت بالإمام، ثم الذي خلفه، ثم يمنة، ثم يسرة، ثم تتغاص المسجد بأهله. رواه الديلمي.(٥)

وعن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: يصلون لكم، فإن أصابوا فلكم، وإن أخطئوا فلكم وعليهم. رواه البخاري.(٦)

وعن سهل بن سعيد قال: قال رسول الله ﷺ: الإمام ضامن فإن أحسن فله ولهم، وإن أساء فعليه ولا عليهم.(٧)

---

١) أخرجه الديلمي في "الفردوس بمأثور الخطاب" باب الياء (٥/٤٩١) رقم الحديث: ٨٨٥٧.

٢) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب الميم، مالك بن الحويرث أبو سليمان الليثي (١٩/٢٨٨) رقم الحديث: ٦٣٦.

٣) أخرجه الديلمي في "الفردوس بمأثور الخطاب" باب لام ألف (٥/١٦) رقم الحديث: ٧٣١٠.

٤) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب ما يجب على المؤذن من تعاهد الوقت (١/١٤٣) رقم الحديث: ٥١٧. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء أن الإمام ضامن والمؤذن مؤتمن (١/٤٠٢) رقم الحديث: ٢٠٧. وابن حبان في "صحيحه" باب الأذان، ذكر إثبات الغفران للمؤذن بأذانه (٤/٥٦٠) رقم الحديث: ١٦٧٢. والبيهقي في "السنن الكبرى" كتاب الصلاة، جماع أبواب الأذان والإقامة، باب فضل التأذين على الإمامة (١/٦٣٢) رقم الحديث: ٢٠٢٠، ٢٠٢١، ٢٠٢٢، ٢٠٢٣

٥) أخرجه الديلمي في "الفردوس بمأثور الخطاب" باب الخاء (٢/١٨٢) رقم الحديث: ٢٩١٧.

٦) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الأذان، باب إذا لم يتم الإمام وأتم من خلفه (١/-١٤) رقم الحديث: ٦٩٤.

٧) أخرجه ابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما يجب على الإمام (١/٣١٤) رقم الحديث: ٩٨١. والحاكم في "المستدرك" كتاب الطهارة، من كتاب الإمامة وصلاة الجماعة (١/٣٣٨) رقم الحديث: ٧٨٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن جنادة قال: قال رسول الله ﷺ: من أم قوما وهم له كارهون، فإن صلاته لا تجاوز ترقوته. رواه الطبراني.[١]

وعن ثوبان قال: قال رسول الله ﷺ: لا يؤم رجل قوما فيخص نفسه بالدعاء دونهم، فإن فعل فقد خانهم. رواه أبو داود والترمذي.[٢]

وعن جابر بن عبد الله قال: نهى رسول الله ﷺ أن يكون الإمام مؤذنا. رواه البيهقي.[٣]

وعن البراء بن عازب قال: قال رسول الله ﷺ: أيما إمام سهى فصلى بالقوم وهو جنب فقد مضت صلاتهم، ثم ليغتسل هو ثم ليعد صلاته، وإن صلى بغير وضوء فمثل ذلك. رواه أبو نعيم.[٤]

وعن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: إذا فسدت صلاة الإمام فسدت صلاة من خلفه. رواه الخطيب في المتفق والمتفرق.[٥]

وعن أبي مرثد الغنوي [وكان بدريا] قال: قال رسول الله ﷺ: إن سركم أن تقبل صلاتكم، فليؤمكم علماؤكم خياركم، فإنهم وفدكم فيما بينكم وبين ربكم. رواه الطبراني.[٦]

وعن ابن عمر قال: قال رسول الله ﷺ: اجعلوا أئمتكم خياركم، فإنهم وفدكم فيما بينكم وبين ربكم. رواه الدارقطني والبيهقي.[٧]

---

١) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب الجيم، باب [أبي جنادة بن أبي أمية الأزدي] (٢/٢٨٢) رقم الحديث: ٢١٧٧.

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب أيصلي الرجل وهو حاقن؟ (١/٢٢) رقم الحديث: ٩٠. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في كراهية أن يخص الإمام نفسه بالدعاء (٢/١٨٩) رقم الحديث: ٣٥٧.

٣) أخرجه البيهقي في "السنن الكبرى" كتاب الصلاة، جماع أبواب الأذان والإقامة، باب الترغيب في الأذان (١/٦٣٦) رقم الحديث: ٢٠٤٠.

٤) أخرجه الدار قطني في "سننه" كتاب الصلاة، باب صلاة الإمام وهو جنب أو محدث (٢/١٨٦) رقم الحديث: ١٣٦٨. وأبو نعيم في "معجم شيوخه" كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأقوال، الباب الخامس في صلاة الجماعة وما يتعلق بها، الفصل الثاني في الإمامة وما يتعلق بها (٧/٥٩١) رقم الحديث: ٢٠٤٠١.

٥) أخرجه الخطيب في "المتفق والمتفرق" باب الحاء، الحسن بن صالح أبو علي البيكندي (١/٦٦٧).

٦) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب الميم، مرثد بن أبي مرثد الغنوي (٢٠/٣٢٨) رقم الحديث: ٧٧٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن عمرو بن سلمة قال: قال رسول الله ﷺ: ليؤمكم أكثركم قراءة للقرآن.[٢]

تنبيه

اعلم أنه قد اختلف الأحاديث والمذاهب في الأولى والأحق بالإمامة، ففي بعض الأحاديث ورد: يؤمهم أكبرهم، وفي بعضها: أفقههم، وفي بعضها: أقرؤهم، وأمثال هذه الأحاديث محمول على وجود الاستواء في باقي الصفات، والحديث الجامع المفصل حديث أبي مسعود البدري الذي مر ذكره، ففيه تقديم الأقراء لكتاب الله، فإن كانوا سواء في القراءة، فأعلمهم بالسنة، فإن كانوا في السنة في السواء فأقدمهم هجرة، فإن كانوا في الهجرة سواء فأقدمهم سنا، والمراد بالأقراء أحسنهم تجويدا للقرآن بعد كونه عالما بأركان الصلاة وأحكامها، وإن لم يكن عالما بتفاصيل أحكام الحوادث والنوائب الحادثة فالمراد بأعلمهم الأعلم بأحكام الصلاة ومسائلها بعد كونه يحسن القراءة المسنونة، فقد اختلفوا في تقديم الأقراء على الأعلم أو العكس.

فذهب الإمام أحمد عند أكثر أصحابه وأبو يوسف إلى الأول أخذا بالحديث المذكور وبحديث أبي سعيد وحديث عمرو بن سلمة، ففي شرح كتاب الخرقي[٣]: المعروف المشهور عندنا أن القارئ إذا عرف ما يعتبر للصلاة مقدم على الفقيه. وحكى ابن الزاغوني عن بعض الأصحاب أنه رأى تقديم الفقيه على القارئ. وعلى المذهب لو كان القارئ جاهلا بما يحتاج إليه في الصلاة بأن لا يميز بين مفروضها ومسنونها، ونحو ذلك، ففيه وجهان: أحدهما: وهو ظاهر كلام أحمد، والخرقي، والأكثرين يقدم على الفقيه [أيضا] نظرا لظواهر النصوص، ولأن القراءة ركن في الصلاة، بخلاف الفقه، فكان اعتبارها أولى. والثاني: وهو اختيار ابن عقيل، وبه قطع أبو البركات في محرره، وحسنه في شرحه أن الفقيه إذا أقام الفاتحة والحال هذه مقدم لامتيازه بما لا يستغني عنه في الصلاة إذ الجاهل قد يترك الفرض لظنه سنيته.

---

١) أخرجه البيهقي في "السنن الكبرى" كتاب الصلاة، جماع أبواب اختلاف نية الإمام والمأموم وغير ذلك (١٢٩/٣) رقم الحديث: ٥١٣٣. والدار قطني في "سننه" كتاب الجنائز، باب تخفيف القراءة لحاجة (٤٦٣/٢) رقم الحديث: ١٨٨١.

٢) أخرجه النسائي في "سننه" كتاب القبلة، باب الصلاة في الإزار (٧٠/٢) رقم الحديث: ٧٦٧.

٣) شرح الزركشي: ٨٠/٢-٨٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وذهب الإمام أبو حنيفة ومحمد ومالك والشافعي وأحمد في رواية رحمهم الله إلى أن يقدم الأفقه الأعلم، وتمسكوا بأن القراءة مفتقر إليها لركن واحد والعلم لسائر الأركان، وقالوا: إن الأحاديث الدالة على تقديم الأقرأ دالة على تقديم الأعلم؛ لأن أقرأهم كان أعلمهم؛ لأنهم كانوا يتلقون القرآن بأحكامه فقدم في الحديث، ولا كذلك في زماننا فقدمنا الأعلم، كذا في الهداية.[١]

فإن قلت: فما معنى قوله ﷺ: "فإن كانوا في القراءة سواء فأعلمهم بالسنة"، لأن المساواة في القراءة موجب للمساواة في العلم على هذا التأويل، قلنا: ذلك بحسب الظاهر وغالب الأمر لا قطعا وكليا، فقد كان أبي بن كعب أقرأ وابن مسعود أعلم وأفقه، فجاز تصور المساواة في القراءة مع التفاوت في العلم، فالشارع بين حكم هذا الممكن المتصور لو اتفق وقوعه، أو نقول: قال ذلك بحسب زماننا، كذا في بعض شروح الهداية.

وللشيخ في هذا المقام كلام طويل فراجعه، وقال[٢]: [وأحسن] ما يستدل به لتقديم الأعلم على الأقرأ حديث: مروا أبا بكر فليصل بالناس، وكان ثمة من هو أقرأ منه لا أعلم، ودليل الأول قوله ﷺ: أقرأكم أبي، ودليل الثاني قول أبي سعيد: كان أبو بكر ﷺ أعلمنا، وهذا آخر الأمر من رسول الله ﷺ، فيكون هو المعول عليه، انتهى.

اعلم أن بعد الاختلاف في الأعلم والأقرأ أيهما يقدم؟ ههنا اختلافات أخر، فعندنا إن تساووا في العلم والقراءة فأورعهم، وهذا لقوله ﷺ: من صلى خلف عالم تقي فإنه صلى خلف نبي، وهذا بعد ما ثبت تقديم الأعلم والأقرأ بالدلائل، فلا يقال: هذا فضل عظيم يوجب تقديم الأورع، فإن تساووا في العلم والقراءة والورع فأسنهم؛ لقوله ﷺ وليؤم الأكبر سنا، الأكبر سنا الأعظم حرمة عادة، ورغبة الناس في الاقتداء به أكثر هذا ما ذكر في الهداية.[٣]

وذكر الشيخ ابن الهمام في شرحه[٤]: فإن كانوا سواء في السن فأحسنهم خلقا، فإن كانوا سواء فأشرفهم نسبا، فإن كانوا سواء فأصبحهم وجها، وفسر في الكافي حسن الوجه بأن يصلي بالليل كأنه ذهب إلى ما روي عنه ﷺ من صلى بالليل حسن وجهه بالنهار، والمحدثون لا يثبتونه، وفيه كلام ذكر في كتب أصول الحديث، ثم إن استووا في حسن الوجه

---

١) الهداية: ٥٧/١.
٢) فتح القدير: ٣٤٧/١-٣٤٨.
٣) الهداية: ٥٧/١.
٤) فتح القدير: ٣٤٩/١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

فأشرفهم نسبا، فإن كانوا سواء في هذه كلها أقرع بينهم أو الخيار إلى القوم، واختلف في المسافر والمقيم قيل هما سواء، وقيل المقيم أولى، إنتهى.

وذكر في الحاوي في مذهب الشافعي [١]: ان يقدم الوالي الأعلى فالأعلى، ثم الإمام الراتب، ثم الأفقه، ثم الأقرأ، ثم الأورع، ثم الأسن، ثم النسيب، ثم نظيف الثوب، ثم حسن الصوت، ثم حسن الصورة، و العدل والحر والبالغ على غيرهم، وقال: والأعمى والبصير سواء، وقال في شرحه: إمامة الأعمى صحيحة لما روى أنه ﷺ استخلف ابن أم مكتوم في بعض غزاوته يوم الناس، وهو والبصير سواء، ولأن كلامنهما فيه معنى يعارض المعنى الذي في الآخر، فالأعمى لا ينظر إلى ما يليه فيكون أخشع وأبعد عن تفريق القلب، والبصير أحفظ لبدنه وثيابه عن النجاسات، ويستغني بنفسه في الاستعمال، إنتهى.

والمشهور في مذهبنا أنه يكره إمامة الأعمى؛ لأنه لا يتوقى النجاسة، وذكر في بعض الكتب أنه إن كان مقتدى القوم عالما وقاريا لا يكره.

وقد كان شيخنا الأجل الأكرم عبد الوهاب المتقي يوم أصحابه مع عمائه وقد كان في نفسي شيء من ذلك، ولم أستطع السوال عنه؛ تحاميا مع علمي أنه لا يترك السنة، ولا يداوم عليه؛ حتى رأيت في كتاب الأشباه والنظائر الرواية والحمد لله.

وقال في كتاب الخرقي في مذهب الإمام أحمد: ويصلي بهم أقرؤهم فإن استووا فأفقههم فإن استووا فأسنهم فإن استووا فأشرفهم فإن استووا فأقدمهم هجرة. [٢]

وفي شرحه [٣]: وحكى ابن الزاغوني عن بعض الأصحاب أنه رأى تقديم الفقيه على القارئ، واختلف في من يقدم بعد الفقيه، فقال الخرقي، وتبعه أبو الخطاب: يقدم بعده الأسن، ثم الأشرف، ثم الأقدم هجرة، لأن الأسن مظنة الخشوع، وهو مقصود في الصلاة قطعا، قال سبحانه: "الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ" [٤] فقدم به على الشرف والهجرة، إذ لا تعلق لهما بمعنى في الصلاة، وقدم الشرف على الهجرة إلحاقا للإمامة الصغرى بالعظمى، إذ للشرف تأثير في التقديم في العظمى بخلاف الهجرة، وفي رواية: يقدم الأقدم هجرة، ثم الأسن،

---

١) الحاوي الصغير: ١٨٢.

٢) مختصر الخرقي: ٢٩.

٣) شرح الزركشي: ٢/٨٠-٨٤.

٤) المؤمنون: ٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

ثم الأشرف، فإن استووا في جميع ما تقدم قدم أتقاهم وأورعهم، لقول النبي ﷺ: اجعلوا أئمتكم خياركم، فإنهم وفدكم فيما بينكم وبين ربكم، رواه الدارقطني، ولأبي محمد احتمال بتقديم هذا على الأشرف، لقوله سبحانه: "إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ" [١] فإن استووا قدم أعمرهم للمسجد، وما رضي به الجيران أو أكثرهم، لأن رضاهم به مظنة امتيازه بمرجح، فإن استووا فالقرعة كالأذان، وبالجملة الأولى بالإمامة أفضل القوم والأخصر الأوضح.

وعبارة رسالة ابن أبي زيد في مذهب مالك [٢]: يؤم الناس أفضلهم وأفقههم، ولم يزد على هذا شيئا، وقد عينوا وجوه الفضل والرجحان لوجوه متعددة، بعضها بالنظر إلى معنى الصلاة والمقصود منها، وبعضها بالقياس على الإمامة الكبرى، ولا شك أن ما كان أوفق بالسنة والحديث كان أرجح، وعلى كل تقدير هذا التقديم والترتيب أمر مستحب ومندوب، والأمر فيه أمر رشاد، وعلى هذا يدل عبارات المذاهب كلها، وأصل الجواز باق لقوله صلى الله عليه وسلم: صلوا خلف كل بر وفاجر.

وقال مالك: لا يجوز الصلاة خلف الفاسق، وقال: أحمد بن حنبل: من صلى خلف من تعلق ببدعة أو بسكر أعاد، وكان الصحابة يصلون خلف الحجاج، وهو أفسق أهل زمانه، ولكن كان في حكم الإكراه، وذلك كله إذا لم يصل فسقه حد الكفر.

---

١) الحجرات: ١٣

٢) رسالة ابن أبي زيد: ٢٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب ذكر أدب الإمام والمأمون

وما عليهما الحقوق وتخفيف الصلاة ونحوه

فصل ذكر أدب الإمام والمأموم

عن جابر ﷺ: قال: كان معاذ بن جبل يصلي مع النبي ﷺ، ثم يأتي فيؤم قومه، فصلى ليلة مع النبي ﷺ العشاء، ثم أتى قومه فأمهم، فافتتح بـ "سورة البقرة"، فانحرف رجل فسلم، ثم صلى وحده وانصرف، فقالوا له: أنافقت يا فلان؟ قال: لا والله، ولآتين رسول الله ﷺ فلأخبرنه، فأتى رسول الله ﷺ فقال: يا رسول الله إنا أصحاب نواضح نعمل بالنهار، وإن معاذا صلى معك العشاء، ثم أتى فافتتح بـ "سورة البقرة"، فأقبل رسول الله صلى الله عليه وسلم على معاذ، فاقل: يا معاذ، أفتان أنت؟ اقرأ بكذا، واقرأ بكذا، قال سفيان: فقلت لعمرو [بن دينار]: إن أبا الزبير حدثنا عن جابر أنه قال: اقرأ "والشمس وضحاها" "والضحى"، "والليل إذا يغشى" و "سبح اسم ربك الأعلى" فقال عمرو نحو هذا. أخرجه البخاري ومسلم، وللبخاري قال: أقبل رجل بناضحين وقد جنح الليل، فوافق معاذا يصلي ... وذكر نحوه، وقال في آخره: فلولا صليت بـ "سبح اسم ربك الأعلى"، "والشمس وضحاها" "والليل إذا يغشى" فإنه يصلي وراءك الكبير والضعيف وذو الحاجة.

وفي الحديث روايات متعددة، ففي بعضها: "اقراء باسم ربك" وزيد والمسافر والمريض بعد ذو الحاجة. وفي بعضها: افتان يا معاذ وقع مكررا، وجاء في آخر الحديث: إذا صلى أحدكم للناس فليخفف، وإذا قام وحده فليصل صلاته ما شاء.[1]

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الأذان، باب إذا طول الإمام وكان للرجل حاجة فخرج فصلى (١٤١/١) رقم الحديث: ٧٠٠، ٧٠١، باب من شكا إمامه إذا طول (١٤٢/١) رقم الحديث: ٧٠٥، باب إذا صلى ثم أم قوما (١٤٣/١) رقم الحديث: ٧١١، كتاب الأدب، باب من لم ير إكفار من قال ذالك متأولا أو جاهلا (٢٦/٨) رقم الحديث: ٦١٦٠. ومسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب القراءة في العشاء (٣٣٩/١) رقم الحديث: ٤٦٥. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب إمامة من يصلي بقوم وقد صلى تلك الصلاة (١٦٣/١) رقم الحديث: ٥٩٩، ٦٠٠، باب في تخفيف الصلاة (٢١٠/١) رقم الحديث: ٧٩٠، ٧٩١، ٧٩٣. والترمذي في "جامعه" أبواب السفر، باب ما جاء في الذي يصلي الفريضة ثم يؤم الناس بعد ذالك (٤٧٧/٢) رقم الحديث: ٥٨٣. والنسائي في "سننه" كتاب الإمامة، باب خروج الرجل من صلاة الإمام وفراغه من صلاته في ناحية المسجد (٩٧/٢) رقم الحديث: ٨٣١، باب اختلاف نية الإمام والمأمون

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن عمرو بن سلمة قال: فلما كانت وقعة الفتح بادر كل قوم بإسلامهم، وبدر أبي قومي بإسلامهم، فلما قدم قال: جئتكم والله من عند النبي ﷺ حقا. فقال: صلوا صلاة كذا في حين كذا، وصلاة كذا في حين كذا، فإذا حضرت الصلاة فليؤذن أحدكم وليؤمكم أكثركم قرآنا، فنظروا فلم يكن أحد أكثر قرآنا مني، لما كنت أتلقى من الركبان، فقدموني بين أيديهم وأنا ابن ست، أو سبع سنين. رواه البخاري. (١)

وعن أنس قال: كان النبي ﷺ يوجز الصلاة ويكملها. وفي أخرى: كان يوجز في الصلاة ويتم. وفي أخرى: كان من أخف الناس صلاة في تمام. وفي أخرى: ما صليت خلف أحد أوجز صلاة، ولا أتم من رسول الله ﷺ، وكانت صلاته متقاربة، وصلاة أبي بكر متقاربة، فلما كان عمر مد في صلاة الصبح. هذه روايات البخاري ومسلم. (٢)

(١٠٢/٢) رقم الحديث: ٨٢٥، كتاب الإفتتاح، باب القراءة في المغرب بسبح اسم ربك الأعلى (١٦٨/٢) رقم الحديث: ٩٨٤، باب القراءة في العشاء الآخرة بسبح اسم ربك الأعلى (١٧٢/٢) رقم الحديث: ٩٩٧، باب القراءة في العشاء الآخرة بالشمس وضحاها (١٧٢/٢) رقم الحديث: ٩٩٨. وابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب القراءة في صلاة العشاء (٢٧٣/١) رقم الحديث: ٨٣٦، باب من أم قوم فليخفف (٣١٥/١) رقم الحديث: ٩٨٦. وابن الأثير في "جامع الأصول" حرف الصاد، الكتاب الأول في الصلاة، القسم الأول في الفرائض وأحكامها وما يتعلق بها، الباب الثاني في صلاة الجماعة، الفصل الثالث في صفة الإمام، الفرع الثالث في آداب الإمام، تخفيف الصلاة (٥٨٦/٥) رقم الحديث: ٣٨٣٢.

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب المغازي، باب [أي باب مقام النبي ﷺ بمكة زمن الفتح] (١٥٠/٥) رقم الحديث: ٤٣٠٢. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب من أحق بالإمامة (١٥٩/١) رقم الحديث: ٥٨٥، ٥٨٦، ٥٨٧. والنسائي في "سننه" كتاب الأذان، باب اجتزاء المرء بأذان غيره في الحضر (٩/٢) رقم الحديث: ٦٣٦. كتاب القبلة، باب الصلاة في الإزار (٧٠/٢) رقم الحديث: ٧٦٧، كتاب الإمامة، باب إمامة الغلام قبل أن يحتلم (٨٠/٢) رقم الحديث: ٧٨٩.

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الأذان، باب الإيجاز في الصلاة وإكمالها (١٤٣/١) رقم الحديث: ٧٠٦، باب من أخف الصلاة عند بكاء الصبي (١٤٣/١) رقم الحديث: ٧٠٨، ٧٠٩، ٧١٠، باب الطمأنينة حين يرفع رأسه من الركوع (١٥٩/١) رقم الحديث: ٨٠٠، باب المكث بين السجدتين (١٦٤/١) رقم الحديث. ٨٢١. ومسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب أمر الأئمة بتخفيف الصلاة في تمام (٣٤٢/١) رقم الحديث: ٤٦٩، ٤٧٠. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب طول القيام من الركوع وبين السجدتين (٢٢٥/١) رقم الحديث: ٨٥٣. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء إذا أم أحدكم الناس فليخفف (٤٦٣/١) رقم الحديث: ٢٣٧، باب ما جاء أن النبي ﷺ قال: إني لأسمع بكاء الصبي في الصلاة فأخفف (٢١٤/٢) رقم الحديث: ٣٧٦. والنسائي في "سننه" كتاب الإمامة، باب ما على الإمام من التخفيف (٩٤/٢) رقم الحديث: ٨٢٤. وابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب من أم قوم فليخفف (٣١٥/١) رقم الحديث: ٩٨٥، باب الإمام يخفف الصلاة إذا حدث أمر (٣١٦/١) رقم الحديث: ٩٨٩.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن عثمان بن أبي العاص قال قلت: يا رسول الله اجعلني إمام قومي فقال: أنت إمامهم واقتد بأضعفهم واتخذ مؤذنا لا يأخذ على أذانه أجرا. أخرجه أبو داود والنسائي، وذكر صاحب المشكاة هذا الحديث في كتاب الأذان.(١)

وعن المغيرة بن شعبة ﷺ: قال: قال رسول الله ﷺ: لا يصلي الإمام في موضعه الذي صلى فيه المكتوبة حتى يتحول. أخرجه أبو داود.(٢)

وعن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: أيعجز أحدكم أن يتقدم أو يتأخر عن يمينه أو عن شماله. زاد في حديث حماد: في الصلاة، يعني: في السبحة. أخرجه أبو داود.(٣)

وعن نافع مولى ابن عمر قال: كان ابن عمر يصلي في مكانه الذي صلى فيه الفريضة بالناس، وفعله القاسم في المسجد. أخرجه البخاري.(٤)

وعن سالم أبي النضر قال: كان رسول الله ﷺ حين يقام للصلاة في المسجد: إذا رآهم قليلا جلس [لم يصل]، وإذا رآهم جماعة صلى. أخرجه أبو داود. وعن علي بن أبي طالب ﷺ، مثل ذلك.(٥)

وعن ثوبان ﷺ: قال: قال رسول الله ﷺ: ثلاث لا يحل لأحد أن يفعلهن: لا يؤمن رجل قوما فيخص نفسه بالدعاء دونهم، فإن فعل فقد خانهم، ولا ينظر في قعر بيت قبل أن يستأذن، فإن فعل فقد خانهم، ولا يصلي وهو حقن، حتى يتخفف. أخرجه أبو داود والترمذي.(٦)

---

١) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب أخذ الأجر على التأذين (١/١٤٦) رقم الحديث: ٥٣١. والنسائي في "سننه" كتاب الأذان، باب اتخاذ المؤذن الذي لا يأخذ على أذانه أجرا (٢/٢٣) رقم الحديث: ٦٧٢. والتبريزي في "مشكاة المصابيح" كتاب الصلاة، باب فضل الأذان وإجابة المؤذن، الفصل الثاني (١/٢١١) رقم الحديث: ٦٦٨.

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب الإمام يتطوع في مكانه (١/١٦٧) رقم الحديث: ٦١٦.

٣) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب الإمام يتطوع في مكانه الذي صلى فيه المكتوبة (١/٢٦٤) رقم الحديث: ١٠٠٦.

٤) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الأذان، باب مكث الإمام في مصلاه بعد السلام (١/١٦٩) رقم الحديث: ٨٤٨.

٥) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في الصلاة تقام ولم يأت الإمام ينتظرونه قعودا (١/١٤٩) رقم الحديث: ٥٤٥، ٥٤٦.

٦) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب أيصلي الرجل وهو حاقن؟ (١/٢٢) رقم الحديث: ٩٠. والترمذي في "سننه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في كراهية أن يخص الإمام نفسه بالدعاء (٢/١٨٩) رقم الحديث: ٣٥٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أنس بن مالك ﷺ قال: سقط رسول الله ﷺ عن فرس فجحش شقه الأيمن، فدخلنا عليه نعوده، فحضرت الصلاة، فصلى بنا قاعدا، فصلينا وراءه قعودا، فلما قضى الصلاة قال: إنما جعل الإمام ليؤتم به، فإذا ركع فاركعوا، وإذا سجد فاسجدوا، وإذا رفع فارفعوا، وإذا قال: سمع الله لمن حمده فقولوا: ربنا ولك الحمد وإذا صلى قاعدا فصلوا قعودا أجمعون. زاد بعض الرواة: وإذا صلى قائما فصلوا قياما. أخرجه أصحاب الستة وهذه رواية البخاري و مسلم.

قال الحميدي: ومعاني سائر الروايات متقاربة. قال: وزاد في كتاب البخاري قوله: إذا صلى جالسا فصلوا جلوسا. هو في مرضه القديم، وقد صلى في مرضه الذي مات فيه جالسا، والناس خلفه قيام، لم يأمرهم بالقعود، وإنما تأخذ بالآخر فالآخر من أمر النبي صلى الله عليه وسلم. إنتهى.

وجاء في رواية من حديث أبي هريرة: وإذا قرأ فأنصتوا. وقال أبو داود: وهذه الزيادة وإذا قرأ فأنصتوا ليست بمحفوظة.[1]

وعن جابر، قال: ركب رسول الله ﷺ فرسا بالمدينة فصرعه على جذم نخلة فانفكت قدمه، فأتيناه نعوده، فوجدناه في مشربة لعائشة يسبح جالسا، قال: فقمنا خلفه فسكت عنا، ثم أتيناه مرة أخرى، نعوده فصلى المكتوبة جالسا، فقمنا خلفه فأشار إلينا، فقعدنا،

---

1) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب الصلاة في السطوح والمنبر والخشب (١/٨٥) رقم الحديث: ٣٨٧، كتاب الأذان، باب إنما جعل الإمام ليؤتم به (١/١٣٩) رقم الحديث: ٦٨٩، باب إيجاب التكبير وافتتاح الصلاة (١/١٤٧) رقم الحديث: ٧٣٢، ٧٣٣، باب يهوي بالتكبير حين يسجد (١/١٦٠) رقم الحديث: ٨٠٥، كتاب الجمعة، باب صلاة القاعد (٢/٤٧) رقم الحديث: ١١١٤. ومسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب ائتمام المأموم بالإمام (١/٣٠٨) رقم الحديث: ٤١١. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب الإمام يصلي من قعود (١/١٦٤-١٦٥) رقم الحديث: ٦٠١، ٦٠٤. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء إذا صلى الإمام قاعدا فصلوا قعودا (٢/١٩٤) رقم الحديث: ٣٦١. والنسائي في "سننه" كتاب الإمامة، باب الائتمام بالإمام (٢/٨٣) رقم الحديث: ٧٩٤، باب الائتمام بالإمام يصلي قاعدا (٢/٩٨) رقم الحديث: ٨٣٢، كتاب التطبيق، باب ما يقول المأموم (٢/١٩٥) رقم الحديث: ١٠٦١. ومالك في "الموطأ" كتاب صلاة الجماعة، باب صلاة الإمام وهو جالس (١/١٣٥) رقم الحديث: ١٦. وابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء في إنما جعل الإمام ليؤتم به (١/٣٩٢) رقم الحديث: ١٢٣٨.

toobaa-elibrary.blogspot.com

قال: فلما قضى الصلاة، قال: إذا صلى الإمام جالسا فصلوا جلوسا، وإذا صلى الإمام قائما فصلوا قياما، ولا تفعلوا كما يفعل أهل فارس بعظمائها. رواه [أبو داود] وابن حبان. (١)

[وعنه قال: قال رسول الله ﷺ:] كدتم أن تفعلوا أفعال فارس والروم يقومون على ملوكهم وهم قعود فلا تفعلوا، ائتموا بإمامكم إن صلى قائما فصلوا قياما، وإن صلى قاعدا فصلوا قعودا. رواه [الطبراني.] (٢)

وعن جابر قال: قال رسول الله ﷺ: [كل] من كان له إمام فقراءته له قراءة. رواه ابن أبي شيبة. (٣)

وعن ابن مسعود قال: قال رسول الله ﷺ: ما لي أنازع القرآن؟ إذا صلى أحدكم خلف الإمام فلينصت فإن قراءته له قراءة، وصلاته له صلاة. رواه الخطيب. (٤)

وعن أبي سعيد قال: قال رسول الله ﷺ: ليس على خلف الإمام قراءة. رواه الحاكم في تاريخه، [وقال: إسناده ظلمات]. (٥)

وعن عبادة بن الصامت قال: قال رسول الله ﷺ: إذا قرأ الإمام فلا يقرأن أحد منكم [معه إلا بأم القرآن]. رواه ابن عساكر. (٦)

وعن ابن عمرو قال: قال رسول الله ﷺ: إذا كنت مع الإمام فاقرأ بأم القرآن قبله وإذا سكت. رواه عبد الرزاق. (٧)

---

١) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب الإمام يصلي من قعود (١٦٤/١) رقم الحديث: ٦٠٢. وابن حبان في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب فرض متابعة الإمام (٤٧٦/٥) رقم الحديث: ٢١١٢.

٢) أخرجه الطبراني كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأقوال، الباب الخامس في صلاة الجماعة وما يتعلق بها، الفصل الثاني في الإمامة وما يتعلق بها (٦١٣/٧) رقم الحديث: ٢٠٥١١.

٣) أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الصلوات، باب من كره القراءة خلف الإمام (٣٣١/١) رقم الحديث: ٣٨٠٢.

٤) أخرجه الخطيب في "تاريخ بغداد" باب العين، ذكر من اسمه علي، حرف الراء، علي بن روحان أبو الحسن الدقاق (٣٧٦/١٣).

٥) أخرجه الحاكم في "تاريخه" كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأقوال، الباب الخامس في صلاة الجماعة وما يتعلق بها، الفصل الثاني في الإمامة وما يتعلق بها (٦١٨/٧) رقم الحديث: ٢٠٥٤٨.

٦) أخرجه ابن عساكر في "تاريخ دمشق" حرف العين، عمر بن الجنيد بن عبد الرحمن المري (٤٥٣/٤٥).

٧) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الصلاة، باب القراءة خلف الإمام (١٣٣/٢) رقم الحديث: ٢٧٨٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أبي هريرة، قال: قال رسول الله ﷺ: فليقرأ فاتحة الكتاب في سكتاته. رواه الحاكم.(١)

وعن أبي هريرة ﷺ: أن رسول الله ﷺ قال: أما يخشى أحدكم أو ألا يخشى أحدكم إذا رفع رأسه من ركوع أو سجود قبل الإمام أن يجعل الله رأسه رأس حمار، أو يجعل الله صورته صورة حمار؟ أخرجه الجماعة إلا الموطأ.(٢)

وأخرج الموطأ، قال: الذي يرفع رأسه ويخفضه قبل الإمام فإنما ناصيته بيد شيطان.(٣) وفي رواية: إن رأسه كلب. وفي أخرى: رأس كبش.

وعن أنس بن مالك قال: صلى بنا النبي ﷺ ذات يوم فلما قضى الصلاة أقبل علينا بوجهه، فقال: أيها الناس، إني إمامكم، فلا تسبقوني بالركوع، ولا بالسجود ولا بالقيام، ولا بالانصراف، فإني أراكم أمامي ومن خلفي، ثم قال: والذي نفس محمد بيده، لو رأيتم ما رأيت لضحكتم قليلا، ولبكيتم كثيرا، قالوا: وما رأيت يا رسول الله؟ قال: الجنة والنار. أخرجه مسلم والنسائي.(٤)

وعن البراء بن عازب ﷺ قال: أنهم كانوا إذا رفعوا رؤوسهم من الركوع مع رسول الله ﷺ قاموا قياما، فإذا رأوه قد سجد سجدوا. وهذا الحديث أخرجه البخاري ومسلم وأبو داود والترمذي والنسائي مع اختلاف في الألفاظ.(٥)

---

١) أخرجه الحاكم في "المستدرك" كتاب الطهارة، حديث أنس (٣٦٤/١) رقم الحديث: ٨٦٨. [ولفظه: من صلى صلاة مكتوبة مع الإمام فليقرأ فاتحة الكتاب في سكتاته، ومن انتهى إلى أم الكتاب فقد أجزاه]

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الأذان، باب إثم من رفع رأسه قبل الإمام (١٤٠/١) رقم الحديث: ٦٩١. ومسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب النهي عن سبق الإمام بركوع أو سجود (٣٢٠/١) رقم الحديث: ٤٢٧. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب التشديد فيمن يرفع قبل الإمام أو يضع قبله (١٦٩/١) رقم الحديث: ٦٢٣. والترمذي في "جامعه" أبواب السفر، باب ما جاء في التشديد في الذي يرفع رأسه قبل الإمام (٤٧٥/٢) رقم الحديث: ٥٧٢. والنسائي في "سننه" كتاب الإمامة، باب مبادرة الإمام (٩٦/٢) رقم الحديث: ٨٢٨. وابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب النهي أن يسبق الإمام بالركوع والسجود (٣٠٨/١) رقم الحديث: ٩٦١.

٣) أخرجه مالك في "الموطأ" كتاب الصلاة، باب ما يفعل من رفع رأسه قبل الإمام (٩٢/١) رقم الحديث: ٥٧.

٤) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب النهي عن سبق الإمام بركوع أو سجود (٣٢٠/١) رقم الحديث: ٤٢٦. والنسائي في "سننه" كتاب السهو، باب النهي عن مبادرة الإمام بالانصراف من الصلاة (٨٣/٣) رقم الحديث: ١٣٦٣.

٥) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الأذان، باب رفع البصر إلى الإمام في الصلاة (١٥٠/١) رقم الحديث: ٧٤٧. ومسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب متابعة الإمام والعمل بعده (٣٤٥/١) رقم الحديث: ٤٧٤. وأبو داود في

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أبي هريرة ﷺ: أن رسول الله ﷺ: من أدرك ركعة من الصلاة مع الإمام فقد أدرك الصلاة كلها. أخرجه البخاري ومسلم. وفي رواية أبي داود قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا جئتم إلى الصلاة ونحن سجود فاسجدوا، ولا تعدوها شيئا، ومن أدرك الركعة فقد أدرك الصلاة. (١)

وعن ابن عمر قال: قال رسول الله ﷺ: إذا دخل أحدكم المسجد والإمام في التشهد فليكبر وليجلس كذلك معه فإذا سلم فليقم إلى صلاته، فإنه قد أدرك فضل الجماعة. رواه الديلمي. (٢)

وعن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: من أدرك الإمام جالسا قبل أن يسلم فقد أدرك الصلاة وفضلها. رواه الحاكم في تاريخه. (٣)

"سننه" كتاب الصلاة، باب ما يؤمر به المأموم من اتباع الإمام (١/١٦٨) رقم الحديث: ٦٢٠، ٦٢١، ٦٢٢ والترمذي في "سننه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في كراهية أن يبادر الإمام في الركوع والسجود (٢/٧٠) رقم الحديث: ٢٨١. والنسائي في "سننه" كتاب الإمامة، باب مبادرة الإمام (٢/٩٦) رقم الحديث: ٨٢٩.

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب مواقيت الصلاة، باب من أدرك ركعة من العصر قبل المغرب (١/١١٦) رقم الحديث: ٥٥٦، باب من أدرك من الفجر ركعة (١/١٢٠) رقم الحديث: ٥٧٩، باب من أدرك من الصلاة ركعة (١/١٢٠) رقم الحديث: ٥٨٠. ومسلم في "صحيحه" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب من أدرك ركعة من الصلاة فقد أدرك تلك الصلاة (١/٢٢٣) رقم الحديث: ٦٠٧، ٦٠٨. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في وقت صلاة العصر (١/١١٢) رقم الحديث: ٤١٢، باب في الرجل يدرك الإمام ساجدا كيف يصنع؟ (١/٢٣٦) رقم الحديث: ٨٩٣، باب من أدرك من الجمعة ركعة (١/٢٩٢) رقم الحديث: ١١٢١. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء فيمن أدرك ركعة من العصر (١/٣٥٣) رقم الحديث: ١٨٦، أبواب الجمعة، باب فيمن أدرك من الجمعة ركعة (٢/٤٠٢) رقم الحديث: ٥٢٤. والنسائي في "سننه" كتاب المواقيت، باب من أدرك ركعتين من العصر (١/٢٥٧) رقم الحديث: ٥١٤، ٥١٥، ٥١٦، ٥١٧، باب من أدرك ركعة من صلاة الصبح (١/٢٧٣) رقم الحديث: ٥٥٠، باب من أدرك ركعة من الصلاة (١/٢٧٤) رقم الحديث: ٥٥٣، ٥٥٤، ٥٥٥، ٥٥٦، كتاب الجمعة، باب من أدرك ركعة من صلاة الجمعة (٣/١١٢) رقم الحديث: ١٤٢٥. ومالك في "الموطأ" كتاب وقوت الصلاة، باب وقوت الصلاة (١/٦) رقم الحديث: ٥، باب من أدرك ركعة من الصلاة (١/١٠) رقم الحديث: ١٥، ١٨. وابن ماجه في "سننه" كتاب الصلاة، باب وقت الصلاة في الغدر والضرورة (١/٢٢٩) رقم الحديث: ٦٩٩، كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها (١/٣٥٦) رقم الحديث: ١١٢١، ١١٢٢.

٢) أخرجه الديلمي في "الفردوس بمأثور الخطاب" باب الألف (١/٣٠١) رقم الحديث: ١١٨٩.

٣) أخرجه الحاكم في "تاريخه" كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأقوال، الباب الخامس في صلاة الجماعة وما يتعلق بها، الفصل الثاني في الإمامة وما يتعلق بها (٧/٦٤٤) رقم الحديث: ٢٠٦٩٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعنه قال: قال رسول الله ﷺ: من أدرك ركعة من الصلاة فقد أدرك الجماعة. رواه ابن عدي.(١)

وعن المسور بن يزيد المالكي ﷺ: أن رسول الله ﷺ وربما قال: شهدت رسول الله ﷺ يقرأ في الصلاة، فيترك شيئا لم يقرأه، فقال له رجل: يا رسول الله، تركت آية كذا وكذا، فقال رسول الله ﷺ: فهلا أذكرتنيها؟ زاد في رواية قال: كنت أرى أنها نسخت. أخرجه أبو داود.(٢)

وعن ابن عمر رضي الله عنهما: أن النبي ﷺ صلى صلاة، فقرأ فيها، فلبس عليه، فلما انصرف قال لأبي: أصليت معنا؟ قال: نعم، قال: فما منعك. أخرجه أبو داود.(٣)

وعن مالك قال: بلغني أن رسول الله ﷺ صلى بالناس صلاة يجهر فيها، فأسقط آية، فقال: يا فلان، هل أسقطت في هذه السورة من شيء؟ قال: لا أدري، ثم سأل آخر، حتى سأل اثنين أو ثلاثا، كلهم يقول: لا أدري، فقال هل فيكم أبي؟ قالوا: نعم يا رسول الله، قال: فهو لها إذا، ثم قال: يا أبي، هل أسقطت في هذه السورة من شيء؟ قال: نعم، آية كذا، قال: ما منعك أن تفتحها علي؟ قال: ظننت أنها نسخت أو رفعت، ثم قال رسول الله ﷺ: ما بال أقوام يتلى عليهم كتاب الله فما يدرون ما يتلى منه مما ترك، هكذا خرجت عظمة الله من قلوب بني إسرائيل، فشهدت أبدانهم، وغابت قلوبهم، ولا يقبل الله من عبد عملا، حتى يشهد بقلبه مع بدنه. أخرجه ...(٤)

وعن أبي إسحاق [السبيعي] عن الحارث [الأعور] عن علي قال: قال رسول الله ﷺ لا يفتح على الإمام في الصلاة. أخرجه أبو داود. وقال: أبو إسحاق لم يسمع من الحارث إلا أربعة أحاديث ليس هذا الحديث منها.(٥)

---

١) أخرجه ابن عدي في "الكامل في ضعفاء الرجال" يحيى بن حميد (٩/٧٨) [ولفظه: عن أبي هريرة، أن رسول الله ﷺ قال: من أدرك ركعة من الصلاة فقد أدركها قبل أن يقيم الإمام صلبه. قال: وهذا زاد في متنه قبل أن يقيم الإمام صلبه.]

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب الفتح على الإمام في الصلاة (١/٢٣٧) رقم الحديث: ٩٠٧.

٣) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب الفتح على الإمام في الصلاة (١/٢٣٧) رقم الحديث: ٩٠٧.

٤) ابن الأثير في "جامع الأصول" حرف الصاد، الكتاب الأول في الصلاة، القسم الأول في الفرائض وأحكامها وما يتعلق بها، الباب الثاني في صلاة الجماعة، الفصل الثالث في صفة الإمام، الفرع الرابع في القراءة مع الإمام، الفتح على الإمام (٥/٦٤٨) رقم الحديث: ٣٩٢٤.

٥) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب النهي عن التلقين (١/٢٣٩) رقم الحديث: ٩٠٨.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أبي هريرة ﷺ: أن النبي ﷺ قال: إذا سمعتم الإقامة فامشوا إلى الصلاة وعليكم السكينة والوقار، ولا تسرعوا فما أدركتم فصلوا، وما فاتكم فأتموا. أخرجه الستة، وهذا رواية البخاري ومسلم. وفي رواية لمسلم: فإن أحدكم إذا كان يعمد إلى الصلاة فهو في صلاة. (١)

وعن أبي قتادة ﷺ قال: بينما نحن نصلي مع رسول الله ﷺ إذ سمع جلبة رجال، فلما صلى قال: ما شأنكم؟ قالوا: استعجلنا إلى الصلاة، قال: فلا تفعلوا، إذا أتيتم الصلاة، فعليكم السكينة، فما أدركتم فصلوا، وما فاتكم فأتموا. أخرجه البخاري ومسلم. (٢)

وعن مالك قال: كان ابن مسعود إذا أعجل يدب إلى الصف راكعا، وزيد بن ثابت مثله. أخرجه الموطأ. (٣)

وعن نافع: أن ابن عمر سمع الإقامة وهو بالبقيع، فأسرع المشي إلى المسجد. أخرجه الموطأ. (٤)

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الأذان، باب لا يسعى إلى الصلاة وليأت بالسكينة والوقار (١٢٩/١) رقم الحديث: ٦٣٦، كتاب الجمعة، باب المشي إلى الجمعة (٧/٢) رقم الحديث: ٩٠٨. ومسلم في "صحيحه" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب استحباب إتيان الصلاة بوقار وسكينة (٤٢٠/١) رقم الحديث: ٦٠٢. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب السعي إلى الصلاة (١٥٦/١) رقم الحديث: ٥٧٢، ٥٧٣. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في المشي إلى المسجد (١٤٨/٢) رقم الحديث: ٣٢٧. والنسائي في "سننه" كتاب الإمامة، باب السعي إلى الصلاة (١١٤/٢) رقم الحديث: ٨٦١. ومالك في "الموطأ" كتاب الصلاة، باب ما جاء في النداء للصلاة (٦٨/١) رقم الحديث: ٤. وابن ماجه في "سننه" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب المشي إلى الصلاة (٢٥٥/١) رقم الحديث: ٧٧٥.

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الأذان، باب قول الرجل: فاتتنا الصلاة (١٢٩/١) رقم الحديث: ٦٣٥. ومسلم في "صحيحه" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب استحباب إتيان الصلاة بوقار وسكينة (٤٢١/١) رقم الحديث: ٦٠٣.

٣) أخرجه مالك في "الموطا" كتاب قصر الصلاة في السفر، باب ما يفعل من جاء والإمام راكع (١٦٥/١) رقم الحديث: ٦٤، ٦٥.

٤) أخرجه مالك في "الموطا" كتاب الصلاة، باب ما جاء في النداء للصلاة (٧٢/١) رقم الحديث: ٩.

toobaa-elibrary.blogspot.com

تنبيه

الكلام في هذا الباب في ثلاثة مواضع مع الشوافع.

الأول من أنه هل يفسد صلاة المأموم إذا تبين فساد صلاة الإمام:

فعندنا يفسد، وعندهم لا يفسد، وقد مر الكلام في "باب مالا يجوز من العمل في الصلاة" وذكر دلائل الجانبين، وقد ورد في "باب الإمامة" عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: إذا فسدت صلاة الإمام فسدت صلاة من خلفه. (١) وورد أيضا: يصلون لكم، فإن أصابوا فلكم، وإن أخطئوا فلكم وعليهم. (٢)

قال الشيخ ابن حجر في شرح المشكاة (٣): فيه دليل على أنه إذا صلى الإمام بقوم وكان جنبا أو محدثا، فعليه الإعادة، وصلاة القوم صحيحة، سواء كان الإمام عالما بحدثه متعمدا للإمامة أو كان جاهل إنتهى، وقد يفسر هذه العبارة بأن لكم أجر ما قصدتموه من الصلاة بالجماعة الكاملة وعليهم وبال نقص ذلك وتفويت الصواب، ولا يخفى أن هذا النهي لايلزم فساد صلاة الإمام فتأمل.

الثاني في قراءة المقتدي خلف الإمام فاتحة الكتاب:

هذا أيضا قد سبق الكلام في "باب القراءة في الصلاة" في قراءة المقتدي خلف الإمام، مفصلا ولا حاجة إلى الإعادة.

والثالث في ذكر حديث جابر وقصة معاذ بن جبل:

أنه كان يصلي مع النبي ﷺ ثم يأتي قومه فيؤمهم، وكنا قد وعدنا أن نذكره في باب الإمامة وما على الإمام من رعاية التخفيف؛ لكونه أنسب على خلاف ما اختاره صاحب المشكاة من ذكر هذا الحديث في باب القراءة في الصلاة، فذكرنا فيه من الكلام وتحقيق المرام.

اعلم أن الشافعية استدلوا بهذا الحديث على جواز اقتداء المفترض بالمتنفل، إذ الصلاة المعادة تقع نفلا، كما يأتي في الفصل الآتي؛ لأنه ﷺ ما ذكر على معاذ إلا التطويل، وروى

---

١) أخرجه الخطيب في "المتفق والمفترق" باب الحاء، الحسن بن صالح أبو علي البيكندي (١/٦٦٧).

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الأذان، باب إذا لم يتم الإمام وأتم من خلفه (٢/١٤٠) رقم الحديث: ٦٩٤.

٣) شرح الطيبي: ٤/١١٦٠، رقم الحديث: ١١٣٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

الشافعي رحمه الله عن جابر: كان معاذ بن جبل يصلي مع النبي ﷺ العشاء، ثم ينطلق إلى قومه، فيصليها بهم، هي له تطوع ولهم فريضة.

وأجيب عن هذا الاستدلال بأن الاحتجاج [به] من باب ترك الإنكار من النبي ﷺ، وشرط ذلك علمه، وجاز عدمه، يدل عليه ما رواه الإمام أحمد [1] عن سليم رجل من بني سلمة أنه أتى النبي ﷺ، فقال: يا رسول الله! إن معاذ بن جبل يأتينا بعد ما تنام، ونكون في أعمالنا بالنهار، فينادي بالصلاة، فنخرج إليه، فيطول علينا، فقال له صلى الله عليه وسلم: يا معاذ لا تكن فتانا، إما أن تصلي معي، وإما أن تخفف عن قومك، فشرع له أحد الأمرين: الصلاة معه ولا يصلي بقومه، أو الصلاة بقومه على وجه التخفيف ولا يصلي معه، هذا أفاد منعه من الإمامة إذا صلى معه ﷺ، ولا يمنع إمامته بالاتفاق، فعلم أنه منعه من الفرض، كذا ذكر الشيخ ابن الهمام. [2]

وقيل: إن تلك الزيادة، أعني: هي له تطوع ولهم فريضة، من كلام الشافعي رحمه الله بناء على اجتهاده، وهذا لا يعرف إلا من جهة النص، وهذا، وقد وقع أيضا في صلاة الخوف في غزوة ذات الرقاع: أنه ﷺ صلى بكل طائفة ركعتين، فكانت لرسول الله ﷺ أربع ركعات، وللقوم ركعتين، فيلزم منه أيضا اقتداء المفترض بالمتنفل، وهذا إنما يتم للشافعي إلزاما علينا في قولنا: إن على المسافر ركعتين، وإلا فعنده يقع الكل فرضا، فلا يتم له حجة على مذهبه، ونحن نقول: لعل ذلك من خصائص صلاة الخوف، وقد تكلمنا فيه في شرح سفر السعادة. [3]

ثم قال الشيخ ابن الهمام [4]: إنه أجاب الطحاوي عنه وعن حديث معاذ بأنه منسوخ، أو يحتمل أنه كان حين كانت الفريضة تصلى مرتين، ثم نسخ، وروى حديث ابن عمر رضي الله عنهما: نهى أن تصلى فريضة في يوم مرتين، قال: والنهي: لا يكون إلا بعد الإباحة، ونوزع في ذلك بأنه نسخ بالاحتمال، والجواب أن مراده الحمل على النسخ ترجيحا

---

١) اخرجه احمد في "مسنده" أول مسند البصريين، حديث سليم من بني سلمة (٣٠٧/٣٤) رقم الحديث: ٢٠٦٩٩.

٢) فتح القدير: ٣٧١/١-٣٧٢.

٣) شرح سفر السعادة: ٢٣٠-٢٣٤.

٤) فتح القدير: ٣٧٢/١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

بضرب من الاجتهاد، وهذا صحيح بل واجب، لأنه يجب الترجيح ما أمكن، ومرجعه الحمل على النسخ في كل متعارضين ثبتت صحتهما، والله اعلم.

فإن قلت: قد اشتهر من الشافعية أنهم قائلون بتكرار الفرض، فكيف يقولون: بأنه نفل؟ قلت: معنى هذا القول منهم أنه يجب نية الفرض لتحاكي الأصلية، لا أنه فرض على الحقيقة، وهذا أيضا على قول، والقول الآخر: أنه ينوي عند الإعادة النفل، فتدبر.

وذكر الشيخ ابن حجر في شرح المشكاة في حديث معاذ: أن فيه أوضح دلالة لمذهبنا؛ أنه يندب عن صلاة من صلى في جماعة أعادتها مع جماعة أخرى، إماما كان أو مأموم، وأن كانت الجماعة الأولى أكمل وأكثر؛ لأنه ﷺ لم ينكر على معاذ إلا التطويل، انتهى.

ومما ذكرنا من حديث أحمد عن سليم: أنه ليس اطلاع النبي ﷺ على صلاة معاذ، وتقريره عليه مقطوعا به؛ حتى يكون دليلا بمذهبكم، وسيأتي في الباب الآتي ما يظهر به حقيقة الحال في الإعادة.

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب من صلى صلاة مرتين

المقصود منه أنه صلى الفرض مرة ثم أتى مسجد جماعة يعيدها ويصلي بجماعة على ما ورد في الأحاديث، ويشتمل ما ورد في حديث معاذ وهو الموسوم عند الشافعية بتكرا الفرض، وهو ليس في الحقيقة، ويسمونه اقتداء المفترض بالمتنفل، ويتمسكون بهذا الحديث على ما عرف.

وعن أبي ذر الغفاري ﷺ: قال: قال لي رسول الله: كيف أنت إذا كانت عليك أمراء يميتون الصلاة. أو قال: يؤخرون الصلاة عن وقتها. قلت: ما تأمرني؟ قال: صل الصلاة لوقتها، فإن أدركتها معهم فصل، فإنها لك نافلة. رواه صاحب المشكاة في باب تعجيل الصلاة.

وفي رواية: فإن أقيمت الصلاة وأنت في المسجد فصل. وفي أخرى: فإن أدركتك يعني الصلاة معهم فصل، ولا تقل: إني قد صليت فلا أصلي.

وفي رواية أخرى للنسائي، عن أبي العالية البراء قال: أخر زياد الصلاة، فأتاني عبد الله بن الصامت، فألقيت له كرسيا فجلس عليه، فذكرت له صنع زياد فعض على شفتيه، وضرب [على] فخذي، وقال: إني سألت أبا ذر كما سألتني؟ فضرب فخذي كما ضربت فخذك، وقال: إني سألت رسول الله ﷺ كما سألتني؟ فضرب فخذي كما ضربت فخذك فقال: ﷺ: صل الصلاة لوقتها، فإن أدركت معهم فصل، ولا تقل: إني قد صليت، فلا أصلي. أخرجه مسلم وأبو داود والترمذي والنسائي.(١)

وعن عمرو بن ميمون الأودي قال: قدم علينا معاذ بن جبل اليمن، رسول رسول الله ﷺ إلينا، قال: فسمعت تكبيرة مع الفجر رجل أجش الصوت قال: فألقيت عليه محبتي، فما

---

١) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب كراهية تأخير الصلاة عن وقتها للمختار (٤٤٨/١) رقم الحديث: ٦٤٨، كتاب الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية وتحريمها في معصية (١٤٦٧/٣) رقم الحديث: ١٨٣٧. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب إذا أخر الإمام الصلاة عن الوقت (١١٧/١) رقم الحديث: ٤٣١. والترمذي في "سننه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في تعجيل الصلاة إذا أخرها الإمام (٣٣٢/١) رقم الحديث: ١٧٦. والنسائي في "سننه" كتاب الإمامة، باب الصلاة مع أئمة الجور (٧٥/٢) رقم الحديث: ٧٧٨، إعادة الصلاة بعد ذهاب وقتها مع الجماعة (١١٣/٢) رقم الحديث: ٨٥٩. وابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء فيما إذا أخروا الصلاة عن وقتها (٣٩٨/١) رقم الحديث: ١٢٥٦.

toobaa-elibrary.blogspot.com

فارقته حتى دفنته بالشام ميتا، ثم نظرت إلى أفقه الناس بعده، فأتيت ابن مسعود، فلزمته حتى مات، قال: قال [لي] رسول الله ﷺ: كيف بكم إذا أتت عليكم أمراء يصلون الصلاة لغير ميقاتها؟ قلت: فما تأمرني إن أدركني ذلك يا رسول الله؟ قال: صل الصلاة لميقاتها، واجعل صلاتك معهم سبحة. أخرجه أبو داود. (١)

وعن عبادة بن الصامت رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: إنها ستكون عليكم بعدي أمراء تشغلهم أشياء عن الصلاة لوقتها، حتى يذهب وقتها، فصلوا الصلاة لوقتها، فقال رجل: يا رسول الله، أصلي معهم؟ قال: نعم. وفي رواية: إن أدركتها أصليها معهم؟ قال: نعم إن شئت. أخرجه أبو داود. (٢)

وعن قبيصة بن وقاص رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: يكون عليكم أمراء من بعدي يؤخرون الصلاة، فهي لكم، وهي عليهم، فصلوا معهم ما صلوا القبلة. أخرجه أبو داود. (٣)

تنبيه

هذه الأحاديث وأمثالها وردت في إعادة الصلاة بعد ما صلى بعضها مطلقة من غير فصل بين صلاة وصلاة، وبين إن صليت أولا بجماعة أو منفردا، وقد ورد بعضها مخصوصا ببعض.

فعن نافع، أن عبد الله بن عمر كان يقول: من صلى المغرب أو الصبح، ثم أدركهما مع الإمام، فلا يعد لهما. رواه مالك. (١)

وعن سليمان مولى ميمونة قال: أتينا ابن عمر على البلاط وهم يصلون. فقلت: ألا تصلي معهم؟ فقال: قد صليت، وإني سمعت رسول الله ﷺ يقول: لا تصلوا صلاة في يوم مرتين، رواه أحمد وأبو داود والنسائي. (١)

---

١) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب الندب إلى وضع الأيدي على الركب في الركوع ونسخ التطبيق (١/٣٧٨) رقم الحديث: ٥٣٤. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب إذا أخر الإمام الصلاة عن الوقت (١/١١٧) رقم الحديث: ٤٣٢. والنسائي في "سننه" كتاب الإمامة، باب الصلاة مع أئمة الجور (٢/٧٥) رقم الحديث: ٧٧٩، باب موقف الإمام إذا كانوا ثلاثة والاختلاف في ذلك (٢/٨٤) رقم الحديث: ٧٩٩.

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب إذا أخر الإمام الصلاة عن الوقت (١/١١٨) رقم الحديث: ٤٣٣.

٣) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب إذا أخر الإمام الصلاة عن الوقت (١/١١٨) رقم الحديث: ٤٣٤.

٤) أخرجه مالك في "الموطأ" كتاب صلاة الجماعة، باب إعادة الصلاة مع الإمام (١/١٣٣) رقم الحديث: ١٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

ويدل بعض الأحاديث على التخيير كما ذكرنا من رواية في حديث عبادة بن الصامت بحيث قال: نعم إن شئت، وقد تكلم في حديث ابن عمر: بأنه بعد تسليم صحة سنده لا يرد نقضا لما جاء عنه ﷺ أنه أفتى لمن صلى منفردا بالإعادة مع الإمام، فيكون الحديث الذي يدل على المنع محمولا على من أراد الإعادة منفردا، موافق الأحاديث التي هي أصح منه وأشهر.

قال الشيخ ابن الحجر: فإن صلاته من يعيد منفردا لا تنعقد عندنا؛ لأن الأصل منع الإعادة إلا ما ورد به الدليل، ولم يرد إلا في الإعادة في جماعة، فبقيت الإعادة مع انفراد على أصلها من الامتناع.

وقال الشيخ التوربشتي:[٢] يحمل حديث ابن عمر رضي الله عنهما على إقامة الصلاة في مسجد مرتين إيثارا أو اختيارا، أو على إعادة الصلاة بعد أن صليت بجماعة. وقد زعم بعض أهل الحديث أن حديث يزيد بن الأسود ناسخ لحديث ابن عمر رضي الله عنهما لأنه سمعه في حجة الوداع، وهي من آخر أيام رسول الله ﷺ، وهو قول غير سديد؛ لأن ابن عمر رضي الله عنهما صحب بعد حجة الوداع إلى أن توفي، فلعله سمع بعد يزيد بن الأسود، ثم إن حديثه لا يبلغ حديث ابن عمر رضي الله عنهما في الصحة والاشتهار، ولم يختلف أحد في صحته، وحديث يزيد بن الأسود اختلف في إسناده، انتهى.

وأقول: يمكن أن يحمل منع ابن عمر الإعادة بنية الفرض، والفرض لا يتكرر في وقت واحد، ومذهب الأئمة في ذلك مختلفة.

وظاهر مذهب الشافعي على ما ذكره الشيخ ابن الحجر في شرح المشكاة في حديث معاذ ﷺ: ثم يندب لمن صلى في جماعة إعادتها مع جماعة أخرى إماما كان أو مأموم، وإن كانت الجماعة الأولى أكمل وأكثر؛ لأنه ﷺ لم ينكر على معاذ إلا التطويل.

وفي رسالة ابن أبي زيد في مذهب مالك، قال[٣]: ومن صلى وحده فله أن يعيد في الجماعة للفضل في ذلك إلا المغرب وحدها، فلا يعيدها في الجماعة، ومن أدرك ركعة فأكثر

---

١) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب إذا صلى في جماعة ثم أدرك جماعة أيعيدها (١/١٥٨) رقم الحديث: ٥٧٩. والنسائي في "سننه" كتاب الإمامة، باب سقوط الصلاة عمن صلى مع الإمام في المسجد جماعة (٢/١١٤) رقم الحديث: ٨٦٠. وأحمد في "مسنده" مسند عبد الله بن عمر (٨/٣١٥) رقم الحديث: ٤٦٨٩.

٢) كتاب الميسر: ١/٣٠٣-٣٠٤.

٣) رسالة ابن أبي زيد: ٢٧-٢٨.

toobaa-elibrary.blogspot.com

من صلاة الجماعة فلا يعيدها في جماعة، ومن لم يدرك إلا التشهد أو السجود فله أن يعيدها في جماعة أخرى، وفي حديث نافع الذي رواه مالك استثني الصبح أيضا.

وفي كتاب الخرقي [وشرحه] في مذهب الإمام أحمد (١): شرط إعادة الجماعة في وقت المنهي أن يكون في المسجد حين أقيمت الصلاة، وشرط القاضي، وأبو البركات وغيرهما أن يكون المقيم إمام الحي، إذ قضية النص وردت في ذلك، ولم يشترط ذلك أبو محمد، وزعم أنه ظاهر كلام أحمد، وكلام الخرقي محتمل، قال أبو البركات: وهذا إذا منعنا التنفل بما له سبب في وقت النهي، أما إن جوزناه فإنه يجوز إعادة الفجر والعصر، مع إمام الحي وغيره، ولا يكره له الدخول إذا كان خارج المسجد، لأنه نفل له سبب، أشبه تحية المسجد.

وقال في الهداية (٢): ومن دخل مسجدا قد أذن فيه يكره له أن يخرج حتى يصلي، وإن كان قد صلى وكانت الظهر أو العشاء فلا بأس بأن يخرج؛ لأنه أجاب داعي الله مرة، إلا إذا أخذ المؤذن في الإقامة؛ لأنه يتهم بمخالفة الجماعة عيانا، وإن كانت العصر أو المغرب أو الفجر خرج وإن أخذ المؤذن فيها؛ لكراهة التنفل بعدها، انتهى.

فإن قلت: الأحاديث مطلقة؟ قلنا: إنما قال حين فرغ من الظهر وهو وقت لا يكره التنفل فيه، فقيد بمثله، فإن قيل: العبرة لعموم الفاظ لا لخصوص السبب؟ قلنا: نعم؛ لكن نحمله على غير هذه الصلوات دفعا للتعارض بينه وبين النهي المشهور عن التنفل بعد الفجر والعصر، فإن قيل: روى أيضا أنه عليه السلام قاله بعد صلاة الفجر؟ قلنا: إن صحت الرواية فيحمل على وقت لم ينههم بعد عن الصلاة بعد الفجر ثم نسخ ذلك للنهي، فإن قيل: لا نهي في التنفل بعد المغرب؟ قلنا: قد سبق أن فيه مخالفة السنة أو مخالفة الإمام، وهما منهيان، وقد جاء في حديث ابن عمر: أصليت في رحالك ثم أتيت إمام قوم، فصل إلا المغرب والصبح وألحقنا العصر، والعجب إنهم يجوزون في الوقت المنهي أيضا كما سبق في بيان مذهب أحمد، فعندهم ليس النهي معمولا إلا في النوافل لا في غيرها كقضاء الفوائت ونحوها، وعندنا تمامه معمولة في جميع الصلوات كما سبق ذكره في باب أوقات النهي، والاحتياط في ترجيح المحرم كما هو القاعدة المقررة، والله أعلم. (٣)

---

١) شرح الزركشي: ٢/٥٥-٥٦.

٢) الهداية: ١/٧١.

٣) هنا: تم الجزء الثاني من "فتح الرحمن في إثبات مذهب النعمان" ويليه جزء الثالث من "باب السنن وفضائلها". [الأعظمي.]

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب السنن وفضائلها

وفيه فصول

الفصل الأول: في فضل النوافل والترغيب فيها

عن محمد بن مسلمة الأنصاري، قال: قال رسول الله ﷺ: إن لربكم في أيام دهركم نفحات فتعرضوا له، لعله أن يصيبكم نفحة منها فلا تشقون بعدها أبدا.(١)

وعن أبي هريرة، قال: قال رسول الله ﷺ: اطلبوا الخير دهركم كله، وتعرضوا لنفحات الله، فإن لله نفحات من رحمته يصيب بها من يشاء من عباده؛ وسلوا الله أن يستر عوراتكم وأن يؤمن روعاتكم. رواه ابن أبي الدنيا في الفرج، وأبو نعيم في الحلية.(٢)

وعن ثوبان وأبي الدرداء، قالا: قال رسول الله ﷺ: عليك بكثرة السجود، فإنك لا تسجد لله سجدة إلا رفعك الله بها درجة، وحط عنك بها خطيئة. رواه احمد ومسلم والنسائي وابن ماجه.(٣)

وعن أبي هريرة، قال: قال رسول الله ﷺ: وما يزال عبدي يتقرب إلي بالنوافل حتى أحبه، فإذا أحببته: كنت سمعه الذي يسمع به. هذا جزء من الحديث المشهور الذي ذكره صاحب المشكاة في باب ذكر الله والتقرب إليه. رواه البخاري.(٤)

---

١) اخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب لليم، للهاجر عن محمد بن مسلمة (١٩/٢٣٣) رقم الحديث: ٥١٩.

٢) اخرجه أبو نعيم في "حلية الأولياء وطبقات الأصفياء" الطبقة الأولى من التابعين، صفوان بن سليم (٣/١٦٢). وابن أبي الدنيا في "الفرج بعد الشدة" (٤٤) رقم الحديث: ٢٧.

٣) اخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب فضل السجود والحث عليه (١/٣٥٣) رقم الحديث: ٤٨٨. والنسائي في "سننه" كتاب التطبيق، باب ثواب من سجد لله عز وجل سجدة (٢/٢٢٨) رقم الحديث: ١١٣٩. وابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء في كثرة السجود (١/٤٥٧) رقم الحديث: ١٤٢٣. وأحمد في "مسنده" تتمة مسند الأنصار، حديث ثوبان (٣٧/٥٢) رقم الحديث: ٢٢٣٧٠، (٣٧/٥٩) رقم الحديث: ٢٢٣٧٧، (٣٧/٩٤) رقم الحديث: ٢٢٤١١، (٣٧/١١٣) رقم الحديث: ٢٢٤٤٢.

٤) اخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الرقاق، باب التواضع (٨/١٠٥) رقم الحديث: ٦٥٠٢. والتبريزي في "مشكاة المصابيح" كتاب الدعوات، باب ذكر الله عز وجل والتقرب إليه، الفصل الأول (٢/٦٩٩) رقم الحديث: ٢٢٦٦.

toobaa-elibrary.blogspot.com

عن صهيب بن النعمان، قال: قال رسول الله ﷺ: فضل صلاة الرجل في بيته على صلاته حيث يراه الناس، كفضل المكتوبة على النافلة. رواه الطبراني.[1]

عن جابر [بن عبد الله] قال: قال رسول الله ﷺ: من صلى ركعتين في خلاء لا يراه الناس إلا الله والملائكة كتب له براءة من النار. رواه ابن عساكر.[2]

وعن زيد بن ثابت، قال: قال رسول الله ﷺ: صلاة أحدكم في بيته أفضل من صلاته في مسجدي هذا إلا المكتوبة. رواه أبو داوود.[3]

وعن أبي ذر، قال: قال رسول الله ﷺ: إن الله تعالى خلق النهار ثنتي عشرة ساعة، وأعد لكل ساعة منها ركعتين يدرأ عنك ذنب تلك الساعة. الديلمي من طريق عبد الملك بن هارون بن عنترة عن أبيه عن جده عن أبي ذر.[4]

وعن صهيب، قال: قال رسول الله ﷺ: صلاة التطوع حيث لا يراه من الناس أحد مثل خمس وعشرين صلاة حيث يراه الناس. رواه أبو الشيخ.[5]

وعن أنس، قال: قال رسول الله ﷺ: من صلى ركعتين ليلة الجمعة فقرأ فيهما بفاتحة الكتاب وخمس عشرة مرة "إذا زلزلت الأرض" أمنه الله تعالى من عذاب القبر، ومن أهوال يوم القيامة. رواه أبو سعد الإدريسي في تاريخ سمرقند، وابن النجار والديلمي.[6]

---

١) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب الصاد صهيب بن نعمان (٨/٤٦) رقم الحديث: ٧٣٢٢.

٢) أخرجه ابن عساكر في "تاريخ دمشق" حرف العين، علي بن محمد بن علي (٤٣/١٩٧).

٣) أخرجه أبو داوود في "سننه" كتاب الصلاة، باب صفة الرجل التطوع في بيته (١/٢٧٤) رقم الحديث: ١٠٤٤.

٤) أخرجه الديلمي كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأقوال، الباب السابع في صلاة النوافل، الفصل الأول في الترغيب فيها (٧/٧٧٣) رقم الحديث: ٢١٣٤٤.

٥) أخرجه أبو الشيخ كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأقوال، الباب السابع في صلاة النوافل، الفصل الأول في الترغيب فيها (٧/٧٧٣) رقم الحديث: ٢١٣٤٦.

٦) أخرجه أبو سعد الإدريسي في تاريخ سمرقند، وابن النجار والديلمي كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأقوال، الباب السابع في صلاة النوافل، الفصل الأول في الترغيب فيها (٧/٧٧٥) رقم الحديث: ٢١٣٥٦.

toobaa-elibrary.blogspot.com

الفصل الثاني

في السنن الرواتب للصلوات الخمس

وعن عائشة رضي الله عنها: قالت: قال رسول الله ﷺ: من ثابر على ثنتي عشرة ركعة من السنة بنى الله له بيتا في الجنة: أربع ركعات قبل الظهر، وركعتين بعدها، وركعتين بعد المغرب، وركعتين بعد العشاء، وركعتين قبل الفجر. أخرجه الترمذي.

وعند النسائي: من ثابر على ثنتي عشرة ركعة في اليوم والليلة دخل الجنة ... الحديث.[1]

وعن أم حبيبة رضي الله عنها: قالت: قال رسول الله ﷺ: من صلى في يوم وليلة ثنتي عشرة ركعة بني له بيت في الجنة. وذكرت مثل حديث عائشة قالت: وركعتين قبل صلاة الغداة. أخرجه مسلم وأبو داؤود والترمذي والنسائي.[2]

وعن أبي هريرة، قال: قال رسول الله ﷺ: من صلى في يوم ثنتي عشرة ركعة، بني له بيت في الجنة، ركعتين قبل الفجر، وركعتين قبل الظهر، وركعتين بعد الظهر، وركعتين [أظنه قال:] قبل العصر وركعتين بعد المغرب [أظنه قال:] وركعتين بعد العشاء الآخرة. رواه ابن أبي شيبة وابن ماجه.[3]

---

١) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء فيمن صلى في يوم وليلة ثنتي عشرة ركعة، (٢٧٣/١) رقم الحديث: ٤١٤. والنسائي في "سننه" كتاب قيام الليل وتطوع النهار، باب ثواب من صلى في اليوم والليلة ثنتي عشرة ركعة (٢٦٠/٣) رقم الحديث: ١٧٩٤، ١٧٩٥.

٢) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب صلاة المسافرين، باب فضل السنن الراتبة قبل الفرائض وبعدهن (٥٠٢/١) رقم الحديث: ٧٢٨. وأبو داؤود في "سننه" كتاب الصلاة، باب تفريع أبواب التطوع وركعات السنة (١٨/٢) رقم الحديث: ١٢٥٠. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء فيمن صلى في يوم وليلة عشرة ركعة من السنة وماله فيه من الفضل (٢٧٤/٢) رقم الحديث: ٤١٥. والنسائي في "سننه" كتاب قيام الليل وتطوع النهار، باب ثواب من صلى في اليوم والليلة ثنتي عشرة ركعة (٢٦١/٣) رقم الحديث: ١٧٩٦، ١٧٩٧، ١٧٩٨، ١٧٩٩، ١٨٠٠.

٣) أخرجه ابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء في ثنتي عشرة ركعة من السنة (٣٦١/١) رقم الحديث: ١١٤٢. وابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب صلاة التطوع، باب في ثواب من ثابر على ثنتي عشرة ركعة من التطوع (٢٠/٢) رقم الحديث: ٥٩٧٩، ٥٩٨٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن [عبد الله] بن عمر رضي الله عنهما، قال: صليت مع رسول الله ﷺ ركعتين قبل الظهر، وركعتين بعد الظهر، [وركعتين بعد الجمعة،] وركعتين بعد المغرب، و [ركعتين بعد] العشاء. أخرجه البخاري ومسلم والترمذي. (١)

وعن علي [بن أبي طالب] رضي الله عنه، قال: كان النبي ﷺ يصلي قبل الظهر أربعا، وبعدها ركعتين. أخرجه الترمذي. (٢)

وعن عائشة رضي الله عنها: أن النبي ﷺ كان إذا لم يصل أربعا قبل الظهر صلاها بعدها. أخرجه الترمذي. (٣)

وعن أم حبيبة رضي الله عنها: قالت: قال رسول الله ﷺ: من صلى قبل الظهر أربعا، وبعدها أربعا حرمه الله على النار. أخرجه الترمذي وأبو داؤود والنسائي. (٤)

وعن علي [بن أبي طالب] رضي الله عنه، قال: كان رسول الله ﷺ يصلي قبل العصر ركعتين. أخرجه أبو داود. (٥)

وعنه، قال: كان رسول الله ﷺ يصلي قبل العصر أربع ركعات. أخرجه الترمذي. (٦)

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الجمعة، باب الصلاة بعد الجمعة وقبلها (١٣/٢) رقم الحديث: ٩٣٧، كتاب التطوع، باب ما جاء في التطوع مثنى مثنى (٥٧/٢) باب التطوع بعد المكتوبة (٥٧/٢) رقم الحديث: ١١٧٢، باب الركعتين قبل الظهر (٥٧/٢) رقم الحديث: ١١٨٠. ومسلم في "صحيحه" كتاب صلاة المسافرين، باب فضل السنن الراتبة قبل الفرائض وبعدهن (٥٠٤/١) رقم الحديث: ٧٢٩، كتاب الجمعة، باب الصلاة بعد الجمعة (٦٠٠/٢) رقم الحديث: ٨٨٢. وأبو داؤود في "سننه" كتاب الصلاة، باب تفريع أبواب التطوع وركعات السنة (١٩/٢) رقم الحديث: ١٢٥٢. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء أنه يصليهما في البيت (٢٩٧/٢) رقم الحديث: ٤٣٢، ٤٣٣. والنسائي في "سننه" كتاب الإمامة، باب الصلاة بعد الظهر (١١٩/٢) رقم الحديث: ٨٧٣، كتاب الجمعة، باب صلاة الإمام بعد الجمعة (١١٣/٣) رقم الحديث: ١٤٢٨، ١٤٢٩.

٢) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في الأربع قبل الظهر (٢٨٩/٢) رقم الحديث: ٤٢٤.

٣) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في الركعتين بعد الظهر (٢٩١/٢) رقم الحديث: ٤٢٦.

٤) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في الركعتين بعد الظهر (٢٩٢/٢) رقم الحديث: ٤٢٧، ٤٢٨. وأبو داؤود في "سننه" كتاب الصلاة، باب الأربع قبل الظهر وبعدها (٢٣/٢) رقم الحديث: ١٢٦٩. والنسائي في "سننه" كتاب قيام الليل وتطوع النهار، باب ثواب من صلى في اليوم والليلة ثنتي عشرة ركعة (٢٦٤/٣) رقم الحديث: ١٨١٢، ١٨١٣، ١٨١٤. وابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء فيمن صلى قبل الظهر أربعا وبعدها أربعا (٣٦٧/١) رقم الحديث: ١١٦٠.

٥) أخرجه أبو داؤود في "سننه" كتاب الصلاة، باب الأربع قبل الظهر وبعدها (٢٣/٢) رقم الحديث: ١٢٧٢.

٦) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في الأربع قبل العصر (٢٩٤/٢) رقم الحديث: ٤٢٩.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن عائشة ﵂، قالت: ما ترك رسول الله ﷺ ركعتين بعد العصر [عندي قط]. [وفي رواية:] ما تركهما حتى لقي الله. [وفي أخرى:] وكان النبي ﷺ يصليهما، ولا يصليهما في المسجد، مخافة أن يثقل على أمته، وكان يحب ما يخفف عنهم.(١)

وعن عبد الله بن عباس رضي الله عنهما، قال: إنما صلى رسول الله ﷺ ركعتين بعد العصر لأنه اشتغل بقسمة مال أتاه عن الركعتين اللتين بعد الظهر، فصلاهما بعد العصر، ثم لم يعد لهما. أخرجه الترمذي.(٢)

وعن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما، قال: صليت مع النبي ﷺ ركعتين بعد المغرب في بيته. أخرجه الترمذي.(٣)

وعن كعب بن عجرة ﵁: أن رسول الله ﷺ، قال في الركعتين بعد المغرب: عليكم بهذه الصلاة في البيوت. أخرجه أبو داؤود والنسائي.(٤)

وعن شريح بن هانئ رحمه الله، قال: سألت عائشة عن صلاة رسول الله ﷺ؟ فقالت: ما صلى العشاء قط فدخل بيتي إلا صلى أربع ركعات، أو ست ركعات، ولقد مطرنا مرة من الليل، فطرحنا له نطعا، فكأني أنظر إلى ثقب فيه ينبع منه الماء، وما رأيته متقيا الأرض بشيء من ثيابه قط. أخرجه أبو داؤود.(٥)

الفصل الثالث في فضل سنة الفجر

عن عائشة ﵂ قالت: ما رأيت رسول الله ﷺ أسرع منه إلى ركعتين قبل الفجر. أخرجه البخاري ومسلم.

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب ما يصلي بعد العصر من الفوائت ونحوها (١/١٢١) رقم الحديث: ٥٩٠، ٥٩١، ٥٩٢، ٥٩٣، كتاب الحج، باب الطواف بعد الصبح والعصر (٢/١٥٥) رقم الحديث: ١٦٣٠.

٢) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في الصلاة بعد العصر (١/٢٤٥) رقم الحديث: ١٨٤.

٣) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء أنه يصليهما [ركعتين بعد المغرب] في البيت (٢/٢٩٧) رقم الحديث: ٤٣٢.

٤) أخرجه أبو داؤود في "سننه" كتاب الصلاة، باب ركعتي المغرب أين تصليان؟ (٢/٣١) رقم الحديث: ١٣٠٠. والنسائي في "سننه" كتاب قيام الليل وتطوع النهار، باب الحث على الصلاة في البيوت والفضل في ذلك (٣/١٩٨) رقم الحديث: ١٦٠٠.

٥) أخرجه أبو داؤود في "سننه" كتاب الصلاة، باب الصلاة بعد العشاء (٢/٣١) رقم الحديث: ١٣٠٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وفي رواية المسلم: أن رسول الله ﷺ قال: في شأن الركعتين عند طلوع الفجر: لهما أحب إلي من الدنيا جميعا. (١)

وعن أبي هريرة رضي الله عنه: أن رسول الله ﷺ قال: لا تدعوهما ولو طردتكم الخيل. أخرجه أبو داود. (٢)

وعن بلال رضي الله عنه: أنه أتى رسول الله ﷺ يؤذنه بصلاة الغداة، فشغلت عائشة بلالا بأمر سألته عنه، حتى فضحه الصبح، فأصبح جدا، [قال: فقام بلال فآذنه بالصلاة، وتابع أذانه، فلم يخرج رسول الله ﷺ، فلما خرج صلى بالناس، فأخبره أن عائشة شغلته بأمر سألته عنه حتى أصبح جدا،] وأنه أبطأ عنه بالخروج، فقال: إني كنت ركعت ركعتي الفجر، [فقال: يا رسول الله، إنك أصبحت جدا،] قال: لو أصبحت أكثر مما أصبحت لركعتهما وأحسنتهما وأجملتهما. أخرجه أبو داود. (٣)

وعن عائشة رضي الله عنها: قالت: أن النبي ﷺ كان يصلي ركعتين خفيفتين بين النداء والإقامة من صلاة الصبح.

وفي رواية: أنه كان يصلي ركعتي الفجر، فيخففهما حتى أقول: هل قرأ فيهما بأم القرآن؟ أخرجه البخاري ومسلم.

ولمسلم: كان يصلي ركعتي الفجر إذا سمع الأذان، ويخففهما.

وفي أخرى: إذا طلع الفجر.

وأخرج الموطأ، وأبو داود والنسائي الرواية الثانية.

وللنسائي: كان رسول الله ﷺ إذا سكت المؤذن بالأذان الأول من صلاة الفجر، قام فركع ركعتين خفيفتين قبل صلاة الفجر، بعد أن يستبين الفجر، ثم اضطجع على شقه الأيمن. (٤)

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الجمعة، باب تعاهد ركعتي الفجر ومن سماها تطوعا (٥٧/٢) رقم الحديث: ١١٦٩. ومسلم في "صحيحه" كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب استحباب ركعتي سنة الفجر والحث عليهما (٥٠١/١) رقم الحديث: ٧٢٥. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في ركعتي الفجر من الفضل (٢٧٥/٢) رقم الحديث: ٤١٦. والنسائي في "سننه" كتاب قيام الليل وتطوع النهار (٢٥٢/٣) رقم الحديث: ١٧٥٩.

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في تخفيفهما [أي ركعتي الفجر] (٢٠/٢) رقم الحديث: ١٢٥٨.

٣) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في تخفيفهما [أي ركعتي الفجر] (١٩/٢) رقم الحديث: ١٢٥٧.

٤) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الأذان، باب من انتظر الإقامة (١٢٨/١) رقم الحديث: ٦٢٦، كتاب الجمعة، باب ما جاء في الوتر (٢٥/٢) رقم الحديث: ٩٩٤، باب ما يقرأ في ركعتي الفجر (٥٧/٢) رقم

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن حفصة ﵂: أن رسول الله ﷺ كان إذا أذن المؤذن للصبح، وبدا الصبح، صلى ركعتين خفيفتين، قبل أن تقام الصلاة. أخرجه البخاري، ومسلم، والموطأ، والنسائي.(١)

وعن ابن عمر رضي الله عنهما: قال: رمقت رسول الله ﷺ شهرا، وكان يقرأ في الركعتين قبل الفجر: "قل يا أيها الكافرون" و"قل هو الله أحد". أخرجه الترمذي.

وفي رواية النسائي قال: رمقت النبي ﷺ عشرين مرة يقرأ في الركعتين بعد المغرب، وفي الركعتين قبل الفجر: "قل يا أيها الكافرون" و "قل هو الله أحد".(٢)

وجاء في حديث أبي هريرة: كان يقرأ في الركعتين في الفجر "﴿قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا﴾".(٣) والتي في آل عمران: ﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ﴾.(١) أخرجه مسلم، وأبو داود، والنسائي.(٢)

الحديث: ١١٧١، كتاب الدعوات، باب الضجع على الشق الأيمن (٨/٦٨) رقم الحديث: ٦٣١٠. ومسلم في "صحيحه" كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب استحباب ركعتي سنة الفجر (١/٥٠٠) رقم الحديث: ٧٢٤، باب جواز النافلة قائما وقاعدا (١/٥٠٤) رقم الحديث: ٧٣٠، باب صلاة الليل وعدد ركعات النبي (١/٥٠٨) رقم الحديث: ٧٣٦. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في تخفيفهما [أي ركعتي الفجر] (٢/١٩) رقم الحديث: ١٢٥٥، باب الاضطجاع بعدها [أي ركعتي الفجر] (٢/٢١) رقم الحديث: ١٢٦٢. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في وصف صلاة النبي (٢/٣٠٣) رقم الحديث: ٤٤٠، ٤٤٣. والنسائي في "سننه" كتاب الأذان، باب إيذان المؤذنين الأئمة بالصلاة (٢/٣٠) رقم الحديث: ٦٨٥. وابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء في كم يصلي بالليل (١/٤٣٢) رقم الحديث: ١٣٥٨.

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الأذان، باب الأذان بعد الفجر (١/١٢٧) رقم الحديث: ٦١٨، كتاب الجمعة، باب الركعتين قبل الظهر (٢/٥٩) رقم الحديث: ١١٨١. ومسلم في "صحيحه" كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب استحباب ركعتي سنة الفجر (١/٥٠٠) رقم الحديث: ٧٢٣. والنسائي في "سننه" كتاب قيام الليل وتطوع النهار، باب وقت ركعتي الفجر (٣/٢٥٢) رقم الحديث: ١٧٦٠، باب وقت ركعتي الفجر وذكر الاختلاف على نافع (٣/٢٥٤) رقم الحديث: ١٧٧٢، ١٧٧٣، ١٧٧٤، ١٧٧٥، ١٧٧٦. ومالك في "الموطأ" كتاب صلاة الليل، باب ما جاء في ركعتي الفجر (١/١٢٧) رقم الحديث: ٢٩. وابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء في الركعتين قبل الفجر (١/٣٦٢) رقم الحديث: ١١٤٥.

٢) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في تخفيف ركعتي الفجر والقراءة فيها (٢/٢٧٦) رقم الحديث: ٤١٧. والنسائي في "سننه" كتاب الافتتاح، باب القراءة في الركعتين بعد المغرب (٢/١٧٠) رقم الحديث: ٩٩٢. وابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء فيما يقرأ في الركعتين قبل الفجر (١/٣٦٣) رقم الحديث: ١١٤٩.

٣) البقرة: ١٣٦.

toobaa-elibrary.blogspot.com

عائشة ﵂: قالت: كان رسول الله ﷺ إذا صلى ركعتي الفجر، فإن كنت مستيقظة حدثني، وإلا اضطجع. زاد في رواية: حتى يؤذن بالصلاة. أخرجه البخاري ومسلم. [٣]

وقد جاء في جواز الحديث بعد صلاة ركعتي الفجر، وفي المنع منه أيضا حديثان أخرج الترمذي. [٤]

وعن أبي هريرة ﵁ قال: قال رسول الله ﷺ: من لم يصل ركعتي الفجر فليصلهما بعدما تطلع الشمس. أخرجه الترمذي. [٥]

وعن مالك، بلغه: أن ابن عمر فاتته ركعتا الفجر، فقضاهما بعد أن طلعت الشمس. أخرجه الموطأ. [٦]

تنبيه

اعلم أن ما عدا الفرائض من الصلاة يسمى النوافل حتى السنن المؤكدة والوتر، وقد ترجم صاحب الهداية بباب النوافل، وذكر فيه السنن المؤكدة وغيرها، وقال صاحب المشكاة: باب السنن وفضائلها، وقد ترجم بالسنن الرواتب، وأراد بهما صلاة يصلي مع الفرائض في الليل والنهار على طريق الراتبة والتوظيف، وهو أعم من المؤكدات بدليل ذكر أربع ركعات أو

---

١) آل عمران: ٦٤.

٢) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب استحباب ركعتي الفجر (١/٥٠٢) رقم الحديث: ٧٢٧. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في تخفيفهما [أي ركعتي الفجر] (٢/٢٠) رقم الحديث: ١٢٥٩. والنسائي في "سننه" كتاب الافتتاح، باب القراءة في ركعتي الفجر (٢/١٥٥) رقم الحديث: ٩٤٤. [هذا عن ابن عباس، ولفظ رواية أبي هريرة: أنه سمع رسول الله ﷺ يقول في ركعتي الفجر: قولوا آمنا بالله وما أنزل إلينا في الركعة الأولى، وهذه الآية: ربنا آمنا بما أنزلت واتبعنا الرسول فاكتبنا مع الشاهدين، أو: إنا أرسلناك بالحق بشيرا ونذيرا ولا تسأل عن أصحاب الجحيم. أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في تخفيفهما [أي ركعتي الفجر] (٢/٢٠) رقم الحديث: ١٢٦٠.]

٣) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الجمعة، باب من تحدث بعد الركعتين ولم يضطجع (٢/٥٥) رقم الحديث. ١١٦١، ومسلم في "صحيحه" كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب صلاة الليل وعدد ركعات النبي (١/٥١١) رقم الحديث: ٧٤٣.

٤) أخرجه ابن الأثير في "جامع الأصول" حرف الصاد، الكتاب الأول في الصلاة، القسم الثاني من كتاب الصلاة: في النوافل، الباب الأول في النوافل المقرونة بالأوقات. الفصل الأول في رواتب الصلوات الخمس والجمعة، الفرع الثاني في ركعتي الفجر، النوع الخامس (٦/١٧-٢٢).

٥) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في إعادتهما بعد طلوع الشمس (٢/٢٨٧) رقم الحديث: ٤٢٣.

٦) أخرجه مالك في "الموطأ" كتاب صلاة الليل، باب ما جاء في ركعتي الفجر (١/١٢٨) رقم الحديث: ٣٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

ركعتين قبل صلاة العصر، وصاحب سفر السعادة ذكر صلاة الضحى، [١] ويصح اطلاق المواظبة فيهما لأنها يستعمل ويراد بها مع الترك أحيانا كما هو المأخوذ في معنى السنة، وقالوا: إذا ذكرت المواظبة مطلقا يراد به مع الترك أحيانا، وإذا قيدت بعدم الترك فهي إمارة الوجوب، كذا في بعض شروح الهداية، وإن قيدت بالترك فالأمر واضح، فتدبر.

فصل

[في راتبة الظهر]

ثم قد وقع الخلاف بيننا وبين الشافعية في السنة قبل الظهر، فعندنا قبل الظهر أربع ركعات بدليل حديث عائشة ﵂، هي قالت: قال رسول الله ﷺ: من ثابر على ثنتي عشرة ركعة من السنة بنى الله له بيتا في الجنة[: أربع ركعات قبل الظهر، وركعتين بعدها، وركعتين بعد المغرب، وركعتين بعد العشاء، وركعتين قبل الفجر]. أخرجه الترمذي. [٢]

وحديث أم حبيبة: عن أم حبيبة، قالت: قال رسول الله ﷺ: من صلى في يوم وليلة ثنتي عشرة ركعة. [الحديث.] رواه مسلم وأبو داود والترمذي والنسائي، [٣] وأن الترمذي قال: حديث عائشة حديث غريب من هذا الوجه، وتكلم في بعض رجاله. [٤] ولكن حديث أم حبيبة رواه الجماعة إلا البخاري شاهد أصل الحديث.

وروى الترمذي والنسائي حديث عاصم بن ضمرة عن علي ﵁، قال: كان النبي ﷺ يصلي قبل الظهر أربعا وبعدها ركعتين. وقال: حديث حسن، والعمل على هذا عند أكثر أهل العلم من أصحاب النبي ﷺ، ومن بعدهم: يختارون أن يصلي الرجل قبل الظهر أربع ركعات وهو قول سفيان الثوري، وابن المبارك، وإسحاق، وقال بعض أهل العلم: صلاة

---

١) سفر السعادة: ٦٤.

٢) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء فيمن صلى في يوم وليلة ثنتي عشرة ركعة من السنة (٢/٢٧٣) رقم الترجمة: ٤١٤. والنسائي في "سننه" كتاب قيام الليل وتطوع النهار، باب ثواب من صلى في اليوم والليلة ثنتي عشرة ركعة سوى المكتوبة (٣/٢٦٠) رقم الحديث: ١٧٩٤.

٣) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب فضل السنن الراتبة قبل الفرائض وبعدهن (١/٥٠٢) رقم الحديث: ٧٢٨. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب تفريع أبواب التطوع وركعات السنة (٢/١٨) رقم الحديث: ١٢٥٠. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء فيمن صلى في يوم وليلة ثنتي عشرة ركعة من السنة (٢/٢٧٤) رقم الترجمة: ٤١٥.

٤) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء فيمن صلى في يوم وليلة ثنتي عشرة ركعة من السنة (٢/٢٧٣) رقم الترجمة: ٤١٤.

toobaa-elibrary.blogspot.com

الليل والنهار مثنى مثنى يرون الفصل بين كل ركعتين وبه يقول الشافعي، وأحمد. انتهى كلام الترمذي. [١]

وجاء في حديث البراء بن عازب رواه سعيد بن منصور في سننه[٢]، قال: من صلى قبل الظهر أربع ركعات كأنما تهجد بهن من ليله، ومن صلاهن بعد العشاء كن كمثلهن من ليلة القدر. [٣]

ورواه البيهقي من قول عائشة، والنسائي والدار قطني من قول كعب، والموقوف في هذا كالمرفوع لأنه من قبيل تقدير الأثوبة وهو لا يدرك إلا سماعا. ذكره الشيخ ابن الهمام.

وقال أيضا: صرح جماعة من المشايخ أنه يستحب أربع بعد الظهر لحديث رووه، وهو أنه ﷺ قال: من صلى أربعا قبل الظهر وأربعا بعدها حرمه الله على النار. رواه أبو داود والترمذي والنسائي[٤]، ثم اختلف أهل هذا العصر في أنها تعتبر غير ركعتي الراتبة أو بهما وعلى التقدير الثاني هل تؤدى معهما بتسليمة واحدة أو لا؟ [٥] وللشيخ في هذا المقام كلام طويل ذكرناه في الشرح [٦].

والتطبيق بين الأحاديث يحصل بأن يقال: كان تارة يصلي أربعا وأخرى ركعتين، وقد جاء في حديث عبد الله بن شقيق [العقيلي –بالضم–] عن عائشة فقالت: كان يصلي في بيتي قبل الظهر أربعا ثم يخرج فيصلي بالناس، ثم يدخل فيصلي ركعتين.[٧] والذي رأى ابن

---

١) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في الأربع قبل الظهر (٢/٢٨٩) رقم الترجمة: ٤٢٤، والنسائي في "سننه" كتاب الإمامة، الصلاة قبل العصر (٢/١١٩) رقم الحديث: ٨٧٤.

٢) رواه الطبراني كما في كنز العمال: ٣٧٩/٧، رقم الحديث: ١٩٣٧٩

٣) أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط" باب الميم، من اسمه: محمد (٦/٢٥٤) رقم الحديث: ٦٣٣٢

٤) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب الأربع قبل الظهر وبعدها (٢/٢٠) رقم الحديث: ١٢٦٩، والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في الركعتين بعد الظهر (٢/٢٩٢) رقم الحديث: ٤٢٧ والنسائي في "سننه" كتاب قيام الليل وتطوع النهار، باب ثواب من صلى في اليوم والليلة ثنتي عشرة ركعة (٣/٢٦٥) رقم الحديث: ١٨١٤.

٥) فتح القدير: ٤٤٢/١-٤٤٣.

٦) لمعات التنقيح: ٢٨٧/٣. [فقال جماعة: لا، لأنها إن نوى عند التحريمة السنة لم يصدق في الشفع الثاني، أو المستحب لم يصدق في الأولى، ووقع عندي أنه إذا صلى أربعا بعد الظهر بتسليمة أو بتسليمتين وقع عن السنة والمندوب، سواء احتسب الراتبة منها أو لا؛ لأن المفاد بالحديث المذكور أنه إذا أوقع بعد الظهر أربعا مطلقا حصل الوعد المذكور، ولقد أطال الشيخ الكلام ههنا فلينظر ثمة.]

٧) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب جواز النافلة قائما وقاعدا (١/٥٠٤) رقم الحديث: ٧٣٠ وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب تفريع أبواب التطوع وركعات السنة (٢/١٨) رقم الحديث: ١٢٥١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

عمر فظنه أنها راتبة الظهر، وهي كانت تحية المسجد، وهم يقولون أن الركعات الأربع التي كان يصلي في البيت غير سنة الظهر التي يقال لها صلاة فيئ الزوال.

وحديث أبي أيوب ﷺ الذي ذكر "أربع قبل الظهر ليس فيهن تسليم، تفتح لهن أبواب السماء." [١] وحديث عائشة كان يصلي في بيتي قبل الظهر أربعا، الحديث. محصولان على ذلك.

ويقال: مذهب الشافعي أيضا أربع ركعات لكن بتسليمتين، فلا خلاف إلا في الفصل بالتسليم، والله أعلم، وعلى كل تقدير الأحوط قول أبي حنيفة.

وأيضا قد وقع الخلاف في نوافل الليل والنهار، بأن الأفضل فيها ركعتان أو أربع ركعات؟

فعند أبي حنيفة كما قال في الهداية: [٢] ونوافل النهار إن شاء صلى بتسليمة ركعتين وإن شاء أربعا وتكره الزيادة على ذلك لأن السنة وردت في صلاة النهار إلى الأربع وما وردت الزيادت فيكره لعدم ورود السنة، وأما نافلة الليل قال أبو حنيفة رحمه الله إن صلى ثمان ركعات بتسليمة جاز وتكره الزيادة على ذلك في الصحيح، وعن أبي يوسف ومحمد في الليل مثنى مثنى، وفي النهار أربع أربع، وعند الشافعي مثنى مثنى فيهما لقوله ﷺ: صلاة الليل والنهار مثنى مثنى، وعند أبي حنيفة أربع أربع فيهما.

والترمذي عقد بابا ما جاء أن صلاة الليل مثنى مثنى ثم أخرج عن نافع، عن ابن عمر، عن النبي ﷺ أنه قال: صلاة الليل مثنى مثنى، فإذا خفت الصبح فأوتر بواحدة، واجعل آخر صلاتك وترا. وفي الباب عن عمرو بن عبسة: حديث ابن عمر حديث حسن صحيح. والعمل على هذا عند أهل العلم: أن صلاة الليل مثنى مثنى؛ وهو قول سفيان الثوري، وابن المبارك، والشافعي، وأحمد، وإسحاق. [٣]

ولأبي حنيفة رحمه الله أنه عليه الصلاة والسلام كان يصلي بعد العشاء أربعا أربعا روته عائشة ﷺ أنها سئلت عن قيام رسول الله ﷺ في ليالي رمضان وغيره، قالت: كان يصلي

---

١) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب الأربع قبل الظهر وبعدها (٢/٢٣) رقم الحديث: ١٢٧٠. وابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب في الأربع الركعات قبل الظهر (١/٣٦٥) رقم الحديث: ١١٥٧.

٢) الهداية: ١/٦٧.

٣) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء أن صلاة الليل مثنى مثنى (٢/٣٠٠) رقم الحديث: ٤٣٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

بعد العشاء أربع ركعات بتحريمة واحدة، فلا تسأل عن حسنهن وطولهن، ثم يصلي أربعا كذلك، يفعل ثلاث مرات، ثم كان يوتر بثلث ركعات،[١] كذا ذكر في شروح الهداية.

وكان يواظب في الضحى وفي سنة الظهر على أربع، وما كان يواظب إلا على الأفضل، ولأن النفل نظير الفرض وفرض النهار أربع بتسليمة فكذا النفل. ولما صحت رواية ركعتين رجح الأربع بأنه أدوم بتحريمة فيكون أكثر مشقة وأزيد فضيلة وأفضل الأعمال أشقها. والست والثمان وإن أزيد من الأربع تركناها بمواظبة النبي ﷺ على الأربع.

قال محمد في موطائه: بعد ما روى حديث ابن عباس ركعتين ركعتين ست مرات صلاة الليل عندنا مثنى مثنى. وقال أبو حنيفة: صلاة الليل إن شئت صليت ركعتين، وإن شئت صليت أربعا، وإن شئت ستا، وإن شئت ثمانيا، وإن شئت ما شئت بتكبيرة واحدة، وأفضل ذلك أربعا أربعا. وأما الوتر فقولنا وقول أبي حنيفة فيه واحد، والوتر ثلاث لا يفصل بينهن بتسليم.[٢]

ولأبي يوسف ومحمد الاعتبار بالتراويح، يجاب بأن التراويح يؤدي بجماعة فيراعي فيه جهة التيسير وما شرع بجماعة الضعيف والسقيم كما يشير إليه قوله ﷺ: واقتد بأضعفهم.[٣]

ومعنى ما رواه الشافعي: شفعا لاوترا، والمقصود نفي ركعة واحدة، يقال له البتيراء. ويمكن أن يستدلوا بذلك على نفي الايتار بركعة، وقيل: يدل على هذا المعنى التكرار، والاول لبيان الحكم والثاني لنفي الخير، وفيه ما فيه، وذكر في حواشي الهداية: أنه وقع في آخر ما رواه وفي كل ركعتين تسليم أي تشهد فيه، وللشيخ ابن الهمام في هذا الباب كلام طويل تركناه مخافة التطويل وتركت النسخ ما عليها التطويل ومما يهتم بذكره في هذا المقام ما في الاضطجاع بعد سنة الفجر من الكلام.

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الجمعة، باب قيام النبي ﷺ بالليل في رمضان (٥٣/٢) رقم الحديث: ١١٤٧. ومسلم في "صحيحه" كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب صلاة الليل وعدد ركعات النبي ﷺ (٥٠٩/١) رقم الحديث: ٧٣٨. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في صلاة الليل (٤٠/٢) رقم الحديث: ١٣٤١. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في وصف صلاة النبي ﷺ بالليل (٣٠٢/٢) رقم الحديث: ٤٣٩. [ولفظه: سأل عائشة، كيف كانت صلاة رسول الله ﷺ في رمضان؟ فقالت: ما كان رسول الله ﷺ يزيد في رمضان ولا في غيره على إحدى عشرة ركعة، يصلي أربعا، فلا تسأل عن حسنهن وطولهن، ثم يصلي أربعا، فلا تسأل عن حسنهن وطولهن، ثم يصلي ثلاثا، فقالت عائشة: فقلت: يا رسول الله، أتنام قبل أن توتر؟ فقال: يا عائشة، إن عيني تنامان ولا ينام قلبي.]

٢) أخرجه محمد في "الموطأ" أبواب الصلاة، باب صلاة الليل (٧٤) رقم الحديث: ١٧٠.

٣) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب أخذ الأجر على التأذين (١٤٦/١) رقم الحديث: ٥٣١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

اعلم أنه قد وقع في الأحاديث الصحيحة أنه ﷺ كان يضطجع بعد ركعتي سنة الفجر كما ذكر من الأحاديث عائشة وأبي هريرة، وقد اختلف أقوال العلماء فيه، فقال بعضهم ومنهم ابن حزم الظاهري: هو فرض، لورود الأمر به في حديث أبي هريرة: إذا صلى أحدكم الركعتين قبل الصبح، فليضطجع على يمينه.[1] وظاهر الأمر إذا لم يوجد قرينته على خلافه الوجوب والفريضة بل يقول إن ترك هذا الاضطجاع بطل صلاته الفريضة، قال صاحب سفر السعادة: أن بعض العلماء قد صنفوا في نصرة هذا المذهب، أو نسب هذا القول إلى جميع من مشائخ الطريقة كصاحب التفوحات وغيره، انتهى.[2]

وأقول: ولا ندري ماذا قالوا في الثبوت؟ فإن غاية ما يقضيه القول بفرضية هذا الفعل أن يأثم المرأ بتركه، أما فريضته على وجه يكون شرطا لصحة صلاة الفرض، فمن أين يلزم ذلك وما الدليل عليه؟

وجماعة من العلماء ذهب إلى كراهته، ويقولون: أنه بدعة، وذكر في جامع الأصول: عن نافع عن ابن عمر رضي الله عنه أنه رأى رجلا صلى ركعتي الفجر، ثم اضطجع فقال: ما حملك على ما صنعت؟ قال: أردت أن أفصل بين صلاتي، فقال له: وأي فصل أفضل من السلام؟ قال: فإنها سنة، قال: بل هي بدعة.[3]

وفي حديث أبي داود والترمذي عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: إذا صلى أحدكم الركعتين قبل الصبح فليضطجع على يمينه، وزاد أبو داود: فقال له مروان بن الحكم: أما يجزئ أحدنا ممشاه إلى المسجد حتى يضطجع على يمينه؟ قال: لا، فبلغ ذلك ابن عمر رضي الله عنهما، فقال: أكثر أبو هريرة على نفسه، فقيل لابن عمر رضي الله عنهما: هل تنكر شيئا مما يقول؟ قال: لا، لكنه اجترأ وجبنا، قال: فبلغ ذلك أبا هريرة قال: فما ذنبي أن حفظت ونسوه.[4]

---

١) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب الاضطجاع بعدها [أي ركعتي الفجر] (٢/٢١) رقم الحديث: ١٢٦١.

٢) سفر السعادة: ٥٨.

٣) أخرجه ابن الأثير في "جامع الأصول" حرف الصاد، الكتاب الأول في الصلاة، القسم الثاني، الباب الأول في النوافل، الفصل الأول في رواتب الصلاة الخمس، الفرع الثاني في ركعتي الفجر، النوع الرابع في الاضطجاع (١٩/٦) رقم الحديث: ٤٠٨٨.

٤) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب الاضطجاع بعدها (٢/٢١) رقم الحديث: ١٢٦١، والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في الاضطجاع بعد ركعتي الفجر (٢/٢٨١) رقم الحديث: ٤٢٠.

toobaa-elibrary.blogspot.com

ولا يخفى أن الحكم يكون هذا العمل بدعة بعيد جدا لورود الأحاديث الصحيحة في ذلك، اللهم إلا أن يدعى النسخ أو خصوصيته بالنبي ﷺ، ودعوى الفرضية أبعد، لاختلاف في الروايات، فقد جاء في الحديث الصحيح: أنه ﷺ صلى الركعتين فخرج بدون ذكر الاضطجاع.

قال صاحب سفر السعادة: ولأجل هذا اختار العلماء أنه مستحب وذهبوا إلى طريق المستقيم الذي هو التوسط الاستحباب، ونقل عن الإمام مالك، أنه قال: إن فعل ذلك للاستراحة ودفع الكسل والنصب العارضين لقيام الليل والسهر، فحسن. [1] وهكذا المروي عن الإمام أبي حنيفة أن فعله ﷺ أيضا كان استراحة لا تعبدا، انتهى.

ويظهر هذه العبارات أن الإمام الشافعي والإمام أحمد قائلون به وإنه كان تعبدا فالمسئلة خلافية بين الأربعة ولكنني ما وجدنا في كتابها صريحا ذكر القول بذلك، والله أعلم.

وقال الترمذي في حديث الاضطجاع عن أبي صالح عن أبي هريرة: وفي الباب عن عائشة: حديث أبي هريرة حديث حسن صحيح غريب من هذا الوجه، [2] وقد رأى بعض أهل العلم أن يفعل هذا.

---

١) سفر السعادة: ٥٩.

٢) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في الاضطجاع بعد ركعتي الفجر (٢/٢٨١) رقم الحديث: ٤٢٠.

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب صلاة الليل

اعلم أن العمدة في هذا الباب حديث عائشة وحديث ابن عباس رضي الله عنهما، ولكل منهما روايات متعددة.

عن عائشة قالت: كان رسول الله ﷺ يصلي بالليل إحدى عشرة ركعة، يوتر منها بواحدة، فإذا فرغ منها اضطجع على شقه حتى يأتيه المؤذن، فيصلي ركعتين خفيفتين.

وفي أخرى قالت: كان رسول الله ﷺ يصلي ما بين أن يفرغ من صلاة العشاء، وهي التي يدعو الناس العتمة، إلى الفجر إحدى عشرة ركعة، يسلم بين كل ركعتين، ويوتر بواحدة: الحديث.

وفي أخرى: قالت كان النبي ﷺ يصلي ثلاث عشرة ركعة منها الوتر وركعتا الفجر.

وفي أخرى: قالت: كان النبي ﷺ يصلي من الليل ثلاث عشرة ركعة، ثم يصلي إذا سمع النداء بالصبح ركعتين خفيفتين.

وفي أخرى عن أبي سلمة: أنه سأل عائشة: كيف كانت صلاة رسول الله ﷺ في رمضان؟ قالت: ما كان يزيد في رمضان ولا في غيره على إحدى عشرة ركعة، يصلي أربعا، فلا تسأل عن حسنهن وطولهن، ثم يصلي أربعا لا تسأل عن حسنهن وطولهن، ثم يصلي ثلاثا، قالت عائشة: فقلت: يا رسول الله، أتنام قبل أن توتر؟ فقال: يا عائشة، إن عيني تنامان، ولا ينام قلبي. هذه روايات البخاري، ومسلم.

والحديث عائشة روايات متعددة فيها: إحدى عشرة ركعة، وثلاث عشرة، وتسع عشرة.[1]

---

1) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الأذان، باب من انتظر الإقامة (١/١٢٨) رقم الحديث: ٦٢٦، كتاب الوتر، باب ما جاء في الوتر (٢/٢٥) رقم الحديث: ٩٩٤، باب طول السجود في قيام الليل (٢/٤٩) رقم الحديث: ١١٢٣، باب كيف كان صلاة النبي ﷺ وكم كان النبي ﷺ؟ (٢/٥١) رقم الحديث: ١١٣٩، باب من تحدث بعد الركعتين ولم يضطجع (٢/٥٥) رقم الحديث: ١١٦١، باب ما يقرأ في ركعتي الفجر (٢/٥٧) رقم الحديث: ١١٧٦، كتاب الدعوات، باب الضجع على الشق الأيمن (٨/٦٨) رقم الحديث: ٦٣١٠. ومسلم في "صحيحه" كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب استحباب ركعتي سنة الفجر، والحث عليها (١/٥٠٠) رقم الحديث: ٧٢٤، باب جواز النافلة قائما وقاعدا (١/٥٠٤) رقم الحديث: ٧٣٠، باب صلاة الليل وعدد ركعات النبي ﷺ (١/٥٠٨) رقم الحديث: ٧٣٦، ٧٣٨، ٧٤٣، باب الدعاء في صلاة الليل وقيامه (١/٥٣٢) رقم

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن ابن عباس رضي الله عنهما قال: رقدت في بيت ميمونة ليلة كان النبي صلى الله عليه وسلم عندها لأنظر: كيف صلاة رسول الله ﷺ؟ قال: فتحدث النبي ﷺ مع أهله ساعة ثم رقد، فلما كان ثلث الليل الآخر قعد، فنظر إلى السماء فقال: "إن في خلق السماوات والأرض واختلاف الليل والنهار لآيات لأولي الألباب"[1]، ثم قام فتوضأ واستن، فصلى إحدى عشرة ركعة، ثم أذن بلال، فصلى ركعتين، ثم خرج.

وفي هذا الحديث أيضا روايات متعددة متكثرة في بعضها: قام رسول الله - صلى الله عليه وسلم- حتى انتصف الليل، أو قبله بقليل، أو بعده بقليل.

وفي بعضها: ثلث الليل ونصفه، وفي بعضها إحدى عشرة ركعة بالوتر. وفي بعضها: اتر بواحدة. وفي أخرى: بثلثة. وفي أخرى: فصلى ثلاث عشرة ركعة منها ركعتي الفجر. وفي أخرى:

الحديث: ٧٦٧. **وأبو داود في "سننه"** كتاب الصلاة، باب تفريع أبواب التطوع وركعات السنة (٢/١٨) رقم الحديث: ١٢٥١، باب في تخفيفهما [أي ركعتي الفجر] (٢/١٩) رقم الحديث: ١٢٥٥، باب الاضطجاع بعدها (٢/٢١) رقم الحديث: ١٢٦١، باب في صلاة الليل (٢/٣٨) رقم الحديث: ١٣٣٥، ١٣٣٦، ١٣٤٦، ١٣٥١، ١٣٦٢، ١٣٦٣. **والترمذي في "جامعه"** أبواب الصلاة، باب ما جاء في وصف صلاة النبي صلى الله عليه وسلم بالليل (٢/٣٠٢) رقم الحديث: ٤٤٠، ٤٤٣. **والنسائي في "سننه"** كتاب الأذان، باب إيذان المؤذنين الأئمة بالصلاة (٢/٣٠) رقم الحديث: ٦٨٥، كتاب الافتتاح، باب تخفيف ركعتي الفجر (٢/١٥٦) رقم الحديث: ٩٤٦، كتاب السهو، باب السجود بعد الفراغ من الصلاة (٣/٦٥) رقم الحديث: ١٣٢٨، كتاب قيام الليل وتطوع النهار، باب كيف الوتر بواحد (٣/٢٣٤) رقم الحديث: ١٦٩٦، باب ذكر اختلاف على حبيب بن أبي ثابت في حديث بن عباس في الوتر (٣/٢٣٨) رقم الحديث: ١٧٠٩، باب كيف الوتر بخمس وذكر الاختلاف على الحكم في حديث الوتر (٣/٢٤٠) رقم الحديث: ١٧١٧، باب كيف الوتر بسبع (٣/٢٤٠) رقم الحديث: ١٧١٨، باب الوتر بتسع (٣/٢٤١) رقم الحديث: ١٧٢١، ١٧٢٥، باب كيف الوتر بإحدى عشرة ركعة (٣/٢٤٣) رقم الحديث: ١٧٢٦، باب قدر السجدة بعد الوتر (٣/٢٤٩) رقم الحديث: ١٧٥٩، باب إباحة الصلاة بين الوتر وبين ركعتي الفجر (٣/٢٥١) رقم الحديث: ١٧٥٦، باب الاضطجاع بعد ركعتي الفجر على الشق الأيمن (٣/٢٥٢) رقم الحديث: ١٧٦٢. **وابن ماجه في "سننه"** كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء فيما يقرأ في الركعتين قبل الفجر (١/٣٦٣) رقم الحديث: ١١٥٠، باب ما جاء في كم يصلي بالليل (١/٤٣٢) رقم الحديث: ١٣٥٨، ١٣٦٠. **ومالك في "الموطا"** كتاب صلاة النبي ﷺ في الوتر (١/١٢٠) رقم الحديث: ٢٠٨، ٩، باب ما جاء في ركعتي الفجر (١/١٢٧) رقم الحديث: ٣٠

[1] **آل عمران: ١٩٠**

toobaa-elibrary.blogspot.com

كان يحيي من الليل ثماني ركعات ويوتر بثلاث ويصلي ركعتين قبل صلاة الفجر. وفي أخرى: كان النبي ﷺ يصلي عشرة ركعات ويوتر بواحدة ويركع ركعتي الفجر فتلك ثلاث عشرة.[1]

عن ابن مسعود رضي الله عنه: قال: صليت مع رسول الله ﷺ ليلة، فأطال حتى هممت بأمر سوء، قيل: وما هممت به؟ قال: هممت أن أجلس وأدعه. أخرجه البخاري، ومسلم.[2]

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب العلم، باب السمر في العلم (٣٤/١) رقم الحديث: ١١٧، كتاب الوضوء، باب التخفيف في الوضوء (٣٩/١) رقم الحديث: ١٣٨، باب غسل الوجه باليدين من غرفة واحدة (٤٠/١) رقم الحديث: ١٤٠، باب وضع الماء عند الخلاء (٤١/١) رقم الحديث: ١٤٣، باب قراءة القرآن بعد الحدث (٤٧/١) رقم الحديث: ١٨٣، كتاب الأذان، باب يقوم عن يمين الإمام بحذائه سواء إذا كان اثنين (١٤١/١) رقم الحديث: ٦٩٧، باب إذا قام الرجل عن يسار الإمام فحوله الإمام إلى يمينه لم تفسد صلاتهما (١٤١/١) رقم الحديث: ٦٩٨، باب إذا لم ينو الإمام أن يؤم ثم جاء قوم فأمهم (١٤١/١) رقم الحديث: ٦٩٩، باب وضوء الصبيان (١٧١/١) رقم الحديث: ٨٥٩، كتاب الوتر، باب ما جاء في الوتر (٢٤/٢) رقم الحديث: ٩٩٢، باب استعانة اليد في الصلاة إذا كان من أمر الصلاة (٦٢/٢) رقم الحديث: ١١٩٨، كتاب تفسير القرآن، باب قوله: إن في خلق السموات والأرض (٤١/٦) رقم الحديث: ٤٥٦٩، باب الذين يذكرون الله قياما وقعودا (٤١/٦) رقم الحديث: ٤٥٧٠، باب ربنا إنك من تدخل النار (٤١/٦) رقم الحديث: ٤٥٧١، باب ربنا إننا سمعنا مناديا ينادي (٤٢/٦) رقم الحديث: ٤٥٧٢، كتاب اللباس، باب الذوائب (١٦٣/٧) رقم الحديث: ٥٩١٩، كتاب الأدب، باب رفع البصر إلى السماء (٤٨/٨) رقم الحديث: ٦٢١٥، كتاب الدعوات، باب الدعاء إذا انتبه بالليل (٦٩/٨) رقم الحديث: ٦٣١٦، كتاب التوحيد، باب ما جاء في تخليق السموات والأرض وغيرها من الخلائق (١٣٥/٩) رقم الحديث: ٧٤٥٢. ومسلم في "صحيحه" كتاب الطهارة، باب السواك (٢٢١/١) رقم الحديث: ٢٥٦، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب الدعاء في صلاة الليل وقيامه (٥٢٥/١) رقم الحديث: ٧٦٣. وأبو داود في "سننه" كتاب الطهارة، باب السواك لمن قام من الليل (١٥/١) رقم الحديث: ٥٨، كتاب الصلاة، باب الرجلين يؤم أحدهما صاحبه كيف يقومان (١٦٦/١) رقم الحديث: ٦١٠، باب في صلاة الليل (٤٤/٢) رقم الحديث: ١٣٥٣، ١٣٥٦، ١٣٥٧، ١٣٦٤، ١٣٦٥، ١٣٦٧. والنسائي في "سننه" كتاب الإمامة، باب موقف الإمام والمأموم صبي (٨٧/٢) رقم الحديث: ٨٠٦، كتاب التطبيق، باب الدعاء في السجود (٢١٨/٢) رقم الحديث: ١١٢١، كتاب قيام الليل وتطوع النهار، باب ذكر ما يستفتح به القيام (٢١٠/٣) رقم الحديث: ١٦٢٠، ذكر اختلاف علي حبيب بن أبي ثابت في حديث ابن عباس في الوتر (٢٣٧/٣) رقم الحديث: ١٧٠٧. وابن ماجه في "سننه" كتاب الطهارة وسننها، باب ما جاء في القصد في الوضوء (١٤٧/١) رقم الحديث: ٤٢٣، كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء في كم يصلي بالليل (٤٣٣/١) رقم الحديث: ١٣٦٣. ومالك في "الموطأ" كتاب صلاة الليل، باب صلاة النبي ﷺ في الوتر (١٢١/١) رقم الحديث: ١١.

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب التهجد، باب طول القيام في صلاة الليل (٥١/٢) رقم الحديث: ١١٣٥. ومسلم في "صحيحه" كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب استحباب طول القراءة في صلاة الليل (٥٣٧/١) رقم الحديث: ٧٧٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن حذيفة [بن اليمان] ﷺ: قال: صليت مع النبي ﷺ ذات ليلة، فافتتح البقرة، فقلت: يركع عند المائة، ثم مضى، فقلت: يصلي بها في الركعة. فمضى فقلت: يركع بها، ثم افتتح النساء، فقرأها، ثم افتتح آل عمران، فقرأها، يقرأ مترسلا، إذا مر بآية فيها تسبيح سبح، وإذا مر بسؤال سأل، وإذا مر بتعوذ تعوذ، ثم ركع، فجعل يقول: سبحان ربي العظيم، فكان ركوعه نحوا من قيامه، ثم قال: سمع الله لمن حمده، زاد في رواية: ربنا لك الحمد، ثم قام قياما طويلا قريبا مما ركع، ثم سجد، فقال: سبحان ربي الأعلى، فكان سجوده قريبا من قيامه. أخرجه مسلم، والنسائي.

وفي رواية أبي داود قال: رأيت رسول الله ﷺ يصلي من الليل، فاستفتح يقول: الله أكبر ثلاثا ذو الملكوت والجبروت، الحديث. كما ذكر في حديث المشكاة وما بعده. (١)

تنبيه

اعلم أن هذا الباب من الأبواب إلى باب التسوية متقاربة في المقاصد، ليس فيها كثير خلاف سوى ما ذكر في هذا الباب من الاضطجاع بعد سنة الفجر، وبيان صفة الليل وعددها من كونها إحدى عشرة ركعة أو ثلاث عشرة أو سبعا أو تسعا، والايتار بركعة واحدة أو ثلاث أو خمس أو نحو ذلك.

والباب الثاني: في ما يقول إذا قام من الليل من الدعوات والأذكار. (٢)

وفي الباب الثالث: في التحريض على قيام الليل وبيان فضيلته.

وفي الباب الرابع: الاقتصاد في العمل وعدم التشديد في الدين شفقة منه صلى الله عليه وسلم على الأمة، وطلبا للادامة على العمل.

وفي الخامس: في الوتر واحكامه، وكونه بالركعة الواحدة والقراءة فيها ونحو ذلك.

---

١) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب استحباب طول القراءة في صلاة الليل (٥٣٦/١) رقم الحديث: ٧٧٢. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب ما يقول الرجل في ركوعه وسجوده (٢٣٠/١) رقم الحديث: ٨٧١، ٨٧٤. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في التسبيح في الركوع والسجود (٤٨/٢) رقم الحديث: ٢٦٢. والنسائي في "سننه" كتاب الافتتاح، باب تعوذ القارئ إذا مر بآية عذاب (١٧٦/٢) رقم الحديث: ١٠٠٨، ١٠٠٩، كتاب التطبيق، باب قدر القيام بين الرفع من الركوع والسجود (١٩٩/٢) رقم الحديث: ١٠٦٩، باب الدعاء بين السجدتين (٢٣١/٢) رقم الحديث: ١١٤٥

٢) قال الله تعالى: وسبح بحمد ربك حين تقوم (٤٨) ومن الليل فسبحه وإدبار النجوم (٤٩) [الطور] وقال الله تعالى: ومن الليل فتهجد به نافلة لك عسى أن يبعثك ربك مقاما محمودا [الإسراء: ٧٩] [الأعظمي]

toobaa-elibrary.blogspot.com

وفي السادس: القنوت وأنه كان قبل الركوع أو بعده وأنه كان في غير الوتر من صلاة الفجر وغيرها، وأن القنوت في السنة كلها أو في النصف الثاني من رمضان، وفيما ذكر في المشكاة من الأحاديث في هذه الأبواب كفاية فالاضطجاع ذكرناه في باب السنن وفضائلها في ذكر سنة الفجر.

ونذكر ههنا أحكام الوتر والكلام فيه في أربعة مواضع.

الأول: في كونه بركعة واحدة أو بثلاث ركعات:

فاعلم أن الوتر عند الأئمة الثلاثة ركعة واحدة، وكيفيته عندهم أن يصلي شفعا ويسلم ويوتر بعده ركعة، وعندنا ثلاث ركعات بتسليم واحد في آخرها، وقد وقع في أذهان بعض الناس أن الإيتار بركعة واحدة أفضل، وأحاديث الإيتار بواحدة أقوى وأشهر، فنقول بالله التوفيق وبيده أزمنة التحقيق.

اعلم أن صاحب سفر السعادة نقل عن الحفاظ الطعن في حديث الايتار بثلاث ركعات وأورد عن صحيح ابن حبان باسناد صحيح: لا توتروا بثلاث، أوتروا بخمس، أو بسبع، ولا تشبهوا بصلاة المغرب. [1] وروى الزركشي[2] هذا الحديث عن الدار قطني، وقال رجاله ثقات. [3]

وجاء في حديث عائشة ﵂ باسناد صحيح: أنه كان يسلم في الركعتين الأخيرتين، ثم بعد ذلك يصلي ركعة.

وسئل الإمام أحمد: ما تقول في الوتر؟ قال: أكثر الحديث وأقواه ركعة. فأنا أذهب إليها. ثم سئل ثانيا؟ فقال: يسلم في الركعتين بها وإن لم يسلم رجوت أن لا يضره، إلا أن التسليم أثبت. انتهى كلام صاحب سفر السعادة. [4]

وأنا أقول أي العبد المسكين: قد جاء آثارة كثيرة صحيحة في الايتار بثلاث ركعات، فالحق أن الايتار بثلاث ركعات وركعة واحدة كلاهما صحيح، مختلف فيه بين العلماء.

---

١) أخرجه ابن حبان في "صحيحه" باب الوتر، ذكر الزجر أن يوتر المرء بثلاث ركعات غير مفصولة (١٨٥/٦) رقم الحديث: ٢٤٢٩.

٢) شرح الزركشي على مختصر الخرقي: ٧٤/٢.

٣) أخرجه الدار قطني في "سننه" كتاب الوتر، باب لا تشبهوا الوتر بصلاة المغرب (٣٤٤/٢) رقم الحديث: ١٦٥٠.

٤) سفر السعادة: ٦٣-٦٤.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقد جاء في صلاة النبي ﷺ وجوه مختلفة تارة فتارة تبلغ الشهرة بل أكثر ذكر صاحب سفر السعادة، والوجه الذي فيه وقع الوتر ركعة: أنه صلى إحدى عشرة ركعة يسلم بين كل ركعتين ويوتر بواحدة، وفي غير هذا الوجه صلى ثلاثا.

وعند الترمذي: ما بين الأول في الوتر بثلاث، وأخرج فيه عن علي، قال: كان النبي ﷺ يوتر بثلاث يقرأ فيهن بتسع سور من المفصل، يقرأ في كل ركعة بثلاث سور آخرهن: قل هو الله أحد. وقال: وفي الباب عن عمران بن حصين، وعائشة، وابن عباس، وأبي أيوب.

وقد ذهب قوم من أهل العلم من أصحاب النبي ﷺ وغيرهم إلى هذا، ورأوا: أن يوتر الرجل بثلاث قال سفيان: إن شئت أوترت بخمس، وإن شئت أوترت بثلاث، وإن شئت أوترت بركعة. قال سفيان: والذي أستحب أن أوتر بثلاث ركعات، وهو قول ابن المبارك، وأهل الكوفة.[1]

والباب الثاني في الوتر بركعة، وأخرج فيه عن ابن عمر وقال: كان النبي صلى الله عليه وسلم يصلي من الليل مثنى مثنى، ويوتر بركعة، وكان يصلي الركعتين والأذان في أذنه.

[وقال:] وفي الباب عن عائشة، وجابر، والفضل بن عباس، وأبي أيوب، وابن عباس: حديث ابن عمر حديث حسن صحيح، والعمل على هذا عند بعض أهل العلم من أصحاب النبي ﷺ والتابعين: رأوا أن يفصل الرجل بين الركعتين والثالثة يوتر بركعة، وبه يقول مالك، والشافعي، وأحمد، وإسحاق. انتهى كلام الترمذي.[2]

وقال الخرقي: والوتر ركعة [يقنت فيها] مفصولة مما قبلها.[3] وقال الزركشي في شرحه: لا إشكال [عندنا] في جواز كون الوتر بركعة. وجاء في رواية أحمد، وأبو داود، والنسائي، قال أبو أيوب الأنصاري ﷺ: قال رسول الله ﷺ: الوتر حق على كل مسلم، فمن أحب أن يوتر بخمس فليفعل، ومن أحب أن يوتر بثلاث فليفعل، ومن أحب أن يوتر بواحدة فليفعل.

وعن ابن عمر أن رجلا من أهل البادية سأل النبي ﷺ عن صلاة الليل، فقال بأصبعيه: هكذا مثنى مثنى، والوتر ركعة من آخر الليل، رواه مسلم وغيره. لكن هل يكره إن لم يكن قبلها شفع، وتسمى البتيراء، لحديث ورد بذلك.

---

١) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الوتر، باب ما جاء في الوتر بثلاث (٢/٣٢٣) رقم الحديث: ٤٦٠.
٢) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الوتر، باب ما جاء في الوتر بركعة (٢/٣٢٤) رقم الحديث: ٤٦١.
٣) مختصر الخرقي: ٢٩.

toobaa-elibrary.blogspot.com

أو لا يكره لأنه قد روى عن عشرة من الصحابة رضوان الله عليهم، منهم أبو بكر، وعمر، وعثمان، وعلي، وعائشة، وغيرهم: الوتر بركعة. وحديث البتيراء ضعيف؟ فيه روايتان.

وقوله: والوتر ركعة. يحتمل أن يريد: وأقل الوتر ركعة. فحذف المضاف وأقام المضاف إليه مقامه، ويحتمل أن يريد أنه حاصل بركعة، أو جائز بركعة، وهذا أظهر.

وقد سبق حديث أبي سلمة عن عائشة أنها قالت: ما كان يزيد رسول الله ﷺ في رمضان ولا في غيره على إحدى عشرة ركعة، يصلي أربعا: فلا تسأل عن حسنهن وطولهن، ثم يصلي أربعا لا تسأل عن حسنهن وطولهن، ثم يصلي ثلاثا. انتهى كلام الزركشي.[١]

وقال الشمني: ولو كان ﷺ يفصل في الوتر بين الثلاثة بسلام أو سلامين، لقالت ثم يصلي اثنين فواحدة، وروى النسائي والحاكم على شرط البخاري ومسلم عن عائشة، قالت: كان رسول الله ﷺ يوتر بثلاث ركعات ولا يسلم إلا في آخرهن.[٢]

وروى الطحاوي عن أبي العالية، قال: علمنا أصحاب محمد ﷺ أو علمونا أن الوتر مثل صلاة المغرب ، غير أنا نقرأ في الثالثة ، فهذا وتر الليل ، وهذا وتر النهار.[٣]

وروى عن عقبة بن مسلم، قال: سألت عبد الله بن عمر رضي الله عنهما عن الوتر، فقال: أتعرف وتر النهار؟ قلت: نعم : صلاة المغرب قال: صدقت أو أحسنت.[٤] لما سمعت صلاة المغرب وتر النهار، وهي بلا فاصلة السلام فلا جرم بكون الوتر الذي هو وتر الليل أيضا كذالك.

وقال الطحاوي: وأما ما روى ابن عمر: أن رجلا، سأل النبي ﷺ عن صلاة الليل فقال: مثنى ، مثنى ، فإذا خشيت الصبح ، فصل ركعة توتر لك صلاتك.[٥] فمعناه صليت ركعة مع اثنتين قبلها يعني صل ركعة أخرى ليكون ثلاث ركعات ولا دلالة فيه على الفصل بسلام.

وقال الطحاوي: ومذهبنا قوي من جهة النظر لأن الوتر لا يخلو من أحد وجهين، إما أن يكون فرضا أو سنة ، فإن كان فرضا فإنا لم نر شيئا من الفرائض إلا على ثلاثة أوجه،

---

١) شرح الزركشي على مختصر الخرقي: ٢/٧١-٧٣.

٢) أخرجه النسائي في "سننه" كتاب قيام الليل وتطوع النهار، باب كيف الوتر بثلاث (٣/٢٣٤) رقم الحديث: ١٦٩٨. والحاكم في "المستدرك" كتاب الوتر، وأما حديث بكر بن وائل (١/٤٤٧) رقم الحديث: ١١٤٠.

٣) أخرجه الطحاوي في "شرح معاني الآثار" كتاب الصلاة، باب الوتر (١/٢٩٣) رقم الحديث: ١٧٤٣.

٤) أخرجه الطحاوي في "شرح معاني الآثار" كتاب الصلاة، باب الوتر (١/٢٧٩) رقم الحديث: ١٦٦٧.

٥) أخرجه الطحاوي في "شرح معاني الآثار" كتاب الصلاة، باب الوتر (١/٢٧٨) رقم الحديث: ١٦٥٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

فمنه ما هو ركعتان ، ومنه ما هو أربع ومنه ما هو ثلاث ، وكل قد أجمع أن الوتر لا تكون اثنتين ولا أربعا. فثبت بذلك أنه ثلاث. هذا إذا كان فرضا ، وأما إذا كان سنة ، فإنا لم نجد شيئا من السنن إلا وله مثل في الفرض منه أخذت، والفرض لم نجد فيه وترا إلا المغرب وهو ثلاث، [١] ذكر هذا كله الشمني.

قال العبد الضعيف سامحه الله: هذه الدلائل التي ذكرت تأييدا وتقوية لأحاديث التي وردت في الايتار بثلاث ركعات لا اثبات لها بالقياس والنظر. وهكذا حال الدلائل العقلية التي ذكرها بعض علماء الحنفية في كتبهم فإنما هي لترجيح بعض الأحاديث على بعض لما تقرر في أصول الفقه ان الحديث الذي يوافق القياس راجح ومقدم على ما لا يوافقه. فاحفظ هذه النكتة فإنها نافعة.

وذكر محمد في الموطأ: أخبرنا أبو حنيفة، حدثنا أبو جعفر، قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي ما بين صلاة العشاء إلى صلاة الصبح [ثلاث عشرة ركعة، ثماني ركعات تطوعا، وثلاث ركعات الوتر، وركعتي الفجر]. [٢]

وقال: أخبرنا أبو حنيفة، عن حماد، عن إبراهيم النخعي، عن عمر بن الخطاب ﷺ، أنه قال: ما أحب أني تركت الوتر بثلاث، وإن لي حمر النعم. [٣]

وقال: أخبرنا عبد الرحمن بن عبد الله المسعودي، عن عمرو بن مرة، عن أبي عبيدة، قال: قال عبد الله بن مسعود: الوتر ثلاث كثلاث المغرب. [٤]

وقال: حدثنا أبو معاوية المكفوف، عن الأعمش، عن مالك بن الحارث، عن عبد الرحمن بن يزيد، عن عبد الله بن مسعود، قال: «الوتر ثلاث كصلاة المغرب. [٥]

وقال: أخبرنا إسماعيل بن إبراهيم، عن ليث، عن عطاء، قال ابن عباس رضي الله عنهما: الوتر كصلاة المغرب. [٦]

وقال: أخبرنا يعقوب بن إبراهيم، حدثنا حصين عن إبراهيم، عن ابن مسعود، قال: ما أجزأت ركعة واحدة قط. [٧]

١) أخرجه الطحاوي في "شرح معاني الآثار" كتاب الصلاة، باب الوتر (١/٢٩٢) رقم الحديث: ١٧٣٩.
٢) أخرجه محمد في "الموطأ" أبواب الصلاة، باب السلام في الوتر (٩٥) رقم الحديث: ٢٥٩.
٣) أخرجه محمد في "الموطأ" أبواب الصلاة، باب السلام في الوتر (٩٦) رقم الحديث: ٢٦٠.
٤) أخرجه محمد في "الموطأ" أبواب الصلاة، باب السلام في الوتر (٩٦) رقم الحديث: ٢٦١.
٥) أخرجه محمد في "الموطأ" أبواب الصلاة، باب السلام في الوتر (٩٦) رقم الحديث: ٢٦٢.
٦) أخرجه محمد في "الموطأ" أبواب الصلاة، باب السلام في الوتر (٩٦) رقم الحديث: ٢٦٣.
٧) أخرجه محمد في "الموطأ" أبواب الصلاة، باب السلام في الوتر (٩٦) رقم الحديث: ٢٦٤.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقال: أخبرنا سلام بن سليم الحنفي، عن أبي حمزة، عن إبراهيم النخعي، عن علقمة، قال: أخبرنا عبد الله بن مسعود: أهون ما يكون الوتر ثلاث ركعات.[1]

وقال: أخبرنا سعيد بن أبي عروبة، عن قتادة، عن زرارة بن أبي أوفى، عن سعيد بن هشام، عن عائشة: أن رسول الله ﷺ كان لا يسلم في ركعتي الوتر.[2]

ويروى عن أبي بن كعب أيضا ثلاث، ووقع التصريح عن عائشة أنه كان رسول الله ﷺ يوتر بثلاث ولا يفصل، كما مر.

ونقل في الهداية عن الحسن البصري: الاجماع على ثلاث،[3] وذكر في النهاية شرح الهداية أن عمر ﷺ رأى سعد بن أبي وقاص أوتر بركعة واحدة، فقال: ما هذه البتيراء؟ الصلاة شفعة وان لم تفعل اوتر بركعة.

وذكر أنه لو كان الاكتفاء بركعة واحدة جائز في الصلاة لقصر صلاة الفجر في السفر، وقالوا: ان ما تمسك به الشافعي من الأحاديث التي تدل على كون الوتر بركعة أو بخمس أو بسبع أو بتسع، كان قبل استقرار أمر الوتر، وفي الأخيرة تقرر الأمر على أنه صلى الله عليه وسلم يجلس على رأس كل ركعتين ويوتر بثلاث ركعات دون ركعة واحدة.

وما ذكر في المشكاة من حديث البخاري، قال: وعن ابن عباس قيل له: هل لك في أمير المؤمنين معاوية ما أوتر إلا بواحدة؟ قال: أصاب إنه فقيه.

وفي رواية: قال ابن أبي مليكة: أوتر معاوية بعد العشاء بركعة، وعنده مولى لابن عباس، فأتى ابن عباس فأخبره فقال: دعه فإنه قد صحب النبي ﷺ.[4]

فهذا التوحش على معاوية في ايتار بركعة واحدة صريح في أن الوتر لم يكن بركعة واحدة.

ومما ذكرناه وضح أن الايتار بثلاث ركعات ليس أقل رواية منه بركعة واحدة، بل أكثر وأرجح.

وبالجملة اختلاف العلماء في الوتر وأخبارهم وآثارهم ليس إلا في الأولى والأفضل، ولا الاختلاف لأحد في جواز الأمرين سوى ما قال في النهاية أنه ما تمسك الشافعي كان

---

١) أخرجه محمد في "الموطأ" أبواب الصلاة، باب السلام في الوتر (٩٦) رقم الحديث: ٢٦٥.

٢) أخرجه محمد في "الموطأ" أبواب الصلاة، باب السلام في الوتر (٩٦) رقم الحديث: ٢٦٦.

٣) الهداية: ٦٦/١.

٤) المشكاة، كتاب الصلاة، باب الوتر، الفصل الثالث، رقم الحديث: ١٢٧٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

قبل استقرار أمر الوتر، وفي الآخر تقرر الأمر على أنه ﷺ كان يجلس على رأس كل ركعتين ويوتر بثلاث، والله أعلم.

الثاني: في كون الوتر سنة او واجبا:

فعند أبي حنيفة واجب في آخر قوله، ونقل عن المحيط: [1] هو الصحيح، وعن الخاضبية، وعنه: أنه فرض، وفي رواية: سنة، وقد يطلق الفرض على الفرض العمل الذي هو في معنى الواجب كما قيل القول بالسنة على أنه ثابت بالسنة، أو المراد بها الطريقة المسلوكة في الدين.

وعند مالك والشافعي وأحمد وأبي يوسف ومحمد: سنة.

ودليلهم: قوله ﷺ للأعرابي: خمس صلوات في اليوم والليلة، فقال: هل علي غيرها؟ قال: لا، إلا أن تطوع. كما في الصحيحين. [2]

عن ابن عمر: أن النبي ﷺ أوتر على البعير، واهما يكون هذا في النوافل.

وأجيب بأن حديث الوتر على البعير: حديث حنظلة بن أبي سفيان، عن نافع، عن ابن عمر رضي الله عنهما أنه كان يصلي على راحلته ويوتر بالأرض، ويزعم أن رسول الله ﷺ كان يفعل كذلك.

وقال محمد في موطأه: أخبرنا مالك، أخبرنا أبو بكر بن عمر، عن سعيد بن يسار، أن النبي ﷺ " أوتر على راحلته، قال محمد: قد جاء هذا الحديث، وجاء غيره فأحب إلينا أن يصلي على راحلته تطوعا ما بدا له، فإذا بلغ الوتر نزل فأوتر على الأرض، وهو قول عمر بن الخطاب، وعبد الله بن عمر، وهو قول أبي حنيفة، والعامة من فقهائنا. [3]

وذكر محمد في النزول من الدابة للوتر آثار كثيرة في باب الصلاة على الدابة في السفر، قال: لا بأس أن يصلي المسافر على دابته تطوعا إيماء حيث كان وجهه، يجعل السجود أخفض من الركوع، فأما الوتر، والمكتوبة فإنهما تصليان على الأرض، وبذلك جاءت الآثار. [4]

---

1) المحيط البرهاني في الفقه النعماني: ١/٤٦٩.

2) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الإيمان، باب الزكاة من الإسلام (١/١٨) رقم الحديث: ٤٦. ومسلم في "صحيحه" كتاب الإيمان، باب بيان الصلوات التي هي أحد أركان الإسلام (١/٤٠) رقم الحديث: ٦١.

3) أخرجه محمد في "الموطأ" أبواب الصلاة، باب:الوتر على دابة (٩٤) رقم الحديث: ٢٥٢.

4) أخرجه محمد في "الموطأ" أبواب الصلاة، باب:الوتر على دابة (٨٣) رقم الحديث: ٢٠٩.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقال: أخبرنا أبو حنيفة، عن حصين، قال: كان عبد الله بن عمر يصلي التطوع على راحلته أينما توجهت به، فإذا كانت الفريضة، أو الوتر نزل فصلى.[1]

وجاء في روايات متعددة: إلا المكتوبة والوتر، وكان رسول الله ﷺ يفعله.[2]

وقد يستدل على عدم الوجوب بأنه إنما فرض في ليلة المعراج خمس صلوات فمن أين وجوب الوتر؟

والجواب عنه: كالجواب عن الاستدلال بحديث الأعرابي، بأنه يمكن أن يكون وجوبه بعد ذلك، كما يدل عليه حديث أورده صاحب الهداية: إن الله تعالى زادكم صلاة ألا وهي الوتر فصلوها ما بين العشاء إلى طلوع الفجر.[3]

وقال في الهداية: أن الوتر واجب عند أبي حنيفة رحمه الله وقالا سنة " لظهور آثار السنن فيه حيث لا يكفر جاحده ولا يؤذن له.[4]

وفي شروحه: ولا إقامة ولا جماعة فيه في عامة العام، ويؤدي في وقت العشاء، ويجب القراءة في الركعة الثالثة، ولو كان واجبا لكانت الأحكام بخلاف ما كان.

وقال: ولأبي حنيفة رحمه الله تعالى قوله عليه الصلاة والسلام ما ذكر من الحديث: إن الله تعالى زادكم صلاة. الحديث. أمر وهو للوجوب ولهذا وجب القضاء بالإجماع وإنما لا يكفر جاحده لأن وجوبه ثبت بالسنة وهو المعني بما روي عنه أنه سنة وهو يؤدى في وقت العشاء فاكتفي بأذانه وإقامته، لحصول الغرض بهما، وإنما لم يكفر جاحده لعدم القطع ووجوب الشبهة في دليله.

وقال الشيخ ابن الهمام: إن هذا الحديث قد روي عن عدة من الصحابة عمرو بن العاص وعقبة بن عامر وابن عباس وعبد الله بن عمر وأبي سعيد الخدري، وذكر له طرقا كثيرة.[5]

ونقل عن بعض المحدثين تضعيفها، ثم أثبت صحته، وقال: فتم أمر هذا الحديث على أتم وجه في الصحة، ولو لم يكن هذا كان في كثرة طرقه المضعفة ارتفاع له إلى الحسن، بل بعضها حسن حجة.[6]

---

١) أخرجه محمد في "الموطأ" أبواب الصلاة، باب:الوتر على دابة (٨٤) رقم الحديث: ٢١٠.

٢) أخرجه محمد في "الموطأ" أبواب الصلاة، باب:الوتر على دابه (٨٤) رقم الحديث: ٢١٢.

٣) الهداية: ٦٦/١.

٤) الهداية: ٦٦/١.

٥) فتح القدير: ٤٢٣/١.

٦) فتح القدير: ٤٢٤/١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

ثم قال: بقي الشأن في وجه الاستدلال به، فقبل من لفظ زادكم فإن الزيادة لا تتحقق إلا عند حصر المزيد عليه والمحصور الفرائض لا النوافل، ويشكل عليه ما ثبت بسند صحيح أخرجه الحاكم والبيهقي عنه ﷺ إن الله تعالى زادكم صلاة إلى صلاتكم هي خير لكم من حمر النعم ألا وهي الركعتان قبل صلاة الفجر. فإن اقتضى لفظ زادكم الحصر فإنه يجب في هذا كون المحصورة للمزيدة عليها السنن الرواتب، وحينئذ فالمحصورة أعم من الفرائض والسنن الراتبة، فلا يستلزم لفظ زادكم كون المزيد فرضا لجواز كونه زيادة على المحصورة التي ليست بفرض: أعني السنن.

وقد يكون هذا هو الصارف للمصنف عن التمسك بهذه الطريقة مع شهرتها بينهم إلى الاقتصار على التمسك بلفظ الأمر، لكن لفظ الأمر إنما هو في حديث ابن لهيعة وعمرو بن شعيب وقد ضعف، فالأولى التمسك فيه بما في أبي داود عن أبي المنيب عبيد الله العتكي عن عبد الله بن بريدة عن أبيه قال: قال رسول الله ﷺ الوتر حق، فمن لم يوتر ليس مني، الوتر حق فمن لم يوتر فليس مني، الوتر حق فمن لم يوتر فليس مني» ورواه الحاكم وصححه، وقال أبو المنيب ثقة، وثقه ابن معين أيضا.

وقال ابن أبي حاتم: سمعت أبي يقول صالح الحديث، وأنكر على البخاري إدخاله في الضعفاء، وتكلم فيه النسائي وابن حبان، وقال ابن عدي: لا بأس به فالحديث حسن. وأخرج البزار عن حكام عن عنبسة عن جابر عن أبي معشر عن إبراهيم عن الأسود عن عبد الله عن النبي ﷺ الوتر واجب على كل مسلم.

فإن قيل الأمر قد يكون للندب والحق هو الثابت، وكذا الواجب لغة، ويجب الحمل عليه دفعا للمعارضة ولقيام القرينة الدالة عليه. أما المعارضة فما أخرج البخاري ومسلم عن ابن عمر رضي الله عنهما أنه ﷺ كان يوتر على البعير. وما أخرجاه أيضا أنه ﷺ بعث معاذا إلى اليمن وقال له فيما قال: فأعلمهم أن الله قد فرض عليهم خمس صلوات في اليوم والليلة. قال ابن حبان: وكان بعثه قبل وفاته ﷺ بأيام يسيرة.

وفي موطأ مالك أنه ﷺ توفي قبل أن يقدم معاذ من اليمن وما أخرجه ابن حبان أنه ﷺ قام بهم في رمضان فصلى ثماني ركعات وأوتر ثم انتظروه من القابلة فلم يخرج إليهم فسألوه فقال خشيت أن تكتب عليكم الوتر هذه.

toobaa-elibrary.blogspot.com

والجواب عن الأول أنه واقعة حال لا عموم لها فيجوز كون ذلك كان لعذر، والاتفاق على أن الفرض يصلى على الدابة لعذر الطين والمطر ونحوه، أو كان قبل وجوبه لأن وجوبه لم يقارن وجوب الخمس بل متأخر. وقد روي أنه ﷺ كان ينزل للوتر.

روى الطحاوي عن حنظلة بن أبي سفيان عن نافع عن ابن عمر ﷺ أنه كان يصلي على راحلته ويوتر بالأرض ويزعم أن النبي ﷺ فعل ذلك، فدل أن وتره ذلك كان إما حالة عدم وجوبه أو للعذر.

وعن الثاني أنه لم لا يجوز أن يكون الوجوب كان بعد سفره.

وعن الثالث كالأول في أنه يجوز كونه قبل وجوبه أو المراد المجموع من صلاة الليل المختتمة بوتر، وقد يطلق الوتر على صلاة الليل: وهي غير واجب، ويدل على ذلك ما صرح به في رواية البجلي بهذا الحديث من قوله خشية أن تكتب عليكم صلاة الليل. وكيف يحمل على اللغوي وهو محفوف بما يؤكد مقتضاه من الوجوب، وهو قوله ﷺ فمن لم يوتر فليس مني. مؤكد بالتكرار ثلاثا. هذا الكلام لابن الهمام مع حذف واختصار.[1]

وقال العبد الضعيف أصلح الله شانه وصانه عما شانه: لا يضر احتمال الحمل على غير الوجوب بإيراد الاستدلال على ما هو للمدعي هنا، لأن الوجوب هنا ما ثبت بدليل فيه شبهة.

ودلائل ايجاب الوتر كلها فيها شبهة وليست قطعية كما في الفرض القطعي، ومع ذلك يثبت غلبة الظن لوجوبه، ويكفي ذلك في المطلوب والصواب أن دلائل الجانبين متعارضة، ولكل وجهة هو مواليها، كذا قال التوربشتي، والله اعلم هذا.

وقد قيل في وجه الاستدلال بحديث: إن الله زادكم أن النبي ﷺ اضاف الزيادة إلى الله تعالى، لا إلى نفسه وفي السنن يضاف إلى الرسول ﷺ. كذا ذكر في بعض شروح الهداية، فتدبر.

الثالث: الكلام في القنوت، والاختلاف فيه من وجوه.

اعلم أن القنوت يجيء لمعان، في القاموس:[2] القنوت: الطاعة، والسكوت، والدعاء، والقيام في الصلاة، والإنصات عن الكلام، وأقنت: دعا على عدوه، وأطال القيام في الصلاة، وأدام الحج، وأدام الغزوة، وتواضع لله.

---

١) فتح القدير: ١/٤٢٤-٤٢٦.

٢) القاموس: ١٥٨.

toobaa-elibrary.blogspot.com

والمراد ههنا الذكر والدعاء المخصوص على مذهب الأكثرين بخلاف ما نقل عن بعض المشايخ، ويروى ذلك عن محمد رحمه الله أنه لا يوقت دعاء في القنوت، وفي غيره من مواضع الدعاء كالطواف مثلا وكما في التشهد يدعوا بما اعجبه، لأن تعيين الدعاء يذهب برقة القلب ويورث السآمة، والأكثرون على التوقيت؛ لأنه ربما يجري على اللسان ما يشبه كلام الناس إذا لم يوقت فتفسد الصلاة، ولا شك أن هذا الخلاف لا يكون فيما ثبت توقيته في الشرع، وفيما ثبت إما وجوبا فيما يجب أو استحسانا فيما يستحب، واستثنى في المحيط والذخيرة من عدم التعيين: "اللهم إنا نستعينك" عندنا و"اللهم اهدنا" عند الشافعي وآخرين؛ لأن الصحابة ﷺ اتفقوا عليه، ولو اكتفى به جاز.

والأولى أن يقرأ بعده: "اللهم اهدنا فيمن هديت"، وذكر الشمني عن أبي الليث: "اللهم اغفر لي" ثلاث مرات، انتهى. كذا في الشرح ابن الهمام.[1] هذا عندنا، وعند الشافعي: يقرؤن "اللهم اهدنا" ويكتفون به، ولا يرون "إنا نستعينك" من القنوت. وقالوا: لم يثبت روايته في الصحيحين والسنن المعروفة ولكن أئمتنا اثبتوه بطرق صحيحة عن الطبراني وغيره.

وأورد الشيخ ابن الهمام عن أبي داود من حديث خالد بن أبي عمران قال: بينما رسول الله -ﷺ- يدعو على مضر، إذ جاء جبريل عليه السلام فأومأ عليه أن اسكت فسكت، فقال: يا محمد! إن الله لم يبعثك سبابا ولا لعانا، وإنما بعثك رحمة للعالمين، ليس لك من الأمر شيء، ثم علمه اللهم إنا نستعينك ونؤمن بك، ونخضع لك، ونخلع ونترك من يكفرك، اللهم إلى قوله: إن عذابك الجد بالكفار ملحق.

وذكر الشيخ جلال الدين السيوطي من الشافعية من عمل اليوم والليلة بهذا الوجه: بسم الله الرحمن الرحيم، اللهم إنا نستعينك ونستغفرك، ونثني عليك الخير، ولا نكفرك، ونخلع ونترك من يفجرك، بسم الله الرحمن الرحيم، اللهم إياك نعبد ولك نصلي ونسجد، وإليك نسعى ونحفد، ونرجو رحمتك، ونخشى عذابك، إن عذابك بالكفار ملحق، اللهم اهدني فيمن هديت. . . إلخ. وقال بعض العلماء: إن هذا كان سورتين من القرآن، لكن لما لم يثبت قرآنيتها بالتواتر بلا شبهة، جعلوها في صلاة الوتر الذي في وجوبه شبهة، والله أعلم.

والمشهور فيه هذا اللفظ: اللهم إنا نستعينك ونستغفرك، ونؤمن بك، ونتوكل عليك، ونثني عليك الخير، ونشكرك ولا نكفرك، ونخلع ونترك من يفجرك، اللهم إياك نعبد، ولك نصلي ونسجد، وإليك نسعى ونحفد، ونرجو رحمتك، ونخشى عذابك، إن عذابك بالكفار ملحق. وفي رواية: إن عذابك الجد. وقيل: لا حاجة بأن يقول بالواو في أول سبع كلمات، وهي نؤمن،

---

١) فتح القدير ١/٤٣٠.

toobaa-elibrary.blogspot.com

ونثني، ونشكرك، ونخلع، ونسجد، ونحفد، ونرجو، وقالوا: الأولى أن يأتي بالواو، وفي العطف زيادة الثناء وتعدد الأثنية كما في التشهد، وقد حقق في موضعه، وملحق بكسر الحاء بمعنى لاحق، و لا يجوز فتحها، وقال في القاموس: [١] الفتح أحسن أو الصواب، أو الحق.

ثم اختلفوا أن القنوت قبل الركوع أو بعده، فعند الشافعي وهو رواية عن مالك والمشهور في مذهب أحمد يقنت بعد الركوع، لما روى الدارقطني عن سويد بن غفلة قال: سمعت أبا بكر وعمر وعثمان وعليا ﷺ يقولون: قنت رسول الله ﷺ في آخر الوتر، وكانوا يفعلون ذلك. [٢]

وأجاب عنه صاحب الهداية: بأن ما زاد على نصف الشيء فهو آخره، يعني إذا قنت في الركعة الثانية ولو قبل الركوع صدق أنه قنت في آخر الوتر، فلا دليل فيه على كون القنوت بعد الركوع، ولهم ما هو أصرح في ذلك وهو حديث حسن بن علي رضي الله عنهما على ما رواه الحاكم [٣] وصححه قال: علمني رسول الله ﷺ كلمات أقولهن في وتري إذا رفعت رأسي، ولم يبق إلا السجود: اللهم اهدني فيمن هديت. . . إلخ. [٤]

وعندنا يقنت قبل الركوع لما روي أنه ﷺ قنت قبل الركوع، وفي بعض الروايات: كان يقنت، وفي حديث ابن ماجه وحديث النسائي عن أبي بن كعب أن رسول الله ﷺ كان يوتر فيقنت قبل الركوع، [٥] نعم قد روى هذا الحديث غير واحد، ولم يذكر أحد: يقنت قبل الركوع، لكن زيادة الثقة مقبولة.

وأخرج الخطيب في "كتاب القنوت" له عن ابن مسعود ﷺ قال: إن النبي ﷺ قنت في الوتر قبل الركوع، وذكره ابن الجوزي في "التحقيق" وسكت عنه.

وأخرج أبو نعيم عن عطاء بن مسلم عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: أوتر النبي ﷺ بثلاث، فقنت فيها قبل الركوع. [٦] وأخرج الطبراني في "الأوسط" عن ابن عمر رضي الله عنهما أن النبي ﷺ كان يوتر بثلاث ركعات، يجعل القنوت قبل الركوع. [١]

---

١) القاموس: ٨٤٩.

٢) أخرجه الدار قطني في "سننه" كتاب الوتر، باب ما يقرأ في ركعات الوتر والقنوت فيه (٢/٣٥٧) رقم الحديث: ١٦٦٤.

٣) أخرجه الحاكم في "المستدرك" كتاب معرفة الصحابة، من فضائل الحسن بن علي بن أبي طالب ﷺ (٣/١٨٨) رقم الحديث: ٤٨٠١.

٤) الهداية: ١/٦٦.

٥) أخرجه ابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء في القنوت قبل الركوع وبعده (١/٣٧٤) رقم الحديث: ١١٨٢. والنسائي في "سننه" كتاب قيام الليل وتطوع النهار: باب ذكر اختلاف ألفاظ الناقلين لخبر أبي بن كعب في الوتر (٣/٢٣٥) رقم الحديث: ١٦٩٩، ١٧٠٠، ١٧٠١.

٦) أخرجه أبو نعيم في "حلية الأولياء" من الطبقة الأولى من التابعين، حبيب بن أبي ثابت (٥/٦٢).

toobaa-elibrary.blogspot.com

وذكر الشيخ ابن الهمام هذه الأحاديث مع أسانيدها، وقال: إن كل طريق منها إما صحيح أو حسن، ولو كان في بعضها غرابة وتفرد كما حكم أبو نعيم تظافر بعضها ببعض، وقال: ما في حديث أنس ﷺ أنه ﷺ قنت بعد الركوع، فالمراد منه أن ذلك كان شهرا فقط بدليل ما في "الصحيح" عن عاصم الأحول قال: سألت أنسا عن القنوت في الصلاة، قال: نعم، فقلت: كان قبل الركوع أو بعده؟ قال: قبله، [قلت: فإن فلانا أخبرني عنك أنك قلت: بعده، قال: كذب، إنما قنت ﷺ بعد الركوع شهرا، وعاصم كان ثقة جدا، ولا معارضة متجهة في ذلك مع] ما رواه أصحاب السنن، بل هذه تصلح مفسرة للمراد بمرويهم أنه قنت بعده، ومما نحقق ذلك أن عمل الصحابة وأكثرهم كان على وفق ما قلنا: روى ابن أبي شيبة عن علقمة: أن ابن مسعود وأن أصحاب النبي ﷺ كانوا يقنتون في الوتر قبل الركوع،[٢] انتهى كلام الشيخ.[٣]

ولم يتعرض للجواب عن حديث الحسن ﷺ، ويمكن أن يقال: إنه على ما رواه الترمذي وأبو داود والنسائي وابن ماجه والدارمي مطلق من أن يكون قبل الركوع أو بعده، فلا حجة لهم في ذلك، فيحمل على ما هو الراجح من كونه قبل الركوع، وأما على ما رواه الحاكم من الحديث الدال على كونه بعد الركوع فيقال بالنسخ، وكونه في المدة التي ذكره الشيخ وهو كونه في المدة التي كان رسول الله ﷺ يقنت فيها بعد الركوع، كما سبق والله أعلم.

ثم اختلف في أنه يقنت دائما أو في العشر الأخير من رمضان، فعند الشافعي ومن تبعه يقنت في الوتر في النصف الأخير من رمضان فقط.

استدلوا بما رواه أبو داود أن عمر ﷺ جمع الناس على أبي بن كعب ﷺ، فكان يصلي بهم عشرين ليلة من الشهر يعني رمضان، ولا يقنت بهم إلا في النصف الباقي، وإذا كان العشر الأواخر تخلف فصلى في بيته،[٤] وللمتن طريق آخر، ضعفها النووي في "الخلاصة"، وما أخرج ابن عدي عن أنس أن رسول الله ﷺ كان يقنت في النصف من رمضان. . . الحديث،[٥] ضعيف بأبي عاتكة، وضعفه البيهقي مع أن القنوت فيه وفيما قبله

---

١) أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط" باب الميم، باب من اسمه محمود (٣٦/٨) رقم الحديث: ٧٧٨٥.

٢) أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الصلوات، باب في القنوت قبل الركوع أو بعده (٩٧/٢) رقم الحديث: ٦٩١١.

٣) فتح القدير: ٤٢٩/١.

٤) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب القنوت في الوتر (٦٥/٢) رقم الحديث: ١٤٢٩.

٥) أخرجه ابن عدي في "الكامل في ضعفاء الرجال" طريف بن سلمان، أبو عاتكة (١٨٩/٥)

toobaa-elibrary.blogspot.com

يحتمل كونه بمعنى طول القيام، فإنه يقال عليه تخصيصا للنصف الأخر بزيادة الاجتهاد، ويستأنس له بما روى مسلم عن عائشة ﵂: كان رسول الله ﷺ يجتهد في رمضان ما لا يجتهد في غيره، وفي العشر الأواخر منه ما لا يجتهد في غيره؛[1] وكذا جاء في رواية الترمذي،[2] وكان الذي يروى عنه ﷺ قرأ في صلاة الليل بالبقرة ثم النساء ثم آل عمران، ولا يمر بآية تخويف إلا وقف وسأل في قيام رمضان بالليل على ما ذكر في "المواهب اللدنية".[3]

ولنا الأحاديث الواردة في قنوت الوتر مطلقا من غير تخصيص كونه في رمضان أو غيره كقولهم: كان يقنت في الوتر، وقنت في وتره، وكان يقول في وتره، وأمثال ذلك، والوتر كان دائما غير مخصوص برمضان ونصفه الأخير، فالقنوت كذلك.

الرابع: الاختلاف في قنوت الصبح.

وهو ثابت عند الشافعي دائما في رمضان وغيره بعد الركوع، وهو مذهب أحمد في رواية: لا يقنت في الصبح إلا في النوازل، أما في الصبح خاصة أو فيه وفي المغرب أو في جميع الصلوات ثلاث روايات، ويخص ذلك بالإمام الأعظم أو بأمير الجيش لا لكل إمام على المشهور.

والشيخ ابن الهمام أورد الأحاديث الواردة في ذلك عن رسول الله ﷺ وعن الصحابة من الخلفاء الأربعة وغيرهم كثيرا.

وأجاب عن ذلك بتعليل تلك الأحاديث وتضعيف رواتها، وقرر بعد التقييد والتحقيق أن ذلك كما قال صاحب الهداية: منسوخ تمسكا بما رواه البزار وابن أبي شيبة والطبراني والطحاوي كلهم من حديث عبد الله بن مسعود ﵁ أنه قال: لم يقنت رسول الله ﷺ في الصبح إلا شهرا ثم تركه، لم يقنت قبله ولا بعده،[4] وقال: روى الخطيب في "كتاب القنوت" عن أنس: أن النبي ﷺ كان لا يقنت إلا إذا دعا لقوم أو دعا عليهم، وهو صحيح.

---

1) اخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الاعتكاف، باب الاجتهاد في العشر الأواخر من شهر رمضان (٢/٨٣٢) رقم الحديث: ١١٧٥.

2) اخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب منه [ما جاء في ليلة القدر] (٣/١٥٢) رقم الحديث: ٧٩٦.

3) المواهب اللدنية: ٣/٣٠٨.

4) اخرجه البزار في "مسنده" مسند عبد الله بن مسعود، أبو حمزة واسمه ميمون (٥/١٥) رقم الحديث: ١٥٦٩. وابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الصلوات، باب من كان لا يقنت في الفجر (٢/١٠٣) رقم الحديث: ٦٩٨٧. والطبراني في "المعجم الكبير" باب العين (١٠/٦٩) رقم الحديث: ٩٩٧٣، ٩٩٧٤. والطحاوي في "شرح معاني الآثار" كتاب الصلاة، باب القنوت في صلاة الفجر وغيرها (١/٢٤٥) رقم الحديث: ١٤٦٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وما روى الخطيب بخلاف ذلك مما يدل على أنه كان يقنت حتى مات، وروى الدارقطني وغيره عن أبي جعفر الرازي عن أنس: ما زال رسول الله ﷺ يقنت في الصبح حتى فارق الدنيا، فقد شنع عليه ابن الجوزي بما لا يجوز ذكره وأبطله، واشتهر بعض الرواة فيها بالوضع على أنس، وقد صح حديث أبي مالك الأشجعي عن أبيه أنه قال: قال: قلت لأبي: يا أبة، إنك قد صليت خلف رسول الله ﷺ وأبي بكر، وعمر، وعثمان، وعلي بن أبي طالب، هاهنا بالكوفة نحوا من خمس سنين، أكانوا يقنتون؟ قال: أي بني محدث؟ رواه الترمذي، والنسائي، وابن ماجه، وقال الترمذي: هذا حديث حسن صحيح.[1]

وأخرج ابن أبي شيبة عن أبي بكر وعمر وعثمان ﷺ أنهم كانوا لا يقنتون في الفجر. وأخرج عن علي ﷺ أنه لما قنت في الصبح أنكر الناس عليه، فقال: استنصرنا على عدونا. وأخرج عن ابن عباس وابن مسعود وابن عمر وابن الزبير ﷺ أنهم كانوا لا يقنتون في صلاة الفجر. وأخرج عن ابن عمر ﷺ أنه قال في قنوت الفجر: ما شهدت وما علمت.[2]

وروى ابن حبان عن أبي هريرة بسند صحيح، قال: كان رسول الله ﷺ لا يقنت في صلاة الصبح إلا أن يدعوا لقوم أو على قوم.[3]

وقال محمد بن الحسن: أخبرنا أبو حنيفة رحمة الله عليه عن حماد عن إبراهيم عن الأسود أنه صحب عمر بن الخطاب ﷺ سنتين في السفر والحضر، فلم يره قانتا في الفجر، وهذا سند لا غبار عليه.

وبالجملة لو كان رسول الله ﷺ قنت في صلاة الفجر، وكانت سنة راتبة لم يخف ذلك، ونقلوه كنقل جهر القراءة، فكل ما روي عن فعله ﷺ إن صح فهو محمول على النوازل بالدعاء لقوم أو على قوم، وهذا خلاصة كلام الشيخ ابن الهمام مع اختصار وتنقيح، وعليه يحمل المداومة المستفادة من مثل قول أبي جعفر وغيره: كان يقنت حتى توفاه الله تعالى، يعني كان يداوم مدة عمره على القنوت في النوازل، وعليه يحمل عمل بعض الصحابة.

---

1) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب في ترك القنوت (٢/٢٥٢) رقم الحديث: ٤٠٢. والنسائي في "سننه" كتاب التطبيق، باب ترك القنوت (٢/٢٠٤) رقم الحديث: ١٠٨٠. وابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء في القنوت في صلاة الفجر (١/٣٩٣) رقم الحديث: ١٢٤١.

2) أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الصلوات، باب كان لا يقنت في الفجر (٢/١٠١-١٠٤) رقم الحديث: ٦٩٦١- ٦٩٩٨.

3) كما في "نصب الراية" كتاب الصلاة، باب صلاة الوتر (٢/١٣٠) .

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقد روي عن الصديق ﷺ أنه قنت في الصبح عند محاربة الصحابة مسيلمة وعند محاربة أهل الكتاب، وكذا قنت عمر ﷺ، وكذا علي ﷺ في محاربة معاوية، ويروى في هذا العكس أيضا، فقد ثبت بما ذكرنا نفي سنية القنوت في الصبح راتبة، وثبت استمرار شرعيته عند النوازل، ولا يختص القنوت عند النوازل بالفجر، بل يشرع في الصلوات كلها، وبه قال جماعة من أهل الحديث وهو مجتهد فيه، وقد يروى نفيه عنه ﷺ وتركه إياه بنزول قوله تعالى: "لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ"(١) كما مر، فتأمل. وانظر في متانة مذهب الإمام الأعظم أبي حنيفة وقوة دلائله وتحقيقه وتقريره رحمه الله تعالى.

فائدة

قد ثبت أن رسول الله ﷺ صلى الوتر في أول الليل تارة، وفي وسط الليل تارة، وآخره أخرى، وهذا هو الغالب من أحواله، وقال: إن الصلاة آخر الليل مشهودة ومحضورة، وكان أبو بكر ﷺ يوتر في أول الليل، وعمر ﷺ في آخره، فقال رسول الله ﷺ في أبي بكر: أنه أخذ بالحذر، وقال في عمر: أخذ هذا بالقوة، وكان إذا اوتر في أول الليل ثم قام يعد الوتر ووروده وتران في ليلة واحدة، وكان ﷺ يصلي بعد الوتر ركعتين يقرأ فيهما "إذا زلزلت الأرض" و"قل يا أيها الكافرون"، وهوجالس ، وهذا مع ظاهر حديث "اجعلوا آخر صلواتكم بالليل وترا"، معارض.

واستشكل ذلك على كثير من العلماء، فأنكر الإمام مالك حديث الركعتين بعد الوتر، وقال: لم يصح. وقال أحمد: لا أصليهما ولا أضع منهما أحدا، وجمهور العلماء قائلون بذلك لوروده في الصحاح، وقالوا: إنما صلاهما بيانا لجواز التنفل بعد الوتر، وعلى هذا يكون قوله: "اجعلوا آخر صلاتكم بالليل وترا"، محمولا على الاستحباب لا الوجوب، وذلك أحب وأفضل.

وهل كانت هاتان الركعتان بعد الوتر أول الليل وآخره؟ فحديث أبي أمامة مطلق، وحديث ثوبان على ما رواه صاحب المشكاة عن الدارمي يدل على تقدير الإيتار في أول الليل، وأحاديث البخاري ومسلم والموطأ تدل على أنهما بعد قيام الليل وهو الصحيح.

وقال بعض العلماء: هاتان الركعتان ملحقتان بالوتر جاريتان مجرى سنة، لا سيما على مذهب من يقول بوجوب الوتر، ولما كان وتر النهار الذي هو صلاة المغرب مشفوعا بالركعتين جعل وتر الليل أيضا مشفوعا بركعتي السنة، والله أعلم.

---

١) آل عمران: ١٢٨.

toobaa-elibrary.blogspot.com

ثم فيه التشفيع كما يفعله بعض الناس بجعل الركعتين قاعدا في حكم ركعة واحدة لا معنى له، وهو ناقض ومبطل للوتر من غير ضرورة بعد ما عرف كون الصلاة بعد الوتر جائزا، ولعله لا يطيق قيام الليل ولا يصلي الوتر ولا يحصل آخرا، نعم إن قام آخر الليل احتاج إلى نقضه إلا أن يكون الوتران في ليلة.

وقال الترمذي: واختلف أهل العلم في الذي يوتر من أول الليل، ثم يقوم من آخره، فرأى بعض أهل العلم من أصحاب النبي ﷺ، ومن بعدهم: نقض الوتر، وقالوا: يضيف إليها ركعة ويصلي ما بدا له، ثم يوتر في آخر صلاته، لأنه لا وتران في ليلة، وهو الذي ذهب إليه إسحاق، وقال بعض أهل العلم من أصحاب النبي ﷺ وغيرهم: إذا أوتر من أول الليل، ثم نام، ثم قام من آخر الليل، فإنه يصلي ما بدا له ولا ينقض وتره، ويدع وتره على ما كان، وهو قول سفيان الثوري، ومالك بن أنس، وابن المبارك، وأحمد، وهذا أصح، لأنه قد روي من غير وجه أن النبي ﷺ قد صلى بعد الوتر. روى هذا عن أم سلمة وقد روي نحو هذا، عن أبي أمامة، وعائشة، وغير واحد عن النبي ﷺ صلى بعد الوتر ركعتين. انتهى. [1]

ولما لم يكن الركعة الواحدة عندنا جائزة، ولم يكن بجعل الركعتين في حكم الركعة الواحدة معنى، لأن ذلك إنما في حكم الثواب لا مطلقا، لم يكن للتشفيع بالمعنى الذي قصدوه وجه، فإن اوتر أول الليل صلى ركعتين متابعة للنبي ﷺ طمعا في نيل الثواب قيام الليل، كما جاء في حديث ثوبان، قال: قال رسول الله ﷺ إن هذا السهر جهد وثقل، فإذا أوتر أحدكم، فليركع ركعتين، فإن قام من الليل، وإلا كانتا له. رواه الدارمي. [2]

وعن أبي أمامة: أن النبي ﷺ كان يصليهما بعد الوتر وهو جالس يقرأ فيهما "إذا زلزلت الأرض" و"قل يا أيها الكافرون". رواه أحمد. [3]

من غير قصد إلى تشفيع ونية، وإن قام للتهجد لم يعد الوتر، احترازا عن وقوع وترين في ليلة، وهو متجزئين أن يصلي ركعتين بعده، لأنه ﷺ صلاهما، وإن لا يصليهما ليكون آخر صلاة الليل وترا في الحقيقة، ولا يخل هذا آخرية الوتر لأنهما تابعان للوتر وملحقتان به، ولا حاجة إلى التشفيع إلا لما ذكر الترمذي الاختلاف فيه بأداء ركعة وأما بأداء الركعتين في أول الليل كما يفعله بعض الناس فلا معنى له. فاعلم.

---

١) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الوتر، باب ما جاء لا وتران في ليلة (٢/٣٣٤-٣٣٥) رقم الحديث: ٤٧٠، ٤٧١.

٢) أخرجه الدارمي في "سننه" كتاب الصلاة، باب في الركعتين بعد الوتر (٢/٩٩٣) رقم الحديث: ١٦٣٥.

٣) أخرجه أحمد في "مسنده" تتمة مسند الأنصار، حديث أبي أمامة الباهلي (٣٦/٥٨٤) رقم الحديث: ٢٢٢٤٦.

toobaa-elibrary.blogspot.com

ثم اعلم أن المذهب عندنا: أنه لا صلاة بعد طلوع الفجر إلا سنة الفجر وفرضه.

قال محمد في موطأه: أخبرنا مالك، أخبرنا عبد الرحمن بن القاسم، أنه سمع عبد الله بن عامر بن ربيعة، يقول: إني لأوتر وأنا أسمع الإقامة، أو بعد الفجر، يشك عبد الرحمن أي ذلك قال.(١)

وقال: أخبرنا مالك، عن عبد الرحمن، أنه سمع أباه يقول: إني لأوتر بعد الفجر.(١)

وقال: أخبرنا مالك، أخبرنا هشام بن عروة، عن أبيه، عن ابن مسعود، أنه كان يقول: ما أبالي لو أقيمت الصبح، وأنا أوتر.(٣)

وقال: أخبرنا مالك، أخبرنا عبد الكريم بن أبي المخارق، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس، أنه رقد، ثم استيقظ، فقال لخادمه: انظر ماذا صنع الناس، وقد ذهب بصره، فذهب ثم رجع، فقال: قد انصرف الناس من الصبح، فقام ابن عباس، فأوتر، ثم صلى الصبح.(٤)

وقال: أخبرنا مالك، أخبرنا يحيى بن سعيد، أن عبادة بن الصامت كان يؤم يوما، فخرج يوما للصبح، فأقام المؤذن الصلاة، فأسكته حتى أوتر ثم صلى بهم.

قال محمد: أحب إلينا أن يوتر قبل أن يطلع الفجر، ولا يؤخره إلى طلوع الفجر، فإن طلع قبل أن يوتر فليوتر، ولا يتعمد ذلك، وهو قول أبي حنيفة، رحمه الله.(٥)

قال العبد الضعيف سامحه الله: لا خلاف في قضاء بعد طلوع الفجر فلعل السلف المذكور يرون صلاة كذلك، لأنه أداء في وقته، والله أعلم.

ولقد وقع الاطناب في بيان أحكام الوتر اهتماما لشأنه، حيث تأول الناس فيما بينهم عن مسائله اعتناءا لوجوبه، وسمعت بعض الأصفياء، يقول: الايتار آخر الليل مقام عال في القرب عند الله، والأمر كذلك، وكيف لا يكون وهو يكون مع التهجد، وقد وعد عليه لرسول الله ﷺ بعثه مقاما محمودا، ولا بد أن يكون لأمته أيضا نصيب من ذلك بأتباعه ﷺ، وقد طشف سر الوتر على إمامنا الأعظم رضي الله عنه لم تكشف على غيره من الأئمة حيث ذهب إلى وجوبه.

---

١) أخرجه محمد في "الموطأ" أبواب الصلاة، باب تأخير الوتر (٩٤) رقم الحديث: ٢٥٣.

٢) أخرجه محمد في "الموطأ" أبواب الصلاة، باب تأخير الوتر (٩٤) رقم الحديث: ٢٥٤.

٣) أخرجه محمد في "الموطأ" أبواب الصلاة، باب تأخير الوتر (٩٥) رقم الحديث: ٢٥٥.

٤) أخرجه محمد في "الموطأ" أبواب الصلاة، باب تأخير الوتر (٩٥) رقم الحديث: ٢٥٦.

٥) أخرجه محمد في "الموطأ" أبواب الصلاة، باب تأخير الوتر (٩٥) رقم الحديث: ٢٥٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب قيام شهر رمضان

عن عائشة ﵂: قالت: كان رسول الله ﷺ إذا دخل العشر الأواخر من رمضان أحيى الليل، وأيقظ أهله، وجد، وشد المئزر. أخرجه البخاري، ومسلم، وأبو داود، والنسائي.

ولمسلم قالت: كان رسول الله ﷺ يجتهد في رمضان ما لا يجتهد في غيره، وفي العشر الأواخر منه ما لا يجتهد في غيره.(١)

وعن عائشة ﵂: قالت: إن النبي ﷺ صلى في المسجد، فصلى بصلاته ناس، ثم صلى من القابلة فكثر الناس، ثم اجتمعوا من الليلة الثالثة، فلم يخرج إليهم رسول الله صلى الله عليه وسلم، فلما أصبح قال: قد رأيت الذي صنعتم، ولم يمنعني من الخروج إليكم إلا أني خشيت أن تفرض عليكم، وذلك في رمضان.

وفي رواية البخاري، ومسلم: أن رسول الله ﷺ خرج من جوف الليل، فصلى في المسجد، فصلى رجال بصلاته، فأصبح الناس يتحدثون بذلك، فاجتمع أكثر منهم، فخرج رسول الله ﷺ في الليلة الثانية فصلوا بصلاته، فأصبح الناس يذكرون ذلك، فكثر أهل المسجد من الليلة الثالثة، فخرج، فصلوا بصلاته، فلما كانت الليلة الرابعة عجز المسجد عن أهله، فلم يخرج إليهم رسول الله ﷺ، فطفق رجال منهم يقولون: الصلاة، فلم يخرج إليهم رسول الله ﷺ، حتى خرج لصلاة الفجر.(٢)

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب صلاة التراويح، باب العمل في العشر الأواخر من رمضان (٤٧/٣) رقم الحديث: ٢٠٢٤. ومسلم في "صحيحه" كتاب الاعتكاف، باب الاجتهاد في العشر الأواخر من شهر رمضان (٨٣٢/٢) رقم الحديث: ١١٧٤، ١١٧٥. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في قيام شهر رمضان (٥٠/٢) رقم الحديث: ١٣٧٦. والنسائي في "سننه" كتاب قيام الليل وتطوع النهار، باب إحياء الليل (٢١٧/٣) رقم الحديث: ١٦٣٩.

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الجمعة، باب من قال في الخطبة بعد الثناء: أما بعد (١١/٢) رقم الحديث: ٩٢٤، باب تحريض النبي ﷺ على صلاة الليل والنوافل (٥٠/٢) رقم الحديث: ١١٢٩، كتاب صلاة التراويح، باب فضل من قام رمضان (٤٥/٣) رقم الحديث: ٢٠١٢. ومسلم في "صحيحه" كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب الترغيب في قيام رمضان وهو التراويح (٥٢٤/١) رقم الحديث: ٧٦١. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في قيام شهر رمضان (٤٩/٢) رقم الحديث: ١٣٧٣، ١٣٧٤. والنسائي في "سننه" كتاب قيام الليل وتطوع النهار، باب قيام شهر رمضان (٢٠٢/٣) رقم الحديث: ١٦٠٤. ومالك في "الموطأ" كتاب الصلاة في رمضان، باب الترغيب في الصلاة في رمضان (١١٣/١) رقم الحديث: ١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وفي رواية النسائي [عن زيد بن ثابت]: أن رسول الله ﷺ اتخذ حجرة في المسجد من حصير، فصلى رسول الله ﷺ فيها ليالي، فاجتمع إليه ناس، ثم فقدوا صوته ليلة، فظنوا أنه قد نام، فجعل بعضهم يتنحنح ليخرج، فلم يخرج، فلما خرج للصبح قال: ما زال بكم الذي رأيت من صنيعكم، حتى خشيت أن يكتب عليكم، ولو كتب عليكم ما قمتم به، فصلوا أيها الناس في بيوتكم، فإن أفضل الصلاة صلاة المرء في بيته إلا المكتوبة.(١)

ولهذا الحديث روايات متعددة في الكتب الستة، كلا وبعضا مختصر وبطوله ذكرت بعضها منها وكلها متقاربة في المعنى مشتركة في صلاته ﷺ في رمضان مع الأصحاب ليال متعددة ثم تركه مخافة أن يفرض عليهم.

وعن أبي هريرة ﷺ: قال: خرج رسول الله ﷺ على الناس في رمضان وهم يصلون في ناحية المسجد، فقال: ما هؤلاء؟ قيل: هؤلاء ناس ليس معهم قرآن، وأبي بن كعب يصلي بهم، وهم يصلون بصلاته، فقال رسول الله ﷺ: أصابوا، ونعم ما صنعوا. أخرجه أبو داود، وقال: هذا الحديث ليس بالقوي، مسلم بن خالد ضعيف.(٢)

وعن النعمان بن بشير ﷺ: قال: قمنا مع رسول الله ﷺ في شهر رمضان ليلة ثلاث وعشرين إلى ثلث الليل الأول، ثم قمنا معه ليلة خمس وعشرين إلى نصف الليل، ثم قمنا معه ليلة سبع وعشرين، حتى ظننا أن لا ندرك الفلاح، وكانوا يسمونه السحور. أخرجه النسائي.(٣)

وعن عبد الله بن أبي بكر [بن محمد بن عمرو بن حزم]، قال: سمعت أبي يقول: كنا ننصرف في رمضان من القيام، فنستعجل الخدم بالطعام، مخافة فوت السحور.

وفي أخرى: مخافة الفجر. أخرجه للموطأ.(٤)

---

١) أخرجه النسائي في "سننه" كتاب قيام الليل وتطوع النهار، باب الحث على الصلاة في البيوت (١٩٧/٣) رقم الحديث: ١٥٩٩.

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في قيام شهر رمضان (٢/٥٠) رقم الحديث: ١٣٧٧.

٣) أخرجه النسائي في "سننه" كتاب قيام الليل وتطوع النهار، باب قيام شهر رمضان (٢٠٣/٣) رقم الحديث: ١٦٠٦.

٤) أخرجه مالك في "الموطأ" كتاب الصلاة في الرمضان، باب ما جاء في قيام رمضان (١١٦/١) رقم الحديث: ٧

toobaa-elibrary.blogspot.com

تنبيه

قد علم من هذه الأحاديث أن رسول الله ﷺ لم يقم في رمضان إلا ليالي معدودة، واعتذر عن المواظبة على ما صلى بخشية أن يفرض عليهم، ثم الصحيح أنها كانت صلاته التي كان يصليها بالليل وهي إحدى عشرة ركعة، كما مر في أول باب صلاة الليل من حديث أبي سلمة أنه سأل عائشة رضي الله عنها كيف كانت صلاة رسول الله ﷺ في رمضان؟ قالت: ما كان يزيد في رمضان ولا في غيره على إحدى عشرة ركعة.(١)

ولم يثبت رواية عشرين ركعة منه ﷺ كما هو المتعارف إلا رواية ابن أبي شيبة، من حديث ابن عباس رضي الله عنهما: كان رسول الله ﷺ يصلي في رمضان عشرين ركعة والوتر، وقالوا: إسناده ضعيف، وقد عارضه حديث عائشة رضي الله عنها، وهي أعلم بحال النبي ﷺ من غيرها، وقد كان الأمر في زمنه ﷺ ذلك، بأمره ﷺ: صلوا في بيوتكم، وقوله: أفضل الصلاة المرء في بيته إلا المكتوبة، حتى انقضى صدر من خلافة عمر رضي الله عنه، إذا خرج ليلة إلى المسجد فإذا الناس أوزاع متفرقون، يصلي الرجل لنفسه، ويصلي الرجل فيصلي بصلاته الرهط، فقال عمر: إني أرى لو جمعت هؤلاء على قارئ واحد، لكان أمثل، ثم عزم، فجمعهم على أبي بن كعب، الحديث.(٢)

وروى البيهقي بإسناد صحيح: أن الناس كانوا يقومون على عهد عمر بن الخطاب في شهر رمضان بعشرين ركعة.(٣)

وعن السائب بن يزيد، أنه قال: أمر عمر بن الخطاب أبي بن كعب وتميما الداري أن يقوما للناس [في رمضان أبيا للرجال وتميما للنساء] بإحدى عشرة ركعة.(٤)

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الأذان، باب من انتظر الإقامة (١/١٢٨) رقم الحديث: ٦٢٦، كتاب الوتر، باب ما جاء في الوتر (٢/٢٥) رقم الحديث: ٩٩٤. ومسلم في "صحيحه" كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب استحباب ركعتي سنة الفجر، والحث عليها (١/٥٠٠) رقم الحديث: ٧٢٤، باب جواز النافلة قائما وقاعدا (١/٥٠٤) رقم الحديث: ٧٣٠، باب صلاة الليل وعدد ركعات النبي ﷺ (١/٥٠٨) رقم الحديث: ٧٣٦، ٧٣٨، ٧٤٣، باب الدعاء في صلاة الليل وقيامه (١/٥٣٢) رقم الحديث: ٧٦٧.

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب صلاة التراويح، باب فضل من قام رمضان (٣/٤٥) رقم الحديث: ٢٠١٠.

٣) أخرجه البيهقي في "السنن الكبرى" كتاب الصلاة، جماع أبواب صلاة التطوع، باب ما روي في عدد ركعات القيام في شهر رمضان (٢/٦٩٨) رقم الحديث: ٤٢٨٨.

٤) أخرجه مالك في "الموطأ" كتاب الصلاة في رمضان، باب ما جاء في قيام رمضان (١/١١٥) رقم الحديث: ٤.

toobaa-elibrary.blogspot.com

قال الشيخ ابن حجر في شرح للمشكاة: أن ابن عبد البر رد هذه الرواية بأنها وهم من راويها، والذي صح أنهم كانوا يقومون على عهد عمر بعشرين ركعة، وتعقب بأن سند تلك الرواية صحيح أيضا.

وأجيب بأنهم لعلهم في بعض الليالي قصدوا التشبه به ﷺ فإنه صح عنه كما مر "أنه صلى بهم ثماني ركعات والوتر"، وإن كان الذي استقر عليه أمرهم العشرين، ورواية "ثلاث وعشرين" حسب رأيها ثلاثة الوتر فإنه جاء أنهم كانوا يوترون بثلاث. انتهى كلام الشيخ.[1]

وقال الحليمي: والسر في كونها عشرين أن الرواتب في غير رمضان عشرة، فضوعفت لأنه وقت جد وتشمير، كذا قال في المواهب اللدنية،[2] ولا يذهب عليك أن تقدير الأعداد من غير سند من جانب الشارع لا يجوز بمثل هذه النكتة التي ذكرها الحليمي.

فالظاهر أنه كان قد ثبت عندهم صلاة النبي ﷺ عشرين ركعة كما جاء في حديث ابن عباس رضي الله عنهما، فاختارها عمر ﷺ، وقال في "الموطأ": كانوا يقومون بثلاث وعشرين،[3] وجمع البيهقي بينهما بأنهم كانوا يوترون بثلاث، وأيضا ذكر في "الموطأ" عن محمد بن يوسف عن السائب بن يزيد: كانت إحدى عشرة، وعند عبد العزيز إحدى وعشرين، والجمع بين هذه الروايات ممكن باختلاف الأحوال والأوقات، ويحتمل أن يكون ذلك الاختلاف بحسب تطويل القراءة وتخفيفها.

وأهل المدينة يقومون بست وثلاثين ركعة، قيل: وسبب ذلك أن أهل مكة كانوا يطوفون بالبيت أسبوعا، ويصلون ركعتي الطواف بين كل ترويحتين، فأهل المدينة لما بعدوا من هذا الفضل صلوا بدلها من ذلك أربع ركعات فرادى فرادى، وعملهم اليوم أن يصلوها بالجماعة، ويسمونها الست عشرية يأتون بها آخر الليل بعد الفراغ من التراويح في أوله.

وقال الحليمي: إن من اقتدى بأهل المدينة فقام بست وثلاثين فحسن أيضا، ويفهم من المحيط في مذهبنا أيضا الجواز، لكن لا بجماعة؛ لأن النفل بالجماعة في غير التراويح مكروه عندنا.

ومسائل التراويح بالسنة وأحكامها كثيرة مذكورة في كتب الفقه، وذكرناها في رسالة مسماة "بما ثبت بالسنة".

---

1) فتح الإله في شرح المشكاة: ٥/١٤١.
2) المواهب اللدنية: ٣/٣٠٧.
3) أخرجه مالك في "الموطأ" كتاب الصلاة في رمضان، باب ما جاء في قيام رمضان (١/١١٥) رقم الحديث: ٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

واعلم أن رسول الله ﷺ كان في بعض ليالي رمضان يواصل في الصوم، وصوم الوصال عبارة عن توالي صوم يومين أو أكثر من غير أكل وشرب بينهما، وكان في هذه القصة قيامه في هذه الليالي مع الأصحاب ثم تركه إياه كما نطقت به الأحاديث، ويفهم ذلك من حديث أنس حيث قال: كان رسول الله ﷺ، يصلي في رمضان، فجئت فقمت إلى جنبه وجاء رجل آخر، فقام أيضا حتى كنا رهطا فلما حس النبي ﷺ أنا خلفه جعل يتجوز في الصلاة، ثم دخل رحله، فصلى صلاة لا يصليها عندنا، قال: قلنا له: حين أصبحنا أفطنت لنا الليلة قال: فقال: نعم، ذاك الذي حملني على الذي صنعت، قال: فأخذ يواصل رسول الله صلى الله عليه وسلم، وذاك في آخر الشهر، فأخذ رجال من أصحابه يواصلون، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: ما بال رجال يواصلون، إنكم لستم مثلي، أما والله، لو تماد لي الشهر لواصلت وصالا يدع المتعمقون تعمقهم. أخرجه مسلم.[1] وحديث صوم الوصال مذكور في المشكاة في كتاب الصوم.[2]

عن أبي هريرة قال: نهى رسول الله ﷺ عن الوصال في الصوم، فقال له رجل: إنك تواصل يا رسول الله؟ قال: وأيكم مثلي إني أبيت يطعمني ربي ويسقيني.[3]

فالكلام في هذا الحديث من وجهين، أحدهما: الاختلاف في بيان معنى الحديث وبيان المراد من الاطعام والسقي.

وثانيهما: في النهي عن الوصال لغيره ﷺ أهو مكروه أو محرم كراهة تحريم أو تنزيه؟

والموافق تفرضا في هذا الكتاب هذا، فيقول الأكثر على أن صوم الوصال غير جائز؛ وبه قال أبو حنيفة ومالك رحمهما الله، ونص الشافعي وأصحابه على كراهته، إما كراهة تحريم أو كراهة تنزيه، والأول أصح.

وقال محمد في "الموطأ": الوصال لغيره ﷺ مكروه، وهو قول أبي حنيفة، انتهى.[4]

وذهب طائفة إلى أنه جائز لمن قدر عليه، وقد يروى عن عبد الله بن الزبير وغيره من السلف: وكان ابن الزبير رضي الله عنهما يواصل الأيام، وروى ابن أبي شيبة بإسناد صحيح: أنه كان يواصل خمسة عشر يوما.[1]

١) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الصيام، باب النهي عن الوصال في الصوم (٢/٧٧٥) رقم الحديث: ١١٠٤.
٢) المشكاة، كتاب الصوم، باب، الفصل الأول، رقم الحديث: ١٩٨٦.
٣) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الصوم، باب التنكيل لمن أكثر الوصال (٣/٣٧) رقم الحديث: ١٩٦٥.
ومسلم في "صحيحه" كتاب الصيام، باب النهي عن الوصال في اصوم (٢/٧٧٤) رقم الحديث: ١١٠٣.
٤) أخرجه محمد في "الموطأ" أبواب الصيام، باب الوصال في الصيام (١٢٩) رقم الحديث: ٣٦٨.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وذكر معه بعض الصحابة، ومن التابعين عبد الرحمن ابن أبي يعمر وعامر بن عبد الله بن الزبير، وإبراهيم التيمي، وأبو الجوزاء، كما نقله أبو نعيم في "الحلية"، كذا ذكر في "المواهب اللدنية"، ومن حجتهم ما روي أنه ﷺ واصل بأصحابه بعد النهي وأقرهم على ذلك. فعلم أنه أراد بالنهي الرحمة لهم، ففهموا أن النهي للتنزيه لا للتحريم، وهو لا ينافي الجواز.[٢]

لكن روي عن أبي هريرة، أنه قال: نهى رسول الله ﷺ عن الوصال في الصوم،[٣] فلما أبوا أن ينتهوا عن الوصال واصل بهم يوما ثم رأوا الهلال، فقال: لو تأخر لزدتكم، كالتنكيل لهم ونهيهم منه.

يدل على أن مقصوده ﷺ من تركهم على المواصلة يوما أو يومين تأكيد زجرهم وبيان المصلحة في نهيهم وإظهار المفسدة عن الوصال، وهي الملل من العبادة والتعرض للتقصير في بعض وظائف الدين من القوة في الصلاة وإتمام أركانها وأدائها، والخشوع فيها لحصول الضعف والتواني، وتعلق الباطن بالطعام والشراب، ويفهم من كلام بعضهم أنهم واصلوا بعدما رأوه ﷺ يواصل، وقالوا: إنك تواصل فنهاهم عن ذلك، فكان وصالهم قبل النهي، والله أعلم.

والظاهر من الحديث أن الوصال من خصائص رسول الله ﷺ، ولهذا ذهب الجمهور من الأئمة أن النهي للتحريم لعموم النهي في قوله ﷺ: لا تواصلوا، وتعليله بما يختص بنفسه الكريمة بقوله: لست كهيئتكم، وأيكم مثلي، كما جاء في الروايات الأخر، والرحمة والشفقة لا تمنع كون النهي للتحريم، غايته أن التحريم كان بسبب الشفقة.

وروى الطبراني في "الأوسط"[٤] من حديث أبي ذر: أن جبريل عليه السلام قال للنبي ﷺ: إن الله قد قبل وصالك، ولا يحل لأحد بعدك، وقد تكلم في إسناده، كذا في "المواهب اللدنية".[٥]

---

١) أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الصيام، باب من رخص في الوصال للصائم (٢/٣٣١) رقم الحديث: ٩٥٩٩.

٢) المواهب اللدنية: ٣/٤٢٢

٣) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الصوم، باب التنكيل لمن أكثر الوصال (٣/٣٧) رقم الحديث: ١٩٦٥.
ومسلم في "صحيحه" كتاب الصيام، باب النهي عن الوصال في الصوم (٢/٧٧٤) رقم الحديث: ١١٠٣.

٤) أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط" باب الباء، من اسمه بكر (٣/٢٧٧) رقم الحديث: ٣١٢٧.

٥) المواهب اللدنية: ٣/٤٢٣

toobaa-elibrary.blogspot.com

فصل صلاة الضحى

عن عبد الله بن شقيق: قلت لعائشة: هل كان رسول الله ﷺ يصلي الضحى؟ قالت: لا، إلا أن يجيء من مغيبه.

وفي رواية: وما سبح رسول الله ﷺ سبحة الضحى قط، وإني لأسبحها.

وفي أخرى: قالت: ما رأيت رسول الله ﷺ يصلي سبحة الضحى قط وإني لأسبحها، وإن كان رسول الله ﷺ ليدع العمل وهو يحب أن يعمل به، خشية أن يعمل به الناس، فيفرض عليهم.[1]

وعن نافع: أن ابن عمر كان لا يصلي من الضحى إلا في يومين: يوم يقدم مكة، فإنه كان يقدمها ضحى فيطوف بالبيت، فيصلي ركعتين خلف المقام، ويوم يأتي مسجد قباء، فإنه كان يأتيه كل سبت، وإذا دخل المسجد كره أن يخرج منه حتى يصلي فيه، قال: وكان يحدث أن رسول الله ﷺ كان يزوره راكبا وماشيا، قال: وكان يقول لنا: إنما أصنع كما رأيت أصحابي يصنعون، ولا أمنع أحدا يصلي في أي ساعة من ليل أو نهار، غير أن لا تحروا طلوع الشمس، ولا غروبها. أخرجه البخاري.[2]

عبد الرحمن بن أبي ليلى رحمه الله، قال: ما حدثنا أحد أنه رأى النبي ﷺ يصلي الضحى، غير أم هانئ، فإنها قالت: إن النبي ﷺ دخل بيتها يوم فتح مكة، فاغتسل وصلى ثماني ركعات، فلم أر صلاة قط أخف منها، غير أنه يتم الركوع والسجود. أخرجه البخاري، ومسلم.

وأم هانئ روايات متعددة، ووقع في بعضها: أنها قالت: وذلك ضحى. وحديث أم هانئ هو العمدة في باب صلاة الضحى،[3] وحديث ابن عباس في باب صلاة التهجد.

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب التهجد، باب تحريض النبي ﷺ على قيام الليل والنوافل (٢/٥٠) رقم الحديث: ١١٢٧، كتاب التطوع، باب من لم يصل الضحى ورآه واسعا (٢/٥٨) رقم الحديث: ١١٧٧. ومسلم في "صحيحه" كتاب صلاة المسافرين، باب استحباب صلاة الضحى (١/٤٩٧) رقم الحديث: ٧١٧، ٧١٨. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب صلاة الضحى (٢/٢٨) رقم الحديث: ١٢٩٢، ١٢٩٣. والنسائي في "سننه" كتاب الصوم، باب ذكر اختلاف الناقلين لخبر عائشة فيه (٤/١٥١) رقم الحديث: ٢١٧٩. ومالك في "الموطأ" كتاب قصر الصلاة، باب صلاة الضحى (١/١٥٢) رقم الحديث: ٢٩.

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب مواقيت الصلاة، باب من لم يكره الصلاة إلا بعد العصر (١/١٢١) رقم الحديث: ٥٨٩. كتاب التطوع، باب مسجد قباء (٢/٦٠) رقم الحديث: ١١٩١، ١١٩٢.

٣) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الغسل، باب التستر في الغسل عند الناس (١/٦٤) رقم الحديث: ٢٨٠، كتاب الصلاة، باب الصلاة في الثوب الواحد ملتحفا به (١/٨٠) رقم الحديث: ٣٥٧، كتاب

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أبي هريرة ﷺ: قال: أوصاني خليلي ﷺ بصيام ثلاثة أيام من كل شهر، وركعتي الضحى، وأن أوتر قبل أن أرقد. أخرجه البخاري، ومسلم، وأبو داود.

وفي رواية الترمذي، والنسائي قال: عهد إلي رسول الله ﷺ ثلاثة: أن لا أنام إلا على وتر، وصوم ثلاثة أيام من كل شهر، وأن أصلي الضحى.(١)

وكذلك عن أبي الدرداء ﷺ: قال: أوصاني حبيبي ﷺ بثلاث أن لا أدعهن ما عشت: بصيام ثلاثة أيام من كل شهر، وصلاة الضحى، وأن لا أنام إلا على وتر. أخرجه مسلم، وأبو داود، والنسائي.(٢)

التطوع، باب من تطوع في السفر (٢/٤٥) رقم الحديث: ١١٠٣، باب صلاة الضحى في السفر (٢/٥٨) رقم الحديث: ١١٧٦، كتاب الجزية، باب أمان النساء وجوارهن (٤/١٠٠) رقم الحديث: ٣١٧١، كتاب المغازي، باب منزل النبي ﷺ يوم الفتح (٥/١٤٩) رقم الحديث: ٤٢٥٢، كتاب الأدب، باب ما جاء في زعموا (٨/٣٧) رقم الحديث: ٦١٥٨. ومسلم في "صحيحه" كتاب الحيض، باب تستر المغتسل بثوب ونحوه (١/٢٦٥) رقم الحديث: ٣٣٦، كتاب صلاة المسافرين، باب استحباب صلاة الضحى وأن أقلها ركعتان وأكملها ثمان (١/٤٩٧). وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب صلاة الضحى (٢/٢٨) رقم الحديث: ١٢٩٠، ١٢٩١، كتاب الجهاد، باب في أمان المرأة (٣/٨٤) رقم الحديث: ٢٧٦٣. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في صلاة الضحى (٢/٣٣٨) رقم الحديث: ٤٧٤، أبواب الاستئذان والآداب، باب ما جاء في مرحبا (٥/٧٨) رقم الحديث: ٢٧٣٤. والنسائي في "سننه" كتاب الطهارة، باب ذكر الاستتار عند الاغتسال (١/١٢٦) رقم الحديث: ٢٢٥، كتاب الغسل، باب الاغتسال في قصعة فيها أثر العجين. (١/٢٠٢) رقم الحديث: ٤١٥. ومالك في "الموطأ" كتاب قصر الصلاة، باب صلاة الضحى (١/١٥٢) رقم الحديث: ٢٧، ٢٨. وابن ماجه في "سننه" كتاب الطهارة وسننها، باب المنديل بعد الوضوء وبعد الغسل (١/١٥٨) رقم الحديث: ٤٦٥، باب ما جاء في الاستتار عند الغسل (١/٢٠١) رقم الحديث: ٦١٤، كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء في صلاة الليل والنهار مثنى مثنى (١/٤١٩) رقم الحديث: ١٣٢٣، باب ما جاء في صلاة الضحى (١/٤٣٩) رقم الحديث: ١٣٧٩.

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب التطوع، باب من لم يصل الضحى في الحضر (٢/٥٨) رقم الحديث: ١١٧٨، كتاب الصوم، باب صيام أيام البيض (٣/٤١) رقم الحديث: ١٩٨١. ومسلم في "صحيحه" كتاب صلاة المسافرين، باب استحباب صلاة الضحى وأن أقلها ركعتان (١/٤٩٨) رقم الحديث: ٧٢١. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في الوتر قبل النوم (٢/٦٥) رقم الحديث: ١٤٣٢. والترمذي في "جامعه" أبواب الصوم، باب ما جاء في صوم ثلاثة أيام من كل شهر (٣/١٢٤) رقم الحديث: ٧٦٠. والنسائي في "سننه" كتاب قيام الليل، باب الحث على الوتر قبل النوم (٣/٢٢٩) رقم الحديث: ١٦٧٧، ١٦٧٨.

٢) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب صلاة المسافرين، باب استحباب صلاة الضحى وأن أقلها ركعتان (١/٤٩٩) رقم الحديث: ٧٢٢. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب في الوتر قبل النوم (٢/٦٦) رقم الحديث: ١٤٣٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن معاذ بن أنس الجهني،قال: قال رسول الله ﷺ: من قعد في مصلاه حين ينصرف من صلاة الصبح، حتى يسبح ركعتي الضحى، لا يقول إلا خيرا، غفر له خطاياه، وإن كانت أكثر من زبد البحر. رواه أبو داود. (١)

وعن أنس قال: قال رسول الله ﷺ: من صلى الفجر في جماعة ثم قعد يذكر الله تعالى حتى تطلع الشمس، ثم صلى ركعتين كانت له كأجر حجة وعمرة تامة تامة. رواه الترمذي. (٢)

وعن أبي هريرة، قال: قال رسول الله ﷺ: إن في الجنة بابا يقال له الضحى، فإذا كان يوم القيامة نادى مناد أين الذين كانوا يدمون على صلاة الضحى هذا بابكم فادخلوه برحمة الله. رواه الطبراني في الأوسط. (٣)

وعن أنس ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: ركعتان من الضحى تعدلان عند الله بحجة وعمرة متقبلتين. رواه أبو الشيخ في الثواب. (٤)

وعنه قال: قال رسول الله ﷺ: صل الصبح والضحى فإنها صلاة الأوابين. رواه زاهر بن طاهر في سداسياته. (٥)

وعن أبي هريرة، قال: قال رسول الله ﷺ: صلاة الضحى صلاة الأوابين. رواه في فردوس الأخيار. (٦)

رواه البيهقي: صلوا ركعتي الضحى بسورتيهما "والشمس وضحاها" "والضحى". (٧)

---

١) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب صلاة الضحى (٢/٢٧) رقم الحديث. ١٢٨٧.
٢) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب السفر، باب ذكر ما يستحب من الجلوس في المسجد بعد صلاة الصبح (٢/٤٨١) رقم الحديث: ٥٨٦.
٣) أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط" باب الميم، من اسمه محمد (٥/١٩٥) رقم الحديث: ٥٠٦٠.
٤) أخرجه أبو الشيخ في "الثواب" كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة، من قسم الأقوال، الباب السابع في صلاة النوافل، الفصل الثاني في السنن والنوافل الراتبة (٧/٨٠٤) رقم الحديث: ٢١٤٩١.
٥) أخرجه زاهر بن طاهر في "سداسياته" كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة، من قسم الأقوال، الباب السابع في صلاة النوافل، الفصل الثاني في السنن والنوافل الراتبة (٧/٨٠٥) رقم الحديث: ٢١٤٩٣. [وفي فتح الرحمن: رواه مسلم: ٣/٤١]
٦) أخرجه الديلمي في "الفردوس بمأثور الخطاب" باب الصاد (٢/٣٨٩) رقم الحديث: ٣٧٢٩.
٧) أخرجه البيهقي كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة، من قسم الأقوال، الباب السابع في صلاة النوافل، الفصل الثاني في السنن والنوافل الراتبة (٧/٨٠٥) رقم الحديث: ٢١٤٩٤. [وفي فتح الرحمن: رواه مسلم: ٣/٤١]

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أبي موسى قال: قال رسول الله ﷺ: من صلى الضحى أربعا، وقبل الأولى أربعا بني له بها بيت في الجنة. رواه الطبراني. (١)

وعن أنس بن مالك، قال: قال رسول الله ﷺ: من صلى الضحى ثنتي عشرة ركعة بنى الله له قصرا من ذهب في الجنة. رواه الترمذي وابن ماجه. (٢)

وعن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: كانت صلاة الضحى أكثر صلاة داود عليه السلام. رواه الديلمي. (٣)

وعن ابن عمر: قال: قال رسول الله ﷺ: [قال تعالى: يا] ابن آدم اضمن لي ركعتين من أول النهار أكفك آخره. رواه الطبراني. (٤)

وعن أبي ذر قال: قال رسول الله ﷺ: إن صليت الضحى ركعتين لم تكتب من الغافلين، وإن صليتها أربعا كتبت من المحسنين، وإن صليتها ستا كتبت من القانتين وإن صليتها ثمانيا كتبت من الفائزين، وإن صليتها عشرا لم يكتب لك ذلك اليوم ذنب، وإن صليتها ثنتي عشرة ركعة بنى الله لك بيتا في الجنة. رواه أبو نعيم والبيهقي، (٥) وروى نحوه الطبراني عن أبي الدرداء. (٦)

وعن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: ألا أخبركم بأسرع كرة وأعظم غنيمة من هذا البعث؟ رجل توضأ في بيته فأحسن وضوءه، ثم تحمل إلى المسجد فصلى فيه الغداة، ثم عقب بصلاة الضحى فقد أسرع الكرة وأعظم الغنيمة. رواه ابن حبان. (٧)

---

١) أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط" باب العين، من اسمه عبد الرحمن (٥/٨٨) رقم الحديث: ٤٧٥٣.

٢) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الوتر، باب ما جاء في صلاة الضحى (٢/٣٣٧) رقم الحديث: ٤٧٣. وابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء في صلاة الضحى (١/٤٣٩) رقم الحديث: ١٣٨٠.

٣) أخرجه الديلمي كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة، من قسم الأقوال، الباب السابع في صلاة النوافل، الفصل الثاني في السنن والنوافل الراتبة (٧/٨١٠) رقم الحديث: ٢١٥٢٠.

٤) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب العين، مجاهد عن ابن عمر (١٢/٤٠٧) رقم الحديث: ١٣٥٠٠.

٥) أخرجه أبو نعيم في "معرفة الصحابة" باب الجيم، من اسمه جندب (٢/٥٧٧) رقم الحديث: ١٥٧١. والبيهقي في "السنن الكبرى" كتاب الصلاة، جماع أبواب الخشوع في الصلاة والإقبال عليها، باب ذكر خبر جامع لأعدادها وفي إسناده نظر (٣/٦٩) رقم الحديث: ٤٩٠٦.

٦) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب الصاد، معان بن رفاعة السلامي، عن علي بن يزيد (٨/٢١٧) رقم الحديث: ٧٨٧١.

٧) أخرجه ابن حبان في "صحيحه" كتاب الصلاة، فصل في صلاة الضحى (٦/٢٧٦) رقم الحديث: ٢٥٣٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أم هاني، قال: قال رسول الله ﷺ: يا أم هانئ، هذه صلاة الإشراق. رواه الطبراني. (١)

تنبيه

الضحو والضحوة والضحية كعشية: ارتفاع النهار، والضحى بالضم والقصر فوقه، ويجيء بمعنى شعاع الشمس أيضا كقوله تعالى: "وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا" (٢)، والضحاء بالفتح والمد: انتصاف النهار، ووقت ارتفاع الشمس إلى ربع السماء وقرب انتصاف النهار، والمتعارف بين الناس في أول النهار من النوافل صلاتان.

إحداهما: بعد طلوع الشمس وارتفاعها قدر رمح أو رمحين، ويسمونه صلاة الإشراق.

وثانيتهما: وقت ارتفاعها إلى ربع السماء إلى قبيل نصف النهار، ويسمونه صلاة الضحى.

وقد جاء في كثير من الأحاديث: اسم صلاة الضحى شاملا لكل من الصلاتين في الوقتين، وفي بعض الأحاديث أيضا أطلق عليه صلاة الإشراق، كما أورده السيوطي من حديث الطبراني أنه ﷺ، قال: يا أم هانئ هذه صلاة الإشراق. (٣)

وقال البيضاوي في تفسير قوله تعالى: بالعشي والإشراق: وقت الإشراق حين تشرق الشمس، أي: تضيء ويصفو شعاعها وهو وقت الضحى، وأما شروقها فطلوعها، يقال: شرقت الشمس لما تشرق، وعن أم هانئ ﵂ أنه ﷺ قال: هذه صلاة الإشراق، وعن ابن عباس رضي الله عنهما: ما عرفت صلاة الضحى إلا بهذه الآية، انتهى. (٤)

والشيخ الإمام الأجل علي المتقي رحمة الله عليه في تبويب "جمع الجوامع" المسمى بـ "الجامع الكبير" جعل لصلاة الإشراق عنوانا على حدة، وأورد فيه حديث الترمذي عن أنس: من صلى صلاة الفجر في جماعة، ثم جلس يذكر الله حتى تطلع الشمس، ثم صلى ركعتين كان له أجر حجة وعمرة تامتين تامتين تامتين، وقد صح أن رسول الله ﷺ صلى في الوقتين

---

١) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" مسند النساء، باب القاف، ما روى ابن عباس عن أم هاني (٤٠٦/٢٤) رقم الحديث: ٩٨٦.

٢) الشمس: ١.

٣) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" مسند النساء، باب القاف، ما روى ابن عباس عن أم هانئ (٤٠٦/٢٤) رقم الحديث: ٩٨٦.

٤) أنوار التنزيل وأسرار التأويل: ٢٦/٥، [سورة ص: ١٨].

toobaa-elibrary.blogspot.com

ورغب الأمة فيها، وفي الحقيقة هو وقت واحد وصلاة واحدة، أولها وقت الإشراق وآخرها إلى قبيل انتصاف النهار، يدل على ذلك قول زيد بن أرقم أنه رأى قوما يصولون من الضحى يعني في أول وقته، فقال: لقد علموا أن الصلاة في غير هذه الساعة أفضل أن رسول الله ﷺ قال: صلاة الأوابين حين يرفض الفصال فيه، رواه مسلم. فيفهم منه أن لهذه الصلاة وقتين أفضلها آخر الوقت بحارته وشدته على خلاف المعهود في الصلوات الآخر من كون أول الوقت أفضل فهي صلاة واحدة لها وقتان، هكذا فهمت، والله أعلم.

ولما صلى في بعض الأحيان في الوقتين ظنوا من ذلك أن ههنا وقتين وصلاتين، وبعضهم يقولون: الضحوة الصغرى والضحوة الكبرى.

ثم اعلم أنه قد جاءت الأخبار والآثار فيها مختلفة، وجاءت في صلاته ﷺ وترغيبه فيها أحاديث كثيرة، وقال في "المواهب اللدنية": إن الشيخ ولي الدين بن العراقي قال: جاءت فيها أحاديث كثيرة صحيحة مشهورة، حتى قال محمد بن جرير الطبري: إن الأخبار في هذا الباب واصلة إلى درجة التواتر المعنوي وبالغة إلى حد اليقين؛ وقال القاضي أبو بكر بن العربي المالكي: إن هذه لصلاة السابقين من الأنبياء والمرسلين، والله تعالى يخبر عن داود عليه السلام "إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ" (١) فأبقى الله تعالى من ذلك التسبيح في دين محمد ﷺ صلاة العصر وصلاة الإشراق. (٢)

وأورد السيوطي عن الديلمي من حديث أبي هريرة ﷺ مرفوعا: كانت صلاة الضحى أكثر صلاة داود، وعن ابن النجار من حديث ثوبان: صلاة الضحى صلاة كان يحافظ عليها آدم ونوح وإبراهيم وموسى وعيسى صلوات الله وسلامه على نبينا وعليهم أجمعين.

[واستحباب صلاة الضحى هو مذهب أكثر العلماء؛ لأن خبر المثبت مقدم على خبر النافي،] وقد ذهب قوم إلى كراهية صلاة الضحى، وقالوا: إنها بدعة من البدع الحادثة بعد زمن رسول الله ﷺ وزمن الخلفاء الراشدين رضوان الله عليهم أجمعين.

وعن مورق العجلي قال: قلت لابن عمر تصلي الضحى؟ قال: لا، قلت: فأبو بكر؟ قال: لا، قلت: فالنبي ﷺ؟ قال: لا إخاله. (٣) وتمسكوا بأحاديث آخر وردت في نفيها

---

١) ص: ١٨.

٢) المواهب اللدنية: ٣/٣١٩.

٣) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب التطوع، باب صلاة الضحى (٥٨/٢) رقم الحديث. ١١٧٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

عنه، وقال ابن عمر: بدعة، ونعمت البدعة، وقال: ما ابتدع المسلمون أفضل من صلاة الضحى.

وقال العلماء في تطبيق الأحاديث: إن رسول الله ﷺ لم يكن يداوم عليها خشية أن يفرض على الأمة ويقعوا في المشقة كما كانت عادته الشريفة ﷺ، لكن كان يرغبهم عليها ويحرض، ولا شبهة في صلاته ﷺ إياها لما ورد ذلك في الأحاديث الصحيحة، فمن نفاها عنه ﷺ إما نفى علمه ورؤيته إياها أو مداومته عليها كما نفت عائشة عنها؛ لأنه ﷺ لم يكن عندها في ذلك الوقت إلا نادرا، وتارة كان يصلي في السفر وأخرى في المسجد، وتارة في بيت نسائه غيرها، ولو كان عندها ما كانت صلاته إلا نادرا فلم ترها، وقد جاء صريحا في حديثها: ما رأيت يصلي، مع أنه قد جاء في أحاديث كثيرة عنها إثباتها.

وأما تسميتها بدعة فالمراد منه صلاتها في المسجد مكثرين مواظبين، وما روى قيس بن عبيد أنه كان عاما في صحبة ابن مسعود ﷺ فما رآه يصلي، فذلك لكون عبد الله بن مسعود ﷺ مشتغلا بالفقه والعلم، والاشتغال بالعلم أفضل من الصلاة النافلة.

وقال مسروق: كنا نقرأ فنبقى بعد قيام ابن مسعود، ثم نقوم فنصلي، فبلغ ابن مسعود ذلك فقال: لم تحملون عباد الله ما لم يحملهم الله؟ إن كنتم لا بد فاعلين ففي بيوتكم، ولهذا ذهب بعض العلماء إلى أنه ينبغي أن يصلي أحيانا ويترك أحيانا، ويصلي في البيوت دون المساجد، والصواب أن المواظبة عليها أيضا مستحبة؛ لأن توهم الفرضية قد ارتفع.

والظاهر أن هذه الاختلاف في الصلاة التي يؤدي في آخر الوقت حين ترمض الفصال، وهي الموسوم بهذا الاسم غالبا، وأما التي تصلي في أول الوقت حين ترضع الشمس قدر رمح أو رمحين فقد ثبت فيه المواظبة بلا شبهة، وخلاف حتى ادعى بعضهم فيه المواظبة تأكيدا، وهذا الاختلاف التي ذكرنا في صلاة الضحى لا يعرف في كتب الأئمة الأربعة، ولا نعرف نسبة أحد الأقوال من الجواز والاستحباب والحرمة والكراهة والتنزيه والتحريم إلى أحد منهم بخصوصه.

ولا بد يكون كذلك لم تجد وجدنا في الحاوي في مذهب الامام الشافعي، أنه قال: أفضل النفل صلاة العيد فالخسوف فالاستسقاء فالوتر ثم ركعتين قبل الفجر الصبح ثم قبل الظهر وبعد المغرب والعشاء ثم التراويح عشرون ركعات بعشر تسليمات ثم الضحى ركعتان إلى ثنتي عشرة بين ارتفاع الشمس والاستواء ثم ركعتا الطواف والاحرام والتحية وتادت بالفرض والنفل وعلم النفل وعلم منه مشروعية صلاة الضحى واستحبابه وعلم أيضا أن ههنا صلاة

toobaa-elibrary.blogspot.com

واحدة أول وقتها ارتفاع الشمس وآخرها قريب نصف النهار، وليس ههنا صلاتان إلا الاشراق والضحى، كما حققنا.

وعلم أيضا أن ركعتي التحية عندهم نفل لا واجب كما هو المشهور، وقال في شرحه: عن أبي درداء أوصاني خليلي ﷺ بثلث لا ادعهن أوصاني بصيام ثلاثة أيام من كل شهر، ولا أنام إلى على وتر وسبحة الضحى في الحضر وفي السفر، وأقلها ركعتان، والأفضل أن يصلي ثمانية لحديث أم هاني، وأكثرها اثنتي عشرة ركعة وردت الأخبار في ذلك، ويسلم في كل ركعتين، ووقتها بين ارتفاع الشمس إلى وقت الاستواء، وحكى النووي عن أصحابنا أن وقتها من طلوع الشمس، ويستحب تأخيرها إلى ارتفاعها.

وقال الماوردي: وقتها المختار إذا مضى ربع النهار، انتهى. هذا ما ذكر في كتب الشافعية، ولا ندري فيه مذهبنا ومذهب الأئمة، والظاهر الاتفاق في الاستحباب أو التفصيل باق.

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب التطوع(١)

ذكر صاحب المشكاة في هذا الباب صلاة يصلي بعد الوضوء التي يسمونها بعض الناس تحية الوضوء.

وقال بعض المحققين: لا معنى تسميتها بتحية الوضوء، فإن التحية بمعنى السلام كما في قوله تعالى: ﴿وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا﴾ الآية. (٢)

وكذا ما يسميها بعضهم: شكر الوضوء، فإن الصلاة أصل الوضوء، تبع لها، فلا يناسب تسميتها شكرا له. وذكر (٣) صلاة الاستخارة، وصلاة الاستغفار، وصلاة الحاجة، وذكر حديثا في تكميل الفرائض بالنوافل، وذكر صلاة التسبيح، ولم يذكر ركعتي تحية المسجد مع أنها خلافته واجبة عنده لا عندنا على ما هو المشهور.

وذكر صاحب جامع الأصول من الكتب الستة حديث أبي قتادة: أن رسول الله ﷺ قال: إذا دخل أحدكم المسجد فليركع ركعتين قبل أن يجلس. أخرجه الجماعة.

وعند أبي داود: فليصل سجدتين. وله في أخرى زيادة: ثم ليقعد بعد إن شاء، أو ليذهب لحاجته.

وفي أخرى للبخاري، ومسلم قال: دخلت المسجد ورسول الله ﷺ جالس بين ظهراني الناس، قال: فجلست، فقال رسول الله ﷺ: ما منعك أن تركع ركعتين قبل أن تجلس؟ قال: فقلت: يا رسول الله، رأيتك جالسا، والناس جلوس، قال: فإذا دخل أحدكم المسجد فلا يجلس حتى يركع ركعتين. (٤)

---

١) ﴿وَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ﴾ الآية. (البقرة: ١٥٨) ﴿فَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ﴾ الآية. (البقرة: ١٨٤) [الأعظمي]

٢) النساء: ٨٦.

٣) أي صاحب المشكاة.

٤) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب المساجد، باب إذا دخل المسجد فليركع ركعتين (٩٦/١) رقم الحديث: ٤٤٤، كتاب التطوع، باب ما جاء في التطوع مثنى مثنى (٥٧/٢) رقم الحديث: ١١٦٣. ومسلم رقم في "صحيحه" كتاب صلاة المسافرين، باب استحباب تحية المسجد بركعتين (٤٩٥/١) رقم الحديث: ٧١٤. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب ما جاء في الصلاة عند دخول المسجد (١٢٧/١) رقم الحديث: ٤٦٧، ٤٦٨. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء إذا دخل أحدكم المسجد فليركع ركعتين (١٢٩/٢)

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن جابر ﷺ قال: كان لي على النبي ﷺ دين، فقضاني وزادني، فدخلت عليه المسجد، فقال: صل ركعتين. أخرجه البخاري، ومسلم.(١)

وعن كعب بن مالك ﷺ: قال: كان رسول الله ﷺ إذا قدم من سفر بدأ بالمسجد، فصلى فيه ركعتين، ثم جلس للناس. أخرجه أبو داود.

وهو طرف من حديث توبة كعب بن مالك، وقد أخرجه البخاري ومسلم بتمامه.(٢)

وعن [أبي] سعيد بن المعلى ﷺ قال: كنا نغدو إلى السوق على عهد رسول الله ﷺ، فنمر على المسجد، فنصلي فيه. أخرجه النسائي.(٣)

رقم الحديث: ٣١٦. والنسائي في "سننه" كتاب المساجد، باب الأمر بالصلاة قبل الجلوس في المسجد (٥٣/٢) رقم الحديث: ٧٣٠. ومالك في "الموطأ" كتاب قصر الصلاة، باب انتظار الصلاة والمشي إليها (١٦٢/١) رقم الحديث: ٥٧. وابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب من دخل المسجد فلا يجلس حتى يركع (٣٢٤/١) رقم الحديث: ١٠١٣.

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الصلاة، باب الصلاة إذا قدم من السفر (٩٦/١) رقم الحديث: ٤٤٣. كتاب الحج، باب لا يطرق أهله إذا بلغ المدينة (٧/٣) رقم الحديث: ١٨٠١، كتاب البيوع، باب شراء الدواب والحمر (٦٢/٣) رقم الحديث: ٢٠٩٧. كتاب في الاستقراض، باب حسن القضاء (١١٧/٣) رقم الحديث: ٢٣٩٤. كتاب الهبة وفضلها (١٦١/٣) رقم الحديث: ٢٦٠٣، باب الهبة المقبوضة وغير المقبوضة (١٦١/٣) رقم الحديث: ٢٦٠٤، كتاب الجهاد والسير، باب الصلاة إذا قدم من السفر (٧٧/٤) رقم الحديث: ٣٠٨٧، ٣٠٨٩، ٣٠٩٠. ومسلم رقم في "صحيحه" كتاب صلاة المسافرين، باب استحباب تحية المسجد بركعتين (٤٩٥/١) رقم الحديث: ٧١٥.

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الجهاد، باب في الصلاة عند القدوم من السفر (٩١/٣) رقم الحديث: ٢٧٨١ والبخاري في "صحيحه" كتاب الوصايا، باب إذا تصدق ووقف بعض ماله (٧/٤) رقم الحديث: ٢٧٥٧، كتاب الجهاد، باب من أراد غزوة فورى بغيرها (٤٨/٤) رقم الحديث: ٢٩٤٧، ٢٩٤٨، ٢٩٤٩، ٢٩٥٠، باب الصلاة إذا قدم من السفر (٧٧/٤) رقم الحديث: ٣٠٨٨، كتاب الأنبياء، باب صفة النبي ﷺ (١٨٩/٤) رقم الحديث: ٣٥٥٦، كتاب فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب وفود الأنصار إلى النبي صلى الله عليه وسلم بمكة (٥٤/٥) رقم الحديث: ٣٨٨٩، كتاب المغازي، باب قصة غزوة بدر (٧٢/٥) رقم الحديث: ٣٩٥١، باب حديث كعب بن مالك (٣/٦) رقم الحديث: ٤٤١٨، كتاب تفسير، سورة براءة، باب "لقد تاب الله على النبي" (٦٩/٦) رقم الحديث: ٤٦٧٦، باب "وعلى الثلاثة الذين خلفوا" (٧٠/٦) رقم الحديث: ٤٦٧٧، باب "يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله وكونوا مع الصادقين (٧١/٦) رقم الحديث: ٤٦٧٨، كتاب الاستئذان، باب من لم يسلم على من اقترف ذنبا (٥٧/٨) رقم الحديث: ٦٢٥٥، كتاب الأيمان والنذور، باب إذا أهدى ماله على وجه النذر والتوبة (١٤٠/٨) رقم الحديث: ٦٦٩٠، كتاب الأحكام، باب هل للإمام أن يمنع المجرمين وأهل المعصية من الكلام معه والزيارة (٨٢/٩) رقم الحديث: ٧٢٢٥. ومسلم في "صحيحه" كتاب التوبة، باب حديث توبة كعب بن مالك (٢١٢٠/٤) رقم الحديث: ٢٧٦٩.

٣) أخرجه النسائي في "سننه" كتاب المساجد، باب صلاة الذي يمر على المسجد (٥٥/٢) رقم الحديث: ٧٣٦.

toobaa-elibrary.blogspot.com

فليس في هذا الباب ما نحن بصدده من بيان الخلاف بين الأئمة الأربعة سوى أن في صلاة التسبيح كلاما واختلافا كثيرا في صحة حديثه، وإن لم نجد الخلاف بين الأئمة الأربعة، فيقول: اعلم أن حديث صلاة التسبيح أورده "صاحب جامع الأصول" [1] من حديث أبي داود والترمذي، وجعل في رواية نهايته: في كل سنة مرة، ولم يذكر: فإن لم تفعل ففي عمرك مرة، وأورد "صاحب المشكاة" [2] من حديث ابن ماجه والبيهقي أيضا، وذكر في الحصن الحصين برمز أبي داود وابن ماجه والمستدرك للحاكم وصحيح ابن حبان.

وقال الترمذي في جامعه: وفي الباب عن ابن عباس وعبد الله بن عمرو وأنس ﷺ، وحديث أنس حسن غريب، وقال: قد روي عن النبي ﷺ في صلاة التسبيح ولا يصح منه كثير شيء، وقد رأى ابن المبارك وغير واحد من أهل العلم صلاة التسبيح وذكروا الفضل فيه، انتهى. [3]

والكلام المشبع في هذا الباب ما ذكر في تنزيه الشريعة [4] بعد ما أورده من الدارقطني، وقال: ولا يثبت، وفيه موسى بن عبد العزيز مجهول، وجاء من حديث العباس منه، وفيه صدقة بن يزيد الخراساني ضعيف، ومن حديث أبي رافع مولى رسول الله صلى الله عليه وسلم منه، وفيه موسى بن عبيدة ليس بشيء.

وتعقب بأن حديث ابن عباس أخرجه أبو داود وابن ماجه والحاكم، وحديث أبي رافع أخرجه الترمذي وابن ماجه، وقد رد على ابن الجوزي في إيراده الأحاديث الثلاثة في الموضوعات، وأورد الحافظ ابن حجر حديث عباس ﷺ في كتاب الخصال المكفرة، وقال: رجال إسناده لا بأس بهم، وقد أساء ابن الجوزي بذكره في الموضوعات؛ وقوله: إن موسى بن عبد العزيز مجهول لم يصب فيه، فإن ابن معين والنسائي وثقاه فلا يضره أن يجهل حاله من جاء بعدهما، وشاهده ما أخرجه الدارقطني من حديث العباس، والترمذي وابن ماجه من حديث أبي رافع، وأبو داود من حديث ابن عمر، وله طرق أخرى، انتهى.

---

1) جامع الأصول: (٢٥٢/٦) رقم الحديث: ٤٣٥٩.

2) مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب صلاة التسبيح (٤١٨/١) رقم الحديث: ١٣٢٨.

3) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الوتر، باب ما جاء في صلاة التسبيح (٣٤٧/٢) رقم الحديث: ٤٨١.

4) أخرجه الكناني، علي بن محمد بن علي في "تنزيه الشريعة المرفوعة عن الأخبار الشنيعة الموضوعة" كتاب الصلاة، الفصل الثاني: ١٠٧/٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقال في أمالي الأذكار: حديث ابن عباس أخرجه البخاري في جزء القراءة خلف الإمام، وأبو داود وابن ماجه وابن خزيمة في صحيحه، والحاكم في مستدركه والبيهقي وغيرهم، وقال ابن شاهين في الترغيب: سمعت أبا بكر بن أبي داود يقول: سمعت أبي يقول: أصح حديث في صلاة التسبيح هذا، وقال: موسى بن عبد العزيز وثقه ابن معين والنسائي وابن حبان، وروى عنه خلق، وأخرج له في الأدب حديثا في سماع الرعد، وببعض هذه ترفع الجهالة، وممن صحح هذا الحديث وحسنه غير من تقدم ابن منده وألف فيهما كتابا، والآجري والخطيب وأبو سعد بن السمعاني وأبو موسى المديني وأبو الحسن بن المفضل والمنذري وابن الصلاح والنووي في تهذيب الأسماء واللغات والسبكي وآخرون.

وقال الديلمي في مسند الفردوس: صلاة التسبيح أشهر الصلوات وأصحها إسنادا، وقال: وأصح شيء في فضائل السور حديث "قل هو الله أحد"، وأصح شيء في فضل الصلاة حديث التسبيح، وروى البيهقي وغيره عن أبي حامد بن الشرقي قال: كتب مسلم بن الحجاج معنا هذا الحديث عن عبد الرحمن بن بشير يعني حديث صلاة التسبيح، فسمعت مسلما يقول: لا يروى فيه أحسن من هذا، وقال الترمذي: قد رأى ابن المبارك وغيره صلاة التسبيح وذكروا الفضل فيه.

وقال الحاكم: ومما يستدل به على صحته استعمال الأئمة له كابن المبارك والبيهقي، وكان عبد الله بن المبارك يصليها وتداولها الصالحون بعضهم عن بعض، وفي ذلك تقوية للحديث المرفوع.

قال الحافظ ابن حجر: وأقدم من روي عنه فعلها صريحا أبو الجوزاء أوس بن عبد الله البصري من ثقات التابعين، أخرجه عنه الدارقطني بسند حسن، وقال: عبد العزيز بن أبي رواد وهو أقدم من ابن المبارك: من أراد الجنة فعليه بصلاة التسبيح.

وقال أبو عثمان الحيري الزاهد: ما رأيت للشدائد والهموم مثل صلاة التسبيح.

وقد نص على استحبابها أئمة الطريقين من الشافعية، ولحديث ابن عباس هذا طرق فتابع موسى بن عبد العزيز إبراهيم بن الحكم، ومن طريقه أخرجه ابن راهويه وابن خزيمة والحاكم، وقال: إنه أصح طرقه، وتابع عكرمة عن ابن عباس عطاء أخرجه الطبراني في الكبير وأبو نعيم بسند رجاله ثقات، وأبو الجوزاء أخرجه الطبراني في الأوسط والدارقطني في صلاة التسبيح من طريقين عنه، ومجاهد أخرجه الطبراني في الأوسط وهذه ست طرق، ولكل منها متابعات وشواهد ذكرها ابن حجر يطول المقام بذكرها، وممن صحح حديثها أو حسنها غير

toobaa-elibrary.blogspot.com

من تقدم الحافظ العلائي والشيخ سراج الدين البلقيني والشيخ بدر الدين الزركشي، ولقد ناقض كلام ابن حجر فيه، وكذا كلام النووي في تحسين هذا الحديث وتضعيفه، هذا كلام تنزيه الشريعة مع اختصار في آخره بحذف الطرق، وبالجملة حديث صلاة التسبيح لا يخلو عن نوع من الاختلاف بين الأئمة، والراجح للمختار فيها الصحة أو الحسن، والله أعلم.

وقال الترمذي: حدثنا أحمد بن عبدة قال: حدثنا أبو وهب، قال: سألت عبد الله بن المبارك عن الصلاة التي يسبح فيها؟ فقال: يكبر، ثم يقول: سبحانك اللهم وبحمدك، وتبارك اسمك، وتعالى جدك، ولا إله غيرك، ثم يقول خمس عشرة مرة: سبحان الله، والحمد لله، ولا إله إلا الله، والله أكبر، ثم يتعوذ، ويقرأ: بسم الله الرحمن الرحيم، وفاتحة الكتاب، وسورة، ثم يقول عشر مرات: سبحان الله، والحمد لله، ولا إله إلا الله، والله أكبر، ثم يركع، فيقولها عشرا، ثم يرفع رأسه، فيقولها عشرا، ثم يسجد، فيقولها عشرا، ثم يرفع رأسه، فيقولها عشرا، ثم يسجد الثانية، فيقولها عشرا، يصلي أربع ركعات على هذا، فذلك خمس وسبعون تسبيحة في كل ركعة، يبدأ في كل ركعة بخمس عشرة تسبيحة، ثم يقرأ، ثم يسبح عشرا، فإن صلى ليلا فأحب إلي أن يسلم في كل ركعتين، وإن صلى نهارا فإن شاء سلم وإن شاء لم يسلم.

قال أبو وهب: وأخبرني عبد العزيز بن أبي رزمة، عن عبد الله أنه قال: يبدأ في الركوع بسبحان ربي العظيم، وفي السجود بسبحان ربي الأعلى ثلاثا، ثم يسبح التسبيحات، قال أحمد بن عبدة: وحدثنا وهب بن زمعة قال: أخبرني عبد العزيز وهو ابن أبي رزمة قال: قلت لعبد الله بن المبارك: إن سها فيها يسبح في سجدتي السهو عشرا عشرا؟ قال: لا، إنما هي ثلاث مائة تسبيحة. انتهى كلام الترمذي. (١)

---

١) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الوتر، باب ما جاء في صلاة التسبيح (٢/٣٤٧)

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب صلاة السفر

وعن أنس، قال يحيى بن يزيد الهنائي: سألت أنسا عن قصر الصلاة؟ فقال: كان رسول الله ﷺ إذا خرج مسيرة ثلاثة أميال، أو ثلاثة فراسخ -شك شعبة- صلى ركعتين. أخرجه مسلم وأبو داود.[1]

وعن مالك بلغه: أن ابن عباس كان يقصر الصلاة في مثل ما بين مكة والطائف، وفي مثل ما بين مكة وعسفان، وفي مثل ما بين مكة وجدة، قال مالك: أربعة برد. أخرجه الموطأ.[2]

وعن سالم بن عبد الله بن عمر: أن أباه ركب إلى ريم أو ذات النصب فقصر الصلاة في مسيره ذلك، قال مالك: وذلك أربعة برد. أخرجه الموطأ.[3]

وفي أخرى له: أنه ركب إلى ذات النصب، فقصر الصلاة في مسيره ذلك، قال مالك: وبين ذات النصب والمدينة أربعة برد.[4] وفي أخرى له: أن ابن عمر كان يقصر الصلاة في مسيره اليوم التام.[5]

وفي أخرى له عن نافع: أنه كان يسافر مع عبد الله بن عمر البريد فلا يقصر الصلاة.[6] وفي أخرى عن نافع: أن ابن عمر كان يسافر من المدينة إلى خيبر فيقصر الصلاة.[7]

وعن ابن عباس رضي الله عنهما قال: أقام النبي ﷺ تسع عشرة يقصر الصلاة، فنحن إذا سافرنا فأقمنا تسع عشرة قصرنا، وإن زدنا أتممنا. أخرجه البخاري.

---

١) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب صلاة المسافرين، باب صلاة المسافرين وقصرها (١/٤٨٠)رقم الحديث: ٦٩١. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر (٢/٢) رقم الحديث: ١٢٠١.

٢) أخرجه مالك في "الموطأ" كتاب قصر الصلاة في السفر، باب ما يجب فيه قصر الصلاة (١/١٤٨) رقم الحديث: ١٥.

٣) أخرجه مالك في "الموطأ" كتاب قصر الصلاة في السفر، باب ما يجب فيه قصر الصلاة (١/١٤٧) رقم الحديث: ١١.

٤) أخرجه مالك في "الموطأ" كتاب قصر الصلاة في السفر، باب ما يجب فيه قصر الصلاة (١/١٤٧) رقم الحديث: ١٢.

٥) أخرجه مالك في "الموطأ" كتاب قصر الصلاة في السفر، باب ما يجب فيه قصر الصلاة (١/١٤٧) رقم الحديث: ١٣.

٦) أخرجه مالك في "الموطأ" كتاب قصر الصلاة في السفر، باب ما يجب فيه قصر الصلاة (١/١٤٨) رقم الحديث: ١٤.

٧) أخرجه مالك في "الموطأ" كتاب قصر الصلاة في السفر، باب ما يجب فيه قصر الصلاة (١/١٤٧) رقم الحديث: ١٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وله [لأبي داود] في أخرى قال: أقام بمكة عام الفتح خمس عشرة يقصر الصلاة.[1]

وعن جابر قال: أقام رسول الله ﷺ بتبوك عشرين يوما يقصر الصلاة. أخرجه أحمد وأبو داود.[2]

وعن عبد الرحمن بن يزيد -وهو أخو الأسود النخعي- قال: صلى بنا عثمان بن عفان بمنى أربع ركعات، فقيل ذلك لعبد الله بن مسعود، فقال: صليت مع رسول الله -ﷺ- بمنى ركعتين، ومع أبي بكر ركعتين، ومع عمر ركعتين، ثم تفرقت بكم الطرق، فياليت حظي من أربع ركعات: ركعتان متقبلتان. أخرجه البخاري ومسلم وأبو داود، وفي أخرى لأبي داود زيادة :ومع عثمان صدرا من إمارته.[3]

ولهذا الحديث طرق متعددة، في بعضها: فاسترجع ابن مسعود، وقال: صليت مع رسول الله ﷺ، الحديث. وفي بعضها: شطر إمارته. وفي بعضها: ست سنين من خلافته أو ثمان سنين. وجاء في رواية ابن مسعود: كان إذا صلى مع الإمام صلى أربعا، وإذا صلى وحده صلى ركعتين، فقيل له في ذالك، فقال: الخلاف شر. وروى عن ابن عمر مثل ذلك.

وعن موسى بن سلمة: قال: سألت ابن عباس، كيف أصلي إذا كنت بمكة، إذا لم أصل مع الإمام؟ قال: ركعتين، سنة أبي القاسم ﷺ. أخرجه مسلم والنسائي. وفي رواية النسائي، قال: تفوتني الصلاة في جماعة وأنا بالبطحاء، ما ترى أصلي؟ قال: ركعتين، سنة أبي القاسم ﷺ.[4]

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب التقصير، باب ما جاء في التقصير (٤٢/٢) رقم الحديث: ١٠٨٠، كتاب المغازي، باب مقام النبي ﷺ بمكة زمن الفتح (١٥٠/٥) رقم الحديث: ٤٢٩٨، ٤٢٩٩. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب متى يتم المسافر (١٠/٢) رقم الحديث: ١٢٣٠، ١٢٣١، ١٢٣٢. والترمذي في "جامعه" أبواب التقصير في السفر، باب ما جاء في كم تقصر الصلاة (٤٣٤/٢)رقم الحديث: ٥٤٩. والنسائي في "سننه" كتاب تقصير الصلاة، باب المقام الذي يقصر بمثله الصلاة (١٢١/٣) رقم الحديث: ١٤٥٣.

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب إذا أقام بأرض العدو يقصر (١١/٢) رقم الحديث: ١٢٣٥.

٣) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب تقصير الصلاة، باب الصلاة بمنى (٤٣/٢) رقم الحديث: ١٠٨٤، كتاب الحج، باب الصلاة بمنى (١٦١/٢) رقم الحديث: ١٦٥٧. ومسلم في "صحيحه" كتاب صلاة المسافرين، باب قصر الصلاة بمنى (٤٨٣/١)رقم الحديث: ٦٩٥. وأبو داود في "سننه" كتاب المناسك، باب الصلاة بمنى (١٩٩/٢) رقم الحديث: ١٩٦٠. والنسائي في "سننه" كتاب تقصير الصلاة، باب الصلاة بمنى (١٢٠/٣) رقم الحديث: ١٤٤٨، ١٤٤٩.

٤) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب صلاة المسافرين، باب صلاة المسافرين وقصرها (٤٧٩/١) رقم الحديث: ٦٨٨. والنسائي في "سننه" كتاب تقصير الصلاة في السفر، باب الصلاة بمكة (١١٩/٣) رقم الحديث: ١٤٤٣، ١٤٤٤

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن ابن عباس رضي الله عنهما، قال: كان رسول الله ﷺ يجمع بين صلاتي الظهر والعصر إذا كان على ظهر سير، ويجمع بين المغرب والعشاء. أخرجه البخاري.

وفي رواية مسلم: أن رسول الله ﷺ جمع بين الصلاة في سفرة سافرها في غزوة تبوك، فجمع بين الظهر والعصر، والمغرب والعشاء.(١)

وعن علي بن حسين كان يقول: إن رسول الله ﷺ كان إذا أراد أن يسير يومه: جمع بين الظهر والعصر، وإذا أراد أن يسير ليله: جمع بين المغرب والعشاء. أخرجه الموطأ.(٢)

وعن معاذ بن جبل ﷺ قال: خرجنا مع رسول الله ﷺ في غزوة تبوك، فكان يصلي الظهر والعصر جميعا، والمغرب والعشاء جميعا. وفي رواية قال: فقلت: ما حمله على ذلك؟ فقال: أراد أن لا يحرج أمته. أخرجه مسلم.(٣)

وعنه، قال: كان رسول الله ﷺ في غزوة تبوك إذا زاغت الشمس قبل أن يرتحل جمع بين الظهر والعصر، فإن رحل قبل أن تزيغ الشمس أخر الظهر حتى ينزل للعصر، وفي المغرب مثل ذلك، إن غابت الشمس قبل أن يرتحل: جمع بين المغرب والعشاء، فإن ارتحل قبل أن تغيب الشمس: أخر المغرب حتى ينزل للعشاء، ثم يجمع بينهما. أخرجه أبو داود والترمذي، وقال أبو داود: روى هذا الحديث هشام بن عروة عن حسين بن عبد الله، عن كريب، عن ابن عباس عن النبي ﷺ نحوه.(٤)

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب تقصير الصلاة، باب الجمع في بين المغرب والعشاء (٢/٤٦) رقم الحديث: ١١٠٧. ومسلم في "صحيحه" كتاب صلاة المسافرين، باب الجمع بين صلاتين في الحضر (١/٤٨٩) رقم الحديث: ٧٠٥.

٢) أخرجه مالك في "الموطأ" كتاب قصر الصلاة في السفر، باب الجمع بين الصلاتين في الحضر والسفر (١/١٤٥) رقم الحديث: ٧.

٣) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب صلاة المسافرين، باب الجمع بين الصلاتين في الحضر (١/٤٩٠) رقم الحديث: ٧٠٦.

٤) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب الجمع بين الصلاتين (٢/٤) رقم الحديث: ١٢٠٦، ١٢٠٨، ١٢٢٠. والترمذي في "جامعه" أبواب السفر، باب ما جاء في الجمع بين الصلاتين (٢/٤٣٨) رقم الحديث: ٥٥٣. والنسائي في "سننه" كتاب المواقيت، باب الوقت الذي يجمع فيه المسافر بين الظهر والعصر (١/٢٨٥) رقم الحديث: ٥٨٧. ومالك في "الموطأ" كتاب قصر الصلاة في السفر، باب الجمع بين الصلاتين في الحضر والسفر (١/١٤٣) رقم الحديث: ٢. وابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب الجمع بين الصلاتين في السفر (١/٣٤٠) رقم الحديث: ١٠٧٠.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أبي هريرة ﷺ: أن النبي ﷺ كان يجمع بين الظهر والعصر في سفره إلى تبوك. أخرجه الموطأ.(١)

وعن أسلم مولى عمر قال: كنت مع عبد الله بن عمر بطريق مكة، فبلغه عن صفية بنت أبي عبيد شدة وجع، فأسرع السير، حتى كان بعد غروب الشفق، ثم نزل فصلى المغرب والعتمة، وجمع بينهما، وقال: أني رأيت رسول الله ﷺ إذا جد به السير أخر المغرب وجمع بينهما.

وفي رواية لمسلم عن نافع: أن ابن عمر كان إذا جد به السير جمع بين المغرب والعشاء بعد أن يغيب الشفق، ويقول: إن رسول الله ﷺ كان إذا جد به السير جمع بين المغرب والعشاء.

وله في أخرى: أن ابن عمر قال: ما جمع رسول الله ﷺ قط بين المغرب والعشاء في سفر إلا مرة. قال أبو داود: وهذا يروى عن أيوب عن نافع موقوفا على ابن عمر: أنه لم ير ابن عمر جمع بينهما قط إلا تلك الليلة، يعني: ليلة استصرخ على صفية.

وفي آخرى قال: سألنا سالم بن عبد الله عن الصلاة في السفر، فقلنا: أكان عبد الله يجمع بين شيء من الصلوات في السفر؟ فقال: لا، إلا بجمع. وذكر الحديث.(٢)

وعن علي بن أبي طالب ﷺ: كان إذا سافر سار بعدما تغرب الشمس، حتى إذا كاد أن يظلم، ثم ينزل فيصلي المغرب، ثم يدعو بعشائه فيتعشى، ثم يصلي العشاء، ثم يرتحل، ويقول: هكذا كان رسول الله ﷺ يصنع. أخرجه أبو داود.(١)

---

١) أخرجه مالك في "الموطأ" كتاب قصر الصلاة في السفر، باب الجمع بين الصلاتين في الحضر والسفر (١٤٣/١) رقم الحديث: ١.

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب تقصير الصلاة، باب يصلي المغرب ثلاثا في السفر (٤٤/٢) رقم الحديث: ١٠٩١، باب الجمع في السفر بين المغرب والعشاء (٤٦/٢) رقم الحديث: ١١٠٦، باب هل يؤذن أو يقيم إذا جمع بين المغرب والعشاء (٤٦/٢) رقم الحديث: ١١٠٩، كتاب الحج، باب المسافر إذا جد به السير يعجل إلى أهله (٨/٣) رقم الحديث: ١٨٠٥، كتاب الجهاد، باب السرعة في السير (٥٨/٤) رقم الحديث: ٣٠٠٠. ومسلم في "صحيحه" كتاب صلاة المسافرين، باب جواز الجمع بين الصلاتين في السفر (٤٨٨/١) رقم الحديث: ٧٠٣. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب الجمع بين الصلاتين (٥/٢) رقم الحديث: ١٢٠٧، ١٢٠٩، ١٢١٢، ١٢١٣، ١٢١٧. والترمذي في "جامعه" كتاب الصلاة، باب ما جاء في الجمع بين الصلاتين (٤٤١/٢) رقم الحديث: ٥٥٥. والنسائي في "سننه" كتاب مواقيت الصلاة، باب الوقت الذي يجمع فيه المسافر بين المغرب والعشاء (٢٨٦/١) رقم الحديث: ٥٩١، ٥٩٢، باب الحال التي يجمع فيها بين الصلاتين (٢٨٩/١) رقم الحديث: ٥٩٨، ٥٩٩، ٦٠٠. ومالك في "الموطأ" كتاب قصر الصلاة، باب الجمع بين الصلاتين في الحضر والسفر (١٤٤/١) رقم الحديث: ٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أنس ﷺ: أن رسول الله ﷺ كان إذا سافر، فأراد أن يتطوع: استقبل القبلة بناقته ثم كبر ثم صلى حيث وجهه ركابه. أخرجه أبو داود.[1]

وعن ابن عمر رضي الله عنهما: أن النبي ﷺ كان يسبح على ظهر راحلته حيث كان وجهه، ويومئ برأسه، وكان ابن عمر يفعله. أخرجه الستة.

وللبخاري، قال: كان رسول الله ﷺ يصلي في السفر على راحلته حيث توجهت به يومئ إيماء صلاة الليل، إلا الفرائض، ويوتر على راحلته.

ولمسلم قال: رأيت النبي ﷺ يصلي على حمار وهو متوجه إلى خيبر. وفي رواية: والقبلة خلفه.

وفي أخرى: كان النبي ﷺ يصلي على دابته وهو مقبل من مكة إلى المدينة حيثما توجهت، وفيه نزلت: "فأينما تولوا فثم وجه الله" البقرة ١١٥. وفيه روايات متعددة.[3]

وعن جابر ﷺ: قال: بعثني رسول الله ﷺ في حاجة، فجئت وهو يصلي على راحلته نحو المشرق، والسجود أخفض من الركوع.[4]

---

١) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب متى يتم المسافر (١٠/٢) رقم الحديث. ١٢٣٤.

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب التطوع على الراحلة والوتر (٩/٢) رقم الحديث: ١٢٢٥.

٣) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الوتر، باب الوتر على الدابة (٢٥/٢) رقم الحديث: ٩٩٩، باب الوتر في السفر (٢٥/٢) رقم الحديث: ١٠٠٠، كتاب تقصير الصلاة، باب صلاة التطوع على الدابة وحيثما توجهت به (٤٤/٢) رقم الحديث: ١٠٩٥، باب الإيماء على الدابة (٤٤/٢) رقم الحديث: ١٠٩٦، باب من لم يتطوع في السفر دبر الصلاة (٤٥/٢) رقم الحديث: ١١٠٢، باب من تطوع في السفر (٤٦/٢) رقم الحديث: ١١٠٥. ومسلم في "صحيحه" كتاب المسافرين، باب جواز صلاة النافلة على الدابة في السفر حيث توجهت (٤٨٦/١) رقم الحديث: ٧٠٠. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب التطوع على الراحله والوتر (٩/٢) رقم الحديث: ١٢٢٤، ١٢٢٦. والترمذي في "جامعه" أبواب الوتر، باب ما جاء في الوتر على الراحلة (٣٣٥/٢) رقم الحديث: ٤٧٢، أبواب تفسير القرآن، باب ومن سورة البقرة (٢٠٥/٥) رقم الحديث: ٢٩٥٨. والنسائي في "سننه" كتاب القبلة، باب الحال التي يجوز فيها استقبال غير القبلة (٢٤٣/١) رقم الحديث: ٤٩٠، ٤٩١، ٤٩٢، كتاب قيام الليل، باب الوتر على الراحلة (٢٣٢/٣) رقم الحديث: ١٦٨٦، ١٦٨٧، ١٦٨٨. ومالك في "الموطأ" كتاب قصر الصلاة، باب صلاة النافلة في السفر بالنهار والليل (١٥٠/١) رقم الحديث: ٢٢، ٢٥، ٢٦.

٤) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب القبلة، باب التوجه نحو القبلة حيث كان (٨٩/١) رقم الحديث: ٤٠٠، كتاب تقصير الصلاة، باب صلاة التطوع على الدابة وحيثما توجهت به (٤٤/٢) رقم الحديث: ١٠٩٤، باب ينزل للمكتوبة (٤٥/٢) رقم الحديث: ١٠٩٩، كتاب المغازي، باب غزوة أنمار (١١٦/٥) رقم الحديث: ٤١٤٠. ومسلم في "صحيحه" كتاب المساجد، باب تحريم الكلام في الصلاة ونسخ ما كان من إباحته (٣٨٣/١) رقم

toobaa-elibrary.blogspot.com

وفي رواية [أنس بن سيرين]: يركع ويسجد إيماء من غير أن يضع وجهه على شيء.[1]

وعن [عمرو بن عثمان بن] يعلى بن مرة عن أبيه عن جده: أنهم كانوا مع النبي ﷺ في مسيره، فانتهوا إلى مضيق، فحضرت الصلاة فمطروا: السماء من فوقهم، والبلة من أسفل منهم، فأذن رسول الله ﷺ وهو على راحلته وأقام، فتقدم على راحلته فصلى بهم يومئ إيماء، يجعل السجود أخفض من الركوع. أخرجه الترمذي.[2]

وجاء في هذا الباب روايات كثيرة، خصوصا من ابن عمر رضي الله عنهما، وفيها استثناء الفريضة في ذلك فقط، والايتار على الراحلة، وقد سبق في باب الوتر آثار في النزول عن راحلته في الوتر، فتدبر.

تنبيه

الكلام في هذا الباب في مواضع.

الأول في تعيين مدة السفر:

اعلم أنهم قالوا: لم يثبت في كتاب ولا سنة نص قطعي في مسافة معينة، والذي وقع فيهما مطلق السفر، والمسافر والأسفار التي قصر فيها متفاوتة، بعضها قريب وبعضها بعيد كما يظهر من الأحاديث التي ذكرت في أول الباب، وإليه ذهب أصحاب الظواهر وسيأتي بيانه. ولكن الصحابة والصحابيات والتابعين ومن بعدهم في تحديده اختلافا كثيرا، والذي عليه أئمة المذاهب الأربعة أن الشافعي قدره في قول بيوم وليلة، وفي قول آخر بيومين كما في

الحديث: ٥٤٠. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب رد السلام في الصلاة (٢٤٣/١) رقم الحديث: ٩٢٦، باب التطوع على الراحلة والوتر (٩/٢) رقم الحديث: ١٢٢٧. والترمذي في "جامعه" كتاب الصلاة، باب ما جاء في الصلاة على الدابة حيثما توجهت به (١٨٢/٢) رقم الحديث: ٣٥١. والنسائي في "سننه" كتاب السهو، باب رد السلام بالإشارة في الصلاة (٦/٣) رقم الحديث: ١١٨٩، ١١٩٠.

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب تقصير الصلاة، باب صلاة التطوع على الحمار (٤٥/٢) رقم الحديث: ١١٠٠. ومسلم في "صحيحه" كتاب صلاة المسافرين، باب جواز صلاة النافلة على الدابة (٤٨٨/١) رقم الحديث: ٧٠٢. والنسائي في "سننه" كتاب المساجد، باب الصلاة على الحمار (٦٠/٢) رقم الحديث: . ومالك في "الموطأ" كتاب قصر الصلاة، باب صلاة النافلة في السفر بالنهار والليل والصلاة على الدابة (١٥١/١).

٢) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في الصلاة على الدابة في الطين والمطر (٢٦٦/٢) رقم الحديث: ٤١١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

الهداية وشروحه،[1] وفي الحاوي في مذهبه: [2] عينه ستة عشر فرسخا وهي ثمان وأربعون ميلا وهي أربعة برد، وهو قول مالك وأحمد.

والبرد: جمع بريد وهي أربعة فراسخ، فأربعة برد تكون ستة عشر فرسخا، والفرسخ ثلاثة أميال، وميل الأرض منتهى مد البصر؛ لأن البصر يميل إلى وجه الأرض إلى أن يفنى إدراكه، وقال بعضهم: حده أن ينظر إلى شخص في أرض مستوية ولا يدري أنه رجل أو امرأة أو ذاهب أو جاء، وقدره بعضهم بستة آلاف ذراع، والذراع أربعة وعشرون أصبعا على عرض، وهذا القول أشهر، وقيل: اثنا عشر ألف قدم [بقدم] الإنسان، وقيل: أربعة آلاف ذراع، وقيل: ثلاثة آلاف، كذا في فتح الباري. [3]

وتمسكوا بحديث جاء عن ابن عباس وابن عمر رضي الله عنهما قالا: قال رسول الله ﷺ: يا أهل مكة! لا تقصروا في أقل من أربعة برد في مثل ما يكون بين مكة إلى عسفان، رواه أحمد، وكذا في رواية الموطأ عن ابن عباس رضي الله عنهما. وفي رواية: من مكة إلى الطائف. وفي رواية: من مكة إلى جدة. وفي صحة هذه الأحاديث كلام. والله أعلم.

وعند أبي حنيفة رحمه الله للقصر مسافة ثلاثة أيام بسير إبل ومشي أقدام، قال أبو الحسن الكرخي: المراد بالسير الإبل ومشي الأقدام، السير والمشي على الاقتصاد.

وقال محمد في الجامع الصغير: سير الحمار والبغل كسير الإبل ومشي الأقدام، كذا قيل في بعض شروح الهداية. وقيل أيضا: ذكر الليالي لوهم اشتراط السير فيها وهو ليس بشرط، إنما الشرط السير في الأيام لا من الفجر إلى المغرب بل في بعضها لكن السير لا يتحقق إلا بالمسايرة في الليالي، فذلك ذكر الأيام والليالي لتعريف بدأ السير.

قال الشيخ الإمام الأجل شمس الأئمة السرخسي: المسافر إذا بكر في اليوم الثاني ومشى إلى ما بعد الزوال حتى بلغ المنزل، فنزل فيها وبات فيها ثم بكر في اليوم الثالث ومشى إلى وقت الزوال، يصير مسافرا بقصد هذا القدر، ويترتب عليه أحكام السفر في القول الصحيح، ولا يشترط أن يسير من الصبح إلى المغرب، لأن المسافر لا بد له من النزول للاستراحة، وليس الشرط أن يذهب من الفجر إلى الفجر لأن الدابة لا يضيق ذلك فضلا

١) الهداية: ١/ ٨٠. فتح القدير: ٢/٢٩-٣٠.
٢) الحاوي: ٢/٣٦٠.
٣) فتح الباري: ٢/٥٦٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

عن الآدمي، فكان الشرط السير في بعض النهار كما هو للمعتاد، فالمعتبر مراحل دون الفراسخ، وهو الصحيح.

وبعضهم يعتبر الفراسخ وقدروه بإحدى وعشرين فرسخا، وبعضهم بستة عشر فرسخا، وبعضهم بخمسة عشر، والأولى التقدير بثمانية عشر وهو الوسط، وعليه الفتوى، كذا في بعض شروح الهداية؛ وكل من قدر بشيء ظن أن ذلك مسيرة ثلاثة أيام؛ وعند أبي يوسف يومان وأكثر اليوم الثالث؛ لأن للأكثر حكم الكل.

وقد يستدل على مذهب الإمام أبي حنيفة بحديث البخاري، عن ابن عمر رضي الله عنهما، أنه قال: قال رسول الله ﷺ: لا تسافر المرأة ثلاثة أيام إلا مع محرم. فعلم أن غاية طول حد السفر والمشقة وعروض لوازمه مسافة ثلاثة أيام، وما هو أقل منها قصير، ولا يعتد به، وأنت خبير بأن في دلالة هذا الحديث على نفي كون السفر أقل من ثلاثة أيام خفاء ظاهرا، وفي بعض طرق هذا الحديث مسيرة يوم.

وصاحب الهداية استدل بحديث مسح الخفين[1]، يمسح المقيم يوما وليلة والمسافر ثلاثة أيام ولياليها، لأنه عليه السلام عم بالرخصة وهي ثلاثة أيام ولياليها، أي جنس المسافرين، لأن اللام في المسافر للاستغراق لعدم المعهود المعين، ومن ضرورة عموم الرخصة [للجنس] لأنه يمكن كل مسافر من مسح ثلاثة أيام عموم التقدير بثلاثة أيام لكل مسافر.

فالحاصل أن كل مسافر يمسح ثلاثة أيام، فلو كان السفر الشرعي أقل من ذلك لثبت مسافر لا يمكنه مسح ثلاثة أيام وقد كان كل مسافر يمكنه ذلك.

فإن قلت: إن هذا الحديث ينفي كون أدنى مدة السفر أقل من ثلاثة أيام ولياليهن، ولا ينفي كون أكثر مدة منها أقل مدة السفر؟

قلنا: قد ثبت بالإجماع أن أقل مدة السفر لا يكون أكثر من ثلاثة أيام، ولم يقل به أحد، وإنما الخلاف في أن الأقل مهنا هي يكون مدة السفر، كما زعم المخالفون.

ثم أجيب عن هذا الاستدلال بأن المراد يمسح المسافر ثلاثة أيام إذا كان يستوعبها فصاعدا.

لا يقال: إنه احتمال يخالفه الظاهر فلا يصار إليه؛ لأنا نقول: قد صاروا إليه على ما ذكر السرخسي: الصحيح أنه يصير مسافرا عند النية، وعلى هذا خرج الحديث إلى غير

---

١) فتح الباري: ٢/٥٦٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

الاحتمال المذكور، فظهر أنه إنما يمسح ثلاثة أيام شرعا إذا كان سفره ثلاثة، وهو عين الاحتمال المذكور من أن بعض المسافرين لا يمسحها وآل إلى قول أبي يوسف.

وقد يجاب أيضا عن الاستدلال المذكور، أن لزوم ثلاثة أيام في السفر على تقدير كون ثلاثة أيام ظرفا ليمسح، ولم لا يجوز كونها ظرفا لمسافر، والمعنى المسافر ثلاثة أيام يمسح، وإنه لا ينفي تحقق مسافر في أقل من ثلاثة.

وأجيب بأن هذا أيضا خلاف الظاهر، لأن الظاهر أنه ظرف ليمسح كما أن يوما وليلة طرف له ليكون الكلام على نسق واحد. والكلام في المقام طويل مذكور في شرح الشيخ ابن الهمام، فليتدبر.[1]

إنما يجوز القصر أن يقصد سفرا تبلغ مدته ستة عشر فرسخا، بلا خلاف نعلمه عن إمامنا، وهو اختيار عامة أصحابنا. لما روى ابن خزيمة في مختصر المختصر عن ابن عباس رضي الله عنهما، أن النبي ﷺ قال: يا أهل مكة لا تقصروا في أدنى من أربعة برد، من مكة إلى عسفان.

ونقله أحمد عن ابن عباس، وابن عمر قولا وفعلا، وعليه اعتمد، وقال أبو محمد: الحجة مع من أباح القصر لكل مسافر، إلا أن ينعقد الإجماع على خلافه، نظرا لظاهر الآية الكريمة. ولقول النبي ﷺ: إن الله وضع عن المسافر الصوم، وشطر الصلاة، رواه أحمد.

وسئل أنس ﷺ عن قصر الصلاة، فقال: كان النبي ﷺ إذا خرج ثلاثة أميال، أو ثلاثة فراسخ -شعبة الشاك- صلى ركعتين. رواه مسلم.

وأقوال الصحابة قد اختلفت في ذلك، فعن ابن مسعود ما يدل على أنه لا يقصر إلا إذا قصد مسيرة ثلاثة أيام. وعن علي ﷺ أنه خرج من قصره بالكوفة، حتى أتى النخيلة، فصلى بها الظهر والعصر ركعتين، ثم رجع من يومه، وقال: أردت أن أعلمكم سنتكم. رواه سعيد.

وقال ابن المنذر: ثبت أن ابن عمر رضي الله عنهما كان يقصر الصلاة إذا خرج إلى أرض اشتراها من بني لجينة، وهي ثلاثون ميلا. قال: وكان الأوزاعي يقول: كان أنس بن مالك يقصر الصلاة فيما بينه وبين خمسة فراسخ.

وقال الخطابي: روي عن ابن عمر أنه قال: إني لأسافر الساعة من النهار فأقصر وإذا اختلفت الصحابة وجب الرجوع إلى ظاهر الكتاب والسنة. انتهى.[2]

---

١) الهداية: ١/٨٠.

٢) شرح الزركشي: ٢/١٣٧-١٣٩.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقال بعضهم: حديث أنس: كان رسول الله ﷺ إذا خرج مسيرة ثلاثة أميال أو ثلاثة فراسخ -على شك الراوي- قصر الصلاة. أصح حديث ورد في هذا الباب.

وقيل: المراد بهذا مسافة أن يكون ابتداء القصر منها لا غاية السفر، كذا في فتح الباري.

وذهب أصحاب الظواهر إلى أن السفر سواء كان طويلا أو قصيرا يباح قصر الصلاة فيه؛ لأن نص القرآن والأحاديث ورد في مطلق السفر وهو شامل للقريب والبعيد، وأيضا اختلفت الأئمة في تحديده وتعيينه حتى بلغ عشرين قولا، فالرجوع إلى حكم ظاهر النصوص أولى، ولا شك أن مذهب الإمام أبي حنيفة رحمة الله عليه أقرب إلى الاحتياط، والله أعلم.

الثاني في مدة الإقامة:

واعلم أن المذهب عندنا أن من نوى الإقامة مدة خمسة عشر يوما أو أكثر أتم الصلاة، ويقصر إن نوى أقل من ذلك، وإن لبث أكثر من خمسة عشر من غير نية لا يصير مقيما وإن أقام أشهرا أو سنين.

وهذا التقدير مروي عن ابن عباس وعن ابن عمر رضي الله عنهم أخرجه الطحاوي عنهما قائلا بأن إذا أقمت ببلدة وأنت مسافر وفي نفسك أن تقيم خمس عشرة ليلة فأكمل الصلاة بها، وإن كنت لا تدري متى تظعن فاقصرها؛ وكذا روى ابن أبي شيبة عن ابن عمر رضي الله عنهما، أنه إذا جمع على إقامة خمسة عشر أتم.

وقال محمد في كتاب الآثار[1]: حدثنا أبو حنيفة رحمة الله عليه، حدثنا موسى ابن مسلم عن مجاهد عن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما قال: إذا كنت مسافرا فوطنت نفسك على إقامة خمسة عشر يوما فأتم الصلاة، وإن كنت لا تدري متى تظعن فاقصر، قالوا: والأثر في مثله كالخبر لأنه لا مدخل للرأي في المقدرات الشرعية.

وأما قول صاحب الهداية[2]: فقدرناه بمدة الطهر؛ لأنهما مدتان موجبتان، فمعناه أن بعد ثبوت التقدير بالخبر وجدناه على وفق صورة قياس ظاهر، فرجحنا به المروي عن ابن عباس وابن عمر رضي الله عنهم على المروي عن عثمان رضي الله عنه أنها أربعة أيام، كما هو مذهب الشافعي ومالك رحمهما الله من أنه إن نوى الإقامة أربعة أيام فصاعدا أتم، ومذهب أحمد إذا نوى

---

١) أخرجه محمد في "الآثار" باب الصلاة في السفر (٤٨٩/١) رقم الحديث: ١٨٨.

٢) الهداية: ٨٠/١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

المسافر الإقامة في بلد أكثر من إحدى وعشرين صلاة أتم، كما هو رأينا في التمسك بالقياسات.

والدلائل العقلية، إنما هو لترجيح بعض الأخبار على بعض لا قياس في مقابلة النص، كما زعم الخصم، وأيضا حديث أنس قال: خرجنا مع رسول الله ﷺ من المدينة إلى مكة، فكان يصلي ركعتين ركعتين، حتى رجعنا إلى المدينة، قيل له: أقمتم بمكة شيئا؟ قال: أقمنا بها عشرا. متفق عليه. ينافي هذا التقدير بأربعة أيام؛ وذلك لأن الإقامة بمكة كان بنية الزيادة على أربعة؛ لأن الحديث إنما هو في حجة الوداع، فافهم. وهذا مذهب الشافعي في وجود النية.

وأما مذهبه في عدم النية واللبث ببلد مع العزم على الخروج حتى انقضى شغله فإنه يقدره بثمانية عشر يوما، فإن ازداد على هذه المدة أتم، ويرده إقامة ابن عمر رضي الله عنهما بآذربيجان ستة أشهر يقصر الصلاة يقول: أخرج اليوم أو غدا.

وروى عن سعيد بن أبي وقاص ﷺ: أنه أقام بقرية من قرى نيسابور شهرين وكان يقصر. وروى أن إنسا أقام بنيسابور شهرا وكان يقصر الصلاة.

وعن علقمة [ابن قيس] أنه أقام بخوارزم سنتين، وكان يقصر الصلاة.

وقال الشيخ ابن الهمام:[1] روى البيهقي في المعرفة بإسناد صحيح أن ابن عمر رضي الله عنهما، قال: ارتج علينا الثلج، ونحن بآذربيجان ستة أشهر، فكنا نصلي ركعتين، وهذا يدل على أنه كان مع غيره من الصحابة يفعلون ذلك.

وأخرج عبد الرزاق عن الحسن قال: كنا مع عبد الرحمن بن سمرة ببعض بلاد فارس سنتين. فكان لا يجمع ولا يزيد على ركعتين.

وأخرج عن أنس بن مالك ﷺ أنه كان مع عبد الملك بن مروان بالشام شهرين يصلي ركعتين ركعتين.

وقد جاء عن ابن عباس قال: سافر النبي ﷺ سفرا، فأقام تسعة عشر يوما يصلي ركعتين ركعتين، قال ابن عباس: فنحن نصلي فيما بيننا وبين مكة تسعة عشر ركعتين ركعتين، فإذا أقمنا أكثر من ذلك صلينا أربعا. رواه البخاري.[2]

---

١) فتح القدير: ٢/٣٦.

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب المغازي، باب مقام النبي ﷺ بمكة زمن الفتح (٥/١٥٠) رقم الحديث: ٤٢٩٨، ٤٢٩٩.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وهذا في عام الفتح، فلا منافاة بينه وبين حديث أنس، ثم أنه جاء في رواية أبي داود عن عكرمة سبعة عشر بتقديم السين يقصر الصلاة، وفي رواية له من حديث عمران بن الحصين: غزوت مع رسول الله ﷺ للفتح، فأقام بمكة ثماني عشرة ليلة، لا يصلي إلا ركعتين؛ وله من طريق ابن إسحاق عن الزهري عن عبيد الله عن ابن عباس رضي الله عنهما: أقام بمكة عام الفتح خمس عشرة يقصر الصلاة، وجمع البيهقي بين هذه الروايات بأن من قال: تسع عشرة عد يومي الدخول والخروج، ومن قال: سبعة عشر حذفهما، ومن قال: ثمانية عشر عد أحدهما وحذف الآخر.

وأما رواية خمسة عشر فضعفها النووي في الخلاصة، قال الشيخ: [١] وليس -يعني تضعيفه- بجيد؛ لأن رواتها ثقات، ولم ينفرد بها ابن إسحاق، فقد أخرجها النسائي من رواية عراك بن مالك عن عبيد الله كذلك، وإذا ثبت أنها صحيحة فليحمل على أن الراوي ظن أن الأصل رواية سبع عشرة، فحذف منها يومي الدخول والخروج، فذكر أنها خمس عشرة، قالوا: وأخذ الشافعي رحمة الله عليه بحديث عمران بن حصين، فتدبر.

وقول ابن عباس: فنحن نصلي فيما بيننا وبين مكة تسعة عشر ركعتين ركعتين، يعني إذا ثبت أن رسول الله ﷺ يصلي في إقامة تسعة عشر يوما ركعتين ركعتين، فنحن إذا اتفق لنا الإقامة في منزل بين مكة والمدينة تسع عشر يوما نصلي ركعتين عملا بفعله القصر في إقامته تسعة عشر يوما، وهذا تقرير الطيبي.[٢]

وفي شرح الشيخ: المراد إذا سافرنا سفرا طويلا كما بيننا وبين مكة؛ لأنها نهاية المدة التي يجوز للمسافر فيها القصر وإن لم يكن السفر فيهما، انتهى.

التقييد بما بيننا وبين مكة اتفاقي، والمقصود التعبير عن السفر الطويل؛ ومتمسك الشافعي رحمه الله هذا الحديث، وغاية مدة القصر عنده إقامة تسعة عشر، وفيما رأو الاتمام، وقد عرفت حجتها من المعقول فتدبر.

الثالث في بيان القصر:

اعلم أنه لا خلاف في جواز قصر الرباعية في السفر لأحد من الأئمة، وعلماء الأمة مجمعون على ذلك، ولكن عندنا هذا القصر واجب، وفرض الوقت على المسافر ركعتان.

---

١) فتح الباري: ٢/٥٦٢.

٢) شرح الطيبي: ٣/١٩٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

والقصر هو العزيمة وإن كان يسمى رخصة لكن تسميته بها مجاز، كما علم في أصول الفقه، ولو صلى المسافر أربع ركعات لم يجز إلا أن يقعد القعدة الأولى؛ لأنها في الحقيقة القعدة الأخيرة وإن أثم بترك السلام، وإن لم يقعد لم تقع جائزة ولزم الإعادة، وهو مذهب مالك على ما يفهم من رسالة ابن أبي زيد في مذهبهم؛ لأنه قال: من سافر أربعة برد، وهي ثمانية وأربعون ميلا، فعليه أن يقصر الصلاة لا الإتمام.

وأصل الفرض أربعة، ودليلهم على ذلك قول الله تعالى: "وإذا ضربتم في الأرض فليس عليكم جناح أن تقصروا من الصلاة"، فإن ظاهره يدل على الرخصة والتخفيف لا على اللزوم والإيجاب، وأيضا قاسوا الصلاة على الصوم، فكما أن الصوم في السفر عزيمة والإفطار رخصة، فكذا هذا.

وحديث عائشة رضي الله عنها أن النبي ﷺ كان يقصر في السفر ويتم، ويفطر ويصوم.[1] وفي صحة هذا الحديث كلام.

وعنها، أنها اعتمرت مع رسول الله ﷺ من المدينة إلى مكة حتى إذا قدمت مكة، قالت: يا رسول الله، بأبي أنت وأمي قصرت، وأتممت، وأفطرت، وصمت، قال: أحسنت يا عائشة، وما عاب علي. أخرجه النسائي.[2]

وقد روى ابن عبد البر عن أنس قال كنا أصحاب رسول الله ﷺ نسافر فيتم بعضنا ويقصر بعضنا ويصوم بعضنا ويفطر بعضنا فلا يعيب أحد على أحد.[3] وقال الإمام أحمد: القصر والفطر أعجب إلي.

وجاء عن عثمان رضي الله عنه أنه صلى في أيام الحج في منى أربع ركعات، والصحابة الذين معه أيضا صلوا أربعا، وكانت عائشة رضي الله عنها أيضا تتم.

وقال علماؤنا: قوله تعالى: "لا جناح عليكم" ليس نصا في الرخصة والتخيير، وإنما قال بهذه العبارة لأن المسلمين لكمال الفتهم وشغفهم بالعبادة وتكثيرها وإتمامها كأنهم كانوا يتحرجون في القصر وكانوا يعدونه جناحا، فقال: لا جناح عليكم أن تقصروا الصلاة، ولا

---

١) أخرجه الدار قطني في "سننه" كتاب الصيام، باب القبلة للصائم (١٦٣/٣) رقم الحديث: ٢٢٩٨.

٢) أخرجه النسائي في "سننه" كتاب تقصير الصلاة في السفر، باب المقام الذي يقصر بمثله الصلاة (١٢٢/٣) رقم الحديث: ١٤٥٦.

٣) أخرجه ابن عبد البر في "التمهيد لما في الموطا من المعاني والأسانيد" تابع لحرف الميم، تابع محمد بن شهاب الزهري (١٧٣/١١)

toobaa-elibrary.blogspot.com

حرج، فإن الركعتين في حكم الأربعة على قياس ما قال بعض العلماء الذين قالوا بوجوب السعي بين الصفا والمروة في قوله تعالى: "فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا" (١).

والقياس على الصوم فاسد، فإن قضاء الصوم واجب، وهذه علامات الوجوب، وكونه عزيمة بخلاف الشفع الثاني في صلاة السفر فعلم أنه ليس بواجب.

وبعضهم قالوا: إن القصر المذكور في الآية، قصر الأفعال دون قصر الأعداد، كما في صلاة الخوف بسقوط الاستقبال والتزام المكان ونحوهما فيها.

وجاء عن رسول الله ﷺ بطريق الشهرة أنه لم يتم في سفر أبدا، وروى مسلم عن عائشة ؓ بطرق متعددة أنها قالت: كان فرض الصلاة في الابتداء ركعتين في السفر والحضر، فقررت في السفر تلك الركعتان، وزيد في الحضر.

ويعلم من هذا أن الركعتين في السفر ليستا رخصة حقيقة بعد ما كانت أربعا، بل هو أصل المشروع وهو معنى العزيمة.

وروى النسائي وابن ماجه: صلاة السفر ركعتان، وصلاة الضحى ركعتان، وصلاة الفطر ركعتان، وصلاة الجمعة ركعتان تمام، غير قصر على لسان محمد ﷺ، وكذلك روى ابن حبان في صحيحه. (٢)

ومسلم، عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: فرض الله تعالى على لسان نبيكم صلى الله عليه وسلم في الحضر أربع ركعات، وفي السفر ركعتان، وفي الخوف ركعة. (٣)

وروى الطبراني بهذا اللفظ: فرض رسول الله ﷺ ركعتين في السفر كما فرض في الحضر أربعا. (٤)

---

١) البقرة: ١٥٨.

٢) أخرجه النسائي في "سننه" كتاب الجمعة، باب عدد صلاة الجمعة (٣/١١١) رقم الحديث: ١٤٢٠، كتاب تقصير الصلاة (٣/١١٨) رقم الحديث: ١٤٤٠، كتاب صلاة العيدين، باب عدد صلاة العيدين (٣/١٨٣) رقم الحديث: ١٥٦٦. وابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب تقصير الصلاة في السفر (١/٣٣٨) رقم الحديث: ١٠٦٣، ١٠٦٤. وابن حبان في "صحيحه" باب صلاة الجمعة، ذكر الخبر المدحض قول من زعم أن صلاة الجمعة في الأصل (٧/٢٢) رقم الحديث: ٢٧٨٣.

٣) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب صلاة المسافرين، باب صلاة المسافرين وقصرها (١/٤٧٩) رقم الحديث: ٦٨٧.

٤) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب الألف، من اسمه أحمد (٢/٣٣٠) رقم الحديث: ٢١٣١

toobaa-elibrary.blogspot.com

ذكر هذه الأحاديث الشيخ ابن الهمام في شرح الهداية. [١] وأيضا روى مسلم عن أمير المؤمنين عمر ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: هذه صدقة تصدق الله بها على عباده فاقبلوا صدقته. [٢]

والتصدق فيما لا يقبل القبض محض إسقاط، وأيضا لما يسر الله تعالى وخفف وأسقط يكون تشديد العبد على نفسه واختياره الأشد جرأة منه، لا يليق بمقام العبودية، بخلاف صوم المسافر فإن فيه موافقة المسلمين يسرا كما في الإفطار.

ولهذا ذهب الشافعي وأحمد رحمهما الله مع تجويزهما القصر والإتمام أن القصر أحب، وكذلك جعلا الإفطار أحب لمثل هذا الوجه.

وذكر في الحاوي [٣] في مذهب الشافعي رحمه الله حديثا: خير عباد الله الذين إذا سافروا قصروا، ولأن القصر متفق عليه، فالأخذ به كان أولى للخروج عن الخلاف هذا.

والكلام في صلاة أمير المؤمنين عثمان ﷺ أربع ركعات بمنى، وموافقة الصحابة إياه طويل، فقد ذكر في صحيح البخاري [٤] من حديث ابن عمر ﷺ أنه قال: صليت مع النبي ﷺ بمنى ركعتين، ومع أمير المؤمنين أبي بكر وعمر رضي الله عنهما ركعتين، ومع أمير المؤمنين عثمان ﷺ في صدر من خلافته، ثم كان يتم عثمان ﷺ، وقالوا: مدة قصر عثمان ﷺ في أوائل خلافته ست سنين أو ثمان سنين على خلاف فيها.

وقد ذكر في الصحيح [٥] عن ابن عمر رضي الله عنهما أنه قال: صحبت رسول الله ﷺ فلم يزد على ركعتين حتى قبضه الله، وصحبت أبا بكر ﷺ فلم يزد على ركعتين حتى قبضه الله، وصحبت عمر فلم يزد على ركعتين حتى قبضه الله، وصحبت عثمان فلم يزد على ركعتين حتى قبضه الله، وقد قال الله تعالى: " لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" [٦]، ومن هذا يعلم أن إتمام الصلاة كان من عثمان ﷺ بمنى لمصلحة رآها لا دائما بعد مضي سنين من خلافته.

---

١) فتح القدير: ٢/٣٣.

٢) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب صلاة المسافرين، باب صلاة المسافرين وقصرها (١/٤٧٨) رقم الحديث: ٦٨٦.

٣) الحاوي الكبير: ٢/٣٦٢.

٤) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب تقصير الصلاة، باب الصلاة بمنى (٢/٤٢) رقم الحديث: ١٠٨٢.

٥) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب صلاة المسافرين، باب صلاة المسافرين وقصرها (١/٤٧٩) رقم الحديث: ٦٨٩.

٦) الأحزاب: ٢١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وفي صحيح البخاري عن حارثة بن وهب: صلى بنا النبي ﷺ آمن ما كان بمنى ركعتين.[1]

وعن عبد الرحمن بن يزيد يقول: صلى بنا عثمان بن عفان رضي الله عنه بمنى أربع ركعات، فقيل في ذلك لعبد الله بن مسعود رضي الله عنه فاسترجع، ثم قال: صليت مع رسول الله ﷺ بمنى ركعتين، وصليت مع أبي بكر الصديق رضي الله عنه بمنى ركعتين؛ وصليت مع عمر بن الخطاب رضي الله عنه بمنى ركعتين، فليت حظي من أربع ركعات ركعتان متقبلتان.[2]

وقيل لابن مسعود رضي الله عنه: لم وافقته أنت؟ قال: الخلاف شر، يعني أن المخالفة مع إمام العصر فيما يفعل لم يحسن، ويظهر من هذا لجواز الإتمام وجه؛ لأن سكوت ابن مسعود رضي الله عنه وغيره من الصحابة فيما لا يجوز أصلا مما لم يجز.

واختلف في ذلك الوجه فقيل: إن عثمان رضي الله عنه إنما أتم لأنه كان تأهل بمكة، أو لأنه كان أمير المؤمنين فكل موضع له دار، أو لأنه عزم على الإقامة بمكة، ورد هذه الوجوه.

أما الأول: فبأن النبي ﷺ كان يسافر بزوجاته وقصر.

والثاني: بأن النبي ﷺ كان أولى بذلك.

والثالث: بأن الإقامة بمكة على المهاجر حرام، ولأن هذه الوجوه لا تجري في صلاة عائشة رضي الله عنها أربعا.

وقد ورد: تأولت كما تأول عثمان رضي الله عنه، كما سيأتي، على أن أكثر هذه الوجوه ظنون لا دليل عليها، وقيل: لعل عثمان رضي الله عنه يرى القصر مختصا بمن كان شاخصا سائرا، وأما من أقام في مكان في أثناء سفره فله حكم المقيم فيتم.

وأما القول بأن عثمان رضي الله عنه كان قائلا بأن القصر كما يفهم [من ظاهر الآية] مخصوص بحالة الخوف، وإذا أمن كان الإتمام أفضل فمردود بحديث عمر رضي الله عنه: صدقة تصدق الله بها الحديث، ولأن النبي ﷺ كان آمن بمكة، وقد قصر، والقيد في الآية اتفاقي مبني على الأكثر والأغلب.

---

1) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب تقصير الصلاة، باب الصلاة بمنى (٤٣/٢) رقم الحديث: ١٠٨٣.

2) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب تقصير الصلاة، باب الصلاة بمنى (٤٢/٢) رقم الحديث: ١٠٨٤.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقال الطحاوي [١] عن الزهري قال: إنما صلى عثمان ﷺ أربعا؛ لأن الأعراب وأهل البدو والذين لا يعرفون بتفاصيل الأحكام كانوا أكثر في ذلك المقام، فأحب أن يعلمهم أن الصلاة أربع، وقد وقع التصريح بهذا في حديث أبي داود. [٢]

ويؤيده ما روى البيهقي عن عبد الرحمن بن عوف ﷺ أنه قال: إن عثمان رضي الله عنه بعد ما صلى أربعا خطب واعتذر أن القصر سنة رسول الله ﷺ وصاحبيه رضي الله عنهما، ولكنه حدث طغام -بفتح الطاء والمعجمة- فخفت أن يستنوا. [٣]

وعن ابن جريج أن أعرابيا ناداه في منى: يا أمير المؤمنين! ما زلت أصليها منذ رأيتك عام أول ركعتين، ولهذا طرق بعضها يقوي بعضا، ولا مانع أن يكون هذا أصل سبب الإتمام، كذا في فتح الباري. [٤]

وقال ابن بطال [٥]: الصحيح في ذلك أن عثمان وعائشة ﷺ كانا يريان النبي صلى الله عليه وسلم إنما قصر لأنه أخذ بالأيسر من ذلك على أمته شفقة عليهم، وكان مخيرا بالقصر والإتمام، فأخذا لأنفسهما بالشدة، ورجح هذا الوجه جماعة، منهم القرطبي.

ويؤيده ما روى البيهقي من طريق عروة بن الزبير حدثنا أنه قال: رأيت عائشة ﷺ تصلي في السفر أربعا، فقلت: يا أم المؤمنين! هلا صليت ركعتين، قالت: يا ابن أختي لا يشق علي. [٦]

[الرابع في الجمع بين الصلاتين:]

اعلم أنه قد وردت أحاديث صحيحة في الجمع بين الصلاتين في السفر بعضها مطلق وبعضها مقيد بحالة السير، وبعضها بالجد في السير، وبعضها بتعجيل السير.

١) أخرجه الطحاوي في "شرح معاني الآثار" كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر (١/٤٢٥) رقم الحديث: ٢٤٨٠.

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب الصلاة بمنى (٢/١٩٩) رقم الحديث: ١٩٦٠.

٣) أخرجه البيهقي في "السنن الكبرى" كتاب الصلاة، جماع أبواب صلاة المسافر، باب من ترك القصر في السفر (٣/٢٠٦) رقم الحديث: ٥٤٣٨.

٤) فتح الباري: ٢/٥٧١.

٥) شرح صحيح البخاري لابن بطال: ٣/٧٢-٧٣.

٦) أخرجه البيهقي في "السنن الكبرى" كتاب الصلاة، جماع أبواب صلاة المسافر، باب من ترك القصر في السفر (٣/٢٠٤) رقم الحديث: ٥٤٣٠.

toobaa-elibrary.blogspot.com

ومن ههنا اختلف العلماء فبعضهم قال بجواز الجمع على الإطلاق، والشافعي رحمه الله منهم، وبعضهم خصوه بحالة السير دون النزول، وبعضهم خصوه بصورة الجد في السير والتعجيل فيه. وذكر في فتح الباري: أن المشهور من مالك هذا.(١)

وقال صاحب سفر السعادة رحمه الله:(٢) الجمع في السفر لم يكن عادة دائمة له ﷺ، بل كان إذا عجل في السير جمع، وأما الجمع في حالة النزول والقرار فلم يرو، وأيضا خصه بعضهم بحالة عذر زائد على السفر، وعند بعضهم جاز جمع التأخير دون التقديم، وهو مروي عن الإمام أحمد رحمه الله، وأيضا عنده مقيد بحالة السير، والمشهور من مذهبه الجواز مطلقا.

وعند الإمام أبي حنيفة رحمة الله عليه لا يجوز مطلقا، ونحن نقول في إثباته وبالله التوفيق: إن تعين أوقات الصلاة قطعي وثابت بالتواتر الذي لم يتطرق إليه شبهة حتى عددنا تأخير الصلاة عن وقته من الكبائر.

قال محمد رحمه الله في موطئه (٣): قد بلغنا عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه أنه كتب إلى حكامه في الآفاق، ونهاهم أن يجمعوا بين الصلاتين في وقت واحد، لأنها من الكبائر، قال محمد: أخبرنا بذلك الثقات عن العلاء ابن الحارث أنه روى ذلك عن مكحول، وإذا كان تعيين أوقات الصلاة قطعيا متواترا لم يعارضه خبر الآحاد بخلاف الإفطار والقصر في السفر؛ لأنهما ثبتا بالنص القرآني.

وروى البخاري ومسلم: عن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه قال: ما رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى صلاة في غير وقتها إلا المغرب والعشاء جمع بينهما بمزدلفة.(٤)

وقد جاء الجمع بين الظهر والعصر في عرفات، وكان ذلك من جهة مناسك الحج دون السفر، ثم لم يكن الجمع من رسول الله ﷺ دائما بل الذي روي من ذلك ووقع التصريح به في الأحاديث إنما هو في غزوة تبوك، ولم يثبت فيه أيضا الدوام، والتحقيق أن كلمة "كان" لا يدل على الدوام والاستمرار كما حقق في موضعه، ولا يخفى ذلك على المتدبر.

---

١) فتح الباري: ٢/٥٨٠.

٢) سفر السعادة: ١٠٦.

٣) أخرجه محمد في "الموطأ" أبواب الصلاة، باب الجمع بين الصلاتين في السفر والمطر (٨٢) رقم الحديث: ٢٠٤.

٤) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الحج، باب متى يصلي الفجر بجمع (٢/١٦٦) رقم الحديث: ١٦٨٢. ومسلم في "صحيحه" كتاب الحج، باب استحباب زيادة التغليس بصلاة الصبح يوم النحر (٢/٩٣٨) رقم الحديث: ١٢٨٩.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وروي في جامع الأصول [1]: من حديث أبي داود عن ابن عمر رضي الله عنهما أنه قال: لم يجمع رسول الله ﷺ قط بين المغرب والعشاء في سفر إلا مرة واحدة، وأورد عن ابن عمر رضي الله عنهما أنه لم يجمع إلا ليلة حين استصرخ على امرأته صفية بنت أبي عبيد فخرج إليه فجمع، وفي رواية: لم يجمع إلا مرة أو مرتين، وأورد من حديث الترمذي مثل سالم بن عبد الله بن عمر رضي الله عنه أكان يجمع عبد الله في ليلة الصلاتين في السفر؟ قال: لا إلا بالمزدلفة، والأحاديث في جمع التقديم أقل قليل في الصحاح.

واختلفت روايات البخاري في الجمع، ولهذا ذهب كثير من الأئمة إلى عدم جواز جمع التقديم، ولم يقولوا إلا بجمع التأخير في بعض الأحيان، وتأويله عندنا أن المراد بالجمع بين الصلاتين أن تؤخر الصلاة الأولى وتؤدى في آخر وقتها، وتعجل الثانية وتؤدى في أول وقتها، وسماه بعضهم الجمع الصوري وهو جمع صورة وليس بجمع في الحقيقة والمعنى، وإطلاق الجمع على مثل هذه الصورة التي حمل عليها الحنفية الجمع في السفر، وقد جاء في "باب الاستحاضة" في حديث حمنة بنت جحش كما سبق، فتدبر.

ولفظ الحديث وإن جاء في بعض الروايات هكذا: جمع فصلى الظهر والعصر في وقت العصر، فهو إن صح محمول على هذا المعنى للدلائل التي ذكرناها، وتحقق التخفيف ودفع الحرج الذي ذكر في بعض الأحاديث من أنه ﷺ فعل ذلك لئلا يوقع أمته في حرج ومشقة، حاصل فيما ذكرنا.

ومعرفة آخر الوقت ظاهرة في المغرب، وكذا في الظهر ميسرة بحسب الظن والتخمين خصوصا في كثرة القافلة وكثرة الناس الذين هم مهارة في معرفة الوقت: فلا يرد ما قالت الشافعية العمل بهذه الطريقة التي ذكرتم فيه حرج ومشقة، وفي تعيين آخر الوقت وأوله إشكال للخواص فما بال العوام.

وقد أخرج أبو داود، عن علي رضي الله عنه أنه كان إذا سافر يسير بعد غروب الشمس إلى أن تغرب غيبوبة الشفق فينزل ويصلي المغرب، فيدعو الطعام ويتعشى، ثم يصلي العشاء ويرتحل، ويقول: هكذا كان يفعل رسول الله ﷺ [2].

وقال محمد في موطئه: بلغنا عن ابن عمر أنه صلى المغرب أخرها إلى قبيل غروب الشفق على خلاف رواية مالك رحمه الله حتى غاب الشفق [3].

---

١) جامع الأصول. (٥/٧١٣) رقم الحديث: ٤٠٣٧.

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب متى يتم المسافر (٢/١٠) رقم الحديث: ١٢٣٤.

٣) أخرجه محمد في "الموطأ" أبواب الصلاة، باب الجمع بين الصلاتين في السفر والمطر (٨٢) رقم الحديث: ٢٠٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وفي "جامع الأصول" [١]: عن أبي داود عن نافع وعبد بن واقد أنه قال مؤذن ابن عمر: الصلاة: فقال ابن عمر رضي الله عنهما: سر حتى كان قبيل غروب الشفق نزل وصلى المغرب، فانتظر حتى غاب الشفق، وصلى العشاء، ثم قال: كان رسول الله ﷺ لما عجله أمر يفعل كما فعلت. وأيضا في رواية النسائي: حتى إذا كان آخر الشفق.

ولهذا الحديث روايات متعددة وهي تنظر إلى الجمع على طريق ذهب إليه الإمام أبو حنيفة، وقد جاء في ذلك روايات كثيرة، والظاهر أن الروايات في عدم الجمع والجمع في وقت واحد والجمع بمعنى التأخير إلى آخر الوقت واردة فيها كلها، فاختار أبو حنيفة عدم الجمع: والجمع بالمعنى الأخير احتياطا، واختيارا لمحافظة الوقت لا ردا وإنكارا لأحاديث الجمع.

وقال الشيخ في "فتح الباري" [٢]: إن الشافعية قالوا: إن ترك الجمع أفضل، وفي رواية عن مالك أن الجمع مكروه، وكان فعله ﷺ لبيان الجواز، هذا ما تيسر لنا الكلام في هذا المقام بعون الملك العلام، ولم تر من تكلم فيه أحد من الشارحين هذا القدر، ولا الشيخ ابن الهمام، والله أعلم.

هذا في الجمع بين الصلاتين للمسافر، فأما الجمع للمقيم فقال الترمذي: ذهب بعض التابعين إلى الجمع بين الصلاتين للمريض، وبه قال أحمد وإسحاق، وذهب بعضهم بالجمع للمطر، وبه قال الشافعي وأحمد وإسحاق، ولم يقل الشافعي رحمه الله بالجمع للمريض، هذه عبارة الترمذي، وأورد من ابن عباس -رضي الله عنهما- أنه قال: من جمع بين الصلاتين من غير عذر فقد أتى بابا من أبواب الكبائر، والعمل على هذا عند أهل العلم أن لا يجمع بين الصلاتين إلا في السفر أو بعرفة، انتهى. [٣]

وأخرج مسلم بطرق متعددة عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: صلى رسول الله ﷺ الظهر والعصر جميعا، والمغرب والعشاء جميعا بالمدينة من غير خوف ولا سفر، فسئل ابن عباس رضي الله عنهما عن ذلك فقال: أراد أن لا يحرج أمته، وفي رواية: في غير خوف ولا مطر. [٤]

---

١) جامع الأصول: (٧١٣/٥) رقم الحديث: ٤٠٣٧.

٢) فتح الباري: ٥٨٤/٢.

٣) أخرجه الترمذي "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في الجمع بين الصلاتين (٣٥٦/١) رقم الحديث: ١٨٨.

٤) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب صلاة المسافرين، باب الجمع بين الصلاتين في الحضر (٤٨٩/١) رقم الحديث: ٧٠٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وفي رواية الموطأ: أن رسول الله ﷺ جمع بين الظهر والعصر جميعا من غير خوف ولا سفر، قال مالك: أرى ذلك كان في مطر. وفيها عن نافع عن ابن عمر رضي الله عنهما: كان إذا جمع الأمراء بين المغرب والعشاء في المطر جمع معهم.(١)

وقال الترمذي: وفي الباب عن أبي هريرة ﷺ، وحديث ابن عباس رضي الله عنهما روي عنه من غير وجه (٢)، ونقل النووي (٣) عن الترمذي أنه قال: ليس في كتابي حديث أجمع الأمة على تركه إلا حديث الجمع من غير خوف وسفر ومطر، وإلا حديث قتل شارب الخمر في المرة الرابعة، وقال النووي: هذا الكلام من الترمذي في حديث القتل صحيح؛ لأنه منسوخ بالإجماع متروك العمل لجميع الأمة، وأما حديث الجمع من غير خوف ومطر فقد قال به بعض الناس بعذر مرض وجماعة كابن سيرين والأشهب بالجمع لأجل الحاجة أيضا لمن لا يعتاد ذلك، ولهذا علل بعدم الحرج لا بالمرض ونحوه، انتهى، وهذا كله عند الحنفية محمول على مثل ما ذكرنا من التأويل من التأخير والتعجيل.

وفي "جامع الأصول" (٤): من حديث البخاري ومسلم عن ابن عباس قال: إن النبي ﷺ صلى بالمدينة سبعا وثمانيا الظهر والعصر، والمغرب والعشاء، فقال أيوب: لعله في ليلة مطيرة؟ قال: عسى، وفي رواية: قال: صليت مع النبي ﷺ ثمانيا جميعا وسبعا جميعا، قال عمرو بن دينار: قلت: يا أبا الشعثاء لعله أخر الظهر وعجل العصر، وأخر المغرب وعجل العشاء، قال: وأنا أظن ذلك، أخرجه البخاري ومسلم، وبهذا علم أن تأويل الحنفية كانت في التابعين ومن بعدهم في الجمع للمقيم، فليكن في المسافر أيضا كذلك، فتدبر.

الخامس في السنن والنوافل:

وقع الخلاف فيها بين الصحابة ومن بعدهم قولا وفعلا، ووردت الأخبار والآثار نفيا وإثباتا.

عن ابن عمر رضي الله عنهما، قال: صحبت النبي ﷺ، فلم أره يسبح في السفر، وقال الله تعالى: "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" (٥)". رواه الستة.

---

١) أخرجه مالك في "الموطأ" كتاب قصر الصلاة في السفر، باب الجمع بين الصلاتين في الحضر والسفر (١٤٤/١) رقم الحديث: ٥٠٤.

٢) أخرجه الترمذي "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في الجمع بين الصلاتين (٣٥٤/١) رقم الحديث: ١٨٧.

٣) شرح النووي على مسلم: ٢١٨/٥.

٤) جامع الأصول: (٧٢٤/٥) رقم الحديث: ٤٠١٥.

٥) الأحزاب: ٢١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وفيه روايات متعددة، وفي رواية يزيد بن زريع قال: مرضت، فجاء ابن عمر يعودني، فسألته عن السبحة في السفر؟ فقال: صحبت رسول الله ﷺ فما رأيته يسبح، ولو كنت مسبحا لأتممت. أخرجه البخاري ومسلم.

وللبخاري عن عاصم: أنه سمع ابن عمر يقول: صحبت النبي ﷺ فكان لا يزيد في السفر على ركعتين، وأبا بكر وعمر وعثمان كذلك.

ولمسلم عن عاصم قال: صلى النبي ﷺ بمنى صلاة المسافر، وأبو بكر، وعمر وعثمان ثماني سنين، أو قال: ست سنين، قال حفص: وكان ابن عمر يصلي بمنى ركعتين، ثم يأتي فراشه، فقلت لابن عمر: لو صليت بعدها ركعتين؟ قال: لو فعلت لأتممت الصلاة.

وله في أخرى عنه قال: صحبت ابن عمر في طريق مكة، قال: فصلى لنا الظهر ركعتين، ثم أقبل وأقبلنا معه، حتى جاء رحله وجلس، وجلسنا معه، فحانت منه التفاتة نحو حيث صلى، فرأى أناسا قياما، فقال: ما يصنع هؤلاء؟ قلت: يسبحون قال: لو كنت مسبحا لأتممت صلاتي، يا ابن أخي، إني [صحبت رسول الله ﷺ في السفر، فلم يزد على ركعتين، حتى قبضه الله،] وصحبت أبا بكر فلم يزد على ركعتين حتى قبضه الله، ثم صحبت عمر، فلم يزد على ركعتين حتى قبضه الله، ثم صحبت عثمان، فلم يزد على ركعتين حتى قبضه الله، وقد قال الله تعالى: "لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ"(١).

وفي رواية أبي داود نحو رواية مسلم هذه الأخيرة.

وفي رواية الترمذي قال: سافرت مع النبي ﷺ وأبي بكر، وعمر، وعثمان، كانوا يصلون الظهر والعصر ركعتين ركعتين، لا يصلون قبلها ولا بعدها، وقال [ابن عمر]: لو كنت مصليا قبلها أو بعدها لأتممتها.

وفي رواية الموطأ: أن عبد الله بن عمر لم يكن يصلي مع صلاة الفريضة في السفر شيئا قبلها ولا بعدها، إلا من جوف الليل، فإنه كان يصلي على الأرض، وعلى راحلته حيث توجهت به. هذه روايات ابن عمر تدل على أنه ﷺ لا يصلي إلا ركعتين، ولا يرى النفل في السفر.(٢)

---

١) الأحزاب: ٢١.

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب تقصير الصلاة، باب من لم يتطوع في السفر دبر الصلاة وقبلها (٢/٥٤) رقم الحديث: ١١٠٢. ومسلم في "صحيحه" كتاب صلاة المسافرين، باب صلاة المسافرين وقصرها (١/٤٧٩) رقم الحديث: ٦٨٩. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب التطوع في السفر (٢/٨) رقم

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقد جاء عند الترمذي، عن ابن عمر، قال: صليت مع النبي ﷺ الظهر في السفر ركعتين وبعدها ركعتين.(١)

وفي رواية: عن عطية عن ابن عمر، قال: صليت مع النبي ﷺ في الحضر والسفر، فصليت معه في الحضر الظهر أربعا وبعدها ركعتين: وصليت معه في السفر الظهر ركعتين وبعدها ركعتين.(٢) الحديث مذكور في المشكاة.(٣)

وكذا الحديث البراء بن عازب، وقال: سألت محمدا عنه فلم يعرفه، إلا من حديث الليث بن سعد، ولم يعرف اسم أبي بسرة الغفاري ورآه حسنا.(٤)

وروى مالك عن نافع عن ابن عمر عن عمر أنه كان يرى ابنه عبيد الله يتنفل في السفر، فلا ينكر عليه.(٥) أقول: هذه الاسناد يسمى أصح الأسانيد عند الطائفة.

وقال صاحب سفر السعادة: كان عادة النبي ﷺ أن يكتفي في السفر بصلاة الفرض، ولا يتحفظ أنه صلى سنة لا قبل الفريضة ولا بعدها، إلا ركعتي الفجر والوتر لا يتركهما لا في السفر ولا في الحضر، ولكن ثبت عن جماعة من الصحابة أنهم كانوا في السفر يصلون السنن.

وجاء في الآثار كان أصحاب رسول الله ﷺ يسافرون، فيتطوعون قبل المكتوبة وبعدها إلا ابن عمر، انتهى.(٦)

وظهر بما ذكرنا الكلام في كلام الأمرين، ووجه التوفيق في رواية النفي والاثبات أن الثاني مسند عن روايته كما قال: صحبت رسول الله ﷺ فلم أره أن يسبح في السفر، كذا

الحديث: ١٢٢٣. والترمذي في "جامعه" كتاب الصلاة، باب ما جاء في التقصير في السفر (٤٢٨/٢) رقم الحديث: ٥٤٤. والنسائي في "سننه" كتاب تقصير الصلاة، باب ترك التطوع في السفر (١٢٢/٣) رقم الحديث: ١٤٥٧. ومالك في "الموطأ" كتاب قصر الصلاة، باب صلاة النافلة في السفر بالنهار والليل (١٥٠/١) رقم الحديث: ٢٢. وابن الأثير: (٧٢٧/٥) رقم الحديث: ٤٠٤٧.

١) أخرجه الترمذي في "جامعه" كتاب الصلاة، باب ما جاء في التقصير في السفر (٤٣٧/٢) رقم الحديث: ٥٥١.

٢) أخرجه الترمذي في "جامعه" كتاب الصلاة، باب ما جاء في التقصير في السفر (٤٣٧/٢) رقم الحديث: ٥٥٢.

٣) مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب صلاة السفر، الفصل الثاني (٤٢٣/١) رقم الحديث: ١٣٤٣.

٤) أخرجه الترمذي في "جامعه" كتاب الصلاة، باب ما جاء في التقصير في السفر (٤٣٥/٢) رقم الحديث: ٥٥٠.

٥) أخرجه مالك في "الموطأ" كتاب قصر الصلاة في السفر، باب صلاة النافلة في السفر (١٥٠/١) رقم الحديث: ٢٤.

٦) سفر السعادة: باب في صلاة الرسول ﷺ، فصل في عبادات السفر: ١٠٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

قالوا: ولكن عدم الرؤية، والعلم من ابن عمر بعد الصحبة إلى ثمان أو ست كما جاء في الحديث مما يبعده العادة كما لا يخفي.

ويمكن أن يقال: أن التنفل وتركه لم يكن واجبا؛ وكان كل منهما واقعا ثابتا، فأخذ كل بما رجح عنده، فابن عمر لما ثبت عنده الترك أخذ به اتباعا لما ظهر له أنه لم يكن واجبا، ومن أخذ بخلافه أخذ بالرخصة بالجانب الآخر بما سنح له من الدليل عملا بالجانبين، وقد ورد إن الله يحب أن تؤتى رخصه، كما يحب أن تؤتى عزائمه.

وقال الترمذي: روي عن ابن عمر أن النبي ﷺ كان لا يتطوع في السفر قبل الصلاة ولا بعدها. وروي عنه عن النبي ﷺ أنه كان يتطوع في السفر.

ثم اختلف أهل العلم بعد النبي ﷺ، فرأى بعض أصحاب النبي ﷺ، أن يتطوع الرجل في السفر، وبه يقول أحمد، وإسحاق، ولم تر طائفة من أهل العلم أن يصلى قبلها ولا بعدها، ومعنى من لم يتطوع في السفر قبول الرخصة، ومن تطوع فله في ذلك فضل كثير، وهو قول أكثر أهل العلم يختارون التطوع في السفر.(١) هذا كلام الترمذي ينظر إلى أن مذهب الشافعي ومالك هو التطوع.

والمشهور في مذهب الحنفية التخيير بين الإتمام والترك والقصر، ولا يدري أيتهن الراجح المختار، وبعض الناس فرقوا بين النوافل قبل الصلاة وبعدها بأن التي قبلها مفصولة عن الفرض بالإقامة فلا يظن أنها منها، فكأنها خرجت من حكم الرواتب بخلاف التي بعدها فإنها متصلة بها صورة ومعنى.

هذا الكلام في السنن الرواتب، أما سائر النوافل غير الرواتب فلا بأس بفعلها.

وقد ثبت أن رسول الله ﷺ كان لا يترك في السفر التهجد تارة على الراحلة، وتارة على الأرض، وقد ثبت صلاة الضحى يوم الفتح في بيت أم هانئ، وكذلك لابن عمر وإن كان ترك النفل لم يترك صلاة الليل والوتر، وقد يروي عنه النزول للوتر كما سبق.

وقد قيل: أن منع التنفل عن ابن عمر إنما هو على الأرض لا على الراحلة، وقد يجعل هذا وجه التطبيق من الروايات المختلفة عنه ﷺ، والله أعلم.

---

١) أخرجه الترمذي في "جامعه" كتاب الصلاة، باب ما جاء في التقصير في السفر (٢/٤٣٥-٤٣٦).

toobaa-elibrary.blogspot.com

السادس في التنفل على الراحلة:

وههنا كلام ذكره الزركشي في شرح كتاب الخرقي في مذهب الإمام أحمد في صلاة الفرض، أوردناه تمهيدا على أنه فيه من التطوع على ظهر الدابة وتنبيها على الاهتمام بشأن الصلاة، وأنه في هذه المرتبة من الاهتمام والالتزام، والظاهر أن هذا مما اتفق عليه الأئمة الكرام، والله أعلم.

اعلم أن أركان الصلاة وشرائطها كاستقبال القبلة قد سقط بأعذار وأسباب كما في حالة المرض والخوف، وصلاة الخوف مع الإمام مشهورة مذكورة في كتب الفقه، والمنفرد إذا حصل له خوف يمنع عن الاستقبال القبلة من سبع أو عدو مثلا، وهو مطلوب فله أن فله أن يصلي على حسب حاله؛ راجلا، أو راكبا؛ إلى القبلة إن أمكن، وإلى غير القبلة إن عجز، يركع ويسجد إن قدر، وإلا أومأ، وجعل سجوده أخفض من ركوعه إذا البدل يحكى المبدل، وإن عجز عن الإيماء سقطت الصلاة، وإن احتاج إلى الكر والفر والضرب والطعن؛ فعل، ولا يؤخر الصلاة عن وقتها، لقول الله تعالى: "فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا".(١)

وعن نافع عن ابن عمر، أنه كان إذا سئل عن صلاة الخوف وصفها، ثم قال: فإن كان خوف [هو] أشد من ذلك صلوا رجالا، [قياما] على أقدامهم، مستقبلي القبلة وغير مستقبلها.

قال نافع: ولا أرى ابن عمر ذكر ذلك إلا عن رسول الله ﷺ. رواه البخاري، وعن أحمد رواية أخرى بالتخيير بين الفعل والتأخير إلى الأمن وإن خرج الوقت. لما في الصحيحين عن ابن عمر، عن النبي ﷺ أنه قال: لا يصلين أحدكم العصر إلا في بني قريظة. فصلى قوم في الطريق، وقالوا: لم يرد بنا تفويت الصلاة؛ وأخر قوم الصلاة، حتى وصلوا إلى بني قريظة وقد فاتتهم الصلاة، فلم يعب النبي ﷺ واحدة من الطائفتين؛ وجه ذلك أن النبي ﷺ أقرهم على التأخير، لمصلحة الجهاد. وأظن عن أحمد رواية أخرى بالتأخير.

استدلالا بتأخير النبي ﷺ يوم الخندق، والمذهب هو الأول. وسواء كان مطلوبا أو طالبا يخشى فوات العدو، وعن أبي عبد الله رحمه الله رواية أخرى؛ أنه إذا كان طالبا فلا يجزئه أن يصلي إلا صلاة أمن.

والظاهر الرواية حكم الطالب لعدو يخشى فواته حكم المطلوب في إحدى الروايتين؛ لأن فوات الكافر ربما أدى إلى ضرر عظيم، فأشبه المطلوب.

١) البقرة: ٢٣٩.

toobaa-elibrary.blogspot.com

والرواية الثانية: لا يجوز له أن يصلي إلا صلاة أمن، لأن الله تعالى شرط لهذه الصلاة الخوف، وهذا ليس بخائف. انتهى.[1]

وأما النوافل فيصلي على ظهر الدابة من غير ضرورة مستقبلا إلى غير جهة الكعبة، وقد اختلف فيه أئمة الأحاديث فاختلف المذاهب، فالجمهور على أنه يشترط لذلك السفر، ولا يجوز في غيره وهو رواية عن أبي حنيفة وأبي يوسف، لأن جوازها إنما هو للضرورة لئلا ينقطع القافلة، والقافلة ضرورة مخصوصة بحالة السفر.

والصحيح من مذهب أبي حنيفة أن السفر ليس بشرط وإنما الشرط كون المصلي خارج المصر سواء كان مسافر أو كان غير مسافر.

والتحقيق: أن بعض بعض الضرورات فيه أيضا من غير سفر، ونحن نقول: الأحاديث الواردة في الباب بعضها مطلق كحديث ابن عمر، رواه أصحاب السنن، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يسبح على ظهر راحلته حيث كان وجهه، ويومئ برأسه، وكان ابن عمر يفعله. ولهذا الحديث روايات مختلفة.[2]

وجاء في بعضها مقيد كحديث أنس ﷺ، قال: أن رسول الله ﷺ كان إذا سافر، فأراد أن يتطوع: استقبل القبلة بناقته ثم كبر ثم صلى حيث وجهه ركابه. أخرجه أبو داود.[3]

فإن لم يحمل المطلق على المقيد كما هو المذهب عندنا سقط قيد السفر، وإن حمل ببعض القرائن والدلائل مثلا لزم القيد بالسفر ويكون التجويز خارج المصر بالقياس أو دلالة النص ولعل ورد الروايتين وأصحه رواية الاطلاق نشأ من هذه النكتة، ثم المسافر إن كان مراحل المصر لم يجز له التنفل على الدابة عند أبي حنيفة.

وقال محمد: يجوز ويكره، وقال أبو يوسف: لا بأس، لأنه ﷺ يركب الحمار في المدينة يعود سعد بن عبادة وكان يصلي وهو راكب كذا في شرح الهداية.[4]

ثم اختلفوا في مقدار بعد المسافة خارج المصر حتى يجوز له، فقيل: فرسخان أو ثلاثة فراسخ، وعند البعض يكفي مقدار ميل، والصحيح أنه يجوز بعد مفارقة بيوت البلد كما في جواز القصر.

---

١) شرح الزركشي على مختصر الخرقي: ٥٢٥/١-٥٢٩.

٢) كما في "جامع الأصول" (٤٧٦/٥) رقم الحديث: ٣٦٧٥.

٣) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب التطوع على الراحلة والوتر (٩/٢) رقم الحديث: ١٢٢٥.

٤) فتح القدير: ٤٦٣/١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وفي رواية عن أحمد يجوز ذلك للمقيم السائر في مصره لأنها رخصة يجوز في قصر السفر فشرعت في الحضر كالتيمم وأكل الميتة.

وههنا اختلاف آخر هو أنه هل يشترط التوجه إلى القبلة عند افتتاح الصلاة أم لا؟ فالجمهور على أنه يشترط لأنه لا ضرورة في حالة الابتداء إنما الضرورة في حالة البقاء إلا أن أصحابنا لم يأخذوا به لأنه لا تفصيل في بعض النصوص، فالكلام فيه كالكلام في قيد السفر، وفي بعض شروح الهداية أنه صرح في الإيضاح، فإن القايل به أبو حنيفة، واستقبال القبلة في الابتداء ليس بواجب، وقال الشافعي: وهو واجب هذا في الراكب، وقاس بعض أئمة الشافعي الماشي على الراكب، فجوزوا له أن يحرم بالصلاة للقبلة ثم يتحول لمقصد ويمشي ثم ينحرف ويركع ثم يجلس ثم يسجد للقبلة ثم يمشي لجهة مقصده، كذا في شرح الشيخ ابن حجر على المشكاة.[١]

وقال الزركشي: ظاهر كلام الخرقي [أيضا] أن الحكم يختص بمن هو على الراحلة، فلا يجوز ذلك للماشي، وهذا إحدى الروايتين عن أحمد، ونصبها أبو محمد للخلاف، لأنه لم ينقل عن النبي ﷺ أنه فعل ذلك إلا في حال الركوب، وليس الماشي في معناه، لاحتياجه إلى عمل كثير، ويعضده عموم "فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ".[٢]

والرواية الثانية: يجوز ذلك للماشي كالراكب، وبها قطع أبو الخطاب في الهداية، ونصبها أبو البركات، لعموم "وَلِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ" الآية،[٣] ولأنه مسافر سائر، أشبه الراكب، وعلى هذا يستقبل القبلة في الافتتاح، وفي الركوع، السجود، ويسجد بالأرض لتيسر ذلك عليه، ويفعل ما عدا ذلك إلى جهة مسيره، اختاره القاضي، واختار أبو البركات والآمدي: جواز الإيماء بالركوع والسجود إلى جهة سيره، دفعا لمشقة التوجه، يكررها في كل ركعة.

وحكم الصلاة في السفر حكم صلاة الخوف، في أنه إن شق عليه استقبال القبلة كمن حمله مقطور، أو من يعسر عليه الاستدارة بنفسه، أو الركوع والسجود، سقط ذلك عنه، وأومأ كما تقدم.[٤]

وعند أبي حنيفة وأصحابه لا يجوز ذلك للماشي لأنه إنما ثبت بخلاف القياس في الراكب فلا قياس عليه غيره، والله أعلم.

---

١) فتح الإله في شرح المشكاة: ١٩٣/٥.

٢) البقرة: ١٤٤.

٣) البقرة: ١١٥.

٤) شرح الزركشي على مختصر الخرقي: ٥٣٠/١-٥٣١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وههنا اختلاف آخر وهو أن جواز الصلاة على الدابة مخصوصة بالنوافل، وأرادوا به ما يشتمل الرواتب وغيرها، وكذا التهجد، وحديث ابن عمر خص بذكر صلاة الليل، وورد أحاديث آخر عامة، وعن أبي حنيفة أنه أن ينبغي أن ينزل لسنة الفجر لأنها آكد من سائرها، وفي رواية: بحسب الزوال لها، ولهذا لم يجز أن يصليها قاعدا بلا عذر.

وأما الفرائض فلا يصليها بالاتفاق بلا عذر، ومن الأعذار أن يكون في بادية يخاف الهلاك على نفسه وماله عن السبع واللص بغالب الظن، أو بعد القافلة أو ضلال الطريق، أو تكون الدابة جموحا لا يتيسر ركوبه بعد النزول، أو يكون المصلي شيخا كبيرا ضعيفا لا يمكن له الركوب، ولا يجد من يعينه ويحمله على الدابة، أو يكون هناك طين لا يمكن الصلاة عليه. ويجوز بعذر المطر ونحوه أيضا؛ لأن الضرورات مستثناة من قواعد الشرع كذا في شروح الهداية.

وقال في سفر السعادة [1] : إنه جاء في حديث مستقيم الإسناد: انتهى النبي صلى الله عليه وسلم إلى مضيق هو وأصحابه وهو على راحلته، والسماء من فوقهم، والبلة من أسفل منهم، فحضرت الصلاة فأمر المؤذن فأذن فأقام، ثم تقدم رسول الله ﷺ على راحلته فصلى بهم يومئ إيماء، فجعل السجود أخفض.

وأما الوتر فقد دل هذا الحديث على جوازه على الراحلة، وأورد محمد في "موطئه" آثارا كثيرة.

وجاء عن ابن عمر رضي الله عنهما وغيره من الصحابة والتابعين أنهم كانوا ينزلون للوتر، وأورد عن مجاهد قال: صحبت ابن عمر رضي الله عنهما من مكة إلى المدينة، فكان يصلي الصلوات كلها على راحلته متوجها إلى جهة المدينة ويومئ بركوع وسجود، وجعل سجوده أخفض إلا الفرائض والوتر، فإنه كان ينزل لهما، فسألته عن ذلك فقال: كان رسول الله ﷺ يفعل كذلك.

وقال الشمني: ولا يجوز صلاة الجنازة والمنذور وسجدة التلاوة التي قرأها إلا على الأرض.

السابع في سفر المعصية:

يعني إذا كان المسافر عاصيا كالعبد الآبق وقاطع الطريق والباغي على الإمام العادل، وكذا المرأة إذا حجت من غير محرم وأمثال ذلك، هل يقصر ويفطر وترخص له في أحكام السفر من القصر والجمع والصلاة على الراحلة وجواز المسح على الخفين وسائر الرخصات والتخفيفات الثابتة للمسافرين؟

---

1) سفر السعادة: ١٠٦.

toobaa-elibrary.blogspot.com

اختلف الأئمة في ذلك، قال الإمام الشافعي: سفر المعصية سبب التغليظ لزجر العاصي عن المعصية، فكيف يثبت بها التخفيف، والتخفيف والتغليظ ضدان، فكيف يوجب أحدهما الآخر؟ وفيه فساد الوضع.

وفي شرح كتاب الخرقي: يشترط في القصر أن يكون سفره واجبا، كالحج، والجهاد، ونحوهما، أو مباحا، كالتجارة، وزيارة صديق، ونحو ذلك، لعموم "وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ" (١) ولما تقدم من قوله: ﷺ إن الله وضع عن المسافر الصوم، وشطر الصلاة.

وعن عمر ﷺ قال: صلاة المسافر ركعتان، تمام من غير قصر، على لسان محمد صلى الله عليه وسلم. رواه أحمد، والنسائي.

وعن النخعي قال: أتى رسول الله ﷺ رجل فقال: إني أريد البحرين في تجارة، فكيف تأمرني في الصلاة؟ فقال: صل ركعتين، رواه سعيد.

[والظاهر أن مراد الخرقي بالمباح الجائز] فيدخل فيه سفر النزهة والفرجة، لعموم ما تقدم، وعن احمد رواية أخرى لا يقصر في الفرجة، لأنه مجرد لهو، لا مصلحة فيه.

وخرج من كلامه سفر المعصية، كالآبق، وقاطع الطريق، [والتاجر في الخمر، ونحو ذلك، فإنهم لا يقصرون، إذ الرخص شرعت تخفيفا وإعانة على المقصد، فشرعها] في سفر المعصية إعانة عليه وأنه لا يجوز، قال سبحانه وتعالى: "وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ" (٢) ولأنه إذا لم يبح له أكل الميتة والحال هذه، مع كونه مضطرا، فلأن لا تخفف عنه بعض العبادة أولى، ودليل الأصل قول الله تعالى: "فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ". (٣)

قال ابن عباس رضي الله عنهما: غير باغ على المسلمين، مخيفا لسبيلهم، ولا عاد بالسيف عليهم شاقا لهم.

وقوله [أي الخرقي]: إذا كان سفره واجبا أو مباحا. يحتمل ابتداءه، فلو قصد سفرا مباحا، ثم صار محرما قصر، وهو أحد الوجهين، كمن وجدت منه معصية في سفره، ويحتمل أن مراده جميع سفره، فلا يقصر والحال ما تقدم، وهو مختار أبي البركات، وقال القاضي في

١) النساء: ١٠١.

٢) المائدة: ٢.

٣) البقرة: ١٧٣

toobaa-elibrary.blogspot.com

تعليقه: إنه ظاهر كلام أحمد. إذ المعصية تناسب قطع التخفيف، ولهذا لو نقل سفر المعصية إلى مباح، وبقي من المدة مسافة القصر قصر، والله أعلم.

هذه مقالات الأئمة، ولم نجد في كتاب مالك شيئا من ذلك، قال صاحب الهداية: ولنا اطلاق النصوص [1]، يعني من الكتاب وهو قوله تعالى: "وَمَن كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ".[2] "وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ".[3]

ومن السنة: قال ﷺ: يمسح المقيم يوما وليلة والمسافر ثلاثة أيام ولياليها. فهذه نصوص متعلقة بالسفر، وقد علقت الرخصة فيها بنفس السفر فزيادة قيد أن لا يكون آبقا أو باغيا أو قاطعا للطريق يجري مجرى النسخ، وقال[4]: ولأن نفس السفر ليس بمعصية، لأن عبارة عن الخروج المديد، وليس فيه شيئ من العصيان، وإنما المعصية ما يكون بعده، أي بعد السفر كالقطع والبغي أو ما يجاوره كالتمرد على الولي وعقوق الوالدين، فصلح السفر متعلق الرخصة لأن ما يكون مشروعا في نفسه، قبيحا لمعنى يتحقق بعده أو يجاوره يصلح أن يتعلق به حكم مشروع كالبيع وقت النداء، والاصطياد في الشبكة المغصوبة، ويقال: الرخصة شرعت كرامة للمسافر لا يمانه والمعصية لا ينافيه فيقتصره العاصي كالمطيع، ونقل عن الإيضاح، قال: ولنا أن السفر إنما صار مبيحا لمشقة ملحقة من نقل الأقدام والغيبة عن الوطن وهذا لا خطر فيه، والخطر إنما يكون بعد انقطاع السفر فجرى ذلك مجرى المقصود لا مجرى معنى الفعل لأن معنى الشيئ ما يأتي مع الصورة وثمرة الشيئ بعد تمام الصورة، فثبت أن الفساد هنا لمعنى راجح إلى المقصود، وذلك مما يقبل الفعل منه فيبقى السفر من حيث أنه يفيد الرخصة مباحا لا خطر فيه، هذا ما ذكر في شروح الهداية، والله أعلم.

---

١) العناية: ٨١/١.

٢) البقرة: ١٨٥.

٣) النساء: ١٠١.

٤) الهداية: ٨١/١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب الجمعة [1]

قد ذكر صاحب المشكاة ثلاثة أبواب في فضائلها ووجوبها وأدائها وخطبتها، وأورد فيها أحاديث ليس فيها محل الخلاف بين الأئمة الذي نحن بصدد بيانه، ونحن أيضا ذكرنا فصولا يتعلق بها غير ما ذكره رحمه الله، ثم نذكر إن شاء الله بينها في مواضع الخلاف مما ذكر في كتبهم، فنقول:

فصل في فضل الجمعة

عن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: الجمعة حج المساكين. وفي رواية: حج الفقراء. رواه ابن زنجويه في ترغيبه والقضاعي وابن عساكر. [2]

وعن أبي هريرة، قال: قال أن رسول الله ﷺ: أفضل الأيام عند الله يوم الجمعة. رواه البيهقي في شعب الإيمان. [3]

وعن أبي قتادة، قال: قال رسول الله ﷺ: إن جهنم تسجر إلا يوم الجمعة. رواه أبو داود. [4]

وعن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: إن من أفضل أيامكم يوم الجمعة فيه خلق آدم، وفيه قبض وفيه النفخة، وفيه الصعقة، فأكثروا علي من الصلاة فيه، فإن صلاتكم معروضة علي. [5]

---

١) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ (الجمعة: ٩.) [الأعظمي]

٢) أخرجه القضاعي في "مسنده" الجمعة حج المساكين (٨١/١) رقم الحديث: ٧٨، ٧٩. وابن عساكر في "تاريخ دمشق" حرف العين: عثمان بن عبد الرحمن بن مسلم (٤٣١/٣٨). وابن زنجويه كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأقوال، الباب السادس في صلاة الجمعة، الفصل الأول في فضائلها (٧٠٧/٧) رقم الحديث: ٢١٠٣١، ٢١٠٣٢.

٣) أخرجه البيهقي في "شعب الإيمان" الصيام: تخصيص أيام العشرة من ذي الحجة (٣١٢/٥) رقم الحديث: ٣٤٧٢.

٤) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب الصلاة يوم الجمعة قبل الزوال (٢٨٤/١) رقم الحديث: ١٠٨٣.

٥) أخرجه البيهقي في "شعب الإيمان" الصلاة، فضل الجمعة (٤٣٢/٤) رقم الحديث: ٢٧٦٨. [فيه: عن أوس بن أبي أوس.]

toobaa-elibrary.blogspot.com

[وفي رواية عن أبي هريرة:] إن يوم الجمعة يوم عيد وذكر، فلا تجعلوا يوم عيدكم يوم صيامكم ولكن اجعلوه يوم ذكر إلا أن تخلطوه بأيام. رواه البيهقي في شعب الإيمان. (١)

وعن جابر قال: قال رسول الله ﷺ: فضل الجمعة في رمضان كفضل رمضان على الشهور. رواه الديلمي في مسند الفردوس. (٢)

وعن أبي بكر رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: ليس عند الله يوم ولا ليلة تعدل الليلة الغراء، أو اليوم الأزهر. (٣)

وعن أبي عبيدة قال: قال رسول الله ﷺ: ليس من الصلوات صلاة أفضل من صلاة الفجر يوم الجمعة في الجماعة وما أحسب من شهدها منكم إلا مغفورا له. رواه الحكيم والطبراني. (٤)

وعن أنس قال: قال رسول الله ﷺ: ليلة الجمعة ويوم الجمعة أربع وعشرون ساعة لله تعالى في كل ساعة منها ست مائة ألف عتيق من النار كلهم قد استوجبوا النار. رواه الخليلي. (٥)

وعن ابن عمرو قال: قال رسول الله ﷺ: ما من مسلم يموت يوم الجمعة أو ليلة الجمعة إلا وقاه الله فتنة القبر. رواه أحمد والبيهقي كذا في جامع الكبير، ورواه صاحب المشكاة عن عبد الله بن عمرو، وقال الترمذي: هذا حديث غريب، وليس إسناده بمتصل. (٦)

وعن جابر، قال: قال رسول الله ﷺ: من مات يوم الجمعة أو ليلة الجمعة أجير من عذاب القبر، وجاء يوم القيامة وعليه طابع الشهداء. (٧)

---

١) أخرجه البيهقي في "شعب الإيمان" الصيام، صوم ثلاثة أيام من كل شهر (٣٧٢/٥) رقم الحديث: ٣٥٨٤.

٢) أخرجه الديلمي في "الفردوس بمأثور الخطاب" باب الفاء (١٢٦/٣) رقم الحديث: ٤٣٥٢. [فيه: عن البراء بن عازب]

٣) أخرجه ابن عساكر في "تاريخ دمشق" حرف الميم، المظفر بن أحمد بن إبراهيم (٣٧٤/٥٨)

٤) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" العشرة، نسبة أبي عبيدة بن الجراح (١٥٦/١) رقم الحديث: ٣٦٦.

٥) أخرجه الخليلي كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأقوال، الباب السادس في صلاة الجمعة، الفصل الأول في فضائلها (٧٠٩/٧) رقم الحديث. ٢١٠٤٤.

٦) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الجنائز، باب ما جاء فيمن مات يوم الجمعة (٣٧٨/٣) رقم الحديث: ١٠٧٤. وأحمد في "مسنده" مسند عبد الله بن عمرو (١٤٧/١١) رقم الحديث: ٦٥٨٢. والبيهقي في "إثبات عذاب القبر" باب ما يرجى في الموت ليلة الجمعة (١٠٣) رقم الحديث: ١٥٥، ١٥٦، ١٥٧.

٧) أخرجه أبو نعيم في "حلية الأولياء" الطبقة الأولى من التابعين، محمد بن المنكدر (١٥٥/٣).

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن ابن عمر قال: قال رسول الله ﷺ: من مات يوم الجمعة أو ليلة الجمعة عوفي من عذاب القبر، وجرى له عمله. رواه الترمذي في الألقاب.[١]

وعن أبي هريرة، قال: قال رسول الله ﷺ: " لا يترك الله أحدا يوم الجمعة إلا غفر له. رواه الخطيب، ورواه الطبراني في الأوسط عن أنس نحوه.[٢]

وعن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: تضاعف الحسنات يوم الجمعة. رواه الطبراني في الأوسط.[٣]

وعن أنس قال: قال رسول الله ﷺ: ليس من أعياد أمتي عيد أفضل من يوم الجمعة، وركعتان في يوم الجمعة أفضل من ألف ركعة في غير يوم الجمعة، وتسبيحة في يوم الجمعة أفضل من ألف تسبيحة في يوم الجمعة. رواه الديلمي.[٤]

وعن علي ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: إذا كان يوم الجمعة نادت الطير الطير، والوحش الوحش والسباع السباع سلام عليكم هذا يوم الجمعة. رواه الديلمي.[٥]

وعن ابن عمر قال: قال رسول الله ﷺ: المسلم يوم الجمعة محرم: فإن صلى الجمعة فقد أحل، فإن جلس إلى أن يصلي العصر كان كمن أتى بحجة وعمرة. رواه أبو إسحاق إبراهيم بن أحمد بن سافلا في معجمه وابن النجار.[٦]

وعن أبي الدرداء قال: قال رسول الله ﷺ: من صلى الجمعة كتبت له حجة متقبلة، فإن صلى العصر كانت له عمرة، فإن يمسي في مكانه لم يسأل الله شيئا إلا أعطاه إياه. رواه الديلمي.[٧]

---

١) كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأقوال، الباب السادس في صلاة الجمعة، الفصل الأول في فضائلها (٧١٩/٧) رقم الحديث: ٢١٠٨٣

٢) أخرجه الخطيب في "تاريخ بغداد" حرف النون، أحمد بن نصر بن حماد (٤٠٥/٦). والطبراني في "المعجم الأوسط" باب العين، من اسمه عبد الملك (١٠٩/٥) رقم الحديث: ٤٨١٧.

٣) أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط" باب الميم، من اسمه محمود (٤٠/٨) رقم الحديث: ٧٨٩٥.

٤) أخرجه الديلمي في "الفردوس بمأثور الخطاب" باب اللام (٣٨٣/٣) رقم الحديث: ٥١٦٦.

٥) أخرجه الديلمي كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأقوال، الباب السادس في صلاة الجمعة، الفصل الأول في فضائلها (٧١٦/٧) رقم الحديث: ٢١٠٦٤.

٦) كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأقوال، الباب السادس في صلاة الجمعة، الفصل الأول في فضائلها (٧٢٠/٧) رقم الحديث: ٢١٠٨٧.

٧) أخرجه الديلمي كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأقوال، الباب السادس في صلاة الجمعة، الفصل الأول في فضائلها (٧٢٠/٧) رقم الحديث: ٢١٠٨٦.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أبي الجعد الضمري، وكانت له صحبة، أن رسول الله ﷺ قال: من ترك ثلاث جمع تهاونا بها، طبع الله على قلبه. أخرجه أبو داود والنسائي والترمذي، ولهذا الحديث طرق كثيرة، ففي بعضها: فقد برئ الله منه، وفي بعضها: كتب منافقا. (١)

وعن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: من ترك أربع جمع من غير عذر فقد نبذ الإسلام وراء ظهره. رواه الشيرازي في الألقاب. (٢)

وعن أبي سعيد قال: قال رسول الله ﷺ: إن الله كتب عليكم الجمعة في مقامي هذا في ساعتي هذه في شهري هذا في عامي هذا إلى يوم القيامة، من تركها من غير عذر مع إمام عادل أو إمام جائر، فلا جمع له شمله ولا بورك له في أمره، ألا ولا صلاة له، ألا ولا حج له، ألا ولا بر له، ألا ولا صدقة له. رواه الطبراني في الأوسط. (٣)

وزاد في رواية البيهقي، عن جابر: ألا ولا وضوء له، ألا ولا زكاة له، ألا ولا حج له، ألا ولا وتر له، حتى يتوب، فإن تاب تاب الله عليه. (٤)

وعن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: الجمعة على من آواه الليل إلى أهله. رواه الترمذي. (٥)

وعن أبي أمامة قال: قال رسول الله ﷺ: الجمعة على الخمسين رجلا، وليس على ما دون الخمسين جمعة. رواه الطبراني في الكبير. (٦)

وعن أم عبد الله الدوسية قالت: قال رسول الله ﷺ: الجمعة واجبة على كل قرية فيها إمام، وإن لم يكونوا إلا أربعة. (٧)

وفي رواية الديلمي: وإن لم يكونوا إلا ثلاثة رابعهم إمامهم. (١)

---

١) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب التشديد في ترك الجمعة (١/٢٧٧) رقم الحديث: ١٠٥٢، والترمذي في "جامعه" أبواب الجمعة، باب ما جاء في ترك الجمعة من غير عذر (٢/٣٧٣) رقم الحديث: ٥٠٠. والنسائي في "سننه" كتاب الجمعة، باب التشديد في التخلف عن الجمعة (٣/٨٨) رقم الحديث: ١٣٦٩.

٢) أخرجه الشيرازي كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأقوال، الباب السادس في صلاة الجمعة، الفصل الثاني في وجوب الجمعة (٧/٧٣١) رقم الحديث: ٢١١٤٨.

٣) أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط" باب الميم من اسمه محمد (٧/١٩٢) رقم الحديث: ٧٢٤٦.

٤) أخرجه البيهقي في "السنن الكبرى" كتاب الجمعة (٣/٢٤٤) رقم الحديث. ٥٥٧٠.

٥) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الجمعة، باب ما جاء من كم تؤتى الجمعة (٢/٣٧٥) رقم الحديث: ٥٠١-٥٠٢.

٦) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب الصاد، جعفر بن الزبير، عن القاسم (٨/٢٤٤) رقم الحديث. ٧٩٥٢.

٧) أخرجه ابن عدي في "الكامل في ضعفاء الرجال" الحكم بن عبد الله بن سعد (٢/٤٨٢).

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن أبي هريرة، قال: قال رسول الله ﷺ: من ترك الجمعة من غير عذر لم يكن له كفارة دون يوم القيامة. رواه الديلمي.(٢)

وعن عائشة، قالت: قال رسول الله ﷺ: من فاتته صلاة الجمعة فليتصدق بنصف دينار.(٣)

وعن سمرة بن جندب، قال: قال رسول الله ﷺ: من فاتته الجمعة فليتصدق بدينار، فإن لم يجد فنصف دينار. رواه أحمد وأبو يعلى والطبراني في الكبير وابن حبان في صحيحه وسعيد بن منصور في سننه وأبو داود والنسائي، وقال أبو داود: قال قدامة بن وبرة: قال رسول الله ﷺ: من فاته الجمعة من غير عذر فليتصدق بدرهم، أو نصف درهم، أو صاع حنطة، أو نصف صاع، وقال أبو داود: رواه سعيد بن بشير، عن قتادة، هكذا، إلا أنه قال: مدا، أو نصف مد، وقال: عن سمرة. وأخرج النسائي المسند الأول فقط.(٤)

وعن [عبد الله بن عباس رضي الله عنهما، قال] عبد الله بن الحارث البصري، وهو ابن عم محمد بن سيرين، قال: خطبنا ابن عباس في يوم ذي ردغ، فأمر المؤذن لما بلغ حي على الصلاة قال: قل: الصلاة في الرحال، فنظر بعضهم إلى بعض، كأنهم أنكروا، فقال: كأنكم أنكرتم هذا؟ إن هذا فعله من هو خير مني يعني النبي ﷺ إنها عزمة، وإني كرهت أن أحرجكم.

وفي رواية أن أؤثمكم فتجيؤون فتدوسون في الطين إلى ركبكم.

وفي أخرى: أن ابن عباس قال لمؤذنه في يوم مطير وكان يوم جمعة، إذا قلت: أشهد أن لا إله إلا الله، وأشهد أن محمدا رسول الله، فلا تقل: حي على الصلاة: قل: صلوا في بيوتكم،

---

١) أخرجه الديلمي كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأقوال، الباب السادس في صلاة الجمعة، الفصل الثاني في وجوب الجمعة (٧٢٥/٧) رقم الحديث: ٢١١١٨.

٢) أخرجه الديلمي كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأقوال، الباب السادس في صلاة الجمعة، الفصل الثاني في وجوب الجمعة (٧٣٣/٧) رقم الحديث: ٢١١٥٦.

٣) أخرجه الخطيب في "تاريخ بغداد" باب الألف، إدريس بن خالد (٤٦٨/٧).

٤) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة: باب كفارة من تركها (٢٧٧/١) رقم الحديث: ١٠٥٣، ١٠٥٤. والنسائي في "سننه" كتاب الجمعة، باب كفارة من ترك الجمعة من غير عذر (٨٩/٣) رقم الحديث: ١٣٧٢. وأحمد في "مسنده" أول مسند البصريين، من حديث سمرة بن جندب (٢٧٧/٣٣) رقم الحديث: ٢٠٠٨٧، (٣٣٠/٣٣) رقم الحديث: ٢٠١٥٩. وابن حبان في "صحيحه" باب صلاة الجمعة، ذكر وصف طبع الله جل وعلا على قلب التارك الجمعة (٢٧/٧) رقم الحديث: ٢٧٨٨، ٢٧٨٩. والطبراني في "المعجم الكبير" باب السين، باب قتادة عن الحسن (٢١٩/٧) رقم الحديث: ٦٩١١، قدامة بن وبرة العجيفي عن سمرة (٢٣٥/٧) رقم الحديث: ٦٩٧٩.

toobaa-elibrary.blogspot.com

فكأن الناس استنكروا، فقال: فعله من هو خير مني، إن الجمعة عزمة، وإني كرهت أن أحرجكم فتمشون في الطين والدحض والزلل. أخرجه البخاري ومسلم، وأخرج الثانية أبو داود.(١)

وعن أبي المليح، عن أبيه، أنه شهد النبي ﷺ زمن الحديبية في يوم جمعة وأصابهم مطر لم تبتل أسفل نعالهم، فأمرهم أن يصلوا في رحالهم. وفي رواية: أن يوم حنين كان يوم مطر، فأمر النبي ﷺ مناديه: أن الصلاة في الرحال. زاد في رواية: أن ذلك كان يوم جمعة. أخرجه أبوداود.(٢)

عن أنس قال: قال رسول الله ﷺ: ألا أخبركم بأهل الجنة؟ من لا يشغله عن الجمعة حر شديد، ولا برد شديد، ولا ردغ. رواه الديلمي.(٣)

وعن جابر قال: قال رسول الله ﷺ: عسى رجل يحضر الجمعة وهو على قدر ميل من المدينة لا يحضر الجمعة، عسى رجل تحضر الجمعة وهو على قدر ميلين من المدينة لا يحضر الجمعة، عسى رجل يكون على قدر ثلاثة أميال من المدينة لا يحضر الجمعة فيطبع الله على قلبه. رواه البيهقي في شعب الإيمان.(٤)

وعن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: إذا كان يوم الجمعة دفعت ألوية الحمد إلى الملائكة إلى كل مسجد يجمع فيه، فيحضر جبريل المسجد الحرام مع كل ملك منهم كتاب وجوههم كالقمر ليلة البدر معهم قراطيس فضة وأقلام ذهب يكتبون الناس على مراتبهم، فمن جاءه قبل خروج الإمام كتب من السابقين، الحديث. [رواه أبو الشيخ في الثواب.](٥)

وعن حارثة بن النعمان، قال: قال رسول الله ﷺ: يتخذ أحدكم السائمة فيشهد الصلاة في جماعة، فتتعذر عليه سائمته فيقول: لو طلبت لسائمتي مكانا هو أكلأ من هذا،

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الأذان، باب الكلام في الأذان (١٢٦/١) رقم الحديث: ٦١٦، كتاب الجماعة، باب هل يصلي الإمام بمن حضر وهل يخطب يوم الجمعة في المطر (١٣٤/١) رقم الحديث: ٦٦٨، كتاب الجمعة، باب الرخصة إن لم يحضر الجمعة في المطر(٦/٢) رقم الحديث: ٩٠١. ومسلم في "صحيحه" كتاب صلاة المسافرين، باب الصلاة في الرحال في المطر (٤٨٥/١) رقم الحديث: ٦٩٩. وابو داود في "سننه" كتاب الجمعة، باب التخلف عن الجماعة في الليلة الباردة (٢٨٠/١) رقم الحديث: ١٠٦٦.

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الجمعة، باب الجمعة في اليوم المطير (٢٧٨/١) رقم الحديث: ١٠٥٧، ١٠٥٨، ١٠٥٩.

٣) أخرجه الديلمي في "الفردوس بمأثور الخطاب" باب الألف (١٣١/١) رقم الحديث: ٤٥٩. [الرداغ = المطر]

٤) أخرجه البيهقي في "شعب الإيمان" الصلاة، فضل الجمعة (٤٢٢/٤) رقم الحديث: ٢٧٥٢.

٥) أخرجه أبو الشيخ كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأقوال، الباب السادس في صلاة الجمعة، الفصل الثالث في آداب الجمعة (٧٤٠/٧) رقم الحديث: ٢١١٨٦

toobaa-elibrary.blogspot.com

فيتحول ولا يشهد إلا الجمعة، فيتعذر عليه سائمته، فيقول: لو طلبت لسائمتي مكانا هو أكلأ من هذا، فيتحول فلا يشهد الجمعة ولا الجماعة، فيطبع على قلبه. رواه أحمد.(١)

وعن سمرة بن جندب، أن النبي ﷺ قال: إذا نعس أحدكم يوم الجمعة فليتحول إلى مقعد صاحبه ويتحول صاحبه إلى مقعده. رواه البيهقي في سننه.(٢)

وعن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: مثل المؤمن يوم الجمعة كالمحرم لا يأخذ من شعره ولا من أظفاره حتى تنقضي الصلاة، قيل: يا رسول الله متى تتأهب للجمعة؟ قال: يوم الخميس. رواه أبو الحسن الصيقلي في أماليه والخطيب.(٣)

وعن الحسن، مرسلا: النوم أو النعاس في الجمعة من الشيطان، فإذا نعس أحدكم فليتحول. رواه ابن أبي شيبة والحاكم حسن.(٤)

وعن ابن عمر قال: قال رسول الله ﷺ: إذا نعس أحدكم في المسجد يوم الجمعة، فليتحول من مجلسه ذلك إلى غيره. رواه أحمد وابن أبي شيبة والحاكم، حسن صحيح.(٥)

وعن عروة مرسلا: من قام من مجلسه يوم الجمعة ثم عاد فهو أحق به.(٦)

وعن جابر قال: قال رسول الله ﷺ: إذا جاء أحدكم يوم الجمعة فلا يقيمن أحدا من مقعده ثم يقعد فيه. رواه الخرائطي في مكارم الأخلاق.(١)

---

١) أخرجه أحمد في "مسنده" أحاديث رجال من أصحاب النبي ﷺ، حديث حارثة بن نعمان (٣٩/٨٣) رقم الحديث: ٢٣٦٧٨.

٢) أخرجه البيهقي في "سننه" كتاب الجمعة، باب النعاس في المسجد يوم الجمعة (٣/٣٣٧) رقم الحديث: ٥٩٢٨.

٣) أخرجه الخطيب في "تاريخ بغداد" باب القاف، قيس بن إبراهيم بن قيس (١٤/٤٧٨). وأبو الحسن الصيقلي كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأقوال، الباب السادس في صلاة الجمعة، الفصل الثالث في آداب الجمعة (٧/٧٤١) رقم الحديث: ٢١١٨٦.

٤) أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الصلوات، النوم يوم الجمعة والإمام يخطب (١/٤٥٤) رقم الحديث: ٥٢٥٢.

٥) أخرجه أحمد في "مسنده" مسند المكثرين من الصحابة، مسند عبد الله بن عمرو (٨/٣٦٢) رقم الحديث: ٤٧٤١، (٨/٤٧٩) رقم الحديث: ٤٨٧٥، (١٠/٣٢٨) رقم الحديث: ٦١٨٧. ابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الصلوات، النوم يوم الجمعة والإمام يخطب (١/٤٥٤) رقم الحديث: ٥٢٥٣. والحاكم في "المستدرك" كتاب الجمعة، وأما حديث حسان بن عطية (١/٤٢٨) رقم الحديث: ١٠٧٥.

٦) أخرجه البيهقي في "السنن الكبرى" كتاب الجمعة: باب الرجل يقوم من مجلس لحاجة عرضت له (٣/٢٣١) رقم الحديث: ٥٩٠٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وفي رواية عنه: لا يقيمن أحدكم أخاه يوم الجمعة، ثم يخالف إلى مقعده فيقعد فيه ولكن يقول: افسحوا. [رواه مسلم.] (٢)

عن الأرقم بن الأرقم قال: قال رسول الله ﷺ: الذي يتخطى رقاب الناس، ويفرق بين الاثنين يوم الجمعة بعد خروج الإمام كالجار قصبه في النار. رواه أبو نعيم. (٣)

وعن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: يطئ أحدكم، ثم يتخطى رقاب الناس ويؤذيهم. (٤)

وعن أنس بن مالك، قال: قال رسول الله ﷺ: قد رأيتك تتخطى رقاب الناس وتؤذيهم، من آذى المسلمين فقد آذاني، ومن آذاني فقد آذى الله عز وجل. رواه البيهقي في شعب الإيمان. (٥)

وعن أنس قال: قال رسول الله ﷺ: من قال صبيحة الجمعة قبل صلاة الغداة: استغفر الله الذي لا إله إلا هو الحي القيوم وأتوب إليه ثلاث مرات، غفر الله له ذنوبه ولو كانت أكثر من زبد البحر. رواه ابن السني والطبراني في الأوسط وابن عساكر وابن النجار، وفيه خصيب بن عبد الرحمن الجزري، ضعفه أحمد ووثقه ابن معين. (٦)

وعنه: من قال هؤلاء الكلمات يوم الجمعة سبع مرات فمات في ذلك اليوم دخل الجنة، ومن قالها في ليلة الجمعة فمات تلك الليلة دخل الجنة، من قال: اللهم أنت ربي لا إله إلا أنت خلقتني، وأنا عبدك وابن أمتك، وفي قبضتك، ناصيتي بيدك، أمسيت على عهدك ووعدك ما استطعت، أعوذ بك من شر ما صنعت، أبوء بنعمتك علي وأبوء بذنبي، فاغفر لي ذنوبي إنه لا يغفر الذنوب إلا أنت. رواه البيهقي في شعب الإيمان وابن النجار. (٧)

---

١) أخرجه الخرائطي في مكارم الأخلاق كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأقوال، الباب السادس في صلاة الجمعة، الفصل الرابع في محظورات الجمعة (٧/٧٤٦) رقم الحديث: ٢١٢٠٩.

٢) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب السلام، باب تحريم إقامة الإنسان من موضعه (٤/١٧١٥) رقم الحديث: ٢١٧٨.

٣) أخرجه أبو نعيم في "معرفة الصحابة" حرف الألف، الأرقم بن أبي الأرقم (١/٣٢٤) رقم الحديث: ١٠٢٥.

٤) أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط" باب الميم، من اسمه موسى (٨/٧٣) رقم الحديث: ٨٠٠١.

٥) أخرجه البيهقي في "شعب الإيمان" الصلاة، فصل الجمعة (٤/٤١٦) رقم الحديث: ٢٧٤١.

٦) أخرجه ابن السني في "عمل اليوم والليلة" باب ما يقول صبيحة يوم الجمعة (٧٥) رقم الحديث: ٨٣. والطبراني في "المعجم الأوسط" باب الميم، من اسمه محمد (٧/٣٥٦) رقم الحديث: ٧٧١٧. وابن عساكر في "تاريخ دمشق" حرف الخاء، خشيش الكندي (١٦/٣٨٢).

٧) أخرجه البيهقي في "شعب الإيمان" الصلاة، فصل الصلاة على النبي ﷺ ليلة الجمعة (٤/٤٤٠) رقم الحديث: ٢٧٨١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: من قال بعد صلاة الجمعة وهو قاعد قبل أن يقوم من مجلسه: سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم وبحمده وأستغفر الله مائة مرة غفر الله له مائة ألف ذنب ولوالديه أربعة وعشرين ألف ذنب. رواه ابن السني والديلمي.(١)

وعن أسماء بنت أبي بكر: من قرأ بعد الجمعة فاتحة الكتاب، وقل هو الله أحد، وقل أعوذ برب الفلق، وقل أعوذ برب الناس حفظ ما بينه وبين الجمعة الأخرى. رواه ابن أبي شيبة.(٢)

اعلم أن فضائل يوم الجمعة كثيرة جليلة غير محصورة في الدنيا والآخرة، وقد ذكر صاحب السعادة في فضيلة يوم الآخرة حديثين مشتملين على فوائد شريفة وحقائق كثيرة وبشارات عظيمة للمؤمنين.

أحدهما ذكره الإمام الشافعي في مسنده، وجمع أبو بكر بن أبي الدنيا طرقه بأسانيد متنوعة مختلفة، أتى جبريل النبي ﷺ بمرآة بيضاء فيها نكتة سوداء، فقال النبي ﷺ: ما هذه ياجبريل؟ فقال: هي الجمعة، فضلت بها وأمتك، فالناس لكم فيها تبع اليهود والنصارى، ولكم فيها خير، وفيها ساعة لا يوافقها مؤمن يدعو الله بخير إلا استجيب له وهو عندنا يوم المزيد، فقال النبي ﷺ: يا جبريل وما يوم المزيد؟ فقال: إن ربك اتخذ في الفردوس واديا أفيح فيه كثيب من مسك، فإذا كان يوم الجمعة أنزل الله سبحانه ما شاء من ملائكته، وحوله منابر من نور، عليها مقاعد النبيين، وحف تلك المنابر، بمنابر من ذهب، مكللة بالياقوت والزبرجد، عليها الشهداء والصديقيون، فجلسوا من ورائهم على ذلك الكثيب فيقول الله عز وجل لهم: أنا ربكم قد صدقتكم وعدى فسلوني أعطكم، فيقولون: ربنا نسألك رضوانك. فيقول: قد رضيت عنكم ولكم علي ما تمنيتم ولدى مزيد، فهم يحبون يوم الجمعة لما يعطيهم فيه ربهم من الخيرات، وهو اليوم الذي استوى فيه ربكم تبارك وتعالى على العرش، وفيه خلق آدم، وفيه تقوم الساعة.(٣)

وثانيهما: وفي كتاب صفة الجنة عن أبي بكر بن أبي الدنيا بإسناد ثابت، من رواية حذيفة: أن النبي ﷺ قال: أتاني جبريل وفي كفه مرآة كأحسن المرايا، وأضوئها، وإذا في وسطها لمعة سوداء، فقلت: ما هذه اللمعة التي أرى فيها؟ قال: هذه الجمعة. قلت: وما

---

١) كما في "كنز العمال" حرف الصاد، كتاب الصلاة من قسم الأقوال، الباب السادس في صلاة الجمعة، الفصل السابس في الساعة المرجوة في يوم الجمعة (٧/٧٦٧) رقم الحديث: ٢١٣٢٩.

٢) أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الدعاء، باب ما ذكر عن قوم مختلفين مما دعوا به (٧٨/٦) رقم الحديث: ٢٩٦٠٢.

٣) سفر السعادة: ٧٩.

toobaa-elibrary.blogspot.com

الجمعة؟ قال: يوم من أيام ربك عظيم، وسأخبرك بشرفه وفضله في الدنيا، وما يرجى فيه لأهله، وباسمه في الآخرة. فأما شرفه وفضله في الدنيا فإن الله جمع فيه أمر الخلق، وأما ما يرجى فيه لأهله فإن فيه ساعة لا يوافقها عبد مسلم أو أمة مسلمة يسأل الله فيه خيرا إلا أعطاه إياه.

وأما شرفه وفضله في الآخرة واسمه فإن الله تبارك وتعالى إذا صير أهل الجنة إلى الجنة وأهل النار إلى النار، جرت عليهم هذه الأيام وهذه الليالي ليس فيها ليل ولا نهار. فاعلم الله عز وجل مقدار ذلك وساعاته، فإذا كان يوم الجمعة حين يخرج أهل الجنة [إلى جنتهم نادى أهل الجنة مناد: يا أهل الجنة] اخرجوا إلى وادي الزيد، ووادي المزيد لا يعلم سعته وطوله وعرضه إلا الله، فيه كثبان المسك رءوسها في السماء.

قال: فيخرج غلمان الأنبياء بمنابر من نور، ويخرج غلمان المؤمنين بكراسي من ياقوت. فإذا وضعت لهم وأخذ القوم مجالسهم بعث الله تعالى إليهم ريحا تدعى المثيرة تنثر ذلك المسك، وتدخله من تحت ثيابهم وتخرجه في وجوههم وأشعارهم تلك الرياح.

أعلم كيف يصنع بذلك المسك من امرأة أحدكم لو رفع إليها كل طيب على وجه الأرض. قال: ثم يوحي الله تبارك وتعالى إلى حملة عرشه ضعوه بين أظهرهم، فيكون أقل ما يسمعون منه: أن يا عبادي الذين أطاعوني بالغيب ولم يروني وصدقوا برسلي واتبعوا أمري سلوا فهذا يوم المزيد، فيجتمعون على كلمة واحدة "رضينا عنك، فارض عنا" فيرجع الله إليهم: أن يا أهل الجنة إني لو لم أرض عنكم لم أسكنكم داري، فسلوني فهذا يوم المزيد، فيجتمعون على كلمة واحدة، "ربنا أرنا وجهك ننظر إليه" فيكشف عن تلك الحجب، ويتجلى لهم عز وجل [من نوره شيء، لولا أنه قضى أن لا يحرقوا لاحترقوا،] لما يغشاهم من نوره، ثم يقال لهم: ارجعوا إلى منازلكم، فيرجعون إلى منازلهم، وقد أعطي كل واحد منهم الضعف على ما كانوا فيه، فيرجعون إلى أزواجهم، وقد خفوا عليهم، وخفين عليهن بما غشيهم من نوره، فإذا رجعوا تراد النور حتى يرجعوا إلى صورهم التي كانوا عليها، فتقول لهم أزواجهم: لقد خرجتم من عندنا على صورة، ورجعتم على غيرها، فيقولون: ذلك إن الله عز وجل تجلى لنا فنظرنا منه، قال: إنه والله ما أحاطه خلق ولكنه قد أراهم الله عز وجل من عظمته وجلاله ما شاء أن يريهم. قال: فذلك قولهم: فنظرنا منه، قال: فهم يتقلبون في مسك الجنة، ونعيمها في كل سبعة أيام الضعف على ما كانوا فيه.

toobaa-elibrary.blogspot.com

قال رسول الله ﷺ فذلك قوله تعالى: " فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ" [١]، وفي لفظ: فإذا كان يوم الجمعة من أيام الآخرة هبط الرب عز وجل من عرشه إلى كرسيه: ويحف الكرسي منابر من نور فيجلس عليها النبيون، وتحف المنابر بكراسي من ذهب فيجلس عليها الصديقون والشهداء، ويهبط أهل الغرف من غرفهم فيجلسون على كثبان المسك لا يرون لأهل المنابر والكراسي فضلا في المجلس، ثم يتبدى لهم ذو الجلال تبارك وتعالى، فيقول: سلوني [فيقولون بأجمعهم: نسألك الرضا يارب، فيشهد لهم على الرضا، ثم يقول: سلوني] فيسألونه حتى تنتهي نهمة كل عبد منهم قال: ثم يغشى عليهم بما لا عين رأت ولا أذن سمعت ولا خطر على قلب بشر، ثم يرتفع الجبار عن كرسيه إلى عرشه، ويرتفع أهل الغرف إلى غرفهم وهي غرفة من لؤلؤة بيضاء أو ياقوتة حمراء أو زمردة خضراء ليس فيها فصم ولا وصم مطردة فيها أنهار متدلية فيها ثمارها فيها أزواجها وخدمها ومساكنها قال: فأهل الجنة يتباشرون في الجنهة بيوم الجمعة كما يتباشر أهل الدنيا في الدنيا بالمطر. [٢]

هذه الأحاديث ذكرها صاحب سفر السعادة، ولقد استقصى في ذكر فضائل الجمعة وخصائصها بما لا مزيد عليه، وكذلك في الجامع الكبير كما نقلنا، وصاحب المشكاة أيضا أورد أحاديث، وفي شيئ منها ما يكون محل خلاف الأئمة، وذكرنا منها ما وجدنا في كتبهم في هذه التنبيه، والله أعلم.

تنبيه

اعلم أن الكلام في فرضية الجمعة وشرائطها طويل مذكور في كتب المذاهب والخلاف بين الأئمة في مواضع.

أولها في المصر:

فعند الشافعي شرط الجمعة أن في خطة بلدة أو قرية، وفسروا الخطة بدار الإقامة: فلا يقام الجمعة خارج الخطة لأنها كانت لا يقام في عصر رسول الله ﷺ، ولا في عصر الخلفاء الراشدين إلا في مواضع الإقامة، ولو لا أنه شرط الأبنية أن يقيموها في غيرها كسائر الجماعات.

١) سفر السعادة: ٧٩-٨١.

٢) السجدة: ١٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

والمراد بدار الإقامة الأبنية يستوطنها المقيمون للجمعة وما فيها من القضاء، لأنه معدود من الخطة، ويستوي في ذلك البلاد والقرى والأتراب التي يتخذ وطنا، والأبنية من الحجر والطين والخشب دون الخيام المضروبة في الصحراء، وأن استوطنها أهلها صيفا وشتاء، لأن قبائل العرب كانوا مقيمين حول المدينة وما كانوا يصلون الجمعة، ولا أمرهم رسول الله ﷺ بذلك كذا ذكر في الحاوي وشرحه [1].

وهكذا مذهب أحمد بشرط الاستيطان، فيجوز في القرية بشرط الاستيطان، قالوا: والوطن القرية المبنية بما جرت العادة به من حجر أو شجر أو قصب، فلا جمعة على أهل الكلل والخيام، كذا ذكر في شرح الخرقي. [2]

ويشرط المصر عندنا، وكذا عند مالك، قال في رسالة ابن أبي زيد، [3] والجمعة تجب بالمصر والجماعة والخطبة.

قال في الهداية: لا تصح الجمعة إلا في مصر جامع أو في مصلى المصر ولا تجوز في القرى، لقوله عليه الصلاة والسلام: لا جمعة ولا تشريق ولا فطر ولا أضحى إلا في مصر جامع، أو في مصلى المصر. [4]

قال الشيخ ابن الهمام: والمراد به فناؤه هو المكان المعد لمصالح المصر متصل به أو منفصل بغلوة، كذا قدره محمد في النوادر، وقيل بميل، وقيل بميلين، وقيل بثلاثة أميال، وقيل إنما تجوز في الفناء إذا لم يكن بينه وبين المصر مزرعة، [إلا أنه لما أعطى اشتراط المصلى].

قال المصنف: والحكم غير مقصور على المصلى بل تجوز في جميع أفنية المصر: أي وإن لم يكن في مصلى فيها، ثم قال الشيخ الحديث رفعه المصنف.

وإنما رواه ابن أبي شيبة موقوفا على علي ﷺ: لا جمعة ولا تشريق ولا صلاة فطر ولا أضحى إلا في مصر جامع أو في مدينة عظيمة، صححه ابن حزم، ورواه عبد الرزاق من حديث عبد الرحمن السلمي عن علي ﷺ قال: لا تشريق ولا جمعة إلا في مصر جامع، وكفى بقول علي ﷺ حجة.

---

١) الحاوي الصغير: ١٨٨.

٢) شرح الزركشي على مختصر الخرقي: ٢/١٩٩-٢٠٠.

٣) رسالة ابن أبي زيد: ٣٥

٤) الهداية: ١/٨٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وأما ما روى ابن عباس رضي الله عنهما: أن أول جمعة جمعت بعد جمعة في مسجد رسول الله ﷺ بجواثا قرية بالبحرين. فلا ينافي للمصرية تسمية الصدر الأول اسم القرية، إذ القرية تقال عليه في عرفهم وهو لغة القرآن، قال الله تعالى: "وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَى رَجُلٍ مِنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ" (١) أي مكة والطائف،(٢) ولا شك أن مكة مصر.

وفي الصحاح أن جواثا حصن بالبحرين فهي مصر، [إذ لا يخلو الحصن عن حاكم عليهم وعالم، ولذا قال في المبسوط: إنما مدينة في البحرين،] وكيف والحصن يكون بأي سور ولا يخلو ما كان كذلك عما قلنا عادة، وما روي عن عبد الرحمن بن كعب عن أبيه كعب بن مالك أنه قال: أول من جمع بنا في حرة بني بياضة أسعد بن زرارة، وكان كعب إذا سمع النداء ترحم على أسعد بذلك [قال: قلت كم كنتم؟ قال: أربعون،] فكان قبل مقدم النبي صلى الله عليه وسلم المدينة، ذكره البيهقي وغيره من أهل العلم فلا يلزم حجة؛ لأنه كان قبل أن تفرض الجمعة، وبغير علمه ﷺ أيضا على ما روي في القصة أنهم قالوا: لليهود يوم يجتمعون فيه كل سبعة أيام، وللنصارى يوم، فلنجعل يوما نجتمع فيه نذكر الله تعالى ونصلي، فقالوا: يوم السبت لليهود، ويوم الأحد للنصارى، فاجعلوه يوم العروبة، فاجتمعوا إلى مسجد فصلى بهم وذكرهم وسموه يوم الجمعة، ثم أنزل الله فيه بعد قدوم النبي ﷺ المدينة فتذكر عند هذا ترك النبي صلى الله عليه وسلم [التراويح لما اجتمعوا إليه في الليلة الثالثة مخافة أن يؤمر به،] ولو سلم فتلك الحرة من أفنية المصر وللفناء حكم المصر، فسلم حديث علي عن المعارض، ثم يجب أن يحمل على كونه سماعا؛ لأن دليل الافتراض من كتاب الله تعالى يفيده على العموم في الأمكنة فإقدامه على نفيها في بعض الأماكن لا يكون إلا عن سماع؛ لأنه خلاف للقياس المستمر في مثله، وفي الصلوات الباقيات أيضا.

والقاطع للشغب أن قوله تعالى: "فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ" (٣) ليس على إطلاقه اتفاقا بين الأمة إذ لا يجوز إقامتها في البراري إجماعا.

ولا في كل قرية عنده، بل بشرط أن لا يظعن أهلها عنها أهلها صيفا ولا شتاء، فكان خصوص المكان مرادا فيها إجماعا، فقدر القرية الخاصة وقدرنا المصر وهو أولى لحديث علي رضي الله عنه، وهو لو عورض بفعل غيره كان علي رضي الله عنه مقدما عليه، فكيف ولم يتحقق معارضة

---

١) الزخرف: ٣١.
٢) المدينة [٣/٨٩]
٣) الجمعة: ٩.

toobaa-elibrary.blogspot.com

ما ذكرنا إياه، ولهذا لم ينقل عن الصحابة أنهم حين فتحوا البلاد اشتغلوا بنصب المنابر والجمع إلا في الأمصار دون القرى، ولو كان لنقل ولو آحادا، ولو مصر الإمام موضعا وأمرهم بالإقامة فيه جاز، ولو منع أهل مصر أن يجمعوا لم يجمعوا، ولو مصر مصرا ثم نفر الناس عنه لخوف ونحوه ثم عادوا لا يجمعون إلا بإذنه. (١)

وقد يستدل على إقامة الجمع في القرية بجوازها في المنى، وهي قرية.

والجواب: إنها تتمصر في أيام الموسم لاجتماع من ينفذ الأحكام ويقيم الحدود والأسواق والسكك، قيل فيها ثلاث سكك، وغاية ما فيها أنه يزول تمصرها بزوال الموسم، وذلك غير قادح في مصريتها قبله، إذ ما من مصر إلا ويزول تمصره في الجملة ومع ذلك تقام فيه الجمعة، [وهذا يفيد أن الأولى في الذي قدمناه من قرى مصر أن لا يصح فيها إلا حال حضور المتولي، فإذا حضر صحت وإذا ظعن امتنعت، والله أعلم.]

وعدم التقييد للتخفيف لا لكونها غير مصر، لأن الحجاج مشتغلون بالمناسك والعيد فوضع عنهم صلاة العيد لأنها لازم فيها فيحصل من إلزامه مع اشتغالهم بما هم فيه الحرج.

أما الجمعة فليست بلازمة، بل إنها تتفق في أحيان من الزمان فلا حرج مع أنها فريضة والعيد سنة أو واجب، بخلاف الجمعة فإنها فرض، كذا قيل.

وقيل: إن منى من أفنية مكة، وهذا فاسد؛ لأن بينهما فرسخين، وتقدير الفناء بذلك غير صحيح.

قال محمد في الأصل: إذا نوى المسافر أن يقيم بمكة ومنى خمسة عشر يوما لا يصير مقيما فعلم اعتبارهما شرعا موضعين، ولا جمع بعرفات في قولهم "جميعا" لأنها فضاء، وبمنى أبنية وليست بفناء لأن بينها وبين مكة أربع فراسخ. (٢)

وثانيها: وجود السلطان أو نائبه:

فعندنا ذلك شرط لإقامة الجمعة، والمراد بالسلطان الخليفة، والوالي الذي ليس فوقه وال، ومن عداه كالأمير والوالي والقاضي وصاحب الشرط والخطيب المتغالب الذي لا منشور له من الخليفة إذا كانت سيرته في رعيته سيرة الأمراء يحكم فيما بين رعيته لأنه كالسلطان في جواز إقامة الجمعة، كذا في بعض شروح الهداية.

---

١) فتح القدير: ٢/٥٠-٥٢.

٢) فتح القدير: ٢/٥٤.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقال الشافعي: وجود السلطان ليس بشرط اعتبار بسائر المكتوبات، ولأن عليا رضي الله عنه صلى بالناس الجمعة حين كان عثمان ﷺ محصورا، ولم يروا أنه بأمر عثمان، وفيه أنه يحتمل أن عليا فعل بإذن عثمان.

والمحتمل لا يكون حجة، ولو فعل بإذنه فإنما فعل لأن الناس اجتموا عليه وعند ذلك يجوز، لأن الناس احتاجوا إلى إقامة الفرض فاعتبر اجتماعهم. وقال في الهداية في تعليل اشتراط السلطان أو نائبه [١]: أن الجمعة تقام بجمع عظيم وقد تقع المنازعة في التقدم والتقديم أي بنفسه والتقديم لغيره على ما عليه الجبلة البشرية، وقد تقع أي المنازعة في غيره والتقديم مثل التأخير، والتأخير فلا بد منه أي من السلطان أو نائبه تتميما لأمره أي ليتم أداء الجمعة وتسكين الفتنة فكان شرطا ولا يصح اعتباره بسائر الصلوات لأنها ليست كسائرها، فإنها يشترط لها من الشرائط ما لا يشترط لغيرها، هذا تقرير الهداية وظاهره يفيد الأولوية والاحتياط عقلا الاشتراط وعدم جواز الصلاة بدونه شرعا.

وقال الشيخ ابن الهمام: حقيقة هذا الوجه أن اشتراط السلطان كي لا يؤدي إلى عدمها كما يفيده فلا بد منه تتميما لأمره: أي لأمر هذا الفرض أو الجمع، فإن ثوران الفتنة يوجب تعطيله، [وهو متوقع إذا لم يكن التقدم عن أمر سلطان تعتقد طاعته] أو تخشى عقوبته، فإن التقدم على جميع أهل المصر بعد شرفا ورفعة فيتسارع إليه كل من مالت همته إلى الرياسة فيقع التجاذب والتنازع وذلك يؤدي إلى التقاتل.

وما روي عن علي، أن عليا ﷺ أقام بالناس وعثمان ﷺ محصور واقعة حال، فيجوز كونه عن إذنه كما يجوز كونه من غير إذنه فلا حجة فيه لفريق، فيبقى قوله صلى الله عليه وسلم: ومن تركها وله إمام جائر أو عادل، فلا جمع الله شمله ولا بارك له في أمره، ألا ولا صلاة له، الحديث رواه ابن ماجه [٢] وغيره، حيث اشترط في لزومها الإمام، كما يفيده قيد الجملة الواقعة حالا مع ما عيناه من المعنى سالمين من المعارض. وقال الحسن: أربع إلى السلطان، وذكر منها الجمعة والعيدين، ولا شك أن إطلاق قوله تعالى "فَاسْعَوْا" [٣] مقيد بخصوص مكان ومخصوص منه كثير كالعبيد والمسافرين فجاز تخصيصه بظني آخر فيخص بمن أمره السلطان أيضا. [٤]

---

١) الهداية: ٨٢/١.

٢) أخرجه ابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب في فرض الجمعة (٣٤٣/١) رقم الحديث: ١٠٨١.

٣) الجمعة: ٩.

٤) فتح القدير: ٥٥/٢-٥٦.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وثالثها: الخطبة واشتراطها:

متفق عليه، لأن النبي ﷺ ما صلاها بدون الخطبة في عمره، والخلاف في طوله وقصره، فعند الإمام أبي حنيفة إن اقتصر على ذكر الله تعالى جاز، وقالا: لا بد من ذكر طويل يسمى خطبة، قيل أقله عندهما قدر التشهد، والتسبيحة والتحميد لا يسمى.

وقال الشافعي: لا يجوز حتى يخطب خطبتين اعتبارا للمتعارف المتوارث، وكذا عند أحمد في ظاهر المذهب، لأن النبي ﷺ كان يخطب خطبتين وفعله وقع بيانا لمجمل الذكر المأمور به في الآية الكريمة، ولأن الخطبتين بدل الركعتين فتكونان واجبتين كهما.

وقيل عن أحمد ما يدل على أن الواجب خطبة واحدة ولا عمد عليه، وكلام مالك في الرسالة ساكت عن التفصيل في الاختصار والتطويل.

وكذا عن عدد الجماعة ثلاثة أو أربع، ولأبي حنيفة قوله تعالى: "فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ" [1] من غير فصل بين الطويل والقصر، وذكر الله مطلق فالمفروض مطلق الذكر، فمن زاد عليه شيئا آخر للجواز فقد نسخ المطلق، ونسخه لا يجوز، وليس بمجمل حتى يكون السنة بيانا له، مكان العمل به، فيعمل بالسنة تكميلا لا نسخا، ولأن قوله: الحمد لله كلمة وحدة تحتها معان جمة، وكذا سبحان الله، ولأنها للخطبة فيتعلق الوجوب بالأدنى على أن قصر الخطبة مندوب إليه، قال ﷺ: من فقه الرجل طول الصلاة وقصر الخطبة، وقال عمار رضي الله عنه: سمعت رسول الله ﷺ يقول: أن طول صلاة الرجل وقصر الخطبة منبئة من فقهه، فأطولوا الصلاة واقصروا الخطبة فإن من البيان لسحرا، ذكره صاحب المشكاة. [2]

قال الشيخ ابن الهمام: أمر الله سبحانه بالسعي إلى ذكر الله من غير فصل بين كونه ذكرا طويلا يسمى خطبة أو ذكرا لا يسمى خطبة فكان الشرط الذكر الأعم بالقطع، غير أن المأثور عنه ﷺ اختيار أحد الفردين: أعني الذكر المسمى بالخطبة والمواظبة عليه فكان ذلك واجبا أو سنة، لا أنه الشرط الذي لا يجزئ غيره إذ لا يكون بيانا؛ لعدم الإجمال في لفظ الذكر، وقد علم وجوب تنزيل المشروعات على حسب أدلتها، فهذا الوجه يغني عن قصة عثمان فإنها لم تعرف في كتب الحديث بل في كتب الفقه، وهي أنه لما خطب في أول جمعة ولي الخلافة صعد المنبر فقال: الحمد لله، فأرتج عليه، فقال: إن أبا بكر وعمر كانا يعدان لهذا المقام مقالا وأنتم إلى إمام فعال

---

١) الجمعة: ٩.

٢) مشكاة المصابيح، باب الخطبة والصلاة، الفصل الأول (١/٤٤٢) رقم الحديث: ١٤٠٦.

toobaa-elibrary.blogspot.com

أحوج منكم إلى إمام قوال، وستأتيكم الخطب بعد وأستغفر الله لي ولكم، ونزل وصلى بهم لم ينكر عليه أحد منهم، فكان إجماعا منهم، إما على عدم اشتراطها.

وإما على كون نحو الحمد لله ونحوها تسمى خطبة لغة وإن لم تسم به عرفا، ولهذا قال ﷺ للذي قال: من يطع الله ورسوله فقد رشد ومن يعصهما فقد غوى بئس الخطيب أنت، فسماه خطيبا بهذا القدر من الكلام، والخطاب القرآني إنما تعلقه باعتبار المفهوم اللغوي؛ لأن الخطاب مع أهل تلك اللغة بلغتهم يقتضي ذلك؛ ولأن هذا العرف إنما يعتبر في محاورات الناس بعضهم لبعض [للدلالة على غرضهم، فأما في أمر بين العبد وربه تعالى فيعتبر فيه حقيقة اللفظ] لغة، ثم يشترط عنده في التسبيحة والتحميدة أن تقال على قصد الخطبة، فلو حمد لعطاس لا يجزئ عن الواجب، ومقتضى هذا الكلام أنه لو خطب وحده من غير أن يحضره أحد أنه يجوز، وهذا الكلام هو المعتمد لأبي حنيفة فوجب اعتبار ما يتفرع عنه، وفي الأصل قال فيه روايتان، فليكن المعتبر إحداهما المتفرعة على الأخرى لا بد من حضور واحد. انتهى كلام الشيخ، فتدبر.[1]

وفي كلام الخرقي تفصيلات في الحمد والثناء على المنبر والموعظة والقراءة، وقال:[2] ويشترط الإتيان بلفظ الصلاة على النبي ﷺ عند العامة، وعند أبي البركات، يكتفي بنحو: وأن محمدا عبده ورسوله. فالواجب عنده ذكر الرسول ﷺ لا لفظ الصلاة، اعتمادا على ظاهر حديث أبي هريرة في "وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ".[3]

وقال الخرقي[4]: وإن أراد أن يدعو لإنسان دعا.

وقال في الشرح[5]: أي للسلطان ونحوه، لأن صلاحه صلاح المسلمين، ولأن الدعاء للمعين يجوز في الصلاة على الصحيح، فكيف بالخطبة، ولا يستحب ذلك، لما فيه من مخالفة السبب، نعم دعاؤه للمسلمين مستحب، لأن النبي ﷺ دعا في خطبة الجمعة مستسقيا. ويستحب رفع اليد في الدعاء عند ابن عقيل، لعموم مطلوبية رفع الأيدي في الدعاء، وهو بدعة عند أبي البركات، لما روى عمارة بن رؤيبة، أنه رأى بشر بن مروان على المنبر رافعا

---

1) فتح القدير: ٢/٥٩-٦٠.
2) شرح الزركشي: ٢/١٧٨-١٧٩.
3) الشرح: ٤.
4) مختصر الخرقي: ٣١.
5) شرح الزركشي: ٢/١٧٨-١٧٩.

toobaa-elibrary.blogspot.com

يديه، فقال: قبح الله تينك اليدين، لقد رأيت رسول الله ﷺ ما كان يزيد على أن يقول بيده هكذا، وأشار بأصبعه المسبحة. رواه مسلم، وأبو داود، والترمذي، والنسائي.(١)

ورابعها: الجماعة:

وهي أيضا متفق عليها والخلاف فيما هو في عدد الجماعة، وأقلهم عند أبي حنيفة ثلاثة سوى الإمام، ولا يشترط كونهم ممن يحضر الخطبة، وقالا: اثنان سوى الإمام، والأصح أن هذا قول أبي يوسف له في الجماعة معنى الاجتماع الذي يبنى عليه الجمعة، فحصل ما دل عليه لفظ الجمعة.

وأيضا له حكم الجماعة حتى تقدم الإمام عليهما فيكون الجماعة المستثنى جماعة ويتحقق شرط الجمعة فلا يشترط الزيادة على ما يتحقق به الاجتماع، ولهما أن الجمع الصحيح إنما هو الثلاث؛ لأنه جمع تسمية ومعنى فظاهر.

وأما تسميته فلأن اسم الجمع كرجال ومسلمين لا يقع على أقل منه لأن أهل اللغة فصلوا بين التثنية والجمع في المضمر والمظهر، فقالوا: هو مسلم وهما مسلمان وهم مسلمون، وإذا لم يقع على أقل منه لم يكن الاثنان جمعا تسمية. فلم لكن جمعا من كل وجه وجواز الجمعة عرفا أيضا بخلاف القياس بشرط الجماعة فما لم يثبت الجماعة من كل وجه معنى، وتسمية لا يتأدى الجمعة لأن الأصل في كل ثابت كما له إذ في النقصان شبهة العدم خصوصا في شروط الجمعة إذا يظهر فرض بالنص فلا يسقط الذمة عنه بأداء الجمعة إلا بتيقن، ولا يلزم قوله عليه السلام: الاثنان وما فوقها جماعة لأنه محمول على سنة تقدم الإمام أو على المواريث والوصايا أو على إباحة المسافر فإن في بدء الإسلام إذا سافر واحدا قيل عيلة، فقال عليه السلام الواحد شيطان والاثنان شيطانان أي في تحريم المسافرة والثلاثة ركب أي في حد المسافرة، فلما أظهر الإسلام ورسخ محاسنه في عقائدهم ودفع عن الاعتبار، قال: اثنان وما فوقها جماعة أي في حل المسافرة بخلاف المثنى فإنه ليس بمجموع صحيح فيحمل أمر الجماعة على الجمع الصحيح لأنه هو المطلق حتى يقوم الدليل على إرادة الاثنين كما قال قد صغت قلوبكما، ولا نكاح إلا بشهود، فإن قيل إن ما ذكرتم من المعنى موجود في المثنى مع الإمام لأن المجموع ثلاثا، قلنا: الجماعة شرط على حدة.

---

١) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب صلاة المسافرين، باب تخفيف الصلاة والخطبة (٥٩٥/٢) رقم الحديث: ٨٧٣. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب رفع اليدين على المنبر (٢٨٩/١) رقم الحديث: ١١٠٤. والترمذي في "جامعه" أبوب الجمعة، باب ما جاء كراهية رفع الأيدي على المنبر (٣٩١/٢) رقم الحديث: ٥١٥. والنسائي في "سننه" كتاب الجمعة، باب الإشارة في الخطبة (١٠٨/٣) رقم الحديث: ١٣١٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

كذا الإمام لأن قوله تعالى: "فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ" (١) يدل على أن المأمور بالسعي غير المذكور هو الإمام والمأمورون بالسعي الجماعة، وما دون الإمام فيما نحن فيه جمع من حيث المعنى إلا من حيث التسمية فلا يصح الجمعة بخلاف سائر الصلاة، لأن الإمام في سائر الصلاة ليس بشرط للجواز، وكذلك الجماعة فامكننا أن نعتبر الإمام من القوم، وإذا اعتبر منهم كانوا جماعة فوجب رعاية سنة الاصطفاف، ولما كان الجماعة والإمام كل واحدة منهما شرطا على حدة لا يدخل واحدهما في الآخر، وإلا لما كان بانفراده شرطا حينئذ. هذا تقرير مذهب الإمام في الهداية وشروحه.

وقال الشافعي: يشترط أربعون ذكرا مكلفا حرا متوطنا لا يظعن إلا لحاجة، وإن نقصوا يطاب أي إن نقص العدد المذكور في شيئ من أجزاء الصلاة، فيشترط العدد في جميع أجزائها لا يشترط في الابتداء، فيكون شرطا في جميع الأجزاء كالوقت والإمامة. كذا في الحاوي وشرحه. (٢)

ومذهب الإمام الأحمد مثله، قال في كتاب الخرقي: وإذا لم يكن في القرية أربعون رجلا عقلاء لم تجب عليهم الجمعة وإن صلوا أعادوها ظهرا. (٣)

وفي شرحه: يشترط لصحة الجمعة وانعقادها حضور أربعين رجلا، حرا مكلفا، مستوطنا، مقيما، في المشهور من الروايات.

قال ابن الزاغوني: اختاره عامة المشايخ، لما روى عبد الرحمن بن كعب بن مالك، وكان قائد أبيه بعد ما ذهب بصره، عن أبيه كعب أنه كان إذا سمع النداء يوم الجمعة ترحم لأسعد بن زرارة، قال: فقلت له: إذا سمعت النداء ترحمت لأسعد بن زرارة؟ قال: لأنه أول من جمع بنا، في هزم النبيت من حرة بني بياضة، في بقيع يقال له بقيع الخضمات. قلت: كم كنتم يومئذ؟ قال: أربعون رجلا رواه أبو داود. وقال أحمد في رواية الأثرم: بعث النبي صلى الله عليه وسلم مصعب بن عمير إلى أهل المدينة، فلما كان يوم الجمعة جمع بهم [وكانوا أربعين] وكانت أول جمعة جمعت، ويقال: إن هذه الجمعة هي المنسوبة إلى أسعد بن زرارة، وهذا صريح في انعقاد الجمعة بأربعين، [فاقتصرنا عليه، إذ التجميع تغيير فرض، فلا يصار إليه إلا بنص أو اتفاق،] ولم يثبت ذلك.

---

١) الجمعة: ٩

٢) الحاوي الكبير: ٤٠٧/٢.

٣) مختصر الخرقي. ٣١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقد روي عن جابر قال: مضت السنة أن في كل أربعين فما فوق ذلك جمعة، وأضحى، وفطرا. رواه الدارقطني، لكنه ضعيف.

والرواية الثانية: لا تنعقد إلا بخمسين، لما روي عن أبي أمامة أن النبي ﷺ قال: على الخمسين جمعة، وليس فيما دون ذلك، رواه الدارقطني.

والرواية الثالثة: تنعقد بثلاثة. لإطلاق "فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ" [١] " فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا " [٢] وهذا جمع، وأقله ثلاثة.

والرواية الرابعة: تنعقد بسبعة، حكاها ابن حامد. وعلى جميع الروايات هل يشترط كون الإمام زائدا على العدد المعتبر؟ فيه روايتان، أصحهما: لا. إذا تقرر هذا فمتى كان في القرية دون العدد المعتبر فإن الجمعة لا تجب عليهم، لفقد الشرط، ومتى صلوا جمعة أعادوا ظهرا، لأنه الواجب عليهم، لا ما فعلوه.

وقد أشعر كلام الخرقي بجواز إقامة الجمعة في القرى، وأنه لا يشترط لها المصر، وهو كذلك لما تقدم من حديث أسعد بن زرارة، ولأجل هذا الحديث جوز أصحابنا إقامتها فيما قارب البنيان من الصحراء، والله أعلم. [٣]

وقال الشيخ ابن الهمام: لا حجة للشافعي في حديث أسعد بن زرارة أنهم كانوا أربعين، كما لا حجة لمن نفى اشتراط الأربعين بأن يوم النفور بقي معه ﷺ اثنا عشر.

أما الأول؛ فلأن اتفاق كون عددهم أربعين في ذلك اليوم لا يقتضي تعين ذلك العدد شرعا، وما رواه عن جابر: مضت السنة أن في كل ثلاثة إماما وفي كل أربعين فما فوقه جمعة وأضحى وفطرا ضعيف. قال البيهقي: لا يحتج بمثله.

وأما الثاني فلأن كون الباقي اثني عشر أو أحد عشر أو ثمانية عشر على اختلاف الروايات قابله رواية كون الباقي أربعين الكل أقوال منقولة في الباقي، وتصحيح متعين منها بطريقة لم يثبت لنا.

وأيضا بقاء أولئك لا يستلزم الشروع بهم لجواز شروعه بأكثر بأن رجعوا أو جاء غيرهم فصار المتحقق كون الشرط الجماعة، فقال أبو يوسف: مسمى الجماعة متحقق في الاثنين وكون الجمع الصيغي أقل مدلوله ثلاثة لا يمس ما نحن فيه، إذ الشرط ليس جماعة

---

١) الجمعة: ٩.

٢) الجمعة: ١٠.

٣) شرح الزركشي: ٢/١٩٣-١٩٦.

toobaa-elibrary.blogspot.com

تكون مدلول صيغة الجمع، وهما قالا بل الشرط ذلك؛ لأن قوله تعالى "فاسعوا" صيغة جمع فقد طلب الحضور معلقا بلفظ الجمع، وهو الواو إلى ذكر يستلزم ذاكرا فلزم الشرط جمعا هو مسمى لفظ الجمع مع الإمام وهو المطلوب. انتهى.[1]

وخامسها: تعدد الجمعة في بلدة واحدة هل تجوز أم لا؟

وهذا أيضا مختلف فيه، فعند الشافعي لا يجوز،[2] لأن النبي ﷺ والخلفاء بعده لم يفعلوا إلا كذلك، ولأن المقصود إظهار شعائر الاجتماع واتفاق كلمة المسلمين، فليقتصر على الواحد لأنه أقضى إلى هذا المقصد، ولم نجد ذكر هذه المسئلة في كتاب الإمام مالك وأحمد.

وأما المذهب عندنا فالمشهور أن عند أبي حنيفة لا يجوز تعددها في مصر واحد، و[كذا روى أصحاب الإملاء] عن أبي يوسف أنه لا يجوز في مسجدين في مصر إلا أن يكون بينهما نهر كبير حتى يكون كمصرين، وكان يأمر بقطع الجسر ببغداد لذلك، فإن لم يكن فالجمعة لمن سبق، فإن صلوا معا أو لم تدر السابقة فسدتا، وعنه أنه يجوز في موضعين إذا كان المصر عظيما لا في ثلاثة، وعن محمد يجوز تعددها مطلقا.

ورواية محمد عن أبي حنيفة ولهذا قال السرخسي: الصحيح من مذهب أبي حنيفة جواز إقامتها في مصر واحد من مسجدين فأكثر، وبه نأخذ لإطلاق: لا جمعة في مصر، شرط المصر، فإذا تحقق تحقق في حق كل منها. وجه رواية المنع أنها سميت جمعة لاستدعائها الجماعات فهي جامعة لها، والأصح الأول خصوصا إذا كان مصر كبير، فإن في إلزام اتحاد الموضع حرجا بينا لاستدعائه تطويل المسافة على الأكثر، مع أن الوجه المذكور مما يتسلط عليه المنع، ومن كان من مكان من توابع المصر فحكمه حكم أهل المصر في وجوب الجمعة عليه بأن يأتي لمصر فليصلها فيه. واختلفوا فيه؛ فعن أبي يوسف إن كان الموضع يسمع النداء فيه من المصر فهو من توابعه وإلا فلا، وعنه كل قرية متصلة بربض المصر، وغير المتصلة لا، وعنه أنها تجب في ثلاثة فراسخ، وقال بعضهم قدر ميل، وقيل قدر ميلين، وقيل ستة أميال. وعن مالك ستة، وقيل إن أمكنه أن يحضر الجمعة ويبيت بأهله من غير تكلف تجب عليه الجمعة وإلا فلا. قال في البدائع: وهذا حسن.[3]

---

١) فتح القدير: ٢/٦٠-٦١.

٢) المغني لابن قدامة: ٢/٢٤٨.

٣) فتح القدير: ٢/٥٣-٥٤. بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع: ١/٢٦٠.

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب صلاة العيدين (١)

عن عمر ﷺ قال: صلاة الأضحى ركعتان، وصلاة الفطر ركعتان، وصلاة المسافر ركعتان، وصلاة الجمعة ركعتان، تمام غير قصر، على لسان النبي ﷺ. أخرجه النسائي. (٢)

وعن نافع ﷺ: أن عبد الله بن عمر لم يكن يصلي يوم الفطر قبل الصلاة ولا بعدها. أخرجه الموطأ. وعند الترمذي: أن ابن عمر خرج يوم عيد، ولم يصل قبلها، ولا بعدها، وذكر أن النبي ﷺ فعله. (٣)

وعن عائشة ﷺ: أن رسول الله ﷺ كان يكبر في الفطر والأضحى، في الأولى: سبع تكبيرات، وفي الثانية: خمس تكبيرات. زاد في رواية: سوى تكبيرتي الركوع. أخرجه أبو داود. (٤)

وعن عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله عنهما، قال: قال رسول الله ﷺ: التكبير في الفطر سبع في الأولى، وخمس في الآخرة، والقراءة بعدهما كلتيهما. وفي أخرى: أن النبي ﷺ كان يكبر في الفطر في الأولى سبعا، ثم يقرأ، ثم يكبر، ثم يقوم فيكبر أربعا، ثم يقرأ، ثم يركع. أخرجه أبو داود، وقال: رواه وكيع، وابن المبارك، قالا: سبعا وخمسا. (٥)

وعن سعيد بن العاص رحمه الله، قال: سألت أبا موسى وحذيفة، كيف كان رسول الله ﷺ يكبر في الأضحى والفطر؟ فقال أبو موسى: كان يكبر أربعا، كتكبيره على الجنازة، فقال حذيفة: صدق، فقال أبو موسى: وكذلك كنت أكبر في البصرة حيث كنت عليهم. أخرجه أبو داود. (٦)

---

١) باب صلاة العيدين: قال تعالى: وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَى مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ الآية. [البقرة: ١٨٥.] وقال تعالى: فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ [الكوثر: ٢.] وقال تعالى: لَنْ يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَى مِنْكُمْ كَذَلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَى مَا هَدَاكُمْ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِينَ [الحج: ٣٧.] وقال تعالى: وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ الآية. [الحج: ٢٨.] وقال تعالى: ذَلِكَ وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ [الحج: ٣٢.] (الأعظمي.)

٢) أخرجه النسائي في "سننه" كتاب صلاة العيدين، باب عدد صلاة العيدين (٣/١٨٣) رقم الحديث: ١٥٦٦.

٣) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب العيدين، باب لا صلاة قبل العيدين ولا بعدها (٢/٤١٨) رقم الحديث: ٥٣٨. ومالك في "الموطأ" كتاب العيدين، باب ترك الصلاة قبل العيدين وبعدها (١/١٨١) رقم الحديث: ١٠.

٤) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب التكبير في العيدين (١/٢٩٩) رقم الحديث: ١١٤٩، ١١٥٠.

٥) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب التكبير في العيدين (١/٢٩٩) رقم الحديث: ١١٥١، ١١٥٢.

٦) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب التكبير في العيدين (١/٢٩٩) رقم الحديث: ١١٥٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن عبد الله بن بسر صاحب النبي ﷺ: خرج مع الناس [في] يوم فطر، أو أضحى فأنكر إبطاء الإمام، وقال: إنا كنا قد فرغنا ساعتنا هذه، [وذلك حين التسبيح]. أخرجه أبو داود.(١)

وعن أبي هريرة رضي الله عنه، قال: أصابنا مطر في يوم فطر، فصلى بنا رسول الله ﷺ في المسجد. أخرجه أبو داود، وزاد رزين: ولم يخرج بنا إلى المصلى.(٢)

وعن نافع رضي الله عنه: أن ابن عمر قال: كان رسول الله ﷺ وأبو بكر، وعمر يصلون العيدين قبل الخطبة. أخرجه البخاري، ومسلم، والترمذي، والنسائي.(٣)

وعن جابر رضي الله عنهما: أن النبي ﷺ خرج يوم الفطر، فبدأ بالصلاة قبل الخطبة.

وفي رواية: أن النبي ﷺ قام فبدأ بالصلاة، ثم خطب الناس، فلما فرغ نزل فأتى النساء فذكرهن.

[وفي أخرى:] فوعظهن وذكرهن، فقال: تصدقن، فإن أكثركن حطب جهنم، فقامت امرأة من سطة النساء سفعاء الخدين، فقالت: لم يا رسول الله؟ فقال: لأنكن تكثرن الشكاة، وتكفرن العشير. قال: فجعلن يتصدقن من حليهن، يلقين في ثوب بلال من أقرطتهن وخواتيمهن. أخرجه البخاري ومسلم.(٤)

وعن ابن عباس رضي الله عنهما، قال: شهدت الصلاة يوم الفطر مع رسول الله ﷺ وأبي بكر، وعمر، وعثمان، فكلهم يصليها قبل الخطبة. [الحديث]. ولهذا الحديث طرق كثيرة ذكرت في جامع الأصول.(٥)

---

١) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب وقت الخروج إلى العيد (١/٢٩٥) رقم الحديث: ١١٣٥.

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب يصلي بالناس العيد في المسجد إذا كان يوم مطر (١/٣٠١) رقم الحديث: ١١٦٠. وجامع الأصول: (٦/١٢٩) رقم الحديث: ٤٢٣٦

٣) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب العيدين، باب الخطبة بعد العيد (٢/١٨) رقم الحديث: ٩٦٣. ومسلم في "صحيحه" كتاب العيدين في فاتحته (٢/٦٠٥) رقم الحديث: ٨٨٨. والترمذي في "جامعه" أبواب الصلاة، باب ما جاء في صلاة العيدين قبل الخطبة (٢/٤١١) رقم الحديث: ٥٣١. والنسائي في "سننه" كتاب العيدين، باب صلاة العيدين قبل الخطبة (٣/١٨٣) رقم الحديث: ١٥٦٣.

٤) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب العيدين، باب المشي والركوب إلى العيد والصلاة قبل الخطبة (٢/١٨) رقم الحديث: ٩٦١. ومسلم في "صحيحه" كتاب العيدين في فاتحته (٢/٦٠٣) رقم الحديث: ٨٨٥. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب الخطبة يوم العيد (١/٢٩٧) رقم الحديث: ١١٤١. والنسائي في "سننه" كتاب العيدين، باب قيام الإمام في الخطبة متوكئا على إنسان (٣/١٨٦) رقم الحديث: ١٥٧٥.

٥) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب العلم، باب عظة الإمام النساء، (١/٣١) رقم الحديث: ٩٨، كتاب الأذان، باب وضوء الصبيان (١/١٧٢) رقم الحديث: ٨٦٣، كتاب العيدين، باب الخطبة بعد العيد (٢/١٨)

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعن جعفر بن محمد عن جده: أن النبي ﷺ كان يلبس برد حبرة في كل عيد. رواه الشافعي.[1]

عن إسحاق بن بزرج، عن زيد بن الحسن بن علي، عن أبيه، رضي الله عنهما قال: أمرنا رسول الله ﷺ في العيدين أن نلبس أجود ما نجد، [وأن نتطيب بأجود ما نجد،] وأن نضحي بأسمن ما نجد البقرة عن سبعة والجزور عن عشرة، وأن نظهر التكبير وعلينا السكينة والوقار. رواه الحاكم في مستدركه، وقال: لولا جهالة إسحاق بن بزرج لحكمت للحديث بالصحة.[2]

وعن علي، قال: من السنة أن تخرج إلى العيد ماشيا، وأن تأكل شيئا قبل أن تخرج. رواه الترمذي، وقال: هذا حديث حسن.[3]

وعن عطاء، عن عبد الله بن السائب، قال: شهدت مع رسول الله ﷺ العيد، فلما قضى الصلاة، قال: إنا نخطب، فمن أحب أن يجلس للخطبة فليجلس، ومن أحب أن يذهب فليذهب. رواه النسائي وابن ماجه وأبو داود.[4]

رقم الحديث: ٩٦٣، ٩٦٤، باب خروج الصبيان إلى المصلى (٢١/٢) رقم الحديث: ٩٧٥، باب العلم الذي بالمصلى (٢١/٢) رقم الحديث: ٩٧٧، باب موعظة الإمام النساء يوم العيد (٢٢/٢) رقم الحديث: ٩٧٩، باب الصلاة قبل العيد وبعدها (٢٤/٢) رقم الحديث: ٩٨٩، كتاب الزكاة، باب التحريض على الصدقة (١١٣/٢) رقم الحديث: ١٤٣١، باب العرض في الزكاة (١١٦/٢) رقم الحديث: ١٤٤٩، كتاب التفسير، باب إذا جاءك المؤمنات يبايعنك (١٥٠/٦) رقم الحديث: ٤٨٩٥، باب والذين لم يبلغوا الحلم منكم (٤٠/٧) رقم الحديث: ٥٢٤٩، كتاب اللباس، باب الخاتم للنساء (١٥٨/٧) رقم الحديث: ٥٨٨٠، ٥٨٨١، باب القرط للنساء (١٥٨/٧) رقم الحديث: ٥٨٨٣، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب ما ذكر النبي ﷺ وحض على اتفاق أهل العلم (١٠٤/٩) رقم الحديث: ٧٣٢٥. ومسلم في "صحيحه" كتاب صلاة العيدين (٦٠٢/٢) رقم الحديث: ٨٨٤. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب الخطبة يوم العيد (٢٩٧/١) رقم الحديث: ١١٤٢، ١١٤٣، ١١٤٤، ١١٤٥، ١١٤٦، ١١٤٧، ١١٤٨. والنسائي في "سننه" كتاب العيدين، باب الخطبة في العيدين بعد الصلاة (١٨٤/٣) رقم الحديث: ١٥٦٩، موعظة الإمام بعد الفراغ من الخطبة (١٩٢/٣) رقم الحديث: ١٥٨٦، ١٥٨٧. جامع الأصول: (١٣٤/٦) رقم الحديث: ٤٢٤١.

١) أخرجه الشافعي في "الأم" كتاب صلاة العيدين، الزينة للعيد (٢٦٦/١).

٢) أخرجه الحاكم في "المستدرك" كتاب الأضاحي، وأما حديث شعبة (٢٥٦/٤) رقم الحديث: ٧٥٦٠.

٣) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب العيدين، باب في المشي يوم العيد (٤١٠/٢) رقم الحديث: ٥٣٠.

٤) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب الجلوس للخطبة (٣٠٠/١) رقم الحديث: ١١٥٥. والنسائي في "سننه" كتاب صلاة العيدين، باب التخيير بين الجلوس في الخطبة للعيدين (١٨٥/٣) رقم الحديث: ١٥٧١. وابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء في انتظار الخطبة بعد الصلاة (٤١٠/١) رقم الحديث: ١٢٩٠.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وفيه: بيان أن الخطبة سنة، إذ لو وجبت وجب الجلوس لها.

وعن عبد الله بن عمر: أنه كان إذا غدا يوم الأضحى ويوم الفطر يجهر بالتكبير حتى يأتي المصلى ثم يكبر حتى يأتي الإمام. رواه الدار قطني. (١)

وفي رواية: حتى إذا جلس الإمام ترك التكبير. رواه الشافعي. (٢)

وعن جابر [بن عبد الله]، قال: كان رسول الله ﷺ يكبر في صلاة الفجر يوم عرفة إلى صلاة العصر من آخر أيام التشريق حين يسلم من المكتوبات. (٣)

وعن عامر، قال: شهد عياض الأشعري عيدا بالأنبار، فقال: ما لي لا أراكم تقلسون كما كان يقلس عند رسول الله ﷺ. [قيل التقليس الغناء والرقص بين يدي الملك(٤)]. رواه ابن ماجه. (٥)

وعن النعمان بن بشير، قال: كان النبي ﷺ يقرأ في العيدين وفي الجمعة: بسبح اسم ربك الأعلى، وهل أتاك حديث الغاشية، وربما اجتمعا في يوم واحد فيقرأ بهما. (٦)

تنبيه

الكلام في هذا الباب من وجوه.

أولها في أن صلاة العيد سنة أو واجبة أو فرض عينا أو كفاية؟

فعند الشافعي: سنة، وقد جعلوه أفضل النوافل. قال صاحب الحاوي: أفضل النوافل صلاة العيد، فالخسوف، فالاستسقاء، فالوتر. (٧)

وقال في رسالة أبي زيد في مذهب مالك: صلاة العيدين سنة واجبة. (٨) وكأنه أراد به شدة التأكيد.

---

١) أخرجه دار قطني في "سننه" كتاب العيدين (٢/٣٨١) رقم الحديث: ١٧١٦.
٢) أخرجه الشافعي في "الأم" كتاب صلاة العيدين، باب وقت الغدو إلى العيدين (١/٢٦٥).
٣) أخرجه دار قطني في "سننه" كتاب العيدين (٢/٣٩٠) رقم الحديث: ١٧٣٥.
٤) فتح الرحمن في إثبات مذهب النعمان: ٣/١٠٣
٥) أخرجه ابن ماجه في "سننه" كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء في التقليس يوم العيد (١/٤١٣) رقم الحديث: ١٣٠٢.
٦) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب العيدين، باب القراءة في العيدين (٢/٤١٣) رقم الحديث: ٥٣٣.
٧) الحاوي الصغير: ١٧٢.
٨) رسالة أبي زيد: ٣٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وفي شرح كتاب الخرقي في مذهب الإمام الأحمد: الأصل في مشروعيتها، الإجماع، وما تواتر من أن النبي ﷺ وخلفاءه صلوها، وقد قيل في قول الله تعالى: "فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ" (١) أن المراد صلاة العيد، واختلف عن أحمد في حكمها، فعنه أنها فرض عين، وعنه سنة، وعنه وهي المذهب: فرض كفاية، كصلاة الجنازة، والجهاد. (٢)

وقال في الهداية (٣): تجب صلاة العيد على كل من تجب عليه صلاة الجمعة، -هذا قول القدوري- وفي الجامع الصغير عيدان اجتمعا في يوم واحد فالأول سنة والثاني فريضة [ولا يترك واحد منهما] قال وهذا تنصيص على السنة والأول على الوجوب وهو رواية عن أبي حنيفة رحمه الله.

وجه الأول مواظبة النبي ﷺ عليها، أي من غير ترك، وهو ثابت في بعض النسخ، إما مطلق المواظبة فلا يعتد الوجوب.

ووجه الثاني قوله ﷺ في حديث الأعرابي عقيب سؤاله، قال: هل علي غيرهن؟ فقال: لا إلا أن تطوع، والأول أصح، رواية ودراية، للمواظبة بلا ترك، كذا قال الشيخ ابن الهمام(٤)، وذكر وحديث الأعرابي إما لم يكن عمله؛ لأنه من أهل البوادي ولا صلاة عيد فيها أو كان قبل وجوبها، لأنه ذكر محمد في كتاب الصلاة ويجب الخروج على أهل الأمصار.

والمعنى فيه أنها صلاة يؤدي بجمع عظيم، يختص بشرائط من الخطبة وغيرها، فكانت واجبة كالجمعة، ولأن المواظبة النبي ﷺ أمارة محكمة على الوجوب، وقوله ﷺ لا نفى عام يحتمل الخصوص الا يرى أنه خص عنه الوتر، فيحتمل خصوص غيره أيضا، ولأن العيد لا يجب على الأعرابي، كذا في بعض شروح الهداية.

وتسمية في الجامع الصغير سنة لوجوبه لا بالكتاب، قوله تعالى: "وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ" (٥) المراد به تكبيرات التشريق، لأنه ظاهر فيها لا في صلاة العيد، ولو حمل على التكبيرات الكائن في صلاة العيد لا يستلزم وجوب الصلاة بجواز إيجاب شيء في مسنون، بمعنى من فعل سنة صلاة العيد وجب عليه التكبير فيه ويكون وجوب صلاة العيد ثانيا بالكتاب، والله أعلم.

---

١) الكوثر: ٢.
٢) شرح الزركشي: ٢/٢١٣.
٣) الهداية: ١/٨٤.
٤) فتح القدير: ٢/٧١.
٥) البقرة: ١٨٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وثانيها التكبيرات في ليلتي العيد:

اختلف الأئمة في ذلك فعند الشافعي ثابت. قال في الحاوي: [1] وكبر [غير الحاج] ثلاثا برفع الصوت ليلتي العيد في نحو الطرق كالمساجد والمنازل والأسواق وغيرها إلى التحريم، أي إلى أن يحرم الإمام لصلاة العيد، وهو آخر وقت التكبير، لأن الكلام مباح إلى تلك الغاية، والتكبير أول ما يقع به الاشتغال فإنه ذكر الله وشعائر اليوم.

وقال في شرح الحاوي: التكبير الذي يذكر في هذا الباب، أحدهما: ما يشرع في الصلاة والخطبة، والثاني: غيره، وهو ضربان: مرسل ومقيد، فالمرسل ما لا يقيد بحال بل يؤتى به في المسجد والمنازل والطرق ليلا ونهارا، والمقيد صح ما يؤتى به في أدبار الصلاة خاصة.

وأشار بقوله: وكبر إلى المرسل وهو مشروع في العيدين لما روى أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يخرج يوم الفطر والأضحى رافعا صوته بالتهليل والتكبير حتى يأتي المصلى من غروب الشمس ليلة العيد لقوله تعالى: "وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ" [2] أي عدة صوم رمضان "وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَى مَا هَدَاكُمْ" [3] أي عند إكمالها، وإكمالها بغروب الشمس، وللمسنون في صفة التكبير أن يكبر ثلاثا نسقا.

كذا الرواية عن جابر وابن عباس، قال الشافعي: وما زاد من ذكر الله فحسن استحسن في الإمام أن يكن الزيادة ما قال رسول الله ﷺ على الصفا: وهو الله أكبر كبيرا والحمد لله كثيرا وسبحان الله بكرة وأصيلا، ولا إله إلا الله ولا نعبد إلا إياه مخلصين له الدين ولو كره الكافرون، لا إله إلا الله وحده وصدق وعده ونصر عبده وهزم الأحزاب وحده، لا إله إلا الله والله أكبر الله أكبر، وقال: وقال في الشامل: والذي يقول الناس لا بأس به أيضا وهو الله أكبر الله أكبر لا إله إلا الله والله أكبر الله أكبر ولله الحمد.

وقال النووي: هذا الذي ذكره صاحب الشامل، نقله صاحب البحر عن نص الشافعي في البويطي، وقاص العمل عليه، هذا مذهب الشافعي. [4]

---

1) الحاوي الصغير: ١٩٦.

2) البقرة: ١٨٥.

3) البقرة: ١٨٥.

4) انظر المجموع شرح المهذب: ٣١/٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

ومذهب مالك أيضا نحوه، قال في رسالة ابن أبي زيد: وليذكر الله في خروجه من بيته في الفطر والأضحى جهرا حتى يأتي المصلى الإمام والناس كذلك، فإذا دخل الإمام للصلاة قطعوا ذلك ويكبر بتكبير الإمام في خطبته وينصتون له فيما سوى ذلك.(١)

وكذلك مذهب أحمد بن حنبل، قال في كتاب الخرقي(٢): ويظهرون التكبير في ليالي العيدين وهو في الفطر آكد لقوله تعالى: "وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَى مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ". (٣)

وقال في شرحه: يسن التكبير في ليالي العيدين، لأن ابن عمر كبر فيهما. وقال أحمد: كان ابن عمر يكبر في العيدين جميعا، ويعجبنا ذلك، وهو في الفطر آكد، للآية الكريمة. وقد قال ابن عباس رضي الله عنهما وغيره: هو تكبيرات ليلة الفطر ويسن إظهار التكبير، أي رفع الصوت به، إظهارا للشعار وتنبيها للغافل. وكان عمر يكبر في قبته بمنى، فيسمعه أهل المسجد فيكبرون، ويكبر أهل الأسواق، حتى ترتج منى تكبيرا. وظاهر كلام الخرقي أن التكبير لا يتقيد بأوقات الصلوات، بل يكبرون في ليالي العيدين مطلقا، وهو كذلك والله أعلم. (٤)

وقال في الهداية (٥) : ولا يكبر أي في عيد الفطر عند أبي حنيفة رحمه الله في طريق المصلى، والمراد بصفة الجهر لأن الأصل الاخفاء لقوله تعالى: "ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً". (٦) وقال تعالى: "وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً".(٧)

وقال ﷺ خير الدعاء الخفي، وقال: لمن رفع صوته في الذكر، إنك لا تدع اصم ولا غائبا، ولأنه بعيد من الرياء وأقرب إلى التضرع والأدب. وقد ورد في الأضاحي الجهر بالتكبير في طريق المصلى فيقتصر عليه.

وعندهما يكبر أي يجهر به في الطريق، فإذا انتهى إلى المصلى سقط عنه التكبير اعتبارا بالأضاحي، والجامع معنى العيد ولقوله تعالى: "وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَى مَا هَدَاكُمْ".(٨)

١) رسالة ابن أبي زيد: ٣٧
٢) مختصر الخرقي: ٣٢.
٣) البقرة: ١٨٥.
٤) شرح الزركشي على مختصر الخرقي. ٢/٢١٤-٢١٥.
٥) الهداية: ١/٨٤-٨٥.
٦) الأعراف: ٥٥.
٧) الأعراف: ٢٠٥.
٨) البقرة: ١٨٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

قال ابن عباس رضي الله عنهما: المراد التكبير ليلة الفطر ويوم الفطر، ولما روى نافع عن ابن عمر رضي الله عنهما أن رسول الله ﷺ كان يخرج يوم الفطر ويوم الأضحى رافعا صوته بالتكبير، وهذا نص في الباب.

والجواب عن الآية: قيل: إن المراد به التعظيم، وقيل: التكبير في صلاة العيد، والمعنى صلوا صلاة العيد وكبروا فيها، وعن الحديث أن مداره على الوليد بن محمد عن الزهري، والوليد متروك الحديث، ولأن هذا خبر واحد تعم به البلوى فلا يقبل لو كان صحيحا فكيف إذا كان فاسدا؟ كذا ذكر شيخ الإسلام اختلاف الروايتين عن أبي حنيفة رضي الله عنه.

ولأبي حنيفة: أن الأصل في الثناء الإخفاء، والشرع ورد بتكبير الجهر في أصله لأنه داخل في عموم ذكر الله تعالى بجهره كالأضحى، وعنده لا يجهر وعن أبي حنيفة كقولهما.

وفي الخلاصة: ما يفيد أن الخلاف في أصل التكبير وليس بشيء، إذ لا يمنع من ذكر الله سبحانه بسائر الالفاظ في شيئ من الأوقات، فقال أبو حنيفة: رفع الصوت بدعة يخالف الأمر من قوله تعالى: "وَاذْكُر رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً"[١] ودون الجهر من القول فتقصر فيه على مورد الشرع.

وقد ورد به في الأضحى وهو قوله تعالى: "وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ"[٢] جاء في التفسير أن المراد التكبير في هذه الأيام، والأولى للاكتفاء فيه بالإجماع عليه لما سنذكر في قوله تعالى "وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ"[٣] فإن قيل: فقد قال تعالى "وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ"[٤] وروى الدارقطني عن سالم أن عبد الله بن عمر أخبره أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يكبر في الفطر من حين يخرج من بيته حتى يأتي المصلى. فالجواب أن صلاة العيد فيها التكبير، والمذكور في الآية بتقدير كونه أمرا على ما تقدم فيه أعم منه، ومما في الطريق؛ فلا دلالة له على التكبير المتنازع فيه؛ لجواز كونه ما في الصلاة، ولما كان دلالتها عليه ظنية؛ لاحتمال التعظيم كان الثابت الوجوب.

والحديث المذكور ضعيف بموسى بن محمد بن عطاء أبي الطاهر المقدسي، ثم ليس فيه أنه كان يجهر به وهو محل النزاع، وكذا روى الحاكم مرفوعا ولم يذكر الجهر. نعم روى الدارقطني

١) الأعراف: ٢٠٥.
٢) البقرة: ٢٠٣.
٣) البقرة: ١٨٥.
٤) البقرة: ١٨٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

عن نافع موقوفا على ابن عمر: أنه كان إذا غدا يوم الفطر ويوم الأضحى يجهر بالتكبير حتى يأتي المصلى ثم يكبر حتى يأتي الإمام. قال البيهقي: الصحيح وقفه على ابن عمر، وقول صحابي لا يعارض به عموم الآية القطعية الدلالة: أعني قوله تعالى "وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً" إلى قوله " وَدُونَ الْجَهْرِ" [١] وقال ﷺ: خير الذكر الخفي، فكيف وهو معارض بقول صحابي آخر. وروي عن ابن عباس: أنه سمع الناس يكبرون فقال لقائده: أكبر الإمام؟ قيل لا، قال: أجن الناس؟ أدركنا مثل هذا اليوم مع النبي ﷺ فما كان أحد يكبر قبل الإمام، وقال أبو جعفر: لا ينبغي أن تمنع العامة عن ذلك لقلة رغباتهم في الخيرات. انتهى. [٢]

وثالثها في تكبيرات العيدين في أثناء الصلاة:

اعلم أن الأحاديث في تكبيرات العيدين جاءت مختلفة ولذلك اختلفت مذاهب الأئمة، فعند الثلاثة سبع في الركعة الأولى، وخمس في الثانية، ولكن عند مالك وأحمد يعد مع السبع تكبيرة الأحرام، ولا يعد مع الخمس تكبيرة القيام، وعند الشافعي لا يعد شيئا منهما معهما.

وقال في شرح كتاب الخرقي في مذهب أحمد: وإنما عدت تكبيرة الافتتاح من السبع لأنها تفعل في القيام، بخلاف تكبيرة القيام في الثانية، فإنها لم تعد من الخمس، لأنها تفعل مع القيام. [٣]

وعند الإمام أبي حنيفة: ثلاث في الأولى، وثلاث في الآخرة زائدة على تكبيرة الافتتاح والقيام، وهذا مذهب ابن مسعود، وما ذهب إليه الشافعي وغيره مذهب ابن عباس.

وقد وقع الكلام في أسانيد مذاهبهم، ونقل الشيخ ابن الهمام عن الإمام أحمد بن حنبل أنه قال: ليس في تكبير العيدين عن النبي ﷺ حديث صحيح، وإنما أخذ مالك فيها بفعل أبي هريرة. [٤]

ولكن قال في شرح كتاب الخرقي: روى عمرو بن شعيب، عن أبيه عن جده، أن النبي ﷺ كبر ثنتي عشرة تكبيرة، سبعا في الأولى، وخمسا في الأخرى، ولم يصل قبلها ولا بعدها، رواه أحمد وابن ماجه.

---

١) الأعراف: ٢٠٥.

٢) فتح القدير: ٢/٧١-٧٢.

٣) شرح الزركشي: ٢/٢٢٢-٢٢٣.

٤) فتح القدير: ٢/٧٥. نصب الراية: ٢/٢١٨.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقال أحمد: أنا أذهب إلى هذا، وكذلك ذهب إليه ابن المديني وصحح الحديث، نقله عنه حرب، وكذلك ورواه أبو داود، ولحديث عمر ابن عوف المزني أنه روي عن جماعة من الصحابة. انتهى.[١]

وقال الشيخ ابن الهمام: أن أبا داود روى ما ذكرنا ولكن روى ما يعارضه أيضا وهو أن سعيد بن العاص سأل أبا موسى الأشعري وحذيفة بن اليمان: كيف كان رسول الله ﷺ يكبر في الأضحى والفطر؟ فقال أبو موسى: كان يكبر أربعا تكبيره على الجنائز، فقال حذيفة: صدق، فقال أبو موسى: كذلك كنت أكبر في البصرة حيث كنت عليهم، وسكت عنه أبو داود ثم المنذري في مختصره، وهو ملحق بحديثين، إذ تصديق حذيفة رواية لمثله، وسكوت أبي داود والمنذري تصحيح أو تحسين منهما، وتضعيف ابن الجوزي له بعبد الرحمن بن ثوبان نقلا عن ابن معين والإمام أحمد معارض بقول صاحب التنقيح فيه وثقه غير واحد. وقال ابن معين: ليس به بأس.

وأخرج عبد الرزاق أخبرنا سفيان الثوري عن أبي إسحاق عن علقمة والأسود [أن ابن مسعود كان يكبر في العيدين تسعا، أربعا قبل القراءة ثم يكبر فيركع. وفي الثانية يقرأ، فإذا فرغ كبر أربعا ثم ركع. أخبرنا معمر عن أبي إسحاق عن علقمة والأسود قال:] كان ابن مسعود جالسا وعنده حذيفة وأبو موسى الأشعري، فسألهم سعيد بن العاص عن التكبير في صلاة العيد، فقال حذيفة: سل الأشعري، فقال الأشعري: سل عبد الله فإنه أقدمنا وأعلمنا، فسأله، فقال ابن مسعود: يكبر أربعا ثم يقرأ ثم يكبر فيركع، ثم يقوم في الثانية فيقرأ ثم يكبر أربعابعد القراءة.

ورواه ابن أبي شيبة: حدثنا هشيم، وأخبرنا مجالد عن الشعبي عن مسروق قال: كان عبد الله بن مسعود يعلمنا التكبير في العيدين تسع تكبيرات، [خمس في الأولى وأربع في الآخرة، ويوالي بين القراءتين، والمراد بالخمس تكبيرة] الافتتاح والركوع وثلاث زوائد، وبالأربع بتكبيرة الركوع.

وجاءت هذه القصة بطريق آخر: رواه محمد بن الحسن: أخبرنا أبو حنيفة عن حماد بن أبي سليمان عن إبراهيم النخعي عن عبد الله بن مسعود، وكان قاعدا في مسجد الكوفة، الحديث. وقد روي عن غير واحد من الصحابة نحو هذا.

---

١) شرح الزركشي: ٢/٢٢١-٢٢٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وهذا أثر صحيح قاله بحضرة جماعة من الصحابة. ومثل هذا يحمل على الرفع؛ لأنه مثل نقل أعداد الركعات. فإن قيل: روي عن أبي هريرة وابن عباس ﷺ ما يخالفه. قلنا: غايته معارضة، ويترجح أثر ابن مسعود بابن مسعود مع أن المروي عن ابن عباس متعارض. انتهى.(١)

وقال مشائخنا: لما وردت أحاديث مختلفة، أخذنا بالأقل، لأن التكبير ورفع الأيدي خلاف المعهود فكان الأخذ بالأقل أولى. كذا في الهداية. (٢)

ثم إن المتعارف في بلاد الإسلام من عمل العامة هو مذهب ابن عباس وشيبة ﷺ أنه لما انتقلت الدولة إلى بني عباس كتبوا إلى الحكام وولاة وجه الأرض أن يعملوا بمذهب جدهم، وشرطوا أن لا يعملوا لغيره، فاستمر العمل على ذلك إلى اليوم حتى في أكثر بلاد الحنفية كذلك.

وعلى مذهب ابن مسعود ﷺ العمل في بلدنا الدهلي عمرها الله وعصمها، وفي نواحيه وسائر البلاد بقي العمل بقول ابن عباس رضي الله عنهما فأيده.

وليس بين التكبيرين دعاء وتحميد وثناء عند الإمام أبي حنيفة وباقي الأئمة، سوى ما قال الإمام أحمد، أنه يحمد الله ويثني عليه ويصلي على النبي ﷺ بين كل تكبيرتين وإن أحب [قال الله أكبر كبيرا والحمد لله كثيرا وسبحان الله بكرة وأصيلا وصلوات الله على النبي عليه السلام وإن أحب] قال غير ذلك. (٣)

وقال في شرحه: قال أحمد في رواية حرب: ليس بين التكبيرتين شيء موقت. وفي رواية: بعد الأخرة، وهو الذي صححه أبو البركات. وقد اختلفت النقل عن ابن مسعود بغير ذلك، والله أعلم. (٤)

ورابعها الأذان والإقامة ولا الصلاة جامعة:

لا خلاف في هذه لأحد لكثرة الأحاديث الواردة فيه، فصار مجمعا عليه سوى ما قال في فتح الباري: أنه روى الشافعي عن الثقة عن الزهري قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يأمر المؤذن في العيدين أن يقول الصلاة جامعة، وهذا الحديث وإن كان مرسلا لكن يعضده القياس على صلاة الكسوف التي ثبت فيها هذا القول، وقال الشافعي محبوب

---

١) فتح القدير: ٢/٧٥-٧٦.

٢) الهداية: ١/٨٥.

٣) مختصر الخرقي: ٣٢.

٤) شرح الزركشي: ٢/٢٢٤-٢٢٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

عندي أن يقول: الصلاة أو الصلاة جامعة، ولو قال هلموا إلى الصلاة لم أكرهه، ولكن فإن قال حي على الصلاة أو غيرها من ألفاظ الأذان أو غيرها اكره ذلك.

واختلف في أول من أحدث الأذان فيها أيضا فروى بن أبي شيبة بإسناد صحيح عن سعيد بن المسيب أنه معاوية، وقال الداودي: أول من أحدثه مروان، وقيل: الحجاج، وقيل: زياد، والصحيح أنه معاوية، وأخذ به بعده هولاء، والله أعلم.[1]

وخامسها لا صلاة قبل العيد ولا بعده:

قال في الهداية: ولا يتنفل في المصلى قبل صلاة العيد " لأن النبي ﷺ لم يفعل ذلك مع حرصه على الصلاة ثم قيل الكراهة في المصلى خاصة وقيل فيه وفي غيره عامة لأنه صلى الله عليه وسلم لم يفعله."[2]

وقال الشيخ ابن الهمام: عامة المشايخ على كراهة التنفل قبلها في المصلى والبيت، وبعدها في المصلى خاصة؛ لما في الكتب الستة عن ابن عباس، أن النبي ﷺ خرج فصلى يوم العيد لم يصل قبلها ولا بعدها. وأخرج الترمذي عن ابن عمر: أنه خرج في يوم عيد فلم يصل قبلها ولا بعدها.

وأخرج ابن ماجه: عن عطاء بن يسار عن أبي سعيد الخدري قال: كان رسول الله ﷺ لا يصلي قبل العيد شيئا فإذا رجع إلى منزله صلى ركعتين. انتهى.[3]

وفي بعض شروح الهداية: أن الكراهة في المصلى ولو صلى صلاة الاشراق والضحى قبل الخروج إلى الجنابة لم يكره، وفي بعضها: هذا نفي الاطلاق يتناول الإمام والقوم جميعا. وقال الشافعي: يكره للإمام دون القوم، وقال: المراد أنه ليس قبل الصلاة صلاة مسنونة لأنها مكروه في حداته.

وقال في فتح الباري: منع الصلاة قبل العيد وبعد يحتمل أن يراد به منع التنفل أو نفي الراتبة وعلى تقدير منع التنفل أهو من جهة كراهة الوقت أو لأعم من ذلك وعلى كل تقدير مخصوص بالإمام أو يشمل الإمام والمأمون، ومخصوص بالمصلى أو شامل للمصلى والبيت؟

---

١) فتح الباري: ٢/٤٥٢-٤٥٣.

٢) الهداية: ١/٨٥.

٣) فتح القدير: ٢/٧٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

اختلف السلف في جميعها، قال الكوفيون: يصلي بعد العيد لا قبلها، وهذا مذهب الأوزاعي والثوري والحنفية، وقال البصريون: يصلون قبلها لا بعدها، هذا مذهب الحسن البصري وجماعة، والمدنيون يقول: لا يصلي قبلها ولا بعدها، هذا مذهب الزهري وبن جريج وأحمد. ونقل بعض المالكية: الاجماع على عدم جواز التنفل للإمام في المصلى، ومن يجوز يقول: هذا وقت الصلاة مطلقا، ومن يمنع يقول: رسول الله ﷺ لم يصل ومن اقتدى فقد اهتدى.

والحاصل أن صلاة العيد لم يثبت لها سنة قبلها ولا بعدها خلافا لمن قاسها على الجمعة وأما مطلق النفل فلم يثبت فيه منع بدليل خاص إلا إن كان ذلك في وقت الكراهة الذي في جميع الأيام [والله أعلم]. (١)

ثم قد وقع الاختلاف في قضاء صلاة العيد مع الإمام، قال في الهداية: ومن فاتته صلاة العيد مع الإمام لم يقضها لأن الصلاة بهذه الصفة لم تعرف قربة. (٢) هذا متفق عليه بين الأئمة، ومع ذلك ذكر في بعض شروح الهداية أنه أن شاء صلى ركعتين أو أربع ركعات، مثل صلاة الضحى التي يصليها في سائر الأيام، ونقل من المحيط(٣) وفتاوى قاضي خان (٤) أن من خرج إلى المصلى ولم يدرك الصلاة مع الإمام إن شاء رجع إلى بيته وإن شاء صلى ثم رجع.

والأفضل أن يصلي أربع ركعات حتى يحصل له صلاة الضحى، كما روى عن ابن مسعود ﷺ بإسناد صحيح: أنه قال: من فاتته صلاة العيد صلى أربع ركعات، كذا في فتح الباري. (٥)

وقالوا يقرأ في الأولى: "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى"، وفي الثانية "وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا"، وفي الثالثة "وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى"، وفي الرابعة "وَالضُّحَى"، وروى ابن مسعود ﷺ في الباب [من رسول الله ﷺ وعدا جيلا وأجرا جزيلا. (٦)

وفي مذهب الإمام أحمد أيضا إن فاتته صلاة العيد صلى أربع ركعات مثل صلاة التطوع بسلام واحد أو سلامين، وهؤلاء أيضا ذكروا ابن مسعود المذكور. (٧)

---

١) فتح الباري: ٢/٤٧٦.

٢) الهداية: ١/٨٥.

٣) المحيط البرهاني: ٢/١١٢.

٤) فتاوى قاضي خان: ١/٩٠.

٥) فتح الباري: ٢/٤٧٥.

٦) المحيط البرهاني: ٢/١١٢. فتاوى قاضي خان: ١/٩٠.

٧) شرح الزركشي: ٢/٢٣٣-٢٣٤.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقال أحمد: ويقوي هذا الحديث ما جاء عن علي ﷺ أنه أمر رجلا أن يصلي بضعفاء القوم أربع ركعات بلا تكبير وخطبة.

وذكر البخاري ترجمة الباب: أن أنسا ﷺ جمع أهله وولده في الزاوية، موضع على فرسخين من البصرة، وصلى صلاة العيد بجمع أهل السواد، ويصلون ركعتين مثل صلاة العيد مع الإمام. (١)

وقال الكرماني: لو فاتت صلاة العيد مع الإمام، قال مالك والشافعي: يصلي ركعتين، وقال أحمد: أربع ركعات، وخير عند أبي حنيفة إن شاء صلى وإن شاء لم يصل، وعلى تقدير أن يصلي، خير بين الركعتين أو أربع ركعات، والله أعلم. (٢)

وسادسها في تكبيرات التشريق:

واتفقت الأئمة على مشروعيتها مع اختلاف في أنها واجبة أو سنة، وظاهر المذهب أنها واجبة، ودليل السنية النص وهو مواظبة النبي ﷺ عليها، واستدلوا على الوجوب لقوله تعالى: "وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَعْدُودَاتٍ" (٣) فسرت بأيام التشريق، وقيل: المراد ذكر اسم الله على الذبيحة نسخا لذكرهم عليه غيره في الجاهلية، بدليل قوله تعالى: "عَلَى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ" (٤) بل قيل: إن الذكر كناية عن نفس الذبح، والخلاف في محله ووقته أو صفته.

وقال في الهداية: يبدأ بتكبير التشريق بعد صلاة الفجر من يوم عرفة ويختم عقيب صلاة العصر من يوم النحر عند أبي حنيفة رحمه الله، وقالا يختم عقيب صلاة العصر من آخر أيام التشريق، وقال: والمسئلة مختلفة بين الصحابة فأخذنا بقول علي ﷺ أخذا بالأكثر إذ هو الاحتياط في العبادات، [وأخذنا بقول ابن مسعود أخذا بالأقل لأن الجهر بالتكبير بدعة]. (٥)

قال الشيخ ابن الهمام: وهو ما رواه ابن أبي شيبة: حدثنا حسن بن علي عن زائدة عن عاصم عن شقيق عن علي ﷺ أنه كان يكبر بعد الفجر يوم عرفة إلى صلاة العصر من آخر أيام التشريق. ورواه محمد بن الحسن: أخبرنا أبو حنيفة عن حماد بن أبي سليمان عن

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب العيدين، باب إذا فاته العيد يصلي ركعتين (٢/٢٣) [لفظه: أمر أنس بن مالك مولاهم ابن أبي عتبة بالزاوية فجمع أهله وبنيه، وصلى كصلاة أهل المصر وتكبيرهم وقال عكرمة: أهل السواد يجتمعون في العيد، يصلون ركعتين كما يصنع الإمام، وقال عطاء: إذا فاته العيد صلى ركعتين.]

٢) الكواكب الدراري في شرح صحيح البخاري: ٨٧/٦.

٣) البقرة: ٢٠٣.

٤) الحج: ٢٨.

٥) الهداية: ٨٩/١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

إبراهيم النخعي عن علي بن أبي طالب فذكره، وأخذ هو بقول ابن مسعود ﷺ، وهو ما رواه ابن أبي شيبة أيضا. حدثنا أبو الأحوص عن أبي إسحاق عن الأسود قال: كان عبد الله يكبر من صلاة الفجر يوم عرفة إلى صلاة العصر من يوم النحر [يقول: الله أكبر الله أكبر لا إله إلا الله والله أكبر ولله الحمد. وقول من جعل الفتوى على قولهما خلاف مقتضى الترجيح، فإن الخلاف فيه مع رفع الصوت لا في نفس الذكر.

والأصل في الأذكار الإخفاء والجهر به بدعة، فإذا تعارضا في الجهر ترجح الأقل.] وأخرج الحاكم عن علي وعمارة قالا: كان رسول الله ﷺ يجهر في المكتوبات ببسم الله الرحمن الرحيم، وكان يقنت في صلاة الفجر، وكان يكبر من يوم عرفة صلاة الغداة ويقطعها صلاة العصر آخر أيام التشريق، وصححه، وتعقبه الذهبي وقال: إنه خبر واه كأنه موضوع، فإن عبد الرحمن صاحب مناكير، وسعيد إن كانالكريزي فهو ضعيف وإلا فهو مجهول. أخرجه البيهقي وضعفه. انتهى.(١)

وعند مالك يبتدأ من صلاة الظهر من يوم النحر إلى صلاة الصبح من اليوم الرابع منه هو آخر أيام منى.(٢)

وكذلك عند الشافعي الناس يقسمون إلى الحج وغيره، فالحجيج يبتدئون بالتكبير عقيب الظهر يوم النحر، ويختمونه عقيب الحجيج آخر أيام التشريق، أما الابتداء فلأن ذكرهم التلبية وإنما يبدلونها بالتكبير مع أول حصاة يرمونها يوم النحر، فالظهر أول صلاة ينتهون إليها من وقت قطع التلبية. وأما الختم فهو بأن صبح اليوم الثالث آخر صلاة يصلونها بمنى.

وأما غير الحجيج فأصح الأقوال من أحد الطريقين أنهم كالحجيج، لأن سائر الناس تبع لهم في ذلك، وإليه الإشارة بقوله: إلى مضى خمسة عشر فرضا.

والقول الثاني أنهم يبتدئون عقيب المغرب ليلة النحر كما في عيد الفطر، والانتهاء كما في القول الأول، فيكون التكبير خلف ثمانية عشر فرضا، والقول الثالث أنهم يبتدئون عقيب الصبح يوم عرفة ويختمونه عقيب العصر آخر أيام التشريق، فتكون التكبير خلف ثلاثة وعشرين فرضا.

---

١) فتح القدير: ٢/٨١-٨٢.

٢) رسالة ابن أبي زيد: ٣٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وروى أنه ﷺ: كان يكبر في دبر كل صلاة بعد صلاة الصبح يوم عرفة إلى بعد صلاة العصر من آخر أيام التشريق. قال النووي: وهو الأظهر عند المحققين للحديث، والطريق الثاني في المسئلة القطع بالقول الأول. (١)

وأما ظاهر مذهب أحمد بن حنبل: فمن صلاة الفجر يوم عرفة إلى العصر من آخر أيام التشريق، للآية الكريمة "وَاذْكُرُوا اللهَ فِي أَيَّامٍ مَعْدُودَاتٍ" (٢) إذا ظاهرها الذكر في جميع الأيام، ويؤيده ما في صحيح مسلم وغيره عن نبيشة، عن النبي ﷺ قال: أيام التشريق أيام أكل وشرب وذكر الله عز وجل.

وقد روى الدارقطني من طرق عن جابر ﷺ، أن النبي ﷺ صلى الصبح يوم عرفة ثم أقبل علينا فقال: الله أكبر، الله أكبر، لا إله إلا الله [ومد التكبير إلى العصر من آخر أيام التشريق. وفي بعض الطرق أنه لا إله إلا الله] والله أكبر، الله أكبر والله الحمد.

وقيل للإمام أحمد رحمه الله تعالى: بأي حديث تذهب إلى أن التكبير من صلاة الفجر يوم عرفة، إلى آخر أيام التشريق؟ قال: بإجماع عمر وعلي، وابن عباس، وابن مسعود ﷺ.

وفي حق المحرم من صلاة الظهر يوم النحر، إلى آخر أيام التشريق العصر، [لأنه قبل ذلك مشتغل بالتلبية، وعن أحمد: ينتهي بصلاة الفجر من آخر أيام التشريق،] والأول المذهب. وأما محله فعقب الصلوات المفروضات في جماعة. (٣)

قال في الهداية(٤): وهو عقيب الصلوات المفروضات على المقيمين في الأمصار في الجماعات المستحبة وهي جماعة الرجال عند أبي حنيفة، وهي مروية عن أبي مسعود وابن عمر، فلا يكبر عقيب السنن والتطوعات والعيدين.

ويجب عقيبا لأنها فريضة، ولا يجب على المسافرين ولا على القروي وإن صلى بجماعة، وأما المسافرون إذا صلوا بجماعة في مصر، فعنهم روايتان، ولا على المرأة وإن صليت بجماعة، ولا على جماعات النساء إن لم يكن معهن رجل، وقالا: هو على كل من يصلي المكتوبة، لأنه لأنه تبع للمكتوبة، لأنها شرعت عن عقيبها فيجب على كل من يصلي

١) المجموع شرح المهذب: ٥/٣٠-٣٦.
٢) البقرة: ٢٠٣.
٣) شرح الزركشي: ٢/٢٣٦-٢٣٨.
٤) الهداية: ١/٨٦.

toobaa-elibrary.blogspot.com

المكتوبة تبعا ولو قرويا أو ومسافرا أو منفردا أو امرأة، وهو مروي عن عمر ﷺ، قال: يكبر بعد صلاة العيد والوتر بالإجماع لأنها ليست من المكتوبات.

أما عندهما فلأن صلاة الوتر سنة وليست بمكتوبة، وأما عند أبي حنيفة لأنها لا يؤدي بالجماعة في هذه الأيام، كذا عن المحيط [1]، ولأبي حنيفة ما روينا من قبل من أنه: لا جمعة ولا تشريق ولا فطر ولا أضحى إلا في مصر جامع. ولأن الجهر بالتكبير خلاف السنة لما ثبت أن السنة في الأذكار الإخفاء.

والشرع ورد به عند الاستجماع هذه الشرائط، لأن النبي ﷺ إنما كبر عند استجماع الشرائط، فيقصر عليه إلا أنه يجب على النساء إذا اقتدين بالرجال، وعلى المسافرين عند اقتدائهم بالمقيم بطريق التبعية، وإنما بالاقتداء صارا تبعا في الصلاة فيصيران تبعا في التكبيرات لأنها مع توابع الصلاة وكم من حكم يثبت ضمنا ولا يثبت قصدا.

ونقل عن الشافعي: أنه يشرع على كل من يصلي فرضا كانت أو نفلا، لأنها أيام التكبير ولأنه ذكر الله تعالى فكما يجب بعد المكتوبة يجب بعد التطوع احتياطا.

وذكر شارح كتاب الخرقي: وأما محله فعقب الصلوات المفروضات في جماعة، بالإجماع الثابت بنقل الخلف عن السلف، لا النوافل، وإن صليت في جماعة، وفي الفريضة إذا صلاها وحده روايتان، للمشهور منهما، وهو اختيار أبي حفص، والقاضي، وعامة الأصحاب، لا يكبر، لأن ابن مسعود ﷺ قال: التكبير على من صلى في جماعة. رواه حرب وغيره.

وقال أحمد: أعلى شيء في الباب حديث ابن عمر أنه صلى وحده ولم يكبر، وإليه نذهب.

والثانية: وهي ظاهر كلام ابن أبي موسى، يكبر، نظرا لإطلاق الآية الكريمة والحديث.

وفي التكبير عقيب صلاة عيد الأضحى قولان، أحدهما: وهو اختيار أبي بكر، وظاهر كلام الخرقي، يكبر، لشبهها بفرض العين في اشتراك الجميع في الخطاب.

والثاني: لا، لشبهها بالنافلة في سقوطها عن المكلفين في ثاني الحال.

وكلام الخرقي يشمل المقيم والمسافر، والرجل والمرأة، وهو المشهور، وعن أحمد: لا تكبر المرأة كالأذان، نعم إن صلت مع الرجال كبرت معهم تبعا، ويشمل المسبوق ببعض الصلاة فإنه صلى في جماعة. وأما صفته فالله أكبر، الله أكبر، لا إله إلا الله، والله أكبر، ولله الحمد.

---

١) المحيط البرهاني: ١١٦/٢-١١٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

لحديث جابر، وابن مسعود رضي الله عنهما.

وعليه اعتمد أحمد: وروي ذلك أيضا عن عمر، وعلي رضي الله عنهما، [والله سبحانه أعلم]. [١]

فائدة:

ذكر في الهداية حكاية، وهي أن يعقوب رحمه الله قال: صليت بهم المغرب يوم عرفة فسهوت أن أكبر فكبر أبو حنيفة ﷺ دل أن الإمام وإن ترك التكبير لا يتركه المقتدي. [٢]

وفي بعض الشروح: أنه ذكر في هذا الفصل على سبيل الحكاية فوائد، منها: بيان منزلته عند استاذه في قلبه حيث قدمه واقتدى به، ومنها: بيان حشمة استاذه في قلبه، فإنه لما علم أن الاستاذ سها عما لا يسهو المرأ منه عادة، وهو التكبير، ومنها: مبادرة استاذه إلى التيسير عليه حيث كبر ليتذكر هو، فكبر، وهذا ينبغي أن يكون المعاملة بين يدي كل استاذ وتلميذ، يعني أن التلميذ يعظم استاذه، يستر عليه عيوبه، وفيه دليل على أن تعظيم الأستاذ في اطاعته حيث قدم أبو يوسف بأمره.

وسابعها في التعريف:

قال في الهداية [٣]: والتعريف الذي يصنعه الناس ليس بشيء، وهو أن يجتمع الناس يوم عرفة في بعض المواضع تشبيها بالواقفين بعرفة، المراد بقوله ليس بشيء ليس بعبادة كما يدل عليه قوله: لأن الوقوف عرف عبادة مختصة بمكان مخصوص فلا يكون عبادة دونه كسائر المناسك من الطواف والسعي والرمي مثلا، وقيل: المراد من قوله: ليس بشيئ أي شيئ مسنون.

وروى المعلى بن منصور عن أبي يوسف عن أبي حنيفة أنه ليس بسنة، وإنما هو حدث، أحدثه الناس من فعله، ولم يرو مثله لا عن الرسول ﷺ ولا عن الخلفاء ﷺ بعده، فكان محدثا، وشر الأمور محدثاتها، فإن فعلوا ذلك تشبيها بالواقفين لزمهم أن يكشفوا عن رؤوسهم تشبيها بالمحرمين ولا يقول به أحد.

١) شرح الزركشي: ٢/٢٣٩.
٢) الهداية: ١/٨٦.
٣) الهداية: ١/٨٦.

toobaa-elibrary.blogspot.com

قال شمس الأئمة: ولو فعلوا ذلك لطافوا أيضا حول الباب أو بينوا بيتا آخر يطوفون حوله تشبيها بالطائفين حول البيت، وسعوا في أسواقهم تشبيها بالساعين بين الصفا والمروة، وفي الذخيرة: لم يرو بقوله: ليس بشيء، نفي شرعيته، لأنه تسبيح ودعاء، أنما المراد نفي وجوبه.

وعن أبي يوسف ومحمد في غير رواية الأصول: أنه لا يكره لما روي أن ابن عباس ﷺ فعل ذلك بالبصرة، وقيل: إنه مندوب ومستحب، لأنه تشبه بأهل الطاعة، فيكون له ثوابهم، وقيل: لم يكن هناك من ابن عباس إلا الوعظ والتذكير، لا شيء من الأفعال يختص بالحج. والله أعلم.

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب الأضحية [1]

الكلام في هذا في موضعين.

الأول اختلفوا في أن التضحية واجبة أو سنة؟

فذهب أبو حنيفة وصاحباه وزفر وحسن رحمهم الله أنها واجبة على كل حر مسلم مقيم موسر، قال في الهداية [2]: وهو قول الشافعي رحمه الله، وفي رواية عن أبي يوسف: سنة مؤكدة، وهو المشهور المختار في مذهب أحمد رحمه الله، وفي رواية عنه: واجب على الغني، وسنة على الفقير.

وفي رسالة ابن أبي زيد في مذهب مالك [3]: أنها سنة واجبة على من استطاعها، فإما أن يريد بالسنة الطريقة المسلوكة أو بالوجوب التأكيد، والمعنى الأول أقرب.

ودليل الوجوب حديث روى الترمذي وأبو داود والنسائي [4] عن مخنف بن سليم، قال: كنا مع رسول الله ﷺ بعرفات، فسمعته يقول: أيها الناس! على كل أهل بيت في كل عام أضحية. وهذا صيغة الوجوب، وقال ﷺ: من وجد سعة ولم يضح فلا يقربن مصلانا، ومثل هذا الوعيد لا يلحق إلا بترك الواجب، كذا في الهداية. [5]

ولأنها قربة يضاف إليها وقتها، يقال يوم الأضحى، وذلك يؤذن بالوجوب فيكون واجبة فيه كالجمعة، لأن الإضافة للاختصاص وهو بالوجود، والوجوب هو المفضي إلى الوجود.

---

١) باب الأضحية، قال تعالى: فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ [الكوثر: ٢.] وقال تعالى: لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ. الآية. [الحج: ٦٧.] وقال تعالى: قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ. لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ. [الأنعام: ١٦٢-١٦٣.] (الأعظمي)

٢) الهداية: ٣٥٥/٤.

٣) رسالة ابن أبي زيد: ٥٨.

٤) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الضحايا، باب ما جاء في إيجاب الأضاحي (٩٣/٣) رقم الحديث: ٢٧٨٨. والترمذي في "جامعه" أبواب الأضاحي، باب (٩٩/٤) رقم الحديث: ١٥١٨. والنسائي في "سننه" كتاب الفرع والعتيرة، (١٦٧/٧) رقم الحديث: ٤٢٢٤.

٥) الهداية: ٣٥٥/٤.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقد يتمسك أيضا بقوله تعالى: "فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ" [١]، فإن المراد بالصلاة عيد الأضحى، وبالنحر التضحية، بدليل صيغة الأمر وترتيبه وتفريعه على عطاء الكوثر الذي هو أجل النعم وأعظم العطايا، فإن المراد به الخير الكثير في الدنيا والآخرة، كذا قيل، ودلائل السنة ما رواه أحمد وابن ماجه [٢] من حديث زيد بن أرقم: قالوا: يا رسول الله! ما الأضحية؟ فقال: سنة أبيكم إبراهيم.

وروى الدارقطني عن ابن عباس رضي الله عنهما، عن النبي ﷺ: ما أنفق مال في شيء أفضل من نحرة يوم العيد، وقال رسول الله ﷺ عند التضحية: هذا مني وممن لم يضح من أمتي، رواه أحمد وأبو داود والترمذي [٣]، فعلم أن في الأمة من لم يضح وتكفيه أضحية النبي ﷺ.

وحديث أم سلمة، قالت: قال رسول الله ﷺ: إذا دخل العشر وأراد بعضكم أن يضحي فلا يمس من شعره وبشره شيئا. ومثل هذا، لأن التعليق بالإرادة ينافي الوجوب. [٤]

وأجيب: بأن المراد بالإرادة فيما روى ما هو ضد السهو لا التخيير، ولا يخفى أن هذه الأحاديث ليست بنص في عدم الوجوب، فالأولى التمسك بما رواه الدارقطني عن ابن عباس رضي الله عنهما: أن رسول الله ﷺ قال: ثلاث فرض علي ولكم تطوع: الوتر، والنحر، وركعتا الفجر، إن صح الحديث.

والثاني التضحية جائزة في ثلاثة أيام، يوم العيد ويومان بعده:

وهذا مذهبنا، ومذهب مالك، قال في رسالة ابن أبي زيد [٥]: الأيام المعلومات، أيام النحر ثلاثة، والأيام المعلومات أيام منى، وهي ثلاثة أيام بعد يوم النحر، وكذلك مذهب الإمام أحمد، وعند الشافعي ثلاثة أيام بعد يوم النحر، ولم نجد في هذه الكتب حديثا في هذا

---

١) الكوثر: ٢.

٢) أخرجه ابن ماجه في "سننه" كتاب الأضاحي، باب ثواب الأضحية (١٠٤٥/٢) رقم الحديث: ٣١٢٧. وأحمد في "مسنده" مسند الكوفيين، حديث زيد بن أرقم (٣٤/٣٢) رقم الحديث: ١٩٢٨٣.

٣) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الضحايا، باب في الشاة يضحى بها عن جماعة (٩٩/٣) رقم الحديث: ٢٨١٠. والترمذي في "جامعه" أبواب الأضاحي، باب (١٠٠/٤) رقم الحديث: ١٥٢١. وأحمد في "مسنده" مسند المكثرين من الصحابة، مسند جابر بن عبد الله (١٣٣/٢٣) رقم الحديث: ١٤٨٣٧.

٤) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الصيد والذبائح، باب نهي من دخل عليه عشر ذي الحجة وهو مريد (١٥٦٥/٣) رقم الحديث: ١٩٧٧.

٥) رسالة ابن أبي زيد: ٥٨.

toobaa-elibrary.blogspot.com

المعنى سوى ما أورده في الهداية [١] في دليل مذهب الشافعي، أنه ﷺ قال: أيام التشريق كلها أيام ذبح، والكلام في ثبوته.

قال في الهداية: ولنا ما روي عن عمر وعلي وابن عباس ﭫ أنهم قالوا: أيام النحر ثلاثة، أفضلها أولها، فقد قالوا سماعا؛ لأن الرأي لا يهتدي إلى المقادير، وفي الأخبار تعارض، فاخذناه بالمتيقن وهو الأقل أخذا بالاحتياط، كذا قال في الهداية. [٢]

وقال أحمد نقل عن كثير من الصحابة: إن أيام النحر ثلاثة. [٣]

وفي شرح كتاب الخرقي: أن النبي ﷺ نهى عن ادخار لحوم الأضاحي فوق ثلاث، ويلزم منه تاقيت الذبح بثلاث، فلا يجوز الذبح في وقت لا يجوز ادخار الأضحية إليه، لا يقال: فقد ثبت نسخ ذلك، لأنا نقول: الحديث دل على حكمين: عدم جواز الذبح بعد ثلاثة أيام والنهي عن الادخار.

ونسخ المنع من الادخار فوق ثلاث لا يلزم منه نسخ الحكم الآخر، [وفيه تأمل، [٤]] وهذا قول عمر وعلي وابن عباس وابن عمر وأبي هريرة وأنس ﭬ، وفي رواية: لم يذكر أنس ولا مخالف لهم إلا رواية [رويت] عن علي ﭬ، كذا في شرح كتاب الخرقي. [٥]

---

١) الهداية: ٣٥٧/٤.

٢) الهداية: ٣٥٧/٤.

٣) شرح الزركشي: ٣٧/٧.

٤) فتح الرحمن في إثبات مذهب النعمان: ١٢١/٣.

٥) شرح الزركشي: ٣٧/٧-٣٩.

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب صلاة الخوف [1]

ثابتة بالكتاب والسنة، أما الكتاب فقوله تعالى: "وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِّنْهُم معك" [2]، وأما الآية السابقة وهي قوله تعالى: "وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ" [3].

فالجمهور على أنها نازلة في قصر الرباعي بركعتين في السفر، وبعضهم حملوه على صلاة الخوف؛ لأن فيه قصرا بترك بعض الأفعال والكيفيات كما أن في السفر قصرا في الكمية والعدد، وبعضهم أرادوا بها ما يعمهما.

وفي رواية عن أبي يوسف وحسن بن زياد من الحنفية والمزني من الشافعية صلاة الخوف كانت مخصوصة بزمن النبوة لقصد إحراز فضيلة الصلاة خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم وليس بصحيح بعده، وهو ظاهر مفهوم الآية الكريمة "وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ".

والمختار عند الجمهور جوازها بعد زمان النبوة أيضا، وقد أقامها بعض الصحابة رضوان الله عليهم أجمعين بعد رسول الله ﷺ، فروي أن عليا صلاها يوم صفين، وصلاها أبو موسى الأشعري بأصبهان، وسعد بن أبي وقاص في حرب المجوس بطبرستان ومعه الحسن بن علي وحذيفة بن اليمان وعبد الله بن عمرو بن العاص، وسألها سعيد بن العاص أبا سعيد الخدري فعلمه فأقامها. كذا في شرح الشيخ ابن الهمام. [4]

وأيضا كل ما فعله رسول الله ﷺ ولم يثبت اختصاصه به بدليل، فعلى الأمة اتباعه في ذلك، وعموم قوله ﷺ: صلوا كما رأيتموني، دليل عليه، وقيد "وَإِذ كُنتَ فِيهِمْ" اتفاقي، والمراد كنت أنت أو من يقوم مقامك كما ثبت في قوله: "خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً". [5]

---

١) باب صلاة الخوف: قال تعالى: فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا فَإِذَا أَمِنتُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ [البقرة: ٢٣٩.] وقال تعالى: وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ، الآية. [النساء: ١٠٢.] (الأعظمي)

٢) النساء: ١٠٢.

٣) النساء: ١٠٢.

٤) فتح القدير: ٢/٩٩.

٥) التوبة: ١٠٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقال الشيخ: صلاة الخوف على الصفة المذكورة إنما تلزم إذا تنازع القوم في الصلاة خلف الإمام، أما إذا لم يتنازعوا فالأفضل أن يصلي بإحدى الطائفتين تمام الصلاة، ويصلي بالطائفة الأخرى إمام آخر تمامها.

وقيل: إنما يجوز إذا تهيؤوا للقتال وتسوية الصفوف لا بمجرد الخوف واحتمال وجود القتال إلا أن يغلب الظن بحضور العدو [بغتة] في فريضة.

وقد صحت رواياتها، وأيضا بعض الأئمة ومنهم مالك وأحمد خصوها بحالة السفر، وعندنا وبعض الشافعية في السفر والحضر، ولهذا قالوا: يصلي الإمام في الثنائية سواء كان في الفجر أو قصر السفر مع كل طائفة ركعة، وفي غير الثنائية إن كان رباعيا يصلي مع كل طائفة ركعتين، وفي المغرب يصلي مع الطائفة الأولى ركعتين ومع الثانية ركعة، وهو مذهب أحمد والشافعي لعموم قوله تعالى: "وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ" كذا قالوا.

ثم إن صلاة الخوف تروى على وجوه متعددة بحسب اختلاف المكان والزمان على ما رآه الإمام أحوط في الحراسة والتوقي من العدو، واختار كل من الأئمة وجها منها.

واختار الإمام أبو حنيفة رواية ابن عمر، أورد في الهداية هذا الحديث عن ابن مسعود.[١]

قال الشيخ ابن الهمام[٢]: في اسناده مقال، والأولى الاستدلال بحديث ابن عمر الثابتة في الكتب الستة.

---

١) الهداية: ٨٨/١.

٢) فتح القدير: ٩٧/٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب صلاة الكسوف

اعلم أن الأحاديث المذكورة في الباب المخبرة عن فعله ﷺ إنما هي في كسوف الشمس سوى ما وقع في الأمر في حديث ابن عباس وعائشة رضي الله عنها: إن الشمس والقمر آيتان من آيات الله لا يخسفان لموت أحد ولا لحياته، فإذا رأيتم ذلك فاذكروا الله.(١)

وفي حديث عائشة رضي الله عنها: فادعوا الله وكبروا وصلوا وتصدقوا، ولهذا الحديث طرق كثيرة.(٢)

ولم يرو في الباب حديث في صلاته ﷺ في خسوف الشمس والقمر، وقد يحمل صلاة الخسوف الواقع في الحديث الثاني من الباب عن عائشة كما في شرح الشيخ على خسوف القمر وإن حمل على خسوف الشمس كما في الأحاديث الأخر فذاك.

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب بدء الخلق، باب صفة الشمس والقمر بحسبان (٤/١٠٨) رقم الحديث: ٣٢٠٢.

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الكسوف، باب الصدقة في الكسوف (٢/٣٤) رقم الحديث: ١٠٤٤، باب خطبة الإمام في الكسوف (٢/٣٥) رقم الحديث: ١٠٤٦، باب هل يقول: كسفت الشمس أو خسفت (٢/٣٥) رقم الحديث: ١٠٤٧، باب لا تنكسف الشمس لموت أحد ولا لحياته (٢/٣٨) رقم الحديث: ١٠٥٨، باب الجهر بالقراءة في الكسوف (٢/٤٠) رقم الحديث: ١٠٦٥، باب ما يجوز من العمل في الصلاة (٢/٦٤) رقم الحديث: ١٢٠٩، باب إذا انفلتت الدابة في الصلاة (٢/٦٥) رقم الحديث: ١٢١٢، كتاب بدء الخلق، باب صفة الشمس والقمر (٤/١٠٨) رقم الحديث: ٣٢٠٣، كتاب التفسير، باب ما جعل الله من بحيرة ولا سائبة (٦/٥٥) رقم الحديث: ٤٦٢٤. ومسلم في "صحيحه" كتاب الكسوف، باب ما عرض على النبي صلى الله عليه وسلم في صلاة الكسوف (٢/٦١٨-٦٢٠) رقم الحديث: ٩٠١، ٩٠٢، ٩٠٣. وأبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب صلاة الكسوف (١/٣٠٥) رقم الحديث: ١١٧٧، باب من قال: الكسوف أربع ركعات (١/٣٠٧) رقم الحديث: ١١٨٠، باب القراءة في صلاة الكسوف (١/٣٠٩) رقم الحديث: ١١٨٧، ١١٨٨، باب ينادى فيها بالصلاة (١/٣١٠) رقم الحديث: ١١٩٠، باب الصدقة فيها (١/٣١٠) رقم الحديث: ١١٩١. والترمذي في "جامعه" أبواب السفر، باب ما جاء في صلاة الكسوف (٢/٤٤٩) رقم الحديث: ٥٦١، باب ما جاء في كيف القراءة في الكسوف (٢/٤٥٢) رقم الحديث: ٥٦٣. والنسائي في "سننه" كتاب الكسوف، باب الأمر بالنداء لصلاة الكسوف (٣/١٢٧) رقم الحديث: ١٤٦٥، باب الصفوف في صلاة الكسوف (٣/١٢٨) رقم الحديث: ١٤٦٦، باب نوع آخر من صلاة الكسوف (٣/١٢٩) رقم الحديث: ١٤٧٠، باب نوع آخر منه عن عائشة رضي الله عنها (٣/١٣٠) رقم الحديث: ١٤٧١، ١٤٧٢، ١١٧٣، ١١٧٤، ١١٧٥. ومالك في "الموطأ" كتاب الكسوف، باب العمل في صلاة الكسوف (١/١٨٦) رقم الحديث: ١، ٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وأورد الشيخ ابن الهمام [١] من الدارقطني عن ابن عباس: أنه صلى في كسوف الشمس والقمر ثمان ركعات في أربع سجدات، وأخرج عن عائشة ﵂ قالت: إن رسول الله ﷺ مكان يصلي في كسوف الشمس والقمر أربع ركعات وأربع سجدات. وفي إسنادهما مقال.

ثم عندنا صلاة كسوف الشمس ركعتان بالجماعة كهيئة النافلة، في كل ركعة ركوع واحد مع تطويل القراءة من غير خطبة، وليس في خسوف القمر جماعة، وإنما يصلي كل واحد بنفسه، وعند الشافعي رحمه الله يصلي كل منهما بجماعة وخطبة، وركوعين في كل ركعة على الوجه المذكور في حديث ابن عباس، وكذا عند أحمد رحمه الله في المشهور من مذهبه، ويجوز عند أكثر أصحابه فرادى أيضا وبركوع واحد وبلا خطبة، وعند مالك صلاة خسوف القمر فرادى، وكسوف الشمس بجماعة، وتكرير الركوع، من غير خطبة، قال: ليس في خسوف الشمس خطبة مرتبة، ولا بأس أن يعظ الناس ويذكرهم، وعندنا صلى الإمام بالناس ركعتين، كهيئة النافلة في كل ركعة ركوع واحد.

وفي بعض الشروح: يصلي في المسجد الجامع ومصلى العيد.

والشيخ ابن الهمام رحمة الله عليه: أورد أحاديث بروايات متعددة صحيحة وحسنة مثبتة لمذهب الحنفية، وتكلم على أحاديث تعدد الركوع بأنها اضطرب فيه الرواة، فان منهم من روى ركوعين، ومنهم من روى ثلاث ركوعات، فوجب أن يصلى على ما هو للمعهود، وهو الموافق لروايات الإطلاق، نحو قوله ﷺ: فإذا كان ذلك فصلوا، وعن هذا الاضطراب الكثير وفق بعض مشايخنا بحمل روايات التعدد على أنه لما أطال في الركوع أكثر من المعهود جدا، ولا يسمعون له صوتا على ما تقدم في رواية رفع من خلفه متوهمين رفعه وعدم سماعهم الانتقال فرفع الصف الذي يلي من رفع، فلما رأى من خلفه أنه ﷺ لم يرفع فلعلهم انتظروه على توهم أن يدركهم فيه، فلما يئسوا من ذلك رجعوا إلى الركوع فظن من خلفهم أنه ركوع بعد ركوع منه ﷺ فرووا كذلك، ثم لعل روايات الثلاث والأربع بناء على اتفاق تكرر الرفع من الذي خلف الأول. وهذا كله إذا كان الكسوف في زمنه ﷺ مرة واحدة.

فإن حمل على أنه تكرر مرارا على بعد أن يقع نحو ست مرات في نحو عشر سنين؛ لأنه خلاف العادة، كان رأينا أولى أيضا؛ لأنه لما لم ينقل تاريخ فعله المتأخر [في الكسوف المتأخر] فقد وقع التعارض، فوجب الإحجام عن الحكم بأنه كان للمتعدد على وجه التثنية أو الجمع ثلاثا أو أربعا أو خمسا، أو كان المتحد فبقي المجزوم به استنان الصلاة مع التردد في

---

١) فتح القدير: ٢/ ٩٠.

toobaa-elibrary.blogspot.com

كيفية معينة من المرويات فيترك ويصار إلى المعهود ثم يتضمن ما قدمنا من الترجيح، والله سبحانه وتعالى أعلم بحقيقة الحال.

وصاحب الهداية رجح رواية ابن عمر على رواية عائشة، بأن الحال أكشف للرجال وهو يتم ولو لم يرو حديث الركوعين أحد غير عائشة رضي الله عنها من الرجال، [لكن قد سمعت من رواه] فالمعول عليه ما صرنا إليه، انتهى.(١)

ثم جاء من حديث سمرة بن جندب قال: صلى بنا رسول الله ﷺ في كسوف لا نسمع له صوتا.(٢) فظاهر في إخفاء القراءة في الكسوف، وهو قول أبي حنيفة رحمه الله، وقالا: يجهر، وعن محمد مثل قول أبي حنيفة، لهما رواية عائشة رضي الله عنها التي مرت في الفصل الأول(٣): أن النبي ﷺ جهر فيها، ولأبي حنيفة هذا الحديث، ولأنها نهارية وهي عجماء، وهو قول الشافعي، والمراد في حديث عائشة رضي الله عنها خسوف القمر، كذا في شرح الشيخ، وعند أحمد رحمه الله أيضا يجهر لحديث عائشة رضي الله عنها، ولأن تعين السور كما جاء في الروايات أنه قرأ في الركوع الأول العنكبوت وفي الثاني الروم، رواه الدارقطني(٤)، يدل على الجهر، إلا أن يقال: أسمع آية منها فعرفوا ذلك، ولهم أن يؤولوا حديث سمرة بن جندب بأن عدم سماعهم صوت النبي ﷺ لأجل بعدهم عنه، والله أعلم.

وفي الهداية(٥): عند أبي حنيفة: ليس في خسوف القمر جماعة، لتعذر الاجتماع في الليل أو لخوف الفتنة، فإن الليل خطيئة الأوقات لأن الحوادث يتطرق مسحاء، وإنما يصلي كل واحد بنفسه لقوله ﷺ إذا رأيتم شيئا من هذه الأهوال فافزعوا إلى الصلاة، وليس في الكسوف خطبة، لأنه لم ينقل أي بطريق الشهرة. فإن الشافعي يروى حديث الخطبة في كسوف الشمس، عن عائشة رضي الله عنها، أنها قال: كشفت الشمس على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، فصلى ثم خطب، [فحمد الله وأثنى عليه].

---

١) فتح القدير ٢/٨٧–٨٨.

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصلاة، باب من قال: أربع ركعات (١/٣٠٨) رقم الحديث: ١١٨٤، والترمذي في "جامعه" أبواب السفر، باب كيف القراءة في الكسوف (٢/٤٥١) رقم الحديث: ٥٦٢، والنسائي في "سننه" كتاب الكسوف، باب ترك الجهر فيها بالقراءة (٣/١٤٨) رقم الحديث: ١٤٩٥.

٣) مشكاة المصابيح، باب صلاة الخسوف والكسوف، الفصل الأول (١/٤٦٧) رقم الحديث: ١٤٨١.

٤) أخرجه الدار قطني في "سننه" كتاب العيدين، باب صفة صلاة الخسوف والكسوف (٢/٤١٨) رقم الحديث: ١٧٩٢

٥) الهداية: ١/٨٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وإنا نقول: الخطبة إنما شرعت لأحد الأمرين: إما شرطا لجواز كما في صلاة الجمعة، أو مشروعا لتعليم كما في صلاة العيدين، فإنه يحتاج إلى تعليم صدقة الفطر والأضحية، والتعليم ههنا حصل من حيث الفعل، [ألا ترى أن في خطبة العيد لا يعلم صلاة العيد لحصول التعليم بالفعل.

وأما تعلقه بحديث عائشة ﵂ فيحتمل أن النبي ﷺ خطب بعد صلاة الكسوف، لأن الناس كانوا يقولون: أنها كسفت بموت إبراهيم عليه الصلاة والسلام، فخطب ردا عليهم، أو يقال: معنى قولها: خطب، دعاء، والدعاء يسمى خطبة، ثم الإمام في هذه الدعاء بالخيار إن شاء جلس مستقبل القبلة ودعا، وإن شاء قام ودعا، وإن شاء استقبل القوم وتوجه إليهم ودعا ويؤمن القوم.

قال شمس الأئمة الحلواني رحمه الله تعالى: وهذا أحسن.[1]

وقال الشافعي رحمه الله تعالى: يصلي في خسوف القمر أيضا بجماعة، لما روى عن ابن عباس رضي الله تعالى عنه، أنه صلى بهم في خسوف القمر، وقال: صليت كما رأيت رسول الله ﷺ، وذهب أصحابنا في ذلك إلى أن خسوف القمر كان على عهد رسول الله ﷺ ككسوف الشمس بل أكثر، فلو صلى بجماعة، لنقل عنه نقلا مستفيضا، كما نقل عنه ذلك في صلاة الكسوف.[2] والله أعلم.

١) الكفاية في شرح الهداية: ٥٣٦/١.

٢) الكفاية في شرح الهداية: ٥٣٥/١-٥٣٦.

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب صلاة الاستسقاء [1]

الاستسقاء في اللغة: طلب السقي، وفي الشرع: صلاة أو دعاء، وسؤال المطر من الله تعالى عند قحوط، والصلاة مع الكيفية المخصوصة كالعيد سنة عند أكثر الأئمة، وأبو حنيفة رحمه الله يقول: هو دعاء واستغفار وسؤال وتضرع من جناب الحق الرزاق الوهاب؛ لقوله سبحانه: "فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا (١٠) يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا".[2]

وأيضا ما وقع من وجوه الاستسقاء في أكثر الأحاديث ليست فيها صلاة إلا في وجه واحد، وهو أول ﷺ خرج إلى المصلى وصلى ركعتين وخطب، الحديث. وهو لم يصل بجميع خصوصياته حد الصحة، أو هو مخصوص برسول الله ﷺ، والسنة ما واظب عليه النبي ﷺ مع الترك أحيانا.

وههنا عدم الصلاة أكثر، وما صلى إلا في حين، وقد صح أن أمير المؤمنين عمر رضي الله عنه استسقى واقتصر على الدعاء والاستغفار ولم يصل، ولو كانت الصلاة مسنونة لما تركها، وكان ذلك بمحضر من الصحابة رضوان الله عليهم أجمعين، وعدم علم عمر رضي الله عنه بذلك مع عموم البلوى وقرب العهد بزمان النبوة بعيد، وتركه مع العلم بذلك أبعد، وعدم تنبيه الصحابة إياه على ذلك كذلك.

والمراد بقول الإمام: لا صلاة في الاستسقاء أنه ليست بجماعة، وخصوصيات أخر مسنونة، وإلا لو صلى كل واحد صلاة كالنافلة ودعا وتضرع وسأل واستغفر؛ صح ذلك وحسن، والأحاديث المروية في باب الاستسقاء لا تخلو عن اضطراب، وكثير من الطرق التي ذكرت فيها الخصوصيات والكيفيات لا تخلو عن ضعف، فأخذ أبو حنيفة رحمه الله بخلاصة ذلك، والمقصود الأصلي الذي هو الدعاء والاستغفار، وجوز أن تصلى من غير جماعة وخطبة وأمثالها أخذا بالمتقين.

وفعله في حكم الريح والنعيم والرعد والزلزلة يدعى فيها، ولا يصلي لعدم ثبوتها، وعند الشافعي يصلي لنحو الزلزلة والجماعة، والله أعلم.

وعند أبي يوسف ومحمد رحمهما الله في الاستسقاء صلاة وجماعة وخطبة كما يقوله الأئمة، وقيل: محمد مع أبي حنيفة.

والفتوى الآن عند الحنفية على قولهما بثبوت فعله ﷺ مع عدم دليل الخصوصية.

---

١) باب صلاة الاستسقاء، قال تعالى: فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا (١٠) يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا [نوح: ١٠-١١]. (الأعظمي).

٢) نوح: ١٠-١١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

كتاب الجنائز

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

كتاب الجنائز [1]

اعلم أنه قد ذكر في المشكاة عدة أبواب في هذا الكتاب، وقل مواضع الخلاف فيها، فذكرناها من كتب الأئمة واكتفينا في ذكر الأحاديث على ما ذكر في المشكاة اكتفاءا بما هو الغرض الأصلي لنا في هذا الكتاب ، فمنها ما يتعلق بحال الاختصار.

قال في الهداية: [2] إذ احتضر الرجل وجه إلى القبلة على شقه الأيمن، اعتبارا بحال الوضع في القبر لأنه أشرف عليه، وقال: والمختار في بلادنا يعني عند مشائخنا رحمهم الله ببخارا وسمرقند الاستلقاء لأنه أيسر لخروج الروح، والأول أي الاضطجاع على شقه الأيمن هو السنة.

وهكذا مذهب الإمام أحمد كما ذكر في كتاب الخرقي[3]، حيث قال: وإذا تيقن الموت وجه إلى القبلة. وقال في شرحه: روى عبيد بن عمير عن أبيه وكانت له صحبة أن رجلا قال: يا رسول الله ما الكبائر؟ قال: سبع، فذكر منها: استحلال البيت الحرام قبلتكم أحياء وأمواتا، رواه أبو داود. وعن حذيفة ﷺ أنه قال: وجهوني.

وظاهر كلام الخرقي أنه لا يستحب توجيهه قبل تيقن موته. وقد أنكر ذلك سعيد بن المسيب. والمشهور في المذهب أن الأولى التوجيه، لأن فاطمة ﷺ فعلت ذلك ولأنه الذي عليه الناس سلفا وخلفا والأفضل فيه الاستلقاء على ظهره، ورجلاه إلى القبلة، في رواية اختارها أبو الخطاب، لأنه أسهل في خروج روحه. وعنه، وهو المشهور، وصححه أبو البركات أن الأفضل أن يكون على جنبه الأيمن، لأن فاطمة كذلك فعلت. وعنه يخير بينهما، وبه قطع أبو البركات في محرره والله أعلم. انتهى. [4]

وفي الحاوي على مذهب الشافعي: ويولى المحتضر القبلة على الأيمن، ثم ألقي على قفاه ووجهه [وأخمصاه] إلى القبلة، ويلقن الشهادة، ويتلى عليه "يس"، هذا. [5]

---

1) كتاب الجنائز، قال تعالى: ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ﴾ الآية. [التوبة: ٨٤.] (الأعظمي).

2) الهداية: ١/٨٨.

3) مختصر الخرقي: ٣٦.

4) شرح الزركشي: ٢/٢٧٦-٢٧٨.

5) الحاوي الصغير: ٢٠١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقد ذكر أن الشافعي حمل قوله ﷺ: ولقنوا أمواتكم، على الحقيقة، وحال تلقين تلقين الميت بعد الدفن كما جاء في الحديث: إذا مات أحد من إخوانكم فتراتم عليه التراب فليقم رجل منكم عند رأسه ثم ليقل: يا فلان ابن فلانة! فإنه يسمع ولكن لا يجيب، ثم ليقل: يا فلان ابن فلانة! فإنه يستوي جالسا، ثم ليقل: يا فلان ابن فلانة! فإنه يقول: أرشدنا رحمك الله! ولكن لا تشعرون، ثم ليقل: اذكر ما خرجت عليه من الدنيا شهادة أن لا إله إلا الله، وأن محمدا عبده ورسوله، وأنك رضيت بالله ربا وبمحمد نبيا وبالإسلام دينا وبالقرآن إماما. فإنه إذا فعل ذلك أخذ منكر ونكير أحدهما بيد صاحبه ثم يقول له: اخرج بنا من عند هذا، ما نصنع به فقد لقن حجته! ولكن الله عز وجل لقنه حجته دونهم قال رجل: يا رسول الله! فإن لم أعرف أمه! قال: انسبه إلى حواء. رواه ابن عساكر عن أبي أمامة.[١]

وروى ابن النجار والديلمي عنه نحوه كما ذكره السيوطي في جمع الجوامع،[٢] وذكر صاحب جامع الأصول[٣] حديث أبي داود عن عثمان رضي الله عنه، قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا فرغ من دفن الميت وقف عليه، وقال: استغفروا لأخيكم، واسألوا له التثبيت، فإنه الآن يسأل.[٤]

وعن علي بن أبي طالب رضي الله عنه كان يقول بعد ما يفرغ من دفن الميت: اللهم هذا عبدك، نزل بك، وأنت خير منزول به، فاغفر له، ووسع مدخله.[٥]

هذا معمول به عند الشافعية، وأصحابنا يقولون: لا فائدة في التلقين بعد الموت، لأنه إن مات مؤمنا فلا حاجة إليه، وإن كان كافرا فلا يفيد التلقين، فيكون المراد ما ذكرناه من التلقين عند الاحتضار، كذا ذكره الشيخ ابن الهمام نقلا من الكافي.[٦]

واشار إلى الجواب عنه باختصاره الشق الأول، ولا احتياج إلى التلقين في حق التذكير وتثبيت الجنان، فنفي الفائدة مطلقا ممنوع، نعم الفائدة الأصلية منتفية.

---

١) أخرجه ابن عساكر في "تاريخ دمشق" حرف الصاد، صدي بن عجلان بن عمرو، أبو أمامة الباهلي (٢٤/٧٣).

٢) جمع الجوامع: ٢٣٣/١٢.

٣) جامع الأصول: ١٤٩/١١، رقم الحديث: ٨٦٥٨.

٤) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الجنائز، باب الاستغفار عند القبر للميت (٣/٢١٥) رقم الحديث: ٣٢٢١.

٥) جامع الأصول: ١٤٩/١١، رقم الحديث: ٨٦٥٩.

٦) فتح القدير: ١٠٤/٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وأقول: هذا الكلام من أصحابنا أن هذا التلقين لا فائدة فيه بعد ورود الحديث به مما لا يفيد فعله ﷺ، وأمره أصحابه بذلك مما لا ينبغي مع ما فيه من الارتكاب المجاز، اللهم أن يقول: لم يصح الحديث، والله أعلم.

وقال الشيخ: وعندي أن مبنى ارتكاب هذا المجاز هنا عند أكثر مشايخنا هو أن الميت لا يسمع عندهم على ما صرحوا به في كتاب الأيمان في باب اليمين بالضرب. لو حلف لا يكلمه فكلمه ميتا لا يحنث؛ لأنها تنعقد على ما يفهم، والميت ليس كذلك لعدم السماع. وأورد قوله ﷺ في أهل القليب أقول منهم وأجابوا تارة بأنه مردود من عائشة ﵂ قالت: كيف يقول ﷺ ذلك والله تعالى يقول: "وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ" [١] "إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَى" [٢]، وتارة بأن تلك خصوصية له ﷺ معجزة وزيادة حسرة على الكافرين، وتارة بأنه من ضرب المثل كما قال علي ﵁.

ويشكل عليهم ما في مسلم، إن الميت ليسمع قرع نعالهم إذا انصرفوا، اللهم إلا أن يخصوا ذلك بأول الوضع في القبر مقدمة للسؤال جمعا بينه وبين الآيتين فإنهما يفيدان تحقيق عدم سماعهم، فإنه تعالى شبه الكفار بالموتى لإفادة تعذر سماعهم وهو فرع عدم سماع الموتى، إلا أنه على هذا لا ينبغي التلقين بعد الموت؛ لأنه يكون حين إرجاع الروح فيكون حينئذ لفظ موتاكم في حقيقته، وهو قول طائفة من المشايخ، أو هو مجاز باعتبار ما كان نظرا إلى أنه الآن حي، إذ ليس معنى الحي إلا من في بدنه الروح، وعلى كل حال يحتاج إلى دليل آخر في التلقين حالة الاحتضار، إذ لا يراد الحقيقي والمجازي معا ولا مجازيان، وليس يظهر معنى يعم الحقيقي والمجازي يعتبر مستعملا فيه؛ [ليكون من عموم المجاز للتضاد، وشرط إعماله فيهما أن لا يتضادا]. انتهى كلام الشيخ. [٣]

وسيذكر الكلام فيه تكلمنا في هذا المقام في شرح المشكاة في كتاب الجهاد في باب حكم الأسراء، ثم قال: ينبغي في التلقين في الاحتضار أن يقال بحضرته وهو يسمع ولا يقال له قل. قالوا: وإذا ظهر منه كلمات توجب الكفر لا يحكم بكفره ويعامل معاملة موتى المسلمين حملا على أنه في حال زوال عقله، ولذا اختار بعض المشايخ أن يذهب عقله قبل موته لهذا الخوف، وبعضهم اختاروا قيامه حال الموت. والله أعلم. [٤]

---

١) فاطر: ٢٢.

٢) النمل: ٨٠.

٣) فتح القدير: ٢/١٠٤-١٠٥.

٤) فتح القدير: ٢/١٠٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

ومنها ما يتعلق بغسل الميت:

أجمعوا على أن غسل الميت فرض، وسند الإجماع من السنة، روى الحاكم في المستدرك [١] من طريق ابن إسحاق عن محمد بن ذكوان عن الحسن عن أبي بن كعب رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ كان آدم رجلا أشعر طوالا كأنه نخلة سحوق فلما حضره الموت نزلت الملائكة بحنوطه وكفنه من الجنة، فلما مات عليه السلام غسلوه بالماء والسدر ثلاثا وجعلوا في الثالثة كافورا، وكفنوه في وتر من الثياب، وحفروا له لحدا وصلوا عليه، وزاد في رواية: وأم جبريل، وقالوا: هذه سنة ولد آدم، وفي رواية: قالوا: يا بني آدم هذه سنتكم من بعده فكذاكم فافعلوا. وقال صحيح الإسناد، والمراد بالسنة الطريقة المسلوكة.

وقد ذهب بعض المشائخ إلى أنه سنة، الشيخ ابن الهمام قال [٢]: غسل الميت فرض بالإجماع [إذا لم يكن الميت خنثى مشكلا فإنه مختلف فيه: قيل ييمم، وقيل يغسل في ثيابه والأول أولى.] وسند الإجماع في السنة. وقد سرد الشيخ الأحاديث في هذا الباب.

منها: ما ذكر قصة آدم، وورد أن للمسلم على المسلم ثمانية حقوق، من جملتها أن يغسله بعد موته، فذكر كلمة "على" وهي للوجوب، لكن على سبيل الكفاية لحصول المقصود بفعل البعض.

ثم قال الشيخ: واختلف في سبب وجوبه قيل ليس لنجاسة تحل بالموت بل للحدث؛ لأن الموت سبب للاسترخاء وزوال العقل، وهو القياس في الحي، وإنما اقتصر على الأعضاء الأربعة فيه للحرج لكثرة تكرر سبب الحدث منه.

فلما لم يلزم سبب الحرج في الميت عاد الأصل؛ ولأن نجاسة الحدث تزول بالغسل لا نجاسة الموت لقيام موجبها بعده. وقيل وهو الأقيس سببه نجاسة الموت؛ لأن الأدمي حيوان دموي فيتنجس بالموت كسائر الحيوان، ولذا لو حمل ميتا قبل غسله لا تصح صلاته، ولو كان للحدث لصحت كحمل المحدث.

غاية ما في الباب أن الأدمي المسلم خص باعتبار نجاسته الموتية زائلة بالغسل تكريما، بخلاف الكافر فإنه لا يطهر بالغسل ولا تصح صلاة حامله بعده.

---

١) أخرجه الحاكم في "المستدرك" كتاب الجنائز (١/٤٩٥) رقم الحديث: ١٢٧٥، ١٢٧٦.

٢) فتح القدير: ٢/١٠٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقولكم نجاسة الموت لا تزول لقيام موجبها مشترك الإلزام فإن سبب الحدث أيضا قائم بعد الغسل.

وقد روي في حديث أبي هريرة: سبحان الله إن المؤمن لا ينجس حيا ولا ميتا، فإن صحت وجب ترجيح أنه للحدث.[١]

ثم اختلفوا في نزع ثياب الميت، ففي الهداية قال: وإذا أرادوا غسله [وضعوه على سرير لينصب الماء عنه] ونزعوا ثيابه ليمكنهم التنظيف.[٢]

وفي شرحه[٣]: لأن الثوب متى يتنجس بالغسالة ينجس ميته بنجاسته، وعند الشافعي: يغسل الميت في ثيابه.

وفي الحاوي[٤]: يغسل في قميص، لأن النبي ﷺ غسل كذلك، قلنا: التجريد أنظف، وغسله ﷺ في ثيابه من خصائصه، روى أن الصحابة اختلفوا في أن يغسله في ثوبه أو يجرده، فسمعوا من ناحية، نودوا من البيت اغسلوا نبيكم وعليه ثوبه وقميصه[٥]، وقد كان المشهور عندهم أن يجردوا الموتى للغسل، فدل على أنه كان مخصوصا به، واعتبرناه بحال الحياة، إذ المقصود منه التطهير، ولا يحصل لو غسل مع ثيابه.

وذكر في بعض شروح الهداية[٦] عن الشافعي: أن السنة أن يغسل في قميص واسع الكمين، وإن لم يكن قميصه واسع الكمين خرق الكمان قدر ما يدخل اليد.

وقال في الحاوي[٧]: وغسل في قميص في خلوة بغض البصر بلا حاجة لشركاء رواه معرفة المغسول من غيره، وقال الشيخ الحاوي: ولكن القميص بالياء أو سخيفا فإن لم يوجد وجب ستر ما بين السرة والركبة، لما روى عن النبي ﷺ، قال لعلي رضي الله عنه: لا تبرز فخذك، ولا تنظر إلى فخذ حي أو ميت، قال: لأنه عليه السلام غسل في قميصه الذي توفي فيه، فكان سنة في حق غيرها ما لم يقم دليل التخصيص، ولأن الميت متى جرد يطلع على عورته، وقبل

---

١) فتح القدير: ١٠٦/٢.
٢) الهداية: ٨٨/١.
٣) فتح القدير: ١٠٧/٢. الكفاية في شرح الهداية: ٥٤٩/١.
٤) الحاوي الصغير: ٢٠٢.
٥) المبسوط للسرخسي: ٥٨/٢.
٦) الكفاية في شرح الهداية: ٥٤٩/١.
٧) الحاوي الصغير: ٢٠٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

الموت كان يكره الاطلاع عليه فكذا بعد الموت حقا للميت، ولنا أنه لا يمكن التنظيف إلا بالنزع والنبي ﷺ كان مخصوصا بذلك العظم لحرمته ﷺ فلا يصير ذلك حجة، ويمكن الاجتناب عن النظر إلى العورة بغض البصر ووضع الخرقة على العورة.

ثم المعتبرة ستر العورة الغليظة، قال في الهداية: وجعلوا على عورته خرقة إقامة لواجب الستر ويكتفى بستر العورة الغليظة هو الصحيح تيسيرا [1]، يعني على الغاسل، فإنه يشق عليه غسله إذا ستر عليه جميع عورته، وروى الحسن عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى أنه يأزر بإزار سابغ كما يفعله في حياته إذا أراد الاغتسال [2]، والشافعي لما لم يقل بالتجريد لم يحتج في إلى ذلك.

وفي كتاب الخرقي مذهب أحمد في غسله: تستر من سرته إلى الركبة على المشهور في المذهب [3]، وفي رواية: تستر العورتان فقط، واستحب تجريده على ظاهر كلام الخرقي وهو إحدى الروايتين عن أحمد، واختيار ابن أبي موسى، والشيرازي، وأبي الخطاب في الهداية، وأبي محمد، لأنه أمكن في غسله، وأبلغ في تطهيره، إذ يحتمل أن يخرج منه شيء فينجس الثوب به، ثم قد ينجس الميت.

وعن عائشة ﵂ أنها كانت تقول: لما أرادوا غسل رسول الله ﷺ قالوا: والله ما ندري أنجرد رسول الله ﷺ من ثيابه كما نجرد موتانا، أم نغسله وعليه ثيابه؟ فلما اختلفوا أوقع الله عليهم النوم: حتى ما منهم رجل إلا وذقنه في صدره، ثم كلمهم مكلم من ناحية البيت لا يدرون من هو: أن اغسلوا النبي ﷺ وعليه ثيابه. فقاموا إلى النبي ﷺ فغسلوه وعليه قميص، يصبون الماء فوق القميص، ويدلكونه بالقميص. رواه أحمد وأبو داود. وهذا يدل على أن عادتهم في الموتى كان هو التجريد، ومعلوم أنه ﷺ علم ذلك، وغسله ﷺ في ثوب من خصائصه، ثم المفسدة وهي احتمال تنجس الثوب منتفية في حقه عليه الصلاة والسلام لأنه طيب حيا وميتا.

والرواية الثانية: الأفضل أن يغسل في ثوب، مستدلا بأنه ﷺ غسل وعليه ثوب، وبه قطع القاضي في الجامع الصغير، وفي التعليق، والشريف وأبو الخطاب في خلافيهما، وابن البناء، ونصره أبو البركات، لأنه هو الذي اختاره الله لنبيه ﷺ، فكان أولى [4]. [وقال الخرقي:] ولا يحضره إلا من يعين في أمره ما دام يغسل [5]. هذا تفصيل مذهب الإمام أحمد، والله أعلم.

---

١) الهداية: ٨٨/١.

٢) الكفاية في شرح الهداية: ٥٤٩/١.

٣) مختصر الخرقي: ٣٦.

٤) شرح الزركشي: ٢٨٠/٢-٢٨١.

٥) مختصر الخرقي: ٣٦.

toobaa-elibrary.blogspot.com

ولا مضمضة ولا استنشاق في وضوء الميت، أما وجوب الوضوء فلأنه سنة الاغتسال في حالة الحياة فكذلك بعد الممات، وقال مالك: وإن وضيء وضوء الصلاة فحسن وليس بواجب [1]، وقد نقل في حواشي الهداية خلاف الشافعي أيضا.

وأما عدم المضمضة والاستنشاق فلأن اخراج الماء من فمه وأنفه متعذر، فيتركان لعدم الامكان، وكذلك مذهب أحمد لوجود الخروج خلافا للشافعي، وقال في الحاوي: توضأ كما يتوضأ الحي ثلاثا ثلاثا، ويراعي المضمضة والاستنشاق، لأن النبي ﷺ قال للواتي: غسلن ابنته ابدأن بمواضع الوضوء منها، وموضع المضمضة والاستنشاق من مواضع الوضوء. [2]

ولا يكفي ادخال الاصبع في أنفه والمنخرين على المضمضة والاستنشاق بل بذلك كالسواك: ويميل رأسه لئلا يصل الماء باطنه، وهل يكفي بوصول الماء إلى مقاديم الأنف والمنخرين أم يوصله إلى الداخل حكى فيه الإمام ترددا وقطع بأن إسنانه لو كانت متراضية يتكلف فتحها.

ومن المشائخ من قال: أن يلف الغاسل على أصابعه خرقة رقيقة ويدخل الأصابع في فمه ويمسح بها أسنانه ولهاته وشفتيه ويدخل في منخريه أيضا. [3]

قال الإمام الأجل شمس الأئمة الحلواني: وعليه الناس اليوم.

ولا يمسح الغاسل رأسه، لأن ازالة الحدث بالمسح عوف في الحي بخلاف القياس بالنص، ولا نص في الميت، فيبقى على أصل القياس، ولا يؤخر غسل رجليه بخلاف حالة الحياة، لأن هناك يجمع الماء المستعمل عند رجليه وههنا لا يجمع، نقل عن الكافي.

وتغسل الرأس واللحية بالخطمي، ويجعل الحنوط على رأسه ولحيته، والكافور على مساجده، لأن التطييب سنة والمساجد أولى بزيادة الكرامة، ولا يسرح شعر الميت ولا لحيته، ولا يقص ظفره ولا شعره، لأن عائشة أنكرها رأت ميتا يسرح ناصيته [4]، ولأن هذه الأشياء للزينة وقد استغنى الميت عن الزينة، وفي الحي كان تنظيفا لاجتماع الوسخ عنه وصار التسريح كالختان والميت لا يختن، فلا يقص ظفره ولا شعره.

---

١) رسالة ابن أبي زيد: ٣٩.

٢) فتح العزيز بشرح الوجيز للرافعي: ١٩٩/٥.

٣) فتح القدير: ١٠٧/٢.

٤) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الجنائز، باب شعر الميت وأظفارها (٤٣٦/٣) رقم الحديث: ٦٢٣٢. [لفظه: عن الثوري، عن حماد، عن إبراهيم أن عائشة، رأت امرأة يكدون رأسها، فقالت. علام تنصون ميتكم.]

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقال الشافعي: تسرح لحية الميت، ويقص شاربه، ويقلم أظفاره، ويزال شعره الذي يحسن إزالته، لقوله ﷺ: اصنعوا بموتاكم كما تصنعون بأنفسكم، ويروى ما تصنعون بعروسكم. [1]

قلنا: هو محمول على الحث على التطهير والتجمير، فيجوز ذلك عملا بما ذكرنا، ثم يغسل يفيضون الماء عليه ثلاثا اعتبارا لحالة الحياة، فإنه من أراد الغسل المسنون في حالة الحياة، توضأ ثم أفاض الماء عليه ثلاثا.

وقد وقع في حديث أم عطية في غسل النساء بنت رسول الله ﷺ، اغسلنها ثلاثا أو خمسا أو سبعا. [2]

وقالوا: ليس المراد التحديد، بل المراد الغسل وترا، فإن احتجن إلى زيادة تنظيف وتنفيذ فخمسا، وإن أراد الزيادة فسبعا، ولم يجز الزيادة على السبع.

قال الشيخ ابن حجر[3]: ولم نجد في رواية لفظ سبع من ذلك إلا في رواية لأبي داود، ويحتمل أن يكون هذا اللفظ بيان لسبع.

وقال في الحاوي[4]: ثلث، وإن لم ينق فخمس أو سبع، وكذلك في كتاب الخرقي وشرحه[5]، فليس فيه اختلاف، فتدبر.

ويغلى الماء بالسدر والاشنان مبالغة في التنظيف، لأن الماء المغلى بالسدر والاشنان أقلع للوسخ فكان في الغلي مبالغة، وعند الشافعي [6]يغسل الماء البارد إلا أن يكون عليه وسخ ونجاسة، فحينئذ يغسل بالماء الحار، كذا في شرح الهداية.

قال الشيخ ابن الهمام:[7] وحديث غسل آدم وقول الملائكة: كذلك فافعلوا، ثم تقريره في شريعتنا بثبوت التصريح ببقاء ذلك وهو وقوله عليه السلام في الذي وقصته راحلته،

---

١) الحاوي الكبير: ٣/٢٢.

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الجنائز، باب غسل الميت ووضوئه بالماء والسدر (٢/٧٣) رقم الحديث: ١٢٥٣. ومسلم في "صحيحه" كتاب الجنائز، باب في غسل الميت (٢/٦٤٧) رقم الحديث: ٩٣٩.

٣) فتح الباري: ٣/١٢٩.

٤) الحاوي الصغير: ٢٠٣.

٥) مختصر الخرقي: ٣٦. شرح الزركشي: ٢/٢٨٥-٢٨٦.

٦) الحاوي الصغير: ٢٠٣.

٧) فتح القدير: ٢/١٠٨.

toobaa-elibrary.blogspot.com

اغسلوه بماء وسدر، وفي ابنته: اغسلنها ثلاثا أو خمسا أو سبعا، إن رأتين ذلك بماء وسدر، يفيد أن المطلوب المبالغة في التنظيف لا أصل التطهير: وإلا فالماء كاف فيه، ولا شك أن تسخينه كذلك مما يزيد في تحقيق المطلوب فكان مطلوبا شرعا، وحقيقة هذا الوجه إلحاق التسخين بخلطه بالسدر في حكم هو الاستحباب بجامع المبالغة في التنظيف.

وقال الإمام أحمد [١]: والماء الحار، والأشنان، والخلال، يستعمل إن احتيج إليه. إذا احتيج إلى الماء الحار لبرد، أو لإزالة وسخ: أو إلى الأشنان للوسخ، أو إلى الخلال، لإزالة شيء من بين الأسنان ونحو ذلك استعمل نظرا للحاجة، وإلا فالأولى ترك ذلك.

ويغسل الثالثة بماء فيه كافور وسدر، ولا يكون فيه سدر صحيح، لحديث أم عطية ﵂: واجعلن في الأخيرة كافورا، والحكمة فيه أنه يصلب الجسد ويبرده، ويمنع الهوام برائحته، ولا يكون في الماء سدر صحيح، لعدم الفائدة في ذلك، إذ الحكمة في السدر التنظيف، والتنظيف، إنما هو بالمطحون.

ومنها ما يتعلق بالتكفين:

والتكفين فرض، وهذا متفق عليه. قال في الهداية [٢]: السنة أن يكفن [الرجل] في ثلاثة أثواب [إزار وقميص ولفافة]، ولأنه أكثر ما يلبسه عادة في حياته فكذا بعد مماته. قال في الحاوي [٣]: أقل ثوب بجميع البدن وأحب ثلاثا، إزار وقميص وعمامة، وقد جاء في حديث عائشة ﵂: كفن رسول الله ﷺ في ثلاثة أثواب بيض سحولية، من كرسف، ليس فيها قميص ولا عمامة.

وظاهره أنه لم يكن وراء الثلاثة الأثواب شيئ، وقد على أن المراد أنه ليس في الثلاثة الأثواب القميص والعمامة بل هما خارجان منها زائدان عليها، فيكون مجموع الكفن خمسة، وإليه ذهب بعض العلماء زيجعل ذنب العمامة إلى الوجه، ولا يرسل من قبل الفقهاء كما في حاية الحياة، فليس ههنا اختلاف، ولكن قال في رسالة ابن أبي زيد في مذهب مالك: يستحب أن يكفن الميت [في وتر] ثلاثة أثواب أو خمسة أو سبعة: وما جعل له من [أزرة و] قميص و عمامة فذلك محسوب في عدد الأثواب الوتر. [٤]

---

١) شرح الزركشي: ٢/٢٨٦-٢٨٧.

٢) شرح الزركشي: ٢/٢٨٦-٢٨٧.

٣) شرح الزركشي: ٢/٢٩١.

٤) رسالة ابن أبي زيد: ٤٠.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقال في الهداية [١]: فإن اقتصروا على ثوبين جاز والثوبان إزار ولفافة " وهذا كفن الكفاية وكفن الضرورة ما تيسر، وكفن مصعب بن عمير ﷺ، قتل يوم أحد، لم يترك إلا نمرة، كنا إذا غطينا بها رأسه خرجت رجلاه، وإذا غطي بها رجلاه خرج رأسه، فقال لنا النبي صلى الله عليه وسلم: غطوا بها رأسه، واجعلوا على رجله الإذخر. [٢]

ثم عدم غسل الشهيد متفق عليه بين الأئمة، وأما في الصلاة فخلاف فيه، فعندنا يصلي، عند مالك وعند الشافعي لا يصلي، وعن أحمد قولان، والمشهور من مذهبه عدم الصلاة، وفي قول عنه: التخيير لتعارض الأدلة، وسيأتي الكلام فيه.

ومنها ما يتعلق بالصلاة على الميت:

وهي فرض كفاية اجماعا، لأن قضاء حق الميت يحصل به، والكلام ههنا في عدة مواضع.

الأول في التكبيرات:

قد اتفق الأئمة الأربعة على أن التكبيرات في صلاة الجنازة أربع [٣]. وردت فيها الأحاديث الصحيحة من الكتب الستة، وجاء في بعض الروايات الخمس وأكثر منها، والذي ثبت من فعله ﷺ آخرا هي الأربع.

وقال في فتح الباري [٤]: قد اختلف السلف في ذلك، فروى مسلم عن زيد بن أرقم أنه كبر خمسا، ورفع ذلك إلى النبي ﷺ، وروى ابن المنذر عن ابن مسعود ﷺ: أنه صلى على جنازة رجل من بني أسد فكبر خمسا، وروى ابن المنذر وغيره عن علي: أنه كان يكبر على أهل بدر ستا، وعلى باقي الصحابة خمسا، وعلى سائر الناس أربعا.

وذهب بكر بن عبد الله المزني: أنه لا ينقص من ثلاث ولا يزاد على سبع، وقال أحمد مثله، لكن قال: لا ينقص من أربع، وروي عن أنس الاقتصار على ثلاث، وروي أيضا أنه كبر على جنازة ثلاثا، ثم انصرف ناسيا، فقيل: يا أبا حمزة إنك كبرت ثلاثا، قال: فصفوا، فصفوا فكبر الرابعة. وقال: والذي نختاره ما ثبت عن عمر، فإنه جمع الناس على أربع.

---

١) الهداية: ١/٨٩.

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب المغازي، باب غزوة أحد (٥/٩٥) رقم الحديث: ٤٠٤٧.

٣) المغني: ٣/٤١٠، المجموع: ٥/١٣٤ فتح القدير: ٢/١٢٣.

٤) فتح الباري: ٣/٢٠٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وروى البيهقي بإسناد [حسن إلى] أبي وائل قال: كانوا يكبرون على عهد رسول الله ﷺ سبعا وخمسا وستا وأربعا، فجمع عمر الناس على أربع، وقال ابن عبد البر: لا أعلم أحدا من فقهاء الأمصار يزيد التكبير على أربع إلا ابن أبي ليلى، انتهى.

وقال الشمني: قال محمد في الآثار: عن أبي حنيفة، عن حماد، عن إبراهيم النخعي: أن الناس كانوا يكبرون على الجنائز خمسا وستا وأربعا حتى قبض النبي ﷺ، ثم كبروا كذلك في ولاية أبي بكر، ثم ولي عمر ففعلوا ذلك، فقال لهم عمر: إنكم أصحاب محمد متى تختلفون يختلف الناس بعدكم، والناس حديث عهد بالجاهلية، فاجمعوا على شيء يجتمع عليه من بعدكم، فاجتمع رأي أصحاب رسول الله ﷺ أن ينظروا آخر جنازة كبر عليها [النبي ﷺ حين قبض] فيأخذوا به ويرفضوا ما سواه، [فنظروا] فوجدوا آخر جنازة كبر عليها أربعا، فأجمعوا عليه.(١)

وأخرج الحازمي في كتاب الناسخ والمنسوخ عن أنس بن مالك، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كبر على أهل بدر سبع تكبيرات، وعلى بني هاشم سبع تكبيرات، وكان آخر صلاة صلاها أربعا حتى خرج من الدنيا، وضعف. وقال بعض العلماء: لا توقيت في التكبير، كذا في شرح الشيخ ابن الهمام.(٢)

وعن أبي وائل قال: جمع عمر الناس فاستشارهم في التكبير على الجنازة، فقال بعضهم: كبر النبي ﷺ سبعا، وقال بعضهم: خمسا، وقال بعضهم: أربعا، فجمع عمر على أربع كأطول الصلاة. وروى الحاكم في المستدرك عن ابن عباس قال: آخر ما كبر النبي صلى الله عليه وسلم على الجنائز أربع تكبيرات، وكبر عمر على أبي بكر أربعا، وكبر ابن عمر على عمر أربعا، وكبر الحسن بن علي على علي أربعا، وكبر الحسين بن علي على الحسن أربعا، وكبرت الملائكة على آدم أربعا سكت عليه الحاكم، وأعله الدارقطني [بالفرات بن السائب، قال: متروك].

وأخرجه البيهقي في سننه والطبراني عن النضر بن عبد الرحمن وضعفه البيهقي، قال: وقد روي من وجوه كلها ضعيفة إلا أن اجتماع أكثر الصحابة ﷺ على الأربع كالدليل على ذلك. ورواه أبو نعيم الأصبهاني في تاريخ أصبهان: [حدثنا أبو بكر محمد بن إسحاق بن عمران، حدثنا إبراهيم بن محمد بن الحارث حدثنا شيبان بن فروخ، حدثنا نافع أبو هرمز حدثنا

---

١) أخرجه محمد في "الآثار" باب الصلاة على الجنائز (٢/٨٢) رقم الحديث: ٢٤٠.

٢) فتح القدير: ٢/١٢٤.

toobaa-elibrary.blogspot.com

عطاء عن ابن عباس: أن النبي ﷺ كان يكبر على أهل بدر سبع تكبيرات، وعلى بني هاشم خمس تكبيرات، ثم كان آخر صلاته أربع تكبيرات إلى أن خرج من الدنيا]. (١)

وفي بعض شروح الهداية: إن الصلاة المعهودة لا تزيد على أربع ركعات، فكذا التكبير في هذه الصلاة لا يزيد عليها؛ لأن كل تكبيرة قائم مقام ركعة.

وقال ابن أبي ليلى: التكبيرة الأولى الافتتاح، فينبغي أن يكون بعدها أربع تكبيرات [كل تكبيرة قائمة مقام ركعة كما في الظهر، والعصر]، والجواب أن التكبيرة الأولى وإن كانت للافتتاح، ولكن بهذا لا يخرج من أن يكون تكبيرا. (٢)

ثم إنه لا دعاء بعد التكبيرة الرابعة، بل يسلم من غير ذكر بعدها، وقال الشمس الحلواني وهو مخير بين السكوت والدعاء في ظاهر الرواية، واستحسن بعض المشايخ: " رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً" (٣)، و"رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا" (٤) الآيتين، كذا في شرح ابن الهمام. (٥)

والثاني أنه ليس في صلاة الجنازة قراءة:

وروى عن ابن عباس أبو داود والترمذي والنسائي قراءة الفاتحة قولا وفعلا، وجاء في بعض الروايات: أنه قرأ سورة الفاتحة جهرا، وقالوا: إن الجهر لقصد التعليم. (٦) وجاء التصريح بذلك في حديثه، وهذا مذهب الشافعي وأحمد وإسحاق ﷺ.

وقال علماؤنا: لا يقرأ الفاتحة إلا أن يقرأها بنية الثناء، ولم يثبت القراءة عن رسول الله ﷺ، وفي موطأ مالك: عن نافع: أن ابن عمر كان لا يقرأ في صلاة الجنازة، ويصلي بعد التكبيرة الثانية كما يصلي في التشهد وهو الأولى، كذا قال الشيخ ابن الهمام (٧)، وهذا مذهب أبي حنيفة ومالك والثوري، وكان عمل الصحابة في ذلك مختلفا.

---

١) فتح القدير. ١٢٣/٢.
٢) المحيط البرهاني: ١٧٨/٢.
٣) البقرة: ٢٠١.
٤) آل عمران: ٨.
٥) فتح القدير: ١٢٣/٢.
٦) جامع الأصول: ٢١٨/٦، رقم الحديث: ٤٣٠٨.
٧) فتح القدير: ١٢١/٢-١٢٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقال الطحاوي:[1] نعل قراءة بعض الصحابة الفاتحة في صلاة الجنازة كان بطريق الثناء والدعاء لا على وجه القراءة، وعند مالك والشافعي: يقرأ الفاتحة، ويظهر من كلام فتح الباري [2] أن مرادهم بذلك مشروعية القراءة لا وجوبها، وقال الكرماني [3]: يجب، والمراد بالسنة التي وقع في كلام ابن عباس: الطريقة المسلوكة في الدين، وبه قال الطيبي. [4]

ويظهر من كلام الشمني: أنه لو قرأ على وجه الثناء جاز عندنا أيضا، وفي شرح الخرقي: أما قراة الحمد في الأولى فلعموم قوله ﷺ: لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب.

وعن ابن عباس أنه صلى على جنازة، فقرأ بفاتحة الكتاب، وقال: لتعلموا أنه من السنة. رواه البخاري وأبو داود، والترمذي وصححه، والنسائي ولفظه: قرأ بفاتحة الكتاب وسورة، وجهر، فلما فرغ قال: سنة وحق. وقال مجاهد: سألت ثمانية عشر رجلا من أصحاب النبي ﷺ عن القراءة على الجنازة، فكلهم قال: يقرأ. رواه الأثرم. [5]

الثالث أنه لا يرفع اليد في ما سوى التكبيرة الأولى:

عند الشافعي ندب رفع اليدين في التكبيرات [6]، وبه قال بعض مشائخ بلخ، ووضعها تحت صدره بين التكبيرتين كما في سائر الصلاة.

وقال مالك: يرفع يديه في أولاهن، وإن رفع في كل تكبيرة فلا بأس. [7]

وقال أحمد: يرفع يديه مع كل تكبيرة، لأنه يروى ذلك ابن عمر، رواية الشافعي، وعن ابن عباس رواه سعيد وعن عمر وزيد بن ثابت، رواه الأثرم. [8]

وقال في الهداية: ثم يكبر الرابعة ويسلم [9]. وفي شرحه: أي تسليمتين لا يرفع بهما صوته.

قال الإمام أحمد: يسلم تسليمة واحدة عن يمينه، وهو المشهور المختار المنصوص أنه يسلم تسليمة واحدة، لما روى أبو هريرة رضي الله عنه أن النبي ﷺ صلى على جنازة فكبر أربعا، وسلم

---

1) شرح ابن بطال: ٣/٣١٧. الجوهر النقي: ٤/٣٩.
2) الكواكب الدراري: ٧/١٩٦.
3) فتح الباري: ٣/٢٠٤.
4) شرح المشكاة للطيبي: ٤/١٣٩٣.
5) شرح الزركشي: ٢/٣٠٨-٣٠٩.
6) الحاوي الصغير: ٢٠٥.
7) رسالة ابن أبي زيد: ٤١.
8) شرح الزركشي: ٢/٢٢٣. المغني لابن قدامة: ٢/٣٦٦.
9) الهداية: ١/٩٠.

toobaa-elibrary.blogspot.com

تسليمة واحدة، رواه الدارقطني؛ إلا أن أحمد قال: هذا عندي موضوع. والعمدة لأحمد فعل الصحابة. وقال أحمد: التسليم على الجنازة تسليمة واحدة عن يمينك عن ستة من أصحاب النبي ﷺ ليس فيه اختلاف إلا عن إبراهيم.

وفيه رواية أخرى: أنه يسلم ثنتين كيفية الصلوات، وجعل القاضي الثنتين للاستحباب، والواحدة للجواز، وصفة التسليم أن يكون عن يمينه على المذهب، ولو سلم تلقاء وجهه جاز، نص عليه، وجعله بعض الأصحاب الأولى [1]. وهذا هو مذهب أحمد، ولم نجد ذكر هذا في الحاوي في مذهب الشافعي.

الرابع من يقدم في الصلاة على الميت:

مذاهب الأئمة فيه مختلفة، قال في الهداية [2]: وأولى الناس بالصلاة على الميت السلطان إن حضر، لأن في التقدم عليه ازدراء به، فإن لم يحضر فالقاضي، لأنه صاحب ولاية، فإن لم يحضر فيستحب تقديم إمام الحي، لأنه رضيه في حال حياته. قال: ثم الولي والأولياء على الترتيب المذكور في النكاح، من البنوة ثم الأبوة ثم الأخوة ثم العمومة؛ وقيل: الأب مقدم على الابن؛ وقيل: على العكس، وقال بعضهم: الأب أولى عند كل، لأن له زيادة فضيله وشفقه.

وقال في الحاوي في مذهب الشافعي [3]: ويقدم فيها أي في الصلاة الأب ثم أبوه ثم الابن ثم ابنه ثم العصبات على ترتيب الولاية، ثم بالرحم، والأسن العدل والحر، على الأفقه والرقيق، ثم بالقراعة أو التراضي، ولم يذكر في هذا الكتاب السلطان والقاضي وإمام الحي، بل اكتفى بذكر الأولياء.

ونقل في شرح النهاية على المحرر: إن الولي أولى من الوالي في القول الجديد للشافعي، وفي القديم على العكس، ولم نجد ذكر هذه المسئلة في رسالة ابن أبي زيد في مذهب مالك.

وقال في كتاب الخرقي في مذهب الإمام أحمد: أحق الناس بالصلاة عليه من أوصى أن يصلي عليه. [4]

---

١) شرح الزركشي: ٢/٣١٥-٣١٦.

٢) الهداية: ٩٠/١.

٣) الحاوي الصغير: ٢٠٥.

٤) مختصر الخرقي: ٣٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقال في شرحه [١]: هذا إجماع أو كالإجماع، فعن أبي بكر ﷺ أنه أوصى أن يصلي عليه عمر، قال أحمد. قال: وعمر أوصى أن يصلي عليه صهيب، وأم سلمة أوصت أن يصلي عليها سعيد بن زيد؛ وأبو بكرة أوصى أن يصلي عليه أبو برزة، وقال غير أحمد: وعائشة أوصت أن يصلي عليها أبو هريرة، وابن مسعود أوصى أن يصلي عليه الزبير؛ وأوصى أبو سريحة أن يصلي عليه زيد بن أرقم، فجاء عمرو بن حريث، وهو أمير الكوفة، ليتقدم فيصلي عليه، فقال ابنه: أيها الأمير إن أبي أوصى أن يصلي عليه زيد بن أرقم. فقدم زيدا. وهذه قضايا اشتهرت من غير إنكار ولا مخالف، فكانت إجماعا. وشرط الوصي أن يكون مستور الحال، فلا تصح لفاسق، لأنه غير مؤتمن، ولأن ذلك نوع ولاية، والفاسق ليس أهلا للولاية. [قال:] ثم الأمير، أحق الناس بالصلاة عليه بعد الوصي غير الفاسق الأمير، لعموم قوله ﷺ: لا يؤمن الرجل في سلطانه، ولا يجلس على تكرمته إلا بإذنه؛ رواه مسلم وغيره؛ وخرج منه الوصي لما تقدم، فيبقى فيما عداه على مقتضى العموم؛ ولأن النبي صلى الله عليه وسلم وخلفاءه من بعده كانوا يصلون على الموتى، ولم ينقل أنهم استأذنوا العصبة. ذكره البخاري في صحيحه. [قال:] ثم الأب وإن علا، ثم الابن وإن سفل، ثم أقرب العصبة. هذا كلام الأئمة في كتبهم، وقد علم ترتيب الأحق بالإمامة في كتاب الصلاة، واعتبروا في صلاة الجنازة ترتيبا آخر.

والأصل في ذلك أن صلاة الجنازة إنما فرضت لأجل أداء حق الأموات على الأحياء واستعطافهم عليهم وشفاعتهم له عند الله، والأحق في ذلك أولياء الميت وعصبته على الترتيب الولاية غير أن السلطان والقاضي قدما إن حضر العارض السلطنة والإمامة لئلا يلزم الازدراء والاحتقار ثم قدم إمام الحي لرضاء الميت في حال حياته.

ومن ههنا، قال الحسن البصري: أدركت الناس وأحقهم بالصلاة على جنائزهم، من رضوه لفرائضهم. [٢]

وقال الشافعي وأبو يوسف معه: الولي أولى من الوالي، لأنه أقرب فقد قال الله تعالى: "وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَى بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ"، الآية. [٣] ولأن هذا حكم تعلق بالولاية فيقدم الأولياء قياسا على النكاح ولأن صلاة الجنازة دعاء للميت ودعاء الترتيب أولى

١) شرح الزركشي: ٢/٣٠٥-٣٠٦.
٢) شرح الزركشي: ٢/٣٠٦.
٣) الأنفال: ٧٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

بالإجابة لأنه أشق على الميت فيؤخذ زيادة توجه وتضرع فكان هو أولى، ولأبي حنيفة ومحمد، السلطان نائب رسول الله ﷺ، وهو أولى بالمؤمنين من أنفسهم فكذا نائبه، ولأن هذه صلاة لقام بجامعة غالبا، فيكون السلطان أولى بإقامتها قياسا على الصلوات وقد عرف. ولأنه قد جاء أنه لما مات الإمام حسن ﷺ، قدم الحسين ﷺ سعيد بن العاص وقد كان نائبا عن معاوية على المدينة، وقال: لو لا السنة ما قدمتك. وقد جاء في الصلوات الخمس أيضا ولا يؤمن الرجل في سلطانه.

والجواب عن تعلقهم بالآية، أنها محمولة على المواريث وعلى المناكحة، وقولهم: دعاء الوالي أقرب إلى الإجابة، جوابه ما روى عن النبي ﷺ أنه قال: ثلاثة لا يحجب دعائهم، وذكر منهم الإمام.

وقيل في قول صاحب الهداية: إن حصر إشارة إلى أن الأصل هو الولي إلا ترك بعارض الاحتراز عن وراء الإمام، ثم حديث الوصية قد بالغ فيه أئمة مذهب الإمام أحمد، وقالوا: أنه كالاجماع، ونقلوا في ذلك أخبارا وآثارا، وأصحابنا يختلفون نقل عن نوادر بن رستم ههنا جائزة، وفي العيون هي باطلة. قال الصدر الشهيد: عليه الفتوى، كذا في الخلاصة وفتاوى قاضي خان، يعني أنها ليست بموجبة يبطل الحقوق الثانية على الترتيب، وليست بمنزلة على الموصى له، بأن يلزمه في تركه بأس، نعم فيه رجاء في حصول المغفرة وإجابة الدعاء، فإن اختار أحد من قسم واحد كالأبناء والاخوان والأحباب مثلا جاز.

وبالجملة آثار في هذا الباب ثابتة معمولة، والله أعلم.

الخامس الصلاة في المسجد:

قال في الهداية: ولا يصلي [على ميت] في مسجد [جماعة]. (١)

أنهم اختلفوا في صلاة الجنازة في المسجد، فعندنا مكروه، سواء كان الميت والقوم في المسجد، أو كان الميت خارج المسجد والقوم في المسجد، أو كان الإمام مع بعض القوم خارج المسجد والميت والباقون في المسجد، أو الميت في المسجد والإمام والقوم خارج المسجد، قال في الخلاصة: هكذا في الفتاوى الصغرى، وقال: هو المختار، خلافا لما أورده النسفي، كذا نقل الشيخ ابن الهمام (٢)، وقال: وهذا الإطلاق في الكراهة بناء على أن المسجد إنما بني للصلاة المكتوبة وتوابعها من النوافل والذكر وتدريس العلم.

---

١) الهداية: ٩١/١.

٢) شرح فتح القدير: ١٢٨/٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقيل: لا يكره إذا كان الميت خارج المسجد، وهو بناء على أن الكراهة لاحتمال تلويث المسجد، والأول هو الأوفق لإطلاق الحديث الذي رواه أبو داود وابن ماجة عن ابن أبي ذئب، عن صالح مولى التوأمة، عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: من صلى على ميت في المسجد فلا أجر له؛ وروي: فلا شيء له.(١)

ثم هي كراهة تحريم أو تنزيه؟ روايتان، ويظهر لي أن الأولى كونها تنزيهية؛ إذ الحديث ليس نصا في المصلين، ولا قرن الفعل بوعيد بل سلب الأجر، [وسلب الأجر] لا يستلزم ثبوت استحقاق العقاب؛ لجواز الإباحة، ويجوز أن يكون المراد نفي الأجر الكامل.

وقد يقال: إن الصلاة نفسها سبب موضوع للثواب، فسلب الثواب مع فعلها لا يكون إلا باعتبار لا يقرن بها من إثم يقاوم ذلك، وفيه نظر لا يخفى: كذا قال الشيخ ابن الهمام.(٢)

وهذا هو مذهب مالك، والظاهر من قوله رحمه الله: لا أحبه، كراهة التنزيه، وعند الشافعي جائزة، وما وجدنا فيه نصا من الإمام أحمد رحمه الله في كتابه(٣)، ولكنه قد يفهم من تخصيص الشارحين الخلاف بأبي حنيفة ومالك أن أحمد مع الشافعي في ذلك، والله أعلم.

ودليل الشافعي الحديث المذكور في المشكاة(٤)، وهو حديث صحيح رواه مسلم وأبو داود والترمذي والنسائي، وقد أقسمت عائشة فيه على صلاة رسول الله ﷺ على ابني بيضاء في المسجد، وفي رواية: أنها قالت لما أنكر عليها: ما أسرع ما نسي الناس! ما صلى رسول الله ﷺ على سهيل بن البيضاء إلا في المسجد(٥)، وفي رواية: فبلغهن أن الناس عابوا ذلك، وقالوا: ما كانت الجنائز يدخل بها المسجد، فقالت عائشة: ما أسرع الناس أن يعيبوا ما لا علم لهم به! عابوا علينا [أن يمر] بجنازة في المسجد، وما صلى رسول الله ﷺ على سهيل بن البيضاء إلا في المسجد.

---

١) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الجنائز، باب الصلاة على الجنازة في المسجد (٢٠٧/٣) رقم الحديث: ٣١٩١. وابن ماجه في "سننه" كتاب الجنائز، باب ما جاء في الصلاة على الجنازة في المسجد (٤٨٦/١) رقم الحديث: ١٥١٧.

٢) فتح القدير: ١٢٨/٢.

٣) ولا بأس بالصلاة على الميت في المسجد إذا لم يخف تلويثه. [المغني لابن قدامة: ٤٢١/٣.]

٤) مشكاة المصابيح، كتاب الجنائز، باب المشي بالجنازة والصلاة عليها، الفصل

٥) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الكسوف، باب الصلاة على الجنازة في المسجد (٦٦٨/٢) رقم الحديث: ٩٧٣. وأبو داود في "سننه" كتاب الجنائز، باب الصلاة على الجنازة في المسجد (٢٠٧/٣) رقم الحديث: ٣١٨٩، ٣١٩٠. والترمذي في "جامعه" أبواب الجنائز، باب ما جاء في الصلاة على الميت في المسجد (٣٤٢/٣) رقم الحديث: ١٠٣٣. والنسائي في "سننه" كتاب الجنائز، باب الصلاة على الجنازة في المسجد (٦٨/٤) رقم الحديث: ١٩٦٧، ١٩٦٨.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وتمسك أبو حنيفة ومالك بالحديث المذكور عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلى على ميت في المسجد فلا أجر له، وروي: فلا شيء له.

وأما حديث عائشة ﵂، فرواية واقعة لا عموم لها، وما يثبت به إلا أنه ﷺ فعل ذلك ولو مرة أو مرتين، ويجوز أن يكون ذلك لضرورة دعت إليه، وقد يروى أيضا: أن الجنازة كانت خارج المسجد، وفي هذه الصورة اختلاف بين الحنفية، وأيضا قالوا: إن مصلى المسجد كان مكانا متصلا بالمسجد، فيحتمل أن رواية الصلاة في المسجد باعتبار كونه قريبا من المسجد متصلا به.

وما جاء في رواية مسلم: فوضعت عند حجرهن، أيضا مبني على ذلك، ويظهر أيضا أن ذلك مبنى ما يروى عن أبي يوسف أنه قال: إن كان مسجد معدا لذلك جازت فيه بلا كراهة، والله أعلم. على أن إنكار الصحابة والتابعين مع كثرتهم دليل على أن الأمر استقر بعد ذلك على تركه ونسخه، ونسبة عائشة ﵂ عدم العلم والنسيان إليهم محل كلام، ويحتمل أن تكون عائشة هي غير عالمة بالنسخ، وهو الظاهر لكثرتهم وإيقانهم، على أن في خروج النبي ﷺ إلى المصلى للصلاة على النجاشي دليلا ظاهرا على كراهته في المسجد، ولو كانت جائزة في المسجد لم يخرج كما هو الظاهر.

وقال بعض الشافعية: إن حديث أبي هريرة ضعيف؛ لأنه من أفراد صالح مولى التوأمة، وهو يضعف، وعلى تقدير التسليم [فإن] الرواية: فلا شيء عليه، كما رواه الخطيب البغدادي، والمعنى: فلا حرج ولا إثم عليه.

وقال الشيخ ابن الهمام [(١)]: مولى التوأمة ثقة، لكنه اختلط في آخر عمره، وأسند النسائي إلى ابن معين أنه قال: هو ثقة، لكنه اختلط قبل موته، فمن سمع منه قبل ذلك فهو ثبت حجة، وكلهم على أن ابن أبي ذئب راوي هذا الحديث عنه سمع منه قبل الاختلاط، فوجب قبوله بخلاف سفيان أو غيره، ورواية: فلا شيء له، مشهور، ولا يعارضه رواية: فلا شيء عليه، انتهى كلام الشيخ.

وقال العبد الضعيف: رواه في الهداية[(٢)]: فلا أجر له، ورواه صاحب جامع الأصول[(٣)]: فلا شيء له، وقال: في نسخة: فلا شيء عليه، ويظهر أن الأكثر والمشهور فلا

---

١) فتح القدير: ٢/١٢٨-١٢٩.

٢) الهداية: ١/٩١.

٣) جامع الأصول (٦/٢٣٥) رقم الحديث: ٤٣٣٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

شيء له، وروى السيوطي في جمع الجوامع[1]: فليس له شيء، وإذا ثبت أن الأكثر المشهور: فلا شيء له: فينبغي أن يحمل عليه رواية فلا شيء عليه، إن ثبت على معنى: فلا أجر له على هذا العمل، تطبيقا وحملا للظاهر على النص، والله أعلم.

وما روي: أن أبا بكر وعمر رضي الله عنهما قد صلي عليهما في المسجد، كما روى ابن أبي شيبة [2]: أنه صلى عمر على أبي بكر، وصهيب على عمر في المسجد، وقد حضرها المهاجرون والأنصار: فلم ينكر ذلك أحد، فعلى تقدير ثبوته يحمل على أن الجنازة كانت خارج المسجد.

والحق أن قولهم: إن كان أن السنة والأفضل أن يصلى في المسجد، فهو باطل قطعا، وإلا لكان هو المعمول في زمن النبي ﷺ ولتوارث بعده، ولم ينكره أحد، بل لم يتركه أحد إلا لضرورة، وليس فليس، وإن كان المقصود أصل الجواز والإباحة فلا مناقشة على أن المختار عندنا الكراهة التنزيهية، ومآله أن الأولى.

والأفضل خصوصا إذا كانت الجنازة خارج المسجد، فلا خلاف في الحقيقة، هذا وقد اعتاد في زماننا الصلاة في الحرم الشريف استحسانا من المتأخرين، والله أعلم.

السادس الصلاة على الغائب:

جوز الشافعي الصلا على الميت الغائب، قال في الحاوي وشرحه [3]: صلى على الغائب سواء كان بينه وبين المصلي مسافة القصر أم لا، وإن كان إلى غير جهة القبلة، إلا أن يكون الغائب في البلد، فإنه لا بد من الحضور، وتمسك بحديث أبي هريرة، أن النبي صلى الله عليه وسلم نعى للناس النجاشي اليوم الذي مات فيه، وخرج بهم إلى المصلى، فصف بهم، وكبر أربع تكبيرات، متفق عليه. [4]

ونحن نقول: رفع سريره له ﷺ حتى رآه بحضرته، أو كشف له، فيكون صلاة من خلفه كالصلاة على ميت يراه الإمام ويحضره دون المأمومين، وهذا غير مانع من الاقتداء.

---

١) الجامع الكبير (٧/٥٥) رقم الحديث: ٢٠٨٢٤

٢) أخرجه ابن أبي شيبة في "المصنف" كتاب الجنائز، باب في الصلاة على الميت في المسجد من لم ير به بأسا (٣/٤٤) رقم الحديث: ١١٩٦٧، ١١٩٦٩.

٣) الحاوي الصغير: ٢٠٥.

٤) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الجنائز، باب الرجل ينعى إلى أهل الميت بنفسه (٢/٧٢) رقم الحديث: ١٢٤٥، ومسلم في "صحيحه" كتاب الكسوف، باب في التكبير على الجنازة (٢/٦٥٦) رقم الحديث: ٩٥١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقال ابن دقيق العيد [1]: هذا القول يحتاج إلى نقل ولا يثبت بمجرد الاحتمال، وبعض علمائنا: بأن هذا الاحتمال كاف في مثل هذا المقام، يعني قد علم بحكم ظاهر الشرع، لأنه لا بد من حضور الجنازة حتى يصلى عليها، وما ينقل من صلاته ﷺ على النجاشي لعله كوشف له واحضر عنده، وهذا القدر يكفي تأمل، ويقولون: أن الواقدي أورد حديثا عن ابن عباس رضي الله عنهما في هذا الباب، ولم يذكر إسناده، قال: قال ابن عباس كشف لرسول الله ﷺ عن سرير النجاشي حتى رآه وصلى عليه، وابن عباس لا يقول مثل هذا القول بدون سماع من النبي ﷺ.

وقال الشيخ ابن الهمام [2]: وهذا وإن كان احتمالا لكن في المروي ما يومئ إليه، وهو ما رواه ابن حبان في صحيحه من حديث عمران بن الحصين أنه عليه الصلاة والسلام، قال: إن أخاكم النجاشي توفي فقوموا صلوا عليه، فقام عليه الصلاة والسلام وصفوا خلفه، فكبر أربعا وهم لا يظنون أن جنازته بين يديه، فهذا اللفظ يشير إلى أن الواقع خلاف ظنهم.

وقال بعضهم: إن هذا مخصوص بالنجاشي، فعله ﷺ ليعلم الناس أنه مات على دين الإسلام، وكان في ذهن بعض الناس خفاء، ولهذا قال بعض الصحابة صلى علجي من الحبشة فنزل هذه الآية: ﴿وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَن يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ﴾ الآية. [3] ولأجل هذا لم يصل في المسجد، وخروج من إلى المصلى أو فعله استيلافا لقلوب الملوك زمانه في أكناف العلم، وما في الكتاب امنوا به، ولم يدركوا شرف الصحبة، وقد ينقض دعوى الاختصاص للنجاشي، وقد صلى على غيره من الغيب وهو معاوية المزني، ويقال الشيخ الذي مات بالمدينة، وعلى زيد بن الحارثة وجعفر بن أبي طالب وعبد الله بن رواحة الذي قتلوا بموتة، وقصة ومعاوية المزني نزل جبريل عليه السلام بتبوك فقال: يا رسول الله: إن معاوية بن المزني مات بالمدينة أتحب أن أطوي لك الأرض فتصلي عليه؟ قال نعم، فضرب بجناحه على الأرض فرفع له سريره فصلى عليه وخلفه صفان من الملائكة عليهم السلام، في كل صف سبعون ألف ملك، ثم رجع فقال عليه الصلاة والسلام لجبريل عليه السلام: بم أدرك هذا؟ قال: بحبه سورة "قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ" وقراءته إياها جاليا وذاهبا وقائما وقاعدا وعلى كل حال. رواه الطبراني من حديث أبي أمامة وابن سعد في الطبقات من حديث أنس.

---

١) فتح الباري: ١٨٨/٣.

٢) فتح القدير: ١١٧/٢.

٣) آل عمران: ١٩٩.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وأما قصة الصلاة على زيد وجعفر لما استشهد بمؤتة على ما في مغازي الواقدي: [حدثني محمد بن صالح عن عاصم بن عمر بن قتادة، وحدثني عبد الجبار بن عمارة عن عبد الله بن أبي بكر قالا:] لما التقى الناس بمؤتة جلس رسول الله ﷺ على المنبر وكشف له ما بينه وبين الشام فهو ينظر إلى معتركهم، فقال عليه الصلاة والسلام: أخذ الراية زيد بن حارثة فمضى حتى استشهد وصلى عليه ودعا وقال: استغفروا له، دخل الجنة وهو يسعى، ثم أخذ الراية جعفر بن أبي طالب فمضى حتى استشهد، فصلى عليه رسول الله ﷺ ودعا له وقال: استغفروا له دخل الجنة فهو يطير فيها بجناحين حيث شاء.

قلنا: إنما ادعينا الخصوصية بتقدير أن لا يكون رفع له سرير ولا هو مرئي له، وما ذكر بخلاف ذلك. وهذا مع ضعف الطرق فما في المغازي مرسل من الطريقين، وما في الطبقات ضعيف بالعلاء وهو ابن زيد، ويقال ابن يزيد اتفقوا على ضعفه، وفي رواية الطبراني بقية بن الوليد وقد عنعنه، ثم دليل الخصوصية أنه لم يصل على غائب إلا على هؤلاء ومن سوى النجاشي صرح فيه بأنه رفع له وكان بمرأى منه مع أنه قد توفي خلق منهم ﷺ غيبا في الأسفار كأرض الحبشة والغزوات ومن أعز الناس عليه كان القراء، ولم يؤثر قط عنه بأنه صلى عليهم وكان على الصلاة على كل من توفي من أصحابه حريصا حتى قال: لا يموتن أحد منكم إلا آذنتموني به، فإن صلاتي عليه رحمة له.[1]

وقال في مواهب اللدنية [2]: صلاة الجنازة على الغائب عند الحنفية والمالكية مخصوص لرسول الله ﷺ لاحتياج الكل حاضرا أو غائبا إليه ﷺ هنا، والآن قد تعارف في الحرمين الشريفين زادهما الله تشريفا وتعظيما هذه الصلاة، فمن مات في بلاد الأرض من العلماء والصلحاء يأتون أولادهم وأحبائهم بأخبار وفاتهم من أهل الحرمين الصلاة عليهم، فيصلي الشافعية وبعض الحنفية معهم، وقد كان شيخنا القاضي علي بن ظهيرة في الحنفية يصلي، ويقول: إنه دعاء لا بأس، والله أعلم.

السابع لا يجوز تكرار الصلاة على الميت:

لأن الفرض يتأدى بالأولى والتنفل بها غير مشروع، ولهذا رأينا الناس تركوا عن آخرهم الصلاة على قبر النبي عليه الصلاة والسلام وهو اليوم كما وضع، كذا قال صاحب الهداية.[3]

---

١) فتح القدير: ٢/١١٧-١١٨.

٢) المواهب اللدنية: ٣/٣٩٥.

٣) الهداية: ١/٩٠.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وفي شرحه: يعني لو جاز هذا لكان الأولى أن يصلى على قبر النبي ﷺ من يرزق زيارته، لأنه عليه السلام في قبره كما وضع، لأن لحوم الأنبياء عليهم السلام حرام على الأرض، وبه ورد الأثر، ولم يشتغل أحد من العلماء بهذا، فدل على أنه لا يعاد الصلاة على الميت.

وقال الشافعي رحمه الله: إن صلى على الجنازة جماعة ثم حضر آخرون فلهم أن يصلوا عليها بجماعة وفرادى، ويقع صلاتهم فرضا كالأولين، والحجة عليه ما قلنا، فإن قلت: أنه ﷺ على المسكينة بعد الصلاة عليها، وبه يحتج على التكرار؟ قلنا: كان ﷺ أولى بالصلاة عليها، فلم يسقط الفرض بصلاة غيره عليها، قال الله تعالى: ﴿النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ﴾ الآية [1]، ولهذا أثبتنا حق الإعادة للولي إذا صلى من لا يقدم عليه، ولتعليل وهو الفرض تأدى والتنفل بها غير مشروع يستلزم منع الولي أيضا من الإعادة إذا صلى من هو أولى من الولي منه إذا الفرض وهو قضاء حق الميت تأدى به فلا بد من استثناء من له الحق من منع التنفل وادعاء أن عدم المشروعية في حق من لا حق له، أول من له الحق فينبغي السرعة يستوفي حقه، نعم قد صلى عليه ﷺ الناس جماعة بعد جماعة وطائفة بعد طائفة قبل أن يدفن هو من خصائصه ﷺ، أما بعد الدفن فلا.

الثامن ويقوم الذي يصلي على الرجل والمرأة بحذاء الصدر:

لأنه موضع القلب وفيه نور الإيمان فيكون القيام عنده إشارة إلى الشفاعة لإيمانه، كذا في الهداية. [2]

وفي الحاوي في مذهب الشافعي: ويقف الإمام عند الرأس، وعجيزة المرأة [3]، وروى الحسن عن أبي حنيفة رحمه الله أنه يقوم مثل ذلك لأن أنسا رضي الله عنه فعل كذلك. [4]

وقال: أنه من السنة، يروى عن نافع أبي غالب قال: كنت في سكة المربد فمرت جنازة معها ناس كثير، قالوا: جنازة عبد الله بن عمير فتبعتها فإذا أنا برجل عليه كساء رقيق على رأسه خرقة تقيه من الشمس، فقلت: من هذا الدهقان: قالوا: أنس بن مالك، قال: فلما وضعت الجنازة قام أنس فصلى عليها وأنا خلفه لا يحول بيني وبينه شيء، فقام عند رأسه وكبر أربع تكبيرات لم يطل ولم يسرع، ثم ذهب يقعد فقالوا: يا أبا حمزة المرأة الأنصارية،

---

١) الأحزاب: ٦.

٢) الهداية: ١/٩٠

٣) الحاوي الصغير: ٢٠٤.

٤) الهداية: ١/٩٠.

toobaa-elibrary.blogspot.com

فقربوها وعليها نعش أخضر، فقام عند عجيزتها فصلى عليها نحو صلاته على الرجل ثم جلس، فقال العلاء بن زياد: يا أبا حمزة هكذا كان رسول الله ﷺ يصلي على الجنائز كصلاتك، يكبر عليها أربعا ويقوم عند رأس الرجل وعجيزة المرأة، قال نعم، إلى أن قال أبو غالب: فسألت عن صنيع أنس في قيامه على المرأة عند عجيزتها فحدثوني أنه إنما كان لأنه لم تكن النعوش، فكان يقوم حيال عجيزتها يسترها من القوم، مختصر من لفظ أبي داود. ورواه الترمذي ونافع هو أبو غالب الباهلي الخياط البصري قال: ابن معين صالح وأبو حاتم شيخ، وذكره ابن حبان في الثقات. قلنا: قد يعارض هذا بما روى أحمد أن أبا غالب قال: صليت خلف أنس على جنازة فقام حيال صدره. والمعنى الذي عقل في القيام حيال الصدر وهو ما عينه في الكتاب يرجح هذه الرواية ويوجب التعدية إلى المرأة، ولا يكون ذلك تقديما للقياس على النص في المرأة لأن المروي كان بسبب عدم النعش فتقيد به والإلحاق مع وجوده، وما في الصحيحين: أنه عليه الصلاة والسلام صلى على امرأة ماتت في نفاسها فقام وسطها، لا ينافي كونه الصدر بل الصدر وسط باعتبار توسط الأعضاء، إذ فوقه يداه ورأسه وتحته بطنه وفخذاه، ويحتمل أنه وقف كما قلنا، إلا أنه مال إلى العورة في حقها فظن الراوي ذلك لتقارب المحلين. (١)

التاسع ويصلي على السقوط إذا استهل:

ومثله الولد لغير تمام، وفسروا الاستهلال برفع صوت، ومنه استهل لرؤية الهلال، فإنه يرفع الصوت عند رؤيته، وفسر في بعض شروح الهداية موافقا لما في القاموس الاستهلال بأن يكون منه ما يدل على حياته من بكاء أو تحريك عضو أو طرف عين أو عطاس (٢)، فعندنا وعند الشافعي يصلي على السقوط إذا استهل، كذا قال الطيبي. (٣)

وقال في الحاوي: ويصلي في السقوط إن بلغ أربعة أشهر (٤)، وقال في كتاب الخرقي: الموت بعد أربعة أشهر، وهو منصوص أحمد في رواية حرب وصالح، وعليه الشيخان وغيرهما، لأن من لم يستكملها فليس بميت، لعدم نفخ الروح فيه، والغسل والصلاة إنما شرعا لميت، والدليل على ذلك قول ابن مسعود رضي الله عنه: حدثنا رسول الله ﷺ وهو الصادق المصدوق إن

---

١) فتح القدير: ٢/١٢٦-١٢٧.

٢) فتح القدير: ٢/١٣٠.

٣) شرح الطيبي: ٤/١٣٩٩.

٤) الحاوي الكبير: ٣/٣١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

خلق أحدكم يجمع في بطن أمه أربعين يوما، ثم يكون علقة مثل ذلك، ثم يكون مضغة مثل ذلك، ثم يبعث الله إليه ملكا بأربع كلمات، الحديث، متفق عليه، وعليه اعتمد أحمد. (١)

وقد ورد في الأحاديث لفظ الاستهلال، فإن كان مضى أربعة أشهر مستلزما للاستهلال، فلا خلاف، وإن كان أعم منه فالخلاف، وقد وقع في عبارات بعضهم، وعند أحمد جازت الصلاة وإن لم يستهل، لأنه ينفخ فيه الروح في هذه المدة غايته أنه خرج ميتا وصلاة الجنازة إنما يكون على الميت، ونحن نقول: إنه لا يسمى ميتا إلا إذا خرج حيا ثم مات، فتدبر.

العاشر في غسل الشهيد والصلاة عليه:

والكلام ههنا في موضعين، الأول: أنهم أجمعوا على أن الشهيد لا يغسل لما جاء في مسند الإمام أحمد: أن النبي ﷺ أشرف على قتلى أحد، فقال: إني أشهد على هؤلاء، زملوهم بكلومهم ودمائهم، ولا تغسلواهم. (٢)

قال الشيخ ابن الهمام: وجاء وفي ترك غسل الشهيد أحاديث: منها ما أخرج البخاري وأصحاب السنن عن الليث بن سعد عن الزهري عن عبد الرحمن بن كعب بن مالك عن جابر بن عبد الله، أنه عليه الصلاة والسلام كان يجمع بين الرجلين في قتلى أحد ويقول: أيهما أكثر أخذا للقرآن، فإذا أشير له إلى أحدهما قدمه في اللحد وقال: أنا شهيد على هؤلاء يوم القيامة، وأمر بدفنهم في دمائهم ولم يغسلهم [ولم يصل] عليهم.

وأخرج أبو داود عن جابر قال: رمي رجل بسهم في صدره أو في حلقه فمات فأدرج في ثيابه كما هو ونحن مع رسول الله ﷺ، وسنده صحيح. وأخرج النسائي قال: قال رسول الله ﷺ، زملوهم بدمائهم فإنه ليس كلم يكلم في سبيل الله إلا يأتي يوم القيامة يدمى لونه لون الدم والريح ريح المسك. (٣)

غير أن الإمام أبا حنيفة ذهب إلى غسل الشهيد إذا كان جنبا، والإمام أحمد أيضا على هذا.

---

١) شرح الزركشي: ٢/٣٣٤-٣٣٥.

٢) اخرجه أحمد في "مسنده" أحاديث رجال من أصحاب النبي ﷺ، حديث عبد الله بن ثعلبة (٣٩/٦٤) رقم الحديث: ٢٣٦٥٩.

٣) فتح القدير: ٢/١٤٣-١٤٤.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وخالف أبا حنيفة الشافعي وصاحباه، وهم يقولون: الغسل الذي يوجبه الجنابة قد سقط بسبب الخروج عن دائرة التكليف، والغسل الذي يسبب الموت اسقطه الشهادة فلم يبق الغسل واجبا عليه.

ودليل أبي حنيفة [١] حديث حنظلة بن أبي عامر الذي يقال له غسيل الملائكة وهو ما رواه ابن حبان والحاكم عن عبد الله بن الزبير قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول وقد قتل حنظلة بن أبي عامر الثقفي: إن صاحبكم حنظلة تغسله الملائكة عليهم السلام، فسلوا صاحبته، فقالت: خرج وهو جنب لما سمع الهائعة، فقال رسول الله ﷺ: لذلك غسلته الملائكة.

وجاء في بعض الروايات: أنه قال النبي ﷺ، قال عند مشاهدة غسله: وما بالهم يغسلونه لعله كان جنبا. وهذا يدل على أن الميت الجنب يجب غسله.

وزوجته، وهي جميلة بنت أبي ابن سلول أخت عبد الله بن أبي ابن سلول، وكان قد بنى بها تلك الليلة فرأت في منامها كأن بابا من السماء فتح وأغلق دونه فعرفت أنه مقتول من الغد، فلما أصبحت دعت بأربعة من قومها فأشهدتهم أنه دخل بها خشية أن يقع في ذلك نزاع.

ذكره الواقدي وابن سعد في الطبقات، وزاد: وقال رسول الله ﷺ: إني رأيت الملائكة تغسل حنظلة بن أبي عامر بين السماء والأرض بماء المزن في صحاف الفضة، قال أبو أسيد: ذهبنا إليه فوجدناه يقطر رأسه دما، فرجعت فأخبرت رسول الله ﷺ، الحديث.

وفي غريب الحديث للسرقسطي بسنده عن عروة بن الزبير خرج حنظلة بن أبي عامر وقد واقع امرأته، فخرج وهو جنب لم يغتسل، فلما التقى الناس لقي أبا سفيان بن حرب فحمل عليه فسقط أبو سفيان عن فرسه فوثب عليه حنظلة وقعد على صدره يذبحه فمر به جعونة بن شعوب الكناني فاستغاث به أبو سفيان فحمل على حنظلة فقتله.

ولا مجال للمخالف أن يقول: لو كان الغسل واجبا لغسله النبي ﷺ، لأنه إنما علم بالجنابة بأخبار إمرأته، فلما علم رأى أن الملائكة غسله فاكتفى به، فإن قلت الواجب غسل الآدمين لا الملائكة؟ قلنا: الواجب هو الغسل.

---

١) فتح القدير: ٢/١٤٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وأما الغاسل فيجوز كل من كان غسل أهو آدم أم الملائكة، وروى أن سعد بن معاذ لما توفي قال النبي ﷺ: بادروا إلى غسل أخيكم سعد لئلا يسبقكم إلى غسلته حنظلة، وعلى هذا الخلاف الحائض والنفساء.

الحادي عشر أن الصلاة على الشهيد:

اختلف فيه، فعند مالك والشافعي يصلي على الشهيد، ومن أحمد قولان: والمشهور المختار في مذهبها عدمها، وفي قول: يخير لتعارض أدلتها، وقال في المواهب اللدنية [١]: اختلف عند الشافعية أن منع الصلاة على الشهيد عندهم بمعنى حرمتها أو بمعنى عدم موجبا، ويظهر من كلام أحمد إنها مستحبة لا واجبة، انتهى.

وعند الحنفية تجب الصلاة على الشهيد كسائر الأموات، وتمسك الأئمة في هذا الباب بحديث جابر برواية البخاري والترمذي: أنه لم يصل على قتلى أحد. [٢]

والدليل للإمام أبي حنيفة وصاحبيه وللإمام أحمد في أحد قوليه حديث عقبة بن عامر رواه البخاري ومسلم، أن النبي ﷺ خرج يوما، فصلى على أهل أحد صلاته على الميت، ثم انصرف إلى المنبر، فقال: إني فرط لكم، وأنا شهيد عليكم، وإني والله لأنظر إلى حوضي الآن، وإني أعطيت مفاتيح خزائن الأرض، أو مفاتيح الأرض، وإني والله ما أخاف عليكم أن تشركوا بعدي، ولكن أخاف عليكم أن تنافسوا فيها. [٣] وصح أنه صلى الله عليه وسلم كبر على حمزة سبعين تكبيرة.

والظاهر أنها كانت في الصلاة، وجاء عن ابن عباس أنه ﷺ صلى على قتلى أحد، وصلى على حمزة رضي الله عنه [٤]. وذكر الشمني أن الحاكم روى عن جابر وحكم بصحته، أنه لما وقف على حمزة وشاهد حاله، استغاث وبكى، فألقى رجل من الأنصار كان حاضر ثوبه على وجه حمزة وصلى النبي ﷺ.

---

١) المواهب اللدنية: ٣/٣٩٤.

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الجنائز، باب الصلاة على الشهيد (٢/٩١) رقم الحديث: ١٣٤٣. والترمذي في "جامعه" أبواب الجنائز، باب ما جاء في ترك الصلاة على الشهيد (٣/٣٤٥) رقم الحديث: ١٠٣٦.

٣) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الجنائز، باب الصلاة على الشهيد (٢/٩١) رقم الحديث: ١٣٤٤. ومسلم في "صحيحه" كتاب الفضائل، باب إثبات حوض نبينا ﷺ (٤/١٧٩٥) رقم الحديث: ٢٢٩٦.

٤) أخرجه ابن ماجه في "سننه" كتاب الجنائز، باب ما جاء في الصلاة على الشهيد ودفنهم (١/٤٨٥) رقم الحديث: ١٥١٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

والشيخ ابن الهمام زاد [١]: ثم بالشهداء فيوضعون إلى جانب حمزة فيصلي عليهم، ثم يرفعون ويترك حمزة حتى صلى على الشهداء كلهم.

وروى الحاكم هذا الحديث عن جابر وهو صحيح الإسناد، ولكن الشيخين لم يخرجاه طرقه، وتكلما في بعض رجال اسناده، لكن المختار توثيقهم، وعلى كل تقدير لا يكون الحديث نازلا عن درجة الحسن وهو حجة استقلالا سيما عند المعاونة بأحاديث آخر، وأيضا الحاكم حديثا آخر عن ابن مسعود أنه ﷺ شارف على شهداء أحد وصلى على حمزة سبعين صلاة، وأورد أن أبا بكر الصديق ﷺ بعث عمرو بن العاص إلى أيلة وأرض فلسطين، وقتل هناك مائة وثلاثون رجلا وصلى عليهم عمرو بن العاص وكان مع عمرو تسعة آلاف من المسلمين، انتهى.

ويقولون: حديث حديث جابر الذي رواه البخاري والترمذي ناف، وهذه الأحاديث مثبتة والمثبت مقدم على النافي.

وذكر في بعض شروح الهداية أن جابرا كان يومئذ مشغولا بأبيه وخاله قتلا، وجاء جابر المدينة ليدير في رفعها إلى المدينة، ولم يكن حاضرا حين صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فمن هذا الوجه نفى الصلاة، والذين كانوا في حضرة الرسول ﷺ وشاهدوا فعل النبي ﷺ رأوا اثباتا، انتهى.

وهذا الكلام يدل على أن الصلاة على الشهداء احد كان ذلك الموقت ولكن الأصح أنه كان في وقت آخر، وهذا أيضا يصلح عذرا لرواية جابر النفي الصلاة، وتحصل به التوفيق بين روايته ورواية حاكم وتصحيحه والقول بأن هذا كان توديعا للأحياء والأموات وهذا بعيد.

وقال في الهداية: والشافعي رحمه الله يخالفنا في الصلاة ويقول السيف محاء للذنوب فأغنى عن الشفاعة ونحن نقول الصلاة على الميت لإظهار كرامته والشهيد أولى بها والطاهر عن الذنوب لا يستغني عن الدعاء كالنبي والصبي.[٢]

وقال الشيخ ابن الهمام: وهذا القول مذكور في كتب الفقه بعنوان الحديث، والأمر كما ذكره، ورواه ابن حبان في صحيحه، انتهى. والله أعلم.

---

١) فتح القدير: ٢/١٤٤.

٢) الهداية: ١/٩٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

الثاني عشر في الصلاة على القبر:

واعلم أن الصلاة على القبر مختلف فيه بين العلماء، فذهب الجمهور إلى مشروعيتها سواء صلي أولا أو لا، والنخعي وأبو حنيفة ومالك على أنه يصلى إن لم يصل أولا وإلا فلا، وفي رواية عن أحمد كذلك، وعن مالك أن من صلى أولا مرة على الجنازة لم يصل على القبر. وأيضا إنما يصلى عند أبي حنيفة إن لم يتفسخ في القبر، وقدره بعضهم بثلاثة أيام، وفي رواية عن محمد: يصلى ما لم يتمزق، وهو مقدر إلى شهر، وقد جاءت أحاديث في صلاته صلى الله عليه وسلم على القبر، والشافعي معنا في جوازه.

قال في الحاوي: وصلي على الغائب والمدفون [1]، ولم يعرف فيه تفصيل، وقد جاء مثل ذلك في بعض الأحاديث.

وقال [أبو حنيفة] وأبو يوسف: ما جاء من ذلك لم يكن على وجه الصلاة، وإنما كان دعاء واستغفارا فحسب، ولذا لم تذكر التكبيرات في بعض تلك الروايات، وما ذكرت فيه التكبيرات من الروايات لم تصح، كما يروى من صلاته ﷺ على شهداء أحد بعد ثمان سنين، وكان ذلك بطريق التوديع لا الصلاة، أو كان ذلك من خصائصه ﷺ، حتى ذهب بعض العلماء أن الصلاة على القبر مطلقا من خصائص النبوة كما يفهم من قوله: "إن الله ينورها لهم بصلاتي عليهم"، والله أعلم.

ومنها الكلام في حمل الجنازة:

قال في الهداية: وإذا حملوا الميت على سريره أخذوا بقوائمه الأربع، بذلك وردت السنة، وفيه تكثير الجماعة، وزيادة الإكرام والصيانة، وقال الشافعي: السنة أن يحملها رجلان يضعها السابق على أصل عنقه والثاني على أعلى صدره لأن جنازة سعد بن معاذ رضي الله عنه هكذا حملت، قلنا: كان ذلك لازدحام الملائكة عليه. [2]

قال الشيخ ابن الهمام: روى ابن سعد في الطبقات بسند ضعيف: أنه عليه الصلاة والسلام حمل جنازة سعد بن معاذ من بيته بين العمودين حتى خرج به من الدار. [3]

قال النووي في الخلاصة: ورواه الشافعي بسند ضعيف، الا إن الأثر في الباب ثابتة عن الصحابة وغيرهم، روى الطبراني عن ابن الحويرث، قال: توفي جابر بن عبد الله فشهدناه،

---

١) الحاوي الصغير: ١٣٨/٤.

٢) الهداية: ٩١/١.

٣) فتح القدير: ١٣٤/٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

فلما خرج سريره من حجرته إذا حسن بن حسن بن علي ﷺ بين عمودي السرير، فأمر به الحجاج أن يخرج ليقف مكانه فأبى، فسأله بنو جابر ألا خرجت فخرج، وجاء الحجاج حتى وقف بين عمودي السرير ولم يزل حتى وضع وصلى عليه الحجاج، ثم جاء إلى القبر فنزل حسن بن حسن في قبره، فأمر به الحجاج أن يخرج ليدخل مكانه فأبى عليهم، فسأله بنو جابر فخرج، فدخل الحجاج الحفرة حتى فرغ.(١)

وأسند الطبراني، قال: توفي أسيد بن حضير، ويكنى أبا يحيى سنة عشرين، وحمله عمر ﷺ، بين عمودي السرير حتى وضعه بالبقيع وصلى عليه.(٢)

وروى البيهقي من طريق الشافعي، عن عبد الله بن ثابت، عن أبيه، قال: رأيت أبا هريرة يحمل بين عمودي سرير سعد بن أبي وقاص.(٣)

ومن طريق الشافعي أيضا، عن عيسى بن طلحة، قال: رأيت عثمان بن عفان ﷺ، يحمل بين عمودي سرير أمه فلم يفارقه حتى وضعه.(٤)

ومن طريق، عن يوسف بن ماهك: أنه رأى ابن عمر ﷺ في جنازة رافع بن خديج قائما بين قائمتي السرير.(٥)

ومن طريق، عن شرحبيل بن أبي عون، عن أبيه، قال: رأيت ابن الزبير يحمل بين عمودي سرير المسور بن مخرمة.(٦)

قلنا: [هذه موقوفات] والمرفوع منها ضعيف، ثم هي وقائع أحوال فاحتمل كون ذلك فعلوه لأنه السنة أو لعارض اقتضى في خصوص تلك الأوقات حمل الاثنين.

---

١) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب الجيم، جابر بن عبد الله (٢/١٨١) رقم الحديث: ١٧٣٨.

٢) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير" باب الألف، نسبة أسيد بن حضير (١/٢٠٣) رقم الحديث: ٥٤٨.

٣) أخرجه البيهقي في "السنن الكبرى" كتاب الجنائز، جماع أبواب حمل الجنازة، باب من حمل الجنازة فوضع السرير على كاهله (٤/٣١) رقم الحديث: ٦٨٣٨.

٤) أخرجه البيهقي في "السنن الكبرى" كتاب الجنائز، جماع أبواب حمل الجنازة، باب من حمل الجنازة فوضع السرير على كاهله (٤/٣٠) رقم الحديث: ٦٨٣٦.

٥) أخرجه البيهقي في "السنن الكبرى" كتاب الجنائز، جماع أبواب حمل الجنازة، باب من حمل الجنازة فوضع السرير على كاهله (٤/٣١) رقم الحديث: ٦٨٣٧.

٦) أخرجه البيهقي في "السنن الكبرى" كتاب الجنائز، جماع أبواب حمل الجنازة، باب من حمل الجنازة فوضع السرير على كاهله (٤/٣١) رقم الحديث: ٦٨٣٩.

toobaa-elibrary.blogspot.com

والحق أن نقول: لا دلالة فيها على حمل الاثنين لجواز حمل الأربعة وأحدهم بين العمودين بأن يحمل المؤخر على كتفه الأيمن وهو من جهة يسار الميت والمقدم على الأيسر وهو من جهة يمين الميت فليحمل عليه لما أن بعض المروي عنهم الفعل للمذكور روي عنهم خلافه.

روى ابن أبي شيبة وعبد الرزاق في مصنفيهما حدثنا هشيم عن أبي عطاء عن علي الأزدي قال: رأيت ابن عمر في جنازة فحمل بجوانب السرير الأربع.

وروى عبد الرزاق أخبرني الثوري عن عباد بن منصور، أخبرني أبو المهزم عن أبي هريرة ﷺ، قال: من حمل الجنازة بجوانبها الأربع فقد قضى الذي عليه. ثم قد صح عن رسول الله ﷺ خلاف ما ذهبوا إليه. روى عبد الرزاق وابن أبي شيبة: حدثنا شعبة عن منصور بن المعتمر عن عبيد الله بن نسطاس عن أبي عبيدة عن أبيه عبد الله بن مسعود قال: من اتبع الجنازة فليأخذ بجوانب السرير الأربعة، وروى محمد بن الحسن: أخبرنا الإمام أبو حنيفة، وحدثنا المنصور بن المعتمر به قال: من السنة حمل الجنازة بجوانب السرير الأربعة.

ورواه ابن ماجه به ولفظه: من اتبع الجنازة فليأخذ بجوانب السرير كلها فإنه من السنة، وإن شاء فليدع ثم إن شاء فليدع، فوجب الحكم بأن هذا هو السنة وأن خلافه إن تحقق من بعض السلف فلعارض، ولا يجب على المناظر تعيينه، وقد يشاء فيبدي محتملات مناسبة يجوزها تجويزا كضيق المكان أو كثرة الناس أو قلة الحاملين وغير ذلك. وأما كثرة الملائكة كما ذكر المصنف على ما روى ابن سعد عنه عليه الصلاة والسلام، لقد شهده: يعني سعدا سبعون ألف ملك لم ينزلوا إلى الأرض قبل ذلك، ولقد ضمه ضمة ثم فرج عنه. وما رواه الواقدي في المغازي من قوله عليه الصلاة والسلام، رأيت الملائكة تحمله، فإنما يتجه محملا على تقدير تجسمهم عليهم السلام لا تجردهم عن الكثافة على ما عليه أصل خلقتهم. وفي الآثار: مع كل عبد ملكان، وفيها أكثر إلى سبعين، فلم توجب مزاحمة حسية ولا منعا من اتصال بينك وبين إنسان، ولا حمل شيء على المنكبين والرأس، اللهم إلا أن يراد أن بسبب حملهم عليهم السلام اكتفي عن تكميل الأربعة من الحاملين، ولأن ما ذهبنا إليه أصون للجنازة عن السقوط، وكون ذلك أشق على الحاملين مصلحة معارضة بمفسدة تعريضه على السقوط خصوصا في مواطن الزحمة والمحجن، ولأنه أكثر إكراما للميت وأعون على تحصيل سنة الإسراع وأبعد من التشبه بحمل الأمتعة فإنه مكروه، ولذاكره حمله على الظهر والدابة.(١)

---

١) فتح القدير: ٢/١٣٤-١٣٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

ومنها الكلام في المشي مع الجنازة وتشيعها:

اختلفوا في المشي مع الجنازة، فقال أبو حنيفة والأوزاعي: المشي خلفها أحب، وقال الثوري وطائفة: هما سواء، وقال مالك والشافعي وأحمد بن حنبل: قدامها أفضل، كذا قال الشمني، وقال: لنا في الصحيحين من حديث أبي هريرة: أن النبي ﷺ قال: من صلى على جنازة فله قيراط، ومن اتبع حتى يوضع في القبر فله قيراطان.[١]

وروى عبد الرزاق في مصنفه، عن معمر عن ابن طاوس عن أبيه قال: ما مشى رسول الله ﷺ حتى مات إلا خلف الجنازة.[٢]

وروى هو وابن أبي شيبة عن عبد الرحمن بن أبزى قال: كنت في جنازة وأبو بكر وعمر يمشيان أمامها، وعلي يمشي خلفها، فقلت لعلي: أراك تمشي خلف الجنازة وهذان يمشيان أمامها، قال علي: لقد علمنا أن فضل المشي خلفها على المشي أمامها كفضل صلاة الجماعة على صلاة الفذ، لكنهما أحبا أن ييسرا على الناس[٣]، انتهى.

ومنها الكلام في دفن الميت:

والكلام فيه في ثلاثة مسائل، الأولى: اللحد الشق، قال في الهداية: يحفر القبر ويلحد، لقوله عليه الصلاة والسلام: اللحد لنا والشق لغيرنا. انتهى.[٤]

المراد بلنا المسلمون، ولغيرنا اليهود، كانوا يشقون، فكره التشبه بهم، وقد يراد بنا أهل المدينة فإن أرضها صلبة، واللحد الشق المائل من جانب القبر ما يلي إلى القبلة، والشق ما يكون في وسط القبر.

قال في شرح الشيخ ابن الهمام: السنة عندنا اللحد إلا أن يكون ضرورة من رخو الأرض فيخاف أن ينهار اللحد فيصار إلى الشق، بل ذكر لي أن بعض الأرضين من الرمال يسكنها بعض الأعراب لا يتحقق فيها الشق أيضا، بل يوضع الميت ويهال عليه نفسه.

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الجنائز، باب من انتظر حتى تدفن (٢/٨٧) رقم الحديث: ١٣٢٥.
ومسلم في "صحيحه" كتاب الكسوف، باب فضل الصلاة على الجنازة واتباعه (٢/٦٥٢) رقم الحديث: ٩٤٥.

٢) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الجنائز، باب المشي أمام الجنازة (٣/٤٤٥) رقم الحديث: ٦٢٦٢.

٣) أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الجنائز، باب في المشي أمام الجنازة من رخص فيه (٣/٤٧٧) رقم الحديث: ١١٢٣٩. وعبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الجنائز، باب المشي أمام الجنازة (٣/٤٤٥) رقم الحديث: ٦٢٦٣.

٤) الهداية: ١/٩١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

والحديث المذكور رواه الترمذي عن ابن عباس وفيه عبد الأعلى بن عامر، قال الترمذي: فيه مقال. ورواه ابن ماجه عن أنس، لما توفي النبي ﷺ وكان بالمدينة رجل يلحد والآخر يضرح، فقالوا: نستخير ربنا ونبعث إليهما فأيهما سبق تركناه، فأرسل إليهما فسبق صاحب اللحد، فلحدوا للنبي ﷺ، وحديث مسلم ظاهر فيه، وهو ما أخرج عن سعد بن أبي وقاص أنه قال في مرضه الذي مات فيه الحدوا لي لحدا وانصبوا علي اللبن نصبا كما صنع برسول الله ﷺ، وهو رواية من سعد أنه عليه الصلاة والسلام، ألحد. وروى ابن حيان في صحيحه عن جابر، أنه عليه الصلاة والسلام، ألحد.[1]

ويفهم من قول الشيخ ابن الهمام السنة عندنا اللحد، ان فيه خلاف الأئمة، ولكن في الحاوي في مذهب الشافعي: اللحد أولى.[2]

ونقل في شرح النقاية عن الكفاية أن مختار الشافعي الشق، لكن ما ذكر في اليتيمة يوافق قولهم، وقال كثير من الصحابة: أوصوا يدفنوا عن غير لحد وشق، وقالوا: ليس جنب الأيسر أولى من الأيمن، فكانوا يهال عليهم التراب، ولكن يتوقي الوجه من التراب، انتهى.

تنبيه

كيف يدخل الميت في القبر؟ قال في الهداية[3]: ويدخل الميت مما يلي القبلة، وذلك بأن يوضع الجنازة في جانب القبلة من القبر، ويحمل منه الميت ويوضع في القبر، خلافا للشافعي رحمه الله فإن عنده يسل سلا، والسل إخراج الشيء بجذب ونزع وكسل السيف من الغمد، وأريد به هنا نزع الميت من الجنازة إلى القبر، وصورة السل بأن يوضع الجنازة في مؤخر القبر حتى يكون رأس الميت بإزاء موضع قدميه من القبر، ثم يدخل الرجل إلى لحد القبر، ويدخل رأس الميت في القبر ويسل كذلك.

وقال شمس الأئمة الحلواني: صورة بأن يوضع الجنازة في مقدم القبر حتى يكون رجل الميت بإزاء موضع رأسه من القبر ثم يدخل الرجل القبر، فيأخذ برجل الميت ويدخلها القبر قبل كذلك، وقد قيل لكل منهما، والمروي عن الشافعي أيضا الأول، قال: أخبرنا الثقة عن عمرو بن عطاء عن عكرمة أن ابن عباس قال: سل رسول الله ﷺ من قبل رأسه، وقال:

---

١) الهداية: ٩١/١.

٢) الحاوي الصغير: ٢٠٥.

٣) الهداية: ٩١/١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

أخبرنا بعض أصحابنا عن أبي الزناد وربيعة وأبي النضر لا اختلاف بينهم في ذلك: أن النبي ﷺ سل من قبل رأسه، وكذلك أبو بكر وعمر وإسناد أبي داود صحيح، وهو ما أخرج عن أبي إسحاق والسبيعي قال: أوصاني الحارث أن يصلي عليه عبد الله بن يزيد الخطمي، فصلى عليه ثم أدخله القبر من قبل رجل القبر وقال: هذا من السنة.

قلنا: إن جانب القبلة معظم فيستحب الإدخال منه: واضطربت الروايات في إدخال النبي عليه الصلاة والسلام فكما روي ذلك روي خلافه.

أخرج أبو داود في المراسيل عن حماد بن أبي سليمان عن إبراهيم هو النخعي: أن النبي ﷺ أدخل القبر من قبل القبلة ولم يسل سلا. وأخرج ابن ماجه في سننه عن أبي سعيد: أنه عليه الصلاة والسلام أخذ من قبل القبلة واستقبل استقبالا، وعلى هذا لا حاجة إلى ما دفع به الاستدلال الأول من أن سله للضرورة لأن القبر في أصل الحائط لأنه عليه الصلاة والسلام دفن في المكان الذي قبض فيه فلا يمكن أخذه من جهة القبلة، على أنه لم يتوف ملتصقا إلى الحائط بل مستندا إلى عائشة على ما في الصحيحين كانت تقول: مات بين حاقنتي وذاقنتي، يقتضي كونه مباعدا من الحائط وإن كان فراشه إلى الحائط لأنه حالة استناده إلى عائشة مستقبل القبلة للقطع بأنه عليه الصلاة والسلام إنما يتوفى مستقبلا فغاية الأمر أن يكون موضع اللحد ملتصقا إلى أصل الجدار، ومنزل القبر قبلة، وليس الإدخال من جهة القبلة إلا أن يوضع الميت على سقف اللحد ثم يؤخذ الميت وحينئذ نقول: تعارض ما رواه وما رويناه فتساقطا. ولو ترجح الأول كان للضرورة كما قلنا.

وغاية فعل غيره أنه فعل صحابي ظن السنة ذلك، وقد وجدنا التشريع المنقول عنه عليه الصلاة والسلام في الحديث المرفوع خلافه. كذا ذكره الشيخ ابن الهمام وحقق ما ذكر بما ذكر من الأحاديث.[1]

الثانية في تسنيم القبر وتربيعه:

قال في الهداية: ويسنم القبر ولا يسطح ثم لا يربع لأنه ﷺ نهى عن تربيع القبور ومن شاهد قبره عليه الصلاة والسلام أخبر أنه مسنم.[2]

وفي شرح الشيخ ابن الهمام: روى محمد بن الحسن أخبرنا أبو حنيفة عن حماد بن أبي سليمان عن إبراهيم قال: أخبرني من رأى قبر النبي ﷺ وقبر أبي بكر وعمر ناشزة من الأرض

---

١) فتح القدير: ٢/١٣٧-١٣٨.

٢) الهداية: ١/٩٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعليها فلق من مدر أبيض. وفي صحيح البخاري عن أبي بكر بن عياش أن سفيان التمار حدثه أنه رأى قبر النبي ﷺ مسنما. ورواه ابن أبي شيبة في مصنفه ولفظه عن سفيان: ودخلت البيت الذي فيه قبر النبي ﷺ فرأيت قبر النبي ﷺ وقبر أبي بكر وعمر مسنمة وما عورض به مما روى أبو داود عن القاسم بن محمد قال: دخلت على عائشة ﵂ فقلت: يا أمه اكشفي لي عن قبر رسول الله ﷺ وصاحبيه، فكشفت لي عن ثلاثة قبور لا مشرفة ولا لاطئة مبطوحة ببطحاء العرصة الحمراء، ليس معارضا لهذا حتى يحتاج إلى الجمع بأدنى تأمل.[1]

وفي بعض شروح الهداية: المراد من تسنيم القبر رفعه من الأرض مقدار شبر وأكثر، وفي شرح النقاية عن الخلاصة وفتاوى قاضي خان: يستحب أن يكون القبر مسنما مرتفعا قدر الشبر، يعني أن المراد إعلاء القبر ورفعه زائد كما جاء في مسلم عن أبي الهياج الأسدي قال: قال لي علي: أبعثك على ما بعثني عليه رسول الله ﷺ أن لا تدع تمثالا إلا طمسته ولا قبرا مشرفا إلا سويته، فهو على ما كانوا يفعلونه من تعلية القبور بالبناء الحسن العالي، وليس مرادنا ذلك القدر بل قدر ما يبدو من الأرض ويتميز عنها، والله سبحانه أعلم.[2]

وعند الشافعي يسطح القبر والتسطيح أولى من التسنيم لما روى أنه لما توفي إبراهيم بن رسول الله ﷺ جعل رسول الله ﷺ قبره مسطحا.

وفي بعض شروح الهداية سطحه أولا ثم تسنمه، والله أعلم.

ومنها الكلام في زيارة القبور:

قد نهى في ابتداء الإسلام عن زيارة القبور تقرب عندهم بالجاهلية حذرا عن التشبه بعبادة الأصنام خوفا أن يقولوا ويفعلوا ما كانوا يتعاهدونه في الجاهلية ثم نسخ ذلك بعد ثبوت قواعد الإسلام وتقررها فلا خلاف في صحتها، وثبوتها في الشرع غير أنها مسنونة مستحبة عندنا لأنها يورث رقة القلب، وكذلك عند الشافعي والإمام أحمد، ولم نجد ذكرها في كتاب مالك رحمة الله عليه.

وفي كتاب الخرقي: ولا بأس أن يزور الرجال للمقابر.[3]

---

١) فتح القدير: ٢/١٤٠.

٢) فتح القدير: ٢/١٤٠-١٤١.

٣) مختصر الخرقي: ٤٠.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وفي شرحه: نستحب للرجال زيارة القبور، على المنصوص، والمشهور عند الأصحاب، لما روى بريدة ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها، ونهيتكم عن لحوم الأضاحي فوق ثلاث، فأمسكوا ما بدا لكم، ونهيتكم عن النبيذ إلا في سقاء، فاشربوا في الأسقية كلها، ولا تشربوا مسكرا، رواه مسلم وغيره.

وقيل: يباح ولا يستحب، وهو ظاهر كلام الخرقي؛ لأن في رواية أحمد والنسائي عن بريدة ونهيتكم عن زيارة القبور فمن أراد أن يزور فليزر، ولا تقولوا هجرا، وهو الغالب في الأمر بعد الحظر، لا سيما وقد قرنه بما هو مباح، وهو ادخار لحوم الأضاحي، والانتباذ في كل سقاء. [1]

وهذا في حق الرجال، وفي زيارة النساء اختلاف، فقيل: النهي في حق النساء باق، وإنما وقعت الرخصة للرجال، بدليل قوله: فزوروها، بصيغة المذكر، وهذا الدليل ضعيف، لأن من عادة لسان الشرع تخصيص الخطاب بالذكور، أما للغلبة والاصالة أو تغليبا للذكور على الأناث، والأكثرون على ثبوت الرخصة للرجال والنساء معا، إليه ذهب الثلاثة إلا الإمام أحمد، قائل بالكراهة للنساء.

قال الخرقي: ويكره للنساء. [2] وفي شرحه: هذا إحدى الروايتين عن أحمد رحمه الله، قال: لا تخرج المرأة إلى المقابر، ولا إلى غيرها، وذلك لما روى أبو هريرة ﷺ: أن النبي ﷺ لعن زوارات القبور، رواه أحمد، وابن ماجه، والترمذي وصححه.

وروي أيضا من حديث حسان، وابن عباس ﷺ وهذا النهي خاص بالنساء، وذلك النهي والأمر يحتمل أنهما خاصان بالرجال، ويحتمل أنهما لهما، ويحتمل أن هذا الحديث بعد الإذن في الزيارة، وإذا دار الأمر بين الحظر والإباحة، فأقل الأحوال الكراهة، بل لو قيل بالحظر لم يكن بعيدا، لا سيما والمرأة قليلة الصبر، فالظاهر تهييج حزنها، برؤية قبور أحبتها، فقد يقع منها ما لا ينبغي.

وقد روي عن عبد الله بن عمرو قال: بينما نحن نسير مع رسول الله ﷺ إذ بصر بامرأة لا نظن أنه عرفها، فلما توسط الطريق وقف، حتى انتهت إليه، فإذا هي فاطمة بنت رسول الله ﷺ، فقال لها: ما أخرجك من بيتك يا فاطمة؟ فقالت: أتيت أهل هذا البيت فرحمت إليهم، وعزيتهم بميتهم. قال: لعلك بلغت معهم الكدى؟ قالت: معاذ الله أن أكون بلغتها، وقد

---

١) شرح الزركشي: ٢/٣٦٧-٣٦٨.

٢) مختصر الخرقي: ٤٠.

toobaa-elibrary.blogspot.com

سمعتك تذكر في ذلك ما تذكر. فقال: لو بلغتها معهم، ما رأيت الجنة، حتى يراها جد أبيك، رواه أحمد، والنسائي، وهذا لفظه، وقد صحح وضعف. وحسن. والرواية الثانية: يباح لها ذلك، قال أحمد: أرجو أن لا يكون به بأس، وذلك لعموم حديث بريدة ﷺ.

وعن عبد الله بن أبي مليكة: أن عائشة ﷺ أقبلت ذات يوم من المقابر، فقلت لها: يا أم المؤمنين، من أين أقبلت؟ قالت: من قبر أخي عبد الرحمن. فقلت لها: أليس كان نهى رسول الله ﷺ عن زيارة القبور؟ قالت: نعم، كان نهى عن زيارة القبور، ثم أمر بزيارتها. رواه الأثرم في سننه، واحتج به أحمد في رواية إبراهيم بن الحارث، ففهمت دخولهن في العموم.

واعلم أن الخلاف السابق حكاه أبو الخطاب في الهداية، والشيخان وغيرهم في الكراهة، وحكاه صاحب التلخيص في التحريم، ولعله أوفق لنص أحمد، وجمع ابن حمدان الطريقتين، فحكى ثلاث روايات، الإباحة، والكراهة، والتحريم.

وعلى جميع الروايات متى علمت من نفسها أنها متى زارت بدا منها ما لا يجوز، لم تجز لها الزيارة قولا واحدا.[1]

وفي زيارة القبور أقوال واختلافات، والعمدة في الزيارة الدعاء للأموات والاستغفار لهم بذلك وردت السنة، وأما الاستمداد بأهل القبور فغير جائز، فقد أنكر كثير من الفقهاء، وقالوا: ليس الزيارة إلا لدعاء الموتى والاستغفار لهم.

وأثبته المشائخ الصوفية وحققناه في موضع في شرح المشكاة في هذا الباب[2] وفي كتاب الجهاد، في قصة قتلى بدر[3]، وآدابها وأحكامها مذكورة في مواضعها.

ومن آدابها: أن لا يمسح القبر، ولا يقبله، ولا ينحني، ولا يعفر الوجه على التراب، فإن ذلك عادة النصارى، وقراءة القرآن مكروه عند أبي حنيفة، وعند محمد لا يكره، وأخذ الصدر الشهيد أحد مشايخنا الحنفية بقول محمد وعليه الفتوى، وحكي عن الشيخ الإمام الجليل أبي بكر محمد بن الفضل: إنما كره قراءة القرآن عند المقبرة جهرا، وأما المخافتة فلا بأس بها وإن ختم، والزيارة يوم الجمعة أفضل خصوصا في بكرة، وهو المتعارف في الحرمين الشريفين، وكره وطء القبور بالإقدام بلا ضرورة.

---

١) شرح الزركشي: ٢/٣٦٨-٣٧٠.
٢) لمعات التنقيح: ٤/٢١٤-٢٢٤.
٣) لمعات التنقيح:

toobaa-elibrary.blogspot.com

وفي كتاب الخرقي: ويخلع النعال إذا دخل المقابر.[1] وفي شرحه: يستحب خلع النعال في المقبرة، ويكره المشي فيها إذا، لما روى بشير مولى رسول الله ﷺ قال: بينما أنا أماشي رسول الله ﷺ مر بقبور المشركين، فقال: لقد سبق هؤلاء خيرا كثيرا ثلاثا، ثم مر بقبور المسلمين فقال: لقد أدرك هؤلاء خيرا كثيرا، ثم حانت من رسول الله ﷺ نظرة، فإذا رجل يمشي عليه نعلان، فقال له: يا صاحب السبتيتين ألقهما، فنظر الرجل فلما عرف رسول الله ﷺ خلعهما، فرمى بهما. رواه أبو داود، والنسائي، واحتج به أحمد في رواية حنبل وغيره، وقال: هذا أمر من النبي ﷺ وصححه في رواية محمد بن الحكم، ونقل عنه ما يدل على جواز ذلك من غير كراهة. ومفهوم كلام الخرقي أنه لا يخلع ما عدا النعال من الخفاف، والتمشكات، وغيرهما، ولذلك قال القاضي: لا تتعدى الكراهة الى التمشكات، ولا إلى غيرها، قصرا للنص على موضعه، وقيل بتعديه إلى التمشكات، لأنه في معنى النعل، لا إلى الخف؛ لأن في الخلع مشقة، ولهذا كان أحمد يلبس الخفاف في المقابر.[2]

---

1) مختصر الخرقي: ٤٠.

2) شرح الزركشي: ٢/٣٦٦-٣٦٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

كتاب الزكاة

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

كتاب الزكاة

قد عرفت تغير عادة الكتاب في ترتيب الفصول وإيراد الأحاديث على نحو ترتيب المشكاة؛ فإن أجل مقصودنا في وضع هذا الكتاب بيان المسائل الخلافية التي وقع فيه اختلاف بين الأئمة الأربعة كلا أو بعضا، وتائيد مذهب الإمام أبي حنيفة، واثباته بالدلائل التي ذكر مشالخنا، وإلى هذ المقام أخذنا المسائل الخلافية مما هو المذكور في المشكاة من الأحاديث، ولعله يزيد مما لم يذكر في المشكاة إذا لم يستوفها.

وأما في هذا الكتاب -أعني كتاب الجنائز والزكاة والصوم والحج-: فما أخذنا الخلافية من المشكاة لعدم استيفالها، وأخذنا من كتبهم، واكتفينا في ذكر الأحاديث بما ذكر في المشكاة، وفيه كفاية، وكان لا يعرف هذه المسائل كلها من الأحاديث مفصلة كما ذكرت في كتبهم، ففي "كتاب الزكاة" [1] وجدنا الخلاف وقع في ثلاثين مسائل على ما ذكر في الهداية، فنقلناها منها مع دلائل ذكرت فيها وفي شروحها، وأضفنا إليها ما تيسر ذكرها من شرح الشيخ ابن الهمام، وبالله التوفيق.

المسألة الأولى:

قال في الهداية [2]: وليس على الصبي والمجنون زكاة، خلافا للشافعي رحمه الله؛ فإنه يقول: هي غرامة مالية أي حق واجب بسبب المال، والصغر والجنون لا يمنعان وجوبه، فتعتبر بسائر المؤن كنفقة الزوجات وصار كالعشر والخراج؛ فإنهما يجبان على الصبي والمجنون فكذا الزكاة، ووجه الالحاق أن العشر والخراج واجبأن عليهما باعتبار أنها غرامة مالية، وهذا المعنى موجود هنا فيجب كوجوبها.

---

١) كتاب الزكاة: وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ، الآية. [البقرة: ٤٣.] وقال تعالى: وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَٰلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ. [البينة: ٥.] وقال تعالى: وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ، الآية. [التوبة: ٣٤.] وقال تعالى: وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُم بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، الآية. [آل عمران: ١٨٠.] (الأعظمي.)

٢) الهداية: ١/٩٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

ولنا أن الزكاة عبادة؛ لأنها إحدى أركان الدين، والمقصود من أصل الدين معنى العبادة، فلا تتأدى إلا بالاختيار تحقيقا لمعنى الابتلاء؛ حتى لو ادي باختياره يثاب عليه، ولو ترك يعاقب، وهذا لأنها إنما وجبت يتحمل العبد المشقة بفعل المأمور به، فيصير مطيعا مستحقا للثواب، أو يتركه باختياره فيكون عاصيا مستحقا للعقاب؛ قال الله سبحانه: "لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا" (١)، والابتلاء من الله إظهار ما علم في سابق علمه من المطيع والعاصي بواسطة التكليفات الشرعية فليبني على الاختيارات في العبادات المالية، واعتبار العبادات البدنية لا وجه لإيجابها عليها باعتبار أداء الولي؛ لأن ولايته يثبت من غير اختيار الصبي فلا يتحقق به معنى العبادة من الصبي، فيفوت حكم الإبتلاء، ولا اختيار للصبي والمجنون لعدم العقل بخلاف الخراج؛ لانه مؤنة الأرض، والمؤنة عبارة عما هو سبب بقاء الشيء كالنفقة، ثم العشر والخراج سبب بقاء الأرض في أيدي الملاك؛ لأن مصرف العشر الفقراء، ومصرف الخراج المقاتلون فالمقاتلة المدافعون عن حريم الإسلام، والفقراء يدعون بنصرة الإسلام على الكفار وكذا الغالب.

والحاصل في العشر معنى المؤنة، ومعنى العبادة من الصبي تابع باعتبار للصرف، والتابع بالنسبة إلى الغالب كالعدم؛ لأن سببه الأرض النامية لأنه وجب لبقائها في يدي المالك بصرفه وإلى الفقراء والدائبن من حريم الدين والدعاء، وعبادة بالنظر إلى وصفه، وهو النهار لأنه نعمة يستدعي وجوب شكرها، ولا خفاء أن الأصل راجع على الوصف فيغلب معنى المؤنة على العبادة، والصبي أهل لوجوب المؤن كنفقة الزوجات والاقارب؛ فيجب عليه الخراج والعشر، هذا ما ذكر في تقريب هذا المقام في شروح الهداية.

وقال الشيخ ابن الهمام في شرح قول الشافعي "هي غرامة مالية فتعتبر بسائر المؤن (٢)" إلى آخره (٣): والحاق الزكاة بنفقة زوجة الصبي والمجنون وعشر أرضهما وخراجهما؛ فإنه يجب في أرضهما العشر والخراج، [وكذا الأراضي الموقوفة على المساجد وجميع جهات البر] والجامع أنها غرامة: أي حق مالي يلزم بسبب [في مالهما] فيخاطب [الولي] بدفعه، ويدل على الحكم المذكور أيضا ما رواه الترمذي من حديث عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن النبي ﷺ خطب الناس فقال: ألا من ولي يتيما له مال فليتجر فيه ولا يتركه حتى تأكله الصدقة.

---

١) هود. ٧.

٢) الحقوق [فتح الرحمن في إثبات النعمان: ١/١٧٤.]

٣) فتح القدير: ٢/١٥٦.

toobaa-elibrary.blogspot.com

قلنا: أما الحديث فضعيف، قال الترمذي [1]: إنما يروى الحديث من هذا الوجه وفي إسناده مقال لأن المثنى يضعف في الحديث.

وقال صاحب التنقيح: سألت أحمد بن حنبل عن هذا الحديث فقال: ليس بصحيح، وللحديث طريقان آخران عند الدارقطني وهما ضعيفان باعترافه.

وأما القياس فنمنع كون ما عينه تمام المناط فإنه منقوض بالذمي لا يؤخذ من ماله زكاة، فلو كان وجوبها بمجرد كونها حقا ماليا منه يثبت للغير لصح أداؤها منه بدون الإسلام، بل وأجبر عليه كما يجبر على دفع نفقة زوجته ونحو ذلك، وحين لم يكن كذلك علم أنه اعتبر فيها وصف آخر لا يصح مع عدمه وهو وصف العبادة الزائل مع الكفر، قال عليه الصلاة والسلام: بني الإسلام على خمس، وعد منها الزكاة كالصلاة والحج والصوم فتكون موضوعة عن الصبي، قال عليه الصلاة والسلام: رفع القلم عن ثلاثة: عن النائم حتى يستيقظ، وعن الصبي حتى يحتلم، وعن المجنون حتى يعقل. رواه أبو داود والنسائي والحاكم وصححه. [2]

واعتبار تعلق خطاب الدفع الذي هو عبادة بالولي ابتداء لا بطريق النيابة ليدفع به هذا، وما يقال المعتبر في الأداء نية الأصل لا النائب جائز لكن الكلام في ثبوت مفيد وقوع هذا الجائز، إذ بمجرد الجواز لا يلزم الوجود شرعا فلا يفيد ما ذكروه المطلوب ولم يوجد، فإن الحديث لم يثبت.

والقياس لم يصح كما سمعت، على أنه لو صح لم يقتض إلا وجوب الأداء على الولي نيابة كما هو في المقيس عليه من نفقة الزوجة، وهل يكون تصرف الإنسان في مال غيره إلا بطريق النيابة وبه يفارق تصرفه في مال نفسه، وما روي عن عمر وابنه رضي الله عنهما وعائشة ﷺ من القول بوجوبها في مالهما لا يستلزم كونه عن سماع، إذ قد علمت إمكان الرأي فيه فيجوز كونه بناء عليه، فحاصله قول صحابي عن اجتهاد عارضه رأي صحابي آخر.

قال محمد بن الحسن في كتاب الآثار: أخبرنا أبو حنيفة، حدثنا ليث بن أبي سليم عن مجاهد عن ابن مسعود قال: ليس في مال اليتيم زكاة، وليث كان أحد العلماء العباد. وقيل اختلط في آخر عمره.

---

1) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الزكاة، باب ما جاء في زكاة مال اليتيم (٢٣/٣) رقم الحديث: ٦٤١.

2) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الحدود، باب في المجنون يسرق أو يصيب حدا (١٣٩/٤) رقم الحديث: ٤٣٩٨. والنسائي في "سننه" كتاب الطلاق، باب من لا يقع طلاقه من الأزواج (١٥٦/٦) رقم الحديث: ٣٤٣٢. والحاكم في "المستدرك" كتاب البيوع، وأما حديث معمر بن راشد (٦٧/٢) رقم الحديث: ٢٣٥٠.

toobaa-elibrary.blogspot.com

ومعلوم أن أبا حنيفة لم يكن ليذهب فيأخذ عنه في حال اختلاطه ويرويه وهو الذي شدد في أمر الرواية ما لم يشدده غيره على ما عرف.

وروي مثل قول ابن مسعود عن ابن عباس تفرد به ابن لهيعة، [وفي ابن لهيعة] ما قدمناه غير مرة، وحاصل ما نقول في نفي الزكاة عنهما، أن نفي العبادة عنهما بالنافي الثابت. وعن وليهما ابتداء على العدم الأصلي لعدم سلامة ما يفيد ثبوته عليه ابتداء.

المسألة الثانية:

ومن كان عليه دين يحيط بماله فلا زكاة عليه، وقال الشافعي رحمه الله تجب لتحقق السبب وهو ملك نصاب تام. (١)

ولهذا ينفذ تصرفه ببدل أو بغير بدل كما ينفذ قبل الدين، ولأن دين المرء يجب في ذمته، ولا تعلق له بماله، فالدين لا ينافي تلك النصاب، وكذا لا ينافي النماء أيضا؛ لأن دليله هو الإعداد للنماء من جهة الله تعالى أو من جهة العبد بالتجارة.

ولنا أنه مشغول بحاجته الأصلية، وهو دفع المطالبة والملازمة والحبس في الحال، والمؤاخذة في المآل إذ الدين حائل بينه وبين الجنة، وأي حاجة أعظم من هذا، فاعتبر مال المديون معدوما حكما لكونه مشغولا بالحاجة الأصلية فصار كالماء المستحق للعطش، وثياب البذلة والمهنة؛ فإنهما مشغولا بحاجة البقاء في الدنيا، فاعتبرا معدومين حتى جاز التيمم مع وجود ذلك الماء، ولم تجب الزكاة وإن بلغت ثياب البذلة نصابا، ولأن الملك عبارة عن الاختصاص عن المطلق الحاجز للغير عن أخذه منه، فالملك غير موجود في حق المديون لقدرة رب الدين عن الانتزاع من يده قهرا، فلا تجب، ولأنه مصرف الزكاة بالإجماع فيكون فقيرا، ولا زكاة على الفقير، ففي وجوب الزكاة على الإنسان وحل أخذها له منافاة.

وفي شرح الشيخ ابن الهمام: إن عدم وجوب الزكاة هو قول ابن عمر وعثمان رضي الله عنهما، وكان عثمان ﷺ يقول: هذا شهر زكاتكم، فمن كان عليه دين فليؤد دينه حتى تخلص أمواله، فيؤدي منها الزكاة بمحضر من الصحابة من غير نكير، فتدبر. (٢)

---

١) الهداية: ٩٥/١.

٢) فتح القدير: ١٦١/٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

المسألة الثالثة:

لا زكاة في مال الضمار، وهو مال غائب لا يرجى وصوله، وإن رجي فليس بضمار، ماخوذ من الإمضار بمعني الإخفاء والتغيب، يقال أضمرته في صدري أي غيبته فيه، أو من قولهم: "بغير ضامر" أي مهزول مشرف على الهلاك بهزاله.

وقيل: هو مال الغير المنفع به، وعينه قائم وصار في معنى الغائب، ومن جملته: المال المفقود، والعبد الآبق الذي لا يعلم مكانه، والمغصوب إذا لم يكن عليه بينة؛ حتى لو كان عليه بينة لا يكون ضمار، أو على المغصوب منه زكاة ما مضى بالإجماع.

والمال الساقط في البحر، وفي المدفون في المفازة إذا نسي مكانه، احتراز عن المدفون في أرض له أو كرم أو بيت، ونسي مكانه.

والذي أخذه السلطان مصادرة بغير حق ظلما، وكذلك المودع عند من لا يعرفه إذا نسي شخصه، والمال الذي ذهب به العدو إلى دار الحرب، فإذا وجد هذه الأموال لايزكي لما مضى من السنوات.

وعند زفر والشافعي في أصح قوليه: يزكي لهما؛ لأن السبب أي سبب وجوب الزكاة قد تحقق؛ لأنه كان متحققا قبل هذه العوارض، وهذه العوارض لا يوجب خلله في تلك الذات، ولهذا لو ظفر به يوما من الدهر يكون مالكا، وفوات اليد غير مخل بالوجوب إذا الوجوب في الذمة واليد شرط الأداء، لا شرط الوجوب كمال ابن السبيل.

ولنا قول علي ﷺ لا زكاة في مال الضمار.[1]

قال الشيخ ابن الهمام[2]: هكذا ذكره مشايخنا عنه، وروى أبو عبيد القاسم بن سلام في كتاب الأموال[3]: حدثنا يزيد بن هارون، حدثنا هشام بن حسان الحسن عن الحسن البصري قال: إذا حضر الوقت الذي يؤدي فيه الرجل زكاته أدى عن كل مال وعن كل دين إلا ما كان ضمارا لا يرجوه.

وروى ابن أبي شيبة في مصنفه:[4] ثنا عبد الرحمن بن سليمان عن عمرو بن ميمون قال: أخذ الوليد بن عبد الملك مال رجل من أهل الرقة يقال له أبو عائشة عشرين ألفا

---

١) الهداية: ٩٦/١.

٢) فتح القدير: ١٦٦/٢.

٣) كتاب الأموال للقاسم بن سلام: ٥٢١.

٤) أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الزكاة، باب ما قالوا في الرجل يذهب له المال السنين (٤٢٠/٢) رقم حديث: ١٠٦١٤.

toobaa-elibrary.blogspot.com

فألقاها في بيت المال، فلما ولي عمر بن عبد العزيز أتاه ولده فرفعوا مظلمتهم إليه، فكتب إلى ميمون أن ادفعوا إليهم أموالهم وخذوا زكاة عامهم هذا، فإنه لولا أنه كان مالا ضمارا أخذنا منه زكاة ما مضى، أخبرنا أبو أسامة عن هشام عن الحسن قال: عليه زكاة ذلك العام انتهى.

وروى مالك في "الموطأ" [1]: عن أيوب السختياني أن عمر بن عبد العزيز كتب في مال قبضه بعض الولاة ظلما فأمر برده إلى أهله، ويؤخذ زكاته لما مضى من السنين، ثم عقب بعد ذلك بكتاب أن لا يؤخذ منه إلا زكاة واحدة فإنه كان ضمارا. وفيه انقطاع بين أيوب وعمر. واعلم أن هذا لا ينتهض على الشافعي لأن قول الصحابي عنده ليس حجة فكيف بمن دونه، فهذا للإثبات للذهبي، انتهى كلام الشيخ.

ولنا أيضا أن السبب هو المال النامي، ولا نماء إلا بالقدرة على التصرف، ولا قدرة ههنا على التصرف؛ لأن ذلك إنما يكون باليد ولايد فلا قدرة ولانماء. وابن السبيل يقدر على نمائه حكما فيجب، فكان القياس عليه قياس مع الفارق، وفي هذا الكلام منع قولهما أن السبب قد تحقق يعني لا نسلم أن السبب قد تحقق لأن السبب هو المال النامي تحقيقا أو تقديرا بالاتفاق، للاتفاق على أن من ملك من الجواهر النفيسة ما تساوي آلافا من الدنانير ولم ينو فيها التجارة لا تجب فيها الزكاة، وولاية إثبات حقيقة التجارة باليد، فإذا فاتت انتفى تصور الاستنماء تحقيقا فانتفى تقديرا فانتفى النماء تقديرا لأن الشيء إنما يقدر تقديرا إذا تصور تحقيقا، وعن هذا انتفى في النقدين أيضا لانتفاء نمائهما التقديري بانتفاء تصور التحقيقي بانتفاء اليد فصار بانتفائها كالتاوي، كذا في شرح الشيخ ابن الهمام، فتدبر. [2]

ومن جملة مال الضمار، الدين إذا جحد المديون، ولم يكن عليه بينة، فإن كان عليه بينة أو علم به القاضي فلا ضمار؛ لإمكان الوصول إليه، وهذا رواية الأصل.

وفي رواية الجامع الصغير خلاف ذلك، وبعض المشايخ اجروه على إطلاقه، وقالوا: لاينتقد نصابا بكل حال؛ لأنه لا يمكن من أخذها إلا بالقضاء بالبينة، ولا قضاء بالبينة إلا بعد العدالة، ولا كل شاهد يعدل، ولا كل قاضي يعدل، وبعضهم كانوا أولو كما ذكر في جامع الصغير كما ذكر في الهداية وشرحه.

---

1) أخرجه مالك في "الموطأ" كتاب الزكاة، باب الزكاة في الدين (١/٢٥٣) رقم الحديث: ١٨.

2) فتح القدير: ٢/١٦٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

المسألة الرابعة:

إذا زادت الإبل إلى مائة وعشرين يستأنف الفريضة، وقال الشافعي إذا زادت على مائة وعشرين واحدة ففيها ثلاث بنات لبون فإذا صارت مائة وثلاثين ففيها حقة وبنتا لبون ثم يدار الحساب على الأربعينات والخمسينات فتجب في كل أربعين بنت لبون وفي كل خمسين حقة لما روي أنه عليه الصلاة والسلام كتب ذلك.

ولنا أنه عليه الصلاة والسلام كتب في آخر ذلك في كتاب عمرو بن حزم فما كان أقل من ذلك ففي كل خمس ذود شاة، فنعمل بالزيادة. [١]

قد نقل الشيخ ابن الهمام كتاب رسول الله ﷺ في الصدقات الذي كتبه إلى أهل اليمن، بعثه مع عمرو بن حزم، قال: وبالغ في تحقيق الأمر وأثبت المذهب كما هو عادته رحمه الله فلينظر ثمه [٢]، والله أعلم.

وكان يستحسنه عند آل عمر بن الخطاب وكتاب أبي بكر الصديق لأنس بن مالك لما وجهه إلى البحرين.

المسألة الخامسة:

يؤخذ في زكاة الغنم الذكور والأناث سواء كان النصاب كله ذكورا أو أناثا أو مختلطا.

وقال الشافعي: لايؤخذ الذكور إلا إذا كان النصاب كله ذكورا، وقال: لأن منفعة النسل لا تحصل به، ويجوز في زكاة الذكور؛ لأن الواجب جزء من النصاب، ولأن النص ورد في باب الغنم مطلقا عن [صفة] الذكورة والأنوثة، و [في باب] الإبل مقيد بصفة الأنوثة، فالشافعي رحمه الله يحمل المطلق على المقيد، وإن كانا في الحادثتين فحمل إطلاق الغنم على تقييد الإبل ولم يحمل على نص البقر؛ لأن النص ثمه كما ورد بالذكورة ورد بالأنوثة، فلم يمكن الحمل على المقيد هنا. كذا في شروح الهداية. [٣]

ولنا أن اسم الشاة ينتظمهما؛ لأنه اسم جنس، وقد قال ﷺ: في أربعين شاة شاة، ولأن ذكورا من الغنم يقارب الأناث في المالية، ومن الإبل لا، فافترقا، فإذا أدى شاة [فقد] أدى ما هو المقصود بخلاف الإبل؛ لأن الاسم فيه خاص وهو بنت مخاض وبنت لبون، وهو

---

١) الهداية: ١/٩٧-٩٨.

٢) فتح القدير: ٢/١٧٦-١٧٧.

٣) الكفاية في شرح الهداية: ٢/٢٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

لا يتناول الذكور فلا يكون الذكر عن الواجب، وأما قوله: أن منفعة النسل لا تحصل به، قلنا: أن رعاية منفعة النسل إنما وجبت في حق الفضل لا في حق الواجب، فإن الفقير لا يطلب النسل منه؛ بل يصرفه في أي حاجته لاحتياجه.

وأما حمل المطلق على المقيد ففاسد؛ لما أن في الحمل إلغاء صفة الإطلاق وهي معمولة، وقد عرف تمامه في أصول الفقة، والضأن والمعز سواء، والتولد من الغنم والظبي تابع الأم عندنا اعتبارا بالرق والحرية، وتابع الأب عند الشافعي، ويظهر الخلاف في هذا، وفي جواز التضحية وفي وجوب الجزاء، كذا نقل عن الكافي.

المسألة السادسة:

في زكاة الخيل: فعند أبي حنيفة إذا كانت سائمة ذكورا وإناثا للدر والنسل لا للركوب أو الحمل والجهاد، فصاحبها بالخيار إن شاء أعطى عن كل فرس دينارا، وإن شاء قومها وأعطى عن كل مائتي [درهم] خمسة دراهم، وهذا عند أبي حنيفة رحمه الله وهو قول زفر رحمه الله، وعند صاحبيه وكذا عند الشافعي: لا زكاة في الخيل، وقال في الكافي والخلاصة والمضمرات وفتاوى قاضيخان: أن الفتوى على قولهما، وكذا رجح قولهما في الأسرار.[1]

وأما شمس الأئمة وصاحب التحفة رجحا قول أبي حنيفة، وأجمعوا [على] أن الإمام لا يأخذ صدقة الخيل جبرا لهم لقوله ﷺ: ليس على المسلم في عبده ولا في فرسه صدقة، رواه أصحاب الكتب الستة، وزاد مسلم: إلا صدقة الفطر، فنفي الصدقة عن الفرس، ويجوز أن يكون المراد به الفرس للتجارة؛ لأن الإجماع منعقد على وجوب الزكاة فيه، فتعين أن يكون المراد الفرس لغير التجارة؛ ليتناول بإطلاقه، الفرس سائما أو غير سائم لأبي حنيفة لقوله صلى الله عليه وسلم: في كل فرس سائمة دينار أو عشرة دراهم، ووجه التمسك ظاهر؛ لأنه نص على وجوب الدينار أو العشرة، ومقرران في فرس التجارة لا يجب الدينار؛ بل الواجب ربع عشر قيمتها إذا بلغت نصابا.

وتأويل ما رواه: ليس على المسلم في عبده ولا فرسه صدقة، فرس الغازي، وهو المنقول عن زيد بن ثابت، فقد روى أنه لما سمع قوله ﷺ: ليس على المسلم في عبده ولا في فرسه صدقة، فقال: صدق رسول الله ﷺ؛ ولكن أراد به فرس الغازي، فاما ما حشر لطلب نسلها ففيها الصدقة، فقيل: كم؟ فقال في كل فرس دينار أو عشرة دراهم، وإطلاق النبي

---

1) الهداية: ١/٩٩، الكفاية في شرح الهداية: ٢/٢٤.

toobaa-elibrary.blogspot.com

ﷺ كان لاتفاق العادة، فإنه لم يكن في زمنه ﷺ فرس بغير الغزو، ووقعت هذه الحادثة في زمان [مروان]، فشاور الصحابة ﷺ، فروى أبو هريرة: ليس على الرجل في عبده ولا في فرسه صدقة، فقال مروان لزيد بن ثابت ﷺ: ما تقول يا أبا سعيد؟ فقال أبو هريرة: عجبا من مروان أحدثه بحديث رسول الله ﷺ وهو يقول: ما ذا تقول يا أبا سعيد، فقال زيد: صدق رسول الله ﷺ، وإنما أراد [به] فرس الغازي، الحديث.[1]

فإن قلت: هذا الحديث يدل على وجوب الدينار، فينبغي أن يكون هو الواجب، وأنتم خيرتم بينه وبين التقويم؟ قلنا التخيير بين الدينار.

والتقويم مأثور عن عمر ﷺ، فإنه روى أن أبا عبيدة بن الجراح وكان أميرا بالشام فعرض عليه أهل الشام زكاة خيولهم، فقالوا: إن خيولنا قد كثرت فما يجب؟ فأبى أبو عبيدة عن جوابهم، ثم طلبوا منه ثانيا، فكتب إلى عمر، فرد عليه الجواب وكتب إليه: خير أربابها فإن شاووا من كل فرس دينار أو قوموها وأعطوا من كل مائتي [درهم] خمسة دراهم.[2]

واقتصر في حديث جابر عند البيهقي والدار قطني على شق واحد، وهو أخذ الدينار، فقال: في الخيل السائمة في كل فرس دينار.[3]

والشيخ ابن الهمام تكلم في إثبات مذهب أبي حنيفة وأطنب وحقق ودقق بما لا مزيد عليه، جزاه الله عنا خيرا.

المسألة السابعة:

في صدقة الفصلان والعجاجيل والحملان، الفصلان -بالضم والكسر- جمع فصل، ولد الناقة إذا فصل عن أمه كذا في القاموس.[4]

وقال الشيخ ابن الهمام:[5] جمع فصيل، ولد الناقة قبل أن يصير ابن مخاض، والعجاجيل جمع عجول ولد البقرة، والحملان جمع حمل بالتحريك، ولد الشاة والضان في السنة الأولى.

---

1) الكفاية في شرح الهداية: ٢/٢٥.
2) الكفاية في شرح الهداية: ٢/٢٥.
3) أخرجه البيهقي في "السنن الكبرى" كتاب الزكاة، باب من رأى في الخيل صدقة (٤/٢٠١) رقم الحديث: ٧٤١٩. والدار قطني في "سننه" كتاب الزكاة، باب زكاة مال التجارة وسقوطها عن الخيل (٣/٣٥) رقم الحديث: ٢٠١٩.
4) القاموس المحيط: ١٠٤٢.
5) فتح القدير: ٢/١٨٦.

toobaa-elibrary.blogspot.com

فعند أبي حنيفة ليس في الفصلان والعجاجيل والحملان صدقة، قال في الهداية [1]: وهذا آخر أقواله وهو قول محمد، وكان يقول -يعني أبا حنيفة- أولا يجب فيها ما يجب في المسان، أي الكبار وهي في خمس وعشرين فصلا بنت مخاض، وهو قول زفر ومالك، ثم رجع عن قوله: "يجب فيها ما يجب في المسان"، وقال: فيها واحدة منها، وهو قول أبي يوسف والشافعي، فللإمام أبي حنيفة ففيها ثلثة أقوال، ووافقه في كل قول أحد من هؤلاء الأئمة.

ونقل الطحاوي في اختلاف العلماء حكاية عجيبة عن أبي يوسف، قال: دخلت على أبي حنيفة، فقلت: ما تقول فيمن ملك أربعين حملا؟ فقال: فيها شاة مسنة، قلت: ربما يأتي قيمة الشاة على أكثرها أو جميعها، فتأمل ساعة، ثم قال: لا، ولكن يؤخذ واحدة منها، فقلت: أيؤخذ الحمل في الزكاة؟ فتأمل ساعة، ثم قال: لا [إذ] يجب فيها شيء، فأخذ بقوله الأول زفر، وبقوله الثاني أبو يوسف، وبقوله الثالث محمد، وعد هذا من مناقبه حيث تكلم في مسألة في مجلس بثلثة أقاويل فلم يضع منها شيء من أقاويله، كذا في المبسوط.

قال محمد بن شجاع: لو قال قولا رابعا لأخذت به، ومن المشايخ من رد هذا، وقال: إن مثل هذا من الصبيان محال فما ظنك بأبي حنيفة، وقال بعضهم: لا معنى لرده فإنه مشهور مستفيض لكن يجب أن يوجه إلى ما يليق بحال أبي حنيفة، فيقال: أنه امتحن أبا يوسف هل يهتدي إلى طريق المناظرة، فلما عرف أنه يهتدي إليه قال: قولا عول عليه، كذا في الفوائد الظهيرية. [2]

ثم وجه صاحب الهداية الأقوال الثلاثة للإمام، ويلزم منه توجيه قول أبي يوسف وقول محمد وزفر، ودليل الشافعي ماهو دليل أبي يوسف.

والجواب على دليل كل منهم، فتأمل ثم اختلف الشارحون في كيفيته الاختلاف في هذه المسألة، فقال بعضهم: الاختلاف في انعقاد الحول على الصغار، وعلى هذا قيل: صورة المسألة إذا اشترى أربعين من الحملان، أو ثلاثين من العجاجيل، أو خمسة وعشرين من الفصلان، أو وهب له، هل ينعقد عليه الحول أم لا؟ فعند أبي حنيفة ومحمد لاينعقد حتى لو حال الحول من حين ملك تجب فيه الزكاة، وعندهم لا يجب.

---

1) الهداية: ١/٩٩.
2) الكفاية في شرح الهداية: ٢/٢٦-٢٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقال بعضهم: الاختلاف في بقاء الحول، وعلى هذا قيل: صورة المسألة إذا كان له نصاب سائمة إبل أو بقر أو غنم ولدت في آخر الحول أربعين من الحملان أو العجاجيل أو الفصلان، فهلكت الأمهات وبقيت الأولاد هل يبقي حول الأصول على الأولاد؟ في قولهما لايبقي، وفي قول الباقين يبقى واحدة منها كذا ذكره الإمام خواهر زاده. (١)

ويشهد لما ذكرنا ثانيا أن الزكاة لا تجب إلا بحولان الحول، والحول إذا حال عليها صارت إبلا وبقرا وغنما وإنما يبقى فصلا أو حملا أو عجولا إذا سرى حول الأمهات عليها كذا نقل عن الحميدي شرح الهداية.

المسألة الثامنة:

ويجوز دفع القيم في الزكاة عندنا وكذا في الكفارات وصدقتي الفطر والعشر والنذر، وقال الشافعي رحمه الله: لا يجوز اتباعا للمنصوص عليه وهو الشاة مثلا قال النبي صلى الله عليه وسلم: في أربعين شاة شاة، فيكون الشاة حقا للفقير لهذا النص، فيجب اتباعا المنصوص ولايجوز غيرها، هذا بيان لما هو مجمل في كتاب الله لأن الإيتاء منصوص عليه، فالتحق بيانه [بمجمل] الكتاب فصار كأن الله تعالى قال: وآتوا الزكاة من أربعين شاة شاة، فتكون الشاة حقا للفقير بهذا النص فلا يجوز الإشتغال بالتعليل لإبطال حقه عن العين، والمعنى فيه أن هذا حق معلوم مالي مقدر بأسباب معلومة شرعا فلا يتأدى بالقيمة كالهدايا والضحايا، أو يقال: قربة تعلقت بمحمل عين فلا يتأدى بغيره كالسجود لما تعلقت بالجبهة والأنف لم يتأدى بالخد والذقن كذا في النهاية. (٢)

وقالوا: وهذا لأن الشرع أوجب المنصوص عليه علينا، والواجب لايسعه تركه وما ساغ غيره وسعه تركه، فلا يكون واجبا فلا يصح التعليل لما فيه من تغيير وصف المنصوص عليه، وهو تغير للوجوب، وهذا لأن المنصوص عليه الشاة، ولها صورة ومعنى، وبالتعليل يلغو صورتها، والحق المستحق يراعي صورة ومعنى كما في حقوق المعتاد، فإن من له على آخر شيئا ليس له أن يطلب حقه في الصورة، لأن الناس إعراضا في الصورة، كما أن له إعراضا في المعاني، فكما لم يجز إهدار إبطال المعاني لم يجز إبطال الصورة كما في الهدايا والضحايا لايجوز أداء القيمة، فكذا في الزكاة، والجامع كونهما منصوصين مقصودين.

---

١) الكادوري، يوسف بن عمر بن يوسف، جامع المضمرات والمشكلات في شرح مختصر القدوري: ٣٥٦/٢.

٢) الكفاية في شرح الهداية: ٣١/٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

ولنا أن الأمر بالأداء إلى الفقير صادر لإيصال الرزق الذي وعده إليه، وتقريره أن الله تعالى وعد الرزق لعباده بقوله: "وَمَا مِن دَابَّةٍ فِي الأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللهِ رِزْقُهَا" [1]، وأوجب لنفسه حقا معلوما على الأغنياء من مال مسمى، ووعد الفقراء أن يرزقهم من ذلك حيث قال: "إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ" [2]، والرزق عبارة عما يقع به الكفاية في المعيشة، وذلك مطلق المال، وحاجات النفس مختلفة، والحق في مال متعين كالشاة مثلا، فالأمر بانجياز المواعيد من المال المسمى يتضمن الإذن في الاستبدال ضرورة، فيكون المصروف إلى كل واحد منهم عين الموعود، وهذا تغير ثبت بالنص مجامعا للتعليل لا بالتعليل لحكم شرعي، وهي صلاحية القيم المصرف إلى الفقراء بدوام يد الفقير بعد إن وقع بيد الله تعالى، قال النبي ﷺ: الصدقة يقع أولا بيد الرحمن ثم في كف الفقير.

والحاصل أن الشاة مال مقيد، والرزق اسم لما يحصل به كفاية الفقير؛ لأن منفعة اللبس والسكنى والأكل والشرب لا يحصل بمال مقيد، وإنما يحصل بمال مطلق، فالأمر بالأداء منه يكون إيصالا للحق وإبطالا بقيد الشاة بالإستبدال، وهذا كما لسلطان ولا لجير أركان مملكته بجوائز مختلفة ويحيل إلى بعض وكلائه من مال بعينه، فإنه يكون إذنا بالاستبدال، وكمن له على الآخر حنطة، وللآخر عليه عشرة دراهم، فأمر من عليه الحنطة بقضاء حق صاحبه العشرة من الحنطة، فصار مأمورا باستبدال الحنطة بالغير، فيكون الأمر بصرف العين مصحوبا بهذا الغرض، ومصحوبا بإبطال القيد، فيكون جواز القيمة مدلولا التزاميا لمجموع معنى النص؛ لإنتقال الذهن عند سماعها من معناها، فإن الشاة المنصوص عليها بعد التعليل محل للدفع، كما إن قيمتها محل أيضا، وليس التعليل حيث كان إلا لتوسع المحل.

قال الشيخ ابن الهمام [3]: ثم قد رأينا في المنقول ما يدل عليه وهو ما قدمناه من قوله ﷺ: ومن تكون عنده صدقة الجذعة وليست عنده الجذعة وعنده الحقة فإنها تؤخذ منهم مع شاتين إن استيسرتا أو عشرين درهما، فانتقل إلى القيمة في موضعين، فعلمنا أن ليس المقصود خصوص عين السن المعين وإلا لسقط إن تعذر أو أوجب عليه أن يشتريه فيدفعه.

وقال طاوس: قال معاذ لأهل اليمن: آتوني بخميس أو لبيس مكان الذرة والشعير أهون عليكم وخير لأصحاب رسول الله ﷺ بالمدينة. رواه البخاري معلقا وتعليقه صحيح.

---

١) هود: ٦.

٢) التوبة: ٦٠

٣) فتح القدير: ٢/١٩٢-١٩٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقال ابن أبي شيبة في مصنفه: ثنا عبد الرحمن بن سليمان عن مجالد عن قيس بن أبي حازم عن الصنابح الأحمسي قال: أبصر النبي ﷺ ناقة حسنة في إبل الصدقة فقال: ما هذه؟ قال صاحب الصدقة: إني ارتجعتها [١] ببعيرين من حواشي الإبل، قال: نعم إذا. [٢] فعلمنا أن التنصيص على الأسنان المخصوصة والشاة لبيان قدر المالية وتخصيصها في التعبير لأنها أسهل على أرباب المواشي.

وأجاب صاحب الهداية عن قياس الشافعي رحمة الله عليه على الهدايا والضحايا [٣]؛ بأن القربة فيها إراقة الدم لا الصدقة بالشاة، ولهذا لو هلكت بعد الذبح قبل التصدق لم يلزمه شيء، وكون الإراقة قربة لا يعقل؛ لأن العقل لايدرك التقرب إلى الله تعالى بإراقة الدم، ووجه القربة في المتنازع فيه سد خلة المحتاج وهو معقول؛ لأن فيه إيصال النفع إلى الفقراء الذين هم خواص الرحمن، فلا يلزم من عدم جواز القيمة في الضحايا والهدايا عدم جواز ههنا، فإن المقصود فيما نحن فيه يحصل بأداء القيمة، ولا كذلك في الهدايا والضحايا والسجود على الخد والذقن ليس بقربة، لايتنقل ولا يصار إليه عند العجز، وما ليس بقربة فلايقوم مقابة القربة.

وأما التصدق بالقيمة فقربة، وفيه سد خلة الفقير فيحصل به ماهو المقصود.

المسألة التاسعة:

وليس في العوامل والحوامل والعلوفة صدقة خلافا لمالك رحمه الله له ظواهر النصوص المطلقة عن قيد الإسامة كقوله ﷺ: في خمس ذود من من الإبل شاة [٤]، وفي كل ثلاثين من البقر تبيع أو تبيعة [٥]، وفي أربعين شاة شاة [٦]، كقوله تعالى: "خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً" [٧]، ولم يوصف بوصف، وقوله ﷺ: في خمس من الإبل السائمة شاة [٨] مقيد وحمل المطلق على المقيد فاسد.

---

١) اي استرجعتها. [فتح الرحمن في إثبات مذهب النعمان: ١٨٧/٣]
٢) أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الزكاة، باب ما يكره للمصدق من الإبل (٣٦١/٢) رقم الحديث: ٩٩١٣.
٣) الهداية: ١٠٠/١.
٤) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الزكاة، باب ليس فيما دون خمس ذود صدقة (١١٩/٢) رقم الحديث: ١٤٥٩. ومسلم في "صحيحه" كتاب الزكاة (٦٧٤/٢) رقم الحديث: ٩٧٩. [ولفظه: عن أبي سعيد الخدري ﷺ: أن رسول الله ﷺ قال: ليس فيما دون خمسة أوسق من التمر صدقة، وليس فيما دون خمس أواق من الورق صدقة، وليس فيما دون خمس ذود من الإبل صدقة.]
٥) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الزكاة، باب ما جاء في زكاة البقر (١٠/٣) رقم الحديث: ٦٢٢.
٦) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الزكاة، باب ما جاء في زكاة الإبل والغنم (٨/٣) رقم الحديث: ٦٢١.
٧) التوبة: ١٠٣.
٨) الدراية في تخريج أحاديث الهداية: ٢٥١/١، رقم الحديث. ٣٢٠.

toobaa-elibrary.blogspot.com

ولنا قوله ﷺ: ليس في الحوامل والعوامل ولا في البقرة المثيرة صدقة، نفي الصدقة من العوامل والحوامل [1]، وهي إذا أطلقت يراد بها الزكاة.

قال الشيخ ابن الهمام [2]: غريب بهذا اللفظ، وروى أبو داود عن عاصم بن ضمرة والحارث عن علي قال زهير: وأحسبه عن النبي ﷺ أنه قال: هاتوا ربع العشور من كل أربعين درهما درهم، وليس عليكم شيء حتى تتم مائتي درهم ففيها خمسة دراهم، فما زاد فعلى حساب ذلك، وليس على العوامل شيء، ورواه الدارقطني مجزوما [ليس فيه] قال زهير: قال ابن القطان: هذا سند صحيح.

ولقائل أن يقول: هذا الحديث بعد صحته يحتمل كونه مقارنا لأصل تشريع الزكاة فيكون مخصصا، ويحتمل كونه متأخرا فيكون ناسخا، ويحتمل كونه متقدما فيكون منسوخا بالعام على أصلنا أعني نحو قوله: في خمس من الإبل شاة، فالاستدلال به متوقف على ضبط التاريخ، فإن لم يضبط انتصب معارضا، وحينئذ يجب تقدم عموم الإيجاب لأنه الاحتياط، ويجاب بأن العموم ليس على صراحته بالاتفاق لتخصيص غير السائمة فيترجح حديث العوامل بقوة الدلالة حينئذ.

وأما على أصله فيجب تقديم الخاص مطلقا فلا يحتاج إلى هذا التقرير، ثم لا يخفى أن العوامل تصدق على الحوامل والمثيرة فالنفي عنها نفي عنهما، وقد روي في خصوص اسم المثيرة حديث مضعف في الدار قطني: ليس في المثيرة صدقة.

وقال البيهقي: الصحيح أنه موقوف "قوله ولأن في العلوفة إلخ" بتراكم المؤنة لأنه يحتاج في كل يوم إلى شراء العلف، فتقدم النماء معنى، وفيه دفع لقول مالك: إن النماء في العلوفة أكثر فهي أولى بشرعية الزكاة فيها، فقال لا بل ينعدم بالكلية ظاهرا فضلا عن الأكثرية لأن القدر الذي يزيد بالسمن لا يفي بخرج المؤنة في المدة التي تظهر فيها الزيادة.

فإن قيل: لو كانت العلوفة للتجارة وجب فيها زكاة التجارة، فلو انعدم النماء بالعلف امتنع فيها. قلنا: النماء في مال التجارة بزيادة القيمة ولم تنحصر زيادة ثمنها في الثمن الحادث، بل قد يحصل بالتأخير من فصل إلى فصل أو بالنقل من مكان إلى مكان، بخلاف غير المعنوية للتجارة فإن النماء فيها منحصر في الثمن فثبت أن علفها لا يستلزم عدم نمائها، إذا كانت للتجارة ولا هو ظاهر فيه، فتأمل.

---

١) نصب الراية: ٢/٣٦٠.

٢) فتح القدير: ٢/١٩٣-١٩٤.

toobaa-elibrary.blogspot.com

واعلم أن صاحب الهداية لم يذكر في كتابه خلاف مالك إلا قليلا، وخلاف أحمد أقل منه، لم يحفظ ذكر هذا الإمام أصلا، ولا يدري لماذا هو نعدم الاعتناء بمذهبهما أو لقلة الخلاف وندرته، ولقد وجدنا مذهب الإمام أحمد في الأكثر موافقا لمذهب الإمام أبي حنيفة.

وقد صرح بهذا المقال بعض العلماء ومذهب الإمام أحمد مذهب كثير ويبلغ مبنى ومؤسس على الأحاديث، وفيه الأئمة والمشايخ المجتهدون في المذهب على روايات، وأقوال واختلافات كثيرة مثل مذهب الإمام أبي حنيفة وحاشا أن لا يعتني به.

وأما الإمام الشافعي، فخلافه أكثر من أن يحصى، وأظهر من أن يخفى، ويقال: إن الشافعي لما كان ببغداد خالف أبي حنيفة في كثير من المواضع مما جرى فيه، فلم يرى التقدير، ثم لما قدم مصرا لم يأخذ هذا المسلك في مذهبه كله أو جله من أوله أو آخره، ورجع عن كثير من أقواله، ومن ههنا جاء منه قولان قديم وجديد، ولا يدري أن رد صاحب الهداية عليهما أو على أحدهما والله أعلم.

المسألة العاشرة:

ومن كان له نصاب فاستفاد في أثناء الحول من جنسه ضمه إليه وزكاه به، أي من أي جنس كان فاستفاد بميراث أو هبة أو شراء في أثناء الحول، من جنسه: أي من جنس النصاب الذي كان عنده، ضمه وزكاه أي ضم المستفاد إلى النصاب، وزكاه مع النصاب بالحول الأول عندنا.[1] وقال الشافعي رحمه الله: لا يضم؛ بل يعتبر فيه حول على حدة، فإذا تم الحول زكاه: سواء كان نصابا أو أقل بعد أن يكون عنده نصابا من جنسه؛ لأنه أي المستفاد أصل في حق الملك، لأن ملكه بسبب مقصود غير السبب الذي ملك به النصاب الأول، فكذا يكون أصلا، في وظيفته: أي في الزكاة التي هي وظيفة الملك وحق من حقوقه كالمستفاد، بخلاف الجنس حيث لايضم بالاجماع، بخلاف الأولاد والأرباح، وهذا جواب اشكال، وهو أنه لما كان المستفاد أصلا في حق الملك فكيف يضم في الأولاد والأرباح؟ فأجاب بأن الأولاد والأرباح تابعة له في الملك، وملكت بملك الأصل فيكون تابعة لوظيفة؛ لأن حق الشيء لايستند بحكم.

ولنا أن المجانسة هي العلة في الضم في الزكاة في الأولاد والأرباح لا التبعية؛ لكونها مؤثرة في الضم واللحوق، لا التبعية كما قلتم؛ لأن عند المجانسة يتعسر التميز في المستفاد منه،

---

1) الهداية: ١/١٠٠.

toobaa-elibrary.blogspot.com

فيعبر اعتبار الحول لكل مستفاد، وما شرط الحول إلا لتيسير، فيعود الأمر على موضوعه بالنقض والإبطال، وتعسر الامتياز بعد الاختلاط ظاهر، وأما قبله فلأنه يحتاج في الأولاد إلى أن يجعل لكل ولد مرعى على حدة، ويرعى لكل واحد راع؛ لأن الراعي الواحد لا يمكن أن يرعى سائمة كثيرة في مرعى واحد إصطبلا، بحيث لا يختلط بعضها ببعض في الأرباح وغيرها من المستفاد للمجانس محتاج إلى أن يحفظ ما يحصل له ساعة فساعة في صرة على حدة وقد يكون الرجل صاحب غلة يستفيد كل يوم درهما.

وقد يكون صاحب حرفة يستفيد في كل ساعة ولحظة درهما، فيحتاج لتميز درهم من درهم آخر إلى ضرر كثير، فيبقى في رعاية ذلك آناء الليل وأطراف النهار؛ وهو عسير جدا، فلو لم يضم لوقع في حرج وهو مدفوع بالنص.

وقوله: أنه أصل في [حق] الملك، قلنا: هو للمزيد عليه في حق وجوب الزكاة، فإنه لو كان [له] مائتا درهم فملك أربعين درهما تجب الزكاة في الأربعين إذا مضى عليه الحول إجماعا، ولو لا أنه تبع للأصل في حق المقدار لما وجب الزكاة فيه، لأن الأربعين لا يصلح بنفسه سببا للوجوب. فلما صار المستفاد تبعا لما عنده من النصاب في حق وجوب الزكاة ففي حق الحول أولى؛ لأن تأثير نقصان المقدار في منع الوجوب أكثر من تأثير عدم الحول؛ حتى جاز التعجيل قبل حول الحول، ولم يجز قبل كمال النصاب والتفرع إن لم يوجد في المستفاد فقد ضممناه بعلة الجنس، ويجوز أن يكون الأصل معلوما بعلتين، هذا ما استفدنا من شروح الهداية.[1]

وذكر في شرح ابن الهمام[2] حديثين من جانب الشافعي، أحدهما: من استفاد مالا فلا زكاة فيه حتى يحول عليه الحول، وثانيهما: لا زكاة في مال حتى يحول عليه الحول.

ثم أجاب بأنه لو قدر تسليم ثبوته فعمومه ليس مرادا بالاتفاق على خروج الأولاد والأرباح، ودليل الخصوص مما يعلل ويخرج بالتعليل ثانيا فعللنا بالمجانسة فقلنا: إخراج الأولاد والأرباح من ذلك ووجوب ضمها إلى حول الأصل لمجانستها إياه لا للتولد، فيجب أن يخرج المستفاد إذا كان مجانسا أيضا فيضم إلى ما عنده مما يجانسه، وكان اعتبارنا أولى لأنه أدفع للحرج اللازم على تقدير قوله في أصحاب الغلة الذين يستغلون كل يوم درهما وأقل وأكثر

1) الكفاية في شرح الهداية: ٢/٣٤-٣٥.
2) فتح القدير: ٢/١٩٦.

toobaa-elibrary.blogspot.com

فإن في اعتبار الحول لكل مستفاد من درهم ونحوه حرجا عظيما، وشرع الحول للتيسير فسقط اعتباره، ولو لم يتعرض لإبطال اعتباره جاز تعليل الأصل بعلتين.

المسألة الحادية عشر:

وإن هلك المال بعد وجوب الزكاة [١]، يعني حال الحول، ففرط في الأداء حتى هلك من غير تعد أعني من غير استهلاك قبل التمكن من الأداء أو بعده سقطت الزكاة ولا يضمن قدرها.

وقال الشافعي رحمه الله: يضمن إذا هلك بعد التمكن، وأن هلك قبله فله فيه قولان، وذكر في الخلاصة تيسير التمكن في الأموال الباطنة بالظفر بأهل الاستحقاق، وفي الظاهر بالظفر بالساعي في أحد القولين [٢]، لأن الواجب في الذمة محل وجوب الذمة، وهي مستقلة بتحمل الواجبات لا يحتاج إلى انضياف شيء آخر إليها كما في العشر والخراج وقيم المتلفات وأروش الجنايات، فيثبت الوجوب في الذمة، وهي يبقى ببقاء المحل ولا يفتقر إلى بقاء السبب، فكذا ههنا فلا يضر باهلاك المال، وعلى هذا الدليل لايسقط الزكاة بتمكن من الأداء أو لم يتمكن، وينعقد النصاب سببا للوجوب في الثاني؛ لأن الواجب لا تعلق له بالنصاب، وإنما له تعلق بالذمة، فكان الحمل خلفا عن الحق، فلايسقط مطلقا، وينعقد موجبا للزكاة في الحول الثاني، فصار كصدقة الفطر لما كانت واجبة في الذمة لايسقط الواجب بهلاك المال، ولو كان الواجب جزء النصاب يحرم التصرف والوطيء كما في الجارية المشتركة، فإن قلت: إن ذلك أمانة في يده والأمانات لايضمن.

قلنا: إن سلمنا أنه أمانة في يده، فالأمانات تضمن بعد طلب من له ولاية الطلب، والشارع جعل صاحبه مطالبا عن نفسه عند التمكن، فإذا امتنع بعد توجه المطالبة صار ضامنا كسائر الأمانات، إذا لامتناع بعد المطالبة في حكم الاستهلاك، فيصير به خائنا متعديا على حق الغير كما في الاستهلاك، فالزكاة إن كانت حق الشرع فالإمام طالب له، وإن كانت حق الفقراء فالساعي نائب عنه، وقد طلبت فمتضمن كالمودع إذا منع الوديعة بعد طلب المالك، وعلى هذا الدليل إذا هلك المال قبل التمكن من التسليم.

ولنا أن الواجب جزء من النصاب، [٣] أي الواجب في للمال لا في الذمة، والظواهر كلها يؤيد ما قلنا، كقوله تعالى: "فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُومٌ" [١]، وقوله ﷺ: في كل أربعين شاة شاة،

---

١) الهداية: ١/١٠١.

٢) الكفاية في شرح الهداية: ٢/٣٨.

٣) الهداية: ١/١٠١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقوله: ربع العشر من كل أربعين خمسة، وإنما قلنا: الواجب جزء من النصاب تحقيقا للتيسير؛ لأن الزكاة وجبت بالقدرة الميسرة بدليل اشتراط الحول والنصاب الفارغ من الدين، وتحقيق اليسر في وجوب أداء جزء من النصاب؛ لأنه يبقى الواجب حين ببقاله ويسقط بهلاكه.

فإن قلت: في وجوب مطلق المال تيسر، لأنه يتبع به محل الأداء، فيجب مطلق المال في الذمة تحقيقا للتيسير، قلنا: وجوب جزء من النصاب لا ينافي الأداء الواجب من محل آخر مأمر آخر على ما عرف في مسألة جواز الدفع، ولا ينافي محل الأداء ووجوب مطلق المال يقتضي بقاء الواجب بعد هلاك النصاب، وذلك ينافي التيسر.

وإذا كان الواجب جزء من النصاب يسقط بهلاك محله، وهو النصاب؛ لأن الأداء منه بعد هلاكه لايتصور؛ لأن الواجب بعد هلاك المحل تكليف بما ليس في الوسع وهو منفي بالنص، ومن ضرورة السقوط كدفع العبد بالجناية يسقط بهلاكه يعني إذا جنى العبد جناية واختار المولى دفعه إلى ولي الجناية صار العبد محلا للواجب، فلو هلك العبد الجاني سقط عن المولى وجوب الدفع لفوات محله، ولم يجب عليه إقامة عبد مقامه، فكذا ههنا.

والجامع سقوط الحق لفوات المحل، كمن قال للآخر: تصدق بمال الذي في يدك، فلم يتصدق حتى هلك لا يضمن، وكالعبد المديون إذا مات والشقص الذي فيه الشفعة إذا صار بحر، أبطل حق الشفعة.

قلنا في جواب قول الشافعي: أنه منعه بعد الطلب نعم منع الحق من المستحق بعد، ولكن المستحق فقير يعينه المالك، ولم يتحقق منه الطلب، فلم يوجد التعدي، فلم يجب الضمان، والفقير لم يتعين قبل الدفع عليه فضلا من أن يتحقق منه الطلب، فلم يتعين المنع بعد الطلب فيمنع على قول البعض.

ونظيره صاحب الوديعة إذا قال: لم يودع، إدفع الوديعة إلى أي غلماني شئت، فجاء واحد من غلمانه وطلب الوديعة، فلم يدفعه إليه؛ حتى هلكت، فإنه لا يضمن، لأن المستحق غلام يعينه المودع، ولم يوجد منه الطلب، فلم يتحقق المنع، وإن أراد به طلب الساعي فهو مختلف فيه، فلم يوجد التعدي، وفي الاستهلاك وجه التعدي، وقال: بعد طلب الساعي، قيل[2]: قول أبي الحسن الكرخي وبعض مشائخ سمرقند، لأنه منع الأداء بعد طلب

---

١) المعارج: ٢٤.

٢) الكفاية في شرح الهداية: ٣٩/٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

من له الولاية؛ لأن الساعي متعين للأخذ فيلزمه الأداء عند طلبه، فيصير جانيا بالمنع فيضمن كالمودع، إذا منع الوديعة عند طلب المالك.

وقيل: لا يضمن، وهو قول أبي طاهر الدباس وأبي سهل الزجاجي وهو اختيار مشائخنا [١]، لأن الضمان بتفويت ملك يد، وهو بهذا التأخير لايفوت ملكا أو يدا على الفقير، فلم يضمن لأن ما تعلق هذا الفقير مستحقا، وله أن يتصرف إلى من شاء من الفقراء، وربما يمنع من الأداء اليد، ويصرفه إلى من هو أحوج منه.

المسألة الثانية عشر:

وإن قدم الزكاة على الحول وهو مالك للنصاب جاز؛ لأنه أدى بعد سبب الوجوب [٢]، لأن المال سبب وجوب الزكاة، يضاف إليه، يقال: زكاة المال، والإضافة دليل السببية، فيجوز، فإن قلت: السبب النصاب الحولي بالنامي لا مطلق النصاب، لأن الشرع علق الوجوب بمال نام.

والنماء يكون بالمدة، والشرع علق بالحول تيسيرا ورحمة، فقيل: تمام البقاء حولا للسبب غير تمام، فكان وجوده بمنزلة العدم، قلت: أصل السبب النصاب، وكونه حوليا صفته، فإذا بقي حولا تم السبب، واستند تمامه إلى أول الحول ؛لأن النصاب لا يتصف بأنه حولي إلا فرد، وله أو لا يتصور بدونه، والسبب هو المال بهذا الوصف، فإذا استند الوصف تبين أن حال الأداء حال وجود السبب، فيجوز كالكفارة بعد الجرح قبل الموت، وهذا لأن سبب الكفارة القتل بجرح سار إلى الموت، والسراية صفة الجراحة، وإنما ثبت إذا مات عنه فلا يتحقق السبب قبله، ولكن إذا وجد الوصف استند إلى أول الجراحة، فتبين أن حال الأداء وجد السبب، فيجوز، وكصوم المسافر في رمضان؛ لأنه بعد السبب، بخلاف العشر لا يجوز تعجيله لأنه يكون قبل السبب، إذ السبب فيه الأرض النامية بالخارج تحقيقا، فما لم يخرج بالفعل لا يتحقق السبب، ويدل على صحة هذا الاعتبار ما في أبي داود والترمذي من حديث علي ﷺ: أن العباس سأل رسول الله ﷺ في تعجيل زكاته قبل أن يحول عليه الحول مسارعة إلى الخير فأذن له في ذلك. [٣]

١) البناية شرح الهداية: ٣/٣٦٢.
٢) الهداية: ١/١٠٩.
٣) فتح القدير: ٢/٢٠٦.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وفي هذه المسألة خلاف مالك،[١] فإنه قال: لايجوز تقديم الزكاة على الحول؛ لأن الواجب بوقت مسمى وهو الحول، فلا يجوز تعجيله قبله قياسا على الصوم والصلاة قبل أوقاتها، ولأن السبب هو المال النامي الحولي، فلا يجوز التعجيل على أصل النصاب.

ونحن نقول: كونه جالبا يثبت عند تمام الحول، مستندا إلى إبتدائه، فإذا وجد الأصل والوصف وترتب ثبوته، مستندا إلى إبتداء الحول، جاز التعجيل كما في التكفير بعد الجرح كما ذكرنا.

المسألة الثالثة عشر:

إذا كانت الفضة مأتين وحال عليها الحول ففيها خمسة دراهم، ولا شيء في الزيادة حتى تبلغ أربعين [درهما] فيكون فيها درهم [٢]، أي مع الخمسة، ثم في كل أربعين درهما درهم عند أبي حنيفة، ويقال: إنه قول عمر بن الخطاب.

وقالا: ما زاد على المائتين فزكاته بحسابه وهو قول الشافعي رحمه الله لقوله عليه الصلاة والسلام في حديث علي ﷺ: وما زاد على المائتين فبحسابه، ولأن الزكاة وجبت شكرا لنعمة المال [٣]، والقليل منه لنعمة فيستدعي الشكر كالكثير.

فإن قلت [٤]: لو كانت [الزكاة] شكرا لنعمة المال لما اشترط النصاب في الإبتداء في غير السوائم؟ ولما اشترط في الإبتداء والانتهاء في السوائم؛ لأن الزكاة تجب على خمس من الإبل حتى تبلغ عشرا، وفي الزيادة على ثلاثين من البقرة حتى تبلغ أربعين، وفي الزيادة على أربعين من الغنم حتى تبلغ مائة وعشرين، ولو كانت واجبة شكر لنعمة المال مطلقا؛ لوجبت في الزيادة على النصاب في السوائم أيضا؟

قلت: الزيادة كثرت، أو قلت: إن اشتراط النصاب في الإبتداء في غير السوائم لتحقيق الغنى للمالك به، ففي الزيادة المعتبر زيادة الغنى إذ لابد منه لتحقق الغنى لقوله ﷺ: لاصدقة الا عن ظهر غنى وهو مقدر بالنصاب.

وذلك حاصل بالقليل والكثير في الإبتداء والانتهاء في السوائم تحرزا عن التشقيص، ولزوم ضرر الشركة على المالك، ولم يوجد ههنا فيجب الزيادة.

---

١) الهداية: ١٠١/١.

٢) الهداية: ١٠٣/١

٣) الهداية: ١٠٣/١

٤) الكفاية في شرح الهداية: ٤٣/٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

ولأبي حنيفة رحمه الله قوله ﷺ في حديث معاذ ﷺ: لا تأخذ من الكسور شيئا، أي لا تأخذ من الشيء الذي يكون المأخوذ منه كنزا سمى محل الواجب بالواجب، أو المراد بالكنز المكنوز تسمية بالمصدر.

نهى رسول الله ﷺ معاذا عن الأخذ من الكنوز، والأخذ من الأموال الباطنة كان مفوضا إلى الإمام في عهد رسول الله ﷺ، فيتناول النهي عن الأخذ من الكنوز فيما زاد على المائتين، وقوله ﷺ: في حديث عمرو بن حزم: وليس فيما دون الأربعين صدقة، نفى الصدقة فيما دون أربعين، ولم يرد به الإبتداء، فدل على أن المراد به البقاء، وما رواه الشافعي رحمه الله من حديث علي ﷺ: ما زاد على المائتين فبحسابه، محتمل لزيادة أربعين على المائتين معناه بحساب ذلك في كل أربعين، ويحتمل ما زعم الخصم وما رويناه محكم لا يتناول غير ما ذكرنا فيكون أولى ولأن الجرح مدفوع.

وفي إيجاب الكنوز، ذلك لتعذر الوقوف عليه، فإنه إذا ملك مأتي درهم وسبعة دراهم فعندنا وعند الشافعي تجب [عليه] خمسة دراهم وسبعة أجزاء من أربعين جزءا من درهم، فحينئذ لايقدر على الأداء، وإذا لم يؤد في السنة الأولى لعذر؛ حتى حال حول آخر يجب عليه في السنة الثانية زكاة ما بقي من المال، وذلك مائتا درهم ودرهم وثلثة وثلثون جزءا من درهم، وذا لا يعرف فصح أنه متعذر. (١)

كذا ذكره أبوا اليسر، وما رواه عن علي لم يصح رفعه إلى النبي ﷺ.

المسألة الرابعة عشر

وفي تبر الذهب والفضة وحليهما وأوانيهما الزكاة (٢)، التبر -بكسر التاء وسكون الباء- ما كان غير مضروب من الذهب والفضة، وعن الزجاج: وهو كل جوهر قبل أن يستعمل كالنحاس والصفر وغيرهما.

وقال الشافعي رحمه الله: لا تجب في حلي النساء وخاتم الفضة للرجال (٣)، المقصود من ذكرها بيان أن للمصنوع من التبر مما سوى الدراهم والدنانير الذي يحصل بالمصنوع نوعان.

أحدهما: ما يباح استعماله كالحلي للنساء مطلقا وخاتم الفضة للرجال وقبضة السيف مثلا.

---

١) كما في الكفاية في شرح الهداية: ٢/ ٤٤.

٢) الهداية: ١/ ١٠٣.

٣) الهداية: ١/ ١٠٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وثانيهما: ما لايباح استعماله كالآنية والتحلي للرجال، وجبت فيه الزكاة، وفيما يباح لم يجب؛ لأنه متبذل في مباح، فلا يكون نصاب الزكاة كثياب البذلة، بخلاف حلى الرجال؛ فإنه مبتذل في محرم، غير أن الثياب خلقت للابتذال، فلا تلتحق بأموال الزكاة.

وبيانه أن الزكاة تجب بالقدرة الميسرة على ما عرف، والعسر إنما يثبت إن كان النصاب ناميا فيكون ذلك المؤدي جزء من النماء، والابتذال في المباح ينافي النماء؛ لأن النامي من المال ما يكون معدا للقلب والتصرف؛ لأن النماء يحصل به، وما يكون مبتذلا في مباح مدة عمره معدا للإمساك، وبين كونه معدا للتقلب والتصرف، وبين ما كونه معدا للإمساك تضاد وتناف، فيلزم من كونه معدا للابتذال أن لا يكون معدا للتقلب والتصرف، فيلزم منه أن لايكون ناميا، والزكاة لا تجب فيما لا يكون ناميا.

ولنا أن السبب مال نام، ودليل النماء موجود هو الإعداد للتجارة خلقة؛ لأن الذهب والفضة معدة للتجارة خلقة بعد التحلى كما كان قبله، وهذا لأن الإعداد للتجارة بالثمنية، والثمنية متعين تعين الذهب والفضة، وما يتعلق بالعين يبقى ببقاء العين، والعين باقية بعد الصياغة فبقي الثمنية، فيكون الحلى معدا للتجارة خلقة.

وهو دليل النماء؛ لأنه داع إليها، لأن الظاهر أن يصرف المعد للشيء إلى ذلك الشيء، والإعداد للاستعمال والابتذال لا ينافي الإعداد للتجارة؛ لأن الشيء الواحد يجوز أن يكون معدا لمعان كثيرة، وإنما ينافي فعل الابتذال فعل التجارة وهو سبب تكثير المال، وكان هذا للنماء، فلايبطل هذا الوصف بإعداده للابتذال؛ لأن ذلك ليس بأصل؛ بل هو فرع عمل، فلا يرتفع الأصل به، كذا في شرح الهداية.

وفي شرح الشيخ ابن الهمام [١]: أن المنقولات من العمومات والخصوصات تصرح به. فمن ذلك حديث علي عنه ﷺ: هاتوا صدقة الرقة من كل أربعين درهما درهم، رواه أصحاب السنن الأربعة وغيره. [٢]

---

١) فتح القدير: ٢/٢١٥-٢١٧.

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الزكاة، باب في زكاة السائمة (٢/١٠١) رقم الحديث: ١٥٧٢، ١٥٧٤. والترمذي في "جامعه" أبواب الزكاة، باب ما جاء في زكاة الذهب والورق (٣/٧) رقم الحديث: ٦٢٠. والنسائي في "سننه" كتاب الزكاة، باب زكاة الورق (٥/٣٧) رقم الحديث: ٢٤٧٧، ٢٤٧٨. وابن ماجه في "سننه" كتاب الزكاة، باب زكاة الورق والذهب (١/٥٧٠) رقم الحديث: ١٧٩٠.

toobaa-elibrary.blogspot.com

ومن الخصوصات ما أخرج أبو داود والنسائي [١]: أن امرأة أتت النبي ﷺ ومعها ابنة لها وفي يد بنتها مسكتان غليظتان من ذهب، فقال لها: أتعطين زكاة هذا؟ قالت لا، قال: أيسرك أن يسورك الله بهما يوم القيامة سوارا من نار؟ قال: فخلعتهما فألقتهما إلى النبي صلى الله عليه وسلم، فقالت: هما لله ورسوله، قال أبو الحسن بن القطان في كتابه: إسناده صحيح. وقال المنذري في مختصره، إسناده لا مقال فيه، ثم بينه رجلا رجلا.

وفي رواية الترمذي [٢] عن ابن لهيعة، قال: أتت امرأتان فساقه، وفيه: أتحبان أن يسور كما الله بسوارين من نار؟ قالتا لا، قال: فأديا زكاته، وتضعيف الترمذي، وقوله: لا يصح في هذا الباب عن النبي ﷺ شيء، مؤول وإلا فخطأ.

قال المنذري: لعل الترمذي قصد الطريقين اللذين ذكرها وإلا فطريق أبي داود لا مقال فيها، وقال ابن القطان بعد تصحيحه لحديث أبي داود: وإنما ضعف الترمذي هذا الحديث لأن عنده فيه ضعيفين ابن لهيعة والمثنى بن الصباح.

ومنها ما أخرج أبو داود [٣] عن عبد الله بن شداد بن الهاد قال: دخلنا على عائشة ﵂ قالت: دخل علي رسول الله ﷺ فرأى في يدي فتخات ورق فقال: ما هذا يا عائشة؟ فقلت: صغتهن لأتزين لك بهن يا رسول الله، قال: أتؤدين زكاتهن؟ فقلت: لا، فقال: هن حسبك من النار، وأخرجه الحاكم وصححه،[٤] وأعله الدارقطني[٥] بأن محمد بن عطاء مجهول، وتعقبه البيهقي[٦] وابن القطان بأن محمد بن عمرو بن عطاء أحد الثقات، ولكن لما نسب في سند الدارقطني إلى جده ظن أنه مجهول وتبعه عبد الحق، وقد جاء مبينا عند أبي داود بينه شيخه محمد بن إدريس الرازي [وهو أبو حاتم الرازي] إمام الجرح والتعديل.

ومنها ما أخرج أبو داود [٧] عن عتاب بن بشير عن ثابت بن عجلان عن عطاء عن أم سلمة قالت: كنت ألبس أوضاحا من ذهب فقلت: يا رسول الله أكنز هو؟ فقال: ما بلغ

---

١) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الزكاة، باب الكنز ما هو؟ وزكاة الحلي (٩٥/٢) رقم الحديث: ١٥٦٣. والنسائي في "سننه" كتاب الزكاة، باب زكاة الحلي (٣٨/٥) رقم الحديث: ٢٤٧٩.
٢) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الزكاة، باب ما جاء في زكاة الحلي (٣٠/٣) رقم الحديث: ٦٣٧.
٣) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الزكاة، باب الكنز ما هو؟ وزكاة الحلي (٩٥/٢) رقم الحديث: ١٥٦٥.
٤) أخرجه الحاكم في "المستدرك" كتاب الزكاة (٥٤٧/١) رقم الحديث: ١٤٣٧.
٥) أخرجه الدارقطني في "سننه" كتاب الزكاة، باب زكاة الحلي (٤٩٧/٢) رقم الحديث: ١٩٥١.
٦) أخرجه البيهقي في "السنن الكبرى" كتاب الزكاة، باب سياق أخبار وردت في زكاة الحلي (٢٣٥/٤) رقم الحديث: ٧٥٤٧.
٧) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الزكاة، باب الكنز ما هو؟ وزكاة الحلي (٩٥/٢) رقم الحديث: ١٥٦٤.

toobaa-elibrary.blogspot.com

أن تؤدى زكاته فزكي فليس بكنز، وأخرجه الحاكم في المستدرك عن محمد بن مهاجر عن ثابت به وقال: صحيح على شرط البخاري.[1]

واطنب الشيخ في إثبات مذهب أبي حنيفة بالأخبار والآثار، وقال وأما ما روي من حديث جابر عن النبي ﷺ قال: ليس في الحلي زكاة، قال البيهقي: باطل لا أصل له، إنما يروى عن جابر من قوله، وعن ابن مسعود قال: في الحلي الزكاة، [رواه عبد الرزاق[2]]، انتهى.

المسألة الخامسة عشر:

إذا مر على العاشر بمال فقال أصبته منذ أشهر أو علي دين وحلف صدق، والمراد بالعاشر من نصبه الإمام على الطريق؛ ليأخذ الصدقات من التجار، فمن أنكر منهم تمام الحول أو الفراغ من الدين كان منكرا للوجوب، والقول قول المنكر مع اليمين، وكذا إذا قال أديتها إلى عاشر آخر، وكذا إذا قال أديتها إلى الفقراء في المصر.[3]

وكذا الجواب في صدقة السوائم في ثلاثة فصول مذكورة، أولها: أصبته منذ أشهر، وثانيها: علي دين، وثالثها: أديت إلى عاشر آخر.

وفي الفصل الرابع: وهو ما إذا قال أديت بنفسي إلى الفقراء في المصر لا يصدق وإن حلف؛ لتكذيب الظاهر إياه؛ لأنه لم يفوض إليه ذلك، بل يستوفيه الإمام بولاية شرعية، فلا يملك من عليه اسقاط حقه في الاستيفاء، ولو علم صدقه لم يتعرض له، فالأموال نوعان: الأموال الظاهرة: وهي السوائم، وفيه حق الإمام، وهي عرضه للتعرض والضياع، وإنما يبقى بحماية الإمام وحياطتها، فيثبت له ولاية الأخذ؛ ليحمله على الحياطة والحماية بخلاف الأموال الباطنة في الأمصار؛ لأنه محمية لصاحبها، فكان أداء زكوتها مفوضا إليه.

وقال الشافعي[4]: يصدق المالك في أداء زكاة السوائم؛ لأنه أوصل الحق -وهو قدر الزكاة- إلى المستحق -وهو الفقير-، لم يفرق بين السوائم وغيرها عليه، فانطق به التنزيل قوله

---

١) أخرجه الحاكم في "المستدرك" كتاب الزكاة (٥٤٧/١) رقم الحديث: ١٤٣٨.

٢) أخرجه عبد الرزاق في "مصنفه" كتاب الزكاة، باب التبر والحلي (٨٤/٤) رقم الحديث: ٧٠٥٨. [فيه عبد الله بن شداد، وحديث عبد الله بن مسعود: عن ابن مسعود قال: سألته امرأة عن حلي، هل فيه زكاة؟ قال: إذا بلغ مائتي درهم فزكيه، قالت: إن لي حجري يتامى لي أفادفعه إليهم؟ قال: نعم.]

٣) الهداية: ١٠٤/١.

٤) الهداية: ١٠٤/١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

تعالى: "إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ" الآية [1]. أضاف إليهم فلا ملامة للملك، وذلك يقتضي أن يكون حقهم وقد أوصل إليهم، ويصدق بالحلف فيبرأ كالمشتري من الوكيل إذا أدى الثمن إلى الموكل.

ولنا أن حق أخذ زكاة السوائم للسلطان، لقوله تعالى: "خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً" [2] وقوله ﷺ: خذ من الإبل كذا والبقر كذا، ولأن المواشي في الضياع محماة بحماية السلطان، فلا يملك المالك إبطال حق السلطان، كمن عليه الجزية والخراج إذا صرفها إلى المقاتلة لا يجوز بخلاف المشتري من الوكيل، فإنه يبرأ بالأداء إلى الموكل؛ لأن للموكل حق القبض، ولأن للسلطان أو نائبه حق أعماله في الصدقات بخلاف الوكيل، ولأن اختيار الفقراء إلى السلطان، وليس للوكيل اختيار.

وهذا لأن الزكاة محض حق الله تعالى، وإنما يستوعبه من صنفين ما ينافي استيفاء حقوقه، وهو الإمام فلا يبراء إلا بالصرف إليه، بخلاف الأموال الباطنة، فإن أداء زكوتها مفوض إلى مالكها، فلا يكون فيه إبطال حق، وقد كان رسول الله ﷺ يأخذ الصدقات، وكذا عمر ﷺ بعده، وإنما فوض عثمان صدقات الأموال الباطنة إلى مالكها في الأمصار، فبقيت الأموال الظاهرة على ما على الأصل، ثم فيما يصدق لم يشترط إخراج البراءة أي خط الإبراء، وشرط في الأصل وهو رواية الحسن؛ لأنه إدعى وضع الأمانة موضعها، ويصدق دعواه علامة، فيجب ابرازها، وجه الأولى: أن الخط يشبه الخط فلم يعتبر علامة.

المسألة السادسة عشر

وإن مر ذمي بخمر أو خنزير عشر الخمر من قيمتها دون الخنزير. [3]

وقال الشافعي رحمه الله: لا يعشرهما لأنه لا قيمة لهما [4]؛ لأن الشرع أهانهما والقياسة تنهى أن يأخذ في العشر، وقد قال رسول الله ﷺ: حرمت أكله بعينها، فجعل عينها نجسة، والنجاسة يخرجها عن المالية.

وقال زفر رحمه الله يعشرهما لاستوائهما في المالية عندهم [5]، أي عند أهل الذمة فإن الخمر بمنزلة سائر الأموال كالعصير، والخنزير بمنزلة الشاة عندهم، ولهذا يجوز المعاملة بهما

---

1) التوبة: ٦٠.

2) التوبة: ١٠٣.

3) الهداية: ١/١٠٥

4) الهداية: ١/١٠٥.

5) الهداية: ١/١٠٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

بينهم، ولهذا يضمن متلف كل منهما بمنزلة الأموال؛ بل الخنزير أقرب إلى المالية من الخمر من وجه، لأن متلفه يضمن القيمة وهي مال في حق الكل، فإن لم يكن أقوى فلا أقل من المساواة، فإذا عشر أحدهما عشر الآخر أيضا.

وعند أبي يوسف: يعشرهما إذا مر بهما جملة كأنه جعل الخنزير تبعا للخمر[١]، لأن مالية الخمر أظهر من مالية الخنزير؛ لأنها قبل التخمر كان عصيرا وهو مال وبعده كذلك بتقدير التخليل، وليس الخنزير كذلك.

ولهذا إذا عجز المكاتب ومعه خمر يصير ملكا للمولى، وأما الخنزير فلا، ولأن الخمر إذا خرجت من دار الحرب يدخل في القيمة، فإذا تخللت تصير ملكا للمسلم بخلاف الخنزير، فيجعل تبعا للخمر، وكم من شيء يثبت تبعا ولايثبت قصدا كوقف المنقول تبعا للعقار.

فإن مر بكل واحد على الانفراد عشر الخمر دون الخنزير، ووجه الفرق لعلمائنا على ظاهر الرواية، وهو أن يعشر الخمر دون الخنزير على كل حال، إن القيمة في ذوات القيم لها حكم العين؛ لأنه لا مثل لها صورة ومعنى، فيقوم مقام العين، فأقيم القيمة مقام العين فيها. والخنزير من ذوات القيم؛ لأنه ليس من مثل ذوات الأمثال، فكان قيمة الخنزير بمنزلة عين الخنزير، فكما لايجوز الأخذ من عينها لايجوز من قيمتها.

وفي ذوات الأمثال ليس لها هذا الحكم، وليست لقيمتها حكم عينها؛ لأن ما يكون من ذوات الأمثال يجب أن يكون بدله مثلا قال الله تعالى: "فَمَنِ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ"[٢] وإذا لم يكن مثلا لها لا يكون أخذها في ذوات القيمة، والخمر مثل لأنها من ذوات الأمثال؛ لأنه لا تفاوت في إفرادها، فلا يكون لقيمتها حكم عينها، فيأخذ نصف العشر من القيمة، وإن لم يأخذ من العين، ولأن حق الأخذ للحماية والمسلم يحمي خمر نفسه للتخليل فكذا يحميها على غيره إذا كان ولاية على الغير، ولا يحمي خنزير نفسه بل يجب تسييبه بالإسلام؛ حتى أن الذمي إذا أسلم وله خنازير يجب عليه أن يرسلها، ولا يحل لأن يحفظها تقريره إن حق الأخذ للإمام بسبب الحماية.

والحماية إنما يكون بالولاية، وليس لمسلم ولاية حماية الخنزير على أهل الذمة بخلاف الخمر، لما عرف أن الأصل في الولايات ولاية المرء على نفسه لم يتعدي إلى غيره عند وجود

---

١) الهداية: ١/١٠٥

٢) البقرة: ١٩٤.

toobaa-elibrary.blogspot.com

سبب التعدية وهو السلطنة، والمسلم يملك ولاية الخمر على نفسه للتخليل، وينخلل بنفسها فيملك ذلك على غيره، هذا هو الحكم.

فروى عن أمير المؤمنين عمر كتب لعماله: إن ولوهم ومعها خمر، فخذوا نصف العشر من أثمانها، كذا في شرح الهداية.

المسألة السابعة عشر:

معدن ذهب أو فضة أو حديد أو رصاص أو صفر وجد في أرض خراج أو عشر ففيه الخمس عندنا، وقال الشافعي رحمه الله لا شيء عليه فيه لأنه مباح سبقت يده إليه كالصيد [1]، وليس بغنيمة؛ لأنه لم يكن في أيدي الكفار، والخمس إنما يجب في الغنائم.

والمراد بالمباح: ما خلق لمنفعتها ولم يحرزه ولم يعصمه أحد عصمه كالصيد، إلا إذا كان المستخرج ذهبا أو فضة، فيجب فيه الزكاة إذا بلغت نصابا؛ لوجود شرط الوجوب وهو النصاب، ويشترط الحول في قول؛ لأن الزكاة لا يجب إلا في نصاب حولي، وإن كان يستفاد مجانا كالنصاب الموهوب، ولم يشترط الحول في قول عنه: لأنه نماء كله والحول للتنمية، وقد جاء في قول: أنه يجب الخمس فيه كمذهبنا.

وذكر الشيخ ابن الهمام أحاديث استدل بها على مذهبه، وتكلم فيها، ثم قال [2]: ونحن نتمسك بالكتاب والسنة الصحيحة والقياس.

أما الكتاب فقوله تعالى: "وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ" [3] ولا شك في صدق الغنيمة على هذا المال؛ فإنه كان مع محله من الأرض في أيدي الكفرة، وقد أوجف عليه المسلمون فكان غنيمة، كما أن محله أعني الأرض كذلك.

وأما السنة فقوله ﷺ: العجماء جبار، والبئر جبار، والمعدن جبار، وفي الركاز الخمس، أخرجه الستة. [4]

---

١) الهداية: ١/١٠٦.

٢) فتح القدير: ٢/٢٣٣-٢٣٥.

٣) الأنفال: ٤١.

٤) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الزكاة، باب في الركاز الخمس (٢/١٣٠) رقم الحديث: ١٤٩٩؛ كتاب الديات، باب المعدن جبار والبئر جبار (٩/١٢) رقم الحديث: ٦٩١٢. ومسلم في "صحيحه" كتاب الديات، باب جرح العجماء (٣/١٣٣٤) رقم الحديث: ١٧١٠. وأبو داود في "سننه" كتاب الديات، باب العجماء والمعدن والبئر جبار (٤/١٩٦) رقم الحديث: ٤٥٩٣، كتاب الخراج الإمارة والفيء (٣/١٨١) رقم

toobaa-elibrary.blogspot.com

والركاز يعم المعدن والكنز لان المراد به المكنوز اعم من ان يكون زكاة أو غير زكاة. وكان الحقيقة فيها مشتركا معنويا وليس خاصا بالدفين.

وأما ما روي عن أبي هريرة أنه قال: قال رسول الله ﷺ: في الركاز الخمس، قيل: وما الركاز يا رسول الله؟ قال: الذهب الذي خلقه الله تعالى في الأرض يوم خلقت الأرض، رواه البيهقي.[1] وذكره في الإمام، فهو وإن سكت عنه في الإمام مضعف بعبد الله بن سعيد بن أبي سعيد المقبري، وفي الإمام أيضا أنه عليه الصلاة والسلام قال: في السيوب الخمس، والسيوب: عروق الذهب والفضة التي تحت الأرض.

وأما القياس فعلى الكنز الجاهلي بجامع ثبوت معنى الغنيمة، فإن هذا هو الوصف الذي ظهر أثره في المأخوذ بعينه قهرا فيجب ثبوت حكمه في محل النزاع وهو وجوب الخمس لوجوده فيه، وكونه أخذ في ضمن شيء لا أثر له في نفي الحكم، وإطلاق قوله ﷺ: "في الرقة ربع العشر"، مخصوص بالمستخرج للاتفاق على خروج الكنز الجاهلي من عموم الفضة.

ولنا أيضا قوله ﷺ في الركاز الخمس، فانه ﷺ لما سئل عما يوجد في الخرب العادي القديم، قال: فيه وفي الركاز الخمس، فعطف الركاز الخمس على المدفون، فعلم أن المراد بالركاز المعدن وهو من الركز بمعنى الإثبات، يقال: ركز رمحه في الأرض إذا ثبته، والمال في المعدن مثبتة في الأرض، فيصح إطلاقه على المعدن؛ لأنه مثبت في أصل الخلقة فيساو النص.

وروي أيضا أنه سئل عن الركز فقال: فيه وفي الركاز الخمس، وفي بعض الروايات: سئل رسول الله ﷺ عما يوجد في الأرض الميتة أو الخربة العادية، وقال: فيه وفي الركاز الخمس، ويطلق على الكنز مجازا للمجاورة.

والحقيقة أحق وإذا ارتدت الحقيقة بطل المجاز، ولأن المعادن كانت في أيدي الكفرة إذ هي مودعة في الأرض، والأراضي كانت في أيديهم فكانت هذه المعادن أيضا في أيديهم، وحوتها أيدينا عليه لأن أيدينا حوت الأرض ما يخاف الخيل والركاب عليهم هي فيها فكانت

الحديث: ٣٠٨٥. والترمذي في "جامعه" أبواب الزكاة، باب ما جاء أن العجماء جرحها جبار (٣/٢٥) رقم الحديث: ٦٤٢. والنسائي في "سننه" كتاب الزكاة، باب المعدن (٥/٤٤) رقم الحديث: ٢٤٩٥، ٢٤٩٨. وابن ماجه في "سننه" كتاب اللقطة، باب من أصاب ركازا (٢/٨٣٩) رقم الحديث. ٢٥٠٩، كتاب الديات، باب الجبار (٢/٨٩١) رقم الحديث: ٢٦٧٣

١) أخرجه البيهقي في "سننه" كتاب الزكاة، باب من قال: المعدن ركاز فيه الخمس (٤/٢٥٧) رقم الحديث: ٧٦٤٠.

toobaa-elibrary.blogspot.com

مما حونه الأيدي ضرورة، فكانت غنيمة وفي الغنائم الخمس، بخلاف الصيد لأنه لم يكن في يد أحد، فلا يصير غنيمة، ولايقاس عليه، وأورد على قولنا: فكانت غنيمة إنما إذا كانت غنيمة فلم لا يكون أربعة أخماس للغانمين وللواجد واحد.

وأجيب بأن للغانمين يدا حكمه لثبوتها على الظاهر أي على ظاهر الأرض حقيقة، وثبوتها على الباطن حكما لا حقيقة.

وأما اليد الحقيقة فللواجد لأنها ثابتة بغير واسطة، فاعتبرنا الحكم في حق الخمس، والحقيقة في حق الأربعة الأخماس عملا بالستين، ويقول: اعتبرنا الحكمية في حق الخمس ترجيحا للموجب على غير الموجب عند وقوع التعارض بينها، فههنا تعارضت اليدان الحقيقية والحكمية.

فالحكمية يقتضي أن يكون غنيمة، والحقيقية يقتضي أن لا يكون غنيمة، فجمعنا بين الوجهين، واعتبرنا الحكمية في الخمس والحقيقية في حق أربعة الأخماس، ولم يعتبر العكس؛ لأن في ذلك ترجيح يد الغانمين، وهو يد عموم على يد الواحد وفي يد خصوص كذا في بعض شروح الهداية.

وقال الشيخ ابن الهمام [1]: وتقريره بأن ما ذكرتم من أنه لو كانت بخمسة لكانت أربعة أخماس للغانمين وللواجد واحد معهود شرعا فيما إذا كان لهم يد حقيقة على الغنيمة، أما إذا كان الثابت لهم يدا حكمية والحقيقة لغيرهم فلا يكون لهم.

المسألة الثامنة عشر:

وفي العسل العشر إذا أخذ من أرض العشر [2]، وإن أخذ من أرض الخراج لم يؤخذ منه شيء، وفي الإيضاح: وما كان في أرض الخراج ففيه الخراج وإلا عشر منه؛ لأنه يتولد من أنوار الشجر المثمر، فيجري مجرى الثمر.

وقال الشافعي رحمه الله: لا يجب فيه شيء مطلقا؛ لأنه يتولد من الحيوان، فأشبه الإبريسم، قال تعالى: "يَخْرُجُ مِن بُطُونِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ" [3]، فليس من ما أنزل على الأرض.

---

1) فتح القدير: ٢/٢٣٥.
2) الهداية: ١/١٠٨.
3) النحل: ٦٩.

toobaa-elibrary.blogspot.com

ولنا قوله عليه الصلاة والسلام: في العسل العشر، ولأن النحل يتناول من الأنوار والثمار وفيهما العشر فكذا فيما يتولد منهما بخلاف دود القز لأنه يتناول الأوراق ولا عشر فيها.

ثم عند أبي حنيفة رحمه الله يجب فيه العشر قل أو كثر؛ لأنه لا يعتبر النصاب، وعن أبي يوسف رحمه الله أنه يعتبر فيه قيمة [خمسة أوسق كما هو أصله]، وعنه أنه لا شيء فيه حتى يبلغ عشر قرب لحديث بني شبابة [١] أنهم كانوا يؤدون إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم من كل عشرة قرب قربة. [٢]

قال الشيخ ابن الهمام: أخرج عبد الرزاق، عنه عليه الصلاة والسلام: أنه كتب إلى أهل اليمن أن يؤخذ من أهل العسل العشر، وليس له علة إلا عبد الله بن محرز، وقال ابن حبان: كان من خيار عباد الله إلا أنه كان يكذب ولا يعلم ويقلب الأخبار ولا يفهم، وحاصله أنه كان يغلط كثيرا.

وروى ابن ماجه ثنا محمد بن يحيى عن نعيم بن حماد عن ابن المبارك عن أسامة بن زيد عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده عبد الله بن عمرو: أن النبي ﷺ أخذ من العسل العشر.

وروى الشافعي أخبرنا أنس بن عياض عن الحارث بن عبد الرحمن بن أبي ذباب عن أبيه عن سعد بن أبي ذباب الدوسي قال: أتيت النبي ﷺ فأسلمت وقلت: يا رسول الله اجعل لقومي ما أسلموا عليه ففعل، واستعملني أبو بكر رضي الله عنه بعد النبي ﷺ، فلما قدم على قومه قال: يا قوم أدوا زكاة العسل فإنه لا خير في مال لا تؤدى زكاته، قالوا: كم ترى؟ قال: العشر، فأخذت منهم العشر فأتيت به عمر رضي الله عنه فباعه وجعله في صدقات المسلمين، وكذا رواه ابن أبي شيبة عن صفوان بن عيسى: حدثنا الحارث بن عيسى به.

ورواه الصلت بن محمد عن أنس بن عياض عن الحارث بن أبي ذباب عن منير بن عبد الله عن أبيه عن سعد، ولم يعرف ابن المديني والد منير، وسئل عنه أبو حاتم أيصح حديثه؟ قال نعم. قال الشافعي رحمه الله: وفي هذا ما يدل على أنه عليه الصلاة والسلام يأمره بأخذ الصدقة من العسل، وأنه شيء رآه فتطوع به أهله. [٣]

---

١) بني شبابة: وفي بعض النسخ: بني سيارة، وفي المغرب: بنو شبابة قوم بالطائف من خثعم، كانوا يتخذون النحل حتى نسب إليهم العسل فقيل: عسل شبابي، وسيارة تصحيف [الكفاية في شرح الهداية: ٢/٧٥.]

٢) الهداية: ١/١٠٨.

٣) فتح القدير: ٢/٢٤٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

والشيخ أورد أحاديث في أداء العشر في العسل، وأحاديث يدل على أن يؤخذ من كل عشر قرب قربة، وفي بعضها: من كل عشرة أذق ذق، فتدبر.

المسألة التاسعة عشر:

وللمالك أن يدفع الزكاة إلى كل واحد من الأصناف من مصارف الزكاة، وله أن يقتصر على صنف واحد.[1]

وقال الشافعي رحمه الله: لا يجوز إلا أن يصرف إلى ثلاثة من كل صنف، لأن الإضافة بحرف اللام للاستحقاق [2]؛ لأنه وضع للملك، ولم يوجب حقيقة فيوجب استحقاق الملك عن صاحب المال عملا بحرف اللام بقدر الإمكان، وإذا ثبت استحقاقهم لم يجز إبطال حقهم بالصرف إلى البعض، كما إذا أوصى ثلث ماله لهؤلاء الأصناف لم يجز حرمان بعضهم كذا ههنا، وإنما يجب الصرف إلى الثلاثة من كل صنف، ولم يجز الاقتصار على الواحد من كل صنف؛ لان الله تعالى ذكر المصارف بلفظ الجمع.

ولا يلزم على هذا ما روى أن النبي ﷺ صرف صدقة رجل إلى واحد، لأن للإمام أن يفعل له إن الصدقات تجتمع عنده من الناس، ويتعذر عليه حفظ كل صدقة على حدة، فيصير الكل في حقه كالعدد الواحد في حق من عليه، فلا جرم يجوز صرف الإمام الكل إلى رجل واحد.

ولنا أن الإضافة لبيان أنهم مصارف لا لإثبات الاستحقاق وهذا لما عرف أن الزكاة حق الله تعالى [3]، وحقه لله تعالى لا يستحقه غيره، وأن أمر بالصرف إليه كرجل أمر غريمه يصرف ما عليه إلى رجل عليه دين، فإنه لا يصير الدين حقا للمأمور يقتضيه، وبعلة الفقر صاروا مصارف لأن هذه الأسماء أسباب الحاجة، فلا ينال باختلاف جهات الفقر لوجود العلة بدون مبالاة إلى هذه الجهات، واللام للعاقبة أي يصير لهم بعاقبة؛ لأن الصدقة أولا يقع في يد الرحمن، والفقير مصرفه، ولذا سميت حق الله تعالى كقوله: لدوا للموت وابنوا للخراب، أي عاقبة المولود الموت وعاقبة ما بنى للخراب.

---

١) الهداية: ١/١١١.

٢) الهداية: ١/١١١.

٣) الهداية: ١/١١١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وفي التنزيل: "لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا" (١) واسم الجمع مستعار للجنس إذ لا معهود ههنا، فيتناول الواحد؛ لأنه الأدنى، وإن أغناء الكل متعذرا، فإذا صرف إليه جاز، فكأنهم صاروا جنسا واحدا، باسم الذي صاروا مصارف، فتعلق الحكم بأدنى ما يطلق عليه اسم الجمع الجنس، بخلاف ما لو أوصى بثلث ماله لهؤلاء الأصناف، لا يلقى هذه الأسماء في الواجب عليه صدقة بناء على أنه حق الله تعالى.

والوصية ليس بحق الله تعالى فلا يلقى هذه الأسماء، ونظير مسئلتنا النذر بصدقة مال قال الأصناف السبعة.

وقلنا: أنه يجوز فيه أن يقتصر على صنف واحد؛ لأنه التزم بلفظ الصدقة على الصدقة، والذي ذهبنا إليه مروي عن عمر وابن عباس، فكان أولى لموافقة الأثر لا سيما الأثر المروي عنهما؛ لأنهما من أكابر الصحابة.

وروى عن عمر ﷺ: أنه بعث بصدقة إلى أهل بيت رجل واحد، وهكذا نقل عن ابن عباس وحذيفة ﷺ.

وفي الجامع الصغير للتمرتاشي: لا رواية في مسألة الوصية فيمتنع، ولئن سلمنا فللمعتبر في أوامر الله [المعنى] وفي أوامر العبد الاسم، كمن قال لآخر: كاتب عبدي إن علمت فيه خيرا فكاتبه، ولم يعلم فيه خيرا لم يجز، وفي أمر الله تعالى بها على هذا الشرط لو كاتب ولم يعلم فيه خيرا جاز.

قال ابن عباس ﷺ: المراد بيان المصارف، قال: [فإلى] أيها صرفت أجزاك. كذا في شروح الهداية. (٢)

وقال الجصاص (٣): ولم يرو عن أحد من الصحابة خلاف ذلك، فحل محل الإجماع، والأصناف السبعة عندنا كالكعبة للصلوة، فكل صنف كجزء من الكعبة، واستقبال جزء منها جائز كاستقبال كلها كذا ههنا، ولأنه أوجب الصرف إليهم بعد ما صار صدقة وذلك بعد الأداء إلى الله تعالى، واللام للعاقبة وكيف يكون الاستحقاق، والمجهول لا يصلح مستحقا؛ بل المستحق هو الله تعالى، وهم مصارف، ألا ترى أنه تعالى قال في آية أخرى:

---

١) القصص: ٩.
٢) الكفاية في شرح الهداية: ٨٦/٢.
٣) احكام القرآن: ١٧٩/٣ [باب دفع الصدقات إلى صنف واحد]

toobaa-elibrary.blogspot.com

"وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ" [١]، وقال رسول الله ﷺ: وأوردها في فقرائهم، والفقراء صنف واحد، فهو خير لكم.

وقال أبو عبيد في كتاب الأموال: ومما يدل على صحة ذلك أن النبي ﷺ أتاه بعد ذلك مال، فجعله في صنف واحد وهم المؤلفة قلوبهم الأقرع بن حابس وعيينة بن حصن وعلقمة بن علاثة وزيد الخيل [قسم فيهم الذهبية التي بعث بها معاذ من اليمن، وإنما تؤخذ من أهل اليمن الصدقة]، ثم أتاه مال آخر فجعله في صنف آخر، وهم الغارمون، فقال لقبيصة بن المخارق حين أتاه، وقد تحمل حمالة، يا قبيصة! قم، حتى تأتينا الصدقة فنأمر لك بها. وفي حديث سلمة بن صخر البياضي أنه أمر له بصدقة قومه. ذكر هذه الأخبار الشيخ ابن الهمام. [٢]

المسألة العشرون:

ولا يجوز أن يدفع الزكاة إلى ذمي لقوله ﷺ لمعاذ رضي الله عنه: خذها من أغنيائهم وردها في فقرائهم [٣]، رواه أصحاب الكتب الستة [٤]، من حديث ابن عباس قال: قال عليه الصلاة والسلام: إنك ستأتي قوما أهل كتاب، فادعهم إلى شهادة أن لا إله إلا الله وأني رسول الله، [فإن هم أطاعوا لذلك فأعلمهم أن الله افترض عليهم خمس صلوات في كل يوم وليلة]، فإن هم أطاعوا لذلك فأعلمهم أن الله افترض عليهم صدقة تؤخذ من أغنيائهم فترد على فقرائهم، فإن هم أطاعوا لذلك فإياك وكرائم أموالهم واتق دعوة المظلوم فإنه ليس بينها وبين الله حجاب. [٥]

---

١) البقرة: ٢٧١.
٢) الكفاية في شرح الهداية: ٨٦/٢.
٣) الهداية: ١١١/١.
٤) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الزكاة، باب وجوب الزكاة (١٠٤/٢) رقم الحديث: ١٣٩٥، باب لا تؤخذ كرائم أموال الناس في الصدقة (١١٩/٢) رقم الحديث: ١٤٥٨. ومسلم في "صحيحه" كتاب الإيمان، باب الأمر بالإيمان بالله ورسوله (٥١/١) رقم الحديث: ١٩. وأبو داود في "سننه" كتاب الزكاة، باب في زكاة السائمة (١٠٤/٢) رقم الحديث: ١٥٨٤. والترمذي في "جامعه" أبواب الزكاة، باب ما جاء في كراهية أخذ خيار المال في الصدقة (١٢/٣) رقم الحديث: ٦٢٥. والنسائي في "سننه" كتاب الزكاة، باب وجوب الزكاة (٢/٥) رقم الحديث: ٢٤٣٥، باب إخراج الزكاة من بلد إلى بلد (٥٥/٥) رقم الحديث: ٢٥٢٢. وابن ماجه في "سننه" كتاب الزكاة، باب فرض الزكاة (٥٦٨/١) رقم الحديث: ١٧٨٣.
٥) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الإيمان، باب الأمر بالإيمان بالله ورسوله (٥٠/١) رقم الحديث: ١٩.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقال زفر: يجوز دفع الزكاة إلى الذمي، والإسلام ليس بشرط عنده في مصرف الزكاة وغيرهما؛ لأن النص مطلق، ونحن نقول: يأخذ من أغنياء المسلمين والرد إلى فقرائهم فكما لا يجوز الأخذ من غير أغنيائهم لا يجوز الدفع في غير فقرائهم.

وحديث معاذ مشهور مقبول إجماعا، فيجوز الزيادة بمثله، ولم يرد النص في غيره، فلو شرطنا الإسلام في غيره لشرطنا قياسا، والقياس في موضع النص باطل، ونحن نقول: النص خص عنه الفقير الحربي لقوله تعالى: "إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُمْ" الآية [١]، وكذا الوالدان والولد والزوجة مخصوص بالإجماع، فجاز تخصيص الباقي بخبر الواحد على ما عرف في أصول الفقه، ويدفع وهو ما سوى ذلك من الصدقة عليهم كصدقة الفطر وصدقة الكفارات وغير ذلك، ولا يدفع ذلك إلى الحربي ومستأمن، وفقراء المسلمين أحب.

وقال الشافعي [٢]: لا يدفع، وهو رواية عن أبي يوسف اعتبارا بالزكاة، والجامع أن كل واحد منهما حق الله تعالى، وحق الله تعالى لا يصرف إلى عدوه، وقيل الجامع: كون الصدقة متضمنة لمعنى العبادة فلا يجوز دفعها إلى الكافر، ولهذا لا يجوز الدفع إلى الحربي، وفي الحاشية المعينة على الحسامي: وكذلك لا يستقيم اشتراط صفة الإيمان في مصرف صدقة التطوع اعتبارا بالزكاة، كما قال الخصم، فإنه لم يجز صرف الصدقة النافلة إلى الذمي اعتبارا بالزكاة، قلنا: النص المطلق وهو قوله تعالى: "لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ" الآية [٣]، يقتضي جواز صرف الصدقة إليهم؛ لأنه يقتضي جواز المراعاة مطلقا، وهذا نوع من المبرة فيكون معارضا للنص مقيدا له.

ولنا قوله ﷺ: صدقوا على أهل الأديان كلها. روى ابن أبي شيبة مرسلا، ثنا جرير بن عبد الحميد عن أشعث عن جعفر عن سعيد بن جبير قال: قال رسول الله ﷺ: لا تصدقوا إلا على أهل دينكم، فأنزل الله تعالى: "لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ" إلى قوله: "وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ" [٤] فقال ﷺ: تصدقوا على أهل الأديان كلها.

---

١) الممتحنة: ٩.

٢) الهداية: ١/١١١.

٣) الممتحنة: ٨.

٤) البقرة: ٢٧٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقال أيضا مرسلا حدثنا أبو معاوية عن الحجاج عن سالم المكي عن محمد بن الحنفية قال: كره الناس أن يتصدقوا على المشركين فأنزل الله سبحانه: "لَّيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ" الآية[1]، قال: فتصدق الناس عليهم.

وروى أحمد بن زنجويه النسائي في كتاب الأموال، حدثنا علي بن الحسن عن أبي سعيد بن أبي أيوب عن زهرة بن معبد عن سعيد بن المسيب، أن رسول الله ﷺ تصدق على أهل بيت من اليهود بصدقة فهي تجري عليهم. [2]

قال صاحب الهداية [3]: ولو لا حديث معاذ لقلنا بالجواز في الزكاة، أي بجواز دفع الزكاة إلى الذمي، لكن حديث معاذ مشهور فجازت الزيادة به على إطلاق الكتاب، أعني إطلاق الفقراء في الكتاب أو هو عام خص منه الحربي بالإجماع مستندين إلى قوله تعالى: "إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ" الآية [4]، فجاز تخصيصه بعد بخبر الواحد. [5]

المسألة الحادي والعشرون

لا تشترى بالزكاة رقبة تعتق خلافا لمالك حيث ذهب إليه في تأويل قوله تعالى: "وَفِي الرِّقَابِ"،[6] قال: المراد بها أن لا تشترى بمال الزكاة رقبة وتعتق، وعند باقي الأئمة المراد بها: المكاتبون يعاونون من الزكاة، ويؤدي بدل الكتابة في فك رقابهم، وهو منقول عن سعيد بن جبير والزهري وإبراهيم النخعي والشعبي، كذا في الهداية. [7]

ولنا أن الإعتاق إسقاط الملك وليس بتمليك، وهو الركن لأن العبد لا يملك بالعتق مالية نفسه؛ بل يتلف ملك المولى، ولهذا كان الولاء له، ولهذا لا يكفن بها ميت أو قضاء دينه، والحيلة لمن أراد إعتاق عبد بمال الزكاة، أو تكفين ميت به، أو قضاء دينه أن يتصدق بمقدار زكوته على فقير، ثم أمره بعد ذلك بالصرف إلى هذه الوجوه، فيكون لصاحب المال ثواب الصدقة.

---

١) البقرة: ٢٧٢.
٢) فتح القدير: ٢/٢٦٨.
٣) الهداية: ١/١١١.
٤) الممتحنة: ٩.
٥) فتح القدير: ٢/٢٦٨
٦) التوبة: ٦٠.
٧) الهداية: ١/١١١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقال الشيخ ابن الهمام:[1] أخرج الطبري في تفسيره من طريق محمد بن إسحاق عن الحسن بن دينار عن الحسن البصري أن مكاتبا قام إلى أبي موسى الأشعري وهو يخطب يوم الجمعة فقال له: أيها الأمير حث الناس علي، فحث عليه أبو موسى، فألقى الناس عليه، هذا يلقي عمامة وهذا يلقي ملاءة وهذا يلقي خاتما حتى ألقى الناس عليه سوادا كثيرا، فلما رأى أبو موسى ما ألقي عليه قال: اجمعوه، ثم أمر به فبيع، فأعطي المكاتب مكاتبته ثم أعطى الفضل في الرقاب ولم يرد على الناس، وقال: إن هذا الذي أعطوه في الرقاب.

وأخرج عن الحسن البصري. والزهري وعبد الرحمن بن زيد بن أسلم قالوا: في الرقاب هم المكاتبون. وأما ما روي أن رجلا جاء إلى النبي ﷺ، فقال: دلني على عمل يقربني إلى الجنة ويباعدني من النار، فقال: أعتق النسمة، وفك الرقبة، فقال: أوليسا سواء؟ قال لا أعتق الرقبة أن تنفرد بعتقها، وفك النسمة أن تعين في ثمنها، رواه أحمد وغيره.

فقيل ليس فيه ما يستلزم كون هذا هو معنى وفي الرقاب المذكور في الآية.

المسألة الثانية والعشرون

ولا تدفع إلى غني،[2] أي لا يجوز دفع الزكاة إلى غني إن لم يكن عاملا، والمراد بالغني: من يملك نصابا من أي مال كان، بشرط أن يكون فاضلا عن حاجته الأصلية، وهي مسكنه وأثاث مسكنه وثيابه وخادمه ومركبه وسلاحه.

ولا يشترط النماء إذ هو شرط وجوب الزكاة، لا شرط الحرمان، كقوله عليه السلام: لا تحل الصدقة لغني،[3] ومن ضرورته حرمة الدفع إليه لأنه لو جاز لكان أعانه على أخذ ما لا يحل فلا يحل.

وهذا الحديث [بإطلاقه] حجة على الشافعي في تجويزه أداء الزكاة إلى غني الغزاة، وكذا حديث معاذ وهو قوله ﷺ: خذها من أغنيائهم وردها إلى فقرائهم.

---

1) فتح القدير: ٢/٢٦٣.

2) الهداية: ١/١١٩.

3) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الزكاة، باب من يعطي من الصدقة، وحد الغنى (٢/١١٨) رقم الحديث: ١٦٣٤. والترمذي في "جامعه" أبواب الزكاة، باب من لا تحل له الصدقة (٣/٣٢) رقم الحديث: ٦٥٢. [وحسنه الترمذي هنا]

toobaa-elibrary.blogspot.com

المسألة الثالثة والعشرون:

صدقة الفطر واجبة على الحر المسلم إذا كان مالكا لمقدار النصاب فاضلا عن حاجته الأصليه، وأن لم يكن ناميا حوليا.[1]

وعند الشافعي رحمه الله: تجب على من يملك زيادة عن قوت يومه لنفسه وعياله، وإن لم يملك النصاب، بناء على أنها تجب طهرة للصائم، كما ورد في حديث أبي داؤد وابن ماجة، عن ابن عباس رضي الله عنه: فرض رسول الله ﷺ زكاة الفطر طهرة للصائم من اللغو والرفث، وطعمة للمساكين، من أداها قبل الصلاة، فهي زكاة مقبولة، ومن أداها بعد الصلاة، فهي صدقة من الصدقات.[2]

ورواه الدار قطني وقال [3]: ليس في روايته مجروح، فلا يشترط فيها النصاب كالكفارة، واستوى فيه الغني والفقير.

والحجة عليه قوله ﷺ: لاصدقة إلا عن ظهر غني [4]، ولأنها وجبت لإغناء الفقير، ولقوله ﷺ: أغنوهم عن المسألة في هذا اليوم [5]، والإغناء من غير الغني لا يتصور كالتمليك من غير المالك، والغناء مقدر في الشرع بملك النصاب الفاضل عن الحاجة؛ لأن المستحق بالحاجة كالمعدوم.

وحديث "لا صدقة إلا عن ظهر غني"، رواه الإمام أحمد في مسنده حدثنا يعني ابن عبيد حدثنا عبد الملك عن عطاء عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: لا صدقة إلا عن ظهر غنى، واليد العليا خير من اليد السفلى، وابدأ بمن تعول، وذكره البخاري في صحيحه تعليقا في كتاب الوصايا مقتصرا على الجملة الأولى فقال: وقال النبي ﷺ: لا صدقة إلا عن ظهر غنى، وتعليقاته المجزومة لها حكم الصحة. ورواه مرة مسندا بغير هذا اللفظ، وما روى أحمد حدثنا عفان قال: سألت حماد بن زيد عن صدقة الفطر، فحدثني عن نعمان بن راشد عن الزهري عن

---

١) الهداية: ١/١١٣.

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الزكاة، باب زكاة الفطر (٢/١١١) رقم الحديث: ١٦٠٩. وابن ماجه في "سننه" كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر (١/٥٨٥) رقم الحديث: ١٨٢٧.

٣) أخرجه الدار قطني في "سننه" كتاب الزكاة (٣/٦١) رقم الحديث: ٢٠٦٧.

٤) أخرجه أحمد في "مسنده" مسند المكثرين من الصحابة، مسند أبي هريرة (١٢/٦٩) رقم الحديث: ٧١٥٥. [لفظه: عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله ﷺ: لا صدقة إلا عن ظهر غنى، واليد العليا خير من اليد السفلى، وابدأ بمن تعول].

٥) نصب الراية: ٢/٤٣٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

أبي ثعلبة بن أبي صعير عن أبيه أن رسول الله ﷺ، قال: أدوا صاعا من قمح أو صاعا من بر شك حماد عن كل اثنين صغير أو كبير ذكر أو أنثى حر أو مملوك غني أو فقير، وأما غنيكم فيزكيه الله، وأما فقيركم فيرد الله عليه أكثر مما يعطي، فقد ضعفه أحمد بالنعمان بن راشد وجهالة ابن أبي صعير، ولو صح لا يقاوم ما رويناه في الصحة مع أن ما لا ينضبط كثرة من الروايات المشتملة على التقسيم المذكور ليس فيها الفقير فكانت تلك رواية شاذة فلا تقبل خصوصا مع نبو عن قواعد الصدقات، ومما يتعلق به أيضا وجوب نفقة ذوي الأرحام.[1]

المسألة الرابعة والعشرون:

ولا يخرج صدقة الفطر عن مماليك التجارة[2]، خلافا الشافعي رحمه الله، فإن عنده وجوب صدقة الفطر على العبد ويؤدي عنه كما يؤدي العاقلة عن القاتل، لقوله عليه الصلاة والسلام: أدوا عن كل حر وعبد[3]، وجوب الزكاة على المولى فلا تنافيه، أي لا تؤخذ في السنة مرتين؛ لأن الحقين إذا وجبا لستتين مختلفتين لا تنافي أحديهما الأخرى.

وعندنا وجوبها على المولى بسببه كالزكاة فيؤدي إلى الثني[4]، [-هو مكسور المثلثة مقصورا-] يعني أن الزكاة واجبة على المولى بسببه، فلو قلنا: بوجوب صدقة الفطر على المولى أيضا بسببه لكان سبب الصدقة على المولى في سنة واحدة بسبب مال واحد، وهذا لا يجوز لإطلاق قوله ﷺ: لا ثناي الصدقة أي لا يؤخذ في السنة مرتين، ولا وجه لإيجابها على العبد ابتداء؛ لأنه ليس من أهل الملك، فيكون أدنى حالا من الفقير الفقير المعدوم، ولما انتفى الوجوب عليه انتفى التحمل منه.

المسألة الخامسة والعشرون:

ويؤدي المسلم الفطر عن عبده الكافر لإطلاق ما روى في حديث ثعلبة بن صعير العدوي وهو قوله ﷺ: أدوا عن كل حر وعبد،[5] من غير قيد الإسلام، ولقوله صلى الله عليه وسلم في حديث ابن عباس: أدوا عن حر وعبد يهودي أو نصراني أو مجوسي،[6] الحديث، كذا في النهاية.

---

1) فتح القدير: ٢/٢٨٣-٢٨٤.
2) الهداية: ١/١١٣.
3) نصب الراية: ٢/٤١٢.
4) الهداية: ١/١١٣.
5) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الزكاة، باب من روى نصف صاع من قمح (٢/١١٤) رقم الحديث: ١٦٢٠.
6) نصب الراية: ٢/٤١٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقال الشيخ ابن الهمام:[1] استدل بأمرين ثانيهما ضعيف عند أهل النقل فيبقى الأول سالما.

أما الحديث، فهو ما رواه الدارقطني عن ابن عباس عنه ﷺ: أدوا صدقة الفطر عن كل صغير وكبير ذكر أو أنثى يهودي أو نصراني حر أو مملوك نصف صاع من بر أو صاعا من تمر أو شعير، وهو ضعيف؛ بل عد في الموضوعات من قبل سلام الطويل، فإنه متروك مرمي بالوضع [وقد تفرد بهذه الزيادة ولفظه مجوسي لم تعلم مروية]، وأما الآخر فإن الإطلاق في العبد في الصحيح يوجبها في الكافر، والتقييد في الصحيح أيضا بقوله من المسلمين لا يعارضه لما عرف من عدم حمل المطلق على المقيد [في الأسباب] لأنه تزاحم فيها فيمكن بهما فيكون كل من المقيد والمطلق سببا بخلاف ورودهما في حكم واحد، وكل من قال بأن إفراد فرد من العام لا يوجب التخصيص يلزمه أن يقول إن تعليق حكم بمطلق ثم تعليقه بعينه بمقيد لا يوجب ذلك للمطلق بأدنى تأمل، نعم إذا لم يمكن العمل بهما صير إليه ضرورة، انتهى.

ولنا أيضا أن السبب وهو رأس يموته ويلي عليه وللمولى من أهله لكونه مسلما حر أو ذمته يصلح للوجوب.

وعند الشافعي: لا صدقة عن عبده الكافر، بناء على أن الوجوب عنده على العبد للحديث ابن عمر أن النبي ﷺ: فرض صدقة الفطر على حر وعبد، ولأنها طهرة للصائم، ولا يجب الصوم على العبد فكذا الفطرة.

قلنا: "على" في الحديث بمعنى "عن" كقوله تعالى: "إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ"[2] أي عن الناس. ولا قياس على الصوم، فإنه واجبة على الرضيع، ولا صوم عليه، ثم يتحمل عنه المولى فيعتبر كونه أهلا للوجوب عليه، وليس العبد أهله لكونه كافرا، ولأن حال العبد دون حال الفقير الذي لا يملك شيئا، لأن ذلك الفقير من أهل الملك.

والعبد مسلما فلا وجوب بالاتفاق. أما عندنا فلأن المولى ليس بأهل للوجوب عليه ولا للاداء، وأما عنده فلأن تحمل المولى من ملوكه يستدعي أهله العبادة الكافر ليس بأهل لها، والوجوب على العبد عنده باعتبار تحمل المولى الأداء عنه فإذا عدم ذلك لم يجب أصلا.

---

1) فتح القدير: ٢/٢٨٩.

2) المطففين: ٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

المسألة السادسة والعشرون:

من باع عبدا وأحدهما بالخيار كان الخيار لهما، ومن يوم الفطر الخيار باقي ففطرته تجب على من يصير العبد له بالرد أو بالإجازة، فإن تم البيع فعلى المشتري، وإن فسخ فعلى البائع.[1]

وقال الشافعي رحمه الله: على من له الملك يوم الفطر؛ لأنه من وظائف الملك كالنفقة، يعني هذه مؤنة تجب بسبب الملك كالنفقة، فتجب على من له الملك وقت الوجوب.

ولنا: أن الملك موقوف، فيتوقف ما تبني عليها، ألا ترى أنه لو فسخ، يعود إلى قديم ملك البائع، ولو أجيز يثبت الملك للمشتري من وقت العقد؛ حتى يستحق الزوائد المتصلة والمنفصلة، ويكون الاكتساب له؛ لأنه لا يتوقف الأصل، فيستدعي توقف ما ينهى عنه، فالصدقة تبتني عليه لأنها مؤنة. والمؤنة من حقوق الملك، وزكاة التجارة على هذا بأن اشتراه للتجارة بشرط الخيار، فتم الطول في هذا الخيار، فعندنا يضم إلى من يصير له إن كان عنده نصاب، فيزكيه مع نصابه، ولو لم يكن في البيع خيارا، ولم يقبضه المشتري حتى مضى يوم الفطر فقبضه، فالفطرة على المشتري، ولاصدقة على واحد منهما لقصور ملك المشتري وعوده إلى البائع غير منتفع به، فكان كالآبق؛ بل أشده، ولو رده قبل القبض بخيار عيب أو رؤية نقضا، أو بغيره، فعلى البائع؛ لأنه عاد عليه قديم ملكه، وهذا القبض على المشتري؛ لأنه زال ملكه بعد تمامه وتاكده بخلاف النفقة، لأنها للحاجة التاجرة، فلا يقبل التوقف؛ لأن الحق يفوت بالتوقف، والصدقة تجب في السنة مرة فلا تفوت بالتوقف، ألا ترى أنه متى لم تخرج النفقة حتى مضى يوم لم يبق دينا عليه، والصدقة تبقى فلم يمكن وقف النفقة.

وأمكن وقف الصدقة وأيضا لو جعلناها موقوفة لمات المملوك جوعا فاعتبرنا الملك فيها للحال ضرورة في الصدقة، فإن قلت: توقف للملك أوجب توقف ما يبتني عليه الملك، لوجب أن يتوقف إعتاق المشتري والبائع؛ لأنه حق من حقوق الملك، هو مبتدأ مزيل للملك، لكن إذا وقع صار من حقوقه؛ لأنه نهاية الملك، والبيع إذا كان فيه خيار البائع معدوم حكما، لأنه لا يفيد الملك للمشتري، فلا يعتبر إعتاقه قبل الملك بوجه.

أما الصدقة فقي نفسها حق الملك كالنفقة، فلما توقف حال الملك بالبيع على أن يصير المشتري مالكا من أول البيع، توقف معه، أمر الصدقة، وزكاة التجارة على هذا الخلاف، صورته: رجل باع عبدا للتجارة يساوى الغابر بالغبن على أن أحدهما بالخيار ثلثة

---

1) الهداية: ١/١١٤.

toobaa-elibrary.blogspot.com

أيام، والمشتري نوى التجارة، وتم الحول على ماليتها، والخيار باق، فقال الشافعي رحمه الله: على من له الملك، وعندنا على من يصير له، بائعا كان أو مشتريا.

المسألة السابعة والعشرون:

الفطرة نصف صاع من بر أو دقيق أو سويق أو زبيب، أو صاع من تمر أو شعير.

وقال الشافعي: ﷺ من جميع ذلك صاع لحديث أبي سعيد الخدري ﷺ قال كنا نخرج ذلك -أي صدقة الفطر- على عهد رسول الله ﷺ صاعا من بر أو صاعا من أقط[1]، الحديث.[2]

ولنا ما روينا وهو مذهب جماعة من الصحابة وفيهم الخلفاء الراشدون رضوان الله عليهم أجمعين، فإنه روى عن ثلاثين نفرا من الصحابة.

قال الكرخي: لم ينقل عن أحد من الصحابة أن نصف صاع من بر لا يجوز[3]، وقال أبو سعيد الخدري: فلم نزل نخرجه كذلك حتى قدم معاوية حاجا -أو معتمرا- فكلم الناس على المنبر، فكان فيما كلمهم به أن قال: أرى مدين من سمراء الشام تعدل بصاع من تمر فأخذ الناس بذلك، قال أبو سعيد: أما أنا فلا أزل أخرجه كما كنت أخرج أبدا، ولقد أطنب الشيخ ابن الهمام في إيراد الأحاديث من الجانبين، وتكلم في رجالها، وأثبت مدعاه في إثبات مذهبه كما هو عادته رحمه الله جزاه الله عن الحنيفة خيرا، والوقت لا تسع بإحاطتها، والله أعلم.[4]

ولقد ذكرنا من ذلك في "شرح سفر السعادة" وبيان وزن الصاع وألحقناه بوزن بلادنا، فلينظر ثمه.[5]

---

١) الهداية: ١/١١٤.

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر صاع من شعير (٢/١٣١) رقم الحديث: ١٥٠٥، باب صدقة الفطر صاع من طعام (٢/١٣١) رقم الحديث: ١٥٠٦، باب صاع من زبيب (٢/١٣١) رقم الحديث: ١٥٠٨، باب الصدقة قبل العيد (٢/١٣١) رقم الحديث: ١٥١٠. ومسلم في "صحيحه" كتاب الزكاة، باب زكاة الفطر على المسلمين من التمر والشعير (٢/٦٧٨) رقم الحديث: ٩٨٥. وأبو داود في "سننه" كتاب الزكاة، باب كم يؤدى في صدقة الفطر (٢/١١٣) رقم الحديث: ١٦١٦. والترمذي في "جامعه" أبواب الزكاة، باب ما جاء في صدقة الفطر (٣/٥٠) رقم الحديث: ٦٧٣.

٣) المبسوط للسرخسي: ٣/١١٣.

٤) فتح القدير: ٢/٢٩١-٢٩٤.

٥) شرح سفر السعادة: ٢٨٤-٢٨٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

المسألة الثامنة والعشرون:

والدقيق أولى من البر والدراهم أولى من الدقيق فيما يروى عن أبي يوسف رحمه الله وهو اختيار الفقيه أبي جعفر رحمه الله لأنه أدفع للحاجة وأعجل به وعن أبي بكر الأعمش رحمه الله تفضيل الحنطة لأنه أبعد من الخلاف إذ في الدقيق والقيمة خلاف الشافعي رحمه الله.[1]

وذكر في الفتاوى الظهيرية: والفتوى على أن أداء القيمة أفضل، والمعتبر في القيمة قيمة الحنطة والشعير أو التمر، فيؤدي قيمتها أي الثلاث إن شاء عند أبي حنيفة، وعند محمد رحمه الله قيمة الحنطة، ذكر الصدر الشهيد في شرح كتاب الصوم، كذا في شرح الهداية.[2]

المسألة التاسعة والعشرون:

والصاع عند أبي حنيفة ومحمد رحمهم الله ثمانية أرطال بالعراقي، وقال أبو يوسف: خمسة أرطال وثلث رطل وهو قول الشافعي[3]، ولا يتم هذا الحساب عند أهل ديارنا، ولقد شبعنا في تحقق هذا الحساب في "شرح سفر السعادة" بما وسع الوقت، فلينظر ثمه.

المسألة الثلاثون

ووجوب الفطرة يتعلق بطلوع الفجر من يوم الفطر، وقال الشافعي رحمه الله: بغروب الشمس في اليوم الأخير من رمضان؛ حتى إن من أسلم أو ولد ليلة الفطر تجب فطرته عندنا، لإدراك وقت الوجوب، وعنده لا تجب لعدم إدراك وقته، وعلى عكسه من مات فيها من مماليكه أو ولده؛ فإنه لا تجب فطرته عندنا، وعنده تجب، وله أن تختص بالفطر؛ لأن إضافته إليه في قولنا: صدقة الفطر يدل على اختصاص الوجوب به، وهذا وقته؛ لأن الفطر الدائم يتحقق من هذا الوقت.[4]

ولنا أن الإضافة للاختصاص أي اختصاص الفطر بوقت معين، والاختصاص الفطر باليوم دون الليل،[5] يعني أن اليوم مسمى بيوم الفطر، فينبغي أن يكون الفطر فيه، فيتحقق هذا الاسم ليوم الجمعة مايجب فيه. ويؤدي فيه الجمعة، والله أعلم بالصواب وإليه المرجع والمآب وصلي الله على خير خلقه محمد وآله وأصحابه أجمعين.

---

١) الهداية: ١/١١٥.

٢) الذخيرة البرهانية: ٣/١٠٣-١٠٤.

٣) الهداية: ١/١١٥.

٤) الهداية: ١/١١٥.

٥) الهداية: ١/١١٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

كتاب الصوم

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

كتاب الصوم

الكلام في هذا الكتاب في عدة مواضع.

الأول في النية:

أي نية الصيام[1] من الليل، وفيه اختلاف الأئمة، فالمذهب عندنا أنه ينبغي أن ينوي رمضان بالليل، وأن لم ينو حتى أصبح أجزأته النية ما بينه وبين الزوال، وكذلك النذر للمعين، وشرط للقضاء والكفارة والنذر المطلق أن يبيت النية، ولا يجوز إلا بنية من الليل، كذا في الهداية.[2]

وقال الشيخ ابن الهمام: ذلك ليس بلازم، بل إن نوى مع طلوع الفجر جاز لأن الواجب قران النية بالصوم لا تقديمها، كذا في فتاوى قاضي خان.[3]

وعند الشافعي وأحمد رحمهما الله: يجب النية في الكل، وأما صوم النفل فيجوز فيه النية في نصف النهار عند الكل إلا عند المالك رحمه الله، فإنه يشترط النية في النفل أيضا لعموم قوله ﷺ: "لاصيام لمن لم ينو الصيام من الليل"، وجوابه ما يأتي من حديث عائشة ﵂، والشافعي وأحمد رحمهما الله يخصان منه النفل دون غيره من صوم النذر والقضاء، ونحن نخص أيضا ما تعين كصوم رمضان والنذر للمعين، هذا حاصل المذهب ونذكر دلائلهم، فالشافعي رحمه الله تمسك بهذا الحديث، [أي "لا صيام لمن لم ينو الصيام من الليل"].

قال الشيخ ابن الهمام[4]: رواه أصحاب السنن الأربعة، واختلفوا في لفظه: "لا صيام لمن لم يجمع الصيام بالليل" بالتشديد والتخفيف، و "لا صيام من لم ينو الصيام بالليل" و "لا صيام لمن لم يفرضه من الليل" رواه ابن ماجه.

---

١) قال تعالى: "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ" [البقرة: ١٨٣.] وقال تعالى: "شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ، الآية. [البقرة: ١٨٥.] وقال تعالى: إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَٰنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنسِيًّا، الآية. [مريم: ٢٦.] (الأعظمي.)

٢) الهداية: ١/١١٦.

٣) فتح القدير: ٢/٣١١.

٤) فتح القدير ٢/٣٠٤.

toobaa-elibrary.blogspot.com

واختلفوا في رفعه ووقفه، ولم يروه مالك في الموطإ إلا من كلام ابن عمر وعائشة وحفصة زوجي النبي ﷺ، والأكثر على وقفه، وقد رفعه عبد الله بن أبي بكر ﷺ عن الزهري يبلغ به حفصة، قال: قال رسول الله ﷺ: من لم يجمع قبل الفجر فلا صيام له، ووقفه عنه على حفصة معمر والزهري وابن عيينة ويونس الأيلي وعبد الله بن أبي بكر ثقة، والرفع زيادة وهي من الثقة مقبولة، ولفظ "يبيت" عند الدارقطني عن عائشة ﷺ عن النبي ﷺ: من لم يبيت الصيام قبل الفجر فلا صيام له.

قال الدارقطني: تفرد به عبد الله بن عباد [عن الفضل بهذا الإسناد وكلهم ثقات، وأقره البيهقي عليه، ونظر فيه: بأن عبد الله بن عباد] غير مشهور ويحيى بن أيوب ليس بالقوي، وهو من رجاله، وقال ابن حبان: عبد الله بن عباد البصري يقلب الأخبار. قال: روى عنه روح بن الفرج نسخة موضوعة.

قال الشيخ ابن الهمام:[١] تمسك الشافعي رحمه الله بالحديث والمعنى، أما الحديث فقد علم حاله، واما المعنى: ولأنه لما فسد الجزء الأول لفقد النية فيه إذ الفرض اشتراطها في صحة الصوم، ولم توجد في الأجزاء الأول من النهار فسد الباقي، وإن وجدت النية فيه ضرورة عدم انقلاب الفاسد صحيحا، وعدم تجزي الصوم صحة وفسادا، [لكونه ركنا واحدا ممتدا وجدت، والعزيمة المعترضة ضرورة لا تؤثر فيما مضى، إذا خلاص العبد فيما قد عمله لا بتصور، وإنما هو فيما لم يعمله بعد وجوب ترجيح الفاسد احتياطا في العبادة]؛ لا يقال لما لم يتجزأ صحة وفسادا وقد صح ما اقترن بالنية صح الكل ضرورة ذاك لأن المحرم مقدم، وهذا بخلاف النفل لأنه منجز عندي لأنه مبني على النشاط وقد ينشط في بعض اليوم، أو نقول: تتوقف الإمساكات في أول اليوم على وجود النية في باقيه في النفل اعتبارا له أخف حالا من الفرض، حتى جازت صلاته قاعدا وراكبا غير مستقبل القبلة، بخلاف الفرض، ثم يدل على هذا الاعتبار ما أخرجه مسلم عن عائشة قالت: دخل علي النبي ﷺ ذات يوم، فقال: هل عندكم شيء؟ فقلنا: لا، فقال: إني إذا صائم، ثم أتى يوما آخر فقلنا: يا رسول الله أهدي لنا حيس، فقال: أرنيه فلقد أصبحت صائما فأكل. ويعلم من هذا الحديث جواز نية صوم النفل في النهار.

ومالك رحمه الله يحمله على الأخبار، بأنه صائم نواه من الليلة، وهو خلاف ظاهر العبارة كما لايخفى انتهى.

---

١) فتح القدير: ٢/ ٣٠٤.

toobaa-elibrary.blogspot.com

ونقل في بعض شروح الهداية عن الذخيرة للغزالي تجويز نية التطوع قبل الزوال وبعده قولان.

وذكر في شروح الأسرار من جانب الشافعي رحمه الله: أن ما مضى من النهار لم يكن صوما لعدم الشرط وما بقى لا يكتفي للواجب؛ لأن الواجب صوم يوم كامل، بخلاف التطوع؛ لأنه ليس بواجب فيصح بقدر ما بقي؛ لأنه مبني على النشاط كالاعتكاف اللغوي ليس بواجب يتأدى بقدر ما يكون من النهار.

والدليل لنا في صوم رمضان قوله تعالى: "وَكُلُوا وَاشْرَبُوا" إلى قوله "ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ" (١)، لأنه أباح الأكل إلى طلوع الفجر، ثم أمر بالصيام بعده، و"ثم" للتراخي لصير العزيمة بعده لا محالة.

والنفل والنذر للمعين معينان عليه للتعين، وأما القضاء والكفارة والنذر للمطلق فغير متعينة فلا بد من التعين من الابتداء.

وقد يستدل بحديث الأعرابي وقد روى في السنن الأربعة عن ابن عباس (٢): أن أعرابيا شهد برؤية هلال رمضان يوم الشك، فأمر النبي ﷺ: مناديا ينادي ألا من أكل فلا يأكل بقية يومه، ومن لم يأكل فليصم؛ أمرهم بالصوم بعد ارتفاع النهار، وصام بنفسه، فثبت أنه جائز.

ولا يجوز به الحمل على صوم اللغة، لأنه لو كان كذلك؛ لكان الأكل وغيره سواء؛ ولأن النبي ﷺ قسم الناس في هذا الكلام قسمين، ومقتضى القسمة نفي الشركة في الحكم، ولو كان المراد الصوم اللغوي؛ لكان حكما واحدا، وقوله: "لا يأكلن" نهي كراهة؛ حتى لو أكل بعده لا يأثم، فيكون أمرا بضده وهو الاستحباب، وما رواه الشافعي: لا صيام لمن لم ينو

---

١) البقرة: ١٨٧.

٢) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصوم، باب في شهادة الواحد على رؤية هلال رمضان (٢/٣٠٢) رقم الحديث: ٢٣٤٠. والترمذي في "جامعه" أبواب الصوم، باب ما جاء في الصوم بالشهادة (٣/٦٥) رقم الحديث: ٦٩١. والنسائي في "سننه" كتاب الصيام، باب قبول شهادة الرجل الواحد على هلال شهر رمضان (٤/١٣١) رقم الحديث: ٢١١٢، ٢١١٣. وابن ماجه في "سننه" كتاب الصيام، باب ما جاء في الشهادة على رؤية الهلال (١/٥٢٩) رقم الحديث: ١٦٥٢. ونصب الراية: ٢/٤٣٥. [ولفظ أبي داود: عن ابن عباس قال: جاء أعرابي إلى النبي ﷺ، فقال: إني رأيت الهلال، قال الحسن في حديثه يعني رمضان، فقال: أتشهد أن لا إله إلا الله، قال: نعم، قال: أتشهد أن محمدا رسول الله؟ قال: نعم، قال: يا بلال، أذن في الناس فليصوموا غدا.]

toobaa-elibrary.blogspot.com

الصيام من الليل، متعلقا بالصيام، في أصله: لاصيام لمن لم يقصد أنه صائم، محمول على نفي الفضيلة والكمال، كما في قوله: لاصلوة لجار المسجد إلا في المسجد، وقوله: لا وضوء لمن لم يسم، وغيره كثيرا، ومعناه "لم ينو" كون الصوم من الليل فيكون الجار والمجرور وهو من الليل متعلقا بصيام [الثاني لا " بينو " أو يجمع] فحاصله: لا صيام لمن لم يقصد أنه صائم من الليل أي من آخر أجزائه فيكون نفيا لصحة الصوم من حين نوى من النهار، كما قال به الشافعي. (١)

يعني أن المراد بالنفي إن كان نفي لجواز فكان معناه لم ينو أنه صوم من الليل، وإن لم يكن فكان الحديث محمولا على نفي الفضيلة توفيقا بين الحديثين على الوجهين، ولو تنزلنا إلى صحته وكونه لنفي الصحة وجب أن يخص عمومه بما رويناه عندهم مطلقا وعندنا لو كان قطعيا خص بعضه خصص به، فكيف وقد اجتمع فيه الظنية والتخصيص.

وقال الشيخ ابن الهمام: حاصل استدلاله بالنص والقياس على النقل ثم تأويل مرويه بدليل يوجب ذلك، أما النص فما ذكره وهو مستغرب، والله أعلم به بل المعروف أنه شهد عنده برؤية الهلال فأمر أن ينادى في الناس أن يصوموا غدا، رواه الدارقطني بلفظ صريح فيه؛ وما رواه أصحاب السنن الأربعة عن ابن عباس رضي الله عنهما، قال: جاء أعرابي إلى النبي ﷺ فقال: إني رأيت الهلال قال الحسن في حديثه يعني رمضان فقال: أتشهد أن لا إله إلا الله؟ قال: نعم، قال: أتشهد أن محمدا رسول الله؟ قال: نعم، قال: يا بلال أذن في الناس فليصوموا، محتمل لكونه شهد في النهار أو الليل فلا يحتج به، واستدل الطحاوي بما في الصحيحين عن سلمة بن الأكوع: أنه عليه الصلاة والسلام أمر رجلا من أسلم أن أذن في الناس أن من أكل فليصم بقية يومه، ومن لم يكن أكل فليصم فإن اليوم يوم عاشوراء.

فيه دليل على أنه كان أمر إيجاب قبل نسخه برمضان، إذ لا يؤمر من أكل بإمساك بقية اليوم إلا في يوم مفروض الصوم بعينه ابتداء، بخلاف قضاء رمضان إذا أفطر فيه فعلم أن من تعين عليه صوم يوم ولم ينوه ليلا أنه يجزيه نيته نهارا، وهذا بناء على أن عاشوراء كان واجبا، وللشيخ كلام في ذلك ذكره في شرحه. (٢)

---

١) فتح القدير: ٣٠٦/٢.

٢) فتح القدير: ٣٠٤/٢-٣٠٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

واستدل صاحب الهداية بوجه آخر يشير فيه إلى القياس على النفل، وقال [١]: معناه "لم ينو" أنه صوم من الليل، ولأنه يوم صوم فيتوقف الإمساك في أوله على النية المتأخرة المقترنة بأكثره كالنفل، وهذا لأن الصوم ركن واحد ممتد، والنية لتعيينه لله تعالى، فتترجح بالكثرة جنبة الوجود [بخلاف الصلاة والحج لأن لهما أركانا فيشترط قرانها بالعقد على أدائهما] وبخلاف القضاء لأنه يتوقف على صوم ذلك اليوم وهو النفل، لا على القضاء لأن النفل موضوع أصلي من غير رمضان كصوم رمضان فيه.

والقضاء عارض يحتمل الوقت، لأنه إذا على الموضوعات الأصلية لا على العوارض، والنية من أوله ليقع الإمساك من أوله من العارض الذي يحتمله، والتوقف لأنه إذا توقف على النفل لا يحتمل الإنتقال إلى غيره بخلاف ما بعد الزوال، لأنه لم يوجد أقرانها بالأكثر، فترجحت جنبة الفوات ترجيحا للأكثر على الأقل هذا وقد يعترض في اعتبار الفرض بالنفل.

وقياسه عليه بأن مبني النفل على المساهلة ومبني الفرض على المضايقة بدليل جواز النفل منحرفا عن القبلة ومؤميا على الدابة مع القدرة على النزول وقاعدا مع القدرة على القيام، فلا يكون نظيرا له، فلا يقاس عليه، وأيضا النفل غير موضوع فيقع العجز عن مراقبة النية في عموم الأحوال، والعجز من أسباب الرخصة بخلاف الفرائض، فإنه مقدر فلا يتحقق العجز عن مراقبة النية.

وأجيب بأنهما استويا في شرائط العبادة، كإشتراط الطهارة والنية التي يجعل العمل لله، فان قيل: توقف الإمساك غير ممكن؛ لأنه فعل، والفعل عرض والعرض إذا وجد تلاشي وانعدم، والمعدوم يستحيل وقعه؟ قلنا: وأنه إن كان عرضا حقيقة؛ ولكنه جعل في حكم الجواهر والأعيان ضرورة تحقق الأداء، وجعل الأعراض في حكم الجواهر ليحكم إليه بالبقاء شرعا ألا ترى أنه توقف هذا الإمساك على الدوام إلى آخر النهار ليصير صوما تاما، وإن كان كل جزء منه كما وجد تلاشي ألا ترى أنه إذا أفطر آخر النهار بطل صفة القربة عن الإمساك في أوله، وإن كان شيئا ذهنيا حكما لأنه جعل موجودا حكما، والله أعلم.

١) الهداية: ١/١٩٦.

toobaa-elibrary.blogspot.com

الثاني:

إن هذا الضرب من الصوم أعني ما هو معين وقته من جانب الشرع، أو من جهة العبد كصوم رمضان والنذر المعين يتأدى بمطلق النية، بأن يقول: نويت الصوم وبنية النفل وبنية واجب آخر.[١]

وقال الشافعي رحمه الله في نية النفل عابث [٢]، يعني إن نوى النفل لا يكون صائما أصلا لا فرضا ولا نفلا؛ لأنه بنية معوض عن الفرض فلا يكون له الفرض.

وفي مطلق النية له قولان، في قول: يقع عن فرض الوقت، وفي قول: لا يقع منه، فوجه القول الثاني الذي لا يقع، فلأن الفرضية قربة كأصل الصوم، وكما لا يتأدى أصل الصوم إلا بالنية كذلك الصفة، وبانعدام الصفة ينعدم الصوم ضرورة، وبعبارة أخرى: الفرضية صفة زائدة على أصل العبادة، وقد وجب عليه تحصيل الصفة مع الأصل، وتحصيلها يكون بالنية، فلما لم ينو الصفة لم يحصل ما عليه، فلا تحصل تلك الصفة من غير قصده كما إذا لم ينو الصوم أصلا، فإنه لا يحصل له أصل الصوم، فكذا ههنا لم يحصل له الصفة لعدم نيتها.

ووجه القول الأول: أنه بنية النفل صار معرضا عن الفرائض لما بينهما من المغايرة، وهو أغلظ منه حكما بدليل أنه لا يباح له الإفطار، ولو أفطر لزمته الكفارة بخلاف النفل، فإذا نوى النفل فقد رغب عن أحق العبادتين فصار معرضا عن الفرض، فلا يكون له الفرض مع الإعراض عنه، كما إذا لم ينو الصوم أصلا وأمسك، فإنه لا يصير صائما لإعراضه عن أصل الصوم، فكذلك ههنا.

وعلى هذا الوجه إذا أطلق النية صار صائما عن الفرض لأنه مطلق النية يحتمل الفرض، فلا يتحقق فيه الإعراض عنه.

وعلى الوجه الأول أيضا يصير عابثا بمطلق النية، لأن صفة الفرضية يحتاج إلى النية كأصل الصوم ولم يتحقق نيتها.

ولنا أن الفرض متعين فيه [٣]، أي في هذا الوقت فلا يزاحم فيه غيره، وهذا لأن الله تعالى لم يشرع في رمضان صوما غير صوم الفرض بدليل أنه لا يتصور وجود غير فيه، فكان الفرض متعين في إيامه، واليوم معيار الصوم؛ لأن الصوم يقدر به، يطول بطوله ويقصر

---

١) الهداية: ١/١١٦.

٢) الهداية: ١/١١٦.

٣) الهداية: ١/١١٦.

toobaa-elibrary.blogspot.com

بقصره، فلا يصوم في يوم إلا واحدا، فإذا اتصف ذلك الواحد بصفة النفي سائر الأنواع ضرورة أنه لا يسع فيه إلا واحدا، فلما تعين الفرض فيه يصاب بأصل النية كالمتوحد في الدار باسم جنسه، فلما كان في الدار زيد مثلا لا غير، فإنه يصاب بالنداء باسم جنسه، كما قيل يا رجل، كما يصاب بأمر عالم بأن قيل: يا زيد، فكذلك هنا لما كان صوم رمضان متعينا فيه يصاب بمطلق نية الصوم كما يصاب بنية الفرض، وهذا، والمتعين في الزمان كالمتعين في المكان؛ لأن كل واحد منهما ظرف، فإذا نوى النفل أو واجبا آخر أول النهار فقد نوى أصل الصوم وزيادة جهة وقد لغت الجهة فبقي الأصل، أي نية أمر الصوم؛ لأن الأصل يقوم بنفسه، ولا يفتقر في وجوده إلى الوصف، فبقي بدونه، وهذا كما نوى الفرض خارج رمضان نحو القضاء والكفارة أو النذر بعد طلوع الفجر أو فرضا ولا فرض عليه، فإنه يلغو نية الفرض ويبقى نية أصل الصوم، كذا في الهداية وشروحه.

وقال الشيخ ابن الهمام رحمة الله عليه في شرح قول صاحب الهداية: "كالمتوحد في الدار ينال باسم جنسه" [1]: اعلم أن وجه قول الشافعي في اشتراط تعيين النية، أن الثابت عن الشارع تعيين المحل وهو الزمان لقبول المشروع المعين، ولازمه نفي صحة غيره، وهذا لا يستلزم نفي لزوم التعيين عن المكلف، لأن إلزام التعيين ليس لتعيين المشروع للمحل بل ليثبت الواجب عن اختيار منه في أدائه لا جبرا.

وتعين المحل شرعا ليس علة لاختيار المكلف، ونية مطلق الصوم كذلك قولكم، المتوحد ينال باسم جنسه كزيد ينادى بيا حيوان ويا رجل، قلنا: إن أراد بقوله: يا حيوان زيدا مثلا فهو صحيح، وليس نظره إلا أن يريد بمطلق الصوم الذي هو متعلق النية صوم رمضان، وحينئذ ليس هو محل النزاع لأنه قصد صوم رمضان بذلك، وإن لم يرده بعينه به بل أراد فردا ينطلق عليه الاسم لم يخطر بخاطره سوى ذلك، كما هو حقيقة إرادة المطلق مثل قول الأعمى: يا رجلا خذ بيدي، فليس هو إرادة ذلك المتعين، فإنه لم يقصد، بل ما يطلق عليه الاسم سواء كان ذلك أو غيره، فلزوم ثبوت ذلك بعينه يكون لا عن قصد إليه إذ الفرض أنه لم يقصد بعينه فيكون حينئذ جبرا.

لكن لا بد في أداء الفرض من الاختيار، واختيار الأعم ليس اختيار الأخص بخصوصه، وإذا بطل في المطلق بطل في إرادة النفل وواجب آخر، لأن الصحة بهما إنما هي باعتبار الصحة بالمطلق بناء على لغو الزائد عليه فيبقى هو به يتأدى، بل البطلان هنا أولى

---

1) فتح القدير: ٢/٣٠٩.

toobaa-elibrary.blogspot.com

لأنه يمكن اعتبار قصد المتعين بقصد الأعم من جهة أنه قصد ما ينطلق عليه الاسم، وهو منها بخلاف هذا إذا لم يتعلق به قصد تعيين ذلك المعين، ثم اعتبار ذلك المطلق الذي في ضمنه بعدما لغا مصابا به ذلك المعين مع تصريحه بأني لم أرد المطلق بل الكائن بقيد كذا جبر على إيقاعه، وهو النافي للصحة، فكيف يسقط صوم رمضان وهو ينادي ويقول: لم أرده بل صوم كذا وأردت عدمه، فإنه مع إرادة عدمه إذا أراد صوما آخر يقع عن رمضان عندكم.

هذا كلام الشيخ ذكره من جانب الشافعي تأليدا لمذهبه على خلاف عادته في هذا الكتاب، وماذا يفعل لا يذكر فإن الحق أحق أن يتبع، ولا يخلوا ما ذكر عن ترقيق وخفاء، ثم لم يتعرض للجواب عنه.

وتحقيق ما ذكره صاحب الهداية، ولعله سقط الجواب عن النسخة التي عندنا والله أعلم.

ولا تيسر لنا تقريره وتحريره سوى أن نقول إنه لما ثبت في الشرع عدم محلية رمضان لغير صومه وعدم جوازه.

وكذلك إن نوى نفلا أو واجبا آخر لغت الخصوصية وانصرف إليه؛ لبطلانه بحكم الشرع من غير أن يقول بإنصراف المطلق إلى المقيد، وذكره باسم جنسه ونيله كالمتوحد في الدار فانه ليس بخط به له ومراد به فتأمل والمقام حقيق به. والله أعلم.

الثالث:

لا يصومون يوم الشك إلا تطوعا [1]، وهو غير مكروه، سواء كان يوم يعتاد فيه الصوم قبل ذلك، أو لا؛ لما روي أنه ﷺ قال: لا يصام اليوم الذي يشك فيه أنه من رمضان إلا تطوعا [2]، وهو حجة الشافعي في قوله: يكره على سبيل الإبتداء، وأرادوا بسبيل الإبتداء بأن لا يكون يوما يصومه عادة كصوم يوم الخميس والإثنين مثلا، فاتفق ذلك يوم الشك تمسكا بما روي عن النبي ﷺ أنه قال: لا تقدموا رمضان بصوم يوم ولا يومين إلا رجل كان يصوم صوما، فليصمه. رواه الستة في كتبهم. [3]

---

١) الهداية: ١/١٩٦

٢) نصب الراية: ٢/٤٤٠. والدراية في تخريج أحاديث الهداية: ١/٢٧٦، رقم الحديث: ٢٦٣. [وقال ابن حجر: لم أجده بهذا اللفظ، ومعناه يخرج من الحديثين الماضي والآتي والله أعلم.]

٣) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الصوم، باب لا يتقدم رمضان بصوم يوم ولا يومين (٣/٢٨) رقم الحديث: ١٩١٤. ومسلم في "صحيحه" كتاب الصيام، باب لا تقدموا رمضان بصوم يوم ولا يومين (٢/٧٦٢) رقم الحديث: ١٠٨٢. وأبو داود في "سننه" كتاب الصوم، باب فيمن يصل شعبان برمضان

toobaa-elibrary.blogspot.com

وأخرج الترمذي عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: إذا بقي نصف من شعبان فلا تصوموا، فقال: حسن صحيح، لا نعرفه إلا من هذا الوجه على هذا اللفظ. [١]

وأجاب صاحب النهاية أن المراد بقوله: "لا يتقدموا على رمضان بصوم يوم ولا بصوم يومين إلا أن يوافق" الحديث، نهي التقديم بصوم رمضان بأن ينوى صوم رمضان لأنه يؤديه قبل وقته وأوانه، إذا الرمضانية لم يتحقق بعد، فيتحقق به التقديم على رمضان.

وهذا لأن التقديم على الشيء ما بشيء أن يؤتى به قبل حينه وأوانه ووقته وزمانه، فذلك إنما يكون بتقديم الصوم على قصد أن يكون من رمضان، لا على قصد أن يكون من النفل فلا يصير هذا الحديث حجة الشافعي.

فإن قلت: أي فائدة في تخصيص يوم أو يومين، والحكم ثابت في الزيادة كذلك؟

قلت: يوم ويومان قليل، وما زاد على ذلك كثير، فيتوهم أن القليل عفو ههنا كما في كثير من الأحكام، فنفى هذا التوهم.

فان قلت: ما ذكرتم من صوم يوم الشك تطوعا من غير كراهة يعارض بما صح عن عمار رضي الله عنه أنه قال: من صام يوم الشك فقد عصى أبا القاسم؟ [٢]

قلنا: حديث عمار إنما يثبت موقوفا على ما ذكره البخاري تعليقا عنه، وقال عمار: من صام يوم الشك الخ وأصل الحديث ما رواه أصحاب السنن الأربعة في كتبهم، وصححه في الترمذي عن صلة بن زفر، قال: كنا عند عمار بن ياسر فأتي بشاة مصلية، فقال: كلوا، فتنحى بعض القوم، فقال: إني صائم، فقال عمار: من صام اليوم الذي يشك فيه الناس فقد عصى أبا القاسم ﷺ. [٣] ورواه الخطيب في تاريخ بغداد عن عكرمة، عن ابن عباس، قال: من صام اليوم الذي يشك فيه، فقد عصى الله ورسوله. [١]

(٢/٣٠٠) رقم الحديث: ٢٣٣٥. والترمذي في "جامعه" أبواب الصوم، باب ما جاء لا تقدموا الشهر بصوم (٣/٥٩) رقم الحديث: ٦٨٤. والنسائي في "سننه" كتاب الصيام، باب التقدم قبل شهر رمضان (٤/١٤٩) رقم الحديث: ٢١٧٢، ٢١٧٣. وابن ماجه في "سننه" كتاب الصيام، باب ما جاء في النهي أن يتقدم رمضان بصوم (١/٥٢٨) رقم الحديث: ١٦٥٠.

١) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الصوم، باب ما جاء في كراهية الصوم في النصف الباقي من شعبان (٣/١٠٦) رقم الحديث: ٧٣٨.

٢) الدراية في تخريج أحاديث الهداية: ١/٢٧٧، رقم الحديث: ٣٦٥. [قال ابن حجر: لم أجده مصرحا برفعه.]

٣) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الصوم، باب ما جاء في كراهية صوم يوم الشك (٣/٦١) رقم الحديث: ٦٨٦. وأبو داود في "سننه" كتاب الصوم، باب كراهية صوم يوم الشك (٢/٣٠٠) رقم الحديث: ٢٣٣٤.

toobaa-elibrary.blogspot.com

ولأن هذا محتمل يحتمل النهي عن الفرض وعن التطوع، وما روينا من استثناء التطوع مقر في إباحة التطوع؛ لأنه إثبات من النهي فكان أولى.

الرابع:

ومن رأى هلال رمضان وحده صام وإن لم يقبل الإمام شهادته، وإن أفطر فعليه القضاء دون الكفارة. [٢]

وقال الشافعي رحمه الله عليه [٣]: الكفارة إن أفطر بالوقاع لأنه أفطر في رمضان حقيقة لتيقنه به من رمضان لمعاينة الهلال، والمشاهدة والعيان يوجب الإيقان، ويقينه لا يتغير بشك غيره، وحكما لوجوب حكمه الصوم عليه شرعا والكفارة، فيجب عليه كجماعة شربوا شربا وعلم بعضهم أنه خمر؛ لأن الخمرية يثبت في حقه بالدليل، وإنما قيد بقوله: "إن الفطر بالوقاع" ليتحقق الخلاف بيننا وبين الشافعي، فإن إفساد الصوم بالطعام لا يوجب الكفارة عنده، فذكره له ليتحقق الخلاف من الشافعي.

ولنا أن القاضي رد شهادته بدليل شرعي وهو تهمة الغلط في خبره، لتفرده من بين سائر الناس مع استوائهم في حاسة البصر والنظر إلى مطلع القمر، وقيل: مثل هذا الغلط وقع في زمن عمر بن الخطاب ﷺ، طلبوا الهلال ولم يروا، فقال رجل: إنه رأيته يا أميرا المؤمنين، فقال عمر: كانت تلك شعرة قامت على حاجبك حسبتها هلالا، ولم يكن ذلك، فلما كانت تهمة الغلط أورث شبهة، لأن القاضي عامل الله تعالى بأمر، فصار القضاء كخبر، رواه عن النبي ﷺ: ولو روى خبر أورث شبهة فماذا إذا قضى مذا قيل.

فإن قلت: ما قضى لكون هذا اليوم من شعبان، بل امتنع عن قبول شهادته، والامتناع عن قبول الشهادة ليس بقضاء.

قلنا: الامتناع عن قبول الشهادة قضاء بكون الشخص كاذبا بدليل أن القاضي إذا رد شهادة الفاسق ثم تاب وأعاد تلك الشهادة لا يقبل، لأن فيه نقض القضاء بالاجتهاد.

والنسائي في "سننه" كتاب الصيام، باب صيام يوم الشك (١٥٣/٤) رقم الحديث: ٢١٨٨. وابن ماجه في "سننه" كتاب الصيام، باب ما جاء في صيام يوم الشك (٥٢٧/١) رقم الحديث: ١٦٤٥

١) أخرجه الخطيب في "تاريخ بغداد" حرف العين، محمد بن عيسى بن عبد الله الآدمي (٦٩٤/٣) رقم الترجمة: ١١٨٣.

٢) الهداية: ١١٨/١.

٣) الهداية: ١١٨/١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وهذه الكفارة -أعني كفارة الفطر- تندرئ بالشبهات،[١] لأن كفارة الفطر عقوبة والعقوبة يسقط بالشبهات، ولذا لا يجب على المخطيء.

وأورد عليه بأنه فيه جمعا بين الشبهة واليقين؛ لأنه أوجب عليه الصوم، لأنه استيقن أن هذا اليوم من رمضان، وعدم وجوب الكفارة عليه لتهمة الغلط في روايته.

وأجيب: بأن فيه جمعا، لكن باعتبارين في حكمين لأن أحد الحكمين عدم وجوب الكفارة، والثاني وجوب الصوم، والأول باعتبار عدم رؤية غيره، والكفارة تندرئ بهذه الشبهة، ووجوب الصوم باعتبار نفسه، فلا يكون جمعا بجهة واحدة في حكم واحد، كذا في بعض شروح الهداية.

وذكر في بعضها: أن هذه الكفارة لا تندرئ إلا ليسلك بها مسلك العقوبة، لأنها تودي بالصوم، وهو عبادة خالصة، والله أعلم.

ولو أفطر قبل أن يرد الإمام شهادته اختلف المشايخ فيه [٢]؛ قال بعضهم: يلزمه الكفارة لانتفاء هذه الشبهة، وقال بعضهم: لايلزمه، وهو الصحيح.

الخامس:

وإذا كان بالسماء علة، قبل الإمام شهادة الواحد العدل في رؤية الهلال رجلا كان أو امرأة حرا كان أو عبدا؛ لأنه أمر ديني فأشبه رواية الأخبار، وكان الشافعي في أحد قوليه يشترط المثنى، اعتبارا بسائر الشهادات، وينقل ذلك عن مالك أيضا، والحجة عليه ما ذكرنا، وقد صح أن النبي ﷺ قبل شهادة الواحد في رؤية هلال رمضان [٣]، وهو ما ذكرنا من رواية أصحاب السنن الأربعة، عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: جاء أعرابي إلى النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: إني رأيت الهلال، فقال: أتشهد أن لا إله إلا الله؟ قال: نعم، قال: أتشهد أن محمدا رسول الله؟ قال: نعم، قال يا بلال أذن في الناس فليصوموا. [٤]

---

١) الهداية: ١/١١٨.

٢) الهداية: ١/١١٨.

٣) الهداية: ١/١١٩.

٤) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصوم، باب في شهادة الواحد على رؤية هلال رمضان (٢/٣٠٢) رقم الحديث: ٢٣٤٠. والترمذي في "جامعه" أبواب الصوم، باب ما جاء في الصوم بالشهادة (٣/٦٥) رقم الحديث: ٦٩١. والنسائي في "سننه" كتاب الصيام، باب قبول شهادة الرجل الواحد على هلال شهر رمضان (٤/١٣١) رقم الحديث: ٢١١٢، ٢١١٣. وابن ماجه في "سننه" كتاب الصيام، باب ما جاء في الشهادة على رؤية الهلال (١/٥٢٩) رقم الحديث: ١٦٥٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وهذا الحديث قد يتمسك به لرواية النوادر في قبول المستور، لكن الحق لا يتمسك به بالنسبة إلى هذا الزمان لأن ذكره الإسلام بحضرته ﷺ حين سأله عن الشهادتين إن كان هذا أول إسلامه فلا شك في ثبوت عدالته، لأن الكافر إذا أسلم أسلم عدلا إلا أن يظهر خلافه منه، وإن كان إخبارا عن حاله السابق فكذلك لأن عدالته قد ثبتت بإسلامه فيجب الحكم ببقائها ما لم يظهر الخلاف، ولم يكن الفسق غالبا على أهل الإسلام في زمانه صلى الله عليه وسلم، فتعارض الغلبة ذلك الأصل فيجب التوقف إلى ظهورها. [١]

السادس:

وإذا أكل الصائم أو شرب أو جامع نهارا ناسيا لم يفطر، والقياس أن يفطر وهو قول مالك رحمه الله [٢]، فيجب عليه القضاء عنده، وعنه أن الكفارة تجب بالوطي ناسيا لوجود الصوم وانعدام ركنه، وهذا لأن بقاء الشيء مع ما ينافيه مستحيل سواء وجد عن قصد أو لا كالكلام ناسيا في الصلاة كان منافيا للصلوة استوى فيه القصد وعدمه.

ووجه الاستحسان قوله ﷺ الذي أكل وشرب ناسيا: تم على صومك فإنما أطعمك الله وسقاك.

قال الشيخ ابن الهمام [٣]: في الصحيحين وغيرهما عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من نسي وهو صائم فأكل أو شرب فليتم صومه فإنما أطعمه الله وسقاه، وحمله على أن المراد بالصوم اللغوي فيكون أمرا بالإمساك بقية يومه كالحائض إذا طهرت في أثناء اليوم، ونحوه مدفوع أولا بأن الاتفاق على أن الحمل على المفهوم الشرعي حيث أمكن في لفظ الشارع واجب. فإن قيل: يجب ذلك للدليل على البطلان وهو القياس الذي ذكرناه.

قلنا: حقيقة النص مقدم على القياس لو تم فكيف وهو لا يتم، فإنه لا يلزم من البطلان مع النسيان فيما له هيئة مذكرة البطلان معه فيما لا مذكر فيه، وهيئة الإحرام والاعتكاف والصلاة مذكرة، فإنها تخالف الهيئة العادية ولا كذلك الصوم، والنسيان غالب للإنسان فلا يلزم من عدم عذره بالنسيان مع تلك عدم عذره به مع الصوم.

وثانيا: بأن نفس اللفظ يدفعه وهو قوله: "فليتم صومه" وصومه إنما كان الشرعي، فإتمام ذلك إنما يكون بالشرعي.

---

١) فتح القدير: ٢/٣٢٣.
٢) الهداية. ١/١٢٠.
٣) فتح القدير: ٢/٣٢٧-٣٢٨.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وثالثا: بأن في صحيح ابن حبان وسنن الدارقطني: أن رجلا سأل رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: إني كنت صائما فأكلت وشربت ناسيا فقال ﷺ: أتم صومك فإن الله أطعمك وسقاك وفي لفظ ولا قضاء عليك، ورواه البزار بلفظ الجماعة وزاد فيه: ولا تفطر.

وفي صحيح ابن حبان أيضا عن أبي هريرة رضي الله عنه: أنه عليه الصلاة والسلام قال: من أفطر في رمضان ناسيا فلا قضاء عليه ولا كفارة، ورواه الحاكم وصححه، قال البيهقي في المعرفة: تفرد به الأنصاري عن محمد بن عمرو، وكلهم ثقات.

وإذا ثبت هذا في الأكل والشرب ثبت في الوقاع يعني أن الركن وهو الكف عن كل منها، فتساوت كلها في أنها متعلق الركن لا يفضل واحد منها على أخويه بشيء في ذلك، فإذا ثبت في فوات الكف عن بعضها ناسيا عذره بالنسيان وإبقاء صومه كان ثابتا أيضا في فوات الكف ناسيا عن أخويه. يحكم بذلك كل من علم ذلك الاستواء، ثم علم ذلك الثبوت وإن لم يكن من أهل الاجتهاد، فيكون من قبيل الدلالة، فافهم.

وذكر في بعض شروح الهداية: أن عند سفيان الثوري إن أكل وشرب ناسيا لم يفطر، وإن جامع ناسيا أفطر؛ لأن الحديث ورد في الأكل والشرب، والجماع ليس في معناه.

ولا فرق بين الفرض والنفل لأن النص لم يفصل، وفيه أيضا خلاف مالك وابن أبي ليلى ومحمد بن مقاتل الرازي معه أن الفرض يقضي وهو القياس كذا ذكر الإمام المحبوبي، والصحيح ما ذكرناه لأن النص لم يفصل بين صوم وصوم، فتدبر.

السابع:

ولو كان مخطئا أو مكرها فعليه القضاء، خلافا للشافعي رحمه الله فإنه يعتبر بالناسي[1]، ويقول: إن الماء وصل إلى جوفه بلا قصد الفطر، فلا يفسد صومه قياسا على الناسي؛ بل أولى، فإن الناسي قصد الشرب وأن لم يقصد الفطر، وهذا لم يقصد الشرب ولا الفطر، ولقوله ﷺ: رفع عن أمتي الخطاء والنسيان الحديث. [2]

وقد سبق في باب الصلاة تحريمه فالجواب منه.

ولنا: إن الخطأ يمكن التحرز عنه، فلا يكون غالبا، فلا يكون في معناه، فلا يقاس عليه، ولأن النسيان من قبل من له الحق لأنه عارض سماوي فيفترقان، فلا يصح التعدية إلى الخطاء وهو مما لا يغلب وجوده، ولا إلى الكره وهو من جهته غير صاحب الحق.

---

1) الهداية: ١/١٢٠.

2) أخرجه ابن ماجه في "سننه" كتاب الطلاق، باب طلاق المكره والناسي (١/٦٥٩) رقم الحديث: ٢٠٤٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وكذا الخطاء لأنه وقع بتقصير منه فصار كالمقيد، والمريض في حق قضاء الصلاة فإن المقيد إذا صلى قاعدا بقدر القيد يقضي ما صلى عند رفع القيد، والمريض لا يقضي ما صلى قاعدا عند البرء.

وقال الشيخ ابن الهمام [1]: أن أبا حنيفة كان يقول أولا: في المكره على الجماع: عليه القضاء والكفارة لأنه لا يكون إلا بانتشار الآلة وذلك إمارة الاختيار، ثم رجع. وقال: لا كفارة عليه، وهو قولهما لأن فساد الصوم يتحقق بالإيلاج وهو مكره فيه.

وإذا نظر إلى امرأة فأمنى لا يفطر؛ لأنه لم توجد صورة الجماع، لأن صورته التماس بإيلاج مخصوص، ولا معناه وهو الإنزال عن الشهوة بالمباشرة أي مماسة بشرة الرجل بشرة المرأة.

وهذا لأن النظر مقصور على الناظر غير متصل بالمنظور إذ ليس شيء من آلات النظر متصلا بالمنظور فلا يتحقق معنى الجماع، وهو حجة على مالك في قوله: إذا كرر النظر متصلا بالمنظور فأنزل أفطر، بقوله ﷺ: لا تتبع النظرة النظرة فإنما الأولى لك والثانية عليك.[2]

قلنا: ذلك في الإثم والحل والحرمة، ولا يلزم من الحظر الإفطار؛ بل إنما تتعلق بفوات الركن وهو بالجماع لا بكل انزال لعدم الفطر فيما انزل بالتفكر في جمال امرأة.

الثامن:

الاحتجام لا يفطر لعدم المنافي، فإن الفطر يدخل ولم يوجد، لقوله ﷺ: ثلاث لا يفطرن الصائم القيء والحجامة والاحتلام.[3]

ومذهب الإمام أحمد أن الحجامة يفطر، والمشايخ في مذهبه كلام طويل نقلناه في "شرح سفر السعادة" قالوا: روى شداد بن أوس، أن رسول الله ﷺ أتى على رجل بالبقيع، وهو يحتجم، وهو آخذ بيدي لثمان عشرة خلت من رمضان، فقال: أفطر الحاجم والمحجوم. رواه أحمد وأبو داود والنسائي وابن ماجه والحاكم،[4] وصححه أيضا الإمام أحمد وإسحاق

---

1) فتح القدير: ٢/٣٢٩.

2) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب النكاح، باب ما يؤمر به من غض البصر (٢/٢٤٦) رقم الحديث: ٢١٤٩.

3) الهداية: ١/١٢٠.

4) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصوم، باب في الصائم يحتجم (٢/٣٠٨) رقم الحديث: ٢٣٦٩. وابن ماجه في "سننه" كتاب الصيام، باب ما جاء في الحجامة للصائم (١/٥٣٧) رقم الحديث: ١٦٨١. وأحمد في

toobaa-elibrary.blogspot.com

المدائني وغيرهم، وحديث أفطر الحاجم والمحجوم بطرق متعددة كثيرة صحيحة لاشبهة في صحتها، فأحمد وأصحابه يبالغون في الفطر في الحجامة حتى قال: إن الحجامة يفطر مع النسيان أيضا لإطلاق الحديث؛ لكن الذين لا يقولون: يفطر الحجامة يؤولون الحديث؛ بأن المراد كاد يفطر لوجود عروض الضعف، وانتهائه إلى حد يفضي إلى الإفطار.

فالمراد أنهما تعرضا للإفطار وكاد يفطران، قال الشيخ ابن الهمام (١): قيل لأنس أكنتم تكرهون الحجامة للصائم على عهد رسول الله ﷺ؟ فقال: لا إلا من أجل الضعف، رواه البخاري. (٢)

وقال أنس: أول ما كرهت الحجامة للصائم أن جعفر بن أبي طالب احتجم وهو صائم فمر به رسول الله ﷺ فقال: أفطر هذا ثم رخص عليه الصلاة والسلام في الحجامة بعد للصائم، وكان أنس يحتجم وهو صائم. رواه الدارقطني وقال في رواية: كلهم ثقات ولا أعلم له علة. (٣)

وقال بن حزم صح حديث أفطر الحاجم والمحجوم بلا ريب لكن وجدنا من حديث أبي سعيد أرخص النبي ﷺ في الحجامة للصائم وإسناده صحيح فوجب الأخذ به لأن الرخصة إنما تكون بعد العزيمة فدل على نسخ الفطر بالحجامة. (٤)

وقال في فتح الباري: حديث أبي سعيد أخرجه النسائي وبن خزيمة والدارقطني ورجاله ثقات، وأغرب ما قيل في تأويل الحديث: أنه لو كان وروده في شخصين كانا يحتجمان، وصدر منهما أمر يوجب الفطر لا للحجامة، ولم يذكروا ذلك الأمر، وقيل: كانا يغتابان وقد ورد في تفطر الغيبة أحاديث.

وكل التوجيهين بعيد كما لايخفى ولقد اطنبنا الكلام في المقام في شرح سفر السعادة والله أعلم.

"مسنده" مسند الشاميين، حديث شداد بن أوس (٣٥١/٢٨) ١٧١٢٤، ١٧١٢٥، ١٧١٢٦. والحاكم في "المستدرك" كتاب الصوم، حديث هشام الدستوائي (٥٩٢/١) رقم الحديث: ١٥٦٣، ١٥٦٤، ١٥٦٥.

١) فتح القدير: ٣٣٠/٢.

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الصوم، باب الحجامة والقيء للصائم (٣٣/٣) رقم الحديث: ١٩٤٠.

٣) أخرجه الدار قطني في "السنن الكبرى" كتاب الصيام، باب القبلة للصائم (١٤٩/٣) رقم الحديث: ٢٢٦٠.

٤) فتح الباري: ١٧٨/٤.

toobaa-elibrary.blogspot.com

التاسع:

ولا بأس بالقبلة إذا أمن نفسه، أي الجماع والإنزال، ويكره إذ لم يأمن؛ لأن عينه ليس بمفطر [1]، وليس البقاء ركن الصوم معه، وهذا ظاهر لأن الجماع لم يوجد لا صورة ولا معنى، وربما يصير فطرا بعاقبته؛ لأنها من دواعي الجماع فكاد يفضي إليه، فإن أمن يعتبر عينه وأبيح له؛ لعدم إفضائه إلى فساد الصوم غالبا، وإن لم يأمن تعتبر عاقبته؛ لاحتمال إفضائه إلى الفطر، وكره له والشافعي يطلق فيه أي في التقبيل في الحالين أي في حال الأمن وعدمه.

والحجة عليه ما ذكرنا في الفرق بين الحالين بالوجهين، وفي الصحيحين: أنه صلى الله عليه وسلم يقبل بعض أزواجه وهو صائم، ثم ضحكت عائشة. [2]

وروى أبو داود بإسناد جيد عن أبي هريرة: أنه ﷺ: سأله رجل عن المباشرة للصائم. وفي رواية: عن القبلة للصائم فرخص له، وأتاه آخر فنهاه، فإذا الذي رخص له شيخ، والذي نهاه شاب. [3]

هذا حكم القبلة نفسها، أما إذا أنزل بقبلة فعليه القضاء دون الكفارة؛ لوجود معنى الجماع، وهو الإنزال عن شهوة بالمباشرة، وأما الكفارة فيفتقر إلى كمال الجناية لأنها تندريء بالشبهات كالحدود ثم لا يخفى أن عبارة الهداية إن الشافعي أطلق فيه في الحالين يحتمل معنيين:

أحدهما: أنه أطلق في إباحة التقبيل في حال الأمن وحال عدم الأمن اعتبارا لعينه؛ لأن عينه ليس بمفطر وبهذا صرح في بعض الشروح.

وثانيهما: أنه أطلق في كراهة التقبيل في الحالين اعتبارا لعاقبة كذا في بعض الحواشي، وقد يدعى تبادر هذا المعنى إلى الذهن، وقوله: والحجة عليه ما ذكرناه يوافق المعنيين كما لا يخفى هذا.

وذكر في الحاوي في مذهب الشافعي [4]: ومن ترك الشهوات [والحجامة، والعلك، وذوق الطعام] والقبلة وتكره للشاب، وفي شرحه: ذكر القبلة مع أنها من جملة الشهوات،

---

1) الهداية: ١/١٢٦.
2) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الصوم، باب المباشرة للصائم (٢/٣٠) رقم الحديث: ١٩٢٧. ومسلم في "صحيحه" كتاب الصيام، باب بيان أن القبلة في الصوم ليست محرمة (٢/٧٧٦) رقم الحديث: ١١٠٦.
3) أخرجه أبو داود في "سننه" كتاب الصوم، باب كراهية للشاب (٢/٣١٢) رقم الحديث: ٢٣٨٧.
4) الحاوي الصغير: ٢٢٨.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وخصها بالذكر لأنها تكره للشباب الذي يحرك لها شهوته، ولا يأمن على نفسه، ولا تكره لغيره، وإن كان الأولى تركها.

وقال النووي: هذه الكرامة تحريم على الأصح انتهى. وهذا يدل على أن المذهب عند الشافعي التفصيل دون الإطلاق، كما ذكر في الهداية.

العاشر:

ولو جامع ميتة أو بهيمة فلا كفارة عليه أنزل أو لم ينزل خلافا للشافعي[1]، فإن السبب عنده الجماع المعدم للصوم وقد وجد، ولكن نقول: الجماع لكاملها بقضاء الشهوة في محل مشتهى ولم توجد لأن هذا المحل غير مشتهى عند العقلاء، فإن حصل به قضاء الشهوة فكذلك لقلة الشبق أو لفرط السفه وهو كمن تكلف لقضاء شهوته بيده، ولا يتم جنايته في إيجاب الكفارة، وإن حصل به قضاء الشهوة فكذلك هنا، نعم إن أنزل فعليه القضاء عند عامة المشايخ كما في صورة الكف والجماع فيما دون الفرج.

الحادي عشر:

ثم إن كما تجب الكفارة بالوقاع على الرجل تجب على المرأة وقال الشافعي رحمه الله في قول لا تجب عليها لأنها متعلقة بالجماع وهو فعله [2]، لأنه المباشر لذلك ولهذا يسمى واطيا، لأن الجماع إدخال الفرج في الفرج وذلك يحصل من الرجل، وإنما هي محل الفعل، ولهذا يسمى الرجل زانيا والمرأة مزنيا بها، وللحال شروط فلا يضاف الفعل إليها، بخلاف الحد فإن سببه الزنا وهي مباشرة للزناء، فإن الله تعالى كما سماها زانيا سماها زانية.

وفي قول: [تجب] ويتحمل الرجل عنها بالمال إن كان موسرا؛ فإنها مؤنة مالية تعلقت بالجماع، فيتحمل عنها الرجل ولا يتحمله بالصوم عند الاعتبار، ففرق بين المالي والبدني اعتبارا بماء الاغتسال، فإن الثمن عليه والاغتسال عليها فكذا ههنا، فما يتعلق بالوقاع إن كان بدنيا اشتراكا فيه كالاغتسال، وإن كان ماليا يتحمل الزوج عنها كثمن ماء الاغتسال.

قلنا: ذلك من مؤن الزوجية كالنفقة، وذكر الفقيه أبو الليث: إن ثمن ماء الاغتسال لا يجب على الزوج، وعن بعض أئمة البلخ أنهم اعتبروا بثمن ماء الشرب كذا في مبسوط شيخ الإسلام.

---

1) الهداية: ١/١٢٢.
2) الهداية: ١/١٢٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

ولنا قوله عليه السلام: "من أفطر في رمضان فعليه ما على المظاهر" [1]، وكلمة من تنتظم الأناث والرجال كقوله تعالى: "وَمَن يَقْنُتْ مِنكُنَّ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ" [2]، فتجب الكفارة عليهن كما تجب على الرجال؛ لأن الحديث يتناولهما، ولأن سبب الكفارة جناية إفساد الصوم لا نفس الوقاع؛ لأنه تصرف في محل مملوك له، وهو ليس بجناية، وإنما الجناية إفساد الصوم، ولهذا لو جامع ناسيا لا تجب الكفارة.

وقد شاركت المرأة الرجل في الجناية بالتمكين من الفعل؛ لأن الملام فيما إذا كانت المرأة مطاوعة لا مكرهة، وهذا لأن الصوم عبادة فهو [كف] النفس عن الشهوتين، وقد خفت شهوتها بالتمكين كما قضى شهوته بالإيلاج، فيجب عليها ما يجب على الرجل لتحقق السبب في حقها كما تحقق في حقه.

وهذا حصل الجواب عن قوله: إنما متعلقة الجماع، وأجاب عن قوله الثاني: بقوله: ولا يتحمل أي لا يجوز أن يتحمل الرجل عن المرأة؛ لأنها عبادة أو عقوبة، لأنها دائرة بين العبادة والعقوبة، فإنها عقوبة وجوبا لأنها وجبت بسبب الجناية، وعبادة لأن مصرفها الفقراء ولا يجري فيها التحمل إلى الليلة لأنهما يدينان، والمرأة لا تثاب بفعل غيره إذ الثواب بأداء المشقة، ولا يزجر بعقوبة غيره فلا يحصل ما هو المقصود منهما بخلاف العبادات المالية المحضة، لأنها من الصلاة فيفترقان، وبخلاف ماء الاغتسال فإنه من مؤنات الزوجية، لأن الجماع مقصودها، والزوج جعل متحملا عنها مؤنات الزوجية كالنفقة فيتحمل هذه المؤنة أيضا كذا في الهداية وشروحه.

وقال شيخ ابن الهمام [3]: حديث من أفطر في رمضان فعليه ما على المظاهر، والله أعلم به، وهو غير محفوظ، وما في الصحيحين عن أبي هريرة ﷺ: أنه ﷺ أمر رجلا أفطر في رمضان أن يعتق رقبة أو يصوم شهرين متتابعين أو يطعم ستين مسكينا، علق الكفارة بالإفطار. فإن قيل: لا يفيد المطلوب لأنه حكاية واقعة حال لا عموم لها، فيجب كون ذلك المفطر بأمر خاص لا بالأعم فلا دليل فيه أنه بالجماع أو بغيره، فلا متمسك به لأحد، بل قام الدليل على أنه أريد جماع الرجل وهو السائل لجيئه مفسرا كذلك برواية من نحو عشرين رجلا عن أبي هريرة ﷺ.

---

1) نصب الراية: ٢/٤٤٩. [وقال الزيلعي: حديث غريب بهذا اللفظ.]
2) الأحزاب: ٣١.
3) فتح القدير: ٢/٣٣٨-٣٣٩.

toobaa-elibrary.blogspot.com

قلنا: وجه الاستدلال به تعليقها بالإفطار في عبارة الراوي أعني أبا هريرة، إذ أفاد أنه فهم من خصوص الأحوال التي يشاهدها في قضائه ﷺ، أو سمع ما يفيد أن إيجابها عليه باعتبار أنه إفطار لا باعتبار خصوص الإفطار فيصح التمسك، وهذا كما قالوا في أصولهم في مسألة ما إذا نقل الراوي بلفظ ظاهره العموم فإنهم اختاروا اعتباره ومثلوه بقول الراوي قضي بالشفعة للجار لما ذكرنا من المعنى فهذا مثله بلا تفاوت لمن تأمل، ولأن الحد يجب عليها إذا طاوعته فالكفارة أولى على نظير ما ذكرناه آنفا فتكون ثابتة بدلالة نص حدها.

الثاني عشر:

ولو أكل أو شرب ما يتغذى به أو ما يداوى به فعليه القضاء والكفارة، وقال الشافعي رحمه الله: لا كفارة عليه [1]، لأنها شرعت للرفع الذنب وقد ارتفع بالتوبة، قال رسول الله ﷺ: التائب من الذنب كمن لا ذنب له [2]، وقال: الندم توبة والتوبة تمحو الحوبة، ورفع المرفوع محال، فينبغي أن لا تجب الكفارة إلا أنها واجب بالنص بخلاف القياس فلا يقاس عليه غيره، فيبقي التنازع فيه على مقتضى الدليل وهو عدم وجوب الكفارة.

ولا يقال: أنتم أوجبتم الكفارة بالزنا وبجماع الميتة والبهيمة والنص ورد في جماع المنكوحة وهي آدمية حية، لأنا نقول: النص أوجب الكفارة بموافقة انعدم بها الصوم وقد وجد هذا المعنى في هذه الموافقة، فثبت الحكم فيها بدلالة النص، والأكل والشرب ليس بموافقة ينعدم بها الصوم، فلو وجب الكفارة لوجب بالقياس ولا وجه إليه ولا يقال.

أما توجب الكفارة بالأكل والشرب بدلالة النص؛ لأنا نقول: جناية الوطيء أغلظ من جناية الأكل والشرب بدليل أن الوطيء في غير الملك لا يرخص فيه بالإكراه، والشرب يرخص بعذر الإكراه، فالنص الوارد في أغلظ الجنايتين لا يكون في أخفهما.

ولنا أن الكفارة تعلقت بجناية الإفطار في رمضان على وجه الكمال وقد تحققت،[3] يعني أن الكفارة في فصل الوقاع لم تجب لعين الوقاع؛ بل لحصول جناية الفطر به.

وقد تحققت الجناية في الأكل والشرب، فوجد موجب الكفارة فتجب، ولهذا لا تجب على الناسي مع وجود الجماع إذا الجناية لم توجد، فإن الفعل منسوب إلى الله سبحانه بحكم الحديث، فههنا مقدمتان.

---

١) الهداية: ١٢٢/٩.

٢) أخرجه ابن ماجه في "سننه" كتاب الزهد، باب ذكر التوبة (١٤١٩/٢) رقم الحديث: ٤٢٥٠.

٣) الهداية: ١٢٢/٩.

toobaa-elibrary.blogspot.com

أحديهما: أن الكفارة وجبت للجناية، والثانية: أن الجناية قد وجبت في الأكل والشرب.

والدليل على مقدمة الأولى: النص والحكم الشرعي والمعقول، أما النص فما روى أن رجلا قال: يا رسول الله أفطرت في رمضان فقال: من غير مرض ولا سفر فقال نعم فقال أعتق رقبة [١]، ولم يسأله عما أفطر به فدل على أنها تعلقت بنفس الإفطار.

وأما الحكم فهو إذا جامع ناسيا لا تجب الكفارة، ولم ينعدم الجماع بسبب النسيان؛ لأن الجماع إيلاج فرج في فرج وقد وجد وإنما انعدم الإفطار، فثبت أنها تعلقت بالإفطار.

وأما المعقول فوجهان: الأول: أن الكفارة تضاف إلى أسبابها ككفارة القتل والظهار واليمين وكذلك الحد، والعبادات على ما حقق في أصول الفقه في بيان أسباب الشرائع، فيكون سبب هذه الكفارة الفطر عن صوم رمضان، وهو حاصل في الأكل والشرب على سبيل التغذي والتداوي لا الجماع بخصوصه.

والثاني: أن الكفارة فيها معنى العقوبة لأنها تندرئ بالشبهة، فلا تجب إلا بسبب هو جناية ومحظور، ووطيء الأمة مباح من حيث إنه استيفاء مملوكه، وإنما يصير محظورا من حيث إنه جناية على الصوم بالإفطار، فكانت معلقة بالإفطار لا بنفس الجماع.

وأما الدليل على المقدمة الثانية وهي أنها تحققت جناية الإفطار في الأكل والشرب؛ لأن الصوم عبادة قهر النفس، وتحمل المشقة بالكف عن الشهوتين الأصليتين: شهوة البطن وشهوة الفرج اللتين تتعلق ببقاء النفس بقضائهما بالأكل والشرب والجماع، وقضائها نقيض الصوم، فكما تتحقق جناية الإفطار بمباشرة الجماع تتحقق بمباشرة الأكل والشرب؛ لأنهما مساويان في معنى المناقضة، فكما تجب الكفارة في الجماع تجب فيهما.

وهذا لأن المجني واحد وهو الصوم، والجناية واحدة وهو تفويته، والجاني واحد في الموضعين، وإنما اختلف له الجناية لأن في أحدهما البضع وفي الأخير المأكول والمشروب، واختلاف آلة الجناية لا يوجب اختلافا في الجناية، فلا يمنع الاستدلال، فإن قلت: في الكفارة معنى الزجر وشهوة الجماع أدعى وأغلب من شهوة الأكل والشرب، فلا يدل شرع الزاجر في الأغلب على شرعه في الأدنى؟ قلت: شهوة الأكل والشرب عامة وإن كان دونها فيصير بالزجر أولى لعمومه.

---

١) المبسوط للسرخسي: ٧٣/٣

toobaa-elibrary.blogspot.com

وهذا لأن وقت الصوم حين الأكل عادة، لا حين الجماع، وتلك الغلبة تفوت بالإباحة ليلا، فلما شرع الزجر عن الجماع وهو في حينه قل ما يكون، فكيف في غير حينه ففي الأكل، والحين حينه أولى، والذي يوضحه أن الثواب في الكف عن الأكل والشرب أكثر من الكف عن الجماع؛ لأن ذلك في حينه أشق على البدن، ولما كان الثواب فيه أكثر كان الإثم في تركه أكثر من الإثم في الكف عن الجماع، إذا تم الجنايات على العبادات بقدر ما يكون من الثواب وما لهما.

ويمكن أن يقال: الشهوة في الجماع أغلب، وكاد يذهب بالاختيار ويصير مضطرا، ولما لم يعذر في ذلك وشدد بإيجاب الزجر، فإن امتنع فقد أن درجة الاختيار فلان لا يعذر فيما صدر عنه بالاختيار، والجناية فيه أكثر وأغلب وأولى، والله أعلم.

وقال الشيخ ابن الهمام في اثبات أن الكفارة تعلقت بجناية الإفطار [1]: أخذ ذلك من حديث من أفطر رمضان كما ذكره صاحب الهداية، ومما ذكرنا من قول أبي هريرة رضي الله عنه، وروى الدارقطني عن أبي هريرة ﷺ: أن رجلا أكل في رمضان فأمره النبي ﷺ أن يعتق، الحديث. وأعله بأبي معشر، وأخرج الدارقطني أيضا في كتاب العلل في حديث الذي وقع على امرأته عن سعيد بن المسيب: أن رجلا أتى النبي ﷺ فقال: يا رسول الله أفطرت في رمضان متعمدا، الحديث. وهذا مرسل سعيد، وهو مقبول عند كثير ممن لا يقبل المرسل، وعندنا هو حجة مطلقا.

وأيضا دلالة نص الكفارة بالجماع تفيده للعلم بأن من علم استواء الجماع والأكل والشرب في أن ركن الصوم الكف عن كلها، ثم علم لزوم عقوبة على من فوت الكف عن بعضها جزم بلزومها على من فوت الكف عن البعض الآخر حكما للعلم بذلك الاستواء غير متوقف فيه على أهلية الاجتهاد، أعني بعد حصول العلمين يحصل العلم الثالث، ويفهم كل عالم بهما أن المؤثر في لزومها تفويت الركن لا خصوص ركن، انتهى.

ثم أجابوا عن قول الشافعي لارتفاع الذنب بالتوبة بأنه قد عرف بإيجاب الإعتاق تكفرا.

علم أن التوبة غير مكفرة لهذه الجناية، وتقريره: أن الشارع لما أوجب الإعتاق تكفرا عرف ان التوبة المجردة غير مكفرة لهذه الذنب، فلا يتحقق التكفير في الأكل والشرب بمجرد التوبة أيضا، فتجب فيها الكفارة كما تجب في الجماع، ويوضحه أن التوبة كما يصلح رافعة كالإعتاق كذلك.

---

1) فتح القدير ٢/٣٣٩-٣٤٠.

toobaa-elibrary.blogspot.com

والشرع عين الإعتاق في هذا، فعلم أنه هو المتعين لرفعها شرعا، وإن التوبة بمجردها لا تصلح رافعة، وقد وجدت تلك الجناية ههنا، فيجب ما تعين رافعا شرعا وهي الكفارة، ونحن نوجب الكفارة بدلالة النص لا بالقياس كذا في شرح الهداية.

وقال الشيخ ابن الهمام:[1] هذا الجواب غير دافع لكلامه لأنه يسلم أن هذا الذنب لا يرتفع بمجرد التوبة، ولهذا يثبت كونها على خلاف القياس يعني القاعدة المستمرة في الشرع.

الثالث عشر:

والكفارة مثل كفارة الظهارة لحديث الأعرابي وهو حجة على الشافعي في قوله: يخير لأن مقتضاه الترتيب وعلى مالك في نفي التتابع [للنص عليه]، كذا في الهداية.[2]

قال الشيخ ابن الهمام [3]: في الكتب الستة عن أبي هريرة ﵁ قال: أتى رجل النبي ﷺ قال: هلكت، قال: ما شأنك؟ قال: وقعت على امرأتي في رمضان، قال: فهل تجد رقبة تعتقها؟ قال: لا. قال: فهل تستطيع أن تصوم شهرين متتابعين؟ قال لا، قال: فهل تستطيع أن تطعم ستين مسكينا قال: لا، قال اجلس، فأتي النبي ﷺ بعرق فيه تمر، فقال: تصدق به، قال: على أفقر مني يا رسول الله؟ فوالله ما بين لابتيها يريد الحرتين، أهل بيت أفقر من أهل بيتي، فضحك ﷺ حتى بدت ثناياه، وفي لفظ: أنيابه، وفي لفظ: نواجذه، ثم قال: خذه فأطعمه أهلك.

وفي لفظ لأبي داود زاد الزهري: وإنما كان هذا رخصة له خاصة، ولو أن رجلا قال ذلك اليوم لم تكن له بد من التكفير، وقال المنذري: قول الزهري ذلك دعوى لا دليل عليها، وعن ذلك ذهب سعيد بن جبير إلى عدم وجوب الكفارة على من أفطر في رمضان بأي شيء أفطر.

وجمهور العلماء على قول الزهري، وما رفع صاحب الهداية قوله: يجزيك ولا يجزي أحدا بعدك، فلم ير في شيء من طرقه، وكذا لم يوجد فيها [لفظ] الفرق بالفاء بل بالعين، وهو مكتل يسع خمسة عشر صاعا على ما قيل.

---

1) فتح القدير: ٢/٣٤٠.
2) الهداية: ١/١٢٢.
3) فتح القدير: ٢/٣٤٠-٣٤١

toobaa-elibrary.blogspot.com

قلنا: وإن لم يثبت فغاية الأمر أنه أخر عنه إلى الميسرة إذ كان فقيرا في الحال عاجزا عن الصوم بعدما ذكر له ما يجب عليه، كذا قال الشافعي وغيره.

والظاهر أنه خصوصية لأنه وقع عند الدارقطني في هذا الحديث: فقد كفر الله عنك، ولفظ "وأهلكت" ليس في الكتب الستة، لكن أخرج الدارقطني عن أبي ثور: "وأهلكت، الحديث. قال: تفرد أبو ثور عن معلى بن منصور عن ابن عيينة [بقوله: "وأهلكت"] وأخرجه البيهقي [عن جماعة عن الأوزاعي عن الزهري وفيه "وأهلكت"]، وقال: ضعف شيخنا أبو عبد الله الحاكم هذه اللفظة.

وقال الطيبي في شرح للمصابيح [1]: وذهب بعض أهل العلم إلى أن ذلك حكم خص به هذا الرجل، وقال بعضهم: هذا منسوخ، وكلا القولين قول لا إسناد له، والقول القديم فيه: أن الرجل لما أخبر أن ليس بالمدينة أحوج منه جعله في فسحة منه حتى يجد ما يؤديه في الكفارة، والله أعلم.

قال صاحب الهداية [2]: وهو أي حديث الأعرابي حجة على الشافعي في قوله: لخير العبد في كفارة الصوم أي بين الأشياء المذكورة في الحديث الإعتاق والصوم والإطعام؛ لأن مقتضاه الترتيب لأن الواجب عليه ما على المظاهر، والواجب على المظاهر على الترتيب لا على التخيير فكذا عليه، ولأنه عليه السلام أمر الأعرابي بالتكفير على الترتيب؛ فدل ذلك على أن الواجب الكفارة على الترتيب لا على التخيير.

وقد روى في بعض شروح الهداية: للشافعية حديث من سعد بن أبي وقاص، وهو أن رجلا سأل رسول الله ﷺ، وقال: إني أفطرت رمضان، فقال: اعتق رقبة أو صم شهرين [متتابعين] أو أطعم ستين مسكينا [3]، فكلمة أو للترديد والتخيير، وأجيب: بأن المراد بحديث سعد بيان ما يتأدى به الكفارة في الجملة، لا بيان التخيير بدليل ما ذكرنا.

وقال[4]: هو حجة على مالك في نفي التتابع، يعني أن عند مالك لا يشترط في كفارة الصوم أن يصوم شهرين متتابعين كما في كفارة الظهار، للنص عليه حيث قال:

---

1) شرح للطيبي: ١٥٩٣/٥، رقم الحديث: ٢٠٠٤.
2) الهداية: ١٢٢/١.
3) أخرجه الدارقطني في "سننه" كتاب الصيام، باب طلوع الشمس بعد الإفطار (٢٠١/٣) رقم الحديث: ٢٣٩٦.
4) الهداية: ١٢٢/١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

الأعرابي فيما ذكر من الحديث صم شهرين متتابعين، وما جاء في بعض الروايات: "صم شهرين" من غير قيد التتابع، فهو محمول على المقيد، لأن المطلق والمقيد إذا ورد في حكم واحد يحمل المطلق على المقيد كما تقرر في أصول الفقه، هذا.

وقد ذكر في الباب أن قول في التخيير هذا وقع سهوا من الكاتب فإن الشافعي يقول: بالترتيب المذكور في حق المظاهر كما هو قولنا، وهو مذكور منصوص في كتبهم كالوجيز.

وخلاصة الغزالي وكذا في كتبنا كمبسوط شمس الأئمة وفخر الإسلام وكذا في نسبة نفي التتابع إلى مالك؛ بل القائل بالتخيير مالك ولعدم التتابع ابن أبي ليلى ذكرها في المبسوط وشرح مجمع البحرين نقل عن مالك الترتيب كما هو مذهبنا، وعنه أنها الإطعام لا غير ولم يتعرض لهذه الأقوال الشيخ ابن الهمام، والله أعلم.

ولم يذكر في الحاوي التخيير، فإنه قال [١]: وجب الكفارة بإفساد صوم رمضان، وهو مخصوص بفضائل لا يشاركها غيره فيها، وقيد بالجماع لعدم وجوبها على من أفسده بغير الجماع كالأكل والشرب والاستمناء والمباشرات المفضية إلى الإنزال، وبقيد الجماع التام احترز عن جماع المرأة، وبقوله: أثم به عن جماع المسافر والمريض، وبقوله: للصوم احترز عن إفساده بالزنا فإنهما يأثمان بذلك، لكن لا لأجل الصوم؛ بل لأجل الزنا.

ولا تجب به الكفارة على المرأة وإن فسد صومه بالجماع، وقال في شرحه: لأن النبي ﷺ لم يأمر الأعرابي الذي واقع أهله إلا بكفارة واحدة مع مسيس الحاجة إلى البيان. [٢]

ومذهب الإمام أحمد كمذهبنا، ولا نجد نصا عن مالك في ذلك، ولم يتكلم الشيخ ابن الهمام في هذا المقام شيئا، والله أعلم.

الرابع عشر:

ولا بأس بالسواك الرطب سواء كان رطوبته بالماء أو من نفسه لكونه أخضر بالغداة والعشي، وقال الشافعي: يكره بالعشي لأن فيه إزالة الأثر المحمود وهو الخلوف، فشابه دم الشهيد، قلنا: هو أثر العبادة والأليق به الإخفاء بخلاف دم الشهيد لأنه أثر الظلم. [٣]

---

١) الحاوي الصغير: ٢٣٠.

٢) المجموع شرح المهذب: ٣٤٥/٦.

٣) الهداية: ١٢٣/١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

قال الشيخ ابن الهمام [1]: استدل الشافعي بالحديث والمعنى، فالحديث ما روى الطبراني والدارقطني عنه ﷺ: إذا صمتم فاستاكوا بالغداة ولا تستاكوا بالعشي، فإن الصائم إذا يبست شفتاه كانت له نورا يوم القيامة، ورواه الدارقطني موقوفا على علي رضي الله عنه، وفي الطريقين كيسان أبو عمر القصاب ضعفه ابن معين، وقال عبد الله بن أحمد بن حنبل: سألت أبي عن كيسان أبي عمر فقال: ضعيف الحديث، ذكره في الميزان وذكر حديثه هذا فيه، والمعنى ما ذكره في الكتاب من أنه: إزالة الخلوف المحمود إلخ.

ولنا قوله عليه الصلاة والسلام: من خير خلال الصائم السواك، أخرجه ابن ماجه من حديث عائشة رضي الله عنها والدارقطني، وفيه مجالد ضعفه كثير ولينه بعضهم.

ولنا أيضا عموم قوله عليه الصلاة والسلام: لولا أن أشق على أمتي لأمرتهم بالسواك عند كل صلاة، إذ يدخل في عموم كل صلاة: الظهر والعصر والمغرب للصائم والمفطر، وفي رواية عند النسائي وصحيح ابن خزيمة وصححها الحاكم، وعلقها البخاري "عند كل وضوء" [فيعم وضوء هذه الصلوات].

ولنا أيضا في مسند أحمد عنه عليه الصلاة والسلام: صلاة بسواك أفضل عند الله تعالى من سبعين صلاة بغير سواك، فهذه النكرة وإن كانت في الإثبات تعم لوصفها بصفة عامة فيصدق على عصر الصائم إذا استاك فيه أنها صلاة أفضل من سبعين،[كما يصدق على عصر المفطر]، فهذه خالية عن المعارض، فإن ما ذكره لا يقوم حجة، أما الحديث فإنه مع شذوذه ضعيف، وأما المعنى فلا يستلزم كراهة الاستياك لأنه بناء على أن السواك يزيل الخلوف، وهو غير مسلم، بل إنما يزيل أثره الظاهر على السن من الاصفرار.

وهذا لأن سببه خلو المعدة من الطعام والسواك لا يفيد شغلها بطعام ليرتفع السبب، ولهذا روي عن معاذ مثل ما قلنا، وروى الطبراني بسند عن عبد الرحمن بن غنم قال: سألت معاذ بن جبل: أتسوك وأنا صائم؟ قال نعم، قلت: أي النهار أتسوك؟ قال: أي النهار شئت غدوة وعشية، قلت: إن الناس يكرهونه عشية، ويقولون: إن رسول الله ﷺ قال: لخلوف فم الصائم أطيب عند الله من ريح المسك، فقال: سبحان الله لقد أمرهم بالسواك وهو يعلم أنه لا بد بفي الصائم خلوف وإن استاك، وما كان بالذي يأمرهم أن ينتنوا أفواههم عمدا ما في ذلك من الخير بل فيه شيء، لا من ابتلى ببلاء لا يجد منه بدا قال: وكذا الغبار في سبيل الله

1) فتح القدير: ٢/٣٤٨-٣٤٩.

toobaa-elibrary.blogspot.com

لقوله عليه الصلاة والسلام: من اغبرت قدماه في سبيل الله حرمه الله على النار، إنما يؤجر عليه من اضطره إليه ولم يجد عنه محيصا.

فأما من ألقى نفسه في البلاء عمدا فما له في ذلك من الأجر شيء قيل: ويدخل في هذا أيضا من تكلف الدوران تكثيرا للمشي إلى المساجد نظرا إلى قوله عليه الصلاة والسلام: وكثرة الخطا إلى المساجد، ومن تصنع في طلوع الشيب لقوله عليه الصلاة والسلام: من شاب شيبة في الإسلام، إنما يؤجر عليهما من بلي بهما.

وقال الشيخ: وفي المطلوب [أيضا] أحاديث مضعفة نذكر منها شيئا للاستشهاد والتقوية وإن لم يحتج إليه في الإثبات: منها ما رواه البيهقي عن إبراهيم بن عبد الرحمن: حدثنا إسحاق الخوارزمي قال: سألت عاصما الأحول أيستاك الصائم بالسواك الرطب؟ قال: نعم أتراه أشد رطوبة من الماء؟ قلت: أول النهار وآخره؟ قال نعم، قلت: عمن رحمك الله؟ قال عن أنس ﷺ عن النبي ﷺ. وقال: تفرد به إبراهيم بن عبد الرحمن الخوارزمي، وقد حدث عن عاصم بالمناكير لا يحتج به.

وروى ابن حبان في كتاب الضعفاء عن ابن عمر ﷺ قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يستاك آخر النهار وهو صائم، وأعله بأبي ميسرة قال: لا يحتج به ورفعه باطل، والصحيح عن ابن عمر ﷺ من قوله: قلنا: كفى ثبوته عن ابن عمر مع تعدد الضعيف فيه مع تلك العمومات، والله سبحانه أعلم. هذا كله كلام الشيخ ابن الهمام رحمة الله عليه. [1]

الخامس عشر:

ومن كان مريضا في رمضان فخاف إن صام ازداد مرضه أفطر وقضى، وقال الشافعي رحمه الله: لا يفطر هو يعتبر خوف الهلاك أو فوات العضو كما يعتبر في التيمم، ونحن نقول: إن زيادة المرض وامتداده قد يفضي إلى الهلاك، فيجب الاحتراز عنه [2]، والمفضي إلى الشيء له حكم ذلك الشيء.

وقال الشيخ ابن الهمام [3]: الظاهر من كلام أصحابهم أنه كقولنا. وجه قولنا أن قوله تعالى "فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ" [4]، يبيح الفطر لكل مريض، لكن القطع بأن شرعية الفطر له إنما هو لدفع الحرج، وتحقق الحرج منوط بزيادة المرض أو

---

١) فتح القدير: ٣٤٩/٢.
٢) الهداية: ١٢٤/١.
٣) فتح القدير: ٣٥١/٢.
٤) البقرة: ١٨٤.

toobaa-elibrary.blogspot.com

إبطاء البرء أو فساد عضو، ثم معرفة ذلك باجتهاد المريض، والاجتهاد غير مجرد الوهم، بل هو غلبة الظن عن أمارة أو تجربة أو بإخبار طبيب مسلم غير ظاهر الفسق، وقيل: عدالته شرط، فلو برئ من المرض لكن الضعف باق وخاف أن يمرض سئل عنه القاضي الإمام فقال: الخوف ليس بشيء.

السادس عشر:

وإن كان مسافرا لا يستضر بالصوم فصومه أفضل وإن أفطر جاز؛ لأن السفر لا يعرى عن المشقة فجعل نفسه عذرا بخلاف المرض فإنه قد يخف بالصوم فشرط كونه مفضيا إلى الحرج [١]، بيانه أن المبيح للفطر حقيقة إنما هي المشقة إلا أنه أقيم سببها مقامه، ويقام سبب الشيء مقامه إذا كان مفضيا إليه في الغالب، أما إذا لم يفض فلا يقام، والسفر سبب يفضي إلى المشقة غالبا، قال ﷺ: السفر قطعة من العذاب [٢]، قال ابن عباس رضي الله عنهما: لو لا قال النبي ﷺ: كذلك لقلت: قطعة من السقر، ولا شك أن قطع المسافات من الآفات، فأقيم السبب مقام حقيقة المشقة؛ لإفضائه إليه غالبا، أما المرض فالصوم فيه قد يفضي إلى المشقة وقد لا يفضي وينفعه الصوم، فاعتبرت حقيقتها.

وقال الشافعي رحمه الله: الفطر أفضل لقوله ﷺ: ليس من البر الصيام في السفر. [٣]

وقال الشيخ ابن الهمام [٤]: والحق أن قوله كقولنا ولم يحك ذلك عنه إنما هو مذهب أحمد رحمه الله، والحديث الذي رواه في الصحيحين.

ولنا ان رمضان أفضل الوقتين، والصوم في أفضل وقتي الصوم أفضل منه في غيره، وما رواه محمول على حالة الجهد، والمراد بقوله تعالى: "فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ" [٥]، ليس أنه يتعين ذلك، بل المعنى فأفطر فعليه عدة أو المعنى فعدة من أيام يحل له التأخير كما ظنه أهل الظواهر انتهى.

---

١) الهداية: ١/١٢٤.
٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الحج، باب السفر قطعة من العذاب (٣/٨) رقم الحديث: ١٨٠٤.
٣) الهداية: ١/١٢٤.
٤) فتح القدير: ٢/٣٥١.
٥) البقرة: ١٨٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وحاصل المقام أن الحديث الواردة في صوم المسافر وافطاره، منها ماورد في إباحة الإفطار مطلقا من غير تعرض لكون الصيام أو الإفطار أفضل، وبعضها ورد في التخيير بين الصيام والإفطار، وبعضها في جواز الإفطار وذم الصيام.[١]

واتفق جمهور العلماء من أهل الفتوى أن الإفطار والصيام كلاهما جائز، واختلفوا في أن أحدهما أفضل أو هما سواء؟ فأبو حنيفة ومالك وغيرهم على أن الصوم أفضل؛ لمن يطيقه لتبرئة الذمة ويسره بموافقة المسلمين بعسر القضاء بعد مضي رمضان، وفعله صلى الله عليه وسلم في الصيام يصلح حجة لهم، وعند أحمد وإسحاق وسعيد ابن المسيب والأوزاعي: الإفطار أفضل مطلقا.

وروي بعض أصحاب الشافعي هذا القول عنه تمسكا به لظاهر قوله تعالى: "فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ" [٢]، وبأحاديث وردت في ذم الصوم حتى أنه ذهب بعض أهل الظواهر إلى عدم جواز الصوم في السفر، وإن صام قضى.

فالحاصل أن التعارض بحسب الظواهر، والجمع بينهما أمكن أولى من إهمال، أحدهما: واعتبار نسخه من غير دلالة قاطعة فيه، والجمع بما قلنا، وأحاديث الجواز قوي ثبوتا واستقامة، وموافق لكتاب الله، قال تعالى وتقدس بعد قوله سبحانه "وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ": "يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ" [٣]، فقال التأخير إلى إدراك العدة بإرادة اليسر، واليسر أيضا لا يتعين في الفطر، قد يكون اليسر في الصوم إذ كان قويا عليه غير متعسر لموافقة الناس، فإن الاتفاق تيسرا، ولإن النفس أوطنت في هذه الأيام زمان ما لم يتوطن على غيره، فالصوم فيها اليسر.

وبهذا التقرير علم أن المراد بقوله تعالى: "فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ" ليس معناه أنه يتعين ذلك لما ذكرنا.

السابع عشر:

وإن أخر صيام قضاء رمضان حتى دخل رمضان آخر صام الثاني؛ لأنه في وقته، وقضى الأول بعده؛ لأنه وقت القضاء، يعني عدة من أيام أخر، ولا فدية عليه عندنا؛ لأن

---

١) أنظر فتح القدير: ٢/٣٥١-٣٥٢.
٢) البقرة: ١٨٥.
٣) البقرة: ١٨٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وجوب القضاء على التراخي حتى كان له أن يتطوع أي لا فدية عندنا لإطلاق نص القضاء عن قيد الفدية.(١)

وعند الشافعية فيه الفداء بمد من طعام في أكل يوم بناء على أن القضاء عنده موقت بما بين رمضانين فيما لم يقض بينهما وأخره يجب الفداء وهو يعتمد على حديث عائشة رضي الله عنها: قضيت أيام حيضتها من رمضان في أيام شعبان لا في السنة القابلة (٢)، فعلم أنها موقت به، قلنا: إنما يعتمد لذلك لأن رسول الله ﷺ كان يصوم شعبان، وربما يحتاج النبي ﷺ فيجب إفطارها لحاجة النبي ﷺ، وترك إجابة رسول الله ﷺ حرام، كذا في بعض شروح الهداية وفي شرح ابن الهمام.(٣)

وقال الشافعي رحمة الله عليه: الفدية إذا أخره بغير عذر لما روى أنه ﷺ قال في رجل مرض في رمضان، فأفطر، ثم صح، فلم يصم حتى أدرك رمضان أخر يصوم الذي أدركه ثم يصوم الذي أفطر فيه، فيطعم عن كل يوم مسكينا.(٤)

ولنا قول إطلاق قوله تعالى: "فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ" (٥)، من غير قيد، فكان وجوب القضاء على التراخي فلا يلزمه بالتأخير شيء، غير أنه تارك للأولى من المسارعة، وما رواه غير ثابت ففي سنده إبراهيم بن نافع. قال أبو حاتم الرازي: كان يكذب، وفيه أيضا من اتهم بالوضع، انتهى.(٦)

والعجب أن صاحب الهداية لم يصرح بذكر خلاف الشافعي في هذه المسألة، وهو ثابت كما ذكر في الشروح.

١) الهداية: ١/١٢٤.

٢) أخرجه الترمذي في "جامعه" أبواب الصوم، باب ما جاء في تأخير قضاء رمضان (١٤٣/٣) رقم الحديث: ٧٨٣. [لفظه: عن عائشة قالت: ما كنت أقضي ما يكون علي من رمضان إلا في شعبان، حتى توفي رسول الله ﷺ].

٣) فتح القدير: ٢/٣٥٤-٣٥٥.

٤) أخرجه الدار قطني في "سننه" كتاب الصيام، باب القبلة للصائم (١٧٩/٣) رقم الحديث: ٢٣٤٣.

٥) البقرة: ١٨٥.

٦) فتح القدير: ٢/٣٥٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

الثامن عشر:

والحامل والمرضع إذا خافتا على أنفسهما أو ولديهما أفطرتا؛ دفعا للحرج، ولا كفارة عليهما؛ لأنه إفطار بعذر، ولا فدية عليهما خلافا للشافعي فيما إذا خافت على الولد، وهو يعتبره بالشيخ الفاني [1]، ووجه الاعتبار هو أن الفطر حصل بسبب نفس عاجزة عن الصوم خلقة لا علة، فيوجب الفدية كفطر الشيخ الفاني، وهذا لأن في الفطر منفعة شخصين منفعتهما ومنفعة ولدهما، فاعتبار منفعتهما يجب القضاء، وباعتبار منفعه ولدهما يجب القدية.

ولنا أن الفدية ثبوتها بخلاف القياس في الشيخ الفاني والفطر بسبب الولد ليس في معناه لأنه عاجز بعد الوجوب، والولد لا وجوب عليه أصلا، يعني الفدية مشروعة خلفا عن الصوم في حق من لم يطق الصوم، فلا يمكن إيجابها في حق من يطيق الصوم على الأم، ولا يجوز أن يجب في مال الولد لأنه لا صوم على الولد فكيف يجب ما هو خلف عنه، ولأنه لا يجب في مال الولد ولو كانت باعتباره لوجبت في ملكه كنفقته، ولا يضاعف بتعدد الولد كذا في الهداية وشروحها. [2]

وقال الشيخ ابن الهمام في تقرير كلام الشافعي [3]: أنه يعتبر كلا من الحامل والمرضع بالشيخ الفاني في حكم هو وجوب الفدية بإفطاره بجامع أنه انتفع به من لم يلزمه الصوم غير أنه الولد في الفرع، قلنا: القياس يمنع لشرع الفدية على خلاف القياس، إذ لا مماثلة تعقل بين الصوم والإطعام، والإلحاق دلالة متعذر؛ لأن الشيخ [يجب] عليه الصوم بالعمومات ثم ينتقل إلى الفدية لعجزه عنه، والطفل لا يجب عليه بل على أمه، ولم ينتقل عنها شرعا إلى خلف غير الصوم، بل أجيز لها التأخير فقط رحمة على الولد إلى خلف هو الصوم، بخلاف الشيخ فإنه لا قضاء عليه بل أقيمت الفدية مقام الصيام في حقه. وحاصل الدفع فيهما أنه اختلف الحكم في الأصل والفرع فإنه في الأصل وجوب الفدية عوضا عن الصوم لسقوطه بها ولا سقوط في الحامل.

---

1) الهداية: ١/١٢٤.

2) الهداية: ١/١٢٤.

3) فتح القدير: ٢/٣٥٥-٣٥٦.

toobaa-elibrary.blogspot.com

التاسع عشر:

ومن مات وعليه قضاء رمضان فأوصى به أطعم عنه وليه لكل مسكينا نصف صاع من بر أو صاعا من تمر أو شعير، [لأنه] عجز عن الأداء في آخر عمره [فصار] كالشيخ الفاني. [١]

قال الشيخ ابن الهمام [٢]: إلحاقا بطريق الدلالة لا بالقياس. وجهه أن الكلام في مريض عجز عن الأداء وعليه الصوم، ولا شك أن كل من سمع أن الشيخ الفاني الذي لا يقدر على الصوم يجزي عنه الإطعام، علم أن سبب ذلك عجزه عجزا مستمرا إلى الموت، فإن الشيخ الفاني الذي [علق عليه هذا الحكم هو الذي كل يوم] في نقص إلى أن يموت، فيكون الوارد في الشيخ الفاني واردا في المريض [الذي هو بتلك الصفة]، لا فرق إلا بأن الوجوب لم يسبق حال جواز الإطعام في الشيخ الفاني إلا بقدر ما يثبت ثم ينتقل، والمريض تقرر الوجوب عليه قبله بإدراك العدة، وعجزه الآن بسبب تقصيره في المسارعة إلى القضاء.

ومعلوم أنه إذا كان الوجوب على التراخي لا يكون بذلك التأخير جانيا فلا أثر لهذا الفرق في إيجاب افتراق الحكم، وهذا متفق عليه بيننا وبين الشافعي وإنما وقع الاختلاف بأنه لا بد من الإيصاء عندنا يعني إنما يلزم الإطعام على الوارث عندنا إذا أوصي المورث بذلك، وإن لم يوص لم يلزم، نعم إذا تبرع بذلك فذلك شيء آخر.

أما اللزوم فذلك بالإيصاء مثلا مات رجل وعليه قضاء رمضان، وترك مالا، فإنما يلزم الإطعام إذا أوصى لوارثه بذلك، وعند الشافعي يلزم على الوراثة أن يؤدوا من جميع ماله أوصى أو لم يوص، وعندنا من الثلث كما هو حكم الوصية ينفذ من ثلث المال، وكذلك حكم الزكاة مثلا مات رجل وعليه زكاة هذه السنة، وترك سائمة، فجاء المصدق، وهي في يد الورثة، ليس له أن يأخذ صدقتها منهم إلا أن يكون الميت أوصى بذلك، ويأخذ من الثلث، وإن لم يوص لم يأخذ عندنا، وعنده يأخذ من كل ما في يد الورثة اعتبارا بالدين، فإنه إذا ترك مالا وعليه دين يؤدي دينه من جميع ماله، بقي للورثة شيء أو لم يبق، فهو يعتبر دين الله بدين العباد إذ كل ذلك حق مالي يجري فيه النيابة.

---

١) الهداية: ١/١٢٤.

٢) فتح القدير: ٢/٣٥٨.

toobaa-elibrary.blogspot.com

قال الشيخ ابن الهمام [١]: وعلى هذا الزكاة أي إذا مات من عليه دين الزكاة بأن استهلك مال الزكاة بعد الحول والعشر بعد وقت وجوبه لا يجب على وارثه أن يخرج عنه الزكاة والعشر إلا أن يوصي بذلك، ثم إذا أوصى فإنما يلزم الوارث إخراجهما [إذا كانا يخرجان] من الثلث، فإن زاد دينهما على الثلث لا يجب على الوارث، فإن أخرج كان متطوعا عن الميت ويحكم بجواز إجزائه.

ولذا قال محمد في تبرع الوارث: يجزيه إن شاء الله تعالى، كما إذا أوصى بالإطعام عن الصلوات على ما يذكر.

ثم قال الشيخ: يصح التبرع في الكسوة والإطعام لا الإعتاق لأن في الإعتاق بلا إيصاء إلزام الولاء على الميت، ولا إلزام في الكسوة والإطعام.

وقال: وجه قول الشافعي ما في الصحيحين عن ابن عباس رضي الله عنهما، قال: جاء رجل إلى النبي ﷺ فقال: إن أمي ماتت وعليها صوم شهر أفأقضيه عنها؟ فقال: لو كان على أمك دين أكنت قاضيه عنها؟ قال: نعم، قال: فدين الله أحق، وفي رواية: جاءت امرأة إلى رسول الله ﷺ فقالت: يا رسول الله إن أمي ماتت وعليها صوم نذر أفأصوم عنها؟ الحديث، إلى أن قال فصومي عن أمك.

وفي الصحيحين عن عائشة رضي الله عنها عنه عليه الصلاة والسلام: من مات وعليه صيام صام عنه وليه، قلنا: الاتفاق على صرف الأول عن ظاهره فإنه لا يصح في الصلاة الدين، وقد أخرج النسائي عن ابن عباس رضي الله عنهما، وهو راوي الحديث الأول في سننه الكبرى أنه قال: لا يصلي أحد عن أحد ولا يصوم أحد عن أحد.

وقد روي عن عمر رضي الله عنه نحوه، أخرجه عبد الرزاق وذكره مالك في الموطإ بلاغا فقال مالك: ولم أسمع عن أحد من الصحابة ولا من التابعين رضي الله تعالى عنهم بالمدينة أن أحدا منهم أمر أحدا أن يصوم عن أحد ولا يصلي عن أحد، انتهى. [٢]

قال صاحب الهداية [٣]: الدليل على إيجاب الايصاء أنه عبادة لا بد من الاختيار وذلك في الإيصاء دون الورثة لأنها جبرية، ثم هو تبرع ابتداء حتى يعتبر من الثلث.

---

١) فتح القدير: ٢/٣٥٨.

٢) فتح القدير: ٢/٣٥٨-٣٥٩.

٣) الهداية: ١/١٢٤-١٢٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

قال الشيخ ابن الهمام [1]: بين عقوبة وعبادة، فما كان عبادة فشرط إجزائها النية ليتحقق أداؤها مختارا فيظهر اختياره الطاعة من اختياره المعصية الذي هو المقصود من التكليف، وفعل الوارث من غير أمر المبتلى بالأمر والنهي لا يحقق اختياره، بل لما مات من غير فعل ولا أمر به فقد تحقق عصيانه بخروجه من دار التكليف ولم يمتثل، وذلك يقرر عليه موجب العصيان، إذ ليس فعل الوارث الفعل المأمور به فلا يسقط به الواجب، كما لو تبرع به حال حياته وما كان فيها مع ذلك معنى العقوبة، فلا يخفى أنه فات فيه الأمران إذ لم يتحقق إيقاع ما يستشقه منه ليكون زاجرا له، بخلاف ديون العباد فإن المقصود من الأمر بأدائها وصول المال إلى من هو له ليدفع به حاجته، ولذا إذا ظفر من له بجنسه كان له أخذه ويسقط عن ذمة من عليه فلزمت من غير إيصاء لتحقق حصول المقصود بفعل الوارث هنا، وعن هذا قلنا: لا يورث خيار الشرط والرؤية لأنه رأي كان للميت، بخلاف خيار العيب لأنه جزء من العين في المعنى احتبس عند البائع.

وإذا علمت ما ذكرنا علمت أن المقصود من حقوق الله تعالى إنما هي الأفعال إذ بها تظهر الطاعة والامتثال، وما كان ماليا منها، فالمال متعلق المقصود: أعني الفعل، وقد سقطت الأفعال كلها بالموت لتعذر ظهور طاعته بها في دار التكليف، فكان الإيصاء بالمال الذي هو متعلقها تبرعا من الميت ابتداء فيعتبر من الثلث، بخلاف دين العباد لأن المقصود فيها نفس المال لا الفعل، وهو موجود في التركة فيؤخذ منها بلا إيصاء.

وروى عن عائشة ﵂ قالت: قال رسول الله ﷺ: من مات وعليه صوم، صام عنه وليه، متفق عليه. [2]

أخذ قوم بظاهر هذا الحديث، فأجازوا أن يصوم عنه وليه ما وجب عليه قضاؤه، وبه قال أحمد وهو أحد قولي الشافعي، وصححه النووي، وقال بعض الشافعية: يخير بين الصوم والإطعام، وذهب الجمهور إلى أنه لا يصام عنه، وبه قال أبو حنيفة ومالك والشافعي في أصح قوليه عن أكثر أصحابه، وأولوا الحديث بأن المراد إطعام الولي عنه وتكفيره عنه، فعندنا إن أوصى فيؤخذ من الثلث، وعند الشافعي أوصى أو لم يوص فيؤخذ من كل ماله، كما ذكرنا.

---

١) فتح القدير: ٢/٣٥٩.

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الصوم، باب من مات وعليه صوم (٣/٣٥) رقم الحديث: ١٩٥٢.
ومسلم في "صحيحه" كتاب الصيام، باب قضاء الصيام عن الميت (٢/٨٠٣) رقم الحديث: ١١٤٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

العشرون:

ومن دخل في صوم التطوع أو صلاة التطوع ثم أفسده قضاه [1]، قد سبق الكلام فيه.

ذكر الشيخ ابن الهمام [2] في هذا المقام مسائل يناسب ذكرها لكثرة وقوعها، وإن لم يكن غرضا في هذا الكتاب إلا بيان مواضع الخلاف بين الأئمة الأربعة منها.

ومع ذلك لا يخلو عن شيء منه قال: لا خلاف بين أصحابنا رحمهم الله في وجوب القضاء إذا فسد عن قصد أو غير قصد بأن عرض [الحيض للصائمة المتطوعة، خلافا للشافعي رحمه الله، وإنما اختلاف الرواية في نفس] الفساد هل يباح أولا؟ ظاهر الرواية لا إلا بعذر، ورواية المنتقى يباح بلا عذر.

ثم اختلف المشايخ رحمهم الله على ظاهر الرواية هل الضيافة عذر أو لا؟ قيل نعم، وقيل لا، وقيل عذر قبل الزوال لا بعده، إلا إذا كان في عدم الفطر بعده عقوق لأحد الوالدين لا غيرهما حتى لو حلف عليه رجل بالطلاق الثلاث ليفطرن لا يفطر.

وقيل: إن كان صاحب الطعام يرضى بمجرد حضوره وإن لم يأكل لا يباح الفطر، وإن كان يتأذى بذلك يفطر، واعتقادي أن رواية المنتقى أوجه، [وعلى اعتبار ذلك ينصب الكلام في خلافية الشافعي رحمه الله آخرا، ويتبين وجه اختيارنا لها في ضمنه إن شاء الله تعالى]، وأحسن ما يستدل به للشافعي رحمه الله ما في مسلم عن عائشة ﵂ قالت: دخل علي النبي ﷺ يوما، فقال: هل عندكم شيء؟ فقلنا لا، قال: فإني إذا صائم ثم أتانا يوما آخر فقلنا: يا رسول الله أهدي لنا حيس، قال: أرينيه فلقد أصبحت صائما، فأكل، وفي لفظ: فأكل، وقال: قد كنت أصبحت صائما، فهذا يدل على عدم وجوب الإتمام، ولزوم القضاء مرتب على وجوبه فلا يجب واحد منهما.

وروى أبو داود والترمذي والنسائي عن أم هانئ موقوفا: الصائم المتطوع أمير نفسه إن شاء صام وإن شاء أفطر، وفي كل من سنده ومتنه اختلاف، وتكلم عليه البيهقي رحمه الله.

وقال الشافعي أيضا: صح أنه ﷺ خرج من المدينة حتى إذا كان بكراع الغميم وهو صائم، رفع إناء فشرب، والناس ينظرون، وفي لفظ: كان ذلك بعد العصر، زاد مسلم عام الفتح، وفيه: دلالة للتأخير.

---

1) الهداية: ١/١٢٥.

2) فتح القدير: ٢/٣٦٠.

toobaa-elibrary.blogspot.com

قال الشافعي: فلما كان له قبل أن يدخل في صوم الفرض أن لا يدخل فيه للسفر كان له إذا دخل فيه أن يفطر كما فعل ﷺ، فالتطوع أولى.

وحاصله استدلال بفطره في الفرض بعد الشروع الذي لم يكن واجبا عليه على إباحة فطره في النفل بعد الشروع الذي لم يكن واجبا عليه، وهو استدلال حسن جدا، ولنا الكتاب والسنة والقياس؛ أما الكتاب فقوله تعالى: "وَلا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ" [1]، وقال تعالى: "وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا" الآية [2]، سيقت في معرض ذمهم على عدم رعاية ما التزموه من القرب التي لم تكتب عليهم، والقدر المؤدي عمل كذلك فوجب صيانته عن الإبطال بهذين النصين، فإذا أفطر وجب قضاؤه تفاديا عن الإبطال.

وأما السنة فما أخرج أبو داود والترمذي والنسائي عن عروة عن عائشة قالت: كنت أنا وحفصة صائمتين فعرض لنا طعام اشتهيناه فأكلنا منه؛ فجاء رسول الله صلى الله عليه وسلم فبدرتني إليه حفصة وكانت ابنة أبيها فقالت: يا رسول الله إنا كنا صائمتين فعرض علينا طعام اشتهيناه فأكلنا منه قال: اقضيا يوما آخر مكانه.

وأعله البخاري بأنه لا يعرف لزميل سماع من عروة، ولا ليزيد سماع من عروة، وأعله الترمذي بأن الزهري لم يسمع من عروة. هذا، فقد تكلم الشيخ ابن الهمام وأثبت صحة هذا الحديث بطريق متعددة.

واخرج أبي سلمة [المكي عن محمد بن عمرويه عن أم سلمة] عن أبي هريرة قال: أهديت لعائشة وحفصة رضي الله عنهما هدية، وهما صائمتان فأكلتا منها، فذكرتا ذلك لرسول الله ﷺ فقال: اقضيا يوما مكانه ولا تعودا.

قال: فقد ثبت هذا الحديث ثبوتا لا مرد له. [3]

وقال: [في حديث] صحيح البخاري آخى النبي ﷺ بين سلمان وأبي الدرداء، فزار سلمان أبا الدرداء فرأى أم الدرداء متبذلة فقال لها ما شأنك؟ قالت: أخوك أبو الدرداء ليس له حاجة في الدنيا، فجاء أبو الدرداء فصنع له طعاما فقال كل، قال: فإني صائم، قال: ما

---

١) محمد: ٣٣.

٢) الحديد: ٢٧.

٣) فتح القدير: ٢/٣٦٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

آكل حتى تأكل فأكل، فلما كان الليل ذهب أبو الدرداء يقوم، فقال له سلمان نم فنام، ثم ذهب يقوم فقال نم، فلما كان من آخر الليل قال سلمان قم الآن، قال: فصليا فقال له سلمان: إن لربك عليك حقا ولنفسك عليك حقا ولأهلك عليك حقا فأعط كل ذي حق حقه، فأتى النبي ﷺ فذكر ذلك له فقال عليه الصلاة والسلام: صدق سلمان، وهذا مما استدل به القائلون بأن الضيافة عذر.

وكذا ما أسند الدارقطني إلى جابر قال: صنع رجل من أصحاب رسول الله ﷺ طعاما فدعا النبي ﷺ وأصحابه، فلما أتى بالطعام تنحى رجل منهم، فقال عليه الصلاة والسلام: ما لك؟ قال: إني صائم، فقال عليه الصلاة والسلام: تكلف أخوك وصنع طعاما ثم تقول إني صائم، كل وصم يوما مكانه.

فإن كلا منهما يدل على عدم كون الفطر ممنوعا إذ لا يعهد للضيافة أثر في إسقاط الواجبات، ولذا منع المحققون كونها عذرا كالكرخي وأبي بكر الرازي، واستدلا بما روي عنه عليه الصلاة والسلام: إذا دعي أحدكم إلى طعام فليجب، فإن كان مفطرا فليأكل، وإن كان صائما فليصل: أي فليدع لهم، والله أعلم بحال هذا الحديث.

وقول بعضهم: ثبت موقوف على إبداء ثبت، ثم لا يقوى قوة حديث سلمان.

والحاصل أن على رواية المنتقى تتظافر الأدلة ولا يعارض ما استدل به الشافعي رحمه الله ما يثبتها على ما لا يخفى، وأما القياس فعلى الحج والعمرة النفلين حيث يجب قضاؤهما إذا أفسدا، هذا كلام الشيخ ابن الهمام قد انشرح به كلام الهداية وأوضح المرام. [1]

الحادي العشرون:

مسألة الإغماء وذكر فيها أربع مسائل:

الأولى[2]: من أغمي عليه في رمضان لم يقض اليوم الذي حدث فيه الإغماء، لوجود الصوم فيه وهو الإمساك المقرون بالنية إذ الظاهر وجودها منه، لأن نية الصوم في ليالي رمضان مستحبة، فكان الظاهر إثباته، وقضى ما بعده لانعدام النية، وإن أغمي عليه أول ليلة منه قضى كله غير يوم تلك الليلة، لما قلنا من وجود الإمساك المقرون بالنية.

---

١) فتح القدير: ٢/٣٦٢-٣٦٣.

٢) الهداية: ١/١٢٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقال مالك رحمه الله: لا يقضي ما بعده؛ لأن صوم رمضان عنده يتأدى بنية واحدة، إذ صوم الشهر كعبادة واحدة لوجوبه بخطاب واحد، فصار كمن نذر أن يعتكف شهرا صح بنية واحدة.

وعندنا لا بد من النية لكل يوم لأنها عبادات متفرقة لأنه يتخلل بين كل يومين ما ليس بزمان لهذه العبادة بخلاف الاعتكاف.

الثانية[١]: ومن أغمي عليه في رمضان كله قضاه؛ لأنه نوع مرض يضعف القوى ولا يزيل الحجا، ولهذا ابتلى به من هو معصوم من زوال العقل، فإن رسول الله ﷺ ابتلى بالإغماء في مرضه، وكان معصوما عما يزيل العقل، قال تعالى: "مَا أَنتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ"[٢]، فيكون عذرا في التأخير لا في الإسقاط، ومن جن رمضان كله لم يقضه خلافا لمالك وهو يعتبره بالإغماء.

ولنا أن المسقط هو الحرج والإغماء لا يستوعب الشهر عادة فلا حرج، والجنون يستوعبه فيتحقق الحرج، كذا قال في الهداية.[٣]

وقال الشيخ ابن الهمام: وقد سلك المصنف مسلك التحقيق في تعليل عدم إلزام القضاء بجنون الشهر، حيث قال: ولنا أن المسقط هو الحرج، ثم قال: والإغماء لا يستوعب الشهر عادة فلا حرج.

و[بسط] مبنى هذا أن الوجوب [الذي] يثبت [جبرا] بالسبب أعني أصل الوجوب لا يسقط بعدم القدرة على استعمال العقل لعدمه أو ضعفه، بل ينظر فإن كان المقصود من متعلقه مجرد إيصال المال كالنفقة والدين ثبت الوجوب مع هذا العجز، لأن هذا المقصود يحصل بفعل النائب فيطالب به وليه، وإن كان من العبادات والمقصود منها نفس الفعل ليظهر مقصود الابتلاء من اختيار الطاعة أو المعصية فلا يخلو من كون هذا العجز الكائن بسبب عدم القدرة على استعمال العقل مما يلزمه الامتداد أو لا يمتد عادة، وحقق الشيخ هذا الكلام مما لا مزيد عليه رحمه الله.[٤]

---

١) الهداية: ١٢٥/١.

٢) القلم: ٢.

٣) الهداية: ١٢٥/١.

٤) فتح القدير: ٣٦٦/٢-٣٦٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

الثالثة[١]: وإن أفاق المجنون في بعضه مضى ما قضى، خلافا لزفر والشافعي فإنهما قالا: لا يسقط القضاء وهو القياس، وهما يقولان: إنه لم يجب عليه الأداء لإنعدام الأهلية لأن وجوب الأداء يترتب على الخطاب، ولا خطاب والقضاء مرتب على وجوب الأداء فصار كالمستوعب.

ولنا أن السبب قد حصل وهو الشهر، فليصمه، والمراد بعض الشهر إذ لو كان السبب شهودا، وجميع الشهر لوقع الصوم في شوال قضاء بهذا النص لكون شهود بعض الشهر سببا لوجوب صوم الشهر، وهو أهل الصوم لأن الأهلية بالذمة، ولأنه معنى يصير الشخص به أهلا لوجوب ليرد عليه.

وبه فارق البهائم وهو قائم بعد الجنون ألا يري أنه يلزمه ضمان الإتلاف وصدقة الفطر ونفقة المحارم، ومحل هذه الحقوق الذمة، فدل وجوبها على قيامها، وفي الوجوب فائدة وهو صيرورته مطلوبا على وجه لا يخرج في أدائه بخلاف المستوعب لأنه يخرج في أداء فلا فائدة.

وهذا الكلام جواب عما قد يقال: قولكم الأهلية بالذمة يستلزم ثبوت أصل الوجوب على الصبي، فقال: هو دائر مع الذمة بسبب، لكن بشرط الفائدة في تحققه في حق الصبي.

وحاصل الكلام أن الوجوب في الذمة لا ينعدم بسبب الصبا، ولا يستوعب بسبب الجنون والإغماء إلا أن الصبا يطول عادة فيكون مسقطا للقضاء دفعا للحرج، والإغماء لا يطول عادة فلا يكون مسقطا للقضاء، والجنون قد يطول وقد يقصر، فإذا طال واستوعب الشهر التحق بما يطول عادة، وإذا قصر التحق بما يقصر عادة، ثم لا فرق بين الأصلي وهو أن يكون متصلا بالصبا بأن يبلغ مجنونا، والعارض بأن يبلغ مفيقا ثم جن.

وقيل: هذا ظاهر الرواية، وعن محمد أنه فرق بينهما لأنه إذا بلغ مجنونا التحق بالصبا فانعدم الخطاب بخلاف ما إذا بلغ عاقلا ثم جن، وهذا مختار بعض المتأخرين.

الثاني والعشرون:

وإذا قدم المسافر أو طهرت الحائض في بعض النهار أمسكا بقية يومهما، وقال الشافعي رحمه الله: لا يجب الإمساك، وعلى هذا الخلاف كل من صار أهلا للزوم ولم يكن كذلك في أول اليوم هو يقول: التشبه خلف عن الصوم عند العجز عن أداء الصوم، فلا

---

١) الهداية: ١/١٢٥-١٢٦.

toobaa-elibrary.blogspot.com

يجب إلا على من يتحقق الأصل في حقه كصبي بلغ، وكافر أسلم، ومجنون أفاق، ومريض صح، كالمفطر متعمدا أو مخطئا أو مكرها حيث يلزم الإمساك بالاتفاق.

ولنا أنه وجب قضاء حق الوقت أصلا [(١)]؛ لأن قضاء حق هذا الوقت واجب بالصوم، وقد عجز عنه فيجب التشبه مراعاة لحق الوقت بقدر الإمكان لا خلفا، وكيف يكون الإمساك خلفا عن الصوم والقضاء شرع بدلا.

ولا يجوز أن يكون لشيء واحد بدلان لأنه وقت معظم، وتعظيمه بعدم الأكل فيه إذا لم يكن المرخص قائما، وأصل ذلك حديث عاشوراء على ما ذكرناه، فيثبت به وجوب التشبه أصلا ابتداءا لا خلفا عن الصوم بخلاف الحائض والنفساء والمريض والمسافر، حيث لم يجب عليهم حال قيام هذه العذار؛ لتحقق المانع عن التشبه حيث تحققه عن الصوم.

أما الحائض فلأن الصوم لها حرام فلا يشبه الحرام كذلك لا يرى أن الصلاة عبادة وقدام المصلي صنم حرام.

وأما المريض والمسافر فالرخصة باعتبار الحرج، فلو وجب عليهما التشبه لعاد الأمر على موضعه بالنقض.

وقال الشيخ ابن الهمام: المراد بالمخطئ من فسد صومه بفعله المقصود دون قصد الإفساد كمن تسحر على ظن عدم [طلوع] الفجر [أو أكل يوم الشك ثم ظهر أنه الفجر] ورمضان. [(٢)]

الثالث والعشرون:

وإن جومعت النائمة أو المجنونة وهي صائمة وجب عليها القضاء دون الكفارة، وقال زفر والشافعي رحمهما الله: لا قضاء عليهما اعتبارا بالناسي والعذر [هنا] أبلغ لعدم القصد.

ولنا أن النسيان يغلب وجوده وهذا نادر [(٣)]؛ لأن المواقعة في حال النوم من غير أن ينتبه نادر فلا يعتبر شبهه، وتأويل المجنونة أن يفيق يستوعب جنونها الشهر فصار كالنوم والإغماء، وقيل: المكرهة، والصحيح ماذكرنا، وقيل: كانت المجبورة فصحفها الكاتب إلى المجنونة ثم لما انتشر في البلاد لم يفد التغير والأصلاح في نسخة واحدة فتركها لإمكان

---

١) الهداية: ١/١٢٦.

٢) فتح القدير: ٢/٣٧١.

٣) الهداية: ١/١٢٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

توجيهها أيضا، بأن تكون عاقلة، فشرعت ثم جنت في باقي النهار، فإن الجنون لا ينافي الصوم إنما ينافي شرطه اعني النية، وقد وجدت في حالة الإفاقة، كذا في شرح الشيخ ابن الهمام.[1]

وقيل: المجنونة كانت عاقلة في أول النهار ثم جنت، ولا يجب الكفارة لإنعدام الجناية لأنها يكون بالقصد ولا قصد.

الرابع والعشرون:

وإذا قال: لله علي صوم يوم النحر أفطر وقضى، فهذا النذر صحيح عندنا خلافة لزفر والشافعي رحمهما الله، هما يقولان: إنه نذر بما هو معصية لورود النهي عن صوم هذه الأيام[2]، ورد في الصحيحين عن أبي سعيد الخدري: نهى رسول الله ﷺ عن صيام يوم الضحى وصيام يوم الفطر، وفي لفظ: سمعته يقول: لا يصح الصيام في يومين، يوم الأضحى ويوم الفطر، وقوله ﷺ: لا تصوموا في هذه الأيام، لأنها أيام أكل وشرب.[3]

ولنا أنه نذر بصوم مشروع والنهي لغيره وهو ترك إجابة دعوة الله تعالى، فيصح نذره؛ لكنه يفطر احترازا عن للمعصية المجاورة، ثم يقضي اسقاطا للواجب، وإن صام فيه يخرج عن العهدة؛ لأنه أداه كما التزمه.[4]

وتحقيق هذا للمقام في كتب أصول الفقه، ولو قال: لله علي صوم هذه السنة، أفطر يوم الفطر ويوم النحر وأيام التشريق، وقضاها لأن النذر بالسنة المعينة نذر بهذه الأيام، ويتاتى فيها خلاف زفر والشافعي للنهي عن الصوم فيها، وهو قوله عليه السلام والصلاة: ألا لا تصوموا في هذه الأيام فإنها أيام أكل وشرب، وقد بينا الوجه فيه والعذر.

---

1) فتح القدير: ٢/٣٨٠.

2) العناية: ١/١٢٨.

3) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الصوم، باب صوم يوم الفطر (٣/٤٢) رقم الحديث: ١٩٩٠، ١٩٩١، كتاب الأضاحي، باب ما يؤكل من لحوم الأضاحي كما يتزود منها (٧/١٠٣) رقم الحديث. ٥٥٧١. ومسلم في "صحيحه" كتاب الصيام، باب النهي عن صوم يوم الفطر ويوم الأضحى (٢/٧٩٩) رقم الحديث: ١١٣٧.

4) العناية. ١/١٢٨

toobaa-elibrary.blogspot.com

الخامس والعشرون:

وهو اللبث في المسجد مع الصوم ونية الاعتكاف، أما اللبث فركنه، لأنه ينبئ عنه فكان وجوده به، والصوم من شرطه عندنا خلافا للشافعي رحمه الله، والنية شرط فيه كما في سائر العبادات، هو يقول: إن الصوم عبادة وهو أصل بنفسه فلا يكون شرطا لغيره، يعني أن الصوم أحد أركان الدين، والاعتكاف سنة زائدة، والشرط تابع للمشروط، فاستحال أن يكون الصوم الأقوى تبعا للاعتكاف.

ولنا قول عليه الصلاة والسلام: لا إعتكاف إلا بالصوم [١]، والقياس في مقابلة النص المنقول غير مقبول [٢]، ثم لا يخفى أن معنى شرطية الصوم للاعتكاف أنه لا يصح إلا به، وهو الحقيقة مبني على إصالته وقوته، ومعنى التبعية غير ملحوظ هنا، ولم يقل بكونه ركنا لمغايرة بينهما في الماهية.

السادس والعشرون:

ولا يخرج من المسجد إلا لحاجة الإنسان أو الجمعة، أما الحاجة فلحديث عائشة ﵂: كان النبي عليه الصلاة والسلام لا يخرج من معتكفه إلا لحاجة الإنسان [٣]، ولأنه معلوم وقوعها، ولا بد من الخروج في تقضيتها فيصير الخروج لها مستثنى.

وأما الجمعة فلأنها من أهم حوائجه وهي معلوم وقوعها، وقال الشافعي رحمه الله: الخروج إليها مفسد لأنه يمكنه الاعتكاف في الجامع، يعني أن الخروج ضد اللبث فيفسده إلا فيما تحققت الضرورة فيه، ويمكن له أن يعتكف في الجامع فلا ضرورة له في هذا الخروج، ونحن نقول: الاعتكاف في كل مسجد مشروع [٤]؛ لقوله تعالى: "وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ" [٥]، عم المساجد في الذكر، وهو مأمور بالخروج إلى المسجد يعني أن الشافعي قائل لجواز الاعتكاف في غير المسجد الجامع، وإذا جوزه فلا بد له من الخروج إليه،

---

١) أخرجه الدار قطني في "سننه" كتاب الصيام، باب الاعتكاف (١٨٤/٣) رقم الحديث: ٢٣٥٦. والبيهقي في "السنن الكبرى" كتاب الصيام، باب المعتكف يصوم (٥٢١/٤) رقم الحديث: ٨٥٨٠.

٢) الهداية: ١٢٩/١.

٣) نصب الراية: ٤٩١/٢.

٤) البقرة: ١٨٧.

٥) البقرة: ١٢٩/١–١٣٠.

toobaa-elibrary.blogspot.com

نعم لو جعله دليلا على عدم جوازه في غير المسجد الجامع بأنه يلزم منه الخروج من غير ضرورة لكان صحيحا، وأما بعد تجويزه الاعتكاف في غير المسجد الجامع فلا يفهم.

السابع والعشرون:

الكلام في صوم الوصال، وهو عبارة عن صوم يومين فصاعدا من غير أكل وشرب بينهما.

وقد وقع النهي عنه في حديث أبي هريرة قال: نهى رسول الله ﷺ عن الوصال في الصوم، فقال له رجل: إنك تواصل يا رسول الله؟ قال: وأيكم مثلي؟ إني أبيت يطعمني ربي ويسقيني، متفق عليه. (١)

ثم اختلف الأئمة في أنه هل يجوز صوم الوصال لنا أم هو مكروه أو محرم؟ والأكثر على أنه لا يجوز، وبه قال أبو حنيفة ومالك رحمهما الله، ونص الشافعي وأصحابه على كراهته، إما كراهة تحريم أو كراهة تنزيه، والأول أصح، وقال محمد في "الموطإ": الوصال مكروه، وهو قول أبي حنيفة، انتهى. (٢)

وذهب طائفة إلى أنه جائز لمن قدر عليه، وقد يروى عن عبد الله بن الزبير وغيره من السلف: وكان ابن الزبير رضي الله عنهما يواصل الأيام، وروى "ابن أبي شيبة" بإسناد صحيح أنه كان يواصل خمسة عشر يوما (٣)، وذكر معه بعض الصحابة، ومن التابعين عبد الرحمن ابن أبي يعمر وعامر بن عبد الله بن الزبير، وإبراهيم التيمي، وأبو الجوزاء، كما نقله أبو نعيم في "الحلية"، كذا ذكر في "المواهب اللدنية" (٤)، ومن حجتهم ما روي أنه ﷺ واصل بأصحابه بعد النهي وأقرهم على ذلك، فعلم أنه أراد بالنهي الرحمة لهم والتخفيف عنهم لا التحريم كذا قيل.

لكن روي عن أبي هريرة أنه قال: نهى رسول الله ﷺ عن الوصال في الصوم (٥)، فلما فلما أبوا أن ينتهوا عن الوصال واصل بهم يوما ثم رأوا الهلال، فقال: لو تأخر لزدتكم، كالتنكيل لهم، يدل على أن مقصوده ﷺ من تركهم على المواصلة يوما أو يومين تأكيد

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الصوم، باب التنكيل لمن أكثر الوصال (٣٧/٣) رقم الحديث: ١٩٦٥. ومسلم في "صحيحه" كتاب الصيام، باب النهي عن الوصال في الصوم (٧٧٤/٢) رقم الحديث: ١١٠٣.

٢) أخرجه محمد في "الموطإ" أبواب الصيام، باب الوصال في الصيام (١٢٩) رقم الحديث: ٣٦٨.

٣) أخرجه ابن أبي شيبة في "مصنفه" كتاب الصيام، باب من رخص في الوصال (٣٣١/٢) رقم الحديث: ٩٥٩٩.

٤) المواهب اللدنية: ٤٢٢/٣.

٥) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الصوم، باب التنكيل لمن أكثر الوصال (٣٧/٣) رقم الحديث: ١٩٦٥. ومسلم في "صحيحه" كتاب الصيام، باب النهي عن الوصال في الصوم (٧٧٤/٢) رقم الحديث: ١١٠٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

زجرهم وبيان المصلحة في نحيهم وإظهار المفسدة عن الوصال، وهي الملل من العبادة والتعرض للتقصير في بعض وظائف الدين من القوة في الصلاة وإتمام أركانها وأدائها، والخشوع فيها لحصول الضعف والتواني، وتعلق الباطن بالطعام والشراب، ويحتج أيضا بأقدام الصحابة عليه بعد النهي، فدل على أنهم فهموا أن النهي للتنزيه لا للتحريم، وهو لا ينافي الجواز، ويفهم من هذا أن القول بالجواز ليس مطلقا، بل مع الكراهة ولو تنزيها، كذا قيل، لكن يفهم من كلام بعضهم أنهم واصلوا بعدما رأوه ﷺ يواصل، وقالوا: إنك تواصل فنهاهم عن ذلك، فكان وصالهم قبل النهي، والله أعلم.

واختار أحمد وابن وهب وإسحاق جواز الوصال إلى السحر لحديث أبي سعيد عند البخاري، أن رسول الله ﷺ قال: لا تواصلوا فأيكم أراد أن يواصل فليواصل إلى السحر. [١] وهذا في الحقيقة تأخير في الإفطار، وليس من الوصال في شيء، وذلك أخف في قيام الليل، وذلك أيضا ما لم يشق على الصائم، هذا والظاهر من الحديث أن الوصال من خصائص رسول الله ﷺ، ولهذا ذهب الجمهور من الأئمة أن النهي للتحريم لعموم النهي في قوله ﷺ: لا تواصلوا، وتعليله بما يختص بنفسه الكريمة بقوله: لست كهيئتكم، و أيكم مثلي، كما جاء في الروايات الأخر، والرحمة والشفقة لا يمنع كون النهي للتحريم، غايته أن التحريم كان بسبب الشفقة، وكم من حكم إيجابي من أمر ونهي سببه الشفقة والرحمة، وروى الطبراني في "الأوسط" من حديث أبي ذر: أن جبريل عليه السلام قال للنبي ﷺ: إن الله قد قبل وصالك، ولا يحل لأحد بعدك [٢]، وقد تكلم في إسناده، كذا في "المواهب" [٣]، والله أعلم.

وبعد ما فرغنا من بيان أحكامه، ناسب أن نشرح معنى قوله ﷺ "أبيت يطعمني ربي ويسقيني" وفي رواية: "إني أظل" منقول، اختلف في معنى "يطعمني ربي ويسقيني"، فقيل: هو على حقيقته، وأنه ﷺ كان يؤتى بطعام وشراب من عند ربه كرامة له، وتعقب بأنه لو كان كذلك لم يكن مواصلا، ورواية "أظل" يدل على وقوع ذلك بالنهار، فلم يكن صوما، وأجيب بأن ما يؤتى به من طعام الجنة وشرابها كرامة لا يجري عليه أحكام التكليف كغسل صدره الشريف في طست الذهب مع أن استعمال أواني الذهب الدنيوية محرم.

---

١) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الصوم، باب الوصال، ومن قال: ليس في الليل صيام (٣٧/٣) رقم الحديث: ١٩٦٣.

٢) أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط" باب الباء، من اسمه بكر (٢٧٧/٣) رقم الحديث: ٣١٣٨.

٣) المواهب اللدنية: ٤٢٣/٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقال ابن المنير: الذي يفطر شرعا إنما هو الطعام المعتاد، وأما الخارق للعادة كالمحضر من الجنة فلا، وليس تعاطيه من جنس الأعمال، وإنما هو من جنس الثواب كأكل أهل الجنة في الجنة، وأما رواية "أظل" فهي محمولة على مطلق الكون كما يقال: أضحى زيد قائما بمعنى صار، ولا يراد تخصيص ذلك بوقت الضحى، ومنه قوله تعالى: "وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثَى ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا" [١]، فإن المراد به مطلق الوقت، ولا اختصاص لذلك بنهار أو بليل، وعلى تقدير التسليم تفطيره بذلك وإن كان نهارا ممنوع؛ على أن الرواية المشهورة هو "أبيت" الدال على وقوعه ليلا دون أظل، وعلى تقدير ثبوته محمول على مطلق الكون.

وقال الأكثرون: هو مجاز عن لازم الطعام والشراب وهو القوة، وهذا الوجه يرجع إلى معنيين، إما أنه يعطى القوة من غير وجود شبع وري بل مع الجوع والعطش، أو يخلق الشبع والري أيضا بدون الطعام والشراب، ويرجح المعنى الأول بأن الثاني ينافي حال الصائم، ويفوت المقصود من الصوم والوصال؛ لأن الجوع والعطش هو روح هذه العبادة والمقصود منها، وأيضا كانت حالته الشريفة في الأكثر الجوع حتى يربط على بطنه الحجر، على ما هو المشهور.

والمختار أن المراد بالطعام والشراب الغذاء الروحاني الحاصل مما يفيض عليه ربه من المعارف ولذة مناجاته ونعيمه بحبه والشوق إليه وما تبعه من الأنوار والأسرار والأحوال التي هي غذاء القلوب ونعيم الأرواح وقرة العين وبهجة النفوس، وقد يغني هذا الغذاء عن غذاء الأجسام لما يحصل من القوة والقدرة والمسرة كما يشاهد ذلك في المحبة المجازية والمسرة الصورية، فكيف في المحبة الحقيقية المعنوية، وكيف بسيد المحبين وأفضلهم مع أعظم المحبوبين وأجلهم، ولا محبة ولا محبوبية أعلى وأرفع من ذلك، وفي مثل ذلك أنشد بعضهم:

لها أحاديث من ذكراك تشغلها عن الشراب وتلهيها عن الزاد
لها بوجهك نور تستضيء به ومن حديثك في أعقابها حاد
إذا اشتكت من كلال السير أوعدها روح القلوب فتحيا عند ميعاد. [٢]

---

١) النحل: ٥٨.
٢) المواهب اللدنية: ٣/٤٢١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

كتاب الحج

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

كتاب الحج

اعلم أن الحج[1] فريضة محكمة يثبت فرضيتها بالكتاب والسنة والإجماع؛ ولكنه قد وقع الاختلاف في أنه واجب على الفور، يعني إذا حصل شرائط الوجوب، من الزاد والرحلة وأمن الطريق، وجب أداؤها في السنة الأولى، صح التي حصلت الشرائط فيها حتى يأثم بالتأخير عند أبي يوسف.

ونقل عن أبي حنيفة ما يدل على ذلك ذكر ابن شجاع أنه سئل أبو حنيفة عمن حصل له مال مما يبلغ إلى بيت الله تعالى أيحج أو يتزوج؟ فقال: يحج، فإطلاق الجواب بتقديم الحج مع أن التزويج قد يكون واجبا في بعض الأحوال دليل على أنه واجب على الفور، لا يجوز تأخيره.[2]

وعند محمد والشافعي واجب على التراخي[3]، ولا يأثم بالتأخير؛ لكن يشترط أن لا يفوت في العمر، فلو أدى في آخر العمر ارتفع الإثم، كما أن على القول بالفور يقع أدا إن أدى في العمر، وليس بقضاء، وهي رواية عن أبي حنيفة، وقيل: الأصح عنه الرواية الأولى، فمدار القول بالفور والتراخي على عدم الإثم بالتأخير، ووجوده به مع الاتفاق على وقوعه أدا مع وجود التأخير هكذا ذكروا.

وذكر الشيخ ابن الهمام[4]: إن خاف الفوت بأن ظهرت له مخايل الموت في قلبه فأخره حتى مات أثم، وإن فجاءه الموت لا يأثم، [وصحة الأول غنية عن الوجه، وعلى

---

1) قال تعالى: الحج أشهر معلومات فمن فرض فيهن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال في الحج، الآية. [البقرة: ١٩٧.] وقال تعالى: فمن حج البيت أو اعتمر فلا جناح عليه أن يطوف بهما، الآية. [البقرة: ١٥٨.] وقال تعالى: وأتموا الحج والعمرة لله، إلى قوله: ذلك لمن لم يكن أهله حاضري المسجد الحرام، الآية. [البقرة: ١٩٦.] وقال تعالى: وأذن في الناس بالحج يأتوك رجالا وعلى كل ضامر يأتين من كل فج عميق. [الحج: ٢٧.] وقال تعالى: ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلا، الآية. [آل عمران: ٩٧.] وقال تعالى: وإذ يرفع إبراهيم القواعد من البيت وإسماعيل، إلى قوله: وأرنا مناسكنا، الآية [البقرة: ١٢٧-١٢٨.] وقال تعالى: فإذا قضيتم مناسككم، الآية. [البقرة: ٢٠٠.] (الأعظمي.)

2) فتح القدير: ٢/٤١٢.

3) الهداية: ١/١٣٢.

4) فتح القدير: ٢/٤١٣-٤١٤.

toobaa-elibrary.blogspot.com

اعتباره] قيل: يظهر الإثم من السنة الأولى، وقيل: الأخيرة، وقيل: من سنة رأى في نفسه الضعف، وقيل: يأثم في الجملة غير محكوم بمعين؛ بل علمه إلى الله تعالى.

وقد استدل على الفور بالمنقول والمعنى، فالأول حديث الحجاج بن عمرو الأنصاري: من كسر أو عرج فقد حل وعليه الحج من قابل، وهذا بناء على أن لفظة قابل متعارف في السنة الآتية التي تلي هذه السنة، وإلا فهو أعم من ذلك فلا دليل فيه.

والثاني: [هو] أن الحج لا يجوز إلا في وقت معين واحد في السنة، والموت في سنة غير نادر فتأخيره بعد التمكن في وقته تعريض له على الفوات فلا يجوز، ولذا يفسق بتأخيره ويأثم وترد شهادته، فحقيقة دليل وجوب الفور هو الاحتياط فلا يدفعه أن مقتضى الأمر المطلق جواز التأخير بشرط أن لا يخلى العمر عنه، وأنه ﷺ حج سنة عشر، وفرضية الحج كانت سنة تسع، فبعث أبا بكر رضي الله عنه حج بالناس فيها ولم يحج هو إلى القابلة، أو فرض سنة خمس، [على ما روى الإمام أحمد من حديث ابن عباس رضي الله عنهما: بعث بنو سعد بن بكر ضمام بن ثعلبة وافدا إلى رسول الله ﷺ]، فذكر له ﷺ فرائض الإسلام: الصلاة والصوم والحج.

[قال ابن الجوزي: وقد رواه شريك بن أبي نمر عن كريب فقال: فيه بعثت بنو سعد ضماما وافدا في شهر رجب سنة خمس فذكر له ﷺ فرائض الإسلام: الصلاة، والصوم، والحج، أو سنة ست، فإن تأخيره عليه الصلاة والسلام] ليس يتحقق فيه تعريض الفوات وهو الموجب للفور لأنه كان يعلم أنه يعيش حتى يحج ويعلم الناس مناسكهم تكميلا للتبليغ، وليس مقتضى الأمر المطلق جواز التأخير ولا الفور حتى يعارضه موجب الفور وهو هذا المعنى فلا يقوى قوته، بل مجرد طلب المأمور به فيبقى كل من الفور والتأخير على الإباحة الأصلية، وذلك الاحتياط يخرج عنها.

واستدل صاحب الهداية على التراخي[1] بأنه فريضة العمر وكان العمر فيه كالوقت في الصلاة، و في وقت الصلاة لا تجب الصلاة مضيقة، فكذا فيه.

ووجه القول بالفور أنه يختص بوقت خاص وهو يوم عرفة، والموت في سنة واحدة غير نادر فيتضيق احتياطا ولهذا كان التعجيل أفضل بخلاف وقت الصلاة؛ لأن الموت في مثله نادر، والحياة إلى آخر الوقت غالبة، فلا يترك الظاهر الغالب المتبادر، والله أعلم.

---

١) الهداية: ١/١٣٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

قال [١]: ولا يجوز للمرأة أن يحج بغير زوج أو محرم إذا كان بينها وبين مكة مسيرة ثلاثة إيام، وقال الشافعي: يجوز لها الحج إذا اخرجت في رفقة ومعها نساء ثقات لحصول الأمن بالمرافقة.

ولنا قوله عليه الصلاة والسلام: لا تحجن امرأة الا ومعها محرم، ولأنها بدون المحرم يخاف عليها الفتنة وتزداد بانضمام غيرها إليها، ولهذا تحرم الخلوة بالأجنبية وإن كان معها غيرها بخلاف ما إذا كان بينها وبين مكة أقل من ثلاثة أيام؛ لأنه يباح لها الخروج إلى ما دون السفر بغير محرم.

ويشكل على هذا سفر الهجرة، فإن المرأة إذا أسلمت في دار الحرب فلها أن تهاجر إلى دار السلام بغير محرم مع أن المهاجر من دار الحرب إلى دار الإسلام ليست من أركان الخمسة في الدين، وحجة الإسلام من تلك الأركان فيجب أن يجوز لها الخروج، وإن لم يكن لها محرم بطريق الأولى.

قلنا: إن المهاجرة لا تقصد سفرا لكنها تقصد النجاة ألا ترى أن العدة لا تمنعها من الخروج هناك.

وههنا لو كانت معتدة لم يكن لها أن تخرج إلى الحج، فتأثر فقد المحرم في المنع من السفر كتأثير العدة، فإذا منعت من الخروج لسفر الحج بسبب العدة، فكذلك بسبب فقد المحرم كذا ذكره في بعض شروح الهداية. [٢]

وقال الشيخ ابن الهمام [٣]: يتمسك الشافعي رحمة الله عليه بعمومة الآيات التي وردت في هذا الباب مثل "وَلِلَّهِ عَلَى ٱلنَّاسِ حِجُّ ٱلْبَيْتِ مَنِ ٱسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا" [٤]، وقوله ﷺ حجوا في حديث مسلم السابق، ولحديث عدي بن حاتم أنه ﷺ قال: يوشك أن تخرج الظعينة من الحيرة تؤم البيت لا جوار معها لا تخاف إلا الله تعالى قال عدي: رأيت الظعينة ترتحل من الحيرة حتى تطوف بالكعبة لا تخاف إلا الله تعالى. رواه البخاري، ولم يذكر لها زوجا ولا محرما.

والقياس على المهاجرة والمأسورة إذا خلصت بجامع أنه سفر واجب. قلنا: أما العمومات فقد تقيدت ببعض الشروط إجماعا كأمن الطريق فتقيد أيضا بما في الأحاديث

---

١) الهداية: ١٣٣/١.

٢) البناية شرح الهداية: ١٥٢/٤.

٣) فتح القدير: ٢/٤٢٠-٤٢١.

٤) آل عمران: ٩٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

الصحيحة كما في الصحيحين: لا تسافر امرأة ثلاثا إلا ومعها ذو محرم، وفي لفظ لهما: "فوق ثلاث" وفي لفظ للبخاري: "ثلاثة أيام". فإن قيل: هذه عامة في كل سفر فإنما تنتظم المتنازع فيه، وهو سفر الحاج بعمومه لكنه قد خص منه سفر للهاجرة والمأسورة فيخص منه سفر الحج أيضا قياسا عليه بجامع أنه سفر واجب، ويصير الداخل تحت اللفظ مرادا السفر المباح.

قلنا: لا يمكن إخراج المتنازع فيه لأن في عينه نصا يفيد أنه مراد بالعام، وهو ما رواه البزار من حديث ابن عباس: حدثنا عمرو بن علي، حدثنا أبو عاصم عن ابن جريج، أخبرني عمرو بن دينار أنه سمع معبدا مولى ابن عباس رضي الله عنهما يحدث عن ابن عباس أن رسول الله ﷺ قال: لا تحج امرأة إلا ومعها محرم، فقال رجل: يا نبي الله إني اكتتبت. في غزوة كذا وامرأتي حاجة، قال: ارجع فحج معها، وأخرجه الدارقطني أيضا عن حجاج عن ابن جريج به ولفظه: لا تحجن امرأة إلا ومعها ذو محرم، فثبت تخصيص العمومات بما روينا على أنهم خصوها بوجود الرفقة، والنساء الثقات فيما روينا أولى، وبه يظهر فساد القياس الذي عينوه لأنه يعارض النص، بل نقول: الآية العامة لا تتناول النساء حال عدم الزوج والمحرم معها لأن المرأة لا تستطيع النزول والركوب إلا مع من يركبها وينزلها، ولا يحل ذلك إلا للمحرم والزوج، فلم تكن مستطيعة في هذه الحالة فلا يتناولها النص.

وهذا هو الغالب فلا يعتبر ثبوت القدرة على ذلك في بعضهن ولو قدرت فالقدرة عليه مع أمن انكشاف شيء، مما لا يحل لأجنبي النظر إليه كعقبها ورجلها وطرف ساقها وطرف معصمها لا يتحقق إلا بالمحرم ليباشرها في هذه الحالة ويسترها، ولانتفاء وجود الجامع فيهما فإن الموجود من المهاجرة والمأسورة ليس سفرا لأنها لا تقصد مكانا معينا، بل النجاة خوفا من الفتنة، فقطعها المسافة كقطع السابح، ولذا إذا وجدت مأمنا كعسكر من المسلمين وجب أن تقر ولا تسافر إلا بزوج أو محرم.

على أنها لو قصدت مكانا معينا لا يعتبر قصدها، ولا يثبت السفر به، لأن حالها وهو ظاهر قصد مجرد التخلص يبطل عزيمتها على ما عرف في العسكر الداخل أرض الحرب، ولو سلم ثبوت سفرها فهو للاضطرار لأن الفتنة المتوقعة في سفرها أخف من المتوقعة في إقامتها في دار الحرب، فكان جوازه بحكم الإجماع على أن أخف المفسدتين يجب ارتكابها عند لزوم إحداهما.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وأما حديث عدي بن حاتم، فليس فيه بيان حكم الخروج فيه ما هو ولا يستلزمه، بل بيان انتشار الأمن، ولو كان مفيدا للإباحة كان نقيض قولهم فإنه يبيح الخروج بلا رفقة ونساء ثقات.

ثم ذكر الشيخ ابن الهمام [1] أحاديث يشكل به قول صاحب الهداية، أنه يباح لها الخروج إلى ما دون السفر بغير محرم، منها ما في الصحيحين عن قزعة عن أبي سعيد الخدري مرفوعا: لا تسافر المرأة يومين إلا ومعها زوجها أو ذو محرم منها، وأخرجا عن أبي هريرة مرفوعا: لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر أن تسافر مسيرة يوم وليلة إلا مع ذي محرم عليها، وفي لفظ لمسلم: مسيرة ليلة.

وفي لفظ: "يوم"، وفي لفظ لأبي داود: "بريدا"، وهو عند ابن حبان في صحيحه والحاكم.

وقال: صحيح على شرط مسلم، وللطبراني في معجمه: "ثلاثة أميال" فقيل له: إن الناس يقولون: ثلاثة أيام، فقال: وهموا.

قال المنذري: ليس في هذه تباين، فإنه يحتمل أنه ﷺ قالها في مواطن مختلفة بحسب الأسئلة، ويحتمل أن يكون ذلك كله تمثيلا لأقل الأعداد، واليوم الواحد أول العدد وأقله، والاثنان أول الكثير وأقله، والثلاث أول الجمع فكأنه أشار أن مثل هذا في قلة الزمن لا يحل لها السفر مع غير محرم فكيف بما زاد اهـ.

وحاصله أنه نبه بمنع الخروج أقل كل عدد على منع خروجها عن البلد مطلقا إلا بمحرم أو زوج، وقد صرح بالمنع مطلقا إن حمل السفر على اللغوي.

في الصحيحين عن أبي معبد عن ابن عباس رضي الله عنهما مرفوعا: لا تسافر المرأة إلا مع ذي محرم، والسفر لغة ينطلق على ما دون ذلك. وقد روي عن أبي حنيفة وأبي يوسف كراهة الخروج لها مسيرة يوم بلا محرم، ثم إذا كان للمذهب إباحة خروجها ما دون الثلاثة بغير محرم فليس للزوج منعها إذا كان بينها وبين مكة أقل من ثلاثة أيام، انتهى كلام الشيخ. [2]

---

1) فتح القدير: ٢/٤٢٢.

2) فتح القدير. ٢/٤٢١-٤٢٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

قال [1]: وإذا وجدت محرما لم يكن للزوج منعها، وقال الشافعي: له أن يمنعها لأن في الخروج تفويت حقه عن استيفاء حق الوطيء، وحق العبد مقدم على ما عرف، وصار كالحج الذي نذرته، له منعها منه، كذا في شرح ابن الهمام.

ولنا أن حق الزوج لا يظهر في حق الفرائض وإن امتدت، والحج منها كالصوم، وهذا لأن ملكه ملك ضعيف لا ينتهض سببا في ذلك بخلاف ملك العبد، وإنما لا يظهر في الحج المنذور لأن وجوبه بسبب من جهتها فلا يظهر الوجوب في حقه فكان نفلا في حقه، وإذا أحرمت نفلا بغير إذنه فله أن يحللها، وهو بأن ينهاها ويصنع بها أدنى ما يحرم عليها كقص ظفرها ونحوه، ومجرد نهيها لا يقع به التحليل كما لا يقع بقوله: حللتك. [2]

ولها أن تخرج مع كل محرم سواء كان بنسب أو رضاع أو مصاهرة، مسلما كان أو كافرا أو عبدها، إلا أن يعتقد حل مناكحتها كالمجوس، أو كان فاسقا أو لا يؤمن معه الفتنة أو صبيا أو مجنونا؛ لأنه لا يتأتى منهم الصيانة. [3]

قال [4]: [ثم] الآفاقي إذا انتهى إلى المواقيت على قصد دخول مكة فعليه أن يحرم قصد الحج أو العمرة أو لم يقصد عندنا، بأن قصد مجرد الرؤية والنزهة والتجارة لقوله صلى الله عليه وسلم: لا يجاوز أحد الميقات إلا محرمه.

قال الشيخ ابن الهمام [5]: روى ابن أبي شيبة في مصنفه: حدثنا عبد السلام بن حرب عن خصيف عن سعيد بن جبير عن ابن عباس رضي الله عنهما [أن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: لا يجاوز الوقت إلا بإحرام، وكذلك رواه الطبراني، وروى الشافعي في مسنده: أخبرنا ابن عيينة عن عمرو عن أبي الشعثاء أنه رأى ابن عباس رضي الله عنهما يرد من جاوز الميقات غير محرم، ورواه ابن أبي شيبة في مصنفه: حدثنا وكيع عن سفيان عن حبيب بن أبي ثابت عن ابن عباس رضي الله عنهما فذكره. وروى إسحاق بن راهويه في مسنده: أخبرنا فضيل بن عياض عن ليث بن أبي سليم عن عطاء عن ابن عباس رضي الله عنهما] قال: إذا جاوز الوقت فلم يحرم حتى دخل مكة رجع إلى الوقت فأحرم، وإن خشي

---

١) البناية: ١٣٣/٩.

٢) فتح القدير. ٤٢٢/٢.

٣) البناية: ١٣٣/٩.

٤) البناية: ١٣٤/٩ فتح القدير. ٤٢٦/٢.

٥) فتح القدير: ٤٢٦/٢-٤٢٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

إن رجع إلى الوقت فإنه يحرم ويهريق لذلك دما فهذه المنطوقات أولى من المفهوم المخالف في قوله ممن أراد الحج والعمرة إن ثبت أنه من كلامه عليه الصلاة والسلام دون كلام الراوي.

وما في مسلم والنسائي [1]: أنه عليه الصلاة والسلام دخل يوم الفتح مكة وعليه عمامة سوداء بغير إحرام، كان مختصا بتلك الساعة بدليل قوله عليه الصلاة والسلام في ذلك اليوم: مكة حرام لم تحل لأحد قبلي ولا لأحد بعدي، وإنما حلت لي ساعة من نهار ثم عادت حراما.

ولأن وجود وجوب الإحرام لتعظيم هذه البقعة الشريفة فيستوي فيه الحاج والمعتمر وغيرهما [2]، وهذا كما ترى في الشاهد ومن ترجل الراكب القاصد إلى عظيم من الخلق إذا قرب من ساحته خضوعا له، فكذا لزوم القاصد إلى بيت الله تعالى أن يحرم قبل الحلول بحضرته إجلالا له.

وفي الإحرام تشبها بالأموات، وفي ضمن جعل نفسه كالميت سلب اختياره، وإلقاء قياده متخليا عن نفسه فارغا عن اعتبارها شيئا من الأشياء فسبحان العزيز الحكيم [3]، والله تعالى جعل هذه البيت معظما مكرما إذ قال سبحانه وتعالى: "أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ" [4].

وجعل المسجد الحرام فناء له، وجعل الحرم فناء لمكة، والمواقيت فناء للحرم، فلا يجوز لأحد أن يتجاوز الميقات إلا محرما.

والشرع ورد ببيان كيفية تعظيمه بأن يحرم شعثا تفلا هاجرا للملاذ، ومتصورا بصورة العبد المسخوط عليه متعرضا عطف سيده منجليا آثار رحمته، فيجب تعظيمه بحسب ما بين الشارع، وقد ورد الأخبار والآثار في فعله كما ذكرنا.

وعند الشافعي إنما يجب الإحرام عند الميقات إذا دخل لحج أو عمرة؛ لأن الإحرام شرع لأحدهما، فإذا نوى ذلك لزمه وإلا لا.

وذكر في شروح الهداية [5]: أن من أراد دخولها لقتال، فليس عليه الإحرام عنده قولا واحدا؛ لأن النبي ﷺ دخل بغير إحرام، فإذا أراد دخولها للتجارة أو لطلب غرم فله فيه

---

1) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الحج، باب تحريم مكة وصيدها (٢/٩٨٩) رقم الحديث: ١٣٥٥. والنسائي في "سننه" كتاب مناسك الحج، باب النهي أن ينفر صيد الحرم (٥/٢١١) رقم الحديث: ٢٨٩٢.

2) الهداية: ١/١٣٤.

3) فتح القدير: ٢/٤٢٥.

4) البقرة: ١٢٥.

5) البناية شرح الهداية: ٤/١٦٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

قولان، وفي آخر قوليه: لا يلزم الإحرام؛ لأن الإحرام غير مقصود بعينه بل لأداء النسك، وكان الحرم في حقه كسائر البقاع، وذكر في بعضها: ان في آخر قولي الشافعي: ليس له ذلك وإنه لا يفرق على القولين في أنه لا يدخل أحد منهم مكة إلا محرما، والله أعلم.

وهذا الخلاف فيمن كان خارج الميقات فدخلها، ومن كان داخل الميقات، فله أن يدخل مكة بغير إحرام لحاجته؛ لأنه يكثر دخول مكة، وفي إيجاب الإحرام في كل مرة حرج بين، فصاروا كأهل مكة حيث يباح لهم الخروج منها ثم دخولها بغير إحرام لحاجتهم، بخلاف ما قصد أداء النسك لأنه يتحقق أحيانا فلا حرج، ولا خلاف في ذلك.

قال [١]: إذا أراد الإحرام مس طيبا، وعند مالك والشافعي يكره إذا تطيب بما تبقى عينه بعد الإحرام وهو قول محمد، وقيل: وكذا هو قول زفر؛ لأنه متنفع بالطيب بعد الإحرام، والنتفاع بالطيب بعد الإحرام حرام.

ولنا حديث عائشة ﵂ قالت: كنت أطيب رسول الله ﷺ لإحرامه قبل أن يحرم [٢]، والممنوع فيه التطيب؛ لأنه فعل المكلف، والأحكام إنما يتعلق به، ولم يتطيب بعد الإحرام والباقي بعده كالتابع له لاتصال به؛ لأنه لما تلطخ الطيب بده صار وصفا من أوصاف بدنه.

والشيء إذا صار وصفا لغيره يعد في المعدوم كما قلنا: في ساحته أنه إذا دخلها في ثيابه صار كالهالك، كذا هنا، بخلاف الثوب لأنه مباين عنه فلا يمكن أن يعتبر تابعا فيكون مستعملا إياه كل ساعة.

ولهذا لو حلف لا يتطيب فدام على طيب يجده لم يحنث، ولو حلف لا يلبس فدام عليه يحنث، فإن قيل روى عن النبي ﷺ: انه رأى أعرابيا عليه خلوق وهو ضرب من الطيب تابع فيه صفرة، فقال ﷺ: اغتسل عنك هذا الخلوق، قيل: هذا الحديث محمول على كون الطيب على ثوبه لا على بدنه كذا في الهداية وشروحه. [٣]

وقال الشيخ ابن الهمام في حديث عائشة [٤]: أنها قالت: كنت أطيب رسول الله ﷺ لإحرامه قبل أن يحرم، قال: في لفظ لهما: كأني أنظر إلى وبيص الطيب في مفرق رسول الله ﷺ وهو محرم، وفي لفظ لمسلم: كأني أنظر إلى وبيص المسك في مفرق رسول الله ﷺ وهو

---

١) الهداية: ١/١٣٤.

٢) أخرجه البخاري في "صحيحه" كتاب الحج، باب الطيب عند الإحرام (١٣٦/٢) رقم الحديث: ١٥٣٩.

٣) الهداية: ١/١٣٤.

٤) فتح القدير: ٢/٤٣١-٤٣٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

يلبي، وفي لفظ لهما: قالت: كان عليه الصلاة والسلام إذا أراد أن يحرم يتطيب بأطيب ما يجد، ثم أرى وبيص الطيب في رأسه ولحيته بعد ذلك، وللآخرين ما أخرج البخاري ومسلم عن يعلى بن أمية قال: أتى النبي ﷺ رجل متضمخ بطيب وعليه جبة فقال: يا رسول الله كيف ترى في رجل أحرم بعمرة في جبة بعدما تضمخ بطيب؟ فقال له عليه الصلاة والسلام: أما الطيب الذي بك فاغسله ثلاث مرات، وأما الجبة فانزعها ثم اصنع في عمرتك ما تصنع في حجك.

وعن هذا قال بعضهم: إن حل الطيب كان خاصا به عليه الصلاة والسلام لأنه فعله ومنع غيره.

ودفع بأن قوله للرجل ذلك يحتمل كونه لحرمة التطيب، ويحتمل كونه لخصوص ذلك الطيب، بأن كان فيه خلوق، فلا يفيد منعه الخصوصية، فنظرنا فإذا في صحيح مسلم في الحديث المذكور: وهو مصفر لحيته ورأسه، وقد نهى عن التزعفر لما في الصحيحين عن أنس ﷺ: أنه عليه الصلاة والسلام نهى عن التزعفر، وفي لفظ لمسلم: نهى أن يتزعفر الرجل، وهو مقدم على ما في أبي داود: أنه عليه الصلاة والسلام كان يلبس النعال السبتية ويصفر لحيته بالورس والزعفران، وإن كان ابن القطان صححه، لأن ما في الصحيحين أقوى خصوصا، وهو مانع فيقدم على المبيح.

وحينئذ فالمنع من خصوص الطيب الذي به في قوله: "أما الطيب الذي بك" إذا ثبت أنه نهى عنه مطلقا لا يقتضي المنع عن كل طيب، وقد جاء مصرحا في الحديث في مسند أحمد: قال له: اخلع عنك هذه الجبة واغسل عنك هذا الزعفران، ومما يدل على عدم الخصوصية ما في أبي داود: عن عائشة ﷺ كنا نخرج مع النبي ﷺ إلى مكة فنضمد جباهنا بالمسك المطيب عند الإحرام، فإذا عرقت إحدانا سال على وجهها فيراه النبي ﷺ فلا ينهانا، وعن الشافعي أن حديث الأعرابي منسوخ، لأنه كان في عام الجعرانة وهو سنة ثمان، [وحديث عائشة ﷺ في حجة الوداع سنة عشر].

ورئي ابن عباس رضي الله عنهما [محرما] وعلى رأسه مثل الذباب من الغالية، وقال مسلم بن صبيح: رأيت ابن الزبير محرما وفي رأسه ولحيته عن الطيب ما لو كان لرجل أعد منه رأس مال، قال المنذري: وعليه أكثر الصحابة ﷺ، قال الحازمي: وما رواه مالك عن نافع عن ابن عمر: أن عمر ﷺ وجد ريح طيب من معاوية وهو محرم، فقال له عمر: ارجع

toobaa-elibrary.blogspot.com

فاغسله، فإن عمر ﷺ لم يبلغه حديث عائشة ﷺ وإلا لرجع إليه، وإذا لم يبلغه فسنة رسول الله ﷺ بعد ثبوتها أحق أن تتبع.

وحديث معاوية هذا أخرجه البزار وزاد فيه فإني سمعت رسول الله ﷺ يقول: الحاج الشعث التفل، وللاختلاف استحبوا أن يذيب جرم المسك إذا تطيب به بماء ورد ونحوه.

قال: ولا ينبغي أن يخل بشيء من كلمات التلبية، ولو زاد فيها لجاز، خلافا للشافعي.(١)

اعلم أن التلبية إنما يكون جوابا للدعاء، فمن الداعي الذي يجيب العبد دعائه، فقيل: هو الله كما قال سبحانه: "وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى دَارِ السَّلَامِ" (٢)، وقال الله تعالى: "فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَدْعُوكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ" (٣). وقيل: الداعي رسول الله، كما قال صلى الله عليه وسلم: إن سيدا بنى دارا واتخذ مأدبة وبعث داعيا (٤)، فالسيد هو الله، والداعي محمد، والدار الجنة.

وقيل: الأظهر أن الداعي هو الخليل، كما جاء في الأخبار أنه لما فرغ من بناء البيت، أمر الله سبحانه بأن يدعو الناس إلى الحج، فصعد أبا قبيس، وقال: يا أيها الناس إن الله تعالى أمر يبيت له، وقد بنى إلا فحجوه، فبلغ الله تعالى صوته للناس في أصلاب آبائهم وأرحام أمهاتهم، فمنهم من أجاب مرة أو مرتين أو أكثر من ذلك، ذكروا هذا في تفسير قوله تعالى: "وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ"، الآية. (٥)

والتلبية على ما ورد في السنة المشهورة: لبيك اللهم لبيك لبيك لا شريك لك لبيك إن الحمد والنعمة لك والملك لا شريك لك. (٦)

والمذهب عندنا أنه لا ينبغي أن يخل بشيء من هذه الكلمات وينقص منها لأنه هو المنقول باتفاق الروايات فلا ينقص عنه، ولو زاد فيها جاز، خلافا للشافعي رحمه الله في رواية الربيع رحمه الله عنه هو اعتبره بالأذان واستشهد من حيث إنه ذكر منظوم متعين.

٭

١) الهداية: ١/١٣٥.
٢) يونس: ٢٥.
٣) إبراهيم: ١٠.
٤) أخرجه ابن عساكر في "تاريخ دمشق": ٣/٣٢.
٥) الحج: ٢٧
٦) الهداية: ١/١٣٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

ولنا أن أجلاء الصحابة كابن مسعود وابن عمر وأبي هريرة ﷺ زادوا على المأثور ولأن المقصود الثناء وإظهار العبودية فلا يمنع من الزيادة عليه، كذا في الهداية.[(١)]

وقال الشيخ ابن الهمام[(٢)]: أخرج البخاري حديث التلبية عن عائشة ﷺ قالت، إني لأعلم كيف كان رسول الله ﷺ يلبي: لبيك اللهم لبيك، لبيك لا شريك لك لبيك، إن الحمد والنعمة لك، ولم تذكر ما بعده، وأخرج النسائي عن عبد الله هو ابن مسعود مثله.

وأما التلبية على الوجه المذكور في الهداية فهو في الكتب الستة من حديث ابن عمر قال: وكان ابن عمر رضي الله عنهما يزيد فيها لبيك وسعديك، والخير بيديك والرغباء إليك والعمل، وأخرجها مسلم من قول عمر أيضا.

وزيادة ابن مسعود في مسند إسحاق بن راهويه في حديث فيه طول، وفي آخره وزاد ابن مسعود في تلبيته فقال: لبيك عدد التراب، وما سمعته قبل ذلك ولا بعده، وزيادة أبي هريرة الله أعلم بها، وإنما أخرج النسائي عنه قال: كان من تلبية النبي ﷺ: لبيك إله الخلق لبيك، ورواه الحاكم وصححه، وروى ابن سعد في الطبقات عن مسلم بن أبي مسلم قال: سمعت الحسن بن علي رضي الله عنهما يزيد في التلبية لبيك ذا النعماء والفضل الحسن.

وأخرج أبو داود عنه قال: أهل رسول الله ﷺ فذكر تلبيته المشهورة وقال: والناس يزيدون لبيك ذا المعارج ونحوه من الكلام، والنبي ﷺ يسمع فلا يقول لهم شيئا.

فقد صرح بتقريره وهو أحد الأدلة، بخلاف التشهد لأنه في حرمة الصلاة، والصلاة يتقيد فيها بالوارد لأنها لم تجعل شرعا كحالة عدمها، ولذا قلنا يكره تكراره بعينه حتى إذا كان التشهد الثاني قلنا لا تكره الزيادة بالمأثور لأنه أطلق فيه من قبل الشارع نظرا إلى فراغ أعمالها، انتهى.

قال: وإذا لبى فقد أحرم، ولا يصير شارعا في الإحرام بمجرد النية ما لم يأت بالتلبية، خلافا للشافعي رحمه الله.[(٣)]

قال الشيخ ابن الهمام: لم يعتبر مفهومه المخالف على ما عليه القاعدة من اعتباره في رواية الفقه، وذلك لأنه يصير محرما بكل ثناء وتسبيح في ظاهر المذهب إن كان يحسن التلبية

---

١) الهداية: ١٣٥/١.
٢) فتح القدير: ٤٣٧/٢.
٣) الهداية: ١٣٥/١

toobaa-elibrary.blogspot.com

ولو بالفارسية وإن كان يحسن العربية، والفرق لهما بين افتتاح الإحرام وافتتاح الصلاة مذكور في الكتاب. انتهى. [١]

ولايصير شارعا في الإحرام بمجرد النية مالم يأت بالتلبية خلافا للشافعي، فهو جعل الإحرام قاس على الصوم من حيث إنه التزام الكف عن ارتكاب المحظورات.

ومثل هذه العبادات يحصل الشروع فيها بمجرد النية كالصوم، وعلى قولنا: الإحرام قياس على الصلاة؛ لأن الإحرام لأداء الحج والعمرة وذلك يشتمل على أركان مختلفة كالصلاة، وكما لا يصير شارعا في الصلاة بالنية بدون التحريمة فكذلك بالإحرام بخلاف الصوم، فإنه ليس في الصوم إلا ركن واحد وهو الإمساك وذلك معلوم بزمانه.

وكان الوقت للصوم معيارا، ونحن نقول: الإحرام عقد على الأداء فلا بد من ذكر كما في تحريمة الصلاة ويصير شارعا بذكر يقصد به التعظيم سوى التلبية فارسية كانت أو عربية هذا هو المشهور عن أصحابنا رحمهم الله.

والفرق بينه وبين الصلاة على أصل أبي يوسف ومحمد أنه لا يصح الافتتاح في الصلاة بالفارسية أن باب الحج أوسع من باب الصلاة حتى يقام غير الذكر مقام الذكر كتقليد البدن فكذا غير التلبية وغير العربية. [٢]

قال [٣]: ولا يغطي وجهه ولا رأسه، وقال الشافعي: يجوز للرجل تغطية الوجه؛ لقوله ﷺ: إحرام الرجل في رأسه وإحرام المرأة في وجهها، أي فيكشفه.

قال الشيخ ابن الهمام [٤]: رواه الدارقطني والبيهقي موقوفا على ابن عمر، وقول الصحابي عندنا حجة إذا لم يخالف وخصوصا فيما لم يدرك بالرأي.

واستدل الشافعي أيضا بما أسنده من حديث إبراهيم بن أبي حرة عن سعيد بن جبير عن ابن عباس رضي الله عنهما، أن النبي ﷺ قال في الذي وقص: خمروا وجهه ولا تخمروا رأسه. وإبراهيم هذا وثقه ابن معين وأحمد وأبو حاتم، وأخرج الدارقطني في العلل عن ابن أبي

---

١) فتح القدير: ٤٣٧/٢.

٢) الهداية: ١٣٥/١.

٣) الهداية: ١٣٦/١.

٤) فتح القدير: ٤٤١/٢-٤٤٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

ذئب عن الزهري عن أبان بن عثمان بن عفان عن عثمان ﷺ، أن النبي ﷺ كان يخمر وجهه وهو محرم، [قال: والصواب أنه موقوف].

وروى مالك في الموطإ أنه رأى عثمان بن عفان ﷺ بالعرج يغطي وجهه وهو محرم.

ولنا قوله ﷺ: فيما أخرج مسلم والنسائي وابن ماجه عن ابن عباس رضي الله عنهما، أن رجلا وقصته راحلته، [وفي رواية: فأقعصته] وهو محرم فمات، فقال رسول الله ﷺ: اغسلوه بماء وسدر وكفنوه ولا تمسوه طيبا ولا تخمروا رأسه ولا وجهه فإنه يبعث يوم القيامة ملبيا، فأفاد أن للإحرام أثرا في عدم تغطية الوجه، وإن كان أصحابنا قالوا: لو مات المحرم يغطى وجهه لدليل آخر نذكره إن شاء الله تعالى.

ورواه الباقون ولم يذكروا فيه الوجه، فلذا قال الحاكم: فيه تصحيف فإن الثقات من أصحاب عمرو بن دينار على روايته عنه: ولا تغطوا رأسه، وهو المحفوظ.

ودفع بأن الرجوع إلى مسلم والنسائي أولى منه إلى الحاكم، [فإنه كان يهم رحمه الله كثيرا]، وكيف يقع التصحيف ولا مشابهة بين حروف الكلمتين، ثم مقتضاه أن يقتصر على ذكر الرأس وهي رواية في مسلم، لكن في الرواية الأخرى جمع بينهما فتكون تلك اقتصارا من الراوي، فيقدم على معارضه من مروي الشافعي، لأنه أثبت سندا.

وفي فتاوى قاضي خان: لا بأس بأن يضع يده على أنفه، ولا يغطي فاه ولا ذقنه ولا عارضه، فيجب حمل التغطية للرؤية عمن ذكرنا من الصحابة على مثله [يعني على أنه صلى الله عليه وسلم إنما كان يغطي أنفه بيده فوارث بعض أجزائه] إطلاقا لاسم الكل على الجزء، والله أعلم.

وقلنا: إن المراد لا يغطي وجها مع أن في الكشف فتنة فللرجل بطريق الأولى.

وفائدة ما روى الشافعي من الحديث الفرق بين الرجال والنساء في تغطية الرأس أي إحرامه في رأسه فيكشفه وإحرامها في وجهها فتكشفه، ففي جانبها قيد فقط مراد، وفي جانبه معنى لفظ أيضا مراد.

قال: ولا يلبس ثوبا مصبوغا بورس ولا زعفران ولا عصفر؛ لقوله عليه الصلاة والسلام: لا يلبس المحرم ثوبا مسه زعفران ولا ورس، إلا أن يكون غسيلا لا ينفض؛ لأن المنع للطيب لا للون. [١]

---

١) الهداية: ١٣٦/١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وورود الحديث في تحريم الورس دليل على تحريم العصفر بطريق الأولى إذا لورس دون العصفر في الرائحة إلا أن يكون غسيلا لا ينفض أي لا يظهر له رائحة كذا نقل عن محمد، وهو المناسب للتعليل بقوله: لأن المنع للطيب لا للون، ألا ترى أنه يجوز لبس المصبوغ بمعصفره لأنه ليس له رائحة طيبة للزينة، والإحرام لا يمنعها حتى قالوا: يجوز للمحرمة أن يتحلى بأنواع الحلي، وتلبس الحرير بخلاف المعتدة؛ لأنها منهية عن الزينة.

وعن محمد أيضا أن معناه لا يتعدي منه الصبغ وكلا التفسيرين صحيحان، كذا قال الشيخ ابن الهمام.[1]

وذكر في بعض شروح الهداية: النفض عند الفقهاء، التناثر فقوله: لاينفض أي لا يؤثر صنعه ولا يفرح رائحة من الطيب، والمعتبر في باب الإحرام الطيب لا اللون أما حكمه فمذكور على حدة.

وعندنا مكروه ويكره الصلاة كراهية تحريم، وعند الشافعي مباح مع تعدد الروايات في المذهبين، ولهذا قال الشافعي: لا بأس بلبس المعصفر؛ لأنه لون لا طيب له، ونقول: بل له رائحة طيبة.

قال الشيخ ابن الهمام[2]: حدثنا فهد وساقه إلى ابن عمر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تلبسوا ثوبا مسه ورس ولا زعفران إلا أن يكون غسيلا، يعني في الإحرام.

وقد روى هذا الحديث عن جماعة، ثم أخرج عن سعيد بن مسيب وطاوس والنخعي إطلاقه في الغسل، ولم يذكر في الحديث تحريم المعصفر، فقالوا: ورود الحديث في تحريم الورس دليل على تحريم المعصفر بطريق الأولى إذ الورس دون المعصفر في الرائحة.

وقد ورد ذكر المعصفر واستثناله في حديث ابن عباس في البخاري في قوله: إن الزعفران التي تردع الجلد، وجاء في حديث بن عباس: فلم ينه عن شيء من الأردية والأزر [تلبس إلا المزعفرة التي تردع الجلد]، وفي حديث أبي داود وقال ﷺ: ولتلبس بعد ذلك ما شاءت من ألوان الثياب من معصفر إلخ.

وفي موطإ مالك أن عمر ﷺ رأى على طلحة بن عبيد الله ثوبا مصبوغا وهو محرم، فقال: ما هذا الثوب المصبوغ يا طلحة؟ فقال: يا أمير المؤمنين إنما هو مدر، فقال عمر ﷺ:

---

١) فتح القدير: ٢/٤٤٢.

٢) فتح القدير: ٢/٤٤٢-٤٤٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

أيها الرهط إنكم أئمة يقتدي بكم الناس، فلو أن رجلا جاهلا رأى هذا الثوب لقال إن طلحة بن عبيد الله كان يلبس الثياب المصبغة في الإحرام فلا تلبسوا أيها الرهط شيئا من هذه الثياب المصبغة. فإن صح كونه بمحضر من الصحابة أفاد منع المتنازع فيه وغيره، ثم يخرج الأزرق ونحوه بالإجماع عليه، ويبقى المتنازع فيه داخلا في المنع، كذا في شرح ابن الهمام. (١)

قال: ولا بأس بأن يستظل بالبيت والمحمل، وقال مالك رحمه الله: يكره [أن يستظل بالفسطاط وما أشبه ذلك] لأنه يشبه تغطية الرأس. (٢)

قال الشيخ: وبه قال: أحمد، وبقولنا قال الشافعي. (٣)

ولنا: أن عثمان ﷺ كان يضرب له فسطاط في إحرامه، ولأنه لا يمس بدنه فأشبه البيت. (٤)

وقال ابن الهمام (٥): وفي مسند ابن أبي شيبة: حدثنا وكيع حدثنا الصلت عن عقبة بن صهبان قال: رأيت عثمان ﷺ بالأبطح وإن فسطاطه مضروب وسيفه معلق بالشجرة انتهى. ذكره في باب المحرم يحمل السلاح، والظاهر أن الفسطاط إنما يضرب للاستظلال، واستدل أيضا بحديث أم الحصين في مسلم: حججنا مع رسول الله ﷺ حجة الوداع فرأيت أسامة وبلالا وأحدهما آخذ بخطام ناقة رسول الله ﷺ والآخر رافع ثوبه يستره من الحر حتى رمى جمرة العقبة، الحديث.

وفي لفظ مسلم: والآخر رافع ثوبه على رأس النبي ﷺ يظله من الشمس، ودفع بتجويز كون هذا الرامي في قوله: حتى رمى جمرة العقبة، كان في غير يوم النحر في اليوم الثاني أو الثالث فيكون بعد إحلاله، [اللهم] إلا أن يثبت من ألفاظه جمرة العقبة يوم النحر، والله أعلم.

وروى ابن أبي شيبة عن عبد الله بن عامر قال: خرجت مع عمر ﷺ فكان يطرح النطع على الشجرة فيستظل به، يعني وهو محرم.

---

١) فتح القدير: ٢/٤٤٣
٢) الهداية: ١/١٣٦.
٣) فتح القدير: ٢/٤٤٤.
٤) الهداية: ١/١٣٧.
٥) فتح القدير: ٢/٤٤٤-٤٤٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

قال [1]: ولا بأس بأن يشد [في وسطه] الهميان، وقال مالك رحمه الله: يكره إذا كان فيه نفقة غيره لأنه لا ضرورة، يعني أن شد الهيمان في معنى لبس المخيط فيحرم، لكنه لما كان ضرورة لحفظ النفقة في الطريق رخص فيه.

والضرورة إنما يكون في حفظ مال نفسه فلا يرخص في حفظ مال الغير؟ فأجاب: بأنه ليس في معنى لبس المخيط؛ بل في معنى شد المنطقة والسيف والسلاح فاستوت فيه الحالتان أي نفقة نفسه ونفقة غيره.

وقال الشيخ ابن الهمام [2]: قد يقال: كراهية شد الهيمان، الكراهة ليس لذلك بل لكراهة شد الإزار والرداء بحبل أو غيره إجماعا.

وكذا عقده والهميان حينئذ من هذا القبيل، قلنا: ذاك بنص خاص سببه شبهه حينئذ بالمخيط من جهة أنه لا يحتاج إلى حفظه، وعن ذلك كره تخليل الرداء أيضا، وليس في شد الهميان هذا المعنى لأنه يشد تحت الإزار عادة، وأما عصب العصابة على رأسه فإنما كره تعصيب رأسه ولزمه إذا دام يوما كفارة للتغليظ وقالوا: لا يكره شد المنطقة والسيف والسلاح والتختم، وعلى هذا فما قدمناه من كراهة عصب غير الرأس من بدنه إنما هو لكونه نوع عبث.

قال: وركعتا الطواف واجبة عندنا، وقال الشافعي رحمه الله: سنة لانعدام دليل الوجوب، ولنا قوله عليه الصلاة والسلام: وليصل الطائف لكل أسبوع ركعتين، والأمر للوجوب.

فإن قيل: قد جاء في الحديث أن النبي ﷺ لما علم الأعرابي الصلوات الخمس، فقال: هل علي غيرهن؟ قال ﷺ: لا، إلا أن تطوع، فقد جعل النبي ﷺ ما زاد على الخمس إلا تطوعا؟ قيل: هذا الحديث متروك، والظاهر لأنا أجمعنا على وجوب صلاة الجنازة والعيد، وليس في الحديث بيانهما. كذا في الهداية وشروحها. [3]

وقال الشيخ ابن الهمام [4]: لم يعرف هذا الحديث، نعم فعله عليه الصلاة والسلام لهما ثابت في الصحيحين وجميع كتب الحديث، إلا أن مفيد الوجوب من الفعل أخص من مطلق الفعل إذ هو يفيد المواظبة المقرونة بعدم الترك مرة، وقد يثبت استدلالا بما يستقل

---

1) الهداية: ١/١٣٧.
2) فتح القدير: ٢/٤٤٥.
3) الهداية: ١/١٣٨.
4) فتح القدير: ٢/٤٥٦.

toobaa-elibrary.blogspot.com

بإثبات نفس المطلوب فيثبتان معا، وهو بما تقدم من حديث جابر الطويل أنه عليه الصلاة والسلام لما انتهى إلى مقام إبراهيم عليه الصلاة والسلام قرأ "وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى" [1]، نبه بالتلاوة قبل الصلاة على أن صلاته هذه امتثالا لهذا الأمر.

والأمر للوجوب، إلا أن استفادة ذلك من التنبيه وهو ظني، فكان الثابت الوجوب أي بالمعنى المصطلح، ويلزمه حكمنا بمواظبته من غير ترك إذ لا يجوز عليه ترك الواجب، وفي الصحيحين من حديث ابن عمر كان عليه الصلاة والسلام إذا طاف في الحج والعمرة أول ما يقدم فإنه يسعى ثلاثة أطواف ويمشي أربعا ثم يصلي سجدتين، وهو لا يفيد عموم فعله إياهما عقيب كل طواف.

وروى عبد الرزاق مرسلا أخبرنا مندل عن ابن جريج عن عطاء: أن النبي ﷺ كان يصلي لكل أسبوع ركعتين، وفي البخاري تعليقا قال إسماعيل: قلت للزهري: [إن عطاء يقول تجزيه المكتوبة من ركعتي الطواف، فقال: السنة أفضل،] لم يطف النبي ﷺ أسبوعا قط إلا صلى ركعتين، وقول شذوذ منا ينبغي أن تكونا واجبتين عقب الطواف الواجب لا غير ليس بشيء لإطلاق الأدلة.

قال: طواف القدوم، ويسمى طواف التحية، وهو سنة وليس بواجب، وقال مالك رحمه الله: إنه واجب؛ لقوله عليه الصلاة والسلام: من أتى البيت فليحيه بالطواف، ولنا أن الله تعالى أمر بالطواف حيث قال: "وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ" [2]، والأمر المطلق لا يقتضي التكرار، وقد تعين طواف الزيارة بالإجماع وفيما رواه سماه تحية وهو دليل الاستحباب. [3]

قال الشيخ ابن الهمام [4]: الحديث الذي رواه مالك غريب جدا، ولو ثبت، كان الجواب بأن هناك قرينة تصرف الأمر عن الوجوب وهو نفس مادة اشتقاق هذا الأمر وهو التحية، فإنه مأخوذ في مفهومها التبرع لأنها في اللغة عبارة عن إكرام يبدأ به الإنسان على سبيل التبرع كلفظ التطوع، فلو قال: تطوع أفاد الندب، فكذا إذا قال: حيه بخلاف قوله تعالى: "فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا" [5]، لأنه وقع جزاء لا ابتداء، فلفظة التحية فيه من مجاز المشاكلة مثل جزاء سيئة سيئة.

---

1) البقرة: ١٢٥.
2) الهداية: ١٣٩/١.
3) الحج: ٢٩.
4) فتح القدير: ٤٥٧/٢-
5) النساء: ٨٦.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وهذا هو الجواب الثاني في الكتاب، وأما الجواب الذي تضمنه الدليل القائل: إن الأمر بالطواف لا يقتضي التكرار في قوله تعالى: "وَلْيَطَّوَّفُوا" [١]، وقد تعين طواف الزيارة بالإجماع، فلا يكون غيره كذلك، فإنما يفيد لو ادعى في طواف القدوم الركنية بدعوى الافتراض لكنه ليس مدعاه.

قال: والسعي بين الصفا والمروة واجب وليس بركن، وقال الشافعي رحمه الله: إنه ركن لقوله عليه الصلاة والسلام: إن الله تعالى كتب عليكم السعي فاسعوا. [٢]

قال الشيخ ابن الهمام [٣]: روى الشافعي، قال: أخبرنا عبد الله [بن المؤمل العابدي] بإسناد له إحدى نساء بني عبد الدار قالت: رأيت رسول الله ﷺ يطوف بين الصفا والمروة والناس بين يديه، [وهو وراءهم]، وهو يسعى حتى أرى ركبتيه من شدة ما يسعى وهو يقول: اسعوا فإن الله كتب عليكم السعي، وفي إسناد هذا الحديث كلام.

وقد ثبت من طرق عديدة منها طريق الدارقطني عن ابن المبارك: أخبرني معروف بن مشكان أخبرني منصور بن عبد الرحمن عن أخته صفية قالت: أخبرني نسوة من بني عبد الدار اللاتي أدركن رسول الله ﷺ قلن دخلنا دار ابن أبي حسين فرأينا رسول الله ﷺ يطوف، إلخ.

قال صاحب التنقيح: إسناده صحيح. والجواب: أنا قد قلنا بموجبه إذ مثله لا يزيد على إفادة الوجوب، وقد قلنا به، أما الركن فإنما يثبت عندنا بدليل مقطوع به، فإثباته بهذا الحديث إثبات بغير دليل، فحقيقة الخلاف في أن مفاد هذا الدليل ماذا؟ والحق فيه ما قلنا. لأن نفس الشيء ليس إلا ركنه وحده أو مع شيء آخر.

فإذا كان ثبوت ذلك الشيء قطعيا لزم في ثبوت أركانه القطع لأن ثبوتها هو ثبوته، فإذا فرض القطع به كان ذلك للقطع بها، وتقدم مثل هذا في مسألة قراءة الفاتحة في الصلاة، انتهى هذا رد دليل الشافعي.

وأما الدليل لنا فقوله تعالى: "فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا" [٤] ومثله، يستعمل للإباحة، فينتفي الركنية والإيجاب إلا أنا عدلنا عنه في الإيجاب بالإجماع، فبقي ما وراءه على ظاهره، ثم معنى ما روى كتب استحبابا جمعا بين النص والحديث، كما في قوله تعالى: "كُتِبَ

---

١) الهداية: ١/١٣٩.
٢) الهداية: ١/١٣٩.
٣) فتح القدير: ٢/٤٦١-٤٦٢.
٤) البقرة: ١٥٨.

toobaa-elibrary.blogspot.com

عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ" الآية [١]، والمراد الاستحباب.

وقال الشيخ ابن الهمام [٢]: جواب المصنف بتأويله بمعنى كتب استحبابا كقوله تعالى: "كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ" [٣]، مناف لمطلوبه بخلاف لفظ "كتب" في الوصية للمصارف هناك انتهى.

وذكر في بعض شروح الهداية: أن أول الآية يقتضي الفرضية، وآخرها يقتضي الإباحة فجعل بين الفرض والمباح وهو الوجوب، ولأن الركنية لا تثبت إلا بدليل مقطوع به، لكن لما كان من الحجج المهجورة جعلناه واجبا ليثبت الحكم بقدر دليله، كما قلنا في الفاتحة وغيرها، فان قلت: كيف قيل لا جناح عليكم بعد ما كان من الشعائر؟ قلنا: كان على الصفا أساف وعلى المروة نائلة، وهما صنمان، ويروى أنهما كان رجلا وامرأة زنيا في الكعبة فمسخا حجرين، فوضعهما عليهما اعتبارا، فلما طالت المدة عبدهما أهل الجاهلية، فلما جاء الإسلام كره المسلمون الطواف بينهما لأجل الجاهلية، وأن يكون جناح، فرفع الله الجناح، وقال: "فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا". [٤]

قال [٥]: وإذا زالت الشمس يعني من يوم عرفة يصلي الإمام بالناس الظهر والعصر فيبتديء بالخطبة يعلم فيها الناس المناسك، يخطب خطبتين يجلس بينهما بجلسة كما في الجمعة، هكذا فعله رسول الله ﷺ، وقال مالك رحمه الله: يخطب بعد الصلاة؛ لأنها خطبة وعظ وتذكير فأشبه خطبة العيد، ولنا ما روينا ولأن المقصود منها تعليم المناسك.

قال الشيخ ابن الهمام [٦]: ولا يحضرني حديث فيه تنصيص على خطبتين كالجمعة، بل ما أفاد أنه خطب قبل صلاة الظهر من حديث جابر الطويل وحديث عبد الله بن الزبير من المستدرك، وحديث أبي داود عن ابن عمر رضي الله عنهما يفيد أنهما بعد الصلاة وقال فيه: فجمع بين الظهر والعصر ثم خطب الناس ثم راح فوقف على الموقف من عرفة، وهو حجة لمالك في الخطبة بعد الصلاة.

---

١) البقرة: ١٨٠.
٢) فتح القدير: ٤٦٢/٢.
٣) البقرة: ١٨٠.
٤) البقرة: ١٥٨.
٥) الهداية: ١٤٠/١-١٤١.
٦) فتح القدير: ٤٦٩/٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

قال عبد الحق: وفي حديث جابر الطويل أنه خطب قبل الصلاة، وهو المشهور الذي عمل به الأئمة والمسلمون، أعل هو وابن القطان حديث ابن عمر رضي الله عنه بابن إسحاق.

قال [١]: ويلبي في موقفه ساعة بعد ساعة، وقال مالك رحمه الله: يقطع التلبية كما يقف بعرفة لأن الإجابة باللسان قبل الاشتغال بالأركان، والوقوف معظم الأركان، ولنا ما روى أن النبي عليه الصلاة والسلام ما زال يلبي حتى أتى جمرة العقبة.

أخرجه الأئمة الستة في كتبهم [٢] عن الفضل بن العباس رضي الله عنهما: أن رسول الله ﷺ لم يزل يلبي حتى رمى جمرة العقبة، وقد قدمناه من حديث ابن مسعود رضي الله عنه وحلفه عليه، فزاد فيه ابن ماجه: فلما رماها قطع التلبية. [٣]

ولأن التلبية فيه كالتكبير في الصلاة فيأتي بها إلى آخر جزء من الإحرام فلا يقطع في الإحرام كالتكبير الآخر مع العقدة لأنها آخر الأحوال.

قال [٤]: والوقوف بالمزدلفة واجب عندنا وليس بركن حتى لو تركه بغير عذر يلزمه الدم، وقال الشافعي رحمه الله: إنه ركن لقوله تعالى: "فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِندَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ" [٥]، وبمثله تثبت الركنية.

قال الشيخ ابن الهمام [٦]: هذا -يعني نسبة القول بركنية الوقوف بالمزدلفة إلى الشافعي- سهو، فإن كتبهم ناطقة بأنه سنة.

وفي المبسوط ذكر الليث بن سعد مكان الشافعي، وفي الأسرار ذكر علقمة وجه الركنية قوله تعالى: "فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِندَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ" [٧]، قلنا: غاية ما يفيد إيجاب الكون في في المشعر الحرام بالالتزام لأجل الذكر ابتداء، وهذا لأن الأمر فيها إنما هو بالذكر عنده لا مطلقا فلا يتحقق الامتثال إلا بالكون عنده، فالمطلوب هو المقيد فيجب القيد ضرورة لا قصدا، فإذا أجمعنا على أن نفس الذكر الذي هو متعلق الأمر ليس بواجب انتفى وجوب

---

١) الهداية: ١٤٢/١.
٢) جامع الأصول: ٣٦٨/٣، رقم الحديث: ١٥٥٦.
٣) فتح القدير: ٤٦٧/٢.
٤) الهداية: ١٤٣/١-١٤٤
٥) البقرة: ١٩٨.
٦) فتح القدير: ٤٨٢/٢-٤٨٣
٧) البقرة: ١٩٨.

toobaa-elibrary.blogspot.com

الأمر فيه بالضرورة فانتفى الركنية والإيجاب من الآية، وإنما عرفنا الإيجاب بغيرها، وهو ما رواه أصحاب السنن الأربعة عن عروة بن مضرس قال: قال رسول الله ﷺ: من شهد صلاتنا هذه ووقف معنا حتى يدفع وقد وقف بعرفة قبل ذلك ليلا أو نهارا فقد تم حجه، قال الحاكم: صحيح على شرط كافة أهل الحديث، وهو قاعدة من قواعد أهل الإسلام ولم يخرجاه على أصلهما، لأن عروة بن مضرس [لم يرو عنه إلا الشعبي: وقد وجدنا عروة بن الزبير قد حدث عنه، ثم أخرج: عن عروة بن الزبير عن عروة بن مضرس] قال: جئت رسول الله ﷺ بالموقف فقلت: يا رسول الله أتيت من جبل طيئ أكللت مطيتي وأتعبت نفسي، والله ما بقي جبل من تلك الجبال إلا وقفت عليه، فقال: من أدرك معنا هذه الصلاة: يعني صلاة الصبح وقد أتى عرفة قبل ذلك ليلا أو نهارا فقد تم حجه وقضى تفثه، علق به تمام الحج، وهو يصلح لإفادة الوجوب لعدم القطعية.

فكيف مع حديث البخاري عن ابن عمر أنه: كان يقدم ضعفة أهله فيقفون عند المشعر الحرام بالمزدلفة بليل فيذكرون الله ما بدا لهم ثم يرجعون قبل أن يقف الإمام وقبل أن يدفع، فمنهم من يقدم منى لصلاة الفجر، ومنهم من يقدم بعد ذلك، فإذا قدموا رموا الجمرة، وكان ابن عمر يقول: رخص في ذلك رسول الله ﷺ.

وما أخرج أصحاب السنن الأربعة عن ابن عباس: كان رسول الله ﷺ يقدم ضعفة أهله بغلس ويأمرهم أن لا يرموا الجمر حتى تطلع الشمس، فإن بذلك تنتفي الركنية لأن الركن لا يسقط للعذر، بل إن كان عذر يمنع أصل العبادة سقطت كلها أو أخرت، أما إن شرع فيها فلا تتم إلا بأركانها وكيف وليست هي سوى أركانها؟ فعند عدم الأركان لم يتحقق مسمى تلك العبادة أصلا.

قال[1]: ويجوز الرمي بكل ما كان من أجزاء الأرض عندنا، خلافا للشافعي رحمه الله، فإن عنده لا يجوز الرمي إلا بالحجر اتباعا لما ورد به الأثر.

ولنا أن المقصود فعل الرمي، وذلك يحصل بالطين كما يحصل بالحجر، بخلاف ما إذا رمى بالذهب أو الفضة لأنه يسمى نثارا لا رميا، فقال أبو حفص البلخي: إنه لو رمى كفا من تراب مكان الحصى جاز؛ لأن الحصى بمنزلة الكف من التراب.

---

١) الهداية: ١/١٤٤-١٤٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقيل: الأصل فعل الخليل عليه السلام، ولم يكن الحجر بعينه مقصودا إنما مقصوده فعل الرمي طردا للشيطان فبأي شيء رمى حصل الإحصاد كالطين وغيره، وبعض الناس يقولون: إن رمى البعرة أجزأه لأن المقصود إهانة الشيطان وهي تحصل بالبعرة؛ بل أشد، هكذا في الهداية وشروحه.[1]

وقال الشيخ ابن الهمام[2]: يجوز الرمي بكل ما كان من جنس أجزاء الأرض كالحجر والطين والنورة والكحل والكبريت والزرنيخ وكف من تراب.

وظاهر إطلاقه جواز الرمي بالفيروزج والياقوت لأنهما من أجزاء الأرض، وفيهما خلاف منعه الشارحون وغيرهم بناء على أن كون المرمي به يكون الرمي به استهانة شرط، وأجازه بعضهم بناء على نفي ذلك الاشتراط وممن ذكر جوازه الفارسي في مناسكه.

وقوله بخلاف ما لو رمى بالذهب والفضة لأنه يسمى نثارا لا رميا جواب عن مقدر من جهة الشافعي: لو تم ما ذكرتم في تجويز الطين من كون الثابت معه فعل الرمي وهو المقصود من غير نظر إلى ما به الرمي لجاز بالذهب والفضة، بل وبما ليس من أجزاء الأرض كاللؤلؤ والمرجان والجوهر والعنبر والكل ممنوع عندكم.

فأجاب بأنه بالذهب والفضة يسمى نثارا لا رميا فلم يجز لانتفاء مسمى الرمي، ولا يخفى أنه يصدق اسم الرمي مع كونه يسمى نثارا، فغاية ما فيه أنه رمي خص باسم آخر باعتبار خصوص متعلقه، ولا تأثير لذلك في سقوط اسم الرمي عنه ولا صورته.

وأيضا فهو جواب قاصر إذ لا يعم ما ذكرنا مما ليس من أجزاء الأرض، اللهم إلا أن يدعي ثبوت اسم النثار أيضا فيما باللؤلؤ والعنبر أيضا وهو غير بعيد، وحينئذ يكون فيه ما ذكرنا من أنه يصدق اسم إلخ، ولو غير أصل الجواب إلى اشتراط الاستهانة اندفع الكل لكنه يطالب بدليل اعتباره، وليس فيه سوى ثبوت فعله عليه الصلاة والسلام بالحجر إذ لا إجماع فيه، وهو لا يستلزم بمجرده التعيين كرميه من أسفل الجمرة لا من أعلاها وغيره، ولو استلزمه تعين الحجر وهو مطلوب الخصم، ثم لو تم نظر إلى ما أثر من أن الرمي رغما للشيطان إذ أصله رمي نبي الله عند الجمار لما عرض له عندها للإغواء بالمخالفة استلزم جواز الرمي بمثل الخشبة والرثة والبعرة وهو ممنوع، على أن أكثر المحققين على أنها أمور تعبدية لا يشتغل بالمعنى فيها.

١) الهداية: ١/١٤٥.

٢) فتح القدير: ٢/٤٨٨-٤٨٩.

toobaa-elibrary.blogspot.com

والحاصل أنه إما أن يلاحظ بمجرد الرمي أو مع الاستهانة أو خصوص ما وقع منه عليه الصلاة والسلام، والأول يستلزم الجواز بالجواهر، والثاني بالبعرة والخشبة التي لا قيمة لها، والثالث بالحجر خصوصا، فليكن هذا أولى لكونه أسلم، والله أعلم.

قال[1]: ثم يذبح، ثم يحلق أو يقصر، والحلق أفضل، وقد حل له كل شيء إلا النساء، وقال مالك رحمه الله وإلا الطيب أيضا؛ لأنه من دواعي الجماع، ولنا قوله عليه الصلاة والسلام: فيه حل له كل شيء إلا النساء، وهو مقدم على القياس.

قال الشيخ ابن الهمام [2]: هذا يفيد أن ما استدل به مالك قياس وإن لم يذكر أصله على ما ذكرنا من أنه قد يترك ذكره كثيرا إذا كان أصله ظاهرا أو له أصول كثيرة وهنا كذلك.

وحاصله: الطيب من دواعي المحرم وهو الجماع فيحرم قياسا على المس بشهوة في الاعتكاف والاستبراء فأجاب بأنه في معارضة النص لكن قد استدل لمالك بحديث رواه الحاكم في المستدرك عن عبد الله بن الزبير قال: من سنة الحج إذ رمى الجمرة الكبرى، حل له كل شيء حرم عليه إلا النساء والطيب حتى يزور البيت، وقال: على شرطهما انتهى. وقول الصحابي من السنة حكمه الرفع.

وعن عمر ﷺ بطريق منقطع أنه قال: إذا رميتم الجمرة فقد حل لكم ما حرم إلا النساء والطيب، ذكره وانقطاعه في الإمام.

ولنا ما أخرج النسائي وابن ماجه عن ابن عباس قال: إذا رميتم الجمرة فقد حل لكم كل شيء إلا النساء فقال رجل والطيب فقال أما أنا فقد رأيت رسول الله ﷺ يضمخ رأسه بالمسك أفطيب هو أم لا، وأما ما في الكتاب فهو ما أخرج ابن أبي شيبة: حدثنا وكيع عن هشام بن عروة عن عروة عن عائشة ﷺ عنه عليه الصلاة والسلام: إذا رمى أحدكم جمرة العقبة فقد حل له كل شيء إلا النساء، ورواه أبو داود بسند فيه الحجاج بن أرطاة، والدارقطني بسند آخر هو فيه أيضا قال: إذا رميتم وحلقتم وذبحتم، وقال لم يروه إلا الحجاج بن أرطاة.

وفي الصحيحين عن عائشة ﷺ قالت: طيبت رسول الله ﷺ لإحرامه قبل أن يحرم ويوم النحر قبل أن يطوف بالبيت بطيب فيه مسك، وأخرجه مسلم عن عمرة عنها قالت: طيبته عليه الصلاة والسلام لحرمه حين أحرم ولحله قبل أن يفيض.

---

١) الهداية: ١/١٤٥.
٢) فتح القدير: ٢/٤٩١-٤٩٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

قال[١]: ثم يأتي مكة، فيطوف بالبيت طواف الزيارة، ثم يعود إلى منى، فيقيم بها، فإذا زالت الشمس من اليوم الثاني من أيام النحر رمى الجمار الثلاث، وإذا كان من الغد هو اليوم الثالث من أيام النحر رمى الجمار الثلاث بعد زوال الشمس كذلك، وإن أراد أن يتعجل النفر نفر إلى مكة بعد الرمي؛ ويلقب هذا اليوم بيوم النفر الأول، وإن أراد أن يقيم رمى الجمار في اليوم الرابع أيضا بعد زوال الشمس، ثم ينفر، ويسمى يوم النفر الثاني وهو المراد بقوله تعالى: "فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلا إِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلا إِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقَى". [٢] والأفضل أن يقيم لأن النبي ﷺ صبر حتى رمى الجمار في اليوم الرابع.

وقد خير في هذا الموضع بين الفاضل والمفضول كما في للمسافر خير بين الصوم والفطر؛ مع أن صومه أفضل.

وإذا طلع الفجر من اليوم الرابع لم يكن له أن ينفر حتى يرمي لدخول وقت الرمي، وفيه خلاف الشافعي، فإن عنده إذا غربت الشمس من اليوم الثالث ليس له أن ينفر حتى يرمي، قال: لأن المنصوص عليه الخيار في اليوم وإنما يمتد اليوم إلى الغروب. [٣]

وقلنا: ليس الليل وقتا لرمي اليوم الرابع فيكون خياره في النفر باقيا فيه كما قبل الغروب من الثالث فإنه خير فيه في النفر لأنه لم يدخل وقت رمي الرابع، بخلاف مابعد طلوع الفجر من اليوم الرابع لأنه وقت الرمي فلا يبقى خياره بعده، ولو رمى في اليوم الرابع قبل الزوال جاز عند أبي حنيفة، وقالا: لايجوز.

قال[٤]: ويكره أن لا يبيت بمنى ليالي الرمي؛ لأن النبي ﷺ بات بها، وعمر ﷺ كان يؤدب على ترك المقام بها، ولو بات في غيرها متعمدا لا يلزمه شيء عندنا، خلافا للشافعي رحمه الله؛ لأنه وجب عنده، ثم قيل: يلزمه بترك مبيت ليلة مد ومدان لاثنين ودم لثلاث.

وقلنا: لأنه إنما وجب لأنه وجب ليسهل عليه الرمي في أيامه فلم يكن من أفعال الحج فتركه لا يوجب الجابر، لأن البيتوتة غير مقصودة؛ بل هي تبع للرمي في هذه الأيام، فتركها لا يوجب الأساءة كالبيتوتة بالمزدلفة ليلة النحر، وفعله عليه السلام لا يدخل على الوجوب، كذا في الهداية وشروحه.

---

١) الهداية: ١/١٤٥-١٤٦.
٢) البقرة: ٢٠٣.
٣) فتح القدير: ٢/٤٩٩
٤) الهداية: ١/١٤٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقال الشيخ ابن الهمام [١]: قوله وجب بمعنى ثبت إذ هو سنة عندنا يلزم بتركه الإساءة على ما يفيده لفظ الكافي حيث استدل بأن العباس ﷺ استأذن النبي ﷺ في أن يبيت بمكة ليالي منى من أجل سقايته فأذن له، ثم قال: ولو كان واجبا لما رخص في تركها لأجل السقاية انتهى.

فعلم أنه سنة، وتبعه صاحب النهاية، وبحديث العباس هذا استدل ابن الجوزي للشافعي على الوجوب وقال: ولولا أنه واجب لما احتاج إلى إذن وليس بشيء إذ مخالفة السنة عندهم كان مجانبا جدا خصوصا إذا انضم إليها الانفراد عن جميع الناس مع الرسول ﷺ، فاستأذن لإسقاط الإساءة الكائنة بسبب عدم موافقته عليه الصلاة والسلام مع مرافقته فإنه أفظع منه حال عدم المرافقة، بل هو جفاء لما فيه من إظهار المخالفة المستلزمة لسوء الأدب، وذلك أنه ﷺ كان يبيت بمنى على ما قدمناه من حديث عائشة ﷺ أنه عليه الصلاة والسلام مكث بمنى ليالي أيام التشريق يرمي الجمرة إذا زالت الشمس، ونفس حديث العباس ﷺ يفيده، وما ذكره المصنف من أن عمر ﷺ كان يؤدب على ترك المبيت بمنى الله سبحانه أعلم به.

نعم أخرج ابن أبي شيبة عنه أنه كان ينهى أن يبيت أحد من وراء العقبة، وكان يأمرهم أن يدخلوا منى. وأخرج أيضا عن ابن عباس رضي الله عنهما نحوه. وأخرج أيضا عن ابن عمر رضي الله عنهما أنه كره أن ينام أحد أيام منى بمكة. وأخرج في تقديم الثقل عن الأعمش عن عمارة قال: عمر ﷺ: من قدم ثقله من منى ليلة ينفر فلا حج له. وفي رواية قال: من قدم ثقله قبل النفر فلا حج له: يعني الكمال.

قال[٢]: ثم دخل مكة ويطوف طواف الوداع، ويسمى طواف الوداع، وهو واجب عندنا خلافا للشافعي؛ فإنه غير واجب عنده، يقول: لو كان واجبا يعم المكي وغيره ولا وداع للمكي.

وعندنا هو واجب على غير أهل مكة، وهم لا يصدرون ولا يودعون لقوله عليه السلام من حج البيت فليكن آخر عهده بالبيت الطواف.

قال الشيخ ابن الهمام[٣]: أخرج الترمذي عنه عليه الصلاة والسلام من حج البيت فليكن آخر عهده بالبيت، إلا الحيض فرخص لهن رسول الله ﷺ، قال حسن صحيح.

---

١) فتح القدير: ٢/٥٠١-٥٠٢.

٢) الهداية: ١/١٤٨.

٣) فتح القدير: ٢/٥٠٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وفي الصحيحين عن ابن عباس رضي الله عنهما أمر الناس أن يكون آخر عهدهم بالبيت إلا أنه خفف عن المرأة الحائض لا يقال: أمر ندب بقرينة المعنى وهو أن المقصود الوداع. لأنا نقول: ليس هذا يصلح صارفا عن الوجوب لجواز أن يطلب حتما لما في عدمه من شائبة عدم التأسف على الفراق، وشبه عدم المبالاة به على أن معنى الوداع ليس مذكورا في النصوص، بل أن يجعل آخر عهدهم بالطواف فيجوز أن يكون معلولا بغيره مما لم نقف عليه، ولو سلم فإنما تعتبر دلالة القرينة إذا لم يفقها ما يقتضي خلاف مقتضاها، وهنا كذلك فإن لفظ الترخيص يفيد أنه حتم في حق من لم يرخص له لأن معنى عدم الترخيص في الشيء هو تحتيم طلبه إذ الترخيص فيه هو إطلاق تركه فعدمه عدم إطلاق تركه، ومما يفيد أيضا أن الأمر على حقيقته من الوجوب ما وقع في صحيح مسلم كان الناس ينصرفون في كل وجه، فقال رسول الله ﷺ: لا ينصرفن أحد حتى يكون آخر عهده بالبيت، فهذا النهي وقع مؤكدا بالنون الثقيلة، وهو يؤكد موضوع اللفظ، والله سبحانه أعلم.

وليس على أهل مكة، وكذا من اتخذ مكة دارا ثم بدا له الخروج ليس عليهم طواف[١]، وقال أبو يوسف: أحب إلى أن يطوف المكي طواف الصدور؛ لأنه وضع لختم أفعال الحج، وهذا المعنى يوجد في أهل مكة.

قال[٢]: وأول وقت الوقوف بعرفة بعد الزوال عندنا، لما روى أن النبي ﷺ وقف بعد الزوال، وهذا بيان أول الوقت، وقال عليه الصلاة والسلام: من أدرك عرفة بليل فقد أدرك الحج ومن فاته عرفة بليل فقد فاته الحج، وهذا بيان آخر الوقت، ومالك رحمه الله إن كان يقول إن أول وقته بعد طلوع الفجر أو بعد طلوع الشمس، فهو محجوج عليه بما روينا، كذا في الهداية. [٣]

وقال الشيخ ابن الهمام: [٤] وحجة مالك قوله عليه السلام: الحج عرفة، فمن وقف بعرفة ساعة من ليل أو نهار فقد تم حجه، وحديث عروة بن مضرس الذي تقدم قال، قال رسول الله ﷺ: من شهد صلوتنا هذه ووقف معنا حتى يدفع وقد وقف بعرفة قبل ذلك ليلا أو نهارا فقد تم حجه.

---

١) الهداية: ١٤٨/١.
٢) الهداية: ١٤٨/١.
٣) الهداية: ١٤٨/١.
٤) فتح القدير: ٥٠٩/٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وحاصل حجة المصنف أن فعله عليه الصلاة والسلام كان من الزوال، وهو وقع بيانا لوقت الوقوف الذي دلت الإشارة على افتراضه في قوله تعالى: "فَإِذَا أَفَضْتُم مِّنْ عَرَفَاتٍ"[١] وعليه أن يقال: إنما يلزم لو لم يثبت غير ذلك الفعل، فأما إذا ثبت قول أيضا فيه يصرح بأن وقته لا يقتصر على ذلك القدر عرف به أن فعله كان بيانا لسنة الوقوف الأولى فيه، ويثبت بالقول بيان أصل الوقت المباح وغيره، فقول ابن عمر رضي الله عنهما للحجاج حين زالت الشمس: الساعة إن أردت السنة.

وكذا قول سالم بن عمر: أن أردت السنة فجر المراد السنة الإصطلاحية في عرف الفقهاء، ألا ترى أنه لا يتعين الذهاب إلى الموقف من ذلك الوقت بل لو أخره جاز.

وأفاض من ساعة أجزأه عندنا، لأنه عليه السلام ذكر بكلمة "أو" فإنه قال: الحج عرفة فمن وقف بعرفات ساعة من ليل أو نهار فقد تم حجه، وهي كلمة التخيير، وقال: مالك لا يجزيه، وإلا أن يقف في اليوم وجزء من الليل أو النهار، والحجة عليه ما رويناه وهو قوله عليه السلام من ليل أو نهار.[٢]

قال الشيخ ابن الهمام[٣]: التحرير في العبارة أن يقال: وقال مالك: لا يجزيه إن وقف من النهار إلا أن يقف معه جزءا من الليل، وهذا لأنه إذا لم يقف إلا من الليل أجزأه عنده.

والحاصل أنه يلزم الجمع بين جزء من الليل مع جزء من النهار لمن وقف بالنهار وهو بأن يفيض بعد الغروب، وملجؤه فعله ﷺ. ووجه الاستدلال به مثل ما قلنا معه في أن أول الوقت من الزوال.

ويرد عليه هنا مثل ما أوردناه علينا من جهته هناك، وهو أنه قد ثبت قول يفيد عدم تعين ذلك، وبه يقع البيان كالفعل فتحمل الإفاضة بعد الغروب على أنه السنة الواجبة، وقبله على أنه الركن بالقول المذكور مع ترك الواجب.

قال [٤]: والبدن من الإبل والبقر، وقال الشافعي رحمه الله من الإبل خاصة لقوله عليه الصلاة والسلام في حديث الجمعة فالمتعجل منهم كالمهدي بدنة والذين يليه كالمهدي بقرة فصل بينهما.

---

١) البقرة: ١٩٨.

٢) الهداية: ١٤٨/١.

٣) فتح القدير: ٥٠٩-٥١٠.

٤) الهداية: ١٥٠/١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

ولنا أن البدنة تنبئ عن البدانة وهي الضخامة وقد اشتركا في هذا المعنى ولهذا يجزئ كل واحد منهما عن سبعة والصحيح من الرواية في الحديث كالمهدي جزورا والله تعالى أعلم بالصواب.

قال الشيخ ابن الهمام [1]: هذا خلاف في مفهوم لفظ البدنة إما في أنه هل هو في اللغة كذلك أو لا فقلنا نعم ونقلنا كلام أهل اللغة فيه. قال الخليل: البدنة ناقة أو بقرة تهدى إلى مكة. قال النووي: هو قول أكثر أهل اللغة.

وقال الجوهري: البدنة ناقة أو بقرة. وإما في أنه في اللغة كذلك اتفاقا، ولكنه هل هو في الشرع على المفهوم منه لغة؟ لم ينقل عنه أو لا فقلنا نعم

وقال الشافعي: لا، فإذا طلب من المكلف بدنة خرج عن العهدة بالبقرة كما يخرج بالجزور. وعنده لا يخرج إلا بالجزور، له قوله عليه الصلاة والسلام من اغتسل يوم الجمعة ثم راح في الساعة الأولى فكأنما قرب بدنة، ومن راح في الساعة الثانية فكأنما قرب بقرة، الحديث متفق عليه.

فقول المصنف والصحيح من الرواية في الحديث كالمهدي جزورا غير صحيح، بل هي أصح لأنها متفق عليها، ورواية الجزور في مسلم فقط ولفظه أنه عليه الصلاة والسلام قال: على كل باب من أبواب المسجد ملك يكتب الأول فالأول مثل الجزور، ثم صغر إلى مثل البيضة الحديث.

بل الجواب أن التخصيص باسم خاص لا ينفي الدخول باسم عام، وغاية ما يلزم من الحديث أنه أراد بالاسم الأعم في الأول وهو البدنة خصوص بعض ما يصلح له وهو الجزور، لا كل ما يصدق عليه بقرينة إعطاء البقرة لمن راح في الساعة الثانية في مقام إظهار التفاوت في الأجر للتفاوت في المسارعة، وهذا لا يستلزم أنه في الشرع خصوص الجزور إلا ظاهرا بناء على إرادة الأخص بخصوصه بالأعم لكن يلزمه النقل.

والحكم باستعمال لفظ في خصوص بعض ما صدقاته مع الحكم ببقاء ما استقرله على حاله أسهل من الحكم بنقله عنه بسبب استعمال من الاستعمالات من غير كثرة فيه عند تعارض الحكمين ولزوم أحدهما مع أنه قد ثبت من لسان أهل العرف الذي يدعي نقله

---

1) العناية ٢/٥١٧-٥١٨.

toobaa-elibrary.blogspot.com

إليه خلافه في حديث جابر: كنا ننحر البدنة عن سبعة، فقيل: والبقرة؟ فقال: وهل هي إلا من البدن، ذكره مسلم في صحيحه، انتهى.

قال[1]: القران أفضل من التمتع والإفراد، وقال الشافعي: والإفراد أفضل، وقال مالك: التمتع أفضل من القران.

وصفة القران أن يهل بالحج والعمرة معا، ونقول: أللهم إني أريد الحج والعمرة، فيسرهما لي، وصفة التمتع أن يحرم للعمرة ويدخل مكة ويعتمر، فإن ساق هديا بقي على إحرامه وإن لم يسق يحل ثم يحرم للحج، فيحصل له النسكين، والمفرد من تفرد الحج والعمرة وحده.

وقد اختلف أقوام أن رسول الله ﷺ كان قارنا أو متمتعا أو مفردا وطال الكلام، والخلاف فيه، وغلط بعضهم في ذلك حتى طعن بعض الملاحة على المسلمين، وقالوا: عجبا منكم يا معاشر المسلمين لم تحققوا ولم تضبطوا فعل نبيكم، واختلفتم في ذلك اختلافا كثيرا مع هذه الكثرة كانت فيكم، ولم يدروا أن الكثرة هي الباعث على عدم التحقيق والضبط.

وذكره الشيخ ابن الهمام مفصلا وحقق كما هو عادته في تحقيق الكلام وتحصيل المرام وتطبيق الروايات.[2]

وكذلك الشيخ مجد الدين في سفر السعادة[3]، وقال: قد غلط فيه قوم، واختلفت الأئمة في تفضيل أحد هذه الأمور الثلثة، فقال أبو حنيفة وأتباعه أن القران أفضل ثم التمتع ثم الإفراد.

ولا شبهة أن الأفضل هو ما ثبت من فعل النبي ﷺ ومع ذلك أبدعوا وجوها معقولة فقال الشافعي: الإفراد أفضل لأن فيه زيادة التلبية والسفر والحلق.

وقال مالك: التمتع أفضل من القران؛ لأن له ذكرا في القرآن، ولا ذكر للقران فيه، هكذا قال في الهداية[4]، ولكن في رسالة ابن أبي زيد في مذهب مالك[5]: أن الإفراد بالحج أفضل من التمتع والقران.

---

1) الهداية: ١/١٥٠.
2) فتح القدير: ٢/٥١٨.
3) سفر السعادة: ١٤٠-١٤٢.
4) الهداية: ١/١٥٠.
5) رسالة ابن أبي زيد: ٥٦.

toobaa-elibrary.blogspot.com

ومذهبنا أن القران أفضل لأن فيه جمعا بين العبادتين فأشبه الصوم مع الاعتكاف والحراسة في سبيل الله مع صلاة الليل.

وقال الشيخ ابن الهمام[١]: أنت تعلم أن الجمع بين النسكين في الأداء متعذر، بخلاف الصوم مع الاعتكاف والحراسة مع الصلاة، وإنما الجمع بينهما حقيقة في الإحرام وليس هو من الأركان عندنا بل شرط فلا يتم التشبيه.

وأيضا علمت أن موضع الخلاف ما إذا أتى بالحج والعمرة، لكن أفرد كلا منهما في سفرة واحدة يكون القران وهو الجمع بين إحراميهما أفضل، فملاقاة التشبيه تكون على تقدير أن الإنسان إذا صام يوما بلا اعتكاف ثم اعتكف يوما آخر بلا صوم أو حرس ليلة بلا صلاة وصلى ليلة بلا حراسة يكون الجمع بينهما في يوم وليلة أفضل، وهذا ليس بضروري فيحتاج إلى البيان ولا يكون إلا بسمع لأن تقدير الأثوبة والأفضلية لا يكون إلا به.

وقوله: "والتلبية غير محصورة" جواب عن دليل الشافعي يعني لا يلزم زيادتها في الإفراد على القران لأنها غير محصورة ولا مقدر لكل نسك قدر منها فيجوز زيادة تلبية من قرن على من أفرد كما يجوز قلبه "والسفر غير مقصود" إلا للنسك فهو في نفسه غير عبادة وإن كان قد يصير عبادة بنية النسك به فلا يبعد أن يعتبر نفس النسك الذي هو أقل سفرا أفضل من الأكثر سفرا لخصوصية فيه اعتبرها الشارع، فإن ظهرنا عليها وإلا حكمنا بالأفضلية تعبدا، وقد علمنا الأفضلية بالعلم بأنه قرن لظهور أنه لم يكن ليعبد الله تعالى هذه العبادة الواجبة التي لم تقع له في عمره إلا مرة واحدة إلا على أكمل وجه فيها "والحلق خروج عن العبادة" فلا يوجب زيادته بالتكرر زيادة أفضلية ما لم يتكرر فيه كما قلنا فيما قبله "والمقصد بما روي" أي بالرخصة فيما روي القران رخصة لو صح "نفي قول أهل الجاهلية: العمرة في أشهر الحج من أفجر الفجور" فكان تجويز الشرع إياها في أشهر الحج حتى لا يحتاج إلى وقت آخر ألبتة رخصة إسقاط فكان أفضل، فإن رخصة الإسقاط هي العزيمة في هذه الشريعة حيث كانت نسخا للشرع المطلوب رفضه، وأقل ما في الباب أن يكون أفضل لأن في فعله بعد تقرر الشرع للمطلوب إظهاره ورفض المطلوب رفضه، وهو أقوى في الإذعان والقبول من مجرد اعتقاد حقيته وعدم فعله.

---

١) فتح القدير: ٢/٥٢٣-٥٢٤.

toobaa-elibrary.blogspot.com

قال الشيخ ابن الهمام: وهذا من الخصوصيات، وكثير في هذا الشرح من فضل الله تعالى مثله إذا تتبع، ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم انتهى كلام الشيخ.[1]

وقوله وللقران ذكر في القرآن، جواب عن قول مالك للتمتع ذكر في القرآن ولا ذكر للقران فيه فقال بل فيه وهو قوله تعالى "وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ"[2] على ما روينا من قول ابن مسعود ﷺ: إتمامها أن تحرم بهما من دويرة أهلك، وعلى ما قدمناه من الخلافية نفس ذكر التمتع ذكر القران لأنه نوع منه فذكره ذكر كل من أنواعه ضمنا.

قال [3]: ويطوف القارن ويسعى، وهذه أفعال العمرة ثم يبدأ بأفعال الحج، وقال الشافعي رحمه الله يطوف طوافا واحدا ويسعى سعيا واحدا لقوله عليه الصلاة والسلام: دخلت العمرة في الحج إلى يوم القيامة، ولأن مبنى القران على التداخل حتى اكتفي فيه بتلبية واحدة وسفر واحد وحلق واحد فكذلك في الأركان.

ولنا أنه لما طاف صبي بن معبد طوافين وسعى سعيين قال له عمر ﷺ هديت لسنة نبيك ولأن القران ضم عبادة إلى عبادة وذلك إنما يتحقق بأداء عمل كل واحد على الكمال ولأنه لا تداخل في العبادات المقصودة والسفر للتوسل والتلبية للتحريم والحلق للتحلل فليست هذه الأشياء بمقاصد بخلاف الأركان ألا ترى أن شفعي التطوع لا يتداخلان وبتحريمة واحدة يؤديان ومعنى ما رواه دخل وقت العمرة في وقت الحج .

قال الشيخ ابن الهمام [4]: هذا الجواب متوقف على صحة حديث صبي بن معبد على النص الذي ذكره المصنف، والذي قدمناه من تصحيحه في أدلة القران إنما نصه عن الصبي قال: أهللت بهما معا، فقال عمر ﷺ: هديت لسنة نبيك، وفي رواية أبي داود والنسائي عن الصبي بن معبد قال: كنت رجلا أعرابيا نصرانيا فأسلمت، فأتيت رجلا من عشيرتي يقال له هذيم بن ثرملة فقلت: يا هناه إني حريص على الجهاد وإني وجدت الحج والعمرة مكتوبتين علي فكيف لي بأن أجمع بينهما؟ فقال لي: اجمعهما واذبح ما استيسر من الهدي، فأهللت فلما أتيت العذيب لقيني سلمان بن ربيعة وزيد بن صوحان وأنا أهل بهما معا، فقال أحدهما للآخر: ما هذا بأفقه من بعيره، قال: فكأنما ألقي علي جبل حتى أتيت

---

1) فتح القدير: ٥٢٤/٢.

2) البقرة: ١٩٦.

3) الهداية: ١٥١/١.

4) فتح القدير: ٥٢٦/٢-٥٢٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

عمر بن الخطاب فقلت: يا أمير المؤمنين إني كنت رجلا أعرابيا نصرانيا وإني أسلمت وإني حريص على الجهاد، وإني وجدت الحج والعمرة مكتوبتين علي، فأتيت رجلا من قومي فقال لي اجمعهما واذبح ما استيسر من الهدي، وإني أهللت بهما جميعا، فقال عمر رضي الله عنه: هديت لسنة نبيك ﷺ، انتهى.

وليس فيه أنه قال له ذلك عقيب طوافه وسعيه مرتين، لا جرم أن صاحب المذهب رواه على النص الذي هو حجة، وإنما قصره للمصنف. وذلك أن أبا حنيفة رضي الله عنه روى عن حماد بن أبي سليمان عن إبراهيم عن الصبي بن معبد قال: أقبلت من الجزيرة حاجا قارنا فمررت بسلمان بن ربيعة وزيد بن صوحان وهما منيخان بالعذيب، فسمعاني أقول: لبيك بحجة وعمرة معا، فقال أحدهما: هذا أضل من بعيره، وقال الآخر: هذا أضل من كذا وكذا، فمضيت حتى إذا قضيت نسكي مررت بأمير المؤمنين عمر رضي الله عنه، فسأله إلى أن قال فيه: قال يعني عمر له: فصنعت ماذا؟ قال: مضيت فطفت طوافا لعمرتي وسعيت سعيا لعمرتي ثم عدت ففعلت مثل ذلك لحجي، ثم بقيت حراما ما أقمنا أصنع كما يصنع الحاج حتى قضيت آخر نسكي، قال: هديت لسنة نبيك ﷺ، وأعاده، وفيه: كنت حديث عهد بنصرانية فأسلمت فقدمت الكوفة أريد الحج، فوجدت سلمان بن ربيعة وزيد بن صوحان يريدان الحج، وذلك في زمان عمر بن الخطاب، فأهل سلمان وزيد بالحج وحده وأهل الصبي بالحج والعمرة فقالا: ويحك تمتع وقد نهى عمر عن المتعة، والله لأنت أضل من بعيرك فسأله.

ولقد جاء الشيخ بأخبار وآثار في الاكتفاء بطواف واحد وتكلم في أسانيدها ثم أثبت مذهبه كما هو طريقته والله أعلم.

قال [1]: وعلى القارن دم القران، وإن لم يكن له ما يذبح صام ثلاثة أيام في الحج آخرها يوم عرفة وسبعة أيام إذا رجع إلى أهله، وإن صامها بمكة بعد فراغه من الحج جاز، ومعناه بعد مضي أيام التشريق لأن الصوم فيها منهي عنه، وقال الشافعي: لا يجوز لأنه متعلق بالرجوع إلا أن ينوي المقام، فحينئذ يجزيه لتعذر الرجوع.

ولنا أن معناه رجعتم عن الحج أي فرغتم إذ الفراغ سبب الرجوع إلى أهله فكان الأداء بعد السبب فيجوز.

---

١) الهداية: ١/١٥٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وهذه المسألة هى المشار إليها بقوله تعالى: "فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ".(١)

وأمثال هذه المسألة من باب الحج غير مانوسة بالفهم يبقى الإبهام فيها، ولكن لما التزمنا ذكر الخلافيات لم يكن بد من ذكرها، وذكر أمثالها استيفاء للمقصود،

والمسألة الآتية وهو قوله (٢): فإن فاته الصوم حتى أتى يوم النحر لم يجزه إلا الدم، وقال الشافعي رحمه الله يصوم بعد هذه الأيام لأنه صوم موقت فيقضي كصوم رمضان وقال مالك رحمه الله يصوم فيها لقوله تعالى: "فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ" (٣) وهذا وقته.

ولنا: النهي المشهور عن الصوم في هذه الأيام فيتقيد به النص أو يدخله النقص فلا يتادى به ما وجب كاملا "ولا يؤدى بعدها" لأن الصوم بدل والأبدال لا تنصب إلا شرعا والنص خصه بوقت الحج وجواز الدم على الأصل.

قال (٤): الإشعار مكروه عند أبي حنيفة وعندهما حسن، وعند الشافعي سنة الإشعار هو الإدماء بالجرح لغة، وصفته أن يشق سنامها بأن يطعن في أسفل السنام من الجانب الأيمن والأيسر، وهو الأشبه ويلطخ سنامها بالدم إعلاما بأنه هدى.

وهذا الصنع مكروه عند أبي حنيفة، وعندهما حسن، وعند الشافعي سنة، لأنه مروى عن النبي ﷺ وعن الخلفاء الراشدين، ولهما أن المقصود من التقليد أن لا يهاج إذا ورد ماء أو كلأ أو يرد إذا ضل وأنه في الإشعار أتم لأنه ألزم لأن القلادة قد ينحل أن ينقطع فيسقط فمن هذا الوجه يكون سنة إلا أنه عارضته جهة كونه مثلة فقلنا بحسنه ولأبي حنيفة رحمه الله أنه مثلة وأنه منهي عنه ولو وقع التعارض فالترجيح للمحرم وإشعار النبي عليه الصلاة والسلام كان لصيانة الهدي لأن المشركين لا يمتنعون عن تعرضه إلا به وقيل إن أبا حنيفة كره إشعار أهل زمانه لمبالغتهم فيه على وجه يخاف منه السراية وقيل إنما كره إيثاره على التقليد، كذا ذكره صاحب الهداية. (٥)

---

١) البقرة: ١٩٦.
٢) الهداية: ١٥٢/١.
٣) البقرة: ١٩٦.
٤) الهداية: ١٥٤/١.
٥) الهداية: ١٥٤/١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقال الشيخ ابن الهمام: قد يقال [١]: لا تعارض فإن النهي عنه كان بأثر قصة العرنيين عقيب غزوة أحد ومعلوم أن الإشعار كان بعده، فعلم أنه إما مخصوص من نص نسخ المثلة ما كان هديا أو أنه ليس بمثلة أصلا، وهو الحق، إذ ليس كل جرح مثلة بل هو ما يكون تشويها كقطع الأنف والأذنين وسمل العيون، فلا يقال لكل من جرح مثل به، والأولى ما حمل عليه الطحاوي من أن أبا حنيفة إنما كره إشعار أهل زمانه؛ لأنهم لا يهتدون إلى إحسانه، وهو شق مجرد الجلد ليدمي، بل يبالغون في اللحم حتى يكثر الألم ويخاف منه السراية.

"قوله: لأن المشركين لا يمتنعون إلا به" قد يقال: هذا يتم في إشعار عام الحديبية وهو مفرد بالعمرة لا في إشعاره هدايا حجة الوداع؛ لأن المشركين كانوا قد أجلوا قبل ذلك في فتح مكة في الثامنة، ثم بعث عليا رضي الله عنه في التاسعة يتلو عليهم سورة براءة وينادي: لا يطوف بهذا البيت مشرك ولا عريان. والجواب أن يراد تعرضهم للطريق حال السفر لتسامعهم بمال لسيد للمسلمين.

وقال [٢]: وليس لأهل مكة تمتع ولا قران وإنما لهم الإفراد خاصة، خلافا للشافعي رحمه الله والحجة عليه قوله تعالى: "ذَٰلِكَ لِمَن لَّمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ" [٣] ولأن شرعهما للترفه بإسقاط إحدى السفرتين وهذا في حق الأفاقي.

قال الشيخ ابن الهمام [٤]: وصح عن عمر رضي الله عنه أنه قال: ليس لأهل مكة تمتع ولا قران، وقال في التحفة: ومع هذا لو تمتعوا جاز وأساءوا، وعليهم دم الجبر وسنذكر من كلام الحاكم صريحا.

وقال [٥]: وأشهر الحج شوال وذو القعدة وعشر من ذي الحجة فإن قدم الإحرام بالحج عليها جاز إحرامه وانعقد حجا، خلافا للشافعي رحمه الله فإن عنده يصير محرما بالعمرة؛ لأن الشروع إذا انعقد بمقصود وهي غير صالح لذلك المقيم، ولكنه صالح لغيره بصرف شروعه إلى ذلك الغير كمن نوى صوم القضاء من النهار يكون شارعا في النفل لأن شروعه للفرض لم يصح.

---

١) فتح القدير: ٣/٩.

٢) الهداية: ١/١٥٥.

٣) البقرة: ١٩٦.

٤) فتح القدير: ٣/١١.

٥) الهداية: ١/١٥٥.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وكذلك من شرع في الفريضة من الصلاة ثم ذكر أن عليه صلوة قبل هذه يصرف شروعها إلى النفل، ويصح بمطلق نية الصلاة لأن الإحرام ركن عنده، وهو شرط عندنا؛ فأشبه الطهارة في حق جواز التقديم على الوقت حتى يلزمه الاتمام.

والإتمام يلزم لشروع إلى ذلك الغير أو بعضه لا ينفصل عن بعض، وبالدخول في الشرط لا يلزمه الإتمام، وإذا كان ركنا فلا يتأدى في غير الوقت كسائر الأركان، فإذا لم يصح إحرامه بالحج كان محرما بالعمرة، لأن الوقت للعمرة ألا ترى أنه لو فات حجه بمضي الوقت بقي إحرامه للعمرة، فكذا إذا حصل ابتداء إحرامه في غير أشهر الحج، ولأن الإحرام تحريم أشياء وإيجاب أشياء، وذلك يصح في كل رمضان، وصار كالتقديم على المكان.

[قال:] [١] فإن ادهن بزيت فعليه دم عند أبي حنيفة رحمه الله وقالا عليه الصدقة، وقال الشافعي رحمه الله إذا استعمله في الشعر فعليه دم لإزالة الشعث وإن استعمله في غيره فلا شيء عليه لانعدامه.

ولهما أنه من الأطعمة إلا أن فيه ارتفاقا بمعنى قتل الهوام وإزالة الشعث فكانت جناية قاصرة.

ولأبي حنيفة رحمه الله أنه أصل الطيب ولا يخلو عن نوع طيب ويقتل الهوام ويلين الشعر ويزيل التفث والشعث فتتكامل الجناية بهذه الجملة فتوجب الدم وكونه مطعوما لا ينافيه كالزعفران.

وهذا الخلاف في الزيت البحت والخل البحت، أما المطيب منه كالبنفسج والزنبق وما أشبههما يجب باستعماله الدم بالاتفاق؛ لأنه طيب، وهذا إذا استعمله على وجه التطيب، ولو داوى به جرحه أو شقوق رجليه فلا كفارة عليه؛ لأنه ليس بطيب في نفسه إنما هو أصل الطيب أو طيب من وجه فيشترط استعماله على وجه الطيب، بخلاف ما إذا تداوى بالمسك؛ فإنه طيب فكيف استعماله يجب الدم.

قال: وإن لبس ثوبا مخيطا أو غطى رأسه يوما كاملا فعليه دم وإن كان أقل من ذلك فعليه صدقة، وعن أبي يوسف رحمه الله انه إذا لبس أكثر من نصف يوم فعليه دم وهو قول أبي حنيفة رحمه الله أولا وقال الشافعي رحمه الله يجب الدم بنفس اللبس لأن الارتفاق يتكامل بالاشتمال على بدنه ولنا أن معنى الترفق مقصود من اللبس فلا بد من اعتبار المدة ليحصل

---

١) الهداية: ١/١٥٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

على الكمال ويجب الدم فقدر باليوم لأنه يلبس فيه ثم ينزع عادة وتتقاصر فيما دونه الجناية فتجب الصدقة غير أن أبا يوسف رحمه الله أقام الأكثر مقام الكل كذا في الهداية.[1]

وقال الشيخ ابن الهمام[2]: لا فرق في لزوم الدم بين ما إذا أحدث اللبس بعد الإحرام أو أحرم وهو لابسه فدام يوما أو ليلة عليه، بخلاف انتفاعه بعد الإحرام بالطيب السابق عليه قبله للنص فيه ولولاه لأوجبنا فيه أيضا. ولا فرق بين كونه مختارا في اللبس أو مكرها عليه أو نائما فغطى إنسان رأسه ليلة أو وجهه حتى يجب الجزاء على النائم؛ لأن الارتفاق حصل له، وعدم الاختيار أسقط الإثم عنه لا الموجب على ما عرف تحقيقه في مواضع.

قال[3]: وإذا حلق ربع رأسه أو ربع لحيته فصاعدا فعليه دم فإن كان أقل من الربع فعليه صدقة، وقال مالك رحمه الله لا يجب إلا بحلق الكل، وقال الشافعي رحمه الله يجب بحلق القليل اعتبارا بنبات الحرم.

ولنا أن حلق بعض الرأس ارتفاق كامل لأنه معتاد فتتكامل به الجناية وتتقاصر فيما دونه بخلاف تطيب ربع العضو لأنه غير مقصود وكذا حلق بعض اللحية معتاد بالعراق وأرض العرب.

قال الشيخ ابن الهمام[4]: وممن يفعله بعض الأتراك والعلوية فإنهم يحلقون نواصيهم فقط، وكذا حلق بعض اللحية معتاد بأرض العراق والعرب وبعض أهل المغرب، إلا أن في هذا احتمال أن فعلهم للراحة أو الزينة فتعتبر فيه الكفارة احتياطا؛ لأن هذه الكفارة مما يحتاط في إثباتها بدليل لزومها مع الأعذار.

وذكر الشيخ هنا فروعا كثيرة يتعلق بالمقام، ولما كان نظرنا مقصورا على بيان مقام الاختلاف بين الأئمة تركناها.

قال[5]: وإن حلق رأس محرم بأمره أو بغير أمره فعلى الحالق الصدقة وعلى المحلوق دم، وقال الشافعي رحمه الله: لا يجب إن كان بغير أمره بأن كان نائما لأن من أصله أن الإكراه

١) الهداية: ١٥٧/١
٢) فتح القدير: ٢٨/٣.
٣) الهداية: ١٥٨/١.
٤) فتح القدير: ٣١/٣.
٥) الهداية: ١٥٨/١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

يخرج المكره من أن يكون مؤاخذا بحكم الفعل والنوم أبلغ منه لأن الإكراه يفسد قصده والنوم يعدم القصد.

وعندنا بسبب النوم والإكراه ينتفي المأثم دون الحكم وقد تقرر سببه وهو ما نال من الراحة والزينة فيلزمه الدم حتما بخلاف المضطر حيث يتخير لأن الآفة هناك سماوية.

وههنا من العباد وأما الحالق فيلزمه الصدقة في الوجهين يعني بأمره أو بغير أمره، وقال الشافعي لا شيء عليه، وعلى هذا الخلاف إذا حلق المحرم رأس حلال له أن معنى الارتفاق لا يتحقق بحلق شعر غيره وهو الموجب.

ولنا أن إزالة ما ينمو من بدن الإنسان من محظورات الإحرام لاستحقاقه الأمان بمنزلة نبات الحرم فلا يفترق الحال بين شعره وشعر غيره إلا أن كمال الجناية في شعره لوجود المعنيين، وهما إزالة المأمون والارتفاق الكامل.

قال [1]: فإن نظر إلى فرج امرأته بشهوة فأمنى لا شيء عليه؛ لأن المحرم هو الجماع ولم يوجد فصار كما لو تفكر فأمنى، وإن قبل أو لمس بشهوة فعليه دم.

وكذا الجواب في الجماع فيما دون الفرج، وعن الشافعي رحمه الله أنه إنما يفسد إحرامه في جميع ذلك إذا أنزل واعتبره بالصوم.

ولنا أن فساد الحج يتعلق بالجماع ولهذا لا يفسد بسائر المحظورات وهذا ليس بجماع مقصود فلا يتعلق به ما يتعلق بالجماع إلا أن فيه معنى الاستمتاع والارتفاق بالمرأة وذلك محظور الإحرام فيلزمه الدم بخلاف الصوم لأن المحرم فيه قضاء الشهوة ولا يحصل بدون الإنزال فيما دون الفرج.

قال [2]: وإن جامع [في أحد السبيلين] قبل الوقوف بعرفة فسد حجه وعليه شاة ويمضي في الحج كما يمضي من لم يفسده وعليه القضاء، والأصل فيه ما روي أن رسول الله عليه الصلاة والسلام سئل عمن واقع امرأته وهما محرمان بالحج؟ قال: يريقان دما ويمضيان في حجتهما وعليهما الحج من قابل، وهكذا نقل عن جماعة من الصحابة رضي الله تعالى عنهم.

---

1) الهداية: ١/١٦٠.
2) الهداية: ١/١٦٠

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقال الشيخ ابن الهمام [١]: روى أبو داود في المراسيل عن يحيى بن أبي كثير: حدثنا يزيد بن نعيم أو زيد بن نعيم شك فيه أبو توبة أن رجلا من جذام جامع امرأته وهما محرمان، فسأل الرجل النبي ﷺ فقال: اقضيا حجكما واهديا هديا، قال ابن القطان: لا يصح فإن زيد بن نعيم مجهول، ويزيد بن نعيم بن هزال ثقة، وقد شك أبو توبة في أيهما حدثه به. قلنا: قد رواه البيهقي وقال: إنه منقطع، وهو يزيد بن نعيم بلا شك. وقوله: منقطع بناء على الاختلاف في سماع يزيد هذا من جابر بن عبد الله وفي صحبة أبيه فإنه سمع من أبيه. واختلف في صحبة أبيه.

ثم أثبت إتصاله وإرساله، وقال: وهو حجة عندنا وعند أكثر أهل العلم ثم روى الحديث عن ابن وهب بسند فيه ابن لهيعة عن يزيد بن أبي حبيب فيه: حتى إذا كنتما بالمكان الذي أصبتما فأحرما وتفرقا، الحديث إلى أن قال قال وأهديا وضعف بن لهيعة.

قال: والمذكور منه ما سوى الزيادة. وروي بالزيادة عن جماعة من الصحابة في مسند ابن أبي شيبة إلى من سأل مجاهدا عن المحرم يواقع امرأته فقال: كان ذلك على عهد عمر بن الخطاب رضي الله عنه فقال: يقضيان حجهما ثم يرجعان حالين، فإذا كان من قابل حجا وأهديا وتفرقا من المكان الذي أصابها فيه. وروى الدارقطني عن ابن عمر رضي الله عنهما قال فيه: بطل حجه، قال له السائل فيقعد؟ قال لا، بل يخرج مع الناس فيصنع ما يصنعون، فإذا أدركه من قابل حج وأهدى. ووافقه على هذا ابن عباس وعبد الله بن عمرو بن العاص، وصحح البيهقي إسناده عنهم. وفي موطأ مالك من بلاغاته عن علي وعمر وأبي هريرة رضي الله عنه نحوه، إلا أن عليا قال فيه: يفترقان حتى يقضيا حجهما. انتهى. [٢]

فأثبت الشيخ ما ادعاه صاحب الهداية من إسناد الحديث إلى رسول الله ﷺ وإلى جماعة من الصحابة.

وقال الشافعي رحمه الله: تجب بدنة اعتبارا بما لو جامع بعد الوقوف، والحجة عليه إطلاق ما روينا، ولأن القضاء لما وجب ولا يجب إلا لاستدراك المصلحة خف معنى الجناية فيكتفي بالشاة بخلاف ما بعد الوقوف؛ لأنه لا قضاء عليه، كذا قال صاحب الهداية. [٣]

---

١) فتح القدير: ٤٤/٣
٢) فتح القدير: ٤٥/٣
٣) الهداية: ١٦٠/٩.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقال [١]: وليس عليه أن يفارق امرأته في قضاء ما أفسداه عندنا، خلافا لمالك رحمه الله إذا خرجا من بيتهما ولزفر رحمه الله إذا أحرما وللشافعي إذا انتهيا إلى المكان الذي جامعها فيه لهم أنهم يتذاكران ذلك فيقعان في المواقعة فيفترقان.

ولنا أن الجامع بينهما وهو النكاح قائم فلا معنى للافتراق قبل الإحرام لإباحة الوقاع ولا بعده لأنهما يتذاكران ما لحقهما من المشقة الشديدة بسبب لذة يسيرة فيزدادان ندما وتحرزا فلا معنى للافتراق.

وقال الشيخ ابن الهمام [٢]: وهذا؛ لأن الافتراق ليس بنسك في الأداء فكذا في القضاء، فلم يكن أمر من روي عنه من الصحابة الأمر بالافتراق أمر إيجاب بل أمر ندب لمخافة الوقوع؛ لظهور أنه لا يصير أحدهما عن الآخر لما ظهر منهما في الإحرام الأول فكان كالشاب في حق القبلة في الصوم لا؛ لأنهما يتذاكران فيقعان؛ لأنه معارض بأنهما يتذاكران فلا يقعان؛ لتذكرهما ما حصل لهما من المشقة للذة يسيرة، ونحن نقول باستحباب الافتراق لذلك.

قال [٣]: ومن جامع بعد الوقوف بعرفة لم يفسد حجه وعليه بدنة، خلافا للشافعي فيما إذا جامع قبل الرمي أي يفسد أي إذا وطئ بعد الوقوف اعتبارا بما جامع قبل الوقوف، والجامع كون كل واحد قبل التحلل وبعد الرمي يتحلل ولا يحرم إلا النساء.

ودليلنا قوله عليه السلام من وقف بعرفة فقد تم حجه، ولم يرد تمام الحج حقيقة؛ لأنه بقي عليه طواف الزيارة، بل المراد التمام حكما، وإنما تجب البدنة بقول ابن عباس رضي الله عنهما: وهو أنه قال: إذا جامع قبل الوقوف بعرفة فسد نسكه وعليه شاة، وإذا جامع بعد الوقوف فعليه جزور وحجه تام، أو لأنه أعلى نوع الارتفاقات ويتغلظ موجبه كذا في الهداية.

قال الشيخ ابن الهمام [٤]: تقدم هذا الحديث. وتقدم أنه عليه الصلاة والسلام علق التمام بالوقوف بعرفة والمزدلفة على ما أسلفناه، ثم لا شك أن ليس التمام باعتبار عدم بقاء شيء عليه فهو باعتبار أمن الفساد والفوات.

وإنما أوجبنا البدنة بما روي عن ابن عباس رضي الله عنهما: أنه سئل عن رجل وقع بأهله وهو بمنى قبل أن يفيض فأمره أن ينحر بدنة . رواه مالك في الموطإ عن أبي الزبير المكي

---

١) الهداية: ١/١٦٠-١٦١.

٢) فتح القدير: ٣/٤٦.

٣) الهداية: ١/١٦٠-١٦١.

٤) فتح القدير: ٣/٤٦-٤٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

عن عطاء بن أبي رباح عنه وأسنده ابن أبي شيبة عن عطاء أيضا قال: سئل ابن عباس رضي الله عنهما عن رجل قضى المناسك كلها غير أنه لم يزر البيت حتى وقع على امرأته، قال: عليه بدنة. ولأنه لا قضاء هنا؛ ليخف أثر الجناية بجبر القضاء بخلاف ما قبل الوقوف، وهو أرجح مما عن ابن عمر مما أخرجه ابن أبي شيبة عنه: جاء رجل إليه فقال: يا أبا عبد الرحمن إني رجل جاهل بالسنة بعيد الشقة قليل ذات اليد، قضيت المناسك كلها غير أني لم أزر البيت حتى وقعت على امرأتي، فقال: عليك بدنة وحج من قابل فإنه متروك بعضه، وقال عليه الصلاة والسلام: من وقف بعرفة فقد تم حجه، بخلاف قول ابن عباس هذا، والله أعلم.

قال [١]: ومن جامع في العمرة قبل أن يطوف أربعة أشواط فسدت عمرته فيمضي فيها ويقضيها وعليه شاة وإذا جامع بعد ما طاف أربعة أشواط أو أكثر فعليه شاة ولا تفسد عمرته، وقال الشافعي: تفسد في الوجهين وعليه بدنة اعتبارا بالحج إذ هي فرض عنده كالحج ولنا أنها سنة فكانت أحط رتبة منه فتجب الشاة ف فيها والبدنة في الحج إظهارا للتفاوت.

قال [٢]: ومن جامع ناسيا كان كمن جامع متعمدا، وقال الشافعي: رحمه الله جماع الناسي غير مفسد للحج، وكذا الخلاف في جماع النائمة والمكرهة، هو يقول: الحظر ينعدم بهذه العوارض فلم يقع الفعل جناية، ولنا أن الفساد باعتبار معنى الارتفاق في الإحرام ارتفاقا مخصوصا وهذا لا ينعدم بهذه العوارض؛ لأن المنهي عنه في الحرام الرفث وهو اسم الجماع إلا يرى أنه لزمه الاغتسال به. وبه يثبت حرمة المصاهرة، فكذا يتعلق به فساد النسك، والحج ليس في معنى الصوم لأن حال الإحرام مذكرة بمنزلة حالة الصوم، والصوم لم يقرن بحاله ما يذكره فجعل النسيان فيه عذرا بخلاف القياس، وهنا قد اقترن بحاله ما يذكره وهو هيئة المحرم فلا يعدم بالنسيان.

قال [٣]: ومن طاف طواف القدوم محدثا فعليه صدقة، وقال الشافعي رحمه الله: لا يعتد به لقوله عليه الصلاة والسلام: الطواف بالبيت صلاة إلا أن الله تعالى أباح فيه المنطق، فتكون الطهارة من شرطه، ولنا قوله تعالى: "وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ" [٤] من غير قيد الطهارة فلم تكن فرضا، فلو كان فرضا لزاد على النص وهو نسخ، فلا يثبت بخبر الواحد والقياس،

---

١) الهداية: ١٦٩/١.
٢) الهداية: ١٦٩/١.
٣) الهداية: ١٦٩/١.
٤) الحج: ٢٩.

toobaa-elibrary.blogspot.com

والمراد بالحديث تشبيه الطواف بالصلاة في الثواب دون الحكم، ألا يرى أن الكلام لا يفسده ويفسدها، والطواف يتأدى بالمشي وهو مفسد للصلوة ثم قيل هو سنة.

والأصح أنها واجبة لأنه يجب بتركها الجابر ولأن الخبر يوجب العمل فيثبت به الوجوب فإذا شرع في هذا الطواف وهو سنة يصير واجبا بالشروع ويدخله نقص بترك الطهارة فيجبر بالصدقة إظهارا لدنو رتبته عن الواجب بإيجاب الله وهو طواف الزيارة وكذا الحكم في كل طواف هو تطوع، كذا في الهداية.[١]

وقال الشيخ ابن الهمام في قوله "ومن طاف طواف القدوم محدثا فعليه صدقة"[٢]: هذا موافق لما في عامة النسخ وصرح به عن محمد، ومخالف لما في مبسوط شيخ الإسلام قال: ليس لطواف التحية محدثا ولا جنبا شيء، لأنه لو تركه لم يكن عليه شيء فكذا تركه من وجه. والوجهان اللذان أبطل بهما المصنف كون الطهارة سنة: أعني قوله؛ لأنه يجب بتركها الجابر، ولأن الخبر يوجب العمل كافلان بإبطاله، ولما استشعر أن يقال على الأول لزوم الجابر مطلقا ممنوع، وهو أول المسألة فإنا ننفيه في غير الطواف الواجب، دفعه بتقرير أن كل ترك لا يخلو من كونه في واجب، فإن التطوع إذا شرع فيه صار واجبا بالشروع ثم يدخله النقص بترك الطهارة فيه. غاية الأمر أن وجوبه ليس بإيجابه تعالى ابتداء فأظهرنا التفاوت في الحط من الدم إلى الصدقة فيما إذا طاف محدثا، ومن البدنة إلى الشاة إذا طاف جنبا.

قوله لقوله عليه الصلاة والسلام: الطواف بالبيت صلاة، روى الترمذي عن ابن عباس رضي الله عنهما عن النبي ﷺ أنه قال: الطواف بالبيت صلاة إلا أنكم تتكلمون فيه، فمن تكلم لا يتكلم إلا بخير. وجه الاستدلال أنه تشبيه في الحكم بدليل الاستثناء من الحكم في قوله: إلا أنكم تتكلمون فيه فمن تكلم، فكأنه قال هو مثل الصلاة في حكمها إلا في جواز الكلام فيصير ما سوى الكلام داخلا في الصدر ومنه اشتراط الطهارة.

واستدل ابن الجوزي بما في الصحيحين عن عائشة رضي الله عنها أنها حاضت فقال لها عليه الصلاة والسلام: اقضي ما يقضي الحاج غير أن لا تطوفي بالبيت، فرتب منع الطواف على انتفاء الطهارة، وهذا حكم وسبب، وظاهر أن الحكم يتعلق بالسبب فيكون المنع لعدم الطهارة لا لعدم دخول المسجد للحائض. ولنا في الجواب عن الأول طريقان: أحدهما ينتظم الجواب عن هذا، وهو تسليم أنه تشبيه في الحكم لكنه خبر واحد لو لم يلزم نسخه لإطلاق

---

١) الهداية: ١/١٦٩.
٢) فتح القدير: ٣/٥٠-٥١.

toobaa-elibrary.blogspot.com

كتاب الله تعالى لثبت به الوجوب لا الافتراض لاستلزامه الإكفار بجحد مقتضاه، وليس ذلك لازم مقتضاه بل لازمه التفسيق به، فكيف ولو ثبت به افتراض الطهارة كان ناسخا له، إذ قوله تعالى: "وليطوفوا" يقتضي الخروج عن عهدته بالدوران حول البيت مع الطهارة وعدمها.

فجعله لا يخرج مع عدمها نسخ لإطلاقه، وهو لا يجوز فرتبنا عليه موجبه من إثبات وجوب الطهارة حتى أثمنا بتركها وألزمنا الجابر، وليس مقتضى خبر الواحد غير هذا لا الاشتراط المفضي إلى نسخ إطلاق كتاب الله تعالى. ويؤيد انتفاء الاشتراط ما ذكره الشيخ تقي الدين في الإمام. روى سعيد بن منصور: حدثنا أبو عوانة عن أبي بشر عن عطاء قال: حاضت امرأة وهي تطوف مع عائشة أم المؤمنين فأتمت بها عائشة سنة طوافها. وقال روى أحمد بن حنبل: حدثنا محمد بن جعفر عن شعبة قال: سألت حمادا ومنصورا عن الرجل يطوف بالبيت على غير طهارة فلم يروا به بأسا. وقد انتظم ما ذكرناه الجواب عما أورده ابن الجوزي. ثانيهما منع ذلك التقرير، ونقول: بل التشبيه في الثواب لا في الأحكام. وقوله: إلا أنكم تتكلمون فيه، كلام منقطع مستأنف بيان لإباحة الكلام فيه وجب المصير إلى هذا؛ لأنه لو كان كما قالوا لكان المشي ممتنعا لدخوله في الصدر، وكأن الشيخ رحمه الله استشعر فيه منعا وهو أن يقال: المشي قد علم إخراجه قبل التشبيه فإن الطواف نفس المشي، فحيث قال صلاة فقد قال المشي الخاص كالصلاة فيكون وجه التشبيه ما سوى المشي فلذا اقتصر على الأول، والكلام فيه باق ذكره الشيخ.

قال [(١)]: ومن أفاض من عرفات قبل أن تغرب الشمس فعليه دم، وقال الشافعي: لاشيء عليه؛ لأن الركن أصل الوقوف فلا يلزمه بترك الإطالة شيء، ولنا أن الاستدامة إلى غروب الشمس واجبة لقوله عليه الصلاة والسلام: فادفعوا بعد غروب الشمس، فيجب بتركه الدم بخلاف ما إذا وقف ليلا لأن استدامة الوقوف على من وقف نهارا لا ليلا.

وقال الشيخ ابن الهمام [(٢)]: هذا الحديث غريب، ولاشك في أنه عليه السلام دفع بعد الغروب، ويمكن أن يقال: كل ما وقع من قوله عليه الصلاة والسلام في الحج يحمل على الوجوب إلا أن يقوم دليل خلافه لقوله عليه الصلاة والسلام: خذوا عني مناسككم، وأيضا ما تقدم من حديث الحاكم عن المسور خطبنا رسول الله ﷺ فقال: أما بعد، فإن أهل الشرك كانوا يدفعون من هذا الموضع إذا كانت الشمس على رءوس الجبال مثل عمائم الرجال في

١) الهداية: ١/١٦٣
٢) فتح القدير: ٣/٥٩.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وجوهها، وإنا ندفع بعد أن تغيب، فإن هذا السوق يفيد الوجوب بأدنى تأمل فيه. وقد جاءت الأحاديث في الإفاضة قبل الغروب انتهى.

قال: وإذا قتل المحرم صيدا أو دل عليه من قتله متعمدا فعليه الجزاء، أما القتل فلقوله تعالى: "لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُتَعَمِّداً فَجَزَاءٌ" [المائدة: ٩٥] الآية نص على إيجاب الجزاء وأما الدلالة ففيها خلاف الشافعي رحمه الله هو يقول الجزاء تعلق بالقتل والدلالة ليست بقتل فأشبه دلالة الحلال حلالا، على صيد الحرم لا يجب على الدال شيء اتفاقا.

ولنا ما روينا من حديث أبي قتادة ﷺ انه خرج مع رسول الله ﷺ يعني في عام الحديبية، فتخلف مع بعض أصحابه وهم محرمون وهو غير محرم فرأوا حمارا وحشيا قبل أن يراه، فلما رأوه تركوه حتى رآه أبو قتادة فركب فرسا له فسألهم أن يناولوه سوطه فأبوا فتناوله فحمل عليه فعقره ثم اكل فاكلو فندموا فلما أدركوا رسول الله ﷺ فاكلها متفق عليه.

وفي رواية لهما: فلما أتوا رسول الله ﷺ سألوه؟ قال: هل معكم منه شيئا؟ قالوا: معنا رجله.

وفي رواية: عضده فأخذها النبي ﷺ، وقال: أمنكم أحد أمره أن يحمل عليها، وأشار إليها، قالوا: لا، قال فكلوا ما بقي من لحمها. [١]

قال الشيخ ابن الهمام [٢]: وجه الاستدلال به على هذا أنه علق الحل على عدم الإشارة، وهي تحصل الدلالة بغير اللسان فأحرى أن لا يحل إذا دله باللفظ فقال هناك صيد ونحوه.

قالوا: الثابت بالحديث حرمة اللحم على المحرم إذا دل، قلنا: فيثبت أن الدلالة من محظورات الإحرام بطريق الالتزام لحرمة اللحم فيثبت أنه جناية على الصيد، فيقول: حينئذ جناية على الصيد بتفويت الأمن على وجه القتل قبله عنها ففيه الجزاء كالقتل، ولأن المحرم بإحرامه التزم الامتناع عن التعرض، فتضمن بترك ما التزمه كالمودع إذا دل السارق فإنه يضمن؛ لأنه التزم الحفظ.

وقال عطاء: اجمع الناس على أن على الدال الجزاء وليس الناس إذ ذاك إلا الصحابة والتابعين يجب أن يحمل ما عن ابن عمر أن لا جزاء على الدال على دال لم يقع عن دلالته

---

١) جامع الأصول: ٣/٥٥، رقم الحديث: ١٣٣٦.

٢) فتح القدير: ٣/٧٠.

toobaa-elibrary.blogspot.com

قتل دفعا لتوهم أن مجرد الدلالة موجبة للجزاء، بل مستلزمة له على وجه ذكرنا، فقيس وجوب الجزاء على حرمة اللحم على تقدير الإشارة والدلالة.

قال الشيخ [1]: وحديث عطاء غريب، وذكره ابن قدامة في المغني عن علي وابن عباس، على أن قول الطحاوي هو مروي عن عدة من الصحابة ﷺ، ولم يرو عن غيرهم خلافه فكان إجماعا يتضمن رد الرواية عن ابن عمر.

قال [2]: والهدي لا يذبح إلا بمكة، لقوله تعالى: "هَدْياً بَالِغَ الْكَعْبَةِ" [3]، ويجوز الإطعام في غيرها، خلافا للشافعي رحمه الله هو يعتبره بالهدي والجامع التوسعة على سكان الحرم ونحن نقول الهدي قربة غير معقولة فيختص بمكان أو زمان أما الصدقة قربة معقولة في كل زمان ومكان.

أما الصدقة فقربة معقولة في كل زمان ومكان إذ فيها رفع خلة المحتاج فلا يختص بزمان ومكان والصوم يجوز في غير مكة؛ لأنه قربة في كل مكان وزمان كذا في الهداية.

وقال الشيخ ابن الهمام [4]: وذلك أنه لما عين الهدي أحد الواجبات علم أنه ليس المراد مجرد التصدق باللحم وإلا لحصل التصدق بالقيمة أو بلحم يشتريه، بل المراد التقرب بالإراقة مع التصدق بلحم القربان، وهو تبع متمم لمقصوده فلا ينعدم الإجزاء بفواته عن ضرورة، فلذا لو سرق بعد الإراقة أجزأه، بخلاف ما لو سرق قبلها أو ذبح بالكوفة فسرق لا يجزيه؛ لأن القربة هناك لا تحصل إلا بالتصدق لاختصاص قربة الإراقة بمكان مخصوص أعني الحرم.

قال: ومن قتل مالا يؤكل لحمه من الصيد كالسباع ونحوها فعليه الجزاء، إلا ما استثناه الشرع الفواسق، وقال الشافعي رحمه الله: لا يجب الجزاء لأنها جبلت على الإيذاء تدخلت في الفواسق المستثناة وكذا اسم الكلب يتناول السباع بأسرها لغة، يعني ليس في الكلب جزاء بحكم الحديث فلا يكون في السباع.

ولنا أن السبع صيد لتوحشه وكونه مقصودا بالأخذ إما لجلده أو ليصطاد به أو لدفع أذاه، والقياس على الفواسق ممتنع لما فيه من إبطال العدد المذكور في الحديث، فكان هذا

---

١) فتح القدير: ٧٠/٣.

٢) الهداية: ١٦٦/١.

٣) المائدة: ٩٥.

٤) فتح القدير: ٧٨/٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

تعليلا مبطلا للنص، فيبطل التعليل، واسم الكلب لايقع على السبع عرفا، والعرف أملك كذا في الهداية. [١]

وقال ابن الهمام في شرح قوله "كالسباع ونحوها" [٢] : فالسباع كالأسد والفهد والنمر والفيل، ففي المحيط: إن قتل خنزيرا أو قردا أو فيلا تجب القيمة خلافا لهما. وقول العتابي: الفيل للتوحش صيد ليس على ما ينبغي فإن للمستأنس يجب كونه صيدا أيضا لعروض الاستئناس كما قالوا في الظبي وحمار الوحش إنهما صيد، وإن تألفا، وغاية الأمر أن يجري في الفيل المتألف روايتان كما أن في الطيور المصوتة روايتين، ولكن المختار فيها أنها صيد، والمراد بنحوها سباع الطير كالبازي والصقر معلما وغير معلم، "قوله: وكذا اسم الكلب يتناول السباع بأسرها" ويدل عليه أنه ﷺ قال داعيا على عتبة بن أبي لهب: اللهم سلط عليه كلبا من كلابك، فافترسه سبع. "وقوله والقياس على الفواسق" ممتنع قد يختلج ان المذكور في الحديث خمس وقد ذكر تحريم سبعة إلا أن يقال أن السبعة أيضا مذكور في حديث آخر ولم ينسبه بالقياس وانتم تقيسون السباع عليها. "وقوله واسم الكلب لايقع على السبع عرفا" والعرف أملك وأغلب وأحكم وأثبت من أصل اللغة ويمكن بأن يقال إنه ﷺ عبر عن السباع.

والظاهر أن يكون المراد الأسد، وقد ذكر في بعض الروايات إشارة إلى أنها كلاب في نظر عزته وعظمته ﷺ.

قال [٣]: وإذا ذبح المحرم صيدا فذبيحته ميتة لا يحل أكلها، وقال الشافعي رحمه الله: يحل ما ذبحه المحرم لغيره لأنه عامل له فانتقل فعله إليه.

وشرط الحل التسمية عندكم وتحققت منه كما يتحقق من الحلال إلا أن حرمة التناول على المحرم عقوبة، وهذا لا يقتضي الحرمة في غيره.

ولنا أن الزكاة فعل مشروع وهذا فعل حرام؛ لأنه منهي بالنص لمعنى فيه وهو إحرامه فلا يكون ذكاة كذبيحة المجوسي، يعني أن الذبح المشروع مثبت لإفادة الحل بالنصوص بخلاف القياس، لأن بالذبح لا يتيقن بخروج كل الدم النجس، لتميز الخبيث من الطيب، وهو المحل في الحقيقة إلا أن الشرع أقام الذبح مقام خروج كل النجس تيسيرا.

---

١) فتح القدير: ٧٨/٣.

٢) فتح القدير: ٨٦/٣-٨٧.

٣) الهداية: ١٦٩/١

toobaa-elibrary.blogspot.com

ولهذا لو ذبح ولم يسل الدم حل أكله فيبقى ما لم يكن مشروعا على أصل القياس، فينعدم الحل بناء على إنعدام مشروعية الذبح.

وتحقيقه أن التحلل هو الزكاة والذبح، وفعل المحرم قتل، قال الله تعالى: "وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ" (١)، وقوله تعالى: "لا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ" (٢) وكان إحرامه أخرج الصيد في حقه أن يكون محلا للذكاة كالخنزير، وهذا لأن الله تعالى أضاف التحريم إلى الصيد لقوله: وحرم عليكم صيد البر والبحر.

ثم أضاف إلى العين دل على ذلك على عدم المحلية كقوله تعالى: "حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ" (٣)، كذا ذكر في بعض شروح الهداية.

قال(٤): ولا بأس بأن يأكل المحرم لحم صيد اصطاده حلال وذبحه إذا لم يدل المحرم عليه ولا أمره بصيده، خلافا لمالك رحمه الله فيما إذا اصطاده لأجل المحرم، يعني بغير أمره.

أما إذا اصطاد الحلال لمحرم صيدا بأمره اختلف فيه عندنا، فذكر الطحاوي تحريمه على المحرم. وقال الجرجاني: لا يحرم. قال القدوري: هذا غلط واعتمد على رواية الطحاوي.

له -لمالك- قوله ﷺ: لا بأس بأكل المحرم لحم صيد ما لم يصده أو يصد له.

قال الشيخ ابن الهمام: الحديث على ما في أبي داود والترمذي والنسائي عن جابر: لحم الصيد حلال لكم وأنتم حرم ما لم تصيدوه أو يصاد لكم، هكذا بالألف في يصاد، فعارضه المصنف ثم أوله دفعا للمعارضة.

أما المعارضة فيما روى محمد بن الحسن: أخبرنا أبو حنيفة عن محمد بن المنكدر عن عثمان بن محمد عن طلحة بن عبيد الله قال: تذاكرنا لحم الصيد يأكله المحرم والنبي صلى الله عليه وسلم نائم، فارتفعت أصواتنا فاستيقظ رسول الله ﷺ فقال: فيم تتنازعون؟ فقلنا: في لحم الصيد أيأكله المحرم؟ فأمرنا بأكله، أخرجه في الآثار.

وروى الحافظ أبو عبد الله الحسين بن خسرو البلخي في مسند أبي حنيفة عن أبي حنيفة عن هشام بن عروة عن أبيه عن جده الزبير بن العوام قال: كنا نحمل الصيد صفيفا وكنا نتزوده ونأكله ونحن محرمون مع رسول الله ﷺ، واختصره مالك في موطئه.

---

١) المائدة: ٩٥.

٢) المائدة: ٩٥.

٣) النساء: ٢٣.

٤) الهداية: ١٦٩/١

toobaa-elibrary.blogspot.com

وأما التأويل فبوجهين، كون اللام للملك والمعنى أن يصطاد ويجعل له فيكون تمليك عين الصيد من المحرم، وهو ممتنع أن يتملكه فيأكل من لحمه، والحمل على أن المراد أن يصاد بأمره؛ وهذا لأن الغالب في عمل الإنسان لغيره أن يكون بطلب منه فليكن محمله هذا دفعا للمعارضة، انتهى. (١)

قال (٢): ومن دخل الحرم بصيد فعليه أن يرسله فيه إذا كان في يده، خلافا للشافعي رحمه الله.

قال الشيخ ابن الهمام في قوله: "ومن دخل الحرم بصيد" (٣): أي وهو حلال حتى يظهر خلاف الشافعي رحمه الله، فإنه لو كان محرما وجب إرساله بمجرد الإحرام اتفاقا. "وقوله: خلافا للشافعي" فإنه يقول: حق الشرع لا يظهر في مملوك العبد لحاجة العبد لأن الأمر بسبب الحرم يثبت لحق الشرع وذا يثبت في المباح دون المملوك لحاجة العبد كالأشجار مما ينبتها الناس في الحرم لايثبت فيها حرمة الحرم، وكذا الإسلام يمنع الاسترقاق لحق الشرع، ولا يزيل الرق الثابت قبله.

قال الشيخ ابن الهمام(٤): قاسه على الاسترقاق فإن الإسلام يمنعه حقا لله تعالى ولا يرفعه، حتى إذا ثبت حال الكفر ثم طرأ الإسلام لا يرتفع، علم من هذا أن حق الشرع لا يظهر في مملوك العبد بعد تقرر ملكه بطريقه تفضلا منه تعالى لحاجة العبد وغناه.

ولنا أنه لما حصل في الحرم وجب ترك التعرض لحرمة الحرم إذ صار هو من صيد الحرم فاستحق الأمن لما روينا.

قال الشيخ(٥): حقيقته أنه استدلال بالنص فيقدم على القياس، تقريره: هذا صيد الحرم وما كان كذلك لا يحل التعرض له بالنص فهذا لا يحل التعرض له بالنص. أما الأولى فلأنه ليس يراد بصيد الحرم إلا ما كان حالا فيه. وأما الثانية فلإطلاق النص المذكور من السنة ولم يوجد مثله في الرق بل ثبت شرعا بقاؤه بعد الإسلام.

---

١) فتح القدير: ٩٣/٣.
٢) الهداية: ١٧٠/١.
٣) فتح القدير: ٩٨/٣.
٤) فتح القدير: ٩٣/٣.
٥) فتح القدير: ٩٣/٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

قال[1]: ومن أحرم وفي بيته أو في قفص معه صيد فليس عليه أن يرسله.

قال الشيخ [2]: قيد المسألة بكون الصيد في بيته أو في قفصه؛ لأنه لو كان في يده حقيقة وجب الإرسال اتفاقا.

وقال الشافعي رحمه الله: يجب عليه أن يرسله؛ لأنه متعرض للصيد بإمساكه في ملكه فصار كما إذا كان في يده.

ولنا أن الصحابة ﷺ كانوا يحرمون وفي بيوتهم صيود ودواجن، ولم ينقل عنهم إرسالها، وبذلك جرت العادة الفاشية من لدن الصحابة إلى الآن وهم والتابعون ومن بعدهم يحرمون وفي بيوتهم حمام في ابراج، وعندهم دواجن والطيور لايطلقونها وهي من إحدى الحجج، في نسخة: الجامعة من إحدى الحجج، فدلت على أن استبقالها في الملك محفوظة بغير اليد ليس هو التعرض الممتنع كذا في شرح الشيخ. [3]

وفي بعض شروح الهداية: لأنها كانت على عهد رسول الله ﷺ فكانت كالسنن المتواترة عنه، وإن كان بعد عهده يتضمن إجماع المسلمين.

قال [4]: وكل شيء فعله القارن مما ذكرنا أن فيه على المفرد دما فعليه دمان دم لحجته ودم لعمرته، وقال الشافعي رحمه لله: دم واحد بناء على أنه محرم بإحرام واحد عنده وعندنا بإحرامين وقد مر من قبل.

قال الشيخ [5]: فالجناية عليهما مجتمعين كالجناية عليهما منفردين، وأورد فلم لم يتداخلا كحرمة الإحرام والحرم فيما إذا قتل المحرم صيد الحرم إذ كان عليه جزاء واحد؟

أجيب بأن حرمة الإحرام أقوى من حرمة الحرم؛ لأنها توجب حرمات كثيرة غير الصيد، بخلاف حرمة الحرم فاستتبعت أقوى الحرمتين الأخرى؛ لأن الأصل إذا اجتمع موجبان لحكم واحد أضيف الحكم إلى أقواهما وجعل الآخر تبعا له كالعدم.

---

١) الهداية: ١٧٠/٩.
٢) فتح القدير: ٩٩/٣.
٣) فتح القدير: ٩٩/٣.
٤) الهداية: ١٧١/٩.
٥) فتح القدير: ١٠٥/٣

toobaa-elibrary.blogspot.com

وهذا كالحافر مع الدافع والحاز للرقبة مع الجارح. وإحرام الحج مساو لإحرام العمرة، فإن جميع ما يحرم به يحرم بالآخر فلم يمكن الاستتباع فيجعل كل كأن ليس معه غيره، كما لو جرح اثنان آخر فمات.

وذكر شيخ الإسلام: أن وجوب الدمين على القارن إذا كانت الدمين على القارن إذا كانت الجناية قبل الوقوف في الجماع وغيره، وأما بعد الوقوف ففي الجماع دمان يجب، وفي سائر المحظورات دم واحد، وتقدم ما فيه.

قال [1]: وإذا أحصر المحرم بعدو أو أصابه مرض فمنعه من المضي جاز له التحلل، والإحصار يتحقق عندنا بعدو وغيره كالمرض وهلاك النفقة وموت محرم المرأة أو زوجها في الطريق، ولو أحرمت ولا زوج لها ولا محرم، فهي محصرة لا يحل إلا بالدم.

وقال الشافعي رحمه الله لا يكون الإحصار إلا بالعدو لأن التحلل بالهدي شرع في حق المحصر لتحصيل النجاة وبالإحلال ينجو من العدو لا من المرض.

قال الشيخ [2]: يرد على هذا ببادئ النظر أن يقال إن قلت إنه لم يشرع إلا؛ للنجاة من السبب منعنا الحصر، وإن أردت أنه من أسباب شرعيته لم يفد نفي شرعيته في محل النزاع، فلذا جعل بعضهم هذا الوجه مبنيا على الاستدلال بالآية، هكذا الآية وردت؛ لبيان حكم إحصاره - ﷺ - وأصحابه وكان بالعدو، وقال في سياق الآية "فإذا أمنتم" [3] إلى آخرها، فعلم أن شرعية الإحلال في العدو كان؛ لتحصيل الأمن منه، وبالإحلال لا ينجو من المرض ولا يكون الإحصار بالمرض في معناه، فلا يكون النص الوارد في العدو واردا في المرض فلا يلحق به دلالة ولا قياسا؛ لأن شرعية التحلل قبل أداء الأفعال بعد الشروع في الإحرام على خلاف القياس فلا يقاس عليه.

وقال صاحب الهداية [4] : أن آية الإحصار وردت في الإحصار بالمرض بالإجماع أهل اللغة، ليس المراد بأن الآية وردت لبيان حكم الإحصار بالمرض، فمن السنن أنه وردت في شان رسول الله ﷺ وأصحابه عليهم السلام وكانوا محصورين بالعدو لا بالمرض؛ بل المراد

---

١) الهداية: ١٧٥/١.
٢) البقرة: ١٩٦.
٣) فتح القدير: ١٠٥/٣.
٤) الهداية: ١٧٥/١

toobaa-elibrary.blogspot.com

أن يكون الإحصار بالمرض ثابت بإجماع أهل اللغة؛ لأنه نقل عن ذلك عن الفراء والكسائي والأخفش وأبي عبيد وابن السكيت والقمي وغيرهم.

قال أبو جعفر النحاس: على ذلك أجمع أهل اللغة كما ذكر الشيخ ابن الهمام، لكن الآية ورد لبيان حكم الحادثة التي وقعت للرسول ﷺ وأصحابه ﷺ، لكن قولهم: الإحصار بالمرض، والحصر بالعدو لا يخلو عن غرابة.

وقال في الكشاف: أحصر فلان إذا منعه أمر من خوف أو مرض أو عجز، وحصره إذا حبسه عدو عن المضي أو سجن، ومنه قيل للسجن: حصور، وللملك حصير، هذا هو الأكثر في كلامهم انتهى.

وفي نهاية ابن الأثير: يقال أحصره المرض أو السلطان إذا منعه من مقصده فهو محصر ومحصور، وقيل في قوله تعالى: "لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ" [1] المراد به الإشتغال بالجهاد، وهو أمر راجع إلى العدو، وقيل: المراد أهل الصفة منعهم تعلم القرآن وشدة الحاجة والجهد عن الضرب في الأرض للتكسب، وهذا يناسب الحصر بالمرض، ثم قيل: الحصر خوف العدو أشد لا يتمكن معه من المضي بخلافه في المرض أو يمكن بالمحل والمركب والخدم، وقيل: الحرج في الاضطبار عليه مع المرض أعظم، ولهذا اختلف في ثبوت أحدهما بالنص والآخر بالدلالة فتدبر.

قال [2]: وإذا جاز له التحلل، يقال له: ابعث شاة تذبح في الحرم وواعد من تبعثه بيوم بعينه يذبح فيه ثم تحلل.

وقال الشافعي رحمه الله: لا يتوقت به؛ لأنه شرع رخصة والتوقيت يبطل التخفيف،

وقلنا: المراعى أصل التخفيف وهو متحقق مع التوقيت؛ لأنها نية، وإنما يبعث إلى الحرم؛ لأن دم الإحصار قربة الأربعة لم نعرف قربة إلا في زمان أو مكان على مأمر فلا يقع به التحلل، وإليه الإشارة بقوله تعالى: "وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ" [3]، هو اسم لما يهدى إلى الحرم، وبين محله بالبيت العتيق لقوله: "ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ" [4] والمراد الحرم.

---

١) البقرة: ٢٧٣.

٢) الهداية: ١/١٧٥.

٣) البقرة: ١٩٦.

٤) الحج: ٣٣.

toobaa-elibrary.blogspot.com

قال [1]: وعلى المحصر بالعمرة القضاء، والإحصار عنها يتحقق عندنا، وقال مالك رحمه الله: لا يتحقق لأنها لا تتوقت، فلايتحقق خوف الفوات.

ولنا أن النبي ﷺ وأصحابه ﷺ أحصروا بالحديبية، وكانوا عمارا، ولأن شرع التحلل لدفع الحرج وهذا موجود في إحرام العمرة وإذا تحقق الإحصار فعليه القضاء إذا تحلل كما في الحج.

واعلم أنه يسمى العمرة التي وقعت في العام القابل بعد الصلح بالحديبية عمرة القضاء، فعندنا محمول على ظاهر؛ لأنه يجب على المحصر بالعمرة قضاؤها، ونقل عن مالك إنها مستانفة لا قضاء عنها.

وقال الشيخ ابن الهمام [2]: وتسمية الصحابة وجميع السلف إياها بعمرة القضاء ظاهر في خلافه، ومن لم يوجب القضاء، يقول: القضاء بمعنى الصلح، يعني العمرة التي وقعت بعد الصلح، على أنه يأتي العام القابل ويعتمر والقضاء والمقاضاة يجئ بمعنى الصلح والمصالحة، أي العمرة التي كانت بمقاضاته مع قريش على أن يأتي العام القابل، لا أنها وقعت قضاء عما صد عنها كذا قال القسطلاني في شرح البخاري.

ويفهم من كلام الشيخ أنه من القضية، أو المراد قضية وقعت بينهم في الحديبية ولذا سمها بعضهم عمرة القضية، وهذا المعنى لا ينافي كونها قضاء لما فات فتدبر.

قال [3]: والعمرة سنة، وقال الشافعي رحمه الله: فريضة؛ لقوله عليه الصلاة والسلام: العمرة فريضة كفريضة الحج.

ولنا قوله عليه الصلاة والسلام: الحج فريضة والعمرة تطوع، ولأنها غير موقتة بوقت وتتادى بنية غيرها كما في فائت الحج وهذا أمارة النفلية، وتأويل ما رواه انها مقدرة بأعمال الحج، والفرض في اللغة التقدير، قال الله تعالى: "سُورَةٌ أَنْزَلْنَاهَا وَفَرَضْنَاهَا" [4] أي قدرناها.

وقال الشيخ ابن الهمام [5]: أي من أتى بها مرة في العمر فقد أقام السنة غير مقيد بوقت غير ما ثبت النهي عنها فيه، إلا أنها في رمضان أفضل، هذا إذا أفردها فلا ينافيه أن القران أفضل؛ لأن ذلك أمر يرجع إلى الحج لا إلى العمرة. فالحاصل أن من أراد الإتيان

---

١) الهداية: ١/١٧٦.
٢) فتح القدير: ٣/١٣٧.
٣) الهداية: ١/١٧٨.
٤) النور: ١.
٥) فتح القدير: ٣/١٤٠.

toobaa-elibrary.blogspot.com

بالعمرة على وجه أفضل فيها ففي رمضان أو الحج على وجه أفضل فيه فبأن يقرن معه عمرة، وقال محمد بن الفضل من مشايخ بخارى: فرض كفاية، وقيل هي واجبة.

ووجه قول الشافعي رحمه الله ما رواه الحاكم في المستدرك والدارقطني عن زيد بن ثابت قال: قال رسول الله ﷺ: الحج والعمرة فريضتان لا يضرك بأيهما بدأت، قال الحاكم: الصحيح عن زيد بن ثابت من قوله، وفيه إسماعيل بن مسلم المكي ضعفوه، وقال البخاري: منكر الحديث، وقال أحمد: حدثنا حديثه، ورواه البيهقي عن هشام بن حسان عن محمد بن سيرين موقوفا وهو الصحيح، وأخرج الدارقطني عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه أن رجلا قال: يا رسول الله ما الإسلام؟ قال: أن تشهد أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله وأن تقيم الصلاة وتؤتي الزكاة وأن تحج وتعتمر، قال الدارقطني: إسناده صحيح، ورواه الحاكم في كتابه المخرج على صحيح مسلم.

قال صاحب التنقيح: الحديث مخرج في الصحيحين ليس فيه وتعتمر، وهذه الزيادة فيها شذوذ، وفيه أحاديث أخر لم تسلم من ضعف أو عدم دلالة. وأخرج الحاكم أيضا عن ابن عمر: ليس أحد من خلق الله تعالى إلا وعليه حجة وعمرة واجبتان على من استطاع إلى ذلك سبيلا، وعلقه البخاري، وأخرج عن ابن عباس: الحج والعمرة فريضتان على الناس كلهم إلا أهل مكة فإن عمرتهم طوافهم، فليخرجوا إلى التنعيم ثم ليدخلوها، الحديث، وقال على شرط مسلم، وقال البيهقي: قال الشافعي رحمه الله في مناظرة من أنكر عليه القول بوجوب العمرة: أشبه بظاهر القرآن؛ لأنه قرنها بالحج.

ولنا ما أخرجه الترمذي عن حجاج بن أرطاة عن محمد بن المنكدر عن جابر رضي الله عنه قال: سئل رسول الله ﷺ عن العمرة أواجبة هي؟ قال لا، وأن تعتمر فهو أفضل، قال الترمذي: حديث حسن صحيح، هكذا وقع في رواية الكرخي، ووقع في رواية غيره: حديث حسن لا غير.، قيل هو الصحيح، فإن الحجاج بن أرطاة هذا فيه مقال، وقد ذكرنا في باب القران ما فيه وأنه لا ينزل به عن كون حديثه حسنا والحسن حجة اتفاقا، وإن قال الدارقطني إن الحجاج بن أرطاة لا يحتج به.

وقد ذكر الشيخ أحاديث آخر في كونه واجبا وتطوعا، وتكلم فيها، ثم قال: لا يخفى أن المراد من قول الشافعي الفرض الظني وهو الوجوب عندنا، وقال: الأحاديث متعارضة، فلايثبت إلا مجرد فعله ﷺ والأصحاب والتابعين. وذلك يوجب السنة فقلنا بها، والله سبحانه أعلم ولا حول ولاقوة.

toobaa-elibrary.blogspot.com

تذنيل في بيان حرم المدينة:

اعلم أنه قد ورد في الأحاديث تحريم المدينة، واختلفوا في ترتيب حكم التحريم عليه، فمذهب أبي حنيفة أن معنى الحرمة فيها مجرد التعظيم والتكريم من غير ثبوت الإحكام آخر مثل حرمة الصيد وقطع الشجر ولزوم الجزاء على التفصيل المذكور في حرم مكة، ومن فعل شيئا مما حرم أثم، ولاجزاء عليه، وهو قول مالك، ورواية عن أحمد وقول للشافعي، وقال النووي [١]: المشهور من مذهبه الشافعي،

والجمهور على أنه لا ضمان في صيد للمدينة وقطع شجرها، بل حرام بلا ضمان، وقال بعض العلماء: يجب فيه الجزاء كحرمة مكة.

قال فتح الباري [٢]: احتج الطحاوي على مذهب الحنفية بحديث أنس في قصة أبي عمير: "ما فعل النغير" قال: لو كان صيدها حراما ما جاز حبس الطير؟ وأجيب: باحتمال أن يكون من صيد الحل، قال أحمد: من صاد من الحل ثم أدخله المدينة لم يلزمه إرساله؛ لحديث أبي عمير، وهذا قول الجمهور، لكن لا يرد ذلك على الحنفية لأن صيد الحل عندهم إذا دخل الحرم كان له حكم صيد الحرم، ويحتمل أن تكون قصة أبي عمير كانت قبل التحريم.

وقال التوربشتي [٣]: لم ير تحريم صيد المدينة إلا نفر يسير من الصحابة، والجمهور منهم لم ينكروا اصطياد الطيور بالمدينة، ولم يبلغنا فيه أن النبي ﷺ نهى عنه بطريق يعتمد، وقد قال لأبي عمير: "ما فعل النغير"، ولو كان حراما لم يسكت عنه في موضع الحاجة، واحتج بعضهم بحديث أنس في قصة قطع النخل لبناء المسجد، ولو كان قطع شجرها حراما ما فعله صلى الله عليه وسلم، وتعقب بأن ذلك كان في أول الهجرة، وحديث تحريم المدينة كان بعد رجوعه صلى الله عليه وسلم من خيبر.

وقال الطحاوي: يحتمل أن يكون سبب النهي عن صيد المدينة وقطع شجرها كون الهجرة إليها، فكان بقاء الصيد والشجر مما يزيد في زينتها ويدعو إلى ألفتها، كما روى ابن عمر: أن النبي ﷺ نهى عن هدم آطام المدينة، فإنها من زينة المدينة، فلما انقطعت الهجرة ارتفع ذلك، وتعقب بأن النسخ لا يثبت إلا بدليل.

---

١) شرح صحيح مسلم: ١٥٢/٥.

٢) فتح الباري: ٨٤/٤.

٣) المسير: ٦٤٨/٢.

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقيل: الجزاء في حرم المدينة أخذ السلب، حديث "صحيح مسلم" عن عامر بن سعد، أن سعدا ركب إلى قصره بالعقيق، فوجد عبدا يقطع شجرا، أو يخبطه، فسلبه، فلما رجع سعد، جاءه أهل العبد فكلموه أن يرد على غلامهم -أو عليهم- ما أخذ من غلامهم، فقال: معاذ الله أن أرد شيئا نفلنيه رسول الله ﷺ، وأبى أن يرد عليهم ، وفي رواية لأبي داود: "من أخذ أحدا بالصيد في حرم المدينة فليسلبه". (١)

قال القاضي عياض: لم يقل أحد بهذا بعد الصحابة إلا الشافعي في قوله القديم.

قال الشيخ: اختاره جماعة معه بعده لصحة الخبر به، وأغرب بعض الحنفية، فادعى الإجماع على ترك الأخذ بحديث السلب، وفي السلب وجهان؛ أحدهما: ثيابه فقط، وأصحهما: ثيابه وفرسه وسلاحه وغير ذلك. والله أعلم.... تمت.

قال الناقل المولي الشيخ طاهر المعروفي الأعظمي:

الحمد لله الذي وفقنا بتحرير نسخة "فتح الرحمن في مذهب أبي حنيفة النعمان" وقد وقعت الفراغ منها بتاريخ الثامن من شهر جمادي الثانية ١٢٦١هـ بيد عاصي "محمد طاهر" ألّلهم صل على سيدنا محمد وعلى آل سيدنا محمد اغفر ذنوبه ولوالديه ببركة هذه النسخة وتقبل منه أجر هذه الكتابة.

قال هذا العبد المسكين المدعو بمحمد نظام الدين اوندروي الأعظمي -غفر الله له ولوالديه ولمشائخه ولسائر المسلمين-: قد نقلت هذا الكتاب المستطاب الذي ألفه فريد عصره ورئيس دهره العلامة المحدث الشيخ عبدالحق الدهلوي صاحب "اللمعات" وغيرها، وهذا من آخر تأليفه المسمى بـ"فتح الرحمن في تاليد مذهب النعمان" قد شرح فيه الأحاديث بالأحاديث بأسلوب بديع، ينجلي به مذهب الأحناف من نفس الأحاديث، وبه ينكشف التطابق الحقيقي بالأحاديث للحنفية بداهة.

وهو إلى آن الآن غير مطبوع، وقد وجد في الهند نسختان فقط، أحدهما: هذه النسخة نسخة الطاهرة المعروفي الأعظمي، المذكور سابقا اللتي نقلته هنا، والثانية: التي كانت في المدرسة الرحمانية بقرول باغ في دهلي، وقد انتقلت إلى الجامعة الملية بدهلي حين خرجت المدرسة المذكورة في فتنة ١٩٤٧ من العيسوية، وهي إلى الآن موجودة فيها، كما وجدتها حين المتقابل بها في شهر جمادي الأولى من ١٣٨٧هجد سبعة وثمانين وثلث مائة بعد الألف من

---

١) أخرجه مسلم في "صحيحه" كتاب الحج، باب فضل المدينة (٢/٩٩٣) رقم الحديث: ١٣٦٤. وأبو داود في "سننه" كتاب المناسك، باب في تحريم المدينة (٢/٢١٧) رقم الحديث: ٢٠٣٧.

toobaa-elibrary.blogspot.com

الهجرية، بعد ما فرغت عن نقل هذا الكتاب المستطاب وكتابته، فوجدت هذا الكتاب مطابقا بتلك النسخة حرفا بحرف، إلا في مقامات قليلة تغير حرف أو كلمة فقط، ومنه تغير الاسم، فاسم هذا الكتاب في هذه النسخة ب"فتح الرحمن في تائيد مذهب النعمان" وفي تلك النسخة "فتح المنان في تائيد مذهب النعمان".

قد أمرني بنقل هذا الكتاب وكتابته العلامة الشيخ المحدث الباهر مولنا أبوا المآثر "محمد حبيب الرحمن الأعظمي" نظرا إلى نافعيه وكثرة إفاديته، فجزاه خير الجزاء.

وقد وقعت الفراغ عن كتابة بتوفيق الله تعالى ومنه وفضله، في أواخر ذي القعدة من ١٣٨٠هـ ثمانين وثلثمائة بعد الألف من الهجرية على صاحبها ألف ألف سلام وتحية.

اللهم تقبله مني بقبول حسن، وانفعني به وسائر المؤمنين بمنه وكرمه آمين يا رب العالمين.

ثم وجدت في النسخة الثانية الموجودة في "الجامعة الملية" في الحال هذه العبارة المسطورة في الذيل:

تمت مقابلة هذا الكتاب المستطاب المسمي ب"فتح الرحمن في تائيد مذهب النعمان للشيخ الأجل الحبر النبيل مصدوق علماء أمتي كأنبياء بني إسرائيل سندي وجدي أبي المجد "الشيخ عبد الحق المحدث الدهلوي" روح الله روحه وأوصل إلينا، فتوحه في عشية يوم السبت، تاريخ: الثامنة والعشرين مضت من ذي الحجة المنسلكة في شهور سنة تسع وتسعين والمائتين بعد الألف من الهجرة، بتوفيقه تعالى على يد عبده الراجي "محمد أنوار الحق الدهلوي" تاب الله عليه، والحمد لله رب العالمين.

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

المصادر والمراجع

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

المصادر والمراجع

الكتب العربية

١. القرآن الكريم.

٢. ابن أبي الدنيا، أبو بكر عبد الله بن محمد الأموي القرشي، **الصمت وآداب اللسان**، تحقيق: أبو إسحاق الحويني، دار الكتاب العربي، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤١٠هـ.

٣. ابن أبي الدنيا، أبو بكر عبد الله بن محمد الأموي القرشي، **الفرج بعد الشدة**، تحقيق: أبو حذيفة عبيد الله بن عالية، دار الريان للتراث، مصر، الطبعة الثانية، ١٤٠٨هـ=١٩٨٨م.

٤. ابن أبي الدنيا، أبو بكر عبد الله بن محمد الأموي القرشي، **مكائد الشيطان**.

٥. ابن أبي حاتم الرازي، أبو محمد عبد الرحمن بن أبي حاتم محمد بن إدريس التميمي، **الجرح والتعديل**، دائرة المعارف العثمانية حيدر أباد، الهند، الطبعة الأولى، ١٣٧٢هـ=١٩٥٣م.

٦. ابن أبي شيبة، عبد الله بن محمد، **المسند**، تحقيق: عادل بن يوسف العزازي وأحمد بن فريد المزيدي، دار الوطن، رياض، الطبعة الأولى، ١٩٩٧م.

٧. ابن أبي شيبة، عبد الله بن محمد، **المصنف**، تحقيق: كمال يوسف الحوت، مكتبة الرشيد الرياض، الطبعة الأولى، ١٤٠٩هـ.

٨. ابن أبي عاصم، أبو بكر بن أبي عاصم وهو أحمد بن عمرو، **السنة**، تحقيق: محمد ناصر الدين الألباني، المكتب الإسلامي، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤٠٠هـ.

٩. ابن أثير، أبو الحسن علي بن أبي الكرم محمد بن محمد بن عبد الكريم الجزري، **الكامل في التاريخ**، تحقيق: أبو الفداء عبد الله القاضي، دار الكتب العلمية بيروت، لبنان الطبعة الأولى، ١٤٠٧هـ=١٩٨٧م.

١٠. ابن أثير، عز الدين أبي الحسن علي بن محمد، **أسد الغابة**، دار ابن حزم، بيروت لبنان، الطبعة الأولى، ١٤٣٣هـ= ٢١١٢م.

١١. ابن أعثم، أبو محمد أحمد بن أعثم الكوفي، **كتاب الفتوح**، تحقيق: علي شيري، دار الأضواء بيروت، لبنان، الطبعة الأولى، ١٤١١هـ=١٩٩١م.

١٢. ابن الأثير، أبو السعادات المبارك بن محمد بن محمد الشيباني الجزري، **جامع الأصول في أحاديث الرسول**، تحقيق : عبد القادر الأرنؤوط وبشير عيون، مكتبة الحلواني، مطبعة الملاح، مكتبة دار البيان، الطبعة الأولى، ١٩٦٩م- ١٩٧٢م.

toobaa-elibrary.blogspot.com

١٣. ابن التركماني، علاء الدين علي بن عثمان بن إبراهيم، **الجوهر النقي على سنن البيهقي**، دار الفكر، ١٤٣٧هـ.

١٤. ابن الجارود، أبو محمد عبد الله بن علي بن الجارود النيسابوري، **المنتقى**، عبد الله بن عمر البارودي، مؤسسة الكتاب الثقافية، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤٠٨هـ=١٩٨٨م.

١٥. ابن الجوزي، أبو الفرج عبد الرحمن بن علي بن محمد، **العلل المتناهية في الأحاديث الواهية**، تحقيق: إرشاد الحق الأثري، إدارة العلوم الأثرية، فيصل آباد، باكستان، الطبعة الثانية، ١٤٠١هـ=١٩٨١م.

١٦. ابن الجوزي، أبو الفرج عبد الرحمن بن علي بن محمد، **المنتظم في تاريخ الملوك والأمم**، تحقيق: محمد عبد القادر عطا ومصطفى عبد القادر عطا، دار الكتب العلمية بيروت، لبنان، الطبعة الثانية، ١٤١٥هـ=١٩٩٥م.

١٧. ابن السائب الكلبي، أبو المنذر هشام بن محمد بن السائب الكلبي، **جمهرة النسب**، تحقيق: الدكتور ناجي حسن، عالم الكتب مكتبة النهضة العربية، الطبعة الأولى، ١٤٠٧هـ=١٩٨٦م.

١٨. ابن السباعي، علي بن أنجب، **الدر الثمين في أسماء المصنفين**، تحقيق: أحمد شوقي ومحمد سعيد، دار الغرب الإسلامي، تونس، الطبعة الأولى، ١٤٣٠هـ=٢٠٠٩م.

١٩. ابن السني، أحمد بن محمد بن إسحاق الدينوري، **عمل اليوم والليلة**، تحقيق: كوثر البرني، دار القبلة للثقافة الإسلامية، جدة.

٢٠. ابن الطقطقي، محمد بن علي طباطبا الفخري، **الآداب السلطانية والدول الإسلامية**، دار صادر، بيروت.

٢١. ابن العماد، شهاب الدين أبو الفلاح عبد الحي بن أحمد بن محمد الحنبلي، **شذرات الذهب في أخبار من ذهب**، تحقيق: محمود الأرناؤوط، دار ابن كثير، دمشق، الطبعة الأولى، ١٤٠٦هـ=١٩٨٦م.

٢٢. ابن الفوطي، كمال الدين أبو الفضل عبد الرزاق بن أحمد الشيباني البغدادي، **الحوادث الجامعة والتجارب النافعة في المائة السابعة**، تحقيق: مهدي النجم، دار الكتب العلمية بيروت، لبنان، الطبعة الأولى، ١٤٢٤هـ=٢٠٠٣م.

٢٣. ابن المبارك، عبد الله بن المبارك بن واضح الحنظلي المروزي، **الزهد والرقائق**، تحقيق: حبيب الرحمن الأعظمي، دار الكتب العلمية، بيروت.

٢٤. ابن الهمام، كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي، **فتح القدير**، دار الفكر.

٢٥. ابن بطال، أبو الحسن علي بن خلف بن عبد الملك، **شرح صحيح البخاري**، تحقيق: أبو تميم ياسر بن إبراهيم، مكتبة الرشد، الرياض، السعودية، الطبعة الثانية، ١٤٢٣هـ=٢٠٠٣م.

٢٦. ابن حبان، أبو حاتم محمد بن حبان بن أحمد البستي، **كتاب الثقات**، دائرة المعارف العثمانية، حيدر آباد، الهند، الطبعة الأولى، ١٣٩٣هـ=١٩٧٣م.

toobaa-elibrary.blogspot.com

٢٧. ابن حبان، أبو حاتم محمد بن حبان بن أحمد البستي، **الصحيح**، تحقيق: شعيب الأرنؤوط، مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة الثانية، ١٤١٤هـ=١٩٩٣م.

٢٨. ابن حبان، أبو حاتم محمد بن حبان بن أحمد البستي، **تقريب الثقات**، تحقيق: خليل بن مأمون، دار المعرفة بيروت لبنان، الطبعة الأولى، ١٤٢٨هـ=٢٠٠٧م.

٢٩. ابن حبان، أبو حاتم محمد بن حبان بن أحمد البستي، **روضة العقلاء ونزهة الفضلاء**، تحقيق: محمد محي الدين عبد الحميد، دار الكتب العلمية، بيروت.

٣٠. ابن حبان، أبو حاتم محمد بن حبان بن أحمد البستي، **كتاب المجروحين من المحدثين**.

٣١. ابن حجر الهيتمي، **فتح الإله في شرح المشكاة**، تحقيق: أحمد فريد المزيد، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤٣٦هـ=٢٠١٥م.

٣٢. ابن حجر، أبو الفضل شهاب الدين أحمد بن علي بن حجر العسقلاني، **الإصابة في تمييز الصحابة**، تحقيق وتعليق: عادل أحمد عبد الموجود وعلي محمد معوض، دار الكتب العلمية، بيروت لبنان، الطبعة الأولى، ١٤١٥هـ=١٩٩٥م.

٣٣. ابن حجر، أبو الفضل شهاب الدين أحمد بن علي بن حجر العسقلاني، **الدراية في تخريج أحاديث الهداية**، تحقيق: عبد الله هاشم اليماني، دار المعرفة، بيروت لبنان.

٣٤. ابن حجر، أبو الفضل شهاب الدين أحمد بن علي بن حجر العسقلاني، **الدرر الكامنة في أعيان المائة الثامنة**، تحقيق: محمد عبد المعيد ضان، دائرة المعارف العثمانية حيدر آباد، الهند، الطبعة الثانية، ١٣٩٢هـ=١٩٧٢م.

٣٥. ابن حجر، أبو الفضل شهاب الدين أحمد بن علي بن حجر العسقلاني، **المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية**، دار العاصمة للنشر والتوزيع، دار الغيث للنشر والتوزيع، الطبعة الأولى، ١٩٩٨م-٢٠٠٠م.

٣٦. ابن حجر، أبو الفضل شهاب الدين أحمد بن علي بن حجر العسقلاني، **تبصرة المنتبه بتحرير المشتبه**، تحقيق: محمد علي النجار، المؤسسة المصرية العامة.

٣٧. ابن حجر، أبو الفضل شهاب الدين أحمد بن علي بن حجر العسقلاني، **تقريب التهذيب**، تحقيق: حسان عبد المنان، بيت الأفكار الدولية، عمان، ٢٠٠٥م.

٣٨. ابن حجر، أبو الفضل شهاب الدين أحمد بن علي بن حجر العسقلاني، **تهذيب التهذيب**، دائرة المعارف حيدر آباد، دكن الهند، الطبعة الأولى، ١٣٢٥هـ.

٣٩. ابن حجر، أبو الفضل شهاب الدين أحمد بن علي بن حجر العسقلاني، **فتح الباري شرح صحيح البخاري**، دار المعرفة بيروت ١٣٧٩هـ.

٤٠. ابن حجر، أبو الفضل شهاب الدين أحمد بن علي بن حجر العسقلاني، **لسان الميزان**، تحقيق: عبد الفتاح أبو غدة، دار البشائر الإسلامية بيروت لبنان، الطبعة الأولى، ١٤٢٣هـ=٢٠٠٢م.

toobaa-elibrary.blogspot.com

٤١. ابن حزم الأندلسي، أبو محمد علي بن أحمد بن سعيد، **جمهرة أنساب العرب**، تحقيق وتعليق: عبد السلام محمد هارون، دار المعارف قاهرة، الطبعة الخامسة.

٤٢. ابن خزيمة، أبو بكر محمد بن إسحاق بن خزيمة النيسابوري، **الصحيح**، تحقيق: محمد مصطفى الأعظمي، المكتب الإسلامي، بيروت، الطبعة الثالثة، ١٤٢٤هـ= ٢٠٠٣م.

٤٣. ابن خلدون، عبد الرحمن بن خلدون، **تاريخ ابن خلدون المسمى ب ديوان المبتداء والخبر في تاريخ العرب والبربر من عاصرهم من ذوي الشأن الأكبر**، تحقيق: خليل شحاده، وسهيل زكار، دار الفكر بيروت، لبنان، ١٤٢١هـ=٢٠٠٠م.

٤٤. ابن خياط، أبو عمرو خليفة بن خياط، **تاريخ خليفة**، تحقيق: أكرم ضياء العمري، دار الطيبة، رياض، الطبعة الثانية، ١٤٠٥هـ=١٩٨٥م.

٤٥. ابن خياط، أبو عمرو خليفة بن خياط، شباب العصفري، **كتاب الطبقات**، تحقيق: أكرم ضياء العمري، مطبعة العاني، بغداد، الطبعة الأولى، ١٣٨٧هـ=١٩٦٧م.

٤٦. ابن دريد، أبو بكر محمد بن الحسن بن دريد، **الإشتقاق**، تحقيق وشرح: عبد السلام محمد هارون، دار الجيل، بيروت، الطبعة الأولى، ١٣١١هـ= ١٩٩١م.

٤٧. ابن راهويه، أبو يعقوب إسحاق بن إبراهيم، **المسند**، تحقيق: عبد الغفور بن عبد الحق البلوشي، مكتبة الإيمان، المدينة المنورة، الطبعة الأولى، ١٤١٢هـ=١٩٩١م.

٤٨. ابن سعد، محمد بن سعد بن منيع الزهري، **الطبقات لابن سعد**، تحقيق: الدكتور علي محمد عمر، مكتبة الخانجي، القاهرة، الطبعة الأولى، ١٤٢١هـ=٢٠٠١م.

٤٩. ابن سيده، أبو الحسن علي بن إسماعيل المرسي، **المحكم والمحيط الأعظم**، تحقيق: عبد الحميد هنداوي، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٢١ هـ=٢٠٠٠ م.

٥٠. ابن شاكر الكتبي، صلاح الدين محمد بن شاكر بن أحمد، **فوات الوفيات**، تحقيق: احسان بن عباس، دار صادر، بيروت لبنان، الطبعة الأولى، ١٩٧٣م-١٩٧٤م.

٥١. ابن شاهين، أبو حفص عمر بن أحمد بن عثمان البغدادي، **الترغيب في فضائل الأعمال وثواب ذلك**، تحقيق: محمد حسن محمد حسن إسماعيل، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، الطبعة الأولى، ١٤٢٤هـ=٢٠٠٤م.

٥٢. ابن عبد البر، أبو عمر يوسف بن عبد الله بن محمد بن عبد البر القرطبي، **الإستيعاب في أسماء الأصحاب**، دار الفكر بيروت، لبنان ١٤٢٦-١٤٢٧هـ=١٩٨٤م.

٥٣. ابن عبد البر، أبو عمر يوسف بن عبد الله بن محمد بن عبد البر القرطبي، **التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد**، تحقيق: مصطفى بن أحمد العلوي، محمد عبد الكبير البكري، وزارة عموم الأوقاف والشؤون الإسلامية، المغرب، ١٣٨٧هـ.

toobaa-elibrary.blogspot.com

٥٤. ابن عبد البر، أبو عمر يوسف بن عبد الله بن محمد بن عبد البر القرطبي، **جامع بيان العلم وفضله**، تحقيق: أبي الأشبال الزهيري، دار ابن الجوزي، المملكة العربية السعودية، الطبعة الأولى، ١٤١٤هـ= ١٩٩٤م.

٥٥. ابن عدي، أبو أحمد عبد الله بن عدي الجرجاني، **الكامل في ضعفاء الرجال**، تحقيق: عادل أحمد عبد الموجود وعلي محمد معوض، الكتب العلمية، بيروت لبنان، الطبعة الأولى، ١٤١٨هـ=١٩٩٧م.

٥٦. ابن عراق الكناني، نور الدين علي بن محمد بن علي، **تنزيه الشريعة المرفوعة عن الأخبار الشنيعة الموضوعة**، تحقيق: عبد الوهاب عبد اللطيف، عبد الله محمد الصديق الغماري، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، ١٣٩٩هـ.

٥٧. ابن عساكر، أبو القاسم علي بن الحسن بن هبة الله ابن عساكر، **تاريخ دمشق**، تحقيق: عمر بن غرامة العمروي، دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع، ١٤١٥هـ=١٩٩٥م.

٥٨. ابن عساكر، أبو القاسم علي بن الحسن بن هبة الله ابن عساكر، **معجم الشيوخ**، تحقيق: وفاء تقي الدين، دار البشائر، دمشق، الطبعة الأولى، ١٤٢١هـ=٢٠٠٠م.

٥٩. ابن فارس، أبو الحسين أحمد بن فارس بن زكرياء القزويني الرازي، **معجم مقاييس اللغة**، تحقيق: عبد السلام محمد هارون، دار الفكر، ١٣٩٩هـ=١٩٧٩م.

٦٠. ابن قانع، أبو الحسين عبد الباقي بن مرزوق البغدادي، **معجم الصحابة**، تحقيق: صلاح بن سالم المصراتي، مكتبة الغرباء الأثرية، المدينة المنورة، الطبعة الأولى، ١٤١٨هـ.

٦١. ابن قتيبة، أبو محمد عبد الله بن مسلم الدينوري، **غريب الحديث**، عبد الله الجبوري، مطبعة العاني، بغداد، الطبعة الأولى، ١٣٩٧هـ.

٦٢. ابن قدامة، أبو محمد عبد الله بن أحمد بن محمد المقدسي الحنبلي، **المغني**، مكتبة القاهرة، ١٣٨٨هـ=١٩٦٨م.

٦٣. ابن قيم، محمد بن أبي بكر بن أيوب بن سعد شمس الدين الجوزية، **إعلام الموقعين عن رب العالمين**، تحقيق: محمد عبد السلام إبراهيم، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة: الأولى، ١٤١١هـ=١٩٩١م.

٦٤. ابن كثير، أبو الفداء اسماعيل بن عمر بن كثير، **البداية والنهاية**، مكتبة المعارف بيروت، لبنان، ١٤١٠هـ=١٩٩٠م.

٦٥. ابن ماجة، أبو عبد الله محمد بن يزيد القزويني، **السنن**، تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي، دار إحياء الكتب العربية، بيروت.

٦٦. ابن مازة، أبو المعالي برهان الدين محمود المرغيناني الحنفي، **الذخيرة البرهانية**، تحقيق: أبو أحمد العادلي وغيره، دار الكتب العلمية، بيروت لبنان، الطبعة الأولى، ١٤٤٠هـ=٢٠١٩م.

toobaa-elibrary.blogspot.com

٦٧. ابن مازة، أبو المعالي برهان الدين محمود المرغيناني الحنفي، **المحيط البرهاني في الفقه النعماني**، تحقيق: عبد الكريم سامي الجندي، دار الكتب العلمية، بيروت لبنان، الطبعة الأولى، ١٤٢٤هـ=٢٠٠٤م.

٦٨. ابن منده، أبو عبد الله محمد بن إسحاق العبدي، **الإيمان**، تحقيق: علي بن محمد بن ناصر، مؤسسة الرسالة، بيروت لبنان، الطبعة الثانية ١٤٠٦هـ.

٦٩. ابن منده، أبو عبد الله محمد بن إسحاق العبدي، **التوحيد**، تحقيق: علي بن محمد ناصر، الناشر: مكتبة العلوم والحكم، المدينة المنورة، دار العلوم والحكم، سوريا، الطبعة الأولى، ١٤٢٣هـ=٢٠٠٢م.

٧٠. ابن منده، أبو عبد الله محمد بن إسحاق العبدي، **معرفة الصحابة**، تحقيق: عامر حسن صبري، مطبوعات جامعة الإمارات العربية المتحدة، الطبعة الأولى، ١٤٢٦هـ=٢٠٠٥م.

٧١. ابن منظور، أبو الفضل محمد بن مكرم بن علي الإفريقي، **لسان العرب**، دار صادر، بيروت، الطبعة الثالثة ١٤١٤ هـ.

٧٢. ابن منظور، محمد بن مكرم بن علي، **مختصر تاريخ دمشق**، تحقيق: روحية النحاس، مطبع الحافظ، رياض عبد الحميد مراد، دار الفكر، دمشق، الطبعة الأولى، ١٤٠٨هـ=١٩٨٧م.

٧٣. ابن ناصر الدين، شمس الدين محمد بن عبد الله بن محمد القيسي الدمشقي، **توضيح المشتبه في ضبط أسماء الرواة وأنسابهم وألقابهم وكناهم**، تحقيق: محمد نعيم العرقسوسي، مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة الأولى، ١٩٩٣م.

٧٤. ابن نجيم، زين الدين بن إبراهيم بن محمد المصري، **البحر الرائق شرح كنز الدقائق**، دار الكتاب الإسلامي، القاهرة، الطبعة الثانية، بدون تاريخ.

٧٥. ابن نديم، أبو الفرج محمد بن إسحاق بن محمد، المعروف بالوراق، **الفهرست لابن نديم**، دار المعرفة، بيروت، لبنان.

٧٦. ابن هشام، عبد الملك بن هشام بن أيوب الحميري، **سيرت ابن هشام**.

٧٧. أبو الشيخ، أبو محمد عبد الله بن محمد بن جعفر الأصبهاني، **العظمة**، تحقيق: رضاء الله بن محمد إدريس، دار العاصمة، رياض، الطبعة الأولى، ١٤٠٨هـ.

٧٨. أبو القاسم، عبد الرحمن بن إسحاق الزجاجي البغدادي، **الأمالي**، تحقيق: عبد السلام هارون، دار الجيل، بيروت، الطبعة الثانية، ١٤٠٧هـ=١٩٨٧م.

٧٩. أبو داود، سليمان بن الأشعث بن إسحاق، **السنن**، تحقيق: محمد محي الدين عبد الحميد، المكتبة العصرية، صيدا، بيروت.

٨٠. أبو داود، سليمان بن الأشعث بن إسحاق، **المراسيل**، تحقيق: شعيب الأرناؤوط، مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤٠٨هـ.

toobaa-elibrary.blogspot.com

٨١. أبو عوانة، يعقوب بن إسحاق النيسابوري، **المستخرج**، تحقيق: أيمن بن عارف، دار المعرفة، بيروت، الطبعة: الأولى، ١٤١٩هـ=١٩٩٨م.

٨٢. أبو مخرمة، أبو عبد الله الطيب بن عبد الله بن أحمد، **تاريخ ثغر عدن [وتراجم علمائها]**، تحقيق: علي حسن علي عبد الحميد الحلبي، دار الجيل، بيروت، الطبعة الثانية، ١٤٠٨هـ=١٩٨٧م.

٨٣. أبو نعيم، أحمد بن عبد الله بن أحمد الأصبهاني، **الطب النبوي**، تحقيق: مصطفى خضر، دار ابن حزم، الطبعة الأولى، ٢٠٠٦م.

٨٤. أبو نعيم، أحمد بن عبد الله بن أحمد الأصبهاني، **حلية الأولياء وطبقات الأصفياء**، دار الكتاب العربي بيروت لبنان.

٨٥. أبو نعيم، أحمد بن عبد الله بن أحمد الأصبهاني، **معرفة الصحابة**، تحقيق: عادل بن يوسف العزازي، دار الوطن للنشر رياض، الطبعة الأولى، ١٤١٩هـ=١٩٩٨م.

٨٦. أبو يعلى، أحمد بن علي بن المثنى الموصلي، **المسند**، تحقيق: حسين سليم أسد، دار المأمون للتراث، دمشق، الطبعة الأولى، ١٤٠٤هـ=١٩٨٤م.

٨٧. أبو يعلى، أحمد بن علي بن المثنى الموصلي، **المعجم**، تحقيق: إرشاد الحق الأثري، إدارة العلوم الأثرية فيصل آباد، باكستان، الطبعة الأولى، ١٤٠٧هـ.

٨٨. أبو يوسف، يعقوب بن إبراهيم، **الآثار**، تحقيق: أبو الوفا، دار الكتب العلمية، بيروت.

٨٩. الأتابكي، جمال الدين أبو المحاسن يوسف بن تغري بردي، **النجوم الزاهرة في ملوك مصر والقاهرة**، وزارة الثقافة والإرشاد القومي، دار الكتب، مصر ١٣٨٣هـ=١٩٦٣م.

٩٠. أحمد بن محمد بن حنبل الشيباني، **المسند**، تحقيق: شعيب الأرنؤوط، مؤسسة الرسالة، الطبعة: الأولى، ١٤٢١ هـ=٢٠٠١م.

٩١. إسماعيل باشا البابائي، إسماعيل بن محمد أمين بن مير سليم البغدادي، **إيضاح المكنون في الذيل على كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون**، تحقيق: محمد شرف الدين ورفعت بيلكه، دار احياء التراث العربي بيروت، لبنان.

٩٢. إسماعيل باشا البابائي، إسماعيل بن محمد أمين بن مير سليم البغدادي، **هدية العارفين، أسماء المؤلفين وآثار المصنفين**، دار احياء التراث العربي بيروت، لبنان ١٩٥١م.

٩٣. إصلاحي، أبو سعد، **دليل فهارس المجلدات الستة لمخطوطات اللغة العربية المخزونة في مكتبة رضاء برامفور**، مكتبة رضاء برامفور، الهند، الطبعة الأولى ١٤٢١هـ=٢٠٠٠م.

٩٤. البالن بوري، سعيد أحمد، **مبادي الفلسفة**، مكتبة البشرى كراتشي، باكستان ١٤٣٢هـ=٢٠١١م.

toobaa-elibrary.blogspot.com

٩٥. البخاري، أبو عبد الله محمد بن إسماعيل بن إبراهيم، **الأدب المفرد**، تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي، دار البشائر الإسلامية، بيروت، الطبعة الثالثة، ١٤٠٩هـ=١٩٨٩م.

٩٦. البخاري، أبو عبد الله محمد بن إسماعيل بن إبراهيم، **التاريخ الصغير**، تحقيق: محمد إبراهيم زايد، دار المعرفة بيروت، لبنان، الطبعة الأولى، ١٤٠٦هـ=١٩٦٧م.

٩٧. البخاري، أبو عبد الله محمد بن إسماعيل بن إبراهيم، **التاريخ الكبير**، دائرة المعارف العثمانية، حيدر آباد.

٩٨. البخاري، أبو عبد الله محمد بن إسماعيل بن إبراهيم، **الجامع الصحيح**، تحقيق: محمد زهير بن ناصر، دار طوق النجاة، الطبعة الأولى، ١٤٢٢هـ.

٩٩. البخاري، أبو عبد الله محمد بن إسماعيل بن إبراهيم، **الضعفاء الصغير**، تحقيق: محمد إبراهيم زايد، دار المعرفة بيروت، لبنان، الطبعة الأولى، ١٤٠٦هـ=١٩٨٦م.

١٠٠. البخاري، أبو عبد الله محمد بن إسماعيل بن إبراهيم، **القراءة خلف الإمام**، تحقيق: فضل الرحمن الثوري، الطبعة الأولى، ١٤٠٠هـ=١٩٨٠م.

١٠١. البزار، أبو بكر أحمد بن عمرو بن عبد الخالق، **مسند البزار**، تحقيق: محفوظ الرحمن وعادل بن سعد وصبري عبد الخالق الشافعي، مكتبة العلوم والحكم، المدينة المنورة، الطبعة الأولى، ١٩٨٨م- ٢٠٠٩م.

١٠٢. البسوي، أبو يوسف يعقوب بن سفيان بن جوان الفارسي، **كتاب المعرفة والتاريخ**، تحقيق: أكرم ضياء العمري، مكتبة الدار، المدينة المنورة، الطبعة الأولى، ١٤١٠هـ.

١٠٣. البغوي، أبو محمد الحسين بن مسعود بن محمد الشافعي، **شرح السنة**، تحقيق: شعيب الأرنؤوط، محمد زهير الشاويش، المكتب الإسلامي، دمشق، بيروت، الطبعة الثانية، ١٤٠٣هـ=١٩٨٣م.

١٠٤. البلاذري، أبو العباس أحمد بن يحيى بن جابر، **جمل من أنساب الأشراف**، تحقيق: سهيل زكار ورياض زركلي، دار الفكر بيروت، لبنان، الطبعة الأولى، ١٤١٧هـ=١٩٩٦م.

١٠٥. البلاذري، أبو العباس أحمد بن يحيى بن جابر، **فتوح البلدان**، حققه وشرحه: عبد الله أنيس الطباع، مؤسسة المعارف بيروت، لبنان ١٤٠٧هـ=١٩٨٧م.

١٠٦. البلكرامي، غلام علي آزاد الحسيني، **سبحة المرجان في آثار هندوستان**، تحقيق: محمد سعيد الطريحي، دار الرافدين بيروت، لبنان، الطبعة الأولى، ٢٠١٥م.

١٠٧. البوصيري، أبو العباس أحمد بن أبي بكر بن إسماعيل الشافعي، **إتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة**، دار النشر، دار الوطن للنشر، الرياض، الطبعة الأولى، ١٤٢٠هـ=١٩٩٩م.

١٠٨. البيضاوي، أبو سعيد عبد الله بن عمر بن محمد الشيرازي، **أنوار التنزيل وأسرار التأويل**، تحقيق: محمد عبد الرحمن المرعشلي، دار إحياء التراث العربي، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤١٨هـ.

toobaa-elibrary.blogspot.com

١٠٩. البيهقي، أبو بكر أحمد بن الحسين بن علي الخراساني، **إثبات عذاب القبر وسؤال الملكين**، تحقيق: شرف محمود القضاة، دار الفرقان، عمان الأردن، الطبعة الثانية، ١٤٠٥هـ.

١١٠. البيهقي، أبو بكر أحمد بن الحسين بن علي الخراساني، **السنن الكبرى**، تحقيق: محمد عبد القادر عطا، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنات، الطبعة الثالثة، ١٤٢٤هـ=٢٠٠٣م.

١١١. البيهقي، أبو بكر أحمد بن الحسين بن علي الخراساني، **دلائل النبوة**، تحقيق: عبد المعطي قلعجي، دار الكتب العلمية، دار الريان للتراث، الطبعة الأولى ١٤٠٨هـ=١٩٨٨م.

١١٢. البيهقي، أبو بكر أحمد بن الحسين بن علي الخراساني، **شعب الإيمان**، تحقيق: مختار أحمد الندوي، مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض بالتعاون مع الدار السلفية ببومباي بالهند، الطبعة الأولى ١٤٢٣هـ=٢٠٠٣م.

١١٣. التبريزي، أبو عبد الله محمد بن عبد الله الخطيب العمري، **مشكاة المصابيح**، تحقيق: محمد ناصر الدين الألباني، المكتب الإسلامي، بيروت، الطبعة الثالثة، ١٩٨٥م.

١١٤. الترمذي، أبو عيسى محمد بن عيسى بن سورة، **الجامع**، أحمد محمد شاكر ومحمد فؤاد عبد الباقي، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي، الطبعة الثانية، ١٣٩٥هـ=١٩٧٥م.

١١٥. تمام، أبو القاسم تمام بن محمد بن عبد الله الرازي، **الفوائد**، تحقيق: حمدي عبد المجيد، مكتبة الرشد الرياض، الطبعة الأولى، ١٤١٢هـ.

١١٦. التوربشتي، أبو عبد الله فضل الله بن حسن بن حسين، **الميسر في شرح مصابيح السنة**، تحقيق: عبد الحميد هنداوي، مكتبة نزار مصطفى الباز، الطبعة الثانية، ١٤٢٩هـ=٢٠٠٨م.

١١٧. الجرجاني، أبو القاسم حمزة بن يوسف القرشي، **تاريخ جرجان**، تحقيق: محمد عبد المعيد خان، عالم الكتب، بيروت، الطبعة الرابعة، ١٤٠٧هـ=١٩٨٧ م.

١١٨. الجرجاني، علي بن محمد بن علي الشريف الجرجاني، **كتاب التعريفات**، مكتبة فقيه الأمة، ديوبند.

١١٩. الجصاص، أبو بكر أحمد بن علي الرازي الحنفي، **أحكام القرآن**، تحقيق: عبد السلام محمد علي شاهين، دار الكتب العلمية بيروت لبنان، الطبعة الأولى، ١٤١٥هـ=١٩٩٤م.

١٢٠. جمعة، عماد علي، **أصول التخريج ودراسة الأسانيد الميسرة**، دار النفائس والتوزيع، الأردن، الطبعة الأولى ١٤٢٥هـ=٢٠٠٤م.

١٢١. الجوهري، أبو نصر إسماعيل بن حماد الفارابي، **الصحاح تاج اللغة وصحاح العربية**، تحقيق: أحمد عبد الغفور عطار، دار العلم للملايين، بيروت، الطبعة الرابعة ١٤٠٧هـ=١٩٨٧ م.

١٢٢. حاجي خليفة، مصطفى بن عبد الله، كاتب جلبي، **كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون**، تحقيق وتعليق: محمد شرف الدين ورفعت بيلگه، دار احياء التراث العربي بيروت، لبنان ١٣٦٠هـ=١٩٤١م.

toobaa-elibrary.blogspot.com

١٢٣. الحارث، أبو محمد الحارث بن محمد بن داهر البغدادي المعروف بابن أبي أسامة، **مسند الحارث**، حسين أحمد صالح الباكري، مركز خدمة السنة والسيرة النبوية، المدينة المنورة، الطبعة الأولى، ١٤١٣هـ=١٩٩٢م.

١٢٤. الحاكم، أبو عبد الله محمد بن عبد الله المعروف بابن البيع، **المستدرك على الصحيحين**، تحقيق: مصطفى عبد القادر عطا، دار الكتب العلمية بيروت، الطبعة الأولى، ١٤١١هـ=١٩٩٠م.

١٢٥. الحسني، عبد الحي بن فخر الدين، الأعلام بمن في تاريخ الهند من الأعلام المسمى ب **نزهة الخواطر**، دار ابن حزم بيروت لبنان، الطبعة الأولى، ١٤٢٠هـ=١٩٩٩م.

١٢٦. الحسني، عبد الحي بن فخر الدين، **الثقافة الإسلامية في الهند "معارف العوارف في أنواع العلوم والمعارف**، مجمع اللغة العربية، دمشق ١٤٠٣هـ=١٩٨٣م.

١٢٧. الحكيم الترمذي، أبو عبد الله محمد بن علي بن الحسن بن بشر، **نوادر الأصول في أحاديث الرسول ﷺ**، تحقيق: عبد الرحمن عميرة، دار الجيل، بيروت.

١٢٨. الخرقي، أبو القاسم عمر بن الحسين، **مختصر الخرقي**، دار الصحابة للتراث، الطبعة ١٤١٣هـ=١٩٩٣م.

١٢٩. الخزار، خالد بن جمعة بن عثمان، **موسوعة الأخلاق**، مكتبة أهل الأثر للنشر والتوزيع، كويت، الطبعة الأولى ١٤٣٠هـ=٢٠٠٩م.

١٣٠. الخزرجي، صفي الدين أحمد بن عبد الله الأنصاري، **خلاصة تذهيب تهذيب الكمال**، المطبعة الكبرى المنيرية، مصر، الطبعة الأولى، ١٣٠١هـ.

١٣١. الخطابي، أبو سليمان حمد بن محمد بن إبراهيم البستي، **معالم السنن**، المطبعة العلمية، حلب، الطبعة الأولى، ١٣٥١هـ=١٩٣٢م.

١٣٢. الخطيب البغدادي، أبو بكر أحمد بن علي بن ثابت، **الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع**، محمود الطحان، مكتبة المعارف، الرياض.

١٣٣. الخطيب البغدادي، أبو بكر أحمد بن علي بن ثابت، **المتفق والمفترق**، تحقيق: محمد صادق آيدن الحامدي، دار القادري للطباعة والنشر والتوزيع، دمشق، الطبعة الأولى، ١٤١٧هـ=١٩٩٧م.

١٣٤. الخطيب البغدادي، أبو بكر أحمد بن علي بن ثابت، تاريخ مدينة السلام وأخبار محدثيها وذكر قطانها العلماء من غير أهلها ووارديها المعروف ب **تاريخ بغداد**، تحقيق: بشار عواد معروف، دار الغرب الإسلامي، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤٢٢هـ=٢٠٠١م.

١٣٥. الخوارزمي، جلال الدين بن شمس الدين، **الكفاية في شرح الهداية**، تحقيق: محمد أحمد الحقاني، دار الكتب العلمية، بيروت لبنان، ٢٠١٩م.

١٣٦. الخير آبادي، محمد أبو الليث القاسمي، **تخريج الحديث: نشأته ومنهجيته**، إتحاد بكلمو ديو بند، الطبعة الثالثة ١٤٢٥هـ=٢٠٠٤م.

toobaa-elibrary.blogspot.com

١٣٧. الدارقطني، أبو الحسن علي بن عمر بن أحمد البغدادي، **السنن**، تحقيق: شعيب الأرناؤوط، مؤسسة الرسالة، بيروت لبنان، الطبعة الأولى، ١٤٢٤هـ=٢٠٠٤م.

١٣٨. الدارمي، أبو محمد عبد الله بن عبد الرحمن السمرقندي، **السنن**، تحقيق: حسين سليم أسد الداراني، دار المغني للنشر والتوزيع، المملكة العربية السعودية، الطبعة الأولى، ١٤١٢هـ=٢٠٠٠م.

١٣٩. الديلمي، أبو شجاع شيرويه بن شهردار الهمذاني، **الفردوس بمأثور الخطاب**، تحقيق: السعيد بن بسيوني زغلول، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤٠٦هـ=١٩٨٦م.

١٤٠. الذهبي، أبو عبد الله شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان، **العبر في خبر من غبر**، تحقيق: أبو هاجر محمد السعيد بن بسيوني زغلول، دار الكتب العلمية بيروت، لبنان.

١٤١. الذهبي، أبو عبد الله شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان، **الكاشف في معرفة من له رواية في الكتب الستة**، تحقيق: محمد عوامة أحمد محمد نمر الخطيب، دار القبلة للثقافة الإسلامية، مؤسسة علوم القرآن، جدة، الطبعة الأولى، ١٤١٣هـ=١٩٩٢م.

١٤٢. الذهبي، أبو عبد الله شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان، **المغني في الضعفاء**، تحقيق: نور الدين عتر، ادارة إحياء التراث الإسلامي، قطر.

١٤٣. الذهبي، أبو عبد الله شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان، **تاريخ الإسلام ووفيات المشاهير والأعلام**، تحقيق: عمر عبد السلام تدمري، دار الكتاب العربي، بيروت، الطبعة الثانية، ١٤١٠هـ= ١٩٩٠م.

١٤٤. الذهبي، أبو عبد الله شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان، **تذكرة الحفاظ**، دار الكتب العلمية بيروت، لبنان ١٣٧٤هـ.

١٤٥. الذهبي، أبو عبد الله شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان، **تذهيب تهذيب الكمال في أسماء الرجال**، تحقيق: غنيم عباس غنيم، ومجدي السيد أمين، الفاروق الحديثة للطباعة والنشر ١٤٢٥هـ= ٢٠٠٤م.

١٤٦. الذهبي، أبو عبد الله شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان، **دول الإسلام**، تحقيق: حسن إسماعيل مروة، دار صادر، بيروت لبنان، الطبعة الأولى، ١٩٩٩م.

١٤٧. الذهبي، أبو عبد الله شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان، **سير أعلام النبلاء**، مؤسسة الرسالة بيروت، لبنان، الطبعة الحادية عشرة، ١٤١٧هـ= ١٩٩٦م.

١٤٨. الذهبي، أبو عبد الله شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان، **ميزان الاعتدال في نقد الرجال**، تحقيق: علي محمد البجاوي، دار المعرفة بيروت، لبنان.

١٤٩. الرازي، أبو عبد الله محمد بن أبي بكر بن عبد القادر الحنفي، **مختار الصحاح**، تحقيق: يوسف الشيخ محمد، المكتبة العصرية، الدار النموذجية، بيروت، الطبعة الخامسة ١٤٢٠هـ=١٩٩٩م.

toobaa-elibrary.blogspot.com

١٥٠. الرامهرمزي، أبو محمد الحسن بن عبد الرحمن بن خلاد الفارسي، **المحدث الفاصل بين الراوي والواعي**، تحقيق: محمد عجاج الخطيب، دار الفكر، الطبعة الثالثة، ١٤٠٤هـ=١٩٨٤م.

١٥١. الرامهرمزي، أبو محمد الحسن بن عبد الرحمن بن خلاد الفارسي، **أمثال الحديث المروية عن النبي ﷺ**، تحقيق: أحمد عبد الفتاح تمام، مؤسسة الكتب الثقافية، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤٠٩هـ.

١٥٢. الربعي، أبو سليمان محمد بن عبد الله بن أحمد الدمشقي، **تاريخ مولد العلماء ووفياتهم**، تحقيق: عبد الله بن أحمد بن سليمان، دار العاصمة رياض، المملكة العربية السعودية، الطبعة الأولى، ١٤١٠هـ.

١٥٣. الزبيدي، سيد محمد مرتضى الحسيني، **تاج العروس من جواهر القاموس**، تحقيق: عبد الستار أحمد فراج، لجنة التراث العربي حكومة الكويت، ١٣٨٥هـ=١٩٦٥م.

١٥٤. الزركشي، شمس الدين محمد بن عبد الله المصري الحنبلي، **شرح الزركشي**، دار العبيكان، الطبعة الأولى، ١٤١٣هـ=١٩٩٣م.

١٥٥. الزركلي، خير الدين بن محمود بن محمد بن علي الدمشقي، **الأعلام (قاموس تراجم الأشهر الرجال والنساء من العرب والمستعربين والمستشرقين)**، دار العلم للملايين بيروت، لبنان، الطبعة الخامسة عشرة، ٢٠٠٢م.

١٥٦. الزيلعي، جمال الدين أبو محمد عبد الله بن يوسف بن محمد، **نصب الراية لأحاديث الهداية**، تحقيق: محمد عوامة، مؤسسة الريان للطباعة والنشر، بيروت لبنان ودار القبلة للثقافة الإسلامية، جدة السعودية، الطبعة الأولى، ١٤١٨هـ=١٩٩٧م.

١٥٧. الزيلعي، عثمان بن علي بن محجن البارعي الحنفي، **تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق**، المطبعة الكبرى الأميرية، بولاق القاهرة، الطبعة الأولى، ١٣١٣ هـ.

١٥٨. السرخسي، شمس الأئمة محمد بن أحمد بن أبي سهل، **المبسوط**، دار المعرفة، بيروت، ١٤١٤هـ=١٩٩٣م.

١٥٩. سعيد بن منصور بن شعبة الخراساني، **السنن**، تحقيق: حبيب الرحمن الأعظمي، الدار السلفية، الهند، الطبعة الأولى ١٤٠٣هـ=١٩٨٢م.

١٦٠. السمرقندي، علاء الدين أبو بكر محمد بن أحمد، **تحفة الفقهاء**، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، الطبعة الثانية، ١٤١٤هـ=٩٩٤م.

١٦١. السمعاني، عبد الكريم بن محمد بن منصور، **كتاب الأنساب**، تحقيق: عبد الرحمن بن يحيى، دائرة المعارف العثمانية حيدر آباد، الهند، الطبعة الأولى، ١٣٨٦هـ=١٩٦٦م.

١٦٢. السندي، عبد الله، **التمهيد لتعريف أئمة التجديد**، تحقيق وتعليق: أبو سعيد غلام مصطفى القاسمي السندي، لجنة إحياء الأدب السندي بجام شورو والسند، الطبعة الأولى، ١٣٩٦هـ=١٩٧٦م.

toobaa-elibrary.blogspot.com

١٦٣. السيوطي، جلال الدين عبد الرحمن بن أبي بكر، **اللآلىء المصنوعة في الأحاديث الموضوعة**، تحقيق: أبو عبد الرحمن صلاح بن محمد بن عويضة، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤١٧هـ=١٩٩٦م.

١٦٤. السيوطي، جلال الدين عبد الرحمن بن أبي بكر، **المزهر في علوم اللغة وأنواعها**، تحقيق: محمد أحمد، محمد أبو الفضل إبراهيم، علي محمد، منشورات المكتبة العصرية، بيروت ١٩٨٦م.

١٦٥. السيوطي، جلال الدين عبد الرحمن بن أبي بكر، **بغية الوعاة**، تحقيق: محمد أبو الفضل إبراهيم، مطبعة عيسى البابي الحلبي وشركاه، مصر، ١٣٨٤هـ=١٩٦٤م.

١٦٦. السيوطي، جلال الدين عبد الرحمن بن أبي بكر، **جمع الجوامع المعروف بـ الجامع الكبير**، تحقيق: مختار إبراهيم الهائج وعبد الحميد محمد ندا وحسن عيسى عبد الظاهر، الناشر: الأزهر الشريف، القاهرة، جمهورية مصر العربية، الطبعة الثانية، ١٤٢٦هـ=٢٠٠٥م.

١٦٧. السيوطي، جلال الدين عبد الرحمن بن أبي بكر، **طبقات الحفاظ**، دار الكتب العلمية بيروت، لبنان، الطبعة الأولى، ١٤٠٣هـ=١٩٨٣م.

١٦٨. الشافعي، أبو عبد الله محمد بن إدريس، **الأم**، دار المعرفة، بيروت، ١٤١٠هـ=١٩٩٠م.

١٦٩. الشافعي، أبو عبد الله محمد بن إدريس، **المسند**، دار الكتب العلمية، بيروت لبنان.

١٧٠. الشبلي، بدر الدين محمد بن عبد الله الدمشقي الحنفي، **آكام المرجان في أحكام الجان**، تحقيق: إبراهيم محمد الجمل، مكتبة القرآن، القاهرة مصر.

١٧١. الشعراني، عبد الوهاب، **الطبقات الكبرى**، طبع بمصر.

١٧٢. الشيباني، محمد بن الحسن بن فرقد، **الآثار**، تحقيق: أبو الوفا الأفغاني، دار الكتب العلمية، بيروت.

١٧٣. الشيباني، محمد بن الحسن بن فرقد، **الموطأ**، تحقيق: عبد الوهاب عبد اللطيف، المكتبة العلمية.

١٧٤. الصغاني، أبو الفضائل رضي الدين الحسن بن محمد الحسن، **أسماء الغادة في أسماء العادة**، تحقيق: أحمد خان، مجمع البحوث الإسلامية، اسلام آباد، ١٩٨٠م.

١٧٥. الصغاني، أبو الفضائل رضي الدين الحسن بن محمد الحسن، **العباب الزاخر واللباب الفاخر**، تحقيق: فير محمد حسن، مطبعة المجمع العلمي العراقي، الطبعة الأولى، ١٣٩٨هـ=١٩٧٨م.

١٧٦. الصغاني، أبو الفضائل رضي الدين الحسن بن محمد الحسن، **كتاب الشوارد**، تحقيق: مصطفى حجازي، الهيئة العامة لشئون المطابع الأميرية، قاهرة، ١٤٠٣هـ=١٩٨٣م.

١٧٧. الصغاني، أبو الفضائل رضي الدين الحسن بن محمد الحسن، **كتاب الفعال**، تحقيق: أحمد خان، مجمع البحوث الإسلامية اسلام آباد، باكستان، الطبعة الأولى، ١٩٧٧م.

١٧٨. الصغاني، أبو الفضائل رضي الدين الحسن بن محمد الحسن، **كتاب يفعول**، تحقيق: حسن حسني عبد الوهاب، مطبعة العرب، تونس، ١٣٤٣هـ.

toobaa-elibrary.blogspot.com

١٧٩. الصغاني، أبو الفضائل رضي الدين الحسن بن محمد الحسن، ما تبنه العرب على فعال، تحقيق: عزة حسن، المجمع العلمي العربي، دمشق ١٣٨٣هـ=١٩٦٤م.

١٨٠. الصغاني، أبو الفضائل رضي الدين الحسن بن محمد الحسن، مشارق الأنوار [مخطوطة]، جامعة الملك سعود، رقم الاندراج: ٣٧٨٠، تاريخ النسخ: ١٢٩٧هـ.

١٨١. الصغاني، أبو الفضائل رضي الدين الحسن بن محمد الحسن، موضوعات الصغاني، تحقيق: نجم عبد الرحمن خلف، دار المأمون للتراث، دمشق، الطبعة الثانية، ١٤٠٥هـ=١٩٨٥م.

١٨٢. الصغاني، أبو الفضائل رضي الدين الحسن بن محمد الحسن، نقعة الصديان، تحقيق: علي حسين البواب، مكتبة المعارف، رياض، ١٤٠٢هـ=١٩٨٢م.

١٨٣. الصنعاني، عبد الرزاق بن همام بن نافع، المصنف، تحقيق: حبيب الرحمن الأعظمي، المجلس العلمي، الهند، الطبعة الثانية، ١٤٠٣هـ.

١٨٤. الطبراني، أبو القاسم سليمان بن أحمد بن أيوب، الدعاء، تحقيق: مصطفى عبد القادر عطا، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤١٣هـ.

١٨٥. الطبراني، أبو القاسم سليمان بن أحمد بن أيوب، المعجم الأوسط، تحقيق: طارق بن عوض الله بن محمد، عبد المحسن بن إبراهيم الحسيني، دار الحرمين، القاهرة.

١٨٦. الطبراني، أبو القاسم سليمان بن أحمد بن أيوب، المعجم الصغير، تحقيق: محمد شكور محمود الحاج أمرير، المكتب الإسلامي ، دار عمار، بيروت، عمان، الطبعة الأولى، ١٤٠٥هـ=١٩٨٥م.

١٨٧. الطبراني، أبو القاسم سليمان بن أحمد بن أيوب، المعجم الكبير، تحقيق: حمدي بن عبد المجيد السلفي، دار النشر مكتبة ابن تيمية، القاهرة، الطبعة الأولى، ١٤١٥هـ=١٩٩٤م.

١٨٨. الطبراني، أبو القاسم سليمان بن أحمد بن أيوب، مسند الشاميين، تحقيق: حمدي بن عبد المجيد، مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤٠٥هـ=١٩٨٤م.

١٨٩. الطبري، أبو جعفر محمد بن جرير، تاريخ الرسل والملوك، تحقيق: محمد أبو الفضل إبراهيم، دار المعارف، مصر، الطبعة الثانية.

١٩٠. الطبري، أبو جعفر محمد بن جرير، جامع البيان عن تأويل آي القرآن، تحقيق: أحمد محمد شاكر، مؤسسة الرسالة، الطبعة الأولى، ١٤٢٠هـ=٢٠٠٠م.

١٩١. الطحان، محمود، أصول التخريج ودراسة الأسانيد، مكتبة المعارف للنشر والتوزيع، الرياض، الطبعة الثالثة ١٤١٧هـ=١٩٩٦م.

١٩٢. الطحاوي، أبو جعفر أحمد بن محمد بن سلامة، شرح مشكل الآثار، تحقيق: شعيب الأرناؤوط، مؤسسة الرسالة، الطبعة الأولى، ١٤١٥هـ=١٤٩٤م.

toobaa-elibrary.blogspot.com

١٩٣. الطحاوي، أبو جعفر أحمد بن محمد بن سلامة، **شرح معاني الآثار**، تحقيق: محمد زهري النجار ومحمد سيد جاد الحق، عالم الكتب، الطبعة الأولى، ١٤١٤هـ=١٩٩٤م.

١٩٤. طقوش، محمد سهيل، **تاريخ الخلفاء الراشدين الفتوحات والإنجازات السياسية**، دار النفائس بيروت لبنان، الطبعة الثانية، ١٤٣٢هـ=٢٠١١م.

١٩٥. الطيالسي، أبو داود سليمان بن داود، **المسند**، تحقيق: محمد بن عبد المحسن، دار هجر، مصر، الطبعة الأولى، ١٤١٩هـ=١٩٩٩م.

١٩٦. الطيبي، شرف الدين الحسين بن عبد الله، **شرح الطيبي على مشكاة المصابيح المسمى بـ الكاشف عن حقائق السنن**، تحقيق: عبد الحميد هنداوي، مكتبة نزار مصطفى الباز، مكة المكرمة، الرياض.

١٩٧. عبد بن حميد، أبو محمد عبد الحميد بن حميد بن نصر الكسي، **المنتخب من مسند عبد بن حميد**، تحقيق: الشيخ مصطفى العدوي، دار بلنسية للنشر والتوزيع، الطبعة الثانية، ١٤٢٣هـ=٢٠٠٢م.

١٩٨. العجلي، أبو الحسن أحمد بن عبد الله بن صالح، **تاريخ الثقات**، دار الكتب العلمية بيروت، لبنان، الطبعة الأولى، ١٤٠٥هـ=١٩٨٤م.

١٩٩. العقيلي، أبو جعفر محمد بن عمرو المكي، **الضعفاء الكبير**، تحقيق: عبد المعطي أمين قلعجي، دار المكتبة العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤٠٤هـ=١٩٨٤م.

٢٠٠. العيدروس، عبد القادر بن شيخ عبد الله الهندي، **النور السافر عن أخبار القرن العاشر**، تحقيق: أحمد حالو، دار صادر، بيروت لبنان، الطبعة الأولى، ٢٠٠١م.

٢٠١. العيني، بدر الدين محمود بن أحمد الحنفي، **البناية في شرح الهداية**، دار الكتب العلمية، بيروت لبنان، الطبعة الأولى، ١٤٢٠هـ=٢٠٠٠م.

٢٠٢. الغزالي، أبو حامد محمد بن محمد بن أحمد الطوسي، **إحياء علوم الدين**، دار المعرفة، بيروت.

٢٠٣. الغزالي، أبو حامد محمد بن محمد بن أحمد الطوسي، **الوسيط في المذهب**، تحقيق: أحمد محمود إبراهيم، محمد محمد تامر، دار السلام، القاهرة، الطبعة الأولى، ١٤١٧هـ.

٢٠٤. الغوري، سيد عبد الماجد، **المحدث الشيخ عبد الحق الدهلوي وإسهامه في الحديث النبوي**، الحديث-مجلة علمية محكمة، نصف السنوية- معهد دراسات الحديث النبوي، الجامعة الإسلامية العالمية، ماليزيا، صفر ١٤٣٤هـ=ديسمبر٢٠١٢م.

٢٠٥. الغوري،سيد عبد الماجد، **الوجيز في تعريف كتب الحديث**، دار ابن كثير دمشق، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٣٠هـ=٢٠٠٩م.

٢٠٦. الفتني، محمد بن طاهر، **المغني في ضبط الأسماء لرواة الأنباء**، تحقيق: زين العابدين، الرحيم اكيدمي باكستان، ١٤٢٨هـ.

toobaa-elibrary.blogspot.com

٢٠٧. الفتني، محمد بن طاهر، تذكرة الموضوعات، تصحيح: عبد الجليل، صالح بن سليمان، إدارة الطباعة المنيرية، مصر، الطبعة الأولى، ١٣٤٣هـ.

٢٠٨. الفتني، محمد بن طاهر، قانون الموضوعات بذيل تذكرة الموضوعات، تصحيح: عبد الجليل، صالح بن سليمان، إدارة الطباعة المنيرية، مصر، الطبعة الأولى، ١٣٤٢هـ.

٢٠٩. الفتني، محمد بن طاهر، مجمع بحار الأنوار في غرائب التنزيل ولطائف الأخبار، تحقيق: حبيب الرحمن الأعظمي، مطبعة مجلس دائرة المعارف العثمانية، الطبعة الأولى، ١٣٨٧هـ=١٩٦٧م.

٢١٠. الفراهيدي، أبو عبد الرحمن الخليل بن أحمد البصري، كتاب العين، تحقيق: مهدي المخزومي، د إبراهيم السامرائي، دار ومكتبة الهلال.

٢١١. الفيروزآبادى، أبو طاهر مجد الدين محمد بن يعقوب بن محمد، القاموس المحيط، تحقيق: محمد نعيم العرقسوسي، مؤسسة الرسالة للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت، لبنان، الطبعة الثامنة، ١٤٢٦هـ=٢٠٠٥م.

٢١٢. الفيروزآبادى، أبو طاهر مجد الدين محمد بن يعقوب بن محمد، سفر السعادة، تحقيق: أحمد عبد الرحيم السايح، عمر يوسف حمزة، مركز الكتاب للنشر، القاهرة، جمهورية مصر العربية، الطبعة الأولى، ١٤١٧هـ=١٩٩٧م.

٢١٣. القاري، أبو الحسن نور الدين علي بن سلطان محمد الملا الهروي، مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، دار الفكر، بيروت، لبنان، الطبعة الأولى، ١٤٢٢هـ=٢٠٠٢م.

٢١٤. القاضي الرشيد، أبو الحسن أحمد بن الرشيد بن القاضي الزبير، كتاب الذخائر والتحف، تحقيق: محمد حميد الله، التراث العربي دائرة المطبوعات والنشر، الكويت، ١٩٥٩م.

٢١٥. القاضي عياض، أبو الفضل عياض بن موسى بن عياض اليحصبي، الشفا بتعريف حقوق المصطفى، دار الفكر الطباعة والنشر والتوزيع، ١٤٠٩هـ=١٩٨٨م.

٢١٦. القرشي، أبو محمد عبد القادر بن محمد بن محمد بن نصر الله الحنفي، الجواهر المضية في طبقات الحنفية، تحقيق: عبد الفتاح محمد الحلو، هجر للطباعة والنشر.

٢١٧. القزويني، عبد الكريم بن محمد الرافعي، فتح العزيز بشرح الوجيز=الشرح الكبير، دار الفكر.

٢١٨. القزويني، نجم الدين عبد الغفار بن عبد الكريم الشافعي، الحاوي الصغير، تحقيق: صالح بن محمد بن إبراهيم، دار ابن الجوزي، المملكة العربية السعودية، الطبعة الأولى، ١٤٣٠هـ.

٢١٩. القسطلاني، أبو العباس أحمد بن محمد بن أبي بكر المصري، المواهب اللدنية بالمنح المحمدية، المكتبة التوفيقية، القاهرة، مصر.

٢٢٠. القضاعي، أبو عبد الله محمد بن سلامة المصري، مسند الشهاب، تحقيق: حمدي بن عبد المجيد السلفي، الناشر: مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة الثانية، ١٤٠٧هـ=١٩٨٦م.

toobaa-elibrary.blogspot.com

٢٢١. القنوجي، محمد صديق خان بن حسن بن علي، **أبجد العلوم**، تحقيق: عبد الجبار زكار، منشورات وزارة الثقافة والارشاد، دمشق، ١٩٧٨م.

٢٢٢. القنوجي، محمد صديق خان بن حسن بن علي، **الحطة في ذكر الصحاح الستة**، تحقيق: علي حسن الحلبي، دار الجيل، بيروت ١٤٠٥هـ=١٩٨٥م.

٢٢٣. القيرواني، أبو عبد الله بن أبي زيد، **الرسالة في فقه الإمام مالك**، دار الكتب العلمية، بيروت لبنان.

٢٢٤. الكادوري، يوسف بن عمر بن يوسف، **جامع المضمرات والمشكلات في شرح مختصر الإمام القدوري**، تحقيق: عمار فواد محسن تراوتي، دار الكتب العلمية، بيروت لبنان، ١٤٣٩هـ= ٢٠١٨م.

٢٢٥. الكاساني، علاء الدين، أبو بكر بن مسعود بن أحمد الحنفي، **بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع**، دار الكتب العلمية، الطبعة الثانية، ١٤٠٦هـ=١٩٨٦م.

٢٢٦. الكاكوري، عنايت أحمد، **علم الصيغة (معرب)**، تعريب: ولي خان المظفر، مكتبة البشرى كراتشي، باكستان، الطبعة الثانية ١٤٣٢هـ=٢٠١١ء.

٢٢٧. الكتاني، عبد الحي بن عبد الكبير، **فهرس الفهارس والأثبات والمعجم المعاجم والمشيخات والمسلسلات**، تحقيق: احسان عباس، دار العرب الإسلامي، بيروت، الطبعة الثانية ١٤٠٢هـ=١٩٨٢م.

٢٢٨. الكتاني، محمد بن جعفر، السيد الشريف، **الرسالة المستطرفة لبيان مشهور كتب السنة المشرفة**، تحقيق: محمد المنتصر، دار البشائر الإسلامية بيروت، لبنان، الطبعة الخامسة ١٤١٤هـ=١٩٩٣م.

٢٢٩. كحالة، عمر رضا، **معجم المؤلفين [تراجم مصنفي الكتب العربية]**، دار احياء التراث العربي بيروت، لبنان ١٣٧٦هـ=١٩٥٧م.

٢٣٠. الكرماني، محمد بن يوسف بن علي بن سعيد، **الكواكب الدراري في شرح صحيح البخاري**، دار إحياء التراث العربي، بيروت، لبنان، طبعة ثانية، ١٤٠١هـ=١٩٨١م.

٢٣١. اللكنوي، أبو الحسنات محمد عبد الحي بن محمد عبد الحليم الأنصاري، **الفوائد البهية في تراجم الحنفية**، تصحيح وتعليق: محمد بدر الدين النعاني، دار الكتاب الإسلامي، القاهرة، ١٣٢٤هـ.

٢٣٢. اللكنوي، أبو الحسنات محمد عبد الحي بن محمد عبد الحليم الأنصاري، **التعليق الممجد على موطا محمد**، تحقيق: تقي الدين الندوي، دار القلم، دمشق، الطبعة الرابعة ١٤٢٦هـ=٢٠٠٥م.

٢٣٣. اللكنوي، أبو الحسنات محمد عبد الحي بن محمد عبد الحليم الأنصاري، **ظفر الأماني بشرح مختصر السيد الشريف الجرجاني**، تحقيق: عبد الفتاح أبو غدة، مكتب المطبوعات الإسلامية، حلب، الطبعة الثالثة، ١٤١٦هـ.

toobaa-elibrary.blogspot.com

٢٣٤. اللكنوي، عبد العلي محمد بن نظام الدين محمد السهالوي، **فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت**، تصحيح: عبد الله محمود محمد عمر، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، الطبعة الأولى، ١٤٢٣هـ-٢٠٠٢م.

٢٣٥. مالك بن أنس بن مالك، **الموطأ**، تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي، دار إحياء التراث العربي، بيروت، لبنان، ١٤٠٦هـ-١٩٨٥م.

٢٣٦. الماوردي، أبو الحسن علي بن محمد البغدادي، **الحاوي الكبير في فقه مذهب الإمام الشافعي**، تحقيق: الشيخ علي محمد معوض، الشيخ عادل أحمد عبد الموجود، دار الكتب العلمية، بيروت لبنان، الطبعة الأولى، ١٤١٩ هـ-١٩٩٩م.

٢٣٧. المباركبوري، أبو المعالي القاضي أطهر، **رجال السند والهند إلى القرن السابع**، كتليري بازار بمبي، ١٣٧٧هـ-١٩٥٨م.

٢٣٨. المباركفوري، القاضي أبو المعالي أطهر، **العقد الثمين في فتوح الهند ومن ورد فيها من الصحابة والتابعين**، دار الأنصار، ١٣٩٩هـ.

٢٣٩. المتقي، علي بن حسام الدين الهندي، **البرهان في علامات مهدي آخري الزمان**، دار الصحابة للتراث، طنطا، الطبعة الأولى، ١٣١٢هـ-١٩٩٢م.

٢٤٠. المتقي، علي بن حسام الدين الهندي، **كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال**، تحقيق: بكري حياني، صفوة السقا، مؤسسة الرسالة، الطبعة الخامسة، ١٤٠١هـ-١٩٨١م.

٢٤١. المتقي، علي بن حسام الدين الهندي، **منتخب كنز العمال على حاشية المسند لإمام أحمد**، مكتبة ميمنة، مصر ١٣١٣هـ.

٢٤٢. **مجلة المجمع العلمي العراقي**، بغداد: جلد ٢/من المجلد ٣١، ١٩٨٠م.

٢٤٣. **مجلة كلية الشريعة جامعة بغداد**، مكتبة المعارف بغداد، العدد الخامس ١٩٦٩م.

٢٤٤. المحدث الدهلوي، الشيخ عبد الحق بن سيف الدين، **زبدة الآثار**، مطبع بكسنگ كمپنی، بمبئی ١٣٠٤هـ =١٨٨٦م.

٢٤٥. المحدث الدهلوي، الشيخ عبد الحق بن سيف الدين، **فتح الرحمن في إثبات مذهب النعمان**، تحقيق: نظام الدين الأعظمي، المكتبة الحسامية، ديوبند، سهارنفور، الطبعة الأولى ١٤٠١هـ.

٢٤٦. المحدث الدهلوي، الشيخ عبد الحق بن سيف الدين، **لمعات التنقيح**، تحقيق: تقي الدين الندوي، دار النوادر، دمشق، الطبعة الأولى ١٤٣٥هـ-٢٠١٤م.

٢٤٧. المحدث الدهلوي، الشيخ عبد الحق بن سيف الدين، **مقدمة في أصول الحديث**، تقديم وتعليق: سلمان الحسيني الندوي، دار البشائر الاسلامية بيروت، لبنان ١٤٠٦هـ-١٩٨٧م.

toobaa-elibrary.blogspot.com

٢٤٨. محمد بن نصر، أبو عبد الله محمد بن نصر بن الحجاج المروزي، **صلاة الوتر (مختصر قيام الليل)**، اختصرها العلامة أحمد بن علي المقريزي، حديث أكادمي، فيصل آباد، باكستان، الطبعة الأولى، ١٤٠٨هـ=١٩٨٨م.

٢٤٩. محمود شاكر، **التاريخ الإسلامي**، المكتب الإسلامي بيروت، لبنان، الطبعة الثامنة ١٤٢١هـ=٢٠٠٠م.

٢٥٠. المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين علي بن أبي بكر بن عبد الجليل، **الهداية في شرح بداية المبتدي**، تحقيق: طلال يوسف، دار احياء التراث العربي، بيروت لبنان.

٢٥١. المزي، أبو الحجاج جمال الدين يوسف بن عبد الرحمن، **تهذيب الكمال في أسماء الرجال**، تحقيق: بشار عواد معروف، مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة الثانية ١٤٠٣هـ=١٩٨٣م.

٢٥٢. مسلم بن الحجاج أبو الحسن القشيري، **الجامع الصحيح**، تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي، دار إحياء التراث العربي، بيروت.

٢٥٣. المقدسي، ضياء الدين أبو عبد الله محمد بن عبد الواحد، **الأحاديث المختارة**، تحقيق: عبد الملك بن عبد الله بن دهيش، دار خضر للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت لبنان.

٢٥٤. **المنجد في اللغة والأدب والعلوم**، المكتبة الكاثوليكية، بيروت، الطبعة التاسعة عشرة.

٢٥٥. ناجي معروف، **تاريخ علماء المستنصرية**، مطبعة العاني، بغداد، الطبعة الأولى ١٣٧٩هـ=١٩٥٩م.

٢٥٦. النسائي، أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب، **كتاب الضعفاء والمتروكين**، تحقيق: بوران الضناوي وكمال يوسف الحوت، موسسة الكتب الثقافية بيروت، لبنان، الطبعة الأولى ١٤٠٥هـ=١٩٨٥م.

٢٥٧. النسائي، أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب، **السنن**، تحقيق: عبد الفتاح أبو غدة، مكتب المطبوعات الإسلامية، حلب، الطبعة الثانية، ١٤٠٦هـ=١٩٨٦م.

٢٥٨. نعيم بن حماد المروزي، **كتاب الفتن**، تحقيق: سمير أمين الزهيري، مكتبة التوحيد، القاهرة، الطبعة الأولى، ١٤١٢هـ.

٢٥٩. النووي، أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف، **الأذكار**، تحقيق: عبد القادر الأرناووط، دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت لبنان، طبعة جديدة منقحة، ١٤١٤هـ=١٩٩٤م.

٢٦٠. النووي، أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف، **المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج**، دار إحياء التراث العربي، بيروت، الطبعة الثانية، ١٣٩٢هـ.

٢٦١. الهروي، أبو عُبيد القاسم بن سلاّم بن عبد الله البغدادي، **كتاب الأموال**، تحقيق: خليل محمد هراس، دار الفكر، بيروت لبنان، ١٩٨٦م.

toobaa-elibrary.blogspot.com

٢٦٢. ياقوت الحموي، شهاب الدين أبو عبد الله ياقوت بن عبد الله، **معجم البلدان**، دار صادر، بيروت ١٣٩٧هـ=١٩٧٧م.

اردو کتب

۲۶۳. ابن خلدون، عبد الرحمن بن محمد، **مقدمہ ابن خلدون**، ترجمہ: مولانا راغب رحمانی دہلوی، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۱۰ء۔

۲۶۴. ابو ظفر، سید، **گجرات کی تمدنی تاریخ**، مطبع معارف، اعظم گڑھ، ۱۹۶۲ء۔

۲۶۵. احمد حسین خان، **جواہر مجددیہ**، تصحیح: محمد عبد الستار طاہر، ادارہ مسعودیہ کراچی، پاکستان، ۱۴۲۳ھ=۲۰۰۲ء۔

۲۶۶. احمد سرہندی، شیخ مجدد الف ثانی، **مکتوبات امام ربانی**، مطبع منشی نول کشور، لکھنؤ، ۱۹۱۳ء۔

۲۶۷. **اردو دائرۂ معارف اسلامیہ**، دانش گاہ پنجاب لاہور، پاکستان، بار دوم اگست ۲۰۰۵ء۔

۲۶۸. اسلام الحق مظاہری، **تذکرہ مشائخ ہند**، ادارہ اسلامی دار المطالعہ، سہارن پور، سال طباعت: ۱۳۹۸ھ۔

۲۶۹. اصلاحی، ضیاء الدین، **تذکرۃ المحدثین**، دار المصنفین، شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ، الہند، ۲۰۱۳ء۔

۲۷۰ اعجاز الحق قدوسی، **تذکرہ صوفیائے پنجاب**، سلمان اکیڈمی، نیو کراچی، مطبوعہ: ایجوکیشنل پریس کراچی، پاکستان، مئی ۱۹۶۲ء۔

۲۷۱. الاعظمی، حبیب الرحمن، ابو المآثر، **مقالات ابو المآثر**، مرتب: مسعود احمد اعظمی، دار الثقافۃ الاسلامیہ مئو، یوپی، طبع اول ۱۴۳۵ھ=۲۰۱۴ء۔

۲۷۲. آزاد، ابو الکلام، **تذکرہ**، مرتب: مالک رام، ساہتیہ اکادمی، گیارہویں بار ۲۰۱۵ء۔

۲۷۳. آصفی، عبد اللہ محمد بن عمر المکی الدبیر المکی، **ظفر الوالہ بمظفر وآلہ**، لائبریری آف نور فنویونیورسٹی۔

۲۷۴. بدایونی، عبد القادر بن ملوک شاہ، **منتخب التواریخ**، مطبع خاص منشی نول کشور، لکھنؤ، ۱۲۸۴ھ=۱۸۶۸ء۔

۲۷۵. بلگرامی، میر غلام علی آزاد، **مآثر الکرام**، مطبع مفید عام آگرہ، ۱۳۲۸ھ=۱۹۱۰ء۔

۲۷۶. خافی خان، محمد ہاشم خان، **منتخب اللباب**، تصحیح: مولوی کبیر الدین احمد و مولوی غلام قادر، ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ، ۱۸۶۹ء۔

۲۷۷. خان، محمد عمران (مرتب)، **تحریۃ المخطوطات**: وضاحتی فہرست عربی فارسی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، ٹونک راجستھان، ایڈیشن اول ۱۹۸۱ء۔

۲۷۸. داراشکوہ، شہزادہ، **سفینۃ الاولیاء**، مترجم: محمد علی لطفی، نفیس اکیڈمی کراچی، پاکستان، طبع ہفتم، ۱۹۸۶ء۔

۲۷۹. رحمان علی، **تذکرہ علمائے ہند**، مطبع نامی منشی نول کشور، واقع لکھنؤ۔

۲۸۰. سید ہاشمی فرید آبادی، **مآثر لاہور**، ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ لاہور، پاکستان، طبع اول، ۱۹۵۶ء۔

۲۸۱. شبلی نعمانی، **سیرۃ النبی** ﷺ، مکتبہ مدینہ، اردو بازار، لاہور، ۱۴۰۸ھ۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۲۸۲. شبلی نعمانی. شعر العجم، دار المصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۲۰۱۶ء۔

۲۸۳. شطاری، محمد غوثی ماندوی، گلزار ابرار (اردو)، مترجم: فضل احمد جیوری، ناشر سید احمد شہید اکادمی لاہور، پاکستان ۱۳۲۶ھ۔

۲۸۴. شوکت علی خان (مرتب)، قصر العلم: ٹونک کے کتب خانے اور ان کے نوادر، عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، ٹونک، راجستھان۔

۲۸۵. صمصام الدولہ، شاہ نواز خان، مآثر الامراء، تصحیح: مرزا اشرف علی، ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ، ۱۳۰۹ھ = ۱۸۹۱ء۔

۲۸۶. ظہور الحسن شارب، تذکرہ اولیائے پاک و ہند، پروگریسو بکس، اردو بازار لاہور، بار اول، ۱۹۹۹ء۔

۲۸۷. عبد الحلیم چشتی، پاکستان کا ایک محقق، لغوی اور نامور محدث: حسن بن محمد الصغانی اللاہوری، ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ، جنوری ۱۹۵۹ء۔

۲۸۸. عبد الحمید لاہوری، بادشاہ نامہ، حصہ دوم، تصحیح: مولوی کبیر الدین احمد و مولوی عبد الرحیم، ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ، بنگال، ۱۸۶۸ء۔

۲۸۹. عبد الرحیم، لباب المعارف العلمیہ (فہرست مکتبہ علوم شرقیہ، اسلامیہ کالج پشاور)، فروز پرنٹنگ ورکس، ۱۹۳۸ء۔

۲۹۰. عبد الرشید عراقی، برصغیر پاک و ہند میں علم حدیث، محدث روپڑی اکیڈمی لاہور، پاکستان، ۲۰۰۰ء۔

۲۹۱. عبد السلام جیلانی، شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی تصانیف کا اجمالی جائزہ، فکر و نظر (سہ ماہی) علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، جلد: ۵۲، شمارہ: ۳، ستمبر ۲۰۱۵ء۔

۲۹۲. عبد الوہاب، افضل التصنات، تذکرہ علامہ شیخ محمد طاہر پٹنی، ترجمہ رسالہ مناقب، مترجم: پروفیسر سید ابو ظفر ندوی۔

۲۹۳. عرفان حبیب، عہد وسطی کا ہندوستان، مترجم: اقتدار عالم خان، نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا، طبع دوم، ۲۰۱۴ء۔

۲۹۴. علی حسن خان، سید، صبح گلشن، شاہجہانی، بھوپال، ۱۲۹۵ء۔

۲۹۵. غلام سرور لاہوری، حدیقۃ الاولیاء، تحقیق: محمد اقبال مجددی، اسلامک بک فاؤنڈیشن سمن آباد، لاہور، ۱۳۹۶ھ = ۱۹۷۶ء۔

۲۹۶. غلام سرور لاہوری، مفتی، خزینۃ الاصفیاء، کانپور ۱۸۷۳ء۔

۲۹۷. غلام سرور لاہوری، حدیقۃ الاولیاء، تحقیق و تعلیق: محمد اقبال مجددی، اسلامک بک فاؤنڈیشن سمن آباد، لاہور، پاکستان، سن اشاعت جدید: ۱۳۹۶ھ = ۱۹۷۶ء۔

۲۹۸. فاروقی، ابو الحسن زید، شاہ، مقالات خیر، جمال پرنٹنگ پریس، چھتہ شیخ منگلو، دلی ۶، اشاعت: بار اول، ۱۳۹۲ھ = ۱۹۷۲ء۔

۲۹۹. فہرست نسخہ ہای خطی فارسی، کتاب خانہ رضا، رامپور، ناشر: کتابخانہ رضا، رامپور، ۱۹۹۶ء۔۲۰۰۰ء۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۳۰۰۔ قادری، اعجاز احمد، شیخ عبد الحق محدث دہلوی اور عقائد و معمولات اہلسنت، مکتبہ غوثیہ کراچی، پاکستان، اشاعت اول ۱۴۳۴ھ = ۲۰۱۳ء۔

۳۰۱۔ قادری، سید احمد، تذکرہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی، شاد بُک ڈپو، پٹنہ ۱۹۵۰ء۔

۳۰۲۔ قاضی اطہر مبارک پوری، ہندوستان میں علم حدیث کی اشاعت، ترتیب: محمد صادق مبارک پوری، مکتبہ الفہیم مئوناتھ بھنجن، اشاعت اول: نومبر ۲۰۰۱ء۔

۳۰۳۔ کیرانوی، وحید الزماں، القاموس الوحید، کتب خانہ حسینیہ، دیوبند، ۲۰۰۱ء۔

۳۰۴۔ کشمی، خواجہ محمد ہاشم، زبدۃ المقامات (اردو)، مترجم: غلام مصطفیٰ خان و صغیر الدین، مکتبہ نعمانیہ، اقبال روڈ سیالکوٹ، پاکستان، شعبان ۱۴۰۷ھ۔

۳۰۵۔ محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ، انفاس العارفین، مطبع احمدی، دہلی۔

۳۰۶۔ محدث دہلوی، شیخ عبد الحق بن سیف الدین، اخبار الاخیار فی اسرار الابرار، تحقیق: علیم اشرف خان، انجمن آثار و مفاخر فرہنگی، ایران، ۱۳۸۳ھ۔

۳۰۷۔ محدث دہلوی، شیخ عبد الحق بن سیف الدین، اشعۃ اللمعات، مطبع محمدی بمبئی ۱۲۷۷ھ۔

۳۰۸۔ محدث دہلوی، شیخ عبد الحق بن سیف الدین، المکاتیب والرسائل الی ارباب الکمال والفضائل، مطبع مجتبائی، دہلی۔

۳۰۹۔ محدث دہلوی، شیخ عبد الحق بن سیف الدین، آداب اللباس (مخطوطہ)، رضا لائبریری، رامپور، شمارہ کتاب: ۲۹۵ (ب)۔

۳۱۰۔ محدث دہلوی، شیخ عبد الحق بن سیف الدین، تاریخ حقی، ترتیب: پروفیسر سید محمد طارق حسن، مطبع: آردرا پرنٹرس شاہدرہ، دہلی، ۲۰۱۳ء۔

۳۱۱۔ محدث دہلوی، شیخ عبد الحق بن سیف الدین، تالیف قلب الالیف بکتاب فہرس التوالیف (مخطوطہ)، رضا لائبریری، رامپور، شمارہ کتاب: ۲۹۵ (ب)۔

۳۱۲۔ محدث دہلوی، شیخ عبد الحق بن سیف الدین، تکملہ توصیل المرید الی المراد (مخطوطہ)، رضا لائبریری، رامپور، شمارہ کتاب: ۲۹۵ (ب)۔

۳۱۳۔ محدث دہلوی، شیخ عبد الحق بن سیف الدین، تکمیل الایمان، الرحیم اکیڈمی کراچی، پاکستان، ربیع الاول ۱۴۲۱ھ۔

۳۱۴۔ محدث دہلوی، شیخ عبد الحق بن سیف الدین، توصیل المرید الی المراد (مخطوطہ)، رضا لائبریری، رامپور، شمارہ کتاب: ۲۹۵ (ب)۔

۳۱۵۔ محدث دہلوی، شیخ عبد الحق بن سیف الدین، جذب القلوب الی دیار المحبوب، مطبع: منشی نول کشور، واقع لکھنؤ۔

۳۱۶۔ محدث دہلوی، شیخ عبد الحق بن سیف الدین، رسالہ الوصیہ (مخطوطہ)، رضا لائبریری، رامپور، شمارہ کتاب: ۲۹۵ (ب)۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۳۱۷۔ محدث دہلوی، شیخ عبد الحق بن سیف الدین، رسالہ نوریہ سلطانیہ، تصحیح وتعلیق: ڈاکٹر محمد سلیم اختر، مرکز تحقیقات فارسی ایران وپاکستان اسلام آباد، پاکستان، ۱۴۰۵ھ=۱۹۸۵ء۔

۳۱۸۔ محدث دہلوی، شیخ عبد الحق بن سیف الدین، زاد المتقین فی سلوک طریق الیقین، اردو ترجمہ وتشریح: محمد عبد الحلیم چشتی، الرحیم اکیڈمی لیاقت آباد، کراچی، ۱۴۱۹ھ=۱۹۹۸ء۔

۳۱۹۔ محدث دہلوی، شیخ عبد الحق بن سیف الدین، زبدۃ الآثار منتخب بہجۃ الاسرار (فارسی، بر حاشیہ زبدۃ الآثار عربی)، مطبع بکنگ کمپنی، بمبئی، ۱۳۰۴ھ=۱۸۸۶ء۔

۳۲۰۔ محدث دہلوی، شیخ عبد الحق بن سیف الدین، شرح سفر السعادۃ، مطبع اودھ، بار دوم ۱۸۸۵ء۔

۳۲۱۔ محدث دہلوی، شیخ عبد الحق بن سیف الدین، شرح فتوح الغیب، نول کشور، کانپور، ۱۹۰۷ء۔

۳۲۲۔ محدث دہلوی، شیخ عبد الحق بن سیف الدین، مدارج النبوۃ، مطبع منشی نول کشور، کانپور، طبع دوم ۱۹۰۲ء۔

۳۲۳۔ محدث دہلوی، شیخ عبد الحق بن سیف الدین، مرج البحرین۔

۳۲۴۔ محدث دہلوی، شیخ عبد الحق بن سیف الدین، مطلب الاعلیٰ فی شرح اسماء الحسنیٰ (مخطوطہ)، رضا لائبریری، رامپور، شمارہ کتاب: ۲۹۵ (ب)۔

۳۲۵۔ محدث دہلوی، شیخ عبد الحق بن سیف الدین، مطلع الانوار البہیۃ فی حلیۃ النبویۃ (مخطوطہ)، رضا لائبریری، رامپور، شمارہ کتاب: ۲۹۵ (ب)۔

۳۲۶۔ محدث دہلوی، شیخ عبد الحق بن سیف الدین، مدارج النبوۃ (اردو)، ترجمہ: غلام معین الدین نعیمی، شبیر برادرز لاہور، پاکستان، جنوری ۲۰۰۳ء۔

۳۲۷۔ محمد اسحاق، علم حدیث میں برعظیم پاک وہند کا حصہ، مترجم: شاہد حسین رزاقی، اریب پبلیکیشنز دریاگنج، نئی دہلی، سن اشاعت: ۲۰۱۳ء۔

۳۲۸۔ محمد اسلم، دین الٰہی اور اس کا پس منظر، ندوۃ المصنفین، سمن آباد، لاہور، طبع ثانی جنوری ۱۹۷۰ء۔

۳۲۹۔ محمد اقبال، مجددی، تذکرہ علماء ومشائخ پاکستان وہند، لاہور، پروگریسو بکس، ۲۰۱۳ء۔

۳۳۰۔ محمد اکرم، رود کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ لاہور، پاکستان، جون ۲۰۰۵ء۔

۳۳۱۔ محمد حسین آزاد، دربار اکبری، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، پہلا ایڈیشن، ۲۰۰۰ء۔

۳۳۲۔ محمد فرمان (پروفیسر)، حیات مجدد، مجلس ترقی ادب، کلب روڈ لاہور، پاکستان، ۱۹۵۸ء۔

۳۳۳۔ محمد مسعود احمد، سیرت مجدد الف ثانی، امام ربانی فاؤنڈیشن کراچی، پاکستان، ۱۴۲۶ھ=۲۰۰۵ء۔

۳۳۴۔ محمد وارث کامل، تذکرہ اولیائے لاہور، مکتبہ ماحول بہادر شاہ مارکیٹ، بندر روڈ کراچی، پاکستان، طبع اول، جون ۱۹۶۳ء۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۳۳۵. مشتاقی، شیخ رزق اللہ، **واقعات مشتاقی**، تصحیح: اقتدار حسین صدیقی و وقار حسین صدیقی، رام پور رضا لائبریری، رام پور (یو۔ پی۔) طبع اول، ۱۴۲۲ھ = ۲۰۰۲ء۔

۳۳۶. معروفی، عبد اللہ، **حدیث اور فہم حدیث**، مکتبہ ثانیہ، دیوبند سہارنپور، طبع پنجم، ۱۴۲۹ھ = ۲۰۰۸ء۔

۳۳۷. منشی برکت علی، **مرآۃ الحقائق**، مطبع عزیزی، رام پور۔

۳۳۸. ندوی، ابوالحسن علی حسنی، **تاریخ دعوت وعزیمت**، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، لکھنؤ، ۱۴۳۱ھ = ۲۰۱۰ء۔

۳۳۹. ندوی، سید سلیمان، **عرب وہند کے تعلقات**، دار المصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۲۰۱۰ء۔

۳۴۰. ندوی، سید سلیمان، **مقالات سلیمان**، مرتب: شاہ معین الدین احمد ندوی، دار المصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ (یوپی) انڈیا، طبع دوم، ۲۰۰۶ء۔

۳۴۱. ندوی، شاہ معین الدین، **سیر الصحابہ**، دار الاشاعت، اردو بازار کراچی، پاکستان، ۲۰۰۴ء۔

۳۴۲. نظام الدین احمد، خواجہ، **طبقات اکبری**، ایشیاٹک سوسائٹی، بنگال۔

۳۴۳. نظام الدین اولیاء، محمد بن احمد بن علی، **فوائد الفواد**، مطبع نولکشور، طبع سوم، ۱۳۱۲ھ۔

۳۴۴. نظامی، خلیق احمد، **حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی**، ادارہ علوم القرآن، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔

۳۴۵. نعمانی، محمد منظور (مرتب)، **تذکرہ امام ربانی مجدد الف ثانی**، کتب خانہ الفرقان، لکھنؤ، طبع دوم، ۱۹۶۰ء۔

۳۴۶. ہجویری، علی بن عثمان معروف بہ داتا گنج بخش، **کشف المحجوب**، دار النور، لاہور پاکستان، طباعت اول، ۱۴۳۵ھ = ۲۰۱۳ء۔

English Books

347. Arshi, Imtiyaz Ali, **Catalogue of the Arabic manuscripts in Raza Library Rampur**, Raza Library trust Rampur, U.P. India, 1963.

348. **Catalogue of the Arabic and Persian Manuscripts in the Khuda Bakhsh** Oriental Public Library, Patna, 1994.

349. Ethe, Hermann, **Catalogue of Persian manuscripts in the Library of the India Office**, Oxford University, 1903-1937.

350. Ivanow, Wladimir, **Concise descriptive catalogue of the Persian manuscripts in the collections of the Asiatic Society of Bengal**, Asiatic Society of Bengal, Calcutta, 1924.

351. Rieu, Charles, **Catalogue of the Persian manuscripts in the British Museum**, 1879-1883.

352. Ross, Edward Denison, and Edward, Granville Browne, **Catalogue of two collections of Persian and Arabic manuscripts preserved in the India Office Library**, London, 1902.

toobaa-elibrary.blogspot.com

فتح الرحمن في إثبات مذهب النعمان

(لشیخ عبدالحق محدث دہلوی)

تخریج وتحقیق

مقالہ

برائے پی ایچ ڈی

مقالہ نگار

محمد حماد

نگراں

ڈاکٹر محمد حبیب اللہ قاسمی

اسوسی ایٹ پروفیسر

شعبۂ دینیات (سنی)

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

علی گڑھ (انڈیا) ۲۰۲۰۰۲

۲۰۲۰ء

toobaa-elibrary.blogspot.com

FATH-UR-RAHMAN FI ISBATI MAZHAB-IN-NOMAN
(LI SHAIKH ABDUL HAQ MUHADDIS DEHLAVI)
TAKHREEJ WA TAHQEEQ

Thesis

SUBMITTED FOR THE AWARD OF THE DEGREE

OF

Doctor of Philosophy

In

Sunni Theology

By

MOHAMMAD HAMMAD

Under the Supervision of

DR. MOHAMMAD HABIBULLAH QASIMI

Associate Professor

DEPARTMENT OF SUNNI THEOLOGY

ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY

ALIGARH (INDIA) - 202002

2020

toobaa-elibrary.blogspot.com

الهجرية، بعد ما فرغت عن نقل هذا الكتاب المستطاب وكتابته، فوجدت هذا الكتاب مطابقا بتلك النسخة حرفا بحرف، إلا في مقامات قليلة تغير حرف أو كلمة فقط، ومنه تغير الاسم، فاسم هذا الكتاب في هذه النسخة ب"فتح الرحمن في تائيد مذهب النعمان" وفي تلك النسخة "فتح المنان في تائيد مذهب النعمان".

قد أمرني بنقل هذا الكتاب وكتابته العلامة الشيخ المحدث الباهر مولنا أبوا المآثر "محمد حبيب الرحمن الأعظمي" نظرا إلى نافعيه وكثرة إفاديته، فجزاه خير الجزاء.

وقد وقعت الفراغ عن كتابة بتوفيق الله تعالى ومنه وفضله، في أواخر ذي القعدة من ١٣٨٠هـ ثمانين وثلثمائة بعد الألف من الهجرية على صاحبها ألف ألف سلام وتحية.

اللهم تقبله مني بقبول حسن، وانفعني به وسائر المؤمنين بمنه وكرمه آمين يا رب العالمين.

ثم وجدت في النسخة الثانية الموجودة في "الجامعة الملية" في الحال هذه العبارة المسطورة في الذيل:

تمت مقابلة هذا الكتاب المستطاب المسمى ب"فتح الرحمن في تائيد مذهب النعمان للشيخ الأجل الحبر النبيل مصدوق علماء أمتي كأنبياء بني إسرائيل سندي وجدي أبي المجد "الشيخ عبد الحق المحدث الدهلوي" روح الله روحه وأوصل إلينا، فتوحه في عشية يوم السبت، تاريخ: الثامنة والعشرين مضت من ذي الحجة المنسلكة في شهور سنة تسع وتسعين والمأتين بعد الألف من الهجرة، بتوفيقه تعالى على يد عبده الراجي "محمد أنوار الحق الدهلوي" تاب الله عليه، والحمد لله رب العالمين.

toobaa-elibrary.blogspot.com